مواعظ فقیہ الامت

حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ
مفتی اعظم ہند دار العلوم دیوبند

جلد: اوّل

ترتیب جدید
محمد فاروق غفرلہٗ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

تفصیلات

نام کتاب:..........................مواعظ فقیہ الامت (اوّل)

افادات:..........................حضرت اقدس فقیہ الامت قدس سرہ

ترتیب جدید:..........................محمد فاروق غفرلہٗ
خادم جامعہ محمودیہ علی پور میرٹھ

تعداد:..........................۵۰۰۰

کمپوزنگ:..........................مجیب الرحمن قاسمی لکھیم پوری شعبہ کمپیوٹر جامعہ ہذا

سن اشاعت:..........................۱۴۳۶ھ مطابق ۲۰۱۵ء

صفحات:..........................۳۳۲

قیمت:..........................

-:ناشر:-

مکتبہ محمودیہ

جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ (یوپی) ۲۴۵۲۰۶

اجمالی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: اوّل

تمت وبالفضل عمت

اجمالی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: دوم

تمت وبالفضل عمت

اجمالی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: سوم

تمت وبالفضل عمت

اجمالی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: چہارم

تمت وبالفضل عمت

اجمالی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: پنجم

تمت وبالفضل عمت

تفصیلی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: اوّل

تمت وبالفضل عمت

تفصیلی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: دوم

....

تمت وبالفضل عمت

تفصیلی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: سوم

تمت وبالفضل عمت

تفصیلی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: چہارم

تمت وبالفضل عمت

....

تفصیلی فہرست

مواعظ فقیہ الامت

جلد: پنجم

تمت وبالفضل عمت

☆..

عرضِ مرتب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

ارباب جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل اور گجرات کے دوسرے محبین ومخلصین کی مسلسل کئی سالوں سے خواہش ودرخواست اور مظاہر علوم کے اختلاف وانتشار کی بناء پر سنہ ۱۴۰۶ء کا رمضان المبارک فقیہ الامت جامع الشریعت والطریقت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ مفتی اعظم ہند نے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی مسجد میں گذارا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ہندوستان کی عظیم ترین اسلامی درسگاہوں میں سے ایک ہے، اور بعض خصوصیات کے اعتبار سے انفرادی شان کا حامل ہے، وہاں کی ہر چیز سے حسن باطنی کے ساتھ حسن ظاہری قلب کو فرحت وسرور بخشتا اور آنکھوں کو دعوت نظارہ دیتا ہے، دلکش مناظر ودلفریب عمارتیں، صفائی ستھرائی، سلیقہ، حسن تعلیم وتربیت، سادگی، جذبۂ خدمت، حسن انتظام وہاں کی خصوصیات میں ہیں۔ جو ارباب انتظام کے ذوق صحیح، فطری حسن، اور انکی خداداد صلاحیتوں کی عکاس وترجمان ہیں۔ فخر المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نور اللہ مراقدہم جیسی عظیم ویگانۂ روزگار شخصیتوں نے وہاں قیام فرما کر جامعہ کو زینت بخشی، اور وہاں کی رفعت وعظمت کو چار چاند لگائے ہیں۔

عارف باللہ حقیقت آگاہ شیخ طریقت فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے ماہ مبارک میں وہاں قیام فرمانے کیوجہ سے سینکڑوں طالبین ومسترشدین پروانہ وار جمع

ہو گئے۔علماء مفتیان، شیوخ حدیث، کثیر تعداد میں تھے، علماء ومفتیان کرام وشیوخ حدیث کی اتنی بڑی تعداد ایک وقت میں ایک جگہ بمشکل نظروں نے کبھی دیکھی ہوگی۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کو بلکہ پورے ہی گجرات کو ایسا روحانی منظر شاید اوّل مرتبہ دیکھنا نصیب ہوا ہو۔ ہندوستان کے تقریباً پندرہ صوبوں: (گجرات، مہاراشٹر، پنجاب، یوپی، بہار، مغربی بنگال، ہریانہ، ہماچل پردیش، کشمیر، ایم پی، اڑیسہ، تامل ناڈو، کرناٹک، آندھرا پردیش، راجستھان) اور بیرون ہند (پاکستان، بنگلہ دیش، جنوبی افریقہ، برطانیہ، ری یونین، زمبیا، پنامہ، ٹرینیڈاڈ، کناڈا) کے حضرات نے اعتکاف میں شرکت کی۔عشرۂ اولیٰ میں معتکفین کی تعداد تقریباً ۲۷۵/عشرۂ ثانیہ میں تقریباً ۳۰۰/عشرۂ ثالثہ میں تقریباً ۴۰۰/رہی۔ یومیہ آنے جانے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے جو بعض دفعہ کئی سو تک ہو جاتی، اور بعض دفعہ ہزاروں سے بھی متجاوز ہو جاتی۔ جو تراویح، اور حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے بیان میں شرکت یا صرف حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے بیان میں شرکت کے لئے قرب وجوار، اور بہت سے پچاس ساٹھ میل کا سفر کر کے آتے اور بیان میں شرکت کر کے واپس چلے جاتے، کاروں، آٹو رکشاؤں کی بعض دفعہ اتنی کثرت ہوتی کہ مسجد سے باہر کشادہ صحن اسٹینڈ سا معلوم ہونے لگتا۔ غرض کہ عجیب بہار تھی کہ رحمت خداوندی کھلی آنکھوں برستی معلوم ہوتی تھی۔ مدرسہ خانقاہ بنا ہوا تھا۔ اور اس کو موسوم بھی خانقاہ محمودیہ ڈابھیل سے کیا جاتا تھا۔

❑❑❑

خانقاہ محمودیہ ڈابھیل کے معمولات

اور

نظام الاوقات کی ایک جھلک

سحر میں ڈھائی بجے بیدار کر دیا جاتا، اخیر رمضان میں تقریباً سوا دو بجے بیدار کیا جاتا۔ جو حضرات بیدار کرنے پر مقرر تھے۔ وہ سونے والوں کا ہلکے سے پیر دباتے یا پیر پر ہاتھ رکھتے اور سونے والا اٹھ کھڑا ہوتا۔ چند منٹ مین سب بیدار ہو جاتے۔ نہ آواز ہوتی، نہ شور، نہ الارم بجایا جاتا نہ اعلان کیا جاتا، بتی روشن کر دی جاتی جس کو شب میں تقریباً بارہ بجے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے بیان کے چند منٹ بعد بند کر دیا جاتا تھا۔ ہر شخص استنجاء وضوء سے فارغ ہو کر نوافل میں، تلاوت میں مشغول ہو جاتا۔ ادھر منتظمین کیجانب سے اڑھائی بجے ہی تقریباً دسترخوان بچھا دیا جاتا اور دسترخوان پر برتن لگا دیئے جاتے۔ اور اعلان کر دیا جاتا، مہمان حضرات دسترخوان پر تشریف لے آئیں۔ کھانا شروع ہو جاتا جو حضرات ہاتھ دھلانے پر مقرر تھے وہ بہت خوشدلی اور مستعدی سے ہاتھ دھلاتے، اسی طرح جو حضرات کھانا کھلانے اور پانی پلانے پر مقرر تھے سب خوبصورتی اور خاموشی کے ساتھ اسکو انجام دیتے، آواز، شور بالکل نہ ہوتا۔ کھانے، چائے سے فارغ ہوتے رہتے۔ اور نوافل، تلاوت، دعا، میں مشغول ہوتے رہتے۔ ساڑھے تین بجے یا پونے چار بجے، عموماً سب فارغ ہو جاتے اور سب تلاوت ونوافل و دعا میں مشغول ہو جاتے۔ یہ منظر بھی عجیب پرکیف منظر ہوتا۔ نماز فجر اول وقت ہوتی اور اول وقت فارغ ہو کر سونے کا وقت ہوتا، اندر کے حصہ کی بتی بند کر دیجاتی اور سب سو جاتے کچھ حضرات اس وقت بھی تلاوت کرتے اور وہ باہر برآمدہ میں بیٹھ کر تلاوت کرتے، تاکہ سونے والوں کی نیند میں خلل نہ ہو، وہاں روشنی جلتی رہتی سونے کا یہ وقت دس بجے تک ہوتا کہ اصل سونے کا وقت یہی تھا۔ دس بجے

سے قبل کسی کو بیدار نہ کیا جاتا، البتہ بہت سے حضرات از خود حسب توفیق بیدار ہو کر مشغول ہوتے رہتے، کوئی آٹھ بجے کوئی نو بجے کوئی اور آگے پیچھے بیدار ہوتے اور وضوغیرہ سے فارغ ہو کر نوافل وتلاوت میں مشغول ہو جاتے، دس بجے سب کو بیدار کر دیا جاتا اور سب استنجاء وضو سے فارغ ہو کر مشغول نوافل وتلاوت ہو جاتے۔ساڑھے گیارہ بجے سے بارہ بجے تک کتاب پڑھ کر سنائی جاتی، فضائل رمضان، اکابر کا رمضان، الاعتدال فی مراتب الرجال کا کچھ حصہ اس مجلس میں ہوا، بعدۂ ظہر سے آدھ پون گھنٹہ پہلے تک تلاوت کا سلسلہ رہتا کہ ظہر سے آدھ پون گھنٹہ قبل کچھ حضرات کچھ اور آگے پیچھے استراحت فرماتے اور اذان ظہر سے قبل اٹھ کھڑے ہوتے، اذان پر سب اٹھ جاتے، نماز ظہر سے فارغ ہو کر آیت کریمہ کا ختم ہوتا بعدۂ اجتماعی دعا ہوتی، بعدۂ ذکر بالجہر کی مجلس ہوتی، اثناء ذکر میں کسی پر ذوق وشوق میں سرور ومستی کی کیفیت غالب ہوتی اور دنیاو مافیہا سے بے خبر وفارغ ہو کر ذکر میں مشغول ہوتا کسی پر گریہ وبکاء کا غلبہ ہوتا جس کی وجہ سے ذکر بھی دشوار ہو جاتا، غرض کہ مختلف کیفیات کا حسب حال ظہور ہوتا، اور سخت سے سخت قلب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔اور ع

اس میخانے کا محروم بھی محروم نہیں

کا مصداق ہوتا، قبل عصر یہ مجلس ختم ہوتی، عصر بعد حضرت نور اللہ مرقدۂ کی مجلس ہوتی۔ جس میں ارشاد الملوک بعدۂ اکمال الشیم پڑھ کر سنائی گئی۔مغرب سے پندرہ منٹ قبل تقریبا کبھی اور کم وبیش یہ مجلس ختم ہوتی، اور سب حضرات دعاء وتلاوت، مراقبہ وغیرہ میں حسب ذوق مشغول ہو جاتے۔ ادھر منتظمین حضرات افطار کے لئے دسترخوان بچھادیتے اور افطاری کا سامان دسترخوان پر سلیقہ وقرینہ سے لگا دیا جاتا، اور افطار سے ۵ ر منٹ قبل تقریباً اعلان ہوتا، مہمان حضرات دسترخوان پر تشریف لے آئیں، سب حضرات دسترخوان پر پہنچ جاتے، افطار کے وقت زبانی اعلان ہوتا، کبھی صرف اذان پر اکتفا ہوتا، گھنٹی یا نقارہ کا دستور نہیں تھا۔افطار اطمنان سے ہوتا اس کے بعد نماز ہوتی، نماز کے بعد دسترخوان بچھ جاتا اور اعلان کر دیا جاتا، بہت سے

حضرات مختصر نفلیں پڑھ کر دسترخوان پر آجاتے اور کھانے سے فارغ ہو کر بقیہ حضرات نوافل پوری کرتے، بہت سے حضرات نوافل اطمینان سے پوری کر کے کھانا کھاتے، کھانے کے بعد چائے کا بھی اہتمام ہوتا، سحر وافطار ہر موقعہ پر میزبان حضرات کی سخاوت وفیاضی کا خوب ظہور ہوتا، مختلف انواع ماکولات ومشروبات کی جمع ہوتیں ہر ہر مہمان کی دلداری بلکہ ناز برداری کیجاتی، کوئی کسی خاص چیز کی خواہش وفرمائش کرتا اس کو حتی الامکان پورا کیا جاتا، گویہ خواہش وفرمائش ان کے منصب (کہ مہمان تھے اور طالب وسالک) کے خلاف تھی اور حصول مقصد میں حائل ومانع۔ مگر خدام کو ہدایت تھی کہ کسی مہمان کو شکایت نہ ہو، اسکی پوری کوشش ہو۔ خدام اس کا بہت خیال رکھتے اور ہنسی خوشی سب خدمات انجام دیتے۔

عشاء بعد کے معمولات سے فراغت پر ١٢/ بجے تقریباً رفقاء کار آپس میں مذاکرہ کرتے کہ کس مہمان کو کسی کے رویہ سے شکایت تو نہیں ہوئی۔ کسی کے بارے میں معلوم ہوتا۔ اس سے احتساب ہوتا، باز پرس ہوتی، اور اس مہمان سے معافی مانگی جاتی اور تدارک کی کوشش کیجاتی، کوئی بیمار ہوتا اس کے لئے پرہیزی کھانے کا انتظام کیا جاتا اسکی تیمارداری میں کسر نہ چھوڑی جاتی، مختلف المزاج اتنے بڑے مجمع کی رعایت کوئی آسان چیز نہ تھی کہ کوئی روٹی کھانے والا کوئی چاول، کوئی مرچ کا کھانے والا ہے کوئی بے مرچ، کوئی دودھ کا عادی ہے کوئی چائے کا، مگر فیاض وکریم میزبان حضرات کی پوری کوشش ہوتی کہ ہر وقت سب مہمانوں کی مرغوبات دسترخوان پر جمع ہوں اور کسی کو کوئی کبیدگی اور ملال نہ ہو، مگر اس سب کے باوجود بعض مہمانوں کو شکایت بھی ہوئی اور ان کے اپنے ذہن میں جو اپنا مرتبہ ومنصب تھا اور اپنے کو جس اکرام کے مستحق سمجھتے تھے، میزبانوں کے برتاؤ کو اس سے کمتر سمجھ کر دل برداشتہ ہو کر درمیان میں ہی واپس ہو گئے، میزبان حضرات یا ان کے رفقاء سے کسی کے خلاف مزاج بات پیش آنا کوئی بعید نہیں کہ آخر وہ بھی انسان ہیں اور اتنے بڑے مجمع کے مزاجوں کی رعایت بھی دشوار ہے مگر تعجب تو ان حضرات پر ہے کہ جو اپنے نفس کی اصلاح اور اخلاق کی درستگی کے

لئے یا اکتساب فیض اور تحصیل کمالات کے لئے صفاء قلب و باطن کے لئے خانقاہ میں حاضر ہوئے ہوں اور پھر اپنے اکرام و احترام کی طلب ہو اپنے اعزاز کی خواہش ہو اور وہ بھی اپنے مزعوم کے مطابق ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

احقر کے ایک مخدوم کرم فرما (جو قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کے متعلقین میں ہیں اور ماہ مبارک میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے اکثر مہمانوں کے طعام کا انتظام ان کے سپرد ہوتا تھا) نے سنایا، کہ کچھ خصوصی مہمان جو دیکھنے میں اچھے اہل علم معلوم ہوتے تھے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے مجھ سے کان میں فرمایا ''پیارے ان کے لئے پلاؤ وغیرہ کا اچھا انتظام کرنا، چونکہ پلاؤ کھانے کے علاوہ کچھ اور ان کا منشاء نہیں۔''

حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت مبارکہ میں ماہِ مبارک گذارنے کے لئے جارہا تھا، سفر کے دوران ٹرین ہی میں خواب دیکھا۔

مخدوم ومکرم حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی نور اللہ مرقدہٗ کسی جگہ تشریف فرما ہیں احقر بھی حاضر ہے دسترخوان لگا ہوا ہے مختلف قسم کے کھانے پھل وغیرہ موجود ہیں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ نے خاص تاثر کے ساتھ احقر سے فرمایا: ''لوگ انہیں چیزوں میں لگے رہتے ہیں جو اصل مقصد ہے اسکی طرف توجہ نہیں دیتے'' (یہی الفاظ تھے یا اس کے قریب قریب) خواب کی مراد ظاہر ہے محتاج تعبیر نہیں گو سب مہمان ہی خصوصی تھے اور سب کے لئے ہی خاص اہتمام ہوتا تھا جو اپنے خاص مہمانوں کے لئے بھی کم ہوتا ہے مگر پھر بھی خواص کے لئے دسترخوان الگ بچھتا تھا، جس پر وہی حضرات شریک ہوتے جن کو میزبان حضرات شریک کرنا چاہتے اور ان سے فرمادیتے یا سمجھتے کہ یہ مخدوم العلماء حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے اخص الخاص ہیں انکو فرمادیتے کہ تم کو یہاں کھانا کھانا ہے گو وہ حضرات اپنے کو اس سے بہت کمتر،

سمجھتے تھے کہ ان کو خواص کے دسترخوان پر شریک ہونے کی سعادت نصیب ہو مگر میزبان حضرات کے حکم کی تعمیل میں شریک ہوتے۔ اس دسترخوان پر کھانا وہی ہوتا جو دوسرے دسترخوان پر ہوتا مگر میزبان حضرات اپنے گھروں سے بعض مخصوص چیزیں بنوا کرلاتے رہتے جو مزید ہوتیں۔ حضرت اقدس فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے کسی قسم کا کوئی اشارہ نہیں ہوتا تھا کہ کس کو شریک کریں کس کو نہ کریں؟ جیسا کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا مزاج مبارک ہے، یہ سب میزبان حضرات کی صوابدید پر ہوتا، البتہ قطب الاقطاب حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے مجازین حضرات کے بارے میں (جو وہاں موجود تھے) حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی خواہش ہوتی کہ وہ اس دسترخوان پر شریک ہوں، بعض لوگوں کو اس پر اشکال ہوا کرتا ہے کہ بعض مہمانوں کے ساتھ کھانے میں خصوصیت اور امتیاز کا معاملہ کیا جائے یہ ناواقفیت کیوجہ سے ہوتا ہے، ورنہ تو میزبان کو اختیار ہوتا ہے کہ جس مہمان کو جو کھانا چاہے کھلائے، جس دسترخوان پر چاہے کھلائے کسی کو کوئی اعتراض کا حق نہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے یہاں مختلف دسترخوان ہوتے تھے اور ان پر مختلف قسم کے کھانے ہوتے تھے اور حسب صوابدید مہمانوں کو ان دسترخوانوں پر بٹھایا جاتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک سائل آیا اس کو روٹی کا ٹکڑا اس کے ہاتھ پر دے دیا گیا، دوسرا سائل آیا تو اس کو دسترخوان بچھا کر کھانا کھلایا۔ اس فرق وامتیاز کی وجہ جب ان سے پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا، "أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ" (ابو داؤد شریف: ۲/ ۲۶۵، کتاب الادب، باب فی تنزیل الناس منازلهم) [ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ انکے مقام ومرتبہ کے مناسب برتاؤ کیا کریں۔

غیر معتکف مہمانوں کے لئے مسجد کے صحن میں جو کہ گجرات میں عموماً خارج مسجد ہوتا ہے دسترخوان بچھتا، وہیں معتکف حضرات کے لئے ہاتھ دھلانے کا انتظام تھا وہ بھی اس طرح کہ

پانی صحن میں نہ گرے بلکہ باہر جائے، ہاتھ دھلانے کے لئے ٹین کی چادر سے خاص طور پر بنایا گیا تھا۔ جو صحن مسجد میں رکھا جاتا اور اس میں نالی کی ذریعے مسجد سے باہر پانی بہتا رہتا، اور صحن مسجد بھی ملوث نہ ہوتا۔

ساڑھے نو بجے عشاء کی نماز ہوتی، تراویح میں عشرۂ اولیٰ میں ایک قرآن پاک ختم ہوا، جو تین حافظوں نے سنایا، ہر حافظ ایک پارہ سناتا ۱۱ر بجے عموماً تراویح سے فراغت ہوتی۔ عشرۂ اولیٰ کے بعد اخیر تک بعض مصالح اور ضعفاء کی رعایت کرتے ہوئے صرف ایک ختم ہوا۔

تراویح سے فراغت پر یٰسین شریف کا ختم ہوتا، پھر اجتماعی دعا ہوتی۔ اس وقت اجتماعی دعا کا سلسلہ ۲۰ر رمضان تک رہا بعد میں یہ سلسلہ موقوف ہوگیا اور اس وقت کے بجائے بیان کے بعد اس کا وقت رکھا گیا۔ دعا بعد صلوٰۃ وسلام کی چہل حدیث ہوتی۔ ایک شخص پڑھتا اور پورا مجمع سنتا، اس کے بعد حضرت اقدس فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کا بیان ہوتا، سیدھے سادھے الفاظ ہوتے مگر آبدار موتیوں کی طرح صاف ستھرے، نہ واعظوں جیسا جوش ہوتا نہ آواز سخت اور تیز ہوتی، نہ تکلف وتصنع کا ذرا شائبہ، تحریر کیطرح تقریر میں بھی کلمات بہت مختصر ہوتے مگر جامع گویا مغز ہی مغز ہوتا اور متن ہی متن۔ تاثیر اس درجہ ہوتی۔ ع

کہ از دل خیزد بر دل ریزد

کا پورا مصداق ہوتا، محسوس ہوتا کہ کوئی چیز قلوب میں انڈیلی جارہی ہے، اور دنیا کی محبت قلب سے نکال کر اللہ پاک کی محبت اور آخرت کی رغبت بھری جارہی ہے کبھی اخلاص کا بیان ہوتا کبھی اخلاق حسنہ کے حصول کا طریقہ بتایا جاتا، اخلاق رذیلہ کے مضرات کو بتایا جاتا اور انکو اعتدال پر لانے کے گر بھی تعلیم کئے جاتے، کبھی نفس وشیطان کے حیل ومکائد سے آگاہ کیا جاتا، اتباع سنت کی اہمیت کبھی سمجھائی جاتی تو کبھی اشاعت دین کی عظمت کو بتایا جاتا۔ احسان وتصوف کی حقیقت سے کبھی باخبر کیا جاتا تو

کبھی نسبت و یاد داشت سے روشناس کرایا جاتا، غرض کہ وعظ کیا ہوتا روحانی مطب ہوتا۔ جس کی وجہ سے کبھی یہ شعر زبان پر بے اختیار جاری ہو جاتے ؎

کر غور ذرا دل میں کچھ جلوہ گری ہوگی
یہ شیشہ نہیں خالی دیکھ اس میں پری ہوگی
جس قلب کی گرمی نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی

ایک شب احقر نے خواب دیکھا کہ قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ وعظ فرما رہے ہیں اور اخلاق حسنہ واخلاص نیت پر بیان فرما رہے ہیں احقر کی آنکھ کھلی تو حضرت قاسم العلوم والخیرات کے ارشاد فرمودہ چند جملے احقر کو یاد تھے۔ خواب کی تعبیر تو تعبیر جاننے والے ہی جانتے ہیں، حضرت اقدس فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ سے خواب بھی عرض نہ کر سکا حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ تعبیر ارشاد فرماتے، احقر کی سمجھ میں یہ آیا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے علوم ومعارف حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کی زبان مبارک سے بیان ہو رہے ہیں اور حضرت فقیہ الامت کی طرف قاسم العلوم والخیرات کی روحانیت متوجہ رہتی ہے۔ نیز خواب سے حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے مواعظ کی مقبولیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بیان کے بعد حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ عشرہ اخیرہ میں دعا کراتے کبھی بالجہر کبھی بالسر کسی ایک طریق کا التزام نہیں تھا، دعا میں سادہ الفاظ ہوتے، دعا بالجہر ہوتی یا بالسر مجمع پر گریہ غالب ہوتا اکثر کی ہچکیاں بندھ جاتیں اور بعض کی چیخیں نکل جاتیں۔

در اندرون من خستہ دل ندانم کیست
کہ من خموشم واو در فغان ودر غوغا است

دعا شروع ہوتے ہی مجمع کی حالت بدل جاتی بجلی کے مثل کوئی چیز قلوب میں کوند

جاتی جو دلوں میں گرمی و رقت پیدا کر دیتی اور مجمع کو بے خود بنا دیتی۔ ؎

تاثیر برق حسن جوان کے سخن میں تھی
اک لغزش خفی مرے سارے بدن میں تھی

معمولات حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ

حضرت اقدس فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ صبح اڑھائی بجے یا اس سے بھی قبل بیدار ہوتے، اور نوافل میں مشغول ہو جاتے، طویل نفلیں ہوتیں ساڑھے تین بجے کے قریب عموما فراغت ہوتی، اسکے بعد سحری تناول فرماتے جو صرف چند لقمے ہوتے اور پھر نوافل میں مشغول ہو جاتے، اذان فجر پر سنت الفجر مختصر پڑھتے، فورا فرض نماز ہوتی، نماز کے بعد استراحت فرماتے اور سات، ساڑھے سات بجے تقریباً بیدار ہو جاتے، وضو سے فراغت پر نمازِ اشراق میں مشغول ہو جاتے، اس وقت کی نماز میں قرأت کافی طویل ہوتی اور نماز میں استغراق اور انقطاع عن الخلق کی وہ کیفیت ہوتی، گویا "الصلوٰۃ معراج المؤمنین ومناجات رب العالمین اور فلا تسئل عن حسنهن وطـــولهن" کا پورا ظہور ہوتا اس ضعف پیری وناتوانی اور کثرت امراض (کہ کھڑے ہوتے ہی عموماً چکر آتا ہے) کے باوجود نماز میں خدا معلوم کہاں سے یہ قوت آجاتی کہ ضعف کا شائبہ تک بھی محسوس نہ ہوتا۔ ولنعم ماقیل ؎

ہر چند کہ پیر خستہ و بس ناتواں شدم
ہر گاہ کہ روئے تو دیدم جواں شدم

ولنعم ماقیل ؎

ضعف پیری کثرت امراض کردش مضمحل
لیک بہر خدمت دین ہمتے دارد جوان

کمال خشوع وخضوع کے ساتھ ساڑھے نو بجے تقریبا اشراق سے فراغت ہوتی (اے کاش اس نماز کا کچھ حصہ احقر اور حضرت والا کے سب خدام کو بھی حاصل ہو جائے) اس کے بعد ایک دو صاحب کا قرآن پاک سماعت فرماتے تقریبا ۱۰/ بجے تک اسکے بعد اہم اور ضروری خطوط اور فتاویٰ کے جوابات املا کراتے اسی دوران معتکفین میں سے کسی کو کوئی سوال کرنا ہوتا وہ سوال

کرتا اور حضرت جواب ارشاد فرماتے تقریباً ۱۱ر بجے تک یہ سلسلہ رہتا۔ ۱۱ر سے ساڑھے گیارہ تک احقر حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے مواعظ (جن کو بعض احباب مشین کی مدد سے لکھتے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین) احقر ان کو صاف کر کے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو سناتا اور حضرت والا قدس سرہٗ مناسب ترمیم، حذف، اضافہ فرماتے، ساڑھے گیارہ بجے کتاب الاعتدال فی مراتب الرجال پڑھ کر سنائی جاتی جس میں تمام معتکفین شرکت فرماتے، حضرت والا قدس سرہٗ اپنے معتکف ہی میں کتاب سنتے اور توجہ فرماتے اور حاضرین کو باہر کتاب میں شرکت کا حکم فرماتے، بارہ بجے کتاب ختم ہوتی، اسکے بعد کسی کو کوئی خاص مشورہ کرنا ہوتا، کرتا، بعض اصحاب یکے بعد دیگرے کوئی کتاب حضرت قدس سرہٗ سے پڑھتے، اذان ظہر کے قریب تک یہی سلسلہ رہتا، اذان ظہر سے قبل ہی حضرت استنجاء وضو وغیرہ سے فراغت فرماتے اور سنتوں میں مشغول ہو جاتے، ان چار سنتوں میں بھی قرأت کافی طویل ہوتی اور جماعت کے وقت تقریباً سنتوں سے فراغت ہوتی، نماز کے بعد معمولات آیت کریمہ کا ختم، بعدہٗ دعا میں حضرت والا قدس سرہٗ شرکت فرماتے اسکے بعد ذاکرین ذکر میں مشغول ہو جاتے اور حضرت والا قدس سرہٗ اپنے معتکف میں ذکر میں مشغول ہو جاتے اور ذاکرین کی طرف توجہ فرماتے جس کے اثرات حسب حال ذاکرین محسوس فرماتے، بعض مخصوص احباب نے بیان کیا کہ دوران ذکر محسوس ہوتا کہ کوئی چیز قلب میں بھری جا رہی ہے اپنے ذکر کے بعد حضرت والا قدس سرہٗ کچھ وقفہ کیلئے استراحت فرماتے جو برائے نام ہی استراحت ہوتی، چونکہ استراحت کا وقت دن بھر میں عموماً فجر بعد ہی ہوتا، پھر استراحت کا موقع نہ ہوتا، کچھ دیر بعد ہی مردانہ وار کھڑے ہو جاتے اور استنجاء وضو سے فارغ ہو کر پھر نفلوں میں مشغول ہو جاتے، اذان عصر کے بعد سنتیں پڑھتے جن میں قرأت کافی طویل ہوتی اور کبھی یہ سنتیں زیادہ طویل نہ ہوتیں بلکہ مختصر ہوتیں اور سنتوں سے فارغ ہو کر تلاوت میں مشغول رہتے، نماز ہوتی، نماز عصر کے بعد پھر عمومی مجلس ہوتی جس میں خود حضرت والا قدس سرہٗ شرکت فرماتے، غروب سے ۱۵ر منٹ قبل تقریباً یہ مجلس ختم ہوتی جس میں ''اکمال الشیم'' اور ''ارشاد الملوک'' ''موت کی یاد''

وغیرہ کتابیں پڑھی جاتیں، اسکے بعد حضرت والاقدس سرہٗ تلاوت وتسبیح اور دعاوغیرہ میں مشغول ہوتے، اسکے بعد افطار ہوتا، افطار میں ایک فنجان زمزم ایک آدھ کھجور تناول فرماتے، فنجان بھی آدھا خود نوش فرماتے اور آدھا خادم خاص مستغنیٰ عن الالقاب محترم مولانا الحاج محمد ابراہیم صاحب مدظلہ وزادلطفہ افریقی پانڈ ور کے حوالے فرماتے، چند گھونٹ کوئی شربت بھی نوش فرماتے اور دوسری چیزیں بھی چکھتے، گو بظاہر بالکل اخیر تک مشغول رہتے مگر یہ مشغولی محض خدام کی دلداری کے طور پر ہوتی، اسکے بعد نماز مغرب ہوتی۔ حضرت والاقدس سرہٗ نماز مغرب بعد نوافل میں مشغول رہتے اور اطمینان کے ساتھ نوافل سے فراغت پر کھانے میں شرکت فرماتے، یہ شرکت بھی برائے نام ہوتی، آدھی چپاتی شاید ہی بمشکل تناول فرماتے ہوں ورنہ تو کوئی ہڈی چوستے رہتے جس سے معلوم ہوکہ کھانے میں مشغول ہیں، کئی سال قبل ایک موقعہ پر ماہ مبارک میں شام کے کھانے کے بارے میں فرمایا تھا:

''مہمانوں کی رعایت میں بیٹھ جاتا ہوں ورنہ خواہش نہیں ہوتی''

اور واقعہ بھی یہی ہے اس لئے کہ حضرت والا قدس سرہٗ کا زمانہ طالب علمی دارالعلوم میں ہمیشہ اور پھر زمانہ قیام مظاہر علوم تقریبا ۲۵/سال اور زمانہ قیام کان پور تقریبا ۱۴/سال پھر ابتداء قیام دارالعلوم ہمیشہ ایک وقت کھانا تناول فرمانے کا معمول تھا اس کے بعد جب مہمانوں کی کثرت مستقل ہوگئی تو انکی رعایت و دلداری میں شام کے کھانے میں شرکت شروع فرمائی۔

کھانے کے بعد ۱۵/۲۰/منٹ استراحت فرماتے اور اذان عشاء پر وضو استنجاء سے فارغ ہوکر قبل عشاء کی سنتوں میں مشغول ہوتے پھر فرض وتراویح ادا ہوتی اس کے بعد یٰسین شریف کا ختم پھر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا، جس میں حضرت والاقدس سرہٗ کا وعظ ہوتا، آدھ پون گھنٹہ، کبھی کم وبیش حسب ذوق جس کی کچھ کیفیت اوپر گذر چکی، بیان کے بعد نئے آنیوالے یا صبح کو جانے والے مہمانوں کا مصافحہ ہوتا کہ عمومی مصافحہ کا یہی ایک وقت ہوتا تھا۔ دن میں آئے ہوئے مہمان حضرات اسی وقت مصافحہ کرتے اور جو حضرات کل کسی وقت جانے والے ہیں وہ بھی اسی وقت مصافحہ کر لیتے، خواص حضرات دن میں بھی کسی وقت موقع پا کر جب حضرت والا استنجاء وضو کیلئے تشریف لیجاتے

آتے جاتے کسی وقت مصافحہ کرلیتے، مصافحہ سے فراغت پر حضرت والا قدس سرہٗ اپنے معتکف میں تشریف لے جاتے، میزبان حضرات کوئی پھل یا کبھی کوئی آئس کریم یا کوئی شربت وغیرہ لاتے، جس میں میزبان حضرات اپنی صوابدید پر کسی نو وارد خصوصی مہمان کو بھی شریک کرلیتے، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بعض خصوصی حضرات کیلئے انکے اپنے اپنے معتکف پر یہ چیزیں پیش کی جاتیں، جس میں کبھی ۱۲/ کبھی اس سے زائد وقت ہو جاتا، اس کے بعد حضرت والا قدس سرہٗ بظاہر استراحت فرماتے کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ سو رہے ہیں ورنہ تو بعض خاص خدام نے لیٹے ہوئے بھی آہستہ آہستہ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے ہوئے دیکھا، ان تمام معمولات ومشاغل کے ساتھ ایک قرآن پاک یومیہ ختم فرماتے کہ نصف صدی سے زائد سے ہر ماہ مبارک میں یومیہ ختم کلام پاک کا معمول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور پوری امت کو ماہِ مبارک کی صحیح قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

احقر کی بھی خواہش ہوئی اور دیگر احباب کا بھی اصرار ہوا کہ حضرت والا قدس سرہٗ کے مواعظ (جو تراویح بعد ہوتے تھے) جو سالکین کیلئے خصوصاً اور عوام الناس کیلئے عموماً بیحد مفید اور قیمتی خزانہ ہے کو محفوظ کیا جائے اور اشاعت کے ذریعہ انکے نفع کو عام سے عام تر کیا جائے، بعض حضرات نے مشین کے ذریعہ ان کو منضبط کرلیا اور بعض احباب نے مشین کی مدد سے ان کو کاپی پر نقل کیا، خدائے پاک ان سب حضرات کی مساعی جمیلہ کا بہترین بدلہ دارین میں نصیب فرمائے، بیش از بیش اپنا قرب خاص نصیب فرمائے، اور دارین کی راحتیں عطا فرمائے۔ آمین

احقر نے ان کو صاف کرنا شروع کیا اور حضرت والا قدس سرہٗ سے انکے سننے کی درخواست کی بعض خصوصی احباب نے احقر کی سفارش اصرار کے ساتھ کی، حضرت والا قدس سرہٗ نے اسکو منظور فرمالیا، اور صبح گیارہ سے ساڑھے گیارہ تک کا وقت عنایت فرمادیا، اور بعد میں اس وقت میں مزید توسیع فرمادی کہ ساڑھے دس سے ساڑھے گیارہ بجے تک کا وقت عنایت فرمادیا، احقر سناتا اور حضرت والا قدس سرہٗ اور بعض اخص حضرات سماعت فرماتے اور جہاں مناسب خیال فرماتے کوئی ترمیم (حذف واضافہ) فرماتے، احقر نے کوشش کی کہ تمام الفاظ جوں کے توں برقرار رہیں

تا کہ ان کا لطف واثر قارئین محسوس فرمائیں، البتہ کسی جگہ تکرار ہوا تو اس کو حذف کر دیا اور کسی جگہ تکرار کو بھی فائدہ کے تحت باقی رکھا گیا ہے۔ خواہش تھی کہ ہر چیز کا حوالہ حاشیہ پر لکھدیا جائے؛ تا کہ جو حضرات مراجعت کرنا چاہیں ان کو سہولت ہو جائے، مگر یہ کام دیر طلب تھا اور احقر کو فوری طور پر فرصت نہ تھی کہ فتاویٰ محمودیہ کی تیاری زیادہ اہم تھی، ادھر احباب کا تقاضہ جلد اشاعت کا تھا، کہ خطوط کے ذریعہ برابر اصرار ہو رہا تھا اور پوچھا جا رہا تھا کہ مواعظ کب تک چھپ رہے ہیں، اسلئے احباب کے شدت اشتیاق واصرار کے پیش نظر مناسب خیال کیا کہ اس وقت جوں کا توں ان کو شائع کر دیا جائے اور حوالجات کا کام کسی دوسرے موقعے پر کیا جائے، حضرت اقدس الحاج مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم العالی شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کا بھی یہی حکم تھا کہ حوالہ جات لکھ دیئے جائیں لیکن اس وقت فرصت نہ ہونے کی بناء پر حضرت مدظلہم نے بھی فرمادیا: ''کہ اب تو اللہ کا نام لے کر اسی طرح چھاپ دو'' اسلئے ابتداءً قسط وار اشاعت ہوتی رہی، پھر سب کو یکجا جمع کر کے تین جلدوں میں ہند و پاک ہر دو جگہ سے بار بار اشاعت ہوتی رہی اور اللہ پاک کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس پاک پروردگار نے بے حد مقبولیت سے نوازا۔ اب ان کو جدید کتابت اور نظر ثانی کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔

☆......احادیث مبارکہ کے حوالجات کی تکمیل بھی کسی حد تک کر دی گئی۔

☆......البتہ اکابر کے واقعات کے حوالجات کا اہتمام دشوار ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔

☆......آیاتِ مبارکہ اور احادیث مبارکہ کا جہاں ترجمہ پہلے سے نہیں تھا ان کا ترجمہ بھی کر دیا گیا۔

☆......مضامین پر پہلے عنوان نہیں تھے، اب ترتیب جدید میں مضامین پر عنوان بھی لگا دیئے گئے۔

☆......اس سے قبل ''خطبات محمود'' کے نام سے چند بار اشاعت ہوئی، مگر حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کی حیات میں ''مواعظ فقیہ الامت'' کے نام سے اشاعت ہوتی رہتی تھی۔ اس لئے اب جدید ترتیب کے بعد ''مواعظ فقیہ الامت'' ہی برقرار رکھا گیا۔

☆......اور بعض مواعظ جو بعد میں دستیاب ہوئے پہلی ترتیب میں شامل نہیں ہو سکے تھے ان کو بھی شامل کر دیا گیا۔

اس طرح اب الحمد للہ پانچ جلدوں میں اشاعت کی جا رہی ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ بِحُرْمَةِ حَبِيْبِكَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَحَبِيْبِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

آمین

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ (یو پی) الہند

۱۲؍محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

حقیقت توبہ

اس بیان میں

☆......توبہ کی ضرورت۔

☆......توبہ کی حقیقت۔

☆......جیسا گناہ ویسی توبہ۔

☆......حقوق العباد کی توبہ۔

☆......غیبت کے اقسام اور اس کے نقصانات وغیرہ کا بیان ہے۔

حقیقت توبہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِہٖ وَیَعْفُوْ عَنِ السَّیِّئَاتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (سورۃ الشوریٰ: ۲۵)

[اور وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور گناہوں کو معاف کرتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کا پورا علم رکھتا ہے۔] (آسان ترجمہ)

حق تعالیٰ شانہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور جب بندہ توبہ کرتا ہے بہت خوش ہوتے ہیں۔

توبہ

توبہ کا حاصل یہ ہے کہ اپنی خطا پر ندامت ہو، افسوس ہو، کہ میں نے یہ خطا کی، غلطی کی، مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ ندامت کی وجہ سے آدمی اللہ کے سامنے درخواست کرے کہ میری کوتاہی، گستاخی معاف فرما دیجئے۔

اس کے واسطے چند چیزوں کی ضرورت ہے، خالی زبان سے کہہ دینا کہ میری خطا معاف کردو میں توبہ کرتا ہوں، یہ کافی نہیں۔

ایک بچے کی توبہ

کان پور میں میرے ایک دوست کا ایک چھوٹا بچہ تھا جس کی عمر چار برس تھی، انہوں

نے مجھ سے اس کی شکایت کی، کہ یہ بچہ پیسے بہت مانگتا ہے، میں نے اس سے پوچھا: کیوں رے؟ تو پیسے مانگتا ہے، اس نے فوراً دونوں ہاتھ سے اپنے کان پکڑے، پھر ہاتھ جوڑے، میں نے کہا کہ آئندہ تو پیسے نہیں مانگے گا، اس نے کہا: نہیں، بالکل نہیں، اس کے بعد باپ کے کہنی مار کے کہا: اب تو پیسے دو، اب تو میں نے توبہ بھی کرلی۔

بس جیسی توبہ اس بچہ نے کی ہماری توبہ بھی اسی قسم کی ہوتی ہے، کہ لفظ توبہ بول دیا اور سمجھ گئے کہ سارے منازل طے ہو گئے۔

بعض خطائیں ایسی ہوتی ہیں کہ انکی قضا بھی کرنی پڑتی ہے۔ مثلاً ایک شخص نے نماز نہیں پڑھی تو توبہ کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس نماز کی قضا کرے نماز کی قضا کئے بغیر توبہ کرنا اور کہنا، الٰہی میری توبہ میں نے نماز نہیں پڑھی، آئندہ پڑھا کروں گا، کافی نہیں ہے، بلکہ جن وقتوں کی نماز ترک کی ہے، ان کی قضا ضروری ہے۔ تب توبہ درست ہوگی۔

ایسے ہی اگر کسی نے رمضان کے روزے نہیں رکھے تو اس سے توبہ کے لئے روزوں کی قضا بھی ضروری ہے، روزوں کی قضا کئے بغیر توبہ کرنا اور کہنا، الٰہی میری توبہ آئندہ روزے رکھا کروں گا، اتنا کافی نہیں ہے۔

ایسے ہی کسی نے زکوۃ ادا نہیں کی، اسکے واسطے توبہ کیلئے زکوۃ کی ادائیگی بھی ضروری ہے زکوۃ ادا کئے بغیر اس کا توبہ کرنا اور کہنا الٰہی میری توبہ، آئندہ زکوۃ دیا کروں گا کافی نہیں ہے۔

غرض کہ جن احکام و اوامر کی قضا ہوسکتی ہے، اور شریعت نے ان کی قضا لازم کی ہے ان سے توبہ کے لئے ان کی قضا بھی کرے اور وقت پر ادا نہ کرنے کی معافی مانگے۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی شخص کے ذمہ مالگذاری یا کوئی ٹیکس یا سرکاری محصول ہو جس کی حد مقرر کر دی گئی ہو کہ فلاں تاریخ تک جمع کر دو، اس نے تاریخ پر جمع نہیں کیا دیر ہوگئی، اب وہ عدالت میں آ کر معافی مانگتا ہے کہ صاحب میں نے ٹیکس وقت پر جمع نہیں کیا، معاف کر دو، معافی چاہتا ہوں، وقت پر ٹیکس جمع نہ کرنے کی تو معافی ہوسکتی ہے؛ لیکن کیا وہ ٹیکس بھی

معاف ہو جائے گا، نہیں، ٹیکس دینا ہی پڑے گا۔

اسی طرح شریعت میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کی قضا لازم ہے، ان کی قضا کئے بغیر توبہ مقبول نہیں۔

حقوق العباد کی توبہ

اسی طرح حقوق العباد میں توبہ کے لئے اس حق کی ادائیگی ضروری ہے، مثلاً کسی نے کسی کا روپیہ مارلیا اور پھر کہتا ہے کہ میں معافی چاہتا ہوں، معاف کردو میں نے آپ کا روپیہ مارلیا، یہ کافی نہیں، بلکہ اس کا روپیہ جو ذمہ میں ہے اولا اس کو ادا کرے، پھر معافی مانگے، کہ میں نے غلطی کی تھی کہ آپ کا روپیہ مارلیا تھا، مجھ کو ادا کرنا چاہئے تھا۔

جیسا گناہ ویسی توبہ

غرض جیسا گناہ ویسی اس کی توبہ، ''التوبة مثل الحوبة'' جیسا گناہ ویسی توبہ، مثلاً گناہ اگر چھپ کر کیا ہے، تو توبہ بھی چھپ کر کرلے کافی ہے اور اگر گناہ دو چار آدمیوں کی موجودگی میں کیا ہے تو توبہ بھی دو چار آدمیوں کی موجودگی میں کرے، اس صورت میں چھپ کر توبہ کرنا کافی نہیں ہے، مثلاً کسی شخص کی غیبت کی، برائی کی، اور اس کو علم ہے جسکی غیبت کی ہے اس کا تنہائی میں توبہ کرنا کہ میں نے توبہ کی کافی نہیں ہے، بلکہ جن لوگوں کے سامنے غیبت کی ہے، ان کے سامنے توبہ کرے، اور اللہ سے معافی مانگے۔

غیبت کی حرمت

قرآن پاک میں غیبت کی ممانعت آئی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا

فَكَرِهْتُمُوهُ۔ (سورۃ الحجرات:۱۲)

ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارا بھائی مرجائے اور اسکی لاش کا تم گوشت توڑ توڑ کر کھاؤ۔

پس غیبت کرنا ایسا ہے جیسے مرے ہوئے بھائی کی لاش سے گوشت توڑ توڑ کر کھانا۔

غیبت کس کو کہتے ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جانتے بھی ہو غیبت کیا چیز ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "اللہ ورسولہ اعلم" اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں جس طرح وہ بتادیں وہی بات صحیح ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اپنے بھائی کی کوئی بات اسکی پیٹھ پیچھے ایسی کہنا کہ اگر اسکے سامنے کہدے تو اسکو ناگوار گذرے، یہ غیبت ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اگر وہ بات سچی ہو واقعتا اس میں موجود تو تب بھی غیبت ہے؟ ارشاد فرمایا: تب ہی تو غیبت ہے۔ جو چیز واقعتا اس میں موجود ہے اور اسکی پیٹھ پیچھے کہی ہے جو اسکے لئے گرانی یا ناگواری کا باعث ہے اسی کا نام تو غیبت ہے، اور جو چیز واقعتا اس میں موجود نہیں ہے، اپنی طرف سے گھڑ کر کہی ہے تو یہ غیبت تھوڑا ہی ہے یہ تو بہتان ہے۔

(عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، مشکوٰۃ شریف: ج/ ۲/ص/ ۴۱۲، باب حفظ اللسان والغیبۃ الخ)

بہتان

بہتان کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ پلصراط سے گذرتے وقت اس شخص کو وہیں روکدیا جائیگا جس نے دینا میں کسی پر بہتان لگایا، اس سے کہا جائیگا کہ تم نے جو فلاں شخص پر

بہتان لگایا تھا اسکا ثبوت لاؤ؟ اور اسکے گواہ بتاؤ، جب تک گواہ پیش نہیں کروگے آگے نہیں بڑھ سکتے، پلصراط پر اس کو کھڑا کردیا جائیگا۔ نیچے جہنم کے شعلے بلند ہونگے، کوئی بجلی کی طرح سے کوندتا ہوا نکل جائیگا کوئی ہوا کے جھونکے کی طرح نکل جائیگا، کوئی تیز رفتار گھوڑے کی طرح گذر جائیگا، کوئی خراماں خراماں جائیگا، آگ ان پر کوئی اثر نہیں کریگی؛ لیکن جس شخص نے کسی پر بہتان لگایا ہے اسکا حال خراب ہے اسکو وہاں روکدیا جائیگا، کہدیا جائیگا، گواہ لاؤ؟ وہاں جھوٹے گواہ کہاں ملنے لگے، اس دنیا میں تو تیل کی پکوریوں پر جھوٹے گواہ مہیا ہو جاتے ہیں، اور آج کل تو بغیر تیل کی پکوریوں کے بھی مہیا ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں اس کو قیامت کی نشانی بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

يَشْهَدُوْنَ وَلَا يُسْتَشْهَدُوْنَ گواہی دیں گے بغیر گواہی طلب کئے۔

یہ علامات قیامت میں سے ہے، اس لئے وہاں کہاں سے گواہ لائیں گے، یہ بہتان کتنی خطرناک چیز ہے۔

قلم کی غیبت

اورغیبت جس طرح زبان سے ہوتی ہے قلم سے بھی ہوتی ہے؛ بلکہ قلم کی غیبت زبان کی غیبت سے زیادہ سخت ہے؛ چونکہ جو بات زبان سے کہی تھی وہ تو ختم ہوگئی کسی کے ذہن میں رہی کسی کے ذہن میں نہیں رہی؛ لیکن جو قلم سے غیبت کی کہ غیبت لکھ کر چھاپ دی، اشتہار شائع کردیا، پمفلٹ چھاپ دیا، غیبت و برائی کو رسالہ میں لکھ دیا یہ باقی رہنے والی چیز ہے، یہ گناہ مستقل اور دائمی ہوگیا جو بہت خطرناک ہے۔ "القلم احد اللسانین" قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے، ایک زبان آدمی کے منہ میں ہے دوسری زبان ہاتھ میں ہے یعنی قلم (جسکا خطرناک ہونا معلوم ہو چکا ہے)

ہاتھ سے غیبت

ایک غیبت ہاتھ کے اشارے سے ہوتی ہے، کوئی شخص چھوٹے قد کا ہے اس کو ہاتھ

کے اشارے سے ٹھگنا بتلا دیا یہ بھی غیبت ہے، کوئی شخص لمبے قد والا ہے، اس کی لمبائی کی طرف اشارہ کر کے بتلا دیا جو اس کو ناگوار گذرے یہ بھی غیبت ہے، کوئی شخص اور کسی خرابی یا عیب میں مبتلا ہے اس کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا تو یہ بھی غیبت ہے۔

ایک بڑے انداز کی غیبت

ایک غیبت اور ہے بڑے انداز کی کسی نے کسی مجلس میں بیٹھ کر کسی کی تعریف شروع کی کہ فلاں شخص بہت اچھا آدمی ہے، تو حاضرین میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ، جی ہاں، یا صرف گردن ہلاتا ہے، کہ جی ہاں، اس صورت میں گو اس نے زبان سے کوئی برائی نہیں کی؛ لیکن گردن ہلا کر اشارہ سے بتا دیا کہ اس کے عیوب آپ کو معلوم نہیں مجھے معلوم ہیں واقعی وہ کیسا ہے آپ کو خبر نہیں، آپ نہیں جانتے، میں جانتا ہوں، یہ بھی غیبت ہے اور نہایت خطرناک کہ اس کے غیبت ہونے کا خیال بھی نہیں ہوتا۔

غیبت کی ایک قسم کفر ہے

ایک غیبت ایسی ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کفر لکھا ہے وہ اور زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کی برائی بیان کی، سننے والوں میں سے کسی نے کہا: کہ اس کی غیبت نہ کرو، تو کہتا ہے کہ اس میں غیبت کی کیا بات ہے، یہ تو سچی بات ہے، میں اس کے منہ پر کہہ دوں، یہ تو سچی بات ہے، گویا وہ یہ کہہ کر کہ سچی بات ہے اس کو جائز قرار دے رہا ہے، کیونکہ اس کی سچی بات کا بیان ہی تو غیبت ہے اور یہ اس کو جائز قرار دے رہا ہے، حالانکہ اس کو قرآن پاک میں منع کیا گیا ہے اور حرام قرار دیا گیا ہے، ”وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا“ تو گویا وہ نص قطعی کا انکار کر رہا ہے اور جس کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے اس کو جائز قرار دے رہا ہے جو کفر ہے اس لئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کفر لکھا ہے، اللہ پاک محفوظ رکھے۔

تبلیغی چلہ کا فائدہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو یہاں مسجد (جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مسجد) میں جمع فرمادیا ہے، اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ جو لوگ تبلیغی جماعت میں جاتے ہیں انکے متعلق میں تو کہا کرتا ہوں کہ جس شخص کو شراب کی عادت ہے اور ایک چلہ کیلئے تبلیغ میں نکل گیا، چالیس روز ایسے گذر گئے کہ جن میں شراب نہیں پی، گھر رہتے ہوئے اسکو شراب چھوڑنا دشوار تھا؛ لیکن جب سے تبلیغی چلہ میں نکلا شراب نہیں پی، شراب سے بچ گیا، گالی دینے کی اس کو عادت تھی چلہ میں نکل کر چالیس روز تک گالی نہیں دی، لڑنے کی عادت تھی چالیس روز تک لڑا بھڑا نہیں۔ چوری کی عادت تھی چالیس روز تک چوری نہیں کی، غرض قسم قسم کے گناہوں میں ایک شخص مبتلا رہتا ہے، اخلاقی گناہ بھی ہیں عملی گناہ بھی ہیں؛ مگر جب چالیس روز تک چلہ میں نکل گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے محفوظ فرمالیا۔ چالیس روز کے بعد جب واپس آتا ہے اسکے اثرات باقی رہتے ہیں پھر اگر جلد ہی دوبارہ تبلیغ میں چلا جائے تو اس کو اور زیادہ فائدہ ہوتا ہے لیکن اگر نہیں گیا تو آہستہ آہستہ پرانی عادتیں لوٹ آتی ہیں۔ پھر اگر چلا گیا تو پھر ان عادتوں کی اصلاح ہوجاتی ہے۔

کسی نے چلہ میں نکل کر قرآن پاک یاد کرنا شروع کردیا، کسی نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" یاد کرلی، کسی نے "قُلْ ھُوَ اللّٰہ" یاد کرلی، کسی نے "آیت الکرسی" یاد کرلی، کسی نے "التحیات" یاد کرلی، کسی نے ساری نماز سیکھ لی، کتنا بڑا فائدہ ہوا۔

اعتکاف کا فائدہ

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم لوگوں کو یہاں مسجد میں بھیجدیا حتی کہ باہر نکلنے سے بھی منع فرمادیا گیا کہ بلا ضرورت شرعیہ وطبعیہ باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے جو خراب عادتیں اپنے گھروں پر تھیں مسجد سے باہر رہ کر، اللہ نے کیا کہ مسجد میں داخل ہوگئے اور ان بری عادتوں کے

چھوڑ دینے کا بہت اچھا موقع نصیب ہوگیا۔ یہاں رہ کر اپنی زبان کی بھی حفاظت کر سکتے ہیں۔

زبان کی حفاظت

زبان کی حفاظت بہت اہم ہے، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ نصیحت فرمائیں! حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: کہ اس کی حفاظت کرو۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

(عن ابی سعید رضی اللہ عنہ مرفوعا، مشکوٰۃ شریف: ۴۱۳ / ۲،باب حفظ اللسان الخ)

”صبح انسان کے بدن کے تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزی سے کہتے ہیں کہ اللہ کی بندی سیدھی سیدھی رہنا، ہم سب کا نظام درست رہے گا، اگر تو ٹیڑھی چلی تو ہم سب کا نظام تباہ ہو جائیگا۔“

اس لئے زبان کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: کہ حضور! صلی اللہ علیہ وسلم ہم جو دو چار لفظ بول لیتے ہیں، کیا ان پر قیامت میں پکڑ ہوگی؟

ارشاد فرمایا: ”ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ“ تیری ماں تجھے روئے، لوگوں کی بہت بڑی جماعت ایسی ہوگی کہ زبان کی وجہ سے ہی ان کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔

اس لئے یہاں زبان کی حفاظت کا بڑا اچھا موقع ہے، جب کہ اپنی زبان کو قرآن کریم کی تلاوت، تسبیح، ذکر، درود شریف، استغفار سے مانوس کرلیں، غیبت کرنے کے بجائے، گالیاں دینے کے بجائے، لڑائی کے بجائے، آدمی کی زبان ذکر الٰہی میں مشغول رہے، کتنا بڑا فائدہ ہے۔ اللہ الصمد۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض دفعہ آدمی ایک بول بولتا ہے، ایک کلمہ کہہ دیتا ہے اور وہ کلمہ ایسا ہے کہ جس کا اس کو خیال بھی نہیں ہوتا، وہ اس کو معمولی سمجھتا ہے، حالانکہ اس کی وجہ سے

اس کو جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے، وہ ایک کلمہ اتنا خطرناک ہے، اسکی حفاظت کے واسطے بہت اچھا موقع ملا ہے، اسکی حفاظت کریں۔ ورنہ آپس میں لڑتے لڑتے ایک دوسرے کے خلاف بولتے بولتے چھوٹ چھٹاؤ تک کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔جس سے شیطان بہت خوش ہوتا ہے۔

میاں بیوی کے اختلاف کے نقصانات

حدیث پاک میں آتا ہے کہ شیطان شام کو اپنا تخت سمندر پر بچھا کر بیٹھتا ہے، اور اس کے چیلے جو اس کی طرف سے اس کی نیابت کرنے کیلئے دینا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں وہ آ آ کر اپنی کارگذاری سناتے ہیں کہ میں نے فلاں کام کیا، میں نے فلاں کام کیا، مثلا ایک سناتا ہے کہ میں نے آج ایک آدمی کی نماز قضا کرادی، وہ کہتا ہے، تو نے کچھ نہیں کیا، بہت معمولی چیز ہے۔غرض بتاتے بتاتے ایک کہتا ہے کہ میں نے ایک شوہر اور بیوی کے درمیان لڑائی کرادی، شوہر باہر سے آیا، میں نے بیوی کو سکھایا کہ یوں کہو کہ تم نے فلاں کام خراب کر دیا۔ بیوی نے کہا، میرے شوہر نے تو کوئی کام خراب نہیں کیا۔شوہر کا جواب بیوی کو اور بیوی کا جواب شوہر کو سکھاتا رہا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے دونوں میں بلڈ پریشر بڑھ گیا، دماغ میں تیزی آگئی، یہاں تک کہ چھوٹ چھٹاؤ ہوگیا۔ بیوی روٹھ کر یہاں سے میکے چلی گئی۔ یہ سنکر شیطان اس کو سینہ سے لگاتا ہے کہ تو نے واقعی شاباشی کا کام کیا ہے۔تو میرا جانشین بننے کے قابل ہے۔

بات کیا ہے، بات یہ ہے کہ بیوی چلی گئی اپنے میکے، وہاں اس کے ماں، باپ، بھائی، بہن، خالہ اور پھوپھی سب مل کر بیٹھیں گے، پوچھیں گے کہ کیا بات ہوئی؟ یہ ساری باتیں سنائے گی تو گویا غیبت اور بہتان کے لئے مستقلاً مجلس منعقد کی جائیں گی اور سارے کے سارے پوچھیں گے۔اس میں شریک ہوں گے۔شوہر کے عزیز رشتہ دار۔تعلق رکھنے والے شوہر سے پوچھیں گے، وہاں بھی ایسی مجلسیں منعقد ہوں گی، دونوں خاندانوں میں یہ سلسلہ چلا، سلام کلام بند ہوگیا۔کتنی بڑی خرابی اور تباہی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

ہفتہ میں دوروز اعمال کی پیشی

حدیث میں آتا ہے کہ ہفتہ میں دوروز ایک جمعرات، ایک پیر کو ان دونوں دنوں میں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے نامۂ اعمال پیش ہوتے ہیں، اوران سب کی مغفرت کی جاتی ہے، لیکن جن دو شخصوں کے درمیان آپس کی نااتفاقی، اوررنجش کی وجہ سے بول چال بند ہے، انکے نامۂ اعمال پیش ہی نہیں ہوتے، انکی مغفرت نہیں ہوتی، انکے بارے میں کہہ دیا جاتا ہے، کہ جب تک یہ آپس کے تعلقات ٹھیک نہیں کریں گے، اس وقت تک انکی بخشش نہیں ہوگی، انکے نامۂ اعمال ہی پیش نہیں ہونگے۔

نیز ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب دومسلمان آپس میں لڑائی کی وجہ سے بول چال بند کردیں، تعلقات نہ رکھیں، دونوں کی دعا مردود ہوجاتی ہے، نہ اسکی دعا قبول ہوتی ہے نہ اسکی۔

نیز جذبات شوہر کے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں، بیوی کے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں، شوہر کہیں اوراپنا منہ کالا کریگا، اور بیوی کہیں دوسری جگہ اپنا منہ کالا کریگی، اس سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ حرام ہوگی اورزیادہ خطرناک ہوگی، نیز والدین کے اس اختلاف کا بچوں پر بھی اثر پڑیگا۔ لہٰذا زبان کی وجہ سے یہ آپس کی لڑائی کیا ہوئی، شیطان نے معاصی کاایک درخت بودیا، جس سے خاردارشاخیں نکلتی رہیں گی، زہریلا پھل لگتا رہے گا، کیڑے، مکوڑے بھی اسکے اندر پیدا ہونگے، اسلئے زبان کی حفاظت ناتہائی ضروری ہے۔اور یہاں زبان کی حفاظت کا بہت اچھا موقع ہے اعتکاف کی حالت میں ویسے بھی بلا ضرورت بات نہیں کرنی چاہئے لیکن ہمارے بعض دوست واحباب کچھ نہ کچھ باتیں تو آپس میں کرتے ہی رہتے ہیں، گیارہ مہینے کی عادت ایک دن میں کیسے چھوٹے، لیکن اسکے باوجود کمی تو بہر حال کچھ نہ کچھ ہو ہی جائیگی، کچھ فرق تو پڑ ہی جائیگا، جب ارادہ کریں گے، اللہ سے مانگنے کیلئے یہاں آگئے، پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے کیلئے اللہ سے معافی مانگ رہے ہیں، آئندہ کی حفاظت بھی اس سے مانگ رہے ہیں، تو اللہ پاک کیطرف سے نصرت بھی ہوگی پچھلے گناہ بھی معاف ہوں گے، اورانشاء اللہ آئندہ کی حفاظت بھی ہوگی۔

حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔آمین ”وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ“

فوائد صحبت

اس بیان میں

☆......صحبت کے فوائد۔

☆......فوائد کے لئے شرائط۔

☆......حضرات مشائخ اور اکابر اہل اللہ کے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

فوائد صحبت

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

حدیث پاک میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم آپ کی مجلس مبارکہ میں ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ ہمارے سامنے ہیں، اور جب یہاں سے چلے جاتے ہیں، بیوی بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو وہ بات نہیں رہتی جو صحبت مبارکہ میں حاصل تھی، حتی کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی اس حالت پر نفاق کا گمان ہونے لگا کہ یہ تو منافق کا حال ہوتا ہے، کبھی کچھ، کبھی کچھ، اندر کچھ، باہر کچھ، ان حضرات کے یہاں ہر چیز کا حل یہی تھا کہ براہ راست حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرلیا جائے، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو حالت تمہاری میری مجلس میں رہتی ہے، اگر یہی حالت ہمیشہ رہے تو فرشتے راستے میں تم سے مصافحہ کیا کریں؛ لیکن یہ بات کبھی کبھی ہوتی ہے، ہمیشہ نہیں، انسان چونکہ اس مادی دنیا میں رہتا ہے، یہاں کے ماحول کے اثرات سے متاثر ہوتا ہے، اور اس کے قلب کی کیفیت متغیر ہوتی رہتی ہے، اس واسطے کامل شیخ کی صحبت کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔

ماہِ مبارک کی برکت

یہ مہینہ خاص طور پر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے ماحول سے اللہ تعالیٰ نے بچالیا ہے۔ کہ

اے بندے! کہاں کھیتی باڑی کرتا پھرتا ہے؟ آجا! میرے دروازے پر، اے بندے! کہاں دوکان پر بیٹھ کر سودا لگائے گا، میرے دربار میں میری مسجد میں آجا، اے بندے! کہاں تو جوتے بنائیگا، جوتے گانٹھے گا، کپڑے بنائے گا، سب سے چھوٹ چھٹا کر سب کو چھوڑ چھاڑ کر میرے دروازے پر آجا۔

حق تعالیٰ شانہ نے یہاں انعامات دینے کیلئے بلایا ہے، گناہ معاف کرنے کیلئے بلایا ہے، احوال کی، قلوب کی اصلاح کیلئے بلایا ہے۔ بجائے اسکے کہ دوکان پر بیٹھ کر یا فیکٹری میں بیٹھ کر گالی گلوچ کی باتیں ہوتی ہیں۔ غیبت وعیوب کی باتیں ہوتی ہیں، یہاں قرآن پاک کی تلاوت ہے، اللہ کا نام ہے، تسبیح ہے، درود شریف ہے، استغفار ہے، نوافل ہیں، کتنا بڑا انعام ہے کہ حق تعالیٰ نے خود مہمان بنا کر اپنے یہاں بلالیا، شیاطین کو باندھ دیا، جو سال بھر تک پریشان کرتے رہے، طرح طرح کے گناہ سکھاتے بتاتے رہے، ان سے بچالیا، اور شیاطین کی شرارتیں ایسی ہیں کہ ان کا پتہ چلنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، بڑی دقت پیش آتی ہے، شیاطین مشائخ سے تو گھبراتے اور بھاگتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی برکت

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ رائپور میں جب بڑے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے، صبح کو آٹھ، نو بجے سب اپنے اپنے حجروں سے باہر نکلتے، مجلس ہوتی، ایک روز مولانا اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرہ سے نکلے، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں تشریف فرما تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر ان پر پڑی، تو فرمایا، آجاؤ! یہاں بیٹھ جاؤ! مولانا اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیٹھ گئے، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ بعد میں میں نے مولانا اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا؟ کہ حضرت! آج کیا بات تھی کہ حضرت نے آپ کو اس اہتمام اور خصوصیت کے ساتھ بلایا؟ انہوں نے جواب دیا: کیا کہوں، رات دو بجے اٹھا، اس وقت سے قلب میں ایک آواز گونج رہی تھی

"اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ" بہتیری ضربیں لگاتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں، مگر آواز بند نہیں ہوتی تھی، جیسے ہی حضرت کی نظر پڑی، حضرت نے فرمایا: یہاں بیٹھ جاؤ! فوراً وہ آوازیں ختم ہوگئیں۔

جو چیز برسوں کے مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوتی وہ ان حضرات کے پاس بیٹھنے سے حق تعالیٰ بہت جلد نصیب فرما دیتے ہیں۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا ڈاکٹر اقبال مرحوم پر اثر

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ لاہور تشریف لے گئے، وہاں کچھ عرصہ قیام فرمایا، حضرت کے تلامذہ بہت تھے، خدمت میں آنے جانے لگے، ڈاکٹر اقبال شاعر بھی اس وقت زندہ تھے ان کو بھی انکے بعض دوستوں نے کہا کہ تم بھی چلو، وہ کسی عالم کے معتقد نہیں تھے، نہیں آئے، پھر کسی بے تکلف دوست نے کہا کہ ساری دنیا میں مارے مارے پھرتے ہو وہاں جانے میں کیا حرج ہے، یہ کہہ کر کہ اچھی بات! مجلس میں پہنچ گئے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھتے ہی ذہن اس حدیث کی طرف منتقل ہوا، جس کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارکہ میں خدام وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس طرح بیٹھتے تھے، جیسے ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہو کہ ذرا حرکت کریں تو اڑ جائے، یعنی اتنے وقار واحترام کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، یہ نہیں تھا کہ کوئی ادھر دیکھ رہا ہے کوئی ادھر دیکھ رہا ہے، یہ کیفیت نہیں تھی بلکہ بڑے وقار وسکون کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس دیکھ کر ذہن منتقل ہوا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک کی ایسی ہی کیفیت ہوتی تھی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں لوگ مختلف قسم کے سوالات کرتے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انکا جواب دیتے اور جواب بھی بڑا گہرا ہوتا، فرماتے فلاں شخص نے ایسا لکھا ہے، اس کو مغالطہ فلاں کتاب سے ہوا ہے، فلاں کتاب میں بات اس طرح ہے، یہ سمجھا کہ

بات اسطرح نہیں اسطرح ہے، دور تک اتے پتے بتلادیا کرتے تھے، اسی وجہ سے کہا جاتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ چلتی پھرتی لائبریری ہیں، مستقل کتب خانہ ہیں، ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب کی مجلس میں مختلف سوالات کے جوابات سنے، اگلی مجلس میں پھر آئے، حدوث عالم کا کچھ تذکرہ آیا، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک قصیدہ سنایا، **"ضرب الخاتم علی حدوث العالم"** اشعار سنکر ڈاکٹر اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ او ہو یہ تو کچھ پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہیں، اس واسطے کہ ڈاکٹر اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ مانے ہوئے شاعر تھے، اب خود بھی کچھ سوالات کئے، پوچھا زمان کیا ہے؟ مکان کیا ہے؟ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ڈاکٹر اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نیوٹن نے ایسا لکھا ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ نیوٹن نے جو کچھ اس مسئلہ میں لکھا ہے وہ علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ سے لیا ہے اور یہ خیانت کی ہے کہ اسکو علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کر کے لکھا ہے، ڈاکٹر اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا، علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کون اور ان کا رسالہ کہاں، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان کا رسالہ میرے پاس دیوبند میں موجود ہے؛ چنانچہ دیوبند سے وہ رسالہ انکے پاس بھیجا بھی تھا: ڈاکٹر اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار سوالات کئے اور جو اشکالات کی چیزیں تھیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب کا تشفی بخش جواب دیا، تو ڈاکٹر اقبال صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مانوس ہو گئے۔

علامہ اقبال مرحوم کی قادیانیت سے توبہ

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب مانوس ہو گئے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں آپ سے خوش نہیں ہوں، اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ غلام احمد قادیانی کی جماعت احمدی کے سکریٹری تھے، اور غلام احمد قادیانی سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا غیظ تھا، بڑی نفرت تھی چونکہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ پر حملے کئے، سخت سست کہا، ان پر اپنی فوقیت ظاہر کی، جیسا کہ اسکے شعر سے ظاہر ہوتا ہے: ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

اس قسم کی باتیں اس نے کہیں، ختم نبوت کا انکار کیا اپنے لئے نبوت کا دعویٰ کیا وغیرہ وغیرہ اس وجہ سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے بہت غیظ تھا، ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے، اور وہاں سے اٹھے اور آکر استعفیٰ دیا، توبہ کی توبہ کر کے پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا، حضرت جو کانٹا کھٹکتا تھا اسے میں نکال آیا۔

توبہ کے بعد علامہ اقبال مرحوم کے اندر تبدیلی

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ڈاکٹر اقبال صاحب کی طرف متوجہ ہوئے، جس سے ڈاکٹر اقبال صاحب نے وہ چیز قلب میں پائی، جس سے قلب ہمیشہ سے ناآشنا تھا، جانتے ہی نہ تھے کہ ایسی چیز بھی قلب میں رہا کرتی ہے، پھڑک اٹھے اور یہ اشعار کہے ؎

الٰہی کیا بھرا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نَفَس ان کی

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ انکو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

اس وقت سے ڈاکٹر اقبال کی شاعری کا رخ بدل گیا، بالکل پلٹ گیا، پہلے جانے کیا کیا کہا کرتے تھے؛ مگر اس وقت سے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر اشعار کہنا شروع کر دیئے، اور انہیں کے مضامین کو زیادہ تر بیان کرنے لگے۔

عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

انکے حالات تو جو کچھ بھی ہوں لیکن اشعار سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات مقدسہ کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا، بڑی محبت رکھتے تھے، بڑا عشق تھا، ایک رباعی کہی ہے: ؎

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روز محشر عذرہائے من پذیر
لیک اگر بینی حسابم ناگزیر
از نگاہ مصطفی پنہاں بگیر

اے ذات پاک! تو غنی ہے بے نیاز ہے، میں فقیر ہوں محتاج ہوں، حشر کے دن ان گناہوں اور خطاؤں سے جو میں نے کیں ہیں، میرا عذر قبول کر، اور اگر میرا حساب لینا ضروری ہی ہے تو حضور اکرم ﷺ کی نگاہ سے پوشیدہ لینا، حضور ﷺ پر ظاہر نہ کرنا، تاکہ حضور اقدس ﷺ کو شرمندگی نہ ہو کہ میری امت کے لوگوں سے اس طرح حساب لیا جائیگا۔

بہت اونچے اونچے شعر کہا کرتے تھے۔

یہ انقلاب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کیوجہ سے ہوا آج جس صحبت کی ضرورت ہے وہ صحبت میسر نہیں آتی، نہ اس کو ضروری سمجھا جاتا ہے، اسی لئے محرومی رہتی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ میں حضرت شیخ الہندؒ کا ادب

خود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر اتنا بڑا ادب واحترام تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب مالٹا سے تشریف لائے، صبح کی نماز کے بعد مکان پر مجلس ہوتی، علماء ہی کی جماعت ہوتی تھی، آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو بھی کرتے، کبھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی کسی بات میں گفتگو کر لیتے؛ مگر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاموش بیٹھے رہتے، دوزانو گردن جھکائے بیٹھے رہتے، تشہد کی سی حالت میں، جب مجلس ختم ہوتی، آہستہ آہستہ سب لوگ اٹھ جاتے، چلے جاتے، تب حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ خود ہی فرماتے، شاہ صاحب آپ کو کچھ پوچھنا ہے، تب وہ عرض کرتے سر اٹھا کر کہتے، کہ حضرت فلاں حدیث کے متعلق دریافت کرنا ہے، از خود نہیں پوچھتے

تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دریافت کرنے پوچھتے تھے۔

دوسرے لوگ آپس میں اسی مجلس میں گفتگو کرتے؛ مگر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی کی گفتگو میں شریک نہ ہوتے، بس اپنے شیخ کی طرف ہی متوجہ رہتے۔

جس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان سے تشریف لے جارہے تھے اور پھر گرفتار کر کے مالٹا پہنچادیئے گئے تھے، اس وقت تشریف لے جانے سے پہلے گفتگو تھی کہ ''یہاں دارالعلوم میں صدر مدرس کون بنے گا، یہ بات بڑھتے بڑھتے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ گئی، انہوں نے فرمایا: مولوی انور شاہ کے ہوتے ہوئے آخر یہ سوال پیدا کیوں ہوتا ہے کہ صدر مدرس کون بنے گا؟ ان کی حیثیت، ان کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ ایک لفظ فرمادیا سب خاموش، آخر حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو صدر مدرس تجویز کیا گیا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ترمذی شریف کا سبق پڑھانے کے لئے درسگاہ میں تشریف لائے کتاب کھولی، عبارت پڑھی گئی، مگر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے تشریف لے جانے کا قلب پر اتنا صدمہ تھا کہ کوئی لفظ پڑھا نہیں سکے، کتاب بند کردی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہوئے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ چارپائی پر پیر لٹکائے ہوئے بیٹھے تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے لگا کر رونا شروع کردیا، اس وقت بے قابو ہو کر اتنی بڑی جرأت کی، یہی شاہ صاحب جو سامنے بولتے بھی نہ تھے، اب اس حالت کو پہنچ گئے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تکلف سے کام نہ لیا اچھا رولینے دو، جب ان کا رونے کا جوش ختم ہوگیا، تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

> **''شاہ صاحب! میرے یہاں موجود ہونے کی وجہ سے آپ کو شبہات پیدا ہوا کرتے تھے، میں نہیں رہوں گا تو شبہات پیدا نہیں ہوں گے، اگر کوئی شبہ پیدا ہوگا تو قدرت خود رہنمائی کرے گی، جاؤ اللہ کے سپرد۔''**

ان حضرات کے قلوب میں اپنے اساتذہ کے متعلق کیسے جذبات تھے وہ چیز اب ختم ہوگئی۔

....

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ادب

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارنپور سے دیوبند جاتے، کتب خانہ میں جانے کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، گئے کتب خانہ کھلا ہوا دیکھا تو سیدھے کتب خانے میں پہنچ گئے، جو کچھ وہاں جس کتاب میں دیکھنا ہوتا اسکو دیکھا، نقل کیا، واپس ہو گئے اور کام سے فارغ ہو کر اگر گاڑی کے وقت میں گنجائش ہوتی، تو کسی سے ملاقات بھی کر لیتے۔

ایک مرتبہ کتب خانے سے فارغ ہو کر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس انکے کمرہ میں تشریف لے گئے، زینہ چڑھ کر سامنے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمرہ تھا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا فوراً ننگے پیر دوڑے، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھئی! شاہ صاحب! اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟ میں تو آہی رہا تھا، یہ تو اچھا معلوم نہیں ہوتا کہ ننگے پیر دوڑ کر آؤ، مگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لئے ہوئے کمرہ میں لے گئے، وہاں جو مخصوص تلامذہ تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہتے تھے ان کی طرف اشارہ کر دیا وہ باہر چلے گئے، تنہائی میں کسی مسئلہ پر گفتگو کرنا تھی، گفتگو ہوئی، اس کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

مولانا کفایت اللہ گنگوہیؒ حضرت سہارنپوریؒ کی خدمت میں

مولانا کفایت اللہ صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ میرٹھ میں رہتے تھے، مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سہارنپور میں پڑھا اور وہاں مدرس بھی رہے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں مالٹا میں تھے، مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ایک کیفیت طاری ہوئی، اثناء ذکر و شغل میں خودکشی کو طبیعت چاہتی ہے، چاقو اٹھاتے ہیں، کنواں جھانکتے ہیں؛ مگر چونکہ ساتھ ساتھ عالم بھی ہیں، اسی حالت میں نہ چاقو کام دیتا ہے نہ کنواں، اور اپنے شیخ بھی وہاں نہیں وہ مالٹا میں ہیں۔ خیال دوڑایا تو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف

خیال گیا، کہ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اول تھے، ان کی خدمت میں خط لکھا کہ میرا یہ حال ہے، میری دستگیری کیجئے۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ:

حیرانم کہ بچہ دہقاں را بچہ کار سپر دند
صلاح کار کجا و من خراب کجا
ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

[میں حیران ہوں کہ دیہاتی بچہ کو کیا کام سپرد کیا؟ صلاح کار کہا، اور کہ میں خراب کہاں، دیکھئے! تفاوت راہ کہاں سے کہاں تک ہے۔]

تعجب ہے مجھے اتنے بڑے کام کا اہل کیوں سمجھ لیا گیا، میں ایسے کام کا اہل کہاں، مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پریشان ہوئے اور تھانہ بھون حاضری کا ارادہ کیا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کے لئے میرٹھ سے سہارنپور آئے اور سہارنپور سے جس گاڑی سے جانا تھا وہ گاڑی نہیں ملی، مدرسہ مظاہر علوم آ گئے، حضرت سہانپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سینہ سے لگایا، بٹھایا، جب اور لوگ چلے گئے تو ان سے فرمایا کہ آپ نے کیا لکھا تھا، تعجب ہے کہ آپ جیسا جانتا بوجھتا آدمی ایسی بات لکھے، بھلا میں اس کا اہل کہاں۔

انہوں نے عرض کیا:

حضرت اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ اس کے اہل نہیں تو یہ آپ پر اعتراض نہیں بلکہ حضرت عالی گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض ہے کہ انہوں نے آپ کو اجازت کیوں دی، کیا نااہلوں کو اجازت دیا کرتے تھے، اور جس در سے آپ کو سب کچھ ملا ہے میں نے بھی وہیں پرورش پائی ہے، اس لئے میرا آپ پر حق ہے۔

حضرت نے اس پر خاموشی اختیار کی اور فرمایا: ٹھہر جاؤ!

چنانچہ یہ ٹھہر گئے۔

....

رات کو عشاء کے بعد حضرت جب گھر جانے لگے تو ان کو بارہ تسبیح میں کچھ تھوڑا سا تغیر کر کے بتایا کہ مہمان خانہ کے اوپر کے کمرہ میں بیٹھ کر اخیر شب میں ذکر کرنا جہر کے ساتھ کہ میرے گھر تک آواز آئے، گھر بالکل قریب تھا۔

انہوں نے عرض کیا: کہ حضرت مجھ سے ذکر و شغل نہیں ہوتا، چھڑاؤ اس ذکر شغل کو کہ جس سے جان سے بھی عاجز آگیا، تاکہ میں بھی درس و تدریس میں لگوں۔

حضرت نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، جو کچھ کر رہے ہو کرتے رہو، ہمارے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک صاحب آئے تھے ان پر بھی یہی کیفیت طاری تھی ان کو حضرت نے بھی یہی بتایا تھا۔ یہ ان کے اطمنان کے لئے حضرت نے اپنے نسخے کی سند بھی بتادی، اور عشاء کی نماز کے بعد گھر چلے گئے۔ انہوں نے اخیر شب میں اٹھ کر ذکر شروع کیا، حضرت کا معمول تھا کہ صبح صادق کے وقت مدرسہ آجاتے تھے، کچھ دیر تک خاموش مراقب رہتے، پھر فجر کی نماز ہوتی تھی، حسب معمول حضرت آکر بیٹھ گئے، پھر فجر کی نماز کے بعد حضرت نے پوچھا: کیا حال ہے، کہا اب تو سکون ہے، وہ بات نہیں رہی، فرمایا: کہ اچھا یہاں بیٹھ جاؤ! حجرہ کے باہر سامنے بٹھایا، اور خود حجرہ کے اندر جا کر کواڑ بند کر لئے۔

مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے تھے کہ میں نہیں جانتا اندر بیٹھے کیا کر رہے تھے، مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میرا قلب زخمی ہے، زخم پڑے ہوئے ہیں اور حضرت بیٹھے ہوئے اس کو دبا رہے ہیں اور اس میں حضرت کے دبانے سے خون، پیپ نکل رہا ہے، میں چونک پڑتا تھا، دیکھتا تھا کہ حضرت تو یہاں نہیں ہیں حضرت کے حجرہ کا دروازہ بند ہے، اشراق تک یہی کیفیت رہی، اشراق پڑھ کر حضرت اندر سے باہر نکلا کرتے تھے، پوچھا کیا حال ہے، میں نے کہا بالکل اطمنان ہے، کہا اچھا آجاؤ! بخاری شریف کے سبق کے ساتھ لے گئے، حضرت نے ان کو وہیں بٹھا کر بخاری شریف کا سبق پڑھایا۔

مولانا کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے کہ ایسے انوار و برکات میں نے وہاں

دیکھے کہ دل تڑپتا تھا، ایسے انوار کہیں نظر نہیں آئے، خواہش تھی کہ حضرت طویل تقریر کریں؛ مگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت مختصر تقریر کرنے کی تھی، اس لئے میں نے الٹے سیدھے سوالات کرنے شروع کر دیئے، حضرت نے بعض دفعہ ایک ایک سوال کے کئی کئی جواب دیئے، اور کسی جواب کے متعلق فرمایا: کہ اس جواب کو کتابوں میں تلاش مت کرنا، یہ کتابی نہیں ہے، کبھی ایسا ہوا کہ ایک سوال کیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا، پھر فرمایا: اس جگہ پر ایک اور سوال ہے، جس سے شراح نے تعرض نہیں کیا، اس سوال کو بتلایا پھر اس کا جواب دیا، غرض اس طرح سبق پڑھایا بڑا اطمینان ہوا۔

اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے تھانہ بھون جانے کا ارادہ کیا تھا، فرمایا: ہاں ضرور جاؤ؛ مگر واپسی میں ایک شب یہاں کے لئے اور رکھنا کہ ابھی خامی رہ گئی ہے، میں سوچتا تھا کہ کیا خامی رہ گئی، میں تھانہ بھون گیا وہاں سے واپسی پر دو روز سہارنپور ٹھہرا جس خامی کا مجھے احساس نہیں ہوتا تھا اب پتہ چلا کہ جب میں صبح کو حجرہ کے سامنے بیٹھا مراقب ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قلب کے اندر کوئی چیز بھری جا رہی ہے، جس سے قلب کے اندر قوت پیدا ہوگئی، مسرت پیدا ہوگئی، پہلی حاضری پر تو آلائش نکالی، دوسری حاضری پر قوت بھری، تب فرمایا: اب ان شاء اللہ امن اطمینان ہے، اب جاؤ۔

یہ سب صحبت کی برکات ہیں، طبیب سے یہ کام نہیں ہوتا، اسلئے تو صحبت کی ضرورت ہے، آخر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ کی صحبت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت میں تابعین بیٹھے، اور تابعین کی صحبت میں تبع تابعین بیٹھے، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا آرہا ہے۔

بڑے بڑے اشکالات صحبت میں بیٹھ کر حل ہو جاتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں کچھ شکوک وشبہات لے کر گنگوہ جاتا،

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں؛ لیکن پوچھنے کی نوبت نہیں آتی تھی، بغیر پوچھے حل ہو جاتے تھے۔ کبھی تو ایسا ہوا کہ جو سوال میرا تھا وہی سوال کسی اور نے کرلیا، اس کا جواب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا جس سے میرا شبہ دفع ہوگیا، کبھی ایسا ہوا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ خود ہی بات فرماتے اور بغیر پوچھے ہی شبہ کا جواب بھی بیان فرما دیتے، کبھی ایسا ہوا کہ کچھ نہیں فرمایا، مجلس میں بیٹھنے سے ہی شبہ حل ہوگیا۔

ایک دو باتیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھیں، حضرت نے دریافت فرمایا: سائل کون ہے؟ عرض کیا: اشرف علی، حضرت نے کوئی جواب نہیں دیا، نہ یہ فرمایا: کہ اتنی سیدھی اور کھلی بات کا جواب تم کو چاہئے، نہ یہ اس کا جواب مشکل ہے، نہ یہ کہ پھر پوچھنا، کچھ نہیں۔ بلکہ مکمل خاموشی اختیار فرمائی، اس خاموشی سے جس طرح وہ مسئلے حل ہوئے ہیں، اب خیال آتا ہے کہ حضرت تقریر فرماتے تو بھی اس طرح سے حل نہ ہوتے، جس طرح اس خاموشی سے حل ہو گئے۔

صحبت سے فائدہ کے لئے شرط

کیا بات ہے! بات یہ ہے کہ اصل فیضان حق تعالیٰ کی طرف سے شیخ کے قلب پر ہوتا ہے، وہی فیضان پاس بیٹھنے والوں کو حاصل ہوتا ہے، بشرطیکہ مناسبت ہو، بشرطیکہ عقیدت ہو، کوئی خرخشہ قلب میں نہ ہو، خرخشہ ہوگا تو کوئی فائدہ و فیضان نہ ہوگا، خرخشہ نہیں ہے، قلب صاف ہے تو فیضان ہوتا ہے، اصل فیاض ذات باری تعالیٰ ہے، شیوخ تو وسائط ہیں سنگ مرمر کی چھت پر جیسی صاف بارش آسمان سے برستی ہے، اس چھت پر پانی ویسا ہی گرے گا جیسا آسمان سے اترے گا، اس کا ایک پرنالہ ہے، اس پرنالے کے نیچے جو آئے گا، پرنالے سے فیض اس کو پہنچے گا، پرنالہ کے اندر پانی پیدا نہیں ہوتا، پانی آسمان سے آتا ہے۔ یہ پرنالہ واسطہ ہے، اس واسطہ سے بھی تعلق رکھنا ضروری ہے، لیکن اگر کسی شخص نے گارا گوبر اس پرنالے میں بھر لیا تو جو پانی اس پرنالے سے آئے گا، اس گارے گوبر سے متاثر ہو کر آئے گا، وہ خراب گندہ پانی ہوگا وہ پانی

آسمان سے خراب نہیں اترا، آسمان سے تو صاف چلا تھا؛ لیکن درمیان میں پرنالہ میں گارا گوبر بھر گیا ہے اسکی وجہ سے خراب ہو کر آیا ہے۔

بس یہی کیفیت شیخ کی ہے، کہ اگر کسی کے شیخ واقعی شیخ ہیں، حقیقی کامل عارف شیخ ہیں، ان کے اوپر حق تعالیٰ کی طرف سے فیضان ہوگا وہ بالکل صاف ہوگا، ہاں اگر مرید کو اس شیخ کے ساتھ عقیدت نہیں ہے، بدگمانی رکھتا ہے، شیخ کے اعمال واقوال پر نکتہ چینی اور تنقید کرتا ہے، تو اس کے اثرات اس کے اوپر ضرور ہوں گے؟ اور جب شیخ کے قلب میں تکدر ہوتا ہے، اس تکدر کی وجہ سے فیضان نہیں ہوتا۔

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو سامنے آنے کی ممانعت

اس کا ایک مستدل حدیث میں بھی ہے، حضرت وحشی رضی اللہ عنہ جنہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح سے شہید کیا تھا کہ مثلہ کیا تھا، دل جگر نکالا تھا، کان، ناک کاٹے تھے۔ جب فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، بیعت کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ھل تستطیع ان تغیب وجھک عنی" کیا ایسا کر سکتے ہو کہ اپنی صورت میرے سامنے نہ لاؤ، اس لئے کہ چچا کے ساتھ جیسا معاملہ بیدردی کا کیا تھا، وہ یاد آیا، غم تازہ ہوا، اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر اسی طرح سے جب جب یہ سامنے آئیں گے چچا کا غم تازہ ہوگا تو فیض سے محروم ہو جائیں گے؛ چونکہ تکدر کے ساتھ فیض نہیں پہنچتا، لہٰذا ان کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا کہ سامنے نہ آئیں، نہ سامنے آئیں گے نہ غم تازہ ہوگا، ہاں تعلق ایمانی کی وجہ سے فیض دور سے بھی پہنچے گا، جتنا ان کے مقدر کا ہوگا اس لئے یہ صورت اختیار کی گئی۔

منافقین کی عادت تھی کہ مخلص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شکایتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا کرتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شکایتیں میرے پاس نہ لاؤ، میں چاہتا ہوں کہ جب اپنے صحابہ کے پاس آؤں تو سلیم الصدر

ہوں، میرے قلب میں کسی کی طرف سے میل اور کدورت نہ ہو تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے، اسی طریق پر جو مشائخ اہل حق ہیں وہ خود چاہتے ہیں کہ اپنے معتقدین مریدین میں سے کسی کی طرف سے بھی ان کے قلب میں خرخشہ نہ ہو، تکدر نہ ہو تاکہ فیض صحیح صحیح پہنچے کہ اگر شیخ کے قلب میں تکدر ہوگا تو فیض نہیں پہنچے گا۔ خرابی پیدا ہوگی، طالب کے قلب میں تکدر ہوگا تو بھی خرابی پیدا ہوگی، اس لئے دونوں کے قلب میں آپس میں ربط ہونے کی ضرورت ہے، ربط ہوگا تو بہت جلد فائدہ ہوگا، بہت فیضان ہوگا۔

شیخ جلال الدین بھانیسریؒ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی خدمت میں

پہلے حضرات قوت تاثیر رکھتے تھے، حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ بیعت ہوئے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اپنا حال لکھا، حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ جواب لکھتے ہیں۔

"اگرچہ دیراست آہو بچنگ شیراست"

اگرچہ کچھ دیر ہے لیکن ہرن شیر کے پنجہ میں آچکا ہے۔

تو جس طرح سے ظاہری اعضاء میں ایک قوی آدمی ایک کمزور آدمی سے پنجہ کرکے اس کے پنجہ کو مروڑ دیتا ہے، کشتی میں اسے دبالیتا ہے، ظاہری قوتوں پر حاوی ہوجاتا ہے، اسی طریقہ پر جو باطنی قوتیں ہیں، نفس امارہ کی سرکشی کی طاقت پر شیطان کے لگائے ہوئے پھندے اندر موجود ہیں، ان کے اوپر قوت پانے کے لئے بھی قوت کی ضرورت ہے، شیخ کے اندر باطنی قوت ہوگی، تو ان باطنی قوتوں پر غالب آکر ان کی اصلاح کریگا۔ اور اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ اگر شیخ ہی بیچارہ کمزور ہے تو اللہ اس کے حال پر بھی رحم کرے اور طالب کے حال پر بھی رحم کرے۔ (آمین) دونوں ہی قابل رحم ہیں۔ فقط

❑❑❑

تاثیر ذکر

اس بیان میں

☆......ذکر کی تاثیر اور اس پر اشکال مع جواب۔

☆......روح کی قوتیں اور اقسام۔

☆......انسان اور حیوانات میں فرق۔

☆......خلاصۂ کمالات۔

☆......غفلت کے ساتھ ذکر وغیرہ امور۔

کا بیان ہے۔

تاثیرِ ذکر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: کہ اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے بے اثر نہیں۔ اثر کر کے رہتا ہے۔

بعض لوگوں کی طبیعت میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم ذکر کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں تو ادھر ادھر کے خیالات آتے ہیں۔ ایسے ذکر سے کیا فائدہ، یوں نہیں سوچنا چاہئے۔ کہ ایسے ذکر سے کیا فائدہ، ایسا ذکر بھی کارآمد ہے، اس کا شکر ادا کریں، اور دل کے متوجہ ہونے کی دعا مانگیں، دل بھی حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، زبان بھی حق تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، زبان کو اپنے نام کے ساتھ جاری کر دیا دل کو بھی جاری فرمادے، یہ جاری ہونا ہمیں نظر نہ آتا ہو، اس کی تاثیرات ہم نہ دیکھتے ہیں؛ لیکن ہمیں ان پر اعتماد کرنا چاہئے، جنہوں نے تاثیرات بتائیں۔

شیخ بوعلی سینا کے اشکال کا حکیمانہ جواب

ایک شہزادہ بیمار ہوا، اس زمانہ کے بزرگ عیادت کے لئے تسبیح ہاتھ میں لئے ہوئے عصا لئے ہوئے گئے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شیخ ابوعلی سینا جو شاہی طبیب، رئیس الاطباء، اپنے فن میں بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا وہ موجود ہے، نبض دیکھ رہا ہے اور تشخیص کر رہا ہے، بزرگ نے پہنچ کر بچے کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا، پڑھ کے دم کیا، ابن سینا کہتے ہیں، یہ بڈھا کیا کر رہا ہے، مین مین چھو، مین مین چھو، یہ کیا کہتا ہے، ارے الفاظ تو غیر قار الذات ہیں غیر مجتمع الاجزاء فی الوجود ہیں، یہ تو منہ سے حروف نکلے اور اڑ کے ختم ہو گئے، اس کے پیٹ میں سدہ بیٹھا ہوا ہے، گرم دوا دی جائے، جس سے سدہ تحلیل ہو کر نکلے، اس پڑھنے سے اور چھو کرنے سے کیا ہوتا ہے، ان بزرگ نے ابن سینا کی طرف دیکھا اور کہا، کیا کہا کتے، کتے کیا بولا، بس جناب یہ لفظ

سننا تھا کہ سخت غصہ کے مارے حکیم ابن سینا کے چہرہ کا رنگ سرخ ہوگیا، اور بزرگ نے دوبارہ پڑھ کر دم کیا، پھونک ماری، پھر ابن سینا کی طرف دیکھ کر کہا گدھے اب بھی نہیں سمجھا۔

بادشاہ کے دربار میں کتا، گدھا کہدیا، ابن سینا کی حالت بدل گئی، غصہ کے مارے منہ سے جھاگ آنا شروع ہوگئے، رگوں میں تنتناہٹ، بدن میں کپکپی آگئی، ادھر بزرگ نے تیسری مرتبہ پڑھ کر دم کیا اور پوچھا حکیم صاحب کیا بات ہے کیسا مزاج ہے؟ چہرہ کا رنگ سرخ کیوں ہورہا ہے؟ بدن میں کپکپی کیسی ہے؟ منہ میں جھاگ کیوں ہے؟ رگوں میں تنتناہٹ کیوں ہے؟

ابن سینا نے کہا: کہ آپ نے مجھے ایسا لفظ کہا کہ جس سے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

بزرگ نے فرمایا: کہ لفظ تو غیر قار الذات ہے، غیر مجتمع الاجزاء فی الوجود ہے زبان سے نکلا اور ختم ہوگیا، اس سے بھی کوئی تاثیر ہوسکتی ہے، اور فرمایا: کہ دیکھئے بعض لفظ اس طرح سے مزاج کو بدل دیتا ہے، جیسے آپ کا مزاج بدل گیا ہے، کیا بعید ہے کہ میں کوئی ایسا لفظ پڑھ کر دم کردوں جس سے مزاج بدل جائے، گرمی پیدا ہوجائے اور سدہ باہر نکل آئے۔

حکیم صاحب تو ابھی تشخیص ہی کر رہے تھے، اللہ نے کیا وہ سدہ نکل کر باہر بھی آگیا، بچہ کو صحت بھی ہوگئی۔

پس تاثیر ہمیں نظر نہیں آتی لیکن جنہوں نے تاثیر کو بتایا وہ جانتے ہیں کہ تاثیر ہوتی ہے، بغیر تاثیر کے کوئی چیز نہیں، حق تعالیٰ نے ہر چیز کے اندر کوئی تاثیر رکھی ہے بعض دفعہ چیز بہت چھوٹی سی معمولی سی ہوتی ہے، مگر تاثیر اسکی بڑی ہوتی ہے، بچھو چھوٹا سا ہے ایک ڈنک ماردے سارا مزاج درست کردے، ایسی تاثیر اس میں رکھی ہے، کوئی کہنے والا کہے اس میں کیا رکھا ہے ذرا سا ڈنک ہے یہ تو کچھ بھی نہیں۔

اشرف المخلوقات کا مطلب

ایک مرتبہ ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا جنات انسان کو ستاسکتے ہیں؟ میں نے

کہا: ہاں ستا سکتے ہیں۔ کہنے لگے: کہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اشرف المخلوقات کو کون ستا سکتا ہے، میں نے کہا: جی ایک بھڑ، چہرہ پر کاٹ لے پھر دیکھو اس اشرف المخلوقات کا کیا حلیہ بنتا ہے؟ اشرف المخلوفات کا یہ مطلب کہاں سے لے لیا ہے، اشرف المخلوقات کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اس میں ترقی کی بے پناہ صلاحیتیں رکھیں ہیں کہ خاکی ہونے کے باوجود ملائکہ سے آنکھیں ملاتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے اور ملائکہ پیچھے رہ جاتے ہیں انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی ہے۔

روح کی قوتیں اور اقسام

ہر روح میں چند قوتیں ہوتی ہیں، ان قوتوں کے مجموعے سے کوئی چیز تیار ہوتی ہے، ایک قوت غضبانیہ، ایک قوت شہوانیہ، ایک قوت خیالیہ، ایک قوت واہمہ، ایک قوت عاقلہ، پانچوں قوتیں جس روح میں ہوتی ہیں اس میں اور قوت عاقلہ اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ بقیہ چار قوتیں کالعدم ہو جاتی ہیں، گویا کہ ہیں ہی نہیں، ایسی روح کو روح ملکوتیہ کہتے ہیں۔

اور جس میں قوت غضبانیہ وشہوانیہ کا غلبہ ہوتا ہے، بقیہ قوتیں اس کے مقابلہ میں مضمحل اور کمزور ہوتی ہیں اور یہ روح حیوانیہ کہلاتی ہے، اور روح حیوانیہ کی دو قسمیں ہیں، ایک روح سبعیہ، ایک روح بہیمیہ۔

روح سبعیہ: وہ ہے جسے پھاڑ کر کھانے کی عادت ہے جیسے بلی کہ پھاڑ کھاتی ہے، کتا وہ بھی پھاڑ کھاتا ہے، شیر وہ بھی پھاڑ کھاتا ہے، ان سب کے اندر قوت غضبانیہ بڑھی ہوئی ہے، اس لئے یہ حیوانات سباع ہیں۔

روح بہیمیہ: اور جس کے اندر قوت شہوانیہ غالب ہوتی ہے وہ روح بہیمیہ کہلاتی ہے، ان کے اندر دوسری قسم کی خاصیات ہوتی ہیں۔

اور جس کے اندر قوت خیالیہ واہمہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ جنات کی روح ہے اور جس

یں پانچوں قوتیں حق تعالیٰ نے اعتدال کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں، وہ انسان ہے، انسان اشرف المخلوقات اس اعتبار سے ہے کہ حق تعالیٰ نے پانچوں قوتیں اسکے اندر اعتدال اور توازن کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں اور اس کیلئے ترقی کا راستہ کھولدیا ہے، کہ یہ ترقی کر کے قوت عاقلہ کو حاکم بنالے اور خیالیہ، واہمہ، غضبانیہ، شہوانیہ کو محکوم اور تابع بنالے تو یہ سب سے بڑھ جاتا ہے، اور اگر اس کے اندر قوت غضبانیہ کا غلبہ ہو جائے تو ہر وقت پھاڑ کھانے کو تیار رہے، ڈانٹ، ڈپٹ، غصہ اس کے مار دیا، اس کا سر پھوڑ دیا، اسکی ناک کاٹ لی، یہ سب کچھ حرکتیں کرتا ہے۔

اگر قوت شہوانیہ کا غلبہ ہو جائے تو ایسی ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ جانور بھی اس سے شرمانے لگے، قوت خیالیہ، واہمہ، اس کے اندر آجائے تو مسمریزم سیکھتا ہے اور ہوا میں بھی اڑتا ہے اور آنکھیں بند کر کے یہاں سے وہاں پہنچ گیا وہاں سے یہاں پہنچ گیا، یہ سب کچھ کرتا ہے۔

انسان کو جو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔ ”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ آدَمَ“ [اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو عزت بخشی ہے۔] (آسان ترجمہ)

بنی آدم کو صاحب کرامت قرار دیا ہے تو اسلئے نہیں کہ اس کی قوت غضبانیہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ یا اسلئے نہیں کہ قوت خیالیہ، واہمہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے بلکہ اسلئے قرار دیا ہے کہ ساری قوتیں اعتدال کے ساتھ پیدا ہونے کے باوجود اس نے وہ ترقی کی جو اسکے لئے نافع ہے جس کے ذریعہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور سعادت عظمیٰ اس کو نصیب ہوتی ہے۔

انسان اور جانور میں فرق

جانوروں کے اندر تو کمالات خلقی اور پیدائشی ہوتے ہیں، مثلاً تیرنا یہ خلقی ہے کتے کا بچہ بھی تیرتا ہے، بلی کا بچہ بھی، گھوڑے کا بچہ بھی اور انسان جب تک استاد سے تیرنا نہ سیکھے نہیں تیر سکتا۔

اسی طرح دوسرے کمالات جو دوسرے جانوروں میں ہوتے ہیں وہ بھی خلقی اور

پیدائشی ہوتے ہیں۔

اور انسان بے کمال پیدا ہوتا ہے، کوئی کمال اپنے ساتھ لیکر نہیں آتا، اس دنیا میں آ کر یہ کمالات حاصل کرتا ہے، سیکھتا ہے، ترقی کے دروازے اسکے لئے کھلے ہوئے ہیں، بہت آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ان ترقیات پر حق تعالیٰ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں۔

خلاصۂ کمالات

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نمونہ بنا کر بھیجا اور یوں فرمایا کہ: ہمیں ایسی زندگی مطلوب ہے جیسی ان کی زندگی ہے جیسی زندگی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے، ویسی زندگی حق تعالیٰ کو مطلوب ہے اور پسند ہے، حق تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ سب لوگ اسی طریقہ پر چلیں، تو جتنے لوگ جس قدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلیں گے، اسی قدر حق تعالیٰ کے محبوب بنتے چلے جائیں گے، اصل معیار یہ ہے اس معیار پر جو چلے گا وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا چلا جائیگا، اور یہ قرب ایسا نہیں جو آنکھوں سے نظر آتا ہو کانوں سے سنائی دیتا ہو، زبان سے چکھنے کے قابل ہو۔

نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ: [اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔] (آسان ترجمہ) شہ رگ سے بھی حق تعالیٰ زیادہ قریب ہیں، اس کی ایسی ذات عالی ہے کہ اس کے قرب کو کسی چیز کے ساتھ تشبیہ اس دنیا میں نہیں دی جاسکتی، جس طرح اسکی ذات وراء الوراء ہے کوئی اس کا ادراک نہیں کرسکتا، اور کسی چیز کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتا، راستہ جو کچھ ہے قرب کا وہ یہی ہے چاہے آنکھوں سے کچھ نظر آئے یا نہ آئے۔

بیداری میں زیارت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بعض اولیاء اللہ کی بڑی کرامتیں ہوتی ہیں، ان کو آنکھوں سے بھی بہت کچھ نظر آتا ہے،

جیتے جاگتے نبی کریم ﷺ کی زیارت کرتے ہیں، بیداری کی حالت میں زیارت کرتے ہیں، فیض الباری میں لکھا ہے کہ: جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ مرتبہ بیداری کی حالت میں حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت کی؛ لیکن یہ زیارت بھی ایسی ہوتی ہے کہ اسکی وجہ سے آدمی صحابی نہیں بن جاتا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کو نہیں پہنچ جاتا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بیداری میں زیارت

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ مسجد نبوی میں باب الرحمت کے قریب درس دے رہے تھے اس میں حیات النبی ﷺ کا مسئلہ آگیا، حضرت مولانا نے اس کو ثابت فرمایا، طلبہ نے اشکال کیا اس کا جواب مرحمت فرمایا، پھر اشکال کیا گیا پھر جواب دیا، پھر اشکال کیا، پھر جواب دیا، پھر ایکدم اس طرف دیکھا، روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرف، طلبہ نے بھی دیکھا، دیکھا تو وہاں روضۂ اقدس نہیں ہے، عمارت نہیں ہے، جگہ صاف ستھری ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف فرماہیں، سب نے دیکھا، اچھا بھئی اشکال کرتے ہو، اس پر کیا اشکال کروگے، اس کے بعد پھر اپنی کتاب کی طرف متوجہ ہوئے، طلبہ بھی متوجہ ہوئے، پھر طالب علم نے دیکھا تو روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عمارت موجود ہے، تو اس قسم کی چیزیں حق تعالیٰ اپنے بندوں کو دکھلا دیتے ہیں، سنا دیتے ہیں۔

بیداری اور خواب کی زیارت میں کونسی زیادی قوی ہے

ایک مرتبہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے بہت جگہ خطوط لکھے، بہت سے علماء سے دریافت کیا کہ ایک بات بتائیے؟ ایک شخص وہ ہے جو حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت خواب میں کرتا ہے، ایک شخص وہ ہے جو بیداری کی حالت میں زیارت کرتا ہے، ان میں سے کونسی قوی ہے؟

اپنے اپنے ذوق کے مطابق سب نے جوابات دیئے، میں حاضر ہوا مجھ سے بھی

فرمایا: میں نے کہا: حضرت خواب کی زیارت قوی ہے، بہ نسبت بیداری کے۔

فرمایا: کیوں؟

میں نے کہا: اس کی ذمہ داری لی گئی ہے: ان الشیطان لا یتمثل بی من رانی فقد رانی" (مسند احمد: ۲/ ۴۱۰) [یقیناً شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اس نے مجھ کو ہی دیکھا۔] یہ ذمہ داری لی گئی ہے، ضمانت ہے کہ جس نے خواب میں دیکھا اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو دیکھا۔

اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کیا بیداری کی حالت میں شیطان کو قدرت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بنا لینے کی؟

میں نے کہا: کہ شیطان کو تو اس پر بھی قدرت نہیں ہے، البتہ قوت متخیلہ ایک صورت گھڑ سکتی ہے یہ احتمال باقی رہ جاتا ہے، اور خواب میں اس احتمال کو قطع کر دیا گیا۔

بات یہ ہے کہ خواب میں جس نے دیکھا وہ تو خواب کی رو سے صحیح ہے اور یہاں قوت متخیلہ ایک صورت بنا سکتی ہے، ایسے ہی قوت واہمہ صورت گھڑ سکتی ہے، اور گھڑ لیتی ہے، جنگل میں جاتے ہوئے کتنی صورتیں نظر آتیں ہیں اور دور سے جانے کا کیا کیا نظر آتا ہے، اس لئے یہاں نظر آوے یا نہ آوے؛ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہو رہا ہے۔

ایمان بالغیب معتبر ہے

اور ہمارا ایمان تو قرآن پاک پر ہے، اپنی آنکھوں پر تھوڑا ہی ہے، اپنی آنکھوں کے حوالہ کر دیا جائے تو کچھ بھی حاصل نہ ہو، اور ہم نے دیکھا ہی کیا، جنت دیکھی، دوزخ دیکھی، عرش دیکھا، کرسی دیکھی، لوح دیکھی، حوض کوثر دیکھی، کچھ نہیں دیکھا، قبر کے اندر کیا ہو رہا ہے، اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، منکر نکیر کو قبر میں دیکھا، قبر میں جو روشنی کر دی جاتی ہے، جنت کا راستہ دروازہ کھولدیا جاتا ہے دیکھا، نہیں دیکھا۔ ایمان بالغیب لاتے ہیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے جو کچھ فرمادیا اس پر ایمان لے آئے، آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لانے کا تو ہم سے مطالبہ نہیں، "یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ" ہے جو چیزیں غیب ہیں ان پر ایمان کا مطالبہ ہے آنکھوں سے دیکھی ہوئی چیزوں پر ایمان لانے کا مطالبہ نہیں ہے۔

انتقال کے وقت کا ایمان معتبر نہیں

اسی وجہ سے جب انسان کے انتقال کا وقت آجاتا ہے، عالم آخرت کی چیزیں اس پر منکشف ہو جاتی ہیں، ملک الموت سامنے آجاتا ہے اس وقت جو ایمان لاتے ہیں تو اس وقت کا ایمان بھی مقبول نہیں، غرغرہ کی حالت کا ایمان مقبول نہیں ہے، اس واسطے کہ ایمان بالغیب نہیں، رہا ایمان بالمشاہدہ ہوگیا، تو مرنے کے بعد جب وہاں سب چیزیں سامنے آئیں گی، جنکی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے تو ان کو دیکھ کر کہیں گے، "اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ" (سورۂ سجدہ: ۱۲) ہم نے دیکھ لیا، سن لیا اب ہمیں لوٹا دیجئے دنیا میں، جا کر پھر سے عمل کریں گے، انکی یہ بات منظور نہیں ہوگی، کیونکہ یہاں تو ایمان بالغیب معتبر ہے۔

ابن ماجہ شریف کی ایک روایت

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا شیر خوارگی کے زمانے میں، سولہ سترہ مہینہ کی عمر میں، ایک روز بچہ کی والدہ نے کہا کہ دودھ جوش مار رہا ہے دودھ پینے کی مدت پوری نہیں ہوئی تھی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اسکو تمہارے دودھ کی ضرورت نہیں رہی، جنت میں اس کے لئے دودھ کا انتظام ہوگیا، تم چاہو تو تم کو اس کی صورت دکھلا دوں، چاہو تو اسکی آواز سنوا دوں؟ ماں نے جواب دیا، کہ نہیں مجھے صورت دیکھنے کی ضرورت نہیں نہ آواز سننے کی ضرورت، آپ نے فرمایا: بس وہ کافی ہے،

بات یہ ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے باوجود پھر بھی یقین کرنا دیکھنے پر موقوف رہتا تو یہ ایمان بالغیب نہ رہتا، یہ روایت ابن ماجہ میں موجود ہے، اس واسطے یہاں ایمان بالغیب معتبر ہے، تو مومن کے ایمان کی اعلیٰ درجہ کی ترقی اسکی سعادت یہی ہے کہ اس کا ایمان مغیبات پر سب سے زیادہ ہو۔

اپنی آنکھوں کو جھٹلایا جاسکتا ہے اور جتنے تجربہ کار، دانشمند، ڈکٹیٹر ہوں انکی بات غلط ہوسکتی ہے؛ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ سچ ہے اس کے اندر کذب کا احتمال نہیں، اس چیز میں انسان جتنا پختہ ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا اس کو قرب نصیب ہوگا، اسکی زندگی جس قدر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق ہوگی اسی قدر حق تعالیٰ کا محبوب ہوگا۔

غفلت کے ساتھ بھی ذکر کارآمد ہے

اس واسطے اللہ تعالیٰ کا نام لینا خواہ غفلت سے ہی کیوں نہ ہو بیکار نہیں، کارآمد ہے، باقی کسی کا شعر ہے:

بر زباں تسبیح و در دل گاؤ خر
این چنین تسبیح کے دارد اثر

[زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤ خر ایسی تسبیح کب اثر رکھتی ہے۔]

مگر بعض بزرگوں نے اس میں بھی ترمیم کردی:

این چنین تسبیح ہم دارد اثر

[ایسی تسبیح بھی اثر رکھتی ہے۔]

ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر ادھر ادھر کی باتیں لگی ہوئیں ہیں اس تسبیح کا بھی اثر ہوتا ہے، بے اثر یہ تسبیح بھی نہیں ہوتی۔

ایک دوسرا شعر ہے: ؎

سبحہ در کف، توبہ برلب، دل پُر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما
ہاتھ میں تسبیح، لب پرتوبہ، دل ذوق گناہ سے پُر ہے
معصیت کو ہمارے استغفار پر ہنسی آتی ہے

ہاتھ میں تسبیح، لبوں پرتوبہ، اور دل گناہ کے ذوق میں بھرا ہوا ہے، اب یہ گناہ کروں، اب یہ گناہ کروں، معصیت کو بھی ہمارے استغفار پر ہنسی آتی ہے، معصیت ہنستی ہے کہ یہ استغفار کررہے ہیں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے: استغفارنا یحتاج الی استغفار کثیر" ہمارا تو استغفار کرنا بھی بہت سے استغفار کا محتاج ہے، کیونکہ استغفار کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں، یہ تو زبان سے کہہ رہا ہے کیا واقعی دل میں بھی چاہتا ہے، اگر دل میں معصیت سے مغفرت چاہنے کے بجائے دل اس کے شوق میں ڈوبا ہوا ہے تو یہ تو زبان سے ایسی بات کہہ رہا ہے جو دل میں نہیں "يَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ" (سورۂ اٰل عمران: ۱۶۷) [وہ اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔] (آسان ترجمہ) کا مصداق ہے جو نفاق ہے اس لئے فرماتے ہیں: "اِسْتِغْفَارُنَا يُحْتَاجُ اِلٰى اِسْتِغْفَارٍ كَثِيْرٍ" ہمارا تو استغفار کرنا بھی بہت سے استغفار کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ نے زبان کو ذکر کی توفیق دی، اس زبان میں سچائی بھی عطا فرمادے دل کو بھی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی پسندیدہ زندگی نصیب فرمائے۔ (آمین)

❀ ❀ ❀

تزکیۂ نفس

اس بیان میں

☆......تزکیۂ نفس کی ضرورت واہمیت اوراس کے نتائج وثمرات۔
☆......حقیقی کامیابی۔
☆......تزکیہ سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اورحضرات مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے واقعات۔

کابیان ہے۔

تزکیۂ نفس

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا۔ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ صُحُفِ اِبْرَاهِیْمَ وَمُوْسٰی۔

[فلاح اسی نے پائی ہے جس نے پاکیزگی اختیار کی، اور اپنے پروردگار کا نام لیا، اور نماز پڑھی، لیکن تم لوگ دنیاوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو، حالانکہ آخرت کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔ یہ بات یقیناً پچھلے (آسمانی) صحیفوں میں بھی درج ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں۔]

اللہ جل جلالہ کا ارشاد عالی ہے کہ: تحقیق بالیقین وہ شخص کامیاب ہے جس نے تزکیۂ باطن کرلیا، جس نے اپنے اندر کو اپنے باطن کو سدھارلیا وہی شخص کامیاب ہے۔

کامیابی کا نقطۂ نظر

دنیا میں کامیابی کا نقطۂ نظر بہت مختلف ہے، ایک شخص کو مکان کی ضرورت ہے وہ سمجھتا ہے کہ مجھے مکان مل گیا تو میں کامیاب، عالیشان بلڈنگ بنوالی تو میں کامیاب ہوگیا، ایک شخص کو دوکان کی ضرورت ہے وہ سمجھتا ہے مجھے فلاں جگہ دوکان مل جائے تو میں کامیاب، ایک شخص کو شادی کی ضرورت ہے وہ سمجھتا ہے کہ فلاں جگہ شادی ہوجائے تو میں کامیاب، الیکشن

آئے گا، ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میں الیکشن میں کامیاب ہو جاؤں تو پارلیمنٹ کا ممبر بن جاؤں تو میں کامیاب، غرض کہ ہر ایک کا نقطۂ نظر الگ الگ ہے اور صحیح ان میں سے وہ ہے جو ان سب کے پیدا کرنے والے نے بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کو کامیاب فرمایا وہ درحقیقت کامیاب ہے، اور اس کے علاوہ جو کچھ چیزیں ہیں وہ کامیابی کی نہیں، بھلائی کی چیزیں ہیں، معمولی طور پر ایک چمک دمک کی چیزیں ہیں بہت جلد فنا ہو جانے والی ہیں، کامیاب تو وہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کامیاب ہے، تزکیۂ باطن سے اخلاق فاضلہ حاصل ہوتے ہیں، اعمال صالحہ حاصل ہوتے ہیں، وہ اخلاق فاضلہ وہ اعمال صالحہ انسان کا ساتھ دینے والے ہیں، درحقیقت ایسی چیزیں کسی کو میسر آجائیں تو وہ کامیابی کی چیز ہے۔

اگر کسی کے پاس روپیہ ہو، بہت سارا جمع کرلیا ہو، نوٹوں کی گڈیاں کی گڈیاں جمع کرلیں لیکن ایک دیمک کا کیڑا اس پر مسلط ہو جائے تو سب کو کھا کے ختم کر دے یہ بھی کوئی کامیابی ہے جس کو ایک کیڑا ختم کر دے، استغفر اللہ، یہ تو کچھ بھی کامیابی نہیں، ناکامی ہی ناکامی ہے۔

ایک شخص کے پاس ہوائی جہاز ہے، اس سے آمدنی بہت ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں کامیاب ہوں، ایک پرزہ اگر اوپر سے خراب ہو جائے، دھم سے نیچے آگرے جہاز میں جتنے آدمی تھے وہ بھی گئے اس کا ڈرائیور چلانے والا بھی گیا سب ختم ہو گئے۔ ایک شخص کے پاس موٹر ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں کامیاب ہوں؛ لیکن چلتے چلتے کسی جگہ ایکسیڈنٹ ایسا ہوا کہ جس سے موٹر بھی ٹوٹ گیا اور ڈرائیور بھی ختم ہو گیا، یہ بھی کچھ کامیابی ہے۔ ایک شخص کی ملکیت میں ایک بہت بڑی ریل ہے، اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا جس کے نتیجہ میں کتنے مسافر اس میں مارے گئے، کتنے تباہ و برباد ہوئے، زخمی ہوئے، یہ کیا کامیابی ہے، غرض کہ ان میں کسی چیز میں حقیقی کامیابی نہیں۔

ایسا بھی دیکھا ہے کہ صبح کو سیٹھ گدی پر بیٹھا ہے، نخوت و تکبر کا یہ عالم ہے کہ کسی کالے آدمی سے بات کرنے کو تیار نہیں، اور جناب شام کو پستول لے کر آدمی پہنچے اور کہا کہ اس کاغذ پر دستخط

کروکہ ہم نے یہ ساری دوکانیں فروخت کر دیں اور قیمت وصول پائی، ورنہ ابھی پستول سے مارے دیتے ہیں، اس نے جناب دستخط کر دیئے، اب فوراً کان پکڑ کر اس کو اٹھا دیا کہ چلو یہاں سے، چلا گیا، شام کے کھانے تک کے پیسے اس کے پاس نہیں، ایسی کیفیت بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان میں سے کوئی چیز دل لگانے کے قابل نہیں، بھروسہ کرنے کے قابل نہیں، محبت کرنے کے قابل نہیں۔ یہ سب چیزیں دھوکہ کی ہیں انکی کوئی حیثیت نہیں۔

حقیقی کامیابی

حقیقی کامیابی وہ ہے جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں: "قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى" کامیاب ہے وہ شخص جس نے تزکیۂ باطن کرلیا۔ مثلاً نفس کے اندر بخل ہے بخل کو دور کر کے سخاوت کو حاصل کرلیا، بخل کو کیسے دور کیا جاتا ہے، سخاوت کو کیسے حاصل کیا جاتا ہے، کیا سخاوت کی تعریف ہے، کوئی مقالہ شاندار دلائل کے ساتھ لکھ کر آدمی پڑھ کر سنا دے، کیا وہ سخی ہے؟ محض مقالہ لکھ دینے سے تو سخی نہیں ہو جاتا، یا کسی نے رسالہ لکھ کر چھاپ دیا کیا وہ سخی ہو گیا؟ کیا سخی کی تعریف میں کوئی مستقل رسالہ لکھ دے تو کیا وہ سخی ہو گیا؟ یا سخاوت جہاں جہاں کیجاتی ہے، اسکے دروازے اور راستے سارے بتا دے، ساری قسمیں بتا دے، کیا اس بتانے سے وہ سخی ہو گیا۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے نفس سے کہا: تو بخیل ہے، نفس نے کہا: میں کیوں بخیل ہوتا؟ میں تو سخی ہوں، کہا: نہیں تو بخیل ہے، اس نے کہا: میں سخی ہوں، اچھا طے یہ پایا کہ کل جتنی نقدی رقم اپنے پاس ہو سب سے پہلے جو غریب ملے اس کو دیدو، اگر خوشدلی سے رقم دیدی تو معلوم ہوتا ہے کہ سخی ہے اور جو دینے میں خوشدلی نہ ہوئی تو معلوم ہوتا ہے کہ بخیل ہے۔

صبح کو دیکھا پچاس اشرفیاں انکے پاس تھیں انکو لے کر چلے، ایک جگہ ایک نابینا حافظ بیٹھے ہوئے کسی نائی کی دوکان پر حجامت بنوا رہے ہیں، پرانے سے میلے سے کپڑے ہیں، انہوں نے لیجا کر بہت ادب احترام کے ساتھ وہ اشرفیاں انکی خدمت میں پیش کیں اور کہا: حافظ صاحب یہ پچاس اشرفیاں آپ کی خدمت میں نذرانہ ہے، حافظ صاحب نے کہا: اچھا ہوا، تم لے آئے میرے پاس اس نائی کو اجرت دینے کیلئے بھی کچھ نہیں تھا، اسے دیدو انہیں خیال آیا کہ یہ نابینا ہیں، انکو پتہ نہیں کہ یہ کتنی اشرفیاں ہیں، نائی کی اجرت بال بنانے کی کہیں پچاس اشرفیاں ہوتی ہیں، حافظ صاحب نے سر اٹھا کر کہا، اسی واسطے تو کہتے تھے کہ تم بخیل ہو دیجئے، کیوں نہیں دیتے، افوہ یہ تو بہت دور کی پتہ کی بات بتا رہے ہیں، بہت شرمندگی ہوئی اور وہ سب اشرفیاں اٹھا کر نائی کے سامنے رکھدیں، نائی نے کہا کہ میں نے جب حافظ صاحب کو میلے کپڑے دیکھے تھے اسی وقت سوچ لیا تھا اور ارادہ کرلیا تھا کہ انکی حجامت اللہ واسطے بناؤں گا، ان ٹھیکروں کی وجہ سے میں اپنی نیت خراب نہیں کرتا، مجھے نہیں چاہئے، وہ فرماتے ہیں کہ: مجھے اتنی ذلت اسوقت محسوس ہوئی کہ کبھی نہیں ہوئی تھی، وہ اشرفیاں لائے اور لا کر دریا میں پھینکدیں کہ خدا تمہیں غارت کرے جو تم سے دل لگاوے وہ اسی طرح ذلیل ہے۔

تو سخاوت کی تعریف کے بجائے عمل کی ضرورت ہے، یہ تو عملی چیز ہے، سخاوت کی خالی تعریف کر دینے سے، قصیدہ یا رسالہ لکھ دینے سے آدمی سخی نہیں ہو جاتا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سخاوت

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تربیت فرمائی ان پر کوشش و محنت کی اللہ پاک نے ان کو کامیاب فرمایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں "یُزَکِّیْھِمْ" بھی تو ہے کہ تزکیہ باطن فرماتے تھے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کو اٹھا کر دیکھنا چاہئے کیسی کیسی سخاوت کی باتیں ان سے صادر ہوئیں۔

ایک جگہ چند آدمی بیٹھے ہیں آپس میں گفتگو ہو رہی ہے کہ اس وقت کون شخص زیادہ سخی

ہے؟ تین آدمیوں کے نام پیش کئے گئے، کسی نے ایک کا کسی نے دوسرے کا کسی نے تیسرے کا نام پیش کیا، وہ تین نام کون تھے؟ ایک عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، ایک قیس ایک اور صاحب نابینا، آپس میں طے ہوا کہ ان تینوں کی آزمائش ہونی چاہئے ان میں سے ایک اٹھا اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کی سخاوت

یہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ایسے آدمی تھے کہ جب سفر میں جاتے تو اپنی اونٹنی کو اشرفیوں سے روپیوں سے، کھانے، کھانے پینے کی چیزوں سے بھر کر چلتے کہ راستہ میں کسی کی خاطر تواضع کرنے میں کچھ پریشانی اٹھانی نہ پڑے، اس واسطے کہ اس وقت کی یہ کیفیت تھی کہ کئی کئی روز گذر جاتے تھے کہ کہیں پانی نہیں ملتا تھا، سائل نے ان سے جا کر کہا کہ میں ایک مسافر آدمی ہوں مجھے سواری چاہئے؟ حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ اس وقت سفر کرنے کیلئے تیار تھے، اونٹنی بھری بھرائی کھڑی تھی صرف سوار ہونے کی دیر تھی، اور اس وقت سواری چاہئے کہ یہ مطلب نہیں ہوتا تھا، جیسے آج کل گھنٹے آدھ گھنٹے کیلئے کسی کی موٹر مانگ لی کہ میں ذرا سورت ہو آؤں، اور لا کر واپس کر دی اور تیل کے پیسے بھی دیدئے، بعض تیل کے پیسے نہیں دیتے تو موٹر والا مانگ لیتا ہے، کہ تیل کے پیسے تو دیکر جاؤ، اس وقت سواری کا مانگنا ایسا نہیں تھا، بلکہ جو سواری مانگ لی مانگ لی پھر اسکی واپسی نہیں ہوتی تھی، اونٹنی سامان سے اشرفیوں سے لدی لدائی تیار کھڑی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ نے وہ اونٹنی اس کے حوالے کر دی کہ جاؤ لیجاؤ، وہ اس کو لیکر خوشی خوشی آئے جہاں ممتحنین کا بورڈ بیٹھا تھا، ان کے سامنے لا کر کہا کہ دیکھو، یہ عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ کے یہاں سے لایا ہوں۔

قیس کی سخاوت

اس کے بعد وہ صاحب دوسرے صاحب (جنکا نام قیس تھا) کے یہاں گئے۔ ان

کے مکان پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیس تو ہیں نہیں کہیں باہر گئے ہوئے ہیں، باندی نے پوچھا: کیا بات ہے؟ کیا کام تھا؟ جواب دیا: ان سے ہی کام تھا تم سے کام نہیں، باندی نے کہا: بتاؤ تو سہی؟ انہوں نے جواب دیا: کہ تمہارے بس کا نہیں، باندی نے کہا: اللہ کے بندے بتاؤ تو سہی کیا کام ہے؟ کہا: میں ایک مسافر ہوں مجھے سواری چاہئے، باندی نے کہا: اس کے لئے ان کے ہونے اور ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت، اتنی اجازت تو مجھے بھی ہے یہ کہہ کر اونٹنی کے گلہ میں سے عمدہ سی اونٹنی لا کر حوالہ کر دی، یہ اونٹنی لے کر لوٹ آئے اور آ کر بتایا کہ یہ انکی باندی نے دی وہ خود موجود نہیں تھے۔

نابینا اپاہج کی سخاوت

پھر تیسرے کے یہاں پہنچے جو نابینا تھے اور اپاہج بھی گٹھیا کی بیماری تھی اور وہ دو غلاموں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیر کو گھسیٹتے ہوئے مکان سے مسجد جا رہے تھے، نماز پڑھنے کے لئے اسی حالت میں سائل نے ان سے جا کر کہا کہ میں ایک مسافر ہوں مجھے سواری چاہئے، انہوں (نابینا) نے کہا کہ میری ملکیت میں آج ان دو غلاموں کے سوا کوئی اور چیز نہیں یہ دو غلام میں نے تم کو دیئے تم ان کو لیجاؤ اور ان کو فروخت کر کے ان کی قیمت سے سواری کا انتظام کرلو۔ یہ کہہ کر غلاموں کے کندھے سے ہاتھ اٹھا لئے، کیونکہ جب کہہ دیا کہ تم کو دیئے تو ان کی ملکیت ختم ہوگئی، اب کندھے پر کیسے ہاتھ رکھیں اس لئے ہاتھ اٹھا لئے اور چونکہ گٹھیا کی بیماری تھی اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے، گرے گھٹنوں میں بھی چوٹ آئی، نابینا بھی تھے اور اپاہج بھی، سائل نے کہا: آپ کو غلاموں کی ضرورت ہے آپ ان کو رکھئے، میں اپنی سواری کا انتظام دوسری جگہ سے کرلوں گا، انہوں نے کہا: اچھا تم نہیں لیتے تو میری طرف سے یہ آزاد ہیں، میں نے اپنی ملکیت ختم کر دی، سائل نے واپس آ کر واقعہ بتایا۔

تو بھئی سخاوت دیکھنا ہے تو ان حضرات کی سخاوت کو دیکھو کس شان کی تھی ہے۔

....

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ حاتم طائی کے بیٹے سے (حاتم طائی کی سخاوت تو پوری دنیا میں مشہور ہے) ایک صاحب نے کہا کہ میرے یہاں ایک تقریب ہے۔مہمان آئیں گے، کچھ برتن چاہئیں گے، پوچھا کتنے مہمان آئیں گے، جواب دیا: اتنے مہمان آئیں گے، اور اونچے پیمانے پر تقریب کرنی ہے، فلاں روز اور فلاں تاریخ میں آئیں گے جواب دیا اچھی بات ہے بھیج دیں گے، اب وہ دن دن گنتے جارہے ہیں وہ برتن نہیں بھیج رہے ہیں دس روز رہ گئے، نوروز رہ گئے، آٹھ روز رہ گئے، سات روز رہ گئے، چھ روز رہ گئے، پانچ روز رہ گئے، چار روز رہ گئے، تین روز رہ گئے، دو روز رہ گئے، ایک دن رہ گیا، وہ برتن نہیں بھیج رہے ہیں، ان کو بھی زیادہ پریشانی نہیں کہ برتن نہیں آئے، مہمان آجائیں گے تو کیا ہوگا، یہاں تک کہ تاریخ آگئی مہمان آگئے، جب مہمان آگئے اس وقت انہوں نے برتن بھیجے اور برتن میں شاندار اعلیٰ قسم کا کھانا تیار کرا کے بھیجا وہ خوش ہوگئے کہ اچھا ہوا مجھے کھانے کا انتظام بھی نہیں کرنا پڑا پکا پکایا کھانا بھجوادیا، انہوں نے مہمانوں کو کھلایا، جب برتن واپس گئے تو کہا کہ میں نے خالی برتن منگائے تھے کھانا تو نہیں منگایا تھا۔انہوں نے جواب دیا کہ: ہمارے گھر سے کبھی برتن خالی گیا ہی نہیں۔خالی برتن بھیجنا خاندانی روایات کے خلاف ہے، سخاوت کرنے والے وہ حضرات ہیں، سخاوت کی تعریف اور چیز ہے، سخاوت کے ساتھ متصف ہونا اور چیز ہے۔

تَزَکّٰی، "تزکیہ" کے معنیٰ تعریف کرنے کے نہیں، جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں جو صفت کلام ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ زید عمرو کے درمیان کلام کو پیدا کرنے والا ہے، خود کلام کے ساتھ متصف نہیں، ان کا یہ کہنا غلط ہے۔

سخاوت تو ایسی چیز ہے کہ آدمی خود اس سے متصف ہو۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سخی

ان ہی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے سے زیادہ بھی کوئی سخی پایا ہے، کہنے لگے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" میں کیا اور میری سخاوت کیا؟ سارا عرب مجھ سے زیادہ سخی، بتلایا، میں نے ایک جگہ پر دیکھا، ایک باغ ہے ہرا بھرا اور ایک آدمی اسکی خدمت کر رہا ہے، تھانولے پیندے لگا رہا ہے اور پانی دے رہا ہے میں کچھ دیر بیٹھا رہا پھر اس سے پوچھا بھئی اس باغ میں سب سے زیادہ عمدہ پھل کونسے درخت کا ہے اس نے جواب دیا کہ: مجھے نہیں معلوم میں مالک نہیں ہوں، میں تو محافظ و خادم ہوں، میں نے چکھا نہیں۔ یہ بھی غور کرتے جایئے وہ محافظ ہے باغ کا، نہیں جانتا کہ کون سے درخت کا پھل کونسے رنگ کا پھل سب سے بڑھیا ہے، اور ہم لوگ بھی مدرسہ والے محافظ ہوتے ہیں، ذرا دیکھ بھال کے چلنا، ان کو بہت خیال آیا کہ بھئی یہ تو بہت عمدہ آدمی ہے، اس سے پوچھا تمہارے مالک کا کیا نام ہے، بتلایا یہ نام ہے فلاں جگہ پر ہے، اتنے میں اسکے پاس روٹی آئی، کوئی لایا، اسکے پاس ایک کتا بھی تھا باغ میں کتا بھی رہتا ہے، روٹی دیکھ کر کتا بھی آ گیا، ایک نوالہ یہ خود کھاتا تھا اور ایک نوالہ کتے کو دیتا تھا، جتنا بڑا نوالہ خود نے لیا، اتنا ہی بڑا نوالہ کتے کو دیا، یہاں تک کہ روٹیاں ختم ہوگئیں۔ انہوں نے پوچھا: تم نے یہ کیا معاملہ کیا کہ ایک نوالہ کتے کو دیتے تھے اور ایک نوالہ خود کھاتے تھے، بتایا کہ: یہ کتا میرا رفیق ہے، میں بھی باغ کی حفاظت کرتا ہوں، یہ بھی باغ کی حفاظت کرتا ہے، جب باغ کی حفاظت کرنے میں میرا رفیق ہے تو جتنی اجرت مجھ کو ملتی ہے، اس میں بھی یہ میرا برابر کا شریک ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ

ان کو اسکی بڑی قدر ہوئی، اس کے مالک کے پاس گئے، اور جا کر کہا: میں نے تمہارا باغ دیکھا ہے، مجھے بے حد پسند آیا، میں اس کو خریدنا چاہتا ہوں، کہا اچھی بات ہے،

بیچد یا۔ انہوں نے قیمت لا کر دیدی، پھر پوچھا تمہارے یہاں کوئی باندی بھی ہے کہا: ہاں باندی بھی ہے، کہا پھر بڑھیا سی باندی بھی لادو، باندی لے کر آیا وہ بھی خرید لی، پھر کہا جو شخص باغ کا محافظ ہے میں اس کو بھی خریدنا چاہتا ہوں، اس نے جواب دیا: میں اس کو بیچنا نہیں چاہتا، اس واسطے کہ بچپن سے ہمارے یہاں رہا ہے، پلا ہے، سارے خاندان کو اس سے تعلق ہے، کہا کہ بھئی مجھے تو اس کے خریدنے کی بڑی تمنا تھی، اس نے کہا: اچھا آپ کی تمنا ہے تو بہت اچھا ہے میں نے فروخت کر دیا، انہوں نے اسے بھی خرید لیا۔

باندی کو لے آئے اور اس باغ کے محافظ سے کہا کہ: بھئی میں نے یہ باغ خرید لیا، اس نے کہا بہت اچھا، اللہ برکت دے یہ کہہ کر وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا کہ اب میرا کیا کام، میرے مالک کا باغ رہا نہیں، انہوں نے کہا ٹھہرو، میں نے اس باندی کو بھی خریدا ہے، اس نے کہا اللہ اس میں بھی برکت دے، کہا میں نے تمہیں بھی خرید لیا، اس نے کہا مجھے اس سے قلق ہوا، اس واسطے کہ میں بچپن سے اس گھر میں رہا ہوں، اس خاندان سے مجھے تعلق ہے، بہر حال جب آپ نے خرید لیا تو اللہ اس میں بھی برکت دے۔

انہوں نے کہا کہ اس باندی کا نکاح تم سے کر دیا اس نے کہا بہت اچھا اللہ برکت دے، پھر کہا: میں نے تم دونوں کو آزاد کیا، تم کو بھی اور باندی کو بھی، یہ باندی تمہاری بیوی اور یہ باغ تم دونوں کو دیدیا۔ پہلے محافظ ہونے کی حیثیت سے وہ شخص باغ میں رہتا تھا اور خدمت کرتا تھا، اب وہ مالک ہوگیا، ان حضرات کی سخاوت کا یہ عالم تھا۔

ایک سخی کی سخاوت

ایک صاحب چلے ہوئے جارہے تھے ایک کھیت پر گذر ہوا، ایک نوجوان اٹھا اس نے کہا: السلام علیکم: میرے والد کا انتقال ہوگیا، اس نے کہا: اللہ مغفرت فرمائے، تم کو صبر وسکون دے، اس نے کہا میں نے جب حساب کے کاغذات دیکھے تو اس میں اتنے ہزار روپے والد صاحب

کے تمہارے ذمہ ہیں، کہا: اچھی بات ہے جب جی چاہے لے لینا، جو خادم ساتھ تھا اس سے فرمایا کہ جب یہ لینے کیلئے آئیں تو اتنے ہزار روپے ان کو دے دینا، اور چلے گئے، ایک دو روز بعد پھر ادھر سے گذر ہوا پھر وہ لڑکا اٹھا اور کہا مجھ سے سمجھنے میں غلطی ہوگئی، میرے والد صاحب کے نہیں چاہئے، بلکہ آپ کا چاہئے والد صاحب کے ذمہ، انہوں نے فرمایا: اچھا میں نے معاف کیا، لڑکے نے کہا میں معاف نہیں کراتا میں تو دوں گا، کہا: اچھی بات دیدو، کہا: سب تو میں نہیں دے سکتا، فرمایا: جتنا ہے اتنا ہی دیدو، اس نے کہا: روپیہ تو ہے نہیں، زمین کا یہ ٹکڑا لے لو، کہا اچھی بات اسکو لے لیا، اس زمین میں مصلی بچھایا اور دو رکعت نماز پڑھی اور اس کو وقف کردیا اور آگے چل دیئے۔

ان حضرات کی سخاوت اس کیفیت کی تھی۔ وہ محض زبانی سخاوت نہیں کرتے تھے، قلمی سخاوت نہیں کرتے تھے، سخاوت تو انکی گھٹی میں پڑی تھی، بخل پاس کو نہیں تھا۔ "قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی" بہت ہی کامیاب ہے وہ شخص جس نے تزکیۂ باطن کرلیا، مثلاً بخل کو دور کردیا اور سخاوت کو اپنے اندر پیدا کرلیا، حاصل کرلیا۔

ایک سخی کی عجیب سخاوت

ایک شخص نے ایک صاحب سے آکر کہا کہ بڑی پریشانی کی بات ہے فلاں شخص کے میرے ذمہ اتنے روپے میری طرف چاہئیں، اس نے مجھے پکڑا میں نے کل کا وعدہ کرلیا اور میرے پاس کل کو دینے کو نہیں، وہ آئیگا تو ذلیل کریگا، انہوں نے کہا: روپیہ تو میرے پاس ہے نہیں تمہیں ترکیب بتائے دیتا ہوں، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں کل کو تجھ کو دونگا اور وعدہ دین ہوتا ہے، "العدة دين" وعدہ بھی دین ہوتا ہے، لہٰذا دین ہوگیا تم میرے اوپر قاضی کے یہاں جاکر عدالت میں دعویٰ دائر کردو کہ اسکے اوپر اتنا دین چاہئے، میں کہوں گا میرے پاس دینے کو نہیں، تم کہنا یہ غلط کہتا ہے، اسکے پاس ہے، قاضی مجھے جیل میں ڈالدے گا میرے گھر کے خاندان کے فلاں فلاں عزیز کو خبر کرنا، وہ جائیں گے اور جاکر کے روپیہ دے کر چھڑا لیں گے۔ تب تم روپیہ اسکو دے

دینا، چنانچہ اسکی خاطر اس کو برداشت کیا کہ خود جیل چلے جائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خیر البشر بعد الانبیآء: انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں سب سے زیادہ افضل ان کا درجہ ہے مقام کتنا بلند ہوگا؛ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ سفر سے واپس آرہے ہیں بچوں نے دیکھ لیا تو دوڑے دوڑے گئے لپٹ گئے انکے اپنے بیٹے نہیں محلے کے بچے۔ انہوں نے ایک کو آگے بٹھایا ایک کو پیچھے بٹھایا، ان کو لے کر چلے آئے، سفر میں جاتے تو محلہ کے لڑکے آ کر لپٹ جاتے کوئی دامن پکڑ رہا ہے کوئی آستین پکڑ رہا ہے کوئی ہاتھ پکڑ رہا ہے، مزاج میں ایسی شفقت تھی۔ یہ امیر المومنین کا حال تھا، بڑے شاندار آدمی تھے یہ نہیں سوچا کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں، یہ میری شان کے خلاف ہے، یہ تقاضائے شفقت تھا، یہ مقتضیٰ بذل جاہ ہے۔

غرض کہ جو بخل کی صفت ہے اس کو دل سے نکالنا اور سخاوت کی صفت پیدا کرنا یہ چیز ہے، سخاوت قلب سے ہوتی ہے، ہاتھ تو اس کا ذریعہ اور آلہ ہے۔ حقیقی سخاوت قلب سے ہے "خیر الغنی غنی القلب" جو قلب کا غنی ہے وہ درحقیقت کارآمد ہے، اس واسطے کہ آدمی کو یہ پریشانی ہوتی ہے۔ میں نے اتنا روپیہ دے دیا تو میرے پاس کہاں سے آئے گا، اور جب قلب کے اندر غنی ہو اور مالک الملک پر اعتماد ہو کہ اس کے پاس سب کچھ ہے

"وان من شئ الا عندنا خزائنہ" ہر چیز کے خزانے اس کے پاس ہیں، اسکے خزانے پر اعتماد ہو اپنے ہاتھ کے روپیہ پر اعتماد نہ ہو اپنی جیب کے روپیہ پر اعتماد نہ ہو، بلکہ خداوند تعالیٰ کے خزانے پر اعتماد ہو یہ اعتماد اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، اس لئے جب آدمی بخل کرتا ہے تو بخل کا منشا یہ ہوتا ہے کہ جو چیز میرے پاس ہے وہ دوسرے کو دونگا تو میں خالی رہ جاؤں گا، میری ضرورت کی چیز ہے۔ دوسرے وقت، مجھے کہاں سے ملے گی، کماؤں ملے نہ ملے، کامیاب ہوں یا ناکام، یہ سب لغویات ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے آدمی پریشان ہوتا ہے اور

اگر حق تعالیٰ پر اعتماد ہو کہ جس نے پہلے دیا آئندہ بھی وہی دے گا، تو پھر کوئی بات نہیں ہوتی، بڑا اطمنان رہتا ہے، پاس ہے تو مطمئن، نہیں ہے تو مطمئن، اپنے پاس نہیں اللہ کے خزانے میں تو ہے اللہ تعالیٰ نے دینے کا وعدہ کیا ہے وہ دینے والے ہیں تو کاہے کو پریشان ہو۔

آٹا روٹی پکنے گیا

ایک صاحب کی بیوی نے آٹا گوندھا، طشت میں رکھا اور محلہ میں آگ لینے کیلئے گئی، پیچھے کوئی سائل آیا شوہر نے ادھر ادھر دیکھا کہ کچھ اور تو ہے نہیں، وہ آٹا رکھا ہوا ہے طشت اٹھا کر سائل کو دے دیا کہ لیجاؤ، بیوی آگ لیکر آئی، پوچھتی ہے یہاں آٹا رکھ کر گئی تھی وہ کیا ہوا؟ شوہر نے کہا وہ روٹی پکنے گیا، اس نے کہا ٹھیک بتاؤ مذاق مت کرو، کہا: میں ٹھیک ہی بتا رہا ہوں مذاق نہیں ہے، سائل آیا تھا میں نے دیکھا اور تو کچھ ہے نہیں اٹھا کر میں نے وہی دیدیا وہ روٹی پکا لیگا، اس نے کہا: اللہ تمہیں ہدایت دے یہاں تو بچوں کے کھانے کیلئے کچھ اور ہے بھی نہیں۔ اس نے کہا ہو یا نہ ہو اسکی مجھے خبر نہیں یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ سامنے آٹا رکھا ہوا ہے اور میں کہدوں کہ ہے نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ غیرت ہوتی تھی انکی کہ جس ذات عالی نے پہلے عطا کیا پھر نہیں دیگا وہ خود دیگا یہ اعتماد اصل چیز ہے۔ جس کو یہ اعتماد حاصل ہو جاتا ہے بس وہ پاکیزہ ہے، اللہ کا مقبول بندہ ہے۔

کثرت ذکر

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى، اور اپنے رب کا نام کثرت سے لیتا ہے، ذکر کی بڑی تاکید آئی ہے، قرآن پاک میں بھی احادیث میں بھی نماز متعین چیز ہے دن بھر میں پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے، روزہ متعین ہے سال میں ایک دفعہ ایک مہینہ کے روزے فرض ہیں، حج ساری عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے لیکن ذکر کے متعلق ہے "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا" (سورۃ الاحزاب: ۴۱، ۴۲) [اے ایمان والو! اللہ

کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح کرو۔](آسان ترجمہ)

یہ جو صبح شام کی تسبیح بتائی جاتی ہیں ان آیات سے ہی ماخوذ ہیں، صبح کی تسبیح شام کی تسبیح "وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" اور ذکر بتایا کثرت سے کرو۔ "وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ" (سورۃ الاحزاب: ۳۵)[اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں۔](آسان ترجمہ) اور ایک حدیث میں ہے کہ خدا کا اتنا ذکر کرو کہ دیکھنے والے سمجھیں کہ یہ پاگل ہوگیا ہے۔ "اذکروا اللہ حتی یقال انہ لمجنون" اتنا ذکر حق تعالیٰ کا کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں؛ لیکن ایسا نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ ہی کہنے لگے کہ تو پاگل ہوگیا، غلط طریقہ پر ذکر کرنا، بے موقع ذکر کرنا مخلوق کو پریشان کرڈالنا، کہ کسی کو سونے نہیں دیتے، بیٹھے ضربیں لگا رہے ہیں، ایسا نہیں، بلکہ بندوں کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ: اپنے رب کا نام لیتا ہے اس کا ذکر کرتا ہے، کہاں نام لیتا ہے، کھانا کھائے تو بسم اللہ پڑھے، سو کر اٹھے تو بسم اللہ پڑھے اور لیٹے تو بسم اللہ پڑھے، بازار جائے تو بسم اللہ پڑھے، غرض ہر جگہ اللہ کا نام لیتا ہے، فصلی نماز پڑھتا ہے۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا: [لیکن تم لوگ دنیوی زندگی کو مقدم رکھتے ہو۔] بلکہ عام طور پر لوگوں کی حالت تو یہ ہے کہ دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہیں۔ چونکہ دنیا کی زندگی نظروں کے سامنے ہے، جتنے سال ہوتی ہے، اور آخرت کی زندگی نظروں کے سامنے نہیں بلکہ وہ غیب ہے۔ غیب پر ایمان لانے کا حکم ہے اور جو دنیا کی زندگی ہے وہ مشاہدہ ہے معائنہ سے متعلق ہے۔ بلکہ اسی پر بھروسہ ہے۔ اس میں روپیہ خرچ کردیئے تو کیا ہوگا؟ اور کہاں سے آئیں گے؟ جو اپنی جیب میں ہے وہ فقیر کو دیدیا تو ہمارے پاس کہاں سے آئیگا؟

ہاں وہ جو آٹا دے دیا تھا، ابھی بات کرہی رہے تھے کہ ایک شخص ایک کپڑے میں گرم گرم روٹی لپٹی ہوئی لے کر آیا، اور سالن کا پیالہ بھی ساتھ لایا۔ ہدیہ کے طور پر بیوی نے کہا یہ تو واقعی پکنے کے لئے گیا تھا، میں تو اتنی جلدی پکا بھی نہ پاتی، جتنی جلدی یہ پک کر آگیا، یہ آٹا تو سالن

بھی لے کر آیا، ان کا معاملہ خدا کی مخلوق کے ساتھ یہ تھا کہ آٹا دیدیا، اور خداوند تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ تھا کہ سالن بھی دیدیا اور روٹی بھی پکی پکائی دیدی تو جیسا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ بندہ کرتا ہے حق تعالی بھی ویسا ہی معاملہ کرتا ہے۔

اپنے آپ کو کمتر و عاجز سمجھنا، یہ اصل چیز ہے اور ہر چیز کو یہ سمجھنا کہ خدائے پاک کے قبضۂ قدرت میں ہے اسکی طرف سے اجازت ہوگی تو یہ چیز مجھے ملے گی، نہیں اجازت ہوگی تو نہیں ملے گی۔

روٹی ہاتھ میں ہے یوں نہ سمجھے کہ میں تو کھا ہی لوں گا، روٹی میری ملکیت میں ہے خدا کی طرف سے منظوری ہے تو روٹی کھائی جائیگی، نہیں منظوری ہے تو نہیں کھائی جائیگی سامنے سے اٹھالیجائیگی، ہاتھ میں نوالہ لئے ہوئے ہے منہ میں نوالہ جانے کے بعد نوالہ منہ سے نکل جائیگا، اس قسم کے واقعات سب پیش آتے رہتے ہیں، اسلئے حق تعالیٰ کی طرف سے جو چیز منظور ہے وہ اصل چیز ہے اور وہ نظروں سے غائب ہے اس کا پتہ نہیں، اسلئے جو چیز حاصل ہے، دنیا کی ظاہری زندگی، آدمی کو اس پر اعتماد ہے اور جو زندگی غیب ہے جو کچھ حق تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے وہ اسکے علم میں نہیں اس پر اعتماد کی ضرورت ہے، اگر حق تعالیٰ کو منظور ہے تو ضرور ملے گا ورنہ تو نہیں۔

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى: (سورۃ الاعلیٰ:۱۷) [حالانکہ آخرت کہیں زیادہ بہتر اور کہیں زیادہ پائیدار ہے۔] (آسان ترجمہ) دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہتر ہے، باقی رہنے والی ہے، دنیوی زندگی تو فنا ہونے والی ہے، آدمی نے بہت کچھ مال و دولت کمالیا؛ لیکن جب جائیگا تو کیا سارے مال و دولت کو قبر میں ساتھ لے کر جائیگا؟ کچھ نہیں، سب یہیں چھوڑ کر چلا جاتا ہے، شاندار باغ لگایا، بلڈنگ بنائی، موٹر خریدی، دوکان کی، کارخانے قائم کئے، فیکٹریاں کھولیں، ملازمت کی، ممبر بنا، سب کچھ کیا کونسی چیز ان میں سے ساتھ جائیگی۔ کوئی چیز ساتھ جانے والی نہیں، ساتھ میں جو جائیں گے وہ اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ جائیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین) ○○○

صلوٰۃ وسلام کیلئے نظر آنا ضروری نہیں

اس بیان میں

☆......ایک ڈاکٹر کے ساتھ دلچسپ مکالمہ کا ذکر۔

☆......حق تعالیٰ شانہ کی رویت اور تجلی اور اس پر اشکال مع جواب کا ذکر ہے۔

صلوٰۃ وسلام کیلئے نظر آنا ضروری نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ!

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملائکہ کو دینا میں پھیلا رکھا ہے، روئے زمین پر جہاں سے بھی کوئی صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے، ملائکہ لیجا کر خدمت اقدس میں پیش کرتے ہیں۔کہ فلاں ابن فلاں نے آپ کی خدمت میں یہ سلام یہ درود پڑھا ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسرور ہوتے ہیں۔جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں: کوئی اگر کہنے لگے کہ یہاں تو اتنی دیر تک صلوۃ وسلام پڑھا گیا ہمیں تو کوئی فرشتہ نظر نہیں آیا، ہونے کیلئے نظر آنا کہاں ضروری ہے؟ کہ اگر نظر آئے تو تسلیم کرو، اگر نظر نہ آئے تو کہو کہ موجود نہیں، اپنی آنکھ کو معیار بنانا غلط ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا بس وہ بات ٹھیک ہے۔

فقیہ الامت قدس سرہٗ کی ایک ڈاکٹر سے گفتگو

ایک دفعہ ایک جگہ سفر میں گیا ہوا تھا، وہاں جب مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا، سڑک پر ہی ایک صاحب نے ہاتھ پکڑا اور کہا کہ مولانا صاحب ایک مسئلہ پوچھنا ہے۔ یہ بتایئے کہ خدا کہاں ہے؟ اگر ہے تو وہ نظر کیوں نہیں آتا؟ جب تک میں پانچوں چیز سے نہ دیکھ لوں میں تسلیم نہیں کرسکتا۔

میں نے کہا: کہ مسٹر جواب ذرا دیر طلب ہے، سڑک پر کھڑے کھڑے جواب دینا دشوار ہے، فلاں جگہ میرا قیام ہے، وہاں تشریف لے آیئے، کہنے لگا: واہ مولانا صاحب ذرا سے مسئلہ کے واسطے بھی آپ کے دربارعالی میں حاضر ہونا پڑے گا؟ بس ان کی اسی بات سے مزاج کا پتہ چل گیا، سارے مزاج کا شروع سے اخیر تک، کیسا مزاج ہے، میں نے ان سے کہا: اگر آپ نے ڈاکٹری پڑھی ہو، آپریشن میں مہارت حاصل کی ہو، آنکھ کے آپریشن میں آپ بڑے ماہر ہوں، تو اگر اس وقت یہیں کھڑے کھڑے ایک شخص کہے کہ ڈاکٹر صاحب میری آنکھ میں موتیا آ گیا، آپ کے پاس آپریشن کرنے کے لئے اوزار بھی ہیں ذرا میری آنکھ کا اپریشن کرتے جایئے، آپ کیا جواب دیں گے؟ آپ کہیں گے بھئی آپریشن اس طرح نہیں ہوا کرتا، ہسپتال میں آؤ وہاں داخلہ لو، وہاں پیٹ صاف کیا جائیگا، تمہاری آنکھوں کے بال کاٹے جائیں گے، تمہیں لٹایا جائیگا تمہاری آنکھ کو بے حس کیا جائیگا، تب آپریشن ہوگا پھر پٹی بندھے گی، اتنے گھنٹے تک سیدھے لیٹے رہو گے چلو گے نہیں، پھر کسی سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، آنکھ کا آپریشن[1] اس طرح سے ہوگا، تب وہ آپ کے اس جواب پر کہنے لگے واہ ڈاکٹر صاحب تھوڑی سی بات کے واسطے بھی آپ کے دربارعالی میں حاضر ہونا پڑے گا، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ اگر آپ نے اس کے فقرے سے متاثر ہو کر وہیں کھڑے کھڑے آپریشن کر دیا تو میں کہوں گا کہ آپ نے اس مریض کے ساتھ بدخواہی کی، اسکی آنکھ پھوڑ دی، آپ نے اپنے فن کے ساتھ خیانت کی، حکومت کو اگر پتہ چل جائے کہ آپ نے اس طرح سڑک پر کھڑے کھڑے آپریشن کر دیا تو آپ کا ڈپلومہ ضبط کر لے گی آپ کو سزا دے گی، فوراً انکی سمجھ میں آ گیا، کہا کہ اچھی بات ہے میں آتا ہوں۔ یہ لوگ دلائل کی حقیقت کو نہیں مانتے، نظائر کو جانتے ہیں، نظائر سے بہت جلدی سمجھ جاتے ہیں، دلائل سے نہیں سمجھتے۔

---

[1] پہلے آنکھ کا آپریشن اسی طرح ہوتا تھا، مگر اب الحمد للہ بری سہولت پیدا ہوگئی کہ بہت آسانی سے ہو جاتا ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عبدالحیؒ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ریل میں سفر کررہے تھے، اسی گاڑی میں اسی ڈبہ میں سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے ان کے ساتھ کتا تھا۔ مولانا عبدالحیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ کیسے آدمی ہیں یہ کتا ساتھ میں رکھتے ہیں؟ تب انہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مولوی لوگ کہتے ہیں کہ جہاں کتا ہوتا ہے فرشتہ پاس کو نہیں آتا، میں نے کتا اس لئے ساتھ رکھ رکھا ہے تاکہ موت کا فرشتہ میرے پاس نہ آوے۔

مولانا نے فرمایا: کہ کتوں کی جان بھی تو کوئی فرشتہ نکالتا ہے، آپ کی جان وہ فرشتہ نکالیگا، جو کتوں کی جان نکالتا ہے، دونوں ایک دوسرے کے نام سے تو واقف تھے مگر ملاقات نہیں تھی، سرسید احمد نے فوراً کہا: کہ آپ مولانا عبدالحیؒ ہیں کیا؟ تو انہوں نے کہا آپ سرسید ہیں کیا؟ اس وقت دونوں کی ملاقات ہوئی، تو بات معمولی سی تھی جلدی سمجھ میں آگئی،

کتا پالنے کی ممانعت کی وجہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ صاحب کتا پالنا کیوں منع ہے؟

حضرت نے فرمایا: کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ انکی سمجھ میں نہیں آیا، ان کے دماغ نے قبول نہیں کیا، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ کتے کے اندر قومی ہمدردی نہیں ہے اسکی قوم کا کتا دوسرے محلے سے آجائے تو اس کو برداشت نہیں کرتا، اپنے رستہ میں گلی کوچے میں کو نکلنا اس کو گوارا اور برداشت نہیں ہوتا، اس نے کہا یہ ہے بات دیکھئے یہ کام کی بات ہے۔ حالانکہ جو کام کی بات بتائی تھی اس کو قبول نہیں کیا۔ یہ بات تو پتھر ہے جو کام کی بات بتائی تھی اس کو معدہ نے دماغ نے قبول نہیں کیا، اسکو قبول کیا، خیر۔ تو انہوں نے وعدفرمالیا کہ میں آؤں گا۔

....

چنانچہ پھر ایک روز وہ آئے اور انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں وہ ہوں کہ جس نے آپ سے مسئلہ پوچھا تھا، میں نے کہا: کہ اچھا اب کہئے اپنا سوال، میں بھی فارغ آپ بھی فارغ، انہوں نے کہا: کہ خدا کہاں ہے؟ اگر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟ جب تک میں پانچوں چیز سے نہ دیکھ لوں میں تسلیم نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا: کہ مجھ کو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کہیں سے یا کسی سے یہ الفاظ سن لئے ہیں، اور بغیر معنیٰ مطلب سمجھے آپ نے ان کو یاد کرلیا ہے، جیسے طوطا رٹا کرتا ہے، نبی جی، میاں مٹھو، جس طرح وہ مطلب سمجھے بغیر بولدیتا ہے، اسی طرح آپ نے کہیں سے یہ الفاظ سن لئے اور مطلب سمجھے بغیر آپ نے بول دیئے۔ ان کو یہ بہت ناگوار گذرا، کہنے لگے کہ آپ نے کیسے کہدیا؟ کہ میں نے مطلب نہیں سمجھا، میں نے کہا: میں نے ایسے کہہ دیا کہ آپ اپنے سوال کی تشریح نہیں کرسکتے جب میں آپ سے تشریح پوچھوں۔ انہوں نے کہا کیسے نہیں کرسکتا ہوں، میں ابھی تشریح کردوں گا۔ پوچھئے آپ، میں نے کہا کہ بتائیے پانچ چیزیں آپ کے پاس کیا ہیں دیکھنے کے لئے، اس نے کہا: یہی حواس خمسہ، باصرہ، شامہ، سامعہ، ذائقہ، لامسہ سب یہی پانچ چیزیں ہیں؟

میں نے کہا: قدرت نے دیکھنے کے لئے باصرہ بنائی ہے بقیہ چار چیزیں دیکھنے کے لئے نہیں بنائیں۔کسی چھوٹے سے بچے سے پوچھو کہ تم کس چیز سے دیکھتے ہو؟ وہ کہے گا آنکھ سے، اس سے کہو کہ کان سے دیکھتے ہو تم، تو کہے گا نہیں غلط ہے کان سے نہیں دیکھتا کان کا کام سننا ہے، کہو کہ ناک سے دیکھتے ہو؟ کہے گا کہ نہیں، ناک کا کام سونگھنا ہے، اس سے کہو کہ زبان سے دیکھتے ہو؟ کہے گا نہیں زبان کا کام چکھنا ہے، کہو کہ ہاتھ سے دیکھتے ہو؟ کہے گا نہیں ہاتھ کا کام تو چھونا ہے، غرض یہ کہ بچہ بھی یہ باتیں سمجھتا ہے اور آپ نے اتنی تعلیم پائی خدا جانے کیا کیا پڑھا ہوگا گریجویٹ کہیں کے ہوئے ہوں گے آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں ہے، پھر ذرا اچھی طرح سلجھا کر انکو سمجھایا تو کہنے لگے کہ ہاں بات تو ایسی ہی ہے اور کہا کہ اب سوال کیجئے، تو انہوں نے پھر سوال کیا کہ خدا کہاں ہے؟ اگر ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟ جب تک میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں

اس وقت تک تسلیم کر نہیں سکتا، میں نے کہا آپ کے اس سوال کے خیمہ کے پانچ ستون تھے جن میں سے چار تو گر گئے، ایک رہ گیا اس پر آپ اب تک اتنی شدت سے قائم ہیں؟ مجھے بتائے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں کیا سب کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر ہی تسلیم کرتے ہیں، بغیر دیکھے تسلیم نہیں کرتے اپنا کان دیکھا ہے آپ نے آئینہ میں عکس دیکھا ہوگا، کان نہیں دیکھا ہے اگر کوئی کہے کہ آپ کے کان نہیں تو آپ کہیں کہ ہے کان، تو کیا آپ نے کبھی دیکھا ہے، اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا، اپنی آنکھ دیکھی ہے؟ آئینہ میں آنکھ دیکھی ہیں اپنی۔ اگر کوئی کہہ دے کہ آپ نابینا ہیں، اندھے ہیں آپ کے آنکھ تو ہے نہیں بتایئے؟ آپ نے اپنی آنکھ دیکھی ہے آنکھ سے؟ آپ نے اپنی گردن دیکھی ہے؟ سینہ میں دل دیکھا ہے؟ زبان دیکھی ہے؟ جگر دیکھا؟ کمر دیکھی؟ کچھ بھی تو نہیں دیکھا آپ نے دنیا میں آکر دوسروں کی تو یہ چیز دیکھتے پھرتے ہو اپنی نہیں دیکھی۔ ان میں سے کسی ایک چیز کی نفی کیجائے آپ ماننے کو تیار نہیں۔ میں نے کہا کہ اچھا بتائے کہ اس شہر کی آبادی مردم شماری کتنی ہے؟ انہوں فوراً بتادیا ایک لاکھ چھتیس ہزار۔ میں نے کہا کہ: ہر فرد کو دیکھا ہے آپ نے؟ یوں بتایا ایک لاکھ چھتیس ہزار کیا ہر شخص کو دیکھا ہے۔ تب وہ خاموش ہوگئے۔ میں نے کہا کہ: آنکھ کی روشنی بھی دیکھی ہے؟ آنکھ کی پتلی تو آپ نے دیکھ لی ہوگی اور جو آنکھ کے اندر روشنی ہے جس کو نگاہ کہتے ہیں وہ تو آئینہ مین بھی نظر نہیں آتی؛ لیکن ہے آپ کے پاس، یقین ہے آپ کو موجود ہے حالانکہ آپ نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔

بہت ساری مثالیں دیں۔ کسی چیز کو رد تو نہیں کر سکے وہ، باقی ہاں سمجھ میں آرہا تھا کہ ان کا دل قبول نہیں کر رہا ہے، میں نے پوچھا کہ: آپ کا نام کیا ہے؟ بتایا، والد کا نام کیا ہے؟ بتایا، میں نے کہا کہ والد کے والد کا ہونا بھی دیکھا ہے آپ نے؟ ایک شخص کو تو دیکھا ہے لیکن والد کہنے کی بنیاد بھی دیکھی ہے۔ یہاں آکر وہ خاموش رہے۔

اتنا بڑا دعویٰ: کہ جب تک میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں اس کا وجود تسلیم نہیں

....

کر سکتا، بتائے صدر جمہوریہ ہند کو آپ نے دیکھا ہے؟ نہیں دیکھا مکہ مکرمہ دیکھا ہے؟ مدینہ طیبہ دیکھا؟ انگلینڈ دیکھا؟ کچھ نہیں دیکھا لیکن ان سب چیزوں کا یقین ہے بغیر اپنی آنکھ سے دیکھے تسلیم کرتے ہیں، اچھا بتائے کہ قدرت نے یہ جو پانچ چیزیں دی ہیں، پہلے تو آپ ان پانچ چیزوں سے دیکھنے کے دعویدار تھے اب وہ چار چیز سے دیکھنے کو تو ختم کر دیا؛ لیکن کیا ان چار چیز سے کسی قسم کا کوئی علم حاصل نہیں ہوتا، اچھا آنکھ کو آپ نے کارآمد قرار دیا بقیہ چار چیزوں کو بیکار قرار دیا، آپ کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اپنی آنکھ سے دیکھیں گے تو یقین کریں گے اور ان چار سے کوئی چیز حاصل ہو، علم میں آئے تو اس کا یقین نہ کریں گے؟ تو گویا آپ کے نزدیک حواس خمسہ میں چار بیکار ہوئے، ایک کارآمد ہے، لہٰذا یہ دعویٰ یہ مطالبہ کہ جب تک اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں تسلیم نہیں کر سکتا کہاں تک صحیح ہے، بالکل غلط ہے آئندہ کہیں کسی سمجھ دار آدمی کے پاس ایسی بات نہ کہیئے گا۔

کیا ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں؟

میں نے کہا کہ: یہ سوال کرتے کہ ہم خدا کو دیکھ سکتے ہیں یا نہیں دیکھ سکتے ہیں، تو کہنے لگے کہ اچھا یہی بتا دیجئے، میں نے کہا کہ ہاں دیکھ لیں گے، آپ بتایئے کہ اگر آپ صدر جمہوریہ امریکہ کو دیکھنا چاہیں تو آپ کا مطالبہ ہو کہ اسی وقت یہیں بیٹھے بیٹھے اسی حال میں دیکھ لیں تو کیا دیکھ لیں گے؟ نہیں دیکھ سکتے، آپ کو سفر کرنا ہوگا مختلف سواریوں کا سفر کرنا ہوگا آپ کو ویزا، پاسپورٹ بنوانا ہوگا، آپ کو کسٹم پر تمام چیزوں کی جانچ کرانی ہوگی، بمبئی میں پورا معائنہ کرانا ہوگا کہ کوئی خلاف قانون چیز تو نہیں لے جا رہے ہو، وہاں کی زبان سیکھنی ہوگی۔ وہاں کا لباس اختیار کرنا ہوگا، وہاں صدر کے جو لوگ مقرب اور دربار کے لوگ ہیں ان سے رابطہ قائم کرنا ہوگا، تب کبھی جا کر آپ اس کو دیکھ سکیں گے۔ حالانکہ وہ آپ ہی جیسا گوشت پوست سے بنا ہوا ایک

انسان ہے لیکن اپنے جیسے گوشت پوست سے بنے ہوئے انسانوں کو آپ اس جگہ اسی وقت یہیں بیٹھے بیٹھے دیکھنا چاہیں تو نہیں دیکھ سکتے۔ تو مالک الملک کو جو سارے عالم کا خالق ہے اس کو کیسے دیکھ سکتے ہیں، اس کے لئے بھی آپ کو سفر کرنا ہوگا جیسے صدر جمہوریہ امریکہ کو دیکھنے کے لئے سفر کرنا ہوگا، اس مالک الملک کو دیکھنے کے لئے بھی سفر کرنا ہوگا، پاسپورٹ، ویزا بھی دیکھا جائیگا آپ کا۔

قبر کا سفر کرنا ہے، وہاں منکر نکیر آپ سے کچھ سوالات کریں گے جانچ کریں گے، کہ کوئی غلط قسم کی چیز تو دنیا سے نہیں لے کر آئے؟ اس کے بعد ایک مدت تک وہاں آپ کو رکھا جائیگا، پھر چل کر میدان حشر میں اعمال تولے جائیں گے تمام حساب وکتاب ہوگا، کیا دھرا سامنے آئے گا۔ خدا جانے نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے گا یا بائیں ہاتھ میں ملے گا، بہر حال اس کو پڑھنا ہوگا پھر پل صراط پر گذرنا ہوگا تب جا کر وہاں دیکھ پائیں گے۔

یہ جسم آپ کا وہاں کار آمد نہیں یہ ختم ہو جائے گا یہ آنکھیں کار آمد نہیں دوسرا جسم ملے گا دوسری آنکھیں ملیں گی۔ دوسرا دماغ ملے گا۔ دوسری طاقت ملیگی۔ یہ جسم اس دنیا کے لئے ہے ہزار قسم کی بیماریاں اس جسم میں لگی ہوئی ہیں۔ ڈاکٹر طبیعت وغیرہ سے علاج کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جوانی ہے یہ ختم ہونے والی ہے یہاں کی۔ بڑھاپا آئے گا۔ یہاں کی راحت ختم ہوتی ہے تو رنج آتا ہے۔ غرض قسم قسم کے حوادثات یہاں لگے ہوئے ہیں وہاں یہ حوادثات نہیں ہیں وہاں ایسی جوانی ملے گی جس کے بعد بڑھاپا نہیں۔ ایسی طاقت ملے گی جس کے بعد کمزوری نہیں۔ ایسی تندرستی ملے گی جس کے بعد بیماری نہیں۔ ایسی زندگی ملے گی جس کے بعد موت نہیں وہاں جا کر دیکھیں گے۔ مخبر صادق صلی رسول مکرم اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہاں حق تعالی کا دیدار جنت کی ایک اہم نعمت ہے۔

....

قیامت میں اللہ تعالیٰ کی تجلّی

جس وقت حساب وکتاب ہوکر وہاں پہونچ جائیں گے تو اس وقت کہا جائے گا کہ دنیا میں جوجسکی پرستش کرتا تھا اس کے ساتھ چلا جائے۔کچھ لوگ چاند کی پرستش کرتے تھے۔کچھ لوگ سورج کی۔کچھ آگ کی۔کچھ پانی کی۔غرض ان کے معبودان باطلہ کے ساتھ جانے کے لئے ان سے کہا جائے گا۔جو مسلمان صرف حق تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے وہ ٹھہر جائیں گے۔ ان کے سامنے ایک صورت نمودار ہوگی کہ میں تمہارا خدا ہوں وہ دیکھ کرا نکار کر دیں گے کہ نہیں تو ہمارا خدا نہیں، پھر دوسری صورت میں ظہور ہوگا کہ میں تمہارا خدا ہوں تو سب کے سب سجدہ میں گر جائیں گے۔

اشکال مع جواب

یہاں ایک طالب علمانہ اشکال پیدا ہوتا ہے یہ کہ پہلی مرتبہ جب صورت سامنے آئے گی اور آواز دیگی کہ میں تمہارا خدا ہوں تو یہ نہیں پہچان پائیں گے اور انکار کر دیں گے تو یہ کیوں انکار کر دیں گے۔اس سے پہلے کبھی خدا کو دیکھا تھا انہوں نے۔اس کی آواز سنی نہیں، جھوٹ کی وہاں جگہ نہیں سچ ہی سچ ہے وہاں تو۔آخر یہ کیوں انکار کر دیں گے؟ دوسری آواز میں کیوں ایک دم سجدہ میں گر جائیں گے کہنے لگیں گے کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں۔

حضرت سید عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں یہ رہتے ہوئے حق تعالیٰ کی مہربانیوں، شفقتوں، رحمتوں اور راحتوں کا جو کچھ تجربہ کیا تھا، کہ کیسے رحیم ہیں، کیسے رؤف ہیں، کتنے کتنے انعامات کئے، کیسی کیسی نعمتیں عطا فرمائیں وہ جو پہلی دفعہ آواز ہوگی کرخت آواز ہوگی، شفقت سے خالی آواز ہوگی جس نہج پر شفقت کا دنیا میں تجربہ کیا تھا وہ

رحم وشفقت اس آواز میں نہیں ہوگی۔اس وجہ سے انکار کردیں گے کہ تم ہمارے خدا نہیں۔ ایک شخص اپنے بیٹے کو آواز دیتا ہے۔بیٹا دوسرے کمرے میں ہے تو وہ بیٹا غصہ سے بھری آواز میں زور سے کہتا ہے۔ ہاں جی۔ باپ سمجھتا ہے کہ بیٹا تو ایسا نہیں ہے کبھی ایسی کرخت آواز سے نہیں بولتا۔ بیٹا نہیں وہ تو کوئی اور بول رہا ہے۔اسی طریقہ پر وہاں پہلی آواز ہوگی اور دوسری آواز میں وہی شفقت، وہی رحمت ہوگی جس کا دنیا میں تجربہ کیا تھا۔اس لئے دوسری مرتبہ میں پہچان لیں گے۔

وہاں جا کر دیکھیں گے۔دنیا میں رہتے ہوئے آنکھ میں ایسی طاقت نہیں کہ اس مالک الملک کو دیکھ سکیں۔اس کی پیدا کی ہوئی چیز سورج کو دھوپ کے وقت تیز گرمی میں نہیں دیکھ سکتے۔آنکھ کی طاقت بہت کمزور ہے۔بہت ضعیف ہے۔واجب الوجود کو یہ آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔دوسری آنکھ دیکھے گی۔اس آنکھ سے تمہیں دیکھیں گے۔

دور سے پڑھنے والے کا درود شریف فرشتے پہنچاتے ہیں

تو بھئی آج اگر فرشتے یہاں نظر نہیں آتے تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی پر یقین کرنا چاہئے۔آپ نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل صحیح ہے۔

ذات عالی پر جہاں سے جو بھی پڑھتا ہے سلام
لا کے پہنچاتے ہیں خدمت میں ملائک مِن وَعَن
سامنے آکر پڑھے جو اس کو وہ سنتے ہیں خود
ہے یہ ثابت اس پہ شاہد بیہقی کی ہے سنن

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰی نَائِیًا عَنِّیْ اُبْلِغْتُهٗ

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری قبر پر آکر درود شریف پڑھتا ہے اس کو سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے تو مجھ تک پہونچا دیا جاتا ہے۔

اس واسطے ہماری آنکھ کسی چیز کو نہ دیکھے تو ہمارے لئے آنکھ بھروسہ کی چیز ہی نہیں۔ ہمارے لئے تو بھروسہ کی چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے چاہے ہماری آنکھ کو نظر آئے یا نہ آئے اور خاص کر شب جمعہ میں اور یوم جمعہ میں درود شریف کی زیادہ تاکید آئی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو بڑی مسرت ہوتی ہے جب کوئی درود شریف پڑھتا ہے۔ اس لئے آج رات جمعہ کی رات ہے، اس لئے جتنا بھی زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھا جائے پڑھیئے۔ ویسے ہمیشہ ہی پڑھتے رہنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

○○○

مذمتِ کبر

اس بیان میں

☆......کبر کی مذمت اور اس کے نقصانات۔

☆......کبر کا علاج۔

☆......شیطان کی چال اور اس کے مکروفریب۔

کا بیان ہے۔

مذمتِ کبر

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ. اَمَّا بَعْدُ!

حدیث قدسی میں ہے کہ:

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَةُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَ عَنِیْ وَاحِدًا مِنْهُمَا اَدْخَلْتُهُ النَّارَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَذَفْتُهٗ فِی النَّارِ. (رواہ مسلم مشکوۃ شریف ۴۳۳)

[بڑائی میری چادر، اور عظمت میرا ازار ہے، پس اگر کوئی شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کو مجھ سے چھینے گا میں اس کو جہنم میں داخل کرونگا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس کو جہنم میں پھینک دوں گا۔]

حدیث قدسی وہ کہلاتی ہیں جس کو حضور اقدس ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں تو وہ نہیں ہے تو معلوم ہوا وحی جلی نہیں۔ آنحضور ﷺ نے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے۔ وہ حدیث قدسی کہلاتی ہے۔

اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ۔ کبریا کے معنیٰ بڑائی۔

”حق تعالیٰ فرماتے ہیں بڑائی میری چادر ہے۔ کوئی شخص اگر کسی کی چادر چھیننے لگے دنیا میں تو اس کو کیسا سمجھا جائے گا۔ بہت خراب آدمی ہے تو جو شخص بڑائی اپنے لئے ثابت کرنا چاہتا ہے۔ دوسروں میں بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے۔ اپنی بڑائی کی دھونس دکھانا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی چادر کو چھین رہا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی چادر چھینے گا اس کا حال معلوم ہے۔ کوئی اپنے جیسا انسان ہو اس کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اپنے سے دوگنا تین گنا طاقت ہو پھر بھی اس کا کسی چیز سے مقابلہ ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت غیر متناہی ہے۔ ”وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ“ (سورۃ انعام:۱۸) [اور وہ اپنے بندوں کے اوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور وہ حکیم

بھی ہے، پوری طرح باخبر ہے۔](آسان ترجمہ:) تمام بندوں پر قاہر ہے "هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ" (سورۃ انعام:۶۵) [وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیجدے، یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (نکال دے) یا تمہیں مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ایک دوسرے سے بھڑا دے اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھادے۔](آسان ترجمہ) اللہ تعالیٰ چاہیں تو اوپر سے عذاب نازل کردیں۔ چاہیں تو قدموں کے نیچے سے عذاب لیکر آئیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے قدرت ہے۔ کل کائنات حق تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ سانپ بچھو یہ بھی خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ شیر بھیڑیے یہ بھی خدا کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اپنے جس مجرم کو اپنی جس مخلوق سے پٹوادیں۔ جس سے چاہیں سزا دلوادیں اس کو یہ پورا اختیار ہے اور یہ برابر ہوتا رہتا ہے۔ امراض انسان کے بدن میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی انسان کے دشمن ہیں۔ خارجی حوادث ہیں وہ بھی انسان کے دشمن ہیں۔ کسی کے گلٹی نکل آئی۔ کالرا ہوگیا، دق ہوگئی۔ ایسے ایسے امراض پیدا ہوجاتے ہیں یہ امراض بھی خداوند تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اپنے جس بندے کو جس مجرم جس ملزم کو جس مخلوق سے چاہیں پٹوادیں۔ اسلئے جو شخص اللہ تعالیٰ کی چادر کو چھیننے گا گھسیٹے گا تو اللہ تعالیٰ اسے کسی سے پٹوادیں گے۔ پس بڑائی اپنے اندر پیدا نہیں ہونی چاہئے۔

انسان اپنی پیدائش پر غور کرے

آدمی غور کرے کاہے سے پیدا ہوا ہے؟ ناپاک نطفہ سے مَاءٍ مَّهِين سے، صلصال سے، حماء مسنون سے پیدا ہوا۔ ایسے طریقہ پر کہ جب باپ اور ماں آپس میں ملتے ہیں چھپ کر ملے ہیں کہ کوئی دیکھ نہ لے اور اس ملنے کا اثر یہ ہوا کہ شریعت نے ان کو کہہ دیا کہ تم ناپاک ہو نماز پڑھنے کے قابل نہیں تم۔ مسجد میں جانے کے قابل نہیں۔ قرآن کو ہاتھ لگانے کے قابل نہیں۔ اس طریقہ پر تو پشت پدر سے شکم مادر میں انسان آیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب نطفہ ہوتا

ہے تو ایک ملکِ موکل فرشتہ جو اس کے اوپر مسلط ہوتا ہے کہتا ہے یَارَبِّ نُطْفَۃٌ اے پاک پروردگار! یہ نطفہ ہے آپ کا کیا ارشاد ہے۔ اسے باقی رکھنے کا، ختم کردینے کا۔ اگر اس کو باقی رکھنا ہوتا ہے تو چالیس روز میں وہ علقہ بنتا ہے پھر فرشتہ پوچھتا ہے یارَبِّ عَلَقَۃٌ یارب یہ تو علقہ ہوگیا پھر اس کو باقی رکھنا ہوتا ہے تو چالیس روز میں وہ مضغہ ہوجاتا ہے پھر فرشتہ کہتا ہے کہ یَارَبِّ مُضْغَۃٌ پھر اس کو باقی رکھنا ہوتا ہے تو اس کے بعد پھر اس کے اندر ہاتھ پیر پیدا ہوتے ہیں، جان پڑتی ہے اور کیا کیا ہوتا ہے۔ عورت کو جو خون ہر مہینہ آیا کرتا تھا حمل کے بعد وہ خون آنا بند ہوجاتا ہے جو بچہ پیٹ میں ہے۔ اس کی جسم کی تیاری کے لئے ضرورت اس خون کی ہے تو عورت کا خون وہاں مستقل اس کے لئے غذا بن رہا ہے۔ پھر اس کے اندر جان پڑگئی وہی خون اس کی غذا بن رہا ہے۔ جب بچہ پیدا ہوجاتا ہے پھر حق تعالیٰ اس خون کو دودھ کی شکل میں بدل کر پلانے کے لئے بھیج دیتے ہیں کہ ماں بچہ کو دودھ پلاتی ہے اور بچہ ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کو کوئی تمیز نہیں کوئی علم نہیں۔ طاقت نہیں نہ کروٹ بدل سکتا ہے، نہ بیٹھ سکتا ہے نہ بات کرسکتا ہے اور نہ اپنی کسی تکلیف کو بتا سکتا ہے۔ سر میں درد ہے، پیٹ میں درد ہے، کچھ پتہ نہیں کہاں درد ہے۔ روتا ہے بے تحاشہ روتا ہے۔ اس کو چپ کرنے والے بہلانے والے بھی تھک جاتے ہیں۔ نجاست میں ملوث ہوگیا اس کو کچھ پتہ نہیں۔ وہ اپنے ہاتھ کو چوسنا شروع کردیتا ہے۔ چاہے نجاست میں بھرا ہو اس کو کچھ پتہ نہیں۔ غرض یہ کہ ایسی حالت میں انسان پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے حالات حواس درست ہوتے رہے، عقل آتی رہی، سمجھ آتی رہی، بولنا سیکھا، بات بولنے لگا، غذائیں کھانے لگا۔ تو جس کا مبدا یہ ہے وہ کس واسطے تکبر وغرور کرتا ہے غور کرنا چاہئے۔ قرآن پاک میں ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اپنے نفسوں میں دیکھتے نہیں ہو غور نہیں کرتے۔ سوچنا چاہئے کیسے کیسے پیدا ہوئے تھے کیسے اور کیا کیا اطوار ہمارے اوپر گذرے ہیں اور موجودہ حالت میں جب جوانی کا زمانہ آیا۔ بچپن کا زمانہ ختم ہوگیا۔ جوانی دیوانی کہلاتی ہے "اَلشَّبَابُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْجُنُوْنِ" [جوانی جنون کا ایک شعبہ ہے۔] مشہور ہے۔ جوانی میں زیادہ طاقت ہوتی ہے۔

....

انسان کی صحبت کا غذا پر اثر

لیکن خود دیکھ لے کہ کتنی مصیبتوں سے اور ناپاکیوں سے بھرا ہوا ہے۔روزانہ کتنا پیشاب اس سے نکلتا ہے، کتنا پاخانہ نکلتا ہے اور اسکی کیا حالت ہے۔سیب کھایا، امرود کھایا تین گھنٹے کے بعد کس صورت میں وہ نمودار ہو کر باہر نکلتا ہے۔نہ اسکے نام لینے کو جی چاہتا ہے، نہ آنکھ سے دیکھنے کو دل چاہتا ہے اور نہ ناک سے سونگھنے کو جی چاہتا ہے، نہ ہاتھ لگانے کو جی چاہتا ہے۔اس کا نام ہی غلیظ رکھا گیا۔غرض غذا کیسی صورت میں نمودار ہوئی۔ یہ حضرت انسان کی صحبت سے بنا ہے وہ اچھی غذا اشرف المخلوقات کے پیٹ میں داخل ہوئی تھی اسکی صحبت میسر آئی جس سے اسکا رنگ بھی بدل گیا۔اسکا ذائقہ بھی بدل گیا۔اسکی تاثیر بھی بدل گئی خوشبو بدل گئی۔اسکی سب چیز کا ناس ہو گیا۔اس حالت میں وہ غذا نکلی۔

انسان کی عاجزی اور کمزوری

اور انسان اتنا ضعیف و کمزور ہے سوتا ہے تو کہیں چھت میں سے سانپ گر پڑے کاٹ لے وہ کیا کرسکتا ہے۔کوئی چور داخل ہو کر اسکا گلا گھونٹ دے وہ کیا کرسکتا ہے؟ بچھو کاٹ لے کیا کرسکتا ہے؟ زلزلہ آئے تو نیچے زمین کے اندر دھنس جائے۔کیا کرسکتا ہے؟ اسکے قابو میں کوئی چیز نہیں۔ سہارنپور میں ایک صاحب نے اپنے مکان میں نیا کمرہ بنایا۔ایک پرانا کمرہ تھا ایک نیا کمرہ ہو گیا۔ پرانے کمرے میں رات کو لیٹے ہوئے تھے۔برسات کا زمانہ تھا بارش زور کی آگئی۔خیال ہوا کہ پرانا کمرہ ہے کہیں ٹوٹ نہ جائے گر نہ جائے۔نئے کمرے میں چلنا چاہئے۔تو جناب مرد و عورت بچے سب نئے کمرے میں چلے آئے جیسے ہی نئے کمرے میں پہنچے اسکی چھت گر گئی۔نئے کمرے کی سب ختم ہو گئے، گئے تھے بچاؤ کے واسطے لیکن ختم ہو گئے۔اسلئے حق تعالیٰ ہی حفاظت کرنے والے ہیں۔انسان اتنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے۔اندر بھی اسکے دشمن۔ باہر بھی اسکے دشمن۔نجاست اور غلاظتوں میں گھرا ہوا ہے۔کیا تکبر کرتا ہے؟ کیا بڑائی کرتا ہے؟ کس بات پر اینٹھتا ہے؟ اگر اس کو یہ خیال ہے کہ

میرے اندر اعلیٰ درجہ کی طاقت ہے۔ میں پہلوان ہوں۔ ہاں پہلوان میں طاقت تو ضرور ہے لیکن اگر فالج پڑ جائے تو فالج کا علاج مشکل ہے۔ تو اپنے ہاتھ سے مکھی نہیں اڑا سکتا۔ کوئی حرکت نہیں کرسکتا۔ اگر اس کو روپیہ کا خیال ہے کہ میرے پاس روپئے بہت ہیں تو ایک دیاسلائی میں سارے روپئے ختم ہو جائیں۔ اسی سال کی بات ہے شعبان کے مہینہ میں ہتورا جانا ہوا ضلع باندہ میں۔ وہاں معلوم ہوا کھیتی کٹ کر غلہ جمع تھا۔ اس میں آگ لگ گئی۔ اور آگ اس طرح لگی۔ تار بجلی کا درمیان سے ٹوٹا وہ گرا تو اس سے غلہ میں آگ لگ گئی جتنا غلہ تھا سب جل گیا۔ کیا کیا منصوبے بنا رکھے تھے کہ لڑکی کی شادی کرنی ہے اس کے لئے جہیز کی ضرورت ہوگی۔ غلہ فروخت کر کے جہیز بنائیں گے۔ لڑکے کی شادی کرنی ہے اس کا ولیمہ کرنا ہے دعوت کرنی ہے۔ مکان بنانا ہے کسی کا قرضہ چاہئے۔ اس کو دینا ہے۔ حج کا ارادہ ہے۔ اس میں آگ لگ گئی اور سب منصوبے ختم ہو گئے تو حفاظت کرنے والا صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔ اسلئے جو شخص اتنا محتاج ہو۔ ایسا گھرا ہوا ہو ضروریات میں۔ دشمنوں میں، اندر بھی دشمن، باہر بھی دشمن وہ کس بات پر غرور اور تکبر کرتا ہے۔

متکبر آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص کے دل میں تھوڑا سا تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جاسکتا۔ جب تک دوزخ کی آگ میں جل جلا کر اس کا تکبر سارا نہ نکال دیا جائے اس کے بعد جنت میں جاسکتا ہے۔ اس سے پہلے تو داخل ہو ہی نہیں سکتا۔

تو جو صفت اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے تجویز فرمالی اس کو آدمی کھینچنے لگے؟ اور پھر پڑھنے اور عالم ہونے کے بعد۔

علم کا نشہ

اگر آدمی تھوڑا سا بھی پڑھ لیتا ہے تو بس اس میں اتنا نشہ آتا ہے کہ اللہ کی پناہ اتنا

شراب میں بھی شاید نشہ نہ ہو۔ وہ کسی کو نظر میں نہیں لاتا۔ حالانکہ علم حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس کی تجلی انسان کے قلب پر پڑتی ہے۔

علم کا حقیقی فائدہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الرِّوَايَةِ اِنَّمَا هُوَ نُوْرٌ يَضَعَهُ اللّٰهُ فِي الْقَلْبِ" علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ وہ تو ایک نور ہے جو قلب میں رکھا جاتا ہے۔ جب قلب میں نور رکھا جاتا ہے اور قلب روشن ہوتا ہے تو سب سے پہلے تو قلب ہی کو دیکھے گا۔ قلب نظر آئیگا۔ جیسے کہ ایک اندھیرا کمرہ ہے۔ تہ خانہ ہے۔ کچھ پتہ نہیں اس میں کیا ہے؟ اس میں آپ نے ایک گیس جلا دیا۔ ایک بلب جلا دیا اب نظر آتا ہے کہ او ہو ادھر تو سانپ جا رہا ہے۔ ادھر تو بچھو جا رہا ہے۔ یہ کاٹنے والا ہے یہ ڈسنے والا ہے تو سب سے پہلے تو اس نور سے قلب کے اندر کی چیزیں نظر آنی چاہئیں کہ قلب کا کیا حال ہے۔ قلب کے اندر حسد ہے۔ قلب کے اندر بخل ہے قلب کے اندر ریاکاری ہے قلب کے اندر دوسروں کو اذیت پہنچانا ہے۔ قلب کے اندر چوری کرنا ہے اور کیا کیا چیزیں قلب کے اندر ہیں۔ لہٰذا علم کی روشنی میں سب سے پہلے آدمی کو اپنا جہل محسوس ہونا چاہئے کہ کتنا میں جاہل ہوں۔ یہ علم کا صحیح فائدہ ہے کہ اس کو اپنے جہل کا ادراک ہو۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کیا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ "القول الجلیل" اس میں یہ مقولہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "ہمیں تو سب کچھ پڑھ کر پتہ چل گیا کہ ہم جاہل ہیں۔"

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا فارغین کو خطاب

دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ طلباء کو فرمایا کرتے تھے "جاہلین" جاہلین کہہ

کر خطاب فرمایا کرتے تھے اور جب ان کی بخاری شریف ختم ہوگئی تو اس روز فرمایا کہ آج سے تم لوگ "جُہّالین" ہو گئے۔

علم کا اثر

اور وہ علم ہی کیا ہے جو انسان کے اپنے عیوب نہ بتا سکے۔سب سے بڑا علم کا اثر یہ ہے کہ آدمی کو اپنے عیوب و ذنوب کا پتہ چل جائے۔آنکھیں کھل جائیں کہ میرے اندر کیا کیا عیب ہے کیا کیا گندگی ہے۔جو حق تعالیٰ کی ناخوشنودی کا باعث ہے یہ ہے علم کا فائدہ۔اور اگر علم کے ذریعہ سے دوسروں ہی کے عیوب و ذنوب کو تلاش کرنے لگ جائے آدمی تو یہ اہل علم کے لئے تباہ کرنے والی چیز ہے۔برباد کرنے والی چیز ہے جن لوگوں کو چسکا پڑ جاتا ہے دوسروں پر تنقید و تبصرہ کرنے کا کہ ہر ایک کے اندر عیب نکالتے رہتے ہیں تو ساری زندگی ان کی ایسی گذرتی ہے کہ اپنے کسی عیب پر ان کو کبھی توجہ نہیں ہوتی کہ اس میں کیا کیا عیب ہیں۔حالانکہ علم دیا گیا ہے اپنے عیوب کو تلاش کرنے کیلئے۔اپنے ذنوب کو دیکھنے کیلئے۔اپنی اصلاح کرنے کیلئے دیا گیا۔آدمی کو اپنا عیب معلوم نہ ہو تو کیا علم ہے؟ ایک صاحب کے متعلق میں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ فلانے صاحب عالم تھے۔وہ بدعتی لوگوں میں تھے۔انہوں نے فرمایا کہ کیا علم جو سنت اور بدعت میں فرق نہ کر سکے۔وہ کوئی علم ہے؟ یوں فرمایا۔

غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کیلئے شیطان کی چال

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ العزیز جو غوث اعظم کہلاتے ہیں بہت اونچے مقبولین میں سے تھے اور اولیاء اللہ میں سے تھے ان کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ ان کو ادراک ہوا، احساس ہوا کہ خداوند تعالیٰ کا خاص قرب ہے اور انوار و برکات کی بارش ہو رہی ہے۔بہت سی چیزیں نظر آ رہی ہیں، اسی اثناء میں ان کو پیاس محسوس ہوئی تو سامنے ایک

صورت نکلی جس کے ہاتھ میں سونے کا پیالہ اور اس میں چھلکتا ہوا عمدہ پانی پیش کیا گیا۔ چونکہ ان کے پاس غیب سے کھانے پینے کی چیزیں آیا کرتی تھیں، خوارق و کرامات ان سے بہت صادر ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی طرف سے عقیدے بھی لوگوں کے بہت زیادہ خراب ہوئے۔ بس سمجھتے ہیں کہ سب کچھ تقسیم کرنا ان ہی کے سپرد ہے اور لوگ ان ہی سے مانگتے ہیں خدا سے نہیں مانگتے جو شرک ہے، پانی سامنے پیش کیا گیا پینے کا ارادہ کیا۔ خیال آتا ہے کہ سونے کا برتن استعمال کرنا تو حرام ہے۔ رک گئے۔ پھر خیال آتا ہے کہ حرام کرنے والے کون ہیں؟ ہم نے حرام کیا، ہم ہی دے رہے ہیں۔ پیو۔ نہیں پیو گے تو ناشکری ہوگی، ناقدری ہوگی، کفران نعمت ہوگا۔ پکڑے جاؤ گے۔ پھر پینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو پھر خیال آتا ہے کہ یہ تو تلبیس ابلیس معلوم ہوتی ہے۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" شریعت محمدیہ میں نسخ نہیں جو احکام ہیں وہ قیامت تک کیلئے ہیں یہ نہیں کہ کسی کے کہنے سے منسوخ ہو جائیں کہ سونے کا برتن استعمال کرنا جائز ہو جائے۔ "لاحول" پڑھی۔ نہ وہ صورت رہی نہ وہ ہاتھ رہا، نہ وہ پیالہ رہا نہ پانی رہا۔ وہ انوار و برکات بھی سارے ختم اتنے بڑے شیخ وقت کو شیطان نے پھانسنے کے واسطے ایسا پنڈال تیار کیا کہ انوار و برکات نظر آ رہے تھے، "لاحول" پڑھی تو بھاگا اور بھاگتے بھاگتے کہتا ہے کہ تم اپنے علم کے زور سے بچ گئے ورنہ تو اتنے اولیاء اللہ کو میں نے اس مقام میں لا کر جہنم میں بھیجا ہے۔ انھوں نے سوچا کہ شیطان تو خیر نفع کی بات کہہ ہی نہیں سکتا۔

"اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ"

[بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔] اس میں بھی اس کی چال ہے جواب میں کہتے ہیں کہ علم کے زور سے نہیں بچا، اللہ کے فضل سے بچا، اللہ کا فضل اگر شامل حال نہ ہو تو علم کیا کرسکتا ہے کچھ نہیں کرسکتا۔

اس واسطے شیطان کا چکر ایسا ہوتا ہے کہ اتنے بڑے بزرگ کو بھی پھانسنا چاہتا ہے۔

....

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے شیطان کا مناظرہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ کہیں جا رہے تھے راستہ میں ملا شیطان۔ لگا مناظرہ کرنے۔ سامنے سے ایک گاؤں والا آ رہا تھا کھیتی کرنے والا۔ کندھے پر پھالی لئے ہوئے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے شیطان سے پوچھا کہ بتا میرا ایمان قوی ہے یا اس کسان کا؟ شیطان نے کہا کہ تیرا ایمان تو چٹکی میں اڑا دینگے ایمان تو اسکا قوی ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا ایمان تو تحقیقی ہے۔ استدلالی ہے۔ اسکا ایمان تقلیدی ہے۔ استدلال کی چیز کو کیسے اڑا سکتا ہے۔ شروع ہوگئی بحث، اتنے میں وہ کسان قریب آگیا۔ اس سے پوچھا کیوں بھئی، خدا کتنے؟ اس نے کہا ایک، شیطان نے کہا اور جو میں نے دلیل سے دو ثابت کر دیئے۔ اس نے پھالی اٹھا کر کہا کہ ابھی میں تیرا پیٹ پھاڑ دونگا۔ شیطان نے کہا اس دلیل کا کیا جواب ہوگا؟ شیطان تو اہل علم کے دلائل کا جواب دیتا ہے۔

سہل عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ سے شیطان کا مناظرہ

شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے۔ شیخ شعبانی نے بھی اس سوال وجواب کو نقل کیا ہے کہ حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجہ کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ وہ غالباً نماز کیلئے جا رہے تھے راستہ میں ابلیس ملا۔ انھوں نے پہچان لیا کہ یہ ابلیس ہے۔ ابلیس نے بھی سمجھ لیا کہ انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ ابلیس نے کہا: سہل تم کہتے ہو کہ میری بخشش نہیں ہوگی۔ میرے اوپر رحمت نہیں ہوگی۔ حالانکہ قرآن شریف میں ہے کہ "رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ" [اور میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔] (آسان ترجمہ) یہ قضیہ موجبہ کلیہ ہے "رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ" [میری رحمت ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔] (آسان ترجمہ) کیا میں شئ نہیں ہوں؟ لاشیء ہوں، لاشئی کہنا تو محال ہے، میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ نہیں کہہ سکتے کہ میں لاشئی ہوں۔ لامحالہ شئے ہوں۔ حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسکے اس سوال پر میرا یہ حال ہوگیا کہ مجھ پر سکتہ

طاری ہوگیا۔ سانس پورا نہیں آتا۔ آدھا سانس اندر کو آدھا سانس باہر کو آرہا ہے۔ منہ کا لعاب خشک ہوگیا۔ ایسا زبردست اعتراض کیا۔ چنانچہ میں جی میں "لاحول" پڑھتا رہا اور پھر جواب دیا: "رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فسا کتبھا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ۔ (سورۃ الاعراف) [اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے، چنانچہ میں یہ رحمت (مکمل طور پر) ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں، اور زکوۃ ادا کریں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں۔] (آسان ترجمہ)

یہ رحمت کس کیلئے؟ ان لوگوں کیلئے جو اقامت صلوٰۃ کریں، ایتاء زکوٰۃ کریں اور دوسرے فلاں فلاں ارکان ادا کریں۔ اور تو یہ کام نہیں کرتا۔ لہٰذا تیرے واسطے رحمت نہیں ابلیس کہنے لگا۔

کاش! آپ چپ ہی رہتے (گوہر افشانی نہ فرماتے تو بہتر تھا) جواب دیا۔ ارے سہل تقیید تیری صفت ہے۔ اسکی صفت اطلاق ہے تو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ اسکی رحمت کو مقید کردیا "فسا کتبھا للذین یتقون" کے ساتھ تقیید تو تیری صفت ہے۔ کہا کہ "قیاس الغائب علی الشاھد" ناجائز ہے۔ قیاس الواجب علی الممکن ناجائز ہے۔ تو ممکن ہے تو مخلوق ہے۔ وہ خالق ہے۔ واجب کو ممکن پر قیاس کرتا ہے۔ یہ کہہ کر مذاق اڑاتا ہوا چلا گیا۔

سہل ابن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد اس اعتراض کا مجھے جواب نہیں آیا۔ تو شیطان ایسے ایسے چکر دیتا ہے۔ ایسے ایسے دلائل پیش کرتا ہے کہ آدمی ہکّا بکّا رہ جائے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

اس واقعہ کو حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔ فیض الباری میں فرماتے ہیں کہ افسوس میں نہیں سمجھا کہ شیخ سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کس بات کی وجہ سے خاموش ہوگئے۔ اہل علم کا علم۔ کہاں وہ ملعون کہاں شیطان۔ میرے سامنے آئے میں جواب دیتا ہوں۔ تو انہوں نے جواب یہ دیا کہ قرآن پاک میں رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ۔ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ رحمت میں وسعت ہے ہر شئے کی۔ جیسے کوئی شخص کہے اس کمرہ میں وسعت

ہے پچاس آدمیوں کی۔ چاہے بالفعل اس میں ایک بھی آدمی موجود نہ ہو لیکن اگر آنا چاہیں تو پچاس آدمی اس میں آسکتے ہیں۔ تو رحمت میں وسعت ہے کوئی آنا چاہے تو آسکتا ہے۔ جب خود ہی وہ نہ آئے "انلزموکموھا وانتم لھا کارھون" کیا زبردستی ہدایت کو چپکا دیا جائے نہیں فرمایا کہ اس میں رحمت کی کیا خطا ہے جب وہ خود ہی اس مین آنا نہیں چاہتا۔ یہ جواب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیا۔ غرض اہل علم حضرات کو زیادہ چکر دیتا ہے۔

علم کیوں دیا گیا؟

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم دیا گیا تھا اپنے عیوب معلوم کرنے کے لئے تا کہ اپنے عیوب کی اصلاح کی جائے۔ اس کو شیطان نے خود اس عالم کے خلاف استعمال کرانا شروع کر دیا کہ وہ اس علم کی روشنی میں دوسروں کے عیوب و ذنوب پر نظر کرتا رہے۔ ان کے درپے ہو گیا۔ ان کے عیوب نظر آئیں گے۔ اپنا کوئی عیب نظر نہیں آئے گا تو اپنے دل میں اپنی بڑائی بڑھتی چلی جائے گی۔ دوسروں کی ذلت وحقارت بڑھتی چلی جائے گی۔ یہ نہایت خطرناک چیز ہے۔ پھر ایسے علم سے کوئی خیر و برکت نہیں ہوگی۔ جب صاحب علم کے اندر تکبر بھرا ہوا ہو، دوسروں کو حقارت اور ذلت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اپنے آپ کو بڑائی کی نظر سے دیکھتا ہے تو پھر اس کے علم میں کیا خیر و برکت ہو سکتی ہے؟ کچھ نہیں۔ اہل علم حضرات کو خاص طور سے تکبر سے بچنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ ان کی جتنی محنت ہے پڑھنے پڑھانے کی وہ ساری کی ساری برباد ہو جائے گی۔ حق تعالیٰ جن حضرات کو اپنا علم عطا فرماتے ہیں اگر اس علم کے ساتھ اپنا فضل بھی عطا فرمادیں جو اس علم کی حفاظت کرے کہ وہ شیطان کے آلہ کار نہ بن جائیں تو ان کا حال دوسرا ہوتا ہے۔

مرنے کے بعد اہل علم حضرات کا اکرام

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا انتقال کے بعد۔ پوچھا کہ آپ

کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا۔ فرمایا کہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر چپکے سے میرے کان میں کہا گیا کہ اے محمد! اگر تم کو عذاب دینا ہوتا تو اپنا علم تمہارے سینے میں محفوظ نہ کرتا۔ بس کچھ پوچھ گچھ نہیں ہوئی۔ کہنے لگے کہ انتقال کس حال میں ہوا آپ کا؟ فرمایا کہ کیا کہوں "باب المکاتب" کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا مجھے پتہ بھی نہیں چلا اور جان نکل گئی۔

کسی نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ ان سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا؟ فرمایا کہ عرش کی داہنی جانب مجھے سونے کی کرسی پر بٹھا کر سچے موتی مجھ پر نثار کئے گئے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہاں؟ کہا کہ اس کے اوپر ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہاں ہیں؟ کہا کہ وہ فوق الفوق ہیں۔

جن حضرات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہے۔ علم کے ساتھ اپنا فضل بھی عطا فرمایا ہے۔ اس فضل نے احاطہ کرلیا۔ ایسی چیزوں پر شیطان کو رخنہ اندازی کا موقع نہ ملے۔ تو وہ "نور علیٰ نور" ہیں۔ ان کی زندگی کا کیا کہنا اور جہاں یہ چیز نہ ہو وہاں بہت پریشانی ہوتی ہے اور فضل ملتا تو ہے خدا کی طرف سے لیکن کب ملتا ہے یہ اس وقت ملتا ہے جب آدمی اپنے کو چھوٹا سمجھے، اپنے آپ کو حقیر سمجھے ذلیل سمجھے اپنے مبدأ پر غور کرے کہ میں کس چیز سے پیدا ہوا؟ کتنی ناپاکی نجاست میرے اندر لگی ہوئی، کتنی خرابیوں میں مبتلا ہوں اور پھر بیمار ہوں گا۔ مرنے کے بعد قبر میں کیڑے مکوڑے کھائیں گے۔ بدن پھٹے گا۔ پیپ نکلے گی۔ خون نکلے گا۔ تمام اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور حسین چہرہ نہ جانے کیسا بن جائے گا۔ بدن کی طاقت کیسی ہو جائے گی۔ ان چیزوں پر آدمی غور کرے۔ تو تکبر پیدا نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ کا فضل شامل حال رہتا ہے۔ علم صحیح سمجھ میں آتا ہے اور اس علم میں ایسی برکت ہوتی ہے کہ ایک ایک آدمی لاکھوں کا استاذ، لاکھوں کے دلوں کو روشن کرنے والا بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حقیقت شکر

اس بیان میں

☆......اللہ تعالیٰ کی ہر ہر نعمت پر شکر گذاری لازم ہے۔
☆......شکر گذاری سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے۔
☆......ناشکری سے نعمت چھن جاتی ہے۔
☆......شکر کی حقیقت کیا ہے؟
☆......ناشکری پر گرفت کے بعض واقعات۔

حقیقت شکر

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ.

(سورۂ ابراھیم:۷)

[اگرتم نے واقعی شکرادا کیا تو میں تم کو اور زیادہ دونگا اور اگرتم نے ناشکری کی تو یقین جانو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔] (آسان ترجمہ)

اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے کہ اگرتم شکرادا کرتے رہو تو ہم انعامات میں زیادتی کرتے رہیں گے زیادہ نعمت دیں گے اور اگرتم نے ناشکری کی، کفرانِ نعمت کیا، شکرادا نہیں کیا تو میرا عذاب شدید ہے۔ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

روزہ کی شکرگذاری

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے کتنی بڑی نعمت ہے کہ نہیں تمہیں روزہ رکھنے کی توفیق دی۔ تلاش کر کے دیکھئے کتنے لوگ ایسے ملیں گے کہ روزہ نہیں رکھتے۔ رمضان کا احترام نہیں کرتے ہیں۔ بے تکلف کھاتے پیتے پھرتے ہیں اللہ نے ہمیں اس سے بچایا ہے۔ قانون شکنی ایک تو چوری چھپکے سے ہوتی ہے۔ کسی شخص نے چوری کرلی، پوشیدہ

طریقہ پر دوسرے کو پتہ لگ گیا پھر اس کے بھی ہاتھ نہ آیا۔ایک کھلم کھلا علی الاعلان قانون کے خلاف کرنا۔پھر ایک شخص کا نہیں بلکہ ایک قوم کا قانون کے خلاف کرنا۔بالکل یوں سمجھئے کہ قانون کے خلاف گویا ایک احتجاج ہے مظاہرہ کیا جارہا ہے۔رمضان میں قانون خداوندی یہ ہے کہ دن بھر روزہ رکھو۔

ناشکری سے حفاظت

جولوگ روزہ نہیں رکھتے۔ہوٹل کھول رکھے ہیں کھلا رہے ہیں پلا رہے ہیں ان کو پتہ ہی نہیں کہ رمضان آیا بھی یا نہیں آیا۔یہ کیا ہے؟اجتماعی حیثیت سے کھلم کھلا علی الاعلان خدائے پاک کی قانون شکنی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب ایسا وقت آجائے کہ شراب عام طور پر پی جانے لگے،گانا بجانا عام ہوجائے۔لوگ خدا کی نافرمانی کھلم کھلا علی الاعلان کریں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہوتو "اوشك الله ان يعمهم بعقاب" قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عام عذاب دے گا۔عام گرفتاری ہوجائے گی۔اس میں کرنے والے نہ کرنے والے سارے پکڑے جائیں گے۔جولوگ ہوٹل کھول کر بیٹھتے ہیں دکان پر کام کرتے ہیں کھانا پکاتے ہیں کھلاتے ہیں ماہ رمضان کے دنوں میں۔وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ جرم کرنے والوں میں نہیں۔وہ خود بھی مجرم ہیں جو کھاتے پیتے ہیں بلا عذر شرعی کے وہ بھی مجرم اور جو ان کو کھلاتے ہیں وہ بھی مجرم،یہ نہ کرنے والوں میں نہیں۔نہ کرنے والے تو دوسرے لوگ ہیں دیکھ رہے ہیں کہ بیٹا روزہ نہیں رکھتا مگر باپ کچھ نہیں کہتا۔اگر وقت پر دکان نہ گیا لڑکا تو ناراض ہوتا ہے سخت کلمات کہتا ہے۔اگر ملازمت پر نہیں گیا تو ناراض ہوتا ہے۔کھیت پر نہیں گیا تو ناراض ہوتا ہے۔باپ جس کام پر لگا ہوا ہے اس کام میں اگر وہ ہاتھ نہ بٹائے تو ناراض ہوتا ہے۔بہت خفا ہوتا ہے۔

مونچھیں رکھنے والا خاندان

یہاں تک کہ ہمیں معلوم ہے کہ ایک خاندان ایسا ہے کہ بڑی بڑی مونچھیں رکھتے ہیں۔ داڑی منڈاتے ہیں۔ مونچھیں بڑی بڑی رکھتے ہیں۔ یہ بھی حدیث کا مقابلہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ داڑی بڑھاؤ مونچھیں کٹاؤ۔ وہ کیا کرتے ہیں؟ اسکی ضد کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی ناشکری

جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے مانگا تھا کہ من وسلویٰ کھاتے کھاتے ہمارا جی بھر گیا۔ ہمیں تو دال چاہیے، پیاز چاہیے۔ کہا گیا کہ اچھا اس شہر میں داخل ہو جاؤ۔

"وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ"

اور کہو کہ اے خدا ہمارے جرم وخطاء کو معاف فرما۔ جھک کر سجدہ کی حالت میں داخل ہونا۔ انہوں نے کیا کیا؟ لیٹ گئے سیدھے، پیر پہلے داخل کر دیئے اور بجائے "حِطَّۃٌ" کہنے کے "حِنطَۃٌ" کہہ رہے ہیں ہمیں تو گیہوں چاہیے گیہوں، من وسلویٰ نہیں چاہیے۔ یہ "مغضوب علیھم" کی شان ہے۔ خداوند تعالی نے جو حکم فرمایا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم فرمایا ہے اسکے خلاف علی الا علان کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ داڑھی بڑھاؤ مونچھیں کٹاؤ، وہاں کیا ہے مونچھیں بڑھاؤ داڑھی کٹاؤ، داڑھی منڈاؤ، اس خاندان میں بڑی بڑی مونچھیں رکھتے ہیں، ایک بچہ جوان ہو گیا، اس نے مونچھیں نہیں رکھیں باپ نے اسے ڈانٹا اور دھمکی دی کہ تمہیں عاق کر دوں گا، جائداد سے کچھ نہیں ملیگا مار مار کے گھر سے نکالدوں نگا، ہمارے خاندان میں شعار ہے کہ مونچھیں رکھی جاتی ہیں۔ یہ خاندانی شعار ایسا ہے کہ جسکی وجہ سے بیٹے نے اگر مونچھیں نہیں رکھیں تو والدین گھر سے نکالنے کے لئے تیار، عاق کرنے کے لئے تیار۔

....

کھلم کھلا نافرمانی پر عذاب

لیکن اگر وہی بیٹا خدا کا حکم نہیں مانتا روزہ نہیں رکھتا۔تو باپ کی زبان ٹوٹ گئی کہ کچھ نہیں بولتے سزا دینے کیلئے۔بیٹا نماز نہیں پڑھتا ہے،تو باپ کچھ نہیں کہتا۔کیا قیامت میں اس کا سوال نہیں ہوگا کہ تمہاری خاندانی شعار کی مخالفت کی تو تم ناراض ہوئے اور ہمارے رسول ﷺ کا حکم توڑ رہا تھا تم سے کچھ نہیں ہوسکا،تمہاری زبان ٹوٹ گئی تھی۔تمہارے مونچھ کی بالوں کی قدر وقیمت تمہارے نزدیک ہمارے حکم سے زیادہ ہے؟ ہمارے رسول ﷺ کے فرمان سے زیادہ ہے؟ کیا جواب ہے اس کا؟ کوئی جواب نہیں۔اگر کوئی کہے سوال کرے باپ سے کہتے ہیں ارے صاحب ہم نے تو کہہ دیا تھا نہیں مانتا تو ہم کیا کریں؟ اس کو اپنی قبر میں سونا ہے ہمیں اپنی قبر میں سونا ہے،ہاں یہ تو صحیح ہے کہ اس کو اپنی قبر میں سونا ہے اور آپ کو اپنی قبر میں سونا ہے۔لیکن یہ یاد رہے کہ اگر کسی بستی میں چھپر کے مکانات ہوں اور ایک شخص نے کچھ بیوقوفی کی اپنے چھپر میں آگ لگادی تو اور بستی کے لوگ کیا کرتے ہیں؟ یہ نہیں سوچتے کہ اس کا گھر جلے گا ہمارا اس سے کیا نقصان ہوگا۔ہمیں اس سے کیا لینا،کیا یہی سوچتے ہے؟ نہیں سب کے سب چل کر جلدی سے جلدی جا کر اس آگ کو بجھائیں گے۔حتیٰ کہ جو شخص اس کا مخالف اور دشمن ہے اس کے گھر میں بھی آگ لگ جائے اور وہ پڑوس میں رہتا ہے۔سب سے پہلے وہ آگ بجھائے گا۔کوئی کہے کہ تمہارا دشمن ہے اس کا گھر جلنے دو،کیا جواب دے گا؟ وہ کہے گا کہ اسی کا گھر تھوڑا ہی جلے گا وہ تو ہمارے گھر کو بھی جلائے گا۔اس کے چھپر کی آگ وہاں سے یہاں تک آئے گی۔وہاں نہیں سوچتے ہیں کہ اسے اپنی قبر میں سونا ہے اور ہمیں اپنی قبر میں سونا ہے، ہاں اگر دین کا معاملہ آتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو اپنی قبر میں اور ہمیں اپنی قبر میں سونا ہے یہ نہایت خطرناک چیز ہے۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب نافرمانی اللہ کی عام ہوجائے کھلم کھلا نافرمانی کی جانے لگی دیکھنے والے دیکھتے رہیں اور کوئی روک ٹوک نہ کرے تو عنقریب

ایسا عذاب آئیگا کہ کرنے والے اور نہ کرنے والے سب پکڑے جائیں گے۔ بیٹا نماز نہیں پڑھتا ہے خدا کے قول کو ترک کرتا ہے کسی کو توفیق نہیں ہوتی اسکو کہنے کی، بیٹا داڑھی منڈاتا ہے، کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہنے کی، بیٹا شراب پیتا ہے کسی کو توفیق نہیں ہوتی۔ ہاں ان کا اگر کوئی حکم ہو اس کو نہ مانے تو سب کے سب ناخوش ہوں گے، ناراض ہوں گے، کتنا ظلم ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں "لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ" تم میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو تو تمہیں زیادہ نعمتیں دوں گا۔ "وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ" اور اگر تم نے ناقدری، ناشکری کی تو میرا عذاب سخت ہے اور خداوند تعالیٰ کا عذاب جب سخت آتا ہے تو اللہ کی پناہ، اس سے کوئی نہیں بچ سکتا ہے۔ تاریخ بھری ہوئی ہے۔

بغداد کی تباہی

جس وقت میں بغداد میں فتنہ اٹھا ہے۔ بس ان حالات کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ کیا ہو گیا۔ جو لوگ غریب تھے، اذیت میں تھے جن کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان کو ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا وہ مسلمان نہیں تھے۔ غیر مسلم تھے۔ ان کے اوپر مسلمان حضرات زیادتی اور ظلم کرتے تھے جو حکومت کے نشہ میں چور تھے۔ بہت سختیاں کرتے تھے۔ ایک بوڑھے شخص نے پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ اے مسلمانوں کے خدا۔ اپنے خدا کو نہیں پکارا بلکہ کہا اے مسلمانوں کے خدا۔ مسلمان تجھے عادل ومنصف کہتے ہیں۔ کیا یہی تیرا انصاف ہے جو تیرے لاڈلے کر رہے ہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تب وہاں غیب سے آواز آتی ہے کہ تم حملہ کرو ہماری مدد تمہارے ساتھ ہے اس نے قوم کو جمع کر کے حملہ کیا۔ وہ جو غلام تھے مظلوم تھے حقیر و ذلیل تھے نہ حکومت میں ان کا کوئی حصہ تھا نہ تجارت میں کوئی حصہ تھا بہت ہی جانوروں جیسی زندگی گذار رہے تھے۔ انھوں نے جس وقت حملہ کیا اور بہت بری طرح سے حملہ کیا اور ایسا رعب ان کا چھایا ہے۔

....

مسلمانوں کی بزدلی

تاریخ کامل ابن الاثیر میں لکھا ہے کہ ڈیڑھ سو مسلمان فوجی ہتھیار لئے ہوئے بھاگے جارہے ہیں جان بچانے کے لئے۔ایک تاتاری آدمی آ کر کہتا ہے کہ کہاں جارہے ہو ٹھہر جاؤ۔میرے پاس چھرا نہیں ہے۔اپنے خیمہ سے چھرا لے کر آتا ہوں تم کو ذبح کریں گے۔ان کے پیر جم گئے رک گئے۔بھاگ نہیں سکے۔اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ناپید کرنے کی وجہ سے اس کی نافرمانی اوراس کے احکام کی بغاوت کی وجہ سے۔چنانچہ وہ شخص گیا اوراپنے خیمہ سے چھرا لے آیا اور کہا کہ لیٹ جاؤ یہاں۔وہ لیٹ گئے ہیں اوراس نے ذبح کیا جیسے مرغیوں کو ذبح کیا جاتا ہے۔اتنا رعب چھا گیا تھا ان پر۔اس لئے کہ خدا کی نافرمانی کی۔خدا کی مخلوق کو ستایا۔ناحق ستایا۔اللہ کی طرف سے فتح ہوئی۔ایک جگہ پر پچاس آدمی ایک جگہ پر چھپے ہوئے تھے،ایک عورت آتی ہے ان پچاس آدمیوں کو جیسے گاجرمولی کو کاٹا جاتا ہے اس طریقہ سے کاٹ ڈالا۔بیس لاکھ مسلمان وہاں آباد تھے اس زمانہ میں جن میں سے چودہ (۱۴) لاکھ قتل کردیئے گئے۔یہ کیفیت تھی۔یہ سب کیا ہے؟ خدا کی نافرمانی علی الاعلان ہو۔جرم عام ہو۔کھلم کھلا اللہ کے احکام توڑے جائیں اورکوئی روک ٹوک کرنے والا بھی کچھ نہ کرے سب خاموش رہیں۔اس وقت میں یہ چیزیں سامنے آتی ہیں اورہندوستان میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔

دہلی میں قتل عام

یہاں بھی ایسا ہوا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے یہاں دلی میں لوگوں کے دروازوں پر جاجا کر زنجیر کھٹکھٹا کر ہلا ہلا کر کہا کہ اللہ کے بندو! اب تو خدا کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔مجھے دلی کی گلی کوچوں میں خون بہتا ہوا نظر آرہا ہے لیکن لوگ نہیں مانے۔ارے ملا لوگوں کا تو کام ہی یہ ہے ان کا تو دماغ صحیح نہیں ہے۔آخر کار ہوا جو کچھ ہونا تھا۔آفت آئی

مصیبت آئی۔ اللہ کی پناہ، اللہ کی پناہ۔ نادر شاہ آیا اور بادشاہ کو جس وقت اطلاع کی گئی کہ دشمن آرہا ہے حملہ کرنے کیلئے تو کہا کہ ارے ارے ارے ایک پیالہ اور دیدو۔ ''این دفتر بے معنیٰ غرق مے اولیٰ'' اس پرچہ کو شراب کے پیالہ میں ڈبو دیا، اور کہا: کہ ایک پیالہ اور دو۔ آخر کار وزیروں نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ لے کر آئے۔ شاہی مہمان بنائے، لڑنے کی تو طاقت تھی نہیں اب یہاں کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد جو باتیں سنانے لیٹے ہیں تو کہا ''او مارڈالا۔ مارڈالا مارڈالو'' نادر کی فوج کو قتل کردو۔ انہوں نے کہا اُف او یہ تو سازش معلوم ہوتی ہے جو ہماری دعوت کی۔

دہلی کی سنہری مسجد کی فصیل پر تلوار نیام سے نکال کر نادر شاہ بیٹھ گیا جس کی بناء پر قتل عام ہوا اور انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ دریائے جمنا کا پل لاشوں سے بھر گیا۔ لاشوں کی کثرت سے پانی کی روانی بند ہوگئی۔ دلی کی جامع مسجد، فتح پوری کی مسجد، قاضی حوض یہ سب لاشوں سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ کیفیت اس وقت ہو چکی ہے اور واقعۃً دلی کی گلیوں کوچوں میں خون بہا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا ہے اس وقت میں کچھ خاندانِ بقائی کے لوگ تھے۔ کسی طرح سے چھپ چھپا کر وہاں سے آئے ہیں اور اپنی پگڑی بادشاہ کے قدموں میں رکھ دی اور کہا کہ بادشاہ سے بادشاہ کی لڑائی ہے رعایا کا کیا قصور ہے۔ ان کو کیوں قتل کیا جارہا ہے۔ تب اس تلوار کو نیام میں واپس کیا گیا ہے اس واسطے یہ قتل کی صورتیں۔ یہاں بھی پیش آئی ہیں اور اب بھی پیش آتی رہتی ہیں۔ جگہ جگہ بہت کچھ ہوا مکہ مکرمہ میں بھی ہوا، مدینہ طیبہ میں بھی ہوا۔ سب تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ یہ کیوں ہوا؟ یہ اس وقت ہوتا ہے جب احکام خداوندی کی عظمت قلب سے نکل جائے اور نافرمانی کھلم کھلا کی جانے لگے اور قلوب اس سے متاثر نہ ہوں۔ بیٹے کو کوئی چپت مار دیتا ہے تو قلب متاثر ہوتا ہے ساری طاقت خرچ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں لیکن خداوند تعالیٰ کے قانون کو توڑا جارہا ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو چھوڑا جارہا ہو اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ اللہ کو بہت ناگوار گذرتا ہے۔ یہ بہت سخت چیز ہے

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ غصہ میں آتے ہیں۔

وہاں بغداد شریف میں یہ ہوا کہ ۱۴/لاکھ قتل کر دیے گئے۔بیس لاکھ میں سے۔

تاتاریوں کا قبول اسلام

اس کے بعد پھر ان لوگوں نے جنہوں نے ہمت کر کے قتل کیا تھا جو پہلے غلام تھے ماتحت تھے، ذلیل وحقیر تھے انہوں نے اپنی کمیٹی کی اور کمیٹی کر کے کہا کہ ہم نے اپنے خدا سے نہیں مانگا تھا مسلمانوں کے خدا سے کہا تھا۔فریاد تو مسلمانوں کے خدا سے کی تھی۔ہماری فریاد سنی گئی۔معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا خدا سچا ہے۔مذہب اسلام سچا ہے۔وہ لوگ (مسلمان) اپنے مذہب پر قائم نہیں تھے خدا کی بات نہیں مانتے تھے۔اپنے نفس کی خواہشات کے غلام تھے، مذہب کی بات نہیں مانتے تھے۔اس لئے وہ ذلیل وخوار ہوئے۔اب ہمارے علم میں سب کچھ آگیا ہے اس لئے ہم سب مسلمان ہو جائیں۔چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔

"وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ"

(سورۂ محمد: ۳۸)

[اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دیگا، پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔] (آسان ترجمہ)

تو مسلمان احکام خداوندی کو اس طرح سے ذلیل وحقیر کریں گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو لا کھڑا کر دے گا۔مصیبت ان کی ہے جو مسلمان ہونے کے باوجود خدا کی نظروں میں مغضوب بنیں مقہور بنیں۔عذاب ان کے اوپر آیا، ان کو تباہ و برباد کیا گیا۔وہ لوگ کامیاب ہیں جنہوں نے ان کو قتل کیا اور قتل کر کے پھر وہ لوگ مسلمان ہو گئے۔اسی سلسلہ میں سولہ سترہ پشت تک سلطنت چلی ہے جنہوں نے بغداد شہر کو تباہ کیا اور مسلمانوں کو قتل کیا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی دولت دیدی۔اس لئے قرآن پاک میں ہے:

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ"
اگر تم شکر کرو گے تو ہم نعمت زیادہ دیں گے۔
"وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ" اور جو تم نے ناشکری کی۔
"اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ"
پھر میرا عذاب بہت سخت ہے۔اس لئے خدا کے عذاب وقہر سے ڈرنا چاہئے۔

روزہ کی شکر گذاری

دیکھئے اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے روزہ کی توفیق دی۔سارے مجمع کو توفیق دی، کتنی بڑی نعمت ہے۔اللہ نے کتنی بڑی نعمت عطا فرمائی۔تراویح پڑھنے کی توفیق دی قرآن پاک سن رہے ہیں تین حافظ صاحبان سنا رہے ہیں کتنا بڑا احسان ہے انکا کہ بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے ہیں۔کتنے لوگ اس وقت چوری کرنے میں مشغول ہوں گے۔کتنے لوگ فحش خانوں میں گئے ہوئے ہیں۔ کتنے لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں۔سر پھٹول ہو رہی ہے کتنے لوگ چوروں کو پکڑنے میں مبتلا ہیں۔ اللہ نے ان ساری چیزوں سے محفوظ فرمایا اور امن دے رکھا ہے۔عافیت دے رکھی ہے،موقع دے رکھا ہے کہ اطمینان سے نماز پڑھو،اطمینان سے قرآن شریف پڑھو۔اطمینان سے تسبیح پڑھو۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے۔کسی کو کھانا پکانے کی ضرورت نہیں۔چائے پکانے کی ضرورت نہیں۔بازار سے سودا لانے کی ضرورت نہیں۔خدا نے ہر چیز کا انتظام کر دیا ہے۔یہاں ان لوگوں کے قلوب میں ڈالا کہ ہمارے بندے آئے ہوئے ہیں۔یہاں رمضان گذارنے کیلئے وہ روزے رکھیں گے۔اعتکاف کریں گے تم ان کیلئے کھانا تیار کرو۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح سے کھانے کا انتظام فرمایا۔

وقت کی قدر دانی

اپنے اوقات کو قدر کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔گپ شپ میں وقت نہیں گذارنا چاہئے کہ

یہ بڑی خطرناک چیز ہے اور وقت بڑی قیمتی چیز ہے: ؎

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے
یہ جزر و مد جواہر کی لڑی ہے

اس جزر و مد کو، اس سانس کے اتار چڑھاؤ کو ضائع مت کرو، یہ جواہر کی لڑی ہے، ایک ایک سانس میں آدمی کتنا کام کرسکتا ہے۔ کتنی مرتبہ "سبحان اللّٰہ" پڑھ سکتا ہے کتنی مرتبہ "الحمد للّٰہ" پڑھ سکتا ہے۔ قل ہو اللہ پڑھ سکتا ہے، درور شریف پڑھ سکتا ہے، نہ کرے بات ادھر اُدھر کی درود شریف پڑھتا رہے، نماز پڑھتا رہے، قرآن شریف پڑھتا رہے، کتنا بڑا فائدہ ہے، کتنی بڑی کمائی ہے، حق تعالیٰ کے انعامات اس سے زیادہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرما رکھی ہے کتنے لوگ سخت سے سخت امراض میں مبتلا ہیں۔ آج یہاں کسی مسماۃ کا انتقال ہو گیا ہے، سنا ہے کہ وہ بیچاری بہت سخت بیماری میں مبتلا تھی۔ اور روزہ رکھنے سے گھر کے لوگوں نے منع کیا مگر نہیں مانی۔ رات سحری بھی کھائی، سخت ترین بیماری کے باوجود اللہ تعالیٰ نے روزہ کی حالت میں اس کو بلایا۔ آج انتقال ہوگیا۔ رمضان میں جس کا انتقال ہو جائے انشاء اللہ اس سے حساب و کتاب نہیں ہوگا۔ قبر کا سوال و جواب معاف۔ اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے، اس واسطے ضرورت ہے کہ ہم اپنے اوقات کی قدر کریں، خداوند تعالیٰ کی ان نعمتوں کو سمجھیں کہ کتنی بڑی نعمت ہے اور اس کے غور کرنے کی صورت یہی ہے کہ ان نعمتوں سے کام لیں یعنی اپنی جوانی، اپنی صحت و تندرستی، اپنی بے فکری، فراغت کو ضائع نہ کریں۔ یہ کس قدر کارآمد نعمتیں ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا شوقِ عبادت

سیدنا حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روزانہ روزہ رکھتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا روزانہ روزہ رکھتے ہو۔ کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ ایسا مت کرو۔ مہینہ میں تین روزے ایام بیض کے رکھ لیا کرو۔ وہ

بولے کہ حضور اقدس ﷺ میں جوان ہوں۔ مجھے اپنی جوانی سے کام لے لینے دیجئے۔
بڑھاپے میں کہاں روزے رکھے جائیں گے۔گھٹاتے گھٹاتے۔ یہاں تک ہوا کہ
حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا ایک دن روزہ رکھو ایک دن افطار کرو۔تو وہ
حضرات اپنی جوانی کی قدر اس طرح سے کرتے تھے کہ بدن میں طاقت ہے روزہ رکھ لینے
دیجئے۔آج ہماری جوانی کہیں اور کسی چیز میں پھنس چکی ہے ہم کہنے کو ان کے نام لیوا ہیں،
ان کے خدام ہیں، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے، مگر طرز زندگی ہمارا بالکل ان کے
خلاف ہے۔اس لئے اپنی جوانی، اپنی فراغت کی حفاظت کریں، قدر کریں، اپنی آخرت
کی کمائی کا ذریعہ بنائیں۔جوانی، فراغت اور مالداری یہ تینوں چیزیں جب جمع ہوجائیں کسی
شخص کے پاس یوں سمجھو کہ فساد کا مادہ جمع ہوگیا۔حالانکہ ان تینوں چیزوں کے ذریعہ سے آدمی
آخرت کو کما سکتا ہے۔بڑے فائدے حاصل کرسکتا ہے۔خداوند تعالیٰ کو خوش کرسکتا ہے۔ورنہ
تو یہ کہیں اور کسی چیز میں خرچ ہوتی ہیں۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جہاد

ان حضرات کی زندگی کا حال یہ تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جارہے ہیں
ایک مکان سے کسی شخص نے کوڑا کباڑ پھینکا۔اس میں چمڑے کا ایک ٹکڑا بھی تھا بس یہ آگے
بڑھے اور بڑھ کر چمڑے کو اٹھالیا۔کہا کہ ’’الحمد للہ‘‘ تین دن کا توانتظام ہوگیا اس چمڑے کے
ٹکڑے کو دھویا صاف کیا پاک کیا اس کو سکھا کر جلایا راکھ بنائی۔تین روز غذا کے طور پر اس کو
استعمال کیا۔تو غذا کے معاملہ میں تو ان کا حال یہ تھا۔کوئی فکر نہیں تھی کہ مستقل غذا ہونی چاہئے،
مستقل آمدنی ہونی چاہئے دکان ہونی چاہئے۔کھیتی ہونی چاہئے۔ باغ ہونا چاہئے۔کوئی فکر
نہیں۔کوڑے کباڑ میں سے ایک چمڑے کا ٹکڑا اٹھایا تین روز کی غذا کے لئے کافی ہوگیا اور
یہی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہ ہیں جو گھوڑے کی پشت پر چڑھ کر گئے ہیں ملک فارس کو فتح

کرنے کے لئے، ملک فارس انہوں نے فتح کیا خدا کے دین کی خاطر ان کے عزائم یہ تھے اور اپنی ذات کی خاطر یہ تھا۔ اب تو تصور بھی نہیں۔ اور اس وقت ان کی کمر میں دنبل تھے۔ جس وقت جہاد کے لئے گئے ہوئے تھے اس لئے میدان جہاد میں شرکت کے بجائے مکان کی چھت پر بیٹھ کر وہیں سامنے میدان تھا جس میں جہاد ہو رہا تھا۔ بس وہیں سے بیٹھ کر فوج کی کمان کر رہے تھے۔ ایک بڑا تکیہ رکھ کر گھٹنوں پر اس طرح سے یہاں تکیہ رکھا اور بیٹھے کہنیوں پر اور سارے لشکر کو دیکھ رہے ہیں نہ ان کے پاس دوربین تھی نہ ان کے پاس بولنے کے لئے لاؤڈ اسپیکر تھا۔ ایک ایک شخص تک کو نظر میں رکھتے تھے۔ کون کدھر ہے کون کدھر ہے اور وہیں سے آواز دے کر کہتے۔ ارے فلانے دس قدم داہنی طرف کو ہو جاؤ۔ فلانے تم بائیں طرف کو ہو جاؤ۔ فلانے تم آگے ہو فلاں دیکھو تمہارے پیچھے کون ہے؟ اس طرح سے کمان کر رہے تھے ایک روز بہت زور کی لڑائی ہوئی تھی اس روز یہ اپنے مکان کے نیچے اتر آئے اور سب لشکر کے سامنے بیٹھ کر کمر سے کپڑا ہٹا کر دنبل (زخم) دھلوائے تاکہ کسی کو بدگمانی کا موقع نہ ملے کہ میدان میں نہیں آئے۔

ایک شاعر کی بدگمانی اور اس کا انجام

مگر اس کے باوجود ایک شاعر نے اشعار کہے، جن کا حاصل یہ تھا کہ آج کا معرکہ بہت زوروں کا تھا ہم میں سے بہت سوں کے بچے یتیم ہو گئے بہت سو کی بیویاں بیوہ ہو گئیں مگر ہمارے سپہ سالار بہت ہی عیش و راحت کے ساتھ کاشانۂ عشرت میں تشریف فرما رہے۔ وہ اشعار ان کے کان میں پہنچے فوراً ہاتھ اٹھا کر کہا:

"اَللّٰهُمَّ اقْطَعْ لِسَانَهٗ"

[اے اللہ! اس کی زبان کو قطع کر دے۔]

یعنی یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ ان کو مستجاب الدعوات بنا دے چنانچہ انہوں نے کہا ابھی تک چہرے پر ہاتھ نہ پہنچا ئے تھے کہ دشمن کا ایک تیر آیا شاعر کے حلق پر لگا اور وہ وہیں ختم ہو گیا۔ اپنی زندگی کا طرز یہ تھا دین کی خاطر محنت و مشقت کا حال یہ تھا اور اپنے نفس کے ساتھ میں کیا معاملہ کرتے تھے کیسی کڑی نگرانی کرتے تھے۔ بہت واقعات ہیں ان کے مستجاب الدعوات ہونے کے جس کے لئے دعا کی کیا ہو گیا کیا سے کیا ہو گیا۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شکایت اور گورنری سے برطرفی

یہ کوفے کے گورنر بھی رہے ہیں۔ وہاں سے کچھ لوگوں نے شکایت کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کہ آپ نے ایسے شخص کو گورنر بنادیا جس کا حال یہ ہے کہ اسے نماز بھی پڑھانی نہیں آتی۔ کئی شکایتیں تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ نماز پڑھانا نہیں جانتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلب فرمایا یہ کہنے لگے کہ بھئی میں تو بڑے خسارہ میں رہا۔ اگر مجھے نماز پڑھانی نہیں آتی۔ حالانکہ میں نے براہ راست حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز سیکھی ہے، مجھے نماز نہیں آتی تو مجھ سے زیادہ خسارہ میں کون ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ آپ نماز کیسے پڑھاتے ہیں؟ بتایا ایسے فرمایا کہ ہاں حضرت۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسی ہی پڑھاتے تھے مجھے بھی اسی طرح سے یاد ہے شکایت غلط تھی۔ مگر اسکے باوجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر دیا۔ حضرت محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ گئے ہیں اور گھانس کی ایک گٹھری خریدی اور ان کے دروازہ پر گھانس کی گٹھری کو ڈال کر اس میں آگ لگادی شعلہ اس کے بلند ہو گئے۔ یہ طریقہ تھا لوگوں کو اکٹھا کرنے کا۔ شعلے بلند ہوئے سب دوڑے ہوئے آئے۔ بھئی کیا بات ہوئی کیا بات ہوئی۔ سب کے سامنے ان کو معزول کیا گیا، یہ بیٹھے رہے فکرمند وہاں کچھ نہیں بولتے کچھ بھی بددعا نہیں کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بددعا کا خوف

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں جارہے تھے ایک لڑکی جارہی تھی ہوا کا جھونکا آیا۔ اس کا کپڑا اٹھا جس سے اس کی پنڈلی کھل گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درہ اٹھایا اس پر کہ ہوشیاری سے نہیں چلتی؟ یہ بھی موجود تھے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا: دیکھئے صاحب اس کا قصور نہیں۔ وہ اپنی طرف سے پورا انتظام کر کے چلی ہے کپڑے میں لپٹ کر۔ ہوا پر تو اس کا قابو نہیں۔ ہوا کا جھونکا زور سے چلا، اس کا پلا اٹھ گیا۔ پنڈلی بھی کھل گئی۔ میں آپکے لئے بددعا کرتا ہوں۔ بس فوراً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے ہونٹ پکڑ لئے اور درہ دیدیا کہ پٹائی کرلو باقی بددعا مت کرنا۔ اتنا گھبراتے بھی تھے۔ ان کی بدعا سے، تو ان کی زندگیوں کا رخ کچھ اور تھا ہماری زندگیوں کا رخ کچھ اور ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اصلاح فرماوے اور نیک توفیق عطا فرماوے۔ آمین!

ذکر، نسبت، اجازت

اس بیان میں

☆......ذکر کے اثرات۔

☆......نسبت کی حقیقت اور اس کے اثرات۔

☆......اجازت کا مطلب۔

☆......بعض اکابر کے واقعات۔

ذکر، نسبت، اجازت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔

یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۔ (سورۃ الاحزاب:۴۱)

[اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔] (آسان ترجمہ)

اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ جتنی عبادات فرض کی گئی ہیں ان کی مقدار متعین کر دی گئی ہیں لیکن ذکر کی کوئی مقدار متعین نہیں کی گئی۔ بلکہ اس کو تکثیر کے لئے کہا گیا۔

ذکر کا اثر

کثرت سے ذکر کرنے کی برکت سے پاس والا بھی متاثر ہوتا ہے۔ دائیں، بائیں، آگے، پیچھے جو بھی ہو سب ہی متاثر ہوتے ہیں۔ در و دیوار پہ بھی اثر ہوتا ہے، جانوروں پر بھی اثر ہوتا ہے۔ اس کی برکات بہت دور تک پہنچتی ہیں اور پھر جب مجمع ذکر کرنے والا ہو، سب کے قلوب بیک وقت اللہ کی طرف متوجہ ہوں، اس سے بڑی خیر و برکت ہوتی ہے اور بسا اوقات اس سے آدمی یوں سمجھنے لگتا ہے کہ مجھے نسبت حاصل ہوگئی ہے۔ دیکھتا ہے اپنے قلب میں صفائی نورانیت توجہ الی اللہ۔ دنیا کی رغبت کم دیکھتا ہے، معاصی کی طرف توجہ نہیں ہے۔ طاعات

کی طرف توجہ ہے تو احسان بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

"ان تعبد اللہ کانک تراہ"

[اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔]

سوچتا ہے کہ مجھے نسبت حاصل ہوگئی اور یہ نسبت حاصل بھی ہوگئی غلط نہیں سوچتا صحیح ہے مگر یہ نسبت بہت ہی ضعیف ہے۔ سارے ماحول کے اثر کا نتیجہ ہے تنہا اپنی محنت، کا نہیں۔ پائیدار وہ چیز ہوتی ہے جو اپنی محنت سے حاصل کی جائے اور جو چیز دوسرے کے پاس بیٹھنے سے یا ماحول کے اثر سے حاصل ہو تو اگر ماحول بدل جائے تو وہ کیفیت بھی بدل جاتی ہے۔ ابھی ابھی ذکر کر رہے تھے دوسرے ماحول میں پہنچ گئے تو وہاں دوسری حرکتیں شروع کیں۔ وہاں کے ماحول کا اثر ہو گیا۔ اس واسطے اس سے یوں نہ سمجھنا چاہئے کہ ہم ذکر میں کامیاب ہو گئے، ایسے کامیاب ہو گئے کہ اب ہمیں ضرورت نہیں رہی۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجازت کا مطلب

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مرض الوفات میں مبتلا تھے میں بھی حاضر ہوا۔ چند روز حضرت کی خدمت میں میں نے قیام بھی کیا۔ ایک روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا، تو فرمایا: کہ مولوی محمود! جانتے ہو مشائخ جو مجاز بنایا کرتے ہیں اجازت دیا کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

میں نے کہا: حضرت میں نہیں جانتا کہ کیا مطلب ہوتا ہے۔

فرمایا: کہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ طالب نے اپنے شیخ کی فرماں برداری میں خدمت کے لئے گویا کہ اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اتنی خدمت کی اپنے شیخ کی اتنی اطاعت اور فرماں برداری کی کہ ہر چیز اپنی اپنے شیخ کی خواہش کے مطابق کی، اپنی خواہش کو فنا کر دیا اور اس خدمت میں اس کو رسوخ حاصل ہو گیا۔ یہ خدمت اور اپنے آپ کو چھوٹا اور عاجز سمجھنا اور بڑوں کی

خدمت کرنا گویا کہ اب اس کے لئے ملکۂ راسخہ بن گئی۔ جب یہ ملکۂ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے تو شیخ اجازت دیتا ہے کہ بھائی جو معاملہ تواضع اور عاجزی اور خدمت کا تم نے میرے ساتھ کیا ہے، میں تم کو اجازت دیتا ہوں کہ یہی معاملہ تم تمام مخلوق خدا کے ساتھ کرو، خدا کی ہر مخلوق کے ساتھ یہی معاملہ کرنا جو معاملہ اپنے شیخ کے ساتھ کیا ہے کہ اپنے آپ کو اپنے شیخ کے سامنے فنا کر دیا، تمہارا ارادہ کوئی ارادہ نہیں رہا اپنی خواہش کوئی خواہش نہیں رہی۔ بس شیخ کو راحت پہونچانا۔ جس چیز کو شیخ کہے پوچھے اس کو کرنا۔ بس ساری مخلوقات کے ساتھ یہی معاملہ کرنا یہ مطلب بتایا تھا انہوں نے اجازت دینے کا۔ یہ مطلب نہیں کہ مشیخت کی مسند پر بیٹھ جائیں اور حکمرانی شروع کر دیں؛ بلکہ اپنے آپ کو سب کا خادم سمجھے سب کا غلام سمجھے۔ تمام خلق خدا کے ساتھ اچھا معاملہ کرے۔

فیض کی نہ یہاں کمی نہ وہاں کمی

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون میں تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ دیو بند میں تھے۔ مسائل سیاسی تھے۔ کش مکش چل رہی تھی۔ ایک جماعت ایک طرف دوسری جماعت دوسری طرف۔ وہ اس کو حق کہتے وہ اس کو حق کہتے۔ گڑبڑ بہت تھی۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سہارن پور تشریف لائے۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لائے۔ دونوں اکابر کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بھئی بات یہ ہے فیض کی نہ یہاں کمی نہ وہاں کمی۔ فیض کی نہ تھانہ بھون میں کمی نہ دیو بند میں کمی۔ معترض یہاں سے بھی محروم وہاں سے بھی محروم۔

حضرت رائپوری اور حضرت دہلوی رحمہما اللہ علیہما کی تھانہ بھون حاضری

پھر حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ ہمارا جی تو بہت چاہتا ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہونے کے لئے،لیکن ہم لوگ بے سلیقہ و بے شعور ہیں۔ بزرگوں سے ملنا ان کے پاس جانا بیٹھنا ہمیں آتا نہیں ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت تو اور نازک ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے بے سلیقہ پن سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے اس لئے جانے کی ہمت نہیں ہوتی ہے۔ایک طالب علم جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھنے والا تھا وہ مجلس میں موجود تھا۔بس اس نے جلدی سے سفر کیا تھانہ بھون جا کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ نقل کیا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔افسوس میں نے سفر ترک کر دیا ورنہ میں خود رائپور حاضر ہوتا وہ فقرہ یہاں پہنچا۔سہارنپور اس وقت تک حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔یہاں مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ بس حضرت اب تو ضرور چلیں گے۔تکلیف پہونچ جائے ہم سے پڑی پہنچ جائے۔ہم تکلیف پہونچانے نہیں جارہے ہیں۔بچے بڑوں کے کپڑوں پر پیشاب بھی کر دیتے ہیں جب انہیں گود میں لیا جاتا ہے ہم حضرت کے بچے ہیں اس لئے تکلیف پہونچ جائے گی پڑی پہونچ جائے ہم تکلیف پہونچانے نہیں جارہے ہیں۔ چنانچہ تھانہ بھون گئے وہاں اور بھی کچھ لوگ گئے اور جناب اس طالب علم نے آگے جا کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع کر دی کہ فلاں فلاں حضرات آرہے ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں نظام فاروقی تھا مجمع کو خطاب کر کے حضرت نے فرمایا کوئی اپنی جگہ سے نہ اٹھے سب اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔میں اٹھوں گا میرا اٹھنا سب کا اٹھنا شمار ہوگا۔ چنانچہ حضرت اٹھ کر دروازہ پر تشریف لائے۔ملاقات کی معانقہ کیا اور ساتھ لے جا کر اپنی مسند پر بٹھایا جہاں خود بیٹھتے تھے کچھ دیر تو سکوت رہا۔ کوئی کچھ نہیں بولتا پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا خود ہی ابتدا فرمائی کہ میں رائے پور میں حاضر ہوا بڑے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ گیا پھر تو جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔آپ کو وہاں دیکھنا یاد نہیں پڑتا۔ پہلے تو

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ حضرت کیا بات پیش آ گئی تھی کہ آپ پھر تشریف نہیں لے گئے۔

حضرات رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کو اپنا بزرگ تصور کرتے ہوئے۔ مگر انہوں نے میرے ساتھ معاملہ میری حیثیت سے بہت اونچا کیا۔ مجھے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ تاہم رات کو مجھے لٹا دیا گیا۔ میری آنکھ کھلی کچھ دیر بعد۔ دیکھا کہ کوئی لاٹھی لئے ہوئے میری چار پائی کے قریب کھڑے ہوئے ہیں ٹہل رہے ہیں، میں نے غور سے دیکھا تو دیکھا کہ خود حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں، بس میں گھبرا کے اٹھا کہ حضرت کیا بات ہے فرمایا کہ یہاں کے لوگ ایسے ہی بے سلیقہ ہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص چلے اور اس کے پیر کی آہٹ سے تمہاری نیند اچاٹ ہو جائے، اس لئے ٹہل رہا ہوں، میں نے کہا: کہ حضرت بس میرا آنا تو ختم، میں اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ آپ کو وہاں دیکھنا یاد نہیں پڑتا۔ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس وقت کیا پہچانتے۔ میری اس وقت ایسی حیثیت ہی نہیں تھی، حضرت کو خیال ہو کہ ایک شخص آدھی آستین کی کمری پہنے ہوئے ایک گھٹنیا (گھٹنوں تک پائجامہ) پہنے ہوئے مہمانوں کے لئے چار پائی بچھاتا، ہاتھ دھلاتا تھا، بستر بچھاتا تھا، دستر خوان بچھاتا، کھانا لاتا تھا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذرا غور کر کے فرمایا کہ ہاں اس حلیہ کا جوان آدمی تھا تو سہی، یاد تو پڑ رہا ہے، پنجابی شکل کا نوجوان، کہا: کہ حضرت یہی خادم تھا حضرت کیا پہچانتے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

جب یہ حضرات وہاں سے چلنے لگے تو حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بغل میں ہاتھ

دیکرا اٹھا دیا۔ تو ایک جملہ عجیب وغریب حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: آگے بھی خیال رکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤ۔ خدمت بڑی عجیب چیز ہے۔ اپنے آپ کو فنا کر دینا حضرت شیخ کی خدمت میں۔

فنا سے مراد

حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خادم تھے اور پھر جانشین بھی بعد میں ہوئے۔ ان کے ملفوظات میں ہے کہ: فناء سے مراد فناء ارادہ ہے کہ اپنا ارادہ کچھ نہیں۔ جو کچھ ہے مالک الملک کا ارادہ ہے۔ چنانچہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سہارنپور تشریف لائے۔ پوچھا گیا کہ کیا ارادہ ہے۔ فرمایا اپنا ارادہ کچھ نہیں جو کچھ وہ چاہیں وہی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس برس تین مشائخ کی خدمت کی ہے اس کے بعد پھر تیس برس سے ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہا۔ اب فناء تام حاصل ہوا۔ اپنے آپ کو مردہ تصور کرتا ہوں۔ جو لوگ میرے پاس آتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ تیری قبر پر آرہے ہیں کسی کا سلام پہنچاتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ میری قبر پر کھڑے ہو کر سلام پہنچا رہے ہیں جس کو میں سن رہا ہوں پھر سوچتا ہوں۔ کبھی میں زندہ ہوں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا فنا فی الشیخ ہونا

ایک فنا فی الشیخ ہوتا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حالات میں کتاب تصنیف

کی ہے "نقش حیات" اس میں لکھا ہے کہ میں مدینہ طیبہ میں جب ذکر کرتا تھا تو ذکر کرتے وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا جسم میرا نہیں ہے۔ بلکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہو گیا۔ اس چیز کو گنگوہ جا کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا اس کو فنافی الشیخ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تذکرہ کیا اس کا۔ فرمایا کہ ہاں اپنے کو بھی یہ بات پیش آئی کہ اپنا جسم نہیں ہے۔ جب آدمی اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے تو ایسا ہوتا ہے۔

نسبت کیا چیز ہے؟

میں نے پوچھا حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہ حضرت نسبت کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ آدمی کو پہلے اپنے شیخ سے محبت ہوتی ہے محبت کے بعد عشق کا درجہ ہو جاتا ہے پھر یہ ہوتا ہے کہ اپنے صفات کی کمی ہوتی چلی جاتی ہے اور شیخ کے صفات اس کے اندر آتے چلے جاتے ہیں اور اس کی نسبت سے اخلاق فاضلہ ملکۂ راسخہ بنتے چلے جاتے ہیں یہی نسبت ہے۔ جب محبت ہوتی ہے تو شیخ کے صفات منتقل ہوتے ہیں اور اپنے صفات ختم ہو جاتے ہیں۔ اپنے مزاج میں بخل تھا۔ شیخ کو اللہ نے سخی بنایا تھا تو بخل ختم ہو کر شیخ کے اندر کی سخاوت اس کے اندر آجاتی ہے اور پھر شیخ کی صفات ایک ایک کر کے آتی چلی جاتی ہیں اور انہیں کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے۔

مولانا عبد العزیز رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا فنافی الشیخ ہونا

رائے پور میں حضرت مولانا حافظ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے ان کے اندر حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے صفات اتنے آگئے تھے کہ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد میں نے جو ان کو دیکھا تو مجھے شبہ ہو گیا کہ یہ تو حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہیں۔ چلنا۔ پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا ہر چیز

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج پر ہوگئی۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ جس طرح بات کرتے تھے، اسی طرح یہ بھی بات کرتے ہیں، اس طرح سے نسبت قویہ حاصل ہوتی ہے۔

مجمع کا اثر

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب مجمع یہاں موجود ہے اور اللہ کے فضل سے عبادات میں مشغول رہتے ہیں ذکر کرتے ہیں، تسبیح پڑھتے ہیں تلاوت کرتے ہیں نفلیں پڑھتے ہیں مراقبہ کرتے ہیں تو نسبت تو حاصل ہو ہی جاتی ہے مگر اس نسبت کی وجہ سے مغرور نہیں ہونا چاہئے۔ یوں نہیں سمجھنا چاہئے کہ صرف ہماری اپنی ذاتی محنت ہے نہیں معلوم کہ کس کے طفیل میں کس کو یہ نسبت حاصل ہو رہی ہے؟ کون اللہ کا بندہ یہاں مقبول ہے؟ ہم نہیں جانتے اپنے یہاں جا کر گھر پر بھی یہ قائم رہے تو وہ ٹھیک ہے ورنہ تو وہی حال ہوگا کہ عطر فروش کی دکان پر گئے۔ وہاں اگر بتی جل رہی ہے، اس کی خوشبو ناک میں آئی مگر وہ خوشبو اپنی نہیں دکان سے ہٹ گئے خوشبو ختم ہوگئی۔ وہ اس ماحول کا اثر ہوگا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کا اثر

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بتاتے تھے کہ حضرت گنوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند کے مہتمم تھے بیٹھے ہوئے تھے ہائے ہائے اچانک کہتے ہوئے مجلس سے نکل جاتے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ قلب میں تحمل ہی نہیں کوئی کیا کردے۔

حضرت میانجی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر کیفیت کا غلبہ

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سناتے تھے سبق میں سنایا تھا کہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ شیخ تھے حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے جس سن میں انتقال ہے حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اسی سن میں پیدائش ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کی ۱۲۶۹ھ میں۔ تو حضرت میاں جی صاحب کے متعلق حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے ایسا ضبط تھا کہ جو کیفیت حضرت منصور پر ایک وقفہ کے لئے آئی تھی جس سے وہ "اناالحق" کہہ اٹھے وہی کیفیت حضرت میاں جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر مسلسل چھ مہینہ تک رہی مگر کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔

حضرت میانجی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کا اثر

حضرت میانجی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نقش بندی حضرات کے طریقہ پر یہ توجہ دیتے تھے۔ لڑکوں نے دیکھ لیا اور ان کی نقل شروع کی۔ ایک پیر بن گیا اور باقی سب مرید ہو گئے۔ گردن جھکا کر سب بیٹھے اطلاع کی گئی حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کو کہ لڑکے اسطرح سے نقل کر رہے ہیں تو سب کو پکڑوایا اور بلا کر کہا کہ تم میں سے کون پیر بنا تھا؟ لڑکوں نے کہا ایک لڑکے کے بارے میں یہ بنا تھا، تو حضرت میانجی رحمۃ اللہ علیہ باقی لڑکوں کو کہہ دیا: تم لوگ جاؤ۔ ان سب کو بھگا کر جو پیر بنا تھا اس کو تنہا بٹھایا اور فرمایا کہ آنکھیں بند کرو آنکھیں بند کیں۔ یہ گھبرا کے اٹھا۔ حضرت نے فرمایا: کہ جاؤ۔ جب وہ لڑکا بوڑھا ہو گیا تب اس نے بتایا کہ جب میں بیٹھا ہوں حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایسا معلوم ہوا کہ میرے قلب پر آگ کی چنگاری رکھ دی گئی۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوئی میں گھبرا گیا چنگاری ذرا دیر کو رکھی تھی پھر فوراً اٹھالی گئی اب تک اسکا اثر یہ ہے کہ برسات ہے بادل ہے اندھیری رات ہے، مکان میں کوٹھا۔ اسکے اندر کواڑ بند کر کے لحاف کے اندر جب لیٹتا ہوں صحن میں نیم کا درخت ہے اسکے پتے بھی ہلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قبر سے وہی فیض ہوگا جو زندگی میں ہوتا تھا

حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار ہوئے اور لوہاری سے جھنجھانہ منتقل کیا جارہا تھا تو

حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھانہ بھون میں ملے اور فرمایا کہ تم سے کام لینا تھا۔ مگر وقت نہیں رہا۔ میرا وقت آخری ہے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ رونے لگے فرمایا کہ رونے کی بات نہیں۔ تم کو میری قبر سے وہی فیض حاصل ہوگا جو زندگی میں مجھ سے حاصل ہوتا تھا۔ مشہور ہے کہ درویش مرتا نہیں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے۔ دیوبند میں بھی ایک صاحب کہتے تھے کہ حضرت میاں جی کی قبر پر چلنا چاہئے۔ انہوں نے یہ فرمایا ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں فرمایا تو تھا مگر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا تھا۔ مجھے اور آپ کو تھوڑا ہی فرمایا تھا جن کی اصلاح کی جن کی تربیت کی۔ جن کے قلب کو مزکی و مصفی بنایا ان کو فرمایا تھا۔ ان کو مناسبت تامّہ حاصل تھی، وہ فیض حاصل کرتے تھے۔

صاحب قبر سے استفادہ

ایک صاحب کا خط آیا میرے پاس کہ یہاں ایک مزار ہے لوگ اس پر جاتے ہیں۔ آپ مجھے اجازت دیدیجئے کہ میں بھی مزار پر چلا جایا کروں وہاں جا کر صاحب قبر سے استفادہ کرلیا کروں۔ میں نے انکے جواب میں لکھا کہ آپ کبھی کبھی وہاں ضرور جایا کریں اور وہاں جا کر سنت کے مطابق سلام کریں۔ جیسے قبرستان میں پہنچ کر سلام کرنے کا طریقہ ہے اور کچھ قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچا کر دعا کرلیا کریں، ان کیلئے بھی، اپنے لئے بھی، اور بس۔ اس سے زیادہ استفادہ نہ کریں۔ آج کل استعدادیں اتنی کمزور ہیں کہ زندہ شیخ سے سامنے بیٹھ کر استفادہ نہیں ہوتا۔ آپ وہاں بیٹھیں گے قبر پر آنکھ بند کر کے گرگھنٹال نہ جانے کیا کیا آپ کو دکھلائیگا۔ آپ کہیں گے کہ صاحب قبر کی طرف سے فیض ہو رہا ہے۔ بڑی دشواری پیش آئے گی۔ اس لئے ایسا نہ کریں۔

کشف قبور قابل اعتماد نہیں

بعضے بعضے آدمی کو نظر بھی آتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ میں نے یہ دیکھا میں نے یہ

دیکھا۔ میں نے ایسا دیکھا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے تذکرہ آگیا کہ فلاں جگہ پر جانا ہوا تھا فلاں صاحب نے بتایا ہے کہ ایسا ایسا دیکھا۔ تو بہت ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔ فرمایا احمق کو کئی مرتبہ منع کیا یہ مت کیا کرو وہ باز نہیں آتا۔ کشف قبور کا انکار نہیں۔ بزرگوں کو ہو جاتا ہے مگر اس پر اعتماد کرکے اپنا دینی رہبر ان ہی کو تجویز کرنا۔ یہ ذرا دشوار ہے۔ ہر ایک کی بس کی چیز نہیں۔

قبر سے استفادہ کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت مولانا عبد الرحمن کیمل پوری رحمۃ اللہ علیہ استاذ حدیث مظاہر علوم نے بیان فرمایا تھا: کہ ضلع انبالہ میں ایک شخص تھے۔ ان کے پیر تھے، پہاڑ پر وہ وہاں پیر کے پاس پہاڑ پر جایا کرتا تھا۔ سال بھر میں ایک مرتبہ وہ بیچارے بوڑھے ہو گئے اور پیر صاحب رہتے تھے پہاڑی پر۔ یہ پہاڑ پر چڑھ کر پیر صاحب کی زیارت کے لئے جاتے۔ ایک دفعہ جارہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ انبالہ میں فلاں قبر ہے مجھے اجازت دیدیں کہ میں اس صاحب قبر سے استفادہ کرلیا کروں۔ اس لئے کہ یہاں پر بہت چڑھائی ہے۔ یہ تو سوچ ہی رہے تھے۔ جیسے ہی وہاں پہونچے پیر صاحب نے کہا کہ اب تم یہاں مت آیا کرو تمہارے یہاں فلاں بزرگ کی قبر ہے بس وہیں چلے جایا کرو۔ یہ مرید اپنے دل میں بہت خوش ہوئے اور وہاں صاحب قبر کے پاس جانا شروع کردیا مگر انھوں نے انکا مزاج درست کردیا۔ تہجد کے وقت اٹھے، نیت باندھی، وہ صاحب قبر کہتے ہیں کہ ہمارے بیٹے فلاں جگہ پر ہیں ان کے گھوڑوں کے لئے گھانس پھونس نہیں۔ انہیں جاکر گھانس لاکر دے۔ یہ گئے گھاس لاکر دیا۔ ذکر کرنے بیٹھے تو کہا کہ اجی! وہاں اصطبل میں لید پڑی ہے جاکر اس کو صاف کردو۔ تب انہوں نے کہا کہ اس سے تو وہی اچھا تھا کہ سال بھر میں ایک دفعہ ہی پہاڑ پر چڑھنا پڑتا تھا اب جو ان پیر صاحب کے پاس ان کی قبر پر گئے تو انہوں نے ڈانٹ دیا کہ ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں جاؤ ان ہی کے پاس جہاں تم پہلے پہاڑ پر جایا کرتے تھے۔ غرض یہی ہوتا ہے۔

سائیں توکل شاہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

انبالہ میں ایک بزرگ تھے سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجذوب بھی رہے ایک زمانہ میں پلاّ رکھتے تھے اپنے پاس کبھی اس کو گود میں لئے بیٹھے چوم رہے چاٹ رہے ہیں نماز بھی اس کو ساتھ لے کر پڑھتے تھے کبھی گلے سے لپٹا رکھا ہے۔

ایک مولوی صاحب تھے ان سے دوستی تھی۔مولوی صاحب کا نام تو جانتے نہیں تھے مولوی صاحب کو تبلی والا کہتے تھے۔تبلی کہتے ہیں پنجابی زبان میں پائجامے کو اور لوگ عامۃً لنگی باندھتے تھے مولوی صاحب پاجامہ پہنتے تھے اس لئے ان کا نام تبلی والا تھا۔حال یہ تھا سائیں توکل شاہ صاحب کا کہ مولوی صاحب حدیث پڑھا رہے ہیں یہ ان کے پاس کھڑے ہوئے تقریر سننے کے لئے اور کہتے تبلی والا غلط بتا رہا ہے اس کا یہ مطلب نہیں۔اس کا مطلب یہ ہے فتح الباری میں اس طرح ہے حالانکہ سائیں توکل شاہ صاحب خود امی تھے۔ مولوی صاحب فتویٰ لکھتے تھے اٹک گئے۔سوچتے سوچتے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔سائیں توکل شاہ صاحب پہونچتے اور کہتے۔تبلی والے فلاں مسئلہ کا جواب نہیں آتا۔اس کا جواب یہ ہے دیکھئے۔یہ بحر الرائق میں ہے۔ایک دفعہ مولوی صاحب نے کہا تم کیسے آدمی ہو؟ کتاّ ساتھ میں رکھتے ہو؟ کتاّ ساتھ رکھنے سے رحمت کا فرشتہ نہیں آتا۔ ہاتھ پکڑ کر ان کا کھینچ کر باہر لے گئے۔مولوی صاحب نے کتےّ کا پلاّ چھین کر ہاتھ سے باہر پھینکا اور ان کے کپڑے بدلوائے۔ غسل ان کو دلایا اور کہا کہ اب تم پاک ہو گئے۔بس رقص آگیا۔کہنے لگے ہوں میں پاک ہوگیا۔تبلی والا کہتا ہے کہ ہوں میں پاک ہوگیا۔ناچ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ہون میں پاک ہوگیا۔(ہون معنی اب)اور وہ کتےّ کا پلا خبر نہیں کہاں گیا۔یہ بھی بات تھی اتنی مدت تک کتے کا پلا ساتھ رہا نہ اس کا لعاب، پیشاب، پاخانہ کہیں ان کے کپڑوں میں لگا نہ مسجد میں کہیں نہ چٹائی پر ادھر اُدھر لگا۔اللہ جانے کیا چیز ہے، کہتے ہیں کہ اپنے نفس کو

صورت مثالیہ میں کتابنا کر اس طرح سے لپیٹا رکھا تھا یا دنیا کو اس طرح کتے کی شکل میں کر رکھا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا تم کیسے آدمی ہو؟ حضور اقدس ﷺ کے امتی ہو، اصل میں تو محلہ والوں نے کہا کہ یہ آزاد ہیں کہیں چلے نہ جائیں ان کے پیروں میں زنجیر ڈالدینا چاہئے یعنی شادی کر دینی چاہئے لیکن ان سے کون کہے؟ مولوی صاحب کو واسطہ بنایا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم نکاح کرلو حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے۔ کہنے لگے لڑکی مجھے کون دیگا؟ کہا کہ تم تیار تو ہو جاؤ۔ کہا اچھا تو کرادو۔ چنانچہ ایک عورت سے بات چیت پہلے سے کر رکھی تھی۔ نکاح پڑھانے کے لئے ان کو لے کر چلے ہیں۔ سائیں توکل شاہ صاحب کو کپڑے بدلوا کر۔ راستہ میں کہنے لگے یہ آزاد آدمی ہے کہیں بھاگ نہ جائے اس کے پیر میں زنجیر ڈال دو۔ بس یہ کہا اور کرتہ پھاڑا اور بھاگ گئے، آٹھ روز تک غائب رہے۔ آٹھ روز کے بعد آئے، تو مولوی صاحب کو دیکھا۔ مولوی صاحب کو دیکھ کر خفا ہو گئے۔ تِلّی والا دھوکا دیتا ہے مجھ کو، کہتا ہے کہ سنت پر عمل نہیں کرتے، سنت پر عمل نہیں کرتے اور مطلب یہ کہ ان کے پیر میں زنجیر ڈال دو بھاگ نہ جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ کسی کا مطلب کچھ ہو تم سنت پر عمل کر رہے ہو۔ کسی کے کہنے سے تم پر کیا اثر پڑتا ہے۔ جیسی جو نیت کرے وہ جانے، کہا: اچھا۔ اس کے بعد نکاح کرلیا۔

مولانا رشید احمد صاحب کو مجلس نبوی میں سند افتاء پر فائز دیکھتا ہوں

سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ہے کہ کوّا حلال ہے۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

سائیں توکل شاہ صاحب کو غصہ آگیا۔ چہرہ سرخ ہوگیا اور کہا؛ کہ

''حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے ہو۔ میں مولانا رشید احمد کو مجلس نبوی میں مسند افتاء پر فائز دیکھتا ہوں۔''

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو فتویٰ لکھنے کی اجازت

حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا تھا: کہ مجھ سے امیر شاہ صاحب نے بتلایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مسجد نبوی میں منبر پر کھڑا کیا اور مجھ سے ایک سو مسائل دریافت فرمائے جن کا جواب میں نے فقہ حنفی کے موافق دیا اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان فرما کر مجھے فتویٰ لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔(یہ واقعہ خواب کا ہے) ممکن ہے۔سائیں توکل شاہ صاحب پر یہ چیز منکشف ہوئی ہو۔

مولانا رشید احمد صاحب کا قلم عرش کو دیکھ کر چلتا ہے

میاں عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے ایک آیت کا مطلب پوچھا تو فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔لیکن اس آیت کا مطلب میرے سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ قیامت کو ایسے ہو جائیں گے کہ جیسے دھنی ہوئی اون "وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ" تم اس کا مطلب مولانا رشید احمد صاحب سے پوچھو سائل نے کہا۔کیا مولانا اس کا مطلب جانتے ہیں۔تو میاں صاحب نے جواب دیا کہ مولانا رشید احمد کا قلم عرش کو دیکھ کر چلتا ہے۔یہ سب ذکر اور اس پر مداومت کے اثرات وثمرات ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم کو بھی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

اکابر کا علمی دینی ذوق

اس بیان میں

☆......حضرات اکابر علماءِ دیو بند پر دینی ذوق غالب تھا۔

☆...... ہر ہر معاملہ میں اتباعِ سنت کا غلبہ تھا۔

☆......خلافِ سنت کوئی چیز گوارا نہیں تھی۔

اکابر کا علمی دینی ذوق

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔ اَمَّا بَعۡدُ!

دہلی میں ایک بزرگ تھے۔ انہوں نے ایک صاحب کو اپنے پاس رکھ کر تربیت کی ذکر و شغل کی تعلیم دی۔ جب دیکھا کہ پختہ ہو گئے تو ان کو بھیجا کہ ملتان جاؤ۔ دین کی تبلیغ کرنے کیلئے۔ وہ چلے، ان کی جوانی کا جوش۔ گرم خون۔ طبیعت میں بڑا ولولہ۔ چلتے چلتے پانی پت پہنچے۔ پیدل کا راستہ ویسے ہی تھا۔ پانی پت میں ایک جوگی تھا۔ آس پاس کوئی مسلمان گذرتا تو اسکے اوپر حملہ کرتا۔ قلب پر حملہ کرتا۔ ایمان پر حملہ کرتا۔ اور بہت صاحب تصرف تھا۔ جب یہ پانی پت کے قریب پہنچے۔ اسکو پتہ چلا اس نے تو پہلے وہیں سے زور لگایا مگر وہ کامیاب نہیں ہوا پھر آیا اور آکر ان کے سامنے کھڑا ہوا۔ پوچھا: تو کون ہے؟ کہاں جاتا ہے؟ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے کہا: میں مسلمان ہوں۔ میں ملتان جاتا ہوں۔ میں کہتا ہوں "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یہ کہہ کر جوگی کے قلب پر ضرب لگائی۔ ایک ہی ضرب لگی تھی کہ وہ باولہ ہو گیا۔ دماغ خراب ہو گیا بھاگا وہاں سے جو شخص ملتا اس کو کہتا کہ دیکھو ادھر مت جانا ادھر کو مت جانا۔ ادھر کو ایک مسلمان ملتان جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے "لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ" وہ یہ کہتا ہے اسکی مت سننا۔ تو جو آیا تھا انکے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کیلئے ایمان چھیننے کیلئے۔ انہوں نے اسی کو آلۂ کار بنایا۔ اسی کے ذریعہ سے کلمہ پھیلایا۔ ادھر جناب انکے شیخ جو دہلی میں تھے انکو اس کا ادراک ہوا کہ راستہ میں ایسا ہو رہا ہے۔ انکو اس سے گرانی ہوئی۔ گرانی ہوئی تو ادھر سے انکو (مرید کو) اس کا احساس ہوا کہ پاور ہاؤس سے کرنٹ نہیں آ رہا ہے۔ جیسے کرنٹ آتا ہے اس سے طاقت پیدا ہوتی ہے اب وہ کرنٹ

نہیں آرہا ہے۔ بجائے آگے جانے کے پیچھے لوٹے۔ ان کے شیخ نے ڈانٹا کہ تم کو ملتان تبلیغ کرنے کیلئے بھیجا تھا راستہ کی تبلیغ کیلئے تو نہیں بھیجا تھا پھر ایک چلہ اور کرایا اسکے بعد تاکید کرکے بھیجا کہ تبلیغ کیلئے ملتان جاؤ۔ وہ ملتان گئے۔ وہاں اسیّ ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ پہلے یہ تھا کہ جو طاقت بھی مسلمان کو دی جاتی تھی مسلمان سمجھتا تھا کہ دین کی خاطر یہ طاقت دی گئی ہے۔ جسمانی طاقت ہو مادّی، دماغی طاقت ہو، ذہن کی قلبی طاقت ہو، روحانیت کی، مال و دولت کی طاقت ہو، عزت و جاہت کی طاقت ہو۔ ہر چیز کو یہ سمجھتا تھا کہ دین کی خاطر مجھے ملی ہے اور یہیں بھی ساری چیزیں دین کے واسطے۔ اسی لئے دی گئی ہیں۔ یہ دنیا عیش پرستی کیلئے تو نہیں ہے۔ یہ تو دین کی خدمت کرنے کیلئے ہے۔ عیش کا زمانہ تو اس کے بعد آئے گا اس دنیا کے ختم ہونے کے بعد۔ آج ہم نے خداوند تعالیٰ کی ان سب نعمتوں کو سمجھ لیا کہ ہمارے نفس کے واسطے ہیں۔ لہٰذا ہم عیش کے لائق ہیں اور ہمارے جو فرائض تھے وہ ختم ہو گئے۔ اپنے فرائض ترک کردیئے۔ خدا کی نعمتیں جو بطور انعام کے تھیں بطور امانت کے تھیں تاکہ انکے فرائض کے انجام دینے میں دشواری پیش نہ آئے وہ ساری استعمال کر رہے ہیں اور جو اصل کام تھا اس کو ختم کر دیا۔ بس اس واسطے ضرورت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا لایا ہوا دین زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے جو شخص جہاں بھی ہے جس جگہ بھی ہے۔ ہر شخص کو ہر وقت میں اسکے شائع کرنے اور پھیلانے کا موقع ہے۔ اپنے بیوی بچوں میں، اعزہ اقرباء کو، دوست احباب کو، ہر بات میں دین سکھاتا رہے کہ حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے حضور اقدس ﷺ کی تعلیم یہ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تلبینہ بھیجا

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ ایک مرتبہ سہارنپور

تشریف لائے علاج کے سلسلہ میں۔ حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے تلبینہ تیار کرایا (تلبینہ کھانے کی ایک قسم ہے) اور تیار کرا کے حضرت کی خدمت میں بھیجا اور ایک پرچہ بھی ساتھ رکھا کہ حضرت کے اطمینان کے لئے عرض کرتا ہوں کہ معالج سے میں نے کھانے کے اجزاءِ کی ہیئت ترکیبیہ بتا کر تحقیق کرلیا ہے، معالج نے کہا ہے کہ حضرت کے مزاج کے خلاف نہیں طبع کے خلاف نہیں۔ اور فلاں حدیث میں اس کی ترغیب وارد ہے۔ حدیث بھی لکھی۔ مقوی قلب ہے لہٰذا حضرت کی خدمت میں پیش ہے نوش فرمالیں۔ قبول فرمالیں مادی نفع بھی بتادیا اور عدم مضرت بھی ظاہر کردیا۔ اور جتنی دین کی بات تھی کہ ترغیب آئی ہے حدیث میں وہ بھی بتادی۔ یہ اس واسطے دین کی بات نہیں بتائی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں نہیں تھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو بحر ذخار تھے علوم کے، بس اپنا جو شغل تھا رات دن کا کہ حدیث کی اشاعت ہو، دین کی بات پھیلے، چرچے میں آئے تاکہ ذہن علمی ذہن بنے ذوق علمی ذوق ہو۔ جو بات ہو بڑوں سے ہو چھوٹوں سے ہو سب علمی باتیں ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ پرچہ پڑھا اور اس کا جواب تحریر فرمایا:

مکتوب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ

مجی ومحبوبی! آپ نے جوش محبت میں اصول کی رعایت نہیں کی۔ مجھے پہلے ہی حدیث سنادی۔ اب اندیشہ مجھے یہ ہے کہ اگر مجھے کھانے کیلئے پسند نہ آئے مزہ نہ لگے تو جس چیز کی حدیث شریف میں ترغیب آئی ہے اس سے بدمزگی اور ناپسندیدگی لازم آئے گی۔ پہلے مجھے پیش کرتے میں اگر اس کو پسند کرلیتا، پھر حدیث سناتے تو زیادہ راحت ملتی۔ اب یہ ہے کہ جو چیز حدیث کی ترغیب کی ہے مجھے اگر اس میں مزہ نہ لگے تو پھر کیا ہوگا۔ (تو یہ حضرات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث وروایات کی

اس قدر رعایت رکھنے والے تھے کہ طبعی طور پر اگر کسی چیز میں مزہ نہ لگے اور حدیث میں اس کی ترغیب آئی ہو تو یہ بھی برداشت نہیں تھا ان کو۔ان بزرگ ہستیوں کے متعلق یوں کہا جاتا ہے کہ یہ توہین کرتے ہیں گستاخیاں کرتے ہیں حضور اقدس ﷺ کی۔غور کیجئے کہ انکے برابر حدیث کی قدر کرنے والا کوئی ملے گا) لہذا آپ کا تحفہ جواب کے انتظار میں رکھا ہے۔ پرچہ بھیج دیا جیسے جواب آئے۔ یہ بھی نہیں کیا کہ اس تحفہ کو واپس کر دیتے دل شکنی کا باعث ہوتا اس کی بھی رعایت کی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے۔اس کو رکھ دیا۔ پرچہ جواب کیلئے بھیج دیا۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

مکتوب حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت! کھانے کا لذیذ اور غیر لذیذ ہونا یہ زیادہ تر پکانے والے کی مہارت پر موقوف ہے، جو ماہر ہوتا ہے تو معمولی چیز کو بھی لذیذ پکا دیتا ہے۔اور جو اناڑی ہوتا ہے تو عمدہ چیز بھی اسکی پکائی ہوئی اچھی نہیں معلوم ہوتی۔اگر یہ مزیدار نہ ہو لذیذ نہ ہو تو اس کو محمول کیا جاوے پکانے والے کے فعل کی طرف کہ جس چیز کی ترغیب حدیث میں آئی ہے وہ انکے قابو میں آئی نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث میں اس کو مفید کہا گیا ہے لذیذ نہیں کہا گیا۔تلخ دواء مفید ہوتی ہے مزیل مرض ہوتی ہے لیکن لذیذ نہیں ہوتی تیسرے یہ کہ اگر ناپسند بھی ہو تو فلاں روایت میں ہے کہ: "یَکْرَہُ الْمَرِیْض" مریض کو ناگوار گذرتی ہے اس سے تو حدیث کی اور زیادہ تقویت ہوگئی تائید ہوگئی۔اس لئے نوش فرماویں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نوش فرمایا۔اور کچھ نہیں فرمایا کہ لذیذ معلوم ہوئی یا غیر لذیذ معلوم ہوئی۔ان حضرات کا ذوق علمی ذوق تھا۔احادیث اور روایات سامنے ہیں ہر چیز میں یہ حضرات چاہتے ہے کہ حدیث پر عمل ہو کوئی چیز حدیث کے خلاف نہ ہو۔

اب تو میں اور تم ہی رہ گئے

ایک دفعہ کوئی چیز تھی تقسیم کے لئے کسی کو دی۔ انہوں نے وہ چیز تقسیم کر دی اخیر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اب میں اور تم ہی رہ گئے بس۔ یہ کیا ہے؟ اب تو میں اور تم ہی رہ گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا گیا۔ حضرت ابو ہرہ رضی اللہ عنہ فاقہ سے تھے ان کے جی میں آیا کہ یہ تو میرے ہی لئے کافی تھا مجھے ہی عنایت فرمادیتے اور یہ مجھے ہی حکم فرمادیا: کہ سب کو پیش کروں، اور ایک ایک کو دیتے جاتے وہ جتنا پیتے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے کہ شاید اب کہہ دیں پینے کیلئے یہاں تک کہ سب کو پلادیا۔ تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو میں اور تم ہی رہ گئے۔ اتنی بات میں حدیث کا اتباع ہو گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ان حضرات کے علوم تازہ رہتے تھے۔

ایک سفر میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہما دونوں تھے، کسی جگہ پر پہنچ کر قیام فرمایا۔ ایک صاحب جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں تھے، انہوں نے ایک گھڑی پیش کی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ہدیۃً۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہدیہ قبول کرنے کے شرائط

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہدیہ قبول کرنیکے بھی بڑے شرائط تھے، جلدی سے قبول نہیں فرماتے تھے اور مستثنیات بھی تھے۔

شکّر کا واقعہ

ایک شخص لال شکر گڑ کی جو اس کے یہاں کھیت میں گنے کی بنتی تھی۔ ذرا سی لے کر آیا

اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی حضرت نے قبول فرمالی اور تقسیم بھی کرادی وہ ذرا ذرا سی آئی حصہ میں سب نے کھالی، اس کے بعد وہ شخص کہنے لگا:

حضرت جی! میں مرید ہونگا۔ حضرت نے فرمایا: کہ ہمارے یہاں تو یہ قانون نہیں مرید کرنے کا۔ اس نے کہا: کہ میں قانون نہیں جانتا، میں تو مرید ہوں گا۔ حضرت نے کہا: کہ بھئی! ہم اس طرح سے مرید نہیں کیا کرتے۔ اس نے کہا: کہ اچھا تو پھر میری شکر واپس کردو۔ حضرت نے فرمایا: کہ شکر تم نے اس واسطے دی تھی؟ کہنے لگا: کہ جی ہاں۔ میں نے تو اسی واسطے دی تھی۔ حضرت نے فرمایا: کہ تو نے بتایا کیوں نہیں تھا؟ کہا: کہ آپ نے پوچھا کہاں تھا۔ پوچھتے تو بتاتا۔ فرمایا: کہ اچھا کتنی تھی شکر۔ اس نے کہا کہ کتنی وتنی نہیں میں تو وہی لوں گا۔

حضرت نے اسے مرید کرلیا۔ جب سب طرف سے راستہ بند ہوگیا تو اس نے کہا کہ اجی مجھے وظیفہ بھی بتادو۔ حضرت کے یہاں یہ دونوں کام ساتھ ساتھ نہیں ہوتے تھے کہ بیعت بھی ہوجائیں اور وظیفہ بھی بتادیں۔ مگر اس کو وظیفہ بھی بتادیا، اس نے کہا: کہ اجی مجھے تبرک بھی دیدو۔ حضرت نے ایک تسبیح دی تبرک میں۔ اس نے کہا: اجی میں خدمت بھی کروں گا۔ حضرت نے پیر آگے پھیلا دیا۔ اس نے دبالیا پھر چلا گیا۔ حضرت نے بعد میں فرمایا: کہ بڑی پکی قسمت کا تھا اپنی ساری ضدیں پوری کرگیا اور جہاں کہیں ردو قدح ہوتا تھا وہاں یہ بھی ہوتا تھا۔

ککڑی کا واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے کھیت سے ایک ککڑی لاکر پیش کی۔ حضرت نے فرمایا تم نے اس ککڑی کو پیش کرنے سے پہلے پیش کرنے کی اجازت مجھ سے کیوں طلب نہیں کی؟ اس نے کہا: کہ غلطی ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کی سزا تجویز کرو۔ اس نے کہا:

حضرت جو سزا تجویز فرماویں۔ فرمایا کہ اچھا دیکھو وہ اعلان لگا ہوا ہے اس میں ہدیہ پیش کرنے کا قانون ہے۔ اس کو پڑھو اور پڑھنے کے بعد آ کر مجھ سے اجازت طلب کرو لکڑی پیش کرنے کی جب میں اجازت دوں تب پیش کرو۔ اس نے کہا کہ وہ اعلان تو میں نے پہلے ہی پڑھ لیا تھا۔ فرمایا کہ تم نے اور تکلیف پہنچائی۔ اس نے کہا کہ غلطی ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا لکڑی اٹھاؤ۔ اپنے کھیت پر جاؤ۔ کھیت سے پھر آؤ۔ پھر اس اعلان کو پڑھو۔ پڑھ کر مجھ سے اجازت طلب کرو پھر پیش کرو۔ اس نے کہا اجی حضرت جی میں کھیت میں جاتا پھروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے اور تکلیف پہنچائی۔ اس نے کہا کہ غلطی ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا کہ لکڑی اٹھاؤ اور چلے جاؤ اور آئندہ مت آنا۔ بس وہ اپنی لکڑی اٹھا کر السلام علیکم کہہ کر چلدیا۔ حضرت نے کہا وعلیکم السلام اور جو ہدیہ دینے والے ہوتے تھے وہ بھی عجیب عجیب حرکتیں کرتے تھے۔

بالوشاہی کی تین مٹکیاں

ایک صاحب مہمان آئے۔ اس زمانہ میں اسٹیشن تھانہ بھون کا نہیں تھا جلال آباد کا تھا۔ ایک مزدور کے سر پر تین مٹکیاں لے کر آئے اور خانقاہ کے دروازہ پر پہنچ کر اس کے پیسے دے رہے تھے۔ پیسے دینے میں گڑبڑ ہوگئی۔ وہ کچھ زیادہ مانگتا ہے یہ کچھ کم دیتے ہیں۔ بہر حال وہ تو نمٹ گیا۔ ادھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی دروازے پر پہونچ گئے۔ سلام و مصافحہ کیا اور مٹکیاں پیش کیں۔ حضرت نے پوچھا کہ یہ کیا؟ کہا کہ بالوشاہی ہے۔ ہدیہ ہے آپ کی خدمت میں۔ فرمایا کہ تم نے اجازت مانگی تھی؟ کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ خط دکھلاؤ۔ خط دکھلایا اس میں لکھا تھا کہ میرے یہاں بالوشاہی بہت لذیذ ہوتی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے خدمت میں لانے کے لئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اجازت ہے صرف تین عدد لانے کی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس میں تین عدد لکھی ہے کہا کہ بس تین ہی ہیں اس نے باقاعدہ حلوائی سے بنوائی ہے ایک

ایک بالوشاہی ایک ایک مٹکے کی۔ اس نے کہا کہ حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ میں زیادہ لاؤں مگر حضرت نے پابندی عائد کر دی تو اس کی اس کے سوا کیا صورت ہو سکتی تھی۔ جتنی حضرت گرفت کرتے تھے ہوشیار لوگ اس گرفت سے بچ کر نکلنا چاہتے تھے۔

تین سطریں ناک کی برابر

ایک صاحب عالم آدمی لمبے لمبے خطوط لکھتے تھے۔ اصلاحی خطوط ہوتے تھے۔ حضرت نے لمبے خطوط لکھنے کو منع فرمایا اور فرمایا کہ ایک خط تین سطر سے زائد مت لکھو۔ اچھی بات ہے۔ اب کے جو لفافہ بھیجا ہے لمبا کاغذ لے کر اور اس کی پوری لمبائی میں تین سطریں لکھی تھیں۔ حضرت نے فرمایا یہ دیکھئے۔ یہ انھوں نے میری تحریر کا حاصل نکالا ہے۔ حضرت نے اس کو پڑھا نہیں اور لکھ دیا کہ تین سطریں لکھو ناپ کر ناک کی برابر۔ حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ بھی لکھ دیجئے ٹانگ کے برابر نہیں۔ میں نے کہا یہ بھی غنیمت ہے یہ نہیں لکھا کہ کس کی ناک کے برابر؟ اگر ہاتھی کی ناک کے برابر لکھدے تو اور زیادہ بات بڑھے گی۔ اس قسم کی چیزیں چلتی رہتی تھیں۔ مگر اس سب کے ساتھ حضرت کے یہاں کچھ مستثنیات بھی ہوتے تھے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تھانہ بھون حاضری

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ حضرت پہلی مرتبہ آپ تھانہ بھون گئے تھے تو کیا صورت پیش آئی تھی۔ فرمایا میں گیا ہوں رات کو گاڑی پہنچی اور میں اپنا بستر سر پر رکھ کر جلال آباد سے وہاں تک پہنچا۔ پوچھ پاچھ کر کہ خانقاہ کا دروازہ کدھر ہے کھٹکھٹایا۔ خانقاہ کا ملازم آیا۔ اس نے کواڑ تو کھولے نہیں، کواڑ کے آڑ میں کو پوچھا کون؟ میں نے کہا حسین احمدؒ۔ کہا یہاں دروازہ بند ہونے کے بعد کھلنے کا قانون نہیں۔ سو چا اب کہاں جاؤں۔ کسی سے

جان پہچان نہیں ۔آخر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مکان پوچھ کر وہاں جا کر دروازہ کے سامنے بستر بچھا کر لیٹ گیا۔صبح ہوئی۔بستر لپیٹا۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔دروازہ کھولا۔حضرت نے فرمایا کون؟ عرض کیا حسین احمد۔فرمایا ہائیں۔تم یہاں اس وقت کیسے؟ فرمایا کہ حضرت کا قانون کسی غریب کو خانقاہ میں داخلہ کی اجازت دیتا ہے وہاں غریبوں کے لئے دروازہ نہیں کھلتا ہے۔یہ صورت پیش آئی۔بس حضرت خانقاہ اپنے ساتھ لے گئے اور پہلا کام یہ کیا کہ اپنے خادموں سے جا کر کہا کہ دیکھو یہ مستثنیٰ ہیں۔جب آئیں ان کے لئے دروازہ کھول دینا۔اس لئے مستثنیات بھی ہوتے تھے اور جو بغیر استثناء کے ہو اس کے ساتھ میں معاملہ دوسرا بھی کیا جاتا تھا۔

سفارش کرنے والے کا سامان بھی نکلوا دیا

کسی شخص پر خفا ہو گئے تھے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاحی معاملہ میں اس کو کہدیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور اپنے خادم سے فرمایا کہ اس کا سامان نکال دو باہر۔ایک دوسرے مہمان آئے ہوئے تھے وہ بہت پرانے تھے ان کو یہ حالت دیکھ کر ترس آیا،اس نے کہا: کہ آپ کا یہ کیا طریقہ ہے کس طرح سامان نکال کر باہر کر دیا۔خادم کو حضرت نے آواز دی اور فرمایا ان کا بھی سامان باہر نکال دو۔یہ اپنی اصلاح کے لئے آئے ہیں یا میری اصلاح کے لئے۔اس واسطے یہ قوانین چلتے تھے۔

گھڑی کے ہدیہ اور فروخت کا واقعہ

تو وہ گھڑی پیش کی حضرت نے قبول فرمالی۔دوسرے وقت تنہائی میں جب کوئی اور نہیں تھا حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے: اگر یہ گھڑی آپ کی ضرورت سے زائد ہو تو مجھے دیدیجئے میں اس کو خرید لیتا ہوں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ خریدنے کی کیا بات ہے؟ میں بھی آپ کا گھڑی بھی آپ کی پیش خدمت ہے۔حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ میں خریدنے کی ابتدا کر چکا ہوں۔اس لئے اب اس کے ہدیہ ہونے کے کوئی معنیٰ نہیں۔ورنہ تو یہ حسن طلب سمجھا جائے گا اگر آپ ازخود پہلے ہدیہ دیتے تو دوسری بات تھی۔اب تو میں خریدنے کی ابتدا کر چکا ہوں۔ تھوڑے سے ردوقدح کے بعد میں معاملہ ہوگیا۔فروخت کردی۔انہوں نے خرید لی۔رکھ لی۔ بات چھپی نہیں رہتی۔ہوا ہی لے جا کر پہنچا دیتی ہے۔آج کل تو ریڈیو میں ہوائیں پہنچاتی ہیں اس پر بھی پہنچ گئی۔ان کو قلق ہوا کہ میں روپیہ بھی پیش کر سکتا تھا۔میرا مقصود یہ تھا کہ حضرت گھڑی کو اپنے استعمال میں رکھیں۔حضرت کو بھی ان کی دلداری منظور تھی۔حضرت تک خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ حضرت وہ گھڑی واپس فرمادیں۔مجھے واپس دیدیں۔فرمایا: کیوں؟ کیا خیار شرط تھا؟ فرمایا کہ خیار شرط تو نہیں تھا مگر مہدی کو اس سے بہت ہی گرانی ہوئی۔حضرت نے فرمایا کہ کیا یہ شرط تھی کہ اگر مہدی کو گرانی ہوگی تو واپس کر دی جائے گی کہا کہ شرط تو یہ بھی نہیں تھی۔بیع تو مکمل ہوگئی تھی پھر عرض کیا کہ حضرت اقالہ فرمالیں۔ فرمایا کہ اقالہ کے لئے تراضیٔ طرفین شرط ہے میں تو رضامند نہیں اقالہ کے لئے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت آپ میرے بڑے ہیں میں چھوٹا ہوں۔بڑے چھوٹوں کی خاطر رضامند ہو جایا کرتے ہیں۔آپ بھی رضامند ہو جائیے۔اس میں کیا بات ہے یعنی قانون تو ہو گیا ختم۔ضابطہ کی اب کوئی بات نہیں کہہ سکتے۔اب تو رابطہ کی بات ہے رابطہ سے کام لینا شروع کیا۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں ضرور واپس کر دیتا لیکن بات دوسری ہے وہ یہ کہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں خریدی میرے ایک دوست نے مجھے وکیل بنایا تھا اور کہا تھا کہ میرے لئے ایک گھڑی خرید لینا میں اس کی نیت سے خرید چکا ہوں یہ گھڑی اس کی ہوگئی۔ اس نے مجھے وکیل بالشراء بنایا تھا۔وکیل بالبیع نہیں بنایا تھا۔یہ نہیں کہا تھا کہ میری گھڑی بیچ دیجئے گا۔وکیل کے جو حقوق ہوتے ہیں تصرف کے وہ موکل کے اعطاء تک محدود رہتے ہیں

موکل نے مجھے اتنا ہی حق دیا تھا کہ اس کے لئے گھڑی خرید لوں۔ یہ حق نہیں دیا تھا کہ اس کے لئے بیع بھی کردوں۔ بات ختم ہوگئی اب آگے کچھ نہیں۔ دوسرے روز مجلس میں جب وہ صاحب بھی آئے جنہوں نے گھڑی ہدیہ کی تھی۔ اس وقت حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے گھڑی نکال کر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھدی لیجئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے تو فرمایا تھا کہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں لی۔ دوسرے کے لئے خریدی ہے، اس نے مجھے وکیل بالشراء بنایا تھا وکیل بالبیع نہیں بنایا تھا۔ واپس کرنے کا حق مجھے نہیں۔ فرمایا کہ بات اسی طرح ہے اس میں کوئی توریہ نہیں لیکن مجھے ان پر اعتماد ہے میں ان سے کہونگا کہ میں نے آپ کے لئے گھڑی خریدی تھی اور پھر میں نے اس کو فروخت کردیا۔ یا واپس کردی تو ان کو اس سے گرانی نہیں ہوگی۔

غرض کہ ان کے یہاں باتیں ہوتی تھیں تو باتیں بھی علمی ہوتی تھیں۔ جن مسائل نکلتے تھے۔ سننے والوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا اس واقعہ سے بہت سے مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ ہدیہ دینے کا خاص ادب بھی معلوم ہوا کہ دینے کے بعد گرانی نہیں ہونی چاہئے بلکہ جس کو دیا ہے اس کو پورا اختیار ہے جو چاہے تصرف کرے۔

مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے تعظیماً کھڑے ہونے کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے ہوئے تھے سہارنپور۔ وہ زمانہ مجلس احرار و مسلم لیگ کی سیاسی کش مکش کا تھا۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ رئیس الاحرار بھی آئے ہوئے تھے۔ ایک صاحب حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خادم جو بھٹ کے رہنے والے تھے وہ مسلم لیگ کے آدمی تھے وہ آئے ان کی وجہ سے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ

کھڑے ہوئے تعظیم کے لئے۔ شیخ بھی کھڑے ہوئے اس وقت چلتے پھرتے تھے خوب۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رخ نہیں کیا۔ مصافحہ کرنے کے لئے۔ بلکہ جو بات کرنی تھی دو تین منٹ میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بات کرکے وہ چلے گئے۔

دو حدیثوں میں تعارض اور اس کا حل

جب وہ چلے گئے تب مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: احساس ہو رہا ہے کہ میں نے غلطی کی۔ مجھے بھی کھڑا ہونا چاہئے تھا جب اتنے بڑے بڑے بزرگ کھڑے ہو گئے تو مجھے بھی کھڑا ہونا چاہئے تھا مگر بیہقی کی روایت میں ہے کہ جو شخص کسی مالدار کے سامنے جھکتا ہے تواضع کرتا ہے تو اس کا ایک تہائی دین برباد ہو جاتا ہے اس پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اجی دوسری روایت بھی ہے جس میں ہے: "اِذَا جَاءَ کُمْ کَرِیمُ قَوْمٍ فَاکْرِمُوْہُ۔" [جب تمہارے پاس کسی قوم کا کریم آئے اس کا اکرام کرو۔] اکرام کرنے کا بھی حکم ہے جب کوئی قوم کا کریم آئے تو اس کا اکرام بھی کرنا چاہئے۔ تو کہا حضرت! یہ تو دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا۔ یہ تعارض کیسے دفع ہوگا؟ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا کہ ہاں جی۔ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت آپ بیان فرمائیں۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ بیان فرمائیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اچھا حضرت میں کہوں گا اس شرط پر کہ حضرت اس پر پورہ تبصرہ کریں۔ پوری تنقید کریں۔ یہ نہیں کہ حضرت ٹھیک ہے حضرت ٹھیک ہے۔ حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب وہ بات ٹھیک ہوگی تو پھر تو یہی کہوں گا کہ حضرت ٹھیک ہے۔ حضرت ٹھیک ہے۔ یہ تو کہنے سے رہا کہ حضرت نے جو فرمایا وہ ٹھیک نہیں ہے۔ تب شیخ نے فرمایا کہ بیہقی کی روایت میں ہے "مَنْ تواضع لغني لغنائه ذهب ثلثا دينه" [جو شخص کسی مالدار کیلئے تواضع اختیار کرے، اسکے مال کی وجہ سے اس کا دو تہائی دین جاتا رہے گا۔] تواضع کا تعلق قلب سے ہے۔ قلب تو صرف اللہ کے سامنے جھکنے کیلئے ہے کسی مالدار کے سامنے جھکنے کیلئے نہیں بنایا گیا ہے۔ اکرام کا تعلق ظاہری معاملہ

سے ہے ظاہری معاملہ کرنا اور چیز ہے قلب کا جھکنا اور چیز ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ شیخ نے فرمایا کہ حضرت جب دو بظاہر متعارض حدیثوں میں تطبیق سمجھ میں آتی ہے۔ تو اتنی مسرت ہوتی ہے کہ کسی چیز میں اتنی مسرت نہیں ہوتی۔ یہ علمی نظر کی بات ہے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے بات چیت کرنے ہر جگہ میں علمی بات ہوتی تھی۔ حضور اقدس ﷺ کے طریقہ پر ہوتی تھی تاکہ حضور اقدس ﷺ کی مبارک زندگی ہمیں مستحضر رہے۔ اور یہ تصور ذہن سے غائب نہ ہونے پائے کہ میں آزاد ہوں۔ بلکہ ہم اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ اپنی زندگیوں کو حضور اقدس ﷺ کی مبارک زندگی کے تابع کریں ان کا اتباع کریں۔ اس لئے پیدا ہوئے ہیں۔

مشائخ کی صحبت سے ان کا ذوق حاصل کیا جاتا ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ مشائخ اور بزرگوں کے پاس رہ کر کیا چیز حاصل کی جاتی ہے علم حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ ذوق حاصل کیا جاتا ہے۔ کہ ان کا ذوق کیا ہے؟ اس ذوق کو حاصل کرنے کے لئے صحبت کو اختیار کیا جاتا ہے۔

اہل علم کا غیر عالم سے بیعت ہونے کا مقصد

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اہل علم جب غیر عالم کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں، تو مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ان سے مسائل دریافت کریں بلکہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو مسائل کتابوں میں اساتذہ سے پڑھے تھے نفس کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے ان پر عمل نہیں ہوتا تھا صاحب نسبت بزرگ سے تعلق قائم کرنے کے بعد ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میلاد کی شرکت سے معذرت

جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حجاز گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں

مہمان ہوئے وہاں اسی زمانہ میں حضرت حاجی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دعوت آئی مجلس میلاد کی۔ انہوں نے منظور کی اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کہ مولانا! آپ چلیں گے؟ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے معذرت کر دی کہ میں نہیں جاتا اور بہت اچھے الفاظ میں معذرت پیش کی کہ حضرت ہم ہندوستان میں اس سے منع کرتے ہیں وہاں خرافات بہت ہوتے ہیں۔ یہاں خرافات نہیں ہوتے۔ خرافات ہونے اور نہ ہونے کو تو کوئی دیکھے گا نہیں، بات ہندوستان میں پہنچے گی۔ بس وہاں یہی کہیں گے کہ یہاں فتویٰ ناجائز ہونے کا دیتے تھے وہاں پیر کے ساتھ جا کر شرکت بھی کر یائے۔ اس واسطے میں تو معذرت چاہتا ہوں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو فرمایا مولانا! اگر آپ میرے کہنے پر چلتے تو مجھے اس سے اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی آپ کے اس انکار سے خوشی ہوئی۔ اور جب حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ گئے مجلس میں تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم چپکے سے گئے اور وہاں سے آ کر عرض کیا: کہ اگر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس کو دیکھتے تو اس کو منع ہی نہ کرتے۔ وہاں تھا ہی کچھ نہیں۔

اصل مسئلہ میں اصولی اختلاف

حکیم الامت حضرت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اصل مسئلہ ایک اور ہے جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان مختلف فیہا ہے اصولی حیثیت سے اگر کوئی چیز مندوب و مستحب ہو اور اس کے اندر منکرات شامل ہو جائیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا استحباب ہی ختم ہو جاتا ہے۔ وہ چیز منکر اور مکروہ ہو جاتی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا استحباب جوں کا توں باقی رہتا ہے البتہ منکر کو زائل کرنے کی ضرورت ہے تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اختیار کرتے تھے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو۔ کہ ان چیزوں میں

منکرات ایسے شامل ہو گئے کہ ان سے چھٹکارا دشوار ہے لہٰذا استحباب ہی ختم ہو گیا۔ اور ہمارے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اختیار کرتے تھے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کو کہ منکرات کے باوجود اس کو مستحب قرار دیتے تھے اور منکرات کو منع کر دیتے تھے اسی وجہ سے کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ اصل ان امور کی درست ہے۔ تقییدات زوائد یہ غلط ہیں۔ مگر ان سے چھٹکارہ ہوتا نہیں۔ اس میں مبتلا ہو کر رہتا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کو ترک ملازمت کی ممانعت

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: کہ ایک زمانہ میں میرے بڑے بھائی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ڈاک کا جواب لکھتے تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھاولپور میں تھے وہاں سے انہوں نے لکھا کہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں ملازمت چھوڑ دوں اور اپنے گھر آ کر بیٹھ جاؤں۔ یکسوئی اختیار کروں۔ تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے منع کرایا۔ میرے بھائی نے کہا کہ حضرت کیوں منع کرتے ہیں ان کو نفع ہوگا۔ فائدہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ جب فائدہ ہوگا تو پوچھنے کے نہیں۔ بلکہ چھوڑ کے آبیٹھیں گے۔ یہ پوچھنا خود بتا رہا ہے کہ ابھی یکسوئی سے فائدہ نہیں ہوگا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ترک ملازمت سے متعلق

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تھا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہ ملازمت توکل کے خلاف ہے چھوڑ دوں کیا؟ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جب پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آوے تو چھوڑ دینا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح کی کہ پوچھنا دلیل

سے تذبذب کی اور تذبذب دلیل ہے توکل تام نہ ہونے کی۔ بہر حال مقصد یہ ہے کہ ان حضرات اکابر کا مزاج دینی مزاج تھا۔ علمی مزاج تھا۔ ہر ہر چیز میں اتباع سنت کا لحاظ ہوتا تھا۔

اللہ پاک ہم سب کو سنت کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

واٰخِرُ دَعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ماہ مبارک اور قبولیت دعاء

اس بیان میں

☆......ماہِ مبارک کے فضائل۔
☆......قبولیت دعا کی صورتیں۔
☆......قبولیت دعا کی شرائط۔

....

ماہ مبارک اور قبولیت دعاء

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ۔ اَمَّا بَعۡدُ!

یہ مبارک مہینہ اللہ کے بڑے انعامات کا مہینہ ہے۔ بڑی نعمتیں ملتی ہیں بڑی مغفرتیں ہوتی ہیں ۔ بڑی رحمتیں برستی ہیں، آدمی کو وہ کچھ ملتا ہے جہاں تک اس کا ذہن نہیں جاسکتا۔ انسان مخلوق ہے ممکن ہے، ضعیف ہے: "خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِیۡفًا" (سورۃ النساء:۲۸) [انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔] (آسان ترجمہ) اسکی ہر چیز اور سمجھ بھی ضعیف ہے اپنی حیثیت تک اسکی سمجھ ہے۔ اس کی حیثیت سے آگے اس کی سمجھ کہاں جائے۔ دہلی کی جامع مسجد کو کسی بیچارہ گاؤں کے آدمی نے دیکھا۔ سب جگہ پر اور گھوم کر کہنے لگا کہ بہت بڑی مسجد ہے اس پر تو کوئی خرچ ہو گئے ہوں گے دوسو روپیہ تعمیر کرنے پر۔ بیچارہ کے نزدیک دوسو روپے ہی بہت تھے۔

قبولیت دعا کی تشریح

اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا ہے کہ بندہ کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کی تشریح میں بیان کرتے ہیں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ جو دعا مانگی تھی بالکل اسی طرح سے وہ پوری ہوگئی اور جلدی پوری ہوگئی۔ لوگ اسے تو سمجھتے ہیں کہ ہاں دعا قبول ہوگئی کبھی اتنی جلدی دعا قبول ہو جاتی ہے کہ آدمی سوچتا ہے کہ میں نے کیوں دعا کی تھی۔

مکہ مکرمہ جلد واپسی کی دعا

ایک دفعہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جانا تھا۔ ٹیکسی کرایہ کی۔ چلدیئے بیٹھ کر اس میں۔ حرم شریف کو دیکھ کر دعا کی۔ یا اللہ جلدی واپسی ہو یہاں تھوڑی دور چلے تھے۔ اس کو تیل لینا

تھا۔ تیل لینے کی جگہ پر وہ ٹھہرا موٹر والا۔ پیسے مانگے اس نے سواریوں سے۔ ایک ترکی تھا اس نے پیسے نہیں دیے۔ اس نے کہا کہ میں تو دے چکا۔ اس نے ورقہ دکھلایا اپنا جو سرکاری ملتا تھا۔ حالانکہ اس نے بھی کچھ محصول دیا تھا جو ورقہ تھا اس سواری کا نہیں تھا۔ یہ عربی میں کہے وہ ترکی میں کہے۔ نہ یہ اس کی سمجھے، وہ نہ اسکی سمجھے۔ دونوں کو غصہ آرہا آخر اس نے اس کا بستر گاڑی میں سے اتار کر پھینک دیا نیچے کو۔ اور چلا مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ ایک سواری کم ہوگئی۔ ایک سواری لینی تھی اور دعا میں یہ درخواست کی تھی جتنی جلدی واپس ہو۔

مدینہ طیبہ جلد واپسی کی دعا

پھر جب مدینہ طیبہ سے فارغ ہو کر جدہ آئے۔ جدہ سے جہاز میں سوار ہوئے اس وقت اندر کے جو ملازمین تھے وہ پریشان ہیں۔ ادھر جارہے ہیں ادھر جارہے ہیں۔ پھر اعلان کیا کہ جہاز میں کچھ کمزوری ہے خامی ہے۔ ہم جدہ ہی واپس جارہے ہیں۔ میں دیکھوں کہ میں نے یوں تھوڑی ہی کہا تھا۔

قبولیت دعا کی صورتیں

حدیث میں آیا ہے کہ بعضے وقت ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے ملائکہ کو کہ جو کچھ بندہ مانگے وہی دو چاہے ٹھیک مانگے چاہے بے ٹھیک مانگے۔ الٹی مانگے۔ جیسی مانگے ویسی ہی مل جائے۔ اس لئے زبان کو ذرا دیکھ بھال کر استعمال کرنا چاہئے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ دعا کی تھی وہ تو نہیں ملی البتہ دوسری چیز مل گئی جو اس سے بہتر تھی اعلیٰ درجہ کی تھی جو ذہن میں بھی نہیں تھی وہ بھی اسی دعا کا نتیجہ ہے کبھی ایسا ہوتا ہے جو دعا کی تھی وہ تو نہیں ملی نہ اس جیسی دوسری چیز ملی البتہ کوئی مصیبت آنے والی تھی اس کی غلطیوں کی وجہ سے وہ مصیبت ٹل گئی۔ وہ بھی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں اس کی دعا کا کوئی اثر ظاہر نہیں

ہوا۔ پھر وہاں قیامت میں اس کو کہا جائے گا کہ تم نے فلاں فلاں دعا کی تھی جس کی قبولیت کا تم نے کوئی اثر نہیں دیکھا تھا ان کا بدلہ یہ ہے۔ ایسی بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی کہ آدمی کا اس کی طرف ذہن بھی نہیں پہنچا تھا۔ تب یہ کہے گا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میری دعا دنیا میں کوئی سی بھی قبول نہیں ہوئی ہوتی تاکہ اس کا بدلہ یہاں ملتا۔ یہ تو بہت بڑھیا ہے۔ تو یہ دارِ دنیا دارِ فانی ہے۔ یہاں انسان کے ذہن کی پرواز یہ بھی فانی۔ دل کی خواہش یہ بھی فانی۔ جو چیز مانگتا ہے دارِ فانی میں فانی چیز مانگتا ہے۔ فنا ہونے والی چیز مانگتا ہے جو باقی رہنے والی ہے وہاں تک ذہن پہنچتا نہیں اس کا۔ اور حق تعالیٰ جب دینے پہ آتے ہیں تو اپنی شان عالی کے مطابق دیتے ہیں۔ یہ نہیں کہ بندہ نے دو پیسے مانگے تو دو ہی دیں، وہ بیشمار خزانے عطا فرما دیتے ہیں۔ اس واسطے آدمی کا ذہن وہاں تک نہیں جاتا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں ہے۔

ماہِ مبارک کی برکات

تو یہ رمضان کا مہینہ بہت بڑا نعمتوں کا مہینہ ہے۔ بڑے بڑے انعام آتے ہیں۔ ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ شب قدر اس میں بڑی شاندار رات ہے۔ اور قرآن پاک کی تلاوت کی عادت ڈال لی جائے تو اس کا اثر انشاء اللہ سال بھر تک رہے گا۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو شراب پیتے ہیں رمضان کے احترام میں شراب چھوڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ عادت بالکل ہی چھڑا دیتے ہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے لیکن رمضان میں نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس رمضان کی برکت سے سارے سال ان کو توفیق دیتے ہیں۔ تو جو خراب خصلتیں آدمی کے اندر موجود ہیں اللہ اس کو چھڑا دیتے ہیں۔ اس مہینے کی برکت سے۔

اس مہینے میں اللہ پاک نے قرآن پاک نازل فرمایا جو اس کی بے شمار نعمتوں کا خزانہ ہے۔ دعا کرنی چاہئے کہ جو گناہ ہمارے علم میں ہیں اور جو ہمارے علم میں نہیں ہیں۔ تیرے علم میں ہیں اے اللہ ان سب کو چھڑا دے۔ اللہ تعالیٰ چھڑا دیتے ہیں۔ دعا قبول ہو جاتی ہے اور اگر دنیا

یں وہ غفلتیں نہ چھوٹیں تو بہر حال دعا کا اجر و ثواب تو کہیں گیا ہی نہیں وہ ضرور مل کر رہے گا۔

قبولیت دعا کے شرائط

مگر بھئی! دعا کے واسطے بھی شرائط ہیں۔ جیسے مثلاً نماز ہے عبادت ہے۔ اس کے بھی شرائط ہیں۔ کیا؟ جگہ پاک ہو، کپڑے پاک ہوں۔ بدن پاک ہو۔ قبلہ کی طرف رخ ہو۔ یہ سب شرائط ہیں اس کے، ان شرائط کو ترک کر کے کوئی شخص نماز پڑھنے لگے تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی؟ اس کا جواب نہیں اور اگر استخفافاً شرائط کو ترک کر دیا ہے تو عجب نہیں کہ مفتی صاحب کچھ اور فتویٰ دیں گے اس کے اوپر۔ کہ اسلام سے ہی خارج ہو گیا۔ بڑی خطرناک بات ہے۔ اس واسطے دعا کیلئے بھی شرائط ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غافل قلب کی دعا قبول نہیں کرتے۔ زبان سے تو کچھ نکل رہا ہے دل متوجہ ہی نہیں دعا کی طرف۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ میں دیکھا کہ ایک شخص دن بھر بیت اللہ شریف کے غلاف سے لپٹا ہوا ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا رہا مگر ایک آن کو بھی اس کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے منیٰ میں بیٹھ کر تجارت کی۔ بڑا نفع کمایا اور ایک آن کو بھی اس کا قلب اللہ سے غافل نہیں ہوا۔ ”رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ“ [وہ لوگ جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔] یہ تو قرآن پاک میں بھی موجود ہے لہٰذا جو شخص زبان سے دعا کرتا ہے اور دل میں اس کے نہیں ہے۔ اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ آپ بھی جانتے ہیں کہ جو شخص پاگل ہے زبان سے کچھ کچھ کہتا رہتا ہے گالیاں بھی دیتا ہے۔ آپ کی تعریف بھی کرتا ہے توجہ ہی نہیں کرتا کوئی اس کی طرف۔ اس واسطے کہ وہ اپنے دل سے تھوڑی ہی کہہ رہا ہے۔ لان المجنون لا عمد له مجنون کا کوئی قصد ہی نہیں ہوتا۔ اس واسطے دعا قبول نہیں ہوگی جب تک حاضر دل سے دعا نہ کی جائے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

قبولیت دعا کیلئے حلال روزی بھی ضروری ہے

دعا کی قبولیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ حلال روزی کھائے۔حدیث پاک میں ہے کہ کوئی شخص بحالت سفر غبار آلود بکھرے ہوئے بال والا ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے: یارب! یارب! لیکن کھانا اس کا حرام، پینا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، کمائی اس کی حرام تو ایسی حالت میں دعا قبول کہاں ہو؟ حرام مال کھانے سے بہت خراب اثرات پیدا ہوتے ہیں جو گوشت حرام مال سے بنتا ہے وہ دوزخ ہی میں جانے کے قابل ہے۔

حدیث پاک میں ہے: "کل لحم نبت من مال حرام فالنار اولی بہ" [جو گوشت مال حرام سے پرورش پائے جہنم ہی اس کیلئے زیادہ لائق ہے۔] ہمارے مدارس میں ہر قسم کا مال آتا ہے۔حرام کی کثرت ہے اسی وجہ سے اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے، علم میں خیر و برکت نہیں، علم مورث عمل نہیں اخلاص کا درجہ تو بہت بعد کا ہے۔جو پیسہ آدمی اپنے اوپر خرچ نہ کرسکے، اپنے بیوی بچوں پر خرچ نہ کرسکے، ماں باپ کو نہ دے سکے۔ایسا حرام پیسہ مدرسہ میں لاکر دیتے ہیں دیوبند میں ایک صاحب نے ایک مرتبہ منی آرڈر بھیجا۔میرے پاس اسمیں لکھا کہ میں فلاں صاحب سے بیعت ہوں۔میرا روپیہ بینک میں جمع تھا۔وہاں سے یہ سود ملا ہے۔مجھے نفع ملا ہے اس کو بھیج رہا ہوں۔حدیث کے طلبہ پر خرچ کر دیجئے۔میں نے واپس کر دیا اور ذرا اچھی طرح سے ڈانٹا۔

”آپ کے دل میں حدیث شریف کی یہی وقعت ہے؟ لعنت کا پیسہ آپ حدیث شریف پڑھنے والوں کو دیتے ہیں۔کوئی حلال پیسہ آپ کی کمائی کا نہیں ہے؟ جن سے آپ بیعت ہیں ان سے میری طرف سے سلام کہہ دینا اور کہہ دینا یہ کہہ کر واپس کیا ہے؟ اس کے بعد جو کچھ آپ کی اصلاح یا میری اصلاح کے لئے کہیں اس سے مجھے بھی اطلاع کرنا۔“

اب تک خط نہیں آیا۔کوئی اطلاع نہیں کی معلوم نہیں کیا ہوا۔ہمارے یہاں کا جو پوسٹ مین تھا اس نے پوچھا کہ حضرت جی! کیوں واپس کر دیا؟ میں نے کہا کہ بھئی ایسا ہی

ناجائز سود کا پیسہ تھا۔ یہاں رکھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے کہا کہ اجی کسی اور کے کام آ جاتا۔ میرے ہی کام آجاتا۔ یہ تو حال ہے۔

اکل حلال کی برکات

غرض اکل حلال بڑی عجیب دولت ہے۔ تھوڑی مقدار میں ملے حلال ملے۔ بڑی طاقت پیدا ہوتی ہے اس سے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا حال تھا؟ یہی تھا۔ کتنے کتنے روز کے فاقے ہوتے تھے وہاں۔ مگر انکے اندر طاقت بہت تھی۔ وہ گھوڑوں پر سواری کرتے تھے۔ پیدل دوڑتے تھے۔ مقابلہ کرتے تھے۔ تلواروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ کہیں تیروں کا مقابلہ کرتے تھے اور کھانے کو دیکھو تو بہت ہی معمولی سا کھاتے تھے۔ یہ کیا چیز تھی؟ یہ کاہے کی قوت تھی یہ قوت حلال روزی کی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے کام لیا، ان کو حلال روزی عطا فرمائی۔ یہ صورت ان کی رہی۔ انہوں نے دین کی خدمت کی، دین کی حفاظت کی، دین کی اشاعت کی، خدا کے راستے میں جان کو جان نہیں سمجھا، مال کو مال نہیں سمجھا۔ شہادت کے شوق میں بڑھتے چلے گئے۔

مسلمانوں کی بہادری کی وجہ

ابھی اسی سفر کی بات ہے تذکرہ آیا ایک مجلس میں کہ یہ کیا بات ہے؟ تاریخ کی کتابوں میں دیکھو جب مسلمان لڑتے ہیں، قتال کرتے ہیں جنگ ہوتی ہے دوسرے لوگوں سے۔ جائزہ لیکر کے دیکھو تو مسلمان تعداد میں کم، جُثّہ کے اعتبار سے کمزور، ہتھیار کم، سواری انکے پاس کم، دشمن کے پاس سواری زیادہ، پہلوان قسم کے آدمی، سامان حرب کافی۔ انکے مقابلہ میں مسلمانوں کے پاس تو گویا کہ کچھ ہے ہی نہیں لیکن جب مقابلہ ہوتا ہے تو دیکھتے ہیں۔ تاریخ کی کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ مسلمان آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دشمن پیچھے کو بھاگتا ہے۔ میدان چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ بھاگتے چلے جاتے ہیں، اسکی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا کہ اوفوہ۔ اب تک تمہاری سمجھ میں اسکی وجہ نہیں آئی؟ یہ تو کھلی بات ہے مسلمان اس نیت سے نہیں لڑتا کہ میں دشمن کو قتل کر کے فتح پالوں۔ اسکے مال و

دولت پر قبضہ کرلوں۔ بلکہ وہ تو اس واسطے لڑتا ہے کہ میری جان خدا کے دین کے کام آجائے میں شہید ہو جاؤں۔ اسکا مقصود آگے بڑھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ دشمن کے اس لشکر کے جتھے میں جا کر اسکو شہادت مل جائے۔ وہاں پہونچنے سے شہادت مل جائے۔ وہ شہادت کو ڈھونڈتا ڈھونڈتا بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور جو مقابلہ میں دشمن لوگ ہیں ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دوسرا چاہے مر جائے میں بچ جاؤں۔ ان کو بچنے کیلئے راستہ بھاگنے میں ملتا ہے۔ میدان چھوڑ کر ان کا رخ ادھر کا ہوتا ہے ان کا رخ ادھر کا ہوتا ہے۔ اتنی سی بات ہے اگر وہ بھی یہ ٹھان لیں کہ ہمیں تو قتل ہونا ہے تو پھر نہ بھاگیں میدان سے وہ، بھاگتے تو اس واسطے ہیں کہ ان کا مقصود ہے جان کو بچانا جس کو وہ سمجھتے ہیں کہ جان اس طرح بچے گی جب میں میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں، جان بچ جائے گی۔ یہ بات ہے جو یہ جوش مسلمان پر پیدا ہوتا ہے۔ خدا کے نام پر، خدا کے دین پر آدمی جان دیدیے یہ کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اس واسطے کہ خداوند تعالیٰ کے وعدے پر اس کو اطمینان ہے۔ اس کا ایمان ہے، اور یہ حلال روزی کھاتا ہے۔ حلال روزی مقدار میں کم ہوتی ہے لیکن تاثیر اس کی زیادہ ہوتی ہے۔ آج بھی چھوٹے چھوٹے گولے اور گولیاں چل گئیں ہیں۔ دیکھنے میں تو جثہ میں بہت چھوٹی چھوٹی مگر تاثیر بہت بڑی ہے۔ خلاصہ نکال لیتے ہیں سب تباہی و بربادی اس میں جمع کر دیتے ہیں۔ اور جو مسلمان حلال روزی کھائے گا اس کی دعا قبول ہوگی۔

حرام مال سے حفاظت

اگر کسی مال کے متعلق تحقیق ہو جائے کہ یہ حرام کا مال ہے تو پھر اس کو ہاتھ نہ لگانا چاہئے ان کے پاس نہ جائے آدمی۔ بلا وجہ کسی کے مال کو حرام کہنا یہ بھی غلط ہے۔ بدگمانی کرنا یہ بھی غلط ہے ہاں اگر تحقیق ہو جائے کہ یہ حرام مال ہے قلب شہادت دے رہا ہے کہ یہ حرام مال ہے تو اس سے پورے طور پر بچنا چاہئے۔ اور سوچنے کی بات ہے کہ جو شخص حرام مال سے بچتا ہے اللہ کے حکم پر عمل کرنے کیلئے، اللہ تعالیٰ کیا اسکو بھوکا رکھیں گے؟ یہ بات نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ

سب کو ہی روزی دینے والے ہیں اب جو شخص جس راستے سے روزی حاصل کرنے کا عادی ہوتا ہے وہی راستہ اس کے لئے مل جاتا ہے۔

کاشتکاروں کی حالت

میں اپنے یہاں ایک مرتبہ جنگل میں گیا۔کھیتوں پر ایک کاشتکار میرے ساتھ۔اس نے کہا کہ مولوی صاحب ہماری قسمت میں تو حرام مال لکھا ہوا ہے ہم کیا کریں؟ میں نے کہا کہ کیا لعنت ہے تم پر کہ حرام مال قسمت میں لکھا ہوا ہے۔اس نے کہا کہ صاحب دیکھئے بات یہ ہے کہ یہ کھیت میرا ہے۔یہ میرے پڑوسی کا۔اس میں بھی وہی گنا۔اس میں بھی وہی گنا۔جب گنا لینے کی ضرورت پیش آتی ہے تو میں اس کے کھیت میں سے توڑتا ہوں۔اپنے کھیت میں سے نہیں توڑتا ہوں۔اور اس کو جب ضرورت پیش آتی ہے تو وہ میرے کھیت میں سے توڑتا ہے اپنے کھیت میں سے نہیں توڑتا ہے۔گنا دونوں کا ایک ہے۔کھیت ہے چنے کا۔ہولے بھنانے کے لئے رات کو جب چلتے ہیں کھیت سے چنے توڑنے کے لئے وہ میرے کھیت میں سے لیجاتا ہے میں اس کے کھیت میں سے لے جاتا ہوں۔چنا ایک ہی دونوں کا ہے کیا کریں؟

اب جو انہوں نے اپنے آپ کو ایسا خوگر بنالیا، عادی بنالیا، مال حرام کھانے کا انکے واسطے کون سی حجت ہے؟ کسی کے پاس مال حلال موجود نہ ہو بھوکا مر رہا ہو آپ کہہ دیجئے کہ اضطرار کی حالت میں میتہ حلال ہے لیکن یہاں تو وہ صورت نہیں۔یہاں تو خود اپنے اختیار سے کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں۔اپنے کو بچا کر رکھتے ہیں۔دوسروں کا کھاتے ہیں۔اور یہ جو عقل اوندھی ہو جاتی ہے یہ بھی حرام مال کثرت سے کھانے کی بناء پر ہوتی ہے۔اسی کا اثر یہ ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سب کو حلال روزی عطا فرمائے۔حرام روزی سے حفاظت فرمائے اور دعا کی ساری شرائط کو متحقق فرما کر اخلاص نصیب فرمائے۔قلب سے دعا نکلے۔اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔آمین!

◆ ◆ ◆

فساد حُبّ مال اور اس کا علاج

اس بیان میں

☆......فساد عالم کی بنیادی چیزیں۔
☆......حب مال کا فساد۔
☆......اختلاف کی نحوست
☆......قابل اعتماد چیز۔
☆......بعض کوتاہیاں۔

....

فساد حُبّ مال اور اس کا علاج

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ۔ اَمَّا بَعۡدُ!

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے:

"مَا نَقَصَتۡ صَدَقَۃٌ مِنۡ مَالٍ وَمَا زَادَاللّٰہُ عَبۡداً بِعَفۡوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ"

[صدقہ مال کو کم نہیں کرتا، معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندہ کی عزت کو بڑھاتے ہیں، کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار نہیں کرتا مگر سربلندی عطا فرماتے ہیں۔]

تین باتیں بیان فرمائیں، خدائے پاک نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی دانش اور ایسی حکمت عطا فرمائی کہ کسی کو نہیں ملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا کی اصلاح کے لئے اللہ نے بھیجا۔

فساد عالم کی بنیادی تین چیزیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا، غور کیا کہ فساد جو دنیا میں پھیل رہا ہے اس فساد کا منشاء کیا ہے؟ بنیادی طور پر تین چیزیں سامنے آئیں۔ یہ تین چیزیں سارے عالم میں فساد کا باعث ہیں۔ بہت پریشان کن ہیں۔ باپ بیٹے میں لڑائی۔ بھائی بھائی میں لڑائی۔ ماں بیٹے میں لڑائی، بہن بھائی میں لڑائی، پڑوسیوں میں لڑائی، دوسرے رشتہ داروں سے لڑائی۔

(۱)......حب مال

ان میں سے جو پہلی چیز ہے وہ کیا ہے؟ وہ محبت مال ہے۔ دولت کی محبت جس شخص کے اندر دولت کی مال کی محبت بیٹھ جاتی ہے اس کی اصلاح بہت دشوار ہوتی ہے۔ مال کی محبت کی وجہ سے آدمی وہ حرکتیں کرتا ہے جو نہیں کرنی چاہئیں۔

سود

مثلاً مال کی محبت میں سود لیتا ہے۔ صرف محبت مال کی خاطر۔ حالانکہ سود لینے والے پر بھی حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔ سود دینے والے پر بھی لعنت آئی ہے۔ جو مال لعنت کے راستہ سے آئے گا اس مال سے کیا خیر کی توقع ہو سکتی ہے؟ وہ تو فساد ہی فساد پھیلائے گا تو مال کی محبت کی وجہ سے سود لیتا ہے آدمی۔ جو موجب لعنت ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک درہم سود کا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بدتر ہے۔ کتنی خطرناک چیز ہے۔

غصب

مال کی محبت جب ہوتی ہے تو آدمی غصب کرتا ہے۔ زمین غصب کرلی، دوکان غصب کرلی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی شخص اگر ایک بالشت بھر زمین کسی کی غصب کرے گا تو قیامت کے دن ساتوں زمین کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ کتنی خطرناک چیز ہے۔

رشوت

مال کی جب محبت ہوتی ہے تو رشوت لیتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے:

....

''الراشی والمرتشی کلاھما فی النار'' دونوں دوزخ میں جائیں گے، رشوت لینے والا بھی، رشوت دینے والا بھی۔

مقدمہ بازی

دو بھائیوں کے اختلاف کی نحوست

مال کی جب محبت ہوتی ہے تو مورث کے انتقال پر دوسرے ورثاء کا حق نہیں دیتا ہے ان کا حق غصب کر لینا۔ دبا لینا۔ نہایت خطرناک ہے، صلۂ رحمی ختم ہو کر قطع رحمی اس میں آجاتی ہے۔ کچہریاں بھری پڑی ہیں فسادات کی وجہ سے۔ اس مال کی محبت کی وجہ سے مقدمہ بازی ہوتی ہے۔ لڑائیاں ہوتی ہیں سب بات ہے اس میں اور پھر دونوں فریق کو ابھارنے والے موجود رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیکھو فلاں کام کر دو۔ بس تمہاری فتح ہے مقدمہ بہت قوی ہے۔ کیس تمہارا مضبوط ہے۔ ہر وکیل اپنے مؤکل کو یہی کہتا ہے۔ جھوٹے گواہ پیش کئے جاتے ہیں۔ جھوٹے کاغذات بنائے جاتے ہیں۔ غرض فساد ہی فساد ہے جو مال کی محبت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

دو بھائیوں کے اختلاف کی نحوست

ایک شخص کا انتقال ہوا، اس نے دو بیٹے چھوڑے، جائداد چھوڑی۔ دونوں بیٹوں نے جائداد تقسیم کی آپس میں۔ ایک درخت باقی رہ گیا۔ بڑا بیٹا کہتا ہے کہ یہ میری ملکیت میں ہے، چھوٹا بیٹا کہتا ہے کہ یہ میری ملکیت میں ہے۔ لڑائی ہو رہی ہے، دونوں میں مقدمہ بازی ہوئی اور عدالت میں جب مقدمہ لے کر آدمی پہونچ گیا تو اللہ کی پناہ۔ وہ قیامت صغریٰ ہے چھٹکارا ہوتا ہی نہیں اس سے۔ مدت تک مقدمہ ہوتا رہا، نقد نہ اس کے پاس بچا نہ

اس کے پاس، جائیداد تھی جائیداد کو فروخت کرتے رہے، مقدمہ پر خرچ کرتے رہے۔ ساری جائیداد جو بڑے بھائی کے حصے میں آئی تھی وہ فروخت ہو ہو کر مقدمہ میں لگ گئی۔ چھوٹے بھائی کے حصہ میں جو آئی تھی وہ فروخت ہو کر مقدمہ میں لگ گئی اور اخیر میں فیصلہ یہ ہوا کہ اس درخت کو کٹوا کر آدھی لکڑیاں ایک کے یہاں بھیج دی جائیں، آدھی دوسرے کے یہاں بھیجدی جائیں۔ اور کٹوانے کے لئے پیسے بھی ان کے پاس نہیں۔ کتنی بیوقوفی کی بات ہے اس طرح سے لڑنا، مقدمہ بازی کرنا، یہ کیا ہے؟ سب مال کی محبت کی وجہ سے ہے۔ محبت نہ ہو مال کی بڑا بھائی سمجھ لے کہ کچھ مضائقہ نہیں اپنا چھوٹا بھائی اولاد کی جگہ ہوتا ہے چلو میری ملکیت ہی سہی میں نے اس کو دے دیا۔ چھوٹا بھائی سمجھ لے کہ بڑا بھائی باپ کی جگہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے:

"اَنۡتَ وَمَالُكَ لابيك" [تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔] باپ کی ملکیت میں میں بھی اور میرا مال بھی اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ میں نے سب ان کو دے دیا۔ تعلقات بھی خوشگوار رہیں گے، جائیداد بھی سلامت رہتی اور لڑائی فساد نہیں ہوتا۔ بڑی خرابیوں میں مبتلا ہوتے ہیں مال کی محبت کی وجہ سے، یہ جتنے فسادات ہیں، عدالت دیوانی کے مقدمات مال کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے سے جملہ میں ان سب کا علاج بتلا دیا۔

"ما نقصت صدقة من مال" صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔ صدقہ دو صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی۔ یہ ارشاد فرمایا کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے یا جس آدمی سے محبت ہوتی ہے آدمی اس کو اپنے پاس رکھتا ہے یا پاس رہنے سے جی خوش ہوتا ہے اس کا فراق

وجدائی بڑی شاق گزرتی ہے شاعر لوگ تو خوب جانتے ہیں اس چیز کو، فراق کیسی چیز ہے؟ جب مال اپنے پاس ہو مال کی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ مال میرے پاس رہے اور جب آدمی اس کو صدقہ کرے گا۔ اپنے پاس سے دور کرے گا۔ تب اسکی محبت کم ہوگی۔ جس کی ضرورت اس صدقہ کے ذریعہ سے پوری کی جائیگی وہ دعائیں دے گا۔ اللہ کے یہاں اسکی دعائیں قبول ہوں گی اور ساری خرابیوں سے یہ بچے گا۔ فرمایا ما نقصت صدقة من مال صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا۔

مشاہدہ پر اعتماد کے بجائے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اعتماد ہونا چاہیے

ایک شخص کہتا ہے کہ کمی تو ہو جاتی ہے۔ اگر ایک ہزار روپے میں پچیس روپے دیدیئے۔ کتنے رہ گئے، نو سو پچھتر رہ گئے۔ کمی تو ہوگئی۔ ہم تو گن کر دیکھ رہے ہیں کہ کمی ہوگئی۔ آپ بتائیے کہ آپ کو اپنے مشاہدہ اور گنتی پر اعتماد ہے؟ یا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اعتماد ہے؟ ایمان کا تقاضا یہ ہیکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر اعتماد ہو کیونکہ وہاں تو ایمان بالغیب کا حکم ہے کہ ہمیں نظر نہیں آتا لیکن ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس لئے ٹھیک ہے، اپنی آنکھوں پر اعتماد نہ کیجئے، شبہ ہوگا کہ کیسے اعتماد نہ کریں؟ آنکھ پر تو اعتماد کیا ہی جاتا ہے، مشاہدہ تو ہوتا ہے مشاہدہ کے سامنے تو سب دلائل سب چیزیں، ہیچ ہیں، آپ بتائیے کہ یہ جو رات دن اکسیڈینٹ ہوتے ہیں کیا ڈرائیور لوگ گاڑی آنکھیں بند کر کے لے جاتے ہیں۔ کھلی آنکھوں لے جاتے ہیں۔ آنکھ کھول کر احتیاط سے لے جاتے ہیں اس کے باوجود اکسیڈنٹ ہوتا ہے۔ اس آنکھ پر کیا اعتماد کیا جائے؟ شکاری لوگ شکار کھیلتے ہیں۔ ہرن سمجھ کر بندوق ماری۔ تھا وہ آدمی اس

کے لگ گئی۔ آنکھ کھول کر اس نے بندوق چلائی ہے۔ پورا انداز کر کے یہ انسان نہیں، ہرن ہے جانور ہے مگر وہ تھا آدمی۔ جو ہلاک ہوا، اس کے آنکھ کھول کر گولی چلانے سے ہلاک ہوا۔ آنکھ بند کر کے گولی نہیں چلائی اس نے، جس آنکھ کے اتنے تجربات سامنے ہوں اس پر اعتماد کریں یا حضور اقدس ﷺ کی بات پر اعتماد کریں؟ اعتماد تو حضور اقدس ﷺ کی بات پر ہونا چاہئے، آنکھ پر نہیں۔

حضرت مفتی مہدی حسن رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے ایک بڑے زبردست عالم گذرے ہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ یہاں کے لوگ تو خوب جانتے ہیں مفتی مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہ خود بتلاتے تھے کہ ایک فرائض تھی اس کو دیکھ رہا تھا، لمبی فرائض تھی سب دیکھ لیا۔ بنا دیا لیکن جمع ٹھیک نہیں آتی۔ اور یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ گڑبڑ کہاں ہے؟ بار بار اس کو دیکھتا ہوں۔ ساری رات اس میں گذر گئی حتی کہ صبح صادق ہو گئی۔ تو سوچا کہ ذرا لیٹ جاؤں۔ لیٹ گیا چند منٹ کے لئے مگر نیند نہیں آتی تھی۔ پھر اٹھ کر دیکھا تو اب صحیح آ گیا۔ وہ کیا تھا؟ زبان سے نکل رہا ہے دو اور دو چھ، حالانکہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ کتنا مشہور ہے یہ دو اور دو چار یقین ہے اس بات کا۔ وہاں لکھا ہوا ہے صحیح دو اور دو چار زبان سے نکل رہا ہے دو اور دو چھ۔

آنکھ قابل اعتماد نہیں

اب دیکھئے آنکھوں سے یہ ہوتا ہے۔ کسی نیت کی خرابی کی وجہ سے نہیں۔ آنکھ بھی صحیح، حساب بھی صحیح ہے۔ یہ نہیں کہ حساب کرنا نہ جانتے ہوں۔ اس کے باوجود غلطی ہوتی ہے۔ تو ایسی آنکھ کا کیا اعتبار کیا جائے، جو اتنی غلطیاں کرتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے

فرمان پر اعتماد کرنا چاہئے۔جس میں غلطی کا امکان ہی نہیں۔ یہ ساری سننے کے بعد ان صاحب نے پھر گننا شروع کیا اور کہا کہ صاحب یہ تو اب بھی نو سو پچھتر ہی ہیں۔ پچیس روپے اس میں سے نکل گئے۔ اگر آنکھ میں نقصان ہو مثلاً حکیم صاحب بیٹھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یرقان ہو جاتا ہے کسی کو تو اسے ہر چیز زرد نظر آتی ہے، حالانکہ زرد نہیں۔ یہ آنکھ کے اندر نقصان پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہر چیز زرد نظر آتی ہے جبکہ بغیر مرض کے بغیر تکلیف کے آنکھ میں خرابیاں نمودار ہوتی ہیں تو جب آنکھ کے اندر خرابی ہو گی تو کیا کچھ نقصان نہیں ہو گا؟ بعضا آدمی ایسا ہے جس کو بھینگا کہتے ہیں عربی میں احول کہتے ہیں وہ ایک کے دو دیکھتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے احول کا واقعہ۔ ایک استاذ نے شاگرد سے کہا کہ اندر کمرے میں بوتل رکھی ہے اٹھا لاؤ۔ اس نے آکر کہا کہ وہاں دو رکھی ہیں کونسی لاؤں؟ کہا کہ ایک توڑ دے ایک لے آ۔ اس نے ایک توڑ دی اور کہتا ہے کہ دونوں ہی ٹوٹ گئیں۔ دیکھو یہ تو ایک ہی تھی۔ ایک کو دو دیکھ رہا ہے۔ آنکھ کے اندر یہ عیب بھی ہوتا ہے جس آنکھ میں یہ مرض بھی ہو وہ کیا قابل اعتماد ہے مگر جتنا عدد ہے وہ تو اتنا ہی رہے گا۔ اچھا ایک شخص نے یہاں سے جانا چاہا سورت، ایک ہزار روپیہ ہے اس کے پاس۔ رات کا وقت ہے اس سے کہا بھئی۔ ایسا کرو کہ تم پیدل مت جاؤ۔ بس میں چلے جاؤ۔ اس نے کہا کہ میرے تو روپے کم ہو جاویں گے۔ اسے بہت سمجھایا کہ کم نہیں ہونے کے، کیسی بات کہہ رہے ہو۔ یہ تو کم ہو کر رہیں گے۔ جتنے کرایہ کے پیسے ہوں گے وہ کم نہیں ہونے کے۔ نہیں مانا، گیا۔ راستہ میں مل گئے چور۔ پکڑ لیا اس کو پٹائی کی، کپڑے اتار لئے، روپے سارے چھین لئے۔ اب بتائیے اگر پچیس روپے خرچ کر کے کرایہ کے یہ چلا جاتا۔ جان بھی محفوظ رہتی، کپڑے بھی محفوظ رہتے، اور بقیہ روپیہ بھی محفوظ رہتا۔ اس کو کوئی یہ نہیں کہتا سمجھدار آدمی کہ روپیہ کم ہو گیا۔ جب تھوڑے پیسے خرچ کر کے بقیہ کی حفاظت کر لی جائے تو اس کو سمجھدار آدمی یہ نہیں کہتا کہ یہ کم ہو گئے۔

....

حافظ فضل حق کا واقعہ

بات یہ ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ سہارنپور کا واقعہ ہے، ایک صاحب تھے حافظ فضل حق صاحب، ان کا تکیۂ کلام تھا ''اللہ کے فضل سے'' بات بات میں یہ کہا کرتے تھے اللہ کے فضل سے یوں۔ اللہ کے فضل سے یوں۔ بہت ہی صالح شخص تھے۔ بڑے صاحب خیر آدمی تھے۔ حضرت مولانا مظہر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حدیث شریف پڑھاتے وہ پیچھے کھڑے ہو کر ان کو پنکھا جھلا کرتے تھے۔ صبح کو ایک روز آ کر انہوں نے کہا مولانا سے۔ مولوی جی! (اپنی زبان میں) رات تو اللہ کے فضل سے غضب ہی ہو گیا۔ فرمایا کہ حافظ صاحب! اللہ کے فضل سے کیا غضب ہو گیا؟ کہا کہ اجی میں گھر سو رہا تھا۔ کھٹ کھٹ کی آواز آئی۔ دیکھا کہ میرے تالے کو پکڑ کر جھنجوڑ رہے ہیں تین چار آدمی۔ میں نے لیٹے لیٹے تکیہ سے ذرا سر اوپر اٹھا کر کہا کون ہو تم؟ چور ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا دیکھو میرا روپیہ اسی میں ہے۔ اور جی یہ چھ پیسے کا ہے تالا، پر تم سے ٹوٹنے کا نہیں، تم اسے کھول نہیں سکتے۔ میں نے مولوی جی سے سنا تھا کہ جو شخص مال کی زکوٰۃ دے دے تو اس کا مال اللہ کی حفاظت میں آجاتا ہے۔ میں اس روپے کی زکوٰۃ دے چکا۔ میری حفاظت میں ہے ہی نہیں۔ یہ تو اللہ کی حفاظت میں ہے۔ تم نکال ہی نہیں سکتے۔ تو بس جی میں اپنی کروٹ بدل کر سو گیا اور وہ چور صبح تک کھٹ کھٹ کرتے رہے۔ ان سے تالا نہیں ٹوٹا۔ صبح ہوئی بھاگ گئے۔ خیر، ایمان قوی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں بڑی خیر و برکت ہوتی ہے۔ اس واسطے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر یقین اور اعتماد کرنے کی ضرورت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق پر مشرکین بھی یقین رکھتے تھے

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے سچے تھے، صدوق تھے، صادق تھے، امین تھے،

سراپا صدق تھے۔ حتیٰ کہ کافر و مشرک بھی آپ کی بات کو سچا سمجھتے تھے۔ باوجود مخالفت کے ایمان نہیں لائے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کے معترف تھے۔ ایک صحابی ہیں انصاری حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ آئے وہاں امیہ سے ان کے تعلقات تھے۔ امیہ مشرک تھا۔ ایمان نہیں لایا۔ تعلقات تھے آکر اس کے پاس ٹھہرتے تھے اور وہ جب مدینہ طیبہ جاتا تھا تو وہ ان کے پاس ٹھہرتا تھا۔ یہ تشریف لائے انہوں نے امیہ سے کہا، میرا ارادہ طواف کرنے کا ہے، دیکھ لینا کونسا وقت مناسب ہے؟ اس نے کہا کہ جب ذرا دن چڑھے دھوپ تیز ہو جائے تو اس وقت مناسب ہے۔ چنانچہ اس وقت طواف کرنے کے لئے گئے ابو جہل نے دیکھا۔ امیہ سے پوچھا۔ یہ کون ہے تیرے ساتھ؟ بتلایا کہ سعد ابن عبادہ رضی اللہ عنہ۔ کہا اچھا انصاری مدینے کے؟ تم نے پناہ دی ان لوگوں کو جو یہاں سے گئے۔ جن کو ہم نے یہاں سے نکالا اور بڑے امن وعافیت کے ساتھ طواف کر رہے ہو۔ اس پر انہوں نے کہا دیکھ! اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیرا راستہ روک دوں گا۔ تم لوگ جو ملک شام جاتے ہو مدینہ طیبہ کے قریب سے ہو کر گذرتے ہو، ہاشمی اور قریش ہونے کیوجہ سے ہم تمہیں کچھ نہیں کہتے، لیکن اگر تم نے طواف سے روکا تو تمہارا راستہ بند کر دوں گا اور تمہارا معاش اور معیشت موقوف ہے اسی پر۔

"لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ" (سورۃ القریش: ۱،۲)

[چونکہ قریش کے لوگ عادی ہیں یعنی وہ سردی اور گرمی کے موسموں میں (یمن اور شام کے) سفر کرنے کے عادی ہیں۔] (آسان ترجمہ)

میں انکے ان سفروں کا ذکر ہے۔ اسی پر موقوف ہے اور زور سے ڈانٹ کر کہا۔ امیہ نے کہا: کہ زور سے مت بول، اپنے مہمان سے کہا: کہ زور سے مت بول۔ یہ سید اہل الوادی ہے ابو جہل۔ انہوں نے اسے بھی ڈانٹ دیا: کہ پرے ہٹ! میں نے سنا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تجھے قتل کریں گے۔ امیہ نے کہا کہ مجھے؟ کہا کہ ہاں تجھے۔ پوچھا۔ کہاں؟ مکہ میں یا باہر؟

فرمایا کہ یہ نہیں بتایا۔اسی وقت سے اس کے جی کے اندر گھبراہٹ شروع ہوگئی کہ مجھے قتل کریں گے حالانکہ ایمان نہیں لاتا۔لڑائی کے لئے تیار مگر بات جی میں آگئی۔آ کر گھر اپنی بیوی سے کہا۔بیوی نے پوچھا کہ کہاں قتل کرنے کے لئے کہا ہے؟ مکہ مکرمہ میں کہا ہے؟ کہا کہ یہ تو بتایا نہیں ۔اس نے کہا کہ میں تو مکہ مکرمہ سے باہر جانے کا ہی نہیں ۔یہیں رہوں گا۔چنانچہ جب وقت آیا ہے غزوۂ بدر کا اس وقت ابو جہل نے مکہ کے لوگوں کو ابھارا کہ چلو تمہارا قافلہ شام سے آ رہا ہے اس کو روکنے کے واسطے حضور اقدس ﷺ چلے ہیں ۔تم اس کی حفاظت کے واسطے چلو۔بچاؤ کے لئے لوگوں کو ابھارا اور بھیجا۔امیہّ سے بھی کہا۔امیہّ نے کہا کہ میں تو جاؤں گا نہیں کیونکہ مجھے تو یہ بتادیا کہ مجھے قتل کریں گے۔اس نے کہا کہ دیکھ تو سہی جب تو نہیں گیا تو اور لوگ بھی نہیں جائیں گے۔کہا اچھا کچھ دور چل کر چپکے سے واپس آجائیو۔اچھی بات ہے۔جانے کا ارادہ کیا۔بیوی سے سامان سفر تیار کرنے کے لئے کہا۔بیوی نے کہا کہ یاد بھی ہے کیا کہا تھا تمہارے انصاری بھائی نے؟ کہا ہاں یاد تو ہے لیکن مجھے زیادہ دور نہیں جانا ہے جلدی واپس آجاؤں گا۔وہ جناب ہر منزل پر ارادہ کرتا رہا کہ واپس آؤں واپس آؤں لیکن واپس نہ ہوسکا۔چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ قتل کیا گیا۔کہنا یہ ہے کہ جو لوگ مشرک تھے حضور اقدس ﷺ کی تکذیب کرتے تھے ان کا دل تکذیب نہیں کرتا تھا۔

"وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ " (سورۂ نمل: ۱۴)

[اور اگرچہ ان کے دلوں کو ان (کی سچائی) کا یقین ہو چکا تھا، مگر انہوں نے ظلم اور تکبیر کی وجہ سے ان کا انکار کیا۔] (آسان ترجمہ)

ان کے جی کے اندر یقین بیٹھا ہوا ہے لیکن انکار کرتے ہیں یہ انکار جحودی ہے کفر جحود جسے کہتے ہیں ۔اس واسطے حضور اقدس ﷺ کی زبان مبارک کے ساتھ تو صادق ایسا لازم تھا کہ غیر مومن اور کافر کے جی کے اندر ہر بات اتر جاتی تھی کہ ہاں یہ صحیح ہے ۔اس لئے حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کے سامنے تجربہ ومشاہدہ سب بیکار ہیں۔

....

کُتّابے دین

ایک مرتبہ ایک ڈاکیہ تار لے کر آیا کہ کتّابے دین کا تار ہے مدرسہ میں کتّابے دین کا کیا کام وہاں تو کسی قسم کے بھی کتّے کا کام نہیں۔ اصل میں وہ قطب الدین تھا اس کا ناس مار کر ''کتابے دین'' پڑھ رہا ہے۔ لکھا کچھ ہوتا ہے پڑھتے کچھ ہیں۔

یَعْلَمُوْنَ تَعْلَمُوْنَ

اور جو اساتذہ کرام بچوں کو قرآن شریف پڑھاتے ہیں ان کو زیادہ تجربہ ہے۔ بچہ سنا رہا ہے ''یعلمون'' استاذ نے کہا کہ دیکھ کر پڑھ۔ وہ پھر پڑھتا ہے ''یعلمون'' استاذ نے ایک مارا زور سے۔ قرآن شریف سننے میں جلال بہت آتا ہے۔ یہ قرآنی جلال ہے، اس میں نہ بیٹے کی پرواہ ہوتی ہے نہ اور کسی کی، اور اگر کوئی طالب علم بھی جلالی ہو تو اور بات ہو جاتی ہے۔

پٹھان زادہ کا واقعہ

سرحد کے علاقہ میں ایک نواب صاحب نے اپنے بیٹے کی تعلیم کیلئے استاذ عالم کو بلایا، اتالیق بنا کر وہ پڑھاتے تھے اس بچہ کو، کسی بات میں استاذ نے بچہ کے کان پکڑ کر چپت مار دیا۔ بس بچہ تھا۔ پٹھان کا دوڑا ہوا گیا گھر اور بندوق لے کر آیا۔ اب استاذ عالم صاحب یہ بیچارے قال اقول پڑھانے والے ان کو بندوق سے کیا کام؟ اب یہ وہاں سے بھاگے اور بچہ کے باپ کے پاس گئے۔ کہ خانصاحب تمہارا لڑکا مجھے مارتا ہے۔ خان صاحب نے جواب دیا ملّا ملّا ٹیرو، ٹیرو، ملّا تو اور بھی مل جائیگا۔ ہمارے لڑکے کا یہ پیلا پہلا وار ہے خالی نی جانا چاہئے۔ غرض یہ کہ جب استاذ نے مارا چپت ''یعلمون'' پر تب نظر آیا ''یعلمون'' نہیں ''تعلمون'' ہے۔ دو نقطے نیچے نہیں اوپر ہیں اب وہ ''یعلمون'' پڑھ رہا تھا اس میں ''تعلمون'' لکھا ہوا ہے۔ غلطیاں پڑھنے پر بہت

ہوتی ہیں اور یہ صرف قرآن شریف ہی میں نہیں۔ قرآن شریف والوں کو تجربہ ہوتا ہے۔

عربی والوں کی غلطی

عربی والوں کو بھی بہت زیادہ غلطی ہوتی ہے۔ پہلے زمانہ میں جب نقطے دینے کا رواج نہیں تھا ایک صاحب نے قرآن شریف کو بغیر استاذ کے پڑھنا شروع کیا وہ پڑھتے ہیں؛ الٓمٓ ذٰلك الكتاب لا ريب فيه: لا ریب کو لا ریت پڑھ رہے ہیں۔ وجعل السقاية في رحل اخيه میں رحل کی جگہ پر رجل پڑھتے ہیں اب تو شکر یہ ہے کہ نقطے لگ گئے۔ ایسی غلطی تو بند ہوگئی۔ باقی ہاں اور غلطی تو بند نہیں ہوئیں۔

بغیر استاذ کے حدیث شریف پڑھنے والوں کی غلطیاں

ایک جگہ پر طلباء کی ایک جماعت احادیث لکھ رہی تھی۔ کوئی محدث آگئے اور فرمایا۔ اے امیّہ کے لونڈو! تم لوگ حدیث کیسے پڑھتے ہو؟ آسِیِّد اُسَیِّد اُسَیِّد تینوں راوی ہیں ایک طرح لکھے جاتے ہیں کیسے پڑھو گے؟ بغیر استاذ کے تھوڑا ہی پڑھ سکو گے۔ استاذ بتائے گا تلفظ کرے گا تو سمجھ میں آئے گا کہ کیا لفظ ہے؟ لہٰذا آنکھ کی غلطی تو بڑی کثرت سے ہوتی ہے ایک صاحب پڑھ رہے تھے حدثني رسول الله صلى الله عليه وسلم عن جبرئيل عن الله عن رجل سائل پوچھتا ہے کہ یہ رجل کون ذات شریف ہیں جو اللہ میاں کے بھی شیخ ہیں؟ اللہ میاں ان سے روایت کرتے ہیں عن رجل کیا ہے وہ عن رجل نہیں وہ عَزَّ وَجَلّ تھا عَزّ کو عَن بنا دیا۔ واؤ کا را بنا جل تو تھا ہی۔

یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے محدث گذرے ہیں حدیث بیان کر رہے ہیں حدثني عدة، یعنی ایک جماعت نے متعدد لوگوں نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی۔ حاضرین میں سے ایک صاحب پوچھتے ہیں عدة بن من؟ چونکہ وہاں تو بغیر ابنیت کے کام نہیں چلتا۔

اگر کہا جائے حدثنی عبداللہ تو پوچھتے ہیں عبداللہ بن من؟ عبداللہ ابن مسعود؟ عبداللہ ابن عمرو؟ عبداللہ ابن عباس؟ عبداللہ ابن زبیر؟ اس لئے پوچھتا ہے۔ عدۃ بن من؟ کہاں؟ ہوں ابن من؟ بن فقطك۔ یہ انہوں نے جواب دیا۔ اس واسطے اس قسم کی چیزیں ہو جاتی ہیں۔ اس واسطے پڑھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ دیکھنے میں غلطی ہوتی ہے۔ قرآن کریم ہو، حدیث شریف ہو اور کچھ ہو۔

سندھی میں خط

کانپور میں ایک صاحب کے پاس ایک خط آیا۔ اور کئی ایک نے مل کر کہدیا کہ سندھی زبان میں ہے اس کو رکھ دیا۔ تو میں پہونچ گیا۔ مجھے دکھلایا۔ میں نے کہا یار یہ تو اردو ہی میں ہے۔ وہ سارا اردو ہی میں تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تو کہدیا کہ سندھی میں ہے۔

قابل اعتماد چیز

اس واسطے قابل اعتماد تو حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے جو ہر قسم کی غلطیوں سے پاک صاف ہے۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اب جس قدر بھی مال کی محبت کی وجہ سے فتنے فسادات پیدا ہوتے ہیں۔ آدمی چوری کرتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن"

عین چوری کی حالت میں ایمان نہیں رہتا انسان کے پاس۔ آخرت کی وعیدیں کیسی سخت سخت ہیں اور دنیا کے فسادات کتنے سخت سخت ہیں۔ یہ سب کاہے سے مال کی محبت کی وجہ سے ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ما نقصت صدقۃ من مال"

بس صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا جس وقت صدقہ کے فضائل حضور اقدس ﷺ

نے بیان فرمائے تو بعضے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ خود فاقے پر گذارتے تھے کپڑا نہیں ہے نہ سہی لیکن صدقہ کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے محنت ومزدوری کی اور کما کر اس کی اجرت کو صدقہ کیا تا کہ اس لائن میں بھی ہم پیچھے نہ رہیں آگے بڑھیں۔اس لئے جتنے فسادات جتنی خرابیاں مال کی محبت کی وجہ سے ہیں ان سب کا ایک جملہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ و دانشمندانہ حل بتادیا: "ما نقصت صدقة من مال" ایک اور بات ہے۔

مالدار اور فقیر کی کوتاہی

ایک تو ہے مالدار کو یہ کہنا کہ تو مال کی محبت مت کر صدقہ دے یہ تو ہے مالدار کو خطاب۔ایک ہے فقیر۔حاجتمند۔حاجتمند کو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی حاجت کسی کے سامنے پیش نہ کرے اللہ کے سامنے پیش کرے حتیٰ کہ جو شخص ایک روز کا فاقہ برداشت کرے اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرے نہ صراحۃً نہ اشارۃً۔اللہ تبارک وتعالیٰ وعدہ فرماتے ہیں کہ ایک سال تک اس کو حلال روزی عطا فرمائیں گے ایک روز کے فاقہ کی بدولت۔

آج اس مال کی محبت کا ایک دوسرا اثر بھی ظاہر ہو رہا ہے۔فقیر نے تو آیت یاد کر لی اٰتوا الزکوٰۃ مالداروں سے کہتا ہے اٰتوا الزکوٰۃ زکوٰۃ کیوں نہیں دیتے؟ خدا کا حکم ہے زکوٰۃ دو بھائی۔اور مالدار نے یاد کر لیا وہ حکم جو فقیر کے لئے تھا۔سوال کرنا منع ہے۔سوال نہیں کیا کرتے۔جو شخص سوال کرے گا اس کے چہرہ میں گوشت نہیں ہونے کا قیامت کے دن۔سوکھا ہوا ہوگا۔صرف ہڈیاں ہی ہڈیاں ہوں گی۔سوال نہیں کرنا چاہئے تو جو فریضہ مالدار کا ہے وہ مالدار نے بھلا دیا۔اس کو یاد دلانے کے لئے چل دیئے فقیر صاحب ان کے پاس اور جو فریضہ فقیر کا تھا۔فقیر نے بھلایا۔اس کو یاد دلانے کے لئے مالدار صاحب رہ گئے۔لہٰذا یہ بھی اپنے فریضے کو ترک کر رہا ہے وہ بھی اپنے فریضے کو ترک کر رہا ہے۔یہ کاہے سے ہوا یہ بھی مال کی محبت کی وجہ سے ہوا۔اس واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ایک تو یہ ہے کہ مالدار سے کہا

جائے کہ بھئی تم اپنے مال میں سے غریب کو فقیر کو دو

"ولا یومن من یبیت شبعان وجارہ عندجنبہ جائع"

وہ مومن نہیں ہے جو رات کو پیٹ بھر کر سوئے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ یہاں تک فرمایا گیا اور ایک تحریک یہ ہے کہ مالدار کے پاس دیکھو تو اس سے چھین لو نہ چھوڑو اس کے پاس۔

مگر اسلام کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ مالدار کے پاس پیسے دیکھو تو اس سے چھین لو بلکہ حاجتمند کو حکم یہ ہے کہ جب تم اس کے پاس مال دیکھو تو اس کی طرف کوئی التفات نہ کرو۔

"وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى" (سورہ طٰہٰ: ۱۳۱)

[اور دنیوی زندگی کی اس بہار کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کے لئے دے رکھی ہے؛ تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعے آزمائیں۔ اور تمہارے رب کا رزق سب سے بہتر اور سب سے زیادہ دیرپا ہے۔] (آسان ترجمہ)

نظر اٹھا کر مت دیکھو مالدار کے مال کی طرف۔ لہٰذا اس فساد کو دور کرنے کے واسطے ایک بڑے طبقے نے یہ تجویز کیا کہ مالدار کے پاس مال رہنا نہیں چاہئے چھین لو اس سے باغ ہے تو باغ چھین لو۔ موٹر ہے تو موٹر چھین لو، گھر ہے تو گھر چھین لو۔ حتیٰ کہ بیوی ہے اس کے پاس تو بیوی چھین لو۔ ایک فساد مستقل پھیل رہا ہے اسکی وجہ سے ہماری دنیا میں یہ فساد پھیل رہا ہے۔ جو صحیح علاج ہے وہ۔ وہ ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ مالدار کو ادھر تلقین کی جائے کہ تم صدقہ دو زیادہ سے زیادہ، فقیر کو ادھر تلقین کی جائے کہ تم اپنی حاجت کسی کے سامنے پیش نہ کرو۔ صبر و تحمل کے ساتھ رہو۔ دونوں کا وقار قائم رہے گا۔ ہر ایک اللہ کی امانت کے امین ہیں۔ مالدار بھی امین ہے، فقیر بھی امین ہے۔ وہ اپنی امانت کی حفاظت کرے یہ اپنی

امانت کی حفاظت کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

غرض دنیا میں فساد کی بنیادی چیزیں تین ہیں:

(۱)......حب مال۔ اس کا علاج ہے صدقہ کرنا، جس کو بیان کیا گیا۔

(۲)......جذبہ انتقام۔ یہ دوسری چیز ہے، اس کا علاج ہے درگذر کرنا اور معاف کرنا۔

(۳)......بڑائی۔ تیسری چیز بڑائی ہے۔ اپنے آپ کو بڑا جاننا۔ اور دوسروں کو حقیر جاننا۔ اس کا علاج ہے تواضع اختیار کرنا۔ آخر الذکر دونوں چیزوں کو کسی دوسرے وقت بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ اور قبول فرمائے۔ آمین!

◆◆◆

جذبہ انتقام اور معافی

اس بیان میں

☆......حب مال اور جذبۂ انتقام کا فساد اور اس کا علاج۔
☆......معافی کے ثمرات و نتائج۔
☆......معافی کی وجہ سے قبولِ اسلام۔
☆......طلباء کی تادیب اور اس کی حد۔
☆......امن عامہ کو قائم رکھنا سب کی ذمہ داری ہے۔

جذبہ انتقام اور معافی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بَعْدُ!

میں نے کل عرض کیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ فتنے، فسادات پیدا ہوتے ہیں اس کے اسباب پر غور کرنے سے معلوم ہوا چند چیزیں ہیں۔

حب مال اور اس کا علاج

(۱)...... **مال کی محبت:۔** جتنے فتنے مال کی محبت سے پیدا ہوتے ہیں ان کا علاج حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مختصر طور پر فرما دیا۔ مال کی محبت نہیں کرنا چاہئے۔ مگر محبت نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اسکو پھینک دینا چاہئے بلکہ جس حیثیت کیلئے وہ پیدا کیا گیا، اس حیثیت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ضرورت کیلئے پیدا کیا گیا۔ ضرورت پوری کرنے کیلئے، ضرورت پوری کیجئے، ضرورت پوری کر کے اسے چھوڑ دیئے۔ ڈھیلہ ہے استنجاء کیلئے پیدا کیا گیا۔ اس سے استنجاء کیجئے، ڈھیلہ پھینکئے۔ آگے چلئے اب ڈھیلوں کو اٹھا اٹھا کر بٹوؤں میں، اٹیچی میں شاندار طریقہ سے رکھتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے حالات میں ہے کہ وہ ڈھیلہ جیب میں رکھا کرتا تھا۔ اور گڑ کا بھی شوق تھا۔ گڑ کے ڈھیلے بنا بنا کر وہ جیب میں رکھتا تھا۔ بعض دفعہ مغالطہ بھی ہو جاتا تھا۔ ایک کی جگہ دوسرا استعمال کر لیتا تھا۔ اس واسطے جیسے کہ آپ ہوٹل میں گئے۔ آپ نے آرڈر دیا کھانے کیلئے ایک پلیٹ پلاؤ کی آپ نے منگائی۔ بس اب اس میں دس چیزیں بنتی ہیں بکتی ہیں۔ آپ کیلئے تو ایک پلیٹ ہے پلاؤ کی کھائیے، چلئے، ہو

گیا کام۔ دنیا کے سارے ساز و سامان کو کوئی شخص جمع کرنے لگے کہ اکٹھا کر کے اپنے یہاں رکھوں یہ اسکا غلط خیال ہے۔ یہ تو ضرورت پوری کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ضرورت پوری کی اور آگے چلدیا۔زندگی میں اور کام بہتیرے ہیں کرنے کیلئے۔ خیر۔اگر کسی کے دل میں مال کی محبت ہو بھی اور کسی طرح سے نہ نکلتی ہو تو اس کیلئے بھی بڑی اکسیر ہے یہ چیز کہ صدقہ دے، جو کچھ صدقہ دے گا وہ آخرت میں اس کو ملے گا۔ اسی صورت میں بدلہ ضروری نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر صورت میں عطا فرمائیں گے جس چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے، جو چیز یہاں اس دنیا میں زیادہ محبوب ہے اسی چیز کو خدا کے راستہ میں صدقہ کر دے۔وہ چیز وہاں جا کر ملے گی جس کو آپ صدقہ کر رہے ہیں۔خیر۔ایک تو یہ ہے کہ مال کی محبت کی وجہ سے بہت سے فتنے ہوتے ہیں خدا کی نافرمانی ہوتی ہے۔آپس میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں بے اعتمادی ہوتی ہے ایک دوسرے کو دیکھ کر جلتا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

جذبہ انتقام اور اس کا علاج

(۲)......دوسری چیز ہے انتقام۔کسی سے کوئی اذیت پہونچ گئی ہو تو اسکا انتقام لینا۔کسی نے ایک گالی دیدی تو جب تک سات گالیاں نہیں دیدیں گے اس وقت تک جی ٹھنڈا نہیں ہوگا۔کسی نے ایک چپت مار دیا تو اسکے بدلہ میں کئی چپت ماریں گے تو جا کر سکون ہوگا۔کسی نے تھوڑا سا نقصان پہونچایا تو جب تک اس کو پیٹ بھر کر نقصان نہ پہونچاویں گے سکون سے نہ بیٹھیں گے۔ یہ انتقام کا جذبہ جو ہے یہ بڑے فتنہ کی جڑ ہے۔اس کو فرمایا: "وما زاد اللّٰہُ عبدًا لعفو الّا عزًّا" اللہ تعالیٰ معافی کے ذریعہ سے عزت بڑھاتے ہیں۔کوئی شخص اگر کسی کے قصور کو اسی دنیا میں معاف کر دیتا ہے تو یہ نہ سمجھے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ بدلہ نہ لے سکتا تھا اسلئے معاف کر دیا۔بڑا

بودا بڑا اہیجڑا آدمی ہے یہ نہ سمجھے۔ بلکہ معاف کرنے سے عزت بڑھتی ہے۔ حتیٰ کہ جس کو معاف کیا ہے اسکے دل میں بھی عزت بڑھتی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی زباں سے فرمائی ہوئی حدیث کی تشریح حضور اقدس ﷺ کی پاکیزہ زندگی میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ تلاش کیجئے۔ ہر چیز کی تشریح ملے گی۔

آنحضرت ﷺ کا اپنے قاتل کو معاف فرمانا

احادیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سفر میں تھے، دھوپ تیز ہوگئی تو ایک جگہ پر درخت تھے ان درختوں کے نیچے جا کر وقت گذارنے کیلئے ٹھہر گئے جو ذرا اچھے سایہ کا درخت تھا وہ حضور اقدس ﷺ کیلئے چھوڑ دیا۔ بقیہ درختوں کے سایہ میں یہ حضرات خود چلے گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنی تلوار درخت پر لٹکا دی اور سایہ میں لیٹ گئے۔ کچھ دیر میں دیکھا کہ ایک شخص بدّو آیا اور تلوار حضور اقدس ﷺ کی اٹھا کر اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے محمد! بتا اب تجھے کون بچائے گا؟ حضور اقدس ﷺ نے بڑے اطمینان اور سکون سے کہا اللہ بچائیگا۔ اور بچانے والا ہے ہی اللہ۔ اللہ کے سامنے کسی اور کی کیا مجال؟ حضور اقدس ﷺ کے اس جواب پر اس کی وہی کیفیت ہوئی کہ اسکے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ مارتا تو کیا تلوار سے، تلوار سنبھال بھی نہ سکا۔ مار بھی نہیں سکا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ حضور اقدس ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا کہ اے اللہ کے دشمن! تو بتا تجھے کون بچائیگا اب؟ اس نے کہا کہ افسوس میرا ساتھی کوئی یہاں نہیں۔ مجھے بچانے والا کوئی نہیں۔ اتنے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اطلاع ہوگئی، وہ آگئے۔ کیا کرنا چاہیئے؟ کسی نے مشورہ دیا کہ اس کو قتل کردیا جائے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ نہیں نہیں۔ قتل نہیں کرنا ہے۔ کیوں قتل کرو؟ اس نے قتل تھوڑی ہی کیا ہے؟ چھوڑ دیا۔ معاف کردیا۔ باوجود قدرت کے تلوار ہاتھ میں ہوتے ہوئے بھی اور ایسا شخص جو کہ قتل کرنے کا ارادہ

کر چکا تھا، اس کو قتل نہیں کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے معاف فرما دیا۔ وہ شخص شرمندہ ہوا اور اسلام قبول کرلیا۔ بہت قصے ہیں معافی کے۔

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کی معافی اور قبول اسلام

ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کہیں جا رہے تھے، اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے گرفتار ہو گئے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو لے کر آئے، مسجد کے ستون سے باندھ دیا گیا انکو، پوچھا حضور اقدس ﷺ نے پوچھا۔ کیا ہے تمہارے پاس؟ یعنی تمہارے دل میں کیا ہے؟ یہ مطلب نہیں کہ روپیہ پیسہ کچھ ہے تو یہاں رکھ دو، یہ نہیں۔ تمہارے دل میں کیا ہے؟ کیا قصد اور کیا ارادہ ہے تمہارا؟ انہوں نے صاف جواب دیا کہ اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جو مستحق ہے قتل کا۔ چونکہ میں ایمان نہیں لایا ہوں، دشمن کی جماعت میں سے ہوں۔ آپ کو پورا حق ہے قتل کرنے کا۔ اور اگر چھوڑ دیں گے تو یہ آپ کی شانِ عالی کے لائق ہے۔ معاف کر دینا آپ کی شان ہے۔ ایک روز دو روز تین روز تک اسی طرح سے سوال کیا۔ ہر روز یہی جواب دیا۔ حضور اقدس ﷺ نے چھوڑ دیا انہیں۔ گئے، جا کر غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور آ کر حضور اقدس ﷺ کے سامنے ایمان قبول کیا۔ تلوار کے ذریعہ سے مسلمان نہیں کیا۔ معافی کے ذریعہ سے مسلمان ہوئے۔ معاف کرنے سے اتنا قلب ان کا متاثر ہوا کہ واقعی یہ شان نبی ہی کی ہو سکتی ہے، جو ایسے اخلاق عالیہ کے ہوں اور پھر یہ ہوا کہ ان کی بستی سے مکہ والوں کے یہاں غلّہ جایا کرتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد کہلا بھیجا کہ اب ایک دانہ غلہ کا نہیں بھیجا جائیگا جب تک حضور اقدس ﷺ کی اجازت نہ ہوگی، اپنی قوم، اپنے لوگوں کو یوں کہلا کر بھیجا۔

فتح مکہ اور عام معافی

حضور اکرم ﷺ جب مکہ کی طرف چلے ہیں مدینہ طیبہ سے، بڑی جماعت ساتھ تھی اور

ایسی جماعت تھی کہ حضور اقدس ﷺ کا پسینہ جہاں گرے وہاں ان کو اپنے لئے اپنے بدن کے خون گرانا عین سعادت تھی۔ سمجھتے تھے کہ ہم تو پیدا ہی اس واسطے ہوئے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے دین کی خاطر ہم جانیں قربان کر دیں۔ اس شخص کی خوش قسمتی سمجھتے تھے جو اپنے آپ کو پیش کر دے اور شہید ہو جائے۔ ایک مقام پر پہونچ کر رات کو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ آج اپنا کھانا ہر شخص الگ الگ پکاوے۔ چنانچہ جنگل میں وہاں سب نے آگ جلائی۔ الگ الگ کھانا پکا رہے ہیں۔ ادھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو یہ فکر تھی کہ کسی طرح مکہ مکرمہ جانے والا کوئی مل جائے تو اسکی معرفت کہلا بھیجیں کہ حضور اقدس ﷺ مکہ آرہے ہیں، مقابلہ نہ کرو ورنہ سب ختم ہو جاؤ گے۔ وہ اس فکر میں تھے۔ ادھر ایک ٹیلہ پر دو تین آدمی کچھ باتیں کر رہے ہیں، وہ کون تھے؟ مکہ سے آئے ہوئے تھے اس ٹوہ میں، تجسس میں کہ حضور اقدس ﷺ کا کیا ارادہ ہے؟

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

حضرت ابوسفیان اور ایک دو شخص وہ باتیں کر رہے ہیں، کہہ رہے ہیں کہ یہ کون لشکر ہے؟ فلانے بادشاہ کا لشکر ہے؟ نہ وہ تو نہیں۔ فلانا قبیلہ ہے؟ نہ وہ بھی نہیں۔ یہ کیا ہے کہ سارے جنگل میں آگ جلتی ہوئی نظر آرہی ہے، ادھر وہ جل رہی ادھر وہ جل رہی تو یہ کیا چیز ہے؟ اس آواز کو سن کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ ادھر کو آگئے۔ پوچھا کون؟ وہاں تعارف ہوا کہ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ابوسفیان ہیں۔ ابوسفیان نے پوچھا کہ عباسؓ! یہ کیا چیز ہے؟ کون ہیں؟ کہا کہ حضور اقدس ﷺ ہیں۔ انکے ساتھی ہیں، کہاں جا رہے ہیں؟ مکہ مکرمہ جا رہے ہیں۔ ارے یہ اتنے ہو گئے؟ یہ مٹھی بھر آدمی تھے جو وہاں سے بھاگ کر آئے تھے۔ ہاں اتنے ہو گئے۔ کیا ہو گا؟ کہا ہو گا کیا۔ میرے ساتھ آئیو۔ لا کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا کہ ابوسفیان مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ مسلمان ہو گئے۔ انکے ساتھی تھے ان کو چھوڑ دیا کہ تم جاؤ۔ انہوں نے جا کر مکہ میں اطلاع کر دی۔ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ حضور اقدس ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ

نے ایسا ایسا پیغام دیا ہے۔ چنانچہ رات میں ٹھہر کر صبح کے وقت میں جب اس لشکر کی روانگی کا وقت قریب ہوا تو جہاں موڑ تھا اس موڑ پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو یہاں ٹھہراؤ تا کہ ہر لشکر کو ہر جماعت کو سامنے سے گذرتا ہوا اطمینان سے دیکھیں۔ ہر جماعت جارہی ہے قبیلہ جارہا ہے۔ جھنڈا نظر آیا تو پوچھتے ہیں کہ یہ کون قبیلہ ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ فلاں یہ فلانا۔ بھئی اس قبیلہ سے تو ہماری کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔ یہ کیوں جارہے ہیں ان پر چڑھائی کلئے۔ کہا اب تو کفر و اسلام کی بات ہے۔ چاہے لڑائی ہو یا نہ ہو۔ اسکی کوئی بحث نہیں ہے۔ اچھی بات ہے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا واپس لینا

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے چلتے چلتے ایک رجز پڑھا کہا:

"الیوم یوم الملحمۃ الیوم نستحل الکعبۃ"

آج لڑائی کا دن ہے۔ آج کعبہ کو حلال کیا جائے گا۔ خانہ کعبہ میں لڑائی نہیں ہوتی ہے قتال نہیں ہوتا، آج وہاں بھی قتال کیا جائیگا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ سنا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضرت دیکھئے یہ ایسا کہہ رہے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ "الیوم یوم الرحمۃ" آج تو رحمت و شفقت کا دن ہے۔ "الیوم نستعظم الکعبۃ" کعبہ کی تعظیم کا دن ہے آج۔ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے جھنڈا لے لیا۔ لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا کسی اور کو نہیں دیا۔ دیا تو ان کے بیٹے کو (ان کے بیٹے نے وہ جھنڈا خود اپنے پاس نہیں رکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا تھا)۔

کفار مکہ کی درخواست معافی ان کو معاف فرمانا

تاہم وہاں مکہ مکرمہ پہونچ گئے تو جو روٴسا قریش تھے وہ سامنے آئے اور آ کر کہنے لگے حضورؐ! آپ کہاں جارہے ہیں ہم تو آپ کے بھائی ہیں۔ آپ بھائیوں پر چڑھائی کرنے آئے

ہیں۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ہو تو بھائی ہی۔مگر ایسے ہو جیسے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی کہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیا۔بھائی تو ضرور ہو اس میں کوئی شک نہیں۔ انہوں نے کہا:

"لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ"

اللہ نے آپ کو فوقیت عطا فرمائی ہم ہی خطادار تھے۔پس جیسے ہی انہوں نے خطا کا اقرار کیا۔فوراً حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "لا تثریب علیکم الیوم"

آج تم پر کوئی پکڑ نہیں، اللہ معاف کرنے والا ہے۔اب حضور اقدس ﷺ نے اعلانات شروع کئے معافی کے کہ جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلے اس کیلئے امن۔ یہ جو اعلانات شروع کئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضورؐ! ابوسفیان بڑے آدمی ہیں یہاں کے، ان کیلئے بھی کچھ کر دیجئے۔فرمایا: "من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن"

جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو بھی امن ہے۔ان کے لئے بھی ہو گیا۔ایک ایک کا معاملہ پیش کیا گیا۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت آنحضرت ﷺ کی حالت

خود حضور اقدس ﷺ کا حال یہ تھا کہ سرِ مبارک جھکا ہوا تھا۔آنکھوں میں آنسو تھے۔ استغفار پڑھتے ہوئے، اللہ کی حمد کرتے ہوئے۔اس طرح سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں:۔

فاتحانہ مکہ آئے سر جھکائے چشم نم
امن کا اعلان کیا نادم ہوئے اہل وطن

معافی کا اعلان عام

امن کا اعلان تھا۔اس روز معاملہ پیش ہوا ابوسفیان کی بیوی کا۔

....

ہند! ابوسفیان، وحشی کر دیا سب کو معاف
تھک چکے تھے دشمنی کرتے ہوئے جو مرد و زن

ہند کا معاملہ پیش ہوا، جو مسلمانوں کی دشمنی میں بہت سخت تھی، انکے لئے بھی معافی فرمادی۔ ابوسفیان بھی ایمان لے آئے ان سے بھی کوئی انتقام نہیں لیا۔ کچھ وقفہ کے بعد وحشی ایمان لے آئے۔ جس نے آنحضرت ﷺ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ ان کو بھی قتل نہیں کیا۔ معاف فرمادیا۔

کفار مکہ کی معافی اور ان کا قبول اسلام

جو رؤسا قریش تھے ان سے بلا کر پوچھا حضور اقدس ﷺ نے کہ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ انہوں نے کہا: "ان کنت تقتلنا فتقتل ذوی دم" جو لوگ مستحق قتل ہیں آپ ان کو قتل کریں گے ٹھیک ہے، کوئی اعتراض کی بات نہیں مگر حضور اقدس ﷺ نے معاف فرمادیا۔ یہ شرط بھی نہیں کی، تم ایمان لے آؤ تو معاف۔ بغیر شرط کے معاف کر دیا، وہاں سے تو وہ لوگ اٹھے لیکن آپس میں ان کو خیال ہوا کہ ایسا تو نہیں کہ یہاں سب کے سامنے تو ہمیں کہدیا ہو کہ معاف ہے اور ادھر ادھر کسی کو ہمارے پیچھے لگا کر دھوکے سے قتل کر دیا جائے۔ انہوں نے تین روز تک دیکھ لیا کہ مکہ مکرمہ کی گلی کوچوں میں کوئی تو ان کی ٹوہ میں نہیں اور کوئی ان سے تعارض نہیں کرتا۔ کوئی ترچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔ کوئی مسلمان ان کو برا نہیں کہتا۔ حملہ نہیں کرتا، تو ان کو یقین ہو گیا کہ واقعی امن دیا ہے اور پھر اس کے بعد وہ لوگ ایمان لے آئے ہیں۔ جس کو سورۂ نصر میں بیان کیا گیا ہے:

"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا الخ" (سورۃ النصر: ۱، ۲)

[جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج در فوج اللہ کے

دین میں داخل ہو رہے ہیں۔](آسان ترجمہ)

ابوسفیان کی بیوی کا غصہ

ابوسفیان کی بیوی کو اول جب پتہ چلا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے تو بہت غصہ میں آئی اور جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آ کر جلدی سے ان کی ڈاڑھی پکڑ لی کیوں تو بھی ایمان لے آیا؟ مسلمان ہو گیا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کی بندی! لوگوں کا حال دیکھ۔ اس کے بعد بات کرنا۔ چنانچہ مکان کی چھت پر چڑھ کر اس نے دیکھا رات میں۔ کہ ساری رات حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، حجر اسود کا استیلام کر رہے ہیں، مقامِ ابراہیمؑ پر نمازیں پڑھ رہے ہیں، دعائیں کر رہے ہیں، آنکھوں سے ان کی آنسو جاری تھے کوئی کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا کر رہا ہے کوئی سجدہ میں پڑ کر دعا کر رہا ہے، کوئی حطیم میں دعا کر رہا ہے۔ وہ جو فاتحانہ غرور ہوتا ہے وہ کچھ نہیں۔ پاس پاس کو بھی نہیں۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے دین کی خاطر کیا ہے۔ انتقام کی خاطر نہیں کیا ہے ورنہ اس روز اگر انتقام لینا چاہتے تو سب کو ختم کر ڈالتے جنہوں نے ستایا تھا تیرہ سال تک جنہوں نے اذیتیں پہونچائی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو، وہ سب ختم کر دیئے جاتے۔

عثمان ابن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ہجرت سے پہلے ایک قصہ پیش آیا تھا۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا بیت اللہ میں داخل ہونے کا۔ نماز پڑھنے کا لیکن جس شخص کے پاس چابی تھی، عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ نے قفل لگا کر چابی اپنے پاس رکھ لی اور منع کر دیا کہ آپ کو بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ غور کیجئے؟ کتنا سخت مقام ہے یہ۔ گھر کس کا؟ اللہ کا گھر بیت اللہ۔ تعمیر کس نے کیا؟ خلیل اللہ نے ابراہیم علیہ السلام نے۔ داخل کون ہونا چاہتے ہیں؟ حبیب اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہونا چاہتے

ہیں اور منع کرتے ہیں کون؟ عدو اللہ۔ اللہ کے دشمن داخل نہیں ہونے دیتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے دل پر کیا گذرتی ہوگی؟ اس وقت غیرتِ خداوندی کو کس قدر جوش آیا ہوگا؟ لیکن حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اچھا آپ جب ہمیں داخل نہیں ہونے دیتے انشاء اللہ عنقریب وہ وقت آئیگا کہ اس کی چابی ہمارے پاس ہوگی جس کو ہم دیں گے اس کے پاس رہے گی۔ چنانچہ وہ وقت آیا۔ حضور اقدس ﷺ نے چابی منگائی۔ وہ چابی اس شخص کی ماں کے پاس تھی۔ ماں سے اس نے مطالبہ کیا کہ چابی لا، ماں نے انکار کیا چابی دینے سے۔ تلوار لے کر کھڑے ہوگئے یہ یاد رکھ ابھی میں تیری کمر میں تلوار نکال دوں گا اگر چابی نہیں دی۔ اپنی ماں سے یہ معاملہ کیا وہ چابی لے کر آئے اور آ کر دروازہ کھولا۔ حضور اقدس ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ سجدہ شکر ادا کیا، نماز پڑھی۔ دعا کی۔ جب باہر تشریف لائے تو اس وقت عرض کیا گیا کہ حضور اقدس ﷺ اب یہ چابی اس کو مت دینا۔ اسی وقت آیت نازل ہوئی: "ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا" اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جس کی امانت ہے اس کی امانت اسی کے حوالہ کی جائے چنانچہ چابی اسی عثمان ابن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ کو دی کہ ہمیشہ کیلئے تم کو یہ چابی دے رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے یہ اخلاق کریمانہ اور یہ عدل و انصاف دیکھ کر عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ کلمۂ شہادت پڑھ کر فوراً اسلام میں داخل ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ آج تک اسی کے خاندان میں وہ چابی چلی آرہی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے لوگوں کو اس اس طریقہ پر معاف کیا ہے۔ ساری مبارک زندگی معافی سے بھری ہوئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ تو بہت اونچی حیثیت رکھتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کے خدام، ادنیٰ خدام۔ انہوں نے معافی کا بہت بڑا کام انجام دیا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے نفس کیلئے دعا فرمانا

حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانہ میں بادشاہ تھے۔ بادشاہت کو چھوڑ کر فقیری اختیار کرلی۔ ایک دفعہ کہیں دریا کے کنارے بیٹھے۔ اپنی گدڑی سی رہے تھے۔

وہاں بادشاہ یا کوئی اور کشتی میں سوار تھے۔ مجمع تھا کشتی میں۔ رائے ہوئی کہ یہاں کچھ گانا بجانا ہونا چاہئے۔ گانے بجانے کے ساز و سامان تو موجود تھے مگر ایک سر پٹے کی ضرورت تھی۔ وہ نہیں تھا کوئی یعنی اسے درمیان میں محفل کے بٹھا لیا جائے۔ ایک ادھر سے چپت مارے، ایک ادھر سے چپت مارے۔ تفریح رہے گی۔ سر پٹا تلاش کرنے کے لئے باہر نکلے۔ یہ کہیں بیٹھے ہوئے گدڑی سی رہے تھے۔ انہیں پکڑ لے گئے۔ جا کر کے کشتی میں بٹھا دیا اور گانا بجانا شروع ہوا اور ان کے چپت لگنے شروع ہوئے۔ یہ اللہ کے بہت بڑے ولی تھے۔ حدیث قدسی میں ہے: "من اٰذیٰ لی ولیًّا فقد اٰذنته بالحرب" جو میرے کسی ولی کو ستاتا ہے تو میں اس کے لئے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کو آدمی گالیاں دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برداشت کرتے ہیں، وہ حلیم ہیں لیکن اللہ کے ولی کو اگر گالیاں دی جائیں، ستایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو برداشت نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کے ساتھ جب یہ معاملہ ہو رہا تھا ان کو الہام ہوا کہ تم کہو تو اس کشتی کو الٹ دیں، ان سب کو غرق کر دیں۔ یہ اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں؟ انہوں نے کیا جواب دیا؟ انتقام کا انتقام نہیں لیا۔ جواب یہ دیا کہ اے بار الٰہا! جس طرح سے آپ کو اس بات پر قدرت ہے کہ کشتی کو الٹ کر تباہ کر دیں اس بات پر بھی تو قدرت ہے کہ اندھوں کی آنکھیں کھول دیں، جو کچھ یہ حرکت کر رہے ہیں ان کی خرابی ان کے سامنے آجائے۔ جب ہی انہوں نے توجہ کی دعا کی۔ جتنے بیٹھے تھے سارے کے سارے ولی ہو گئے۔ اپنے ساتھ برا کرنے والے کے ساتھ یہ حضرات انتقام کیا لیتے ایسا معاملہ کرتے تھے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا چور کے ساتھ سلوک

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ رات میں اپنے مکان پر تہجد پڑھ رہے تھے چور آیا۔ چور نے تلاش کیا ادھر اُدھر کچھ ملا نہیں۔ اس لئے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے سلام پھیرا تو وہ چھپ کر کہیں کھڑا ہو گیا کونے میں کہ دوبارہ جب یہ نیت باندھیں گے تو

چلا جاؤں گا۔ اتنے میں کوئی شخص آیا اس نے آ کر اطلاع دی کہ فلاں جگہ ایک ابدال کا انتقال ہو گیا ان کی جگہ دوسرا قائم مقام کرنے کی ضرورت ہے۔ بس چور کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اسے لے جاؤ اسے ابدال بنوا دیا۔ وہ چوری کرنے کے لئے آیا تھا جہاں معمولی چیز ملتی اس کی نیت بہت کمزور تھی۔ دماغ کی پرواز بہت معمولی تھی۔ اپنی حیثیت کے مطابق چوری کرتا۔ انہوں نے اس کا انعام دیا اپنی شانِ عالی کے مطابق۔

ایک بزرگ کا انتقام کیلئے فرمانا

اسی طرح ایک اور بزرگ کے حال میں ہے کہ کوئی عورت کنویں پر کھڑی پانی بھر رہی تھی۔ اس نے کچھ مذاق کا فقرہ کہا تو ان بزرگ نے اپنے خادم سے کہا کہ اس کو چپت مارو۔ جلدی چپت مارو۔ اس نے چپت نہیں مارا کہ معمولی سی بات ہے۔ برا کہا۔ کیا ہوا؟ خوب بدلہ لے رہے ہیں۔ بس وہ عورت وہیں گری اور گر کر ختم ہوئی۔ تب انہوں نے فرمایا کہ تم نے دیر کی اس وجہ سے ایسا ہوا۔ جس وقت اس نے اپنی زبان سے سخت لفظ نکالا تو میں نے دیکھا کہ قدرت خداوندی کو جوش آیا، غضب بڑھ گیا، اگر تم مار دیتے میرے کہنے کے مطابق تھوڑا سا بدلہ ہو جاتا۔ اس کو اس قہر سے نجات مل جاتی۔ تم نے نہیں مارا جس سے اس کا یہ حال ہوا۔ اگر کسی سے صورۃً انتقام ہے بھی تو اس شان کے ساتھ ہے ویسے نہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا دشمن کو معاف فرمانا

اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے بھائی داراشکوہ دونوں میں جنگ تھی لڑائی ہوئی۔ خوب زور و شور کی ہوئی۔ داراشکوہ کو شکست ہوگئی۔ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو فتح ہوگئی۔ اور وہ جو سپہ سالار تھا فوج کا اس کو لایا گیا پوچھا گیا کہ کیا معاملہ کیا جائے یا کیا سزا دی جائے۔ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ نہیں کوئی ضرورت نہیں اور اس کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ بجائے سزا دینے اور قتل

کرنے کے اپنی فوج کا سپہ سالا بنا دیا۔ معاف کر دیا۔ اور کہا کہ یہ لوگ تو تخت کے وفادار ہیں کل تو قع تھی کہ دارا شکوہ کو تخت مل جائے گا اس کے ساتھ کام کیا۔ اب وہ توقع ختم ہوگئی۔ جس کے پاس تخت ہو گا یہ اس کا کام کریں گے۔ ان کو تو نہ مجھ سے کوئی تعلق ہے نہ دارا شکوہ سے۔ بہرحال معاف کر دیا۔ معاف کرنے کی بڑی عجیب شان ہے۔

خلیفہ مامون رشید رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک

خلیفہ مامون الرشید کو رات میں کسی کام کی ضرورت پیش آئی۔ غلام کو آواز دی۔ غلام کمرے میں لیٹے ہوئے تھے کوئی بولا نہیں۔ یہ خود اٹھ کر آئے اور آواز دی۔ وہ پہلے جاگ رہے تھے مگر سب خاموش ہو گئے۔ ایک بولا ان میں سے، کہ ان غلاموں کو پھانسی دیدو، نہ دن میں چین نہ رات میں چین۔ سخت لفظ کہے۔ مامون الرشید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش رہے کسی وزیر کو معلوم ہوا کہ رات ایسی ایسی صورت پیش آئی وزیر نے کہا کہ غلام بہت بد اخلاق ہو گئے ہیں۔ ان کی اصلاح ہونی چاہئے۔ مامون الرشید نے جواب دیا۔ تو کیا ان کے اخلاق کی اصلاح کیلئے میں خود بد اخلاق بنوں؟ یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ وہ معاف کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وما زاد اللہ عبدا بعفو الا عزا" جو شخص لوگوں کے قصور کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکی عزت بڑھاتے ہیں۔ بسا اوقات دنیا میں بھی اسکی عزت زیادہ ہوتی ہے جس کو معاف کیا اسکے دل میں بھی قدر و قیمت پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ کے یہاں تو عزت کا معاملہ بالکل صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان عفوّ ہے وہ غفور ہے رحیم ہے۔ "الا تحبون ان یغفر اللہ لکم" کیا تمہیں یہ بات محبوب نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے۔ جب اپنی خطاؤں کی معافی کی اللہ سے امید رکھتے ہو تو دوسروں کی خطاؤں کو بھی معاف کرو۔

"ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"

[تم زمین والوں پر رحم کھاؤ، آسمان والا تم پر رحم کھائے گا۔]

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

اس واسطے جذبۂ انتقام بہت مفاسد اپنے اندر رکھتا ہے۔

استاد کا بچوں کو سزا دینا

اصلاح احوال اور چیز ہے جذبۂ انتقام اور چیز ہے۔ہمارے یہاں جو اساتذہ بچوں کو پیٹتے ہیں جن کے سبق یاد نہیں ہوتا بچے کہنا نہیں مانتے اللہ معاف کرے۔ یہ جذبہ تو بہت کم ہوتا ہے کہ بچوں کی خیر خواہی مقصود ہو استاذ صاحب کی بات نہیں مانی۔استاذ کہتا ہے کہ پانچ دفعہ کہہ دیا تجھے،دس دفعہ کہہ دیا تو یاد نہیں کرتا ہے۔خالی بیٹھا رہتا ہے۔تو زیادہ غصہ اس بات پر ہے کہ تو نے ہماری بات مانی کیوں نہیں ورنہ تو یوں کہتے کہ دیکھو! خالی بیٹھنے سے سبق یاد نہیں ہوتا۔ یہ نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ تجھے دس دفعہ کہدیا پھر بھی سبق یاد نہیں کرتا۔زیادہ غصہ اس بات پر ہے اسی غصہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے یاد نہیں کرتے۔بڑے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اک مرید ہیں ایک گاؤں ہے۔ دودھ گڑھ۔وہاں ایک قاری صاحب تھے وہیں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ بڑے حضرت کو معلوم ہوا کہ قاری صاحب بچوں کو پیٹتے ہیں۔تو حضرت نے کہلا کر بھیجا تھا کہ قاری صاحب سے کہو کہ جب غصہ آیا کرے تو اپنا سر دیوار پر مار لیا کریں،بچوں کو نہ مارا کریں۔

بچوں کو مارنے کی حد

اور مارنے کی بھی حد ہے فقہاء نے لکھا ہے،شامی میں موجود ہے،اس لئے اس سے زیادہ جو ماریں گے تو قیامت کو یہ بچے انتقام لیں گے۔حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے، بچے کو ایک دفعہ میں تین چپت سے زیادہ مارنے کی اجازت نہیں ہے، اور وہ

بھی چہرہ اور سر پر نہیں، وہ بھی زیادہ زور سے نہیں، قمچی سے، لکڑی سے، چمڑے سے، ان میں سے کسی سے مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ بچے تو نہیں یہاں؟ اس واسطے جذبہ انتقام میں مست ہو کر، غصہ میں بھر کر سزا دینا غلط طریقہ ہے۔ ہاں اصلاح مقصود ہو تو دوسری بات ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی پٹائی

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی بہت پٹائی ہوئی تھی۔ ان کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مارا کرتے تھے اور مارتے مارتے جب تھک جاتے تھے پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے تب کہا کرتے تھے کہ میرے مارنے سے اگر تو مر گیا تو شہید ہوگا۔ مجھے ثواب ملے گا۔ یہ فرمایا کرتے تھے۔ خود بھی شیخ ؒ نے کتنی کتنی جگہ پر لکھا کہ پٹائی کا ایک تھپڑ لگا اور یہ ہوا یہ ہوا یہ ہوا۔ وہ شان دوسری ہے ان کو جتنا غصہ اور جتنی پٹائی اپنے لڑکے کی کرتے تھے غیروں کے بچوں کی اتنی پٹائی نہیں کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص جذبہ تھا انتقام کا جذبہ نہیں تھا۔ وہ خیر کا جذبہ غالب تھا۔ اس کی وجہ سے کرتے تھے۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جو استاذ بچوں کو مارتا اور مار کر پڑھاتا ہے اس کو پڑھانا نہیں آتا۔ زیادہ پٹائی سے بچے بے حیا ہو جاتے ہیں۔ آگے کو کام نہیں کرتے ہیں۔

جرم ایک سزائیں مختلف

اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں تین آدمی پیش کئے گئے تینوں کے تینوں ایک جرم میں۔ انہوں نے کیا سزا دی؟ ایک کو تو گھور کر دیکھا دوسرے کو کچھ ڈانٹا دھمکایا،

تیسرے کو کوڑے لگوائے۔ وزیروں نے کہا کتنا بڑا ظلم ہو رہا ہے۔ جرم ایک ہے سزائیں سب کی الگ الگ ہیں۔ اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ افسوس جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے۔ جاؤ تینوں کے حالات کی تحقیق کرو۔ پہلا شخص جس کو گھور کر دیکھا تھا اس کے مکان پر پہونچے تو وہاں تو کفن و دفن کا انتظام ہو رہا ہے، اس کا انتقال ہوگیا، غیرت کی وجہ سے کہ بادشاہ نے گھور کر دیکھ لیا۔

دوسرے شخص کے مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ حکیم جی کو بلایا جارہا ہے۔ بیہوش پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرے کو دیکھا کہ بازار میں کھڑا ہے۔ ڈانڈا لئے ہوئے کہ اتنے جوتے لگ گئے اتنے کوڑے لگ گئے اور لگ جاویں گے۔ تو مزاج الگ الگ ہے سب کا، یہ نہیں کہ سزا ایک ہو۔ معلوم ہوا کہ مزاج اور نفسیات کی رعایت کرتے ہوئے سزا دینا چاہئے، جس طرح علاج میں مزاج اور نفسیات کے پہچاننے کا خاص دخل ہوتا ہے، مرض ایک ہونے کے باوجود ہر مریض کو اس کے مزاج کے اعتبار سے الگ دوا دیجاتی ہے، سب کو ایک ہی دوا نہیں دیجاتی، یہی حال سزا کا بھی ہے، لہٰذا سب مجرمین کو ایک ہی سزا دینا صحیح نہیں ہے۔

امن عامہ کو قائم رکھنا سب کی ذمہ داری ہے

وہ بہت گہرے آدمی تھے عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ خوب دیکھتے بھالتے تھے۔ ایک بازار میں ایک مرتبہ دو آدمیوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ جوتا چل گیا۔ مقدمہ آیا۔ تحقیق کیا کس بازار میں؟ کہاں؟ فلاں جگہ پر اچھا۔ پانچ دکاندار ادھر کے پانچ دکاندار ادھر کے بلائے گئے۔ ان کے دس دس جوتے لگوادیئے۔ شور مچ گیا کہ لڑائی کرے کوئی پٹائی ہو ہماری یہ کیا بات ہے؟ یہ بڑا ظلم ہے۔ مگر حال یہ ہوگیا کہ اس وقت سے کہ اگر دو آدمی ذرا زور سے بھی بولتے تھے تو دوکاندار اٹھ کر آتے تھے۔ یہاں جھگڑا کر کے ہمیں پٹواؤ گے۔ تو یوں فرمایا کہ امن عامہ کو قائم رکھنا تمام کی ذمہ داری ہے۔ یہ مرغوں کو لڑا کر بیٹھ کر تماشہ دیکھتے ہیں۔ اپنی ذمہ داری کو نہیں سوچتے۔ تو

اصلاح احوال اور ہے جذبہ انتقام اور ہے۔ یہاں جو فرمایا گیا: "مازاد اللہ یعفو الا عزا" اپنے نفس کے حقوق کوئی شخص معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں۔

جذبہ انتقام اور حدودِ شرع کے تحفظ میں فرق

حدیث میں خود موجود ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے نفس کی خاطر کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے نفس کی خاطر کسی سے انتقام لیا ہی نہیں۔ ہاں جہاں احکام شرع پامال ہوتے ہوں، وہاں حضور اقدس ﷺ کو بھی غصہ آتا تھا، سزا بھی دیتے تھے، احکام شرع کی حفاظت اور چیز ہے اور اپنے نفس کا غصہ اور چیز ہے۔ ان دونوں میں فرق کرنے کی ضرورت ہے۔ فسادات پیدا ہوتے ہیں، نفس کے جذبہ انتقام سے ان سے بچنے کی ضرورت ہے۔ باقی دین کی باتوں کی حفاظت کے لئے احکام شرع کے تحفظ کے لئے ہر شخص ایک مقام رکھتا ہے۔ جس کا جیسا مقام ہو اس طریقہ پر انتظام کرسکتا ہے۔

فتویٰ کفر

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک مرتبہ تذکرہ تھا کفر کے فتویٰ کا، فلاں نے فلانے کے کفر کا فتویٰ دیا۔ فلانے نے فلانے کے کفر کا فتویٰ دیا۔ تھوڑا وقت اس میں خرچ ہوا۔ علماء کی جماعت تھی وہ باتیں کررہے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ خاموش تھے۔ پھر حضرت بولے۔ فرمایا کہ کن لغویات میں پڑے ہو؟ یاد رکھو قیامت کو جو بخشش ہوگی تمہارے فتوے پوچھ پوچھ کر نہیں ہوگی۔ خدا کی قسم ایسے لوگ بھی ہوں گے جنکو تم پکا کافر کہتے ہو مگر وہ کھلے جنت میں جائیں گے۔ ہاں شرعی احکام کے انتظام کی خاطر کبھی فتویٰ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ زیادہ وقت اس میں خرچ مت کرو۔ اپنے کام میں لگو۔ اسی لئے شریعت کے نظام کو درست رکھنے کے لئے فتویٰ دینا اور چیز ہے۔

....

شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہما

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنے طبقے کے مشائخ عظیمہ میں سے تھے وہ اور شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ دونوں ایک زمانے میں تھے۔ شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق؟ تو انہوں نے فرمایا وہ زندیق آدمی ہیں اس کے بعد جب شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا تو کہا کہ قطب وقت کا انتقال ہوگیا پوچھا کہ ان کا آخرت میں کیا معاملہ ہے؟ کہا کہ بہت اونچے آدمی ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ نے تو زندگی میں ہمیں روک دیا کہدیا کہ زندیق ہے۔ کہا کہ ہاں ان کے اوپر کچھ جذب کا اثر آ گیا تھا۔ باتیں اتنی اونچی کہتے تھے کہ تمہاری سمجھنے کی نہیں تھیں۔ وہ تو زندیق نہیں تھے، بلکہ اونچے درجہ کے تھے۔ تم زندیق ہو ہی جاتے ان کی باتوں کو سن کر۔ یہ انتظامی شان دوسری ہے لیکن ہر شخص انتظام کو اپنے ہاتھ میں لے لے کہ سارے علماء کا انتظام کرنے والا میں ہی ہوں یہ سخت خطرناک ہے اس سے بچنا چاہئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جس کو جو حیثیت عطا فرماتے ہیں وہ اس حیثیت سے کام لے، ہر ایک کی حیثیت الگ الگ ہے، غرض جتنے جھگڑے فسادات ہوتے ہیں بڑی تعداد تو مال کی محبت سے ہے، اور دوسری تعداد فتنوں کی ہے جذبۂ انتقام سے۔ اس کو فرمایا کہ معاف کرنے سے عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں درجات بلند ہوں گے۔ بڑا نفع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماوے آمین۔

ایمان،تقویٰ،صِدق

اس بیان میں

☆......ایمان کی حقیقت،مومنین کی صفات۔

☆......تقویٰ کی حقیقت اور اس کے حصول کا طریقہ۔

☆......مدرسہ وخانقاہ کی ضرورت واہمیت۔

☆......اجتماعی اعتکاف کی اہمیت۔

ایمان،تقویٰ،صِدق

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔

حق تعالیٰ سبحانہ کاارشاد ہے کہ:

اے ایمان والو !اللہ کاتقویٰ اختیار کرو،اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اس میں تین چیزیں ہیں:

(۱)......ایمان۔ (۲)......تقویٰ۔ (۳)......صدق۔

ایمان جن لوگوں کو پہلے سے حاصل ہے ان کو خطاب ہے۔ یہ نہیں کہ کافروں کو کہا جارہا ہے کہ تم اگر ایمان لے آؤ،ان کو دوسری جگہ پر کہا گیا۔ یہاں ایسے لوگوں کو خطاب ہے جن کے اندر ایمان موجود ہے،ان کو خطاب ہے کہ تم تقویٰ اختیار کرو،اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

ایمان کی حقیقت

ایمان کے کیا معنیٰ ہیں؟ مان لینا۔حضرت نبی پاک ﷺ کی ذات عالی پر اعتماد کرتے ہوئے،انکے لائے ہوئے احکام کو،دین کو مان لینا،یہ ایمان کا حاصل ہے۔صرف جان لینا نہیں،بلکہ مان لینا۔جانتے مشرک و کافر بھی تھے حضور اقدس ﷺ کو،چالیس سال تک

آپکی ایسی پاکیزہ زندگی گذری کہ سب کو تعجب تھا، آپ ﷺ کو صدوق کہتے تھے، اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھا کرتے تھے، اس وقت تو کوئی مذہبی نزاع تھا ہی نہیں۔ جب چالیس سال پورے ہو گئے اور آپ ﷺ پر غارِ حرا میں وحی آنا شروع ہوگئی اور آپ ﷺ کو پہونچانے کا حکم ہوا، تب ان لوگوں نے اختلاف کیا، کسی نے مانا، کسی نے نہیں مانا۔ ماننے والے تو بہت ہی کم تھے۔ اکثر انکار کرنے والے تھے، یہاں تک کہ چوں کہ چالیس برس کی زندگی پاکیزہ گذری جن میں کوئی انگشت نمائی کی گنجائش نہیں۔ اعتراض کا موقع نہیں ملا، اس واسطے بعضے لوگ تو یہ کہتے تھے کہ آپ تو سچے ہیں لیکن آپ کے پاس جو وحی لاوے وہ جھوٹ بولتا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کو جھوٹا کہنے کی ان کو ہمت نہیں ہوتی تھی۔ چالیس برس تک آزما چکے تھے۔ دیکھ چکے تھے اچھی طرح سے۔ کیسے کہدیں ایک دم سے کہ ارے یہ تو جھوٹ بول رہے ہیں۔ تو ایمان کے معنی مان لینا، صرف جان لینا نہیں۔ ایک شخص ایک ملک میں ایک شہر میں پہونچتا ہے وہاں اس کے علم میں ہے وہ جانتا ہے کہ یہاں کا فرماں روا بادشاہ ہے، اس کا قانون ہے، اس کی کچہری ہے۔ اس کا جیل خانہ ہے۔ اس کے دفاتر ہیں۔ اس کے افسر ہیں سب باتین جانتا ہے اگر اس کے ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی کرلے کہ مجھے یہاں کی حکومت کے قانون کے ماتحت زندگی گذارنی ہے تو وہ وہاں کا شہری اور وفادار کہلائے گا۔ اور اگر جاننے کے باوجود وہ مانتا نہیں کہ آہ میں اس قانون کو نہیں مانتا۔ یہ کہتا ہے تو وہ شخص وہاں کا شہری نہیں، باغی ہے۔ تو قرآن کریم کو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ کو جو لوگ جانتے ہیں مگر احکام پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں یہ فیصلہ نہیں کرتے کہ ہمیں زندگی ان کے ماتحت گذارنی ہے یہ فیصلہ انہوں نے نہیں کیا وہ مومن نہیں ہیں۔ مومن وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنی پوری زندگی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے ماتحت اور پابند ہو کر گذارنی ہے۔ وہ لوگ مومن ہیں۔ انہیں کو خطاب ہے۔

مومن کی صفات

سورۂ انفال میں مومن کی صفات کو بتلایا ہے۔بتلایا کہ کیا ہیں؟:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا. (سورۂ انفال:۲،۳،۴)

مومن کی صفات یہ بیان کی گئی ہیں کیا؟"اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ" جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے وجلت قلوبھم ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال سے ہیبت زدہ ہوجاتے ہیں اور جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا ایمان قوی ہوجاتا ہے۔یقین پختہ اور مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے اور اپنے رب پر وہ بھروسہ اور توکل کرتے ہیں۔نماز قائم کرتے ہیں،زکوٰۃ دیتے ہیں۔یہ لوگ درحقیقت سچ مچ مومن ہیں۔چوں کہ ایمان کا ترجمہ تصدیق قلبی کا ہے۔دل سے کسی بات کو مان لینا یہ ایمان کہلاتا ہے۔اور قلبی چیز تو ایسی ہے کہ وہ غائب ہے۔دوسروں کو اس کا کیسے پتہ چلے۔اس لئے اقرار باللسان کو ایمان اس لئے کہا جاتا ہے تاکہ تصدیق پر دلالت کرنے والی چیز تصدیق کے قائم مقام ہوجائے۔

تقویٰ کا حکم

تو فرمایا گیا کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے۔یعنی جب تم نے فیصلہ کرلیا تو اپنے اس ایمان کی حفاظت کرو۔ایمان کی حفاظت کیسے ہو؟ تقویٰ اختیار کرو تب تو ایمان کے اندر خیر باقی رہے گی اور اگر تقویٰ اختیار نہ کیا تو ایمان کمزور ہوتے ہوتے کہیں ختم نہ ہوجائے۔ایمان کو پختہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تقویٰ کیا چیز ہے؟ جانتے ہو؟ کہا کہ آپ کسی کٹیلے راستہ پر کو گذرے ہیں جہاں جھاڑی کھڑی ہوں، کانٹے والی خاردار درخت ہوں، ان میں کو راستہ ہو ایسے راستہ میں کو کبھی گذرے؟ ہاں گذرا ہوں۔ کیسے گذرا کرتے ہیں؟ کہا کہ کپڑے اور جسم کو بچا کر گذرا کرتے ہیں کہ راستہ بھی طے ہو جائے۔ نہ کپڑے پر کانٹے لگیں اور نہ بدن پر کانٹا لگے۔ اس احتیاط کے ساتھ گذرتے ہیں بتایا کہ یہی تقویٰ ہے۔ آدمی اپنی زندگی ایسے طریقہ پر گذارے کہ اس کا ایمان بھی خراب نہ ہو، عمل بھی خراب نہ ہو۔ جو ماحول کے کانٹے لگے ہوئے ہیں سب طرف ان کانٹوں سے بچ بچ کر چلا جائے۔ یہی تقویٰ ہے۔ نماز پڑھتا ہے تو یہ سوچتے ہوئے کہ نماز میں کسی سے بات نہ کریں۔ نماز میں کھانا نہ کھائے، پانی نہ پیئے، نماز میں ادھر اُدھر نہ جائے کہ نماز ٹوٹ جائے گی ساری خراب ہو جائیگی۔ روزہ رکھتا ہے تو سوچتا ہے پان نہ کھائے، سگریٹ، بیڑی نہ پیئے، حقہ نہ پیئے، رزہ ٹوٹ جائیگا بچ بچ کر چلتا ہے تو دل کے اندر ایک خوف ہوتا ہے جو خدا کی نافرمانی سے روکتا ہے وہ ہے تقویٰ۔ جب اللہ کو اللہ تسلیم کرلیا، اسکو حاکم علی الاطلاق مان لیا، اسکے احکام کے ماتحت زندگی گذارنے کا فیصلہ کرلیا تو اب اسکے احکام کو پورے طور پر بجالانا چاہئے اور عدول حکمی سے قانون شکنی سے پورا پورا پرہیز کرنا چاہئے۔ اگر یہ صورت اختیار کی گئی تو ایمان باقی رہیگا بلکہ قوی اور مضبوط ہوتا چلا جائیگا اور اگر یہ صورت اختیار نہیں کی، تقویٰ اختیار نہیں کیا تو ایمان کمزور ہوتا چلا جائیگا نہ ایمان میں اتنی طاقت رہے گی کہ معاصی سے روک سکے نہ اتنی طاقت رہے گی کہ شرک وکفر کی باتوں سے روک سکے۔ ایمان اتنا کمزور ہوتا جائیگا۔ ایک شخص ریل میں سفر کر رہا ہے۔ اسکے ساتھ اس کا بچہ ہے بچہ کی عمر ۱۴ رسال کی ہے۔ ۱۴ رسال کے بچہ کا ٹکٹ پورا لگتا ہے لیکن بچہ دیکھنے میں کچھ کم معلوم ہوتا ہے۔ ٹکٹ آدھا لیا ہے۔ آگیا ٹی، ٹی، اس نے پوچھا کیا عمر ہے اسکی، کہدیا اس کی عمر

نو سال کی ہے۔اب کرایہ بچانے کے واسطے اس کی عمر کم بتادی جس ایمان میں اتنی طاقت نہیں کہ جھوٹ بولنے سے دھوکہ دینے سے روک سکے وہ ایمان ذریعۂ نجات کیسے بنے گا؟ سوچنے کی بات ہے۔ایمان ہی تو ذریعۂ نجات ہے۔جب ایمان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ جھوٹ سے روک دے، دھوکہ دینے سے روک دے، تو وہ کیسے مومن ہوگا؟

دھوکہ دینے والا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ بازار کی طرف تشریف لے جارہے تھے ایک شخص کا غلہ کا ڈھیر پڑا ہوا ہے تجارت کیلئے، حضور اقدس ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ دیا۔اندر سے غلہ نکالا تو بھیگا ہوا نکلا۔حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیا؟ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! بارش ہوئی تھی بھیگ گیا تو اس کو میں نے نیچے کر دیا۔تاکہ گاہک دیکھے نہیں۔اسے پتہ نہ چلے کہ اندر سے بھیگا ہوا ہے۔آپ نے فرمایا: "من غشنا فلیس منا" جو ہمارے ساتھ دھوکہ بازی کرے وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

جس ایمان میں اتنی طاقت نہ ہو کہ خدا کی نافرمانی سے روکدے اس کے اوپر کیا سہارا کیا جائے گا۔

ایک شخص سامان بیچتا ہے۔کھوٹا سامان ہے، نقلی سامان ہے کہہ دیتا ہے کہ اصلی ہے۔اعلیٰ درجہ کا ہے، اس توقع پر جھوٹ بولدیتا ہے کہ یہ خرید لیگا تو کچھ پیسے مجھے نفع کے مل جائیں گے۔جس ایمان میں اتنی طاقت نہیں کہ جھوٹ بولنے سے روکدے وہ ایمان سہارے کے قابل ہے؟ اسکے ذریعہ کیا توقع ہے کہ نجات ہوگی۔آج جھوٹ بولنے سے نہیں روکتا ہے، دھوکہ دینے سے نہیں روکتا ہے، کل کو خدانخواستہ موقع ہو جائے تو شرک وکفر سے بھی نہیں روک سکے گا اور چنانچہ ہوتا ہے۔جہاں ایک زد پڑی، اسی زد کے اندر آکر اپنے مسلمان ہونے سے بھی انکار کر دیتا ہے، کفر کو اختیار کرلیتا ہے۔نام بھی اپنا بدل دیتا ہے، صورت وشکل بھی بدل دیتا ہے۔یہ سب کچھ کرلیتا ہے۔

شرعی داڑھی نہیں

ہمارے یہاں ایک صاحب تھے اب تو انتقال ہوگیا بیچارے کا،صوفی قسم کے آدمی تھے۔ویسے تو انگریزی تعلیم یافتہ تھے،مزارات سے ان کا تعلق تھا،سجادہ صاحب تھے۔طبیعت میں تمسخر بہت تھا۔کہنے لگے کہ بھائی صاحب دیکھئے میری داڑھی،شرعی داڑھی ہے۔نہیں۔آج رکھی ہوئی ہے کل کو منڈ بھی سکتی ہے۔صاف صاف خود کہہ رہے ہیں کہ میری ڈاڑھی شرعی ڈاڑھی نہیں ہے۔آج رکھی ہے کل کو منڈ بھی سکتی ہے۔تو جو اعمال خیر آدمی کرتا ہے اگر وہ شرعی اعمال نہیں،آج کر رہا ہے کل کو ترک بھی کر سکتا ہے، آج نماز پڑھ رہا ہے کل کو نماز چھوڑ بھی سکتا ہے آج قرآن پڑھ رہا ہے کل کو قرآن چھوڑ بھی سکتا ہے۔

بچوں کا گھر اور ریل

لہٰذا ایمان میں جو طاقت پیدا ہوتی ہے وہ تقویٰ سے ہوتی ہے۔چھوٹے بچے مکان بناتے ہیں چار لکڑیاں لے آئے چھوٹی چھوٹی اور جناب چار کونوں پر گاڑ دی ایک،چادر اوپر تان دی گھر ہوگیا۔ہاں گھر تو ہوگیا لیکن ہوا کے ایک جھونکے کو نہیں برداشت کرسکتا یہ گھر۔ایک بارش کو برداشت نہیں کرسکتا، گرمی کی تپش نہیں روک سکتا یہ،سردی کی ٹھنڈک سے نہیں روک سکتا ہے یہ،تھوڑی دیر کو تفریح کا سامان ضرور بن گیا۔بچے ریل بناتے ہیں،ایک اینٹ کے برابر اس طرح سے دوسری تیسری اینٹ کھڑی کر دی قطار لگا کر۔ادھر سے قطار میں ماری ایک لات وہ اینٹ اس میں سے گری دوسری اسمیں سے گری تیسری۔ریل ہوگئی،ریل چلی۔ریل تو انہوں نے بنالی لیکن اس پر کیا سفر کرسکتے ہیں؟ مسافت قطع کرسکتے ہیں اس کے ذریعہ سے؟ نہیں کرسکتے ہیں۔ایسا ہی حال ہے بچوں کا کھیل ہے۔

مضبوط ایمان کا حال

ایمان ان حضرات کا تھا جنہوں نے دکھلا دیا کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ایسا

قوی ایمان عطا فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو ایمان سے ہٹا نہ سکی ایک چیز سے نہیں روک سکی۔ایمانیات کی۔

موحّد چہ در پائے ریزی زرش　　چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس　　ہمین است بنیاد توحید وبس

[موحّد کے سر پر تم سونا رکھ دو یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دو، اس کو نہ کسی سے امید ہوتی ہے نہ خوف، یہی توحید کی بنیاد ہے اور بس۔]

انکے سامنے اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیے جاتے ہیں تو ان کی طبیعت میں طمع وحرص پیدا نہ ہو، انکے سامنے چمکتی ہوئی تلوار ان کی گردن پر رکھ دی جائے تو ان کے اندر کوئی خوف و ہراس پیدا نہ ہو،طمع و لالچ جو کچھ ہے وہ اللہ کی نعمتوں کا ہے اللہ کی ذاتِ عالی کے ساتھ وابستہ ہے خوف و ہراس جو کچھ ہے وہ اللہ کی نافرمانی کا ہے،اس کی نافرمانی سے ڈرنا اور بچنا چاہیئے۔

ایمان کا تقاضہ

فرماتے ہیں: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ" اے ایمان والو! جب تم نے یہ فیصلہ کرلیا کہ ہم اپنی زندگی حضور اقدس ﷺ کے لائے ہوئے دین کے ماتحت ہو کر گذاریں گے۔اس فیصلہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ کے رسول کو ناپسند ہو،اللہ کو اور اللہ کے رسول کو ناخوش کرنے والی ہو،اس سے بچیں،احتیاط برتیں،تو ایمان قوی ہوگا،مضبوط ہوگا۔

تقویٰ حاصل ہونے کا طریقہ

اور " كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" صادقین کے ساتھ مل جاؤ،تقویٰ کا طریقہ کیا ہے۔تقوی کا طریقہ یہ ہے کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔تو جیسا ماحول ہوتا ہے ویسے ہی آدمی پر اثرات پڑتے ہیں۔آدمی بازار میں بیٹھتا ہے جہاں جھوٹی قسمیں کھائی جاتی ہیں، جھوٹے

بھاؤ بتائے جاتے ہیں۔غلط سلط سودے کو اچھا بتا کر بیچا جاتا ہے،ویسا ہی اس پر اثر پڑیگا جب جھوٹوں کے پاس بیٹھے گا۔اور جو شخص جس گناہ کا عادی ہو جاتا ہے اس گناہ کو تو گناہ بھی نہیں سمجھتا ہے۔ اس کو خیال بھی نہیں آتا کہ میں کوئی گناہ کا کام کر رہا ہوں۔ایک شخص شراب پیتا ہے،عادی ہے شراب کا،آہستہ آہستہ اسکے ذہن سے شراب کی حرمت وخباثت،نجاست سب ختم ہو جاتی ہے،وہ تو گناہ نہیں سمجھتا ہے۔جیسا کہ پانی پی لیا جاتا ہے کھانا کھانے کے بعد،اسی طرح وہ سمجھتا ہے شراب کو بھی۔اسی طریقہ سے جو لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں۔عدالتوں اور کچہریوں میں رات دن جھوٹے حلف اٹھاتے رہتے ہیں،جھوٹی قسمیں کھاتے رہتے ہیں،جھوٹ بولتے رہتے ہیں، ان کو احساس ہی نہیں ہوتا ہے کہ ہم گناہ کے کام کر رہے ہیں۔ہر چیز کے متعلق یہی ہے۔لہٰذا جب آدمی ایسے ماحول میں ہے جہاں معصیت عام ہے نافرمانی سب کے سب میں لگی ہوئی ہے تو جب تک وہ اس ماحول کو نہیں چھوڑے گا،اس وقت تک اس کی اصلاح آسان نہیں، لہٰذا وہاں سے نکل کر ایسے ماحول میں آجائے کہ جہاں سب سچ بولتے ہیں۔

ایک شخص بیمار ہے گھر میں اچھا کھانا پکتا ہے مگر اس کے لئے معالج نے تجویز کر دیا پرہیز۔اب سب لوگ بڑھیا کھانا لذیذ کھانا کھا رہے ہیں۔یہ پرہیزی کھانا کھاتے ہیں اس سے برداشت نہیں ہوتا۔یہ سب کے سب اسی طریقہ پر کھانا کھائیں تو اس سے مرض میں اضافہ ہوگا۔ اور سب کے سب پرہیزی کھانا کھائیں وہ ان سے نہیں ہوتا۔لہٰذا اس ماحول کو تبدیل کر کے اس کو ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے کہ وہاں پرہیزی کھانا ملے گا،دوسرا کھانا موجود نہیں ہے۔اس کا علاج آسان ہو گیا۔سہولت رہے گی۔چونکہ ماحول وہاں ایسا ہی ہے بس یہی بات ہے۔ایک شخص ایمان لایا اور آپ کے پاس آیا کہ نماز مجھے سکھاؤ۔آپ ایک ایک لفظ ایک ایک چیز اس کو سکھائیں گے،پڑھائیں گے،بیٹھ کر بہت دیر لگے گی۔اس کی صورت یہ ہے کہ جہاں سب لوگ نمازی ہیں وہاں اس کو داخل کر دیا جائے۔جس طرح سے سب کو کرتا دیکھے گا کہ وضو اس طرح سے کرتے ہیں نماز اس طرح سے پڑھتے ہیں،قیام ہے،قرأت ہے،

رکوع ہے،سجود ہے،بہت جلدی اس ماحول کی وجہ سے اس کو نماز آجائے گی تو حالات کے بدلنے اور اصلاح کرنے کی بہترین صورت ماحول کی تبدیلی ہے۔

اور "کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ" سے یہی بتلانا مقصود ہے کہ صادقین کے ماحول میں آجاؤ۔صادقین کے ماحول میں آجاؤ گے تو سب بات ٹھیک ہو جائے گی۔

ہجرت کی حکمت

یہی نکتہ ہے کہ ابتداء میں مدینہ طیبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور وہاں آس پاس کے لوگ مسلمان ہوئے تو سب کے واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما دیتے کہ مدینہ طیبہ آجاؤ۔ہر ایک کو دین کیسے سکھایا جائے۔ہر ایک کے واسطے آدمی بھیجا جائے،ایک ایک ایسی بستی کے لئے ایک ایک آدمی بھیجا جائے کئی کئی آدمی بھی کافی نہیں۔اس کا طریقہ بھی یہی تھا کہ سب کے سب مدینہ طیبہ میں جمع ہو جائیں اور چرچہ ایمان ہی کا ہو،اعمال صالحہ کا ہی چرچہ ہو،یہی رات و دن کا مشغلہ ہو،کوئی سکھانے والا،کوئی سیکھنے والا،کوئی پڑھنے والا،کوئی پڑھانے والا ،غرض اسی طریقہ پر کام چلے گا۔

"اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے،دیکھا کہ ایک طرف تو بعضے لوگ دعاء میں نماز میں مشغول ہیں اور دوسری جانب میں کچھ لوگ بیٹھے ہیں۔مسئلے مسائل کی باتیں کر رہے ہیں۔کوئی پوچھ رہا ہے کوئی بتا رہا ہے کوئی پڑھ رہا ہے،کوئی بتا رہا ہے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں جماعتیں خیر پر ہیں۔یہ بھی اور وہ بھی جو لوگ دعا میں تلاوت میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ ان کی مانگی ہوئی مرادیں پوری کرے یا مناسب نہ سمجھے تو نہ پوری کرے اور یہ لوگ تعلیم کا کام کر رہے ہیں۔دین کے سیکھنے سکھانے کا۔

"اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔آخر اس میں آ کر بیٹھے۔

اہل صفہ کا حال

ایک مرتبہ تشریف لائے، اصحاب صفہ کی بڑی جماعت تھی ان بیچاروں کا حال یہ تھا کہ کسی کے پاس دو کپڑے نہیں، ایک ہی کپڑا تھا کرتا تھا تو نیچے تہہ بند نہیں اور تہہ بند تھا تو اوپر چادر نہیں، ایسی حالت میں تھے وہ حضرات، حتیٰ کی ایک آدمی دوسرے آدمی کے بدن سے اپنے بدن کو چھپاتا تھا کہ کھل نہ جائے کہیں کتنی تنگی کی حالت تھی۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا کر ان کے پاس بیٹھتے۔ یہ لوگ دین سیکھنے کیلئے پڑے ہوئے تھے۔بس اور کوئی مشغلہ انکا نہیں تھا۔ صرف دین سیکھنا ہی مشغلہ تھا۔ یہی ان کا مدرسہ تھا، یہی دارالاقامہ تھا۔ یہی دارالمطالعہ تھا ان کا سب کچھ یہی تھا۔ایک چبوترہ بنادیا تھا جس کو صفہ کہا کرتے تھے۔اور یہ لوگ اصحاب صفہ تھے ان کا مطبخ کیا تھا؟ کھانے کا؟ انصار کے یہاں باغات تھے کھجوروں کے، وہ کھجوروں کے گچھے لا کر لٹکا دیتے تھے،کسی نے ایک کھجور کھائی کسی نے دو کھالی۔کسی نے تین کھالی،بس یہ ان کا مطبخ تھا۔تو سارے ماحول سے کٹ کر یہ ایک ایسے ماحول میں آگئے تھے کہ جہاں دین ہے، دین کے علاوہ کوئی اور چیز ہے ہی نہیں۔ان لوگوں کو پیسہ روپیہ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ایک شخص کا انتقال ہوگیا تو اس کے سامان میں سے ایک اشرفی نکلی آپ نے فرمایا:

"دینار کئی من النار دینار ان کیان من النار" ایک دینار ہوگا تو آگ کا ایک داغ لگے گا۔دو دینار ہوں گے تو آگ کے دو داغ لگیں گے،یعنی وہ لوگ سب چیزوں سے ایسے ہٹ کر کٹ کر ایسا ماحول انہوں نے بنالیا تھا کہ اس میں پیسہ، روپیہ رکھنے کی اجازت اور گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔

صادقین قیامت تک رہیں گے

یہی صورت ہے "كُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ" کی کہ سچوں کی جماعت کے ساتھ ہو جاؤ

لوگ کہتے ہیں کہ صاحب سچے آدمی تو دنیا میں رہے نہیں، وہ غلط کہتے ہیں اگر سچے آدمی نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ کیوں حکم فرماتے کہ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے۔ یقینا سچے موجود ہیں اور ایک نہیں جماعتیں موجود ہیں۔ صادقین موجود ہیں۔ ان کے ساتھ ہو جاؤ اور رہیں گے صادقین۔ اور جس روز صادقین ختم ہو جائیں گے، تو بس اس دنیا کا کارخانہ ہی سارا ختم ہو جائیگا اس لئے ایمان کے پختہ اور قوی کرنے کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے اور تقویٰ اختیار کرنے کی صورت ہے کہ صادقین کے ماحول میں آدمی اپنی زندگی گذارے۔

بچوں کیلئے مدرسہ کی ضرورت

بچے اپنے مکان پر نہیں پڑھتے ہیں، ماں باپ کیا کرتے ہے؟ دور دراز مدرسہ میں بھیجد یتے ہیں، بس وہاں رات و دن مشغلہ ہی پڑھنے کا ہے۔ کھیل کود بھی اگر ہے بچوں کے لئے تو وہ بھی مدرسہ کے اندر ہی ہے، غلط قسم کی صحبت سے محفوظ رہیں گے، ہر وقت پڑھنے پڑھانے کے کام میں لگے رہیں گے حالات درست رہیں گے۔

خانقاہوں کی ضرورت

یہی صورت ہوتی تھی مشائخ کے یہاں کہ ان کی خانقاہ میں آگئے، سب طرف سے ہٹ کر کٹ کر، بس نماز پڑھنا ہے، تسبیح وظیفہ پڑھنا ہے۔ ان بزرگ کی باتیں سننی ہیں۔ ان کی باتوں سے قلوب کے اندر جلا پیدا ہوتا ہے، ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے، اللہ کی یاد آتی ہے، خشیت پیدا ہوتی ہے اپنی اصلاح کے واسطے کسی خانقاہ میں کسی بزرگ کے یہاں پہونچ گئے یہ صورتیں ہوتی ہیں۔

اجتماعی اعتکاف کی اہمیت

اللہ تبارک وتعالی نے اعتکاف بھی اس کا ایک خوبصورت اور بہترین طریقہ بتایا ہے،

سب لوگ ایک نیت کے ساتھ اللہ کو راضی کرنے کے لئے،گناہوں کو چھوڑنے کے لئے،اپنے گناہ پر نادم ہونے کے لئے مسجد میں آپڑے ہیں۔اور کوئی مشغلہ نہیں،دوکانداری نہیں کرنی ہے،یہاں بیٹھ کر کھیتی انہیں نہیں کرنی ہے ملازمت انہیں نہیں کرنی،اپنے بیوی بچوں سے نہیں ملنا،بس اللہ تعالیٰ نے کھانے کا بھی انتظام فرمادیا ہے۔رہنے کا بھی،ٹھہرنے کا بھی انتظام فرمادیا ہے۔عافیت کے ساتھ یہاں پڑے ہیں،صادقین کی ایک جماعت ہوگئی۔

"کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"

صادقین کے ساتھ رہو تقویٰ آئے گا اور تقویٰ سے ایمان قوی ہوگا،کاش اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی قدر نصیب فرمادے،قدر کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دروازے کھلے ہوئے ہیں

تو خداوند تعالیٰ کی طرف سے تو دینے کے دروازے کھلے ہوئے ہیں،وہاں تو کمی مانگنے والوں کی ہے دینے کی کچھ کمی نہیں ہے،اسی وجہ سے آتا ہے روایات میں کہ سماءِ دنیا پر آواز دی جاتی ہے کہ کوئی ہے سوال کرنے والا؟ کہ اس کے سوال کو پورا کروں؟ کوئی ہے گناہوں سے توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کوئی ہے مغفرت چاہنے والا کہ اس کی مغفرت کروں؟ کوئی ہے رزق طلب کرنے والا کہ اس کو رزق دوں؟ یہ آوازیں وہاں سے آتی ہیں،اس واسطے آج ۱۲/ ۱۳/ روز گذر چکے ہیں۔کچھ حصہ باقی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ قدر کی توفیق دے وہاں تو یہی ہے کہ جس قدر آدمی حق تعالیٰ کے انعامات کی قدر کرے گا شکرادا کرے گا،اسی قدر حق تعالیٰ کی نعمتیں زیادہ سے زیادہ نازل ہوں گی اس پر۔

اللہ رب العزت تقویٰ اختیار کرنے اور صادقین کی جماعت میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اصلاح قلب

اس بیان میں

اصلاح قلب کی ضرورت واہمیت اور بعض اہل اللہ کے واقعات کا بیان ہے۔

اصلاح قلب

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

ایک حدیث شریف میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ فِیْ جَسَدِ الْاِنْسَانِ لَمُضْغَۃٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔

[بے شک انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ صحیح ہوجاتا ہے پورا جسم صحیح ہوجاتا ہے، اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے پورا جسم خراب ہوجاتا ہے، خبردار وہ دل ہے]

ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا حق تعالیٰ نے رکھا ہے اور شان اس کی یہ ہے کہ اس کے اندر صلاحیت آجاتی ہے تو تمام جسم میں صلاحیت آجاتی ہے۔ اس کے اندر خرابی آتی ہے، تو تمام جسم میں خرابی آتی ہے، جانتے ہو اس کا کیا نام ہے؟ اس کا نام ہے قلب۔ جس طرح ایک بادشاہ ایک علاقہ میں حکومت کرتا ہے۔ سب ماتحت اس کا حکم مانتے ہیں، اور وہ ایک مقام پر بیٹھا ہوا ہے اپنے مکان پر اپنے دیوان خانہ میں، کچہری میں، کسی جگہ پر ہے مگر پردوں کے پیچھے ہے۔ ہر شخص وہاں تک نہیں جاسکتا ہے، وہاں سے جو بات چلتی ہے تو دوسرے آدمیوں کے ذریعہ سے چلتی ہے اور ان کے ذریعہ سب جگہ پر پھیلائی جاتی ہے۔ باقی چلتی اسی کی ہے جو اندر بیٹھا ہوا ہے۔

قلب بمنزلہ بادشاہ کے ہے

اس طریقہ پر انسان کا جسم بمنزلہ ایک شہر کے ہے اور اس کے اندر سینے میں قلب ہے، بعضے لوگوں نے کہا کہ قلب نام ہے عقل کا، آدمی عقل سے سمجھتا ہے۔

"لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا" (سورۃ الاعراف:۱۷۹)

[انہیں وہ دل حاصل ہوتے ہیں جو انہیں سمجھ دے سکتے ہیں۔]

سمجھ کا تعلق عقل سے ہے۔ لہٰذا قلب سے مراد عقل ہے اور عقل کا محل بتلا دیا دماغ کو یہ صحیح نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

"لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ" (سورۃ الحج:۴۶)

[حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔] (آسان ترجمہ)

قلوب کا محل بتلا دیا، کیا ہے؟ صدور ہے۔ قلب سینہ میں ہے دماغ میں نہیں ہے، بہرحال قلب کا کام سمجھنا ہے اور تمام اعضاء پر حکومت کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام کو سمجھے اور تمام جسم کے اعضاء پر اس کو نافذ کرے، جاری کرے، یہ قلب کا کام ہے۔ کسی کا قلب سمجھتا نہیں صحیح طور پر بلکہ بات غلط سمجھتا ہے اور غلط طریقہ پر حکمرانی کرتا ہے تو جب حکمرانی غلط ہوگی تو نتیجہ نہایت خراب ہوگا۔

ایک شہزادہ کا واقعہ

ایک کتاب ''اخلاق محسنی'' میں ایک قصہ لکھا ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں پڑھا تھا۔ ایک شہزادہ شکار میں جا رہا تھا۔ چلتے چلتے سب ساتھیوں سے علیحدہ ہوگیا اور ایک باغ میں پہونچ گیا۔ وہاں باغ والوں نے خاطر مدارات کی، دیکھا کہ ایک بہت بوڑھا آدمی پودے لگا رہا

ہے۔شہزادہ نے کہا کہ بڑے میاں پودے کاہے کے واسطے لگا رہے ہو۔تمہارا پیر تو قبر میں لٹک رہا ہے۔مرنے کے قریب ہو رہے ہو۔اس کا پھل تم تھوڑا ہی کھا سکتے ہو۔اس نے جواب دیا کہ ہمارے بڑوں نے درخت لگایا،اس کا پھل ہم نے کھایا،ہم لگائیں گے تو آگے کو ہماری اولاد کھائے گی اور کیا بعید ہے کہ ہم بھی کھالیں۔شہزادہ نوجوان تھا اس نے فوراً قسم کھائی اگر تم اس درخت کا پھل کھاؤ تو میری بیوی پر طلاق۔بات تھی ختم ہوگئی چلا گیا۔کچھ مدت کے بعد بادشاہ کا انتقال ہوا۔شہزادہ اس کا جانشین ہوا۔پھر وہ اس طرف کو باغ میں سے گذرا۔باغ والوں نے خاطر مدارات کی۔باقی پہچانا نہیں کہ کون ہے۔باغ والے نے اس کے سامنے پھل لا کر پیش کیا۔بادشاہ نے پھل لیا اور کچھ لانے والے کو دیا کہ تم بھی کھالو۔اس نے لے تو لیا مگر کھایا نہیں۔کوئی اور بچہ آیا اس کو دے دیا۔اس نے پوچھا کہ تم نے کیوں نہیں کھایا؟ کہا کہ ایک نکتہ ہے اس میں کیا نکتہ ہے؟ اس نے کہا کہ شہزادہ یہاں کو گذرا تھا۔میں اس وقت اس درخت کا پودا لگا رہا تھا۔اس نے یہ بات کہی تھی اب احتمال ہے کہ اس نے بڑے ہو کر شادی کر لی ہو اور اس کو یاد بھی نہ ہو۔میں اس درخت کا پھل کھالوں۔شرط کے موافق اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے۔جب بادشاہ کو خبر نہ ہو بیوی پر اس کی طلاق واقع ہو جائے تو بڑی خرابی کی بات ہے۔جب بادشاہ کے گھر ہی میں بیوی غلط طریقہ پر ہو،ناجائز طریقہ پر تو آگے رعایا کا کیا حال ہوگا؟ سب میں فساد آئے گا۔اب اس کو یاد آیا کہ ہاں یہ تو میرا ہی قصہ تھا۔شہزادہ نے کہا کہ تم تو بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو۔آؤ تم کو اپنا وزیر بنالوں۔اس نے کہا کہ یہ تو مناسب نہیں۔کیوں؟ اس واسطے کہ آپ مسلمان ہیں اور میں غیر مسلم ہوں۔بادشاہ مسلمان غیر مسلم وزیر۔نظام صحیح نہیں چلے گا۔جو زنار گلے میں پہنے ہوئے تھا اس کو توڑ دیا۔اور کلمہ طیبہ پڑھا:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

کہا: کہ میں مسلمان ہوگیا۔اب بنالو وزیر۔نظام جب ہی صحیح رہے گا جب کہ بادشاہ اور وزیر ایک خیال اور جذبہ کے ہوں اگر جذبہ اور خیال دونوں کا الگ الگ ہوگیا تو وہ نظام

صحیح نہیں رہے گا۔ سوچنے کی بات ہے کہ ایک غیر مسلم تعلیم یافتہ جنگل میں رہنے والا، درخت اور پودے لگانے والا اتنا لحاظ کرتا ہے۔ آج ہم لوگوں سے اتنا لحاظ بھی نہی ہوتا کہ کسی قسم کی بات کی رعایت کر دیں۔ تو بادشاہ پردہ کے اندر ہے اندر سے احکام نافذ کر رہا ہے باہر والے اس کی تعمیل کر رہے ہیں۔ آنکھ کو اشارہ کرتا ہے اندر سے حکم دیتا ہے فلاں طرف منھ کو اٹھاؤ۔ ادھر کو اچھی سی صورت جا رہی ہے اس کو دیکھو آنکھ اطاعت کرتی ہے اور فوراً دیکھتی ہے۔ زبان کو کہتا ہے کہ فلاں لفظ بولو۔ زبان اس کی اطاعت کرتی ہے۔ پیر سے کہتا ہے کہ فلاں سمت چلو۔ پیر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہاتھ سے کہتا ہے کہ فلاں چیز کو کرو، ہاتھ فوراً مس کرتا ہے۔ غرض تمام اعضاء پر جو حکومت ہے وہ قلب کی حکومت ہے۔ قلب اندر سے حکومت کرتا ہے اعضاء اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اگر قلب کے اندر صلاحیت ہوگی تو ان اعضاء کو وہ صحیح حکم کرے گا۔ اور یہ اعضاء اس کی اطاعت کریں گے اور اگر قلب کے اندر صلاحیت نہیں بلکہ فساد بھرا ہوا ہے تو وہ غلط قسم کے احکام نافذ کریگا اور اعضاء غلط کام کریں گے تو ظاہر بات ہے کہ:

"كَمَا تَكُونُوا يُوَلّٰى عَلَيْكُمْ"

جیسے تم ہو ویسے تمہارے اوپر والی بنایا جائے گا۔ جیسے رعایا کا حال ہوگا ویسے ہی اس کے اوپر حاکم بھی ہوں گے۔ اور جیسا حاکم حکم کرے گا ویسی رعایا ہوگی۔ یہ تو حالت ہوتی ہے۔

بادشاہ کی نیت کا اثر

بادشاہ کی نیت خراب ہوتی ہے تمام رعایا پر اس کے اثرات پڑتے ہیں۔ اسی میں (اخلاق محسنی) میں دوسرا قصہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ایک بادشاہ ایک باغ میں پہونچا۔ باغ بڑا ہرا بھرا، پھلوں سے لدا ہوا، باغ والوں سے کہا کہ بھئی مجھے پیاس لگ رہی ہے مجھے پانی پلاؤ۔ تو

باغ والا اٹھا اس نے ایک انار کو توڑا، اور اس کو نچوڑا جس سے دو کٹورے شربت کے بھر گئے۔ آدھے انار سے، بادشاہ نے پیا، اور اپنے جی میں سوچا کہ بھئی یہ تو باغ بڑا ہرا بھرا ہے،، بہت شاندار ہے اس کو حکومت کے حق میں ضبط ہو جانا چاہئے۔ حکومت کی ملکیت ہو جانا چاہئے۔ یہ رعایا کی ملک میں کیوں ہے یہ سوچ کر چلدیا۔ پھر واپس آیا تو پھر کہا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ اس نے پھر انار توڑا، اس میں سے رس نکالتا ہے تو رس نہیں نکلتا ہے۔ دو انار میں سے آدھا کٹورا نکلا اور اس نے بہت ہی افسوس کیا کہ: اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس نے بہت پوچھا کیا بات ہے؟ کہا: کہ جی بادشاہ وقت کی نیت خراب ہوگئی۔ برکت اٹھ گئی۔ پہلے آدھے انار سے دو کٹورے بھر گئے تھے۔ اب دو انار سے آدھا کٹورہ رس آیا۔ بادشاہِ وقت کی نیت خراب ہوگئی۔ اس کو خیال آیا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے میری نیت کی وجہ سے باغ پر اتنا اثر پڑا اپنے جی ہی جی میں اس نے توبہ کی اور کہا کہ میں اس کو قبضہ میں نہیں کروں گا جس کے قبضہ میں ہے اسی کے قبضہ میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست کرلیا اور کہا کہ بھئی مجھے تھوڑا سا انار کا رس اور پلادو۔ اب کے جو اس نے توڑا۔ اور اس میں سے رس نکالا تو پھر اسی طرح سے آدھے انار میں دو کٹورے رس کے بھر گئے۔ کیا ہوگیا۔ کیا ہوا جی یہ؟ کہا کہ اجی بادشاہ وقت کی اب نیت ٹھیک ہوگئی۔ ہم تو رات و دن اس کا تجربہ کرتے ہیں۔ بادشاہ کی نیت خراب ہوگئی تو اس کے اثرات تمام رعایا پر پڑتے ہیں۔

قلب کی نیت کا اثر

تو قلب کی نیت بھی اگر خراب ہوگی تو رعایا پر اس کا اثر پڑے گا ہر چیز غلط کرے گی۔ اس واسطے حدیث پاک میں ہے کہ قلب میں صلاحیت آجائے تو تمام جسم میں صلاحیت آجائے گی۔ اس کے اندر اگر خرابی آجائے تو تمام جسم میں خرابی آجائے گی۔ انسان غلط قسم کی غذا کھاتا ہے جس سے کہ خون پیدا ہوتا ہے اور قلب میں پہنچتا ہے قلب کو

اس سے غذا پہنچتی ہے غلط قسم کے خون کی تو قلب کے اندر فساد پیدا ہوتا ہے۔ خرابی پیدا ہوتی ہے۔ ہر جگہ پر خرابی ہی خرابی چلتی رہتی ہے۔ اس لئے قلب کی اصلاح کی زیادہ ضرورت ہے۔ ہاتھ پیر تو تابع ہیں قلب کے۔ قلب جدھر کو چلاتا ہے ادھر کو چلتے ہیں قلب کے اندر اگر صلاحیت ہوگی تو طاعات کا قربات کا حکم دے گا اعضاء قربتوں میں لگ جائیں گے۔ نماز کیلئے حکم کرے گا تو نماز پڑھے گا، آ کر روزہ کیلئے کہے گا تو روزہ رکھیں گے، حج کیلئے کہے گا حج کیلئے جائیں گے اور اگر قلب کے اندر خرابی ہے تو بجائے نماز کی طرف جانے کے وہ کسی اور طرف چلدے گا۔ پیر تو اطاعت کریں گے وہاں جائیں گے جہاں قلب کہہ رہا ہے۔ اس واسطے ساری خرابی پیدا ہوگی۔

جنت کی نعمتوں کا حال

اور احادیث میں آیا ہے کہ جنت کی نعمتوں کا یہ حال ہوگا کہ آدمی کسی چیز کی جب خواہش کرے گا۔ دل کے اندر خواہش پیدا ہوئی فلاں چیز کی بس فلاں چیز حاضر ہوجائے گی۔ درخت کے اوپر پھل لگا ہوا ہے طبیعت میں خواہش پیدا ہوئی فوراً درخت کی شاخ سامنے آجائے گی۔ اس کو توڑ و۔ قلب کے ارادے کے ماتحت ہوں گی وہاں کی نعمتیں۔ قرآن پاک میں ہے:

"فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ"

اور "وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ" (سورۂ حم السجدة:؟)

[اور اس جنت میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جس کو تمہارا دل چاہے، اور اس میں ہر وہ چیز تمہارے ہی لئے ہے جس کو تم منگوانا چاہو۔] (آسان ترجمہ)

جس چیز کو جی چاہے وہ حاضر۔ بات کیا ہے اس میں؟ بات یہ ہے کہ جنت کی جو نعمتیں ہیں وہ نعمتیں انسان کے اعمال صالحہ اور اخلاق سے بنتی ہیں۔ جیسے اعمال اس دنیا میں کرتا ہے ویسی ہی نعمتیں اس کیلئے جنت میں تیار ہوتی ہیں اور یہاں کے جو اعمال ہیں وہ تابع ہیں قلب کی

خواہش کے۔قلب جس کام کی خواہش کرتا ہے ویسے اعمال انسان کے بدن سے صادر ہوتے ہیں۔لہٰذا جو اعمال صالحہ کئے تھے ان اعمال صالحہ کی جنت میں نعمتیں بنیں۔وہاں بھی یہ ہوگا قلب خواہش کرے گا وہ نعمتیں جو دنیا کے اعمال سے بنی تھیں جیسا کہ دنیا میں رہتے ہوئے اعضاء اطاعت کرتے تھے قلب کی اسی طریقہ پر جنت میں پہنچ کر جو نعمتیں اعمال سے بنی تھیں وہ اطاعت کریں گی انسان کے قلب کی۔انسان کے قلب میں آیا فلاں چیز کھاؤں تو فوراً وہ نعمت آجائے گی۔بیٹھے بیٹھے قلب میں خیال پیدا ہوا کہ ہاتھ کو یہاں لگانا چاہئے مچھر بیٹھا ہوا ہے اس کو اڑانا چاہئے۔ہاتھ نے اطاعت کرلی۔اسی طریقہ پر نیک کام کرنے پر جو نعمتیں وہاں تیار ہوں گی وہ نعمتیں بھی اسی طرح پر انسان کے پاس آجائیں گی جب ارادہ کرے گا خواہش کرے گا حاضر ہوجائے گی۔

اصلاح قلب کی ضرورت

تو قلب کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے۔جس طرح سے انسان اپنے ظاہری بدن کی اصلاح کرتا ہے بعضے بعضے آدمی تو ہر روز غسل کرتے ہیں بعضے دوسرے تیسرے دن غسل کرتے ہیں۔بعضے ہفتہ وار غسل کرتے ہیں بعضے اور زیادہ آگے تک بات بڑھا دیتے ہیں۔بدن کو پاک صاف رکھنے کی کوشش کرتا ہے آدمی۔چہرہ پر صابون ملتا ہے اور جو چیزیں اس کے حسن کو ظاہر کردینے والی ہیں وہ لگاتا ہے۔کپڑے بڑھیا پہنتا ہے کپڑے پر دھبہ آجائے تو وہ قابل برداشت نہیں ہوتا۔تو جس طرح سے یہ چیزیں ہیں اسی طرح سے قلب کو بھی پاک و صاف کرنے کی ضرورت ہے۔تب جاکر صلاحیت پیدا ہوگی۔جس طرح کپڑے میل کچیل سے گندے ہوجاتے ہیں نجاست غلاظت سے کپڑے ناپاک ہوجاتے ہیں اسی طرح قلب بھی گندگیوں سے گندہ اور ناپاک ہوجاتا ہے۔قلب کی گندگی برے اخلاق اور بری عادات سے ہوتی ہیں قلب میں تکبر پیدا ہوجائے حسد پیدا ہوجائے۔بخل پیدا ہوجائے

ریاکاری وشہرت پیدا ہو جائے ظلم و بے رحمی پیدا ہو جائے قلب ان سب چیزوں سے گندہ اور ناپاک ہو جاتا ہے۔

افریقہ میں ایک مجلس

افریقہ میں ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ایک صاحب آئے جو علماء سے تعلق رکھتے ہیں۔ماشاء اللہ بہت بولتے ہیں جماعتیں جاتی ہیں تو ان کے پاسپورٹ ویزا کے لئے بھی بڑی کوشش کرتے ہیں اور کامیاب ہوتے ہیں۔مجلس میں بیٹھے بیٹھے انھوں نے کہا۔مفتی بابا! دیکھو میری داڑھی ہے یہ لوگ مجھے پریشان کرتے ہیں۔ہے تو داڑھی۔ذرا سی کم ہے بس اتنی سی تو کم ہے۔داڑھی ان کی پوری ایک مشت نہیں تھی۔ایک مشت سے کچھ کم تھی۔کہا کہ اتنی سی تو کم ہے۔مجھے پریشان کرتے ہیں۔اب بتاؤ میری داڑھی یہ ہے یا نہیں ہے۔اسی مجلس میں تذکرہ آیا تھا چودہ لاکھ روپے کا میں نے کہا ایک بات بتائیے۔چودہ لاکھ روپیہ جس کے پاس ہیں وہ مالدار ہے؟ کہنے لگے کہ ہاں ہے مالدار ہے،میں نے کہا کہ اگر کسی کے پاس چودہ ہزار ہوں؟ تو وہ بھی ایک قسم کا مالدار ہے۔میں نے کہا کہ جس کے پاس صرف چودہ روپے ہوں کہنے لگے کہ ارے وہ کیا مالدار ہے؟ میں نے کہا کہ روپیہ تو ہے اس کے پاس۔مالدار کیوں نہیں۔چودہ روپے مال نہیں ہے کیا؟ میں نے کہا دیکھئے آپ ٹوپی اوڑھے ہوئے ہیں۔کتنی خوبصورت ٹوپی ہے اگر اتنی سی یہاں سے جل جائے تو اسے پھر پہنو گے؟ اتنی سی تو کم ہوئی جل کر۔باقی تو ٹھیک ہے۔یہ پاجامہ ہے اتنا سا یہاں سے جل گیا چوہے نے کاٹ ڈالا۔پھر پہنیں گے اسے؟ کہنے لگے کہ بابا! سمجھ گیا سمجھ گیا۔اب کہاں تک سمجھاوے گا۔

قلب کی صفائی کی ضرورت

تو کہنا یہ ہے کہ اپنے بدن کو لباس کو مکان کو دکان کو آراستہ کرنے کی تو فکر رہتی

ہے۔ ہر سال مکان کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ دکان کی ہر روز صفائی کی جاتی ہے ملازم موجود ہیں گھروں میں فرش کو دھونے کے لئے صاف کرنے کے لئے کپڑوں کا انتظام کیا جاتا ہے صفائی کا۔ بستر کا صفائی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ہاتھ منھ کی صفائی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ قسم قسم کے صابون استعمال کئے جاتے ہیں۔ قسم قسم کے تیل استعمال کئے جاتے ہیں لیکن قلب کی صفائی کا انتظام نہیں۔ اس کے اوپر محنت کی ضرورت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں سب سے زیادہ انتظام سب سے زیادہ اہتمام قلب کی صفائی کا تھا۔ قلب کی صفائی اصل چیز تھی اور چیزوں کی صفائی ہوئی ہوگئی نہ ہوئی نہ سہی۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کے حالات کو تلاش کیجئے یہی ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس مبارک کیا تھا؟ عامۃً ایک چادر اوڑھے ہوئے، ایک لنگی باندھے ہوئے۔ بس یہی لباس تھا۔ اور وہ جو حدیث میں آتا ہے:

"رفع یدیہ حتیٰ رؤی بیاض ابطیہ"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اٹھائے یہاں تک کہ آپ کی بغل مبارک کی سفیدی نظر آگئی۔ یہ سفیدی تو جب ہی نظر آئے گی کہ جب کرتا پہنے ہوئے نہ ہوں۔ چادر اوڑھے ہوئے ہوں، اسی میں وقت گذار دیتے تھے تو جتنی صفائی لباس کی ہے جتنی ستھرائی چہرے کی ہے چمڑے کی ہے اس سے زیادہ قلب کی صفائی کی ضرورت ہے۔

تلوار کا نیام پرانا ہے مگر دھار بہت تیز ہے

جس وقت میں فارس سے جنگ ہوئی ہے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوج لے کر گئے ہیں وہاں اول ایک وفد گیا۔ بادشاہ کے دربار میں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہم کس مقصد کے لئے آرہے ہیں۔ اس میں صرف اتنی سی بات سنانی ہے۔ جو تلوار کا نیام تھا وہ ذرا بوسیدہ پرانا تھا۔ اس وفد کے جو امیر تھے۔ اس امیر کے تلوار کا نیام بوسیدہ پرانا تھا تو

جہاں اور گفتگو ہوئی وہاں اس کا بھی تذکرہ آیا۔فارس والوں نے کہا کہ آپ کی تلوار کا نیام بہت پرانا ہے بوسیدہ ہے۔فرمایا کہ ہاں پرانا ہے لیکن تلوار کی دھار بہت تیز ہے۔بتلادیا کہ اصل مقصود جو کچھ ہے وہ تلوار کی دھار ہے،کام اس سے لیا جاتا ہے وہ تیز ہے وہ اصل ہے اس کی نگرانی کی ضرورت ہے۔نیام کا کیا تھا؟ پرانا ہوا،بوسیدہ ہوا کیسے ہوا؟ اسی قسم کی اندر ایک چیز ہے قلب ہے،اس کی صفائی وستھرائی کی ضرورت ہے۔وہ ایک دم صاف ہو۔اس کے اندر اللہ کا نور رہو،اللہ کی یاد مرکوز ہو،اللہ کی ذات پر اعتماد موجود ہو۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سنتوں کے اتباع کا داعیہ قویہ اس کے اندر موجود ہو،احکام کی اطاعت اس میں موجود ہو،چاہے کپڑے پرانے ہوں یا کچھ ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نائی کو جواب

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک دکان پر کو گذر رہے تھے۔ساتھ میں ایک خادم غلام بھی تھے۔وہاں ایک نائی کو دیکھا،اس کی دکان پر ارادہ کیا صفائی کرانے کا۔اصلاح بنانے کا۔نائی رئیسوں اور نوابوں کی حجامت بنانے کا عادی تھا۔اس نے ان کے پرانے کپڑے دیکھ کر سمجھا کہ یہ تو خود سائل معلوم ہوتے ہیں۔یہ کیا دیں گے؟ اس نے حجامت بنانے سے انکار کردیا۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے تاڑ گئے کہ کس وجہ سے انکار کیا ہے،غلام سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہیں اشرفیاں ہیں دس ہیں۔نائی کو دس اشرفیاں دیدیں اور اشعار پڑھتے ہوئے وہاں سے چل دیئے کہ میرے جسم پر کپڑے ہیں ایسے کپڑے ہیں کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے تو دو پیسے کے بھی کوئی نہ خریدے۔لیکن اللہ نے اس کے اندر جان ایسی رکھی ہے نفس اس کے اندر ایک ایسا رکھا ہے کہ بہت سوں کے مقابلہ میں تنہا اپنی مثال ہے۔ظاہر ہے کہ ان کا مقصود تکبر کرنا نہیں تھا بلکہ بتانا تھا کہ تمہاری نظر کپڑوں پر پڑتی ہے اور جو اصل چیز ہے اس سے تم غافل رہتے ہو اس لئے قلب کی صفائی کی ضرورت ہے اگر

آدمی جبہ قبہ بہت اچھا بڑھیا پہن لے، لباس رعب دار ہو لیکن قلب کے اندر اس کے خرابی ہے۔ اخلاق اچھے نہ ہوں، خالی قلب کے اندر تکبر بھرا ہوا ہو تواضع نہ ہو قلب کے اندر حسد بھرا ہوا ہو، ایثار و ہمدردی نہ ہو، قلب کے اندر بخل بھرا ہوا ہو، سخاوت نہ ہو، تو کیا وہ آدمی ہے؟ صفات تو اس کے اندر جانوروں کی بھر رہے ہیں، نام اس کا رکھ دیا ہے آدمی، انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ تمام مخلوقات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ شرف انسان کو عطا فرمایا ہے۔ اپنی تخلیق کے اعتبار سے پھر اس کے صفات و کمالات بھی اعلیٰ درجہ کی ہونا چاہئیں۔ جو صفات جانوروں کے ہیں جو ناپسندیدہ ہیں غیر مسلموں کے صفات ہیں جو جانوروں کے ساتھ ملتے جلتے ہیں ان کے صفات ان کے اندر ہیں۔ ان صفات کی وجہ سے اس کی شرافت کہاں ہے؟ یہ صفات تو جانوروں میں بھی ہیں۔

اہل اللہ کے یہاں قلب کی صفائی کا اہتمام

اسی واسطے اہل اللہ قلب کی صفائی کا انتظام کرتے ہیں جو ذکر کراتے ہیں۔ ذکر قلبی کراتے ہیں۔ وہ قلب کی صفائی کیلئے کراتے ہیں۔ دوسرے اذکار میں وہ بھی قلب کی صفائی کے لئے کراتے ہیں۔ قلب کے اندر انسان کے اللہ تعالیٰ کی تجلیات آتی ہیں۔

دل گذرگاہ جلیل اکبر است

[دل! جلیل الکبر (حق تعالیٰ شانہ) کی گذرگاہ ہے۔]

اس لئے خداوند تعالیٰ کی تجلی تو جب ہی آئے گی جبکہ اس قلب کو صاف کیا جائے۔ اگر کسی بادشاہ کو کسی اونچی شخصیت کو آپ اپنے مکان پر دعوت دے دیں، بلائیں اور ایک طرف بھیڑ بندھ رہی ہیں، بکریاں بندھ رہی ہیں، ایک طرف کتے بندھ رہے ہیں، ایک طرف گائے کے بول و براز ہوں، مکان کا یہ حال اور بلا رہے ہیں اتنے بڑے کو۔ بھئی اس کے بلانے سے پہلے مکان کی صفائی تو کر لی جائے۔ اس کے قابل مکان کو تو بنا لیا جائے۔ اسی

وجہ سے خداوند تعالیٰ کی تجلیات کو قلب کے اندر لینے کے لئے قلب کی صفائی کی بھی تو ضرورت ہے۔قلب کی صفائی کی جائے تو جا کر کچھ دن میں حق تعالیٰ کی نسبت عطا ہوگی۔ اس کو خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا! اب تو خلوت ہوگئی

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرماوے۔

❑❑❑

حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صفاء قلب

اس بیان میں

☆......حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت واہمیت۔
اوراس کے حصول کا طریقہ۔

☆......حُبّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات۔

☆......حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انعام۔

☆......صفائے قلب کی اہمیت۔

حُبّ رسول ﷺ اور صفاء قلب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا بُنَیَّ! ان قدرت ان تصبح و تمسی وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِكَ غش لاحد فافعل ثُمَّ قَالَ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ۔ (رواہ الترمذی)

[حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے، اگر تم اس کی قدرت رکھتے ہو کہ صبح و شام اس حال میں کرو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے میل کچیل نہ ہو، تو ایسا کرلیا کرو اور یہ میری سنت ہے، اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔]

حضرت انس رضی اللہ عنہ

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں تقریباً دس برس رہے جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے اس وقت ان کی عمر نو دس سال کی تھی۔ ان کی والدہ نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بھیجدیا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت کیا کریں۔ تقریباً دس سال تک خدمت میں رہے۔

بیان کرتے ہیں کہ کبھی حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے باز پرس نہیں کی کہ فلانا کام

کیوں کیا ہے؟ فلانا کام کیوں نہیں کیا؟ جس کام کیلئے آپ ﷺ نے کہا فلاں کام کرا ور میں نے نہیں کیا۔ اس پر باز پرس نہیں کی کہ فلانا کام کیوں نہیں کیا۔ جس کام کو حضور ﷺ نے منع فرمایا اس کو میں نے کرلیا تو اس پر باز پرس نہیں کی۔ کیوں کیا نہ ایجاباً نہ سلباً باز پرس نہیں کی۔ ہمیشہ آپ نے شفقت سے کام لیا۔"فاعفوا و اصفحوا۔ فاعفوا و اصفحوا" معاف کرو، اعراض کرو۔ درگزر کرو۔ حضور اقدس ﷺ نے اسی سے کام لیا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ حضور اقدس ﷺ مجھے کسی کام سے بھیجتے میں کہتا کہ میں نہیں کرنے کا اور میرے جی میں ہوتا تھا کہ کروں گا۔

مال اور اولاد کیلئے برکت کی دعاء

ان کی والدہ نے ان کیلئے درخواست کی کہ حضور اقدس ﷺ یہ آپ کے خادم ہیں۔ ان کے لئے دعاء کیجئے۔ حضور اقدس ﷺ نے دعا کی اولاد کی برکت اور مال کی برکت کی۔ دو برکتوں کی دعا کی۔ اللہ ان کے مال میں برکت دے، ان کی اولاد میں برکت دے۔ مال کی برکت کا یہ حال تھا کہ ان کا ایک باغ تھا اس باغ میں پھل دو دفعہ آتا تھا۔ سال بھر میں۔ سب دنیا میں تو دستور یہ ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ پھل آتا ہے مگر ان کے باغ میں دو دفعہ پھل آتا تھا۔ ایک درخت ان میں ایسا تھا کہ جس میں ایک ہی مرتبہ پھل آتا تھا۔ معلوم ہوا کہ کسی اور کا لگایا ہوا ہے۔ انہوں نے اسے اکھاڑ کے دوبارہ لگا دیا تو اس میں بھی دو دفعہ پھل آنے لگا۔

اولاد کی برکت کا حال یہ تھا کہ حجاج بن یوسف کے زمانہ میں بتلاتے ہیں کہ ایک سو بیس اولاد اپنی براہ راست میں نے اپنے ہاتھ سے دفن کئے۔ اولاد سے اولاد پیدا ہوتی چلی جارہی ہے اور جس وقت یہ طواف کرتے تھے بیت اللہ شریف کا تو ان کی اولاد ساتھ ہوتی تھی مطاف بھر جاتا تھا۔ اتنی اولاد اللہ نے ان کو عطا فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شفقتیں فرمائی ہیں ان پر۔ ان ہی شفقتوں میں خصوصی یہ ایک نصیحت ہے۔ کیا؟

دل کو صاف رکھنے کی نصیحت

"ان قدرت ان تصبح و تمسی ولیس فی قلبك غش لاحد فافعل"

اے بیٹے! بڑی شفقت کے ساتھ فرمایا۔ اے بیٹے! اگر تو ایسا کر سکے کہ صبح کو یا شام کو تیرے دل میں کسی کی طرف سے کدورت نہ ہو تو کر گذر رب کی طرف سے دل صاف رکھ۔ بڑی اعلیٰ رجہ کی نصیحت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں تو ساری اعلیٰ اعلیٰ درجہ کی ہیں کوئی ہماری سمجھ میں آجاوے تو ہم بھی کہہ دیں کہ اعلیٰ درجہ کی نصیحت ہے۔ وہاں تو ساری اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ ساری کارآمد ہیں۔ کسی کی طرف سے دل میں کدورت رکھنا، غیظ وغضب رکھنا، کھوٹ رکھنا، اس سے منع فرمایا کہ یہ نہیں ہونا چاہئے۔ آج ہمارا حال کچھ اور ہے۔ کوئی شخص سلام بھی کر لیتا ہے راستہ میں تو سمجھتے ہیں کہ ضرور اس کی کوئی غرض ہوگی جو اس نے سلام کیا ہے۔ ویسے تھوڑی ہی سلام کرے ہے کوئی۔ سلام روستائی بے غرض نیست۔

اہل شوریٰ سے ملاقات نہ کرنے کی وجہ

دیوبند میں بھی ایک ایسا ہی قصہ پیش آیا کہ وہاں کے شوریٰ کے ارکان میں سے ایک صاحب نے مجھے خط لکھا کسی بات کیلئے اور یہ معذرت پیش کی کہ شوریٰ کے اجلاس میں آنا ہوتا ہے مگر وہاں اتنی فرصت نہیں ہوتی کہ آپ سے ملاقات کرلوں۔ جی بہت چاہتا ہے ملاقات کرنے کو۔

میں نے جواب میں لکھا کہ میں باوجود فرصت کے بھی آپ سے ملاقات نہیں کرتا۔ فضا ایسی بن گئی کہ جو ماتحت ملازم مدرس کسی شوریٰ کے رکن سے ملتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ کوئی اپنی غرض لے کر آیا ہوگا کہ میری ترقی کرادو میرے واسطے یہ سہولتیں مہیا کردو۔ ایسی فضا بن چکی ہے میں نے کہا کہ مجھے فرصت بھی ہوتی ہے تو بھی میں آپ حضرات میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ راستہ کاٹ کر چلا جاتا ہوں۔ کبھی آپ اس راستے میں مل جائیں گے تو میں اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا

راستہ اختیار کر لیتا ہوں اسی وجہ سے یہ کیفیت ہم لوگوں کی ہوگئی ہے۔خود غرضی کی ملیں گے تو اپنی غرض سے ملیں گے۔ بلا غرض کے نہیں ملیں گے اور دل کے اندر کھوٹ رکھتے ہیں۔اس لئے فرمایا کہ اگر تجھ سے ایسا ہو سکے صبح کرے اس حال میں کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ نہ ہو شام کرے اس حال میں کہ کسی طرف سے کھوٹ نہ ہو۔ بڑی عجیب چیز ہے کرگذر اس کو۔ پھر فرمایا کہ بیٹے یہ میری سنت ہے۔ یہ فرمایا۔اور جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔اس دنیا میں حق تعالیٰ نے دس سال تک خدمت میں رہنے کا موقع عنایت فرمایا۔کتنی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ دنیا اور آخرت کی ساری نعمتیں قربان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر۔خدمت کی کسی شخص کو سعادت نصیب ہو جائے تو اس پر تو ساری نعمتیں قربان۔ دنیا میں تو یہ ہے آخرت میں بھی ہو جائے گا۔آخرت کا قرب آخرت کی معیت نصیب ہو جائے۔دین و دنیا دونوں بن گئیں۔

جنت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کی درخواست

ایک اور صحابی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔ پانی لا کر دیا،غالباً اخیر شب کا وقت تھا تہجد کے لئے پانی لا کر دیدیا۔وضو کرنے کے واسطے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔مانگ کیا مانگتا ہے۔قسمت کھل گئی اس کی جس کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔انہوں نے کہا کہ میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں جنت میں۔جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مل جائے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ۔ ارے کچھ اور اس کے سوا۔کہا کہ نہ میری خواہش تو یہی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بھی ترکیب بتادی: "فاعنی علیٰ نفسك بكثرة السجود" [کثرت سجود کے ذریعہ اپنے نفس کے خلاف میری مدد کرنا۔] میری مدد کرنا تم میرے ساتھ جنت میں رفاقت چاہتے ہو تو میری مدد کرنا اپنے نفس کے خلاف چاہے نفس نہ چاہتا ہو نفس

برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو لیکن اپنے نفس کے خلاف میری مدد کرنا بکثرۃ السجود۔ سجدے کثرت سے کرنا، نماز کثرت سے پڑھنا یعنی جب نماز کثرت سے پڑھو گے تو بس تمہاری یہ مراد پوری ہو جائے گی اور میرے ساتھ جنت میں چلے جاؤ گے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی چائے کی خدمت

گنگوہ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ دار العلوم دیوبند کے مہتمم۔ وہ تہجد کے وقت میں چائے پلایا کرتے تھے حضرت کو۔ اور بہت بڑھیا بناتے تھے چائے۔ کچھ داد بھی چاہتے تھے۔ کچھ داد دیں، کچھ چائے کی تعریف کر دیں جی خوش ہو جاتا میرا کہ ہاں اس کی بنائی ہوئی چائے مزیدار ہے۔

ایک روز حضرت سے پوچھا کہ چائے کیسی؟ حضرت نے فرمایا کچے پانی کی بو ہے۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کچا پانی کہاں سے آ گیا چائے میں، پھر انھوں نے پیالیوں کو دھو کر تولیہ سے پونچھ کر آنچ کے سامنے کیا۔ یہاں تک کہ ساری نمی اس کی آگ سے جل کر ختم ہو گئی۔ اسکے بعد چائے جو انہوں نے بنا کر دی۔ پوچھا کہ حضرت آج کیسی چائے ہے؟ فرمایا کہ آج نہیں کچے پانی کی بو۔ وہ جو پیالی دھلی نہیں اس کے اندر کچھ نمی باقی رہ گئی۔ وہ نمی تھی کچے پانی کی بو۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست

ایک روز حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بھئی مولوی حبیب الرحمن! سب لوگ اپنی اپنی باتیں کہتے ہیں۔ تم اپنی بات کبھی کیوں نہیں کہتے؟ کسی چیز کی ضرورت ہو خواہش ہو، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! بس ایک خواہش ہے دل میں۔ یہاں تو خدمت کا موقع مل جاتا ہے اللہ تعالیٰ وہاں بھی خدمت کا موقع نصیب فرما دے دوسرے عالم میں بھی۔ یہ خواہش ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ضرور انشاء اللہ ضرور۔ تو جس شخص سے محبت ہو یہ دنیا تو ایسی ہے کہ اس سے تو بہر حال جدائی

ہو کر رہے گی۔ دنیا کی ہر چیز سے جدائی ہو کر رہے گی۔ جس سے چاہو محبت کرلو اس سے تو چھوٹ ہونی ہی ہے۔ افتراق ہونا ہی ہے موت تو فراق کر ہی دے گی۔ بسا اوقات زندگی میں بھی فراق ہو جاتا ہے ورنہ تو موت تو فراق کر ہی دیگی لیکن اگر آخرت میں رفاقت نصیب ہو جائے تو وہاں فراق کی کوئی صورت نہیں، وہاں موت ہے ہی نہیں۔ موت کا قصہ ہی وہاں مٹا دیا گیا ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کی محبت بڑھانے کی تدبیر

اس لئے حضور اقدس ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی اور ایک بڑی گُر کی بات فرمادی:

"أن ذلك من سنتي فمن احب سنتي فقد احبني"

تو جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔

"ومن احبني كان معي في الجنة"

اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ تو حضرت نبی کریم ﷺ کی محبت ہونے اور محبت بڑھانے کی بھی تدبیر بتادی۔ حضور اقدس ﷺ کی سنت سے محبت کرنی چاہئے۔ حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کو جس قدر بھی آدمی محبوب رکھے گا اسی قدر حضور اقدس ﷺ سے محبت زیادہ ہوگی۔ دونوں راستے ہیں۔ یہ راستہ بھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے محبت ہو تو حضور اقدس ﷺ کی سنت سے بھی محبت ہوگی۔ یہ راستہ بھی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی سنت سے محبت کی جائے تو حضور اقدس ﷺ کی محبت نصیب ہوگی، تو حضور اقدس ﷺ کی سنت نصیب ہوتی ہے سنت سے محبت کرنے سے اور سنت کی اتباع نصیب ہوتی ہے حضور اقدس ﷺ کی محبت سے۔ تو دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہیں کبھی آدمی ادھر سے چلتا ہے کبھی آدمی ادھر سے چلتا ہے۔ اولاً حضور اقدس ﷺ سے محبت اور جب حضور اقدس ﷺ سے محبت ہے تو تلاش کرتا ہے کہ فلاں چیز میں حضور اقدس ﷺ کی سنت کیا ہے؟ فلاں چیز میں حضور اقدس ﷺ کی

سنت کیا ہے؟ ان سنتوں کو تلاش کر کے ان سے محبت کرتا ہے۔

کدّو کی محبت

یہی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کھانا نوش فرمارہے ہیں پیالے میں شوربہ تھا کدو کا۔ کدو کے جو قتلے تھے وہ اندر تھے۔ حضور اقدس ﷺ انگلی ڈال کر اسمیں سے کدو کا قتلہ تلاش کر کے نوش فرمارہے تھے۔ جان لیا تو بس حضور اقدس ﷺ کو کدو مرغوب ہے، اسی روز سے مجھے بھی مرغوب ہوگیا۔ معلوم ہوگیا کہ ہاں حضور اقدس ﷺ کی سنت یہ ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی مرغوب چیز یہ ہے۔ اس سے محبت ہوگئی۔ لہٰذا کدو مرغوب ہوگیا۔

ساری عمر گریبان کھلا رکھنا

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کا گریبان کھلا ہوا دیکھا۔ حضور اقدس ﷺ کی یہ ادا مجھے ایسی پسند آئی کہ پھر میں نے ساری عمر گریبان میں بٹن لگایا ہی نہیں کبھی، کھلا ہی رکھا۔ اس واسطے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایسا کیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو حضور اقدس ﷺ سے محبت ہوگی وہ تلاش کر کر کے حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کو اختیار کرے گا۔ اپنی پوری زندگی میں جاری و ساری کرے گا وہ سوچے گا کہ میری زندگی کا کوئی بھی گوشہ سنت سے خالی نہ ہو ہر جگہ پر سنت ہی سنت ہو۔ یہ ہے محبت کا تقاضہ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنت سے محبت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے ان سے چند باتیں کہی گئیں۔ بطور مشورہ کے ایک یہ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار نہ بنائیں۔ انہوں نے صاف جواب دیا کہ جسے حضور اقدس ﷺ نے سپہ سالار بنایا ہو میں تو اسے سپہ سالار رکھوں گا۔ میں تو معزول نہیں کرسکتا۔ دوسرے یہ کہ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار نہ بنایا جائے کہا کہ یہ بھی

نہیں ہوسکتا۔ حضور اقدس ﷺ نے تو خود اخیر عمر میں جھنڈا بنا کر ان کے حوالہ کیا تھا سپہ سالار وہی رہیں گے۔ غرض ہر چیز میں یہی تھا کہ جو بات حضور اقدس ﷺ نے کر لی ہے اس کو برقرار رکھنا ہے۔ جس چیز سے حضور اقدس ﷺ نے اجتناب کیا ہے اس سے بچنا ہے۔ یہ گہری علامت ہے سنت کی۔ یہی علامت ہے حضور اقدس ﷺ سے محبت کی۔

محبت قلبی چیز ہے

محبت حقیقت میں ایک قلبی چیز ہے زبان سے نعروں کی چیز نہیں۔ قلبی چیز ہے اس کا اثر انسان کی تمام زندگی میں سرایت کر جاتا ہے۔ جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ سے قلب میں محبت ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو قلب پسند کرے گا۔

شربت کو دیکھ کر رونا

ایک دفعہ ایک شربت لایا گیا۔ شربت کیا ہے؟ دودھ میں شہد ڈال دیا گیا پینے کے لئے لایا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا اور دیکھ کر رو پڑے کہ میں اسے حرام یا ناجائز تو نہیں کہتا باقی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہیں پیا ہے۔ اس لئے میں نہیں پیتا چھوڑ دیا۔ اس کو نہیں نوش فرمایا۔ اس لئے جو چیزیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عادت فرمائی ہیں تقاضائے محبت یہی ہے کہ ان کو بھی اختیار کیا جائے۔ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عادت کے طور پر بطریق اباحت ان پر عمل فرمایا ہو۔ واجب کی حیثیت سے نہ اختیار کیا ہو۔ اور ان کے ترک پر کوئی وعید نہ ہو تو بھی محبت کا تقاضا تو یہی ہے کہ جو طریق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اسی طریقہ کو اختیار کیا جائے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے اتباع کا حکم

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے متعلق ایک تو قرآن پاک میں ہے: "قُلْ

اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ“ (سورۂ آل عمران:۳۱)[(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔] (آسان ترجمہ) اللہ کے رسول کا اتباع کرو تو اللہ تم سے محبت کریں گے تم دعویٰ کرتے ہو کہ ہمیں اللہ سے محبت ہے اس دعویٰ کی سچائی اور دعویٰ کی شہادت کے لئے کیا چیز چاہئے؟ چاہئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو، نتیجہ اس پر کیا مرتب ہوگا؟ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا طریقہ اور ان کی تردید

چوں کہ اس زمانہ میں تین قسم کے آدمی تھے:

(۱)......یہودی۔ (۲)......نصاریٰ۔ (۳)......مشرکین۔

یہودی اور نصرانی کیا کہتے تھے؟ ”وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ عُزَيۡرُ ۨابۡنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ“ (سورۂ توبہ:۳۰)

[یہودی تو یہ کہتے ہیں: کہ عزیر اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔] (آسان ترجمہ) ان سے پوچھا کہ تم حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کی پرستش کیوں کرتے ہو؟ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ اصل مقصود تو اللہ کی محبت اور اللہ کی اطاعت ہے اور یہ ذریعہ ہیں اللہ تک پہنچنے کا۔

تیسرا فرقہ مشرکین کا تھا، وہ کہتے تھے:

”مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ“ ہم جو بتوں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں براہ راست ان کو معبود نہیں کہتے بلکہ یہ ذریعہ قرب ہیں۔ ان کے ذریعہ سے ہماری رسائی خدا تک ہو جائے گی۔

تو مقصود ان سب فرقوں کا یہ تھا کہ ہمیں اللہ ہی کی عبادت کرنی ہے اصالۃً ہمارا تعلق اللہ سے ہے، ہمیں اللہ سے محبت ہے اس کا طریقہ قرآن پاک نے بتایا کہ جو طریقے ان لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ اللہ سے اگر محبت ہو تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔ "فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" اللہ تم سے محبت کرنے لگیں گے تمہیں محبوب بنالیں گے: "وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ" جو خطا قصور ہوا زندگی میں اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ کی شان ہی یہ ہے کہ وہ غفور الرحیم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے

ان میں ایک شخص نے کہا کہ جس طرح سے یہود و نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کو خدائی کے درجہ تک پہونچادیا تو یہ حضرت محمد ﷺ بھی یہ چاہتے ہیں کہ مجھے بھی خدائی کے درجہ تک پہونچادیا جائے۔ اس نے کہدیا کہ: "فَاتَّبِعُوْنِیْ" میرا اتباع کرو۔ اس کی تطبیق کیلئے اگلا جملہ ارشاد فرمایا: "قُلْ اَطِیْعُو اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ" آپ کہدیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت بحیثیت رسول ہے، ذاتی شخصیت کی وجہ سے نہیں اطاعت کی جارہی ہے اللہ نے جو سب سے بڑا عہدہ عطا فرمایا وہ رسول کا ہے وہ عبدیت کا ہے۔ عہدہ کے پیش نظر حضور اقدس ﷺ کی اطاعت کی جارہی ہے۔ وہ تو اطاعت اللہ ہی کی ہے۔

"وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے چونکہ رسول تو اپنی طرف سے کچھ کہتے نہیں۔

"وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی" (سورۃ النجم: ۳،۴)

[اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔] (آسان ترجمہ)

وہ تو جو کچھ کہتے ہیں بذریعہ وحی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہونچاتے ہیں۔ لہٰذا

رسول کا پیغام اللہ ہی کا پیغام ہے تو اس شخص کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی:

"فَاِنۡ تَوَلَّوۡا" اگر پھر بھی پیٹھ پھیرو گے۔

"فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡكٰفِرِيۡنَ" اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے وہ تو مومن سے محبت کرتے ہیں اور رسول کو تو بھیجا ہی جاتا ہے اس لئے۔

"وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ" رسول کے بھیجنے کا تو منشا ہی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔

سنت کی محبت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سنت کی محبت اور سنت کی محبت کا مفضی ہونا حضوراقدس ﷺ کی محبت کی طرف معلوم ہوگیا۔

"وَمَنۡ اَحَبَّ سُنَّتِيۡ فَقَدۡ اَحَبَّنِيۡ" جس شخص نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ لہٰذا اپنی زندگی میں تلاش کر کے ایک ایک سنت کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی سے حضوراقدس ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کا انعام

"ومن احبنی" جو شخص حضوراقدس ﷺ سے محبت کرے گا، "کان معی فی الجنة" وہ حضوراقدس ﷺ کے ساتھ جنت میں ہوگا تو یہ نصیحت مخصوص نہیں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بلکہ تمام امت کے واسطے ہے جو بھی اس پر عمل کریں گے وہ اسی بشارت کے مستحق ہیں۔

دل کی حفاظت

لہٰذا کسی کی طرف سے دل کے اندر کھوٹ نہیں رکھنا۔ گر کی بات یہ ہے۔ دل صاف ہے

اپنا تو انشاء اللہ کوئی ضرر نہیں پہونچاوے گا۔ اگر کوئی شخص کھوٹ رکھ کر بھی آئے گا شرارت کی نیت سے بھی آئیگا اور ادھر سے اپنا دل صاف ہے تو انشاء اللہ اسکی شرارت سے کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔ اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والے ہیں اور جو اپنی ہوشیاری اور اپنی چالاکی کے ذریعہ اپنی حفاظت کرتے ہیں تو بسا اوقات اس میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ حفاظت کرنے والا اللہ ہے اسی کے ذریعہ سے حفاظت ہوسکتی ہے اور کسی کے ذریعہ سے نہیں ہوسکتی ہے۔ ایک عارف نے کہا:

نیازارم خود ہرگز دلے را
کہ ترسم در وجائے تو باشد

[میں ہرگز کسی دل کو نہیں ستاتا اس لئے کہ ڈرتا ہوں کہ اس میں تیری جگہ ہو۔]

میں کسی بھی دل کو اپنی طرف سے نہیں ستاتا، دکھ نہیں پہونچاتا۔ بس مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو نہ اس کے دل میں ہو۔ وہ محبوب حقیقی کا سچا بندہ مخلص ہو، اور محبوب حقیقی کی یاد اس کے دل میں موجود ہو۔ اس کے قلب کا تعلق حق تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو۔ تو وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت کرنے والا ہو میں کیسے ستاؤں؟ اس کی دل آزاری کیسے کروں۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا تھا کہ دیکھو! یاد رکھو یوں انگلی اٹھا کر کے آدمی بڑے سے بڑا عمل کرتا ہے لیکن کسی مسلمان کی دل آزادی کی وجہ سے اللہ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے۔ آدمی بڑے سے بڑا عمل کرتا ہے لیکن کسی مسلمان کی دل آزاری کی وجہ سے اللہ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ مردود ہو جاتا ہے قبول نہیں ہوگا یوں کہا کہ بے رونق ہو جاتا ہے۔ لہذا ہمیشہ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ ہماری طرف سے کسی کو اذیت نہ پہونچے۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے: "اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ

لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ" پکا مسلمان اور حقیقی مسلمان کہلانے کا مستحق وہ شخص ہے کہ جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہونچے ان کی طرف سے دل صاف ہو۔ وہ اگر دل میں کھوٹ رکھے تو وہ جانے۔

وہ ہونگے مخالف ہم تو مخالف نہیں

سہارنپور میں ایک شخص تھے حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ وہ ایک وکیل صاحب کے پاس گئے ان سے کہا فلاں جگہ چلنا ہے۔ وکیل صاحب جانا نہیں چاہتے تھے پھر انہوں نے کہا کہ نہیں بھائی چلنا ہے ان کے پاس کام سے انسے کہا کہ ان کے پاس کیوں جاتے ہو؟ وہ آپ کے موافق نہیں مخالف ہے آپ کی طرف سے اچھے خیالات نہیں رکھتے۔ تو انہوں نے بڑا اچھا جواب دیا کہ وہ ہوں گے مخالف۔ مخالف ہونگے وہ ہم تو مخالفت نہیں۔ ہم کو تو دین کے کام کی خاطر ان کے پاس جانا ہے۔ اگر توفیق ان کی مساعدت کرے گی تو وہ دین کا کام کر دیں گے۔ نہیں ہوگی تو نہیں کریں گے، چلے آئیں گے، ہمارا کیا بگڑتا ہے؟ یہ لفظ کہا انہوں نے۔

شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کی بادشاہ سے سفارش

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ میری سفارش کر دیجئے بادشاہ وقت کے پاس آپ نے سفارش کر دی۔ بہت مختصر جملہ ارشاد فرمایا۔ اگر تم نے ان کا یہ کام کر دیا: "فالمعطی ھو اللّٰہ وانت المشکور" اور اگر تم نے ان کا یہ کام نہیں کیا: "فالمانع ھو اللّٰہ وانت المعذور"۔ بس اگر مقصود پورا ہوگیا۔ حقیقت میں مقصود پورا کرنے والا اللہ ہے تم مستحق شکریہ ہو جاؤ گے۔ اگر مقصد پورا نہ ہوا تو حقیقت میں مقصود کو روکنے والا اللہ ہے تب تم معذور رہو۔ تقدیر کے لکھے ہوئے کو تو نہیں بدل سکتے ہو۔ تو قلب کو اپنے صاف رکھنا

چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ فلانے نے ہماری بات مان لی، ہمارا کام کر دیا تو اس سے جی خوش ہو گیا۔ نہیں تو منہ چڑھائے ہوئے ہیں اس کی طرف سے۔

دل کے کھوٹ کے نقصانات

اس واسطے زیادہ تر جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں وہ دل کے کھوٹ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ دلوں کو صاف رکھئے اور قرآن نے تو کہہ دیا کہ:

"انما المؤمنون اخوة" سب مسلمان بھائی ہیں۔

"فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ" دونوں بھائیوں کے درمیان کہیں نااتفاقی ہو جائے رنجش ہو جائے تو صلح کرا دی جائے۔ صلح کرا کے ختم کرا دیا جائے قصہ کو اور جہاں اپنے دل میں کھوٹ رہتا ہے دوسرے کی طرف سے وہ کھوٹ فقط دل ہی کو سیاہ نہیں کرتا ہے بلکہ ساتھ زبان کو بھی خراب کرتا ہے۔ جب نظر پڑتی ہے تو اس کو غصہ کی نظر سے دیکھتا ہے، حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ بات نہیں کرتا ہے ترک سلام و کلام کرتا ہے، غیبتیں کرتا ہے، دوسروں کو اس کے خلاف ابھارتا ہے بھڑکاتا ہے، عداوتوں پر آمادہ ہوتا ہے۔ یہ سب دل کے کھوٹ کی وجہ سے ہوتا ہے اور اگر دل صاف ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ کچھ بھی نہیں ہو گا اور دنیا میں کوئی فتنہ نہ ہو حضور اقدس ﷺ کی سنت پر عمل ہو جائے۔ حضور اقدس ﷺ کی سنت سے محبت ہو جائے۔ حضور اقدس ﷺ کی محبت نصیب ہو۔ اور جنت میں حضور اقدس ﷺ کی معیت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماوے آمین۔

حقیقت بدعت

اس بیان میں

بدعت کی حقیقت اور اس کی مذمت اور اس کی مثالیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات نیز سیدنا حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان لعین کی اللہ تعالیٰ سے درخواست کا بیان ہے۔

حقیقت بدعت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابی کے ہاتھ سے انگوٹھی نکال کر پھینک دی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہوئے۔ان کے ہاتھ میں انگوٹھی تھی سونے کی۔تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ دست مبارک میں لے کر انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور اس کو جہنم کا زیور قرار دیا۔روایت میں آتا ہے کہ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔وہ انگوٹھی وہیں پڑی رہی۔کسی نے کہا انگوٹھی والے سے کہ بھئی اس کو اٹھالو۔تمہارے کام آئے گی۔تو انہوں نے جواب دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھینک دیا میں نہیں اٹھا سکتا۔یہ محبت کا اصلاح کا چھوٹا سا اثر ہے کہ جس چیز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا اس کو اٹھانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں سے گری ہوئی چیز آقاء نامدار نے اس کو پھینک دیا۔یہیں سے معلوم ہوا کہ کوئی غلط بات دیکھے تو نہایت شفقت و نرمی کے ساتھ اس کی غلطی کی اصلاح کر دے۔چناں چہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نہیں فرمایا کہ انگوٹھی کو نکالدو بلکہ خود ان کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لے کر نکال کر پھینک دی۔ "مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا

فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ" [تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے، چاہئے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے۔] جب تغیر بالید اپنے ہاتھ سے کی جا سکتی ہے تو زبان کی ضرورت نہیں۔اسی لئے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کیا کیا چیزیں ہمارے اندر ایسی بھری ہوئی ہیں کہ جن کو حضور اقدس ﷺ پھینک چکے۔

حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں آنحضرت ﷺ کی کتنی عظمت تھی کہ آنحضرت ﷺ نے جس چیز کو نکال کر پھینک دیا، اس کو واپس اٹھانے کے روادار نہیں ہوئے۔حالانکہ حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ منشا نہیں تھا، بلکہ گھر میں مستورات میں کسی کو دے سکتے تھے، مگر حضرت نبی کریم ﷺ نے نکال کر پھینک دیا، اس لئے کیسے اٹھائیں۔

ہماری ذمہ داری

آج ہم اپنا حال دیکھیں، ہمارا کیا حال ہے؟ پس ضروری ہے کہ جو چیزیں خلاف سنت بدعات و رسومات ہماری زندگیوں میں آ گئی ہیں، ان کو اپنی زندگیوں سے نکال پھینکیں، اور دوسروں کی زندگیوں سے بھی نکالنے کی کوشش کریں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: "مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ" جو شخص ہمارے دین میں کوئی چیز ایسی ایجاد کردے جو دین کی نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ قابل قبول نہیں پھینک دینے کے قابل ہے۔

دین میں کیا کیا چیزیں بھری ہوئی ہیں؟ بہت بھری ہوئی ہیں۔

بدعت کی تعریف پر اعتراض کا جواب

بدعت کسے کہتے ہیں؟

جو چیز دین نہ ہو اسے دین سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔ بہت مختصر سے لفظ میں۔ لہٰذا جو معترضین اپنے اعتراض میں کہتے ہیں کہ ریل میں بیٹھنا بھی بدعت ہوگا اور ہوائی جہاز میں بیٹھنا بھی بدعت ہوگا۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ چیزیں نہیں تھیں ان چیزوں کو کون شخص دین سمجھ کر اختیار کر رہا ہے۔ یہ تو ضرورت پوری کرنے کے لئے چیزیں ہیں۔ یہاں تو بدعت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ مسجدیں نماز پڑھنے کے لئے ہیں (یہاں تو دستور نہیں) ہمارے اطراف میں لوٹے ہوتے ہیں مسجد میں مٹی کے، کنواں ہوتا ہے ڈول رسی ہوتی ہے، کنویں سے پانی بھرتے ہیں۔ اس سے وضو کرتے ہیں اور بسا اوقات گرمی کے زمانہ میں پانی کا گھڑا بھی مسجد میں رکھ دیتے ہیں اور بسا اوقات گرمی کے زمانہ میں پانی پیتے ہیں اسی میں سے نالی بنی رہتی ہے وضو کرنے کے لئے۔

بدعت کی بعض مثالیں

اب اگر کوئی شخص پانی کا گھڑا یہاں لا کر رکھ دے مصلے پر امام صاحب کے کیا کہیں گے اس کو؟ ہے تو مسجد ہی کے متعلقات میں سے۔ امام صاحب کو بھی پینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اوروں کو بھی ضرورت ہوتی ہے مگر اس رکھنے کی جگہ وہ نہیں ہے وہاں سے اس کو ہٹائیں گے جہاں اس کے رکھنے کی جگہ وہاں اس کو رکھیں گے۔ اس گھڑے کی جگہ مصلی نہیں ہے گھڑے کی جگہ کچھ اور ہے۔

کوئی لوٹا وضو کا مصلی پر لا کر رکھ دے امام صاحب کے اس کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھا جاتا ہے۔ لوٹے رکھنے کی جگہ یہ نہیں ہے لوٹے رکھنے کی جگہ کنویں کے قریب نالی کے قریب ہے۔ وہاں رکھئے۔

اور اگر مسجد میں بکری چلی آئے فوراً بھگائیں گے اس کو ایسا نہ ہو کہ مینگنی کر دے اور اگر کہیں کتا آگیا تو بس پھر برا حال اس کا، اس لئے کہ اس کی یہ جگہ نہیں۔ نہ تو کتے کو قتل کیا جاتا

ہے نہ بکری کو قتل کیا جاتا ہے مگر ان کی جگہ یہ نہیں تو بے جگہ چیز برداشت نہیں کی جاتی۔ دنیا کے اعتبار سے سر میں کپڑوں میں جوں پیدا ہو جائے تو اس کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ چونکہ وہ خون چوستی ہیں چار پائی میں کھٹمل پیدا ہو جائیں تو ان کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ چونکہ وہ انسان کے بدن کا خون چوستے ہیں۔ چار پائی کو دھوپ میں ڈال دیا جاتا ہے لکڑی سے پیٹا جاتا ہے کھٹمل نکالنے کے واسطے پھر بھی نہیں نکلتے تو تالاب میں ڈال دیا جاتا ہے چار پائی کو کئی کئی روز تک وہیں پڑی رہتی ہے پانی میں۔

دین کے اندر غیر دین گھسنے کو برداشت نہیں کیا جاسکتا

دین کے اندر جو غلط چیزیں ہیں جن کو دین نہیں قرار دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیزیں جو دین کے اندر گھسی ہوئی ہیں یہ دین کو چوس رہی ہیں، دین بمنزلہ ایک جسم انسان کے ہے جو چیز اس کے خون کو چوس رہی ہیں ان سے کیوں نہیں ان کو صاف کیا جاتا ہے؟ مچھر ذرا سا لڑ جاتا ہے تو وہ قابل برداشت نہیں ہوتا اس کے لئے مچھر دانی لگاتے ہیں، دوائیں استعمال کرتے ہیں بدن پر لگاتے ہیں چھڑکتے ہیں مچھروں کو بھگانے اور مارنے کے لئے۔ حالانکہ ذرا سا خون پیتا ہے مچھر تو زیادہ خون نہیں پیتا ہے لیکن برداشت نہیں کرتے، دین کے اندر جو بے دینی کی چیزیں بھری ہوئی ہیں ان کو کیوں برداشت کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ ہر چیز میں دیکھتے تھے کہ یہ چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمائی یا نہیں۔ پسند فرمائی تو بہت اچھا۔ نہیں پسند فرمائی تو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ چھوڑ دیا اس کو۔ حتیٰ کہ بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی ضرورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی لیکن وہ ضرورت پیش آئی۔ ضرورت کے ماتحت ان کو اختیار کیا گیا تو اس میں بعض حضرات کو اشکال ہوا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانہ میں پہلا جہاد مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں ہوا۔

جمع قرآن کا واقعہ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اشکال

اس میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔ قرّا کی بڑی جماعت شہید ہوگئی۔ اس زمانے کے قاری صاحبان حافظ صاحبان جہاد بھی کیا کرتے تھے۔ اب تو تقسیم ہوگئی۔ پڑھنے والے حافظ، قاری، علماء حضرات یہ ایک دوسری لائن پر چلتے ہیں اور جہاد کرنے والے دوسری قسم کے لوگ ہوتے ہیں تو وہاں بڑی جماعت شہید ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دیکھو! قرّاء کی بڑی جماعت شہید ہوگئی جہاد میں۔ ایک دو جہاد اور ایسا ہی ہو جائے تو بہت سارے شہید ہو جائیں گے۔ قرآن کریم کہیں ایک جگہ پر لکھا ہوا نہیں۔ اس کو ایک جگہ پر جمع کرا لیجئے لکھوا لیجئے۔ اس مسئلہ پر غور کرنے سے جو سب سے پہلی چیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہی وہ یہی کہ جو کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو میں کیوں کروں؟ بس یہ چیز تھی بنیادی۔ کہ جو کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اسے میں کیوں کروں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اس زمانے میں ضرورت نہیں تھی کسی آیت میں کوئی شبہ پیدا ہو جائے تو اس آیت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیا جاتا تھا، لیکن آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے نہیں ہیں۔ کسی آیت میں شبہ پیدا ہو جائے ذہن سے نکل جائے۔ جس کے پاس لکھی ہوئی ہے وہاں سے وہ ختم ہو جائے تو آخر کیا کریں گے؟ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی شرح صدر ہو گیا۔ جس چیز کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شرح صدر تھا۔ ایک اور صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا جن سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھوایا کرتے تھے جب آیت نازل ہوتی تو ان صحابی کو بلا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ اس کو فلاں جگہ پر رکھو۔ فلاں سورۃ کے اندر لکھو اس کو۔ فلاں آیت کے پہلے فلاں آیت کے بعد۔ وہ لکھا کرتے تھے ان کو بلایا گیا اور بلا کر ان سے کہا کہ بھئی! قرآن پاک لوگوں کے پاس لکھا ہوا ہے لیکن سب یکجا نہیں۔ کوئی سورۃ کسی کے پاس ہے

تو کوئی آیت کسی کے پاس ہے تم سب کو ایک جگہ جمع کر دو تو انہوں نے بھی یہی پوچھا کہ جو کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ تم لوگ کرنے کے لئے کیوں بیٹھے ہو؟ حالانکہ قرآن پاک کو جمع کر دینا سراسر خیر ہی خیر تھا۔ اس کے اندر کوئی شر کا پہلو نہیں تھا مگر سوال سب سے پہلے تو یہی ہے کہ: جو کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، وہ کام تم کیوں کر رہے ہو؟ ان کو بتایا سمجھایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ضرورت نہیں تھی اب ضرورت ہے۔ تب ان کی سمجھ میں آگیا۔ پھر انہوں نے اس خدمت کو انجام دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مزاج

تو کہنا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر کام میں یہی دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کیا یا نہیں۔ جو چیزیں قرآن کریم سے حدیث شریف سے ثابت ہیں ان چیزوں کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کرتے تھے اور جو چیزیں نہ قرآن کریم میں مذکور نہ حدیث شریف میں مذکور۔ اس کے کرنے پر ان کو تامل ہوتا تھا کہ کیسے کریں اس کو؟ آیا کرنا چاہئے اس کو یا نہیں کرنا چاہئے۔ پھر کسی جگہ سے سراغ نکل آئے۔ استدلال و استنباط کا اس کے سامنے تو وہ کام کر لیا کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص ایسا کام کرتا ہے بتلاتا ہے، عمل کرتا ہے جو کام نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا اور اس کو دین سمجھتا ہے تو وہ یقیناً بدعت ہوگی۔ وہ تو مردود ہے۔

قبر کو سجدہ کرنا

مثلاً ایک شخص قبر کو سجدہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دین ہے تو اصولی اور بنیادی طور پر اس سے سوال کیا جائے گا کہ بھئی! اگر یہ دین ہے تو قرآن پاک میں تو ہوگا نا؟ اس لئے کہ قرآن پاک نے اعلان کیا ہے؛

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ" (سورۂ مائدہ: ۳)

[آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔]

(آسان ترجمہ)

جب یہ دین کی بات ہے تو قرآن میں تو ہوگی کیونکہ قرآن تو کامل ہے۔ اگر قرآن میں نہیں ہے تو پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" یہ کیسے صحیح ہوگا؟ جب آج ایک چیز دین کی دین کے نام پر تم پیش کر رہے ہو اور وہ قرآن میں نہیں ہے تو بغیر اس کے پھر دین مکمل کیسے ہوا اللہ تعالیٰ نے اعلان کیسے فرمایا اور اگر قرآن میں نہیں تو حدیث میں تو ہوگا۔ حدیث بھی ایک قسم کی وحی ہی ہے، وحی خفی سہی۔ اگر حدیث میں ہے تو کہاں ہے؟ حدیث لاؤ دکھلاؤ کہاں حدیث میں ہے؟ اگر حدیث میں نہیں ہے تو وہ دین کیسے؟ جو چیز نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں ہے اس کو دین کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ دین تو نہیں ہوگا۔ اور اگر قرآن پاک کی کسی آیت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مسئلہ نکالا کہ قبر کو سجدہ کرنا درست ہے؟ تو وہ معلوم ہونا چاہئے کہ کیا ہے کہاں سے استدلال کیا استنباط کیا ہے۔ قرآن میں نازل ہوا ہے مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتلایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا اعتراض ہوگا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپا لیا۔ قرآن پاک کو؟ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن پاک کی اشاعت کرنے کے لئے آئے تھے۔

"يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ" (سورۃ المائدۃ: ۶۷)

[اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو اور اگر ایسا نہیں کرو گے (تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔] (آسان ترجمہ)

اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کی تبلیغ نہیں کی، "نعوذ باللہ من ذالک" تو فریضۂ رسالت کو پورا نہیں فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا مگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ اس پر عمل کیا نہ اس پر عمل کو چالو کیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا: "الا فلیبلغ الشاهد الغائب" [خبردار حاضر شخص غائب کو پہنچادے۔] جن لوگوں نے مجھ سے دین کو سنا ہے اس کی تبلیغ کریں۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دین سپرد فرمایا ایسے لوگوں کے جنہوں نے دین کو پہنچایا نہیں پورا بلکہ چھپالیا۔ استغفر اللہ۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اگر اعتماد ختم ہوجائے تو صحیح دین کے پہنچنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ دین تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔ جس طبقہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتماد نہیں کیا وہ دین سے اور قرآن سے محروم ہے نہ اسکے پاس دین ہے نہ قرآن ہے کچھ نہیں ہے اگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں یہ چیز نہیں ملتی تو دیکھئے ائمۂ مجتہدین امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں سے استنباط کیا ان کے فقہ میں موجود ہے؟ ان میں بھی نہیں تو پھر بتائیے یہ دین کیسا ہے؟

بدعتی کا حال

تو جو شخص قبر کو سجدہ کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ یہ دین ہے وہ یا تو قرآن پاک پر اعتراض کرتا ہے کہ قرآن پاک میں اس کا دین ہونا بیان نہیں کیا گیا لہٰذا جو قرآن پاک میں کہا ہے: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" یہ دین مکمل ہے اور آج جو دین کامل ہوا کہ میں نے آج اس میں ایک شئی کا اضافہ کیا ہے یا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتا ہے کہ اللہ نے تو نازل کیا تھا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھپالیا جو فریضۂ تبلیغ رسالت کے خلاف ہے

یا پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بتایا تھا لیکن نہ صحابۂ رضی اللہ عنہم نے اس پر عمل کیا نہ آگے کو امت میں چالو کیا اس کو۔ یا پھر ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے کہ وہ حضرات تو نہیں سمجھے تھے دین کو آج چودہ سو سال بعد میں سمجھا ہوں دین کو اور اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے تو پھر براہ راست وہ منصب رسالت پر حملہ کرتا ہے کہ جس طرح سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بتایا کرتے تھے کہ فلاں چیز دین ہے وحی خفی آپ پر نازل ہوئی تھی۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ فلاں چیز دین ہے اللہ کو خوش کرنے والی اسی طرح مجھے بھی یہ حق پہونچتا ہے کہ میں بھی کہوں فلاں چیز دین ہے یہ منصب رسالت پر حملہ کرنا ہے۔ اس لئے خطرناک چیز ہے بدعت۔

جنت سے نکالنے جاتے وقت حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کی اللہ تعالیٰ سے درخواست

اسی وجہ سے روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنت سے دنیا میں بھیجا گیا شیطان کو بھی نکال دیا گیا۔ قصہ سب جانتے ہیں۔ مشہور و معروف ہے۔

ابلیس کی پہلی درخواست مجھے قیامت تک کیلئے مہلت دے

تو شیطان نے کہا کہ اے خدا! آدم علیہ السلام کی وجہ سے مجھے جنت سے نکالا جا رہا ہے، لہٰذا مجھے زندگی طویل دے تاکہ میں آدم علیہ السلام کی اولاد کو بہکاؤں اور دوزخ میں داخل کراؤں۔

"اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ" (سورۂ اعراف: ۱۴)

[مجھے اس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے جس دن لوگوں کو قبروں سے

زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔] (آسان ترجمہ)

جس دن قبروں سے لوگ اٹھیں گے اس روز تک کے لئے مجھے زندگی دے اور چالاکی اس میں یہ تھی کہ جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب مر جائیں گے اس کے بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا جس سے کہ مردہ زندہ ہوں گے کہ پھر کسی کو موت نہیں آئے گی۔ موت سے بچ جائیں گے۔ وہاں تو جواب ملا:

"اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ"

وقت معلوم تک کے لئے تجھے زندگی دیدی گئی ہے۔ "وقت معلوم کیا ہے" وہ پہلا صور ہے، لہٰذا موت تجھے بھی آئے گی بچنے کی کوئی صورت نہیں موت سے۔ اس واسطے وقت معلوم تک اس کو مہلت دی گئی۔

دوسری درخواست: مجھے انسان پر قابو دے

اس نے کہا کہ مجھے قابو دے انسان پر، اولاد آدمؑ پر کہا کہ اچھی بات ہے تجھے قابو دیدیا گیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم"

جس طریقہ سے خون انسان کی رگوں میں سرایت کرتا ہے اس طریقہ پر شیطان انسان کے رگوں میں سرایت کرتا ہے اتنا قابو دے دیا گیا۔

تیسری درخواست: مجھے ترقی دے

کہا: کہ اچھا مجھے اس میں کچھ ترقی دے تو وہاں سے جواب ملا کہ اچھی بات ہے۔ جب حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَام کے کوئی بچہ پیدا ہوگا تو تیرا بھی بچہ پیدا ہوگا تیرے بچہ کو اس کے بچہ پر قدرت دے دی گئی ہے قابو دے دیا گیا ہے۔ بہت خوش ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پہلی درخواست

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ! اس شیطان کو میرے اوپر مسلط کر دیا مجھے بھی تو بچنے کی کوئی صورت بتا؟ کہا کہ اچھا تمہارے لئے یہ ہے کہ ایک نیکی کروگے تو دس گنا ثواب اگر خطا ہو جائے گی تو اتنا ہی بدلہ یا معاف۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دوسری درخواست

اس نے کہا کہ مجھے بھی ترقی دے کہا کہ اچھا جب تمہارے بچہ پیدا ہوگا شیطان کے بھی بچہ پیدا ہوگا۔ اس کے بچہ کو تمہارے بچہ پر تسلط دیا گیا ہے تو ملائکہ ہم مقرر کر دیں گے تمہارے بچہ کی حفاظت کے واسطے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جس طرح برسات کے زمانہ میں شہد کا پیالہ کسی کے سامنے رکھا ہو اور وہ شخص بار بار حرکت کرتا رہے یعنی مکھیوں کو بھگاتا رہے، اڑاتا رہے، تو خیر ورنہ تو مکھی اور مچھر آآ کر اس پر جمع ہو جاویں۔ چھتہ کا چھتہ آبیٹھے۔ اسی طریقہ پر شیاطین و جنات انسان کے درپے ہیں اس کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کے لئے، اور ملائکہ ان کو ہٹاتے رہتے ہیں ان کو، اور انسان کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تیسری درخواست

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: اچھا مجھے بھی اور ترقی دو۔ اور ترقی دی گئی کہ مرنے سے پہلے جب توبہ کرلو سارے گناہ معاف۔

شیطان کی بے چینی اور بے قراری

اب شیطان چیختا چلاتا ہے کہ دیکھئے صاحب! اتنی محنت کروں گا آدمی پر اس کو غلط راستے

پر لگاؤں گا گناہ کراؤں گا، مرتے وقت توبہ کرے گا اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ میری تو محنت بیکار ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ سے شیطان نے کہا کہ دیکھ میں بھی انسان کو بہکاؤں گا۔

"لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ. ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ. (سورۂ اعراف:۱۶،۱۷)

[اس لئے میں (بھی) قسم کھاتا ہوں کہ ان (انسانوں) کی گھات لگا کر تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ رہوں گا، پھر میں ان پر (چاروں طرف سے) حملے کروں گا، ان کے سامنے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی، اور ان کے دائیں سے بھی، اور ان کے بائیں سے بھی، اور تو ان میں سے اکثر کو شکرگذار نہیں پائے گا۔] (آسان ترجمہ)

میں سیدھے راستہ پر بیٹھ جاؤں گا پھر آگے سے پیچھے سے، داہنے سے، بائیں سے بہکاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کی توفیق کا وعدہ

بندہ بڑے سے بڑا گناہ کر لیگا، ہم اس کو توبہ کی توفیق دیں گے، وہ توبہ کر لیگا ہم اس کو معاف کر دیں گے۔ وہاں سے حکم ہوا کہ اچھا تو گناہ کرائے گا؟ ہم توبہ کی توفیق دیں گے۔ اس نے کہا اچھی بات ہے۔ میں بدعات میں مبتلا کراؤں گا توبہ تو گناہوں سے کرتے ہیں بدعات کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس کو دین سمجھ کر کرتے ہیں اسی واسطے سخت سے سخت گناہ اتنا سنگین نہیں جتنی سنگین بدعت ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے آدمی سخت سے سخت گناہ کرے چاہے اس کے او پر حد لازم ہوتی ہے۔ چاہے تعزیر لازم ہوتی ہے لیکن گناہ تو سمجھتا ہے اس کو طبیعت میں ندامت تو پیدا ہوتی ہے کسی وقت توبہ کی توفیق تو ہو سکتی ہے لیکن جس چیز کو ثواب سمجھ کر کر رہا ہے۔ نیکی سمجھ کر کر رہا ہے اس سے تو توبہ کی کوئی صورت نہیں بنتی۔

بدعت سخت خطرناک ہے

اسی لئے اکابر نے بدعات سے بہت بچایا ہے، کوشش یہ کی ہے کہ کوئی شخص بھی بدعت کے پاس نہ جائے۔ بس بہت خطرناک چیز ہے، وجہ اس کی یہی ہے کہ بدعت کو نیکی سمجھ کر، دین سمجھ کر، ثواب سمجھ کر کرتا ہے، لہٰذا وہاں توبہ کی کوئی صورت نہیں، تو کہاں سے توبہ کی توفیق نصیب ہو۔ توبہ گناہ سے ہوتی ہے۔ نیکیوں سے تو توبہ ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے حدیث میں ہے:

"كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ"

[ہر نئی چیز بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔] انجام اس کا جہنم ہے۔

سخت ترین افسوس کی بات

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس چیز کو اللہ نے آسمان سے نازل فرمایا ہے۔ قرآن پاک کے تیس پاروں میں وہ چیز نازل ہوئی۔ ۲۳ر سال کی مدت میں جو چیز نازل ہوئی اور بڑے اہتمام کے ساتھ کہ ملائکہ کی جماعتوں کی جماعتیں بعضے بعضے دفعہ وحی کے ساتھ میں آئی ہیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ۔ تو اتنی بڑی جماعت ملائکہ کی نازل ہوئی کہ تمام افق کو بھر دیا۔ شیاطین پاس کہیں نہ آسکیں اور ۲۳ر سال تک حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ عمل فرمایا۔ احادیث بیان فرمائیں۔ ان کو محدثین نے جمع کیا۔ ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے نا قابل التفات سمجھتے ہوئے آدمی اپنے نفس سے ایجاد کرتا ہے کسی چیز کو دین بنا کر۔ کیوں بھئی دین قرآن میں کچھ کم ہے؟ احادیث میں کچھ کم ہے؟ جو تم کو دین بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اتنی بڑی ہدایت کی کتاب اس سے تو منہ پھیر لے، اور شیطان نے بتایا کہ فلاں چیز کر یہ دین ہے۔ اس کی بات مانی۔ خدا کو چھوڑ کر شیطان کی بات ماننا، رسول کو چھوڑ کر

ابلیس کی بات ماننا، حالانکہ شیطان کھلا ہوا دشمن ہے۔

"اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ"

[بے شک شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔]

اللہ تعالیٰ خیر کی طرف بلاتا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خیر کی طرف بلاتے ہیں اس کی طرف سے روگردانی کر کے شیطان کی بات ماننا یہ نہایت خسارہ کی بات ہے، بڑی ناقدری کی بات ہے، ناشکری کی بات ہے، قرآن پاک کی ناشکری، حدیث پاک کی ناشکری، اللہ پاک کی ناشکری، رسول پاک کی ناشکری، ان سب کی ناشکری کی۔

زندگیوں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے

اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے، ان میں جو چیزیں بدعت کی بھری ہوئی ہیں ایک ایک کو نکال کر پھینک دینے کی ضرورت ہے۔ نکھرا ہوا، کھلا ہوا، خالص دین جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتلایا اس دین کو لینے کی ضرورت ہے۔

پچھلی امتوں میں تحریف دین کی بنیاد

یہ جو پچھلی امتیں تھیں یہود و نصاریٰ، ان کے دین میں کیا ہوا؟ یہی تھا کہ جو چیز دین تھی اس چیز کو تو دین سے نکال دیا اور جو چیز دین نہیں تھی اس کو دین میں داخل کر دیا۔ ساری شریعت ان کی منسوخ ہو کر رہ گئی مسخ ہو کر رہ گئی۔ کتابوں میں تحریف ہو گئی آج ان کا یہاں یہ پتہ چلانا دشوار ہو گیا کہ کون سی چیز اللہ تعالیٰ نے نازل کی تھی کون سی چیز انہوں نے اپنے طور پر داخل کر دی۔ اس چیز سے بچانے کیلئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختی کے ساتھ بدعت کو روکا ہے۔

غیر اللہ کیلئے سجدہ کی ممانعت

ایک صحابی رضی اللہ عنہ گئے ہیں باہر کسی ملک، وہاں سے واپس آئے، آ کر عرض کیا کہ حضرت! ہم نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے چودھری کو اپنے حاکم کو سجدہ کرتے ہیں۔ حضور! آپ زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہوں۔ اگر میرا انتقال ہو جائے تو کیا میری قبر کو سجدہ کروگے؟ کہا: کہ نہیں۔ فرمایا: بس سجدہ تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے سامنے کرنے کا حق ہی نہیں۔ وہ تو صرف اللہ کے لئے ہے۔ اگر کسی اور کے لئے سجدہ کی گنجائش ہوتی تو شوہر کے لئے سجدہ کی گنجائش ہوتی۔ بیوی کو امر کیا جاتا کہ تم اپنے شوہروں کو سجدہ کرو۔ مگر سجدہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

ہر ہر بدعت کے بارے میں سوال کیا جائے گا

اسلئے جس طرح سے سجدہ کے متعلق آپ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں نہیں، حدیث میں نہیں، کیا قرآن کی آیت: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" غلط ہے، کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فرمایا تھا:

"يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ"

کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف کیا؟ کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کو چھپایا؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں دیا؟ کیا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے: "الا فليبلغ الشاهد الغائب" [خبردار! چاہئے کہ ہر حاضر غائب تک پہنچا دے۔] کے خلاف کیا؟ بس ہر چیز کے متعلق یہ سوال کرنے کا حق ہے کہ بتادو کہاں سے ہے؟ کس جگہ سے آئی ہے اس چیز کو دین کس طرح بنا دیا ہے جو چیز دین نہیں ہے تو دین کیسے بن جاتی ہے؟

بدعت کی عجیب مثال

ایک شخص کا ایک مکان ہے اس کی دیوار پر ایک پیپل کا پودا اگ آیا۔ کیا بویا تھا وہاں؟ بویا نہیں، چڑیا گئی اس نے پیپل کا پھل کھایا تھا۔ برگد کا پھل کھایا تھا اس کا بیج اس کے پیٹ میں تھا، وہ آ کر دیوار میں بیٹھی۔ اور اس نے بیٹ کی اس میں کو بیج نکلا وہ بیج وہاں جم گیا، پودا الگ گیا، اس کو بویا نہیں گیا یہ بدعات صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوئی نہیں بلکہ یہ اسی طریقہ پر آئی ہیں باہر سے آئی ہیں اور مخلوط ہو گئیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجدد ین کو پیدا فرماتے ہیں محدثین کو پیدا فرماتے ہیں کہ بدعات کو نکال نکال کر تلاش کر کے دین کو خالص کر کے پیش کریں۔

فرق نامیہ

اسی لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایسے فرقوں کو جو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں لیکن اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ان کو فرق نامیہ کہتے ہیں۔ یہ اُگ آئے ہیں، بوئے نہیں گئے تھے۔ بغیر بوئے ہوئے اُگ آئے ہیں۔ ان کی کانٹ چھانٹ کی ضرورت ہے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل علم حضرات کو یہ منصب سپرد فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ اس کی دیکھ بھال رکھیں کہ کوئی چیز غلط قسم کی دین میں نہ آجائے۔ جو آئی ہو اس کو نکال دیا جائے محو کر دیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مراتبِ علم

اس بیان میں

حصول علم کے درجات وشرائط اور بلا استاذ محض مطالعہ کے ذریعہ کتاب حل کرنے کی کوتاہیوں کا بیان ہے۔

....

مراتبِ علم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بَعْدُ!

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر ہیں۔

درجاتِ علم

وہ فرماتے ہیں کہ: "اَوَّلُ الْعِلْمِ اَلْاِسْتِمَاعُ ثُمَّ الْاِنْصَاتُ ثُمَّ الْحِفْظُ ثُمَّ الْعَمَلُ ثُمَّ النَّشْرُ" [علم کا اول درجہ استماع ہے، سننا، پھر خاموش رہنا، پھر حفظ کرنا، پھر عمل کرنا، پھر نشر کرنا اس کو پھیلانا۔] علم کے پانچ درجہ ہیں۔

پہلا درجہ

سب سے پہلا درجہ استماع کا ہے، سننا۔ یہ علم! علمِ نبوت ہے۔ اس کا مسموع ہونا ضروری ہے۔ استماع لازم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"فاستمع لما یوحیٰ" (سورہ طٰہٰ :؟)

[جو بات وحی کے ذریعہ کہی جارہی ہے، اسے غور سے سنو۔] (آسان ترجمہ)

استماع کرو، قرآن پاک میں حکم ہے:

"واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ" (سورۃ الاعراف :؟)

[اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو۔] (آسان ترجمہ)

سنو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کے سننے کی یہ حالت ہوتی تھی کہ ہر چیز سے علیحدہ ہو کر سنتے تھے۔ یہ نہیں کہ باتیں بھی کر رہے اور سن بھی رہے بلکہ خاص کیفیت پیدا ہوتی تھی کہ اس عالم (دنیا) سے ربودگی ہے اور دوسرے عالم کے ساتھ اتصال ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا بواسطہٴ ملائکہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم کو سنایا۔

"یتلو علیهم آیاته" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے ہیں۔

"واذا تلیت علیهم اٰیاته زادتهم ایماناً" (سورۃ الانفال:؟؟)

[اور جب انکے سامنے اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں۔] (آسان ترجمہ) جب انکے اوپر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو انکے ایمان کو قوت پہونچتی ہے۔ تو استماع لازم ہے۔ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استماع کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تابعین رحمہم اللہ نے استماع کیا۔ اور تابعین سے تبع تابعین نے کیا۔ برابر استماع چلا آرہا ہے۔ اس واسطے استماع لازم ہے۔

مطالعہ سے حل کرنا

کوئی شخص اگر اپنی مہارت وعربیت پر اور قوت مطالعہ کے زعم میں یہ چاہے کہ میں حدیث شریف کو خود حل کرلوں گا مجھے تو عربی آتی ہے اس کا یہ خیال خیالِ خام ہے۔ سوداء ہے جنون ہے کوئی اگر اس طرح سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ حدیث کی اہمیت سے اور اسکی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہے۔ اگر عربی کچھ پڑھ لی یا عرب علاقہ میں کچھ رہ لئے۔ کچھ ٹوٹی، پھوٹی عربی بول چال آگئی یا فرض کیجئے کہ کچھ مقالے لکھ لئے۔ فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ اس سے وہ سمجھے کہ میں حدیث کو بھی سمجھ لوں گا اور حل کرلوں گا تو یہ غلط خیال ہے۔ یہاں تو استماع ضروری ہے اساتذہ سے پڑھنا ضروری ہے۔ کیا بات تھی کہ محدثین حضرات ایک

ایک بات کو متعدد اساتذہ سے حاصل کرتے تھے۔ کبھی ان صاحب کے پاس جارہے ہیں کبھی ان کے پاس جارہے ہیں۔

حافظ حسن بن مندہ رحمۃ اللہ علیہ

حافظ حسن بن مندہ کے حالات میں لکھا ہے چالیس برس وہ سفر میں رہے علم حدیث کو حاصل کرنے کیلئے جس شہر میں جاتے، تحقیق کرتے کہ یہاں کون کون محدث ہیں؟ ایک محدث کے پاس گئے جتنی حدیثیں ان کے پاس تھیں ساری ان سے حاصل کیں اور لکھیں۔ دوسرے محدث کے پاس گئے اور ان سے احادیث حاصل کیں اور ان میں وہ حدیثیں بھی تھیں جو پہلے محدث سے سن چکے تھے مگر اس پر قطعاً قناعت نہ کی بلکہ کہا انہوں نے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں مجھے اور چاہئے جو نہ سنی ہوں۔ چنانچہ چالیس صندوق انہوں نے اپنے قلم سے لکھے ہوئے حدیث کے ذخیرے میں چھوڑے کتنی محنت کی ان حضرات نے، صرف لغت دانی پر موقوف نہیں سمجھا۔ جو شخص عربی لغت سے واقف ہو وہ شخص حدیث کو سمجھ جائے۔ ایسا نہیں، نہ وہ قرآن پاک کو سمجھ سکتا ہے، نہ حدیث پاک کو سمجھ سکتا ہے، جب تک استاذ سے نہیں پڑھے گا۔ صحیح معنی میں نہیں سمجھے گا۔ استاذ اور شاگردی اس کے واسطے لازم ہے۔ کتنی روایات ایسی ہیں جن کو کوئی شخص محض اپنی قابلیت سے حل کرنا چاہے تو حل نہیں کرسکتا۔

"ثُمَّ نَقَدَ" کا مطلب

مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "وہ آدمی بہت اچھا ہے جس کا کاروبار زیادہ پھیلا ہوا نہ ہو۔ جان پہچان لوگوں سے کم ہو، مرجائے تو اس کے اوپر رونے والے بھی کم ہوں، گمنامی کی وہ زندگی گذارے ثم نقد پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روپیہ پرکھا۔ نقد کے معنیٰ روپیہ پرکھنا۔ وہاں تو روپیہ پرکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔ روپیہ کا تعلق

وہاں کیا اب آدمی غور کرے گا، جھک مارے گا اس سے حل نہیں ہونے کا کہ روپیہ پرکھنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا کوئی جوڑ ہی نہیں روپیہ پرکھنے سے پہلے زمانہ میں جب روپیہ چاندی کا ہوا کرتا تھا تو اس طرح سے (حضرت نے اپنی انگلی مبارک سے شارہ فرما کر سمجھایا) روپیہ پرکھنے کے لئے اسے چٹکی لگایا کرتے تھے یہ ہوتا تھا طریقہ روپیہ پرکھنے کا۔ اس کی آواز سے پتہ چلتا تھا کہ روپیہ چاندی کا کھرا ہے کہ کھوٹا ہے اور سب جانتے تھے اب چاندی کا روپیہ ہی ختم ہوگیا۔

اس لئے روپیہ پرکھنے کا تصور ہی نہ رہا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا ہے وہ آدمی جس کا کاروبار پھیلا ہوا نہ ہو گمنانی کی زندگی گذارے۔ تعلقات زیادہ نہ رکھے پھر چلدیا یعنی دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس کے انتقال کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے بیان فرمایا ہے کہ دنیا سے چلا گیا۔ تو راوی نے وہ ہیئت بیان کی جس ہیئت پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تھی وہاں روپیہ پرکھنا نہیں ہے نہ پرکھنے کی کوئی چیز ہے۔ جو روپیہ پرکھنے کی ہیئت ہوتی تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہیئت بیان فرمائی۔ حدیث بیان کرتے ہوئے کہ وہ چلا گیا یا رخصت ہوگیا دنیا سے۔

"عَقَدَ ثَلٰثِیْنَ" کا مطلب

ایک اور حدیث پاک میں ہے، مسئلہ بتایا: "وعقد ثلثین" اور تیس کی گنتی گنی۔ ۳۰ر کی گنتی کا وہاں کوئی سوال نہیں۔ جوڑ نہیں۔ ۳۰ر کی گنتی کیا ہے؟ دس بیس تیس۔ یہ تیس ہے۔ راوی ہئیت بیان کر رہا ہے بعض دفعہ بات کرتے وقت ہاتھ اٹھانے کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ کبھی انگلی سے اشارہ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مختلف چیزوں سے۔

مسئلہ یہ ہے (یہاں بھی حضرت ہاتھ اوپر کو اٹھا کر نیچے کر کے اشارہ فرما کر سمجھا رہے ہیں) اس طرح سے بیان فرما رہے ہیں۔ یہ ہے تیس کی گنتی۔ جو مسئلہ بیان فرمایا اس کو اپنی انگلی سے سبابہ اور ابہام کا اشارہ کیا ہے۔ اس طرح کیا۔

عرب میں انگلیوں پر گنتی گنی جاتی ہے، جس کو "عقد انامل" کہتے ہیں، انہیں گنتیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

قرآن پاک سے مسائل نماز کو حل کرنا

غرض یہ کہ آدمی بغیر استاد کے استماع کے خود بخود حدیث کو حل کر لے یہ نہیں ہوسکتا۔ اب دیکھئے نماز کا تذکرہ قرآن پاک میں ہے: "اقیمو الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ" تقریباً ۳۰ر مقامات پر صلوٰۃ وزکوٰۃ کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے قرآن پاک میں۔

نماز کی فرضیت

اور نماز جیسی اہم عبادت اللہ تعالیٰ نے معراج میں حضور اقدس ﷺ کو بلایا اور وہاں بلا کر نماز کو فرض فرمایا۔ ایسے نہیں کہ فوراً احکام بھیج دئے۔ بلکہ وہاں عرش پر بلا کر فرض فرمایا اور کتنا اس کے اندر قصہ پیش آیا کہ اوّلاً پچاس نمازیں فرض فرمائیں، جب واپسی ہو رہی تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے دریافت فرمایا: کتنی نمازیں فرض ہوئیں؟ آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ پچاس نمازیں فرض فرمائی ہیں۔

انہوں نے کہا: کہ آپ جا کر نمازیں کم کرائیے۔ بہت زیادہ ہیں۔ بنی اسرائیل پر بڑی محنت کی وہ نہیں پڑھ سکے۔ غرض بار بار جانا ہوا پھر بھی پانچ رہ گئیں حضور اقدس ﷺ کو سمجھانے والے۔ اللہ تعالیٰ بتانے والے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے برابر دوسرا ہوسکتا ہے نہ حضور اقدس ﷺ کے برابر دوسرا ہوسکتا ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ تعلیم

اس کے باوجود اس نماز کی ہیئت ترکیبیہ جو تھی اس کو بتانے کے لئے دو روز تک

حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا۔ وہ دنیا میں آئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھ کر دکھلائی کہ اس طرح سے پڑھی جائے۔ اگر محض الفاظ سے حل ہو جایا کرتا معاملہ تو بہت سہل تھا قصہ۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ دو روز تک نماز پڑھ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دکھائی پانچوں وقت کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عامۃً عربی تھے، ان کی زبان بھی عربی تھی، جو ان کی مادری زبان تھی۔ کوئی مشکل نہیں تھی ان کے لئے۔

شرائط نماز

قرآن پاک میں نماز کی شرائط کا بھی ذکر ہے۔

استقبال قبلہ: مثلاً استقبال قبلہ شرائط میں سے ہے: "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" [لو اب اپنا رخ مسجد حرام کی سمت کرلو۔] (آسان ترجمہ)

کپڑوں کا پاکی: مثلاً کپڑوں کا پاک ہونا نماز کی شرائط میں سے ہے۔ اس کے لئے فرمایا: "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" [اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔]

وضو کی فرضیت: مثلاً اعضاء وضو کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اس لئے فرمایا گیا، قرآن پاک میں ہے:

"اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ"

[اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو، تو اپنے چہرے، اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک دھولیا کرو۔ (آسان ترجمہ)

ارکان وفرائض

اور نماز کے جو ارکان وفرائض ہیں وہ بھی قرآن پاک میں مذکور ہیں۔

تکبیر تحریمہ: نماز شروع کی جاتی ہے تکبیر تحریمہ سے، قرآن پاک میں ہے:

"وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" [اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔] (آسان ترجمہ)

قیام: وہاں قیام کا ذکر ہے: "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ" [اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔] (آسان ترجمہ)

قرأت: وہاں قرأت کا ذکر ہے: "فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" [اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔] (آسان ترجمہ)

رکوع وسجود: وہاں رکوع وسجود کا ذکر ہے: "وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا" [اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو۔] (آسان ترجمہ)

ساری چیزیں موجود ہیں لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا: "صَلُّوْا كَمَا نَزَلَ فِي الْقُرْاٰنِ" نماز اس طرح پڑھو جس طرح قرآن میں نازل ہوئی بلکہ فرمایا: "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ" جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اسی طرح سے نماز پڑھو۔

تو صرف قرآن شریف کو سامنے رکھ کر اس سے کوئی حل کرنا چاہے نماز پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے استاذ کی ضرورت ہے تو پہلی چیز حضرت امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ استماع کا ہونا ضروری ہے۔ اب استماع نہ ہو محض لکھا ہوا ہو تو اس میں بہت خرابط ہوتا ہے۔

بغیر استاذ کے قرآن پاک پڑھنے میں غلطی

ایک صاحب نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا بغیر استاذ کے۔ اس زمانہ میں کچھ نقطے دینے کا رواج اہتمام سے نہیں تھا۔ پڑھتے ہیں: "الٓمٓ ذٰلك الكتاب لازيت فيه" بجائے "لاريب فيه" پڑھنے کے "لازيت فيه" پڑھتے ہیں۔

"وجعل السقاية فى رحل اخيه" "رحل" کی جگہ پر "رجل" پڑھتے ہیں۔ "فى

رجل اخیۃ" اللہ تبارک وتعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو جنہوں نے قرآن پاک میں نقطے لگا دیئے۔

بغیر استاذ حدیث شریف پڑھنے میں غلطی

حدیث شریف میں بھی یہ دشواری پیش آتی ہے اسی لئے ایک جگہ پر کچھ لوگ جمع تھے احادیث لکھ رہے تھے۔ایک صاحب نے آ کر کہا او بنو امیہ!، او امیہ کے لونڈو! کس طرح سے لکھتے ہو تم؟ ایک راوی ہے اَسِید۔ایک راوی ہے اُسَید ایک راوی ہے اُسَیّد۔املاء ان تینوں کا ایک طرح سے ہے مگر تلفظ الگ الگ ہے۔کتاب سے جب نقل کریں گے پڑھیں گے تو اشتباہ ہو گا، تمیز کرنی دشوار ہے۔

اِحْتَجَرَ کا اِحْتَجَمَ

محدثین میں ایک محدث ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں ترمذی شریف کے راوی ہیں ان کے استاذ نے ان کو کتاب دیدی احادیث بیان کرنے کے لئے۔استاذ سے ان روایات کو سننے کی نوبت نہیں آئی۔صرف کتاب میں دیکھ کر وہ روایت نقل کرتے ہیں۔وہ روایت کرتے ہیں: "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجم فی مسجدہ" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت کی اپنی مسجد میں۔سامع کہتا ہے: "فی مسجد بیتہ" اپنے گھر کی مسجد میں فرمایا۔ "لابل فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" مسجد نبوی میں احتجام کیا۔احتجام کے کیا معنیٰ ہیں؟ پچھنے لگانا۔اب اس کے اوپر مسائل چلیں گے، پچھنا لگے گا تو خون نکلے گا، مسجد میں خون کا نکالنا کیسا ہے؟ حالانکہ وہ "احتجم" نہیں "احتجر" ہے۔ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احتجر فی مسجدہ" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بوریہ پھاڑ کر حجرہ کی ہیئت بنائی تھی نماز کے لئے۔اس "احتجر" کو "احتجم" پڑھا۔

عِدَّۃُ ابنُ مَنْ

اسی طریقہ پر یزید بن ہارون محدث ہیں۔ حدیث بیان کرتے ہیں۔ "حدثنی به عدة" مجھ سے متعدد حضرات نے اس حدیث کو بیان کیا۔ راوی سننے والا سمجھتا ہے کہ: "عدة" کسی راوی کا نام ہے۔ پوچھتا ہے: "عدۃ ابن من؟" ان کی ولدیت کیا ہے؟ کس کے بیٹے ہیں؟

عَنِ اللهِ عَنْ رَجُلٍ

روایت بیان کرتے ہیں ایک راوی:

"حَدَّثَنَا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن جبرئيل عن الله عن رجل"

روایت بیان کی حضور اقدس ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے روایت بیان کی اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ نے حدیث بیان کی ایک رجل سے۔

بھئی یہ رجل کون ہیں؟ جو اللہ میاں کے بھی شیخ ہیں؟ "عن رجل" نہیں وہ "عز و جلّ" تھا۔ "عن الله عزّ و جل" عزّ کو "عَنْ" پڑھا اور واؤ کو را پڑھا، جلّ کو جل پڑھ دیا۔ اس لئے اس قسم کی غلطی کثرت سے ہوتی ہے جب استماع نہ ہو۔ جب استماع ہوگا تو راوی پوچھے گا استاذ سے یہ کون ہیں؟ کسی نام پر اشتباہ ہوگا اسے پوچھے گا، نام میں کچھ فرق ہوگا تو اس کی تمیز و تعیین کرائے گا۔ اس لئے پہلی چیز استماع ہے۔

ضرورتِ سند

اسی واسطے سند کی بڑی اہمیت ہے محدثین کے یہاں۔ اسی واسطے محدثین کہتے ہیں: "ان هٰذا العلم لدين، انظروا عمن تأخذون دينكم" یہ علم دین ہے دیکھ لو کیسے شخص سے دین حاصل کر رہے ہو؟ کہاں لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: "انظر الیٰ ما قال، لا تنظر

الی من قال"۔ جو کچھ کہا اس کو دیکھو، جس نے کہا اس کو مت دیکھو۔

(۱)......پس علم کا اوّل درجہ استماع ہے۔ استاذ سے اس کو سننا۔

(۲)......دوسرا درجہ ہے۔"انصات" خاموش رہنا، یعنی جب استاذ بیان کرے، شاگرد خاموش ہو کر سنے، یہ نہیں کہ ادھر ادھر کی باتیں بھی کر رہے ہیں، سن بھی رہے ہیں۔

(۳)......تیسرا درجہ ہے: اس کو حفظ کرنا۔ استاذ سے صرف سن لینا کافی نہیں، بلکہ استاذ سے جو سنا ہے اس کو حفظ بھی کرلے، اس کو یاد بھی رکھے، ایسا نہیں کہ سنا اور بس ختم، اس کو بھلا دیا، بلکہ اس کو برابر یاد کرتا رہے۔

(۴)......چوتھا درجہ ہے عمل۔ استاذ سے جو سنا ہے اس پر عمل بھی کرے۔ ایک آدمی استاذ سے سنتا بھی ہے، یاد بھی رکھتا ہے، مگر عمل نہیں کرتا، یہ کافی نہیں، یہ علم علمِ نبوت ہے، اس کے لئے عمل بھی ضروری ہے۔ اس لئے جو سنا جائے، یاد کیا جائے، اس پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرنا چاہئے۔

(۵)......پانچواں درجہ ہے: اس کو نشر کرنا۔ اس کو شائع کرنا، اس کو پھیلانا، اس لئے مدارس میں رہ کر جو کچھ پڑھا ہے، یاد کیا ہے، اس پر عمل بھی ضروری ہے، اور عمل کے ساتھ ساتھ اس کو دوسروں تک پھیلانے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ خواہ کسی مدرسہ میں رہ کر پڑھایا جائے۔ یا مساجد میں وعظ وتقریر کے ذریعہ یا درس قرآن اور درس حدیث کی مجالس قائم کرکے، یا تصنیف وتالیف کے ذریعہ کتابیں شائع کرکے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ قبول فرمائے۔ آمین!

تفسیر سورۂ ناس

اس بیان میں

سورۂ ناس کی تفسیر عجیب وغریب الہامی طریقہ پر بیان کی گئی ہے۔

تفسیر سورۂ ناس

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ اِلٰہِ النَّاس۔ الیٰ آخرہ۔

[کہو: کہ میں پناہ مانگتا ہوں سب لوگوں کے پروردگار کی، سب لوگوں کے بادشاہ کی، سب لوگوں کے معبود کی، اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے کو چھپ جاتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، چاہے وہ جنات میں سے ہو، یا انسانوں میں سے۔] (آسان ترجمہ)

قرآن پاک کی سب سے آخری سورت ہے۔

شانِ نزول

حضرت نبی کریم ﷺ جس وقت ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ وہاں یہودیوں نے آپ پر جادو کیا۔ اس جادو کے اتار کیلئے دو سورتیں نازل ہوئیں۔ یہ یہودی لوگ بڑے سخت دشمن اور مخالف تھے اپنی کتابوں کے ذریعہ وہ جانتے تھے کہ نبی آخر الزماں ﷺ پیدا ہوں گے مگر اس کے لئے وہ تیار نہیں تھے کہ وہ بنی اسماعیل میں سے ہوں۔ اس واسطے سخت مخالف تھے، اور ایذاء پہنچانے کی طرح طرح کی ترکیبیں کرتے تھے۔

کوکب محمد ﷺ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں ملک شام میں تھا۔ مغرب کے

بعد ایک شخص نے بلند آواز سے کہا: "ھٰذا کو کب محمد صلی اللہ علیہ وسلم"

یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ آسمان پر طلوع ہوا، آگے پیدا ہوں گے۔ یہاں تک جانتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو۔

ایام شیر خوارگی میں ایک یہودی کا جھپٹا مارنا

اور ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گود میں لئے ہوئے شیر خوارگی کے زمانہ میں جا رہی تھیں۔ ایک جگہ ایک یہودی بیٹھا تھا، اس کے مریدین اور چیلے بھی وہاں موجود تھے۔ یہ بھی آ کر بیٹھ گئیں۔ دیکھنے کے لئے کہ کیا ہو رہا ہے یہاں پر؟ اور اس یہودی نے دیکھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی طرف۔ پوچھا: اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں؟ آشوب ہے؟ یا آنکھیں ایسی ہی رہتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: کہ نہیں آنکھوں میں سرخی ہمیشہ رہتی ہے۔ یہ آشوب کی وجہ سے نہیں، کسی نے کہا ہے:

پُر حیا و سرمگیں آنکھوں میں ڈورے سرخ ہیں

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں پُر حیا تھیں سرمگیں تھیں، اکمل العینین تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سرمہ لگائے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سرمہ لگا رکھا ہے۔ یہ سب کچھ حالات تھے، یہ دیکھ کر اس یہودی نے ایسا جھپٹا مارا جیسے بلّی جھپٹا مارتی ہے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی بچ گئے۔ دایہ جلدی سے واپس لے آئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت سے لوگوں نے پہچان لیا تھا کہ یہ ہیں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہودی کا دستاویز لکھوانا

ایک دفعہ دو یہودی جا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، دیکھ کر کہنے لگے یہ شخص ہے جو ہمیں جزیرۂ عرب سے نکالے گا، آئے ان کے پاس۔ اور کہا: کہ ہمیں آپ سے کام ہے۔

کہا: کیا کام ہے؟

کہا: کہ جب آپ بادشاہ ہوں گے، یہاں آپ کی حکومت ہوگی، تو ہمیں ایک پروانہ لکھ دیجئے کہ آپ ہم کو یہاں سے شہر بدر نہیں کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے کہ میں کہاں اور میری بادشاہت کہاں؟ اونٹ چرانے والا آدمی ہوں۔

کہا: کہ نہیں، یہ لکھ دیجئے۔

اس زمانہ میں چار سو بیس دفعہ ایجاد نہیں ہوئی تھی۔ جانتے ہی نہیں تھے کہ کیا ہو چار سو بیس۔ لکھ دیجئے آپ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجبوراً ان کے اصرار پر لکھ دیا، لکھ کر ان کو دیدیا۔ پھر اللہ نے یہ کیا کہ حضرت نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر پوری فرما کر چلے گئے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"اخرجو الیهود من جزیرة العرب"

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کی بناء پر یہود کو جزیرۃ العرب سے نکالا۔ اس وقت وہ دونوں شخص پرچے لے کر آئے کہ دیکھئے آپ کا لکھا ہوا پرچہ ہے یہ خط ہے۔ آپ ہم کو امان دے چکے کہ ہم کو کہاں سے نہیں نکالیں گے۔ یہاں اتنا جانتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کرام تک کا ان کو علم تھا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان

ایک یہودی اپنی کتاب کے ذریعہ جانتا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوں گے مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئیں گے۔ مسجد نبوی کے قریب ایک مکان تھا اسکو معلوم ہوا کہ اس جگہ پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہریں گے آ کر۔ اس نے اس مکان کو خریدا اور سوچا کہ ٹھہرا کر سب سے پہلے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مہمان بناؤں گا۔ مگر اس کے مقدر میں نہیں تھا وہ مکان

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں قیام فرمایا۔

خیر مقصود یہ ہے کہ یہودی لوگ خوب جانتے تھے پہچانتے تھے، اسی لئے قرآن پاک میں آیا ہے:

"اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" (سورۂ بقرہ: ؟؟)

[جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔] (آسان ترجمہ)

ایسا پہچانتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ تو یہود کا منشاء تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب ختم ہو جائے، آگے کو اولاد نہ چلے اس لئے جادو کیا۔

سحر کا اثر

اور وہ جادو کا اثر آپ پر یہ ہوا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجۂ مطہرہ کے پاس جانے کا ارادہ فرماتے۔ تو خیال فرماتے کہ میں تو ہو آیا۔ فارغ ہو گیا میں تو حالانکہ نہیں گئے، نہیں فارغ ہوئے۔ جو امور وحی سے متعلق تھے ان میں کسی قسم کا خلل نہیں آیا۔ سحر کا اثر صرف اتنا ہوا جس کو اردو میں کہتے ہیں "مرد کو باندھنا" وہ باندھ دیا گیا۔ اس وقت میں یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔ "قُل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس" اس سحر کو اتارنے کیلئے، حدیثوں میں اس کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گئے اس کنویں پر جہاں پتھر کے نیچے سحر دفن تھا۔ اور اس کو وہاں سے نکالا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا۔

فرمایا: "قل اعوذ برب الناس" آپ کہئے! کہ میں پناہ مانگتا ہوں رب الناس سے۔

"ملك الناس" جو ناس کا ملک ہے۔

"اله الناس" جو ناس کا الٰہ ہے۔......کس چیز سے پناہ مانگے؟

"من شر الوسواس الخناس" خناس کے شر سے اور وسواس کے شر سے۔

وہ کیا ہیں؟ "الذی یوسوس فی صدور الناس" جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہو۔

"من الجنۃ والناس" جنات میں سے ہو انسان میں سے ہو۔

لفظ ناس کے تکرار کی وجہ

اس سورت میں کئی جگہ ناس کا لفظ آ گیا۔ جو لوگ کثرتِ تکرار کو خلاف فصاحت و بلاغت کہتے ہیں، انہوں نے اعتراض کیا اس پر۔ اعتراض کہاں تک کریں گے۔ قرآن پاک میں سورۃ ہے سور الرحمن اس میں "فبایّ اٰلاءِ ربّکما تکذبٰن" [اب بتاؤں کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔] (آسان ترجمہ) اکتیس مرتبہ آیا ہے۔ "الرحمن" یہ الف اور لام سے شروع ہے الف کا عدد ایک اور لام کے عدد تیس ایک اور تیس ۳۱ یہیں سے پتہ چل گیا ہے کہ اکتیس جگہ آیا ہے۔

"الرحمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰن" مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے جب قرآن پاک کا ترجمہ کیا اور حاشیہ لکھا ہے تو اس میں نعمتوں کی قسمیں بتا کر یوں بتایا کہ یہ کتنی قسم کی نعمتیں ہیں اصولی طور پر۔ انہی اقسام کے مطابق یہ "فبای آلاء ربکما تکذبٰن" فرمایا گیا ہے۔

انسان کی تین حالتیں

خیر یہاں اتنا سوچئے کہ انسان تین قسم کے ہیں یا انسان کی تین حالتیں ہیں۔

(۱)...... **پہلی حالت:** بالکل بچپن کی ہے۔ اسمیں کوئی تمیز نہیں۔ حلال وحرام کی تمیز نہیں پاکی اور ناپاکی کی تمیز نہیں۔ بچہ بستر پر لیٹا ہوا ہے وہ کیا جانے پیشاب کیا چیز ہے پاخانہ کیا چیز ہے؟ وہیں بستر پر اس نے پیشاب کر دیا۔ بدن کو بھی لگ گیا، کپڑوں کو بھی لگ گیا۔ اس کو کچھ پتہ نہیں۔ یہ ابتدائی حالت ہے بچہ کی۔ جب ذرا بڑا ہو جاتا ہے سمجھنے لگتا

ہے پہچاننے لگتا ہے کہ کیا کیا چیزیں ہیں کس چیز سے بچنا چاہئے کس چیز سے نہیں بچنا چاہئے اور بچپن کے زمانے میں حال یہ ہوتا ہے کہ وہ اس وقت میں اپنی ماں کو جانتا ہے جو ماں اسکو پالتی ہے گود میں لیکر دودھ پلاتی ہے اس کو پہچانتا ہے کوئی چیز تکلیف کی ہوگی تو ماں کو پکارے گا پیاس لگے گی تو ماں سے مانگے گا۔ بھوک لگے گی تو ماں سے کہے گا کپڑے بدلنا ہو تو ماں سے کہے گا۔ استنجے کی ضرورت ہوگی تو ماں سے کہے گا وہ جانتا ہے سمجھتا ہے کہ میرے سارے کام میری ماں کرتی ہے ماں ہے پالنے والی۔

(۲)...... **دوسری جوانی کی حالت:** اسکے بعد جب بچہ جوان ہو جاتا ہے سمجھتا ہے کہ ماں کے اندر تو کچھ بھی طاقت نہیں ماں کو تو میں گود میں بٹھا کر ادھر سے ادھر کر دوں۔ ایک لڑکے سے میں نے پوچھا کہ تم لوگ اپنی ماں کو تو پریشان نہیں کرتے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ پریشان تو نہیں کرتے۔ بس چولھے پر بیٹھی کھانا پکار ہی ہیں۔ جب انکو غصہ آتا ہے تو اول فول بکنا شروع کرتی ہیں ہم انکو اٹھا کر گود میں لیکر چار پائی میں رکھ دیتے ہیں کہ بس آپ یہیں تشریف رکھیں اور کچھ نہیں۔ دیکھ لیا کہ ماں کی طاقت اتنی ہے۔ وہ ماں جس سے ساری ضروریات وابستہ تھیں بغیر انکے واسطے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ایک وقت بچہ پر ایسا بھی آیا کہ کسی چیز میں بھی ماں کی حاجت نہیں۔ ماں کو سب سے بہت ضعیف اور کمزور پایا اور پھر طاقت کے نشہ میں آکر نہ وہ ماں کو سمجھتا ہے نہ بھائی کو سمجھتا ہے نہ باپ کو سمجھتا ہے۔ ہمارے یہاں دو بھائی دونوں جوان۔ بڑے بھائی میں طاقت کم چھوٹے بھائی میں طاقت زیادہ۔ کسی غلطی پر بڑے بھائی ناراض ہو گئے چھوٹے بھائی پر۔ چھوٹے بھائی نے کہا کہ بھائی جان معاف کر دیجئے غلطی ہو گئی۔ مگر وہ بہت غصہ میں بھرے ہوئے ہیں۔ آخر کار چھوٹے بھائی نے اٹھا کر پکڑ کر نیچے ڈال دیا بڑے بھائی کو اور سینہ پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ اب تو معاف کر دیجئے۔ (حضرت نے بہت ہی عجیب انداز سے یہ خط کشیدہ جملہ فرمایا جس سے

سبھی ہنس رہے ہیں) وہ زمانہ ایسی طاقت کے نشہ کا ہوتا ہے کہ اس طاقت کے نشہ میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتا البتہ حکومت سے ڈرتا ہے تھانہ میں رپٹ لکھی گئی۔تھانے دار صاحب گرفتار کر کے لے جائیں گے۔وہاں لے جا کر جیل میں پٹائی کریں گے۔ ڈرتا ہے تو حکومت سے ڈرتا ہے بادشاہِ وقت کا خوف ہوتا ہے اسکے دل میں اور کسی کا نہیں۔وہ جانتا ہے کہ میرا رہنا یہاں ان ہی کے مرہون منت ہے جب چاہے مجھے یہاں سے نکال دے،کہیں اور بھیجدیں۔میرے مکان کو ضبط کر لے۔نیلام کر دے غرض طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا سکتا ہے۔

(۳)......**تیسری حالت:** اور زیادہ بڑا ہوتا ہے عقل زیادہ پختہ ہو جاتی ہے،بوڑھاپے میں تو پھر دیکھتا ہے کہ افوہ! بہت سی چیزیں تو ایسی ہیں کہ نہ جن کو ماں کرسکتی ہے، نہ تھانہ دار صاحب کرسکتا ہے نہ بادشاہ کرسکتا ہے کچھ نہیں کرسکتا۔بلکہ مالک الملک کرسکتا ہے۔وہاں پہونچ کر اس کی عقل ٹھکانہ آتی ہے،کاشت کار زمین میں ہل چلاتا ہے بیج ڈالتا ہے،بیج ڈالا۔اگر چیونٹی اس کے اوپر مسلط ہوگئی،چیونٹیوں نے کھا کھا کر اس کو ختم کر دیا،کیسے اگے گا وہ،کیا کرسکتا ہے۔چڑیاں اس کے اوپر مسلط کر دیں ادھر بیج ڈالا،چڑیاں آ کر سب کھا گئیں۔وہ کیسے اگے گا اور زور سے بارش آ گئی،سیلابی شکل میں،جتنا بیج ڈالا تھا سب کا سب بہہ گیا۔کچھ بھی نہیں رہا زمین میں،اور اگر بیج رہا بھی بارش نہیں ہوئی،پانی نہیں ہے،نہیں اگتا۔اگا پانی دیا گیا بارش ہوئی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس میں دانہ بھی پیدا ہو۔ایک ہوا گرم ایسی چلی جس کی وجہ سے سب بھسم ہوگیا۔وہ اس کے اوپر دانہ پیدا ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رہی دانہ بھی پیدا ہوگیا،اسے کاٹ بھی لیا گیا گاہ بھی لیا اور غلہ کا ڈھیر ہوگیا۔ آسمان سے ایک بجلی آئی،گری،سارے غلہ کو جلا دیا۔بادشاہ اور حکومت کیسے روک سکتی ہے اس کو،ابھی پچھلے شعبان کے مہینہ میں ہتھورہ جانا ہوا ضلع باندہ میں،

وہاں معلوم ہوا کہ غلہ میں آگ لگ گئی، جتنی محنت کی تھی غلہ پر سارا غلہ جل گیا۔ سارے سال کا منصوبہ تھا کہ اس کے ذریعہ سے قرضہ ادا کریں گے۔ مکانات تعمیر کریں گے، شادیاں کریں گے لڑکیوں کے لئے جہیز کا انتظام کریں گے اور کیا کیا انتظامات تھے سب ختم ہو گئے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "قل اعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" آپ کہئے کہ میں پناہ چاہتا ہوں "ربّ الناس" کی یعنی انسان اگر اپنی عقل وفہم کے اعتبار سے بالکل بچپن کے زمانہ میں ہے بچوں جیسا ہے "ربّ الناس" اللہ تعالیٰ رب ہے، سب کا سب کا رب وہ ہے۔ سب کا پالنے والا وہ ہے سب کا انتظام کرنے والا وہ ہے، اس کی پناہ مانگئے۔ یہاں ناس سے مراد وہ انسان جو اپنی عقل وفہم کے اعتبار سے ایسے جیسے چھوٹے بچے۔ ملک الناس تمام انسانوں کا بادشاہ ایسا نہیں کہ خالی ماں ہے جیسی وہ پالنے والی تھی۔ اب بچہ جوان ہوگیا اب کچھ نہیں کر سکتی۔ کچھ نہیں بگاڑ سکتی اس کا۔ بچہ کے دل میں خوف وخطر کچھ بھی نہیں رہا ماں کا۔ اب خوف وخطر کس کا ہے؟ حکومت وقت کا بادشاہ ہے۔

فرمایا: "مَلِکِ النَاسِ" وہ بادشاہ بھی ہے یہاں "ناس" سے مراد وہ انسان ہے جو اپنی جوانی اور طاقت کے نشہ میں ایسا مست ہے کہ گھر کے کسی آدمی کو کچھ نہیں سمجھتا ہے ہاں اگر کچھ خوف وخطر ہے تو بادشاہ سے ہے۔ یہاں وہ مراد ہے "مَلِکِ النَاسِ" میں "الناس" سے۔

اس کے بعد کہتے ہیں: "اِلٰہِ النَّاسِ" یہاں ناس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی عقل پختہ ہو چکی ہے جو سب سے گذر کر مالک الملک کی طرف پہنچتے ہیں۔ "اِلٰہ الناس" وہ معبود ہے۔ سب کی رگ اس کی قبضۂ قدرت میں ہے بغیر اس کے کچھ نہیں کوئی کر سکتا ہے

خَنَّاس کیا چیز ہے؟

"من شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" "وسواس" "خناس" کیا چیز ہے؟ عرفاء نے

لکھا ہے ایک اژدھا کی شکل میں ہے جو قلب کا احاطہ کئے پھن اٹھائے بیٹھا ہے۔ بار بار ڈستا رہتا ہے قلب کو اور اس کا زہر انسان کے تمام اعضاء میں تمام جسم میں سرایت کرتا رہتا ہے اس زہر کی خاصیت ہے حق تعالیٰ کی نافرمانی۔غفلت، یہ اس کی خاصیت ہے۔اس کا زہر ابتداء قلب میں آتا ہے اور قلب چونکہ بادشاہ ہے تمام جسم کا تمام اعضاء تابع ہیں قلب کے۔جیسا خون جیسا اثر قلب میں آتا ہے اس کے ذریعہ سے سب جگہ پر پھیلتا ہے۔وہ ڈستا ہے قلب کو، قلب کے اندر زہر پہونچا جس کی تاثیر ہے غفلت، معصیت۔وہاں سے سب جگہ پر قلب کی طرف سے تقسیم ہوتا ہے۔ہر جگہ پر جاتا ہے۔آنکھ کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے، کان کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے، ناک کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے۔زبان کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے۔پیٹ کے اندر بھی معصیت پیدا ہوتی ہے ہاتھ پیر، ہر چیز کے اندر معصیت پیدا ہوتی ہے۔

ذکر! ضرب کے ساتھ

اس واسطے صوفیاء نے تجویز کیا ذکر کرنا ضرب کے ساتھ ”لا الہ الا اللّٰہ“ کی جو ضرب لگاتے ہیں وہ اس کے پھن پر لگاتے ہیں۔جہاں پر وہ بیٹھا ہوا ہے قلب کو ڈستا ہے جس سے پھن مضمحل ہو جائے اس کی، اس کا زہر کم ہو جائے ختم ہو جائے، پھر آگے بیکار سا رہ جاتا ہے اس کے اندر طاقت نہیں رہتی ہے ڈسنے کی، حملہ کرنے کی۔

”اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ“ یہاں ناس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے شیطان وہ مراد ہیں اس سے۔

شیطان کی دو قسمیں

”من الجنۃ والناس“ اور یہ وسوسے ڈالنے والے جنات میں سے بھی ہوتے ہیں

....

اور انسان میں سے بھی ہوتے ہیں۔ یہاں ناس سے مراد وہ آدمی جو دوسرے کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ کہتے ہیں مثل مشہور ہے۔ ”آدمی کا شیطان آدمی ہے“ کسی بزرگ نے دیکھا کہ جنگل میں پڑا ہوا کوئی سو رہا ہے ان کے پاؤں کی آہٹ سے بیدار ہوا۔ سر اوپر اٹھایا۔ پوچھا کہ بھئی تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میں شیطان ہوں۔ اس نے کہا اچھا تجھے بھی فرصت مل جاتی ہے سونے کی۔ تیرے سپرد تو بہت کام ہے لوگوں کو بہکانا، وسوسہ ڈالنا، اس نے کہا کہ ہاں اب میرے قائم مقام انسان بہت سارے ہو گئے ہیں۔ میرے پاس کام زیادہ نہیں رہا ہلکا ہو گیا۔ مجھے موقع مل جاتا ہے سونے کا۔ تو شیطان کا کام انسان کرتا ہے۔

کیوں ہنسی مجھ کو نہ آئے حضرت انسان پر
فعل بد تو خود کرے لعنت کرے شیطان پر

شیطانِ انس

اس واسطے شیطان تو شیطان ہے لیکن اگر انسان شیطانیت پر آجاوے تو شیطان کو بھی زیر کر دے۔ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود شیطانیت پر آجاوے تو شیطان اس سے بھی پناہ مانگتا ہے۔ کسی جگہ پر لڑکے کھیل رہے تھے شیطان پہونچ گیا وہاں۔ گدھے کی صورت بنا کر پہنچا۔ لڑکوں نے کھیل ختم کر اسے پکڑ لیا۔ گلے میں رسی باندھی اور کئی چڑھنے لگے۔ اور اس پر سوار ہو گئے۔ ایک رہ گیا دو رہ گئے وہ کیا کریں۔ وہ ڈنڈا تھا انہوں نے ڈنڈا اس کے پیچھے گھونپ دیا اور اس پر سوار ہو گئے۔ تو وہاں سے بھاگا وہ۔ یہ تو ہوئی مصیبت۔ انسان کا حال یہی ہے۔

انسان عالم اصغر ہے

اسی وجہ سے انسان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے تمام عالم میں جتنی چیزیں پیدا کی گئی ہیں

ان سب کے نمونے انسان میں موجود ہیں لوح بھی ہے یہ قلم بھی ہے اور خدا جانے کیا کیا ہے؟ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے تفسیر فتح العزیز میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ کیا کیا چیزیں ہیں انسان کے اندر۔ خیر۔

لفظ انسان کے تکرار کی وجہ

غرض یہ کہ جب ناس اتنی جگہ آیا، پانچ جگہ پر آیا ایک چھوٹی سی سورۃ میں، اور ہر ناس کا مصداق الگ الگ تو کوئی تکرار نہیں رہا۔ تکرار تو جب ہوتا جب کہ ایک ہی چیز ہوتی۔ اسی کو بار بار کہتے اور پھر یہ کیا ضروری ہے کہ تکرار ہو، تو تکرار مخل فصاحت بھی ہو، غلط ہے۔ عربی میں فارسی میں اردو میں ہر زبان میں بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء کے کلام میں تکرار ہے۔ ایک حرف مکرر آتا ہے ایک لفظ مکرر آتا ہے اور جتنا مکرر آیا اسی قدر اس کے اندر فصاحت کی تعریف بڑھتی چلی گئی۔

تیرے دندان ولب نے کر دیا بے قدر عالم میں

گوہر کو لعل کو یاقوت کو ہیرے کو مرجان کو

یہ "کو" اتنی جگہ آیا۔ گوہر کو، لعل کو، یاقوت کو، ہیرے کو، مرجان کو، کوئی نہیں کہے گا کہ یہ خلاف فصاحت ہے۔ اس کے اندر جان پیدا ہوگئی۔ جو لوگ فصاحت و بلاغت کے اصول سے واقف نہیں ہیں وہ اس قسم کے اعتراضات کیا کرتے ہیں کہ ایک لفظ مکرر آ گیا اس لئے جواب کی ضرورت نہیں اس کی۔ اگر کوئی سمجھ دار آدمی اشکال کرے سب چیزوں سے قطع نظر کرتے ہوئے وہ کہے گا کہ مجھے تو جواب چاہئے۔ مجھے تو جواب چاہئے۔ ہاں نہیں کا جواب چاہئے مجھے تو دوسری بات ہے۔ اس کو جواب دے دیا جائے۔

معوذتین کی خاصیت

ان دوسورتوں کی خاصیت اب بھی یہ ہے۔ "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل

اعوذ برب الناس" کی کہ صبح و شام ان کو گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر دم کرلیا جائے تو انشاء اللہ جادو سے حفاظت رہے گی۔ شیطان سے حفاظت رہے گی۔ جنات سے حفاظت رہے گی۔ مستورات اپنے بچوں پر پڑھ کر دم کر دیا کریں۔ ہر آدمی خود پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلیا کرے۔ بہت ہی مفید چیز ہے۔

معوذتین کے ساتھ فجر کی امامت

حضوراقدس ﷺ ایک مرتبہ سفر میں تھے۔ فجر کی نماز پڑھائی: "قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس" پڑھی۔ حضوراقدس ﷺ نے فرمایا: دیکھا دیکھا تم نے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص شان تھی جس کے متعلق فرمایا: کہ دیکھا دیکھا تم نے۔ حالاں کہ فجر کی نماز میں طوالِ مفصل، لمبی قرأت پڑھی جائے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے طویل قرأت کی ایک مرتبہ۔ جب سلام پھیرا کسی نے کہا: اگر سورج نکل آتا۔ انہوں نے جواب دیا:

"لو طلعت لم تجدنا غافلین"

اگر سورج نکل آتا تو ہمیں غافل نہیں پاتا۔ قیامت میں گواہی دیتا کہ میں نے جب طلوع کیا تو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے تھے یہ جواب دیا انہوں نے۔

سورۂ یوسف کثرت سے پڑھنا ثابت ہے سورۂ بقرہ پڑھنا ثابت فجر کی نماز میں حضوراقدس ﷺ نے دو سورتیں پڑھیں۔ "قل اعوذ برب الفلق" اور "قل اعوذ برب الناس"۔ بہت چھوٹی چھوٹی اور پھر تعریف فرمائی کہ دیکھا؟ اب کیا چیز تھی؟ اس کو تو وہی سمجھیں لیکن بظاہر تو یہ ہے کہ ان دو مختصر سورتوں کے ذریعہ سے اتنی بڑی سورتوں کا کام ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ یہ نہیں کہ ان کے پڑھنے سے اجر میں کچھ کمی رہی ہو۔ اجر و ثواب اتنا ہی ہے۔

قصہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام

اس بیان میں

سیدنا حضرت موسی علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کا بیان ہے۔ جس کے ہر جز سے حق تعالیٰ شانہ کی قدرت، عظمت، حکمت کھلے طور پر محسوس ہوتی ہے۔ جس کے پڑھنے سے ایمان میں تازگی پیدا ہوتی ہے۔

••

قصہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى۔ قَالَ اَلْقِهَا الخ۔ (سورۂ طٰہٰ: ۱۷-۱۹)

[اور موسیٰ! یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس کا سہارا لیتا ہوں، اور اس سے اپنی بکریوں پر (درخت سے) پتے جھاڑتا ہوں، اور اس سے میری دوسری ضروریات بھی پوری ہوتی ہیں۔ فرمایا: موسیٰ! اسے نیچے پھینک دو، چنانچہ انہوں نے اسے پھینک دیا، پھر کیا تھا وہ اچانک ایسا دوڑتا ہوا سانپ بن گئی الخ۔] (آسان ترجمہ)

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا۔ وحی بھیجی کہ تم جاؤ فرعون کے پاس۔

"اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى" (سورۂ طٰہٰ: ۲۴)

[(اب) فرعون کے پاس جاؤ، وہ سرکشی میں حد سے نکل گیا ہے۔] (آسان ترجمہ)

فرعون کے پاس جاؤ اس نے طغیانی پھیلا رکھی ہے۔

فرعون کا خدائی دعویٰ

طغیانی تو اس کی ایسی تھی کہ اللہ کی پناہ۔ دعویٰ کرتا تھا: "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" وہ اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا اور وہ بھی رب اعلیٰ کا۔ اگر کوئی ہے بھی رب تو اس سے ادنیٰ ایسی سرکشی پھیلا رکھی تھی۔

قبطی کے قتل کا واقعہ اور مصر سے مدین کا سفر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یہ ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ دو آدمیوں کی لڑائی ہو رہی ہے، ان میں ایک قبطی ہے، ایک بنی اسرائیلی، بنی اسرائیلی کمزور ہے، قبطی طاقتور ہے، قبطی بنی اسرائیلی کو مار رہا ہے، اس پر ظلم کر رہا ہے، بنی اسرائیلی جو کمزور ہے وہ فریاد کر رہا ہے کہ مجھے بچائیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پہنچے اور ایک گھونسہ مارا اس دوسرے شخص کو جو قبطی تھا، قوی اور ظالم تھا، اس کی جان نکل گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے قوی تھے۔ بڑا چرس بڑا ڈول خود تنہا کھینچتے تھے۔ جب پانی نکالنے کا وقت آتا کنویں سے بیمار بھی نہیں ہوتے تھے۔ مضبوط رہتے تھے اور قبطی کے ایک گھونسہ مارا تو اس کی جان نکل گئی۔ تو جب اس کی جان نکل گئی تو مقدمہ قائم ہوا فرعون کی طرف سے وارنٹ جاری ہو گیا۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے قتل کیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چپکے سے چل دیئے۔ اور مصر سے نکل کر مدین دوسرے ملک میں پہنچ گئے۔ جب دوسرے ملک میں دوسری حکومت میں آدمی چلا جاتا ہے تو جہاں سے اس کا وارنٹ نکلا تھا اس کو وہاں سے گرفتار کرنے کا بھی اختیار نہیں رہتا۔ دیر تک وہاں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور وہاں دس سال تک اجارہ کا معاملہ رہا بکریاں چرانے کا۔

پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ وہاں رہتے سہتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت کا ملنا

بیوی کو لئے اپنے وطن مصر واپس جا رہے تھے، بیوی حاملہ تھیں۔ ولادت کا وقت قریب آگیا۔ بڑے پریشان کہ سفر میں ہونے کی وجہ سے پاس کچھ ہے بھی نہیں۔ سردی کا زمانہ تھرتھر کانپ رہے ہیں۔ راستہ بھی بھول گئے، وہاں جنگل میں کوئی راستہ بتانے والا بھی نہیں، پریشانی کا عالم ہے، سامنے کو دیکھا تو پہاڑی پر ایک آگ روشن نظر آئی۔ دستور تھا کہ پہاڑی پر ایک آگ جلادیا کرتے تھے۔ کوئی مسافر ادھر ادھر سے مارا مارا پھر رہا ہو تو یہاں آجائے۔ وہاں اس کے لئے کچھ کھانے پینے کا بھی انتظام رہتا اور رہنے سونے کی بھی جگہ ہوتی تھی۔ اس ضابطہ کے ماتحت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمجھا کہ ویسی ہی کوئی آگ ہے۔ گھر والوں سے کہا:

"اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی" (سورۃطٰہٰ:۱۰)

[یہ اس وقت کی بات ہے جب ان کو ایک آگ نظر آئی، تو انہوں نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید میں اس میں سے کوئی شعلہ تمہارے پاس لے آؤں، یا اس آگ کے پاس مجھے راستہ کا پتہ مل جائے۔] (آسان ترجمہ)

میں نے ایک آگ کا احساس کیا ہے میں وہاں جا رہا ہوں۔ تم یہیں ٹھہرے رہو ممکن ہے وہاں سے آگ لے آؤں ممکن ہے کہ کوئی راستہ بتانے والا بھی وہاں ہوں۔ گئے وہاں پر پہنچے پہاڑی پر۔ دیکھا کہ ہاں آگ تو ہے وہاں لکڑی کا ایک حصہ لیا اب اس کے اوپر آگ لگا رہے ہیں سلگا رہے ہیں سلگاتے ہیں اور سلگانے کے جب قریب جاتے ہیں تو ڈر بھی لگتا ہے اس آگ سے پھر معلوم ہوا کہ او ہو آگ نہیں تھی یہ تو تجلی تھی اب آواز آتی ہے:

"اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى" (سورۂ طٰہٰ:۱۳،۱۲)

[اے موسیٰ! یقین سے جان لو کہ میں ہی تمہارا رب ہوں، اب تم اپنے جوتے اتار دو، تم اس وقت طویٰ کی مقدس وادی میں ہو، اور میں نے تمہیں (نبوت کے لئے) منتخب کیا ہے۔ لہٰذا جو بات وحی کے ذریعہ کہی جارہی ہے اسے غور سے سنو۔] (آسان ترجمہ)

اے موسیٰ جوتے نکالدو۔ تم تو پاکیزہ جگہ میں ہو۔ تمہارے پاس وحی آرہی ہے اس کو سنو۔ وحی کہاں سے آرہی ہے؟ کون بھیج رہا ہے؟ وحی اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے اور کون بھیجا کرتا ہے؟ نہیں تو کبھی کوئی اور بھی بھیج دے۔

ایک قادیانی سے گفتگو

ایک مرتبہ ایک قادیانی سے گفتگو ہوئی۔ قادیانی نے کہا کہ مرزا غلام احمد نبی تھے میں نے پوچھا کہ کیا دلیل؟ کہا کہ ان کے پاس وحی آتی تھی۔ میں نے یہ نہیں پوچھا کہ کس کے پاس سے آتی تھی۔ میں نے مان لیا کہ وحی آتی تھی تو جس کے پاس وحی آتی ہے وہ نبی ہوتا ہے؟ کہا کہ جی ہاں وہ نبی ہوتا ہے۔ وحی تو نبی کے پاس آتی ہے کسی اور کے پاس نہیں آتی ہے۔ میں نے کہا کہ بتاؤ کبھی کوئی عورت بھی نبی ہوئی؟ عورت تو کوئی نبی نہیں ہوئی۔ میں نے کہا قرآن شریف میں ہے:

"وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰى"

[اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف۔]

اور قرآن شریف میں ہے:

"وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ"

[اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈالدی کہ تو پہاڑوں میں

اور درختوں میں اور لوگ جو چھتریاں اٹھاتے ہیں ان میں اپنے گھر بنا۔] (آسان ترجمہ)

تیرے رب نے وحی بھیجی نحل کے پاس۔ نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں کیا وہ بھی نبی ہے اور پھر جانور ہونا بھی ضروری نہیں۔ کبھی بے جان کے پاس بھی وحی آتی ہے۔

"اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا۔ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا۔ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا۔ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا" (سورۂ زلزال)

[جب زمین اپنے بھونچال سے جھنجھوڑ دی جائے گی، اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دیگی، اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوگیا ہے؟ اس دن زمین اپنی ساری خبریں بتادیگی، کیونکہ تمہارے پروردگار نے اسے یہی حکم دیا ہوگا۔] (آسان ترجمہ)

زمین کے پاس وحی آتی ہے کیا وہ بھی نبی ہے؟ اور یہ ساری بحث اس وقت ہے کہ جبکہ یہ مانا جائے کہ اللہ کی طرف سے وحی ہے۔

اس نے کہا: کہ کیا غیر اللہ کی طرف سے بھی وحی آتی ہے؟

میں نے کہا: ہاں ہاں قرآن شریف میں ہے: "وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَائِهِمْ" (سورۂ انعام: ۱۲۱)

[اور شیاطین اپنے دوستوں کو ورغلاتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔] (آسان ترجمہ)

شیاطین اپنے دوستوں کے پاس وحی لاتے ہیں۔ اپنے دوستوں کے پاس وحی بھیجتے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ چونکہ مسئلہ نبوت کا ہے اعتقادیات میں سے اس کے لئے دلیل بھی قطعیات میں سے ہونی چاہئے۔ قرآن پاک سے ہونی چاہئے، اس لئے ساری چیزیں قرآن پاک ہی سے پیش کررہا ہوں۔ خیر تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی۔ سنو! تم کو کہا جارہا ہے؟

اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں صاحب کی کتاب میں ہے

ایک کتاب اعلیٰ حضرت کی ہے۔ اسمیں لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کو جانتے ہو؟ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب ہیں بریلوی۔ ان کی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر حضور اقدس ﷺ کے پاس ایک مرتبہ آئے۔ تو حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام جانتے بھی ہو وحی کہاں سے آتی ہے؟ کون بھیجتا ہے؟ کہا کہ نہ۔ پردہ ہے پردہ کے پیچھے سے آتی ہے۔ فرمایا کہ اچھا ذرا سا جھانک کر دیکھنا کہ پردہ کے پیچھے کون ہے؟ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام اسی انتظار میں رہے۔ جب پردہ کے پیچھے سے وحی آئی۔ حضور اقدس ﷺ کے واسطے حضور اقدس ﷺ کو یہ پیغام پہنچاؤ۔ انہوں نے جھانک کر دیکھ لیا۔ اجازت نہیں لی اللہ میاں سے اور اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی جب حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جھانک کر دیکھا تو وہاں حضور اقدس ﷺ بیٹھے ہیں۔ وحی خود وحی بھیج رہے ہیں۔ خیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی اور ان کو نبی بنایا گیا، جب نبی بنایا گیا تو وہیں سے حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوگیا۔ وحی آگئی اور ثبوت کے واسطے دو معجزے دیئے گئے۔

(۱)...... **عصا**۔ کہ لاٹھی کو زمین پر ڈال دیتے تھے تو وہ اژدہا بن جاتا تھا، اور پھر جب ہاتھ میں لیتے تھے تو پھر واپس لاٹھی بن جاتی تھی۔

(۲)...... **ید بیضا**۔ کہ ہاتھ کو گریبان میں داخل کر کے نکالتے تو وہ روشن ہو جاتا اور جب دوبارہ گریبان میں داخل کر کے نکالتے پھر اپنی پہلی حالت پر آجاتا تھا۔

وہیں سے چل دیئے۔ یعنی آگ لے کر واپس بیوی کے پاس نہیں آئے۔ آ کر ان کو خبر بھی نہیں کی کہ کیا قصہ پیش آگیا۔ یہ انتظار میں بیٹھی ہیں کہ آگ لینے کے لئے گئے ہیں آگ لے کر آویں گے سینکنے کے واسطے۔ البتہ دشواری یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ صاف لفظ نہیں بولا جاتا منہ سے۔ اور لکنت کیوں تھی؟

حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام اور فرعون کے محل میں پرورش

اس واسطے کہ بچپن میں تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا تھا، چونکہ فرعون کی طرف سے قتل کرنے کا حکم تھا کہ جو بچہ پیدا ہو اسے قتل کر دو۔ جب حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام پیدا ہوئے تو ماں گھبرائی کہ خبر ہو جائے گی۔ قتل کا حکم ہو جائے گا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ:

"فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ" (سورۂ بقرہ:؟؟)

[پھر جب تمہیں اس کے بارے میں کوئی خطرہ ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں۔] (آسان ترجمہ)

جب تم کو ڈر ہو اس بات کا کہ میری قوم کو خبر ہو گئی تو اس بچہ کو تابوت میں رکھ کر سمندر میں ڈال دینا۔ اچھی بات۔ سمندر میں ڈال دیا اور حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی بہن کو بھیجا کہ تو ذرا دیکھ تابوت کدھر کو جا رہا ہے؟ بہن کنارے کنارے جا رہی سمندر کے تابوت اندر کو جا رہا ہے جس میں موسیٰ بیٹھا ہوا ہے۔ لیٹا ہوا ہے اسی سمندر میں سے ایک نہر پانی کی جاتی تھی فرعون کے باغ میں کو، مکان میں کو، وہ تابوت بھی اس نہر میں کو ہو لیا، اب اور زیادہ ڈر کی بات ہو گئی کہ جس سے بچانے کے واسطے تابوت میں رکھ کر سمندر میں ڈالا یہ اسی طرف نکل گیا۔ فرعون کے آدمیوں نے دیکھا کہ ایک تابوت دریا میں آ رہا ہے، وہ لوگ اس کو پکڑ لائے اور لے گئے فرعون کے، پاس مکان میں کھولا، دیکھا تو بچہ ہے۔ ادھر تو تمام بچوں سے فرعون کو ضد تھی، کسی کاہن نے بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا، جو تمہاری سلطنت کا تختہ الٹ دیگا۔ اس نے کہا: کہ اچھا میں بچہ کو زندہ ہی نہیں رہنے دوں گا۔ نس بندی تو اس وقت تک تھی ہی نہیں کہ نسبندی کا حکم کر دیتا۔ البتہ بچوں کے قتل کرنے کا حکم کر دیا تھا۔ اس نے کہ جولڑ کا پیدا ہو گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ جولڑکی پیدا ہو گی اسے تو زندہ رکھنا ہے۔ ایسی حالت میں حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام پیدا ہوئے۔ جب وہ تابوت پہونچ گیا فرعون کے گھر میں فرعون نے دیکھا تو اس کی بیوی نے کہا:

"قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" (سورۂ قصص: ۹)

[اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا: کہ یہ بچہ میری اور تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور (یہ فیصلہ کرتے وقت) انہیں انجام کا پتہ نہیں تھا۔] (آسان ترجمہ)

اسے تو ہم بیٹا بنالیں گے، یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، فرعون کے اولاد نہیں تھی، فرعون عنین تھا، نامرد چاہے "اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى" کا دعویٰ کرتا ہو، لیکن ایک عورت کے قابل نہیں تھا۔ اولاد نہیں، جب وہ بچہ خوبصورت سا نظر پڑا، دل کے جذبات بھی تو اللہ کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ بجائے غصہ کے بجائے قتل کے ارادہ کے بیٹا بنانے کو تجویز کرلیا۔ اچھی بات۔

اب بچہ کو دودھ پلانے کے واسطے خدا جانے کتنی عورتیں ہوں گی جنکے بچے قتل کئے گئے دودھ والی عورت کے، جس عورت کو بلا کر بچہ دیتے ہیں، بچہ دودھ ہی نہ لے منہ میں۔ اس کی پستان کو منہ میں پکڑتا ہی نہیں۔ روتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا فرعون کے گھر آنا جانا تھا، اس نے کہا:

"هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ"

میں تمہیں ایک پتہ بتاؤں ایسے گھرانے کا جو اس کے لئے خیر خواہ ہیں تو انہوں نے لہٗ کی ضمیر فرعون کی طرف راجع کردی کہ فرعون کے خیر خواہ ہیں۔ فرعون کے تو سارے ہی خیر خواہ تھے چنانچہ فرعون کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بلایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا:

"اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ" گھر والوں سے فرمایا تھا: تم اس کو دریا میں ڈالدو میرے حکم سے ہم اس بچہ کو تمہاری طرف واپس کریں گے۔ وہ وعدہ بھی اللہ میاں کو پورا کرنا تھا، تو جناب! فرعون کے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ گئیں، ان سے کہا گیا کہ بچہ کو دودھ پلاؤ۔ انہوں نے بڑی بے غرضی کے ساتھ جواب دیا بے توجہی سے بات کی۔ یہ نہیں کہ بے تاب

ہوجائیں بچہ کو دیکھ کر۔ ارے یہ میرا بچہ ہے یہ نہیں کہا ہاں ہاں پلادوں گی۔ باقی یہاں نہیں پلانے کی اپنے گھر پر رہوں گی۔ کہا ہاں بچہ کو گھر لیجانے کی اجازت ہے۔ انہوں نے کہا اور مفت نہیں پلانے کی اتنے روپیہ لوں گی چنانچہ اب جناب تنخواہ بھی مقرر ہوگئی۔ بچہ کو گھر لیجا کر اپنے پاس رکھا۔

"وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ" خوف نہ کرے گھبرائے مت تیرے بچے کا انتظام ہم کردیں گے تو بار بار فرعون کو خیال ہوتا تھا کہ یہ بچہ تو وہی معلوم ہوتا ہے یہی میری سلطنت کا تختہ الٹے گا کبھی جوش میں آکر گود میں بھی لیتا تھا بچہ کو۔

فرعون کے طمانچہ مارنا

ایک دفعہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گود میں لئے ہوئے تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی داڑھی پکڑی اور منہ پر زور سے طمانچہ مارا، جس سے فرعون کو پورا خیال ہوگیا کہ یہ وہی بچہ ہے، مگر اس کی بیوی نے سمجھایا کہ ابھی بچہ ناسمجھ ہے، ناسمجھی میں ایسا کیا ہے، میں ابھی امتحان لیتی ہوں کہ کتنا ناسمجھ ہے، چنانچہ اس نے ایک طباق میں سچے موتی چمکدار منگوائے اور ایک طبق میں آگ کے شعلے منگوائے، دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کے طباق کی طرف ہاتھ کردیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کا ایک شعلہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، جس سے زبان جل گئی۔ اور زبان میں لکنت پیدا ہوگئی۔ فرعون کی بیوی نے کہا: کہ دیکھا آپ نے یہ بچہ کتنا ناسمجھ ہے اور اس نے ناسمجھی ہی میں تم کو طمانچہ مارا ہے، فرعون کو اطمینان ہوگیا اور پھر گھر میں برابر پرورش ہوتی رہی، اور پھر قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آیا، جس کی وجہ سے فرعون کو پھر یقین ہوگیا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم صادر کیا، جس کے نتیجے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام قتل کے خوف سے مصر سے مدین چلے گئے اور پھر نبوت ملنے پر مصر آئے۔ اور پھر فرعون کو ایمان کی دعوت دی اور اپنا معجزہ دکھایا۔ فرعون

نے جادوگروں کو بلایا، جادوگر معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئے اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر دریائے نیل پار کر کے چلے گئے،ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دریا میں راستے بنا دیئے،فرعون اپنے لشکر کو لیکر ان کے تعاقب میں آیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے پورے لشکر کو دریا میں غرق کر دیا اور خدائی کا دعویٰ کرنے والا نہ لشکر کو بچا سکا، نہ اپنے آپ کو بچا سکا۔اور دنیا کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کتنی زبردست قدرت والا ہے۔وہ چاہتا ہے تو دشمن کے گھر میں اس کے دشمن کو پلواتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ جس کو زندہ رکھنا چاہتا ہے دنیا کی کوئی قوت اس کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی ذاتِ عالی پر کامل یقین عطا فرمائے۔آمین!

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس بیان میں

سید المرسلین امام الانبیاء حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ضرورت و اہمیت کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

....

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" (سورۂ نساء:۶۵)

[نہیں (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں۔ پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔] (آسان ترجمہ)

شان نزول

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں دو شخصوں کے درمیان کچھ نزاع پیدا ہوا۔ نزاع کی صورت یہ تھی کہ ایک باغ میں پانی دیتا تھا ایک میں کیا دو میں دیتا تھا۔ ایک باغ ایک شخص کا تھا دوسرا باغ دوسرے شخص کا تھا۔ نزاع اس بات میں تھا کہ پہلے پانی کون شخص دے؟ موقع ایسا تھا کہ ایک کے متصل تھا پانی۔ ایک کے باغ کے قریب تھا دوسرے کے باغ سے ذرا فاصلہ پر تھا۔ تو اس نزاع کا فیصلہ کرانے کے

واسطے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں تو بھئی سب سے بڑی کچہری وہی تھی عدالت وہی تھی۔ جو بھی قصہ پیش آیا تو جا کر حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا تو حضور اقدس ﷺ کے سامنے نزاع پیش کیا گیا۔ ان نزاع کرنے والوں میں ایک تھے حضور اقدس ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی جنکا نام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ یہ پھوپھی زاد بھائی ہیں حضور اقدس ﷺ کے ان کا باغ اس پانی کے متصل اور قریب تھا۔ یہ چاہتے تھے کہ پانی پہلے میں اپنے باغ میں دیدوں۔ اس کے بعد میرا ساتھی اپنے باغ میں لے لے۔

"فَلَا وَرَبِّكَ الخ" میں یہ "لا" جو قسم کے لئے آتا ہے، جیسے:

"لَا أُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ"

اور "لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ"

مفسرین تو کہتے ہیں کہ "لا" زائد ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ایک چیز مقدر ہے محذوف ہے "لا" اس پر داخل ہو رہا ہے۔ اس طرح بات نہیں ہے۔ جیسے آپ نے سمجھ رکھی ہے۔ "فَوَرَبِّكَ" قسم ہے تیرے رب کی۔ یہ ہے۔ اردو میں بھی آپ اس طرح بولتے ہیں جس طرح آپ نے سمجھ رکھی ہے۔ اس طرح نہیں۔ بات اس طرح ہے۔

مومن ہونے کی شرط

جن لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" ہم نے کہہ لیا، اور ہم مومن ہو گئے۔ وہ بات اس طرح نہیں بلکہ ان کے مومن ہونے کے واسطے کیا صورت ہے۔ یہ ہے:

"فَلَا وَرَبِّكَ" وہ لوگ ایماندار نہیں ہو سکتے مومن نہیں کہلائے جا سکتے۔

"حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ" یہاں تک کہ آپکو حکم بنا دیں اپنے معاملہ اور مقدمہ میں فیصلہ

کرنے کے لئے آپ کو حکم بناویں۔

"فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ" جو چیز ان میں آپس کی اختلاف کی ہے اس اختلاف کے واسطے فیصلہ کے لئے حضور اقدس ﷺ کو حکم بناویں۔

"ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ"

پھر اپنے اندر جی کے اندر بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ پورے شرح صدر کے ساتھ آپ کے فیصلہ کو قبول کرلیں دل کے اندر کوئی تنگی محسوس نہ کریں چہ جائے کہ زبان سے آئے۔ چہ جائے کہ حال میں ہو؟

اور "يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا"

پورے طور پر آپ کے فیصلہ کو تسلیم کرلیں تو مومن ہونے کی علامت یہ بتائی ہے قرآن کریم نے کہ نبی کریم ﷺ کے فیصلوں کو پورے طور سے تسلیم کرلے۔ جی کے اندر بھی کوئی دغدغہ باقی نہ رہے تردد نہ رہے، خرخشہ نہ ہو بلکہ حضور اکرم ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ پورا پورا تسلیم ہے۔ بس یہی ہے۔ ایمان کہتے اسی چیز کو ہیں۔ ایمان کسے کہتے ہیں؟ ایمان کے معنیٰ مان لینا۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے احکام کو دل سے قبول کرلینا، دل کے اندر کوئی تردد و کھوٹ حضور اقدس ﷺ کے فرمان پر عکس چاہتا ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے موقع کو ملاحظہ فرما کر یہ فیصلہ فرمایا کہ پہلے زبیر رضی اللہ عنہ دیدے تھوڑا تھوڑا پانی تا کہ اس کے درختوں کی جڑیں کچھ نم ہوجائیں۔ سوکھ نہ جائیں اور پھر ان کا ساتھی پانی اپنے باغ میں لے لے، پورا پورا پانی لے سکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد جب وہ پانی دے چکے تو جتنی کسر رہ گئی تھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے باغ میں وہ کسر پھر بعد میں پوری کرلیں۔

دوسرے شخص کا نام ذکر نہ کرنے کی وجہ

محدثین رحمۃ اللہ علیہ کا کمال یہ ہے کہ اس دوسرے شخص کا نام نہیں لکھتے کہ جب آدمی تھا

کون؟ کیوں نہیں لکھتے، اس واسطے نہیں لکھتے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے موقعہ کو ملاحظہ فرما کر یہ بتلایا کہ پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھوڑا تھوڑا پانی لے لیں۔ زیادہ ضرورت ان کی پوری ہو جائیں۔ جڑیں بھیگ جائیں اور پھر اس کے بعد جو پانی زیادہ دینا ہو تو وہ اپنے ساتھی کے باغ میں پانی دینے کے بعد دیدیں۔ یہ گویا کہ مصالحت کی صورت تھی۔ اس شخص نے اس فیصلہ کو سن کر یہ کہا کہ جی ہاں آپ تو کہیں گے ہی زبیر رضی اللہ عنہ کو کہ وہ پہلے پانی دیدے پھوپھی زاد بھائی ہیں نا وہ آپ کے تو۔ یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کے فیصلے کو ذاتی محبت اور تعلق پر محمول کیا کہ انصاف نہیں کیا بلکہ لحاظ کیا ہے پھوپی زاد بھائی کا۔ اس لحاظ میں آپ نے فیصلہ کیا ہے۔ چونکہ جواب اس شخص نے ایسا سخت دیا تھا اس وجہ سے حضرات محدثین رحمۃ اللہ علیہ اس کا نام ہی نہیں لکھتے کہ کون تھا وہ؟ کوئی کہتا ہے کہ یہودی تھا کوئی کہتا ہے کہ منافق تھا۔ کون تھا؟ جو بھی تھا اللہ خطا کو معاف کر دے۔ اس کا نام بتاویں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ حضرات کے ذہن میں اس کی برائی بیٹھ جائے گی کہ دیکھو حضور اکرم ﷺ کے فیصلے پر اس نے یوں کہا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اچھا ایسا ہے؟ پھوپی زاد بھائی کی میں نے رعایت کی ہے؟ میں نے حق کا فیصلہ نہیں کیا ہے تو کوئی اور بھی حق کا فیصلہ کرنے والا ہے میں حق کا فیصلہ نہیں کروں گا قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی۔

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ۔ الخ" یہ

طے کر لینا کہ جو کچھ بھی حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے وہ حق ہے میں اسی کو مانوں گا اسی پر عمل کروں گا۔ جب ایمان کے معنیٰ ہی یہ ہیں تو ظاہر بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے فیصلہ سے جو شخص روگردانی کرے، آپ فیصلے کو دل سے قبول نہ کرے، تردد رہے اس کو، اور سوءِ ظن رکھے تو "لَا يُؤْمِنُوْنَ" میں تو داخل ہو ہی جائے گا، وہ مومن کہاں ہے۔

بس یہ ایک ایسی کسوٹی بیان کر دی گئی۔ قرآن کریم میں ہے کہ ہر ایک کے فتوی سے

بے نیاز ہو کر کہ کس نے کس کو فتویٰ دیا کفر کا کس نے دیا ایمان کا ان چیزوں سے ہٹتے ہوئے ہر شخص تنہائی میں بیٹھ کر غور کرے کہ جو احکام حضور اقدس ﷺ نے بیان فرمائے ہیں وہ احکام آیا میں تسلیم کر رہا ہوں؟ میرے دل میں تو کوئی تردد نہیں اس کے بارے میں۔ ہر ایک اس بارے میں غور کرے۔

فتویٰ کفر کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

رہا فتووں کا قصہ۔ تو ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا تذکرہ تھا اہل علم متعدد تھے۔ فلاں شخص نے فتویٰ دیا فلاں کے خلاف۔ فلاں شخص نے فتویٰ دیا فلاں کے کفر کا۔ تھوڑا وقت اس میں خرچ ہوا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بولے کاہے میں آپ لوگ لگ رہے ہیں؟ قیامت میں جو بخشش ہوگی تمہارے فتووں سے پوچھ پوچھ کر نہیں ہوگی جس کی بخشش کا فتویٰ دو اس کی بخشش ہو اور نہ فتویٰ دو تو نہ ہو۔ ایسا نہیں ہوگا۔ ایسے بھی لوگ ہوں گے جن کو تم پکا کافر کہتے ہو۔ خدا کی قسم کھلے جنت میں جائیں گے وہ۔ ایسی بخشش ہوگی۔ تم ان کو فتویٰ دیتے ہو کفر کا، پکا کافر بتاتے ہو حالانکہ وہ کھلے جنت میں جائیں گے۔

فتویٰ کفر کی ضرورت

ہاں کبھی کبھی شریعت کے نظام کو سنبھالنے اور برقرار رکھنے کے لئے فتویٰ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو یہ نہ سمجھو کہ جس کے متعلق تم نے فتویٰ لکھ دیا بس وہ بالکل کافر ہو گیا۔ ایمان سے خارج ہی ہو گیا بلکہ شریعت کے نظام کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت پیش آتی ہے فتویٰ دینے کی۔ فتویٰ نہ دیا جائے تو نظام سب گڑبڑ ہو جائے گا۔ نہیں تو لوگ کیا کیا کہتے پھریں کفر کو ایمان بتانے لگیں تو ضرورت پیش آتی ہے اس کی۔

....

شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق سخت فتویٰ

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ یہ سلسلہ سہروردیہ کے امام تھے۔ یہ معاصر ہیں حضرت شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بہت سخت فتویٰ دیتے تھے کبھی زندیق کا، اور جس وقت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو کہا کہ ولی کامل کا انتقال ہوگیا۔ قطب کا انتقال ہوگیا تو لوگوں نے کہا کہ ہائیں؟ ان کی زندگی میں تو آپ انہیں زندیق اور کافر کہتے رہے اور آج یہ کہہ رہے ہیں فرمایا کہ ہاں ایسی ہی بات ہے۔ وہ بہت اونچے آدمی تھے۔ باتیں تمہاری سمجھ سے اونچی کرتے تھے ان کے اوپر جذب کا اثر ہوگیا تھا۔ تم لوگ ان کی باتوں کو سمجھتے نہیں تھے ان کی ظاہری باتوں کو دیکھ کر تم ضرور کافر ہوجاتے۔ اس واسطے تمہیں روکا تھا ان کے پاس جانے سے۔ کبھی فتویٰ دینے کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے۔ بہر حال یہاں تو فتویٰ کی بات نہیں ہے بات تو اتنی ہی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے حکم کو آپ کے فیصلہ کو جو نہ مانے اس کا کیا حال ہے؟ بہت مشہور واقعہ ہے۔

ایک منافق اور یہودی کا فیصلہ عدالت فاروقی میں

ایک منافق اور ایک یہودی ان دونوں کے درمیان کوئی نزاع تھا۔ اس نزاع کا فیصلہ کرانے کے لئے منافق تو کہتا تھا کہ چلو فلاں شخص کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے اور یہودی کہتا تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ سے فیصلہ کراؤں گا۔ وہ جانتا تھا اگرچہ وہ یہودی۔ یہودی ہی تھا ایمان نہیں لایا تھا۔ مگر اس کے جی کے اندر یقینی طور پر یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ جو فیصلہ کریں گے وہ صحیح کریں گے۔ اس لئے وہ حضور اقدس ﷺ کے پاس جانا چاہتا تھا۔ اور وہ دوسرے شخص کے پاس۔ لیکن حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے فیصلہ کرایا۔ حضور اقدس ﷺ نے فیصلہ کردیا۔ اس پر

یہودی کو برحق قرار دیا۔ یہودی کے حق میں فیصلہ ہوگیا۔ پھر اس منافق نے کہا کہ یہ فیصلہ ٹھیک نہیں ہوا۔ چلو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے ان سے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس گئے تھے۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے اب آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ فیصلہ کیجئے۔ انہوں نے فرمایا: کہ جو حضور اقدس ﷺ نے فیصلہ کیا وہی صحیح ہے، ٹھیک ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے کس طرح سے قصہ ہوا؟ اس منافق سے پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فیصلہ فرمادیا تھا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھی گئے تھے کہا کہ ہاں صحیح ہے تو پھر اب کاہے کے لئے آئے ہو؟ آپ سے فیصلہ کرانے کے لئے آیا ہوں۔ آپ صحیح فیصلہ کیجئے۔ انہوں نے کہا ٹھہر جاؤ۔ میں آتا ہوں ابھی، گھر میں سے ہو کر تلوار لے کر آئے کہ جو شخص حضور اقدس ﷺ کے فیصلے کو نہ مانے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو نہ مانے اس کا تو فیصلہ یہ تلوار کرے گی اور اس منافق کا سر قلم کر دیا کہ جو حضرت نبی کریم ﷺ کے فیصلہ کو نہ مانے اس کا فیصلہ یہ ہے۔ ہے ہی یہ بات۔ حق تو یہی ہے۔ اس واسطے اس شخص کا نام نہیں لیتے۔ محدثین رحمۃ اللہ علیہ کہ وہ آدمی تھا کون؟ کبھی آپ لوگ تلوار لے کر پہونچ جائیں اس کے پاس فیصلہ کرنے کے لئے کہ تو نے حضور اقدس ﷺ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

اپنے اپنے ایمان کا جائزہ

خیر میرے کہنے کا مقصود تو یہ ہے کہ ہر شخص تنہائی میں بیٹھ کر اس آیت کی روشنی میں اپنے ایمان کا جائزہ لے۔ کتنے احکام ایسے ہیں کہ محض اس نسبت سے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے۔ خوشدلی کے ساتھ میں قبول کر لیتا ہوں اور کتنی چیزیں ایسی ہیں کہ جنکی وجہ سے دل میں تنگی محسوس ہوتی ہے یہ حکم نہ ہو کر یہ حکم ہوتا تو اچھا تھا۔ اس بات کو دیکھنا ہے۔ سخت ترین گرمی ہو کہیں لو چلتی ہو، ٹھنڈا پانی بھی میسر نہ آتا ہو۔ رمضان کا مہینہ ہو، روزہ رکھنے میں کچھ تنگی

تو محسوس نہیں ہوتی؟ جی میں خیال تو نہیں آتا کہ اس موسم میں روزہ نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ اللہ تعالیٰ ٹھنڈے موسم میں کر لیتے تو اچھا تھا۔ ایسا تو نہیں۔ زکوٰۃ وصدقات دینے کے واسطے بڑی رقم بنتی ہے زکوۃ کے لئے۔ جی میں آتا ہے کہ اتنی بڑی رقم نہ ہوتی تو اچھا تھا۔ اسی طریقہ پر جو احکام تکلیفیہ انسان کے اوپر وارد ہیں ان پر غور کرے کہ آیا خوشدلی کے ساتھ اس کو قبول کر رہا ہے۔ یا تنگی کے ساتھ۔ اگر تنگی کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

تو "ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ" جی کے اندر بھی کوئی تنگی محسوس نہ ہو ایمان کی بات تو یہ ہے جب ایمان کی کسوٹی قرآن پاک میں بتا دی گئی۔ ہر شخص اپنے اپنے ایمان کو اس کے اوپر کس کے دیکھ لے ایمان کو ویسے ہی نہ چھوڑ دے کہ باپ دادا کے وقت سے مسلمان چلے آرہے ہیں کلمہ پڑھا تھا بچپن میں۔ بس ہم مسلمان ہیں ٹھیک ہے ہم بھی یوں نہیں کہتے کہ اسلام معتبر نہیں۔ باقی ایک کسوٹی جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمادی ہے قرآن کریم میں۔ اس کے اوپر کس کر دیکھ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟

نمازوں کا جائزہ

بچپن کی باتیں تو بچپن ہی کی ہوتی ہیں ناسمجھی کی ہوتی ہیں اور بسا اوقات بڑے ہوتے ہوتے اس میں تغیرات کافی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جنہوں نے بچپن میں نماز سیکھی تھی اور اس کے بعد پھر اس کا جائزہ نہیں لیا گیا کسوٹی پر نہیں پرکھا کہ یہ نماز صحیح ہے یا نہیں؟ جیسی سیکھی تھی اسی طرح سے پڑھتے چلے آرہے تھے تو جو غلطی بچپن میں دماغ میں جم گئی بیٹھ گئی، چڑھ گئی وہ ابھی تک باقی رہتی ہے۔ تبلیغی سلسلے میں ایک جگہ جانا ہوا وہاں نماز سنی گئی۔ التحیات سورۃ، دعائے قنوت۔ ایک شخص سے سنی اس نے کہا:

"نَكْفُرُكَ وَلَا نَشْكُرُكَ"

اس نے لا کا محل بدل دیا۔ اس طرح سے سنا "وَلَا نَشْكُرُكَ نَكْفُرُكَ"

اصل الفاظ کا تو مطلب یہ ہے کہ اللہ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں کفر نہیں کرتے ہیں اور اس نے "لا" کو داخل کر دیا شکر پر۔ اب مطلب اس کا یہ ہوا کہ اے اللہ! ہم تیرا شکر نہیں کرتے ہم کفر کرتے ہیں۔ اب جب خدا کے سامنے آدمی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو کر یہ کہے گا کہ اے اللہ ہم تیرا شکر نہیں کرتے کفر کرتے ہیں آپ بتائیے کیا حال ہوا اس کا؟ اور جب اس کو معلوم ہوا کہ اس طرح سے معنیٰ بگڑ گئے تو وہ رویا افسوس کیا کہ بچپن سے ہم اسی طرح نماز پڑھ رہے ہیں اور خدا جانے کتنی غلطیاں ہونگی۔ قرآن پاک کس کس طرح سے زبان پر چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

قرآن پاک سنانے کی ضرورت

اسی لئے ضروری ہے کہ رمضان شریف میں تراویح میں قرآن پاک سنایا جائے، آپس میں دور کیا جائے، چرچہ کیا جائے، کوئی اس کو سنا رہا ہے کوئی اس کو سنا رہا ہے کوئی دیکھ کر سن رہا ہے کوئی نماز میں سن رہا ہے یہ چرچہ عام ہونا چاہئے غلطی ہو تو اس کو ٹوک دیا جائے بتا دیا جائے کہ یہ لفظ اس طرح ہے اس طرح نہیں۔ بہت غلطیاں ہوتی ہیں اس واسطے جو چیز بچپن میں سیکھی تھی جب کہ آدمی مکلف بھی نہیں تھا احکام شرعیہ کا۔ اگر غلطی سیکھنے کے وقت ہی زبان پر آگئی تو وہی بڑھتی چلی جائے گی۔ اگر اس وقت استاذ نے بتانے والے نے صحیح بتایا تھا لیکن بعد میں اس کے یاد کرنے میں غلطی ہوگئی تو وہ بڑھتی چلی جاتی ہے اس لئے اس کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ بتائیے کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق تو اس کا احتمال نہیں تھا کہ آپ کی زبان مبارک پر قرآن شریف کا کوئی لفظ غلط آجائے گا۔ اس کا تو امکان نہیں تھا لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو رمضان میں قرآن سنایا کرتے تھے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سناتے تھے حضور اقدس ﷺ کو انہیں دونوں کو ملا کر دور کا استحباب علماء نے نکالا کہ دور کیا جائے اس واسطے قرآن شریف کو بھی پڑھتے رہنا چاہئے۔

....

دلوں کا زنگ دور کرنا

اور حدیث میں تو یہ آیا ہے کہ ہر چیز کو زنگ لگ جاتا ہے قلب کو بھی زنگ لگ جاتا ہے اس زنگ کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ اس کی صفائی کیسے ہوگی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لا الہ الا اللہ" کثرت سے پڑھا کرو، "لا الہ الا اللہ" کثرت سے پڑھو گے تو جو قلب کے اوپر زنگ لگ گیا تو وہ زنگ آہستہ آہستہ رفع ہوتا جائے گا۔

اپنے اپنے ایمان کی فکر

تو اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ کر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا ہمارا ایمان اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے یا نہیں اور کوشش کی ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے ہی ایمان کو دیکھے، دوسرے کے ایمان کی فکر نہ کرے۔ہمارے یہاں بڑی مصیبت تو یہ ہے کہ اپنے ایمان کی فکر نہیں ہوتی۔دوسرے کے ایمان کی فکر ہوتی ہے۔طعنہ دیں گے تو دوسرے کو دیں گے فتویٰ دیں گے تو دوسرے کو دیں گے۔خود اپنے حالات پر نظر کرنے کی ضرورت ہے۔ہر شخص اپنے خیالات پر نظر کرے۔قیامت میں سوال جو ہوگا ہر شخص تن تنہا آکر حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا تو اس سے پوچھا جائے گا۔اس وقت کوئی ایسا آس پاس بھی نہیں ہوگا کہ دیکھ لیا اور آنکھ کے اشارہ سے کچھ اس سے جواب معلوم کرلیا۔تنہا حشر میں جواب دینا ہوگا اس لئے اپنے اپنے ایمان کے فکر کی ضرورت ہے۔اور بھئی سب کو کرنا چاہئے۔آج ۲۵/ویں شب ہے، کیا بعید ہے کہ آج ہی شب قدر ہو۔اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔بہر حال مظنہ ہے دعا ضرور کرنی چاہئے۔

دعا حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا الخ۔ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

اے پاک پروردگار! ہمارے قلوب کو پاک وصاف کر دے۔ یا اللہ دنیا کی قسم قسم کی خرابیاں ہمارے دل کے اندر بھری ہوئی ہیں اے اللہ تو ان سے ہمارے دلوں کو پاک کر دے۔ ان کو نکال دے۔ الہ العالمین! اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام پر پورا پورا یقین نصیب فرما۔ یا اللہ! ہر قسم کی تنگی سے بچاتے ہوئے شرح صدر کے ساتھ قبول کرنے کی توفیق نصیب فرمادیں۔ یا اللہ! ہم اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے اکابر کے بھی بدنامی کے باعث بن رہے ہیں۔ الٰہی ہمارے حال کو درست فرمادے۔ ہمیں اخلاق فاضلہ نصیب فرمادے۔ اے پاک پروردگار! اعمال صالحہ نصیب فرمادے۔ الہ العالمین! آج دنیا وہ چیز نہیں دیکھتی جو قرآن میں ہے وہ ہمارے عمل کو دیکھتی ہے۔ ہمارا عمل نہایت خراب نہایت گندہ جس کی وجہ سے وہ قرآن سے بھی بدظن ہو رہی ہے۔ اور ایمانیات سے بھی بدظن ہو رہی ہے۔ اے الہ العالمین! ہماری اصلاح فرمادے۔ یا اللہ! ان مبارک راتوں سے ہمیں محروم نہ فرما۔ اے خدائے پاک! اپنے حضرت نبی کریم ﷺ کی لاج رکھتے ہوئے ہمارے سارے گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! ہمارے قلوب میں ایمان کا نور عطا فرما۔ یا اللہ! ہم کو اعمال صالحہ اور اتباع سنت کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ ہماری زندگیوں کا ہر گوشہ حضور اقدس ﷺ کی سنتوں سے منور فرمادے۔ یا اللہ! ہر قسم کی بدعت سے حفاظت فرما۔ یا اللہ! ہر قسم کی معصیت سے حفاظت فرما۔ ظاہری گناہوں سے بھی حفاظت فرما، باطنی گناہوں سے بھی حفاظت فرما۔ اے خدائے پاک! حق شناسی کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ بڑوں کے حقوق پہچاننے، چھوٹوں کے حقوق پہچاننے اور ان کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ یا اللہ! ہمارے مدراس کی حفاظت فرما۔ ہمارے اکابر کی حفاظت فرما۔ ہمارے نوجوانوں کی حفاظت فرما۔ ہمارے عام مسلمان بھائیوں کی حفاظت فرما۔ ہماری مساجد کی

حفاظت فرما۔ ہمارے مقابر کی حفاظت فرما۔ اے خدائے پاک تیرے سوا ہماری کوئی حفاظت کرنے والا نہیں۔ یااللہ رحم فرما۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وصحبہٖ و اتباعہ وسلم تسلیماً کثیراً۔

تفسیر سورۂ فاتحہ

اس بیان میں

☆......سورۂ فاتحہ کی تفسیر نہایت آسان طریقہ پر پیش کی گئی ہے۔
☆......جو عوام وخواص دونوں طبقوں کے لئے مفید ہے۔
☆......متقین کی صفات۔
☆......قبولیت دعا کے لئے شرائط۔
☆......تفسیر وتاویل کا فرق۔
☆......مفسرین کے ذوق کا اختلاف۔

تفسیر سورۂ فاتحہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔ اَمَّا بَعْدُ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ ہی کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ، اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ، غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو کہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ بہت بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، بدلے کے جن کا مالک ہے (جس دن تمام اعمال کا بدلہ دیا جائے گا) اے پاک پروردگار تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں ہم کو چلا سیدھے راستے پر، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، نہ ان کا راستہ جن پر غضب نازل ہوا اور نہ گمراہ لوگوں کا راستہ۔

تشریح: ترجمہ مکمل ہوا، اب رہا یہ کہ الف لام کیسا ہے "الحمد" میں زمخشری نے کیا لکھا؟ معتزلہ کیا کہتے ہیں؟ اور یہ کہ شروع کرتا ہوں یہ کہاں سے نکالا اور یہ کہ "ب" ابتداء کے لئے ہے، یہ شرح مائۃ عامل میں آیا، اسی طرح "ب" حروف جار اس کے بعد مجرور اور جار مجرور کا حق تو یہ ہے کہ اس کو مؤخر کیا جاوے، متعلق سے، لیکن یہاں تقدیم ماحقہ، التاخیر ہوا، یہ مفید ہے، حصر کو، اس لئے اس کا ترجمہ حصر کے ساتھ کیا (اللہ ہی کے نام سے) "ہی" حصر کا کلمہ

ہے۔وغیرہ یہ اساتذہ درس میں بتادیں گے،یہ نہیں ترجمہ کیا کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے،بلکہ یہ کہ اللہ ہی کے نام سے جونہایت مہربان رحم والا ہے،شروع کرتا ہوں۔

الحمد: تمام خوبیاں تمام کمالات اللہ ہی کے لئے ہیں،الف لام استغراق کا ہوگیا۔

اللّٰہ: میں لام اختصاص کا ہے،اللہ جوسارے جہانوں کا پالنہار ہے،پالنے والا ہے، رب پالنے والا،عالم کی جمع عالمین ہے،ذوی العقول کوغیر ذوی العقول پرتغلیب کر کے جمع مذکر سالم کا صیغہ لایا ہے۔

الرحمن الرحیم: نہایت مہربان،رحم والا ۔

مالک یوم الدین: دین کا ترجمہ بدلہ جیسے ”داناهم کما دانوا“ ہم نے لوگوں کو ایسا بدلہ دیا جیسے انھوں نے ہمارے ساتھ معاملہ کیا تھا۔

یوم الدین: یعنی بدلہ کے دن کا مالک ہے،مالک تو آج بھی ہے لیکن آج دوسرے بھی اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں وہ دن ایسا ہوگا کہ اس دن کوئی بھی اپنے آپ کو مالک نہیں سمجھے گا،صرف اللہ کی مالکیت ظاہر ہوگی،کہیں گے:”لمن الملك اليوم“ آج ملک کس کے لئے ہے؟”لله الواحد القهار“ اللہ کے لئے جو واحد قہار ہے۔ (سورۃ المؤمن:۱۶)

ایاک: کی ضمیر منفصل منصوب ہے،مقدم لائے، جب خداوند تعالیٰ کی یہ صفات ہیں کہ وہ تمام خوبیوں کا مالک ہے،تمام خوبیاں اس کے ساتھ مخصوص ہیں وہ تمام جہانوں کا مالک ہے،نہایت مہربان ہے رحم والا ہے،بدلے کے دن کا وہ مالک ہے، اب ان امور کی وجہ سے اس کا کیا حق ہے؟ یہی کہ ہم اسی کی عبادت کریں اس کے علاوہ کسی اور کی نہیں،اس لئے ”نعبدك“ کاف ضمیر متصل کی منصوب اس کو منفصل سے بدل کر مقدم کیا حصر کے لئے،اے خدا تیری ہی عبادت کرتے ہے،پہلے اسم ظاہر کے الفاظ استعمال کئے۔

....

اللّٰہ، رب، رحمن، رحیم، مالک: ان کے ذریعہ سے ذہن میں تصور قائم ہوا کہ خدائے پاک کیسا ہے؟ خدائے پاک ایسا ہے کہ ساری خوبیوں کا مالک ہے، جس کے اندر جو کمال جو خوبی ہے وہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، اس کے پاس اپنی ذاتی خوبی نہیں، ساری خوبیوں کا خزانہ حق تعالیٰ کے پاس ہے، دنیا میں جس کے پاس جو کچھ آتا ہے اسی کا دیا ہوا آتا ہے، وہ سارے جہانوں کا پالنہار ہے، دیکھنے میں ہم سمجھتے ہیں کہ ماں باپ اولاد کو پالتے ہیں، پانی کھیتی کی پرورش کرتا ہے مگر حقیقت میں پالنے والا وہ ہے، اسی کے رحم وکرم سے سب دنیا قائم ہے، اس کا رحم اُٹھ جائے تو دنیا ٹوٹ ٹاٹ جائے، ختم ہو جائے، وہ یوم الدین کا مالک ہے، ان اسم ظاہر کے الفاظ سے صیغوں سے ایک تصور قائم ہوا کہ وہ کیسا ہے؟ جب وہ تصور قائم ہوا تو گویا کہ وہ حاضر ہے ہمارے دماغ میں پہلے غائب تھا جس کو اسم ظاہر کے صیغوں سے تعبیر کر رہے تھے، اب وہ حاضر ہو گیا، اس حاضر کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ اے پاک پروردگار تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تیری عبادت بھی ہم خود نہیں کر سکتے ہیں، جب تک کہ تیری مدد شامل حال نہ ہو، اس لئے کہتے ہیں:

ایاک نستعین: تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں، عبادت میں بھی تجھ سے مدد طلب کرتے ہیں، لہٰذا ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔

اہدنا الصراط المستقیم: اِھْدِ، ایک ترجمہ یہ ہے کہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا، ایک ترجمہ ہے کہ ہم کو سیدھا راستہ بتا، میں نے ترجمہ کیا کہ ہم کو سیدھے راستے پر چلا، راستہ دکھانا تو دور سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن کوئی ضروری نہیں کہ آدمی اس راستہ پر پہنچ بھی جائے، اتا پتا زبان سے بھی بتایا جا سکتا ہے کہ فلاں جگہ کو جا کر فلاں نہر ہے دریا ہے فلاں پہاڑ ہے فلاں درخت ہے اس کے قریب کا راستہ، یہ بتانا ہوا، اور چلانا، خود چلانا، یہ ظاہر ہے، صراط مستقیم سیدھا راستہ، جو سیدھا راستہ ہوتا ہے وہ قریب تر ہوتا ہے، اقرب الطرق صراط مستقیم ہے۔

وہ سیدھا راستہ کیسا؟ اس کی کوئی نشانی ہے؟ تو بتایا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

”صراط الذین انعمت علیہم“

وہ کون ہیں؟

”اولئک الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین“ (سورۃ النساء:۶۹)

[اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔]

ان لوگوں کا راستہ جن کو سیدھے راستہ پر چلایا، سیدھے راستہ پر چلانا بہت بڑا انعام ہے، لہٰذا کہا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا یعنی ان کو سیدھے راستہ پر چلایا اور اپنے قرب کے، اپنی رضا کے انعامات سے ان کو نوازا۔

”غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ“

نہ ان کا راستہ جن کے اوپر غضب نازل ہوا، ”مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ“ یہود ہیں اور ”ضَآلِّیۡنَ“ نصاریٰ ہیں، یہود و نصاریٰ دونوں کا راستہ غلط ہوگیا، وہ سیدھے راستے پر نہیں چلے ان کے اوپر انعام نہیں ہے، ضال کہتے ہیں اس کو جو راستہ بھٹک گیا، بھول گیا، راہ حق کا طالب ہے، مگر راستہ بھٹک گیا، بھول گیا اس کو بتا دیا جائے سیدھا راستہ تو معاملہ آسان ہے، مغضوب علیہم، غضب والے، مغضوب اعراض کرنے والا ہوتا ہے، یعنی راستہ سیدھا بتایا جاتا ہے ادھر کو نہیں چلتا، دوسری طرف کو چلتا ہے، وہ راہ راست پر نہیں آسکتا، جب وہ بتانے پر بتانے والے پر اعتماد نہیں کرتا، اس کے بتانے پر نہیں چلتا بلکہ اس کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹ کر

دوسری طرف کو چلتا ہے وہ ہدایت نہیں پاسکتا ہے۔

دعا اور قبولیت دعا

یہ سورت دعا ہے، دعا کی گئی، دعا کے آداب میں سے کیا کیا ہے؟ ایک یہ کہ اللہ کے نام سے شروع کیا جائے، لہٰذا جو درخواست دی جائے باسمہ سبحانہ وتعالیٰ یا "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" وغیرہ سے شروع کی جائے، اس کی تعریف کی جائے کہ وہ کیسا ہے؟ اس کے آداب والقاب بیان کئے جائیں، اس کی شان کے لائق آداب والقاب وہ بھی اس نے خود ہی بتا دیئے حق تعالیٰ نے کہ اس طرح سے ہیں، یہ گویا کہ ایک درخواست ہے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدایت کی صراط مستقیم کی، اس درخواست کے واسطے یہ آداب والقاب بتائے، پھر یہ وعدے کئے کہ "ایاك نعبد وایاك نستعین" کہ ہم آپ کی عبادت کریں گے، ہم آپ سے مدد طلب کریں گے، آپ ہم کو سیدھا راستہ بتائیے، اور پورے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے جو درخواست دی جاتی ہے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے القاب کے ساتھ صدق دلی سے وہ قبول ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"ادعونی استجب لکم"

مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ (المؤمن:۶۰)

"اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ"

[ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما۔] (آسان ترجمہ)

یہ دعا ہے اس کی قبولیت کا وعدہ ہے، قبولیت کیسے ہوئی اس کی ایک صورت یہ ہے اس کو کہدیا گیا:

"الٓمٓ ذٰلِكَ الۡكِتَابُ لَا رَیۡبَ ۛ فِیۡهِ ۛ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ" (البقرہ:۲)

[یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں، یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے والوں کے لئے ۔] (آسان ترجمہ)

تم نے ہدایت کی دعا کی ہے لو ہم یہ کتاب دیتے ہیں تم کو جو "ھدی للمتقین" متقین کے لئے ہدایت ہے، متقین کے لئے ہدایت کیسے؟

متقین: جلالین شریف میں لکھا ہے "السائرین الی التقوی" جو لوٹنے والے ہیں تقویٰ کی طرف، متقی تو کہتے ہی ہیں اسے جو ہدایت یافتہ ہو، پھر متقین کے لئے ہدایت کے کیا معنیٰ؟ یہ تو غیر متقین کے لئے فاسق فاجر لوگوں کے لئے ہدایت ہونی چاہئے، متقین کے لئے ہدایت ہے اس کا کیا مطلب؟ جب کہ وہ پہلے سے ہدایت یافتہ ہیں۔

میں نے اپنے ایک دوست کو ایک کتاب کے لئے لکھا کہ پاکستان سے وہ کتاب خرید کے لیتے آنا، وہ جب کتاب لینے کسی کتب خانہ پر گئے، ان کی صورت کو دیکھ کر (چونکہ ان کی صورت جنٹل مینوں جیسی تھی) وہاں ان کو کہا کہ تمہارے کس کام کی یہ کتاب؟ یہ تو عالموں کے دیکھنے کی کتاب ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ جن کے واسطے لے جا رہا ہوں وہ تو عالموں کے عالم ہیں، دیکھئے کیا کہا عالموں کے عالم، حالانکہ جاہلوں کے عالم ہوا کرتے ہیں، انہوں نے بھی اس بات کی رعایت رکھی کہ وہ عالموں کے عالم ہیں۔ (محاورہ کی رعایت)

اسی طرح یہاں کہ یہ متقین کے لئے ہدایت ہے، اُردو میں آپ اس کو یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے ایک کورس ہے بی، اے، کا تو کہا جاتا ہے کہ یہ بی، اے، ہے کیا مطلب ہوتا ہے اس کا؟ یہ کہ جو شخص اس کورس کو پڑھے، حاصل کرلے وہ بی، اے، ہو جاتا ہے، اسی طرح سمجھو کہ یہ قرآن پاک ایک کورس ہے جو شخص اس کو پڑھے اس پر عمل کرے وہ متقی بن جاتا ہے۔

ھدی للمتقین: ہدایت ہے متقین کے لئے۔

....

صفات متقین

متقی کسے کہتے ہیں؟ آگے ان حضرات کی صفات بیان کر دی گئی ہیں:

"الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ"

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، ان دیکھی بات پر ایمان لاتے ہیں، آنکھ دیکھی بات کو تو سب ہی مان لیتے ہیں، اور ہر شخص مان ہی لے گا آنکھوں سے دیکھ کر، جن عذابوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا میں ڈرایا تھا، اور لوگ مانتے نہیں تھے وہاں جب عذاب سامنے آئیں گے تو کہیں گے۔

"رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ" (السجدۃ:۱۲)

[ہمارے پروردگار! ہماری آنکھیں اور ہمارے کان کھل گئے، اس لئے ہمیں (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیجئے۔ تاکہ ہم نیک عمل کریں، ہمیں اچھی طرح یقین آچکا ہے۔]

ترجمہ: اے رب اب ہمیں لوٹا دیجئے دنیا میں بھیج دو اب ہم عمل کریں گے۔

لیکن یہاں تو ایمان بالغیب مقصود ہے، ایمان مشاہدہ تھوڑا ہی ہے، اب ہر شخص دعویٰ کرسکتا ہے کہ مجھے ایمان بالغیب حاصل ہے، اس دعویٰ کے لئے کوئی دلیل بھی تو چاہئے تو کہا:

"وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ"

اقامت صلوٰۃ اس کی دلیل ہے، نماز پڑھتا ہے نماز کا پابند ہے، آگے کہا:

"وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ"

کہ جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، یہ نہ سمجھے کہ ہم قوت بازو سے کماتے ہیں، دینے والا اللہ ہے اسی نے دیا ہے وہی مانگ رہا ہے، کہہ رہا ہے کہ اس کے نام پر خرچ کرو، اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں، ایسے نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کے دئیے

ہوئے کو اٹھا کے جیب میں رکھ لیتے ہیں کہ یہ ہمارا ہے، ہماری ملکیت ہے ہم خرچ نہیں کریں گے، ایسا نہیں۔

"وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ" (البقرہ:۴)

اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اس چیز پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور جو کچھ نازل کیا گیا آپ سے پہلے، پچھلے انبیاء پر جو نازل کیا گیا تورات انجیل، زبور اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں، ہر نبی پر ایمان رکھتے ہیں۔

"لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" (البقرہ:۲۸۵)

ہم ان رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے سب پر ایمان رکھتے ہیں۔

"وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ"

آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں کہ ضرور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب دینا ہے۔

"فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَه۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَه" (سورۂ زلزال:۸،۷)

[چنانچہ جس نے ذرہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھے گا، اور جس نے ذرہ برابر کوئی برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھے گا۔] (آسان ترجمہ)

ہر ہر چیز سامنے ہوگی۔ آگے فرمایا:

"اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ"

یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں، وہ ہدایت جس کی دعا کی تھی اور جس کو کہا تھا کہ کتاب مل گئی، تو جو لوگ یہ ایمان یہ اعمال اختیار کرتے ہیں، یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ ہدایت کا ملنا رب کی ربوبیت کی وجہ سے ہے، حق تعالیٰ کی تربیت ہے، حق تعالیٰ شروع سے تربیت کرتے چلے آئے ہیں۔

....

”وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“ (البقرہ ۵)

یہی لوگ فلاح یاب ہیں کامیابی انھیں کو حاصل ہے۔

تقریباً بیس امور ایسے ہیں جن کے اوپر فلاح کو مرتب کیا ہے، قرآن کریم میں ان میں سب سے زیادہ ”قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ“ (المومنون: ۱) کے شروع میں ہے کہ ان لوگوں نے فلاح پائی، اور الذین، الذین سے ان چیزوں کو بیان کرتے چلے گئے ہیں۔

ترجمہ وتفسیر کے لئے کن امور کی ضرورت

سائل: ترجمہ یا تفسیر میں کن امور کی رعایت کرنی چاہئے؟

حضرت: وہ تو پڑھانے والا آپ کے لئے جن امور کی رعایت مناسب سمجھے گا کرے گا، ایک تفسیر کا پڑھانا ہوتا ہے اس میں بہت پھیلاؤ ہوتا ہے اور وہ بھی مختلف طرق سے۔

مفسرین کے ذوق مختلف

مثلاً امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر پڑھانے کے لئے بیٹھیں گے تو فرق باطلہ کی تردید کرتے چلے جائیں گے کہ مرجیہ ایسے ہیں، معتزلہ ایسے ہیں، خوارج ایسے ہیں اور روافض ایسے، انہوں نے یہ کہا وہ کہا، یہ ان پر رد ہے وہ ان پر رد ہے۔

اس کا نمونہ اردو میں دیکھنا ہو تو مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر حقانی کو دیکھ لو، ان کا خاص کام فرق باطلہ کی تردید ہے، خاص کر نصاریٰ کی تردید کرتے چلے جاتے ہیں۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ جب تفسیر کریں گے تو وہ فقہی مسائل استنباط کرتے چلے جائیں گے کہ اس آیت سے یہ مسئلہ نکلا اس سے یہ نکلا، سب کو فقہی بنا دیں گے۔

امام جریر بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کرنے کے لئے آئیں گے تو احادیث کا ڈھیر لگا

دیں گے آپ کے سامنے کہ یہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی، یہ آیت فلاں موقع پر نازل ہوئی، فلاں موقع پر حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا: یہ فرمایا۔

قاضی بیضاوی تفسیر کرنے کے لئے اٹھیں گے تو ساری ترکیب نحوی آپ کے سامنے رکھ دیں گے کہ یہ فاعل ہے مفعول ہے، یہ مفعول مطلق ہے، یہ حال ہے تمیز ہے، مستثنیٰ ہے، یہی کرتے چلے جائیں گے۔

لہٰذا جیسا جیسا ذوق ہوتا ہے بیان کرتے چلے جائیں گے۔

تفسیر، تاویل، تحریف

تفسیر کے معنی، مراد خداوندی کو بیان کرنا ہے، اس کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے، اول یہ کہ لفظ کو حقیقی معنی پر حمل کیا جاوے یا مجاز متعارف پر، آدمی اس سے باہر نہ نکلے، حقیقی معنی یا مجاز متعارف جو شائع ذائع ہے، دوسرے یہ کہ سیاق وسباق اور نصوص ظاہرہ کے خلاف نہ ہو وہ تفسیر، تیسرے یہ کہ شاہدان وحی کی شہادت سے مؤید ہو، شاہدان وحی کون ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، جن کے سامنے وحی نازل ہوتی تھی، ان کے اقوال پیش کئے جائیں کہ انھوں نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے؟ یہ تفسیر کی ہے۔

یہ تینوں چیزیں پائی جائیں گی تو تفسیر ہے، اگر ان تین میں سے دو پائی گئیں ایک نہیں تو تاویل قریب ہے، اور اگر ایک ہی پائی گئی دو نہیں تو تاویل بعید ہے، اور اگر تینوں نہیں پائی گئیں تو تحریف ہے۔

ترجمہ قرآن پاک سب سے زیادہ مشکل

اور بھائی دیکھو میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ترجمہ قرآن پاک کا سب سے زیادہ مشکل ہے تفسیر اتنی مشکل نہیں ہے، حدیث اتنی مشکل نہیں، فقہ اتنی مشکل نہیں، کوئی فن اتنا مشکل نہیں جتنا مشکل

ترجمہ ہے، ترجمہ کے لئے ضروری ہے کہ آدمی مثلاً اردو میں ترجمہ کرے تو اردو کے پورے محاورات سے واقف ہو، عربی کے پورے محاورات سے واقف ہو، ہر چیز پر اس کو پورا عبور ہو، شان نزول بھی معلوم ہو، اس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اس کے ساتھ ہوں، دوسری نصوص جو بظاہر اس کے موافق ہوں وہ بھی اور جو اس کے معارض ہوں وہ بھی سامنے ہوں، تب جا کے ایک زبان کے لفظ کے مفہوم کو دوسری زبان کے لفظ میں ادا کرے۔

سب سے پہلا ترجمہ قرآن پاک

باقی اردو میں قرآن پاک کا ترجمہ نہایت جامع حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے، پہلے تو ہندوستان میں اردو فارسی کسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ نہیں تھا، سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔

اس کے بعد ان کے دو بیٹوں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا، ایک نے تحت اللفظ ترجمہ کیا اور ایک نے بامحاورہ ترجمہ کیا، تیسرے بیٹے (بڑے) نے تفسیر کی حضرت شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے، اس کے بعد سے معاملہ آسان ہو گیا۔

ترجمہ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے متعلق حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرآن پاک اگر اردو میں نازل ہوتا تو یہی ہوتا، اتنا جامع ہے یہ، یہ تو نہیں کہتا کہ یہی ہوتا، البتہ اس کی عبارتوں کی عبارتیں ہوتیں اگر اردو میں

نازل ہوتا، مشہور ہے کہ وہ الہامی ترجمہ ہے، ہر لفظ کا ایسا جچا تلا ترجمہ کیا ہے کہ بس قلب کے اندر وہ اترتا چلا جاتا ہے۔ بہت ہی جامع مثلاً:

"اِنَّ الْحسنات یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ" (ھود: ۱۱۴)

نیکیاں دور کر دیتی ہیں برائیوں کو اس پر حاشیہ میں ایک لفظ لکھ دیا جتنے میل اتنے صابن (جتنے میل اتنے صابن)۔ بہت ہی جامع چیز ہے، جیسے جیسے، گناہ ان کو مٹانے کے لئے ویسی ویسی نیکیاں حق تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہیں، بعضے گناہ ایسے ہیں کہ وضو کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں، ترمذی کی روایت میں ہے کہ جب آدمی وضو کرتا ہے چہرہ دھوتا ہے تو چہرہ سے جو آخری قطرہ گرتا ہے پانی کا، اس کے ساتھ ساتھ وہ سب گناہ دھل جاتے ہیں جو چہرے نے کئے تھے، اسی طرح ہاتھ سے پیر سے، بعض گناہ ایسے ہیں کہ جب آدمی وضو کرنے کے بعد گھر سے چلتا ہے نماز کے لئے، تو ایک قدم پر ایک نیکی لکھی جاتی ہے، ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے، ایک قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے، وہ جو چل کر آتا ہے اس چلنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں، تو کچھ گناہ وضو کرنے سے معاف ہوئے، کچھ گناہ چلنے سے معاف ہوئے، کچھ گناہ صدقہ دینے سے معاف ہوتے ہیں، اور کچھ گناہ روزہ رکھنے سے معاف ہونے ہیں کچھ حج کرنے سے، حتی کہ آدمی جب حج کرتا ہے اس میں کچھ جنایت نہ کرے، پورے آداب کی رعایت رکھتے ہوئے حج کرے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کہ آج اس کی ماں نے اس کو جنا ہو، اور آج کل کچھ گناہ حج سے واپسی پر کسٹم میں معاف ہوتے ہیں، جو خلاف قانون سامان خرید کر لاتے ہیں، پھر پکڑ دھکڑ ہوتی ہے اچھی طرح سے، کچھ گناہ ایسے ہی کہ اس دنیا میں معاف ہی نہیں ہوتے، قبر میں جا کر معاف ہوں گے جب وہاں پٹائی ہوگی، اور کچھ گناہ میدان حشر میں میں جا کر معاف ہوں گے غرض جتنے میل اتنے صابن۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں ہے:

وَقَالَتِ الْیَھُوْدُ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ۔

ترجمہ: یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ تو بندھ گیا۔

اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے کہا:

غُلَّتْ اَیْدِیْہِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوْطَتَانِ۔ (المائدۃ: ۶۴)

[ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں، اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔] (آسان ترجمہ)

دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، پھیلے ہوئے ہیں، کشادہ ہیں۔

یہود نے تو ایک ہی ہاتھ ثابت کیا تھا، واحد کا صیغہ لایا، یہاں جواب میں تثنیہ کا صیغہ لائے "یداہ" یہ تو دو ہاتھ ثابت ہوئے، تو بہت تلاش کیا کہ کہیں اس بارے میں کچھ ملے، تفسیر میں کسی نے کچھ نہیں لکھا، ہاں حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: اس کے دونوں ہاتھ قہر اور مہر کے کھلے ہوئے ہیں، کسی کی طرف مہر کا ہاتھ محبت کا اور کسی کی طرف قہر کا ہاتھ۔

آیت ہے: "یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا وَ کُنْتُ نَسْیاً مَّنْسِیاً" (مریم: ۲۳)

[کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مرگئی ہوتی، اور مر کر بھولی بسری ہو جاتی۔]

حضرت مریم کے جب بچہ پیدا ہوا، اور چونکہ بغیر شادی کے ہوا تھا جو کہ عام عرف کے خلاف تھا تو بدنامی، شرمندگی سب کچھ کا خدشہ تھا کہنے لگیں؛

"یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا"

کاش میں مر جاتی اس سے پہلے ہی پہلے۔

"وَ کُنْتُ نَسْیاً مَّنْسِیاً"

اور بھولی ہوئی آتی، بھول جاتی، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بس اس کا ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہے، انہوں نے ترجمہ کیا "بھولی بسری آتی"، محاورے کے موافق ترجمہ کر دیا کہ یہ لفظ زائد نہیں ہے، اسی معنی میں آیا ہے۔

اسی طرح آیت ہے۔

"وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ" (المومنون:۵)

جولوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا ہے "تھامتے ہیں اپنی شرمگاہوں کو" تھامنا کیا ہے؟ یوں سمجھو جس طرح ایک گھوڑا ہے، قابو سے باہر ہو کر نکلا چلا جارہا ہے، لگام کے ذریعہ سے لگام کو کھینچ کر اس کو تھاما جائے روکا جائے یہ کہلاتا ہے تھامنا، بھینس ہے جو چلی جارہی ہے اس کو رسہ باندھ کر پکڑ کر زبردستی روکا جارہا ہے، یہ ہے تھامنا خالی گناہ نہ کرنے پر اجر نہیں بلکہ گناہ کا داعیہ موجود ہے، غلبہ ہے، اسباب موجود ہیں گناہ کرنے کے، پھر نفس کو روکتا ہے آدمی زبردستی جیسے کہ اس بھینس کو روکتا ہے رسے سے، تاکہ کف النفس کا مفہوم ہو جائے، اس لئے ترجمہ کیا "تھامتے ہیں اپنی شرمگاہوں کو"۔

اسی طرح سے آیت میں ہے۔

"اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ" (النساء:۴۳)

یا تم لمس کرو عورتوں کو لمس کے کیا معنی ہیں، تم ہاتھ لگاؤ، جماع کرو، اختلاف اصول الشاشی سے پڑھتے چلے آرہے ہو، اس پر حضرت شاہ القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کیا "یا لگو تم عورتوں کو، بس سب اختلاف نکال دیا، قصہ ختم کردیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

تفسیر سورۃ والعصر

اس بیان میں

☆......سورۃ والعصر کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔
☆......زمانہ کی قسم کھانے کی وجہ۔
☆......چار طبقات کے علاوہ ہر انسان کا خسارہ میں ہونا۔
☆......چار طبقات کی تفصیل۔
☆......بعض سورتوں کے فضائل۔

تفسیر سورۃ والعصر

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

"وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔ الخ" (سورۃ العصر)

[زمانے کی قسم! انسان درحقیقت بڑے گھاٹے میں ہے۔سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں۔اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔]

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی وجہ

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے کسی کسی بات کو قسم کھا کر فرمایا: لوگوں کو منع کیا، بات بات پر قسم کھانے سے "وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ" [اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں میں اس غرض سے استعمال نہ کرو کہ اس کے ذریعہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے سے بچ سکو۔] اور خود حق تعالیٰ نے قسم کھا کر فرمایا: قسم کا حاصل کیا ہے؟ قسم کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے مخاطب سے ایک بات کہتا ہے اور اس کو یقین دلانے کے لئے کسی عظیم اور بڑی ذات کا حوالہ دیتا ہے اس کو گواہ بناتا ہے، مثلاً ایک شخص ایک بات کہتا ہے کہ اللہ کی قسم یہ بات اس طرح سے ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اے

مخاطب تو میری بات پر یقین کر لے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں، اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہیں دلوں کے اندر کی چیزوں کو جانتا ہے۔

آنکھ کے اشاروں کو جانتا ہے۔

"یَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ" (المؤمن: ۱۹)

[اللہ آنکھوں کی چوری کو بھی جانتا ہے اور ان باتوں کو بھی جن کو سینوں میں چھپا رکھا ہے۔]

ہر ارادہ کو جانتا ہے، اگر میں غلط بات کہوں تو وہ چونکہ جانتا ہے اور غلط بات سے ناخوش ہوتا ہے وہ مجھے سزا دے گا وہ اس پر قادر ہے، تو دو صفتیں حق تعالیٰ کی اس کے ذہن میں مرکوز کرنا ہوتی ہیں، ایک یہ کہ وہ عالم ہے ہر چیز کا، اس سے کوئی چیز مخفی نہیں سینہ کے اندر کی چیز بھی مخفی نہیں، زبان پر کچھ اور ہو سینہ میں کچھ اور ہو اس کو بھی جانتا ہے اور وہ قادر ہے غلط بات کو ناپسند کرتا ہے غلط بات پر سزا دے گا وہ قادر ہے تو یہ دو صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذہن میں حاضر کرنا ہوتی ہیں ان دو صفتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے بات کہتا ہے کہ اللہ عالم ہے ہر چیز کا، دل کے ارادہ کو جانتا ہے۔

"یَعۡلَمُ مَا فِی الصُّدُوۡرِ، اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ"

اگر میں غلط بات کہتا ہوں گا تو اس کے علم میں ہے کہ میں غلط کہہ رہا ہوں اور وہ غلط بات سے ناخوش ہوتا ہے، مجھے سزا دینے پر قادر ہے۔

پھر وہی قاعدہ "وَهُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَ عَلَیۡکُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِکُمۡ" (الانعام: ۶۵)

اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اوپر سے عذاب دے، پتھر برسا دے، بجلی گرا دے نیچے سے عذاب دے زمین پھٹ جائے اس کے اندر لوگ دھنس جائیں مر جائیں اس کو ہر طرح عذاب دینے کی قدرت حاصل ہے اسی واسطے اللہ کے علاوہ کسی اور کی قسم کھانا ناجائز ہے کیونکہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں کسی اور میں موجود نہیں اس

لئے اللہ ہی کے نام کے ساتھ قسم کھائی جائے یا اس کی صفات کے ساتھ کھائی جائے کسی اور غیر کے ساتھ کھانا جائز نہیں، یہ تو ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جب قسم کھاتے ہیں قاعدہ بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے قسم کھانے کی وجہ

جب حق تعالیٰ خود قسم کھا رہے ہیں اس کا کیا مطلب! اس کو کس چیز سے یقین دلانے سے بات مؤکد کرنی ہے ان کے سامنے کون سی ایسی ذات ہے جو ہر چیز سے واقف ہے اور اس چیز کے خلاف کرنے سے سزا دینے پر قادر ہیں، وہاں حاصل یہ ہوتا ہے کہ اے بندو! ہم تمہارے سامنے ایک چیز پیش کرتے ہیں تم اس کو سمجھو اگر تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو فلاں فلاں چیزوں کے حالات پر غور کرو تو وہ بات سمجھ میں آجائے گی، یہ چیز شاہد ہے یعنی گواہ ہے، یعنی گواہ ہے، یعنی اس کے حالات پر غور کرنے سے اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔

ہر انسان خسارہ میں ہے

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایک چیز "اِنَّ الاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" اِنَّ تحقیق کے لئے ہے یقین دلانے کے لئے ہے، "الانسان" پر الف لام استغراق کا ہے، انسان بالیقین بالتحقیق انسان کے تمام افراد "لفی خسر" لام تاکید کا ہے "خسر" میں تنوین تعظیم کے لئے ہے، "خسر عظیم" تمام انسان بڑے گھاٹے میں ہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تمام انسان بڑے گھاٹے میں ہیں اس بات کو سمجھو اگر نہ سمجھ میں آئے تو......؟

زمانہ کے حالات میں غور وفکر

"والعصر" عصر کے حالات پر غور کرو، عصر کے معنی زمانہ، زمانہ کے حالات پر غور

کرو، تو سمجھ میں آجائے گا کہ انسان کس طرح گھاٹے میں ہے وہ زمانہ کے حالات کیا ہیں زمانہ کا حال یہ ہے کہ وہ گذرتا رہتا ہے ٹھہرتا نہیں، آپ کے پاس روپے ہیں آپ چاہیں تو اس کو جیب میں رکھ لیں نہیں خرچ کرتے جیب میں رکھا ہے، لیکن زمانہ کو کوئی شخص چاہے جیب میں رکھ کر نہ خرچ کرنا چاہے یہ نہیں کرسکتا ہے وہ تو خرچ ہوگا، آدمی سو رہا ہے سانس چل رہا ہے، گذر رہا ہے وقت، جاگ رہا ہے تو بھی وقت گذر رہا ہے، بچہ پیدا ہوا خوشی منائی جارہی ہے آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے خوشی کرتے ہیں کہ ایک سال کا ہوگیا خوشی ہو رہی ہے دس سال کا ہوگیا بیس سال کا ہوگیا حالانکہ جب بیس سال کا ہوگیا تو اس میں خوشی کی کیا بات ہے جتنی عمر لے کر آیا تھا اس میں بیس سال کم ہوگئے، اگر ساٹھ سال کی عمر لے کر آیا ہے اللہ کی طرف سے تو دنیا میں اس کو بیس سال ہوگئے اس کا کیا مطلب کہ بیس سال اس کے عمر سے کم ہوگئے، ایک شخص ساٹھ ہزار روپیہ لے کر تجارت کے لئے چلتا ہے راستہ میں اس کے بیس ہزار روپیہ گرجاتے ہیں تو کیا ہوگا؟ بیس ہزار کا نقصان ہوگیا، دنیا کے لوگ نقصان نفع سمجھ لیتے ہیں، یہاں افسوس کی چیز کو خوشی کی چیز سمجھ رکھا ہے، حالانکہ آدمی کی عمر کم ہوتی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انسان بڑے گھاٹے میں ہے سب ہی انسان گھاٹے میں ہیں اس وجہ سے جس طرح ایک شخص ہے اس کے ہاں برف ہے برف کی ایک بڑی سل ہے اس کے ہاں گھر میں ضرورت ہے آٹا دال نمک تیل کی گھر کے کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں ہے وہ بازار جاتا ہے قیمت نہ ہوگی تو کیسے خریدیگا، وہ نقصان میں ہے، قیمت اس کے پاس وہی برف کی سل ہے وہ برف کی سل لے کر چلتا ہے جو چیز جس کے ہاں ہوتی ہے عامۃ اسی کو سامان کی قیمت قرار دیا جاتا ہے اسی سے سامان خریدا جاتا ہے، ہمارے بچپن کے زمانہ کی بات ہے کہ عورتیں دیہات سے آتی تھیں، کوئی اناج لے کر آرہی ہے کوئی چنے لے کر آرہی ہے کوئی گیہوں لے کر آرہی ہے اس سے خریدنے کے لئے، ایک بوتل تیل کے لئے کپاس لے کر آرہی ہے اس سے خریدنے کے لئے، کیونکہ پیسہ نہیں تھا، اسی طریقہ سے ایک شخص کے پاس پیسہ نہیں ہے برف کی سل ہے لے کر چلا ہے، بیوی بچے کھانے

کے انتظار میں بیٹھے ہیں لائے گا کچھ بازار سے آٹا لے کر آئے گا، دال لے کر آئے گا گھر میں پکانے کے واسطے اور یہ چلا بازار کی طرف برف کی سل لے کر، وہاں پہنچ کر اس نے کیا کیا دیکھا ایک جگہ کچھ مجمع بیٹھا ہے، کوئی شخص بندر کا تماشہ دکھا رہا ہے یہ بھی کھڑا ہو کر بندر کا تماشہ دیکھنے لگا اس کو جگہ بھی دھوپ میں ملی، تو کیا ہوگا برف کی سل آہستہ آہستہ پگھلنے لگی، پگھلتے پگھلتے ایک چوتھائی ختم ہوگئی، کھیل تماشہ ختم ہوا آگے چل کر کسی شادی کا باجا بج رہا تھا باجے کو کھڑے ہو کر دیکھتا رہا وہاں بھی برف پگھلتا رہا، پگھلتے گھلتے برف آدھا رہ گیا، آگے چلا وہاں دیکھا کہ لوگ محرم کا ماتم کر رہے ہیں، سینے پیٹ رہے ہیں، ایک چوتھائی برف رہ گیا، یہاں تک کہ چلتے چلتے ایک چھوٹی سی ڈلی رہ گئی، ادہر موسم بدلا ٹھنڈی ہوا چلی بادل آیا بارش برسنے لگی اب لوگوں کو برف کی ضرورت نہ رہی جو دوکانیں تھیں وہ بھی آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں رات کا وقت ہے خرید وفروخت کا وقت ختم ہو رہا ہے ادھر اس کا وہاں کوئی جان پہچان کا بھی آدمی نہیں ہے اس بازار میں کہ رات کو وہیں ٹھہر جائے واپس جانے کے لئے پریشانی ہے، وہاں اس کے پاس کوئی سواری نہیں پیدل جانا ہے، نگاہ اس کی کمزور رات کو اندھیرے میں نظر بھی آتا نہیں ہے راستہ بھی دور راستے میں مشیر وغیرہ کا اندیشہ، چور ڈاکو کا بھی اندیشہ یہاں ٹھہرنے کو جگہ نہیں مکان جانے کو سواری نہیں، پیدل جانے کی ہمت نہیں، عوارض، خطرات بے شمار ہیں بڑا پریشان ہے، اب کیا کرے گا بتائیے! کتنا خسارہ میں ہے، اب اگر کسی دوکاندار کے پاس جاتا ہے کہتا ہے مجھے آٹا چاہئے تو وہ کہے گا لاؤ پیسہ یہ کہتا ہے پیسے تو ہیں نہیں یہ برف کی ڈلی ہے، لے لے، اس کے عوض دیدے، کہے گا اس کو کیا کروں گا میں اس کی کوئی قیمت ہی نہیں، بس یہی حال ہے، کتنا خسارہ میں رہے گا اگر یہ سمجھ دار ہوتا عقل سے کام لیتا، جیسے ہی بازار میں پہنچا ہوتا، پہلے اس کے پیسے بنالیتا یا اس کا آٹا لے لیتا جو چیز بھی خریدنی تھی وہ اس سے خرید لیتا، اب تو وہ سارا کا سارا ختم ہوگیا برف، پیسہ اس کے پاس نہیں یہاں ٹھہرنے کی جگہ نہیں، سامان مل نہیں رہا ہے، گھر جانے کے واسطے دشواریاں ہیں، کتنا پریشان ہے۔

....

دنیا ایک بازار اور انسان کا مقصد زندگی

اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ایک بازار بنایا ہے اور انسان کو اس بازار میں بھیجا ہے عالم آخرت سے اصل اس کا گھر وہاں ہے اس کو دنیا میں بھیجا کہ یہاں سے وہ چیزیں خریدے جو تیرے لئے آخرت میں کام آئیں گی اس دنیا میں جو چیزیں کارآمد تھیں وہ یہاں سے لے لیتا اور وہ چیزیں خریدتا جو آخرت کے گھر میں کام آئینگی۔

والدین کی کوتاہی

یہ آیا دنیا میں پیدا ہوا، بچپن کا زمانہ ہے کھیل کود کرتا ہے، ماں باپ لاڈ پیار کرتے ہیں کچھ زور سے بول دیا گالی کا لفظ بول دیا بچوں سے سن سنا کر، بس ماں بھی خوش ہوگئی باپ بھی خوش ہوگیا، ہنس کر بولے کہ بڑی عجیب بات کہی ہے حتی کہ بڑے بڑے خراب الفاظ یاد کرتا ہے، ماں باپ اسے ڈانتے نہیں، تمیز سکھاتے نہیں، یہ برابر ان کو سناتا ہے ماں باپ کہتے ہیں بڑے ہوکر آپ سدھر جائے گا، حالانکہ بڑے ہوکر کیا ہوتا ہے جو چیز بچپن سے چلی آتی ہے بڑے ہوکر وہی پختہ ہوجاتی ہے اس کا چھوڑنا بڑا مشکل ہوتا ہے جو عادتیں پڑتی ہیں اچھی ہوں کہ بری بڑے ہوکر وہی پکتی ہیں بس، پھر کھیل کود کا زمانہ تھا پڑھنے کی فکر نہیں کی حتی کہ اوباش بچوں کے ساتھ رہنے لگا بری عادتیں پیدا ہونے لگیں نہ قرآن پڑھا نہ حدیث پڑھی نہ دین کو سیکھا نہ نماز سیکھی کچھ نہیں حتی کہ جتنے جتنے برے اخلاق تھے وہ سارے کئے اچھا کام کوئی نہیں کیا، اب جب بڑھاپا آیا منہ میں دانت نہیں پیٹ میں آنت نہیں بیٹھ کر اٹھنا مشکل، چند قدم چلنا مشکل اس وقت کسی نے کہا بڑے میاں قبر میں پیر لٹک رہے ہیں جانے والے ہو آخرت کے واسطے کچھ فکر کرلو، کچھ کلمہ سیکھ لو، کچھ نماز سیکھ لو، اب اس کو کلمہ سکھاتے ہیں تو ٹھیک طرح سے پڑھ نہیں پاتا نماز صحیح پڑھ نہیں پاتا۔

....

پونجی ختم راستہ خطرناک

جیسے کہ اس شخص کی سب پونجی ختم ہوگئی ایک دن میں جو برف لے کر آیا تھا یوں سمجھو وہ ایک دن ساری زندگی کا تھا وہ برف سارے کا سارا پگھل گیا ایک ڈلی رہ گئی جو کام کی نہیں رہی، اسی طرح اس شخص نے ساٹھ سال کی زندگی گذار دی اور اب چلنے کا وقت آگیا آخرت کی طرف، یہاں ٹھہر نہیں سکتا اس واسطے کہ ملک الموت آجائے گا پکڑ لے گا وہ تھوڑا ہی چھوڑ دے گا، کون شخص ہے جو ذمہ داری لے گا ملک الموت سے کہدے کہ اچھا میں اپنے ہاں ٹھہرا لیتا ہوں آپ کے پاس پہنچا دوں گا، وہاں جانے کے لئے راستہ دیکھا نہیں، وہاں جانے کے لئے بڑے خطرات منکر نکیر کا معاملہ، قبر کا معاملہ، عذاب کے فرشتوں کا معاملہ یہاں ٹھہرنے کو جگہ نہیں وہاں جانے کو راستہ بڑا خطرناک ہے راستہ میں پریشانیاں ہیں اور جو عمر کا حصہ لے کر آیا تھا وہ بمنزلہ برف کے تھا وہ گھلتے گھلتے ختم ہوگیا اب جو ڈلی رہ گئی وہ کسی کام کی نہیں، اس شخص کی پریشانیوں کا حال کتنا سخت ہے اسی لئے فرمایا:

”وَالْعَصْرِ ۔ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ“

ہر انسان گھاٹے میں ہے گھاٹا کیا ہے؟ کہ برف کی طرح سے اس کی عمر کا ایک ایک قطرہ پگھلتا رہتا ہے اسی طرح سے انسان کی زندگی ختم ہوتی ہے، ہر انسان گھاٹے میں ہے، عالم ہے تو گھاٹے میں ہے جاہل ہے تو گھاٹے میں ہے مالدار ہے تو گھاٹے میں ہے، فقیر ہے تو گھاٹے میں، حاکم ہے تو گھاٹے میں محکوم ہے تو گھاٹے میں نیک ہے تو گھاٹے میں بد ہے تو گھاٹے میں، یعنی ہر ایک کی زندگی گذرتی ہی جارہی ہے، کوئی شخص ایسا نہیں جو عمر کا کچھ حصہ لے کر کپڑے میں باندھ کر یا صندوق میں بند کر کے رکھ دے کہ جب ضرورت پیش آئے نکال لاؤں، زندگی تو گذر رہی ہے اس کے محفوظ کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں اس لئے فرماتے ہیں بالکل یقینی بات ہے پختہ بات ہے کسی شک وتردد کی گنجائش ہی نہیں کہ ہر انسان

گھاٹے میں ہے جو زندگی انسان کو دی گئی تھی اس کے ذریعہ سے اپنی آخرت کو درست کر لیتا وہ زندگی انسان کی اس دنیا میں آنے سے ختم ہو رہی ہے، اب کیا کرے گا۔

خسارہ سے چار طبقات کا استثنا

چار فرقوں کو مستثنیٰ کیا گیا، اِلاَّ اِلاَّ بھی تو قرآن میں آتا ہے:

پہلا طبقہ

"اِلَّا الَّذِینَ آمَنُوا" پہلا طبقہ وہ جنھوں نے ایمان قبول کیا دنیا میں آئے ایمان قبول کیا، صرف ایمان لائے کوئی اور عمل صالحہ نہیں کیا انشاء اللہ وہ بھی نجات کا ذریعہ بن جائے گا، اگر کسی شخص کو ایمان مل گیا اس دنیا میں آ کر تو ایسے جیسے ایک بہت بڑا پلاٹ مل گیا زمین کا اس کے اندر باغ لگا سکتا ہے دوکانیں بنا سکتا ہے، گھر بنا سکتا ہے، مسافر خانہ بنا سکتا ہے، مدرسہ مسجد بنا سکتا ہے، سب کچھ بنا سکتا ہے، غرض ایک پلاٹ اس کو مل گیا۔

صرف ایمان لایا اور جنت میں چلا گیا

ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ صرف ایمان لایا اور جنت میں چلا گیا۔

ایک شخص جہاد میں آیا وہ شخص مسلمان نہیں تھا مشرک تھا مشرکوں کی طرف سے آیا لڑنے کے لئے قتال کے لئے، جہاد میں لڑا اور عین جہاد کی حالت میں اس نے کلمہ پڑھ لیا مسلمان ہو گیا، ایسے ہی جیسے اس نے کلمہ پڑھ لیا مسلمان ہو گیا فوراً اس کے ایک تیر لگ گیا ختم ہو گیا، شہید ہو گیا، اب دیکھئے ایک وقت کی اس نے نماز نہیں پڑھی، ایک دن کا اس نے روزہ نہیں رکھا، حج نہیں کیا، کوئی صدقہ نہیں کیا کوئی چیز نہیں کی صرف ایمان لایا کھلا جنت میں جائیگا۔

....

"مَنْ كَانَ آخِرِ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" (مشکوۃ شریف:۱۴۱،حدیث:۱۶۲۱)

[جس شخص کا آخری کلام "لا الہ الا اللہ الخ" ہو جنت میں داخل ہوگا۔]

کا ایک صحیح مصداق یہ بھی ہے، ایک شخص آتا ہے اونٹ پر سوار پریشان حال، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھتا ہے کہ وہ کہاں ہیں؟ دیکھا یہ ہیں، کہا میں بڑی دور سے آرہا ہوں، راستے میں کھانے کو نہیں ملا، گھاس کی جڑیں کھود کر میں نے کھائی ہیں میں پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ ایمان کیا چیز ہے؟ بتایا گیا کہ ایمان یہ چیز ہے! یہ سنتے ہی واپس جانے لگا اور اونٹ پر سوار تھا اونٹ سے گرا اور گرتے ہی مر گیا، یہ بھی جنت میں گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اہل جنت کی طرف دیکھنا چاہے فلاں شخص کو دیکھے سچا آدمی تھا اتنی دور سے چل کر آیا تھا ایمان کی حقیقت کو پوچھا پھر اس کا انتقال ہوگیا تو وہ جنتی ہے اس لئے ایمان بڑی دولت ہے۔

ایک طالب علمانہ لطیفہ

ابو ذر رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث ہیں بہت زبردست محدث ہیں لاکھوں حدیثیں ان کو زبانی یاد تھیں، حدیث بیان کر رہے ہیں مجمع کے سامنے "من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ یا من قال لا الہ الا اللہ" اتنا ہی کہا اور وہیں انتقال ہوگیا، اتنا کہتے ہی انتقال ہوگیا، شراح نے لکھا ہے کہ وہ حدیث پوری نہ کر سکے حدیث پوری کیا تھی؟

"من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" (طبرانی:۵۵)

نہیں پڑھ سکے اس سے پہلے انتقال کر گئے، لیکن ہمارے استاد نے بتایا کہ حدیث انھوں نے پوری کردی، کیسے پوری کردی! بات کبھی تو پوری کی جاتی ہے زبان سے اور کبھی پوری کی جاتی ہے کسی اور اشارے سے، استاد کبھی بچوں سے کہتا ہے سبق یاد کرو اگر سبق یاد نہ کروگے تو) اشارہ فرمایا ہاتھ سے جیسے چھڑی سے مارنے کا اشارہ فرمایا کرتے ہیں) ورنہ۔۔۔

ہاتھ سے جو اشارہ کرتا ہے پٹائی کی طرف تو بات کو زبان سے پورا نہیں کرتا بلکہ ہاتھ سے پورا کرتا ہے، تو یہاں انھوں نے حدیث کو پورا کیا عمل سے "لا الہ الا اللہ" کہا اور جنت میں داخل ہو گئے، "من قال الخ" کہا اور جنت میں داخل ہو گئے، تو "من قال الخ" یہ کیا چیز ہے؟ یہ "الا الذین آمنوا" وہ لوگ جو ایمان لائے، یہ طبقہ جنت میں جائے گا خسارے سے بچے گا، جتنی زندگی غفلت میں گذر گئی تھی وہ گذر گئی تھی لیکن جیسے ہی کلمہ پڑھ لیا ایمان لایا جنت میں داخل ہو گئے، اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ایسے ہی معاملات فرماتے ہیں۔

انتقال کے وقت مدینہ طیبہ میں ایک شخص "روضۃ من ریاض الجنۃ" میں بیٹھا ہوا قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا، اذان ہوئی، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اس نے بھی زبان سے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر، پھر مؤذن نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا اس نے بھی، اللہ اکبر، اللہ اکبر، کہا پھر اس نے "اشھد ان لا الہ الا اللہ" کہا اس نے بھی اشھد ان الخ کہا، اس نے جب "اشھد ان محمدا رسول اللہ" کہا تو یہ جو بیٹھا ہوا قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی طرف نظر کی اور "اشھد ان محمداً رسول اللہ" کہا اور وہیں انتقال ہو گیا، آگے چلنے کی نوبت ہی نہیں آئی، اس لئے جو شخص "لا الہ الا اللہ" کہے جنت میں جائے گا، حدیث پاک صحیح ہے کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں، من قال الخ میں جیسے طلباء توجیہ کیا کرتے ہیں، بس جس شخص نے "لا الہ الا اللہ" کہا اس کو کسی نیک عمل کا موقعہ ہی نہیں ملا، لہٰذا یہی کافی ہو گیا اس کے واسطے ایک طبقہ تو گھاٹے سے بچ گیا جو ایمان لے آیا۔

دوسرا طبقہ

دوسرا طبقہ "وعملوا الصلحت" ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی کیا اعمال صالحہ کا میدان بہت بڑا وسیع ہے، ایک قسم نہیں بے شمار ہیں، اعمال صالحہ، اس پلاٹ کو کام میں لانے

کے واسطے بہت سے کام کئے جاسکتے ہیں اس پلاٹ میں ایک شخص نے مسجد بنوادی جب تک اس میں نماز ہوتی رہے گی اس کو ثواب ملتا رہے گا، اسی پلاٹ میں ایک مدرسہ بنا دیا جب تک اس میں پڑھائی ہوگی پڑھنے والے پڑھتے رہیں گے، پڑھانے والے پڑھاتے رہیں گے، اس کا ثواب ملتا رہے گا، اعمال صالحہ یہ چیز ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جن کی عمر تریسٹھ سال ہوئی ہے زیادہ نہیں ہوئی، غسل کرتے، وضو کرتے، مسواک کرتے، دو رکعت نفل پڑھتے، تب ایک حدیث لکھتے، اس طرح سولہ برس لگے ان کو بخاری شریف کی تصنیف فرمانے میں، اور احادیث کو تلاش کرنے نکلتے تھے کہاں محدث ہے کس کے پاس جانا ہے یہ صورت نہیں تھی اس زمانہ میں آج جو آپ کے یہاں ہے کہ گھنٹے مقرر ہیں اساتذہ متعین ہیں درسگاہیں تجویز شدہ ہیں کتابیں موجود ہیں پڑھنے کے لئے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ بھی ساتھ تھیں ان کو ٹھہرائے رکھنے کی جگہ نہ تھی ان کو ساتھ لئے لئے سفر کرتے تھے جہاں کوئی محدث ہوا ان سے حدیث لیتے تھے تریسٹھ سال کی عمر ہوئی، بخاری شریف تصنیف فرمائی اور اس شان کے ساتھ تصنیف فرمائی کہ ہر حدیث پاک کے شروع میں وضو وغسل و دو رکعت نفل پڑھی اس کے بعد ایک حدیث لکھی، محنت کی، دنیا سے چلے گئے لیکن اتنا بڑا کام کر کے چلے گئے کہ اسی (۸۰) ہزار لوگوں نے بخاری شریف کی سند حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (سے براہ راست لی ہے دنیا میں، مشرق، مغرب، جنوب وشمال، جگہ جگہ بخاری شریف پڑھی جارہی ہے پڑھائی جاری ہے لوگ اس کا ترجمہ لکھ رہے ہیں حاشیہ لکھ رہے ہیں اس سے مسائل استنباط کر رہے ہیں مسائل بتا رہے ہیں، کتنا بڑا کام کر گئے ہیں۔

....

اسی طرح سے کسی شخص کو اس پلاٹ کے ساتھ ساتھ مال و دولت بھی عطا فرمائی یعنی ایمان کے ساتھ ساتھ دولت بھی عطا فرمائی ہے، وہ اپنی دولت کو خرچ کرتا ہے، غرباء پر خرچ کرتا ہے، مساکین پر خرچ کرتا ہے، دین کے کاموں پر خرچ کرتا ہے، اعمال صالحہ کا مستقل سلسلہ جاری ہے، اسی طرح سے دوسرے جتنے اعمال صالحہ ہیں ان کو اختیار کرتے ہیں، ایک طبقہ تو ایسا ہے جو فقط ایمان لایا اس سے حساب وکتاب کچھ ہے ہی نہیں، ایمان لایا پھر ختم ہو گیا، اس دنیا سے رخصت ہو گیا، ایک طبقہ آگے بڑھ کر اس کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی کرتا رہے، اب مثلاً یہ دیکھئے کہ آدمی اپنے گھر سے درسگاہ تک آتا ہے، مسجد تک آتا ہے، خاموش چلا آتا ہے، کیوں خاموش خاموش چلا آتا ہے'' درود شریف پڑھتا چلا آئے قرآن پاک پڑھتا چلا آئے، حدیث کی دعائیں پڑھتا چلا آئے، اب جتنے ساعات اس نے گھر سے مسجد تک خاموشی میں خرچ کیئے اس کا حساب بھی تو ہوگا، نقصان ہی تو ہو گیا اس میں، کچھ نہیں کیا اس نے ہاں، اگر قرآن پاک پڑھتا چلا آتا۔

ہر ہر سانس قیمتی ہے

ہر ہر سانس اس کا کارآمد ہے، ہر سانس ایک ایک اشرفی سے زیادہ قیمتی ہے، اشرفی جیب میں لے کر چلتا ہے لیکن وہ جیب نیچے سے پھٹی ہے اشرفی نکلتی چلی جارہی ہے، گرتی چلی جارہی ہے، بازار تک دوکان پر جب پہونچا دیکھا تو پوری جیب خالی، خسارہ میں ہے، لیکن اگر اسی اشرفی سے کام لے لے، کافی ہے، یہی سانس بڑے قیمتی ہیں ان کو ضائع کرنا اشرفیوں کو ضائع کرنے سے زیادہ خسارہ ہے۔

تیرا ہر سانس نخل موسوی ہے
یہ زجر و مد جواہر کی لڑی ہے

یہ سانس کا اتار چڑھاؤ جواہر کی لڑی ہے، اس کو ضائع مت کرو اس کو کام

میں لاؤ تو اگر مکان سے مسجد تک آتے آتے "قل ھو اللہ" ہی مثلاً پڑھتا چلا آئے تو کتنا اچھا ہے۔

بعض سورتوں کے فضائل

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ" قل ھو اللہ" پڑھتا ہے۔اس کو ایک تہائی قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔(ترمذی شریف:۲/۱۱۷)

دس مرتبہ "قل ھو اللہ احد الخ" پڑھنے سے جنت میں ایک محل تیار ہو جاتا ہے۔

ایک سانس میں کئی دفعہ آدمی "قُل ھو اللہ احد" پڑھ سکتا ہے، اتنی بڑی کمائی محنت معمولی سی ہے کچھ بھی نہیں زبان کی معمولی سی حرکت سے "قل ھو اللہ" ادا ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ"الحمد شریف" پڑھنے سے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا دو تہائی قرآن پڑھنے سے ملتا ہے۔

"اذا زلزلت الارض" پڑھنے میں اتنا ثواب ہے جتنا نصف قرآن پڑھنے میں ہے۔(ترمذی:۲/۱۱۷)

سورۂ"یٰسین شریف" پڑھنے میں اتنا ثواب ہے جتنا دس قرآن پڑھنے میں ہے۔

اللہ نے کتنی سہولتیں مہیا کر رکھی ہیں، مگر پھر بھی انسان اس سے غافل رہے، اس کو اختیار نہ کرے، تو کتنا خسارہ میں ہے اور اس سے زیادہ خسارہ میں وہ شخص ہے جس کی زندگی کے سانس معاصی میں گذر جائیں خداوند تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے زیادہ گھاٹے ونقصان میں وہ شخص ہے، اور وہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی شخص گھر سے جیب میں اشرفیاں لے کر چلا اور ان اشرفیوں کو بچھوؤں سے بدل لیا۔

بے شمار قسمیں اعمال صالحہ کی ہیں احادیث کی کتابیں پر ہیں فقہ کی کتابیں پر ہیں،

قرآن پاک پر ہے اعمال صالحہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کوتاہی نہیں فرمائی تمام اعمال صالحہ بیان فرمائے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کے نقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ائمہ مجتہدین نے ان کو سامنے رکھ کر مسائل کے استنباط کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اب نمبر ہمارا ہے ہم ان کو پڑھیں، ان کی قدر کریں، ان پر عمل کریں، تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہوگی۔

تیسرا طبقہ

وتواصوا بالحق الخ: ایک طبقہ تیسرا ہے پہلا تو وہ ہے جو فقط ایمان لایا، دوسرا وہ جس نے اعمال صالحہ بھی کئے ہیں، تیسرا طبقہ وہ جس نے صبر کی تلقین کی "وتواصوابالحق" ایک طبقہ وہ جو تواصی بالحق کرتا ہے، ایک دوسرے کو حق کی وصیت حق کی تلقین کرتا ہے حق پیش کرتے رہے حق قبول کرتے رہے ایک دوسرے کو تلقین کرتے رہے۔

کسی شخص کے ہاتھ پر ایک شخص کے ایمان لانے کی فضیلت

حدیث شریف میں آتا ہے:

"من اسلم علی یدیه رجل واحد دخل الجنة یا وجبت له الجنة، او کما قال صلی الله علیه وسلم" (طبرانی:۲۸۶/۱۷)

جس شخص کے ہاتھ پر ایک شخص ایمان لے آئے اس کیلئے جنت واجب ہوگئی، "تواصی بالحق" کی ایک شان یہ ہے لوگوں کو حق پہنچانا ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا۔

....

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے نوے لاکھ آدمی انکے ہاتھ پر ایمان لائے، اب نوے لاکھ آدمیوں میں سے نہ جانے کتنے حافظ ہوئے ہونگے، کتنے قاری ہوئے ہوں گے، کتنے عالم ہوئے ہوں گے، کتنے ولی ہوئے ہوں گے، اور آگے بھی انھوں نے کتنوں کو اسلام کی دعوت دی ہوگی، کتنے خسارے سے بچ کر کس قدر نفع کمانے والے ہیں، یہ جو پونجی ہے جسے سرمایہ حیات کہنا چاہئے، انسان کی زندگی کی ہر سانس یہ بڑی قیمتی چیز ہے اس کو ضائع نہیں کرنا چاہئے اس کو بیکار کرنے سے آگے انسان بڑے خسارے میں رہتا ہے۔

چوتھا طبقہ

"وتواصوا بالصبر" چوتھا طبقہ وہ جس نے خود بھی صبر کیا اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کی، "حبس النفس علی ما تکرہ رضاء اللہ تعالیٰ" صبر ہے، نفس کو محبوس کرنا ایسی چیزوں پر جس کو نفس ناپسند کرتا ہو اللہ کی رضامندی کے لئے، اللہ کے بندوں پر آزمائشیں آتی ہیں یہ دنیا آزمائش گاہ ہے، دار امتحان ہے۔

"الٓمّٓ ۔ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ" (العنکبوت: ۱)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم "آمنا" کہہ کر چھوٹ جائیں گے آزمائش نہیں ہوگی، آزمائش ہوگی بڑی بڑی آزمائش ہوں گی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوئی اور انبیاء علیہم السلام میں سب سے زیادہ آزمائش میری ہوئی، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، انبیاء علیہم السلام کے

قصے آپ حضرات جانتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیسی کیسی آزمائش ہوئی، مکان سے چلے، ہجرت کی، چلے بیوی ایک جگہ پر چھین لی گئی، چلے بیت اللہ کی تعمیر کے لئے، بیوی بچے وہاں پر بے آب وگیاہ جگہ میں چھوڑنے کا حکم ہوا وہاں پر چھوڑ دے، چھوٹا معصوم بچہ، بیوی کوئی اور گھر نہیں کوئی اور جاننے والا نہیں، کوئی کھیتی کی پیداوار نہیں پھل کی پیداوار نہیں وہاں ایسی حالت میں چھوڑ کر چلے، تو پھر آگ میں ڈالنے کے لئے کتنا زبردست معاملہ کیا گیا آگ میں ڈالے گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتنا آزمایا گیا، حضرت عیسی علیہ السلام کو کتنا آزمایا گیا، حضرت نوح علیہ السلام کو کتنا آزمایا گیا سب کو آزمایا گیا، یہ سب قرآن پاک میں موجود ہے، اور اس امت کے اولیاء اللہ کی بھی آزمائش کی جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی آزمائش

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں ڈالا گیا دس کوڑے وہاں پر روزانہ لگتے تھے وہیں پر زہر دیا گیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی آزمائش

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مشکیں اس طرح زور سے کسی گئیں کہ مونڈھے ان کے الگ ہوگئے، ان حضرات نے کسی سے انتقام نہیں لیا۔

....

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی آزمائش

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا بشارت دی گئی کہ احمد کو بشارت دو آزمائش کی، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بھانجے امام مزنی کو بھیجا وہ گئے جا کر انھوں نے نے کہا کہ استاد محترم نے یہ کہا یہ سن کر حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے کہ استاد محترم کی خدمت میں سلام عرض کرو اور کہو کہ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائے، جب وہ واپس آئے تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تم کو کچھ دیا بھی حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے، کیونکہ جو شخص خوش خبری سنائے کسی کو تو اس کو کچھ دیا کرتے ہیں دینے کا معمول ہے، کہا ہاں! مجھے اپنا کرتا اتار کر دیا اس خوش خبری میں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تم سے کہ تم یہ کرتا مجھے دیدو البتہ پانی میں بھگو کر اس کا پانی مجھے دیدو، چنانچہ اس کا پانی ان کو دیا جس کو انھوں نے پیا اور سر چہرہ پر ڈالا، آزمائش جب ہوئی "اللّٰہُ الصَّمَدُ" "اللّٰہُ الصَّمَدُ" کوڑے لگتے تھے تو ہر کوڑے کے بدلے میں کہتے تھے "غفر اللہ لك" ان کی اس طرح آزمائش ہوئی اور خدا جانے کس کس کی آزمائش ہوئی صبر کرے جتنا آدمی صبر کرے گا، اسی قدر اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہوگا۔

تو فرمایا چار طبقے ایسے ہیں جو خسران سے، گھاٹے سے، محفوظ رہے گے، ایک "الذین آمنوا" دوسرا "وعملوا الصلحت" تیسرے "وتواصوا بالحق" چوتھے "وتواصوا بالصبر"۔

شهر الصبر

اور یہ مہینہ اس کا نام ہی ہے "شہر الصبر" صبر کا مہینہ ہے رمضان کا مہینہ، اس لئے

گذر رہا ہے آج پچیس تاریخ ہے جتنا نقصان و گھاٹے میں گذرا اللہ اس کو معاف فرمائے، جتنا باقی ہے اللہ اس کی قدر دانی نصیب فرمائے، بھائی ہمارا جو عمل ایسا ہے جس کو ہم یوں سمجھتے ہیں نیک ہے وہ تو معاصی سے گھرا ہوا ہے بالکل سر سے پیر تک معاصی سے بھرا ہوا حق تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی لاج رکھتے ہوئے ہماری بخشش فرمائے۔آمین

برحمتک یا ارحم الراحمین۔

....

تفسیر سورۃ والعصر

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اما بعد!

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

"وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ. الخ" (سورۃ العصر)

[زمانے کی قسم! انسان درحقیقت بڑے گھاٹے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں۔ اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں۔]

اللہ تبارک تعالیٰ نے اس مختصر سی سورت میں بڑے عالی مضامین بیان فرمائے ہیں، انسان کی زندگی کا خلاصہ اور سارا نچوڑ بتادیا، قسم کھا کر فرمایا: "وَالْعَصْرِ" قسم ہے زمانے کی۔

زمانہ کی قسم کھانے کی وجہ

قسم کیوں کھائی؟ قسم کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی کسی مخاطب سے بات کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں بالکل سچی دل کی بات بتاتا ہوں، اگر میں اس میں جھوٹ بولتا ہوں گا اللہ کو گواہ پیش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ جھوٹ کو ناپسند کرتا ہے، جھوٹی قسم کو ناپسند کرتا ہے، میرے جھوٹ بولنے پر واقف بھی ہوگا اور قادر بھی ہے اس کی سزا دینے پر، قسم کا حاصل اتنا ہی ہوتا ہے مخاطب کے

سامنے کسی بڑی ذات کو بطور گواہ کے پیش کرنا اس واسطے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا منع ہے کیونکہ پورے طور پر وہ ہی واقف ہے، یہ جو انسان کسی کے سامنے قسم کھا کر بات بتلاتا ہے، اس کی قسم کا یہ حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قسم کھائے اس کا کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی کوئی ایسی عظیم الشان چیز ہے؟ ایسا تو نہیں! وہاں قسم کا حاصل یہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر غور کرو تمہاری سمجھ میں نہ آتا ہو تو فلاں شی کے حالات پر غور کرنے سے سمجھ میں آجاوے گا، مثلاً اس سورت میں کیا بات بتائی ''ان الانسان لفی خسر'' کیا مقصود ہے؟ انسان گھاٹے اور نقصان میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہر انسان نقصان اور گھاٹے میں ہے۔

انسان خسارہ میں ہے

اگر تمہاری سمجھ میں نہیں آتا کہ گھاٹے اور نقصان میں کہاں ہے تو زمانہ کی حالت پر غور کرنے سے سمجھ میں آجاوے گا یعنی زمانہ کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ انسان گھاٹے میں ہے، زمانہ گزرتا رہتا ہے، زمانہ ایسی چیز نہیں کہ اس کو باندھ کر محفوظ کر دیا جائے، پیسے ہیں انسان کے پاس خرچ کرتا ہے اٹھا کر رکھ بھی لیتا ہے جب ضرورت ہوگی خرچ کریں گے، کپڑا ہے پہنتا بھی ہے، اٹھا کر رکھ بھی لیتا ہے جب ضرورت ہوگی پہنیں گے، غلہ ہے کھاتا ہے رکھ بھی لیتا ہے، لیکن زمانہ کو اٹھا کر رکھ لے جب ضرورت پیش آئے گی نکال لیں گے، ایسا نہیں زمانہ تو گذر ہی رہا ہے ایک ایک سال، ایک ایک مہینہ، ایک ایک دن، ایک ایک گھنٹہ، ایک ایک سکنڈ، ایک ایک آن برابر گزرتا چلا جاتا ہے، چاہے انسان سو رہا ہے تب بھی اس کی زندگی گزر رہی ہے کھیتی کر رہا ہے تو زندگی گزر رہی ہے، دوکان میں بیٹھ کر سودا بیچ رہا ہے تو زندگی گزر رہی ہے، کھیل کود کر رہا ہے تو زندگی گزر رہی ہے غرض نیکی کر رہا ہو یا بدی کر رہا ہو، اپنا کام ہو ذاتی یا دوسروں کے متعلق کام ہو جس چیز میں بھی مشغول ہو انسان کی

زندگی گزرتی چلی جائے گی، ایسا نہیں کہ دفتر میں ایک سال اٹھا کر رکھ لیں، بعد میں نکال لوں گا، ایسا نہیں یہ گھاٹے میں ہے جو سرمایہ گھٹتا ہی رہتا ہو، اس سرمائے کے بارے میں کیا کہیں گے گھاٹے میں ہے نقصان میں ہے۔

انسان کو دنیا میں زندگی دیکر بھیجتا ہے

ایسا سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بازار بنایا، یہ بازار ہے یہاں ہر چیز ملتی ہے اور انسان کو اس بازار میں بھیجا، کہاں یہ جہاں پہلے تھا پیدا ہونے سے پہلے انسان کہاں تھا کسی اور عالم میں تھا اصل گھر تو اس کا وہی تھا وہاں سے اس دنیا میں بھیجا، تمہارے لئے وہاں کچھ کارآمد چیزیں ملیں گی لے آؤ، یہاں کوئی چیز مفت نہیں ملتی ہے خریدے کس چیز سے خریدے، خریدنے کے لئے تو سرمایا چاہئے روپیہ چاہئے، ان کے پاس سرمایہ ہے عمر کا، انھوں نے سرمایہ دے کر بھیجا ہے کہ اس عمر کو خرچ کر کے وہ وہ چیزیں خریدیں جو جو چیزیں وہاں کارآمد ہوں گیں جیسے کوئی شخص اس دنیا میں بازار میں آئے کچھ سامان خریدنے کے لئے، بازار میں آیا گاؤں سے گھر کی ضروریات خریدنے کے لئے، روپیہ پیسہ تو اس کے پاس ہے نہیں، گھر سے برف لایا کہ اس کو بیچ کر کچھ کپڑا خریدوں گا جو چیز ضرورت کی ہوگی خریدوں گا، وہ آیا، موسم گرمی کا ہے شہر میں داخل ہو کر دیکھا یہاں تو گانا بجانا ہو رہا ہے ناچ ہو رہا ہے وہ دیکھنے لگا جگہ نہیں ہے دھوپ میں کھڑا ہے سورج تپ رہا ہے اور برف سورج سے پگھلتا ہے، آدھا برف رہ گیا، وہاں سے آگے چلا دیکھا کہ قسم قسم کے کھیل ہو رہے ہیں، کسی جگہ بندر نچار ہے ہیں، وہ دیکھنے لگا جتنا برف ساتھ تھا اس میں سے اور آدھا رہ گیا، غرض دن بھر اس کا اسی میں گزر گیا، شام ہوگئی خدا نے کیا بادل آگیا اور زور کی بارش ہوگئی ٹھنڈی ہوا چل پڑی ادھر برف کی ڈلی اس کے پاس تھوڑی سی رہ گئی شہر میں اس کی کسی سے جان پہچان نہیں کوئی مسافر خانہ نہیں کہ وہاں جا کر قیام کرلے اب دوڑا دوڑا کسی دوکاندار کے پاس جاتا ہے دوکانیں بھی بند ہونا شروع ہوگئیں رات ہوگئی کہتا ہے

کہ یہ چیز چاہئے، اچھا پیسہ لائیے، روپیہ تو ہے نہیں برف کی ڈلی ہے دوکاندار نے کہا برف کی ڈلی کس کام کی اب تو ٹھنڈی ہوا چل گئی اس کی ضرورت ہی نہ رہی، کوئی قیمت نہیں اس کی، کسی جگہ کوئی چیز اس کے بدلہ میں نہیں ملتی اب اس کی پریشانی کو دیکھئے جو سرمایہ لے کر آیا تھا وہ پگھل کر ختم ہوگیا جو سامان خریدنا تھا خرید نہ سکا وقت سارا گزر گیا اب اس کو اپنے گاؤں کی طرف جانا ہے راستہ میں اندیشہ ہے کہ چور ڈاکو مل جائیں یہ بھی اندیشہ ہے کہ شیر بھیڑیا مل جائے اس کے پاس بندوق نہیں حفاظت کے واسطے، نظر بھی کم آتا ہے۔ بہت پریشان ادھر گھر والے انتظار میں بیٹھے ہیں کہ سامان خرید کر لائے گا گھر کی ضروریات کا وہاں کچھ بھی نہیں، اس شخص کو کیا کہا جائے گا یہی کہا جائے گا بڑے خسارہ میں ہے بڑے گھاٹے ٹوٹے میں ہے، سمجھدار ہوتا تو سب سے پہلے شہر میں داخل ہو کر اس برف کی سلی کو بیچ کر پیسے بنا لیتا، جو سامان خریدنا تھا خرید لیتا اور کھیل تماشہ میں وقت ضائع نہ کرتا جلدی سے جلدی سامان خرید کر اپنے گھر واپس چلا جاتا تو نقصان میں نہ ہوتا اب تو سراسر نقصان ہی نقصان میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" انسان گھاٹے میں ہے۔

زمانے کے حالات میں غور کرو

زمانے کے حالات میں غور کرو اس سے سمجھ میں آوے گا انسان کس طرح گھاٹے میں ہے، مثلاً ایک کو پچاس سال کی زندگی دے کر بھیجا گیا کسی کو اسی سال کی زندگی دے کر بھیجا گیا وہ اس دنیا میں آیا کچھ وقت گذرا، ناسمجھی اور بچپن کا کچھ زمانہ گذرا، شوخی، شرارت کا کھیل کود کا کچھ وقت گذرا، دوسرے قسم کے کھیل تماشے دیکھنے میں کچھ وقت گذرا، سیر و تفریح میں دوسرے علاقے دیکھنے میں، غرض اس طرح ہوتے ہوتے زندگی گذر گئی، اب جب زندگی کی شام ہوتی ہے منہ میں دانت نہیں رہے، پیٹ میں آنت نہ رہی، چلنا پھرنا مشکل ہے بیٹھے تو اٹھا نہیں جاتا یہ کیفیت ہے، اصلی گھر میں جانا ہے، سامان سفر ساتھ نہیں، گھر جانے کا وقت قریب ہے گھر وہ ہی

ہے جہاں سے پہلے آیا تھا اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اس عالم میں جانا ہے، سامان کچھ نہیں خریدا، کسی نے کہا بڑے میاں اتنی عمر آگئی نمازیں پڑھ لیا کرو، جواب ہی نہیں دیتا لفظ صحیح ادا نہیں ہوتا وہ کہلوائے زبان سے کچھ اور نکلے کچھ نہ نماز جانتے ہیں نہ تلاوت جانتے ہیں، نہ روزے جانتے ہیں، اور واپس جانا ہے، زندگی ختم ہونے کے بعد کوئی رکھنے کو تیار نہیں اول تو زندگی ختم ہو جانے سے پہلے ہی دعاء کرتے ہیں جلدی چلا جاوے تو اچھا ہے،۔ بہت ہر دلعزیز ہوا اس کی زندگی بھر اس کا ساتھ دیا اس کے دستوں عزیزوں نے، اور جب زندگی ختم ہوگئی ایک رات بھر رکھنے کے لئے تیار نہیں، جلدی سے جلدی قبر میں دفن کرو اس کو، وہاں پہنچ کر منکر نکیر کا معاملہ درپیش ہے، کل آپ لوگوں نے موت کا قصیدہ بہت دھیان سے سنا وہاں پہنچنے پر کیا ہوگا، مطالبہ ہوگا، بوڑھے کیا کر کے آیا ہے؟ اتنی زندگی دی تھی کہاں خرچ کی کیوں کچھ کمایا نہیں، کیا جواب دے گا، اس زندگی کے ذریعے کیا خرید جا سکتا ہے؟ بہت کچھ خریدا جا سکتا ہے اس کو بتاتے ہیں۔

چار طبقے خسارہ سے بچے ہوئے ہیں

"إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا الخ" ہر انسان گھاٹے اور نقصان میں ہے چاہے عادل ہو یا جابر ہو، چاہے مالدار ہو یا فقیر ہو، چاہے گاؤں کا رہنے والے ہو، چاہے شہر کا رہنے والا ہو، چاہے بادشاہ ہو یا حاکم ہو، چاہے رعیت ہو ہر انسان گھاٹے میں ہے اور نقصان میں ہے، مگر چار طبقے وہ چار طبقے بچ گئے گھاٹے اور نقصان سے، کون کون سے۔

پہلا طبقہ

"إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا" جو لوگ ایمان لے آئے گھاٹے سے بچ گئے اگر اس نے کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا صرف ایمان لے آیا یہ چیز بھی نجات کے لئے کافی ہو جائے

گی، ایمان لانا ایسا ہے جیسے بہت بڑا پلاٹ مل گیا اس میں باغ لگا سکتا ہے، عمارت بنا سکتا ہے مدرسہ، مسجد تعمیر کر سکتا ہے، مسافر خانہ بنا سکتا ہے اور خدا جانے کیا کیا کام کر سکتا ہے اگر اس نے کچھ بھی نہ کیا صرف پلاٹ ہے اس کے پاس یہ بھی بہت کافی ہے، بڑی قیمت کا ہے، ایمان بمنزلہ پلاٹ کے ہے ایمان لے آیا گویا بہت بڑا پلاٹ مل گیا، کوئی کام نہیں کیا صرف ایمان لے آیا تو وہ بھی نجات کے لئے کافی ہو سکتا ہے، جہاد میں ایک کافر مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑ رہا ہے۔ بہت زور کے ساتھ تلوار چلا رہا ہے خدا جانے کتنوں کو شہید کر دیا ہوگا اللہ نے توفیق دی ایمان کی، کلمہ پڑھتا ہے، جیسے ہی کلمہ پڑھا کسی دشمن کا تیر سامنے سے لگا فوراً ختم ہو گیا، اب دیکھئے اس نے ایک وقت کی نماز نہیں پڑھی، ایک دن کا روزہ نہیں رکھا، کوئی بھی نیک عمل نہیں کیا صرف کلمہ پڑھا یعنی ایمان لایا تیر اس کو لگ گیا اور کھلا جنت میں جائے گا نقصان سے بچ گیا، ایک شخص اونٹ پر چڑھ کر آ رہا ہے اور آ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر رہا ہے میں بہت دور سے آ رہا ہوں راستہ میں جڑیں اور گھاس کھا کھا کر آ رہا ہوں مجھے بتائیے ایمان کیا چیز ہے اور سنت کیا چیز ہے؟ اس کو بتایا ایمان یہ ہے، سنت یہ ہے، اونٹ سے گرا، گر کر مر گیا سیدھا جنت میں گیا اس واسطے ایمان کسی کو مل جائے۔ بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔

کلمہ طیبہ کی فضیلت

اس واسطے حدیث میں آیا ہے "من قال لا الہ اللہ دخل الجنۃ" (مسلم شریف: ۱/۴۳)

[جس نے "لا الہ الا اللہ الخ" کہا، جنت میں داخل ہوگا۔]

دوسری روایت میں ہے "من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ" (مشکوۃ شریف: ۱۴۱) [جس شخص کا آخری کلام "لا الہ الا اللہ الخ" ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔] "لا الہ الا اللہ الخ" کہا جنت میں داخل ہو گیا۔

……………………………………

ابوزرعہ محدث کا واقعہ

ایک محدث گزرے ہیں بہت زبردست، ابوزرعہ لاکھوں حدیثیں ان کو یاد ہیں حدیث کا درس دے رہے ہیں، جب اس حدیث پر پہنچے "من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ" اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جب جی چاہے بلالے، جس حال میں چاہے بلالیں انتقال ہوگیا، شراح حدیث نے لکھا ہے وہ حدیث پوری نہیں کہہ پائے تھے آدھی پڑھی تھی "من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ" (ابوداؤد شریف:۳۱۱۶) آگے کا ٹکڑا نہیں پڑھا حدیث پوری کرنے سے پہلے انتقال ہوگیا، میرے استاد نے بتایا کہ نہیں وہ حدیث پوری کر گئے "لا الہ الا اللہ" کہا جنت میں داخل ہوگئے، کلام کو حدیث کو جو پورا کیا جاتا ہے کبھی زبان سے پورا کیا جاتا ہے کبھی کسی اور عمل سے پورا کیا جاتا ہے، جو حضرات بچوں کو تعلیم دیتے ہیں ان کو زیادہ تجربہ ہوگا بیٹھے ہیں پڑھا رہے ہیں بچے آپس میں بات کرتے ہیں، دیکھو تم پڑھتے نہیں ہو باتیں کر رہے ہو! سبق یاد کرلو، ورنہ، ورنہ کہا اور اشارہ کیا ہاتھ سے یا قمچی سے تو اب بات پوری کردی بغیر زبان سے بولے، اسی طرح انھوں نے زبان سے "من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ" کہا اور اپنے عمل سے جنت میں داخل ہوگئے بات پوری کردی۔

اور یہ بھی ممکن ہے ایک شخص کو موقعہ ملا ایمان لانے کے بعد مگر اس نے کوئی نیک عمل کیا نہیں، جو دو صورتیں میں نے بتائی ہیں وہ تو ایسی ہیں کہ اس کو ایمان لانے کے بعد موقع ہی نہیں ملا جہاد کی صورت اور اونٹ والے کی لیکن ایک شخص کو موقعہ ملا ہے عمر ملی ہے مگر اس نے نیک اعمال نہیں کئے محض کلمہ پڑھ لیا ایمان کا، کچھ کیا نہیں اس نے اور دیکھئے "من قال لا الہ اللہ" اس حدیث کی تشریح آپ لوگ جانتے ہیں "ان لم یمنع مانع" کوئی شخص ایمان لے آیا جنت میں داخل ہوگا اگر کوئی مانع موجود نہ ہو اس قسم کی قیدیں ملحوظ رہتی ہیں، کہا جاتا ہے گل بنفشہ کی خاصیت کیا ہے، زکام کو دور کرنا ہے۔

"ان لم یمنع مانع" اگر سردی کا زمانہ آئے ٹھنڈے پانی سے منع کیا جاتا ہے ایک شخص جو چیز زکام وغیرہ کرتی ہے اس کا ارتکاب کرتا ہے تو مانع تو موجود ہے، ایسی حالت میں گل بنفشہ اس کو کیا فائدہ دے گا۔

"دخل الجنة" کا مطلب

جیسے کہ روایت میں ہے کہ جو شخص وضو کرتا ہے اعضاء وضوء اس طریقہ پر دھوتا ہے کہ دھوتے دھوتے اس کے لئے جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں جنت میں چلا جائے گا مگر کوئی مانع موجود نہ ہو اور ہو سکتا ہے مانع موجود ہو مثلاً فرائض کو ترک کیا اس نے معاصی کا ارتکاب کیا لیکن ایمان کے ساتھ دنیا سے گیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں کی سزا پانے کے بعد جنت میں چلا جائے، "دخل الجنة" کے یہ معنی نہیں کہ فوراً داخل ہو دخول اولی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت جنت میں داخل ہو کر رہے گا عتاب دائمی میں مبتلا نہ ہوگا، وہ جہنمیوں میں سے نہیں ہو سکتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمادے سارے گناہوں کو معاف فرمادے اور پھر جنت میں داخل فرمادے اس کا فضل تو بہت بڑا ہے کون ہے اس کے فضل کو روکنے والا۔

ہیجڑے کی مغفرت

ایک حکایت لکھی ہے ایک بزرگ جارہے تھے دیکھا کہ ایک جنازہ جارہا ہے، تین مرد جنارہ کو اٹھائے ہوئے ہیں اور ایک جانب سے ایک عورت نے اٹھا رکھا ہے بس اتنے ہی لوگ جارہے تھے جنازہ کے ساتھ انھوں نے آگے چل کر پوچھا کیا قصہ ہے کس کا جنازہ ہے اس کو اٹھانے والے صرف تین مرد ملے اور کوئی نہ ملا، بلکہ عورت ساتھ آئی، عورت نے کہا میرے لڑکے کا جنازہ ہے یہ لڑکا ہیجڑا تھا زنانہ پن تھا اس میں، عورتوں کی حرکات کیا کرتا تھا

لوگ اس کو ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے آج کوئی اس کے جنازہ کو اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوا، تین آدمی ملے اور ایک میں ساتھ ہوگئی انھوں نے اس عورت سے جنازہ کا پایہ لے لیا، جنازہ کو دفن کیا رات میں خواب میں دیکھا ایک عالیشان محل ہے اور اس میں وہ ہیجڑا بہت عمدہ لباس میں ہے پوچھا تو وہی ہے؟ اس نے کہا ہاں، کیا ہوا؟ اس نے کہا حالت تو وہی تھی جو میری ماں نے بتائی تھی صحیح بتایا غلط نہیں بتایا لیکن لوگ مجھے ذلیل سمجھتے تھے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے گالی دیا کرتے تھے لیکن میں نے کسی سے انتقام نہیں لیا، بس یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی بخش دیا، اللہ تعالیٰ مومن کی کسی بات پر خوش ہو کر سارے گناہ کو معاف فرمادیں تو کوئی گرفت نہیں کرسکتا، اسی کو فرمایا ''وَالعَصرِ اِنَّ الاِنسَانَ لَفِی خُسر'' جو لوگ ایمان لے آئے عذاب دائمی سے بچ گئے، پہلا طبقہ تو یہ ہے۔

دوسرا طبقہ

''وعملوا الصلحت'' نیک اعمال کئے، ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی کئے صرف ایمان پر اکتفا نہیں کیا یعنی اس پلاٹ کو کام میں لے آئے، کام میں کس طرح لے آئے، مثلاً اس نے مسجد بنائی لوگ آتے ہیں نماز پڑھتے ہیں، مثلاً اس نے مدرسہ بنادیا جس میں قرآن مجید اور حدیث شریف کی تعلیم ہوتی ہے، مثلاً اس نے مہمان خانہ بنادیا ہے مسافر لوگ آکر ٹھہرتے ہے، مثلاً اس نے باغ بنادیا لوگ اس کے باغ سے پھل کھاتے ہیں دور دور تک اس کا پھل جاتا ہے، یہ اعمال صالحہ کئے یعنی ایمان لانے کے بعد اس نے نمازیں بھی پڑھیں روزے بھی رکھے، زکوٰۃ بھی دی، اعمال صالحہ کئے اخلاق فاضلہ اختیار کئے اس نے اپنے پلاٹ کو کارآمد بنایا تو اس کا ذخیرہ اس سے بڑھا ہوا ہے، جو صرف ایمان لایا ئے اور مہلت ملنے کے باوجود اعمال صالحہ نہیں کئے ان کے مقابلہ میں ان کا ذخیرہ بڑھا ہوا ہے عامۃً یہی ہوتا ہے۔ یہ دوسرا طبقہ ہوا۔

....

تیسرا طبقہ

"وتواصو بالحق" ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہیں کہ دیکھو حق کو نہ چھوڑو حدیث میں بھی آیا ہے کہ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہ جانتے ہو کون لوگ ہوں گے جو عرش کے سایہ میں سب سے پہلے جائیں گے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا "اللہ ورسولہ اعلم" حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ ہوں گے جب ان کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے تو قبول کرتے ہیں اور جب ان سے حق کو طلب کیا جاتا ہے تو وہ حق دے دیتے ہیں حق ایسی چیز ہے صحیح چیز نفس الامر میں حق ہے جو اللہ کی پسندیدہ چیز ہے ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرتے رہیں کہ دیکھو حق بات کہنا غلط بات نہ کہنا چاہیے مقابلہ میں کیسا ہی دشمن ہو حق بات کہی جائے، حق کھانا کھانا، ناحق مت کھانا چاہے کیسی ہی بھوک لگی ہو، کتنی ہی پریشانی ہو رہی ہو لیکن حق چیز کو استعمال کرنا ناحق چیز کو مت استعمال کرنا، خود اس پر پابند رہے دوسرے کو ہدایت کی نصیحت کرتے رہیں یہ تیسرا طبقہ ہو گیا۔

چوتھا طبقہ

وتواصَوْا بِالصَّبْرِ ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کرتے رہیں۔ یہ چوتھا طبقہ ہے۔ دنیا میں پریشانی آتی ہے۔ ان پریشانیوں کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کو صبر کہتے ہیں کہ مہینہ رمضان کا ہے کہ اس کا نام ہی شہر الصبر ہے۔

صبر کے معنی اور اس کی اہمیت

صبر کے کیا معنیٰ نفس کے خلاف جو چیز پیش آئے اس کو برداشت کرنا۔ بھوک لگے

کھانا مت کھاؤ۔ پیاس لگے پانی مت پیو۔خواہش ہو بیوی کے پاس مت جاؤ جو چیز روزے کو خراب کرنے والی ہے اس سے پورے طور پر بچو اور "ھٰذا شَھْرٌ یُزَادُ فِیْہِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ الخ" یہ ایسا مہینہ ہے کہ مومن کا رزق اس میں بڑھا دیا جاتا ہے۔دن بھر کھانے سے منع کر دیا اور جب کھانے کا وقت آیا تو بہت بڑھا دیا۔اسی مہینہ میں ایک رات بھی ہے جو آج سے شروع ہو رہی ہے۔دس روز تک صبر کرنا ہے اور کسی بھائی سے خلاف طبع چیز دیکھیں گے تو اس پر صبر کرنا ہے۔

اپنی اصلاح کی فکر

ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اپنی اصلاح کے لئے آیا ہوں دوسروں کی اصلاح میرے ذمہ نہیں۔دوسرا شخص کچھ بھی کر رہا ہو صرف نظر کرلے۔اولاً تو کوئی دوسرا شخص غلط کام کیسے کرے گا۔اکثریت یہاں پر اہل علم کی ہے۔جانتے ہیں کہ اعتکاف کے لئے کیا چیز منافی ہے مسجد کیلئے کیا چیز منافی ہے۔قرآن پاک کی تلاوت کا کیا حق ہے، ذکر کا کیا حق ہے ہر چیز کو پہچانتے ہیں۔اس کے باوجود معصوم کوئی نہیں غلطی ہر ایک سے ہوسکتی ہے اور ہوتی بھی ہے۔اس لئے اگر کسی سے غلطی خطا ہو جائے تو ہوسکتا ہے خود اس کی سمجھ میں آجاوے ہمیں کیا ضرورت ہے بتانے کی۔

دوسروں کی اصلاح کا جذبہ

اس واسطے جو جذبہ اور داعیہ صرف دوسروں کی اصلاح کا ہوتا ہے اور اپنا کبھی خیال نہیں ہوتا یہ بہت پریشان کرتا ہے جس شخص کی طبیعت میں دوسروں کی اصلاح کا داعیہ ہمیشہ رہتا ہے وہ اس میں کامیاب ہو یا نہ ہو۔لڑائی سب سے ہو جاتی ہے اس کی اور وہ بھی چڑچڑے مزاج کا ہو جاتا ہے کسی کی کوئی بات اس کو پسند نہیں آتی کہ کوئی عالم اس کو پسند نہیں آتا، کوئی اللہ کا

بندہ پسند نہیں آتا۔ ہر ایک کے اندر کھوٹ ہر ایک کے اندر خرابی۔ یہ عیب تلاش کرنے کا جو مرض ہو جاتا ہے اس کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ اپنے عیوب کی طرف نظر کرنے کی نوبت بھی نہیں آتی۔ اپنے عیوب سے ہمیشہ غافل رہتا ہے اور دوسروں کے عیوب کے درپے۔ اس لئے یہ نہایت خطرناک چیز ہے اس سے پورے طور پر اجتناب کرنے کی ضرورت ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جگہ کم ہونے کی وجہ سے چلتے ہوئے کسی کو ٹھوکر بھی لگ جائے۔ اولاً چلنے والے کو خود ہی دیکھ بھال کر چلنا چاہئے تاہم انسان ہے غلطی ہو سکتی ہے ٹھوکر لگ جائے اور آدمی سو رہا ہو سوتے سوتے بیدار ہو کر ایک دم غصہ ہو جاتا ہے۔ دیکھتا نہیں! تو درگذر کریں اور معاف کر دیں اور صبر کریں کہ یہ مہینہ صبر کا ہے۔

تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب

"تعاشرُوا کالاخوان الخ" جیسے ایک خاندان کے آدمی ایک باپ کی اولاد ہوں ایک ماں کے پیٹ میں دونوں نے پیر پھیلائے ہو وہاں سے پیدا ہوئے ایک قسم کی غذا ملتی ہے لہذا خون کی ہمدردی ہے اس خون کی ہمدردی کی وجہ سے غلطی سے درگذر کیا جاتا ہے اور ہر قسم کی سہولت اس کو دی جاتی ہے۔ ہر قسم کی راحت پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے یہ تو ہے معاشرہ

"تعاشروا کالاخوان وتعاملوا کالاجانب الخ"

[معاشرہ کرو بھائیوں جیسا اور معاملہ کرو اجنبیوں جیسا۔]

اور ہر شخص دوسرے کے ساتھ میں مالی حیثیت سے معاملہ ایسا کرے جیسے اجنبی، یہ نہ سمجھے کہ دوسرے کی چیز اٹھا کر کھالوں، دوسرے کی چادر اٹھا کر اوڑھنا شروع کر دوں دوسرے کا چپل پہن کر چلا جاؤں، دوسرے کا کپڑا استعمال کرلوں۔ نا، ایسا نہیں دوسرے کی چیز کا استعمال نہ کرنا۔ جہاں تک ہو سکے اپنی چیز کے لئے تو درگذر کرنا دوسرا استعمال کرے بہت اچھا ہے لیکن دوسرے کی چیز استعمال نہ کریں اس میں احتیاط برتنے کی ضرورت

ہے۔اس کی وجہ سے انشاء اللہ بہت نفع ہوگا۔

”تعاشروا مع الْاَخوانِ و تعاملوا مع الاجانبَ“

بھائیوں کے ساتھ معاشرہ اور اجنبیوں کے ساتھ معاملہ۔اور یہاں یہ بھائیوں کا قصہ ہے جیسے کہ ایک باپ کی اولاد ایک گھر میں ہوتی ہے۔اسی طرح یہاں بھی سب جمع ہیں۔لہٰذا اگر کسی سے کوئی غلطی ہوجائے اس سے درگزر کرنا چاہئے۔ویسے اسلام کی تعلیمات تو یہ ہیں کہ غیروں کے ساتھ بھی معاملہ ایسا ہی کرنا چاہئے، مسلمان خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا کھلائے، خود پیاسا رہ کر دوسروں کو پانی پلائے، خود مصیبت اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچاوے۔ یہ اسلام کی تعلیمات ہیں۔سب کے ساتھ، چہ جائیکہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہوجائیں۔

کتے کو پانی پلانے پر فاحشہ کی مغفرت

بخاری شریف کی حدیث میں موجود ہے ایک فاحشہ عورت نے دیکھا کہ ایک کتے کا بچہ زبان نکالے ہوئے ہے، چاٹ رہا ہے زمین کو، خیال آیا کہ پیاسا ہے۔جیسے مجھے پیاس لگتی ہے اس کو بھی پیاس لگی ہے۔اپنا خف پیر میں سے نکالا اور کنویں میں سے پانی لے کر اس کو پلایا۔اس زمانہ کے پیغمبر کو بتایا گیا کہ اس عورت کی بخشش ہوگئی۔(بخاری شریف:۳۳۲۱)

یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، جانور کو کھلائے، پلائے اس میں بھی اجر ہے؟ آپ نے فرمایا ”فِیْ کُلِّ ذاتِ کَبِدٍ رَطْبٍ اَجْرٌ“ ہر جاندار کے ساتھ بھلائی کرنے میں اجر ہے۔جب کتے کے بچے کو پانی پلانے سے اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی رحمت ہوجائے فاحشہ عورت کے سارے معاصی معاف ہوجائیں، تو ایک انسان اور انسان میں بھی اہل علم اور اہل علم میں بھی اہل عمل اور اہل عمل میں بھی متبع سنت اور متبع سنت میں بھی روزہ دار، اعتکاف کی حالت میں مسجد میں اگر ان کو راحت پہنچائی جائے تو کتنا بڑا اجر ہوگا۔

تکلیف پر صبر

اور ان سے اگر تکلیف پہنچے جو عامۃً غیر اختیاری ہوتی ہے۔اس پر تحمل کیا جائے ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا اور یوں سمجھئے جیسے انسان کے جسم میں قسم قسم کے مادے جمع ہو جائیں اس کو بخار آیا، تیز بخار آیا، شدید بخار کی وجہ سے اندر کے جتنے جراثیم تھے سارے ختم ہو گئے، جتنی رطوبات زائدہ تھیں پریشان کرنے والی وہ سب سوکھ کر ختم ہوگئیں اور ایک دو مسہل بھی دے دیے حکیم صاحب نے دماغ کا تنقیہ ہوگیا۔ جیسے کہ شدید بخار اور یہ مسہل اس کے تنقیہ کا کام دیتا ہے اسی طریقہ سے سمجھئے کہ امراض بہت بڑے کیڑے ہیں گیارہ مہینے قسم قسم کے امراض میں بتلا رہے قسم قسم کی برائیوں میں گرفتار رہے نہ آنکھ کی حفاظت نہ کان کی حفاظت۔ کھانے میں اس کی بھی پرواہ نہیں جائز ہے ناجائز ہے یہ مہینہ حفاظت کا مہینہ ہے۔یوں سمجھئے بخار ہوگیا جو جو رطوبات زائد ہیں وہ خشک ہوگئیں۔یہی صحت کی صورت ہے۔اسی طریقہ پر صحت ہوگی، روزہ رکھا، روزہ رکھنے کی وجہ سے اندر کی رطوبات خشک ہوگئیں انشاء اللہ صحت ہوگی۔ اعتکاف کیا اعتکاف کی وجہ سے ان شاء اللہ اور زیادہ راحت پہنچے گی۔جتنا مادہ فاسدہ بدن میں موجود ہے اس کی وجہ سے مرض لاحق ہوتا ہے اس مرض سے نجات مل جائے گی گویا مادہ ختم ہو جائے گا۔

خداوند تعالیٰ توفیق نصیب فرمائیں۔کہنے والے کو بھی سننے والے کو بھی۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تعالیٰ عَلیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا وحبینا محمد واٰلِہٖ وصحبہ اجمعین الی یوم الدین

تفسیر سورۂ والناس

اس بیان میں

☆......سورۂ والناس کی آسان اور عام فہم انداز میں تفسیر۔
☆......شان نزول۔
☆......اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کرنے کی وجہ۔
☆......سحر اور دیگر اشیاء میں تاثیر۔
☆......واقعۂ ہجرت اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری۔
☆......اپنی اور قوم کی اصلاح کی فکر۔
☆......حضرات اکابر کے بعض واقعات۔

وعظ متعلق سورۂ والناس

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

خطبہ مسنونہ کے بعد!

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ اِلٰهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○

(سورۂ ناس)

کہو! کہ میں پناہ مانگتا ہوں سب لوگوں کے پروردگار کی، سب لوگوں کے بادشاہ کی، سب لوگوں کے معبود کی، اس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو پیچھے کو چھپ جاتا ہے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، چاہے وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

(آسان ترجمہ)

شانِ نزول

یہ قرآن کریم کی سب سے آخری سورت ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا جاتا تھا، طرح طرح، بدنصیب لوگ ستاتے تھے، پریشان کرتے تھے، اللہ پاک نے ان کو رحمت بنا کر بھیجا، مگر یہ لوگ ان کو ستاتے بجائے رحمت کا استقبال کرنے کے اذیتیں پہونچاتے تھے، مکہ مکرمہ میں بھی دیر تک لوگ اذیتیں پہونچاتے رہے، پھر جب ہجرت فرمائی، مدینہ طیبہ میں بھی بہت ستانے والے موجود تھے۔

آنحضرت ﷺ پر سحر کیا گیا

آپ پر سحر کیا گیا، سحر کا حاصل یہ تھا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ جب امہات المومنین میں سے کسی کے پاس جانے کا ارادہ فرماتے، خیال پیدا ہوتا کہ میں تو جا چکا، اپنا ارادہ پورا نہ کر پاتے، اتنا اثر آپ پر سحر کا تھا، باقی ویسے جو وحی الٰہی تھی اس میں کچھ فراموشی نہیں ہوئی، احکام کی تبلیغ میں کسی چیز میں کوئی اثر نہیں تھا، صرف اثر اس بات میں تھا کہ جب کبھی اپنی کسی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کے پاس جانے کا ارادہ پیدا ہوتا خیال ہوتا کہ میں جا چکا۔ مقصود ان مخالفین کا بھی یہ تھا کہ آگے کو سلسلہ نسب بند ہو جائے، اولاد پیدا نہ ہو، یہ مقصود تھا اور اس کے لئے اتنی بات کافی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے سب ہی نبیوں کو آزمایا ہے۔ یہ دنیا دار الامتحان ہے، طرح طرح کی آزمائشیں آتی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کو ستانے والے کثرت سے موجود رہے، چنانچہ آپ پر سحر کیا گیا اور آپ پر اس کا اثر ظاہر ہوا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے دفعیہ کے لئے دو سورتیں نازل فرمائیں۔ ایک سورۃ الفلق، ایک سورہ الناس۔ اور حضور اقدس ﷺ کو بتایا گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں لیٹا ہوا تھا میں نے دیکھا میں سو رہا تھا۔ ایک فرشتہ سرہانے آیا۔

ایک نے پوچھا کہ ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے بتایا کہ ان کے اوپر تو سحر کیا گیا ہے، پھر پوچھا کس نے سحر کیا ہے۔ کہا فلاں شخص نے کیا۔ کہا گیا۔ فلاں کنویں میں، کنگھیوں کے دندانے جس میں کچھ بال ہیں، کیا کیا چیزیں ہیں، ان میں سحر کیا ہے اور فلاں کنویں میں ایک پتھر ہے، اس پتھر کے نیچے اس نے دبا رکھا ہے۔ یہ چیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو معلوم کرا دی۔ آپ تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ خدام تھے، اصحاب تھے۔ اس کنویں کو دیکھا تو اس کا پانی سرخ تھا جیسے مہندی کا پانی ہوتا ہے وہاں سے اس کو نکالا۔ اور ایک ایک آیت ان سورتوں کی پڑھتے جاتے تھے سحر ختم ہوتا جاتا تھا، جتنی گرہیں لگی ہوئی تھیں وہ سب گرہیں ختم ہو

گئیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے سحر سے نجات دی۔ (بخاری شریف: ۵۷۶۳)

ان دونوں سورتوں کا جو شخص زیادہ ورد رکھے، ہر نماز کے بعد پڑھ لے، یا صبح وشام پڑھے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو سحر سے محفوظ رکھیں گے۔

آنحضرت ﷺ کو زہر دیا گیا

سحر بھی آپ پر کیا گیا اور زہر بھی آپ ﷺ کو دیا گیا۔ ایک ہی قوم تھی جو سحر کرنے والی بھی تھی اور زہر دینے والی بھی تھی۔ نبی اکرم ﷺ خیبر تشریف لے گئے وہاں پر ہر ایک کو ایک بکری کا گوشت پیش کیا گیا تھا کھانے کے لئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ گوشت مجھے بتا رہا ہے کہ میرے اندر زہر ملا ہوا ہے۔ اور بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھایا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایک یہودیہ عورت نے یہ حرکت کی۔ پوچھا کیوں کیا؟ کہا آپ کو جاننے کے لئے کہ آپ سچے نبی ہیں یا نہیں۔ اگر سچے نبی ہیں تو آپ کو زہر کا کوئی اثر نہیں ہونے کا۔ (بخاری شریف: ۵۷۷۷)

اور اگر خدانخواستہ غلط بات کہتے ہیں، جھوٹے ہیں تو زہر کھا کر ہلاک ہو جائیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی حفاظت فرمائی لیکن اسی موسم میں، جس موسم میں آپ کو زہر کھلایا گیا تھا ہر سال اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا، یہاں تک کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا اس زہر کا اثر ہر سال اسی موقع پر ہوتا تھا جس موقع پر زہر دیا گیا تھا۔ اب اس کی وجہ سے میری رگ پھٹ رہی ہے جس کے ساتھ حیات وابستہ ہوتی ہے وہ کٹ گئی ہے۔

"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الخ"

یہ سورت ہے "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کہئے، پڑھئے، تعلیم دی جارہی ہے نبی اکرم ﷺ کو، چونکہ نبی اس دنیا میں آکر کسی سے دین پڑھا نہیں

کرتا، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ خود معلم ہوتے ہیں اور فرشتوں کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ علم بھیجتے ہیں، فرشتہ واسطہ اور ذریعہ ہوتے ہیں اس علم کے پہونچانے کا، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ" آپ کہئے "اعوذ" میں پناہ مانگتا ہوں، پناہ چاہتا ہوں، یعنی اپنی کسی طاقت پر اعتماد نہیں، اپنی کسی تدبیر پر اعتماد نہیں، بلکہ جو کچھ سہارا ہے اللہ کی حفاظت کا ہے، اللہ کی پناہ پر ہے۔

اشیاء میں تاثیر ہیں

اور ظاہر بات ہے کہ سب دنیا میں تاثیر پیدا کرنے والے سب چیزوں کو وجود دینے والے حق تعالیٰ ہیں، جس چیز میں جو تاثیر جس وقت چاہیں رکھ دیں، جس وقت چاہیں اس میں سے اس وقت نکال لیں۔ اور اس کے مشاہدات انبیاء علیہم السلام کو بھی کثرت سے ہوئے اور اولیاء اللہ کو بھی ہوتے رہتے ہیں۔ دیکھئے آگ میں تاثیر رکھی ہے جلانے کی لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں ڈالا گیا تو اس کی تاثیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں نہیں ہوئی رک گئی، اللہ تعالیٰ نے روک دی فرمادیا:

"قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيمَ" (انبیاء)

[اور ہم نے کہا: اے آگ! ٹھنڈی ہوجا اور ابراہیم کیلئے سلامتی بن جا۔] (آسان ترجمہ)

سمندر میں تاثیر ہے ڈبو دینے کی لیکن جب موسیٰ علیہ السلام کا تابوت اس میں ڈالا گیا تو اس میں تاثیر ڈبونے کی ختم ہوگئی موسیٰ علیہ السلام کے حق میں ان کو نہیں ڈبویا اسی طرح سے جس وقت میں موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کیا فرعون نے اور اسی کے لشکر نے تو وہاں پہونچ کر سمندر میں جب عصا مارا ہے پانی چھٹ گیا، پانی کھڑا ہوگیا، راستے بن گئے، ان کے حق میں بجائے ڈبونے کے راستے بنادئے۔ پار ہونے اور صحیح سلامت نکل جانے، راستہ پیدا کرنے کی تاثیر ہوگئی اور انھیں راستوں کو جب فرعون گیا ہے اور اس کا لشکر گیا ہے تو وہ سب کے سب مل ملا کر پانی

بن گیا اور سب کو ڈبو دیا اور غرق کر دیا۔ تو کسی چیز کی تاثیر ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ سحر میں بھی اللہ نے تاثیر دی ہے اور زہر میں بھی تاثیر اللہ نے دی ہے اور اللہ تعالیٰ جب چاہیں، جس کے حق میں چاہیں اس تاثیر کو نکال دیں۔

ہجرت کے موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بکری کا دودھ دوہکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پلانا

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ صبح کا وقت تھا، دھوپ نکل آئی، پھیل گئی، جا کر سائے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بٹھایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے۔ اس سے پوچھا کس کی بکریاں ہیں؟ معلوم ہوا فلاں شخص کی وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دوست ہے۔ اس سے پوچھا اگر تمہاری بکریوں میں دودھ ہے نکال لیں۔ اس نے کہا ہاں نکال لیجئے۔ دودھ دوہا۔ پہلے بکری کے تھنوں کو دھویا پانی سے۔ اس کے بعد دودھ نکالکر اس کے اوپر پانی کا چھینٹا دیا۔ چونکہ تازہ تازہ دودھ گرم ہوتا ہے۔ چھینٹا دے کر جب کچھ ٹھنڈا ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر آئے اور عرض کیا حضور اسے نوش فرمالیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔ عرض کیا حضور اور پی لیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "فَشَرِبَ حَتّٰی رَضِیْتُ" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا اور ایسے طریقے پر پیا کہ اندر سے میرا جی راضی ہو گیا۔ غور کیجئے کونسا جذبہ ہے، کون سی محبت ہے، کونسا تعلق ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دودھ پیتے ہیں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا جی راضی ہو گیا، بس میرا جی خوش ہو گیا۔

....

غارِ ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جانثاری

جب حضور اقدس ﷺ نے دودھ پی لیا تو آپ ﷺ کو بٹھا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غار کے اندر گئے تاکہ اس کو صاف کرلیں۔ دوپہر کا وقت، گرمی کا وقت وہاں گذار لیں۔ غار میں اندر پہونچے اسے صاف کیا اور دو چادریں تھیں۔ ان کے پاس، اس میں سوراخ کئی ایک تھے۔ ہر سوراخ میں چادر کو پھاڑ پھاڑ کر کپڑا لگا دیا تاکہ کوئی ایذا دینے والا جانور ان میں سے نہ نکلے۔ بچھو، کن کھجورا، سانپ کوئی ہو اور عامۃً یہ جانور ایسی جگہ رہا کرتے ہیں۔ جب وہاں سے باہر آئے حضور اقدس ﷺ کو لینے کے لئے تو ان کے اوپر ایک چادر تھی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا دوسری چادر کیا ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ وہ تو میں نے اس طرح سے لگا دی۔ حضور اقدس ﷺ کو لے کر اندر گئے اور پھر عرض کیا کہ حضور (ﷺ) میرے زانو پر سر رکھ کر تھوڑی دیر سو جائیں۔ حضور اقدس ﷺ سو گئے، لیٹ گئے۔ دیکھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک سوراخ اس غار میں باقی رہ گیا جس میں کپڑا نہیں دیا، اس میں ایک سانپ سر نکال رہا ہے۔ انھوں نے ایک پیر اپنا پھیلا کر اس میں لگا دیا تاکہ سانپ وہاں ہی رک جائے، کاٹے تو میرے ہی کاٹے۔ تھوڑی دیر آپ سوئے تھے اتنے میں اس سانپ نے اندر سے نکلنے کا ارادہ کیا، دیکھا تو پیر اٹکا ہوا تھا، پیر لگا ہوا تھا، اس نے کاٹا۔ بس کاٹنا تھا ان کے زہر دوڑا اور جی میں خیال آیا، چونکہ سانپ کے کاٹنے کی تاثیر اللہ تعالیٰ نے یہ رکھی ہے کہ آدمی مر جاتا ہے۔ اب میں مر جاؤں گا حضرت نبی اکرم ﷺ اکیلے رہ جائیں گے۔ بہت پریشان ہوئے۔ اس پریشانی سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ اور آنسو جب چہرۂ مبارک پر گرا ہے تو حضور اقدس ﷺ بیدار ہوئے۔ پوچھا ابوبکر کیا بات ہے تو انھوں نے کہا حضور مجھے تو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ چنانچہ پیر نکالا تو حضرت نبی اکرم ﷺ نے اس پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سانپ کی تاثیر سے، سانپ کے

کاٹے کی تاثیر سے محفوظ رکھا، زہر نہیں چڑھا۔ (ازالۃ الخفاء: ۲/ ۹۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کی درخواست

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوارین میں سے کسی نے درخواست کی تھی کہ میں چاہتا ہوں کہ نبی آخر الزماں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں۔ آپ دعا کیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے عمر طویل عطا کرے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو وہاں سے بتلایا گیا کہ اس حالت میں تو نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں اگر دیکھنا چاہتے ہو تو تم کو بجائے انسان کے سانپ بنا دیا جائے۔ اس نے منظور کر لیا۔ چنانچہ وہ سانپ آکر اس غار میں ٹھہرا ہوا تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ٹھہرا ہوا تھا چونکہ کتابوں کے ذریعہ سے معلوم تھا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے وہاں کے لوگ ستائیں گے، پریشان کریں گے تو اللہ کی طرف سے ان کو ہجرت کی اجازت ہوگی۔ ہجرت کرنے کے لئے جائیں گے تو راستہ میں ایک غار میں ٹھہریں گے تو اس غار میں آکر وہ سانپ ٹھہر گیا تھا کہ میں حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کروں گا تو صدیوں سے وہاں پڑا ہوا تھا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا وقت آیا ہے تو اس نے نکلنا چاہا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیر تھا۔ اس نے کہا اللہ کے بندے صدیوں سے حضرت کے اشتیاق میں یہاں پڑا ہوا ہوں تم نے پیر اڑا لیا۔ کہنا یہ ہے کہ سانپ کے کاٹنے میں تاثیر ہے کہ اس کے زہر سے آدمی مر جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس کے حق میں یہ تاثیر ختم کرنا چاہیں ختم فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں تاثیر ختم فرما دی اور بھی متعدد لوگوں کے واقعات ہیں کہ ان کو سانپ نے کاٹا مگر مرے نہیں، زہر نہیں چڑھا، ختم ہو گیا زہر۔ چونکہ ہر چیز کی تاثیر اللہ کی رکھی ہوئی ہے اللہ کے قبضے میں ہے، اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہیں اس تاثیر کو باقی رکھیں اور جس کے حق میں چاہیں اس

تاثیر کو نکال لیں ۔ تو سحر میں بھی تاثیر اللہ کی رکھی ہوئی ہے ۔ لہٰذا حضرت نبی اکرم ﷺ کو ارشاد ہوا کہ آپ اللہ کی پناہ مانگیں کہ جس نے تاثیر رکھی ہے ۔ "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ مَلِكِ النَّاسِ ۔ اِلٰهِ النَّاس" (سورۂ ناس)

اللہ تعالیٰ کی تین صفات اور انسان کی تین حالت

یہاں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں ۔ ایک رب الناس، دوسرے ملک الناس اور تیسرے الہ الناس ۔ رب معنیٰ پالنے والا بھی ہے، بادشاہ بھی ہے اور معبود بھی ہے ۔ یہ ساری صفات اللہ تعالیٰ میں ہیں ۔ اس واسطے کہ انسان کی تین حالتیں ہیں ۔ ایک حالت ہے ابتدائی بچپن کے زمانے میں اپنے پالنے والے کو پہچانتا ہے، ماں پالتی ہے اس کو جانتا ہے، بہن پالتی ہے تو اس کو جانتا ہے، خالہ پالتی ہے تو اس کو جانتا ہے جس کے پاس رہتا ہے جو اس کی پرورش کرے، کھلائے پلائے اس کی ضروریات پوری کرے اس کو پہچانتا ہے اور کسی کو نہیں پہچانتا ۔ آہستہ آہستہ جب بڑا ہو جاتا ہے پھر اوروں کو پہچانتا ہے، یہاں پر فرماتے ہیں ۔

بِرَبِّ النَّاس الخ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس ۔ کہیے! میں پناہ چاہتا ہوں ناس کے رب کی، انسان اگر بچپن کے زمانے میں ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے رب کو پہچانے کہ اس کا رب کون ہے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ۔ ماں باپ پالتے ہیں لیکن ماں باپ کو بھی کوئی پالتا ہے، سارے عالم کو کوئی پالنے والا ہے، وہ رب الناس ہے، سب کا رب ہے، سب کا پالنے والا وہ ہے، قرآن پاک میں جگہ جگہ پر اللہ تعالیٰ کی صفت رب بیان کی گئی ۔

"يَا اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ" (التوبہ) [اے لوگو! اپنے

اس پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گذرے ہیں۔]
(آسان ترجمہ) اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔

پیدا کرنا پہلے اور پالنا بعد میں

پیدا کرنا پہلے ہے اور پالنا بعد میں لیکن یہاں پالنے کی صفت پہلے بیان کی، پیدا کرنے کی بعد میں بیان کی گئی۔ اس لئے کہ انسان کو اپنے پیدا ہونے کا ادراک و احساس نہیں کہ میں کس طرح پیدا ہوا ہوں۔ ہاں پالنے کے حالات ہر وقت اس کے سامنے ہیں، اس کو جانتا ہے اور جس حال میں بھی وہ ہے وہ جانتا ہے کہ میرا کوئی پالنے والا ہے، کس طرح سے پال رہا ہے۔ غلہ کس نے پیدا کیا، پانی کس نے پیدا کیا، دودھ کس نے پیدا کیا۔ پھل کس نے پیدا کئے، درخت کس نے پیدا کئے، جانور کس نے پیدا کئے، ان سب چیزوں کی پیدائش کا علم تو بعد میں ہوتا ہے، پہلے پالنے کا علم ہے، اپنے پالنے کا کہ مجھے حق تعالیٰ پالتا ہے۔

صفت ربوبیت

اس لئے ربوبیت باری تعالیٰ کا ایک ایسا وصف ہے کہ جس سے کوئی بھی غافل نہیں، ہر ایک جانتا ہے اور ربوبیت کا احسان اتنا بڑا ہے کہ ہر ایک اس کو پہچانتا ہے۔ جو شخص گھوڑے کو پالتا ہے گھوڑا اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ مالک کی حفاظت کرتا ہے۔ جہاد اور لڑائی میں حفاظت کرتا ہے، مالک کی ایسی حفاظت کرتا ہے کہ مالک کے ذہن میں بھی نہیں آتا ہے کہ کہ گھوڑا میری ایسی حفاظت کرے گا۔ حتیٰ کہ بلّی جس کو آدمی پالتا ہے بلی بھی حفاظت کرتی ہے۔

بلی کی وفاداری کا عجیب واقعہ

ہمارے یہاں دیوبند کا واقعہ ہے۔ ایک صاحب کے یہاں بلی پلی ہوئی تھی وہ

صاحب ابھی موجود ہیں۔ ان کے یہاں نل بھی لگا ہوا تھا جس کو ہینڈ پائپ کہتے ہیں۔ وہ مغرب کے بعد نل کے پاس آئے پانی لینے کے لئے۔ بلی دور سے ایک دم اچھلی اور ان کے حملے تک آئی کہ جیسے کہ حملہ کرنے کے لئے آتی ہے جبھی گرے، پیچھے چار پائی تھی۔ چار پرائی پر گرے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ بلی نے اس طرح کیوں کیا۔ اس کے بعد دیکھا تو اس نل کے قریب سانپ تھا۔ بلّی دیکھ چکی تھی اس کو، بلّی نے اپنے مالک کو سانپ سے بچانے کی یہ تدبیر اختیار کی۔ بلّی بھی حفاظت کرتی ہے۔ کتا بھی حفاظت کرتا ہے۔ بکریوں کی حفاظت کرتا ہے گائے کی حفاظت کرتا ہے، اپنے مالک کی حفاظت کرتا ہے۔ تو رب کے ساتھ جو تعلق ہوتا ہے مربوب کو وہ ایسا ہے کہ سب ہی اپنے پالنے والے کی تعظیم بھی کرتے ہیں اور اس کے حقوق کو بھی پورے طور پر ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حق پرورش بڑا زبردست ہے۔ اللہ تعالیٰ پالنے والے ہیں، سب چیزوں کو پالنے والے ہیں۔ لہٰذا ان کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اور ان کی پناہ لینے کی ضرورت ہے جو سب کو پالنے والا ہے، اس کی پناہ لینی چاہئے کیونکہ انسان اپنے بچپن کے زمانے میں اپنے پالنے والے کو جانتا ہے اور کسی کو نہیں جانتا۔ آہستہ آہستہ جب بڑا ہو جاتا ہے، جوان ہو جاتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہ میری ماں جس نے مجھے پالا ہے اس کے اندر تو کوئی بھی طاقت نہیں وہ تو میرے ایک ہاتھ کی ہے۔ ہاتھ سے اٹھا کر ادھر رکھ دیا، ادھر رکھ دیا، بوڑھی ماں کچھ کر نہیں پاتی۔ سمجھتا ہے کہ پالنے والی میری ماں تھی، ماں سے زیادہ تو میرے اندر طاقت آ گئی۔ ماں کچھ نہیں کر سکتی۔ اب اس کے اندر شرارت پیدا ہوتی ہے، چوری، ڈاکہ وغیرہ کی پارٹیوں میں بیٹھتا ہے، ساتھ اچھا نہیں نصیب ہوتا، صحبت خراب ملتی ہے لہٰذا نہ وہ ماں سے ڈرتا ہے، نہ وہ باپ سے ڈرتا ہے، نہ وہ محلے والوں سے ڈرتا ہے، نہ دوست واحباب سے ڈرتا ہے، جوانی کی طاقت اس کے بدن میں ہے، پارٹی اس کے ساتھ ہے، آگے فرماتے ہیں۔

مَلِكِ النَّاسِ الخ

مَلِكِ النَّاسِ۔ اللہ تعالیٰ مَلِک بھی ہیں۔تمام انسانوں کے بادشاہ ہیں۔ایک جھلک میں آدمی جوان ہو کر جب اس کے پاس طاقت ہوتی ہے تو حکومت سے ڈرتا ہے۔ حکومت کے سپاہی اس کو گرفتار کرتے ہیں جیل میں ڈالتے ہیں۔جیل میں لے جا کر ڈنڈے لگاتے ہیں، اس کو اگر خوف ہوتا ہے تو حکومت کا خوف ہوتا ہے۔باقی پالنے والوں کا خوف اس کی طبیعت سے نکل جاتا ہے۔پالنیوالے کون؟ ماں باپ، دادی، نانی ان کا خوف نہیں رہتا۔ اس واسطے دیکھتا ہے کہ ان کے اندر کوئی طاقت نہیں ہے۔ہاں طاقت ہے تو حکومت کی طاقت ہے۔جانتا ہے کہ حکومت مجھے گرفتار کرائے گی، ہتھکڑی لگائے گی جیل میں ڈالے گی، پٹائی کرے گا، ہوسکتا ہے کہ پھانسی دیدے، قتل کردے۔اس سے ڈرتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَلِكِ النَّاسِ۔ اللہ تعالیٰ کے اندر صفت ملک ہونے کی بھی ہے۔تمام دنیا کے اقتدار والے، طاقت والے سب اس کے محتاج ہیں، جس طرح سے تمام پالنے والے اس کے محتاج ہیں پرورش اور تربیت میں، اسی طرح سے تمام اقتدار والے اپنے اقتدار میں محتاج ہیں حق تعالیٰ کے، اللہ تبارک وتعالیٰ جس کے اقتدار کو باقی رکھیں گے باقی رہے گا، جس کے اقتدار کو باقی نہیں رکھیں گے وہ ختم ہو جائے گا۔اس کے اندر کوئی طاقت نہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ ملک الملوک ہیں، بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔قیامت میں فرمائیں گے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (سورۃ المؤمن) [کس کی بادشاہی ہے آج؟ صرف اللہ کی جو واحد وقہار ہے۔] دنیا میں جو لوگ اپنی بادشاہت کا، اپنی حکومت کا ڈنکا پیٹتے تھے اور نعرہ لگاتے تھے، کوئی ہے یہاں حکومت والا، اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔دنیا میں بھی درحقیقت کسی کی حکومت نہیں اللہ کے سوا لیکن دنیا والوں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں وہ حق تعالیٰ کی قدرت کی طرف دھیان نہیں دیتے، اپنی طاقت کو سمجھتے ہیں، حالانکہ دیکھتے ہیں کہ رات دن کیسے انقلابات ہوتے

رہتے ہیں ۔ایک شخص تخت پر بیٹھا ہوا حکومت کے اقتدار کے تخت پر ہے ۔تھوری دیر گذرتی ہے کہ معلوم ہوا کہ وہ گرفتار ہو گئے، پھر معلوم ہوا کہ اس کو توقتل کر دیا گیا۔سولی دیدی گئی، پھانسی دیدی گئی، گولی ماردی گئی، رات دن ہوتا رہتا ہے۔ یہ انقلابات رات دن ہوتے رہتے ہیں۔ افسوس کہ انسان ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتا، اپنی حکومت کو ایک مستقل بالذات سمجھتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ بس میرا حکم چلنے والا ہے ۔میرا ہی سکہ رائج ہے ۔میں اسی طرح سے رہوں گا۔ ساری عمر، حالانکہ تھوڑی دیر میں اس کا صفایا ہو جاتا ہے ۔ایسے ایسے واقعات ۱۹۴۷ء میں دیکھے ۔اللہ الصمد۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے بہت کچھ مال و دولت تھا، مگر تھوڑی دیر بعد کان پکڑ کر وہاں سے نکال دیئے گئے ۔سر پر ٹوپی نہیں پیر میں جوتا نہیں، کھانے کو کچھ نہیں ۔ یہ کثرت سے ہوتا رہتا ہے۔

شاہ بغداد کا حال

ایک صاحب بیان کرتے تھے کہ میں بغداد میں گیا۔وہاں جب اقتدار ہوا وہاں کے جو بادشاہ تھے ان بادشاہ صاحب کو بلا گیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ آپ کے لئے گولی مارنے کا حکم ہے ۔ادھر منہ کر کے کھڑے ہو جائیے ۔ بادشاہ نے کہا تم میرے گولی مارتے ہو کبھی میں نے تم کو پھانسی کے تختے سے بچایا تھا، تو جواب دیا کہ اب اس کی کوئی بحث نہیں، جماعت کا فیصلہ یہی ہے ۔ بادشاہ سلامت کھڑے ہو گئے، گولی ماردی گئی ۔ختم ہو گئے ۔تھوڑی دیر پہلے بادشاہ تھے، ساری فوج اختیار اور قابو میں تھی ۔سارے جرنیل قابو میں تھے، تھوڑی دیر بعد یہ ہوا کہ ان کو خود گولی ماردی گئی ۔اس لئے دنیا کی بادشاہت کا تو یہ حال ہے، اس کی کوئی حقیقت کوئی حیثیت نہیں ۔لیکن اس کے باوجود اگر کسی شخص کو خوف ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں مَلِكِ النَّاس ۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے بادشاہ ہیں ۔آج بادشاہ ان چیزوں پر ناز کرتے ہیں کہ ان

کے پاس فوج ہے ان کے پاس خزانہ ہے، ان کے پاس قسم قسم کے ٹینک ہیں یہ سب چیزیں ایسی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں۔ خدا تعالیٰ چاہے تو ان چیزوں پر ایسی مہر لگا دے کہ وہ کسی چیز سے نفع نہ اٹھا سکیں۔ بادشاہ ہوتے ہوئے بھی کسی کی موت آجائے، تو یہ کرتا ہے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ فرض کیجئے کہ اس کو کسی نے مارا نہیں، گرفتار نہیں کیا، لیکن ملک الموت نے آ کر اس کی گردن دبالی، سارے خزانے یہاں رکھے رہ گئے۔ ساری فوج مل کر بچا سکتی ہے ملک الموت کے قبضے سے؟ نہیں بچا سکتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بادشاہی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اس کے اندر کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ ذرہ برابر اس میں کوئی کمی نہیں کرسکتا۔ نہ کسی سے اس نے حاصل کی ہے اور نہ کسی کو اس سے اس کو لینے کا حق ہے۔ وہ تو اس کی ذاتی چیز ہے، وہ مالک الملک ہے، ملک الاملاک ہے۔ ملک الموک ہے۔ اسلئے فرماتے ہیں مَلِكِ النَّاسِ۔ اے انسان اگر تو اپنے بچپنے کے زمانے سے آگے بڑھ کر جوانی کے زمانے میں پہنچ چکا ہے جسمانی طاقت تو پوری قوت پر ہے۔ اس لئے اب کسی کا ڈر نہیں رہا، ڈر ہے تو بادشاہ کا ڈر ہے۔ دیکھ اللہ تعالیٰ بادشاہ ہے۔

اِلٰهِ النَّاسِ الخ

اِلٰهِ النَّاسِ۔ آدمی دیکھتا ہے کہ بعض چیز ایسی ہیں کہ اس سے بادشاہ بھی قاصر ہے۔ بے بس ہے۔ اگر کسی کے گھر میں چور آجائیں، عوام چوروں کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ جو پالنے والی تھی وہ بے بس ہوگئی اور جس وقت میں کہ چور، ڈاکو ایسے ہیں کہ بادشاہ سے ڈرتے ہیں، فوج، ملٹری سے ڈرتے ہیں تو وہ قابو میں کرلیں لیکن آگے چل کر پھر کچھ ایسی بھی صورتیں پیش آتی ہیں کہ وہاں بادشاہ بھی کچھ نہیں کرسکتا۔ کھیتی کی، غلہ پیدا ہو، محنت کرکے غلہ علیحدہ کرکے جمع کردیا گیا۔ آسمان سے ایک بجلی گری۔ سارے غلہ کو جلا دیا۔ کیا بادشاہ اس بجلی کو روک سکتا ہے؟ نہیں روک سکتا۔ وہ اس کے قابو میں نہیں ہے۔ سارے غلہ کو کھا گئی۔ بادشاہ کچھ کرسکتا ہے؟ کچھ نہیں

کرسکتا۔ درختوں پر پھل ہے، ایک کیڑا لگ گیا جس نے سارے پھلوں کو خراب کردیا۔ بادشاہ کچھ کرسکتا ہے؟ نہیں کرسکتا۔ ایک زلزلہ آیا شہر تباہ ہوگیا، بادشاہ کچھ کرسکتا ہے؟ زلزلہ کو روک سکتا ہے؟ نہیں روک سکتا۔ وہاں پہونچ کرآدمی کا تجربہ بڑھتا ہے۔ کہ جیسے بہت سے کاموں سے ماں عاجز تھی اسی طریقہ پر بہت سے کاموں سے بادشاہ بھی عاجز ہے، بادشاہ کے بھی بس کا نہیں بلکہ بس میں کس کے ہے، مالک الملک کے، حق تعالیٰ کے۔

اِلٰهِ النَّاسِ۔ وہ معبود ہے۔ معبود حقیقی کے قبضے میں سب کچھ ہے، بلّی اس کی پیدا کی ہوئی، ٹڈی اس کی پیدا کی ہوئی، بارش اس کی پیدا کی ہوئی، زلزلہ اس کا بھیجا ہوا، سب چیز اس کی ہے۔ لہٰذا عبادت کے قابل وہی ذات عالی ہے، پناہ مانگنے کے قابل وہی ذاتِ عالی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تین صفات ذکر کرنے کی وجہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کے تین اوصاف، کہ اگر تم بچپنے کے زمانہ میں ہو عقل تمہاری ایسی ہے جیسے بچوں کی کہ صرف اپنے پالنے والی ماں کو جانتا ہے اور اس کی پناہ ڈھونڈ تا ہے، کوئی اس کو مارے تو جلدی سے آ کر ماں کی گود میں بیٹھ جائے گا، کسی نے اس کو پریشان کیا تو ماں سے شکایت کرے گا کہ ماں فلاں نے مجھے یوں کہا ہے، اگر تم بالکل بچپن کے زمانے میں ہوتو صرف پالنے والے کو جانتے ہو تو اللہ تعالیٰ ربُّ الناس ہے اور اگر تم جوانی کے زمانے میں ہو، طاقت زیادہ آگئی ہے جسم میں اور اپنی طاقت کے مقابلے میں دوسرے کی طاقت تم نہیں سمجھتے، نہ ماں باپ سے ڈرتے ہو نہ رشتہ داروں سے تم کو خوف ہے بلکہ حکومت سے، بادشاہ سے خوف ہے تو اللہ تعالیٰ مَلِكِ النَّاسِ ہے لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف توجہ کرو، اس کی پناہ حاصل کرو، اور اگر تمہاری عقل اب پختہ ہوگئی ہے آگے چل کر دیکھتے ہو کہ بادشاہ بھی کچھ نہیں کر سکتا وہ بھی ہماری طرف سے بے بس ہے تو بادشاہ کو اگر فالج پڑ جائے تو اس کی فوج بچائے گی؟

نہیں بچاسکتی۔ بادشاہ کی گردن آ کر موت نے پکڑ لی، بادشاہ کو کوئی بچا سکتا ہے؟ ہرگز کوئی نہیں بچاسکتا۔ وہ بھی بے بس ہے۔ بس کس کا ہے صرف الٰہ الناس کا ہے، حق تعالیٰ ہے جو معبود ہے اس کی پناہ تلاش کرو، ان کی پناہ میں آجاؤ۔ وہ رَبُّ النَّاس بھی ہیں، اللہ تعالیٰ ملك الناس بھی ہیں، الٰہ الناس بھی ہیں۔ اس لئے یہ تین صفات بیان کی گئیں، حق تعالیٰ کی، اس کی پناہ مانگو ہر قسم کے ضرر سے۔ ہر قسم کے شر سے، ایذاء سے پناہ ملے گی۔ اور حضور اقدس ﷺ کو پناہ ملی ہے اور حضور اقدس ﷺ کو پناہ تلاش کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ وہی ذاتِ عالی "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ" تین صفتیں باری تعالیٰ کی بیان کرکے دعا کیجئے کہ میں رب الناس کی پناہ چاہتا ہوں، ملك الناس کی پناہ چاہتا ہوں، الٰہ الناس کی پناہ چاہتا ہوں۔ کس چیز سے "مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" وسواس کے شر سے، خطرات سے، یہ کیا چیز ہے؟

خناس کیا ہے؟

صوفیاءِ کرام نے لکھا ہے کہ خناس ایک اژدہا کی شکل ہے جو قلب کا احاطہ کئے ہوئے بیٹھا ہے اندر، پھن اٹھائے ہوئے اور بار بار ڈستا رہتا ہے قلب کو۔ قلب پر مارتا رہتا ہے کاٹتا رہتا ہے، جس سے اس کا زہر تمام جسم میں پھیلتا رہتا ہے۔ اس کے زہر کی خاصیت ہے خدا کی معصیت کرنا، اللہ کی اطاعت سے منہ پھیرنا، شرارتیں، بدمعاشیاں کرنا، یہ اس کے زہر کی خاصیت ہے وہ برابر مارتا رہتا ہے۔ وہاں تک نہ کسی کی بندوق پہنچتی ہے، نہ تلوار پہنچتی ہے، نہ فوج پہنچتی ہے، نہ بادشاہ پہنچتا ہے، نہ کوئی سپاہی پہنچتا ہے وہاں تک۔ ایسے طریقے پر خناس بیٹھا ہوا وسوسے ڈالنے کے لئے، پریشان کرنے کے لئے، ڈسنے کے واسطے آخر اسی سے حفاظت ہو تو کیسے ہو؟ اس سے حفاظت ہوگی ایسی ذات عالی کے سہارے کہ جو ربُّ الناس ہو، ملك الناس ہو، الٰہ الناس ہو، سب اس کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ سب اس کے قابو میں

ہیں، سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، ان سے پناہ مانگتا ہے۔

"لا الہ الا اللہ الخ" کی ضرب کی ضرورت

اسی لئے صوفیاء کرام کہتے ہیں ضرب لگانے کو، "لا الہ الا اللہ الخ" کی ضرب لگاتے ہیں تو اس کے پھنہ پر اس کے سر پر ضرب لگاتے ہیں جو قلب کا احاطہ کئے ہو جس سے وہ مضمحل اور کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسے طریقے پر کمزور ہوجاتا ہے کہ پھر انسان پر اس کو قابو نہیں رہتا، وہ پریشان نہیں کرسکتا، اگر کوئی وسوسہ ڈالتا ہے تو اوپر سے انسان اس وسوسے کو بہت سہولت کے ساتھ ختم کردیتا ہے اس پر عمل نہیں کرتا، اس کے قابو میں نہیں آتا۔ اس کے شر سے پناہ مانگتا ہے جس طرح سے وہ نظر نہیں آتا اسی طریقے پر اس سے جو پناہ مانگنے کا طریقہ ہے وہ بھی ایسا ہے کہ صرف حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشاد سے، اللہ تعالیٰ کے فرمان سے سمجھ لینا چاہئے، اپنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، نظر آئے یا نہ آئے بلکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے۔ بس حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ٹھیک ہے۔ ہمارا ایمان صحیح ہے، نبی اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی بات ایسی یقینی، پختہ ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے جو بات فرمادی، ہاں یہ ہے اسی طرح سے ہے بس اس کے خلاف نہیں۔

شیطانی وساوس

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ جو وسوسے ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے سینوں میں، آدمی کے سینے میں بیٹھے بیٹھے وسوسے آتے رہتے ہیں، حدیث میں آتا ہے کہ انسان کی طبیعت میں ایک وسوسہ پیدا ہوتا ہے مَنْ خَلَقَكَ، تجھ کو کس نے پیدا کیا، آدمی سوچتا ہے جواب میں کہتا ہے اللہ نے۔ ماں باپ کو کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے۔ دادا نانا کو کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے۔ چلتے پھرتے پھر نوبت یہاں تک پہونچتی ہے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ یہ راستہ اختیار کرتا

ہے پریشان کرنے کے واسطے۔اسی لئے ایسے موقع پر لاحول پڑھنی چاہئے اور کہنا چاہئے کہ اللہ کا کوئی خالق نہیں،اس کو کسی نے نہیں پیدا کیا۔

دستگیر کی بیڑی اور فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کی پرحکم اصلاح کا واقعہ

ایک واقعہ یاد آیا۔ایک جگہ جانا ہوا۔وہاں ایک مدرسہ دیکھا۔مدرسہ میں بچے تھے، ایک بچے کے پیر میں چاندی کی چوڑی تھی،چاندی کی پہنے ہوئے۔میں نے اس سے پوچھا بھائی یہ کس لئے پہن رکھی ہے۔اس نے کہا یہ دستگیر کی بیڑی ہے۔میں نے کہا دستگیر کون؟ ان کی بیڑی کیسی؟ اس سے زیادہ بچہ نہیں جانتا تھا۔میں نے کہا کیا ہوتا ہے اس سے؟ اس نے کہا اس سے یہ ہوتا ہے کہ جس کے پیر میں یہ ہوتی ہے اس کو موت نہیں آتی ہے۔میں نے کہا۔ بھائی یہ تو بڑی بڑھیا چوڑی ہے۔کس نے بنائی ہے؟ کہاں تک کی ہے؟ کتنی قیمت کی ہے؟ دیکھو سب کو خرید لینا چاہئے۔تھوڑی سی اس قسم کی باتیں کرتے کرتے میں نے اس سے پوچھا تم کتنے بھائی ہو اس نے کہا پانچ بھائی ہیں دو بہنیں ہیں۔ایک بھائی مر گیا۔میں نے کہا اس بھائی کی کیا عمر تھی؟ کہا وہ سات سال کا ہو کر مرا۔میں نے پوچھا تمہارے دادا،دادی ہیں؟ اس نے کہا وہ بھی مر گئے۔میں نے کہا اس بھائی کے پیر میں بیڑی نہیں تھی جو سات سال کا ہو کر مر گیا۔کہنے لگا تھی تو سہی،میں نے کہا پھر کیسے موت آ گئی اسے؟ جب اس بیڑی کی تاثیر یہ ہے کہ جس کے پیر میں ہوتی ہے اس کو موت نہیں آتی۔تو آخر تمہارا سات سال کا بھائی کیسے مر گیا؟ اب آگے کو اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔پھر میں نے پوچھا وہ دستگیر صاحب کہاں ہیں؟ وہ زندہ ہیں یا ان کا انتقال ہو گیا اور ان کا بھی تو گھرانا ہوگا۔اولاد،بال بچے ہوں گے وہ زندہ ہیں۔پوچھ کر آئیے گھر۔اس نے اپنے ماں باپ سے سب باتیں پوچھیں اور آیا۔آکر بتایا کہ وہ تو کئی سو برس پہلے تھے سید عبد القادر جیلانی جن کو غوث اعظم کہتے ہیں۔میں نے کہا ان کی اولاد وہ تو سب مر گئے۔کتنی اولاد ہوئی۔ان کی کیا وہ زندہ ہیں۔اب اس کی سمجھ میں آئی۔اس نے چوڑی نکال کر

لے جا کر گھر پھینک دی کہ میں نہیں پہنوں گا۔اس کی ماں بہت خفا ہوئی، بڑی گالیاں دیں۔کون مفتی صاحب آئے کہ آ کر ہمارے بچے کی بیڑی نکلوادی اور پھر اس بچے نے مدرسے کے سب بچوں کی بیڑی نکلوادی اور ہر ایک نے لے جا کر گھر ڈال دی۔اور کہا اچھا یہ بتاؤ وہ پیر دستگیر کہاں ہیں جن کے نام کی بیڑی ڈالی جارہی ہے وہ کیوں مرے؟ ان کی اولاد کیوں مری اور ہمارے گھرانے میں فلانہ کیوں مرا؟ فلاں کیوں مرا؟ جب اس کی یہ خاصیت یہ ہے۔ایک بچہ تو ایسا تھا کہ اس نے پیر سے بیڑی نہیں نکالی اور پائینچے کے اندر چھپا کر رکھتا تھا باقی سب نے نکال دی۔اس واسطے جس سے شیطان یہ سلسلہ قائم کرتا ہے۔فلانے کو کس نے پیدا کیا؟ فلانے کو کس نے پیدا کیا؟ اس کے ختم پر پہنچ کر کہہ دینا لا حول ولا قوۃ الا باللہ، اللہ کو کسی نے پیدا نہیں کیا۔اللہ تو خود پیدا کرنے والا ہے، تو خداوندی تعالیٰ خالق ہے، قادر مطلق ہے، اس کی کوئی صفت کہیں اور سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ اس کی ذاتی ہے۔

شیطان کو کس نے بہکایا؟

حضرت فقیہ الامت کا عجیب واقعہ

"مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاس" وسوسے طبیعت میں ڈالتا ہے۔ایک دفعہ میں سفر میں تھا۔میرے ایک استاذ بھی تھے۔حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم سہارنپور جن کا ابھی چند روز ہی ہوئے انتقال ہوا پچھلے مہینے میں ان کے ساتھ سفر میں تھا۔ایک شخص نے گاڑی میں یہ سوال کیا کہ مولوی صاحب ایک بات پوچھنی ہے یہ بتاؤ لوگ یوں کہتے ہیں اسے شیطان نے بہکایا۔اسے شیطان نے بہکایا، اسے شیطان نے بہکایا۔یہ بتاؤ شیطان کو کس نے بہکایا۔مولانا نے کہا کہ بھائی اس طرح کی چیزوں میں نہیں پڑا کرتے۔تم اپنا کام کرو۔اس کو جواب نہیں دیا۔مولانا خود تلاوت میں مشغول ہو گئے۔پھر میں نے عرض کیا کہ

حضرت میرے دماغ کا کیڑا ذرا اچھل رہا ہے۔اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے بات کرلوں۔فرمایا تو مغز مار ہے۔مجھ سے پوچھا اس نے کہ صاحب شیطان کو کس نے بہکایا؟ میں نے کہا اچھا بتاؤ تم کیا کام کرتے ہو؟ کہتا ہے زمیندار ہوں۔میں نے کہا جب زمیندار ہے تو تمہارے یہاں گائے بیل بھینس بھی تو ہوں گی۔کہا ہاں۔دودھ بھی ہوتا ہوگا۔کہا ہاں۔روٹی پکتی ہے، چائے پکتی ہے۔سالن پکتا ہے۔روٹی جب پکاتے ہو توے پر پکاتے ہو تو کون اس روٹی کو گرم کرتا ہے؟ کہا آگ۔دودھ کو کون گرم کرتا ہے؟ آگ۔چائے کو کون گرم کرتا ہے؟ آگ۔گوشت کو کون گرم کرتا ہے؟ آگ۔پوچھا آگ کو کس نے گرم کیا؟ اس نے کہا وہ تو آپ سے آپ ہی گرم ہے۔میں نے کہا بس یہی بات ہے۔شیطان کو کسی نے بہکایا نہیں۔وہ آپ سے آپ ہی بہکا ہوا ہے۔اس کو بہکانے کی ضرورت نہیں۔

نمازی بنانے کی عجیب حکمت

اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا کہ تم نماز پڑھا کرتے ہو؟ کہنے لگا ہاں جی عید اور جمعہ کی پڑھ لیتا ہوں۔آخری جمعہ رمضان کا پڑھ لیتا ہوں۔روزہ۔کہا وہ تو ہم نے کبھی رکھا نہیں۔میں نے کہا اگر تمہارا کوئی ملازم ہو جس کو تم پانچ روپے ماہوار دیتے ہو، اس سے تم نے کہا پیسے دے کر کہ ڈاکخانہ سے کارڈ لے آ۔ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے ڈاک کے نکلنے میں۔تم نے اسے پیسے دیئے۔اس نے پوچھا کہاں لکھو گے صاحب؟ تم نے کہا میں بمبئی بھیجوں گا۔بمبئی کس کے پاس بھیجو گے؟ لڑکے کے پاس۔کیا لکھو گے اس میں بچے کو بلانا ہے، شادی کرنی ہے اس کی۔کہاں شادی کرنی ہے۔کہاں انتظامات کئے وہ جناب آدھا گھنٹہ سارے کا سارا اس میں گذار گیا۔تم کیا کرو گے؟ کہنے لگا۔میں مولوی تھوڑا ہی اس کو ساری باتوں کو جواب بتاتا رہوں گا۔میں اس کے ماروں گا تھپڑ۔میں کہوں گا کہ تیرا مطلب کیا ہے؟ تیرا کام یہ ہے کہ میں نے تجھ کو پیسے دیئے، جس کا کارڈ لے آ تو بس لے آ تو آگے بس بکواس کیوں کرتا ہے؟ تجھے کیا حق ہے

بولنے کا۔میرے گھر کے معاملات میں تجھ کو دخل دینے کا کیا حق ہے؟ میں تو یہ کہوں گا۔میں نے کہا جزاک اللہ۔تم بتاؤ تم نے اپنے اس نوکر کو،ملازم کو پیدا کیا ہے؟ اس کی آنکھیں دی ہیں؟ اس کی زبان تم نے پیدا کی،اس کا دماغ تم نے پیدا کیا؟ کہنے لگا میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔میں نے کہا محض اس واسطے کہ پانچ روپے ماہوار دیتے ہو۔اس واسطے تم کو اتنا گھمنڈ ہے کہ اس کو مارو گے۔کہ اس نے اس قسم کی بات کی۔تم بتاؤ خدا نے تم کو پیدا کیا۔تمہارے ہاتھ پیر بنائے،آنکھیں ناک بنائی،زبان بنائی،دل و دماغ بنایا،اللہ نے تمہیں کھیتی دی،تمہیں اعضاء دیئے،تم اس کا حکم تو مانتے نہیں،نماز نہیں پڑھتے،روزہ نہیں رکھتے اور یہ بحث کرتے ہو کہ شیطان کو کس نے بہکایا؟ اللہ کو کتنا غصہ آتا ہوگا۔کہنے لگا ہے تو ٹھیک۔میری توبہ صاحب۔اب سے نہیں کرنے کا،فوراً کان پکڑ لیے۔میں نے کہا اتنا کرنے سے نہیں۔اب یہ وعدہ کرو کہ نماز پڑھو گے۔اس نے کہا صاحب آج فلاں دن ہے۔منگل،بدھ،جمعرات،تین دن کی تو مجھے چھٹی دو۔جمعہ کے دن سے بس میں نہا دھو کر کپڑے بدل کر نماز پڑھوں گا۔میں نے کہا تم بتاؤ کیا میری نماز پڑھو گے،نماز تو خدا کی ہے،خدا کا فریضہ ہے،مجھے کیا حق ہے چھٹی دینے کا،خدا کے فریضہ کو میں ہٹا سکتا ہوں یا کوئی اور ہٹا سکتا ہے؟ کوئی نہیں ہٹا سکتا،میں نے کہا۔تمہارا یہ سوال ہی غلط ہے،کسی کو حق نہیں چھٹی دینے کا۔اسی نے فرض کی،اسی نے کہا پانچ دن کی نماز پڑھو۔غرض قسم قسم کے سوالات آدمی کے دل میں ڈالتا ہے شیطان۔اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آدمی راہِ راست پر قائم نہ رہ پائے۔بسا اوقات اعتقادات میں خرابی پیدا کر دیتا ہے،اعمال میں خرابی پیدا کر دیتا ہے،وقت برباد کرتا ہے،طرح طرح کی چیزیں ڈالتا ہے۔اس لئے اس کے وسوسوں سے بچنے کے لئے دعا کی گئی،پناہ مانگی اللہ تعالیٰ کی۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے اپنا حال بیان کیا

جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے،قسم قسم کے خیالات پیدا کرتا ہے،مجھے

یاد ہے اپنی طالب علمی کے زمانے میں ایک صاحب نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرۂ العزیز سے کہا کہ حضرت میرا یہ حال ہے کہ جب میں نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ نماز کیلئے چلو تو اندر سے شیطان کہتا ہے کہ کیا کرو گے نماز پڑھ کر۔ ثواب ملے گا، ثواب مل کر کیا ہوگا؟ اللہ کے قبضے میں سب کچھ ہے۔ وہ چاہے بغیر نماز کے بھی بخش دے۔ غرض اسی قسم کے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جوابات دیتا رہتا ہوں۔ یہاں تک کہ نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ یہ چیزیں قسم قسم کی ہیں۔ جس شخص جس لائن کا ہوتا ہے اس کے جی میں وسوسے اسی لائن کے ڈالتا ہے۔ تاجروں کے دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے، کھیتی کرنے والوں کے دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے۔ سرکاری ملازموں کے دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے اور علماء کے دل میں اور قسم کے ڈالتا ہے۔ ہر ایک کے دل میں اس کی شان کے مطابق ڈالتا ہے۔ اس لئے اس سے پناہ مانگنے کے واسطے اس میں طریقہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی پناہ مانگو رب الناس سے، ملك الناس سے، اله الناس سے۔ اس وسواس الخناس کے شر سے جو سینوں کے اندر وسوسے ڈالتا ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاس۔ اور یہ وسوسے کبھی تو وہ اندر والا ڈالتا ہے اور کبھی انسان بھی ڈالتے ہیں، جنات بھی ڈالتے ہیں، انسان بھی ڈالتے ہیں، شیطان بھی ڈالتا ہے، سبھی وسوسے ڈالتے ہیں، آدمی کا شیطان آدمی اور شیطان تو ڈالتا ہی ہے۔

شیطان کے قائم مقام

میرے والد صاحب مرحوم نے ایک حکایت سنائی تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص چلے جا رہے تھے۔ راستہ میں دیکھا کوئی شخص پڑا سو رہا ہے۔ ان کے چلنے سے ان کے پاؤں کی آہٹ سے وہ بیدار ہو گیا۔ اس نے پوچھا تو کون ہے۔ اس نے کہا میں شیطان ہوں۔ شیطان ہے تو پڑا سو رہا؟ تجھے فرصت مل جاتی ہے سونے کی، تیرا کام مخلوق خدا کو بہکانا ہے، تجھ کو

کہاں موقع ملتا ہے سونے کا؟ اس نے کہا ہاں ہے تو یہ بات لیکن بہت سے ہمارے آدمی قائم مقام ہو گئے، میرے نمائندے ہو گئے، وہ کام انجام دے رہے ہیں۔ میرے پاس زیادہ کام نہیں رہا۔ کم رہ گیا۔ لوگ انجام دے رہے ہیں میرے کام۔ اس لئے کہ انسانوں کی کوئی جماعت ایسی ہے جو بہکانے والی ہے، دین حق سے بہکانے والی، سنت کو مٹانے والی، غلط طریقے پر لانے والی انسانوں کی بھی جماعت ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک فقیر کا واقعہ

ایک بزرگ گذرے ہیں حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہ صاحب حضوری تھے۔ صاحب حضوری اس شخص کو کہتے ہیں ان حضرات کی اصطلاح میں، جس کو ہر روز حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور کس طریقے پر ہوتی ہے۔ سوتے میں ہوتی ہے جاگتے میں ہوتی ہے۔ یہ تو وہی حضرات جانیں۔ وہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ ان کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم ہوا کہ تم ہندوستان جاؤ اور غریبان ہند کے حال پر شفقت کا معاملہ کرنا۔ چنانچہ وہ آئے اور آ کر دہلی میں انھوں نے قیام کیا اور جہاں کہیں ان کو معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ پر کوئی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے۔ اس کی زیارت کے واسطے جاتے۔ ایک مرتبہ سنا کہ کوئی فقیر آیا ہے۔ یہ بھی تشریف لے گئے۔ جا کر دیکھا کہ اس کے پاس ایک مجمع ہے اور وہاں ایک شراب کا پیالہ بھی رکھا ہے۔ جب یہ پہونچے تو اس فقیر نے ان سے کہا کہ شراب پی لو۔ انھوں نے انکار کر دیا کہ شراب تو نہیں پیوں گا نہیں پی۔ آگے کچھ اور بات نہیں ہوئی۔ اس کی مجلس جب ختم ہوئی، واپس آ گئے۔ رات کو سامنے دیکھا کہ کچھ لوگ چلے جا رہے ہیں۔ پوچھا کہاں جا رہے ہیں۔ کہا فلاں مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ بھی گئے جا کر کے دیکھا کہ دروازے پر وہی فقیر کھڑا ہے، ڈنڈا لئے ہوئے اور لوگوں کو تو اس نے جانے کی اجازت دی اور جب یہ پہونچے تو اس نے ڈنڈا

اٹھا کر کہا تو نے پیالہ نہیں پیا تھا تجھے اندر نہیں جانے دونگا۔ گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی، پریشان تھے مگر عالم تھے۔ تو لاحول پڑھی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ یہ تو شیطان تلبیس ہے۔ آج پھر گئے۔ اس فقیر کے یہاں تو اس فقیر نے کہا اب تو پی لے۔ اس سے یہ سمجھے یا تو یہ اسی کا تصرف تھا یا پھر کشف ہے اس کا۔ چنانچہ فرمایا یہ شعبدے کسی اور کو دکھانا میں نہیں پیوں گا۔ آج رات پھر اسی طرح سے دیکھا لوگ جا رہے ہیں، یہ بھی گئے۔ دیکھا پھر وہی فقیر ڈنڈا لئے ہوئے کھڑا ہے۔ پھر ڈنڈا اٹھایا پھر گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ پھر لاحول پڑھی۔ آج پھر فقیر کے پاس آئے تو اس نے کہا اب تو پی لے۔ دو دن ہو گئے حضور اقدس ﷺ کی زیارت اور وہاں خدمت میں حاضری سے محروم ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر ساری عمر بھی محروم رہوں تو بھی نہیں پیوں گا۔ حضور اقدس ﷺ کی معصیت اور نافرمانی کر کے مجھے زیارت اور حاضری مقصود نہیں۔ میں اگر زیارت سے محروم ہوں، خدمت سے محروم ہوں تو کیا ہے میرا عمل تو مقبول ہے وہاں محض حضور اقدس ﷺ کی زیارت سے نجات نہیں ہو گی جیسے ابو جہل اور ابولہب نے بھی زیارت کی ہے۔

جو شخص نبی اکرم ﷺ سے دور رہے، زیارت کا اسے موقع نہ مل سکے لیکن ایمان لاتا ہے، حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کرتا ہے اسی کی نجات ہے۔ حضرت اویس قرنیؒ اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھے۔ ان کو موقع نہیں ملا حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضری کا۔ ساری عمر ہو گئی حاضر نہیں ہوئے لیکن حضور اقدس ﷺ نے خود ان کی تعریف فرمائی اور حضور اقدس ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو فرمایا اویس قرنی ایسا ایسا ہے۔ جو شخص اس سے ملاقات کرے اس سے اپنے لئے دعا کرائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی کہ ان سے دعا کراؤ۔ باوجود حاضر نہ ہونے کے وہ تعمیل ارشاد میں مصروف تھے۔ لہٰذا ان کا درجہ بہت بلند ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب حضور اقدس ﷺ نے یمن کا قاضی بنایا اور

دور تک تشریف لے گئے، ان کو ہدایات دیتے ہوئے اور جب ارادہ کیا واپسی کا، تو فرمایا اے معاذ! آئندہ سال جب تم آؤ تو شاید تمہاری مجھ سے ملاقات نہ ہو سکے، میری قبر پر سے تمہارا گذر ہو بس یہ سننا تھا ایک دم ان کو جوش آ گیا، دل بھر آیا رونے لگے، حضور اقدس ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک کو مدینہ پاک کی طرف کیا اور اشارہ فرمایا دیکھو میرے دوست وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں، جو بھی ہو جہاں بھی ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص حضور اقدس ﷺ کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکے کوسوں دور رہے، منزلیں دور رہے، دوسرے ملک میں رہے لیکن تعمیل ارشاد کرتا رہے۔ حضور اقدس ﷺ کے احکام کی تعمیل کرتا رہے وہ شخص محروم نہیں۔ چنانچہ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی دیکھا خواب میں اور دیکھا کہ وہ فقیر پھر کھڑا ہوا ہے۔ انھوں نے سوچا کہ یہ کمبخت یہاں آ کر کھڑا ہو گیا دروازے پر اندر نہیں جانے دیتا۔ یہ عجیب بات ہے جو شراب پی لے، معصیت کا ارتکاب کر لے لعنت کا مستحق ہو وہ تو اندر جائے اور جو شراب نہ پیئے حضور اقدس ﷺ کے حکم کی اطاعت کرے وہ اندر نہ جا سکے۔ اسی سوچ میں تھے کہ اندر سے آواز آئی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ دریافت فرما رہے ہیں کہ عبدالحق نہیں آئے دو روز سے کیا بات ہے۔ بس تبھی انھوں نے کہا کہ حضور یہ دروازے پر کھڑا ہے آنے نہیں دیتا۔ حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا۔ کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا ایک فقیر اس طرح سے دروازے پر کھڑا ہے۔ ارشاد فرمایا: اِخْسَاٗ یا کلب۔ دور ہو اے کتے۔ یہ ارشاد فرمایا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اس مجلس میں، وہ تلوار لے کر دوڑے۔ اس پر وہ فقیر بھاگا۔ راستہ کھلا یہ گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تم دو روز سے آ رہے ہو۔ کہا جی ہاں۔ دو روز سے آ رہا ہوں۔ یہ کہتا تھا کہ شراب پی لے۔ آپ نے تو شراب کو حرام فرمایا۔ میں کیسے پی لوں؟ آپ ﷺ نے شراب پینے والے پر لعنت فرمائی، میں کیسے پی لوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہت اچھا کیا اور پھر شفقت فرمائی۔ کچھ انسان بھی ہیں تباہ کرنے والے، وسوسے ڈالنے والے، جنات بھی ہیں، شیطان بھی ہیں۔ اس لئے اس قسم کے انسانوں سے بچنے کی ضرورت ہے اور پھر صبح کو

بیدار ہو کر حضرت عبدالحق محدثؒ وہاں گئے۔آج دیکھا کہ مجمع تو موجود ہے مگر ان کا پیر فقیر وہاں موجود نہیں۔ پوچھا کہ بھائی تمہارے پیر صاحب کہاں ہیں؟ انھوں نے کہا کمرے کے اندر ہیں۔کمرے کے اندر کھٹکھٹایا، زنجیر کھٹکھٹائی، کوئی نہیں بولا۔کواڑ کھولا تو دیکھا کہ اندر کمرے میں نہیں ہیں۔اور لوگوں سے کہا دیکھو وہ یہاں تو نہیں ہیں۔کہاں ہیں۔اور بھی کوئی راستہ وہاں سے نکلنے کا نہیں۔اس کے بعد جب سب نے دیکھا کہ وہاں نہیں ہیں تو تعجب ہوا لیکن کہاں گئے؟ وہ تو کمرے کے اندر ہی تھے، لیکن اب نہیں ہیں۔ پوچھا یہاں سے کوئی چیز نکلی بھی ہے۔کہا ہاں ایک کتا نکلا ہے، اس پر انھوں نے اپنا سارا واقعہ سنایا کہ وہ کتا بنا دیا گیا جو حضور اقدس ﷺ کی شریعت کو مسخ کرنا چاہتا تھا، اللہ نے اس کی صورت کو مسخ کر کے کتا بنا دیا۔نبی اکرم ﷺ جس کو کتا فرما دیں وہ کیسے انسان رہ سکتا ہے وہ تو کتا بن کر رہے گا اس کی انسانیت ختم ہو گئی، شناخت کیا ہوتی انسانیت بھی باقی نہیں رہی، کتا بنا دیا گیا۔

باطل تحریکیں

اس واسطے میرے دوستو! قسم قسم کے لوگ دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں جو سنت کو بگاڑ رہے ہیں، جو اطاعت کو بگاڑ رہے ہیں، جو دین اسلام کو مسخ کر رہے ہیں، اس واسطے بہت پناہ مانگنے کی ضرورت ہے۔خداوند تعالیٰ کی اگر پناہ ہوگی تو حفاظت ہوگی، ورنہ حفاظت ہونا دشوار ہے۔انسان طرح طرح کی چیزیں پھیلا رہے ہیں، طرح طرح کی تحریکیں چل رہی ہیں، اخبار، رسالے، پارٹیاں، کمیٹیاں، انجمنیں جگہ جگہ پر بن رہی ہیں اور ایسے طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں کہ جس طریقہ سے آدمی صحیح طرح اسلام پر قائم نہ رہے سنت کے صحیح طریقے کو نہ سمجھ سکے۔اللہ تبارک وتعالیٰ حفاظت فرمائے میری بھی اور آپ سب حضرات کی بھی حفاظت فرمائے۔

دعاء

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ
....

وَسَلَّمَ۔ اے اللہ تو ہمارے گناہوں کو معاف فرما، اے اللہ ہمارے چھوٹے بڑے سارے گناہوں کو معاف فرما، اے پاک پروردگار ہمارے بے شمار گناہ تیری مغفرت کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اے پروردگار تو معاف فرمادے۔ اے اللہ تو ہمارے قلوب میں صلاحیت پیدا فرمادے، ہمیں اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین فرمادے۔ اے اللہ بدعات سے اور ہر قسم کی باطل چیزوں سے ہماری پوری حفاظت فرما۔ اے اللہ ہمارے مدارس کی حفاظت فرما۔ ہماری خانقاہوں کی حفاظت فرما۔ اے اللہ تمام مسلمانوں پر رحم فرما۔ جہاں کہیں بھی مسلمان تیرا نام لینے والے موجود ہیں تو ہی ان کی حفاظت فرما، ان کو ظاہری و باطنی ترقیات عطا فرما۔ اے پاک پروردگار شرور سے فتنوں سے حفاظت فرما۔ اندرونی فتنوں سے بھی حفاظت فرما، بیرونی فتنوں سے بھی حفاظت فرما۔ یا اللہ ہمارے اندر جو دشمن رکھے ہوئے ہیں ان سے بھی حفاظت فرما۔ جو باہر رکھے ہوئے ہیں ان سے بھی حفاظت فرما۔ اے اللہ ہمارے بزرگوں کے سائے کو قائم فرما، ان کی روحانیات میں ترقی عطا فرما۔ جسمانی بھی طاقت عطا فرما، اور ہم کو توفیق دے کہ ان کے فیض سے استفادہ کریں، اے الہ العالمین رحم فرما۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

…………………………………………………

درس بخاری شریف

دارالعلوم بری یو کے

اس بیان میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا یوسف متالا زید مجدہم خلیفہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نوراللہ مرقدہ کی فرمائش پر دارالعلوم بری یو کے میں حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ نے بخاری شریف کا یہ درس دیا۔ درس میں درس سے متعلق انتہائی مفید مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

درس بخاری شریف

دارالعلوم بری یو کے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اما بعد!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

حَدَّثَنَا يَحْيَى ابْنُ بُكَيْرٍ۔

بخاری شریف کی تصنیف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اہتمام

بخاری شریف صحاحِ ستہ میں سب سے اونچی کتاب شمار ہوتی ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ سال اس میں خرچ کئے۔ اسکے تصنیف کرنے میں۔ ایک حدیث کو لکھتے وقت پہلے غسل کرتے، مسواک کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے تب ایک حدیث لکھتے تھے۔ اس طرح سولہ سال خرچ ہوئے۔ حدیث کسے کہتے ہیں؟ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل وتقریر کو حدیث شریف کہتے ہیں خواہ کتنا ہی چھوٹا ٹکڑا ہو اس کے لئے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غسل اور مسواک اور دو رکعت نماز کا اہتمام فرماتے تھے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہوا دیکھتے ہیں کہ ان کی قبر سے خوشبو مہکتی ہے دوسرے آنے والے خوشبو محسوس کرتے۔

روایت بیان کرتے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاذ یحیٰ ابن بکیر سے ان کے استاذ ہیں لیث، وہ نقل کرتے ہیں عقیل سے وہ ابن شہاب سے وہ عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ

سے۔حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھانجے ہیں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے، وہ حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں اَنَّھَا قَالَتْ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا۔

وحی کی ابتدا اور غارحرا میں خلوت گزینی

اَوَّلُ مَابُدِئَ بِہٖ رسول اللّٰہِ صَلّٰی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری:۳)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی آنا شروع ہوئی تو وحی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب نظر آتے تھے۔حال یہ تھا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارثور میں جا کر بیٹھ جاتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کیلئے توشہ تیار کر کے دیتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناشتہ کھانا ساتھ لے کر چلے جاتے۔کبھی بیس روز،کبھی ایک مہینہ،کبھی اس سے بھی زیادہ دن تک وہاں غارِحراء میں ٹھہرے رہتے۔جب توشہ ختم ہوجاتا تو پھر واپس تشریف لاتے۔پھر سے توشہ ساتھ لے کر ساتھ جاتے اور پھر اتنے روز تک غار ہی میں رہتے ایسی جگہ پر نہ کسی کی آواز سنائی دے، نہ کسی کی صورت دکھائی دے، نہ کسی سے ملاقات ہو۔گویا کہ اس عالم میں رہتے ہوئے اس عالم سے بے خبر اور بے تعلق رہتے۔اس لئے کہ وحی آنے والی تھی، وحی آنے کے لئے قلب کے اندر جس یکسوئی کی ضرورت تھی وہ یکسوئی حاصل ہوجائے۔

اولیاء اللہ کا اعتکاف

اس بناء پر اولیاء اللہ اور صلحاء اعتکاف کرتے ہیں۔پہلے حضرات صوفیاء کرام کے یہاں جو خانقاہ ہوتی تھی چھوٹے چھوٹے حجرے ہوتے تھے۔ایسے حجرے کہ بس اسکے اندر ہوا کی بھی جگہ نہیں ہوتی تھی۔روشنی بھی کہیں سے نہیں آتی تھی۔بس اپنی آواز آتی تھی جب ذکر کرتے تھے تاکہ اس دنیا سے انقطاع ہوجائے اور حق تعالیٰ کی طرف سے قلوب کے اندر معانی اور مفاہیم ڈالے

جاتے تھے تو ان کی اصلاح کے لئے اور قوم کی اصلاح کے لئے ہوتے تھے۔ ابھی یہ جو روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کر رہی ہیں یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کا واقعہ نہیں ہے۔ اس واسطے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو ہجرت کے بعد جب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تھے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بن کر آئی ہیں اور یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ کا ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابتداء وحی کے وقت موجود نہیں تھیں۔ زیادہ تر جو روایتیں ہیں ان میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہیں اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ بھی صحابیہ ہیں اور صحابیہ بھی بہت زیادہ واقف روایت اور حالات کو جاننے والی ہیں۔ اسلئے بغیر ان کا نام لئے بھی روایت متصل ہوئی۔

خواب کے ذریعہ وحی کی ابتداء

اَلرُّؤْيَاءِ الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ۔ (بخاری: ۳)

رویاء صالحہ نوم میں، خواب کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی۔

اِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ۔ (بخاری: ۳)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھتے وہ اس طرح سے ظاہر ہو جاتا جیسے کہ فلق الصبح یعنی صبح صادق کی کیلی پھٹنا جسے کہتے ہیں کیلی پھٹ گئی مشرق کی طرف جو اندھیرا ہوتا ہے ایک صبح صادق ہونے پر اندھیرا اپھٹتا چلا جاتا ہے روشنی پھیلتی جاتی ہے جس طرح صبح صادق کو سب دیکھ لیتے ہیں اسی طرح جو خواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے صبح صادق کی طرح اس کی تعبیر ظاہر ہو جاتی۔

غارِ حرا میں عبادت

ثُمَّ حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَا۔ (بخاری: ۳) پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف محبوب کیا گیا خلا کو غارِ حراء میں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تنہائی اختیار فرماتے تھے وہاں تحنث کرتے تھے،

یعنی اطاعت اور عبادت کرتے تھے پھر عبادات کی تفصیل کہیں نہیں ملی کہ کیا عبادت کرتے تھے، کیا نماز پڑھتے تھے، قرآن شریف پڑھتے تھے، قرآن پاک تو نازل نہیں ہوا تھا، نماز فرض نہیں ہوئی تھی اور کیا عبادت کرتے تھے واللہ اعلم۔ ظاہر تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے کمال اور صفات میں مراقبہ کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے کس طرح سے کیا کیا پھیلا رکھا ہے اس دنیا میں کیسی کیسی اس کی صفات ہیں، کیسے کیسے ان کا ظہور رہوا ہے۔

غارِ ثور میں سانپ کے ڈسنے سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے رونے پر اشکال مع جواب

ابھی ابھی اس سے پہلے سبق میں جو سانپ کے کاٹنے اور ڈسنے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اس میں بتلایا گیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ اس چیز پر شیعوں نے اعتراضات کئے ہیں کہ یہ دیکھو اتنے بڑے ہوتے ہوئے اتنی عمر میں ہونے کے باوجود رو رہے ہیں سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے جیسے بچے رویا کرتے ہیں۔ یہ جہالت پر مبنی جو اعتراض کیا میرے ذہن میں ایک اور چیز ہے۔ وہ یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چپکے سے نکلے تھے مکہ مکرمہ سے اپنے گھر سے اور ایسی حالت میں نکلے تھے کہ وہاں کے لوگوں نے آپس میں مل کر یہ طے کر لیا تھا کہ آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا محاصرہ کیا گیا کہ جب باہر تشریف لائیں فوراً ختم کر دیا جائے۔ سارے مکان کو گھیر لیا۔ ادھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا وحی کے ذریعہ سے، باہر تشریف لے چلیں اور ہجرت فرماویں۔ چنانچہ باہر تشریف لائے اور تھوڑی سی مٹی اٹھا کر ان کے اوپر پھینک دی۔ اور شاھت الوجوہ فرما کر ان کے چہرے پر ڈالی جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو نظر نہیں آئے ان کے درمیان میں سے نکل کر چلے آئے۔ صبح کو جب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں، ان کے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ان سے پوچھا کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں انھوں نے کہا واللہ اعلم۔

بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ جب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں سے تشریف لے گئے، پہنچ گئے۔ ان لوگوں کا پلان ٹھیک نہیں ہوا، کامیاب نہیں رہا۔ لہٰذا دوڑنا شروع کیا ادھر ادھر، کچھ ادھر کو گئے اور کچھ ادھر کو، چنانچہ دوڑتے دوڑتے غار ثور تک پہنچ گئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈتے ہوئے۔ اور اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دونوں غار کے اندر موجود تھے۔ یہ لوگ غار کے دہانے کے اوپر کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دیکھ رہے ہیں۔ تب عرض کیا کہ حضور یہ لوگ اگر اپنے قدموں کی طرف دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے اور پہنچ جائیں گے ہماری طرف۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے ان دو کے متعلق کے ثالثھما اللہ کہ تیسرا ان کا اللہ ہے۔ ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ۔ (سورۃ التوبہ) تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تیسرے انکے ساتھ اللہ تبارک وتعالی یعنی محافظ اللہ ہے۔ ان کے متعلق کیا خیال ہے کہ یہ لوگ پکڑ سکتے ہیں ہمیں، جب تک اللہ تعالی حفاظت کرنے والے ہیں کوئی کچھ بگاڑنے والا نہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ران پر سر مبارک رکھ کر لٹا دیا، اور اپنا پیر اس سوراخ میں لگا لیا جو بند کرنے سے رہ گیا تھا۔

جو چیز میرے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا کہ لوگ تلاش کر رہے ہیں، ڈھوندتے ڈھونڈتے یہاں بھی آجائیں گے اور سانپ کے کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے۔ اس کے کاٹنے سے میں بھی مر جاؤں گا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ جائیں گے۔ افسوس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی رفیق موجود نہیں جو باہر نکل سکتے، مدینہ طیبہ پہنچ سکتے۔ یہ خیال غالب آیا۔ اس خیال کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو نکل گئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ جائیں گے، خدا جانے دشمن کیا معاملہ کریں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مگر میں نے کسی کتاب میں دیکھا نہیں۔ غرض اس وجہ سے آنکھوں سے آنسوں نکلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور ایک روایت ازالۃ الخفاء (ص: ۹۲/ ۲) میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام کے حواریین میں سے ایک شخص نے کہا حضرت عیسی علیہ السلام سے

کہ میں نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔آپ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ سے کہ مجھے زیارت نصیب ہو جائے،تو انہوں نے دعا کی وہاں سے جواب ملا کہ اس حالت اور اس ہیئت میں زیارت نہیں کر سکتے ،اگر تم چاہو تو تم کو سانپ بنا دیا جائے اور وہاں غار میں ٹھہر جاؤ۔حضور اقدس ﷺ جب ہجرت کیلئے جائیں گے تو اس غار میں ٹھہرتے ہوئے جائیں گے،وہاں سے تم زیارت کر لینا۔ اس نے منظور کر لیا تھا، چنانچہ سانپ بنا دیا گیا اور وہ آ کر اسی غار میں اسی سوراخ میں بیٹھ گیا۔کئی سو برس گزر چکے وہاں بیٹھے بیٹھے۔اب جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کو منہ نکالتے ہوئے دیکھ کر پاؤں اڑا لیا اور حضور اقدس ﷺ وہاں موجود تھے۔اس نے سوچا کہ اتنی صدیوں سے میں یہاں بیٹھا ہوں۔اب زیارت کا وقت آیا تو یہ پیر اڑا رہے ہیں۔ہٹا پیر یہاں سے میں آرہا ہوں۔باقی بس روایت ایسی ہی ہے۔کوئی پختہ معتبر نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَا۔ (بخاری شریف:۳)

غار حرا میں حضور اقدس ﷺ خلوت نشینی اختیار فرماتے تھے وہاں عبادت کرتے تھے،کئی کئی راتیں گزر جاتی تھیں اور اس ٹھہرنے کے لئے غارِ حرا میں تزود کرتے تھے یعنی ناشتہ لے آتے تھے پھر لوٹتے تھے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس اور پھر اسی جیسا ناشتہ لے لیتے اور غار میں تشریف لے آتے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس حق آگیا (وحی آنا شروع ہوگئی)۔

حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ۔ (بخاری شریف:۳)

یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یا خود حضرت نبی اکرم ﷺ سے سن کر نقل کی ہے،غالب گمان یہی ہے یہاں تک کہ حق آگیا آپ کے پاس اس حال میں کہ آپ غار میں تھے یعنی جس وحی کے انتظار میں تھے اور پوری یکسوئی حاصل ہوگئی ادھر اُدھر کی آوازیں اور صورتیں سب نظروں سے دل سے دماغ سے غائب ہوگئی صرف حق تعالیٰ کی طرف ہی خالص توجہ ہوگئی تو جس وقت کلی طور پر اس وقت آپ کے پاس وحی آئی، کیسے آئی؟

....

اُمی ہونے کی وجہ اور آنحضرت ﷺ کے علوم

فَجَاءَهُ الْمَلَكُ۔ فرشتہ آیا آپ کے پاس، اس نے کہا پڑھئے۔ کیا پڑھئے۔ بعض حضرات کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشم کا کپڑا، ریشم کا رومال آپ کو دیا کہ اس کو پڑھئے۔ اس ریشم پر لکھا ہوا تھا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ۔ تو اسی ریشم کے رومال کو دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مَا أَنَا بِقَارِئٍ۔ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ حضور اقدس ﷺ امی تھے، امی کے معنیٰ اُم والا، ماں والا۔ ماں والے تو سبھی ہوتے ہیں بغیر ماں کے کون ہوتا ہے۔ پھر کیا مطلب ہے اسکا۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے بچّہ ماں کی گود میں رہ کر پڑھنے کیلئے کسی مدرسے اور مکتب میں نہیں گیا صرف ماں کی گود میں ہے وہ کچھ پڑھنا نہیں جانتا۔ تو حضور اقدس ﷺ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا۔ یہ مطلب نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس علم نہیں تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو اتنا علم عطا فرمایا کہ تمام انبیاء، تمام ملائکہ، تمام جن و بشر کا علم ایک طرف اور حضور اقدس ﷺ کے علم کو دوسری طرف رکھئے تو وہ مثال ہے جو ایک قطرے اور ایک بڑے سمندر میں ہوتی ہے۔ سب کا علم ملا کر ایک قطرے کے برابر اور حضور اقدس ﷺ کا علم ایک سمندر کے برابر، جو علوم شان نبوت کے لائق آپ کو عطا کئے گئے تھے کل علوم کو شامل تھے، مگر یہ علوم حضور اقدس ﷺ نے اس دنیا میں کسی سے حاصل نہیں کئے۔ اس دنیا میں جو شخص کسی سے کوئی علم حاصل کرتا ہے وہ اس کا استاذ ہوتا ہے اور استاذ کی فضیلت ہوتی ہے شاگرد پر اور حضور اکرم ﷺ دنیا میں کسی سے علم حاصل کرتے تو جس سے حاصل کرتے وہ استاذ ہوتا اس کو فضیلت ہوتی، حالانکہ نبی اپنے زمانے کے تمام انسانوں سے افضل ہوتا ہے۔

غلام احمد قادیانی پر اعتراض

اسی واسطے غلام احمد قادیانی پر اعتراض بڑا زبردست ہے کہ جب وہ نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو

اس نے دنیا کا علم پڑھا ہے۔ نبی کو تو اللہ تعالیٰ پڑھاتے ہیں فرشتے کے ذریعہ سے علم بھیجتے ہیں۔ کسی انسان سے نبی دنیا میں نہیں پڑھا کرتا۔ غلام احمد قادیانی نے دنیا کا علم پڑھا ہے۔ اس واسطے کہ شاگرد کو فضیلت نہیں ہوتی، استاذ کو فضیلت ہوتی ہے۔ جس سے غلام احمد قادیانی نے پڑھا ہے وہ افضل اور قادیانی مفضول ہے۔ پھر وہ نبی کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب انکے پاس نہیں ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کہا گیا ہے:

ہے لقب اُمّی ولیکن جس طرف بھی دیکھئے
ان سے روشن عقل و دل دین وسیاست، علم وفن
آئینہ بن کر ملے تھے جب حراء میں جبرائیل
آشکارا ہو گیا تھا سرِّ علم من لدن

ابتدائی وحی

قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پکڑ کے دبالیا جیسے معانقہ کیا جاتا ہے، زور سے دبالیا یہاں تک کہ انتہاء کو پہنچ گئی جہد۔ گویا کہ ایسا دبایا کہ میں بے قابو ہو گیا۔ سنبھلنے کی طاقت نہ رہی۔ پھر مجھے چھوڑا پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ پڑھ۔ میں نے کہا میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ دوبارہ انھوں نے اسی طرح سے دبایا۔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ الثَّالِثَةَ۔ تیسری مرتبہ پھر اسی طرح سے پکڑ کر دبایا اور چھوڑا اور چھوڑنے کے بعد یہ کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ پڑھو اپنے پروردگار کا نام لیکر، جس نے سب کچھ پیدا کیا، اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھو اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی، انسان کو اس بات کی تعلیم دی جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔ (آسان ترجمہ) سب سے پہلے سورۃ اقراء کی یہ آیتیں غارِ حرا میں نازل ہوئیں۔

فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ حضور اقدس ﷺ ان آیات کو

لے کر لوٹے۔ آپ کا قلب کانپتا تھا خوف کی وجہ سے قلب بے قابو ہو رہا تھا۔ حرکت زیادہ بڑھ گئی قلب کی۔ غیر متوازن ہو گیا۔ وحی قول ثقیل ہے۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلاً ثَقِیْلاً ۔ [ہم تم پر ایک بھاری کلام نازل کرنے والے ہیں۔] قلب کے اوپر جو وحی نازل ہوئی اس کا بوجھ اتنا تھا کہ اس کو برداشت کرنا دشوار ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کانپتے ہوئے وہاں سے گئے۔

خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی تسلی

فَدَخَلَ خَدِیْجَةَ بِنْتَ خُوَیْلِدٍ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے پاس جا کر داخل ہوئے اور فرمایا مجھے لحاف اڑھا دو۔ دو مرتبہ فرمایا پس گھر والوں نے لحاف اڑھا دیا۔

حَتّٰی ذَهَبَ مِنْهُ الرَّوْعُ۔ اسکی وجہ سے جو طبیعت میں ایک خوف اور رعب طاری تھا وہ جاتا رہا۔ دل قابو میں آگیا۔ پس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنایا اور پوری خبر سنادی کہ اس طرح سے غارِ حرا میں پیش آیا۔ وہاں ایسی صورت کا ایک آدمی آیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اِقْرَأْ میں نے کہا مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ مجھے پکڑ کر زور سے دبایا تو میں بے قابو ہو گیا تو تین مرتبہ اسی طرح سے ہوا پھر کہا: اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ یہ سب واقعہ سنا دیا۔

لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ۔ مجھے تو اپنے اوپر ڈر ہو گیا۔ ڈر ہوا کیسا کہ ایک دفعہ اور اسی طرح اگر دبائے تو میں ختم ہو جاؤں گا۔ انتقال ہو جائے گا میرا۔

فَقَالَتْ خَدِیْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، کتنا اطمینان بخش جواب دیا۔ کتنا سمجھ کا جواب دیا۔ بہلانے والا اور مطمئن کرنے والا جواب دیا۔ کیا جواب دیا۔ بالکل نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ اسباب بتلائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ

اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ۔ آپ کے اندر یہ صفات عالیہ اور اوصاف مکرمہ موجود ہیں، اسلئے

حق تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ضرور آپ کی حفاظت واعانت فرمائے گا۔ آپ کے اندر وہ صفات کیا کیا ہیں؟ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، رشتہ داروں کے ساتھ، احسان اور سلوک کا معاملہ کرتے ہیں اور بے سہاروں کی امداد کرتے ہیں، جو مسافر کہیں جارہا ہے اس کے پاس کچھ نہیں ہے ناشتہ توشہ دیدیا اور پڑوس میں کوئی عورت بیوہ ہے اس کی خبر گیری کی، اس کے بیوی بچے اور ان کے نفقہ کا انتظام کیا۔ یہ آپ کرتے ہیں۔

وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ ۔ اور معدوم کیلئے کسب کرتے ہیں۔جس شخص کے پاس کچھ نہیں ہے اس کو آپ عنایت فرمادیتے ہیں۔ایک شخص کے ذمہ قرض ہے وہ آپ سے آکر کہتا ہے کہ میرے پاس قرض کی ادائیگی کیلئے کچھ نہیں ہے آپ اسکو عنایت فرمادیتے ہیں۔جس سے وہ قرض ادا کردیتا ہے۔ایک شخص آکر کہتا ہے کہ میرے پاس بیوی بچوں کے کھانے کو کچھ نہیں آپ اسکو کھانے کا انتظام فرمادیتے ہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں جو مہمان بیچارے ایسے ہیں جن کی کوئی جان پہچان نہیں، ادھر کو گذرنے والے گذر رہے ہیں آپ کو پتہ چل جائے تو آپ ان کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ ۔ اور نوائب حق پر آپ اعانت کرتے ہیں۔جس شخص پر کوئی بار آگیا ہے حق کے تحت آپ اس کی اعانت کرتے ہیں۔کسی نے کسی کو قتل کردیا ہے اس کی دیت لازم ہوگئی، اس کے پاس دیت دینے کو نہیں ہے، اس کی امداد کرتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل کی تسلی

فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيْجَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی طرف سے اس طرح سے اطمینان دلایا، سکون کی باتیں کیں، ڈھارس بندھائی دل کو اتنی تقویت پہونچائی کہ آپ ایسے ایسے اوصاف عالیہ رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔وہ ایک ایسے آدمی تھے جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی

بن گئے تھے چونکہ عرب کے جو قریش تھے انکے پاس تو کوئی علمی کتاب نہیں تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی تھی وہ محرف ہو چکی تھی۔ صحیح نسخہ موجود نہیں تھا، صحیح پڑھنے والے، صحیح بتانے والے موجود نہیں تھے۔ لہٰذا وہ لوگ اہل جاہلیت کہلاتے تھے جن کے پاس کوئی کتاب نہ ہو وہ ہیں جاہلیت والے اور ورقہ کا حال یہ تھا کہ جاہلیت تو تھی انکے پاس لیکن یہ نصرانی بن گئے تھے۔ تو وہ لوگ نصرانیوں کو اپنے سے افضل سمجھتے تھے، چونکہ ان کے پاس کتاب موجود تھی کہ وہ جاہل نہیں۔

وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ۔ اور وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ وہ لکھتے تھے انجیل سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہیں۔ اس انجیل کا خلاصہ کچھ اوراق میں جمع کر رکھے تھے، ان میں جو اچھی باتیں، نصیحت کی باتیں تھیں، ان کو لکھتے تھے۔

وَكَانَ شَيْخاً كَبِيْرًا قَدْ عَمِيَ۔ اور وہ بہت بوڑھے تھے، نابینا ہو گئے تھے، عمر زیادہ ہو چکی تھی ان کی، ان سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا اے چچا کے بیٹے اپنے ابن اخ! بھتیجے سے سنو یہ کیا کہتے ہیں۔ پس ورقہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا بتاؤ جو کچھ تم نے دیکھا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ ورقہ کو سنایا۔

فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوْسٰى۔ (بخاری شریف: ۳)

پس ورقہ نے کہا یہ تو وہ ناموس ہے جس کو اللہ نے نازل کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر۔ کاش میں اس وقت جوان قوی ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب تم کو تمہاری قوم نکالے گی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور نصرت کے لئے تمنا کر رہے ہیں کہ جس وقت قوم آپ کو نکالے گی، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا تو میں آپ کی مدد کرتا، اعانت کرتا، اور جس وقت قوم سے آپ کا مقابلہ ہوگا تو میں آپ کی مدد کرتا، اعانت کرتا۔ اور جس وقت قوم سے آپ کا مقابلہ ہوگا اس وقت میں قوی اور مضبوط ہوتا تو میں آ کر آپ کی حمایت اور ہمدردی کرتا۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا یہ لوگ مجھے نکالیں گے۔ ورقہ نے کہا ہاں ضرور نکالیں گے، کیونکہ جیسی چیز

آپ لے کر آئے ہیں ایسی چیز جو بھی نبی لے کر آیا ہے اسکی عداوت کی گئی ہے۔ اللہ کے فضل سے وحی آپ پر نازل ہوئی آپ اپنی قوم کے سامنے پیش کریں گے اور لوگ ضرور عداوت کریں گے، پہلے بھی ایسا ہوا ہے۔ جس کے پاس وحی آئی قوم نے اس کی عداوت کی، مقابلہ کیا، مخالفتیں کیں اور ان حضرات کے قصے آپ حضرات پڑھ ہی رہے ہیں۔ جانتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیسی مخالفتیں ہوئیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کتنی مخالفتیں ہوئیں۔

وَاِنْ یُّدْرِکْنِیْ یَوْمُكَ اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُّؤَزَّرًا۔

اگر پالیا مجھ کو تمہارے دن نے پس تمہاری مضبوط مدد کروں گا۔

جس دن قوم سے مقابلہ ہوگا، قوم آپ کو نکالے گی، آپ کی بات نہیں مانے گی، مخالفت کرے گی، اس وقت اگر میں زندہ ہوا تو میں آپ کی خوب پختہ مدد کروں گا۔ چنانچہ قوم نے مخالفت کی، بائیکاٹ کیا، سلام، کلام، کھانا پینا بند کر دیا، گھر سے نکلنا بند ہو گیا، مسجد میں آ کر جماعت سے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے، جو شخص ایمان لاتا اس کو ستایا جاتا، یہ سب کچھ ہوا۔

ثُمَّ لَمْ یَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّیَ۔ پھر زیادہ وقت نہیں ملا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی سست پڑ گئی یعنی وحی آنی بند ہو گئی۔ ایک مرتبہ آئی تھی پھر آنی بند ہو گئی۔

دوسری وحی

فَقَالَ فِیْ حَدِیْثِهٖ اَنَا اَمْشِیْ۔ اس بات کو بیان کرتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں جا رہا تھا آسمان سے مجھے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی جو فرشتہ غار حراء میں میرے پاس وحی لے کر آیا تھا اور اس نے مجھے دبویا، دبوچا تھا میں نے دیکھا وہی فرشتہ آسمان و زمین کے درمیان ہے۔

جَالِسٌ عَلٰی کُرْسِیٍّ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ پس مجھ پر رعب طاری ہو گیا۔ پس میں لوٹا۔ لوٹ کر میں نے کہا مجھے لحاف

اڑھادو۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ [اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو اور لوگوں کو خبر دار کرو اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور گندگی سے کنارہ کرلو۔] (آسان ترجمہ:۲۹)

یہ دوسری وحی ہے۔ اس کے بعد مسلسل وحی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

تَابَعَه عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسَفَ وَأَبُوْ صَالِحٍ۔ متابعت کی ہے اس حدیث کی عبد اللہ بن یوسف نے۔ ابو صالح نے اور متابعت کی ہے اس کی ہلال بن ادّاد نے زہری سے اور کہا یونس ابن معمر نے بوادرہ یعنی اس حدیث میں جو آیا ہے یر جف فوادہٗ بجائے فوادہٗ کے بوادرہٗ ہے ان کی روایت میں، بوادر کیا، دونوں کندھے۔

وحی کی دو قسمیں

وحی دو قسم کی کہلاتی ہے۔ ایک وحی جلی، ایک وحی خفی۔ وحی جلی میں الفاظ بھی حق تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اور وحی خفی میں الفاظ حضور اقدس ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل نہیں ہوتے بلکہ معانی و مفاہیم نازل ہوتے ہیں، ان کو حضور اقدس ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے تو وہ وحی خفی ہے۔ امت کے حوالے دونوں علوم کئے گئے وحی جلی بھی، وحی خفی بھی۔ تاکہ امت ان کی حفاظت کرے۔

وحی کی حفاظت

چنانچہ امت نے حفاظت کی کس کس طرح سے حفاظت کی، بہت ہی انہماک کے ساتھ۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جب دین کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ کیا تو فرمایا: أَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ میں نے تو تبلیغ کردی، جو لوگ موجود ہیں وہ غائبین تک پہونچائے۔ اس کا اہتمام کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کہ غائبین تک اس دین کو پہونچایا جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا درس حدیث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہفتہ میں ایک روز مسجد نبوی کے منبر پر ہاتھ رکھ کر احادیث سنایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے سَمِعۡتُ صَاحِبَ هٰذَا الۡقَبۡرِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوۡلُ كَذَا۔ پھر داہنے ہاتھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کرتے تھے۔اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا اس طرح سے فرمایا۔بہت سی احادیث انھوں نے جمع کر رکھی تھیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا درس حدیث

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مکان پر ہفتہ میں ایک روز حدیث بیان کیا کرتے تھے۔کسی کو مسجد نبوی میں متعین کیا گیا وہ وہاں قرآن پاک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔وہاں سے انھوں نے خط لکھا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہاں بھیج دیجئے۔انکے علم کی ضرورت ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے شخص ہیں کہ ان کے علم کا میں خود محتاج ہوں، میں ان کو اپنے سے جدا نہیں کرنا چاہتا لیکن تم کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہوئے بھیج رہا ہوں۔چنانچہ بھیجا۔ڈیڑھ ہزار شاگردوں کے مجمع کو لے کر حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے ہیں۔فتح القدیر شرح ہدایہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

فوجیوں کو کلام پاک حفظ کرانے سے متعلق فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حکم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خط لکھا کوفہ کے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کہ جو لوگ فوج میں جہاد کرنے والے ہیں ان کو قرآن پاک حفظ کرائیے اور جتنے لوگ فارغ

ہوں یاد کر کے سال کے ختم پر ان کے نام کی فہرست میرے پاس بھیجئے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور فہرست بھیجی دوسو آدمیوں کی کہ دوسو فوجیوں نے اس سال میں قرآن پاک حفظ کیا ہے۔ مصر کے گورنر کو خط لکھا کہ فوجیوں کو قرآن شریف حفظ کرائیے اور فہرست میرے پاس بھیج دیجئے، تو انھوں نے دس ہزار کی فہرست بھیجی۔

الحاصل قران پاک کے الفاظ کی بھی حفاظت کی ہے، معانی کی بھی حفاظت کی ہے، احادیث کے الفاظ کی بھی حفاظت کی ہے کہ تیئیس ۲۳ سال کی مدت میں حضرت نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا کوئی لفظ ضائع نہ ہو جائے، بلکہ اس کو محفوظ کر لیا جائے۔ بہت ہی اہتمام کیا ہے ان حضرات نے اور اہتمام سے لکھا بھی ہے، اور پڑھنے کا بھی اہتمام کیا ہے اور پڑھانے کا بھی اہتمام کیا۔ برابر سلسلہ جاری رہا، ایک ایک لفظ کی حفاظت کی۔

حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا ایک حدیث کیلئے سفر دمشق

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث مدینہ طیبہ میں سنی، ان سے پوچھا کہ یہ حدیث آپ نے حضور اقدس ﷺ سے خود سنی ہے۔ انھوں نے کہا میں نے عبد اللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے سنی ہے۔ میں نے دوسرے سے سنی اور ان سے پوچھا، انھوں نے بھی عبد اللہ بن بُسر کا نام لیا۔ آخر کار انھوں نے اونٹ خریدا اور ایک مہینے کی مسافت طے کر کے مدینہ طیبہ سے ملک شام دمشق گئے ہیں جہاں عبد اللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ ان کا مکان تلاش کر کے جا کر دروازے پر دستک دی۔ ان کا خادم آیا کہ پوچھا کون ہے؟ کہا جابر بن عبد اللہ۔ خادم نے جا کر اطلاع دی۔ پوچھا جابر بن عبد اللہ مدنی، کہا ہاں۔ وہ فوراً دوڑے ہوئے آئے، ملاقات کی، معانقہ کیا۔ کہا کیا بات ہوئی؟ کیسے آنا ہوا؟ کہا لوگ یہ حدیث بیان کرتے ہیں، کوئی یہ نہیں کہتا کہ اس نے حضور اقدس ﷺ سے خود سنی، سب آپ کا نام لیتے ہیں۔ کیا آپ نے حضور اقدس ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے؟ کہا ہاں۔ میں نے سنی ہے۔ بس ان سے وہ حدیث سنی، اس واسطے آیا تا کہ سند

میں واسطہ درمیان کا ایک اور زائد نہ رہے بلکہ براہ راست انھوں نے حضور اقدس ﷺ سے سنی ہے۔ انھوں نے روکا کہا کہ ٹھہر جاؤ، کہنے لگے ٹھہرتا نہیں۔ مسجد نبویؐ کی جو جماعت ہے وہ میں نے اس حدیث کے واسطے چھوڑی۔ بہت روکنا چاہا لیکن نہیں رکے۔ اسی وقت واپس ہو گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا ایک حدیث کیلئے بصرہ کا سفر

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بصرہ گئے، وہاں جا کر ایک صاحب کے مکان پر آواز دی۔ وہ اپنے مکان کی چھت پر تھے۔ انھوں نے اوپر سے پوچھا کون ہے؟ کہا؛ ابوایوب انصاری۔ پوچھا کیسے آنا ہوا؟ کہا فلاں وقت حضور اقدس ﷺ نے ایک حدیث بیان فرمائی تھی اس وقت وہاں پر صرف ہم دونوں تھے۔ اس کے لفظوں میں مجھے شبہ ہو گیا کہ اس طرح فرمایا تھا اس طرح فرمایا تھا۔ اس شبہ کو زائل کرنے کے لئے آیا ہوں کہ کس طرح سے فرمایا تھا۔ انھوں نے بتادیا کہ اس طرح فرمایا تھا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ سے بھی نہیں اترے اور اسی طرح سے واپس ہو گئے۔

حضرات محدثین رحمہم اللہ کا حفاظت حدیث کا اہتمام

اتنا اہتمام کیا ان حضرات نے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی کیا حضرات تابعین رحمہم اللہ نے بھی کیا۔ اس وقت احادیث لکھنے کا دستور نہیں تھا۔ صرف زبان سے بیان کیا کرتے تھے اور ذہن میں محفوظ کر لیتے تھے۔ اس کے بعد لکھنے کا دستور شروع ہوا اور لکھ کر احادیث کو جمع کیا گیا۔ بعض محدثین نے تو احادیث کو کیف ما اتفق سب کو جمع کر دیا چاہے کسی باب کی ہو، کسی فصل کی ہو۔ روایتوں پر کلام نہیں کیا۔ راویوں پر بھی جرح و قدح نہیں کی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ جو احادیث پھیلی ہوئی ہیں وہ سب کی سب لوگوں کے سامنے آجائیں۔ ان کا بھی ایک احسان ہے ہم پر۔ بعض حضرات نے اہتمام کیا ہے کہ ان کے باب باب مقرر لئے، کتاب کتاب مقرر کی۔

مقرر کر کے پھر ان کو لکھا۔ ان کا اور زیادہ احسان ہے تاکہ جس کتاب، جس باب کی حدیث ہو اس کو تلاش کرنا آسان ہو جائے۔ بعض حضرات نے احادیث سے جو مسائل استنباط کئے جاتے ہیں ان میں ائمہ کے جو اختلافات تھے ان کو بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ فلاں فلاں امام کے پاس یہ حدیثیں موجود تھیں اور ان حدیثوں میں فلاں اختلاف ہے، کسی نے کون سا مسئلہ کس طرح استنباط کیا۔ بعض حضرات نے روایتوں پر کلام کیا ہے۔ چنانچہ یہ ساری چیزیں آپ حضرات صحاحِ ستہ میں پڑھ رہے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا صحت حدیث کا اہتمام اور بخاری شریف کی اوّل آخر دونوں حدیثیں غریب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحت کا زیادہ اہتمام کیا ہے۔ ان کی یہ شرط ہے کہ ہر منزل میں کم سے کم دو راوی ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جو صحابی نقل کر رہے ہیں وہ کم سے کم دو ہوں۔ ان صحابی سے جس نے نقل کیا ہے وہ کم سے کم دو ہوں۔ ان سے جس نے نقل کیا ہے وہ کم سے کم دو ہوں۔ جہاں ایک راوی رہ جائے گا وہ ان کی شرط کے خلاف ہے۔ اس حدیث کو یہ غریب کہتے ہیں۔ مگر تقدیر الٰہی کہ بخاری کی سب سے پہلی حدیث غریب ہے اور سب سے آخر کی حدیث بھی غریب ہے وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط کے موافق نہیں شرط کے خلاف ہے وہ بخاری شریف میں نہیں آنی چاہئے تھی لیکن اس کی مکافات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح سے کی کہ سب سے پہلی حدیث کے متعلق کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنا منبر پر۔ علی المنبر کا لفظ لائے اس واسطے کہ اس سے استدلال کر سکیں کہ ایک بڑی جماعت کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ معلوم ہوا کہ سب سنے ہوئے تھے صرف دو پر اکتفا نہیں کیا بلکہ سب کے سنے ہوئے تھے، اس طریقے پر مکافات کرتے ہیں۔

....

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے براہ راست شاگرد ہیں، لیکن ساری بخاری شریف میں صرف ایک حدیث حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے انھوں نے وہ بھی نازل ہوکر ایک راوی کے واسطہ سے، بلا واسطہ راوی کے انھوں نے نقل نہیں کی، پوچھتے رہے کہ کیوں نقل نہیں کی۔ جو شاگرد ہیں لقاء بھی ہے خدمت میں حاضری بھی ہے مگر روایت نقل نہیں کی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم یہ جو سمجھے کہ جو نا قابل اعتماد تھی روایت ان کی، اسی لئے تو نقل نہیں کی۔ ایسا نہیں ہے، کوئی بات ہے، کچھ مصلحت ہے جس کی وجہ سے نقل نہیں کررہے ہیں۔ اگر کسی راوی سے، کسی امام سے نقل نہ کریں تو اس سے یہ استدلال کرنا غلط ہے کہ ان امام کو اس راوی کو حدیث نہیں آتی تھی، حدیث نہیں پہونچی ان کے پاس۔ یہ استدلال کرنا غلط ہے، بلکہ کسی مصلحت کی بناء پر ایسا کیا ہے۔ فقط

درس مشکوٰۃ شریف

اس بیان میں

☆……حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ نے مشکوۃ شریف کتاب اللباس سے متعلق درس دیا۔احادیث مبارکہ کا ترجمہ اور عام فہم تشریح فرمائی۔

☆……حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ نے حدیث مسلسل بالاولیت کو بیان فرمایا۔نیز اپنی سند حدیث بھی بیان فرمائی ہے۔

……………………………………………………

درس مشکوٰۃ شریف

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّلْبِسَھَا الْحِبَرَۃَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔

(بخاری شریف:۵۸۱۳، مسلم شریف: ۲۰۷۹)

فن حدیث کی کچھ خصوصیات ہیں جو دوسرے علوم وفنون میں نہیں انھیں میں سے ایک خصوصیت ہے سند کی ایک خصوصیت ہے تسلسل کی۔

حدیث مسلسل بالاوّلیت

ایک حدیث محدثین کے یہاں مسلسل بالاوّلیت کہلاتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کہ میں نے سب سے پہلے اپنے استاد سے وہ حدیث سنی انھوں نے سب سے پہلے اپنے استاد سے وہ حدیث سنی، انھوں نے سب سے پہلے اپنے استاد سے وہ حدیث سنی، تسلسل اوپر تک چلا گیا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ حدیث آپ حضرات کے سامنے پڑھ دوں تاکہ آپ حضرات کا بھی تسلسل باقی رہے آپ کہہ سکیں کہ محمود سے ہم نے سب سے پہلے وہ حدیث سنی سبق میں بیٹھ کے وہ حدیث ابو داود رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُھُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِرْحَمُوْ

امَنۡ فِي الۡاَرۡضِ يَرۡحَمۡكُمۡ مَنۡ فِي السَّمَاءِ ۔ (ابوداؤد شریف:۴۹۴۱)

[رحم کرنے والے بندوں پر رحمن تبارک وتعالیٰ رحم فرماتا ہے ۔تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا ۔]

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

یہ حدیث مسلسل بالاوّلیت ہے آپ کا تسلسل باقی ہے ۔

سند

ایک چیز سند کی ہے بغیر سند کے محدثین کے یہاں کوئی چیز قابل قبول نہیں اور فنون میں تو جو چاہے کہدو کوئی ضروری نہیں ۔سند کے تین ٹکڑے ہیں ایک ٹکڑا یہاں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک دوسرا ٹکڑا شاہ ولی اللہ صاحب سے مصنف کتاب تک، تیسرا ٹکڑا مصنف کتاب سے حضور اکرم ﷺ تک ؛ جو یہاں سے شاہ ولی اللہ صاحب تک کا ٹکڑا سند کا ہے وہ میں عرض کئے دیتا ہوں ۔

سند حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ

میں نے بخاری وترمذی پڑھی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ سے اور انھوں نے اپنی تمام مرویات کی اجازت مرحمت فرمائی ۔ پڑھی تو ہیں ان سے دو کتابیں بخاری وترمذی اجازت انھوں نے سب کی دی ہے ۔یہ بھی الحمد اللہ اس طرح پڑھی کہ کوئی سبق ناغہ نہ ہوا ہر سبق میں شروع سے اخیر تک حاضر رہا ۔

ان کو اجازت حاصل ہے حضرت مولانا محمود صاحب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ۔

ان کو اجازت حاصل ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ۔

ان کو اجازت حاصل ہے حضرت شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔
ان کو اجازت حاصل ہے حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے۔
اور ان کو اجازت حاصل ہے شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔
ان کو اجازت حاصل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔
یہ سند ہے یہاں سے وہاں تک۔

سند کی اہمیت

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان ھذا العلم لدین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔ یہ علم ایک دین ہے دیکھو کس شخص سے تم دین کو حاصل کر رہے ہو، اس واسطے سند کا بہت لحاظ رکھتے تھے محدثین۔ نیز محدثین کہتے ہیں کہ اگر سند نہ ہوتی جو شخص جو بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چاہتا منسوب کر دیتا لیکن سند نے بات کو نکھار کے صاف کر کے رکھ دیا۔ کوئی شخص اگر کہتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں شخص سے بیان کیا فلاں شخص نے فلاں شخص سے بیان کیا تو جو محدث ہے وہ بتلا دیگا کہ جو استاد ہے جو شاگرد ہے، آیا استاذ شاگرد کا زمانہ ایک ہے، ایسا تو نہیں درمیان میں دو صدی کا فاصلہ ہو پھر یہ ان کا شاگرد کیسے ہو سکتا ہے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ ہر چیز کو صاف کر کے رکھ دیا۔ ایک شخص نے کہا میں نے اتنی سو حدیثیں گھڑ گھڑ کے لوگوں میں پھیلا دیں تم کیا کر سکتے ہو تو دوسرے محدث نے جواب دیا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل کو نہیں دیکھا تمہارے جھوٹ کے تار پود بکھیر کے پھینک دیں گے، ایک ایک جھوٹ کو واضح کر دیں گے کہ یہ جھوٹ ہے یہ کذب ہے۔ یہ غلط ہے یہ غلط ہے، چنانچہ ان حضرات نے کیا ایسا۔ اس واسطے ضرورت پیش آتی ہے سند کی۔ تو سند کا ایک ٹکڑا وہ یہاں سے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک ہو گیا دوسرا ٹکڑا شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مصنف کتاب تک وہ مؤطا امام مالک کے شروع میں ترمذی شریف کے شروع میں نسائی شریف

کے شروع میں چھپا ہوا موجود ہے، تیسرا ٹکڑا مصنف کتاب سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک وہ جن کتابوں میں سند بیان کی جاتی ہے ان تمام کتابوں میں موجود ہے۔ بخاری شریف میں جو حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے لی جس سند سے ہر حدیث کے ساتھ سند مذکور ہے ایسے ہی ترمذی شریف میں مسلم شریف میں، نسائی شریف میں، ابن ماجہ شریف میں، مؤطا میں سب میں ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر و باطن کی تعمیر کے لئے تشریف لائے احکام ظاہرہ بھی بیان فرمائے احکام باطنہ بھی بیان فرمائے یعنی ایک انسان کا ظاہر ہے جس کو خلق کہتے ہیں ایک انسان کا باطن ہے جس کو خلق کہتے ہیں تو خَلق و خُلق دونوں کی تکمیل کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کچھ احکام ایسے ہیں کہ جو انسان کے اعضاء و جوارح خارجہ سے تعلق رکھتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو قلب سے متعلق ہیں قلب سے متعلق جو ہیں ان کو اخلاق کہتے ہیں جیسے کبر ہے، حسد ہے، ریا ہے، طمع ہے، ان سے تحفظ۔ تواضع ہے، انکسار ہے، ایثار ہے، سخاوت ہے، سماحت ہے ان چیزوں کا اختیار کرنا؛

"وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ" (سورۃ الانعام: ۱۲۰)

[اور تم ظاہری و باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو۔] (آسان ترجمہ) ظاہری گناہ کو بھی چھوڑنے کا حکم ہے، باطنی گناہ کو بھی چھوڑنے کا حکم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک لباس

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس لباس کو اختیار فرمایا اس کی بھی تشریح محدثین نے کردی، کیسا لباس کس طرح سے اختیار فرمایا۔ عامۃً لباس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدھا سادہ ہوتا

تھا تکلفات نہیں تھے، کثرت سے ہوتا کہ ایک لنگی باندھ لی ایک چادر اوڑھ لی کثرت سے تو یہ ہوتا تھا اسی وجہ سے آپ نے متعدد احادیث میں پڑھا ہوگا "رَفَعَ یَدَیْهِ حَتّٰی یری بیاض اِبْطَیْهِ" حضور اقدس ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے دعاء کے لئے اور آپ کی بغل کی سفیدی بھی نظر آنے لگی، کرتہ میں نظر نہیں آتی وہ۔ وہ چادر میں نظر آتی ہے۔ باقی کرتہ حضور اقدس ﷺ کو پسند تھا۔

پائجامہ

پائجامہ بھی حضور اقدس ﷺ نے دیکھا تو اس کو پسند فرمایا۔ خریدا بھی کہ ہاں اس میں پردہ پوشی زیادہ ہے عمامہ بھی آپ کو پسند تھا۔ زیادہ تر عمامہ استعمال فرماتے۔ ٹوپی بھی پسند تھی۔ ٹوپی پر عمامہ ہوتا کچھ تھوڑا سا حصہ کتاب اللباس کا یہاں بیان کریں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں جو حضور اقدس ﷺ کے خادم ہیں۔ جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا تھا کہ حضور اقدس ﷺ یہ آپ کے خادم ہیں۔ خدمت کیا کریں گے۔ آپ کے پاس رہا کریں گے تو دس سال کی ان کی عمر تھی تو انھوں نے خدمت کی تقریباً دس برس خدمت کی حضور اقدس ﷺ کی۔

مال واولاد میں برکت کی دعاء

ان کی والدہ نے درخواست کی تھی کہ انس کے لئے دعا کیجئے ماں کو محبت ہوتی ہے اپنے بیٹے سے اس کے لئے دعا کرایا ہی کرتی ہے۔ دعا کے لئے کہا حضور اقدس ﷺ نے

ان کے مال میں برکت اور اولاد میں برکت کی دعاء فرمائی تھی تو اللہ نے ان کو اولاد بھی بہت دی، مال بھی بہت دیا مال کا ان کے یہ حال تھا کہ ہر ایک کے باغ میں سال بھر میں ایک مرتبہ پھل آتا تھا ان کا باغ تھا اس میں دو مرتبہ پھل آتا تھا ایک درخت اس میں ایسا تھا جس میں ایک ہی دفعہ پھل آتا تھا معلوم ہوا کہ کسی اور کے ہاتھ کا بویا ہوا ہے۔ انھوں نے اس کو اکھاڑ کر اپنے ہاتھ سے بو دیا تو اس پہ بھی دو مرتبہ پھل آنے لگا۔ اولاد کا یہ حال ہے کہ جب حجاج بن یوسف کا تسلط ہوا ہے اقتدار ہوا ہے کہتے ہیں اس وقت تک ایک سو بیس بچے اپنے براہ راست میں نے اپنے ہاتھ سے دفن کئے اتنی اولاد ہوئی زندہ کتنے باقی بچے اولاد ان میں سے کتوں کی ہوئی کہاں تک چلی اس کی کچھ تفصیل نہیں معلوم اور جس وقت انھوں نے کہا اس کے بعد کتنے ہوئے اس کا بھی حال معلوم نہیں۔ بعض سیرت کی کتابوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ طواف کرتے تھے بیت اللہ کا تو ان کے بیٹے پوتے، نواسے ایک مجمع بھر کر سارا مطاف بھر جاتا تھا بیت اللہ کے گرداگرد اس طرح سے طواف کرتے تھے۔

یمنی چادر پسند تھی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"كَانَ اَحَبُّ الثِّيَابِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَلْبِسَهَا الْحِبَرَةَ"

(مشکوۃ: ۳۷۳، ح: ۴۳۰۴)

آپ کو پسند تھی یمنی چادر۔ یمنی چادر حبرۃ کہلاتی تھی اس میں ایک قسم کا رنگ ہوتا تھا۔ اس کی بناوٹ میں دوسری قسم اسکے ساتھ مخلوط ہوتی ہے سرخ رنگ ہے سیاہ اس میں دھاریاں ہیں یا اس کا عکس ہے وہ چادریں حبرہ کہلاتی ہیں۔ وہ حضور اکرم ﷺ کو پسند تھی سفید خالص چادر ہو تو جلدی میلی ہو جائے خاص کر گرم علاقہ میں جبکہ پسینہ زیادہ آتا ہے اور ایسے علاقہ میں جو ریگستان ہو گرد و غبار اڑتا رہتا ہے جلدی میلا ہو جائے تو جو رنگین ہو وہ میل کو کم قبول کرتا ہے۔

....

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ

"وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُوْمِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ" (متفق علیہ) (مشکوۃ شریف: ۳۷۳، ح: ۴۳۰۵)

یہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں وہ جن کی روایت سب سے پہلے آئی ہے قدوری میں "لما روی المغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی سباطة قوم فبال وتوضأ ومسح علی ناصیته وخفیه" (مشکوۃ شریف: ۴۳، ح: ۴۶۴)

یہ ہیں بڑے بہادر اور بڑے مدبر اور بڑے قوی حافظہ کے تھے بڑے نڈر تھے حوصلہ سے بات کرنے والے تھے دشمنوں کے یہاں گئے ہیں اور ان کے یہاں کسی سے مرعوب نہیں ہوئے تنہا گئے ہیں ان کے یہاں تو۔

رومی جبہ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا ہے جبہ رومیہ۔ یہ ضروری نہیں کہ اپنے دیش کے بنے ہوئے بُنے ہوئے کپڑے استعمال کرے آدمی جو غیر دیش کے بنے ہوئے ان کا بھی استعمال کرنا ثابت ہے۔ مدینہ طیبہ میں مکہ مکرمہ میں تو یہ کارخانے تھے نہیں، رومیہ تھا روم سے وہ آتے تھے۔ جُبے بنے بنائے سلے سلائے وہاں سے آتے تھے، بکتے تھے، یہ حضرات خریدتے تھے استعمال فرماتے تھے۔ ضیقة الکمین۔ جیسے کہ جبہ بڑا سا ہوتا ہے، کھلا ہوا ضروری نہیں کہ اس کی آستینیں بھی اتنی چوڑی چوڑی ہوں آستینیں معمولی جیسے کرتے کی جو ضیق الکمین ہے یہ بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنا ہے تو وہ جو عامةً لباس تھا وہ تو تھا ہی اس کے بعد پھر یہ تھا کہ جیسا کچھ اللہ تعالیٰ نے جس وقت عطا فرما دیا اور جو میسر آ گیا حق تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر اس کو اختیار فرمالیا۔ (متفق علیہ) دونوں حدیثیں متفق علیہ ہیں۔

……………………………………

متفق علیہ حدیث

متفق علیہ وہ حدیثیں کہلاتی ہیں جن پر بخاری ومسلم کا اتفاق ہو صحیحین کا اتفاق ہو کہ انھوں نے بھی اس کو بیان کیا، انھوں نے بھی اس کو بیان کیا اوّل تو کچھ کتابیں ہیں۔ صحاح ستہ کہلاتی ہیں ان صحاح میں سے بھی مطلقاً صحیح بخاری کو کہتے ہیں۔ صحیحین بخاری و مسلم کو کہتے ہیں۔ جس حدیث کی تخریج پر دونوں کا اتفاق ہو جائے وہ اپنی سند کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی شمار کی جاتی ہے۔

جن دو کپڑوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی

"وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ اَخْرَجَتْ اِلَیْنَا عَائِشَۃُ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا کِسَاءً مُلَبَّدًا وَاِزَارًا غَلِیْظًا فَقَالَتْ قُبِضَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ ھٰذَیْنِ۔" (متفق علیہ، مشکوۃ شریف: ۳۷۳، ح: ۴۳۰۶)

حضرت ابو دردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دکھلایا نکالا کسائے ملبد کو اور ازار غلیظ کو کسائی۔ کملیہ چدریہ، ملبد پیوند لگی ہوئی اور ازار، لنگی غلیظ موٹی کھدر کی، وہ نرم نرم نازک نازک لباس پہننے کے عادی نہیں تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم موٹا کپڑا پہنتے تھے تو دکھلایا اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو قبض کیا گیا ہے ان دونوں میں یعنی جس وقت آپ کا آخری وقت تھا اس وقت میں یہ ازار تھی آپکے بدن مبارک پر اور یہ کساء تھی یہ بھی متفق علیہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر مبارک

"وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الَّذِیْ

يَنَامُ عَلَيْهِ ادما حَشْوُهُ لِيفٌ" (متفق علیہ، مشکوۃ شریف: ۳۷۳، ح: ۴۳۰۷)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فراش فراش کا ترجمہ کرلو بستر جس پر آرام فرماتے تھے بستر کیا تھا۔ الذی ینام علیہ جس پر سویا کرتے تھے یہ چمڑے کا تھا اس کا بھراؤ لیف تھا کھجور کی چھال اسکے اندر بھر دی گئی تھی جس کی وجہ سے وہ نرم ہوگیا۔ لیٹنے میں سہولت رہتی تھی وہ بستر تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ مبارک

"وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ وِسَادَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ يَتَّكِئُ عَلَيْهِ مِنْ اُدُمٍ حَشْوُهُ لِيفٌ" (رواہ مسلم، مشکوۃ شریف: ۳۷۳، ح: ۴۳۰۸)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ جس پر ٹیک لگاتے تھے وہ بھی چمڑے کا تھا بھراؤ جس کا کھجور کی چھال تھی۔

سر پر رومال استعمال کرنا

"وَعَنْهَا قَالَتْ فَبَيْنَا نَحْنُ يَوْمًا جُلُوْسٌ فِيْ بَيْتِنَا فِيْ حَرِّ الظَّهِيْرَةِ قَالَ قَائِلٌ لِاَبِيْ بکر هٰذَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا متقنعا۔ (رواہ البخاری، مشکوۃ شریف: ۳۷۳، ح: ۴۳۰۹)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں ہم اپنے گھر میں بیٹھے تھے جو ظہیرہ میں دوپہر کی گرمی میں عرب کے لوگ دوپہر کی گرمی سے بہت بچا کرتے تھے۔ پہلے زمانہ میں سخت ترین گرمی میں نکلتے نہیں تھے گھر سے باہر۔ آپ کے یہاں کے اعتبار سے جب دس بجے یہاں تک کہ چلت پھرت ساری بند ہو جاتی ہے سڑکیں ساری خالی، باہر وہاں کوئی نکلنے والا نہیں، گرمی اتنی شدید ہوتی تھی کہ کوئی کبھی باہر نکلے تو گردن کے پٹھے اکڑ جاتے تھے گرمی سے، اور بخار آجاتا تھا اسی وجہ سے وہ لوگ رومال سر پر ڈالتے ہیں تاکہ گردن کے پٹھوں کی دھوپ

سے حفاظت ہو جائے اور اب تو دن ورات کا ان کے یہاں کوئی فرق رہا نہیں رات میں بھی اسی طرح چلت پھرت ہوتی ہے دن میں بھی دوپہر میں بھی بے تکا سلسلہ چل رہا ہے تو کہتے ہیں کہ گرمی سے بچنے کے لئے لو اور تپش سے حفاظت کے لئے ہم لوگ اپنے گھر میں تھے۔ کہا کہنے والے نے حضرت ابوبکر صدیق سے ہذا رسول اللہ، یہ حضور اقدس ﷺ تشریف لا رہے ہیں۔ مقبلا سامنے کو تشریف لا رہے ہیں۔ متقنعا قناع ڈالے ہوئے اور چہرے کو کپڑے سے ڈھانکے ہوئے گرمی کی شدت سے۔ تشریف لا رہے ہیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضور اقدس ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تھا۔ حضور اقدس ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ صبح شام دو مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لایا کرتے تھے۔ اس وقت دوپہر کے وقت سخت ترین گرمی میں اور چہرے پر قناع ڈالتے ہوئے تشریف لائے۔ کہنے والے نے کہا حضور اقدس ﷺ تشریف لا رہے ہیں اس مشورہ کے لئے آرہے تھے کہ مجھے اجازت ہوگئی ہے ہجرت کی، میں جارہا ہوں۔

گھر میں کتنے بستر ہوں؟

"وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ فِرَاشٌ لِلرَّجُلِ وَفِرَاشٌ لِاِمْرَأَتِهٖ وَالثَّالِثُ لِلضَّيْفِ وَالرَّابِعُ لِلشَّيْطَانِ۔" (رواہ مسلم، مشکوۃ شریف: ۳۷۳، ح: ۴۳۱۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا انھیں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک بستر تو خود آدمی کے لئے اور ایک بستر اس کی بیوی کے لئے دو ہوئے اور تیسرا بستر مہمان کے لئے اور اگر اس سے زیادہ کوئی اپنے گھر بستر رکھنا چاہے محض زیب وزینت کے واسطے اپنی شو کے واسطے کہ اتنے بستر میرے یہاں ہیں وہ شیطان کے لئے ہے یعنی ضرورت کے لئے رکھا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، اور عامۃً آدمی کو اپنے لئے

ضرورت ہوتی ہے بیوی کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔

۔۔۔۔۔کیوں صاحب: ان دونوں کیلئے الگ الگ بستر کی کیا ضرورت ہے؟ الگ الگ بھی ضرورت پیش آتی ہے بچہ پیدا ہوگیا ہے۔ایک جگہ سب کا لیٹنا مشکل ہے۔لہٰذا بیوی اپنے بچہ کو لے کر الگ لیٹ گئی شوہر اپنے بستر پر لیٹ گیا مہمان آیا ایک بستر مہمان کے لئے رکھدیا، اور چوتھا کاہے کے واسطے وہ شیطان کے واسطے شیطان لیٹے گا آکر کے یعنی بلا ضرورت زیادہ بستروں کی نمائش کیوجہ سے۔زیب وزینت کے لئے اپنی شان وشوکت کے لئے۔اس کی ممانعت آئی ہے اور اگر کسی کے یہاں زیادہ مہمان ہوں تو یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی بستر ہو جیسے مہمان آئینگے جتنے مہمان آئیں ان کے لئے اتنے ہی بستر رکھنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔

ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکانا

"وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْظُرُ اللهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلٰى مَنْ جَرَّ اِزَارَهٗ بَطَرًا"

(متفق علیہ، مشکوۃ شریف: ۳۷۳، ح:۴۳۱۱)

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالے نظر نہیں فرمائینگے قیامت کے دن اس شخص کی طرف جو اپنی ازار کو کھینچتا ہے اکڑ کیوجہ سے، پہلے یہ تھا کہ جو لوگ ذرا زیادہ رئیس کہلاتے تھے وہ اپنی ازار اتنی نیچی رکھتے تھے کہ گھسٹتی چلتی تھی۔آج کل بھی جیسے کہ پانچہ اتنا کر لیا لوگوں نے کہ گھسٹتا چلتا ہے زمین میں رگڑتا جاتا ہے اس طریقہ سے۔پاجامہ اور ازار دونوں ایک ہی حکم میں ہے تو اس کو منع فرمایا کہ جو شخص اکڑ اور اپنی بڑائی کی خاطر ایسا کرتا ہے یہ زبان سے نہیں کہتا لیکن اپنے لباس سے ظاہر کرتا ہے کہ میں بڑا آدمی ہوں تو اللہ تعالے اس پر نظر شفقت نہیں فرمائیں گے نظر رحمت نہیں فرمائیں گے قیامت میں۔تو جو شخص تکبر کی خاطر ایسا کرتا ہے ایک حدیث میں ہے؛ کہ

"مَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ فِي النَّار" (مشکوۃ شریف: ۳۷۳، ح: ۴۳۱۴)
ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ ہوگا ڈھانکا جائے گا پاجامہ سے لنگی سے دوزخ میں جلے گا ٹخنوں سے اوپر اوپر رہنا چاہیے اصالۃً تو اس میں تکبر ہے اور جو شخص تکبر نہیں کرتا ہے بغیر تکبر کے نیچے کرتا ہے وہ متشبہ بالمتکبرین ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے مستثنیٰ ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور میں تو اپنی ازارکو بہتیرے اونچا کرتا ہوں باقی یہ پیٹ ایسا رہے کہ بس اندر کو اترا ہوا ہے ٹھہرتی ہی نہیں پھر نیچے کو کھسک جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان میں سے نہیں ہو اپنی طرف سے کوشش کرتے ہیں بچاؤ کی اور پھر کھسک کھسک گیا تو اور چیز ہے لیکن جہاں بچاؤ کی کوشش نہیں کرتے بلکہ قصداً اپنے رکھتے ہیں وہ اس میں داخل ہیں جو تکبر کرتا ہے وہ تکبر کی وجہ سے اور جو تکبر نہیں کرتا وہ تشبہ بالمتکبر کیوجہ سے۔

مگر افسوس کہ اب تو یہ وباعام ہو رہی ہے اور اہل علم بھی کثرت سے اس میں اور داڑھی کتروانے میں مبتلا ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَه وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَه فَاِلَى اللهِ الْمُشْتَكىٰ۔

❑❑❑

علم کا مقام

اس بیان میں

☆......ایک مدرسہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر یہ بیان ہوا۔

☆......علم کی فضیلت واہمیت۔

☆......مدرسہ کی ضرورت وفوائد۔

☆......بعض سورتوں کے فضائل۔

علم کا مقام

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (سورۃ الزمر:۹)

[آپ کہئے کہ کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں۔] (بیان القرآن)

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ فرما دیجئے کیا برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور بے علم۔ جن کو اللہ نے علم عطا فرمایا ہے اور جو بے علم ہیں وہ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے۔

عالم اور جاہل کا فرق

جیسا کہ دنیاوی حالات کے اعتبار سے ایک شخص بہت بڑا مالدار ہے اور دوسرا بہت غریب ہے، کیا وہ دونوں برابر ہیں؟ مالدار کے ذریعے سے کتنے غرباء کی امداد ہوتی ہے، کتنے یتیموں کی امداد ہوتی ہے، کتنے مدارس اور مساجد کی امداد ہوتی ہے۔ غریب بے چارہ کیا امداد کرسکتا ہے۔ اس کے پاس تو خود کچھ ہے نہیں۔ ایک صاحبِ حیثیت عہدہ دار آدمی اور ایک معمولی آدمی کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک بادشاہ اور ایک رعیت کا ہلکا آدمی کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں اسی طرح ایک علم والا اور بے علم برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک شخص علم والا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بڑی دولت والا ہے بڑی دولت

ہے اس کے پاس، جس کے ذریعہ سے وہ دوسروں پر خیرات کرتا ہے، مدد کرتا ہے، کسی کو کپڑے بنا کر دیئے، کسی کو کھانے کے لئے غلہ دے دیا، کسی کو مکان بنا دیا۔ اسی طرح سے ایک شخص علم والا ہے، کسی کو قرآن کریم پڑھاتا ہے، کسی کو حدیث شریف پڑھاتا ہے، کسی کو فقہ پڑھاتا ہے، کسی کو راہ راست پر لگا دیتا ہے، غلطیوں اور معاصی سے روکتا ہے۔ اور ایک شخص ہے کہ کچھ بھی نہیں جانتا، نہ اس کے پاس قرآن ہے، نہ حدیث ہے نہ تفسیر ہے، نہ فقہ ہے، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہو سکتے۔ بڑا فرق ہے دونوں میں۔ آدمی روشنی میں چلتا ہے اور دیکھتا جاتا ہے کہ کوئی گڈھا تو نہیں ہے۔ کوئی پتھر تو نہیں ہے، کوئی لکڑی، سانپ، کتا تو نہیں ہے جس سے تکلیف ہو جائے، کوئی نجس چیز تو نہیں ہے جس سے پیر خراب ہو جائے، پورے طور سے دیکھ بھال کر چلتا ہے۔ اور ایک شخص ایسا ہے کہ وہ کہیں اندھیرے میں جا رہا ہے، کوئی روشنی اس کے پاس نہیں، اس کا پیر ہو سکتا ہے کہ آگ پر آ جائے، ہو سکتا ہے کہ کتے پر آ جائے اور وہ کاٹ لے۔ ہو سکتا ہے کہ غلیظ پر آ جائے اور غلیظ اس کے بدن پر، کپڑوں پر لگ جائے، یا لکڑی آ جائے ٹکر لگ جائے، تو جو شخص اجنبی راستہ پر چلتا ہے، راستہ دیکھا بھالا نہیں چلتے وقت میں اور اندھیرا ہے، روشنی نہیں، اس شخص کا کیا حال ہوتا ہے اور ایک وہ شخص ہے جو روشنی لے کر چلتا ہے، لالٹین ہاتھ میں لے کر چلتا ہے، چراغ کی روشنی اس کے سامنے ہے، بلب اس کے سامنے روشن ہے، اس روشنی میں وہ سامنے چلتا ہے۔ تو دونوں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے۔

مدرسہ کا قیام اور اس کا فائدہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے اس مقام پر مدرسہ قائم کیا۔ یہ تو روشنی آ گئی، اس روشنی کے ذریعہ سے ہر شخص حلال وحرام کو سمجھ سکتا ہے، اللہ کی خوشی اور ناخوشی پرکھ سکتا ہے۔ دنیا وعقبیٰ کے درمیان فرق کو پہچان سکتا ہے، اس روشنی کے ذریعہ روشنی حاصل کرنا سب کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا حضرات! لازم ہے کہ خود بڑے بڑے لوگ بھی روشنی حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی

روشنی حاصل کرنے کے لئے ترغیب دیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج روشن کر دیا۔ مدرسہ کیا قائم کر دیا۔ سورج روشن ہو گیا۔ اس کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت کی جا سکتی ہے، اس کی روشنی میں مسائل سے واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے، آدمی رکوع کرنا سیکھے، نماز پڑھنا سجدہ کرنا سیکھے، یہ جانے کہ نماز میں کیا کیا چیز فرض ہے، واجب ہے، کیا سنت ہے، کیا مستحب ہے، کس چیز سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کس چیز سے مکروہ ہو جاتی ہے، کس چیز سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؟ یہ ساری چیزیں مدرسہ میں سکھائی جاتی ہیں۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے تئیس (۲۳) سال میں نازل فرمایا وہ قرآن پڑھایا جاتا ہے، ایک ایک حرف بتایا جاتا ہے، اس کا مخرج کیا ہے، حضور اکرم ﷺ نے کس طرح سے قرآن پڑھا ہے اور لوگوں کو پڑھایا ہے، بتلایا ہے، سنایا ہے، یہ چیزیں کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی مبارک زندگی کس طرح سے گذاری ہے۔ دن میں کیا کرتے تھے، رات کو کیا کرتے تھے، اپنے سے کیا معاملہ تھا، غیروں سے کس طرح کا معاملہ تھا؟ نماز کس طرح پڑھتے، روزہ کس طرح رکھتے، حج کس طرح سے کرتے، جہاد کس طرح سے کرتے؟ یہ ساری چیزیں یہاں اس مدرسہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ اگر یہ روشنی نہ ہو تو کوئی چیز بھی سامنے نہیں۔ دنیا کا رہنے والا انسان اور جنگل کا رہنے والا جانور بے علم ہونے کی حیثیت سے دونوں برابر ہیں۔ حلال وحرام کی تمیز نہیں، نہ جانور کو ہے، نہ اس انسان کو جس نے نہ قرآن پڑھا نہ علم حاصل کیا ہو، نہ علماء کی صحبت اختیار کی۔ اس کی اور جانور کی زندگی میں کیا فرق ہے؟ جانور کے سامنے کھانا اور سونا ہے، اولاد پیدا کرنا ہے اور اس آدمی کے سامنے بھی یہی ہے کہ کھایا پیا اور اولاد پیدا کر دی۔ اس کے سامنے وہ چیز نہیں جس سے وہ اپنے خدا کو پہچان سکے اور رسول اللہ ﷺ کو پہچان سکے۔ ان کے متعلق کچھ بتا سکے۔ اگر اس سے کوئی پوچھے کہ بتاؤ تمہارے رسول کیسے تھے؟ غزوہ احد میں حضور اقدس ﷺ کا کیا معاملہ ہوا؟ بدر میں کیا ہوا؟ کتنے صحابہؓ تھے، کتنے شہید ہوئے تو وہ کچھ نہیں بتا سکتا۔ ہاں اگر علم کی روشنی ہو گی تو علم کی روشنی میں سب کچھ بتا سکتا ہے۔ اگر علم کی روشنی نہ ہو تو نہیں بتا سکتا۔ کہ کون سا جانور حلال ہے اور کونسا حرام ہے۔ نہیں جانتا ہے وہ کس طرح

سے زندگی گذارنی چاہئے، بڑوں کا حق کیا ہے؟ چھوٹے کا کیا حق ہے، باپ کا حق کتنا ہے، اولاد کا حق کتنا ہے؟ شوہر اور بیوی کے حقوق کیا ہیں؟ کچھ نہیں جانتا۔ اگر علم کی روشنی سامنے نہ ہو اس واسطے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان اور فضل و کرم ہے کہ اس بستی میں مدرسہ قائم ہوا۔ اللہ نے اہل علم کو یہاں بھیجا۔ ان حضرات نے یہاں محنت کی اور محنت کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں اور حوصلوں کو بلند فرمائے اور ان کی کوششوں سے اخلاص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ روشنی دور تک پہونچائے، ان کو کامیاب فرمائے۔ اپنی خوشی عطا فرمائے۔ جو لوگ یہاں کے اور یہاں کے آس پاس کے ہیں وہ آئیں اور آ کر علم حاصل کریں، روشنی حاصل کریں تا کہ اللہ کی بارگاہ میں قرب حاصل ہو۔ تا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کے طریقے سامنے آئیں، تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون سی چیز سنت ہے اور کونسی چیز بدعت ہے، یہ سب برکات مدرسہ کی ہیں۔

سب سے پہلا مدرسہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور جنت میں کوئی چیز اس وقت تک فرض نہیں کی گئی تھی، سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے گویا کہ ایک مدرسہ قائم کیا کہ آدم علیہ السلام اس کے طالب علم تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے استاد تھے۔ "وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا" (سورۃ البقرۃ:۳۱) اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم دی اور ملائکہ کے ساتھ امتحان ہوا۔ مقابلہ کا امتحان ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کامیاب فرمایا۔

دوسرا مدرسہ مسجد نبوی

لہٰذا یہ مدرسہ قائم کرنا ایسی چیز ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے وہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی

جماعت تھی جو ہر وقت مسجد میں قیام کرتی تھی، ان کے لئے ایک چبوترہ بنادیا تھا وہ اسی پر رہتے تھے، وہی ان کا دارالاقامہ تھا، وہی دارالتدریس تھا، سب کچھ وہی تھی، وہیں آیا کرتے تھے، اور ان کے کھانے کا انتظام کیا تھا کہ انصار کے یہاں باغ تھے تو باغ کے کھجوروں کے گچھے توڑ کر لاتے اور مسجد میں لٹکا لیتے، کسی نے ایک کھجور کھالی، کسی نے دو کھالی، جیسی جس کو رغبت ہوئی۔ بس یہی کھانے کا انتظام تھا۔ وہ حضرات ایسے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ بعد میں پیدا ہونے والے قیامت تک خواہ اپنی جگہ کتنے ہی بلند رتبے کے ہوں، لیکن ان حضرات کے رتبے تک وہ نہیں پہنچ سکتے۔

"اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"

ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تشریف لائے۔ ایک طرف کو دیکھا کہ کچھ لوگ نفلیں پڑھ رہے ہیں، تسبیح پڑھ رہے ہیں، دعا کر رہے ہیں۔ دوسری طرف دیکھا کہ کچھ لوگ بیٹھے مسئلہ مسائل کی بات کر رہے ہیں، کچھ پوچھ رہے ہیں، کچھ بتا رہے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں ہی جماعتیں خیر پر ہیں یہ بھی خیر پر ہیں وہ بھی خیر پر ہیں۔ یہ لوگ دعائیں مانگ رہے ہیں، اللہ پاک کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ اللہ پاک جو کچھ ان کو عطا فرمائیں گے وہ ان کا کرم ہے اور یہ لوگ علم میں لگے ہوئے ہیں، پڑھ رہے ہیں، پڑھا رہے ہیں، جہالت کو دور کر رہے ہیں اور فرمایا کہ "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" (مشکوۃ شریف: ۳۶، ح: ۳۵۶) میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت میں بیٹھ گئے، جو مسئلہ مسائل کی باتیں کر رہے تھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بازار

میں جا کر پکارنے لگے اور آواز دی۔ اے لوگو! تم لوگ یہاں خرید وفروخت میں لگے ہوئے ہو، مسجد نبوی ﷺ میں حضور اقدس ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ لوگ دوڑے ہوئے آئے دیکھا وہاں تو کہیں بھی میراث تقسیم نہیں ہو رہی ہے، بلکہ کچھ لوگ بیٹھے مسئلہ مسائل دین کی باتیں کر رہے ہیں۔ پوچھا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہاں حضور اقدس ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ فرمایا بھئی تو ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے روپیہ پیسہ تھوڑا ہی چھوڑا۔ انھوں نے علم چھوڑا۔ (مشکوۃ: ۳۴، ح: ۲۱۲)

اس علم کو جتنے لوگ حاصل کریں گے یہی حضور اقدس ﷺ کی میراث ہے۔ یہ علم میراث انبیاء علیہم السلام ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی میراث ہے۔ اس کو حاصل کرنے والے حضور اقدس ﷺ کے مہمان ہیں۔ گویا کہ اللہ نے حضور اقدس ﷺ کے مہمانوں کے واسطے انتظام فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی میراث یعنی حضور اقدس ﷺ کے علوم ان کو عطا ہوں گے۔ مسلمان بہت شاندار حیثیت کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خلوص دے۔ اگر وہ مسلمان ہوں وہی حیثیت ان کے اندر ہو جس کا آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن پاک میں ایک اعلان کیا گیا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (سورۃ التوبۃ: ۲۳)

اور اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندہ خاص پر تو اچھا پھر بنا لاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلّہ ہو اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ ہیں اگر تم سچے ہو (بیان القرآن)

قرآن پاک کی نصیحت

قرآن پاک یہ اللہ کی کتاب ہے اگر تم کو اس میں کوئی شک ہو تو اس جیسی سورت کو

بنالاؤ۔ساری دنیا مل کر ایک سورت نہیں بنا سکتی تو دیکھا کہ قرآن پاک کا یہ اعلان چودہ سو سال سے پہلے تھا، آج بھی یہ اعلان موجود ہے۔ہمارا ایک حافظ کھڑا ہو کر کہہ سکتا ہے کہ اس جیسی قرآن پاک کی سورت کوئی نہیں لا سکتا۔یہ فخر مسلمانوں کو حاصل ہے کہ اللہ نے یہ کتاب اس کے پیغمبر ﷺ پر نازل فرمائی۔اس کتاب کو وہ پڑھتا ہے، حفظ کرتا ہے، نماز میں پڑھتا ہے، خارج میں پڑھتا ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے جہاں کوئی شخص قرآن شریف کو پڑھتا ہے ملائکہ گھومتے رہتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جس جگہ قرآن کو پڑھا جائے دوسرے ملائکہ کو اشارے سے آواز دیتے ہیں۔بلاتے ہیں میاں آجاؤ۔ہماری جگہ یہاں ہے۔

ملائکہ تلاوت نہیں کر سکتے

یہ قرآن ایسی دولت ہے کہ ملائکہ کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ جب دل چاہے پڑھ لیں۔ جن ملائکہ کو وحی لانے پر مقرر کیا گیا تھا ان کے لئے وہ بات تھی کہ وحی لا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا کر چلے گئے لیکن جب ان کا دل چاہے جبھی قرآن شریف پڑھ لے یہ بات ان کو حاصل نہیں۔یہ بات صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ جب اس کا جی چاہے قرآن شریف کی تلاوت کرلے۔یہ قرآن پاک کی تلاوت ایسی دولت ہے کہ ملائکہ اس سے محروم ہیں۔یہ شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔حضور اقدس ﷺ کی امت کو حاصل ہے۔قرآن پاک ایسی دولت ایسی برکت کی چیز۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک حرف قرآن شریف کا پڑھتا ہے اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔

"قل هو الله احد الخ" کی فضیلت

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ قل هو الله احد پڑھتا ہے تو اس کو ایک تہائی قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

الحمد شریف کی فضیلت

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ الحمد شریف پڑھتا ہے اس کو دو تہائی قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے۔

یٰسین شریف کی فضیلت

ایک حدیث میں آتا ہے جو شخص ایک مرتبہ سوری یٰسین شریف کو پڑھتا ہے اس کو دس قرآن کا ثواب ملتا ہے۔ اتنی بڑی نعمت، اتنی بڑی دولت مسلمانوں کے لئے ہے۔

قرآن پاک کے علاوہ کوئی آسمانی کتاب محفوظ نہیں

یہی وجہ ہے کہ پچھلی امتوں کے لئے جو کتابیں اتری تھیں وہ کتابیں ختم ہوگئیں نہ آج تورات اپنی اصلی حالت پر موجود ہے، نہ انجیل موجود ہے، نہ زبور موجود، کوئی کتاب اپنی حالت پر نہیں، اس میں گڑبڑ ہوگئی۔ نہ ان میں کہیں کوئی حافظ موجود، نہ ان کی کوئی تعبیر وتشریح موجود۔ البتہ قرآن پاک آج موجود ہے جیسے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اسی طرح آج بھی موجود ہے۔ ایک ایک حرف محفوظ ہے۔ ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔ ایک ایک سورت محفوظ ہے، پڑھتے ہیں یاد رکھتے ہیں، پڑھاتے ہیں ایک دوسرے کو اور اپنی زندگیوں کو منور کرتے ہیں۔

حفاظ کے لئے مبارکباد

اس واسطے قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جنھوں نے قرآن پاک کو حفظ کیا۔ معلوم ہوا کہ یہاں بھی چند بچوں نے حفظ کیا اور چند بچیوں نے حفظ کیا۔ بچیاں بھی حفظ کریں تو ماشاء اللہ کیا

کہنے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے سینے کو قرآن کریم کے نور سے منور فرمائے، ان کی زبان کو بھی منور فرمائے، ان کو بھی توفیق دے پڑھنے کی، پڑھانے، سننے کی سنانے کی، مردوں کو بھی توفیق عطا فرمائے۔

شکر ادا کرنا واجب ہے

اس لئے حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے اور شکر ادا کرنے کی صورت یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس مدرسے کی خدمت کی جائے، بچے زیادہ سے زیادہ داخل کئے جائیں پڑھنے کیلئے اور ان کو تنبیہ کی جائے کہ جب وہ یہاں سے پڑھ کر اپنے گھر، مکان پر جاویں تو ماں باپ ان سے سنا کریں، پوچھ لیں کہ کیا پڑھ کر آئے۔ کتنا سبق لیا، کل کتنا پڑھا تھا۔ تاکہ بچے پر اثر ہو اور ماں باپ بھی اس سے متاثر ہوں اور جن کے اولاد موجود نہیں وہ دوسرے اپنے عزیزوں کی اولاد کو داخل کرانے کی کوشش کریں۔ اگر ایسی بھی صورت نہ ہو تو جہاں تک ہو سکے دعائے خیر کرلیا کریں، دوسروں کو نصیحت کریں، دوسرے کو ترغیب دیں۔

بڑی عمر میں حفظ کرنا

اور دیکھو بڑی عمر کے ہوجانے کی وجہ سے یوں نہیں سمجھنا چاہئے کہ اب ہماری عمر پڑھنے کی نہیں رہی۔ حضور اقدس ﷺ کی عمر مبارک چالیس برس کی تھی جب ان پر قرآن نازل ہونا شروع ہوا اور اکثر صحابہ کرام کی عمر بڑی بڑی تھی، تو اکثر صحابہ کرام نے بڑی عمر میں یاد کیا قرآن پاک۔ بڑی عمر میں پڑھا۔

سورۂ بقرہ کی خوشی میں اونٹ ذبح کیا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب سورۂ بقرہ حفظ کی۔ سورۂ بقرہ حفظ ہوئی ایک سورت،

تو خوشی میں انھوں نے ایک اونٹ ذبح کیا اور اس کا گوشت اپنے عزیزوں، غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کیا۔ اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سورت مجھے عطا فرمادی، آج آپ کے یہاں پورا قرآن موجود ہے۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ اس کی قدردانی کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کے لئے بڑی سعادت ہے

یاد رکھو مسلمان کیلئے بہت بڑی سعادت کی چیز ہے۔ مختصر یہی ہے کہ اس کے پاس علم نبوت موجود ہے۔ اگر اس کے پاس مال و دولت ہے سارا مال موجود ہو تو کوئی حیثیت نہیں اس کی۔ اگر باغ ہو کھیت ہو، مکان ہو کوئی حیثیت اس کی نہیں۔ مسلمان کیلئے تو جو حیثیت ہے وہ تو اللہ کے دین کی حیثیت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی حیثیت ہے اور اللہ نے خود قرآن پاک نازل فرمایا۔ اسکی حیثیت ہے۔ جس قدر یہ چیز بھی مسلمان کے پاس زیادہ ہوگی اسی قدر وہ سعادت منداور اونچے درجے کا مقبول ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

❑❑❑

دعوت وتبلیغ کی اہمیت

اس بیان میں

☆......جنوبی افریقہ میں ایک تبلیغی اجتماع میں یہ بیان ہوا۔
☆......دعوت وتبلیغ کی اہمیت۔
☆......امت کی ذمہ داری۔
☆......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیاں۔
☆......مرکز نظام الدین دہلی سے کام کی ابتداء۔
☆......کام کرنے والوں کو ہدایات۔

....

دعوت وتبلیغ کی اہمیت

بتاریخ ۲/ذو القعدہ ۱۴۱۲ھ بروز پیر بمقام خانقاہ محمودیہ،
ریٹ مینٹین، پامریج ٹرانسوال، ساؤتھ افریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ. نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ۔ (سورۂ آل عمران:۱۱۰)

[(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کیلئے وجود میں لائی گئی ہے، تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔] (آسان ترجمہ)

اللہ جلّ جلالہٗ عَمَّ نَوالہٗ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ ایک بہترین امت ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کو خطاب ہے۔ تم بہترین امت ہو۔ سب سے اعلیٰ درجہ کی امت ہو۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جو لوگوں کے لئے بنائی گئی۔ یہ امت تمام مخلوق کی ہدایت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنائی بھیجی۔ عادۃُ اللہ اس طرح جاری رہی ہے کہ جب کسی قوم پر حق تعالیٰ نے مہربانی فرمائی تو اس قوم کی ہدایت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی بھیجا۔ یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی مہربانی اور رحمت کی نشانی ہے کہ وہ اس قوم میں ہدایت کے لئے اپنے کسی پیغمبر کو، کسی نبی کو بھیجتے ہیں، مہربانی کی خاص نشانی یہی ہے کہ سب سے زیادہ مہربانی اس امت پر ہوتی ہے۔ اور اس امت کے لئے ایسی نبی کو بھیجا جو اخیر تک کے لئے کافی ہے، ساری نسلوں کے لئے اس کی ہدایت کافی ہے، اس کی نبوت کبھی پرانی نہیں ہوگی، اس کا لایا ہوا دین کبھی بوسیدہ نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کی ہدایت کافی ہوگی۔ اس کے بعد نبوت کا دروازہ بند کردیا گیا۔

اس امت کی ذمہ داری

یہاں غور کرنے کی ضرورت ہے کہ جب یہ امت سب سے زیادہ بہتر امت ہے، سب سے اعلیٰ درجہ کی امت ہے، اللہ کی مہربانیوں کی سب سے زیادہ مستحق ہے یہ امت۔ تو اس امت پر بہت ساری ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا نبیوں کی کثرت ہوتی مگر اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ مہربانی فرمائی اس امت پر۔ اور مہربانی کی نشانی دی یعنی نبیؐ کو بھیجا اور اس کا دروازہ بند کردیا۔ کیا بات ہے۔ بات یہی ہے کہ جو کام انبیاء علیہم السلام کرتے تھے وہ کام اب اس امت سے لینا ہے۔ نبیؐ ہونے بند ہوگئے۔ نبیؐ نے اپنا کام امت کے سپرد کردیا۔ امت کو تاکید کردی کہ تم اس کام کو انجام دیتے رہو قیامت تک۔ یہی مہربانی کی نشانی ہے۔ جس قدر حضرت نبی اکرم ﷺ کا کام زیادہ سے زیادہ دنیا میں پھیلے گا زیادہ سے زیادہ لوگ اپنے آپ کو وقف کردیں گے۔ اسی قدر اللہ کی رحمتیں زیادہ ہوں گی۔ اور

جس قدر اس کام میں کمی ہوگی اسی قدر حق تعالیٰ شانہ کی رحمتوں میں کمی ہوگی۔ اگر کام کی مخالفت ہوگی تو حق تعالیٰ شانہ کا غضب نازل ہوگا۔ یہ طریقہ اس امت کے لئے بہت صاف صاف اور سیدھا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیاں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین سیکھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین عطا فرمایا۔ قلوب کے اندر بٹھایا۔ جمایا۔ اعمال کرائے۔ تمام زندگی میں دین کو جاری کیا اور پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین خوب سمجھتے رہے، عقائد پختہ ہو گئے، اعمال درست ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتماد کیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بہت بڑی تعداد اللہ کے دین کے پھیلانے کی خاطر چلی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شاید آج کے بعد میں تمہارے ساتھ جمع نہ ہوسکوں۔ یعنی اتنا بڑا اجتماع پھر نہ ہو سکے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتظار میں تھے کہ اللہ کے پاس جانے کا وقت کب آتا ہے۔ آپ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت کب آتا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ آج کے بعد میں شاید تمہارے ساتھ جمع نہ ہوسکوں۔ ایسا اتفاق نہ ہو سکے۔ جب اللہ تعالیٰ تم سے پوچھیں گے کیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے احکام کی تبلیغ کی؟ تو کیا جواب دو گے۔ تم کیا جواب دو گے؟ کیا تبلیغ کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے؟ سب نے کہا جی ہاں! ہم سب کہیں گے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی۔ پچھلی امتوں کا حال قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ان کے سامنے پوچھا گیا تو سب نے کہا؛

مَا جَآءَنَا مِنۡ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ۔

ہمارے پاس نہ تو کوئی خوشخبری سنانے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا آیا۔ اس امت کے متعلق یہ ہے اس امت سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ لیا کہ ہم نے تبلیغ کی؟ تو سب نے

کہا ہاں کی۔آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ۔ (مشکوۃ شریف:۲۶۵۹)

اے اللہ! تو گواہ رہ۔اے اللہ تو گواہ رہ میں نے تبلیغ کردی ہے۔کوئی چیز دین کی چھپائی نہیں جو بھی چیز مجھ پر نازل ہوئی وہ میں نے بتلادی۔کوئی چیز اپنی جانب سے بڑھائی نہیں کہ جو نازل نہ ہوئی وہ کہدی بلکہ پورا پورا ٹھیک ٹھیک نکھرا ہوا خالص دین جو آسمان سے نازل ہوا وہ میں نے پہونچا دیا۔احادیث میں اس کی تشریحات بڑی تفصیل سے کردی۔پھر حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

اَلَا فَلْیبلغ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ۔

خبر دار رہو جو حاضرین ہیں اب وہ غائبین کو پہونچاتے رہیں۔جن لوگوں نے براہِ راست دین کو مجھ سے سیکھ لیا ہے ان لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اس دین کو لیکر جائیں،جہاں تک پہونچا سکیں پہونچائیں۔آخیر میں نبی اکرم ﷺ نے یہ ذمہ داری اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ڈالی۔جب اس امت کو خیر امت کہا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے کام خیر ہی کے ہوں گے، اس کا مقصد خیر ہی ہوگا۔اس سے خیر ہی کی صورتیں حاصل ہوں گی تبھی تو اس کو خیر کہا گیا ہے۔وہ خیر کیا ہے؟ وہ خیر یہی ہے جس کو آگے فرمایا گیا:

"اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" [سورۃ آل عمران)

اللہ کی معروف چیزوں کا یہ امت حکم دے اور اللہ کی نافرمانیوں سے روکے۔یہ خیر کا کام ہے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کام ہے؟ کس چیز کا حکم کرتے ہیں؟ جو چیزیں اللہ کی مرضی کے مطابق ہیں ان کو پھیلائیں۔جو چیزیں اللہ کی مرضی کے خلاف ہیں ان سے روکیں۔یہی ہے دین کا کام۔یہی بات اس امت کے لئے تجویز کی گئی۔اور اس امت کے پاس وحی نہیں آتی نہ یہ رسول ہے،البتہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذمہ داری اس امت کے سپرد کی ہے کہ کام تمہارے ذمہ ہے۔تئیس سال کی مبارک زندگی میں اللہ کے احکام جس طرح

سے نازل ہوئے لوگوں کو بتایا، سکھایا، عمل کرایا اور ان کے دلوں کے اندر راسخ کر دیا۔ یہ امانت ہے۔ اس امانت کو جہاں تک ہو سکے پھیلاتے جاؤ۔ یہ کام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو سپرد فرمایا۔

اس امت کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست

پچھلی امت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے عرض کیا کہ اے اللہ تیری کتاب میں ایک امت کا ذکر ہے کہ اس پر جب مصیبت آئے گی تو اس پر صبر کریگی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ پڑھے گی۔ جب اس کو کوئی راحت پہونچے گی تو وہ شکر کرے گی، اللہ تعالیٰ کے انعامات کا احسان مانے گی۔ میری درخواست یہ ہے کہ وہ امت مجھے دیدی جائے۔ وہاں سے حکم ہوا کہ نہیں وہ امت نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے۔ مالِ غنیمت اس کے لئے حلال ہوگا۔ ایک ایک نیکی کرنے پر دس نیکیوں کا اسکو اجر ملے گا۔ اور بہت ساری صفات گنوائیں، ایسی ہوگی، ایسی ہوگی، ایسی ہوگی۔ میری درخواست ہے کہ وہ امت مجھے دیدی جائے۔ ہر بات کے جواب میں یہی ارشاد ہوا کہ یہ امت نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اے پاک پروردگار اگر وہ امت ہے مجھے نہیں دینی ہے تو مجھے ہی اس امت میں داخل کر دے۔ یہ امت ایسی ہے کہ پچھلے پیغمبروں نے یہ درخواست کی اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کو اس امت میں داخل کر دیجئے۔ امتی بنا دیجئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس واسطے اس امت کو قدر کرنے کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کا مقام کتنا بلند فرمایا۔ قدر کے معنیٰ بگڑنے کے نہیں ہیں، تکبر کرنے اور برائی کرنے کے نہیں ہیں، بلکہ حق تعالیٰ کے احسانات کو پہچاننے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے انعامات عطا فرمائے ہیں۔ ان انعامات کے بدلے میں کیا کچھ کرنا چاہئے۔

....

حضرت نبی کریم ﷺ کی شکرگذاری

روایات میں آتا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ رات میں اتنی لمبی لمبی نماز پڑھتے تھے کہ کھڑے کھڑے پیروں پر ورم آجاتا۔عرض کیا گیا کہ آپ اتنی مشقت کیوں برداشت کرتے ہیں، آپ تو بخشے بخشائے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں آپ کی کسی قسم کی بھی پکڑ نہیں ہے۔آپ کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْداً شَکُوْراً"

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنے انعامات فرمائے کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ جتنا اس کا انعام زیادہ ہوتا ہے اسی قدر شکر لازم ہوتا چلا جاتا ہے۔جتنی قدر پہچان لے آدمی اتنی ہی زیادہ محنت برداشت کرتا ہے اس کے احسانات کے سامنے کچھ جاتا ہے۔سمجھتا ہے کہ میری جان کی کوئی حیثیت نہیں، اعضاء کی کوئی حیثیت نہیں، میرے حال کی کوئی حیثیت نہیں، میری عزت کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے احسانات کے سامنے وہ سب چیزیں اس پر قربان ہیں۔اس لئے حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے "اَلَا فَلْیُبَلِّغُ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ" جو لوگ حاضر ہیں جنھوں نے مجھ سے براہ راست دین سیکھا ہے اب وہ اس کو غائبین تک پہونچائیں۔تو روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑی جماعت اسی وقت وہاں سے نکل گئی اور وہاں سے نکل کر عالم میں گئی۔اور جو صحابی جتنی دور تک پہونچ سکے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں سفر کی وہ سہولتیں نہیں تھیں جو آج کل ہیں۔موٹر کار وغیرہ۔وہ حضرات پیدل چلتے تھے، گھوڑے پر چلتے تھے، اونٹ پر چلتے تھے۔یہ عامۃً ان کے اسباب سفر تھے۔ ذرائع تھے مسافت طے کرنے کے۔اسی حالت میں وہ گئے اور ایسے ایسے مقامات طے کئے جن میں ہفتوں لگ جاتے تھے پانی پر۔جگہ جگہ ہوٹل کھلے ہوئے نہیں تھے، جگہ کی فراغت نہیں

تھی بلکہ بڑی پریشانیاں ہوتی تھیں۔ بہت سی پریشانیوں کو برداشت کیا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا شوق جہاد

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ایک لشکر جہاد کے لئے جارہا ہے۔ ان کی طبیعت خراب تھی، آثارِ موت ظاہر تھے، درخواست کی کہ مجھ کو ساتھ لے چلو اور راستہ میں انتقال ہو جائے تو جہاں مجاہدین کی آخری منزل ہو ان کے قدموں کے نیچے مجھ کو دفن کر دینا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، راستہ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اوران کے ساتھی لشکر والے ان کو اوران کے سامان کو ساتھ لئے جارہے تھے جنازہ بھی لئے جارہے تھے۔ حتیٰ کہ ترکستان میں پہونچ کر قسطنطنیہ کے قلعہ کے نیچے ان کو جا کے دفن کیا۔ اپنے وطن اور ملک سے جس قدر دور چلے دین حق کی خاطر اسی قدر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بنے۔ ابھی موجود ہے ان کی قبر۔ جس وقت جنگ ہوئی ہے۔ غازی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی دشمنی میں عیسائیوں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر پر غلاظت ڈالی۔ اس کی اطلاع دی گئی سلطان صلاح الدین ایوبی کو۔ انھوں نے کہلا بھیجا۔ یادرکھو جتنے گرجا گھر موجود ہیں سب کو غلاظت سے بھردوں گا۔ کیا حال تھا وہاں۔ دین کی خاطر مرنے کے بعد بھی یہ پسند نہیں کیا کہ وہیں دفن ہو جائیں۔ بلکہ اخیر تک لے جایا جائے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے جنازہ کی برکت سے مسافت کو بہت جلد طے کرادی۔ لڑائی میں فتح ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جنازہ کی برکت سے فتح کرایا قسطنطنیہ۔ اور معلوم ہوتا ہے ماضی کی کتابوں میں دیکھنے سے جو حضرات وہاں سے نکلے تھے دین کے لئے۔ ایک چلہ تین چلے کے لئے نہیں نکلے زندگی بھر کے لئے نکلے۔ لوٹنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اپنے مکان نہیں لوٹ کر آئے۔ چلے گئے خدا کے راستے میں۔ کیونکہ ان کا مقصود یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین سکھلایا اس کو جہاں تک ہوسکے پہونچائیں، اپنی استطاعت کے مطابق پہونچائیں۔

سو آدمیوں کے قاتل کی توبہ

احادیث میں ایک شخص کا واقعہ آتا ہے پچھلی امتوں کا واقعہ ہے، بہت گنہگار تھا۔ ننیانوے لوگوں کا قاتل تھا، اپنے ایک مقتدیٰ کے پاس گیا۔ پوچھا کہ بھئی میں نے اتنے گناہ کئے ہیں کوئی شکل توبہ کی ان گناہوں سے۔ اس نے کہہ دیا تو تو جہنمی ہے۔ تیرے لئے توبہ کی کیا صورت۔ اس کو اٹھا کر لے گیا پکڑ کر جہاں بہت ساروں کو قتل کیا اس کو بھی قتل کر دیا۔ دوسرے کے پاس گیا، انھوں نے کہا فلاں بستی ایسی ہے کہ جہاں ایک بزرگ رہتے ہیں وہاں چلا جا۔ وہاں جانے سے تیری توبہ قبول ہو جائے گی۔ یہ چلا کچھ دور چلا تھا۔ راستے میں چلتے ہوئے موت آ گئی، گرا، گر کر انتقال ہو گیا لیکن گرنے کے بعد تھوڑا سا اور کھسک گیا اس لئے کہ جس طرف کو جاتا ہے۔ کارِ خیر کے لئے جا رہا ہے، توبہ کرنے کے لئے جا رہا ہے، گناہوں کو بخشوانے کے لئے جا رہا ہے۔ جتنا ایک قدم دو قدم ایک بالشت دو بالشت جتنا بھی ہو سکے آگے بڑھ جائے۔ اس کا تو انتقال ہو گیا۔ ملائکہ رحمت بھی آئے، ملائکہ عذاب بھی آئے، ملائکہ عذاب کہتے تھے کہ یہ گنہگار ہے، اتنے آدمیوں کا قاتل ہے، توبہ اس نے کی نہیں، لہٰذا یہ جہنمی ہے۔ ملائکہ رحمت کہتے تھے کہ ہاں گنہگار ہے، اتنے آدمیوں کا قاتل ہے لیکن توبہ کے لئے گیا تھا، گناہ بخشوانے کی نیت سے جا رہا تھا نیت اس کی صحیح تھی۔ معاملہ پیش ہوا دونوں گروہ کا خدا کے دربار میں۔ وہاں سے حکم ہوا کہ اچھی بات ہے پیمائش کر لو۔ جس بستی سے چلا ہے وہ بستی اس کی موت کے وقت نزدیک ہے، یا وہ جس بستی کی طرف جا رہا ہے اس سے قریب پہونچ چکا ہے۔ ابھی تو آدھی مسافت بھی طے نہیں کی تھی۔ اس لئے ناپا گیا۔ زمین تو صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم کیا ایک طرف کی زمین سکڑ گئی ایک طرف کی پھیل گئی۔ چنانچہ وہ آدھے سے زیادہ پہونچ چکا تھا۔ یعنی وہ بستی قریب ہو گئی جہاں جا رہا تھا توبہ کے لئے۔ ملائکہ رحمت لے گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں بندہ کے ارادہ کی، اس کی نیت کی اتنی قدر ہے کہ

کارِ خیر کے واسطے نیت کر کے آدمی چلتا ہے، اللہ تبارک تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔تو جس کام کے واسطے نیت کر کے آدمی چلتا ہے اللہ تبارک تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے تو جس کام کے واسطے اس امت کو پیدا کیا گیا ہے اور جس کی وجہ سے اس امت کو پیدا کیا گیا ہے وہ کام یقیناً تمام کاموں سے زیادہ خیر ہے اور وہ یہی ہے تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْف۔ معروف وہ چیز ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں عام طور پر دین کی بات سمجھی جاتی تھی۔اچھی بات سمجھی جاتی تھی وہ معروف ہے۔

معروف اور منکر

منکر وہ چیز ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین رحمہم اللہ کے زمانہ میں عام طور پر اچھی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ یا انہیں میں سے بعضے اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔بعد کے لوگ اس کو اچھا سمجھنے لگے اس کو منکر کہیں گے۔

معروف وہ چیز ہے جس کو اللہ کے رسول ﷺ نے اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے اور تابعین رحمہم اللہ نے اچھا سمجھا ہو، دین کی بات سمجھا ہو، ثواب کی چیز سمجھا ہو اس کو معروف کہیں گے۔

اور منکر وہ چیز ہے جس کو ان حضرات نے ثواب کا کام نہیں سمجھا، دین کا کام نہیں سمجھا۔

تاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ۔ تم لوگ نکالے گئے ہو کاہے کے واسطے تمام امت کے لئے، اس واسطے کہ معروف کا امر کرو اور منکر سے نہی کرو۔اللہ کی پسندیدہ چیز اور اللہ کے رسول ﷺ کی پسندیدہ چیزوں کو پھیلاؤ دنیا میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس پر آمادہ کرو۔ابھارو۔اس واسطے کہ جس شخص کو بھی حق تعالیٰ نے ایمان دیا، اس ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے اندر خیر کا داعیہ ہے مگر ماحول اور ناواقفیت کی وجہ سے اس خیر کی طرف متوجہ نہیں ہوتا آدمی۔اس ایمان کو پھیلانے کی ضرورت ہے، ابھارنے کی ضرورت ہے۔

مومن کی مثال

اس کی مثال ایسی ہے کہ آگ ہوتی ہے، اس کے اوپر راکھ پڑی ہوئی ہے لیکن راکھ کی وجہ سے آگ بھڑکتی نہیں، اس سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ آہستہ آہستہ اس راکھ کو ہٹایا جائے پھر آگ کی حرارت بھڑکے گی اور اس سے کام لیا جائے گا۔ اسی طریقہ سے محبت کی آگ ہے ہر مومن کے دل میں، دین کی محبت ہر مومن کے دل میں ہے لیکن علم نہیں ماحول نہیں۔ زندگی غلط طریقہ پر ہے۔ پس ماحول کی خرابی کی وجہ سے زندگی نہیں بدلتی، یہ ایسے ہی ہے جیسے آگ کے اوپر راکھ پڑی ہوئی ہے۔ آہستہ آہستہ اس راکھ کو ہٹایا جائے، بے دینی کو ہٹا کر علم کی روشنی سامنے لائی جائے۔ ماحول کی خرابی کو ہٹایا جائے۔ تب چنگاری بھڑکے گی۔

ایک شیر کے بچے کی مثال

ایک شخص جنگل میں رہتا ہے، بھیڑ بکری پالتا ہے۔ کہیں اس کو شیر کا بچہ مل گیا وہ شیر کے بچہ کو لے آیا۔ بکری کا دودھ پلاتا رہا۔ یہ بچہ پلتا رہا حتیٰ کہ خوب بڑا ہوگیا۔ اور اس کی حالت ایسی ہوگئی جیسی بھیڑ بکریوں کی۔ ایک مرتبہ بھیڑ بکری گئیں کسی جگہ پر پانی پینے کے لئے۔ اس پانی میں سب کو اپنی اپنی صورتیں نظر آرہی تھیں۔ یہ شیر کا بچہ بھی تھا۔ اسے تعجب ہوا کہ پانی میں سب کی صورتیں تو اور طرح کی ہیں میری صورت اور طرح کی ہے یہ کیا بات ہے۔ حالانکہ میں انھیں میں رہتا ہوں۔ معلوم ہوا ہے اس کے اندر یہ جاننے کی طاقت ہے اس کو اپنی طاقت کا احساس ہوگیا۔ سمجھ گیا کہ میں تو دوسری قسم کا ہوں۔ شیر نے بکری کو مار ڈالا۔ سمجھ گیا یکدم۔ اس کو ماحول کی وجہ سے اپنی طاقت کا احساس نہیں تھا۔ جو شیر بھیڑ اور بکری میں سے نکل نہیں پاتا ہے اس کو اپنی طاقت کا کیا احساس؟ سمجھتا ہے کہ بھیڑ بکری ہے لیکن اگر اس کی صورت اس کے سامنے کر دی جائے آئینہ کے ذریعہ تو معلوم ہوگا کہ بھیڑ بکری کے علاوہ اس کی صورت ہے۔

اس آئینہ کے ذریعہ اس کو موقع مل گیا اپنی حالت پر غور کرنے کا۔غور کرنے کا موقعہ مل گیا تو اس کی صفات اس پر ظاہر ہوں گی اور سمجھے گا وہ الگ ہے بھیڑ بکری سے۔یہی حال ہے اس مسلمان کا کہ اللہ نے جس کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے وہ شیر کے بچہ کے مانند ہے لیکن ماحول ایسا ہے جیسا کہ بھیڑ بکری کا ماحول ہے۔یہ شیر کا بچہ ہے جو بھیڑ بکری میں پل رہا ہے جس طرح سے بھیڑ بکری کے ساتھ چلتا پھرتا ہے کماتا کھاتا ہے،اسی طریقہ سے یہ مسلمان بھی ہے۔اس واسطے ضرورت ہے کہ اس کے سامنے اس کی تصویر پیش کی جائے،اسے بتلایا جائے کہ تم اس قسم کے نہیں تمہاری صورت دوسری ہے تو پھر اس کے جوہر دیکھئے۔یہ مسلمان رہتا ہے ایسے لوگوں میں جن کے سامنے زندگی کا مقصد پیٹ کے سوا کچھ نہیں،یہی پیٹ ہے،اسی مادی جسم کی خاطر کھانا،پینا،پہننا،اوڑھنا یہی سب کچھ ہے۔

روح کی اصلاح کی ضرورت

غور کیا جائے تو سب اسی مادی دنیا کے واسطے،اسی گلنے سڑنے والے جسم کے واسطے، اسی کیلئے اچھے سے اچھا کپڑا بناتا ہے،اسی جسم کے واسطے اچھے سے اچھا کھانا اور غذا تیار کرتا ہے، اچھے سے اچھا مکان بناتا ہے،اچھے سے اچھا عہدہ اختیار کرتا ہے،مگر ان سب چیزوں کا مقصد یہی جسم اور مادی دنیا ہے۔حالانکہ یہ جسم کچھ دنوں میں ختم ہو جائیگا۔کچھ دنوں میں مر جائیگا اس کو لے جا کر قبر میں ڈال دیا جائیگا،پھولے گا،پھٹے گا،وہاں کے جانور اس کو کھالیں گے۔کوئی حیثیت اسکی باقی نہیں رہ جائیگی لیکن ساری زندگی کا داؤ پیچ اس کے پیچھے اسی جسم کی خاطر ہے،اسی مادہ کی خاطر ہے۔تو ضرورت ہے کہ یہ ماحول درست کیا جائے،اسکو بتلایا جائے کہ تو اس کام کیلئے نہیں پیدا کیا گیا۔

جسم اور روح کی مثال

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خالص جسم نہیں پیدا فرمایا بلکہ جسم کے ساتھ ایک اور دوسری چیز

بھی اس جسم کے اندر رکھی ہے۔ یہ جسم پر لباس ہے، کرتا ہے کرتا آدمی اتار کر پھینک دیتا ہے۔ اصل چیز تو اندر کی چیز ہے۔ اسی طریقہ پر روح کے واسطے یہ جسم تو کرتا ہے۔ روح اس کرتے کو اتار کر یہیں پھینک دیتی ہے اور خود کہیں اور چلی جاتی ہے۔ اصل راحت آخرت میں ہے۔ راحت حاصل کرنے والی، تکلیف کو برداشت کرنے والی چیز تو آخرت میں روح ہے۔ اس روح کی تیاری کے لئے، اس روح کی درستگی کے لئے، اس روح کی راحت کے لئے کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے کرتے کی تو فکر کرتا ہے۔ رات دن اس کو دھوتا ہے۔ پھٹتا ہے تو سیتا ہے لیکن جسم کے اندر بہت سی بیماریاں بھری ہوئی ہیں ان بیماریوں کی فکر نہیں کرتا۔ کس قدر وہ شخص بیوقوف کہلائے گا۔ کرتے کی تو فکر کرتا ہے لیکن کرتا جس جسم کے لئے بنا ہے اس میں پھوڑے پھنسی بھرے ہوئے ہیں، اس کے اندر کینسر ہو گیا ہے، اس کے اندر پیپ بھری ہوئی ہے، خون اس میں ہے، بدبو اس میں سے آرہی ہے۔ اس جسم کی فکر نہیں کرتا۔ بس کرتے کی فکر کرتا ہے وہ صرف کرتے کی فکر کرتا چلا جاتا ہے مگر جسم کی صحت کی فکر نہیں کرتا۔ یہی حال ہے بس ہمارا بھی کہ ہمارے واسطے یہ جسم مثل کرتے کے بنے ہوئے ہیں اور اصل روح ہے وہ روح گل رہی ہے، سڑ رہی ہے، وہ رذائل میں گرفتار ہے، اس روح کے درست کرنے کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے اس کی فکر نہیں ہے۔ آج اس جسم کی فکر نہیں۔ ذرا سا بخار آجائے گا فکر ہو جائے گی۔ ڈاکٹر کے پاس جاؤ۔ انجکشن لگاؤ، خون ٹیسٹ کراؤ۔ بہت فکر ہوتی ہے۔ سو فیصد فکر۔ ذرا سی کوئی تکلیف ہو جائے، آنکھ میں تکلیف ہو جائے۔ ناک میں تکلیف ہو جائے، دانت میں تکلیف ہو جائے تو اچھی طرح علاج کی کوشش کی جائے لیکن ضرورت ہے روح کے علاج کی مگر اس کی کوئی فکر نہیں۔ روح کے اندر مثلاً حسد بھرا ہوا ہے، حسد کیا ہے؟ دوسرے شخص کے پاس اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر جلنا اور یہ کوشش کرنا، تمنا کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت نہ رہے۔ کسی کے پاس عمدہ کوٹھی دیکھی اپنے پاس اتنی طاقت نہیں کہ عمدہ کوٹھی بنالے۔ اندر اندر جلتا ہے۔ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح گر جائے اس کے پاس یہ نہ

رہے۔کسی کے پاس دکان دیکھی اپنے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ایسی دکان بنا سکے۔اس لئے کہتا ہے کہ اس کے پاس سے یہ دکان ضائع ہو جائے۔اسی طرح سے کسی کے پاس کوئی عہدہ دیکھا کوئی ثروت دیکھی، دنیا کی ثروت دیکھے یا آخرت کی ثروت دیکھے۔اللہ کی نعمت کو دیکھ کر کسی کے پاس یہ تمنا کرنا یہ کوشش کرنا کہ اس کے پاس یہ نعمت باقی نہ رہے۔یہ حسد ہے۔روح کے اندر یہ بیماری ہے۔قرآن کریم میں سورہ فلق میں ہے۔وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔حسد سخت ترین مہلک مرض ہے۔بہت سی لڑائیاں اسی حسد کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ایک دوسرے کی ترقی کو برداشت نہیں کر پاتا۔یہ حسد ہے۔

اسی طرح سے روح کے اندر ایک مرض ہے تکبر کا۔تکبّر کے معنیٰ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا۔دوسرے کو ذلیل سمجھنا۔دوسرے کو حقیر سمجھنا۔یہ مرض ہے،نہایت خطرناک مرض ہے، تباہ کن مرض ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے جس کے اندر ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا جب تک اس کو اس سے خالی نہیں کر لیا جائے گا اس وقت تک جنت میں نہیں جائے گا۔اس طرح دوسرے امراض ہیں جو روح میں موجود ہیں،جن کے علاج کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

تو عرض کرنا یہ ہے کہ جسم کی ذرا سی تکلیف کو برداشت نہیں کر پاتے۔اس کے علاج اور تصحیح کی فکر میں رہتے ہیں۔یہ ایسا ہے جیسے کسی کرتے کے اندر ذرا سا سوراخ پیدا ہو جائے ذرا سا نقصان ہو جائے اس کی فکر سوار ہے اور روح کی فکر نہیں کرتے۔اگرچہ مہلک امراض میں مبتلا ہے۔اس کی فکر نہیں کرتے۔یہ ایسا ہے جیسے جسم کی فکر نہیں کرتے جو مہلک امراض میں مبتلا ہے۔کرتے کی فکر کرتے ہیں جسم کی فکر نہیں کرتے جو اصل مقصود تھا اس کو چھوڑ دیا۔جو غیر مقصود تھا اس کو اختیار کر لیا۔بڑی غلطی کی بات ہے۔راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ راستے بتلانے کے لئے تشریف لائے۔ایک ایک چیز کو کھول کر بیان فرما دیا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سمجھا دیا، دلوں کے اندر سمو دیا، جما دیا،تمام زندگی کو ان کی سنت کے مطابق بنا دیا۔اور اس اعمال کے ڈھیر کو ان کے سپرد

کردیا۔ کہ دنیا کے پاس پہنچ کر ان کو یہ دین پہنچاؤ۔

ختم نبوت اور امت کی ذمہ داری

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مہربانی فرمائی کہ رحمتہ للعالمین ﷺ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا اور نبوت کے دروازے کو ہمیشہ کے لئے بندفرمادیا کہ آئندہ کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آئندہ اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے کہ میں نبی ہوں، وہ نبی تو کیا بنتا وہ تو امتی بھی نہیں رہے گا۔ امتی ہونے سے بھی خارج ہوجائے گا۔ امت اجابت میں نہیں رہے گا۔ وہ تو جہنم میں جانے کے قابل ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کی قدر کرنی چاہئے رحمۃ للعالمین ﷺ کو رب العالمین نے ہمارے لئے نبی بنا کر بھیجا۔ اپنا دین ان پر نازل فرمایا۔ انھوں نے تمام لوگوں کو بتلادیا، سکھلادیا، جتنے لوگ وہاں پر موجود تھے انھوں نے دین کو سیکھ لیا۔ حضور اقدس ﷺ نے اس دین کے معانی ان کے سپرد فرمادیے اور حکم فرمایا کہ اس کو لے کر جاؤ دنیا میں اور گھر گھر پہونچاؤ۔ سکھلاؤ۔ چنانچہ اللہ کے نیک بندے دین کے پھیلانے کی خاطر گئے ہیں، پوری کوشش کی، بہت دور تک پھیلایا۔

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور اشاعت اسلام

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ چشت سے چل کر آئے تھے ہندوستان۔ اجمیر میں تشریف لائے اور اجمیر سے پھر دہلی تشریف لے گئے۔ سفر کرتے تھے یہ حضرات، فقیرانہ زندگی تھی ان کے ساتھ ساز وسامان نہیں تھا۔ جس وقت یہ اجمیر میں تشریف لائے تھے کملیہ بچھا کر بیٹھ گئے۔ راجہ کا منتری جو آیا ہے۔ اجمیر اس زمانے میں بہت بڑا گڑھ تھا سادھوؤں اور جوگیوں کا۔ بڑی ریاضت کرنے والے وہاں موجود تھے۔ آ کر منتری نے کہا کون بیٹھا ہے؟ ہٹ جاؤ یہاں راجہ کے اونٹ بیٹھیں گے۔ انھوں نے کہا اچھا

بھئی ہم ہٹ جائیں گے۔راجہ کے اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے۔چنانچہ اٹھ گئے۔اور راجہ کے اونٹ سارے بیٹھ گئے۔اب بیٹھنے کے بعد میں انھیں جب اٹھاتا ہے تو اٹھا نہیں جاتا۔اٹھنے کی طاقت ختم ہوگئی۔انھوں نے فرمادیا تھا کہ راجہ کے اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے۔چنانچہ بیٹھے رہے۔نماز کا وقت آتا ہے۔وضو کرنے کے لئے کوئی پانی نہیں دیتا۔بڑی پریشانی ہوئی۔راجہ کا جو مندر تھا اس کے دروازے پر گئے۔اندر کو منہ کر کے کہا بت کو خطاب کر کے کہ تو بھی اسی کا نوکر ہے میں بھی اسی کا نوکر ہوں۔نماز کا وقت آگیا میں منہ ہاتھ دھو کر سیراب ہوں گا۔مجھے یہ لوگ پانی نہیں دیتے۔تو ہی پانی دے۔وہ بت اپنی جگہ سے اٹھا اور پانی بھر کر لایا۔اس کو دیکھ کر یہ حیرت میں رہ گئے۔یہ کون ہے جس کے واسطے ہمارا بت پانی بھرتا ہے۔نہیں جانتے کون ہے یہ اللہ کا پیغام دینے والا ہے۔اللہ کا ایک نیک بندہ ہے۔اللہ کے دین کو پھیلانے کے لئے آیا ہے۔جس وقت اجمیر سے دہلی جارہے تھے۔راستے میں راجپوتوں کا ایک گاؤں تھا۔گاؤں کے لوگ آئے کہ اجمیر کا ایک فقیر دلی جارہا ہے۔چلو چل کر درشن کریں گے۔آکر بیٹھے ایک ہی مجلس میں ایک ہزار چھوٹے بڑے سب مسلمان ہوگئے۔ان کے سینہ کے اندر ایک جوش تھا دین حق کی تبلیغ کا۔دین کو پہونچانے کا۔ان کو زیادہ زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔دل کے اندر سب کچھ موجود تھا۔تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نوے (۹۰) لاکھ لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لے آئے۔جہاں جہاں بھی گئے وہاں کے لوگ ایمان لے آئے۔بہرحال ان کا انتقال ہوگیا۔جو لوگ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔کتنے ان میں سے ایسے ہوں گے جنھوں نے قرآن پاک پڑھا۔حافظ ہوئے۔عالم ہوئے۔کتنے ایسے ہونگے جو بعد میں مشائخ ہوئے۔اولیاء اللہ ہوئے۔مبلغ ہوئے۔مرکزی ہوئے۔صاحب حال ہوئے۔نہیں بتا سکتے۔اور ان کے ہاتھ پر ایمان لانے والوں کی اولاد کی اولاد کا سلسلہ چلا۔کون بتا سکے گا۔غور کرنے کا مقام ہے۔جب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی۔پیشی ہوگی اور اتنی بڑی جماعت کو لے کر یہ جائیں گے جنت میں ان کے دربار میں کہ اے اللہ اتنے لوگوں کو میں نے

مسلمان بنایا۔ اتنے ایمان لائے۔ توحید کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا اعمال پر کیا حال ہوگا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کا کیا حال ہوگا کہ میری امت میں ایسے ایسے لوگ ہیں جو اتنی بڑی بڑی جماعتوں کو مومن بنا کر لے آئے۔ یہ ہے "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" لوگوں کے واسطے نکالے گئے۔ لوگوں کے واسطے نکالے گئے کا مطلب یہی ہے کہ دین کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچاؤ۔ پہونچانے کے لئے صرف اتنا کافی نہیں کہ صرف ان کے سامنے بیان کردو۔ بلکہ اپنی عملی زندگی میں وہ چیز ظاہر ہو۔ اپنے قلب کے اندر بھی اس کی پختگی ہو، تمام زندگی کا ہر گوشہ اس روشنی سے منور ہو۔

عرب تاجر اور اشاعت اسلام

زیادہ تر تو اسلام پھیلا ہے عرب تاجروں کے ذریعہ۔ وہ لوگ عرب سے گئے ہیں دوسرے ممالک میں، جہاں پر گئے سچائی اور دیانت کے ساتھ ہی رہے۔ جو معاملہ کیا راست بازی کے ساتھ کیا۔ دھوکہ سے بچے، جھوٹ سے بچے، سود سے بچے، رشوت سے بچے، جو حرام طریقہ سے آمدنی ہو ان سب سے محفوظ رہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی برکت عطا فرمائی ہے ان کے ہر قول میں، ہر فعل میں۔ لوگ ان کے حالات دیکھ دیکھ کر مسلمان ہونے لگے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا احسان وفضل وکرم ہے کہ یہ جماعت کی صورت پیدا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ جس زمانے میں وہاں کے حالات کے مطابق جو چیز زیادہ ضرورت کی ہو اسی کو عام فرمایا کرتے۔ اسی کا اہتمام فرمایا کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں کا بڑا زور تھا اس لئے ان کے مقابلہ کے واسطے جادوگر منگوائے گئے، وہاں کیا کیا۔ ایک عصا عطا فرمایا تھا۔ عصا کو ڈالا بہت بڑا

زبردست اژدہا بن گیا اور سارے سانپوں کو نگل گیا۔ جو جادوگروں نے بنائے تھے جس کو دیکھ کر وہ لوگ حیران رہ گئے کہ ارے بھئی یہ تو بڑا جادوگر ہے۔ ان کے زمانہ میں جادو کا بڑا زور تھا۔ ان کو معجزہ ایسا ہی عطا کیا جس کے ذریعہ سے جادوگروں کو شکست ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں زور تھا طب کا، حکمت کا۔ بہترین ماہر طبیب ہوتے تھے۔ صرف آواز سن کر مرض کو پہچان لیتے صورت دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں نبض پر ہاتھ رکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ آج تھرمامیٹر کے ذریعہ مرض کی تشخیص کی جاتی ہے۔ دور سے آواز سن کر بتلا دیتے کہ مرض کیا ہے۔ اس کیلئے دوائیں تجویز کر دیتے تھے۔ اس زمانہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان کو معجزہ یہ دیا کہ علاج کر دیتے۔ اکمہ و ابرص کا۔ یہ دو مرض ایسے تھے جن کا علاج ان لوگوں کے پاس نہیں تھا۔ ایک تو وہ جو پیدائشی نابینا ہو، اسکی آنکھوں کا کوئی علاج انکے پاس نہیں تھا۔ جس کی آنکھوں میں پتلی ہی نہیں، آنکھ کا پردہ ہی نہیں اسکا کیا علاج ہے۔ ایک ابرص۔ برص سفید نشانات پڑ جاتے ہیں اور پڑتے پڑتے پورا جسم سفید ہو جاتا ہے۔ برص کی بیماری اسے کہتے ہیں۔ یہ دو مرض ایسے تھے جن سے اس زمانہ کے طبیب عاجز تھے کہ اس کی دوا تجویز کریں، علاج کریں۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دیا کہ ایسے مریض کے جسم پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرما دی اور لیجئے جو مردہ جسم ہو اس کے اوپر ہاتھ پھیرا تو وہ چل رہا ہے۔ مردے بھی زندہ ہونے لگے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے۔ آؤ مقابلہ پر کونسا حکیم آتا ہے کونسا ماہر طبیب آتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بڑی شان وشوکت تھی فصاحت و بلاغت

کی ۔ بڑا زور وشور تھا ۔ ایسے ایسے فصیح وبلیغ تھے کہ اپنے مقابلہ میں ساری دنیا کو عجم کہتے تھے اور اپنے آپ کو عرب ۔ عرب کہتے ہیں بولنے والے کو اور عجم کہتے ہیں گونگے کو ۔ اپنے علاوہ سب کو عجم اور گونگا کہتے تھے ۔ شہد کے اسی (۸۰) نام ہیں ان کے پاس ۔ تیر کے پانچ سو نام ہیں ان کی لغت میں ۔ گھوڑے کے بہت سے نام ہیں عربی زبان میں ۔ مصیبت کے چار ہزار نام ہیں عربی لغت میں ۔ حتیٰ کہ لکھا ہے مصیبت کے ناموں کا یاد کرنا سب سے بڑی مصیبت ہے ۔ اتنی قسمیں تھیں ۔ ایسے وقت میں حضرت نبی اکرم ﷺ تشریف لائے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزہ عطا فرمایا فصاحت وبلاغت کا ۔ اور بھی بہت سے معجزات دیئے گئے لیکن فصاحت وبلاغت کا معجزہ ایسا تھا کہ اس نے سب کو ساکت کر دیا ۔ لوگ کہتے تھے کہ ان کے پاس کوئی جن آتا ہے، کوئی پیغام آکر ان کو سکھا جاتا ہے ۔ یہ تو شاعر ہے، یہ تو گھڑتے ہیں، یہ تو ساحر ہے ۔

قرآن پاک کا چیلنج

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا اعلان کر دو ۔

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا" (بنی اسرائیل:۸۸)

[کہدو! کہ اگر تمام انسان اور جنات اس کام پر اکھٹے بھی ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کلام بنا کر لے آئیں تب بھی وہ اس جیسا نہیں لاسکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کی کتنی مدد کریں ۔] (آسان ترجمہ)

تم تمام جنات اور انسان سب مل کر یہ چاہو کہ اس جیسا قرآن بنالاؤ ہرگز نہیں بناسکتے وہ لوگ عاجز ہو گئے ایسا قرآن بنانے سے ۔ ایسا قرآن نہیں لا سکے ۔ ایک اور جگہ کہا گیا دس آیتیں بنالاؤ ۔ اور کہا گیا: "فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ" ایک ہی سورت اس جیسی بنالاؤ ۔ نہیں لا سکے ۔ کہاں سے لاتے ۔ اس واسطے قرآن کریم کا مقابلہ اپنی فصاحت سے نہیں کر سکتے اور کسی نے

ارادہ بھی کیا اس جیسا لانے کا۔ قرآن پاک میں ہے: "وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ" وہ کہنے لگا میں اس کے مقابلہ میں لکھتا ہوں، چنانچہ اس نے کہا: "والنساء ذات الفروج" [فرج والی عورتوں کی قسم۔] اسے سن کر خود اس کی قوم نے اس کا مذاق اڑایا کہ کہاں "والسماء ذات البروج" جس سے شان وشوکت اور رفعت وعظمت ٹپکتی ہے۔ اور کہاں یہ بیہودہ کلام جس سے بیہودگی، آوارہ پن ٹپکتا ہے۔

غرضیکہ ایسے ایسے قادر الکلام ہونے کے باوجود اللہ تبارک تعالیٰ کے کلام کے مقابلہ میں کوئی کچھ نہیں لا سکا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا معجزہ عطا فرمایا۔ اس زمانے میں لوگ خوب سمجھتے تھے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سورۃ الکوثر "اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ـ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ـ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ" (سورۃ الکوثر)

[(اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کردی ہے۔ لہٰذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھو، اور قربانی کرو، یقین جانو تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے۔] (آسان ترجمہ) لکھی اور لکھ کر دروازہ پر لٹکا دیا کہ بھئی جو بڑے شاعر ہیں اس کے مقابلہ میں لے آئیں۔ ایک شاعر تھا بڑا زبردست۔ اس نے آگے لکھ دیا۔ "مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ"

سمندر میں گھوڑے ڈال دئے

مقابلہ کی ضرورت تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لشکر زبردست پیدا فرمائے۔ اتنے زبردست کہ دوسرے مقابلہ نہ کرسکے۔ جس وقت میں مسلمان گئے ہیں اور جا کر انھوں نے سمندر میں گھوڑے ڈالے۔ ادھر مشرکین پہاڑوں پر بیٹھے ان کا یہ حال دیکھ رہے تھے۔ کہنے لگے کہ اہرمن نے ہماری بات سن لی۔ ابھی مسلمانوں نے گھوڑے ڈال دیئے تو کیا ہوا سب کے سب

غرق ہوجائیں گے۔مگر سارے کے سارے سمندر سے پار نکل گئے۔کوئی غرق نہیں ہوا اب انھیں پریشانی ہوئی۔حتیٰ کہ کہنے لگے یہ دیو ہیں دیو۔دس دس مشرکین مل کر ایک مسلمان کو گرانا چاہتے ہیں نہیں گرا پاتے۔اور اگر کسی کو گرا بھی دیا تو سمجھتے تھے یہ دوبارہ زندہ ہوگیا۔اس زمانہ میں اس کی ضرورت تھی۔غرض جس زمانے میں جس چیز کی ضرورت ہوئی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے انتظامات فرمائے۔جیسے گرمی کے زمانے میں ٹھنڈی چیزیں پیدا فرماتے ہیں اور سردی کے زمانے میں گرم چیزیں پیدا فرماتے ہیں۔یہ خداوند تعالیٰ کا نظام ہے۔مہربانی ہے۔

تبلیغ کی ضرورت

اب یہ ہمارا آخری دور چل رہا ہے۔ہمارے اعتبار سے تو آخری ہے۔آخری دور ایسا آیا کہ اس زمانے میں نہ گھوڑے ہاتھی کی ضرورت ہے، بلکہ اس زمانے میں ضرورت ہے تبلیغ کی۔تبلیغی جماعت کی جو پھیلا ہوا ہے سیلاب، اسی طریقہ سے جماعت کی جماعت نکلے اور تمام عالم میں پھیل جائے۔اللہ کے دین کو لے کر جائیں اور لوگوں کو شناسا کراتے چلے جائیں کہ لوگو! یہ ہے دین۔جتنی چیزیں آج پیش کی جارہی ہیں، جتنی اسکیمیں بنائی جارہی ہیں سب کی سب ناکام اور فیل ہوچکی ہیں۔بڑی بڑی حکومتوں والے بڑے بڑے سیاسی، بڑے بڑے ایٹم بم تیار کرنے والے سب لوگ سمجھ گئے کہ یہ مادی دنیا بے کار ہے۔دنیا ایسی ہے بے راحت کی تلاش کرتی پھرتی ہے کہ کہیں اسے راحت مل جائے۔

تبلیغ میں ہر شخص حصہ لے سکتا ہے

میرے محترم بزرگو دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ آپ حضرات کے دل میں حق تعالیٰ نے بات ڈالی ہے اور چیز کو عام فرمایا ہے۔اب دنیا نا آشنا نہیں ہے کوئی نہیں کہتا کہ یہ تبلیغ کا کام بے کار ہے۔اس کو لے کر اٹھئے اور دنیا پیاسی ہے، ان کے دل پیاسے

ہیں، ان دلوں کے اندر جا کر اس آب حیات کو ڈالئے ۔اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعہ سے ان کو سیرابی عطا فرمائیں گے ۔ان کی دینی زندگی بنے گی ۔وہ سمجھیں گے کہ ہم کہاں تھے اور کس لئے پیدا ہوئے تھے اور ہم کدھر جارہے ہیں ۔اس واسطے یہ حق تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے ۔اس تبلیغ میں ہر شخص حصہ لے سکتا ہے ۔جو شخص ساری زندگی وقف کردے ۔کیا کہنے ۔نور علیٰ نور ۔اور جو شخص ساری زندگی نہ دے سکے ۔تین چلّے سات چلّے دے وہ بھی کامیاب ۔جو شخص تھوڑا وقت دے سکے وہ بھی کامیاب ۔لیکن بھئی جیسی جیسی قربانی ہوگی ویسی ویسی کامیابی ہوگی ۔

تبلیغ میں جانے والوں کے لئے ہدایات

اور تبلیغ میں جانے والے اپنے آپ کو فراموش نہ کریں بلکہ یہ سمجھے کہ فلاں جگہ جا کر دیکھا کہ وہاں کلمہ نماز سے بھی واقف نہیں ہیں ۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ" یہ ایسا ہے جیسے کھانا خود کھاوے دوسرا بھوکا رہے ۔کیا ہماری غیرت گوارا کرے گی کہ کھانا ہم خود کھاویں اور دوسرا آدمی بھوکا رہے ۔اللہ نے ہم کو وسعت دی ہے، غیرت گوارا نہیں کرے گی ۔ایمان کا تقاضہ بھی یہ نہیں ہے ۔آدمی تو آدمی جانور کو بھی کھلانا چاہئے ۔

کتے کو پانی پلانے پر فاحشہ کی مغفرت

حدیث پاک میں آتا ہے ۔ایک عورت تھی فاحشہ، پچھلی امتوں کی بات ہے ۔اس کو پیاس لگی ۔اس نے کنویں میں سے پانی نکالا ۔اس نے دیکھا کہ کتّے کا ایک پلّہ پڑا ہوا ہے ۔وہ پیاس کی وجہ سے زبان نکال رہا ہے ۔اس نے سوچا کہ اس کو بھی اسی طرح سے پیاس لگ رہی ہے جیسے مجھے لگ رہی ہے ۔چنانچہ اس نے کنویں میں سے پانی نکال کر اس کو پلایا ۔اس زمانے کے نبی کو بتلایا گیا کہ اس عورت کی مغفرت ہوگئی ۔(بخاری شریف:۳۳۲۱)

فاحشہ تھی، بدکاری کرتی تھی لیکن کتے کے بچہ کو پانی پلانے سے اس کی مغفرت ہوگئی۔ اس واسطے یوں سمجھتے ہوئے کہ ہمارا ایک بھائی بھوکا پیاسا رہے، اس کو کھانا دینے کی ضرورت ہے۔ہماری ذمہ داری ہے اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے نکلنے کی ضرورت ہے۔اور اگر کوئی شخص خلاف اخلاق کو ہی اختیار کرے، بے مروتی سے پیش آئے، بات نہ سنے تو اس پر ناراض نہ ہونا چاہئے بلکہ یوں سوچے۔اے اللہ کلمہ تو تیرا حق ہے، تبھی تو تو نے یہ نبی کو عطا فرمایا اور یہ شخص تیرا محبوب ہے تبھی تو تو نے اس کو ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔پھر یہ میری زبان سے نکلا ہوا کلمہ سننے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہ میری زبان کا قصور ہے۔میری زبان گنہ گار ہے۔میرا دل گنہ گار ہے۔اسی وجہ سے کلمۂ حق کی تاثیر نہیں ہو رہی ہے اس پر اس لئے اپنے گناہوں پر رونے، توبہ کرنے کی ضرورت ہے۔جو شخص کلمۂ حق کو قبول کرلیتا ہے اس کی تعریف کرنے کی، قدر کرنے کی ضرورت ہے۔ایک میں ہوں کہ کتنی مدت سے مجھ پر تبلیغ کی جارہی ہے مگر میں آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کے سامنے کلمہ کہلوایا۔اس کے سامنے پیش کیا اس نے قبول کرلیا۔کیسی کیسی صلاحیتیں پیدا فرمائیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدمی کے اندر۔محترم دوستو! بڑی بڑی صلاحیتیں موجود ہیں، بے شمار موجود ہیں صلاحیتیں آدمی کے اندر۔مگر وہی بات ہے شیر کا بچہ ہے بھیڑوں میں پرورش پا رہا ہے۔اس لئے اس عادت کو ختم کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

دین کی طلب پیدا کرنا

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ آج کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جس دل میں دین کی طلب نہ ہو اس میں دین کی طلب پیدا کرے۔دین کی طلب پیدا

کرنا مقصود ہے۔اس واسطے اللہ کی راہ میں نکالے جاتے ہیں کہ دین کی طلب پیدا ہو۔دیکھو دین کی طلب پیدا ہوتو خود اہل دین کے پاس جائیں۔اہل دین سے دین کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔اگر دین کی طلب ہی نہیں تو اہل دین کی طرف جائے گا کون۔دین کی طلب ہوگی تو مدارس میں آئیں گے۔قرآن کریم بھی پڑھیں گے۔حدیث بھی پڑھیں گے،تفسیر بھی پڑھیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ ان کو عالم بنادے گا۔اور جب یہ دین کی طلب ہوگی تو بزرگوں کے پاس جائیں گے۔صحبت حاصل کرنے کے لئے،ان سے نصیحتیں لینے کے لئے۔اور جب دین کی طلب ہی نہیں تو نصیحتیں حاصل کرنے کے لئے کون جائے گا ان کے پاس۔اس واسطے یہ طریقہ بہت آسان ہے۔ہر شخص کے لئے اس میں حصہ لینے کا موقعہ ہے۔یہاں تک کہ جو شخص بالکل نکما ہو،کچھ نہیں جانتا وہ بھی اس میں حصہ لے سکتا ہے۔

میواتی کا عرب میں کام کرنا

ایک میواتی سے پوچھا بھئی تم لوگ عربی تو بالکل نہیں جانتے۔اردو بھی صحیح نہیں آتی۔تم عرب کے علاقے میں جاتے ہو تم وہاں جا کر کیا کام کرتے ہو۔کہنے لگے مولوی صاحب! آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔ایک بیٹے نے دوسرے بیٹے کو قتل کر دیا۔اور چونکہ یہ پہلی میت تھی پتہ نہیں تھا کہ میت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاتا ہے۔پریشان تھا وہ قاتل کہ کیا کروں۔اللہ نے دو کوّے بھیجے۔ایک کوے نے دوسرے کوے کو مار دیا۔اور پھر پنجوں سے زمین کو کھود کر اس میں دبا دیا۔اس کی سمجھ میں آگیا کہ مرے ہوئے کو یوں دبا دیا جاتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ سمجھانا چاہیں تو کوے کے ذریعہ سمجھا دیں۔ہمارے ذمہ تھوڑے ہی ہے سمجھانا۔

کام اللہ کے فضل سے ہوتا ہے

ہمارا کام تو یہ ہے کہ بات کہہ دیں اور اللہ سے دعا کریں کہ میں نے تو ٹوٹی پھوٹی بات

کہدی۔ باقی بات تو سمجھا دے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت کام لیا ان لوگوں سے۔ ایسے ایسے موقعہ پر کام لیا جہاں ماحول بالکل الگ ہے، زبان الگ ہے، طرز طور وطریقہ سب کا بالکل الگ ہے لیکن اس کے باوجود کام لیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور سمجھا دیا اور اگر کوئی شخص نہ بھی سمجھے تو کوئی حرج نہیں، ان کو تو صرف کوشش کرنا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ وہ خود نہیں سمجھا پاتے تھے جلدی سے بات کو۔ اس لئے حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی۔ تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دین کا کام کریں۔ ان کے لئے بات کو سمجھانا آسان ہوگا۔ وہ صاف صاف بات کہہ سکیں گے۔ اسی طریقہ پر یہاں بھی متکلم جس کو بنایا جاتا ہے وہ متکلم ایسا ہو جو صاف صاف بات کہے اور سمجھا دے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اثر ڈالنے والے ہیں۔ جو شخص کچھ بولتا ہے اللہ کی مدد سے اس نے بات کہدی۔ آواز اس کی زبان سے نکل گئی لیکن اس آواز کو سامعین کے کانوں تک پہونچانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا۔ بغیر اللہ کے فضل کے سامعین تک آواز نہیں پہونچتی۔ فہم عطا فرمانے والے اللہ۔ قلوب میں باتوں کا ڈالنا یہ بھی تو اللہ کا کام ہے۔ زبان سے صحیح طور پر بات نکالنا یہ بھی تو اللہ کا فضل ہے، سننے والے کے کان میں ڈالنا یہ بھی اللہ کا فضل اور پھر اس کا مطلب سننے والے کو سمجھا دینا یہ بھی اللہ کا فضل، اس کو سمجھنے کے بعد اس کے دل کے اندر عمل کرنے کا داعیہ پیدا ہونا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل، ہر کام اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ یہ اعضاء، یہ ظاہری چیزیں بہت معمولی چیزیں ہیں لیکن ناقدری ان کی بھی نہ کی جائے۔ یہ نہ سمجھے کہ یہ بیکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بیکار نہیں پیدا کی۔ ہر چیز کے اندر صلاحیت ہے، ہر چیز کے اندر تاثیر رکھی ہے۔ قوت دی ہے۔ وہ قوت اگر معلوم بھی نہ ہو اس میں تو یہی سمجھنا چاہئے کہ ہم اپنی طاقت سے کچھ نہیں کر سکتے۔ نکمے بیکار ہیں لیکن حق تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو ان نکموں ہی سے کام لے لیں۔ جس شخص کو بولنا نہ آتا ہو، اس سے بھی کام لے لے۔

....

دارالعلوم دیوبند میں ایک میواتی جاہل کی تقریر

ایک دفعہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند تشریف لائے۔ دیوبند میں دارالعلوم ایک مدرسہ ہے بہت بڑا مدرسہ ہے۔ علماء خدا کے فضل و کرم سے اس زمانے میں بھی بہت اعلیٰ درجہ کے تھے۔ ایک بوڑھے میاں جی سے فرمایا بھئی تم تقریر کرو۔ اس بوڑھے آدمی نے اپنی زبان میں کہا۔ حضرت جی میں تقریر کروں ان عالموں کے سامنے۔ کہا ہاں تم تقریر کرو۔ وہ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا۔ دیکھو بھئی ہم لکھے پڑھے نہیں ہم کچھ نہیں جانتے۔ حضرت جی نے فرمایا تقریر کرنے کو۔ اس واسطے کھڑا ہو گیا تقریر کرنے کو۔ ایک زمیندار جس کے یہاں گائے بھینس وغیرہ پلی ہوئی ہیں۔ دودھ بھی ہوتا ہے مکھن بھی ہوتا ہے۔ مکھن کی ایک بری مٹکی ہے اور زمیندار کے دو بیٹے ہیں۔ زمیندار نے بڑے بیٹے سے کہا اس مکھن کی مٹکی کو تو اٹھا کے لا۔ اس نے جواب دیا فرصت نہیں اٹھانے کی۔ زمیندار نے کہا فرصت نہیں اٹھانے کی ٹھیک ہے جھوٹ نہیں بولا اس نے۔ اس نے چھوٹے بیٹے سے کہا۔ چلو بیٹے مکھن رکھنے والی مٹکی اٹھا کر لے آؤ۔ وہ تھی بھاری اس سے اٹھائی نہیں گئی۔ ہاتھ میں سے پھسل کر گر گئی۔ مکھن سارا خراب ہو گیا۔ اب بتاؤ زمیندار کس پر خفا ہو گا۔ چھوٹے بیٹے پر یا بڑے بیٹے پر؟ بڑے بیٹے پر ہو گا۔ کرنے کا کام تو اس کا تھا چھوٹا تو کمزور ہے۔ بس اسی طرح سے دیکھ لو ہم لوگ تو چھوٹے بچے، ان پڑھ۔ آپ لوگ علماء ہیں بڑے۔ اور یہ دین کی مٹکی ہے۔ اس کو لے جا کر پھیلانا ہے ساری دنیا میں۔ آپ حضرات کام کر رہے ہیں، پڑھانے لگے ہیں۔ آپ کو فرصت نہیں تو ٹھیک ہے۔ کام کر رہے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ غلط بات ہے۔ ٹھیک ہے کام کر بھی رہے ہیں۔ فرصت نہیں آپ کو ہمیں کیا ہم لے کر چلے آئے اس دین کی مٹکی کو۔ ہم سے تو بس مکھن خراب ہی ہو گا۔ یہ مٹکی ٹوٹے گی ہی۔ اور کیا ہو گا۔ جواب دو۔ یہ کہہ کر بیٹھ گئے۔ ان پڑھ آدمی علماء کی مجلس میں کسی طرح سے بات کر کے بیٹھ گئے۔ ان کے مقام کو بھی برقرار رکھا۔ جو اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ بڑے ہیں

دین کا کام بھی کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ہم لوگ نا اہل ہیں۔ پر تمہاری ذمہ داری کیا ہے؟ اس واسطے اس کام کو پہلے یوں سمجھنا کہ میرے اندر پہلے صلاحیت پیدا ہو جائے تب کروں گا۔ یہ غلط ہے۔ اہلیت تو اس طرح سے پیدا ہو گی کہ اہل کے ساتھ میں رہے اور کام کرنے والے کو دیکھتا رہے۔ اس سے نصیحت حاصل کرتا رہے۔

جماعت کا کام

یہ جماعت چلتی ہے۔ اس میں یہی ہوتا ہے۔ ہر بڑا چھوٹوں کو دیتا رہتا ہے ہر چھوٹا بڑوں سے حاصل کرتا رہتا ہے۔ دس باتیں اس نے اس سے حاصل کیں۔ دس باتیں اس نے اس سے حاصل کی۔ اس طریقہ پر چلتا رہتا ہے۔ کام آہستہ آہستہ ایک ایک چیز لوگوں کے جی کے اندر رہے وہ اسے سمجھاتے ہیں۔ اور دین کا کام درست ہوتا رہتا ہے۔ اسلئے أخرِجت للنّاس۔ یہ جماعت یہ امت لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے کہ دین کو جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ لوگوں میں عام کیا جائے پھیلایا جائے۔ اس واسطے نکلنے کی ضرورت ہے۔ اس امت کو خیر امت کہا گیا ہے اور اس کا کام بتایا گیا ہے۔ کام یہ ہے کہ امر بالمعروف کرتی ہے اور نھی عن المنکر کرتی ہے یعنی بھلائی اور خیر کو پھیلاتی ہے۔ برائی اور شر کو مٹاتی ہے۔ بھلائی کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا، برائی کو زیادہ سے زیادہ روکنا، منع کرنا یہ اس امت کا فریضہ ہے۔ اس وجہ سے یہ امت خیر امت ہے۔ جہاں جائے گی سچائی کو پھیلائے گی جھوٹ کو روکے گی۔ اخلاص کو پھیلائے گی۔ نفاق کو مٹائے گی محبت کو پھیلائے گی آپس کے بغض کو مٹائے گی، غرض جتنی باتیں اللہ کو پیاری ہیں اللہ کے رسول ﷺ کو پیاری ہیں ان چیزوں کو زیادہ سے زیادہ پھیلانی ہے۔ آپ ہی غور کیجئے ایک شخص وہ ہے جو پھول پھیلاتا ہے۔ خوشبو پھیلانا اور عام ہے۔ جس مجلس میں جاتا ہے معطر کر دیتا ہے۔ اگر، لوبان، خوشبو کے پھول جگہ جگہ پر پیش کرتا ہے اور ایک شخص وہ ہے جو بدبو پھیلاتا ہے دنیا میں۔ دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔ ایک کی وجہ سے دماغ معطر ہوتے چلے جاتے ہیں، فرحت

پھیلتی جاتی ہے دوسرے کی وجہ سے طبیعت مکدر ہوتی جاتی ہے۔قلوب پر میل آتا جاتا ہے۔ پریشانی بڑھتی چلی جاتی ہے۔تو نبی اکرم ﷺ دنیا میں تشریف لائے خیر کو پھیلانے کیلئے اور یہ ذمہ داری امت کے سر عائد فرما گئے۔امت نے اس کام کو کیا انجام دیا۔سب دنیا پر چھا گئی امت۔کوئی ملک ایسا نہیں جہاں حضور اقدس ﷺ کی دعوت نہ پہونچی ہو۔روئے زمین پر کوئی جگہ ایسی موجود نہیں جہاں اللہ کے پاک رسول ﷺ کا نام جاننے والے موجود نہ ہوں۔کچھ لوگ مانتے ہیں کچھ لوگ نہیں مانتے۔باقی جانتے سب کے سب ہیں۔

علاقۂ میوات کا انتخاب اور علاقۂ میوات کی حالت

اس کام کے واسطے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے میوات کے علاقہ کو انتخاب فرمایا۔میوات کا علاقہ دہلی کے قرب وجوار میں دور تک چلا گیا۔اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح جہالت تھی عرب کی جاہلیت کو بھی مات کر رکھا تھا میں خود اس علاقہ میں گیا ہوں۔جگہ جگہ جا کر دیکھا ہے۔کیفیت یہ تھی سروں پر چوٹی رکھی ہوئی ہے۔گنگا داس اور جمنا داس نام ہیں۔گھروں میں مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔کہیں کوئی کلمہ جاننے والا نہیں،نماز تو بعد کی چیز ہے۔اور اس قوم میں ایک دھونس کہلاتی ہے۔ایک نقارہ ہوتا ہے۔ایک بستی میں وہ نقارہ رکھا ہوا ہے۔جب کوئی عالمگیر جنگ ہوتی ہے تو ایک جگہ پر وہ نقارہ بجایا جاتا ہے جسکی آواز پانچ کوس تک جاتی تھی۔ پانچ کوس کی دوری پر ایک دوسرا نقارہ رکھا ہوا تھا۔اس آواز کو سن کر وہ نقارہ بجایا جاتا پھر وہ اسکی آواز جاتی پانچ کوس تک۔غرض اس طریقہ سے تمام علاقہ میوات میں یہ آواز پھیل جاتی تھی۔ یہ ایک نفر عام کی صورت تھی۔جس شخص کے پاس جو اوزار ہوں۔چاقو،لاٹھی،پھالی،چھرا،بلم لے کر نکل آتے تھے،اور لڑائیاں ہوتی تھی۔انگریز نے ہر چند چاہا کہ وہاں امن قائم ہو،وہاں کے لوگ انسانیت سیکھیں۔اس کے واسطے سخت سے سخت حاکم مقرر کئے وہاں،جنھوں نے مجرموں کو سخت سزائیں دیں۔چوری کرنا،ڈاکہ ڈالنا،دوسرے کی

عورت کو لے بھاگنا ان کے یہاں کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ بہت معمولی چیز تھی۔ یہ کیفیت تھی۔ ایسے علاقہ کو انتخاب کیا ہے۔ اسی تبلیغی کام کے واسطے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بستی کے آدمیوں کو نماز پڑھنا سکھائی۔ اس نے نماز پڑھی۔ دوسرے لوگ جمع ہو گئے ایک دوسرے کو اشارہ کر کے بلاتے تھے کہ دیکھو اس کو کیا ہو گیا۔ جن بھوت کا اثر ہے، اوندھا سیدھا جو ہو رہا ہے۔ یہ کیفیت ان لوگوں کی تھی۔ ایک بستی میں جانے سے معلوم ہوا کہ یہ بستی ساری مسلمانوں کی ہے اور اس کے قریب دوسری بستی غیر مسلموں کی ہے۔ مسلمانوں سے پوچھا کہ بھئی تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ خدا کے پیغام سے، قرآن سے، نماز سے تم بھی ناواقف ہو وہ بھی ناواقف، زنا، چوری، بدکاری سب تمہارے یہاں بھی ہوتی ہے، ان کے یہاں بھی ہوتی ہے۔ کوئی کام اسلام کا تمہارے اندر نہیں ہے تو تم میں اور ان میں کیا فرق ہے کہ تم مسلمان کہلاتے ہو اور وہ غیر مسلم؟ تو اس نے صاف صاف بتایا کہ ہمارا نکاح قاضی پڑھاتا ہے ان کا نکاح پنڈت پڑھاتا ہے۔ اتنا فرق ہے۔ ایک جگہ جانا ہوا۔ وہاں مسجد تو بنی ہوئی تھی پرانے زمانے کی کئی سو برس پہلے کی۔ مگر اس میں بکریاں بیٹھی تھیں۔ بکریوں کی میگنیوں کا ڈھیر تھا۔ کوئی اذان کہنے والا، نماز پڑھنے والا نہیں تھا۔ اس مسجد کو جا کر صاف کیا۔ میگنیاں نکالیں، اذان کہی۔ لوگ اکٹھے ہو گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ بدگمانی ان میں پیدا ہونی شروع ہوئی۔ ایک کہتا تھا سرکاری آدمی ہیں جاسوس ہیں۔ ایک کہتا تھا فتنہ برپا کرنے کیلئے آئے ہیں ایسے ایسے۔ تھانہ سے تحقیق کے لئے پولس آ گئی۔ یہ سب چیزیں ابتداءً پیش آئیں۔ ان لوگوں میں ایک میاں جی ہوتا تھا کسی کسی گاؤں میں جس کے پاس ایک چھری ہوتی تھی کئی سو سال سے پڑھی ہوئی۔ ذبح کرنے کا وقت آتا تو میاں جی کے پاس جانور لاتے۔ میاں جی اس چھری سے ذبح کرتا ہے۔ وہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا نہیں جانتا۔ کیونکہ اس چھری پر پڑھی ہوئی ہے۔ اسکے ذریعہ سے ذبح کرتا۔ یہ کیفیت تھی۔ غرض عجیب حالات تھے۔ وہاں کے۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس علاقہ کو انتخاب کیا ہے اس خدمت کے لئے ایسے اکھڑ علاقے میں کام کرنے کی داغ بیل

ڈالی جہاں علم نہیں، عمل نہیں، اخلاق نہیں، کوئی چیز نہیں۔ ایسے علاقہ میں شروع میں سخت سے سخت دشواریاں بھی ہوئیں۔

چودھری کے پیر پکڑ لئے

ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ لوگوں نے کہا کہ فلاں شخص چودھری ہے، اپنے مکان کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اگر وہ اس کام کے لئے کھڑا ہو جائے تو سب کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کے پاس گئے۔ جا کر پاس بیٹھے۔ وہ سرہانے بیٹھا ہے حضرت مولانا پائینتی بیٹھے اور بیٹھ کر بات کرتے رہے۔ بات کرتے کرتے اس کی ٹھوڑی کی طرف کو ہاتھ بڑھایا مانوس کرنے کے لئے۔ اسے غصہ آیا۔ دوسری مرتبہ پھر اس طرح سے ہاتھ بڑھایا تو اس نے کہا میری ڈاڑھی پر ہاتھ بڑھاتا ہے۔ تیرے لاٹھی ماروں گا۔ مولانا نے فوراً پیر پکڑ لئے اس کے اور فرمایا اب تو لاٹھی نہیں مارو گے۔ اب تو خوش ہو گیا۔ اس طریقہ پر ان لوگوں کو مانوس کیا ہے۔ وہ لاٹھی مارنے کا ارادہ کرتا ہے حضرت مولانا اس کے پیر پکڑ لیتے ہیں۔ غرض ایسے علاقہ میں کام کیا۔ یہ تو آپ حضرات کے یہاں نام پڑ گیا ہے تبلیغ کا۔ انھوں نے تبلیغ نام نہیں سنا تھا۔ انھوں نے کہا دین سیکھنے کے لئے چلو چونکہ صدیوں سے وہ لوگ آباد تھے اور کسی زمانے ان کے بڑے مسلمان ہوئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمان کہلاتے تھے اور کوئی چیز اسلام اور ایمان کی ذرا بھی ان میں نہیں تھی، ان لوگوں کے دلوں میں جذبہ پیدا کیا کہ دین سیکھنے کے واسطے چلو۔ ایک میاں جی ان کے ساتھ ہو گیا۔

نظام الدین دہلی میں مدرسہ کی حالت

اوّل تو مولانا کے یہاں اپنا جو مدرسہ تھا دہلی نظام الدین میں تعلیم ہوتی تھی۔ تعلیم کی کیا صورت تھی۔ قرآن شریف ناظرہ پورا پڑھا دیتے تھے اور کم سے کم ایک پارہ حفظ کرا دیتے تھے

اور کچھ تھوڑا سا لکھنا سکھا دیتے تھے تاکہ خط لکھنے پڑھنے کا کام آجائے۔ اسکے بعد چھوڑ دیا جاؤ اپنا کام کرو۔ یہ ان کے یہاں کی تعلیم تھی اور بہت ہی غریب لڑکے، کوئی لڑکا کانا ہے، کوئی اندھا ہے، کوئی لنگڑا ہے، گھر کے کسی کام کا نہیں، ماں باپ کے اوپر بار ہے۔ تو حضرت مولانا جاتے تھے کہ اچھا بھئی اسے ہمیں دیدو۔ اسے لاکر پڑھاتے، دین سکھاتے۔ دیر تک یہ صورت جاری رہی۔

ماحول کی تبدیلی کی ضرورت

ایک مرتبہ ایک لڑکا آیا۔ ہاتھ میں کڑا پہنے ہوئے۔ ہندوانہ طریقہ پر دھوتی پہنے ہوئے۔ ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ تعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ وہ مولانا کے یہاں کا پڑھا ہوا ہے۔ کسی زمانہ میں یہاں پڑھ کر گیا تھا۔ اس کو دیکھ کر بہت صدمہ ہوا۔ بہت افسوس ہوا۔ افوہ! یہاں ان کے اوپر اتنی محنت کی جاتی ہے اور وہاں جاکر ان کا یہ حال ہو جاتا ہے۔ پھر ذہن منتقل ہوا کہ جب تک ماحول نہیں بدلے گا اس وقت تک تعلیم بھی کارآمد نہیں ہونے کی۔ اس واسطے کہ بچہ یہاں اچھے ماحول میں رہتا ہے۔ تعلیم حاصل کرکے جاتا ہے۔ وہاں کا ماحول خراب ہے۔ ماں، باپ، بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالو وغیرہ یہ سب کے سب غلط راستے پر ہیں لہٰذا وہ بھی جاکر ان کے اندر جذب ہو جاتا ہے۔ اس لئے ماحول کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

چلہ کا فائدہ

ماحول کی تبدیلی کے واسطے دین سیکھنے کے عنوان پر یہ کام شروع کیا۔ اپنے اپنے جھولے میں چنے لئے اور نکل جاؤ چالیس روز کے واسطے۔ ایک میاں جی ان کے ساتھ ہیں اور جماعت کی جماعت چلی جارہی ہے چالیس روز کے واسطے۔ وہ میاں جی پڑھا لکھا ہے۔ کتنا پڑھا لکھا ہے۔ قرآن شریف اس نے پورا پڑھ رکھا ہے اور کچھ تھوڑی سی اردو جانتا ہے، نماز جانتا ہے اور ان لوگوں کو کسی کو کلمہ یاد کرا رہا ہے کسی کو الحمد شریف یاد کرا رہا ہے، کسی کو التحیات یاد کرا

رہا ہے۔ جیسی جیسی جس کی حالت ہوتی ہے وہ یاد کرتا ہے۔ چالیس روز تک یہ لوگ تبلیغ میں رہے اور اس چالیس روز کے اندر اندر انھوں نے کیا کیا۔ وضو کرنا سیکھ لیا۔ نماز پڑھنا سیکھ لیا۔ **الحمد** شریف یاد کرلی، **قل ھو اللہ احد** یاد کرلی، درود شریف یاد کرلیا۔ اس چالیس روز کے مدت میں انھوں نے زنا نہیں کیا۔ شراب نہیں پی، انھوں نے چوری نہیں کی۔ انھوں نے ڈاکہ نہیں ڈالا۔ انھوں نے آپس میں لڑائی نہیں کی۔ انھوں نے یہ سیکھا کہ ماں باپ کا ادب کیسے کیا کرتے ہیں، بھائی بہن کے کیا کیا حقوق ہیں، مسافروں کے کیا کیا حقوق ہیں۔ بہت ساری باتیں انھوں نے آہستہ آہستہ سیکھ لیں۔ چالیس روز بعد جب یہ جماعت کے لوگ واپس آئے، انھوں نے آکر صبر وسکون کے ساتھ زندگی نہیں گذاری بلکہ اس کو سکھایا، دوسروں کو ترغیب دی اور ہر شخص ان کو دیکھ کر یہ سوچتا کہ واقعی یہ تو بہت اچھے ہو کر آئے ہیں۔ پہلے بری عادتیں تھیں وہ عادتیں اب ان کے اندر نہیں۔ ماں باپ سے پہلے لڑائی لڑا کرتے تھے اب ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں پہلے چاہتے تھے کہ محلہ والوں کا مال لوٹ لیں اب چاہتے ہیں کہ غریبوں کی مدد کریں۔ پہلے اس فکر میں رہتے تھے کہ چوری کرلیں اور اب چوری سے حفاظت کی فکر میں رہتے ہیں۔ کتنا بڑا تغیر ہوا ان کی زندگی میں۔ تو دوسری جماعت نکلی پھر تیسری نکلی اور پھر کچھ روز بعد یہ پہلی مرتبہ جو نکلے تھے چالیس روز کے لئے یہ بھی دوبارہ نکلے۔ غرض یہی سلسلہ عام طور پر جاری ہو گیا۔

علماء کرام سے دعا کی درخواست

اور حضرت مولانا نے یہ فرمایا کہ دیکھو جہاں جہاں بزرگ ہیں مشائخ ہیں علماء ہیں وہاں جاؤ اور ان سے ہرگز مت کہو کہ آپ تبلیغ کے لئے ہمارے ساتھ باہر چلئے۔ ان حضرات نے جو مشاغل اختیار کئے ہیں تزکیۂ باطن کے یا تعلیم کے۔ کوئی حدیث پڑھا رہا ہے کوئی فقہ پڑھا رہا ہے، کوئی تفسیر پڑھا رہا ہے۔ ان حضرات نے پورے دلائل کی روشنی میں اس کا انتخاب کیا

ہے۔ان سے یہ مت کہو کہ آپ ان دینی خدمات کو چھوڑ دیں بلکہ ان سے یہ کہو کہ حضرت کام بہت بڑا ہے اور ہم لوگ نا اہل ہیں ہمارے اندر صلاحیت نہیں ۔آپ دعا کیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کام کو صحیح طریقہ پر چلائے۔ہماری نااہلیت کی وجہ سے کام خراب نہ ہوجائے۔ہمیں اس کا ڈر رہتا ہے۔ یہ دعا ان سے کراؤ۔چنانچہ یہ ہوتا تھا جگہ جگہ جاتے تھے یہ لوگ۔اور پھر اس کا اتنا رواج ہوا کہ ان لوگوں کے لئے مشکل نہیں ۔چلے کے لئے نکلنا۔یہاں تو بہت دیر ہوتی ہے تشکیل کرنے میں۔نام لکھا یا جاتا ہے بار بار کہا جاتا ہے۔کوئی صاحب اٹھتے ہیں تھوڑی سی ہمت کر کے،کوئی جھنجلا کر،کوئی کسی طریقہ سے۔مگر نکلنا بہت آسان فوراً نکل جاتے۔

انقلاب عظیم

اب پھر ان لوگوں کے درمیان میں کیا انقلاب ہوا۔اتنا بڑا فرق ہوا کہ ایک شخص جس نے چوری کی۔تھانیدار نے اس کو پکڑا۔پکڑ کر جیل میں ڈالا۔پوچھا کہ تو تبلیغی جماعت میں جاتا ہے کہ نہیں جاتا۔اس نے کہا نہیں میں نہیں جایا کرتا۔اس کی پٹائی کی۔ پٹائی کر کے اس شرط پر چھوڑا کہ جا کر تبلیغ میں چلّہ دے۔تھانیدار غیر مسلم تھا وہ جانتا تھا کہ تبلیغی جماعت میں جاتے ہی چوری ان کی چھوٹ جاتی ہے۔بداخلاقی چھوٹ جاتی ہے۔ان کے اندر بڑا تغیر پیدا ہوجاتا ہے کتنے تعجب اور حیرت کا مقام ہے کہ غیر مسلم اس سے اتنا اثر لیتے ہیں اور مسلمان اس کی طرف متوجہ ہوں تو کتنا بڑا فائدہ ہوگا۔ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دو آدمی،دونوں کے دونوں تبلیغ میں جانے والے ان کے درمیان لڑائی ہوگئی۔شیطان تو ہر جگہ لگا ہوا ہے۔یہ تھوڑا ہی ہے کہ تبلیغ والوں کو چھوڑ دے گا۔بالکل نہیں وہ کسی وقت نہیں بخشے گا۔وہ تو مرتے وقت تک ساتھ رہے گا۔اس واسطے لڑائی ہوئی۔ایک نے دوسرے کے گھونسہ مارا منھ پر جس سے اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ بس دانت ٹوٹتے ہی اس گھونسہ مارنے والے کو خیال ہوا۔افسوس میں تو تبلیغ میں چلّہ دے چکا ہوں،جماعت میں گیا تھا۔بڑی خطا ہوئی میرے سے تو۔اب بڑا پریشان ہوا۔آیا اپنے میاں

جی کے پاس۔ میاں جی لڑائی میں دانت ٹوٹ گیا میرے ہاتھ سے دوسرے کا۔ بتلاؤ اس کی کیا سزا ہے۔ قرآن میں دیکھ کے بتاؤ۔ میاں جی نے قرآن کا مطالعہ کیا اور اس میں پڑھا السِّنِ بِا السِّنِ۔ دانت کا بدلہ دانت۔ کہا بہت اچھا لیٹ گیا اور جس کا دانت ٹوٹا تھا اس سے کہا لے بھئی تو توڑ لے میرے دانت۔ جس طرح سے ہو سکے توڑ لے۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ وہ آیا اس سے نہیں ٹوٹا۔ وہ سینے پر بیٹھے بیٹھے پوچھتا ہے۔ میاں جی معاف کرنا کیسا ہے؟ میاں جی نے کہا قرآن پاک میں آیا ہے۔

"وَاَنْ تَعْفُوْا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَاَنْ تَعْفُوا خَیْرٌ لَکُمْ" (سورۃ البقرۃ)

میاجی نے کہا معاف کرنا اعلیٰ بات ہے۔ اس نے کہا میں نے معاف کر دیا۔ تو یہ انقلاب ہوا۔ طبائع میں انقلاب ہونا معمولی بات نہیں بہت بڑی چیز ہے۔ جن لوگوں کی زندگی اس طرح سے گزری وہ لوگ یہاں تک پہنچ جائیں یہ معمولی بات نہیں اگر یہ غلطی سے کسی وقتی جذبہ، کسی وقتی داعیہ سے یہ غلطی سرزد ہوگئی اور دانت ٹوٹ گیا تو فوراً انتقام دینے کو تیار اور جو کچھ وہ فیصلہ کر دے اس کے واسطے وہ آمادہ۔

کام کی عظمت کو سمجھیں

اس لئے میرے محترم دوستو اور بزرگو! ضرورت ہے کہ ہم لوگ اس کام میں حصہ لیں۔ اور حصہ لینے کی یہی صورت ہے کہ اس کام کی اہمیت کو دیکھیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو جب تبلیغ کے واسطے نکلو تو پہلے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ سوچ لو کہ یہ کام اتنا اہم اور عظیم الشان ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کام کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے۔ یہ کام کیسا کام ہے۔ معمولی کام نہیں۔ یہ نہیں کہ دو پیسے کا سودا خریدنے کے لئے جا رہے ہیں۔ ایسا کام نہیں۔ تفریح کے لئے جا رہے ہیں۔ ایسا کام نہیں بلکہ اس کام کی عظمت کو دل میں بٹھاؤ۔ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا ہے۔ اور انھوں نے

بڑی مشقتیں اٹھائیں ۔بعضے بعضے پیغمبروں کو آرے سے چیرا گیا ہے، بعضوں کو آگ میں ڈالا گیا ہے، بعضوں کو قتل کیا گیا ہے، بعضوں پر پتھر برسائے گئے ہیں ۔انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ یہ چیزیں پیش آچکی ہیں ۔جب اس کام کو اٹھانا اور سنبھالنا ہے اس کو لے کر چلنا ہے تو اس کام کے جو پیش رو ہیں، مقتدیٰ ہیں، ان کے حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کے اوپر کیا گذری ۔لہٰذا اس کام کی اہمیت اور عظمت کو دل میں قائم کر کے تضرع و عاجزی کے ساتھ درخواست کر کے دعا کریں کہ اے اللہ! ہم لوگ نااہل ہیں ہمارے ایمانوں میں پختگی نہیں ہمارے اخلاق میں پختگی نہیں ۔آج ہمارے اعمال و اخلاق کی وجہ سے غیر مذہب والوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے ۔ارے یہ مسلمان! مسلمان تو بڑے اخلاق کا ہوتا تھا۔

شہزادۂ فارس کا قبول اسلام

اعلیٰ کیریکٹر ہوتا تھا اس کا۔آج یہ کیا بات ہے ۔اعلیٰ کیریکٹر کا تو یہ حال تھا کہ جنگ فارس کے وقت میں جب شہزادہ فارس گرفتار کر کے لایا گیا ہے اس کے لئے سزائے قتل تجویز تھی ۔جب اس کو قتل کرنے کا وقت آیا تو اس سے پوچھا گیا کہ تمہاری کوئی آخری حسرت ہے؟ آخری خواہش ہے ۔دنیا سے جانے سے پہلے کوئی خواہش ہو تو بتاؤ ۔اس نے کہا مجھے توقع نہیں کہ آپ لوگ میری خواہش پوری کریں گے ۔کہا نہیں پوچھ اسی واسطے رہے ہیں تم سے بتاؤ کیا خواہش ہے ۔اس نے کہا مجھے پیاس لگ رہی ہے پانی پلا دو ۔کہا اچھی بات ہے ۔ایک کٹورے میں پانی لایا گیا۔اس نے کہا اچھا وعدہ کرلو کہ جب تک میں یہ پانی نہیں پیوں گا اس وقت تک مجھے قتل نہیں کروگے ۔اچھی بات ہے یہ ہمارا وعدہ ہے ۔اس نے کہا قسم کھالو ۔انھوں نے کہا قسم کھانے کی ضرورت نہیں ۔مسلمان کا قول ہی قسم ہے ۔یہ بات تھی کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔جو مسلمان نے زبان سے بات کہدی وہی اس کے لئے قسم ہے ۔یہ اس کے کیریکٹر کا حال تھا۔ اتنا پختہ ہوتا تھا۔آج تحریریں لکھائی جاتی ہیں، کوئی بیع نامہ کیا جاتا ہے تو اس کی تحریر لکھائی جاتی

ہے۔تحریر لکھانے میں تو کوئی بات نہیں۔اچھی بات ہے۔پختگی ہوجائے گی لیکن یہاں تو عدم اعتماد کی وجہ سے ہے۔اسے جھوٹا سمجھتے ہیں کہ کل کو اس نے انکار کردیا تو اس تحریر کے ذریعہ سے ہم دعویٰ دائر کرسکیں گے۔جب اس کے سامنے پانی لایا گیا تو اس نے پانی پھینک دیا اور کہا دیکھئے صاحب آپ نے وعدہ کیا تھا۔جب تک میں یہ پانی نہیں پیوں گا اس وقت تک مجھے قتل نہیں کروگے۔اب یہ پانی تو پینا ناممکن ہے زمین پر گرگیا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی۔آپ نے فرمایا کہ اس نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا، ہم دھوکہ نہیں کریں گے۔ آزاد کردو۔چھوڑ دیا اس کو۔جب آزاد کردیا آزاد ہونے کے بعد کہتا ہے:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

کلمہ پڑھتا ہے اور پھر اس نے بتایا کہ میں اپنے دل سے تو مسلمان ہوچکا تھا بہت دیر پہلے۔لیکن میں گرفتار تھا اور میرے لئے سزائے قتل تجویز تھی اور مجھے یہ اندازہ تھا کہ اگر میں نے اسی حالت میں اسلام ظاہر کیا تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ موت کے ڈر سے مسلمان ہوا۔اس لئے میں چاہتا تھا کہ کسی طرح سے آزادی مل جائے اس وقت اسلام کا اظہار کروں۔تو کیریکٹر کا یہ حال تھا مسلمان کے۔دوسرے دھوکہ کرتے رہیں ہم دھوکہ نہیں کریں گے۔

ایک محدث کی حالت

ایک محدث تھے،ان کے یہاں کا یہ حال تھا کہ جس غلام کو دیکھتے کہ یہ غلام زیادہ نماز پڑھتا ہے اس کو آزاد کردیتے۔غلاموں کو معلوم ہوگئی یہ بات، لمبی لمبی نمازیں پڑھنا شروع کردیں غلاموں نے۔سارے صوفی بن گئے اور وہ محدث سبکو آزاد کردیتے۔کسی نے اطلاع کی ان کو کہ یہ تو نماز اس واسطے پڑھتے ہیں تاکہ آزاد ہوجائیں۔تو انھوں نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے دین کی خاطر ہم کو دھوکہ دے گا ہم اس کے دھوکہ میں آجائیں گے۔کوئی حرج نہیں یہ دھوکہ دیتے ہیں بہت اچھا۔یہ جانیں۔ہماری طرف سے آزاد ہے۔آزاد کردیتے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کے دور کا واقعہ ہے جب کوئی شخص مسلمان ہوجاتا تھا تو اس کا جزیہ معاف کردیتے تھے۔ محصول معاف، محصول جو حفاظت کیلئے لیا جاتا تھا، انکی نگرانی کیلئے وہ محصول معاف کردیتے تھے، جب کبھی بھی کوئی مسلمان ہوجاتا تھا۔ انکے عامل نے اطلاع کی کہ خزانہ خالی ہوگیا۔ ذمی لوگ کثرت سے مسلمان ہورہے ہیں، جزیہ ان سے معاف ہورہا ہے۔ اب آمدنی نہیں رہی ہے خزانہ میں۔ کیا زوردار جواب دیا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اِنَّ مُحَمَّداً قَدْ بُعِثَ هَادِياً وَّلَا جَابِياً۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا ہادی بنا کر ہدایت دینے کے لئے، جابی روپیہ بٹورنے والا نہیں تاکہ روپیہ بٹوریں۔ اس واسطے جزیہ تو معاف ہو ہی جائے گا چاہے کوئی اپنے اسلام لانے میں صادق ہو یا نہ ہو، یہ وہ جانیں لیکن جزیہ معاف۔ بے شمار واقعات سے ساری تاریخیں اکابر کی، مشائخ کی، سلاطین کی، خلفاء کی بھری ہوئی ہیں کہ مسلمان اپنے قول کا، اپنے فعل کا بہت پختہ ہوتا تھا، اس کا کردار بہت اعلیٰ ہوتا تھا اس کی مثال ملنی مشکل ہوتی تھی دور دور تک۔ اس کردار کو واپس لانے کے لئے، اس اعلیٰ کردار کو دوبارہ رائج کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اخیر دور میں یہ طریقہ جاری فرمایا جو بہت زیادہ مفید اور کارآمد ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے اس کا۔ جس جگہ پر یہ حال تھا کہ نماز نہیں جانتے تھے کلمہ نہیں جانتے تھے۔ پچیس برس تک محنت کی اور جانکاہ محنت کی۔ گرمی کے زمانے میں چلے سردی کے زمانہ میں سفر کیا، برسات میں بھی سفر کیا۔ غرضیکہ بہت ہی پریشانیاں اٹھائیں لیکن ہر پریشانی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کی۔

پہاڑ پر چڑھتے ہوئے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

ایک مرتبہ ایک پہاڑ پر چڑھنا ہوا شام کے وقت جب وہاں پہونچے تو ایک صاحب

سے کہا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھائی! دیکھ نبی اکرم ﷺ نے کتنے پہاڑ چڑھے اس دین کی خاطر، آج ایک پہاڑ پر چڑھنے کی سنت ادا ہوئی تجھ سے۔ یہ کتنا مبارک دن ہے۔ یہ حضرات اس بات پر خوش ہوتے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کو زندہ کرنے کا موقع آیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے رات بھر نماز پڑھی۔ معمول تھا رات بھر کھڑے ہو کر قرآن پاک سنا کرتے تھے رمضان المبارک میں۔ پیروں پر ورم آگیا پنڈلیوں پر ورم آگیا۔ اس پر چہرے پر اتنی بشاشت کہ حضور اکرم ﷺ کے پیر مبارک پر بھی ورم آیا تھا۔ آج اللہ نے ہمیں بھی اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ یہی چیز ان حضرات کی خوشی کا ذریعہ ہوتا تھا، خوش کرنے والی چیز ہوتی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک سنت زندہ ہوئی۔ حضور اکرم ﷺ کی ایک سنت پر ہمیں عمل کرنے کی توفیق ہوئی۔

مکاتب اور پنج کوسہ کا قیام اور اس کے اثرات

اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل و کرم ہے۔ دین کی خاطر مشقتیں برداشت کی۔ پچیس برس تک محنت کی۔ ہر جگہ پر اپنا مبلغ چھوڑا ہر جگہ مکتب قائم کئے اور ان مکاتیب میں مدرسین کی تنخواہ اپنے پاس سے دی۔ گاؤں والوں سے نہیں مانگی چندہ نہیں کیا۔ پچیس برس کے بعد پھر جانا ہوا۔ پانچ پانچ کوس کے علاقہ کے جو دیہات تھے ان کا ایک علاقہ بنا کر پنج کوسہ تجویز کر دیا۔ ایک جگہ پر پہونچے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ بھئی بتلاؤ اس پنج کوسہ میں کیا کام ہوا پچیس برس میں۔ وہ جو شخص مستقلاً مبلغ موجود تھا اس نے بتلا دیا کہ حضرت ہمارے اس پنج کوسہ کے علاقہ میں تین یا چار آدمی ایسے ہیں جو تہجد کے پابند نہیں باقی سب تہجد کے پابند ہیں۔ جہاں نماز سے واقف نہ تھے

وہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس محنت کی برکت سے یہ انقلاب فرمایا کہ تین یا چار آدمی ہی صرف ایسے ہیں جو تہجد کے پابند نہیں باقی سب تہجد کے پابند ہیں۔ایک جگہ پہونچے وہاں بتلایا کہ چار پانچ آدمی ایسے ہیں جو جماعت کے پابند نہیں ورنہ سب کے سب جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے پابند ہیں۔ایک پنچ کوسہ میں جہاں سخت ترین لڑائی اور سر پھٹول رہتی تھی، کسی نے کسی کا ہاتھ توڑ دیا۔مار کر سر توڑ دیا۔یہ چیز رات دن رہتی تھی وہاں۔دریافت کیا۔ بتلایا کہ اس پانچ کوس کے علاقہ میں کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ جن کے درمیان آپس میں لڑائی اور عداوت ہو۔سب کے سب بھائی بھائی بن کر رہتے ہیں۔کتنا بڑا انقلاب ہے۔طبائع کا انقلاب لانا۔بڑی چیز ہے۔

سب سے بڑا جہاد

اس لئے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کا جہاد سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جس دل میں دین کی قدر نہیں اس کے اندر دین کی قدر پیدا کر دینا، دین کی تڑپ پیدا کر دینا۔جب دین کی طلب ہوگی تو آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ کو بھی تلاش کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق جمیلہ کو بھی دیکھے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پاکیزہ زندگی کو اختیار کرے گا۔ہر بات میں لوگوں سے پوچھے گا کہ اس میں سنت کا طریقہ کیا ہے۔اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ارشاد ہے۔اپنی زندگی کو آزاد نہیں رکھے گا بلکہ پابند بنا دے گا جبکہ دین کی طلب ہوگی۔اگر دین کی طلب نہیں ہوگی تو پھر کچھ نہیں ہوگا۔یہ آپ جانتے ہیں کہ تبلیغ میں تقریریں اصل نہیں۔تقریر جو کی جاتی ہے وہ کچھ لچھے دار نہیں ہوتی۔تقریروں کی ضرورت بھی نہیں، وہ تو صرف لوگوں کو آمادہ کرنے کا ذریعہ ہے۔اصل مقصود تو کام ہے عمل ہے۔اس کام اور عمل کو اختیار کرنا یہ مقصود ہے۔اسی کے ذریعہ سے ہوتا ہے جو کچھ ہوتا ہے۔ تقریر تو محض آمادہ کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

....

آداب گشت

مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو جب تبلیغ کیلئے چلو تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے گناہوں سے توبہ کرکے استغفار کے ساتھ اور یہ تصور کرتے ہوئے کہ اللہ پاک نے اس کام کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ آج یہ کام ہم جیسے نااہل اور ناکارہ لوگوں کے سپرد کردیا۔ اے اللہ اس کو خراب ہونے سے بچا۔ اے اللہ ہمارے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے یہ بے تاثیر نہ ہوجائے۔ یہ تصور کرکے چلو۔ اور ہلکی ہلکی آواز سے ذکر میں مشغول رہو۔ سبحان اللہ! اللہ پاک ہے ہر عیب سے۔ الحمد للہ! ہر خوبی اللہ کیلئے ہے۔ لا الٰہ الا اللہ حکم ماننے کے قابل صرف اللہ کی پاک ذات ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ سب سے بلند اور بالا ہے۔ خاص کر لفظ اللہ اکبر کو کہتے ہوئے جاؤ اور جہاں کسی بھائی سے ملاقات ہو اس کے آس پاس کھڑے ہو جاؤ اور ہر شخص اپنے قلب سے زبان سے ذکر میں مشغول رہے، دھیان اللہ کی طرف رہے۔ اس فضا میں معاصی بھرے ہوئے ہیں۔ ظلمت بھری ہوئی ہے، ضلالت و جہالت بھری ہوئی ہے۔ اللہ کے ذکر سے اس فضا کو منور و معطر کرو تاکہ وہ جہالت دور ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت قریب ہو۔ آہستہ آہستہ کلمات پڑھتے رہو۔

متکلم کا ادب

ایک شخص متکلم متولیٔ کلام ہو اور وہ یہ سوچے کہ یا اللہ کسی طرح سے ایسا ہو کہ بغیر میرے کہے خود بخود اس بھائی کے جی کے اندر یہ بات آجائے جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ تیرے دین کو اس تک پہونچانا چاہتا ہوں۔ یہ بات تو خود اس کے قلب میں ڈال دے مجھے کہنے کی نوبت نہ آوے اور پھر یہ سوچے کہ اگر کوئی اور شخص کہتا تو اچھا تھا میرے کہنے کے بجائے۔ پھر کہے اس سے نہایت ادب واحترام کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ میں گنہگار ہوں بہت زیادہ گنہگار ہوں۔ اگر

وہ شخص چھوٹا ہے تو یوں سمجھے کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے ابھی اس نے گناہ کہاں کیئے بہت کم گناہ کیئے ہوں گے۔ میری عمر زیادہ ہے میری ڈاڑھی سفید ہوگئی گناہ کرتے کرتے میرا منہ نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی بات کہہ سکوں دین کی، دعوت دے سکوں اور اگر عمر میں بڑا ہے تو سوچے کہ اس نے نیکیاں زیادہ کی ہوں گی، اللہ کو زیادہ یاد کیا ہوگا۔ زیادہ عمر گذری اس کی، میں کس منہ سے کہوں۔ اپنے اندر پوری پوری ندامت کا احساس کر کے پھر اس سے کہے۔ اس کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ بھائی کلمہ پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے اپنا کلمہ آپ کو سناتا ہوں آپ میرا کلمہ سن لیں۔ اگر اس میں غلطی اور کوتاہی ہے تو اس کی آپ اصلاح کر دیں۔ آپ میرے گواہ بن جائیں اور پھر آپ اپنا کلمہ سنا دیں تاکہ میں آپ کا گواہ بن جاؤں۔ ہم دونوں حضور اکرم ﷺ کی امت کے دو بھائی ہیں۔ آپس میں ایک بھائی کا دوسرے بھائی پر حق ہوتا ہے۔ اس واسطے کلمہ پڑھنے سے گواہ بن جائیں گے ایک دوسرے کے۔ اور آپ ہمارے ساتھ فلاں مسجد میں آج نماز پڑھ لیں۔ گشت کے لئے چل رہے ہیں۔ ذرا آپ بھی مہربانی کر کے تشریف لے آئیں۔ جب وہ ساتھ ہولیں لے جائیں ان کو۔ اس طریقہ پر اس سے بات کریں اگر وہ اس کو قبول کر لیتا ہے، بہت خوشی کا اظہار کرنا ہے کہ اللہ تیرا شکر ہے احسان ہے، تو نے اس بندہ میں کتنی خوبیاں رکھی ہیں کہ ایک مرتبہ اس کے سامنے بات پیش کی گئی اس نے قبول کر لی اور اگر وہ ناخوشی کا اظہار کرے قبول نہ کرے تو پھر یہ سوچے کہ میرے اندر یہ کھوٹ ہے، میرے اندر خرابی ہے ورنہ تو یہ دعوت کو ضرور قبول کر لیتا۔ اس طریقہ پر کام کریں۔

جماعت بننے اور نکلنے پر یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا مقصد پورا ہوگیا

اور جس بستی میں جائیں وہاں اگر جماعت کا استقبال ہو لوگ خوشی کے ساتھ آجائیں۔ ٹھہرنے کا بھی انتظام کریں آپ کی تعلیم میں بھی شرکت کریں، گشت میں بھی شریک ہوں، جماعت بھی بن جائے باہر نکلنے کا بھی موقعہ مل جائے تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا کام ہوگیا۔ اور فرمایا

کرتے تھے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہ یہ ہم سمجھ لیں کہ ہمارا کام ہو گیا، ہمارا مقصد حاصل ہو گیا ورنہ اندیشہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں جب حاضری ہوگی، حساب کتاب ہوگا وہاں آپ سے یہ نہ کہدیا جاوے کہ جس مقصد کے لئے آپ نے دنیا میں کام کیا تو وہ تو مقصد وہیں حاصل ہو گیا پھر ہم سے کیا چاہتے ہو۔ اس واسطے یوں نہ سمجھے کہ ہمارا مقصد حاصل ہو گیا۔ ہمارا مقصد تو اس دنیا میں حاصل ہوتا ہی نہیں۔ ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہر قدم پر ہر بول پر ہر سانس پر اللہ کی خوشنودی ہم کو نصیب ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے خزانۂ عامہ سے ہمیں کچھ ملے۔ ہمارا مقصد تو وہ ہے اس دنیا میں جو کچھ آتا ہے وہ تو انعام وجیز ہے مختصر سا انعام ہے جو اس دنیا میں مل جاتا ہے ورنہ تو حقیقت میں اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعامات کو سمونے کی طاقت نہیں۔ یہ دنیا برداشت نہیں کر سکتی۔ اس لئے یوں نہ سوچے کہ حصول مقصد ہو گیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اے اللہ تیرا شکر ہے تو نے ان بھائیوں کے اندر وہ صلاحیت عطا کر رکھی ہے کہ انھوں نے اس دعوت کو قبول کیا وہ آمادہ ہو گئے۔ اے اللہ ان کو کھڑا کر دے یہ دین کے کام کیلئے آگے بڑھیں۔

جماعت اگر نہ بنے تو مایوس نہ ہوں

اگر وہ قبول نہ کریں اور دعوت کی جماعت کی تشکیل نہ ہو پائے وہاں استقبال نہ ہو تو ان سے ملول نہ ہوں، رنجیدہ نہ ہوں یوں نہ سمجھے کہ ہم ناکام رہے جماعت کامیاب نہیں ہوئی۔ دیکھو جماعت تو ہر وقت کامیاب ہے اس کے تو ناکام ہونے کا سوال ہی نہیں۔ اس واسطے کہ اس کا کام کیا ہے جس کو کامیابی کہا جاتا ہے وہ کام کیا ہے۔ وہ کام ہے اللہ کی خوشنودی۔ لہٰذا یہ سوچتے ہوئے کہ اللہ کے دربار عالی سے ہمیں کچھ ملے گا۔ یہ سوچتے ہوئے قدم بڑھائیں گے۔ آگے بڑھتا چلا جائے گا۔ ہمت بلند ہوتی چلی جائے گی۔ یہ نہ سوچے کہ ہم ناکام ہوئے اور مایوس ہو کر بیٹھ جائیں۔ ایسا نہیں۔

....

منوانا ہمارا کام نہیں

دیکھئے منوانا تو پیغمبروں کی بھی ذمہ داری نہیں ہے۔منوانا تو صرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے وہ جس کو چاہیں گے منوادیں گے نہیں چاہیں گے نہیں منوائیں گے۔ پیغمبروں کی ذمہ داری بھی منوانا نہیں ہے بلکہ کام بتانا راہ پر لگانا کوشش کرنا خوشامد کرنا کوشش کرتے رہنا یہ ہے۔اس کام میں لگا رہنا چاہئے۔جو شخص اس کام میں لگا رہے گا وہ کامیاب ہے چاہے اس کی کوشش سے کسی ایک جگہ میں جماعت نہ بنی ہو۔چاہے اس کی کوشش سے ایک آدمی بھی نماز پڑھنے کے لئے نہ آیا ہو لیکن وہ کامیاب ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے۔جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں جنت میں داخلہ ہوگا اور انبیاء علیہم السلام جنت میں آئیں گے۔کئی پیغمبر ایسے ہوں گے جن کے ساتھ دس آدمی،کسی کے ساتھ نو،آٹھ سات چھ پانچ چار تین دو ایک،بعضے پیغمبر ایسے ہوں گے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی ہوگا۔یعنی زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہونچایا لیکن ایک شخص ان پر ایمان لایا۔لیکن ان کی پیغمبری میں کوئی فرق نہیں۔جس طرح سے پیغمبر اولوالعزم آئے تھے اسی طرح سے وہ ہیں۔ان سے یہ مطالبہ نہیں ہوگا کہ لوگوں نے کیوں نہیں مانی تمہاری بات۔وہاں تو یہ مطالبہ ہوگا کہ تم نے کتنی پہونچائی۔کتنی محنت کی اس راستے میں کتنی جدوجہد کی کتنا سر کھپایا۔وہاں تو یہ سوال ہوگا۔بعضے پیغمبر ایسے ہوں گے کہ جن کے ساتھ ایک بھی آدمی نہیں ہوگا۔ایک جماعت کے لئے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا وہاں زندگی بھر کوشش کی اور زندگی بھر کوشش کرنے پر بھی ایک آدمی بھی ان پر ایمان نہیں لایا۔لیکن ان کی پیغمبری میں کوئی فرق نہیں۔آپ دیکھئے ایک بینک ہے۔سرکاری اس کی حفاظت کے لئے سپاہی کھڑا ہوا ہے۔بندوق ہاتھ میں لئے ہوئے ہے تا کہ چور کو پکڑے۔وہ پہرہ دے رہا ہے اس کی ساری زندگی گذر جاتی ہے بسا اوقات کہ ایک بھی چور کو نہیں پکڑا پوری زندگی میں۔کیا اس کی ملازمت میں کمی ہے؟ اس کی ملازمت میں

کمی نہیں ہے۔وہ تو بس اسی طریقہ پر تنخواہ پانے کا مستحق ہے کہ اپنی جگہ پر وہ کھڑا ہوا ڈیوٹی دے رہا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ڈاکو آ بھی گئے اور آ کر اس سپاہی کو پکڑ لیا۔ باندھ دیا اور قتل بھی کر دیا تو بھی وہ مجرم نہیں۔اس لئے کہ اس نے اپنی کوشش پوری کر لی۔اس سے تو مطالبہ صرف اتنا ہے کہ تم نے کوشش کتنی کی ہے۔اس کوشش کو سامنے لایا جائے۔اس کوشش پر اجر مرتب ہوتا ہے۔حق تعالیٰ کی طرف سے جو داد و دہش ہے وہ بندہ کی نیت اور اسکے عمل کے مطابق ہے۔اخلاص کے ساتھ جس قدر زیادہ جدو جہد کرے گا اس قدر اس کو اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا مرتب ہوگی اور اگر کسی نے یہ سوچا کہ اس دنیا میں میری کوشش سے کوئی نہیں نکلتا وہ ہمت ہار کے بیٹھ جائے گا۔ہمت ہار کے بیٹھ جائے گا تو کسی کا کیا بگاڑے گا۔اپنے لئے اس نے ایک راستہ صاف کیا تھا۔محنت کرنا شروع کی تھی۔حق تعالیٰ کی خوشنودی کو حاصل کرنا شروع کیا تھا اس راستے کو اس نے روک دیا۔اپنے لئے دروازہ بند کر دیا۔کسی کا کیا بگڑا۔

اپنی بڑائی اور دوسروں کی حقارت سے بچیں

یہ یاد رہے کہ اللہ کا دین ہمارا محتاج نہیں۔ہم محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر ساری دنیا کافر ہو جائے تو بھی اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔اگر ساری کی ساری مخلوق ایمان لے آئے تو بھی اللہ تعالیٰ کی بڑائی میں کوئی فرق نہیں آتا۔اللہ تعالیٰ تو اپنی جگہ پر ایسے بلند و بالا ہیں کہ وہاں پستی کا نام ونشان نہیں،کوئی گنجائش نہیں، وہاں کمی کا کیا سوال۔تو یوں نہ سمجھے کہ ہم دین کی خدمت کر رہے ہیں۔لوگوں کے پاس جا کر اپنا احسان جتانا شروع کر دیں کہ بھئی ہم بھی تجارت والے ہیں، ہم بھی کاروبار والے ہیں، ہمارے پاس بھی بیوی بچے ہیں، ہم بھی اپنا گھر چھوڑ کر آتے ہیں۔لہٰذا تم بھی آؤ۔آخر ہم اتنی پریشانی میں آئے تم خود سوچو اپنا احسان نہ جتائیں لوگوں پر بلکہ ان لوگوں کی خوشامد کریں۔حق تعالیٰ کا فضل سمجھیں کہ اس نے ان سارے جھمیلوں سے آپ کو نکال کر اپنے کرم سے اپنے دین کی خدمت

کے لئے قبول فرمایا۔جتنی اس کو توفیق ہوجائے اتنا زیادہ اس کو شکرگذار ہونا چاہئے۔اللہ کا احسان مند ہونا چاہئے۔ یہ نہ سوچے کہ میں دوسرے پر اپنا احسان جتاؤں گا۔اس احسان جتانے کے ثمرات اورنتائج خراب نکلتے ہیں۔اپنی طبیعت میں بڑائی پیدا ہوتی ہے کہ میں دین کی خدمت کررہا ہوں۔میں تقریر کررہا ہوں اور یہ دین کی خدمت نہیں کررہا ہیں۔ یہ بات بہت تباہ کرنے والی ہے،بر باد کرنے والی ہے، جہاں اپنی بڑائی طبیعت میں پیدا ہوگئی کہ میں بڑا عالم ہوں میں دین کی خدمت کررہا ہوں میں تقریر کررہا ہوں۔اور یہ لوگ چھوٹے ہیں دین سے ناواقف ہیں،نہیں جانتے یہ چیز کیا ہے۔اگر یہ بات پیدا ہوگئی طبیعت میں،اس کی وجہ سے مسلمان بھائیوں کی حقارت پیدا ہونے لگی اگر طبیعت میں یہ نہایت خطرناک چیز ہے۔

ہر مخلوق کے ساتھ خیر خواہی

اسی واسطے تبلیغ کے چھ نمبروں میں سے ایک نمبر اکرام مسلم ہے۔کوئی شخص کتنا ہی گنہ گار ہو دین سے ناواقف ہو لیکن اللہ کا بندہ ہے۔اللہ کے ساتھ تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔ یہ نہیں کہ وہ دیندار ہو تو اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ ”خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ“ (کنزالعمال: ۴۴۱۵۴) اچھا آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہونچائے چاہے لوگ مسلم ہوں چاہے غیر مسلم ہوں۔ چاہے دیندار ہوں چاہے بد دین ہوں،ان کو نفع پہونچانا چاہئے بلکہ ہر مخلوق کو نفع پہونچانا چاہئے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نفع پہونچانے میں یہ خیال نہیں فرماتے کہ یہ مسلمان ہے اسی کو نفع پہونچایا جائے۔ یہ غیر مسلم ہے اس کو نفع نہ پہونچایا جائے۔اس دنیا میں نفع اٹھانے والے سب ہیں۔اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین ہیں تمام جہانوں کے رب ہیں۔ چھوٹی سی چیونٹی بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو بھی روزی دیتے ہیں اس پر بھی رحم فرماتے ہیں۔کتے اور سوّر پر بھی رحم فرماتے ہیں۔انسان اور جن پر بھی رحم فرماتے ہیں۔

انسان جب اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے تو اس کو بھی سب کے ساتھ رحم کا معاملہ کرنا چاہئے۔ سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے۔ باقی جس شخص کے اندر اوصاف عالیہ موجود ہیں وہ زیادہ تعظیم کا مستحق ہے۔ اس کی تعظیم اس کی حیثیت کے موافق کرنی چاہئے لیکن رحم اور خیر خواہی کا معاملہ سب کے ساتھ کرنا چاہئے۔

پڑوسی کے حقوق

حدیث پاک میں آتا ہے:

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَاْمَنْ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ" (اتحاف السادۃ:۳۰۶/۶)

تم میں کوئی شخص ایماندار کہلانے کا مستحق نہیں جب تک اس کے پڑوسی کو اس سے پورا امن نہ مل جائے۔ اگر پڑوسی ڈرتا رہے کہ نہ جانے میرا یہ پڑوسی کس وقت مجھ پر قدم اٹھا دے گا کس وقت میری دیوار گرا دے گا کس وقت کیا نقصان پہونچا دے گا۔ یہ بات نہیں ہونی چاہئے اور پڑوسی کے لئے کوئی قید نہیں کہ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہو۔ سب کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا جب ان کے یہاں کوئی اچھی چیز پکتی تھی ان کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے جب تک اس یہودی کے یہاں نہ بھیج دی جائے گی بطور تحفہ کے اس وقت تک میرے بچے اس میں سے کچھ نہیں کھا سکتے۔ گھر والوں کو اجازت نہیں دیتا ہوں کیونکہ پڑوسی کا حق بہت زیادہ ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اتنی

وصیت کی پڑوسی کے حقوق کی کہ یوں خیال ہونے لگا شاید یہ اس کو میراث میں بھی شریک کریں گے۔تو پڑوسی کے لئے کوئی قید نہیں کہ مسلم ہو دیندار ہو بلکہ ہر ایک کے ساتھ حق ہے۔ پڑوسی کا حق مستقل ہے اس کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔مسافر کا حق مستقل ہے۔ بڑی عمر والے کا حق مستقل ہے ان کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔حضور اقدس ﷺ نے جو حقوق بیان فرمائے یہ تمام زندگی کے شعبوں کو حاوی ہیں۔کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے متعلق تفصیلات موجود نہ ہوں۔

چھ نمبر اور تبلیغی نصاب

اور یہ جو چھ نمبر مقرر کئے ہیں یوں نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ چھ نمبر ہی دین ہے سارا۔نہیں اس کے اندر جامعیت ہے اور ان چھ نمبروں کے ذریعہ آہستہ آہستہ راستہ کھلتا ہے۔ہر چیز کی طرف رہنمائی حاصل ہوتی چلی جاتی ہے۔تبلیغی نصاب اس واسطے پڑھایا جاتا ہے کہ ان چھ نمبروں کے ذریعہ آہستہ آہستہ راستہ کھلتا چلا جائے اور چیزیں سمجھ میں آجاویں۔میں نے جو بری حرکت کی کبھی خیال نہیں آیا دین کا۔اب تبلیغ میں چلّے کے لئے نکلا ہے تو یاد آتا ہے کہ اوہو! میں نے فلاں کام بھی کیا تھا، فلاں حرکت بھی مجھ سے ہوئی تھی۔اس کا بدل کیا ہے، اس کا حل کیا ہے۔میرا نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔میں کس طرح سے اس حق سے دستبردار ہوسکتا ہوں۔یہ چیزیں آتی ہیں۔ یہ کیا بات ہے؟ بات وہی ہے۔ چھ نمبر ایسے ہیں جیسے ایک بڑے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا۔ ان کو آدمی کھول کے بیٹھے، پڑھنا شروع کرے، عمل کرنا شروع کرے۔آہستہ آہستہ دین کی ہر شاخ سامنے آتی چلی جائے گی۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا بڑا سمندر اس کے سینے میں بھر دیں گے کہ ساری زندگی کو حاوی ہوگا اور وہ چلتا چلے گا۔یہاں تک کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اعلیٰ درجہ کا مقبول ہوجائے گا۔باقی جس شخص کو یہ چیز سمجھ میں نہ آوے کہ چھ نمبروں میں کیسے یہ چیز آگئی عمل کرکے دیکھے آہستہ آہستہ ساتھیوں میں دوسرے لوگوں میں دیکھتے دیکھتے خود اس کی سمجھ میں آنا

شروع ہو جائے گا۔

اکرام مسلم اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

اس واسطے جب تبلیغ کے واسطے نکلیں ہمیشہ ہر مسلمان بھائی کا اکرام کریں۔ اس کے اکرام سے کسی بھی وقت غافل نہ رہیں۔ یہ اکرام بڑی دولت ہے۔ایک دفعہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بڑے جوش میں یاد رکھو! بڑے سے بڑا عمل ایک مسلمان کی ادنیٰ دل آزاری سے اللہ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے۔آدمی کتنا بڑا عمل کرتا ہے گو اس کی فضیلتیں احادیث میں موجود ہیں لیکن اسکے ساتھ کسی مسلمان کی دل آزاری بھی ہوئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے۔حدیث پاک میں موجود ہے

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ" (مشکوۃ: ۱۵، ح: ۳۳)

سچّا پکا مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔نہ ہاتھ سے کسی کو اذیت پہونچاتا ہے نہ زبان سے کسی کو اذیت پہونچاتا ہے۔اس واسطے ایذائے مسلم سے حفاظت ضروری ہے۔اکرام مسلم کا لحاظ ضروری ہے۔

تبلیغی جماعت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں

جب یہ پہلی جماعت تیار ہوئی۔حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس جماعت کو تربیت دے کر گشت کرایا جگہ جگہ پر یہ جماعت گئی اور پھر اس کو تھانہ بھون بھیجا حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے وطن اور یہ تاکید کی کہ دیکھو خاص تھانہ بھون نہیں جانا بلکہ آس پاس کے دیہات میں جاؤ۔سات روز تک وہاں گشت کرو۔پورے اصول کی پابندی کرو تاکہ جو لوگ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین، مریدین آنے والے ہیں ان کی خدمت میں آئیں اور آکر کے تم لوگوں کی خبر دیں۔جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خبر

پہونچے گی تو خود ان کے اپنے آدمیوں کے ذریعہ پہونچے گی سات روز تک گشت کرکے پھر جمعہ کی نماز حضرت کے پیچھے جا کر پڑھو اور جا کر حضرت سے عرض کرو کہ کام بہت اونچا ہے۔ ہم لوگ نااہل ہیں ہماری نااہلیت کی وجہ سے کام خراب نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نااہلیت کی وجہ سے اس کام کو خراب ہونے سے محفوظ رکھے اور نصیحت لو دعا لو ان سے۔ ایسا ہی کیا، جماعت گئی گشت کیا آس پاس دیہات میں اور پھر وہاں سے لوگ آنے شروع ہوئے اور بتایا کہ ایک جماعت ایسی ہے اور وہ یہ کہتی ہے۔ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آدمی کو بھیجا جاؤ تحقیق کرو کہ کون لوگ ہیں؟ ان کا مرکز خیال کہاں ہے؟ کدھر سے آئے ہیں؟ کیا کہتے ہیں؟ کیا اصول ہیں ان کے؟ وہ تحقیق کر کر کے بتلاتے یہاں تک کہ جب جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ آئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اور حضرت نے ان کو روک لیا اور بلا کر ان کی باتیں پوچھی تم لوگ کون ہو ان کے اصول سارے پوچھے پھر رائے قائم فرمائی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسا طرز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اسی طریقہ پر دین کو پھیلایا کرتے تھے۔

تبلیغ میں نکلنے والوں کے لئے ہدایات

پیارے دوستو! جس شخص کو اس میں شرکت کی دولت نصیب ہو جائے وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ بہت خوش قسمت ہے۔ اللہ نے وہ راستہ عطا فرمایا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا راستہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ اس واسطے آپ حضرات کے یہاں جو جوڑ ہوا ہے اس سے اب جماعت بن کر نکلیں گی دین کی اشاعت کے لئے بس اس میں پہلی چیز تو یہ کہ یوں سمجھے کہ ہم اپنے دین کی تکمیل کے واسطے اپنے دین کو پختہ کرنے، حاصل کرنے کے لئے نکل رہے ہیں۔ جو ہمارا بڑا ہمیں راستہ بتاتا جائے گا اس سے اپنے دین کی اصلاح کراتے چلے جائیں گے اور جتنا کچھ ہم نے سیکھا ہے اس کو دوسرے کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں گے ہمارے سیکھنے میں جو کچھ غلطی ہے دوسرے بتائیں گے تو اس کی

اصلاح کرتے چلے جائیں گے۔اور ان سب سے ہمارا مقصود ہے اللہ کو راضی کرنا، اللہ کے خزانہ سے لینا یہ مقصود اصلی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ناگوار بات پیش آجائے راستے میں تو اس کو بھی برداشت کرنا۔کہیں ڈانٹ ڈپٹ ہو جائے اس کو بھی برداشت کرنا۔لوگ اپنی مسجد میں ٹھہرنے نہ دیں، نکال دیں، لاٹھی مار کر نکال دیں اس کو بھی برداشت کرنا۔لڑنا نہیں۔مقابلہ نہیں کرنا۔ اس واسطے کہ دین کی خاطر نکلیں ہیں، طالب بن کر نکلے ہیں۔اپنے دین کو ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔پھر اس طریقہ پر چل پھر کر ہمارے دین کا کوئی حصہ کہیں سے ملے گا، کوئی حصہ کہیں سے ملے گا۔کوئی کسی بزرگ سے کوئی عالم سے کوئی دیندار سے ملے گا ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔جہاں جہاں بھی جو چیز ملتی جارہی ہے اس کو جمع کرتے جارہے ہیں۔یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالی اپنی رحمتوں سے نوازے۔ہر کام کے لئے پہلے دعاؤں کی ضرورت ہے۔اس واسطے کے سب کے دل تو اللہ کے قبضہ میں ہیں، سب کی زبانیں بھی اللہ کے قبضہ میں ہیں۔جس دل کے اندر اس کام سے عداوت ہے کوئی ضروری نہیں کہ وہ عداوت دائمی ہو۔ہوسکتا ہے کہ آج عداوت ہو کل اللہ تبارک وتعالی اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈالدے۔جب دل سب کے حق تعالی کے قبضہ قدرت میں ہیں تو پھر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔اور عداوت کا مقابلہ، بدلہ عداوت سے نہیں دینا، گالی کا بدلہ گالی سے نہیں دینا۔بلکہ سلامتی کے ساتھ رہنا۔

مامون کے اخلاق

خلیفہ مامون الرشید کے حالات میں ہے کہ وہ ایک مرتبہ رات میں اٹھے۔انھوں نے غلام کو آواز دی۔غلام لیٹے ہوئے تھے کہیں ایک جگہ پر۔آواز دے رہے ہیں یا غلام یا غلام، تو وہ غلام جاگ رہے تھے مگر سب سوتے بن گئے۔لیٹے رہے۔پھر ایک نے کہا کہ ان غلاموں کو قتل کردو۔پھانسی دیدو۔نہ دن میں چین نہ رات میں چین۔ہر وقت یا غلام یا غلام۔مامون الرشید خلیفہ ہونے کے باوجود خاموش واپس چلے گئے۔کسی وزیر کو معلوم ہوا۔وزیر نے شکایت کی بادشاہ

سے کہ غلام بہت بداخلاق ہو گئے ہیں ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔خلیفہ نے جواب دیا۔کیا ان کی بداخلاقی کو درست کرنے کے لئے میں بداخلاق بنوں۔تو بھئی اگر کوئی شخص بری بات کہتا ہے تو جو چیز جس کے پاس ہے وہ کہتا ہے۔ایک شخص کی زبان مانوس ہے بری باتوں سے اس کی زبان سے تو برے ہی الفاظ آئیں گے۔اچھے الفاظ کہاں سے آئیں گے۔اچھے الفاظ سیکھے ہی نہیں بیچارے نے۔ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اچھے الفاظ بولنے کی وہ اچھے الفاظ بولے گا۔حضورِ اکرم ﷺ نے بھی گالیوں کا جواب نہیں دیا۔غصہ کا جواب بھی نرمی سے دیا۔ پیارے دوستو! مسلمان تو اس لئے پیدا ہوا ہے کہ یہ ایثار کرے۔گالی کھا کر دعائیں دے۔نبی اکرم ﷺ پر پتھر برسائے جارہے ہیں لیکن آپؐ دعائیں دے رہے ہیں۔

"اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" (اتحاف السادۃ:۸/۲۵۸)

[اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دیدے،اس لئے کہ وہ نہیں جانتے۔]

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی مخالفین کیلئے ولی ہونے کی دعا

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی دریا کے کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے یہ بادشاہت چھوڑ کر چلے گئے تھے فقیری اختیار کرلی تھی۔دریا میں ایک کشتی تھی۔اس کشتی میں اس قسم کے سر پھرے لوگ تھے۔انھوں نے کہا کہ یہاں مجلس رقص ہونی چاہئے مجلس سرور ہونی چاہئے۔گانا بجانا شروع ہوگیا وہاں ضرورت تھی ایک سر پٹے کی۔سر پٹا کیا کہ جس کو درمیان میں بٹھالیا جائے۔ایک شخص ادھر سے چپت مارے اسکے سر پر،ایک ادھر سے مارے۔ہنسی مذاق اڑائیں۔ایسا کوئی آدمی ہونا چاہئے۔تفریح کیلئے آدمی تلاش کرنے کے لئے گئے۔دیکھا بیٹھے ہوئے ہیں دریا کے کنارے پر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ۔سمجھے کہ کوئی پاگل ہے باؤلا ہے۔پکڑ لائے۔لاکر کشتی پر بٹھالیا گیا اور ان کے ساتھ یہ معاملہ شروع ہو گیا۔چپت مارنے کا۔ایک نے ادھر سے مارا ایک نے اُدھر سے مارا۔یہ تھے بہت بڑے

ولی۔حدیث پاک میں ہے۔حدیث قدسی ہے:

"مَنْ اٰذٰی وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ او کما قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰی اللّٰہ علیہ وسلم" (اتحاف السادۃ: ۲۹۵/۵)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے کسی ولی کو اذیت دیتا ہے، میرے کسی ولی سے عداوت رکھتا ہے تو میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔خدائے پاک کی شان یہ ہے اس کو لوگ گالیاں دیتے ہیں، اس کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ پھر بھی ان کو روزی دیتے ہیں، کھانے پینے کو دیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں خداوند تعالیٰ موجود نہیں پھر بھی خدا تعالیٰ ان کی روزی نہیں بند کرتے۔تو خداوند تعالیٰ کی شان میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ تو خداوند تعالیٰ برداشت کر لیتے ہیں لیکن خدائے پاک کے کسی محبوب کسی ولی کو اگر اذیت پہنچائی جائے پھر خداوند تعالیٰ اس کو برداشت نہیں کرتے۔جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا تو غیر خداوندی کو جوش آیا۔وہاں سے ان کو الہام ہوا کہو تو ہم اس کشتی کو ڈبو دیں، سب کو غرق کر دیں۔مگر جواب دیتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ جس طرح سے آپ کو قدرت ہے ان کو ڈبونے اور غرق کرنے پر، آپ کو یہ بھی تو قدرت ہے کہ ان اندھوں کی آنکھیں کھول دیں۔ان کو ہدایت دیدیں۔توجہ کی۔جتنے تھے سب کے سب ولی ہو گئے۔ان حضرات کا تو یہ حال تھا۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا چور کے ساتھ سلوک

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ اپنے گھر میں تہجد کی نماز میں مشغول تھے کوئی چور آیا۔آ کر گھر میں تلاش کیا کچھ سامان نہیں ملا۔ان کے سلام پھیرنے کا وقت آیا تو اسے پریشانی ہوئی کہ یہ دیکھ لیں گے مجھے۔چھپ گیا وہیں کہیں۔دوبارہ جب نیت باندھیں گے تب چلا جاؤں گا۔ان کو اندازہ ہو گیا کہ اس گھر میں چور ہے۔انھوں نے اپنی گدڑی

اس کے راستے میں ڈال دی اور پھر نماز کی نیت باندھ لی تا کہ محروم نہ جائے تو وہ لوگ دشمنوں کے ساتھ میں بدخواہوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کرتے تھے۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

میں نے سنا ہے کہ خدا کے راستے کے مرد کہ انھوں نے دشمنوں کے دلوں کو بھی تنگ نہیں کیا بلکہ انھوں نے ان کے ساتھ بھی خیر خواہی کی ہے۔اس واسطے کہ مسلمان تو بدخواہوں کے ساتھ بھی خیر خواہی کرنے کے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھلانیکے لئے پیدا ہوا ہے۔خود مصیبت اٹھا کر دوسروں کو راحت دینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔اس لئے اپنے مقام کو سوچنا چاہئے۔

کھیل کود اور مسلمان

ایک مرتبہ ایک شخص نے پوچھا کہ مولوی صاحب یہ کھیل کود ہو رہا ہے، کرکٹ کھیل رہے ہیں۔لوگ شطرنگ کھیل رہے ہیں، کیا ہمارا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ہم کو کھیلنے کی اجازت نہیں۔میں نے کہا آپ اپنے مقام کو پہچانئے۔ایک شخص ہے جو ہوائی جہاز چلانا جانتا ہے۔ایک بستی میں حملہ ہونے والا ہے۔ضرورت ہے اس بستی سے جلدی سے جلدی لوگوں کو حملہ سے پہلے پہلے نکال لائے۔وہ جہاز لیکر جاتا ہے اور اس کی ڈیوٹی یہ ہے کہ بستی سے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نکال کر باہر لے آئے حملہ سے پہلے پہلے تا کہ تباہی بربادی سے بچ جائیں۔جاتے جاتے کہیں دیکھا کہ کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے۔اب یہ بیوقوف کہتے کہ میرا کوئی حصہ نہیں اس کھیل میں۔ارے تمہاری ڈیوٹی کیا ہے۔تمہارے سپرد کیا کام کیا گیا۔کتنا بلند کام تمہارے سپرد کیا گیا۔

اس کو چھوڑ کر تم ادھر لگنا چاہتے ہو۔خدائے پاک نے جو ذمہ داری مسلمان پر عائد فرمائی ہے۔ مسلمان دوسروں کا دیکھا دیکھی اس ذمہ داری کو چھوڑ کر لہو ولعب میں لگنا چاہتا ہے اس واسطے اپنی ذمہ داری کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔حضرت نبی اکرم ﷺ نے پوری ذمہ داریاں بیان فرمادیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو جمع کیا،محدثین نے ان کو کتابوں میں لکھا اور آپ تک اس کو پہونچا دیا گیا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم ﷺ سے ایک روایت نقل فرماتے ہیں۔(عربی عبارت چھوٹی ہوئی ہے)

فرماتے ہیں سات چیزوں سے پہلے پہلے عمل کرلو۔یہ دنیا میدان ہے سعی وعمل کا۔جو شخص جس قدر سعی وعمل کرے گا اسی قدر انشاء اللہ اس کو کامیابی ہوگی۔آفتیں ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہیں، پریشانیاں درپہ ہیں۔اس واسطے فرماتے ہیں کہ سات چیزوں سے پہلے پہلے عمل کرلو۔کیا تم کو اس کا انتظار ہے کہ فقر آجائے۔اللہ نے آج ہمیں مال و دولت دے رکھی ہے۔روپیہ پیسہ پاس ہے اور عمل کرنے میں یہ روپیہ پیسہ مانع ہے کہتے ہو پیشہ کا حرج ہوگا، دکان کا حرج ہوگا، ملازمت کا حرج ہوگا۔کیسے اعمال صالحہ کریں۔بعضے بعضے آدمیوں پر حج فرض ہے مگر دکان کا کوئی خاص انتظام نہیں ہے۔اس وجہ سے وہ حج نہیں کررہے ہیں۔اتنا زیادہ مال اللہ نے دے رکھا ہے وہ روپیہ پیسہ پاس ہے اور عمل کرنے میں یہ روپیہ مانع ہے اعمال صالحہ میں کوتاہی ہے۔اور عذر یہ ہے کہ کاروبار ختم ہو کر فقر آجائے تب عمل کروگے۔اس لئے مال و دولت کی مشغولی کی حالت میں بھی اعمال صالحہ کرنا چاہئے۔یہ مال و دولت تو خادم ہے اعمال صالحہ کا، معاون اور مددگار ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ سے فقراء کا سوال

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں۔یہ جتنے اہل دولت

اور ثروت ہیں یہ بھی نماز پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں۔جو کام ہم کرتے ہیں وہ یہ کرتے ہیں۔ لیکن اللہ نے ان کو مال دے رکھا ہے۔یہ صدقہ خیرات کرتے ہیں ہم صدقہ خیرات نہیں کر پاتے۔ہمارے پاس مال و دولت نہیں۔یہ لوگ جنت میں ہم سے آگے چلے جائیں گے ہم پیچھے رہ جائیں گے ان لوگوں کو یہ اشکال تھا کہ یہ مال و دولت والے نیک اعمال کر کے ہم سے آگے آگے جنت میں چلے جائیں گے اور ہم پیچھے رہ جائیں گے۔ہمارے پاس تو مال و دولت ہے نہیں۔ہم کہاں سے صدقہ کیا کریں۔تو انھوں نے مالداروں کی حرص کی ہے اعمال صالحہ کی خاطر کہ ان کے پاس مال و دولت ہے یہ اعمال صالحہ کرتے ہیں۔نبی اکرم ﷺ نے ان کو ترکیب بتائی کہ تمہارے پاس مال و دولت نہیں ہے تو تم لوگ دوسرا طریقہ اختیار کر سکتے ہو۔نماز کے بعد فلاں فلاں چیز پڑھ لیا کرو اور تسبیحات بتلادی ان لوگوں نے یہ شروع کر دی۔مالداروں نے دیکھا کہ ہمیشہ تو یہ لوگ نماز پڑھ کر چلے جایا کرتے تھے۔اب بیٹھ کر کچھ پڑھتے بھی ہیں۔سوچ ہوئی۔فکر ہوئی۔تفتیش کی۔معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا تو حضور اقدس ﷺ نے پڑھنے کیلئے بتلا دیا۔فلاں فلاں چیز بتادی۔انھوں نے بھی پڑھنا شروع کر دیا۔ان فقراء اور مساکین کو پتہ چل گیا۔انھوں نے آکر پھر حضور اقدس ﷺ سے شکایت کی کہ حضورؐ وہ تو ان مالداروں کو بھی پتہ چل گیا ہے اور وہ بھی پڑھنے لگے ہیں۔آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کے فضل کو میں کیسے روکوں۔مقصد یہ کہ مالداری کی حالت میں بھی آدمی اعمال صالحہ کر سکتا ہے، حج کیلئے جا سکتا ہے، اللہ کے راستے میں نکل سکتا ہے۔یہ نہیں کہ فرصت نہیں، کاروبار کا کیا ہوگا، دکان کا کیا ہوگا، ملازمت کا کیا ہوگا چلے میں نکلنے سے اللہ کے راستے میں نکلنے سے، بلکہ مالداری کے ساتھ بھی اللہ کی راہ میں نکل سکتے ہیں، اعمال صالحہ کر سکتے ہیں۔یہ نہ سمجھے کہ مال کمانے میں لگا ہوا ہوں کیسے عمل کروں۔کیا اس کا انتظار ہے کہ فقر آجائے۔خدانخواستہ۔پہلے حضرات کا حال مالداری کی حالت میں بھی خرچ کرنے کا بہت کچھ تھا۔اعمال صالحہ کرنے کا بہت کچھ تھا۔اللہ کے راستے میں مالداری کی حالت میں بھی نکلتے تھے۔مال بھی ان کے پاس بہت تھا۔

……………………………………………………

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا چندہ دینا

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چندہ کی فرمائش کی جہاد کے واسطے۔لوگ اپنی اپنی حیثیت سے بہت زیادہ لے کر آئے۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی لائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ مجھ سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اعمال صالحہ میں۔آج تو چندہ کا وقت آیا ہے۔میرے پاس آج زیادہ وسعت ہے میں ان سے زیادہ لے جاؤں گا۔حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لے کر آئے۔ پوچھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ابوبکر گھر میں کیا چھوڑا۔فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اور اس کے رسولؐ کا نام چھوڑا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا۔گھر کا جو سامان تھا روٹی پکانے کا سامان توا، چمچہ وغیرہ وہ بھی لاکر رکھ دیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا عمر تم کیا چھوڑ کر آئے ہو۔تو انھوں نے بتایا آدھا چھوڑا آدھا لے آیا۔بس اتنا تھوڑا فرق ہے دونوں میں۔مال و دولت جنت کمانے میں رکاوٹ نہیں ہیں۔بلکہ نیکی کمانے میں خادم ہیں بشرطیکہ ان سے خدمت کا کام لیا جائے اور بھئی حسن تدبیر سے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آدمی کام بھی لیتا ہے۔آپ ہی غور کیجئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

قریش نے ایک مرتبہ کمیٹی کی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہ ہمارے بتوں کو پوجنے نہیں دیتے۔منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں صرف ایک خدا کی عبادت کرو،ان کا خاتمہ کر دینا چاہئے۔ایک شخص نے کہا مجھے اتنے روز دو تو میں ان کو ختم کر دوں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے،حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار لے کر اٹھے کہ اچھی بات میں جاتا ہوں اس کام کے لئے۔تلوار سنبھالی اور چل دیئے۔راستے میں ایک اور صحابی ملے۔انھوں نے پوچھا عمر کیا ارادہ ہے؟ بتلایا کہ حضرت محمدؐ کا سر کاٹنے جا رہا ہوں۔انھوں نے کہا کہ پہلے اپنے گھر کی بھی خبر لی ہے۔

تمہاری بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو گئے۔ بس جو غصہ تھا ادھر کا اُدھر کو منتقل ہو گیا۔ گھر پہ پہونچے تو انھوں نے کواڑ کے سوراخ سے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آرہے ہیں۔ چہرے پر غصہ کے آثار ہیں۔ تناؤ ہے۔ ہاتھ میں تلوار ہے۔ ڈر گئے گھبرا گئے۔ ایک صحابی جو ان کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کریم پڑھا رہے تھے وہ بھی مکان کے ایک حصہ میں چھپ گئے اور انہوں نے بھی قرآن پاک کا وہ حصہ جس پر کچھ لکھا ہوا تھا اٹھا کر چھپا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ انھوں نے دروازہ کھولا پوچھا کیا کر رہے تھے تم؟ کیا پڑھ رہے تھے؟ کہا کچھ عربی عبارتیں پڑھ رہے تھے ٹلانا چاہا مگر کیسے ٹلتے۔ ان کو خبر لگ چکی تھی۔ یوں کہا میں سمجھ گیا مجھے معلوم ہوا کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے کہا کہ اگر مذہب اسلام سچا اور صادق ہو تو اس کے قبول کرنے میں کیا اشکال ہے؟ اس پر غصہ میں بھرے ہوئے تھے اور ایک چپت مارا بہن کو۔ بہنوئی کی پٹائی کی۔ بہن بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن تھی۔ فرمایا ہاں ہم نے تو مذہب اسلام قبول کیا ہے جو سچا ہے تمہارا جی جو چاہے کرو۔ اب ان پر ندامت طاری ہوتی ہے کہ میں نے بہن کو مارا لہٰذا غصہ رخصت ہوا اور کہا میں بھی سننا چاہتا ہوں مجھے بھی سناؤ کیا ہے؟ انھوں نے سنایا۔ اب ان کی کایا پلٹ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس مقام پر مقیم تھے وہاں گئے۔ ان لوگوں نے دیکھا کواڑ کے ریس میں سے کہ عمر رضی اللہ عنہ آرہے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی گئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے وہاں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا گھبرانے کی بات نہیں۔ اگر کوئی خیر کا ارادہ لے کر آرہے ہیں تب تو ٹھیک ہے ورنہ انہیں کی تلوار ہوگی انہیں کی گردن۔ اور دروازہ کھولا گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عمر کیا حال ہے؟ کب تک اس طرح سے پھرتے رہو گے؟ انھوں نے کہا میں تو اسلام لانے کے لئے آیا ہوں۔ اسلام قبول کیا اور اسلام قبول کرتے ہی کہا کہ چلئے چل کر حرم شریف میں نماز پڑھیں۔

حرم شریف میں نماز

اس وقت تک مسلمان حرم شریف میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اتنی وحشت، اتنی

دہشت تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آگے آگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تلوار لئے ہوئے۔ حضرت علیؓ بھی ہیں حضرت حمزہؓ بھی ہیں اور بھی صحابہؓ ہیں۔ سب کے سب گئے۔ تو جہاں کفار ومشرکین کی کمیٹی بیٹھی ہوئی تھی انتظار میں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر اتار کر لائیں گے انھوں نے دیکھا کہ معاملہ برعکس ہے۔ یہ کیا ہوا؟ ایک شخص آیا قریب میں۔ اس نے آ کر کہا یہ کیا ہوا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کلمۂ شہادت ادا کیا اور تلوار اٹھا کر کہا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص کسی برے ارادے سے آیا تو یاد رکھو اس کا سر اس کے قدموں میں پڑا ہوا ملے گا۔ غرض جو تلوار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹنے کے لئے چلی تھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس تلوار سے کیا کام لیا۔ وہی تلوار اللہ کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوگئی۔ جو چیز نقصان دہ ہے اس چیز کو بدل کر نفع کی چیز بنالینا یہ حکمت کی بات ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ مال و دولت کو آدمی نفع کی چیز بنالے اسی طریقہ پر کہ اس سے خدا کی خوشنودی حاصل کرلے، یہ حکمت کی بات ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا چندہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ چندہ کی تحریک پر مال لے کر بڑی تعداد میں لائے۔ اتنے اونٹ اور اتنی اشرفیاں میری طرف سے لکھوا رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر جھولا بھرا ہوا اشرفیوں کا ڈال دیا۔ اتنا وسیع تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اٹھ نہیں رہا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دیئے ہوئے پیسوں کو دیکھ رہے ہیں اور مسرت کے آثار چہرہ مبارک پر تھے اور فرما رہے تھے کہ آج کے بعد اگر عثمان کوئی نفلی عبادت بھی نہ کریں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے اتنا کچھ دیدیا۔ تو مال کو آخرت کمانے کا جنت حاصل کرنے کا ذریعہ بنالیا جائے نہ یہ کہ مال کی مشغولیت کی وجہ سے آدمی دنیا کو فراموش کردے۔ اعمال صالحہ سے رک جائے۔ اس لئے فرماتے ہیں؛

هَلْ تَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا فَقْرًا مُنْسِيًا ۔

آج اللہ نے سب کچھ دے رکھا ہے، بے فکری بھی ہے ۔کیا اس کا انتظار ہے کہ سب کچھ دیا ہوا ختم ہو کر فقر آجائے تب عمل کرو گے ۔

حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی سخاوت

عجیب حال تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا۔حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں ۔ایسی حالت میں ہجرت کر کے گئے کہ ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ مدینہ طیبہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کا بھائی انصار کو بنا دیا تھا جن کو ان کا بھائی بنایا تھا انھوں نے کہا دیکھو بھائی عبد الرحمن! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو ہمارا بھائی بنایا ہے ۔میرے مکان میں جتنی چیزیں ہیں سب کی سب آدھی تمہاری ہیں آدھی میری۔ میرے پاس دو بیویاں ہیں ۔ یہ تو مناسب نہیں کہ ایک بھائی کے پاس دو بیوی رہیں اور ایک خالی رہے۔ان دونوں کو دیکھ لو۔جونسی پسند ہو اس کو میں طلاق دے دوں گا۔اس کی عدت ختم ہونے کے بعد تم اس سے نکاح کر لینا۔ یہ تو انھوں نے بھائی ہونے کا حق ادا کر دیا۔ادھر حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بلند حوصلہ کے تھے ۔انھوں نے کہا نہیں بھائی تمہارا مال بھی تم کو مبارک ہو، تمہاری بیوی بھی تم کو مبارک۔ مجھے کچھ دھندہ کرنا آتا ہے ۔لہٰذا آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیں ۔انھوں نے دھندہ کیا اللہ نے برکت دی ۔آہستہ آہستہ بہت بڑھ گئے ۔یہاں تک ہو گئے کہ میاسیر صحابہ میں سے ہو گئے ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک ہزار گھوڑے ان کی ملکیت میں تھے ۔جنگل کا جنگل بھرا ہوا تھا ان کے گھوڑوں سے ۔ایک ہزار اشرفی روزانہ کی آمدنی تھی ۔اور یہ گھوڑے تجارت کے واسطے نہیں تھے ۔ یہ گھوڑے کس کام آتے تھے ۔جہاد کا اعلان ہوا۔ایک شخص نے آکر کہا میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں میرے پاس گھوڑا نہیں ہے۔ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لو میرا گھوڑا۔لو میری تلوار۔ایک ہزار آدمیوں کو گھوڑے

دیئے۔ ایک ہزار آدمیوں کو تلواریں دیں۔ اب جب میدان جہاد میں جارہے ہیں تو یہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اکیلے نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ ایک ہزار اور ہیں۔ اس لئے کہ جتنا جہاد یہ لوگ کریں گے جو ان کے گھوڑوں پر سوار ہیں اور ان کی تلواریں ان کے ہاتھ میں ہیں ہر ایک میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا پورا پورا حصہ ہے۔ اتنے بڑے جنت کمانے والے مال دولت میں ان کا دل اٹکا ہوا نہیں تھا۔

مال کی جگہ

جیسے مولانا عبدالحلیم صاحب دامت برکاتہم نے بیان فرمایا تھا کہ مال کی جگہ باہر ہے اندر نہیں۔ جیب میں رکھی ہے صندوقچی میں رکھی ہے۔ بینک میں رکھی ہے۔ مگر باہر رکھی ہے دل میں نہیں۔ جیب میں رکھی ہے اگرچہ وہ جیب دل کے قریب ہو لیکن دل کے اندر نہیں ہونی چاہئے۔ اس کی مثالیں اور نظیریں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مبارک زندگیوں میں بڑی کثرت سے ملیں گی۔ مالدار ہونے کے باوجود ان حضرات کو ادنیٰ سا بھی تعلق مال سے نہیں تھا کہ اس کی وجہ سے عبادت میں کمی ہو رکاوٹ پیدا ہو کہ اس میں لگ کر جماعت چھوٹ جائے تکبیر اولیٰ فوت ہو یا کوئی نماز قضا ہو جائے۔ یہ بات نہیں تھی۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک صحابی چلے جارہے ہیں ایک جنگل میں، کھیت میں سے گذرے۔ یہاں سے ایک نوجوان لڑکا اٹھا۔ اس نے کہا چچا میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ انھوں نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا الیہ راجعون۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے جو کاغذات دیکھے حساب دیکھا، والد صاحب کے اتنے روپے آپ کے ذمہ واجب ہیں ان صحابی نے کہا اچھی بات ہے جب دل چاہے آ کر

لے لینا اپنے آدمی سے کہدیا کہ جب وہ لینے کے لئے آئیں دے دینا۔اس کے بعد پھر اس طرف سے گذر ہوا تو وہ لڑکا اٹھا اور کہا کہ چچا میرے حساب کے سمجھنے میں غلطی ہوگئی۔وہ اتنے میرے والد کے آپ کے ذمہ واجب نہیں بلکہ یہ تو آپ کے ہیں میرے والد کے ذمہ۔ انھوں نے کہا اچھا میں نے معاف کیا۔کہنے لگا معافی کیسی میں تو دوں گا۔انھوں نے فرمایا اچھی بات ہے دے دو۔اس نے کہا سب تو ہے نہیں تھوڑے سے دوں گا۔اچھی بات تھوڑے سے دیدو۔اس نے کہا روپے تو ہیں نہیں یہ زمین کا ٹکڑا ہے لے لو۔انھوں نے کہا بہت اچھا۔اس نے زمین کا ٹکڑا دے دیا۔انھوں نے وہیں مصلی بچھا کر دو رکعت نماز پڑھی اور چل دیئے۔اسے وقف کر دیا۔بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ وہ لڑکا کہتا ہے کہ میرے والد کے اتنے آپ کے ذمہ ہیں۔اس پر بھی کہدیا بہت اچھا۔کوئی حساب کتاب دیکھنے کی ضرورت نہیں۔حالانکہ تھے ان کے اس کے ذمہ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا دل مال کے ساتھ اٹکا ہوا نہیں تھا۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ترکہ اور قرضہ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جو وفات ہوئی ہے شُرّاحِ حدیث کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ۵۵ رکروڑ کا ترکہ چھوڑا انھوں نے اور تقریباً ۲۲ رلاکھ کا قرضہ چھوڑا۔اس طریقہ پر امانت دار تھے لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھتے اور فرماتے کہ بھئی بعینہ میں اس کی حفاظت نہیں کرسکتا۔میں نے اپنے رجسٹر میں لکھ لیا ہے باقی جب ضرورت ہو آ کر لے لینا۔اور پھر اس کو خرچ کر دیتے۔مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا ان حضرات کا۔ان حضرات کی پاکیزہ زندگی کو تلاش کر کے دیکھیں گے تو معلوم ہو گا کہ کبھی مال کی مشغولی کی وجہ سے نماز قضا نہیں ہوئی۔دین کا کوئی کام نہیں چھوٹا۔جہاد میں جانے سے نہیں رکے۔

…………………………………

کام کرنے کی ضرورت

اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جانے سے کبھی نہیں رکے۔ اس لئے ہم سب کو اس کام کو کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک وقت کے بیان میں شریک ہو گئے۔ دوسرے وقت چلدیے اور شریک نہ ہوئے۔ تعلیمی حلقے ہیں اس میں بھی بیٹھنا ہے۔ مشورہ ہے جس جس کو طلب کیا جاوے اس میں بھی شریک ہونا چاہئے۔ تقریر ہے اس کو بھی سننا چاہئے۔ گشت ہے جن کے لئے تجویز کیا جاوے گشت میں بھی شرکت کرنا چاہئے۔ اگر کسی نے ایک کام میں شرکت کر لی دوسرے میں شرکت نہیں کی وہ ایسے ہی ہے جیسے کسی حکیم نے ایک نسخہ لکھا اس میں جو دوائیاں لکھی ہوئی ہیں اس میں سے دو دوائیں تو استعمال کر لیں تیسری دوا کو چھوڑ دیا۔ نسخہ نامکمل ہے فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ آمین۔

دعا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مَوْلَانَا محمّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے اللہ ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔ اے اللہ چھوٹے بڑے سارے گناہوں کو بخش دے۔ اے اللہ تیری رحمت بہت وسیع ہے۔ یہ مبارک مہینہ ہے۔ اس مبارک مہینہ کی قدردانی نصیب فرما۔ اے اللہ جن لوگوں نے نام لکھوائے ہیں ان کے حوصلے بلند فرما۔ زیادہ سے زیادہ دور تک اور دیر تک وقت دینے کی توفیق عطا فرما۔ ان کے اندر پختگی عطا فرما۔ الٰہ العالمین ان سب کو قبول فرما۔ اے اللہ جنھوں نے نام نہیں لکھائے ان کو نام لکھانے کی توفیق عطا فرما۔ جن کو واقعی عذر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے عذر کا انتظام فرما۔ جن کو واقعی عذر

نہیں ہے محض حیلہ بہانہ بنالیا اے اللہ اس حیلہ بہانہ بنانے والے کے جی میں اس کام کی اہمیت کو ڈال دے، ان کو سمجھا دے کہ یہ حیلہ بہانہ بنارہے ہیں واقعی کام کرنا چاہئے۔ الہ العالمین ہمارے اخلاق کی حفاظت فرما۔ ہمارے اعمال کی بھی اصلاح فرما۔ ہمارے عقائد کی بھی اصلاح فرما۔ اے اللہ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو بدل ڈال۔ ہم سب کو رحمت کے سایے میں لے لے۔ الٰہی یہ تمام فضا معاصی سے گناہوں سے بھری ہوئی ہے ان سب کو رحمت اور مغفرت سے بھر دے۔ اے اللہ اپنے ذکر کی پوری توفیق عطا فرما۔ اے اللہ مسلمانوں کے قلب میں نور ایمان عطا فرما۔ اے اللہ اس نور میں قوت عطا فرما۔ اس نور کے ذریعہ اعمال کو روشن فرما۔ الہ العالمین ہر قسم کے فتنوں سے حفاظت فرما۔ اے اللہ تمام مریضوں کو صحت عطا فرما۔ جسمانی صحت بھی عطا فرما۔ روحانی صحت بھی عطا فرما۔ اے اللہ سب کو اتباع سنت کی پوری پوری توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔ صَلَّى اللّٰهُ تعالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

....

تبلیغ کی اہمیت

اس بیان میں

☆......تبلیغ کی اہمیت وضرورت کو بیان کیا گیا ہے۔
☆......اکابر اہل اللہ کی تبلیغی محنت اور ان کی قربانیوں کا ذکر ہے۔
☆......انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟
☆......زندگی کا رخ صحیح کرنے کی ضرورت۔

تبلیغ کی اہمیت

خطبۂ مسنونہ۔ اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ: یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ۔ (سورۃ المائدۃ:۶۷)

اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچادیجئے اور اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقینا اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہ دیں گے۔ (بیان القرآن)

حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے رسول جو چیز تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اس کی تبلیغ کرتے رہنا۔

وان لم تفعل۔ اگر ایسا نہ کیا اس میں کمی کی کوتاہی کی۔

"فما بلغت رسالته" اس فریضہ کو اگر آپ نے ادا نہ کیا تو آپ نے حق

رسالت ادا نہیں کیا۔

واللہ یعصمک من الناس۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا۔

ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین۔ اللہ تعالیٰ کافرین کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے جو کچھ تعلیم دی ہے وہ بہت غور سے سننے کی چیز ہے۔رسول اللہ ﷺ کو خطاب فرمایا کہ جو کچھ بھی آپ پر نازل کیا گیا اس کو پورا پورا پہنچا دینا۔کوئی چیز چھپا کر نہ رکھنا۔اگر ایسا نہ کیا کوئی چیز چھپائی یعنی پورا پورا نہیں پہنچایا۔

فما بلغت رسالتہ تو آپ نے رسالت کا فریضہ ادا نہ کیا۔رسالت ایسی چیز نہیں جس کو آدمی سیکھ کر حاصل کرے۔الیکشن کی طرح۔جیسے آج کل یہ مہم ہوتی ہے،الیکشن کی سیٹ لڑ کے حاصل کی جاتی ہے۔رسالت تو ایسی نہیں بلکہ "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ" (سورۃ الانعام: ۱۲۴)

اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں۔میں رسول خود بناتا ہوں،لوگوں کے کرنے کمانے پر موقوف نہیں۔کسی کی رائے پر،کہنے پر موقوف نہیں۔اللہ تعالیٰ خود اس کی صلاحیت عطا فرماتے ہیں اس کا علم عطا فرماتے ہیں،اس کی ہمت وقوت عطا کرتے ہیں۔تو ایسا رسول اگر کچھ پہونچائے،کچھ نہ پہونچائے۔بات پوری نہ پہونچائے۔روک لے،اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ نے انتخابات صحیح نہیں فرمائے لیکن اللہ تعالیٰ کے انتخابات صحیح ہیں،رسول کی شان یہ نہیں کہ کچھ چھپائے۔اور نہ یہ شان ہے کہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا۔ایسا نہیں ہوسکتا،اس لئے ارشاد ہے۔

"وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ" (سورۃ الحاقۃ: ۴۶-۴۴)

اور اگر یہ ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے پھر ہم ان کے رگِ دل کاٹ ڈالتے۔(بیان القرآن)

اگر ہماری طرف غلط بات منسوب کر دی ہم ان کی گردن اڑا دیں گے۔ اس لئے رسول نہ غلط بات اللہ کی طرف سے کہدے نہ اللہ کی بات چھپا سکتا ہے اور چھپانے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے۔ وجہ یہ ہوسکتی ہے۔ ایک یہ کہ لوگوں کا خوف کہ وہ اذیت پہنچائیں گے اور ایک یہ کہ لوگ قبول نہ کریں۔

ایمان نہ لائیں تو محنت بیکار جائے۔ تو دونوں چیزوں کو صاف کر دیا گیا۔

"وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ"

(سورۃ المائدۃ:۶۷)

اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافر لوگوں کو راہ نہیں دیں گے۔ (بیان القرآن)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش

پچھلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی دونوں قسم کی چیزیں پیش آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہوا۔ کیسی کیسی پریشانیاں اٹھائیں۔ بیوی کے ساتھ گھر سے نکلے ہجرت کر کے۔ ایک جگہ ظالم بادشاہ کے علاقے سے گذرے۔ اس نے بیوی چھین لی۔ اکیلے رہے۔ کوئی حمایت کرنے والا دوسرا نہیں تھا۔ جان پہچان نہیں ہے کہیں تو ٹھکانہ نہیں رہنے کے لئے۔ اللہ نے بیوی کی بھی حفاظت کی۔ اللہ نے اولاد دی۔ بچے کے ساتھ بیوی کو بھی وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ دینے کا حکم ہوا۔ وادیٔ غیر ذی زرع کہ یہاں پر کوئی کھیتی نہیں۔ کوئی پتہ موجود نہیں، کوئی درخت موجود نہیں۔ ایسی خشک زمین میں چھوڑنے آئے۔ بیوی کہتی ہے کس کو چھوڑنے آئے ہو۔ یہاں کیوں چھوڑے جارہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ بولتے نہیں، سمجھیں کہ اللہ ہی کا حکم ہوگا پوچھا کہ کیا اللہ کا یہ حکم ہے۔ فرمایا کہ ہاں اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ بس اطمینان ہوگیا کہ اللہ پاک ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔ پالنے والی ذات تو اللہ تعالیٰ ہی کی

ہے۔ بچے کا دم نکلنے کو قریب تھا پیاس کی وجہ سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ اللہ نے فضل فرمایا۔ زمزم کا کنواں جاری فرمایا۔ بچہ کی پرورش ہوئی۔ بچہ جب بڑا ہو گیا، بیت اللہ کی تعمیر کی۔ پھر کہا گیا کہ ذبح کرو بیٹے کو۔ بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا۔ قربانی کرنے کے لئے گئے۔ چھری چلاتے ہیں مگر نہیں چلتی۔ اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال تھا۔ جنت سے دنبہ سامنے ڈال کر اس کے اوپر چھری چلوائی۔ یہ قربانی ہوئی۔ پھر دشمن نے پریشان کیا۔ لکڑی جمع کرائی، آگ جلائی، شعلے بلند ہونے لگے۔ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا مگر آگ گلزار بن گئی۔ سلامتی بن گئی۔ خدا نے فرمایا؛

”قُلۡنَا یٰنَارُ کُوۡنِیۡ بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ“ (سورۃ الانبیاء:۶۹)

ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! تو ٹھنڈی اور بے گزند ہو جا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں۔ (بیان القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آزمائش

غرض انبیاء علیہم السلام کو ستایا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا۔ پیدا ہوئے تو ایسے وقت میں پیدا ہوئے جس وقت بچے قتل کر دیے جاتے تھے۔ جس کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا تھا اس کو اسی وقت قتل کر دیتے تھے۔ حفاظت کے لئے اس بچے کو کیا کیا، صندوق میں رکھا۔ سمندر میں ڈال دیا گیا جہاں کوئی حفاظت کرنے والا نہیں مگر اللہ کے حکم سے ڈالا۔ سمندر کے پانی نے نہیں ڈبویا جس کے خوف سے سمندر میں ڈالا تھا موسیٰ علیہ السلام کا صندوق اسی کے یہاں پہنچا۔ فرعون کے گھر، اب پریشانی ہوئی۔ وہ قتل کر ڈالے گا۔ لیکن دل تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ فرعون کے دل میں محبت ڈال دی اللہ نے، فرعون کی بیوی کے دل میں محبت ڈال دی کہا اس نے:

”لَا تَقۡتُلُوۡہُ عَسٰۤی اَنۡ یَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا“ (القصص:۹)

اس کو قتل مت کرو عجب نہیں کہ ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں۔ (بیان القرآن)

اسے نہ قتل کرو ہم اسے بیٹا بنا دیں گے۔ اللہ نے حفاظت فرمائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی۔ سمندر میں وہاں بھی حفاظت فرمائی، فرعون کے گھر پہنچ گئے لیکن فرعون قتل کا دعویٰ کرتا تھا، فرعون کو کسی کاہن نے بتایا تھا کہ بچہ پیدا ہوگا بنی اسرائیل میں۔ تیری سلطنت کا تختہ الٹ دے گا۔ فرعون نے کہا جینے نہ دو، جو بچہ پیدا ہو جائے گا اس کو قتل کر دیں گے۔ ستر ہزار بچوں کو قتل کر دیا ہے مگر جسے بچانا تھا اللہ کو وہ بچا رہا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں آگئے۔ جب گود میں آگئے وہاں دودھ پلانے والی کی ضرورت پیش آئی۔ جس عورت کو دودھ پلانے کے لئے لایا جائے بچہ اس کا دودھ نہیں پیتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا فرعون کے گھر میں آنا جانا تھا۔ کہنے لگی میں تم کو بتاؤں ایسے گھرانہ کا پتہ جو بچہ کو دودھ پلائے، پرورش کرے، چنانچہ اپنی ماں کا نام بتایا۔ ان کی ماں کو بلایا گیا۔ ماں نے کہا ہاں میں پلاؤں گی دودھ۔ لیکن مفت نہیں تنخواہ لوں گی اور یہاں رہ کر نہیں بلکہ اپنے گھر لے جاؤں گی، وہاں رکھوں گی تو فرعون نے سارے شرائط منظور کر لئے۔ ماں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلایا۔ بڑے ہو کر اللہ کے دین کی دعوت دی۔ فرعون نہ مانا بلکہ مخالفت کی نقصان پہونچانا چاہا لیکن نہیں پہونچا سکا۔ سارے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایسا ہی ہوا لیکن اللہ پاک انبیاء علیہم السلام کی حفاظت کرتے رہے۔ کیونکہ تمام اشیاء اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ وہ چاہیں تو چیزوں میں تاثیر رہے اور چاہیں تو چیزوں میں سے تاثیر کو نکال لیں۔ آگ میں تاثیر ہے جلانے کی لیکن حق تعالیٰ کی دی ہوئی تاثیر ہے حق تعالیٰ جب چاہیں اس کو نکال لے۔ چھری میں تاثیر ہے ذبح کرنے کی لیکن حق تعالیٰ چاہیں گے تو وہ تاثیر ذبح کرنے کی رہے گی اور جب چاہیں وہ تاثیر نکال لیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھری نے ذبح نہیں کیا کیونکہ اللہ کا حکم ذبح کرنے کا نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ جلا نہ سکی۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے قرآن پاک میں مذکور ہیں کہ کس طرح سے اللہ پاک نے حفاظت کی۔

حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش

اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کی حفاظت کی، کشتی میں جارہے تھے سمندر میں ڈال دیئے گئے، مچھلی نے نگل لیا، مچھلی لے کر سمندر کی تہہ میں بیٹھ گئی، پیٹ میں یونس علیہ السلام موجود، لیکن ہضم نہیں کر پاتی۔ کوئی ذرہ کوئی عضو ان کا توڑ نہیں سکتی۔ مچھلی خود پریشان کہ میرے پیٹ میں کیا چیز آ گئی۔ یہ کس طرح باہر نکلے گی۔ غذا تھوڑا ہی تھی وہ تو اللہ کی امانت تھی۔ بہرحال وہیں مچھلی کے پیٹ میں ہی آیت کریمہ

"لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" (سورۃ الانبیاء:۸۷)

کہ آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک ہیں، میں بے شک قصور وار ہوں۔ (بیان القرآن)

پڑھتے رہے، یہاں تک کہ مچھلی باہر آئی، ان کو زمین پر پیٹ میں سے نکال دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ہوا۔ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو گئے۔ طوفان آ گیا۔ ساری دنیا تباہ ہوگئی، غرق ہوگئی۔ بس کشتی والے بچ گئے۔

"وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ" (سورۂ ھود:۴۴)

اور کشتی جودی پر آ ٹھہری اور کہدیا گیا کہ کافر لوگ رحمت سے دور۔ (بیان القرآن)

اور طوفان سے پہلے حجر اسود کو پہاڑی پر رکھ دیا تھا وہ محفوظ رہا۔ اس پہاڑی کا نام جبل امین تھا۔

غرض طوفان غرق نہیں کر پایا نوح علیہ السلام کو، دریا غرق نہیں کر پایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو، چھری ذبح نہیں کر پائی اسماعیل علیہ السلام کو، مچھلی ہضم نہیں کر پائی یونس علیہ السلام کو۔ اس واسطے کہ ساری مخلوق حق تعالیٰ کے ماتحت ہوتی ہے۔ جس طرح حق تعالیٰ چاہیں گے اسی طرح ہوگا۔ اس لئے فرماتے ہیں: "وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔

یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافروں کو راہ نہیں دیں گے۔ (بیان القرآن)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے ساتھ معاملہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت دیتے تھے اپنے باپ کو اور سب لوگوں کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی طرف، بتوں کو پوجنے سے منع کرتے تھے اور پیدا کہاں ہوئے ابراہیم علیہ السلام؟ آزر کے گھر میں جو بت تراش تھے بت بنایا کرتے تھے۔ فروخت کرتے تھے، ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے، اس کے گھر میں پیدا ہوئے۔ اپنے استاذ سے بچپن کے زمانہ میں سنا۔ کتاب میں نہیں دیکھا۔ استاذ کو فرماتے ہوئے سنا جب میں قرآن شریف پڑھتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے باپ بت بناتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام سے کہتے تھے کہ جاؤ ان کو بیچ کر آؤ بازار میں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بت کی ٹانگ میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر پھرا کرتے تھے، گلی کوچوں میں اور آواز لگاتے تھے کہ جس چیز سے دین وایمان کھو جاتا ہو وہ لے لو۔ گھسٹتے گھسٹتے کسی کی ناک ٹوٹ گئی، کسی کا کان ٹوٹ گیا۔ گارے میں کیچڑ میں لے گئے، شام کو گھر واپس آ گئے تو کہا کہ کوئی خریدتا نہیں۔ یہ تو بکے نہیں۔ باپ کہتے بیٹا! کہیں اس طرح سے سامان بکا کرتا ہے؟ پھر ان کو دھوتے صاف کرتے درست کرتے۔ پھر جب ان کے یہاں کسی عید اور خوشی کا دن تھا تو لوگ کہیں گئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بت خانے میں جا کر وہاں پر جو بت تھے کسی کی ناک توڑ دی، کسی کا سر توڑ دیا۔ اور جو بڑا بت تھا اس کے اوپر کلہاڑا رکھا۔ جب وہ لوگ آئے اور دیکھا تو کہا کس نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کیا؟

"قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ" (سورۃ الانبیاء: ۵۹،۶۰)

کہنے لگے کہ یہ ہمارے بتوں کے ساتھ کس نے کیا اس میں کوئی شک نہیں ہے اس نے بڑا غضب کیا۔ بعض نے کہا ہم نے ایک نوجوان آدمی کو جس کو ابراہیم کر کے پکارا جاتا

ہے۔(بیان القرآن)

تو کہا کہ ایک لڑکا ایسا ہے جس کا نام ابراہیم ہے وہ ان کی برائی کرتا رہتا ہے اس کو بلا کر لاؤ۔ ان کو بلا کر لے آئے تو انھوں نے کہا:

"بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَاسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ" (سورۃ الانبیاء:۶۳)

بلکہ انکے اس بڑے نے کی سو ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں۔(بیان القرآن)

کہ یہ جو بڑا بت ہے اس کے کندھے پر کلہاڑی ہے اس سے پوچھو۔ انھوں نے کہا تم تو جانتے ہو کہ یہ بات نہیں کرتے۔

"لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ" (سورۃ الانبیاء:۶۵)

اے ابراہیم! تم کو تو معلوم ہی ہے کہ بت بولتے نہیں ہیں۔(بیان القرآن)

تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا وہ معبود ہو سکتے ہیں جو بولتے نہیں، بول نہیں سکتے، لیکن ابراہیم علیہ السلام پر بھی طرح طرح کی آزمائشیں آئیں۔ ایک پیغمبر کے سر پر آرہ بھی چلایا گیا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوہِ صفا پر اعلان

اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تھا۔ جب آیت "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپ مکہ میں ایک پہاڑی پر چڑھ گئے کوہِ صفا پر۔ وہاں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نام لے لے کر پکارا سب آگئے۔ جب سب سامنے آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اول بطورِ امتحان پوچھا۔ ایک بات بتاؤ۔ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے دشمن پڑا ہوا ہے تم پر حملہ آور ہوگا، ختم کر ڈالے گا۔ اگر تم جان بچانا چاہتے ہو تو فلاں راستہ اختیار کر لو۔ کیا تم سچا مانو گے یا نہیں؟ سب نے کہا سچا مانیں گے۔ کیونکہ چالیس سال کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی سامنے تھی۔ کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا۔ کبھی کسی کو

دھوکہ نہیں دیا تھا۔ چالیس سال کی مبارک اور پاکیزہ ممتاز زندگی نظروں میں تھی۔ تب آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ اس دنیا کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس کا نقصان سب سے بڑا نقصان اور نفع بہت بڑا نفع ہے۔ اس پر ایمان لے آؤ۔ تو وہ سب مخالف ہو گئے۔ سب سے زیادہ محبت کا نعرہ لگانے والا ابولہب حضور اقدس ﷺ کا چچا تھا لیکن سب سے پہلے اسی نے مخالفت کی۔ حضور اقدس ﷺ کسی جگہ تشریف لے جاتے تھے اور فرماتے تھے:

"یٰاَیُّہَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا" (کنز العمال: ۳۵۵۳۸)

اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، تم کو کامیابی ملے گی۔ سب سے پہلے کلمہ طیبہ کی ہی دعوت دی۔ وہ ابولہب پیچھے جاتا تھا اور کہتا۔ لوگو ان کی بات مت مانو یہ غلط کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول پھر بھی کہتے رہتے لوگوں سے کہ لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔ ان کی مخالفت کی وجہ سے اس دعوت سے رکے نہیں۔ حق تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہی۔ یاد رکھو کسی بھی نبی نے ماحول کی مخالفت کے سامنے اپنی دعوت ترک نہیں کی۔ ماحول سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ دعوت دیتے رہے چاہے ان کی جان بھی جائے۔

اہل خاندان کی مخالفت

حضور اقدس ﷺ نے جب تبلیغ شروع کی، تو خاندان کے لوگ محلے کے لوگ، بستی کے لوگ سب مخالف ہو گئے۔ بہت سے تو سختی کرتے تھے تشدد کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضور اقدس ﷺ کے چچا کے پاس جمع ہوئے ان سے کہا کہ تمہارا بھتیجا کہتا ہے کہ ان بتوں کو معبود مت بناؤ، ان کے سامنے عاجزی مت کرو، ان میں سے کسی ایک کی بھی عبادت مت کرو۔ باپ دادا کے وقت سے ہم لوگ بتوں کو پوجتے آئے ہیں۔ آپ اپنے بھتیجے کو سمجھا دیں کہ وہ اگر امیر بننا چاہتے ہیں تو ہم انھیں اپنا امیر تسلیم کر لیں گے اور اگر ان کو مال کی خواہش ہے تو مال کے ڈھیر ان کے سامنے لگا دیں اور اگر ان کو عورتیں مطلوب ہیں تو جس عورت سے چاہیں

شادی کر لیں مگر یہ کلمہ توحید نہ کہیں۔ چچا نے حضور اقدس ﷺ کو ان لوگوں کی گفتگو سنائی۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند رکھ دو دوسرے ہاتھ میں سورج تب بھی میں اس دعوت سے باز نہیں آؤں گا۔ ان سے کہہ دیجئے مجھے کچھ نہیں چاہیئے۔ مجھے اجر بھی نہیں چاہیئے، مجھے معاوضہ نہیں چاہیئے صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے دین کو پہنچانے کے لئے آیا ہوں۔

ہمارا کام منوانا نہیں

ایک بات معلوم ہوئی کہ اگر کسی جگہ تبلیغ کیلئے گئے اور لوگ قبول نہیں کرتے قسم قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔ کہتے ہیں یہ تو دیوانہ ہے، ہماری حیثیت ہی کیا، حضور اقدس ﷺ پر بھی اعتراضات کئے لوگوں نے۔ آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ اعتراضات ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں اور نہ ماننا بھی ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ بعض لوگوں نے پیغمبروں تک کی بات نہ مانی لیکن بات یہ ہے کہ نبی کا کام منوانا نہیں ہے، بتلانا ہے۔ دین حق کو پورے طور پر سمجھانا ہے۔ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرنا ہے، اللہ کی بات کو اچھی طرح واضح کرنا ہے تاکہ بات لوگوں کی سمجھ میں آئے، کوئی مانے یا نہ مانے۔ اس کی ذمہ داری نبی پر نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب جنت میں جنتی داخل ہوں گے کچھ انبیاء علیہم السلام ایسے ہوں گے جن کے ساتھ کوئی بھی امتی نہ ہوگا۔ آدھی بلکہ ساری زندگی اللہ کے دین کی تبلیغ کی لیکن کوئی ایمان نہ لایا ان پر۔ مگر اس کی وجہ سے ان کی نبوت میں کوئی کمی نہیں ہوئی اللہ کے قرب میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اسی طرح سے مقرب ہیں اللہ کے نزدیک۔ آپ بتائیے کہ اگر کسی سپاہی کو بندوق دے کر کھڑا کر دیا جائے، کسی بنک کے سامنے حفاظت کے واسطے تاکہ چور ڈاکو آئے تو اس کو پکڑ لے اور ساری رات وہ کھڑا رہے اور ایک بھی چور نہ آئے، تو کیا اس سپاہی کی تنخواہ نہیں ملے گی کہ اس نے چور کو پکڑا نہیں ہے۔ جب چور آیا ہی نہیں تو پکڑے گا کہاں سے۔ غرض محنت کرتا رہے، اللہ کی یاد میں لگا

رہے۔ اور یہ یقین رکھے کہ اللہ کرنے والے ہیں، مدد دینے والے وہی ہیں، مخالفت سے نہ گھبرائیں۔ رہی حفاظت تو وہ اللہ کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاتل کو معاف فرمانا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے، ایک جگہ قیام کیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے، تلوار درخت پر لٹکائی، آرام کرنے لگے، ایک یہودی آیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہا ہے: بتاؤ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اطمینان سے فرمایا کہ اللہ بچائے گا۔ بس یہ سنتے ہی اس بدوی کے اوپر کپکپی طاری ہوگئی، تلوار اس کے ہاتھ سے گرگئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی۔ فرمایا اے اللہ کے دشمن! اب تو بتا کہ تجھ کو کون بچائے گا اس نے کہا۔ افسوس مجھ کو کوئی بچانے والا نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا تو وہ دوڑے ہوئے آئے۔ کسی نے کہا اس کو قتل کردو۔ کسی نے کچھ اور کہا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس نے قتل تو نہیں کیا، قتل کی دھمکی ہی تو دے رہا تھا۔ قتل کا ارادہ ہی تو کررہا تھا۔ قتل کیا تو نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرمایا۔

حوصلہ بلند ہونا چاہئے

غرض حوصلہ بلند ہونا چاہئے اس شخص کا جو تبلیغ کے لئے نکلتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ کے لئے صحیح طور پر سمجھ کر نکلتا ہے تو ہر چیز میں اس کے لئے بڑا اطمینان ہے۔ کہیں اذیت پہنچتی ہو، تکلیف بھی پہنچتی ہو اس سے بھی مطمئن ہے۔ کیونکہ جانتا ہے کہ ہر تکلیف میں ہماری خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ جیسے دھوبی کپڑے کو پتھر پر زور سے مارتا ہے اس کا میل نکالنے کے لئے، اس طریقے پر ہمارے لئے یہ مصیبتیں پریشانیاں آتی ہیں تاکہ ہماری لغزشیں دور ہوجائیں، ہماری خطائیں معاف ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں کہ کسی

بندے کو پاک صاف کر کے اٹھائیں، کوئی گناہ اس پر نہ رہے، تو اس پر دنیا کی تھوڑی سی پریشانیاں ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ پریشانیاں برداشت کرتا رہے، توبہ کرتا رہے یہاں تک کہ ساری خطائیں اس کی معاف ہو جائیں۔ پاک صاف کر کے اس کو اٹھا لیا جاتا ہے۔ وہاں کوئی سزا کوئی عذاب نہیں ہوتا۔

اس واسطے تبلیغ میں نکل کر یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ چلّے کے لئے نکلنے سے مال کی کمی ہوگی بلکہ دین اور اس کی ترقیوں کے لئے نکلتا ہے۔ صحیح طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے کہ اس طرح پر یہاں جتنی بھی قربانی دی جاتی ہے اس میں کوئی مال و متاع کا لالچ نہیں ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی عزیمت

حضرت عبداللہ بن حذافہ سلمی کا واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ وفد کی شکل میں ایک نصرانی بادشاہ کے پاس بھیجا۔ نصرانی بادشاہ نے ان سب کو قید کر لیا۔ حالانکہ قاصد تھے سفیر تھے۔ سفیر کو قید کرنا کہیں نہیں آیا۔ مگر قید کر لیا۔ پھر ایک روز ان کو بلایا۔ بلا کر کہا حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو، کہ تم نصرانی مذہب اختیار کر لو۔ اسلام چھوڑ دو۔ تو تم کو آدھی سلطنت دے دوں گا۔ وہ کہنے لگے تیری سلطنت کی حیثیت ہی کیا ہے؟ جس کی خاطر میں مذہب اسلام کو چھوڑ دوں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ بادشاہ نے کہا اچھا مجھے سجدہ کر لو آدھی سلطنت دیدوں گا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ پیشانی صرف خدا کے سامنے جھکتی ہے کسی اور کے سامنے نہیں جھک سکتی ہے۔ بادشاہ نے اپنے قید خانہ میں سے ایک قیدی کو بلایا اور آگ جلوا کر اس پر پانی کڑھائی میں بھروا دیا۔ جب پانی خوب کھولنے لگا ابلنے لگا تو لوگوں کو حکم دیا کہ اس قیدی کو اس میں ڈال دو۔ قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا۔ زندہ، جس سے اس کی ہڈی پسلی پانی میں الگ ہو کر رہ گئی اور تڑپ تڑپ کے مر گیا۔ پھر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دیکھو یا تو مجھے سجدہ کرو ورنہ یاد رکھو اس طرح کھولتے ہوئے پانی میں جلا کر ختم کر دوں

گا۔انھوں نے جواب دیا کہ تیرا جو جی چاہے کر میں ہرگز سجدہ نہیں کروں گا۔ بادشاہ نے اپنے آدمیوں سے کہا لے جاؤ ان کو بھی، اسی طرح کھولتے ہوئے پانی میں ڈال کر ختم کر دو۔ سپاہی ان کو لے کر چلے۔ یہ راستے میں روتے ہیں۔ ان سپاہیوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ یہ قیدی رو رہا ہے۔ بادشاہ نے کہا اس کو بلاؤ۔ آپ آئے تو بادشاہ نے پوچھا کہ سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ دماغ کا پارہ کچھ اتر گیا۔ آپ نے جواب دیا بالکل نہیں۔ پوچھا کیا بیوی بچے یاد آرہے ہیں۔ فرمایا بالکل نہیں۔ پوچھا کیا پھر یہ تصور کر رہا ہے کہ کس طرح سے جان نکلے گی تکلیف ہوگی؟ فرمایا یہ بھی نہیں۔ کہا پھر کیوں رو رہا ہے؟ انھوں نے فرمایا۔ دین اسلام کی خاطر جان دینے کا آج موقعہ نصیب ہو رہا ہے۔ افسوس اس کا ہے کہ میرے پاس صرف ایک جان ہے۔ کاش میرے پاس ایک ہزار جانیں ایسی ہوتیں تو ان سب کو قربان کر دیتا۔ یہ بات ہے۔

جب آدمی دین حق کی خاطر نکلتا ہے تو اس کا حوصلہ بہت بلند ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ خدائے پاک کی نصرت میرے ساتھ ہے۔ میں تو اس کے کام کے لئے نکلا ہوں۔ اپنے کام کے لئے تھوڑا ہی نکلا ہوں۔

تو بادشاہ نے ان سے کہا۔ اچھا میری پیشانی کو بوسہ دیدے تجھے چھوڑ دوں گا۔ انھوں نے فرمایا مجھے اکیلے چھوڑ دے گا یا میرے ساتھیوں کو بھی۔ باشاہ نے کہا سب ساتھیوں کو چھوڑ دوں گا۔ کہا اچھا۔ تو اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ساتھیوں کو چھڑا کر لے آئے اور آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، امیر المومنین کے سامنے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

جو شخص راہ حق میں نکلتا ہے وہ ہر مصیبت پر اس بات کو دیکھتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی بڑی مصیبتیں آئیں لیکن یہ مصیبت بھی کچھ نہیں۔ اللہ کی قدرت ہے کتنا خوش نصیب مجھے بنایا ہے کہ اپنے دین کے لئے منتخب فرمایا۔

....

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ذوق عبادت

ہمارے بڑے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ رمضان میں رات بھر لیٹتے نہیں تھے ساری رات نماز پڑھتے تھے۔ مختلف حافظوں سے قرآن پاک سنتے رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ساری رات کھڑے رہنے سے ان کے پاؤں پر ورم آگیا تو بہت ہی خوش ہوئے کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کی توفیق دی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک میں ورم آجایا کرتا تھا۔ رات کو نماز پڑھتے پڑھتے حدیث شریف میں ہے:

"حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ" (مشکوۃ شریف: ۱۰۸)

اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے اس کی توفیق عطا فرمائی۔

اس واسطے جہاں کہیں مصیبت و پریشانی پیش آئے اس کو یہ سوچے کہ وہ دین کی خاطر آئی۔ دنیا کی خاطر بھی تو پریشانی آتی رہتی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوڑے مارنے والے کو دعا دینا

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر پریشانیاں آئیں، ان کے کوڑے لگائے گئے۔ سو کوڑے لگتے تھے اور کوڑے مارنے والا جس زور سے کوڑے مارتا تھا اسی زور سے کہا کرتے تھے غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ اللہ پاک تیری مغفرت فرمائے اور تم کو معاف کر دے۔ جو کوڑا لگتا تھا اسی کوڑے پر مارنے والے کے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایک شخص کو ہمیشہ دعا دیا کرتے تھے۔ بیٹے نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے جس کو آپ دعا دیتے رہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ بہت آوارہ قسم کا آدمی ہے شرابی۔ تو پوچھا کہ آپ اس کو کیوں

دعا دیتے ہیں؟ فرمایا کہ اس نے کہا تھا امام صاحب! آپ امام ہیں دیکھئے حکومت کے کوڑے مجھے اپنی بدمعاشی سے روک نہیں سکتے، باوجودیکہ حکومت کے کوڑے مجھ کو لگے۔ میں اپنی بات پر قائم ہوں اور آپ امام ہیں جو بات کہہ رہے ہیں دین کی بات کہہ رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ حکومت کے کوڑوں سے آپ مرعوب و متاثر ہو جائیں۔ اس کے کہنے سے بہت ہمت ہوئی۔ اس لئے دعائے خیر دیتا ہوں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مخالفین کو معاف فرمانا

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اس طرح سے جکڑا گیا زور سے۔ مشکیں باندھی گئیں کہ کندھے الگ ہو گئے۔ مگر انھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر سارے شہر میں گشت کیا اور اعلان کیا کہ جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں مالک بن انس ہوں۔ جس شخص نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا میں نے اس کو معاف کیا۔ کوئی انتقام اس سے نہ لینا۔ مگر حکومتِ وقت نے اس سے انتقام لے لیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حکومت کے پاس گئے اور فرمایا قصور تو اس نے میرے ساتھ کیا میں نے اس کو معاف کیا تو آپ کون ہوتے ہیں انتقام لینے والے۔ یہ اکابر کے حالات ہیں۔ اس واسطے بڑی قوت ہوتی ہے جب آدمی اللہ کے لئے نکلتا ہے۔

مسلمان کی بہادری کی وجہ

ایک شخص نے سفر میں دریافت کیا کہ یہ بتائیے ہم جو تاریخ پڑھتے ہیں تو تاریخ میں ملتا ہے کہ مسلمانوں کا جب دوسروں سے جہاد ہوا۔ مسلمانوں کے پاس آدمی کم، ہتھیار کم، گھوڑے کم لیکن جب میدان میں جاتے ہیں تو مسلمان خوب آگے بڑھتے ہیں اور وہ پیچھے بھاگتے چلے جاتے ہیں حالانکہ دوسروں کے پاس یعنی جو مقابلے میں ہیں مسلمانوں کے دشمن،

ان کے پاس افراد زیادہ، سامان زیادہ، ہتھیار زیادہ مگر وہ دشمن بھاگتا ہے پیچھے ہٹتا چلا جاتا ہے اور مسلمان آگے بڑھتا ہے۔اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا بھئی ہے تو یہی بات، مگر اتنی کھلی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی کہنے لگے سمجھ میں نہیں آئی۔اسی لئے پوچھ رہا ہوں۔میں نے کہا کھلی بات یہ ہے کہ مسلمان جب جہاد میں جاتا ہے تو اس نیت سے نہیں جاتا ہے کہ میں بچ جاؤں اور دوسروں کو پکڑوا لوں۔بلکہ ہر شخص اپنی جان خدا کی خوشنودی کی خاطر قربان کرنے کے لئے بڑھتا ہے۔ہر شخص کے دل میں تقاضا یہ ہوتا ہے کہ پہلے میں شہید ہو جاؤں۔یہ شہادت کا پیالہ مجھے مل جائے۔ہر ایک چاہتا ہے کہ میری ہی جان اسلام پر کام آئے۔قربان ہو جائے۔تو مسلمان کا مقصود اپنے آپ کو قربان کرنا اور وہ سمجھتا ہے کہ میرا یہ مقصود آگے بڑھ کر حاصل ہوگا جتنا بھی میں دشمن میں گھسوں گا میرا مقصود حاصل ہوگا اور جو دشمن ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ میں بچ جاؤں چاہے دوسرے مر جائیں۔وہ اپنی نجات سمجھتا ہے پیچھے رہنے میں لہٰذا پیچھے لوٹتا چلا جاتا ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ماہان ارمنی سے مقابلہ

ماہان ارمنی ایک بادشاہ تھا۔اس نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے بیس لاکھ فوج تیار کر رکھی تھی۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے پاس ایک سو سپاہیوں کو ساتھ لے کر گئے۔اور جا کر ان سے گفتگو کی۔کوئی رعب ان پر نہ تھا تو اس کو غصہ آیا۔اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ ان سب مسلمانوں کو گرفتار کر لو۔بیس لاکھ فوج ان کی اور یہ ایک سو آدمی۔حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی فوراً اپنے لوگوں سے فرمایا کہ خبردار اب کوئی ایک دوسرے کی طرف نہیں دیکھنا۔ہماری تمہاری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔یہ کہتے ہی تلوار نکال لی۔ان کے سب ساتھیوں نے بھی تلوار اٹھائی اور ہر ایک کے چہرے پر ایسی بشاشت نظر آتی تھی جیسے کہ پرانا کھویا ہوا مقصود آج حاصل ہو رہا ہو۔اس کا اثر دشمن پر ایسا پڑا کہ بادشاہ کھسیانا ہو گیا اور ہنس کر

کہنے لگا کہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔تم نے کیا سمجھ لیا۔سچ مچ تھوڑا ہی گرفتار کروا رہا ہوں۔پس یہ مقصود ہے،مال و دولت حاصل کرنا مقصود نہیں۔فتح پانا بھی مقصود نہیں دوسرے کو قتل کرنا بھی مقصود نہیں۔بلکہ مقصود اللہ کے دین کے لئے اپنی جان کو قربان کرنا ہے۔یہ جذبہ چاہئے اسی جذبہ کو پیدا کرنے کے لئے یہ بات کہی جاتی ہے کہ بھئی جو مصیبتیں پیش آئیں یہ سمجھ کر چلیں کہ اللہ کے دین کی خاطر حضور اقدس ﷺ کے لائے ہوئے دین کی خاطر ان مصیبتوں کو جھیلنا ہے۔ اپنی عیش پرستی کو ختم کرنا ہے،ہماری نظریں دوسری طرف لگی ہوئی ہیں ان کو ہٹانا ہے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد

انسان اشرف المخلوقات ہے اور انسانوں میں بھی مسلمان کتنے اونچے درجے پر اللہ تعالیٰ کا مقرب و محبوب۔اگر اس نے پانچ دس بیس گائیں پال لی اور ان کی خدمت میں لگا رہا،ان کا گوبر صاف کرتا رہا،چارہ ڈالتا ہے۔ارے اللہ کے بندے تو اشرف المخلوقات ہے۔کیا تجھے اللہ نے بس اسی لئے پیدا کیا تھا کہ گائے کی خدمت کرے۔تجھے تو اللہ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے پیدا کیا تھا۔تجھے تو اس لئے پیدا کیا تھا کہ اپنے رسول ﷺ کی سنتوں پر چلے،تجھے تو اس لئے پیدا کیا تھا کہ قران پاک پڑھے اور پڑھائے اور دنیا میں پھیلائے۔دنیا کے تمام لوگوں تک پہونچائے۔تجھے تو اس لئے پیدا کیا تھا،نہ کہ گائے بھینس کی خدمت کے لئے۔دین کی خدمت کے لئے پیدا کیا تھا۔اگر دین کی خدمت کے واسطے تجھے گائے پالنے کی ضرورت تھی تو تجھے منع نہیں کیا۔لیکن کوئی شخص سمجھے کہ میں تو پیدا ہی ہوا ہوں گائے بیل کی خدمت کے لئے،بڑا برا خیال ہے۔اس خیال کی اصلاح کرنی چاہئے۔کھیتی والا ساری زندگی کھیتی میں گزارے کیا کھیتی کرنے کی خاطر پیدا کیا گیا؟ پیدا تو کیا گیا دین کی خاطر،ہاں دین کی خاطر کام کرنے میں کھیتی کی بھی ضرورت پڑتی ہے تجارت کی بھی ضرورت پڑتی ہے تو تھوڑے وقت کیلئے بقدر ضرورت کھیتی اور تجارت کرے اس کی بھی اجازت دیدی گئی نہ کہ پیدا ہی اسلئے ہوا۔

....

مسلمان اور کھیل

کسی نے ایک مرتبہ پوچھا کلکتہ میں کیوں صاحب آپ لوگوں نے سارے قسم کے کھیلوں کو منع کر دیا۔ کیا کھیلنے کا ہمارا کوئی حق نہیں، ہمارا کوئی حصہ نہیں۔ میں نے کہا آپ پہلے تو یہ سوچ لیں کہ آپ کس لئے پیدا ہوئے۔ ایک بستی ہے جہاں دشمن گولہ باری کرنے والا ہے۔ اطلاح ہوگئی کہ دشمن گولہ باری کرنے والا ہے تو اس کو بچانے کے واسطے جہاز بھیجے گئے کہ جتنے آدمی اس جہاز میں جاسکیں جلدی سے جلدی لے آؤ۔ جہاز چلا اور جلدی جلدی آدمی سوار کر کے تیار ہوگیا۔ یہی جہاز چلانے والا شخص اگر راستے میں دیکھے کہ لڑکے ہاکی کھیل رہے ہیں، کرکٹ کھیل رہے ہیں، اور یہ سوچے کیا ہمارا حق نہیں کھیلنے کا؟ تو ان سے کہا جائے گا کہ انسانوں کے بچانے کے لئے تم جارہے ہو۔ تم بچوں کے کھیل میں لگ گئے۔

تو اللہ پاک نے مسلمان کو جو اس دنیا میں بھیجا ہے بیکار نہیں بھیجا ہے۔ انسانوں کو دوزخ سے بچانے کی کوشش کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ کتنا بڑا کام ہے۔ خود بھی دوزخ سے بچے۔ دوسروں کو بھی دوزخ سے بچائے۔ طرح طرح سے کوشش کر کے نکالے۔ رات دن اسی جدوجہد میں لگا رہے۔ اسی واسطے قرآن پاک پڑھایا جاتا ہے۔ اسی واسطے حدیث پڑھائی جاتی ہے۔ اسی واسطے تفسیر پڑھائی جاتی ہے۔ اسی واسطے تبلیغی نصاب پڑھایا جاتا ہے کہ مسلمان اپنی پیدائش کا مقصد سمجھے۔ گائے پالنے کے لئے، کھیتی کرنے کے لئے، باغ لگانے کے لئے، مکان بنانے کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا۔ پیدا صرف دین کی خاطر ہوا۔ اور دوسری جتنی چیزیں ہیں ان سب کو خادم بنا کر بھیجا ہے۔ وہ سب تمہاری خادم، ان کو خادم بنا کر رکھو۔ حاکم مت بناؤ۔ کھیتی، دوکان، مکان تجارت کو خادم بناؤ۔ حاکم نہیں۔ حاکم صرف اللہ ہے۔

"اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ" (درمنثور: ۲۲۲/۶)

دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے۔

ساری دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے تمہاری غلام ہے تمہاری خادم ہے۔ تمہارے قدموں پر نثار ہے۔ اور تم اللہ کے لئے ہو۔

لیکن جب انسان اپنی زندگی کا مقصد فراموش کر دے یا ذہن سے نکال دے یہ بات کہ میں اللہ کے لئے پیدا ہوا ہوں پھر وہ غلام بنتا ہے۔ دنیا کی چیزوں کا، کھیتی کا، دوکان کا، مکان کا، سب چیزوں کا غلام بنتا ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے نکال دیا تو دیکھئے اس نے اپنی تمام مخلوقات کا غلام بنا دیا۔ رہنا تھا انسان کو اللہ کا غلام بن کر لیکن وہ غلام ہے تجارت کا، مکان کا۔ الیکشن کا، ووٹ کا اور اپنی عزت کا غلام ہے حتیٰ کہ شیطان کا غلام ہے۔ جو انسان خالق کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے نکال دیتا ہے ہر مخلوق اس کو اپنا غلام بنانے میں لگ جاتی ہے کہ اس کا کوئی آقا ہے ہی نہیں۔ جس کی حفاظت میں ہو۔ ہم اس کو اپنا غلام بنالیں اور جس کے گلے میں خالق کی غلامی کا طوق ہو اس کو غلام بنانے کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔ اس سے سب ڈرتے ہیں کہ یہ تو خالق کا غلام ہے ہمارا حاکم ہے۔

زندگی کا رخ صحیح کریں

اس واسطے میرے محترم بزرگو دوستو! اپنی زندگی کے رخ کو صحیح بنائیں درست بنائیں، مادی طاقتیں حاصل کرنے کے لئے، روپیہ کمانے کے اس دنیا میں بہت سے ذریعے ہیں ان کو مقصود مت بناؤ۔

"وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا" (سورۃ طٰہٰ:۱۳۱)

[اور دنیوی زندگی کی اس بہار کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان (کافروں) میں سے مختلف لوگوں کو مزے اڑانے کے لئے دے رکھی ہیں تا کہ ہم ان کو اس کے ذریعہ آزمائیں۔] (آسان ترجمہ)

اور ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جن سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے کر رکھا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کی رونق ہے۔

جن کو دنیا کی زیب و زینت ہم نے دے رکھی ہے اس کو نظر اٹھا کر مت دیکھو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کھیتی نہ کرے، تجارت نہ کرے، وہ تو کرتا رہے یہ یقین رکھے کہ دینے والا اللہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا تو کھیت سے غلہ پیدا ہوگا۔ نہیں حکم ہوگا تو غلہ پیدا نہیں ہوگا۔ جس سے کوئی غریب فقیر شخص اپنا پیالہ لے کر بھیک مانگے۔ شریف مالدار اس کو دے گا۔ پیالے میں پیدا نہیں ہوگا۔ دینے سے آتا ہے بے شک لیکن دوسرا دیتا ہے۔ اسی طرح سوچنا چاہئے کہ ہم سب فقیر ہیں، بھکاری ہیں تجارت بھیک کا پیالہ ہے کھیتی ملازمت، نوکری یہ سب بھیک کا پیالہ ہیں۔ دینے والا اللہ ہے اس کے سامنے ہمیں پیالہ لے کر جانا ہے کہ اے مالک تو اس میں عطا فرما۔ یہ نہ سمجھے کہ اس میں پیدا ہوتا ہے، ہم اپنے قوت بازو سے کماتے ہیں۔ بازو تو کچھ نہیں کر سکتے۔ ہاتھ پیر اسی نے دیئے ہیں۔ ہاتھ پیر چلانے کا حکم اس نے دیا ہے۔ محنت کرو اس لئے ہم اس کے حکم کے ماتحت محنت کرتے ہیں لیکن یہ محنت کچھ دینے والی نہیں۔ دینے والے حق تعالیٰ ہیں اس لئے وہ طریقہ اختیار کیا جائے جو خیر کا ہو۔

"فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ" (سورۂ زلزال)

سو جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (بیان القرآن)

جو شخص ذرہ برابر شر کریگا اس کا بدلہ ملے گا یہاں جھوٹ بولے گا اس کا بدلہ ملے گا۔

ایک شخص مجھ سے کہنے لگے مولوی صاحب! کیا کریں ایسا وقت آگیا کہ ہم بات کہتے ہیں اپنے مخاطب سے آدمی سے اور قسم کھا کر کہتے ہیں پھر بھی اسے یقین نہیں آتا۔ میں نے کہا بھئی خاں صاحب! بات یہ ہے کہ اگر تمہارے دل میں سچائی ہو تو تمہاری زبان پر بھی یقین آئیگا۔ جب تمہارے دل میں سچائی نہیں تو تمہاری زبان جھوٹ بولے گی۔ دل کے اندر سچائی ہوتی ہے تو زبان سچ بولے گی۔ اور دوسرے کو یقین آئیگا جب دل کے اندر سچائی نہیں تو بات پر یقین کیسے آئیگا۔

رشوت کی نحوست

غرض غلط طریقہ دنیا و آخرت میں ذلت کا سبب بنے گا، روپیہ غلط طریقہ سے لیا۔ غلط طریقہ پر کمایا یہ ذلت کا سبب بنے گا۔ دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی ذلت۔ ایک انسپکٹر صاحب تھے، انھوں نے ایک صاحب سے رشوت کا روپیہ لیا۔ جیب میں رکھے۔ جا رہے تھے کہیں کہ جیب ہی کٹ گئی۔ انھوں نے اپنے ایک ملازم کو بھیجا کہ صاحب! جیب کٹ گئی کچھ تعویذ دو جس سے وہ روپیہ واپس آجائے۔ میں نے کہا انسپکٹر صاحب سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ غنیمت جانیو کہ جیب ہی کٹ گئی۔ یہ کمبخت روپیہ تو ایسا تھا کہ پیٹ کاٹ کر لے جاتا۔

ایک شخص کو دس ہزار روپئے رشوت کے ملے کسی جگہ سے۔ سرکاری ملازم تھا روپے رشوت کے تھے۔ کسی نے کان میں چپکے سے کہدیا کہ خبر لگ گئی ہے سی آئی ڈی اب آپ کے پیچھے لگ گیا ہے۔ بس جناب اس کا تو اطمینان غائب ہوگیا۔ بڑا پریشان سائیکل پر چڑھا ہوا جا رہا ہے۔ ادھر دیکھتا ہے ادھر دیکھتا ہے کہ کوئی آ تو نہیں رہا۔ کوئی شخص دیکھتا ہے سلام کرتے ہوئے تو اس کا جواب دیتے ہوئے بھی جی گھبراتا ہے۔ کہ کہیں یہی سی آئی ڈی نہ ہو۔ اسی اثنا میں ندی کے کنارے پہنچا تو سائیکل کو کنارے پر کھڑا کر کے آیا اور ادھر اُدھر دیکھ کر وہ دس ہزار روپئے جلدی سے دریا میں ڈال دیئے تب جا کر اطمینان اور سکون نصیب ہوا۔ یہ کم بخت پیسہ اس دنیا میں اس طرح سے ذلیل اور رسوا کرتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ پریشان کرنے والی چیز روپیہ پیسہ ہے۔

ایمان میں سکون ہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی عزت مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔ اگر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ بھی پانی کا نہ ملتا۔ جو کچھ

ان کافروں کو دے رکھا ہے یہ ان کے لئے اللہ کے نزدیک مقبول ہونے کی علامت نہیں اور آج کل ساری دنیا پریشان ہے، ساری مادی طاقتیں پریشان ہیں، سکون کی ضرورت ہے، سکون کہیں نہیں مل رہا ہے، سکون اگر ہے تو ایمان میں ہے، اسلام میں ہے۔ قرآن میں ہے، اتباع سنت میں ہے وہاں سکون ملتا ہے اور کسی جگہ پر سکون نہیں ملتا، بڑی سلطنتیں پریشان ہیں، تمام دنیا پریشان ہے کہ کیا ہوگا؟ بم تو ایٹم کا تیار کرلیا ہے۔ ساری دنیا خائف ہے کہ کیا ہوگا؟ ان کو چلانے کی نوبت آئی تو ساری دنیا ختم ہو جائے گی۔ یہ انسان کے خیر خواہ کیا چیزیں تیار کر رہے ہیں، کیا یہ خیر خواہی ہے انسان کی؟

انسان کی خیر خواہی

انسان کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو جہنم سے بچانے کی کوشش کی جائے، اللہ کے عذاب سے نجات پانے کی کوشش کی جائے۔ یہ انسان اللہ کا مجرم نہ رہے۔ اللہ کا محبوب بن جائے۔ یہی انسان کی خیر خواہی ہے۔ یہی طریقہ نبی اکرم ﷺ نے بتایا ہے اسی کی تعلیم دی ہے۔ اسی طریقے کو پھیلانا ہے۔ سب جگہ اپنانا ہے۔ سب جگہ اسی کے ساتھ چلنا ہے اور سب جگہ پر اس کی اشاعت کرنا ہے، اسی کے لئے تبلیغی جماعتیں کام کر رہی ہیں اور اسی کے لئے وقت مانگا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❑❑❑

تبلیغ

ایک مسجد میں بیان ہوا جس میں تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت بیان کی گئی جس کی وجہ سے تبلیغی جماعت کے احباب کو بڑی تقویت ہوئی اور جن لوگوں کے دلوں میں تبلیغی جماعت کی طرف سے شکوک وشبہات ہوتے ہیں ان کے شبہات دور ہوئے۔ غلط فہمیاں ختم ہوئیں جو لوگ تبلیغ کو ایک نئی چیز سمجھتے ہیں ان کو تبلیغ کی حقیقت واصلیت اور افادیت کا علم ہوا۔

....

تبلیغ

خطبۂ مسنونہ۔ امّا بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

"يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِ الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ"

(سورۃ المائدۃ:۶۷)

اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہونچا دیجئے۔ اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہونچایا۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ان کافروں کو راہ نہ دیں گے۔ (بیان القرآن)۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا تاکیدی حکم

اس آیت پاک میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب خاص ہے اور حکم ہے کہ آپ کی طرف جو احکام بھی نازل کئے گئے ہیں وہ احکام امت کو پہونچا دیجئے ان سب کی تبلیغ فرما دیجئے۔ ۲۳ ؍سالہ مدت میں جو بھی احکام نازل ہوئے ہیں ان

سب کی تبلیغ فرمانے کا حکم ہے اور اتنا تاکیدی حکم ہے کہ اگر ایک حکم بھی تبلیغ سے رہ گیا تو اس پر دھمکی ہے کہ آپ نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔ یہ حکم دھمکی اللہ پاک کی طرف سے اپنے محبوب، سید المرسلین، امام الانبیائ، خلاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جس سے اس حکم (تبلیغ) کی تاکید خوب ظاہر ہے۔

گذشتہ زمانہ میں نبیوں کو قتل کیا گیا

اور چونکہ احکام خداوندی، توحید و رسالت سے نا آشنا، جہالت و گمراہی میں ڈوبے ہوئے انسانوں کے مزاج و طبیعت کے خلاف ہوتے ہیں اور جب ان کو حق کی دعوت دی جاتی ہے تو حق سے نا آشنا بہت سے لوگ اس حق کے داعی کے ہی دشمن ہو جاتے ہیں اس کے قتل کے درپے ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ زمانوں میں ایسا ہی ہوا۔ اللہ پاک کے بھیجے ہوئے نبیوں، رسولوں نے جب لوگوں کے سامنے سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت پیش کی تو ان لوگوں نے ان نبیوں رسولوں کا مذاق اڑایا، ٹھٹا کیا، طرح طرح ان کو ستایا اور اس سب پر بھی جب وہ اللہ کے نبی اپنے ارادہ سے باز نہیں آئے تو ان لوگوں نے ان حق و صداقت کے داعیوں کو قتل کر ڈالا۔

قرآن پاک میں ہے:

"وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيِّيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ فَفَرِيْقاً كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقاً تَقْتُلُوْنَ" (سورۃ البقرۃ:۸۷)

نبیوں کی ایک جماعت کو لوگوں نے جھٹلایا اور ایک کو قتل کر ڈالا۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ

گذشتہ زمانہ کی اس تاریخ کی وجہ سے آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک

میں یہ وسوسہ آسکتا تھا کہ میرے ساتھ بھی ایسا ہی قتل وغیرہ کا سلوک لوگوں نے اگر کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکے گی۔ اللہ پاک نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو تسلی دی اطمینان دلایا آپ اس کا فکر نہ فرمائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے آپ کی حفاظت کی جائے گی۔ لوگ آپ کو قتل نہیں کرسکیں گے۔ آپ احکام خداوندی لوگوں کو پہونچائیں گے اور لوگ اس کو دیر سویر مانیں گے اور ہدایات پائیں گے۔ آپ مطمئن رہیں۔ ہاں وہ لوگ جن کی تقدیر میں ہدایت نہیں ایسی کافر قوم کو اللہ پاک ہدایت نہیں دیں گے۔ ان کا آپ فکر نہ فرمائیں۔

رسول پاک ﷺ کا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پہرہ دیا کرتے تھے کہیں کفار قتل نہ کر ڈالیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول پاک ﷺ نے پہرہ ختم فرمادیا کہ اب پہرہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ پاک نے حفاظت کا وعدہ فرمالیا۔ ایک سفر جہاد میں۔

یہودی قاتل کو معاف فرمانا اور اس کا قبول اسلام

ایک جگہ حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈالا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین درختوں کے سایوں میں آرام کرنے کے لئے متفرق ہو گئے۔ رسول پاک ﷺ نے ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا تلوار لٹکادی اور سو گئے۔ ایک یہودی جو پہلے سے تاک میں تھا موقع پا کر سامنے آیا اور تلوار لے کر حملہ کرنا چاہتا تھا کہ رسول پاک ﷺ بیدار ہو گئے چونکہ رسول پاک ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہیں سوتا تھا۔ یہودی نے دیکھا کہ یہ تو بیدار ہو گئے تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے پوچھتا ہے بتا محمد (ﷺ) تجھ کو اب کون بچائے گا۔ رسول خدا ﷺ کو اپنے خدا کے وعدہ پر کامل یقین تھا نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ اللہ۔ اس اطمینان بھرے جواب کا اس پر یہ اثر ہوا کہ وہ لرز گیا۔ اس کے بدن میں کپکپی آگئی اور

گھبراہٹ سے تلوار ہاتھ سے گر گئی۔رحمت عالم ﷺ نے تلوار کو اٹھایا اور فرمایا بتا تجھ کو کون بچائے گا۔ہانپتے کانپتے اس نے جواب دیا آپ کے علاوہ کوئی بچانے والا نہیں،رحمت عالم ﷺ نے اس کو معاف کیا۔اس کو یقین ہوگیا کہ حملہ آور دشمن کو بھی معاف کر دینا اللہ کے برگزیدہ نبی کا ہی کام ہوسکتا ہے اور یہ ضرور اللہ کے نبی ہیں۔کلمہ پڑھا مسلمان ہوگیا اور پھر اپنی قوم کو لا کر مسلمان کرایا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اعتماد علی اللہ

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل میں دوسرے بہت سے اپنے مخصوص بندوں کو بھی یہ اطمینان ویقین نصیب فرماتے ہیں۔تحریکات کا زور تھا۔حضرت مولانا اشرف صاحب علی تھانوی قدس سرہٗ کے قتل کا کچھ لوگوں نے ارادہ کیا۔منصوبہ بنایا۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس کی اطلاع ہوئی مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔بعد فجر چہل قدمی کا معمول تھا عموماً تنہا ہوتے۔دشمنوں کے لئے یہ موقع غنیمت تھا۔خدام کو فکر ہوئی۔ایک گپتی بنادی کہ چہل قدمی کے وقت اس کو ہاتھ میں رکھ لیا کریں۔دلداری کے طور پر لے لیا۔اور گھر میں رکھ دیا۔اور حسب معمول اسی طرح چہل قدمی فرماتے رہے۔ایک بوڑھے نے کہا آپ کو معلوم نہیں لوگ کیا ارادہ کر رہے ہیں۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کی (اللہ تبارک وتعالیٰ کی) اجازت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔اس نے کہا پھر آپ کو کچھ فکر نہیں۔گھر والوں نے بتایا فلاں شخص تلوار لئے راستہ میں بیٹھا ہے قتل کے ارادہ سے۔ادھر نہ جائیں۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہٗ گئے تنہا گئے۔دیکھا بیٹھا ہے تلوار لئے مگر حضرت کو دیکھتے ہی اس کو کپکپی آ گئی،گھبراہٹ طاری ہوگئی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

حضرت تھانوی قدس سرہٗ نے خواب میں دیکھا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں سے فرمارہے ہیں اشرف علی کی حفاظت کرنا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمائی توحید کی دعوت دی۔کفار نے کہا:

"اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهاً وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ" (سورۂ ص:۵)

کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا۔واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے (بیان القران)

قریش مکہ کی پیش کش

قریش مکہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہا تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے اس سے کہو اس سے باز آجائے۔اگر اس کو پیسہ کی ضرورت ہے تو ہم اس کے لئے اتنا پیسہ جمع کردیں کہ عرب میں اس سے زیادہ کسی کے پاس نہ رہے۔بادشاہت کی ضرورت ہے تو ہم اپنا بادشاہ بنالیں۔عورتوں کی ضرورت ہے تو عرب کی حسین ترین عورتیں جمع کردیں۔لیکن اپنے اس طریقہ سے باز آجائیں۔رسول پاک صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ایک ہاتھ میں سورج ایک ہاتھ میں چاند بھی اگر دیدو تب بھی اپنے ارادہ سے باز نہیں آؤں گا۔قریش جواب سنکر ناامید ہوگئے اور مختلف طریقوں سے تکلیف پہونچانا،ستانا شروع کردیا۔

شعب ابی طالب میں محاصرہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کو،آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

خاندان کو شعب ابی طالب میں قید کر دیا، بائیکاٹ کر دیا، لین دین، خرید و فروخت، ملنا، جلنا، رشتے ناطے سب بند کر دیا۔ تاکہ تنگ آکر باز آجائیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے گھاس کھا کر، درختوں کے پتے کھا کر گذارا کیا۔ بھوک کی شدت میں سوکھا چمڑا جلا کر کھایا۔ اور اللہ کے دین کی تبلیغ کے لئے سب کچھ برداشت کیا، اللہ کی نصرت آئی۔ ایک مدت کے بعد یہ محاصرہ ختم ہوا۔

پھر دوسرے طریقے ستانے، تکلیف پہونچانے کے نکالے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہل طائف کا سلوک

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم طائف پہونچے۔ بعض نے ترش گفتگو کی۔ بعض نے بات کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ اور بعض نے شہر کے اوباشوں کو پیچھے لگا دیا کہ پتھر ماریں، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے۔ جسم مبارک لہولہان ہو گیا۔ رحمت خداوندی کو جوش آیا۔ جبریل علیہ السلام خدائے پاک کا سلام و پیام لے کر حاضر ہوئے۔ پہاڑوں کا نظام جس فرشتے کے قبضہ میں اللہ پاک نے دیا ہے اس کو بھی بھیجا۔ سلام کیا اللہ پاک کا پیغام سنایا اگر آپ اجازت دیں تو ان ظالموں کو پہاڑوں کے درمیان پیس کر ختم کر دیا جائے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ دَاعِیاً وَّرَحْمَةً" (مشکوۃ شریف:۵۱۹، ح:۵۸۰۰)

مجھے عذاب ولعنت کا ذریعہ بنا کر نہیں بھیجا مجھے داعی اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْ اِلَيْكَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِیْ۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"

الٰہی اپنی کمزوری اور کم تدبیری کی تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔ پروردگار! میری قوم کو ہدایت فرما دے وہ جانتے نہیں ہیں۔ ہدایت فرما وہ مجھ کو جان جائیں، ایمان لے آئیں۔

کفار مکہ کا یکبارگی قتل کرنے کا منصوبہ

ان سب حالات کے باوجود برابر فرائض تبلیغ و دعوت کو انجام دیتے رہے۔ کفار مکہ نے رحمت عالم ﷺ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ تمام قبیلوں کے سرداروں نے جمع ہو کر حجرہ مبارک کو گھیر لیا کہ جوں ہی باہر نکلیں یکبارگی حملہ کر کے قتل کر ڈالیں۔ مگر اللہ پاک کی حفاظت کے ساتھ کون کچھ بگاڑ سکتا ہے رسول پاک ﷺ انھیں قاتلوں کے درمیان کو نکلے جو تلوار سونتے قتل کے لئے تیار کھڑے تھے اور سب کے سروں پر خاک ڈالتے چلے گئے۔ سب اسی طرح کھڑے رہ گئے۔ صبح کو جب ان کو اپنی ناکامی کا پتہ چلا نادم ہوئے۔ دوڑے کدھر گئے، گھوڑے دوڑا دیئے۔

غار ثور میں حفاظت

رحمت عالم ﷺ اپنے یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ غار ثور میں چھپ گئے۔ غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا۔ کبوتر نے انڈے دیئے۔ کفار مکہ تلاش کرتے، نشانات پہچانتے، غار تک پہونچے کہ اگر اپنے پیروں کی طرف دیکھیں تو رحمت عالم ﷺ کو دیکھ لیں مگر دیکھیں کیسے اللہ تبارک تعالیٰ کی حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خائب و خاسر واپس لوٹا دیا اور اپنے حبیب ﷺ اور ان کے رفیق غار پر رحمت و سکینہ نازل فرمایا۔

قوم کی طرف سے یہ سب ہوتا رہا مگر حق و ہدایت کے داعی رحمت عالم ﷺ کے جذبہ میں ارادہ میں ذرہ برابر کمی تو کیا آتی اسمیں برابر اور ترقی ہی ہوتی رہی۔

....

عبداللہ بن ابی کے ساتھ رحمت عالم ﷺ کا حسن سلوک اور ایک ہزار کفار کا قبول اسلام

جن لوگوں کا نام لے کر بتا دیا ایمان نہیں لائیں گے تبلیغ پھر بھی فرماتے رہے۔ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول جو ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود نبی پاک ﷺ اور ایمان والوں کو ستایا کرتا تھا، اس کا انتقال ہوا تو رحمت عالم ﷺ نے اس کے دفن کے لئے اپنا کرتہ مبارک عنایت فرمایا۔ اس کے منہ میں لعاب دہن ڈالا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ایک ہزار لوگوں نے ایمان قبول کیا اور کتنے منافقوں نے توبہ کی۔

غرضکہ اس دعوت تبلیغ کے کام کے لئے صبر کی بہت ضرورت ہے۔ صبر ایسا خزانہ ہے کہ اس کا انجام کامیابی ہے۔ دشمنوں کی دشمنی پر تحمل ہو، انتقام کا جذبہ نہ ہو انتقام کا نتیجہ ناکامی صبر کا نتیجہ کامیابی۔

خلق عظیم

حضرت نبی پاک ﷺ کے بارے میں ارشاد پاک ہے:

”وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ“ (سورۃ القلم: ۴)

اور بیشک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔ (بیان القرآن)

خلق عظیم کیا ہے؟ اس کے تین جز ہیں جس کو اس حدیث پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

”صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰى مَنْ اَسَاۗءَكَ“

(مسند احمد: ۱۵۸ / ۴، نور الانوار: ۶)

جو تعلق قطع کرے اس سے تعلق کو جوڑا جائے جو ظلم کرے اس کو معاف کر دیا جائے

جو برائی کرے اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا جائے۔

اس لئے اس دعوت و تبلیغ کے لئے خلق عظیم کی ضرورت ہے اور لڑنا جھگڑنا تو سخت خطرناک ہے۔

حدیث شریف میں ہے جن دو شخصوں میں جھگڑا ہو ان کی دعا قبول نہیں کی جاتی۔ کچھ اوقات و ایام ایسے ہیں جن میں اللہ پاک کی طرف سے عمومی مغفرت کے فیصلے ہوتے ہیں مگر جن لوگوں (دو شخصوں) کے درمیان رنجش ہو ان کے اعمال نامے ہی پیش نہیں ہوتے۔ حکم ہوتا ہے ان کو رہنے دو یہاں تک کہ آپس میں صلح کرلیں۔

امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا مخالفین کو معاف فرمانا

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے کوڑے لگائے جاتے تھے جس زور سے کوڑے لگائے جاتے اسی زور سے کہتے کہ اللہ تم کو معاف کردے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کندھے اتروا دیئے گئے سوار ہو کر گشت کیا اور اعلان کیا میں نے ان کو معاف کیا۔ حکومت سزا دینا چاہتی تھی حکومت سے معافی کی سفارش کی اور فرمایا کہ جب میں نے معاف کردیا اب سزا دینے کا حق نہیں۔

"اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْكَ" کوئی برائی سے پیش آئے اس کے ساتھ اچھائی سے پیش آئیں۔ کوئی گالی دے اس کو سلام کریں، اگر کوئی دھکا دے تو اس کا احترام کریں۔ تبلیغ میں نکل کر اس کی خوب مشق ہوتی ہے۔ طعنے بھی سننے پڑتے ہیں کوئی ترش رو ہوتا ہے۔ غرض کہ اس کی مشق کی ضرورت ہے اللہ کی ذات پر بھروسہ ہونا چاہئے۔ تبلیغ میں نکل کر اللہ پاک پر بھروسہ کی صفت بھی پیدا ہوتی ہے۔ کسی سے انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے درگذر کرنے کا جذبہ ہو اس طرح کام برابر کرتے رہیں۔

....

حجۃ الوداع میں تبلیغ کا حکم

حضرت رسول مقبول ﷺ نے اخیر خطبہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔ میں آج کے بعد تم لوگوں کے ساتھ شاید جمع نہ ہوسکوں۔ تم سے پوچھا جائے گا میرے بارے میں کہ احکامِ خداوندی تم تک پہونچائے یا نہیں۔ تم کیا جواب دو گے۔ سب نے جواب دیا، ہم جواب دیں گے کہ آپ نے سب احکام ہم تک پہنچا دیئے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ"

اے اللہ! گواہ ہو جا۔ میں نے تیرے سب احکام تیرے بندوں تک پہنچا دیئے کسی کو چھپایا نہیں۔ اور پھر حاضرین کو حکم فرمایا۔

"اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ" (مشکوۃ:۲۶۵۹)

خبردار! تم میں جو حاضر ہیں وہ غائبین تک پہنچا دیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تبلیغ کے لئے محنت

جو ذمہ داری آنحضرت ﷺ کی تھی اب وہ ذمہ داری تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ڈال دی گئی کہ جو حاضر ہیں موجود ہیں وہ دوسروں تک بھی ان احکام کو پہونچا دیں۔ یہ سن کر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت تبلیغ کے لئے وہیں سے نکل کھڑی ہوئی۔ دور دراز ملکوں میں اللہ کے احکام پہونچانے کے لئے جو پھر اپنے گھر نہیں لوٹے۔ ساری عمر واپس نہیں آئے۔ ساری زندگی اسلام کی اشاعت میں لگا دی۔

ہر صحابی نے تبلیغ کو اپنی زندگی کا اصل مقصد بنا لیا۔ تجارت بھی کرتے تھے مگر تبلیغ کو مقدم رکھتے تھے۔ تجارت میں جاتے، تبلیغ کرتے جاتے۔ لوگ ان کی عادات اور خصلتوں کو

دیکھ کر اسلام میں داخل ہوتے جاتے۔ جہاں جاتے اسلام پھیلتا جاتا، دین زندہ ہوتا جاتا۔

ہماری ذمہ داری

آج کل ہم لوگوں کے ساتھ دوکانداری، ملازمت لگی ہوئی ہے، کھیتی باڑی لگی ہوئی ہے اور کتنے دھندے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور ان چیزوں میں ایسے مشغول ہوئے، روپیہ کمانے میں ایسے لگے کہ تبلیغ کا خیال تک نہیں آیا۔ ان ہی چیزوں کو اصل مقصد زندگی بنالیا۔ جو چیزیں خادم تھیں ان کو مخدوم ومقصود بنالیا۔ اسلئے ضرورت ہے جس چیز کو حضرت نبی کریم ﷺ لے کر دنیا میں تشریف لائے جو ذمہ داری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ڈالی گئی۔ اس مقصد کو اپنا مقصد بنالیں۔ اس فکر کو اپنا فکر بنائیں۔ کام دھندے بھی کریں مگر ذہن تبلیغ میں مشغول ہو کہ دین ہی کے لئے بھیجا گیا تجارت کی اجازت دی گئی۔ تجارت خادم دین، مخدوم، و مقصود۔ مگر آج ہمارے یہاں تجارت مقصود ہے اور مال و دولت کی ہوس اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ دوکانوں پر دوکانیں بڑھاتے چلے جاتے ہیں حالانکہ تجارت تو گذارہ کیلئے تھی کہ جو نفقہ واجبہ ہے اس کو ادا کریں اور تاکہ کسی کا مال غصب نہ کریں، حلال رزق حاصل ہو۔ اللہ کے دین کیلئے خرچ کریں، باقی وقت دین کیلئے صرف کریں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اپنے اوقات اذہان کو فارغ کر کے کچھ وقت تبلیغ میں لگائیں۔ تب نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیات مبارک سمجھ میں آئے گی۔

تبلیغ کی برکت

اس محنت کو شروع کرنے والوں کو اللہ پاک جزاء خیر عطا فرمائے کہ آج اس کی برکت سے یہ محنت ہر فرقہ، ہر قصبہ، ریلوں میں، جہازوں میں، بندرگاہوں میں، جدہ میں، مکہ میں، منیٰ میں، مزدلفہ میں، عرفات میں ہو رہی ہے تبلیغی جماعتیں کام کر رہی ہیں۔

....

پہلے حجاج کو گھڑی کی قیمت معلوم ہوتی تھی مگر طواف کی جگہ معلوم نہیں ہوتی تھی، سعی کی جگہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔ جماعتوں کی بدولت صحیح حج ہونے لگا، لوگ مالدار ہونے کے باوجود حج نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ حدیث میں ہے جو مالدار ہونے کے باوجود حج نہ کرے اللہ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر۔ جماعتوں کی برکت سے لوگ حج کرنے لگے۔

لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے حالانکہ زکوٰۃ نہ دینے پر کیسی وعیدیں احادیث میں آئی ہیں۔ جماعتوں کی برکت سے لوگ زکوٰۃ دینے لگے۔ غرضکہ زندگیوں میں تبدیلیاں آ رہی ہیں، حالتیں بدل رہی ہیں۔

اللہ پاک آپ کو بھی توفیق دے مجھ کو بھی توفیق دے۔ آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خَیرِ خَلْقِہٖ سیدنا وَمَولانا محمد وآلہ وَاصحابہٖ وسلم

□□□

ضرورت تبلیغ اور مقصد زندگی

اس بیان میں

☆......تبلیغ کی ضرورت اور اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔
☆......انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔
☆......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور بعض اکابر اہل اللہ کے واقعات۔

ضرورت تبلیغ اور مقصد زندگی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

خطبۂ مسنونہ۔ امّابعد!

حدیث شریف میں ہے:

"اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاحِمُوۡنَ یَرۡحَمُھُمُ الرَّحۡمٰنُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اِرۡحَمُوۡا مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یَرۡحَمۡکُمۡ مَنۡ فِی السَّمَاءِ اَوۡ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ"

(مشکوۃ شریف: ۴۲۳، ح: ۴۹۶۳)

رحم کرنے والے ہیں حق تعالیٰ ان لوگوں پر جو رحم فرماتے ہیں۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا آج کوئی شخص ایسا ہے جو خداوند تعالیٰ کی رحمت کا طالب نہیں، کس کو ضرورت نہیں۔ سارے عالم کا قیام ہی حق تعالیٰ کی رحمت کے سہارے پر ہے۔ اس کی رحمت ہے تو قیام ہے۔

مخلوق پر مہربانی

پھر رحم کی مختلف صورتیں ہیں۔ آپ کے پڑوس میں ایک شخص بھوکا رہتا ہے۔ آپ نے ایک وقت اس کو کھانا کھلا دیا یہ بھی رحم ہے۔ ایک بیمار رہے ہے اس بیمار کو ڈاکٹر کو دکھلا کر دوا دلادی یہ بھی رحم ہے۔ ایک شخص پیدل چل رہا ہے۔ پیدل چلنا اس کو مشکل ہو رہا ہے آپ

گاڑی میں ہیں۔آپ نے گاڑی روک کر اس کو گاڑی پر چڑھالیا اور اس کو اس کے مکان پر پہونچادیا۔ یہ بھی رحم ہے۔غرض بہت صورتیں ہیں رحم کی۔ پھر جسمانی رحم بھی ہے، روحانی رحم بھی ہے۔ظاہری رحم بھی ہے باطنی رحم بھی ہے،لیکن جو سب سے بڑا رحم ہے وہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو آخرت کے عذاب سے بچالیا جائے۔

سب سے بڑی مہربانی

سب سے بڑا رحم یہ ہے۔جو مصیبتیں آنے والی ہیں قبر میں آئیں گی،حشر میں آئیں گی۔ پل صراط میں آئیں گی۔دوزخ میں جا کر آئیں گی۔ان مصیبتوں سے کسی کو بچادینا سب سے بڑا رحم ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رب العالمین ہے اور نبی کریم ﷺ کی کی صفت رحمۃً للعالمین ہے۔تمام عالموں کے واسطے رحمت ہے حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس،حضور اکرم ﷺ نے انسانوں کے احکام بھی بتائے جانوروں کے احکام بھی بتائے،ظاہری فوائد بھی بتائے،باطنی فوائد بھی بتائے۔دنیوی فوائد بھی بتائے،اخروی فوائد بھی بتائے۔جو چیز (توحید) دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی کی تھی لوگوں کو اس کی دعوت دی۔اس لئے حضور اکرم ﷺ اعلان فرماتے تھے::

"یاَیها النّاس قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا" (کنز العمال:۳۵۵۳۸)

اے لوگو!لا الہ الا اللہ کہو تم کو خدا کامیابی دیگا۔کامیابی ایسی ہوگی جو دنیا کی بھی کامیابی،قبر میں بھی کامیابی،حشر میں بھی کامیابی اور آخرت کے تمام مراحل میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔اس واسطے بڑا رحم وہ ہے کسی شخص کو کلمہ پڑھا دینا جو نماز نہیں جانتا اس کو نماز سکھادی۔کسی شخص کو نماز کا عادی اور خوگر بنادینا۔ایک شخص ایسا ہے کہ کسی وقت نماز پڑھی،کسی وقت نہ پڑھی اور اس کو نماز کے خیال کا طریقہ بتادیا۔آہستہ آہستہ اس کو عادی بنادیں تاوقتیکہ اپنے وقت پر نماز کا وہ عادی ہوجائے۔یہ بھی رحم ہے۔حدیث شریف

کی تعلیم دیدینا بھی رحم ہے۔ فقہی مسائل بتادینا یہ بھی رحم ہے، یہ سب رحم ہی رحم ہے۔ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کسی دوسرے پر رحم کرنے سے ہر طرح عاجز اور قاصر ہوں۔ ہر ایک کو حق تعالیٰ شانہ نے موقع دیا رحم کرنے کا۔ اگر کسی کے پاس کچھ نہیں کم از کم کلمہ تو ہے تو لوگوں کو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ تو سکھا سکتا ہے۔ پیسے ہیں نہیں کسی غریب کو دینے کے لئے کلمہ تو ہے نصیحت کی باتیں تو ہیں، خیر کی باتیں تو ہیں سکھا سکتا۔ بتلا سکتا ہے اس واسطے یہ ارشاد فرمایا:

"اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ" (مشکوۃ شریف:۴۲۳)

زمین والوں پر تم رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اسی کو کسی شاعر نے اردو میں کہا ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

آج دنیا میں کیسی کیسی مصیبتیں آرہی ہیں۔ ہر جہت پریشانی ہی پریشانی ہے۔ ان پریشانیوں سے متاثر ہو کر دعا تو ضرور کرتے ہیں مسلمان کی پریشانیاں دور ہو جائیں۔ مگر کس طرح دور ہوں کہ یہ نظام ختم ہو جائے۔ یہ طریقہ ختم ہو جائے۔ اس کے بجائے ایک آدمی معاصی میں مبتلا ہے اس کی اصلاح کس طرح ہو۔ اس کے لئے کون سا واسطہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اس کی فکر نہیں کرتے حالانکہ اس کی فکر کی ضرورت ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانوں کے اعمال ہوتے ہیں ویسے ہی لوگوں پر حاکم مسلط ہوتے ہیں۔ اعمال صالح ہوں گے تو حاکم صالح مسلط ہوں گے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں۔ دِلّی

میں ان کا مزار بھی ہے۔سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ تھے۔اس زمانے میں، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔جس وقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ لایا گیا تو ان کے ورثاء نے کہا بھائی جنازے کی نماز وہ شخص پڑھائے جس کی کبھی عشاء سے پہلے کی اور عصر سے پہلے کی چار سنتیں ناغہ نہ ہوئی ہوں، جس نے کبھی کسی نامحرم کو دیکھا نہ ہو، جس نے کبھی نامحرم کو ہاتھ نہ لگایا ہو۔حضرت کی وصیت تھی کہ میرے جنازے کی نماز ایسا شخص پڑھائے۔آگے کون آتا ہے، جو اس زمانے کے بادشاہ تھے وہ آگے بڑھے۔انھوں نے نماز پڑھائی اور نماز کے بعد فرمایا: الحمد للہ! یہ چیز مجھ کو حاصل ہے۔افسوس حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے راز ظاہر کر دیا۔جب رعایا میں حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ موجود تھے تو ان کو حاکم اور بادشاہ کیسے ملے تھے جیسے سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ کہ جن کی عمر بھر میں کبھی عصر سے پہلے کی چار سنتیں اور عشاء کے پہلے کی سنتیں ناغہ نہیں ہوئیں، جنھوں نے کبھی کسی نامحرم کو آنکھ سے نہیں دیکھا، جنھوں نے کبھی کسی نامحرم کو ہاتھ نہیں لگایا اور جیسے ہم ہیں ایسے ہی ہمیں حاکم ملتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے کا طریقہ

بجائے اس کے کہ حاکم کا شکوہ اور گلہ کیا جائے اور ان کو برا کہا جائے اپنے حال کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔ہم نے اگر اپنے اعمال کو درست نہ کیا اور حاکموں کو برا کہا تو حاکم فرض کیجئے اگر بدل بھی گئے تو کوئی ضروری نہیں ہے کہ دوسرے حاکم اچھے ہی آجائیں۔کیا خبر کیسے آئیں اس سے بھی برے بدتر آئیں تو کیا کر سکتے ہیں اس لئے حق تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ زمین والوں پر رحم کیا جائے تو آسمان والا رحم کرتا ہے۔اور رحم کا سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ ہلاکتِ دائمی سے اس کو بچانے کی کوشش کی جائے۔جہنم میں

جانے سے اس کو روکا جائے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے اس سے بچالیا جائے جو شخص غیر اللہ کی پرستش کرتا ہے ہاتھ جوڑ کر ماتھا ٹھیکتا ہے اس کو وہاں سے ہٹا کر خالق کے سامنے لایا جائے کہ خالق کے سامنے رہ کر عبادت کرے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عیادت کرنے والوں کو ہدایت

ہمارے بزرگ استاذ حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ بیمار تھے۔ اسی بیماری میں انتقال ہو گیا تھا۔ تو جب بیمار تھے کچھ لوگ آئے عیادت کے لئے۔ مولانا نے پوچھا آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں، وہ لوگ سر جھکائے کھڑے رہے حضرت نے فرمایا کہ آپ میرے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اللہ کے سامنے سر جھکائیے۔ ایسے طریقہ پر کہا کہ سب کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اپنے سامنے سر جھکانے کے اتنے روادار نہیں تھے کہ میرے سامنے کوئی سر جھکا کر کھڑا ہو جائے۔ اللہ کے سامنے سر جھکانا چاہئے۔

دعوت توحید

تو مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف متوجہ کر دینا اور خالق کی عبادت کی طرف بلانا سب سے بڑا رحم یہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے کیا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار، یہ وہی لوگ ہیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف متوجہ کیا۔ بیت اللہ کے اندر بت رکھے ہوئے تھے ان کی پرستش ہوتی تھی، پرستش ہوتی تھی، ان کی پرستش سے ہٹا کر مالک الملک کی طرف متوجہ کیا۔ ذرا ذرا سی چیزوں کو پوجا جاتا تھا، ان کی عبادت کی جاتی تھی اور روزانہ بت بدلتے رہتے تھے۔ آج ایک بت کی پرستش کی کل کو دوسرے کی پرسوں کو تیسرے کی۔ غرض اسی طرح جو ذرا چھا سا چمکدار پتھر نظر آیا تو اس کو اٹھالیا اور جو پچھلا تھا اس کو پھینک دیا۔ یہ حالت تھی بتوں کی پوجا پاٹ کی۔ حضور اکرم ﷺ

نے ان سب سے ہٹا کر ایک مالک الملک جو تمام عالم کا زمین و آسمان، چاند کا، سورج کا ستاروں کا، آگ کا، پانی کا ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے ہر چیز جس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس کی عبادت کی طرف متوجہ فرمایا اور اس سے ان لوگوں کو اتنا بڑا فائدہ ہوا کہ پشتہا ئے پشت سے باپ، دادا، پڑ دادا، کے وقت سے بتوں کی پوجا کرتے چلے آرہے تھے وہاں سے ہٹ کر مالک الملک کو پہچاننے لگے کہ وہ کون ہے جس کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت ہے جس نے سب کو پیدا کیا، سب کی روزی جس کے قبضے میں ہے، سب کی راحت اور آرام جس کے قبضے میں ہے، اس کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت ہے۔ یہ اجتماع ہفتے میں ایک بار آپ حضرات کے یہاں ہوتا ہے۔ بہت بڑی خیر کی چیز ہے، برکت کی چیز ہے۔ اس میں تو یہی ہے کہ مخلوقِ خدا پر رحم کرنا سکھایا جاتا ہے کہ کس طرح دوسروں پر رحم کروں۔ مسلمان کس لئے دنیا میں آیا ہے۔ اس لئے نہیں آیا کہ پیسہ بٹور بٹور کر جمع کرلو۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ اور اشاعت اسلام

حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جن کو عمر ثانی کہا جاتا ہے ان کے ایک عامل نے اطلاع دی کہ قانون اسلام کا یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرلیتا ہے اس سے جذیہ ساقط کر دیا جاتا ہے۔ جذیہ وہ محصول ہے کہ جو شخص مسلمانوں کی رعیت بن کر رہتا ہے مسلمان اس کے جان و مال وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ جزیہ اس کا ایک معاوضہ ہے۔ بہت تھوڑا سا معمولی سا۔ اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ جو شخص اسلام قبول کرلیتا ہے اس سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا ہے جزیہ معاف کر دیا جاتا ہے۔ ان کے عامل نے اطلاع دی کہ بیت المال خالی رہ گیا ہے۔ بیت المال میں کوئی پیسہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہ جو قانون ہے کہ جو اسلام قبول کرلیتا ہے اس سے جذیہ ساقط کر دیا جائے۔ اس قانون کو ختم کر دیا جائے۔ تو جواب دیا:

ان محمداً صلی اللہ علیہ وسلم قد بعث ھادیاً لا جابیاً۔

اے خدا کے بندے اتنا تو سوچ حضور اقدس ﷺ کوئی روپیہ اکٹھا کرنے کے لئے آئے تھے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھیجا ہے۔ ہدایت کے لئے نہ کہ روپیہ جمع کرنے کے لئے۔ بیت المال خالی ہو جائے، خالی رہنے دو، اس کی پرواہ مت کرو۔ حضور اقدس ﷺ جس مشن کو لے کر چلے تھے وہ مشن تو چل رہا ہے۔ دین اسلام تو چل رہا ہے، اس کی تو اشاعت ہو رہی ہے، تو حضور اقدس ﷺ روپیہ جمع کرنے کے لئے نہیں آئے۔

جزیہ کی واپسی

وہاں تو یہ حال تھا کہ ایک جگہ یہودیوں کی بستی تھی۔ اس بستی پر مسلمانوں کے ماتحت، حکومت کے تحت میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ ڈاکو آئے۔ ڈاکوؤں نے ان کو لوٹ لیا۔ اس سال جو معاوضہ، جزیہ لیا گیا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو واپس کرا دیا اور کہلا دیا کہ یہ تو ہم اس واسطے لیتے تھے تاکہ تمہاری حفاظت ہو، جب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکے تو اس کے لینے کا ہمیں کیا حق ہے۔ لہٰذا ہمیں اب اس کی ضرورت نہیں اور جتنا کسی پر متعین کیا جاتا تھا اس سے زیادہ نہیں لیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شکایت کرنے والے کو واپس کرنا

ایک دفعہ ملک شام سے ایک بوڑھا نصرانی آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے، دور سے آتا ہوا اس کو دیکھ کر فرمادیا:

"اِرْجِعْ فقد اتاكَ الغوث"

لوٹ جاؤ تمہارا کام پورا ہو گیا۔ اپنے پاس تک آنے نہیں دیا۔ وہ واپس ہو گیا اور دل ہی دل میں یا زبان سے بھی آہستہ آہستہ گالیاں دینے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہ یہ منصف

ہیں، یہ متقی ہیں یہ عادل ہیں۔میں اتنی دور سے چل کر آیا۔میری بات تک نہیں سنی۔ پوچھا تک نہیں، کیوں آیا ہے۔اس سے محصول کچھ زیادہ لیا تھا۔وہاں کے عامل نے۔اس کی شکایت لے کر آیا تھا۔جب وہ واپس گیا وہاں، ان کے عامل کا آدمی اس کے پاس آیا کہ اللہ کے بندے تم کہاں تھے؟ ہم تو تم کو تلاش کر رہے ہیں، کئی روز سے تلاش کر رہے تھے کہ یہ محصول زیادہ آگیا تھا، یہاں پر اس کا محصول واپس کرنے کے لئے ان کا عامل تلاش کر رہا ہے۔لہٰذا اگر یہ جزیہ نہیں وصول ہوتا اسلام تو پھیلتا ہے، دین کی اشاعت تو ہوتی ہے۔جزیہ نہیں وصول ہوتا نہ وصول ہو، بیت المال خالی رہ جاتا ہے خالی رہ جائے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں جھاڑو دے کر صاف کر دیا تھا۔مصلی بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی۔یہ تھوڑا ہی کرتے روپیہ روپیہ جمع کریں، روپیہ تو ضرورت کے لئے، جتنی ضرورت ہو اتنی وہ ضرورت پوری ہو جاتی تھی۔کافی تھی۔

دعوت اسلام

اس میں اپنے بھائیوں پر رحم کرنے کی ضرورت ہے۔اور رحم کرنے کی یہی صورت ہے۔ایک شخص جا رہا ہے اپنا حقہ لئے ہوئے، حقہ پیتا ہوا۔ہمارے اسلاف کی بات ہے ایک حاجی صاحب تھے خود نو مسلم تھے۔انھوں نے دیکھا دور سے، یہ کہا کہ یہ مسلمان ہو جائے گا۔بس گئے اس کے پاس، کہنے لگے اوہو۔ یار، تم کہاں سے آرہے ہو، اس سے سلام کلام کیا، مصافحہ کیا، مصافحہ کیا اور بات چیت شروع ہوگئی۔بات چیت کرتے کرتے پانچ سات قدم آگئے اور اس کو لے آئے۔مسلمان کرنے کے لئے، اس نے کہا مجھے مسلمان کر لو اچھی بات ہے وہ ہو گیا مسلمان۔ہزاروں کی تعداد میں انھوں نے لوگوں کو مسلمان کیا۔اسی سفر میں ایک صاحب نے بیان کیا کہ ساڑھے چار ہزار آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں، اتنی بڑی تعداد کو دوزخ سے بچا لیا جائے۔جنت کا حقدار بنا دیا جائے۔اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی فہرست سے نکال کر اللہ تعالیٰ

کے دوستوں میں داخل کر دیا جائے۔ بہت بڑی چیز یہ ہے۔

مسلمان کا مقصد زندگی

اصل میں مسلمان دنیا میں اس واسطے آیا ہے کہ خود مصیبت اٹھا کر دوسرے کو راحت پہونچائے۔ خود بھوکا رہ کر دوسرے کو کھانا کھلائے، خود پریشان ہو کر دوسرے کو اطمینان دلائے، اس لئے آیا ہے۔ یہ راستہ ہم لوگوں نے چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے پریشانیاں لاحق ہو رہی ہیں، جس مقصد کے لئے حق تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اس مقصد کو پورا نہ کر کے ہم روپیہ جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے، کسی کو فکر ہے کہ میری دوکان شاندار درجہ کی ہو جائے، کسی کو فکر ہے مجھے موٹر اعلیٰ درجہ کی مل جائے۔ کسی کو فکر ہے مجھے مکان مل جائے، کسی کو فکر ہے مجھے زمین مل جائے، میں باغ لگا جاؤں، غرض یہ کہ اپنے اپنے ذہن میں سوچ سوچ کر بڑے پلان بنا رکھے ہیں لیکن یہ پلان کسی کے ذہن میں نہیں کہ میرے ہاتھ پر لوگ مسلمان ہو جائیں۔ یہ لوگ جہنم سے بچ جائیں، دوزخ سے بچ جائیں، اللہ تعالیٰ کے مقرب بن جائیں۔ میری محنت اور کوشش سے یہ کسی ذہن میں نہیں۔ تو جس کام کے لئے بھیجا گیا تھا اس کا حکم تو ذہن سے نکال دیا اور جو دوسری چیزیں جن کے لئے بھیجا نہیں گیا تھا بلکہ ان کے استعمال کی اجازت دی تھی کہ وقت ضرورت ان کو استعمال کر سکتے ہو، ان چیزوں کو اپنا مقصود بنا لیا۔ مکان بنانے کے لئے بھیجا گیا۔ اجازت دی گئی کہ تمہیں مکان بنانے کی ضرورت ہو۔ رہنے سہنے کے لئے بیوی بچوں کے لئے مکان بنا سکتے ہو، مگر کس طرح سے بناؤ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارکہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کے لئے اٹھے وہیں برابر میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زوجہ مطہرہ ہیں، حجرہ شریفہ میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ وہ

پیر پھیلا کر پورے طور سے لیٹ سکیں۔ نماز پڑھتے ہوئے جب سجدہ میں جاتے تب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیروں کو ہاتھ سے اشارہ کرتے تو پیر سمیٹ لیتیں۔ تو سجدے کی جگہ ہوتی۔ ذرا آدمی سر سیدھا کر کے کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھائے تو ہاتھ چھت کو لگ جاتا تھا۔ اونچا اتنا، پھیلاؤ اتنا، ضرورت اتنے سے پوری ہو جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس مبارک

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول ہوتا تھا۔ ایک لنگی باندھ لی ایک چادر اوڑھ لی۔ عامۃً معمول یہ تھا۔ کرتا بھی استعمال فرمایا آپ نے، پائجامہ بھی آپ نے خریدا لیکن عامۃً استعمال یہ تھا تو کم سے کم ضرورت پوری کرنے کے لئے کفایت کرنا کس کام کے لئے مسلمان دنیا میں بھیجا گیا تھا، کم سے کم پر قناعت کرے، کفایت کرے اور اپنے مال و دولت اور ساری قوتوں کو اللہ کے دین کی خاطر خرچ کرے اس کو چھوڑ دیا، اس کو یاد دلانا ہے کہ ہم کس لئے پیدا کئے گئے تھے اور کیا کام کر رہے ہیں۔ تبلیغی اجتماع اسی مقصد کے لئے ہوتا ہے تا کہ ساری زندگی درست ہو جائے اور زندگی درست ہونے کا حاصل یہی ہے کہ جس کام کے لئے زندگی عطا ہوئی تھی وہ کام اختیار کر لیا جائے۔

ہماری حالت

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ایک قسم کے کھانے پر قناعت نہیں کی جاتی۔ آٹھ قسم کا دس قسم کا، بارہ قسم کا کھانا ایک دستر خوان پر ہوتا ہے۔ اس لئے تو نہیں بھیجے گئے۔ آج مسلمان کو اس کی فکر زیادہ ہے کہ میرے دستر خوان پر زیادہ سے زیادہ قسم کے کھانے موجود ہوں۔ زیادہ سے زیادہ قسم کے لباس ہوں۔ عمدہ سے عمدہ میری گاڑی ہو، عمدہ سے عمدہ میری بلڈنگ، عمدہ سے عمدہ میری دوکان ہو۔ ان چیزوں کی فکر میں لگ گیا حالانکہ یہ چیزیں مقصود نہیں۔ مقصود جو کچھ

ہے وہ دین ہے:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (سورۂ ذاریات)

[اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔] (آسان ترجمہ)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے جنات اور انسانوں کو جو پیدا کیا ہے وہ صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس عبادت کے واسطے ضرورت پیش آتی ہے مکان کی۔ مکان بنانے کی بھی اجازت دیدی۔ ضرورت پیش آتی ہے کھانے کی، کھانے کی بھی اجازت دیدی۔ سیدنا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھانا کھارہے تھے، ایک دوست مہمان وہ بھی کھانے میں شریک ہوگئے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا کھانا

تو کہنے لگے ساطہ بھی ہوتا ہے تو کیسے مزہ سے کھاتے۔ کھانا کیا تھا سوکھی روٹی کے ٹکڑے اور نمک کی ڈلی پیس رکھی تھی۔ ایک ٹکڑا دانت سے دبایا۔ پھٹ سے وہ ٹوٹا اور نمک کی ڈلی اٹھا کر منہ میں رکھ لی اور اسے چبا کر نگل گئے۔ یہ کھانا تھا۔ کہنے لگے کہ ساطہ بھی ہوتا تو کیسے مزہ سے کھاتے۔ ساطہ ایک قسم کی گھاس ہے جس میں چرچرا پن ہوتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اٹھے اور اٹھ کر بازار سے خرید کر لائے اور لا کر دونوں نے کھانا کھالیا۔ بڑے مزے کے ساتھ روٹی کا ٹکڑا دانت سے توڑتے کاٹتے تھے اور ساطہ کی پتیاں چباتے تھے۔ روٹی، نمک، ساطہ ان تین چیزوں سے مل کر وہ کھانا تیار ہوگیا تھا۔ کھانے کے بعد وہ کہنے لگے؛

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا حَضَرَ"

اللہ کے لئے حمد ہے کہ جس نے ہمیں قناعت دی ما حضر پر، جو موجود تھا اس پر قناعت

ہوتی تو میرا وضو کا لوٹا گروی نہ رکھواتا۔ پیسہ پاس نہیں تھا جو ساتھ لاتے۔ اپنا لوٹا جس کی ضرورت پانچ وقت پیش آتی ہے وہ لوٹا گروی رکھ کر ساتھ لے آئے۔ یہ شان تھی ان حضرات کی۔ ان حضرات کے ذریعہ سے اس دین اسلام نے فروغ پایا۔ اشاعت ہوئی۔ آج ہم لوگ ان کے طریق کو بالکل بھول گئے۔ نہ پڑھتے ہیں نہ کتابوں میں دیکھتے ہیں اور آگے کو ان کی حرص کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آٹا روٹی لینے گیا

ایک صاحب کی بیوی نے آٹا گوندھا اور طشت میں رکھ کر گئی پڑوس میں گئی آگ لینے کے لئے۔ اتنے میں ایک سائل آیا۔ سائل نے کہا کہ اللہ کے نام پر بھیجو۔ انھوں نے وہ طشت اٹھا کر اس کے حوالے کر دیا۔ جو آٹا گوندھا ہوا تھا۔ بھائی اور تو کچھ ہے نہیں یہ ہے جا کر پکا لی جیو۔ وہ لے کر چلا گیا۔ اب بیوی آئی۔ اس نے پوچھا میاں آٹا گوندھ کے رکھ گئی تھی وہ کیا ہوا۔ انھوں نے فرمایا روٹی پکنے گیا ہے روٹی پکنے گئی اس کی۔ کہنے لگی مذاق کر رہے ہو۔ واقعی بتا دو کیا ہوا کہنے لگے مذاق نہیں واقعی روٹی پکنے گئی۔ ایک سائل آیا تھا۔ سائل نے یہ سوال کیا میں نے اس کو دے دیا۔ کہنے لگی اللہ تم پر رحم کرے، گھر میں بچوں کے کھانے کیلئے کچھ اور ہے ہی نہیں۔ کہنے لگے ہو یا نہ اس کی مجھ کو خبر نہیں۔ باقی میرے سامنے آٹا گوندھا ہوا رکھا ہے اور میں کہدوں گھر میں ہے نہیں کچھ دینے کو یہ مجھ سے نہ ہوا۔ ذرا غور کریں کہ ہماری یہ حالت ہے کہ گھر میں، جیب میں، ہاتھ میں کوئی چیز موجود ہو اور پھر بھی کہہ دیتے ہیں کہ ہے نہیں دینے کو۔ ان کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ یہ کہدیں کہ ہے نہیں لیکن موجود ہے۔ یہ بات کہہ ہی رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے آ کر آواز دی اور ایک کپڑے میں روٹیاں لپٹی ہوئی گرم گرم لے کر آیا اور ایک بڑا پیالہ سالن کا بھی لے کر آیا ہدیہ میں۔ بیوی کہنے لگی یہ تو واقعی روٹیاں بنانے لے گیا تھا اور میں تو اتنی جلدی پکا بھی نہ سکتی تھی جتنی جلدی اس کی روٹی پک کر آ گئی۔ اور یہ تو

سالن بھی لے کر آیا ہے۔ ان کا معاملہ حق تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ تو یہ تھا کہ ایک سائل آ کر سوال کرتا ہے تو اپنے یہاں جو کچھ ہے کھانے پینے کے لئے اس کے حوالہ کر دیا اور حق تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ یہ ہے کہ دوبارہ روٹی پکانے سے پہلے پہلے پکی پکائی مع سالن کے بھیج دی۔ ضرورت اس کی ہے کہ ہم لوگ اپنا معاملہ اپنے مالک الملک کے ساتھ صحیح کریں، اس کے ساتھ معاملہ صحیح کریں گے تو اس کی طرف سے بڑی راحتیں آئیں گی۔

چغلی کی نحوست

ایک کتاب میں لکھا ہے ایک دفعہ بارش نہیں ہوتی تھی، پریشان تھے سب۔ اس زمانے کے نبی اپنی امت کو لے کر باہر نکلے صحابہ پیچھے جنگل میں، گئے نماز پڑھی، دعائیں کیں۔ خدا کے سامنے روئے۔ امت بھی رو رہی ہے، نبی بھی رو رہے ہیں۔ چالیس دن گذر گئے بارش نہیں ہوئی تو ان پیغمبر نے کہا۔ یا اللہ کیا بات ہے۔ چالیس دن ہو گئے دعا کرتے کرتے دعا قبول نہیں ہوتی۔ وہاں سے جواب ملا کہ چالیس برس بھی دعا کرتے رہو تو قبول نہ ہوگی۔ یا اللہ! کیا بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تمہاری جماعت میں ایک بندہ ہے جس کے اندر چغلخوری کی عادت ہے۔ اس کی بات اس سے کہدیتا ہے ان کے اندر نفرت پیدا کر دیتا ہے، لڑائی کرا دیتا ہے۔ جب دعا کرتے ہو یہ دعا آسمان کی طرف جاتی ہے پھر اس کی نحوست دروازہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ دعا اوپر نہیں جایا کرتی۔ پھر ان پیغمبر نے عرض کیا اچھا تو پھر اس بندے کا ہمیں نام بتا دیجئے تا کہ ہم اس کو اپنے مجمع سے الگ کر دیں پھر تو دعا قبول ہوگی۔ فرمایا کتنے بھولے آدمی ہو تم، ہم چغلخوری کو پسند نہیں کرتے ہیں ہم خود اپنے بندے کی چغلی کریں۔ تب انھوں نے عرض کیا۔ اعلان کیا کہ بھائی تم میں سے جو چغل خور ہے وہ یہاں سے اٹھ جائے اور اگر نہیں اٹھے گا تو ایک ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر ہم اٹھائیں گے اور جس کے اٹھنے سے بارش ہو جائے تو ہم سمجھ جائیں گے کہ یہ تھا وہ چغل خور، جس کی وجہ سے ساری امت کی دعا مردود ہو گئی

تھی، تب کوئی نہیں اٹھا لیکن جو چغل خور تھا اس نے کہا کہ یا اللہ! تم نے اب تک میرے عیب پر پردہ ڈالا کسی پر ظاہر نہیں فرمایا کہ چغل خور کون ہے۔ چغل خور میں ہوں، میں گنہگار ہوں، خطا کار ہوں، میری خطا کو معاف فرما۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں چغلی نہیں کروں گا۔ توبہ کرتا ہوں۔ دل دل میں تو اللہ سے معاملہ کیا اور آنکھ سے دو چار آنسو بھی ٹپکے۔ اتنے میں بادل آیا بارش ہو گئی۔ اس پیغمبر نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ ابھی تک تو کوئی اٹھا بھی نہیں اس مجلس میں سے، وہ شخص یہیں ہے، موجود ہے جس کی وجہ سے بارش نہیں ہوتی تھی یہ بارش کیسے ہو گئی۔ فرمایا ہمارے بندے نے ہم سے صلح کر لی پہلے لڑائی کر رکھی تھی اب صلح کر لی۔ پھر پوچھا کہ اب تو بتا دیجئے کون نیک بخت بندہ ہے جس کی صلح کی وجہ سے بارش ہو گئی۔ ساری مخلوق پر رحم ہوا تو فرمایا جب اس نے ہم سے لڑائی کر رکھی تھی ہم نے اس وقت اس کے عیب کو ظاہر نہیں کیا۔ آج جو اس نے صلح کر لی ہم اب اس کے عیب کو ظاہر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تو اس طرح پردہ پوشی کریں۔

حقوق کی ادائیگی کی ضرورت

اور ہم لوگ ایک دوسرے کی برائی دنیا میں کرتے پھریں۔ اچھے خاصے دو آدمیوں کے درمیان لڑائی پیدا کر دیں، نااتفاقی پیدا کر دیں اس لئے بارش نہ ہونے اور دوسری مصیبتوں کے آنے کی وجہ جو کچھ ہے وہ ہماری بداعمالیاں ہیں۔ ان بداعمالیوں کی اصلاح کی ضرورت ہے اور اس کیلئے کسی دوسرے کے پاس جانے کی زیادہ ضرورت نہیں اپنے مالک الملک سے اپنا معاملہ درست کرنا ہے، کسی کا مالی حق ہو اس کو ادا کرنا ہے، جانی حق ہو اس کو ادا کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کے جو حقوق دبا رکھے ہوں ان کو ادا کرنا ہے۔ خداوند تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ اس کے ادا کرنے کی کوشش کرنا۔ اس طریقے پر حقوق ادا ہوتے رہیں حق تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں گی۔ تو مسلمان جس مقصد سے دنیا میں بھیجا گیا

تھا وہ مقصد مسلمان نے کھو دیا، ضائع کر دیا۔

ذکر کی برکت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک ایک شخص "اللہ! اللہ!" کہنے والا موجود رہے گا۔ ایک شخص کے "اللہ! اللہ!" کہنے سے تمام دنیا آسمان قائم ہیں۔ "اللہ! اللہ!" کہنے کی، ذکر کی ایسی برکت ہے۔ "اللہ" کے نام کی ایسی برکت ہے تو ذکر ہم نے چھوڑ دیا گناہ میں مبتلا ہیں۔ اور اس کی وجہ سے جو نحوستیں پھیلتی ہیں مصیبتیں آتی ہیں وہ آرہی ہیں اور ان کی طرف توجہ نہیں۔ اور اگر ہے تو کیا اپنی سوچی سمجھی تدبیروں کے ماتحت ہے۔ اس کی تدبیر یہ ہونی چاہئے۔ حالانکہ جو تدبیر وہاں سے بتائی گئی ہے اس کو اختیار کرنا چاہئے۔ وہاں سے یہ تدبیر بتائی گئی ہے کہ مخلوق خدا پر رحم کرو اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے گا۔

دعا

حدیث شریف میں آیا ہے جس دعا میں درود شریف نہ ہو وہ دعا اوپر نہیں جاتی ہے۔ اس لئے دعا کے آداب میں سے ہے درود شریف پہلے بھی پڑھا جائے اور بعد میں بھی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔

اے پاک پروردگار! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔ یا اللہ! تیرے دین سے جس قدر غفلت برتی ہے اس جرم عظیم کو معاف فرما۔ الٰہی! رحم و کرم کا معاملہ فرما، فضل کا معاملہ فرما، الٰہ العالمین! ہم سب کی خطائیں بخش دے پرانی بھی نئی بھی، اور ہم کو متوجہ فرمادے جس کام کے لئے پیدا کیا ہے اس کام پر کوشش کے لئے لگ جائیں۔ الٰہ العالمین! تمام دنیا میں جہاں مظالم ہو رہے ہیں ان مظالم کو روک دے، ظالم کا ہاتھ پکڑ لے، مظلوموں کی نصرت فرمادے، الٰہ العالمین! یہ سب کچھ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اے پاک پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ نیکی کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ جن ہمارے بھائیوں نے بزرگوں نے نام لکھوائے یا اللہ ان کے ارادوں میں استقلال پیدا فرما۔ الٰہ العالمین! ان کے اس ارادے کو قبول فرما۔ اور جنھوں نے نہیں لکھوائے ان کو نام لکھوانے کی توفیق عطا فرما۔ الٰہ العالمین! اس دین کو تمام دنیا میں پھیلا دے اور اس کے لئے ہم کو پوری کوشش کرنے کی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْراً وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

❑❑❑

یہ امت خیر امت ہے

اس بیان میں

خیر امت ہونے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

....

یہ امت خیر امت ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

الحمد للہ۔ الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہ ونو من بہ ونتوکّلُ عَلیہ ونعوذ باللہ من شرورِ انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ۔ ومن یضللہ فلا ھادی لَہٗ ونشھد ان لا الٰہَ اِلّا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ ونشھد انَّ سیّدنا وشفیعنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ ارسلہٗ بالحق بین یدی الساعۃ بشیراً ونذیراً ومن یطع اللہ ورسولہٗ فقد رشد ومن یعص اللہ ورسولہٗ فانہٗ لا یضر الاّ نفسہٗ ولن یضر اللہ شیئاً۔ امّا بعد!

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡھَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ۔ وَلَوۡ اٰمَنَ اَھۡلُ الۡکِتَابِ لَکَانَ خَیۡرًا لَّھُمۡ۔

(آل عمران)

اللہ جل جلالہٗ عم نوالہٗ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ بہترین امت ہو۔ ابتدائے آفرینش سے جتنی امتیں پیدا کی گئی ہیں سب میں بہتر ہو، سب سے اعلیٰ ہو۔ سب سے اچھے ہو۔

خیر امت ہونے کی وجہ

اس امت میں خیر ہونے کی کیا بات ہے؟ خود بتلا دیا۔ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ۔ جو لوگوں

کے لئے بھیجی گئی ہے یہ امت دوسرے لوگوں کے واسطے ان کی ہدایت کے لئے، ان کی اصلاح کے لئے، ان کی خیر خواہی کے لئے بھیجی گئی ہے۔

اس امت کا کام

کام کیا ہے اس امّت کا؟ "تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" اچھی باتوں کا لوگوں کو حکم دو، بری باتوں سے روکو۔ جو کام انسانی ہمدردی کے موافق نہیں، اخلاق کے خلاف ہیں، عقل کے خلاف ہیں، معاشرہ کے خلاف ہیں، اللہ کے خلاف ہیں ان سے روکو، ان کو مٹاؤ، اور جو کام انسانی ہمدردی کے موافق ہیں اللہ کے حکم کے موافق ہیں خیر اور نصیحت کے ہیں ان کو پھیلاؤ، لوگوں میں شائع کرو، اس واسطے یہ امت سب سے بہتر ہے۔ پچھلی امتوں میں یہ تھا کہ ان کیلئے اعمال تجویز تھے، وہ اعمال کیا کرتے تھے۔ اس طرح سے ساری دنیا کے سامنے ایک حق کے پیغام کو لے کر جانا، پہونچانا، یہ ان کی ذمہ داری نہیں تھی۔ تھوڑے تھوڑے علاقہ کے لئے یہ امتیں ہوتی تھیں۔ جس نبی کی نبوت جس علاقہ کے لئے تھی وہ امت وہیں تک تھی۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا عام ہونا

لیکن حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب پیغمبروں میں اخیر میں تشریف لائے اور سارے عالم کے لئے آئے۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا"

نیز ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعًا"

سب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے، افریقہ کی طرف، امریکہ کی طرف بھی، فرانس کی طرف بھی، جرمن کی طرف بھی، ہندوستان کی طرف بھی، پاکستان کی طرف بھی، سارے عالم کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک خیر کی چیز لائے، بہتری اور بھلائی کی چیز لائے، جس سے دنیا بھی درست رہے، آخرت بھی درست رہے۔ ایسی چیز ایسی بڑی نعمت کو کسی

خاص قوم یا کسی خاص امت کے لئے محدود نہیں کیا گیا بلکہ سارے عالم کے لئے کیا گیا ہے۔ جیسے آسمان سے ستارے نکلتے ہیں، کسی ستارے کی روشنی زیادہ ہے، کسی ستارے کی تھوڑی سی روشنی ہے۔ کوئی ستارہ کسی علاقہ میں نمودار ہے کوئی ستارہ کسی علاقہ میں نمودار ہے۔ لیکن جب آفتاب نکلتا ہے تو اس کی روشنی سارے عالم میں پہنچتی ہے، سب جگہ پر پھیلی ہے۔ آفتاب کے بعد کسی ستارے کی ضرورت نہیں رہتی، کسی روشنی کی ضرورت نہیں۔ جہاں جہاں تک آفتاب کی شعاعیں پہونچیں گی سب جگہ روشنی ہوتی چلی جائے گی۔ اسی طریقہ پر حضرت نبی اکرم ﷺ تشریف لائے۔ لہٰذا حضور اقدس ﷺ کی بعثت بھی عام آپ کی دعوت بھی عام۔ "وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ" اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ اہل کتاب کو مخصوص کیا، اس واسطے کہ ان کی کتابوں میں تذکرہ تھا حضرت نبی اکرم ﷺ کا۔ توراۃ میں بھی تذکرہ تھا، انجیل میں بھی ذکر تھا۔ ان کو خاص طور پر کہا گیا کہ تمہارے پیغمبروں کے اوپر جو کتابیں بھیجی تھیں ہم نے ان میں تذکرہ کیا ہے۔ پیغمبروں نے تم سے کہا تھا کہ ایمان لاؤ نبی آخر الزماں ﷺ پر۔ لہٰذا وہ لوگ ان پر ایمان لے آتے تو اچھا تھا۔

ایک نصرانی بادشاہ کی اسلامی خلیفہ کو عیسائیت کی دعوت

ایک نصرانی بادشاہ نے ایک خط لکھا ہے مسلمان خلیفہ کے نام۔ اس میں لکھا ہے ایک تمہارے پیغمبر ہیں حضرت محمدؐ جن کو تم پیغمبر مانتے ہو ہم پیغمبر نہیں مانتے۔ ان کے پیغمبری میں اختلاف ہو گیا۔ اور ایک ہمارے پیغمبر ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو تم بھی پیغمبر مانتے ہو ہم بھی پیغمبر مانتے ہیں، ان کی پیغمبری پر تو اتفاق ہے اور محمد ﷺ کی پیغمبری میں اختلاف ہے۔ لہٰذا تم بھی عیسائی ہو جاؤ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہی ہو، اختلاف سارا ختم ہو جائے گا۔

....

خلیفۂ اسلام کی طرف سے جواب

خلیفۂ وقت نے علماء کے پاس اس خط کو بھیجا۔ایک عالم نے جواب دیا کہ ہمارے پیغمبر ایسے ہیں جن کو ہم تو پیغمبر مانتے ہی ہیں لیکن تمہارے پیغمبر نے بھی ان کو پیغمبر مانا۔ "مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَّأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" (سورۃ الصف) تمہارے پیغمبر نے یہ کہا کہ میں بشارت دیتا ہوں ایک ایسے پیغمبر کی جو بعد میں آئیں گے ان کا نام احمد ہے۔تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی پیغمبر مانا اور تم کو ہدایت دی ہے کہ تم ان کو مانو تسلیم کرو، ایمان لاؤ۔لہٰذا ہمارے پیغمبر کی پیغمبری تو بالاتفاق ہے۔ہم بھی پیغمبر مانتے ہیں اور تمہارے پیغمبر بھی پیغمبر مانتے ہیں اور وہ جن کو تم کہتے ہو عیسیٰ مسیح ابن اللہ ثالث ثلاثہ۔وہ پیغمبر تو کیا ہوئے اس نام کا کوئی آدمی پیدا ہی نہیں ہوا جو ابن اللہ ہو۔اللہ کا بیٹا تو کوئی ہوا ہی نہیں اب تک۔ اس کو پیغمبری سے کیا واسطہ۔لہٰذا تم جس کو مانتے ہو اس کا وجود ہی کہیں نہیں۔پیغمبری کیا ہوتی۔چونکہ پچھلی کتابوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کا بھی تذکرہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا بھی تذکرہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا بھی تذکرہ ہے، اس لئے قرآن کریم نے کہا: "وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ"

هٰذَا كَوْكَبُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک علاقہ میں تھا۔شام کا وقت تھا۔ایک شخص نے دیکھا آسمان کی طرف اور کہا هٰذَا كَوْكَبُ محمد۔ کہ یہ محمدؐ کا ستارہ ہے۔آج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو رہے ہیں۔وہ لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے وقت سے پہلے منتظر تھے۔اس ستارے کو دیکھ کر سمجھ گئے اور یہ کہنے والا اہل کتاب میں سے تھا جس نے یہ بات کہی تھی۔وہ لوگ یہاں تک پہچانتے تھے۔نام لکھا ہوا تھا ان کی کتابوں میں

حضور اقدس ﷺ کا۔ کام لکھا ہوا تھا کیا کام کریں گے۔ پوری چیزیں موجود تھیں، اس لئے قرآن کریم میں کہا گیا یہ ایمان لے آتے تو اچھا تھا۔ کیونکہ ان کو پہلے سے خبر کر دی گئی تھی۔ نصاریٰ نجران آئے ہیں حضور اقدس ﷺ سے بات کرنے کے لئے۔ اسلام کی حقانیت پر بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔ حضور اقدس ﷺ کی بات کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ اللہ نے آیت نازل فرمائی:

"قُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَائَکُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَائَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ" (آل عمران) اور تم بھی اپنی اولاد کو لے آؤ ہم بھی اپنی اولاد کو لے آتے ہیں اور اللہ کے سامنے مباہلہ کرلیں۔ کیا کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت۔ ہم بھی اللہ سے دعا کریں ہاتھ اٹھا کر کے جھوٹے پر اللہ کی لعنت۔ تم بھی دعا کرو۔ تم خود اپنے آپ کو جھوٹا سمجھتے ہو دل میں تمہارے جھوٹ ہے۔ تم جانتے ہو لیکن زبان سے اقرار نہیں کرتے۔ اگر تم جھوٹے ہو تو تم پر لعنت ہے۔ ان لوگوں نے دیکھا آپس میں کہا دیکھو یہ تو جن کو لے کر حضور اقدس ﷺ تشریف لائے ہیں یہ ایسی مبارک صورتیں ہیں کہ اگر ان کے خلاف ہم نے کچھ کہا اور لعنت کی بد دعا دی تو ہم ہی ہلاک وتباہ و برباد ہو جائیں گے۔ انھوں نے مباہلہ نہیں کیا۔ وہ جانتے تھے۔ اس لئے قرآن کریم نے کہا اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو اچھا تھا۔ آگے فرماتے ہیں: "مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ" بہت تھوڑے سے لوگ ہیں اہل کتاب میں سے جو ایمان لائیں گے اور اکثر تو نافرمان ہیں۔ دل میں یقین ہو جانے کے باوجود پھر ایمان نہ لانا کتنی بڑی بدبختی کی بات ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے یہودیوں کا دستاویز لکھوانا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دو یہودیوں نے دیکھا اور دیکھ کر آپس میں کہنے لگے کہ یہی شخص ہے جو ہمیں جزیرہ عرب سے نکالے گا۔ مدینہ طیبہ سے نکالے گا۔ آئے انکے پاس اور

آ کر کہنے لگے کہ جب آپ کی بادشاہت ہوگی اور آپ حاکم بن جائیں گے اس وقت ہمیں نہ نکالنا۔ ہمیں امن دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے میں ایک اونٹ چرانے والا آدمی، میں کہاں اور بادشاہت کہاں۔ کہا نہیں نہیں آپ لکھ دیجئے پرچہ۔ اصرار کے بعد پرچہ لکھ دیا۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ چار سو بیسی نہیں جانتے تھے کہ کیا ہوتی ہے۔ سیدھے سادھے لوگ تھے پرچہ لکھ دیا۔ اس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا بھی شروع نہیں ہوئی تھی جب کی یہ بات ہے۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر وحی آئی تیئس برس تک نبوت کی اشاعت کی اسکے بعد وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ اس وقت میں وہ یہودی لوگ پرچہ لے کر آتے ہیں آپ نے ہم کو امن دیا تھا۔ اب آپ ہم کو باہر نہیں کر سکتے۔ اتنا جانتے تھے وہ لوگ، صورت دیکھ کر پہچانتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سو رہے تھے ان کی آنکھ تھوڑی سی کھل گئی۔ اندرون آنکھ کوئی تل سیاہ نشان تھا۔ یہودی کے نظر پڑا۔ اس نے کہا بس بس یہی خلیفہ ہوں گے۔ یہی خلیفہ ہونگے۔ یہاں تک پہچانتے تھے کہ کس جگہ پر تل ہے کس جگہ پر نشان ہے۔ اس لئے قرآن پاک کہتا ہے: "وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ" یہ اتنی نشانیوں کے جاننے کے باوجود ایمان نہیں لائے یہ اگر ایمان لے آتے تو اچھا تھا ان کو دوہرا اجر ملتا۔ اپنی کتاب پر بھی عمل کرنے کا اجر ملتا اور قرآن پاک پر بھی عمل کرنے کا اجر ملتا۔ یہ اپنے نبی کے امتی ہونے کی حیثیت سے بھی ایک مقام حاصل کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس امت میں شامل ہونے کی درخواست

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے۔ آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے۔ کہ وہ امت راحت و مسرت کی حالت میں تو شکر گذار ہوگی اور مصیبت و رنج کی حالت میں صبر کرے گی۔ میری خواہش یہ ہے کہ وہ امت مجھے دیدیجئے۔ جواب ملا کہ وہ امت تو نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ عرض کیا کہ آپ کی کتاب میں ایک امت کا تذکرہ ہے

جو جہاد کرے گی مالِ غنیمت اس کے لئے حلال ہوگا۔ میری خواہش ہے کہ یہ امت مجھے دید یجئے۔ جواب میں کہا گیا کہ وہ امت تو نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی ہے۔ اخیر میں بہت ساری باتیں ظاہر کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ اچھا وہ امت اگر مجھے نہیں مل سکتی تو مجھے ہی اس امت میں داخل کر دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنایا وہ درخواست کر رہے ہیں کہ مجھے اس امت میں داخل کر دیجئے۔ اس امت کے فضائل اتنے ہیں چونکہ یہ امت خیر امت ہے اس کا دین خیر الادیان ہے اس کے رسول خیر الرسل ہیں، اس کی کتاب خیر الکتب ہے، یہ امت خیر الامم ہے۔ ہر طرح کی خیر ہی خیر ہے۔ خیر کو لے کر حضور اقدس ﷺ تشریف لائے۔ درختوں نے کلمہ پڑھا، پتھروں نے کلمہ پڑھا۔ آسمان سے آوازیں آئیں، جنات ایمان لائے۔ مگر جن لوگوں کی تقدیر میں ایمان نہیں تھا وہ ایمان نہیں لا سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ ان سب کے باوجود یہ اگر ایمان لے آتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ بہتر ہی بہتر تھا۔ خیر کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کتنے غضب کی بات ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ تو خیر لے کر جاتے ہیں لوگوں کے پاس۔ ایک نعمت لے کر جاتے ہیں لوگوں کے پاس۔ ایک نعمت لے کر جاتے ہیں اور لوگ دھتکارتے ہیں، برا کہتے ہیں، گالی دیتے ہیں، لڑتے ہیں، قتال کرتے ہیں۔ کتنی بد نصیبی کی بات ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔ "وَلَوْ آمَنَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُوْنَ" (آل عمران)

ایک یہودی کا مدینہ طیبہ میں مکان خریدنا

ایک یہودی کو معلوم ہو گیا تھا۔ اپنی کتاب کے ذریعہ سے کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت قریب آرہا ہے اور وہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں جائیں گے۔ اور مسجد نبوی کے قریب جہاں ٹھہریں گے مکان میں وہ مکان یہودی نے خرید لیا اور اس نے سوچا کہ جب وہ تشریف لائیں گے تو سب سے پہلے میں ان کو اپنا مہمان بناؤں گا لیکن اس کے

بعد وہ مکان فروخت کر دیا اور چلا گیا اور وہ مکان حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آیا۔ ان کے مہمان ہوئے۔ یہودی یہ بھی جانتے تھے کہ حضور ﷺ کی پیدائش کا وقت قریب آ رہا ہے وہ یہاں آ کر کے ٹھہریں گے۔

ام معبد رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام

ام معبد اور ان کے شوہر دونوں کے دونوں حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے اور باہر آ کر ایک مقام پر انھوں نے اپنا چھوٹا سا ایک خیمہ ڈال دیا۔ ٹھہر گئے وہاں۔ حضور ﷺ جب ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو ام معبد کے خیمہ میں پہونچے تو فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہ تمہارے یہاں کچھ کھانے کی چیز ہے۔ انھوں نے بتلایا مفلوک الحال ہے کچھ نہیں کھانے کو۔ شوہر تو گئے ہوئے تھے جنگل بکریاں لے کر اور خود ام معبد اپنے خیمے میں تھیں۔ ایک بکری بندھی ہوئی تھی وہاں۔ ام معبد سے پوچھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہ یہ بکری کیسی ہے۔ انھوں نے کہا یہ تو جنگل جا نہیں پاتی ہے۔ کہا اچھا ہمیں اجازت دو اس کا دودھ دوہنے کی۔ انھوں نے کہا اس میں دودھ ہے کہاں۔ اس کی تو کھال ہڈیوں سے لگی ہوئی ہے۔ گوشت بھی اس میں نہیں ہے۔ دودھ کیا ہوتا۔ بہرحال دوہنا چاہو تو دوہ لو۔ پانی لے کر پہلے تھنوں کو دھویا۔ اسکے بعد دودھ نکالا۔ اور نکال کر حضور اقدس ﷺ نے پیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیا۔ ام معبد رضی اللہ عنہا نے پیا اور جو انکے یہاں برتن تھے ان میں رکھ دیا اور اسکے بعد چل دیئے۔ شام کو جب انکے شوہر آتے ہیں انھوں نے اپنے خیمہ میں انوار نبوت محسوس کئے وہ طالب حق تھے۔ انوار نبوت محسوس کئے۔ پوچھا گھر میں کوئی مہمان آیا تھا۔ یہ دودھ کہاں سے آیا۔ بتلایا ایسے ایسے دو شخص آئے تھے۔ انھوں نے کھانے پینے کی چیز طلب کی۔ بکری مانگی۔ بکری کا دودھ نکالا اور اس طرح سے خود بھی پیا ہمیں بھی پلایا۔ اور باقی رکھ دیا برتن میں۔ انکے شوہر نے کہا اللہ کی بندی ایسے مبارک مہمانوں کو کیوں نہیں روکا۔ ان کو تو روکنا چاہئے تھا۔ انہیں کی خاطر تو ہم ٹھہرے تھے۔ یہاں

آ کر اب یہاں ٹھہرنے کا کیا کام چلو۔ اپنا خیمہ اکھاڑ کر۔ مدینہ طیبہ چلے گئے اور اسلام قبول کیا، تو حضور اقدس ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہجرت سے پہلے بہت واقعات اس قسم کے پیش آئے کہ اہل کتاب کو محسوس ہوئے۔ دوسرے لوگوں کو محسوس ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اختیار کے بغیر ہی ان کے قلب میں حضور اقدس ﷺ کے حالات ڈال دیئے۔ اس لئے فرماتے ہیں "وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ" یہ اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو کتنا اچھا ہوتا خیر ہوتا ان کیلئے۔ مگر وہاں تو خیر کیا ہوتی، اہل کتاب تو بہت زیادہ جلتے تھے۔ بہت زیادہ غصہ میں بھرے ہوئے تھے خاص کر یہودی تو حضور اکرم ﷺ سے بہت غصہ میں تھے۔ "لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا" (المائدة) تو سب سے زیادہ دشمنی یہود کو تھی حضور ﷺ کے ساتھ۔ اس واسطے کہ وہ جانتے تھے کہ ان کے آنے کے بعد ہمارے مذہب کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جائے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کی تمنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے حوارین میں سے ایک نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ حضرت نبی آخر الزماں کو دیکھوں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ وہاں سے جواب ملا۔ اس حالت میں اس صورت میں تو نہیں دیکھ سکتے تم۔ تم چاہو تو ہم تم کو سانپ بنا دیں۔ اور حضور اکرم ﷺ جس وقت ہجرت کریں گے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔ راستے میں ایک غار میں ٹھہریں گے تم اس غار میں جا کر ٹھہر جاؤ۔ وہاں تم کو زیارت ہو جائے گی۔ چنانچہ اس نے منظور کر لیا اس کو سانپ بنا دیا گیا۔ وہ آ کر غار میں ٹھہر گیا۔ وہ منتظر رہا کئی صدیاں گذر گئیں۔ جب حضور اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی اور پھر مشرکین نے مکہ مکرمہ میں چین نہیں لینے دیا۔ یہاں تک کہ قتل کا منصوبہ بنا لیا۔ اب اللہ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہوا۔ پھر حضور اکرم ﷺ اس غار میں آ کر ٹھہرے۔

غارثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

اس غار ثور میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ اوّل تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر بٹھایا۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر جائیں میں غار کو دیکھ لوں۔ غار کو دیکھنے کیلئے گئے تاکہ اس کو صاف کرلیں ٹھہرنے کے واسطے۔ باہر آئے تو ایک چادر تھی آپ کے پاس۔ ایک چادر غائب تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا دوسری چادر کیا ہوئی؟ بتلایا کہ اس میں جو سوراخ تھے اس چادر سے پھاڑ پھاڑ کر وہ سوراخ بند کر دیئے کہ ان میں کوئی موذی جانور نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلانے پلانے کی فکر میں تھے۔ ایک بکری والے کو دیکھا۔ اس سے پوچھا۔ اس نے بتلایا فلاں شخص کی ہے۔ انھوں نے کہا دودھ دوہنے کی اجازت دو۔ اس نے کہا اجازت ہے۔ دودھ دوہا۔ اسمیں ذرا ٹھنڈا پانی ملا کر ٹھنڈا کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شَرِبَ حَتّٰی رَضِیْتُ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا یہاں تک کہ میرا جی راضی ہو گیا۔ کیا محبت تھی کیا تعلق تھا کہ دودھ پی رہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جی راضی ہو رہا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خیر اس کو غار کو صاف کر کے اندر لے کر گئے اور عرض کیا کہ آپ میری ران پر سر رکھ کر ذرا آرام کرلیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے۔ دیکھا تو ایک سوراخ باقی ہے اس غار میں، وہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا پیر رکھ دیا۔ اسی سوراخ میں وہ سانپ تھا۔ وہ سانپ نکلنے لگے۔ دیکھا تو سوراخ میں کوئی چیز اٹکاؤ کی ہے۔ اس نے کاٹا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیر تھا وہ۔ کاٹنے پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فکر ہوئی کہ اب سانپ کے کاٹنے سے میں تو مر جاؤں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ جائیں گے۔ دشمن تاک میں ہے تلاش میں ہے۔ پھر رہے ہیں جگہ جگہ ڈھونڈتے ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیں گے۔ اس غم اور صدمہ سے آنکھ سے آنسو نکلا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر گرا وہ آنسو۔ تب حضور نے فرمایا کیا بات ہے۔ حضور! میں تو ڈسا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ اسکی برکت سے زہر کا اثر پیدا نہیں ہوا۔ وہ سانپ جو کئی

صدیوں سے وہاں ٹھہرا ہوا تھا اس نے کہا اللہ کے بندے اب دیدار کا وقت آیا تو تم نے پیر اڑا لیا اس میں۔ (ازالۃ الخفاء: ۹۲/۲) تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضور اکرم ﷺ کے اتنے مشتاق تھے۔ اسلئے کہ حضرت علیہ السلام کے ذریعہ سے اہل کتاب کو بہت معلومات تھیں۔ وہ لوگ اگر ایمان لے آتے تو کتنا اچھا تھا۔ انکے پیغمبر کی تصدیق ہو جاتی ان کیلئے۔ آگے فرماتے ہیں لَنۡ یَّضُرُّوۡا کُمۡ اِلَّاۤ اَذًی۔ اے امت محمدیہ! جب تم دوسروں کے واسطے نکالے گئے ہو اپنے نفع و نقصان کیلئے نہیں نکالے گئے۔ تاکہ حق تعالیٰ کی اس نعمت عظمیٰ کو تمام انسانوں کے پاس تقسیم کرو۔ اسلئے نکالے گئے ہو۔ اہل کتاب نشانیاں دیکھنے کے باوجود، معجزات دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہیں لائے اور فسق میں مبتلا ہیں۔ وہ عداوت پر اترے ہوئے ہیں۔ تم کو یہ اذیت پہونچائیں گے۔ تمہارا ایمان تو وہ چھین نہیں سکتے ہاں تھوڑی سی اذیت پہونچائیں گے۔ بہت معمولی ہوگی چنانچہ وہ اذیتیں ساری کی ساری ہمارے اکابر و اسلاف بھگت چکے ہیں۔ آج ہمارے لئے کوئی اذیت نہیں، بڑی آزادی ہے، ہر طرح سے یاد رکھو آج دوسروں کو دشمنوں کو یوروپ وغیرہ کو مسلمانوں کی کسی حکومت سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کسی حکومت کے متعلق ان کو یہ توقع نہیں کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو گی۔ اسکے پاس اتنے ہتھیار نہیں کہ وہ لڑ سکیں۔ فتح پانا تو کیا بات ہے لڑ بھی نہیں سکتے۔ مادی طاقت ایسی ہے۔ ہے ہی نہیں مسلمانوں کے پاس البتہ خوف ہے تو انہیں لوگوں سے ہے جن کے دلوں میں دین کی قدر ہے۔ دین کی تڑپ ہے اور وہ یہ جانتے ہیں کہ دوسروں تک اس دین کو پہنچانے والے یہی ہیں۔ اسکی وجہ سے فکر ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کا سفر لندن

کئی سال کی بات ہے سہارنپور سے حضور مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے لندن میں بھی ساتھ گیا تھا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ تقریباً پانچ ہزار آدمی روزانہ دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے۔ دور دور سے لوگ آتے تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت شیخؒ تشریف لائے ہیں تو ہوائی جہاز سے چلے آرہے ہیں۔ جبھی ایک صاحب نے امریکہ سے فون پر کچھ مسائل پوچھے۔

وہاں کے ایک عالم سے تو انھوں نے کہدیا کہ تم فوراً چلے آؤ۔ جو کچھ پوچھنا ہے یہاں آکے پوچھ لینا۔ وہ اگلے روز پہونچ گئے اور جتنے مسائل پوچھنے تھے ان کو انھوں نے پوچھ لئے ۔تو اس وقت میں امریکہ کے اخبار میں شائع ہوا تھا کہ اسلام یوروپ کے دروازے تک پہونچ چکا ہے۔ بڑا خطرہ لاحق ہوگیا یوروپ کو اسلام سے کہ دروازہ پر آپہونچا ہے۔ حالانکہ یہ بیچارے کیا لڑتے انکے پاس تو چاقو بھی نہیں، بندوق، تلوار اور مشین گن تو کیا ہوتی کوئی چیز نہیں کوئی ہتھیار نہیں۔ انکے پاس جو کچھ ہے اللہ کا خوف ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ دو خوف کسی دل میں جمع نہیں ہوتے کہ اللہ کا خوف بھی ہو مخلوق کا خوف بھی ہو۔ اگر کسی کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا تو مخلوق کا خوف اسکے دل سے نکل چکا ہوگا۔ یہ حضرات اذیتیں برداشت کر چکے ہیں۔ "لَنۡ یَّضُرُّوۡا کُمۡ اِلَّآ اَذًی" (آل عمران) تم ان کو اذیت ہرگز نہیں پہونچا سکتے۔ مگر تھوڑی سی تھوڑی اذیت پہونچائیں گے۔ رہا یہ کہ ختم کر دیں نیست و نابود کر دیں ایمان کو سلب کر لیں اس کی قدرت ان کو نہیں۔ ہاں اگر مسلمان خود ہی اپنے دین سے ناواقف ہو۔ نہ قرآن شریف پڑھتا ہے نہ حدیث شریف پڑھتا ہے نہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو دیکھتا ہے نہ مسائل سے واقفیت ہے وہ اگر انکے پھندہ میں آجائے زر، زن زمین کی وجہ سے یا کسی اور لالچ کی وجہ سے اور خوف کی وجہ سے وہ دوسری بات رہی۔ لیکن جس مسلمان کے دل میں واقعی ایمان ہے وہ ہرگز ان کے پھندے میں، قابو میں نہیں آسکتا۔ اس لئے فرماتے ہے: "لن یضروا کم الا اذی"

علمائے ہند کو سولی اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا جیل میں ختم قرآن

۱۸۵۷ء میں جو جہاد ہوا ہندوستان میں اس میں گرفتاری ہوئی اہل اللہ کی، سولی قائم کی گئی۔ دہلی کی جامع مسجد سے لال قلعہ تک بادشاہ کے آنے جانے کا جو راستہ تھا سڑک کا اس کے دونوں طرف درختوں پر لاشیں لٹکی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ پر سولی قائم کر کے علماء کو سولی دی گئی۔ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کیا گیا اور جیل میں گئے۔ دیر تک رہے۔ وہاں

ایک شخص پہلے سے محبوس تھا اس کو قرآن شریف شروع کرا دیا تھا مولانا نے۔یہاں تک کہ مولانا کی جیل کا زمانہ ختم ہو چکا۔ پروانہ آگیا رہائی کا سرکاری کہ آپ رہا کئے جاتے ہیں آپ کی جیل کی مدت پوری ہوگئی۔اس شخص نے کہا حضرت میرا تو قرآن رہ گیا۔حضرت نے فرمایا میں نہیں جاتا میں تو تمہارا قرآن کریم ختم کرا کے جاؤں گا۔تو جو جیل کی مدت تھی اس سے زائد صرف قرآن کریم ختم کرانے کے لئے رہے۔ایسے لوگوں کو کیا جیل کی اذیت ہو سکتی ہے۔کیا کوئی ستا سکتا ہے جو خود وہاں پر رہنے کا متمنی ہو۔

حضرت شیخ الہند اور حضرت مدنی اکرم رحمۃ اللہ علیہما مالٹا کی جیل میں

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے۔وہ کئی برس تک مالٹا کی قید میں رہے۔طرح طرح سے ان کو ستایا گیا۔سردی زیادہ ہوتی تھی۔اخیر شب میں جب وہ تہجد کے لئے اٹھتے تھے تو حضرت مولانا حسین صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ ساتھ تھے وہ لوٹے میں ٹھنڈے پانی کو لیکر اپنے پیٹ پر رکھے رہتے تاکہ پیٹ کی گرمی سے پانی کچھ گرم ہو جائے۔وضو کرنے کے قابل ہو جائے۔حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ وضو کر کے نماز کی نیت باندھتے تو جو گورے پہرے پر ہوتے تھے وہ لاٹھی وغیرہ سے ان کے چونکے مارتے تھے چنانچہ جس وقت ہندوستان تشریف لائے تو ان کے پہلو پر جگہ جگہ نشانات تھے۔

جس وقت ان کے افسر کو معلوم ہوا اس نے کہا اس شخص پر کیوں زیادتی کرتے ہو یاد رکھو یہ ایسا شخص ہے کہ اگر اس کو قتل کر دو گے تو اس کے خون سے حق حق کی آواز آئے گی۔اگر اس کو جلا دو گے تو اس کی راکھ سے آواز آئے گی حق حق کی اس کو مت ستاؤ۔چنانچہ ان حضرات نے صبر کیا۔اس کے صبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند فرمائے۔اس لئے جو اذیت تھی بڑی اذیتیں وہ تو اکابر برداشت کر چکے۔آج ہمارے سامنے کوئی اذیت نہیں ہے۔بہت تھوڑی سی چیز ہے۔ہمت کر کے قوت کے ساتھ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے وقت

دیناہے۔نہ کسی طاقت پر بھروسہ ہے، نہ کسی حکومت پر بھروسہ ہے محض اللہ پر بھروسہ کر کے کام کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہے اور جو زمانہ جہاد کا تھا ہمارے اسلاف نے اس زمانہ میں جہاد بھی کیا اور طرح طرح سے کامیابی ہوئی۔اس کو ایک شاعر نے کہا: ؎

اے بادصبا جھک کر کہنا میری جانب سے
گر درگہِ احمد پر قسمت سے تو جا نکلے
باتیں جو بتائی تھیں تم نے وہ حقیقت تھی
وعدے جو کئے تم نے وہ سارے بجا نکلے
قیصر تھا نہ کسری تھا میدان شجاعت میں
جب ارض مقدس سے بے برگ و برآ نکلے

یہ حضرات نکلے ہیں دین کی خاطر اور کایا پلٹ ہوتی چلی گئی۔ایک شخص کے ہاتھ پر ہزاروں آدمی ایمان لے آئے۔

شیخ زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر ۸۰/ ہزار کا قبول اسلام قابل عذر

شیخ زکریا صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر اسی ہزار آدمی ایمان لائے۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بے شمار لوگ ایمان لائے۔اور خدا جانے ان میں سے کتنے بڑے بڑے عالم ہوئے۔کتنے اہل اللہ و عارف ہوئے۔کتنے حافظ اور قاری ہوئے، کتنوں نے جہاد کیا اور کتنوں نے کس قدر دین کو پھیلایا اور برابر یہ سلسلہ چل رہا ہے اور چلتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔اور یہ نہ سمجھیں کہ اگر آپ حضرات نے کام چھوڑ دیا تو دین رک جائے گا۔نہیں چھوڑنے والے تباہ ہو جائیں گے۔اگر دین کو اختیار نہیں کیا تو دین کے چھوڑے

والے تباہ ہوجائیں گے۔ اللہ تعالیٰ دوسری قوم سے کام لے گا۔ "وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَایَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ" (سورۂ محمد) اگر مسلمان دین سے غفلت کرتے ہوئے اس کی طرف توجہ نہ کریں اس کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو دوسرے دین والوں کو کھڑا کر دے گا مسلمان بنا کرتا کہ وہ اسلام کی خدمت کرسکیں اور محروم رہیں گے وہ جو دین کی خدمت نہ کریں۔

مسلمانوں کا شوق شہادت

ہندوستان میں ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا۔ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ جہاں جہاد ہوا، لڑائیاں ہوئیں مسلمانوں کے پاس ہتھیار کم، سواریاں کم، اور دشمن کے پاس آدمی زیادہ ہر چیز زیادہ لیکن جب لڑائی ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے مقابلہ میں دشمن پیچھے کو بھاگتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا کہ مسلمان جہاد میں اس نیت سے نہیں جاتا کہ دوسروں کو قتل کرے، دوسرے کے مال لوٹے انکے تخت پر بیٹھے، ان کے تاج کو اپنے سر پر رکھے، ان کی حکومت کو چھین لے۔ مسلمان جاتا ہے دین حق کو بلند کرنے کے واسطے، اور دین کی خاطر شہادت حاصل کرنے کیلئے۔ میرا جسم میری جان دین کے کام آجائے۔ میری گردن دین کے کام آجائے۔ مسلمان جانتا ہے کہ میرا مقصود آگے بڑھنے سے حاصل ہوگا۔ لہٰذا دشمن کے بڑے بڑے جتھوں میں گھستا چلا جاتا ہے۔ اس نیت سے کہ شاید یہاں شہادت مل جائے۔ یہاں میرا سر قبول ہوجائے۔ اس کا جو مقصود ہے وہ تو آگے بڑھنے سے حاصل ہوگا اس لئے آگے کو بڑھتا ہے اور دشمن اپنی جان کو بچانے کی فکر میں رہتا ہے کہ کسی طرح سے میری جان بچ جائے۔ اس کا مقصود اپنی جان بچانا ہوتا ہے، اس کی جان بچنے کا راستہ جو اس کے نزدیک ہے بھاگنا ہے۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگتا چلا جاتا ہے۔ صاف صاف سی بات ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بادشاہ

کے پاس گئے۔ایک سو آدمی لے کر وہاں بیس لاکھ فوج تھی۔اس کی بیس لاکھ فوج کے مقابلہ میں ایک سو آدمی، کیا نسبت ہے ان کے درمیان دربار میں جا کر بڑے شاندار طریقہ سے گفتگو کی۔ذرا بھی مرعوب نہیں ہوئے۔بادشاہ نے غصہ میں آکر کہا۔فوج کو حکم دیا کہ ان مسلمانوں کو گرفتار کرو۔یہ سنتے ہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار نکال لی اور اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ خبردار! اب کوئی ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھے، ہماری تمہاری ملاقات حوض کوثر پر ہوگی۔یہ سنتے ہی سو کے سو سپاہیوں نے اپنی اپنی تلوار نکال لیں۔اس کا اتنا رعب پڑا کہ وہ بادشاہ کھسیانی ہنسی ہنس کر کہنے لگا ارے سچ مچ! تھوڑے ہی کہہ رہا تھا۔میں تو مذاق میں کہہ رہا تھا۔میں تھوڑے ہی گرفتار کراتا تمہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شوق شہادت

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے ان کے سرہانے کھڑے ہوئے رو رہے تھے۔وہ بتا رہے تھے کہ ہم نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی تو متوقع نہیں تھے کہ ہمیں شہادت ملے گی۔حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ تو کامیاب ہو گئے۔دیکھئے میرے مقدر میں کیا لکھا ہے۔چنانچہ انتقال کے وقت رو رہے تھے کہ میں کبھی فتح پانے کے شوق میں میدان میں نہیں گیا بلکہ موت کو تلاش کرتا پھرا۔جہاں کہیں امید ہوئی کہ یہاں گھسنے سے موت آجائے گی وہاں گھستا چلا گیا۔مگر موت نے ہمیشہ مجھ سے منہ پھیرا۔ہائے افسوس آج بوڑھی عورتوں کی طرح سے بستر پر پڑ کر مر رہا ہوں۔تو مسلمان تو شہادت کے شوق میں آگے بڑھتا ہے۔اس لئے فرماتے ہیں اگر انھوں نے تم سے قتال کیا لڑائی کی تو پیٹھ پھیر لیں گے۔اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اطمینان رکھو۔پھر ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔مسلمانوں کی تو مدد کا وعدہ ہے۔اللہ تعالیٰ ملائکہ بھیجتے ہیں مدد کے لئے۔اور ان کے اندر حوصلہ بہت بڑھ جاتا ہے۔

....

بنارس کی لڑائی میں مسلمانوں کی بہادری

بنارس کی لڑائی میں دس دس فارس کے آدمی ایک ایک مسلمان کو گرا نہیں پاتے تھے۔ ان کے دلوں میں یہ بیٹھ گیا تھا کہ یہ تو جنات قسم کے لوگ ہیں انسان ہیں ہی نہیں۔ یہ گرتے ہی نہیں مرتے ہی نہیں۔ ایک مسلمان کو گھیر لگا کر بڑی مشکل سے گرا دیا اور قتل کر دیا اور اس کے بعد سب کے سب بھاگے اور پہاڑ کے کوہ میں گھس کر بیٹھ گئے اور بیٹھ کر یہ دیکھنے لگے کہ اب یہ زندہ ہو جائے گا، اب یہ اٹھ جائے گا، اب یہ چلا جائے گا۔ یہ کیفیت تھی۔ ایک نو عمر لڑکے سے کسی فارسی نے پوچھا کہ تم لوگوں نے ٹرینگ کہاں حاصل کی جہاد کی، لڑائی کی، وہ ہنسنے لگا اس میں ٹرینگ کی کیا بات ہے۔ کھجور کی شاخ کو توڑا ذرا پتھر سے کچلا اس کا لگام بنالیا گھوڑے پر چڑھ گئے تلوار ہاتھ میں لی اور لڑنا شروع کر دیا۔ اس طریقہ پر وہ حضرات لڑتے تھے۔ سامان ان کے پاس ہمیشہ کم ہوتا تھا۔

غزوۂ موتہ

غزوہ موتہ کے موقعہ پر تین شخص کا نام لیکر حضور ﷺ نے فرمایا کہ پہلے جھنڈہ لیں ابن رواحہ رضی اللہ عنہ، اگر وہ شہید ہو جائیں تو زید رضی اللہ عنہ جھنڈا لے لیں۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ عنہ جھنڈہ لیں۔ پھر مسلمان تجویز کریں وہ جھنڈا لے لے۔ تین ہزار آدمیوں کو حضور ﷺ نے بھیجا۔ اور وہاں بیس ۲۰ ہزار آدمی تھے۔ مقابلہ پر تین اور بیس کے درمیان کیا نسبت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کامیابی دی۔ فتح ہوئی۔ تو فتح جو ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہوتی ہے نہ آدمیوں کی زیادتی سے ہوتی ہے نہ مال و دولت کی زیادتی سے ہوتی ہے نہ آلات حرب کی زیادتی سے۔ فتح ہوتی ہے اللہ کی نصرت سے۔ اور حق تعالیٰ کی نصرت کب ہوتی ہے۔ جب اپنے نفس کی محبت پر دین کی محبت غالب ہو۔ اور اللہ کی خاطر اخلاص کے ساتھ کام کرنے کے لئے گھر سے نکلے۔

اس نیت سے کہ اب ہمیں واپس نہیں آنا ہے۔ خداوند تعالیٰ قبول فرمالے جہاد میں۔ آج یہ مطالبہ نہیں کیا جارہا ہے تبلیغی جماعت سے کہ تلوار لے کر میدان میں جائیں۔ بندوق لے کر جائیں۔ کسی کو قتل کر دیں۔ نہیں بالکل نہیں۔ ہرگز یہ مطالبہ نہیں۔

آج کا مطالبہ

آج تو وقت کا مطالبہ ہے تھوڑا سا وقت دیجئے۔ ایک چلّہ دو چلہ وقت دیجئے۔ وقت دے کر نکلئے۔ جو بشارتیں ان لوگوں کو تلوار کے سایہ میں حاصل تھیں اس سے زیادہ بشارتیں آج اس میں موجود ہیں۔

فلسطین کے مفتی اعظم کا استقبال جماعت

جماعت گئی تھی فلسطین، وہاں کے جو مفتی اعظم تھے وہ جماعت کو دیکھتے تھے اور روتے تھے بہت روتے تھے۔ ان سے پوچھا۔ کیا بات ہے۔ انھوں نے بتلایا کہ میں نے خواب میں زیارت کی کہ نبی اکرم ﷺ تیزی سے تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے مصافحہ کیا انھوں نے اپنا ہاتھ جھٹک دیا اور فرمارہے ہیں میرے مہمان آرہے ہیں میں ان کے پاس جارہا ہوں۔ وہ کہتے تھے میں نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے، اس کو بھی دیکھا ہے خواب میں۔ ان کو حضور اکرم ﷺ نے اپنا مہمان فرمایا اور ان کے مصافحہ کیلئے حضور اکرم ﷺ تشریف لے جارہے ہیں۔ جاپان جماعت گئی۔ وہاں کے جو بدھ مذہب کے سردار تھے وہ آئے اور جماعت کے ساتھ ٹھہرے، شرکت کی اور کہا ہمیں اجازت دو ہم نماز میں تمہارے ساتھ شرکت کریں گے۔ انھونے کہا مجھے میری روح نے بتایا کہ اس پہاڑ سے اتر کر فرشتے آئیں گے۔ سو تم ہی وہ لوگ ہو جن کو فرشتہ کہا گیا ہے۔ ان سے پوچھا کہ آپ کے پاس کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ میرے پاس بہت کچھ ہے لیکن اس کے مقابلہ میں خاک نہیں۔ کہا جو کچھ ہے وہ تو بتائیے۔ جو امیر جماعت تھے

ان کی طرف ایک نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ گر پڑے بے ہوش ہو کر کہ میرے پاس اتنی طاقت ہے لیکن یہ جو کچھ آپ لوگ کہتے ہیں۔ "سُبْحَانَ اللّٰہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ" پڑھتے ہیں، ان کی طاقت بہت بڑی ہے۔ ہر لفظ کے ساتھ ایک نور نکلتا ہے جو آسمان تک جاتا ہے۔ ان کو وہ نور نظر آتا ہے۔ نماز میں آ کر شرکت کی انہوں نے۔ بشارتیں موجود ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے نصرت موجود ہے۔ دل کی عافیت کے ساتھ میں اس کام میں لگنے کی ضرورت ہے۔ اصول کی پابندی کے ساتھ۔ دل کی عافیت سے مراد یہ ہے کہ اپنے دل کی حفاظت کرتے ہوئے کہ اس میں غیر اللہ کی چیز نہ آنے پاوے۔ کہ ہمارا نام ہوگا۔ ہم جا کر فخریہ بیان کریں گے گھر میں کہ ہم نے تین چلے دیئے۔ ہم نے چار چلّے دیئے۔ اس قسم کی چیزیں نہیں ہونی چاہئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کی خاطر نکلنا ہے اور اس نکلنے کو اللہ تعالیٰ کے یہاں پیش کرنا یا اللہ پاک قبول فرمالے۔ تو ہی اخلاص عطا فرمادے۔ آج بہت ہلکا مطالبہ ہے۔ وہ مطالبہ نہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تھا، قتال کا مطالبہ نہیں، لڑائی کی تیاریاں نہیں۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ آپ تو یہ چلانا سیکھئے۔ آپ ایٹم بم بنانا سیکھئے۔ کچھ نہیں۔ دین کی خاطر سیدھے سادے عافیت کے ساتھ حکمت کے ساتھ بات پیش کرنا ہے۔ اور اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرنا ہے۔ جو کلمہ اسلام پڑھتے ہیں ان کے سامنے پیش کرنا ہے تا کہ ان کا ایمان قوی ہو، اپنا ایمان قوی ہو، دونوں کے ایمان کی قوت کے لئے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نکلنا ہے۔ یہ مطالبہ ہے۔ اسی مطالبہ کے واسطے یہ جوڑ کئے جاتے ہیں۔ جماعتیں نکالی جاتی ہیں، تعلیم کے حلقے کئے جاتے ہیں، گشت کیا جاتا ہے۔ خصوصی ملاقاتیں ہوتی ہیں، اس کے اندر بڑی خیر و برکت ہے۔ یہی وہ خیر و برکت ہے جس کو کہا گیا:

"اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ"

اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے آمین۔

....

دعا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔

اے اللہ! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما۔ الٰہ العالمین! ہم اپنے خراب اخلاق و عادات کی وجہ سے ذلیل ہو رہے ہیں۔ ان سب کو دور فرما دے۔ الٰہی اخلاقِ فاضلہ عطا فرما۔ اعمالِ صالحہ عطا فرما۔ یا اللہ! جن اخلاق و اعمال کی وجہ سے تیری طرف سے رحمت کے وعدے ہیں وہ ہمیں نصیب فرما۔ یا اللہ جن اخلاق و عادات پر تیری طرف سے غضب اور لعنت نازل ہو اس سے ہم سب کی حفاظت فرما۔ یا اللہ! تمام مسلمانوں کو حرام مال سے محفوظ فرما۔ الٰہ العالمین! سب کے دلوں میں دین کی قوت عطا فرما۔ یا اللہ! اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر مخلوق کی محبت پر غالب فرما۔ الٰہ العالمین! جنھوں نے نام لکھایا ہے ان کے حوصلہ کو بلند فرما۔ ان کے نکلنے کو قبول فرما۔ ان کے نکلنے پر اچھے اثرات مرتب فرما۔ ان کے نکلنے پر ان کے پیچھے ان کے کاروبار، اہل و عیال کی حفاظت فرما۔ یا اللہ جنھوں نے نام نہیں لکھوایا انکے دلوں میں قوت عطا فرما کہ وہ نام لکھائیں۔ زیادہ دور اور دیر کے لئے ان کو سفر کی توفیق عطا فرما۔ الٰہ العالمین! تمام مسلمانوں کی تمام دشمنوں سے حفاظت فرما۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ۔

برحمتک یا ارحم الرّاحمین ۔

❑❑❑

تبلیغی محنت کے فوائد

اس بیان میں

☆......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی محنت اور اس کے فوائد

☆......میوات سے تبلیغی محنت کی ابتداء۔

☆......تبلیغی محنت سے پہلے میوات کی حالت۔

☆......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات مشائخ کرام کی قربانیاں۔

☆......تبلیغ کی ضرورت واہمیت۔

تبلیغی محنت کے فوائد

خطبہ مسنونہ۔امابعد۔

حق تعالیٰ نے دنیا میں رسول بھیجے کہ جو چیز حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو پیغمبر اس کو مخلوق تک پہونچائے۔جو رسول کی بات کو نہیں مانتے کفر پر جمے ہوئے ہیں اس کی کوئی پوچھ رسول سے نہیں ہوگی۔وہ تو گمراہ ہیں۔پیغمبر کا کام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا وہ مخلوق تک پہنچا دیا۔اب جو لوگ مانتے نہیں وہ مخالفتیں بھی کرتے ہیں،دشواریاں پیدا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔یہ کوئی نئی بات نہیں۔اس راہ میں کام کرنے والوں کو دشواریاں پیش آتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کو پیش آئیں،لوگوں نے بات نہیں مانی،لوگوں نے اینٹ پتھر برسائے۔گالیاں دیں،قتل کے منصوبے بنائے،سب کچھ کر دیا،لیکن حفاظت کرنے والا جب اللہ تعالیٰ ہے تو کسی کی کوششیں کامیاب نہیں ہوسکتی،سب کی کوششیں بیکار ہوگئیں۔اس لئے اللہ پاک حفاظت فرمانے والے ہیں،رسول کا کام یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے بات کہے اور منسوب کرے اللہ کی طرف۔نہ یہ کام ہے رسول کا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل کیا اس کو چھپا لے۔رسول تو پہنچانے کے لئے آئے چھپانے کے لئے نہیں آئے۔

کفار مکہ کی پیش کش

اسی وجہ سے ابتداء میں جب توحید کی تعلیم دی حضرت نبی کریم ﷺ نے اور جتنے بت

تھے ان بتوں کی پوجا پاٹ کو منع کیا، جس میں مشرکین مبتلا تھے۔ تو عرب کے قریش کے جو بڑے اونچے لوگ سمجھے جاتے تھے وہ آئے، حضور اکرم ﷺ کے چچا کے پاس اور آ کر کہا کہ آپ کا بھتیجا ایسی ایسی باتیں کہتا ہے ہمارے بتوں کو کہتا ہے کہ کچھ نہیں کر سکتے، انکے قبضے میں کوئی چیز نہیں۔ بت کا تو حال یہ ہے کہ کتّا آیا اور ٹانگ اٹھا کر پیشاب کر دیا۔ وہ تو اپنے اوپر سے کتّے کو بھی بھگا نہیں سکتا۔ اگر مکھی آ کر بیٹھ جائے تو اس مکھی کو نہیں اڑا سکتا۔ اتنا بے حس، بے جان، بے طاقت، ناتواں مگر وہ لوگ اس کو حاجت روا سمجھیں۔ اس کے سامنے سجدے کریں، اس سے اپنی مرادیں مانگیں۔ کس قدر بے عقلی کی بات ہے۔ تو ان لوگوں نے یہ کہا حضور اکرم ﷺ کے چچا سے کہ ان سے کہدیں کہ یہ ہمارے بتوں کو برا نہ کہیں۔ اگر اس کو شادی کی ضرورت ہے تو جونسی عورت جتنی عورتیں ضرورت ہے پسند کریں، ہم دیدیں گے۔ اگر اسکو روپے کی سونے کی ضرورت ہے تو ڈھیر لگادیں گے سونے کا اس کے سامنے۔ اگر اس کو بڑی سلطانی چاہیئے تو ہم اس کو اپنا بادشاہ بنالیں گے۔ تو حضور اکرم ﷺ سے حضور اکرم ﷺ کے چچا نے یہ باتیں کہیں کہ وہ لوگ ایسے کہہ رہے ہیں تو حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور ایک ہاتھ میں سورج دیا جائے تو بھی میں اپنی بات سے باز نہیں آؤں گا۔ میں تو بھیجا گیا ہوں اس کام کے لئے۔

مکہ والوں نے جب حضور اکرم ﷺ کی بات کو نہیں مانا تو آپ طائف والوں کے پاس تشریف لے گئے، ان کے سرداروں کے پاس جا کر ان کو اسلام کی دعوت پیش فرمائی، ان لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کا مذاق اڑایا، اور اوباش قسم کے لڑکوں کو حضور اکرم ﷺ کے پیچھے لگا دیا، جنہوں نے حضور اکرم ﷺ پر پتھر برسائے، جس سے حضور اکرم ﷺ لہولہان ہوگئے، جسم مبارک سے خون بہنے لگا۔

اللہ تعالیٰ تو بڑا دانا ہے۔ سمیع بصیر ہے دیکھتے ہیں سب چیز۔ ایک فرشتہ بھیجا ملکُ الجبال۔ جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے۔ اس نے آ کر کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ ان لوگوں نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ میرے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے۔ اگر آپ

چاہیں تو میں دو پہاڑوں کو ملا کر ٹکرا دوں کہ یہ لوگ جنھوں نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ بدتمیزی کی ہے، سب ختم ہو جائیں، مٹ جائیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو کیا بعید ہے کہ ان کی نسل سے کچھ لوگ ایمان لائیں میرا مقصد تو ایمان کی اشاعت ہے، ایمان لانے والوں کی اشاعت۔ ان کے پاس جانا، پیغام پہنچانا ہے۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ ایک دفعہ ایک اور قوم نے پریشان کیا۔ حضور اکرم ﷺ کے چوٹ آئی، سخت چوٹ آئی تو حضور اکرم ﷺ نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لا يعلمون۔ (اتحاف السادة:۲۵۸/۸)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے جانتے نہیں۔

میوات سے تبلیغ کی ابتداء اور میوات کی حالت

یہ دعوت اور تبلیغ کا کام ہے۔ اسی دعوت اور تبلیغ کے کام کو مولانا الیاس نور اللہ مرقدہٗ نے کیا۔ میوات سے شروع کیا، حالت وہاں ایسی کہ لوگ مسلمان تھے، سروں پر ان کے چوٹی اٹھی ہوئی، نام ان کے ہندوانہ۔ رسم و رواج ہندوانہ، بتوں کی پوجا پاٹ بھی کرتے تھے، کوئی چیز ان کے اندر ایمان کی نہیں تھی۔

ایک بستی ہے مسلمانوں کی لیکن مسجد میں نہ اذان ہوتی نہ نماز پڑھنے کیلئے کوئی جاتا ہے۔ بکریاں بیٹھی ہیں مینگنیوں کے ڈھیر اس میں پڑے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے یہاں کام شروع کیا۔ ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارے گاؤں میں کون لوگ بستے ہیں؟ کہا مسلمان۔ فلاں گاؤں مین کون؟ کہا اس میں ہندو۔ پوچھا تم میں اور ہندوؤں میں کیا فرق ہے؟ کہا ہمارا نکاح قاضی پڑھتا ہے ان کا نکاح پنڈت پڑھتا ہے۔ بس اور کوئی فرق نہیں۔ ایک شخص کو نماز پڑھنی سکھائی۔ اس نے نماز پڑھی۔ اس کو دیکھ کر لوگ جمع ہو گئے۔ ایک دوسرے کو اشارہ کر کے بتلاتے تھے،

دیکھو اسکے اوپر کیا ہے کسی خبیث جن کا اثر ہے۔ الٹا سیدھا کیوں ہو رہا ہے؟ کبھی جھک رہا ہے۔ کبھی اٹھ رہا ہے۔ ایسی جگہ پر کام شروع کیا۔ ان لوگوں کے اندر اتنی صلاحیت نہیں کہ اپنے یہاں مدرسہ قائم کرلیں۔ اتنی صلاحیت نہیں کہ علم دین سیکھیں۔ ان کو چلّے میں نکالنا شروع کیا۔ انکے ایک میاں جی تھے۔ میاں جی کا کیا حال ہے؟ جو سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہے۔ قرآن شریف شاید اس نے پڑھا ہو۔ ایک پارہ پڑھا ہوا ہوگا۔ وہ میاں جی تبلیغ میں چلے اور یہ جو دس آدمی انکے ساتھ ہیں اور یہ کچھ بھی نہیں جانتے وہی میاں جی ان کو کلمہ سکھا رہے ہیں۔ وہی میاں جی کسی کو **الحمد للہ** سکھا رہے ہیں، کسی کو **قل ھو اللہ احد** سکھا رہے ہیں۔ کسی کو **التحیات** سکھا رہے ہیں۔ کہ چلتا پھرتا مدرسہ ہے دین سیکھنے کے واسطے دین سیکھنے کیلئے یہ مدرسہ تھا ان لوگوں کا۔ چالیس روز میں بہت کچھ آ گیا۔ وضو کرنا سیکھا کلمہ کے الفاظ صحیح کر لئے۔ نماز کے سجدے رکوع کو صحیح کرلیا۔ **الحمد** یا کوئی سورت **قل ھو اللہ احد** یاد کرلی، **التحیات** یاد کرلی اور یہ سمجھ میں آ گیا کہ نماز پڑھنا ضروری ہے۔ پانچ وقت پڑھنی ہوگی۔ وہاں سے واپس آ گئے اپنے گھر۔ گھر آ کر اب گھر والوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں کہ نماز پڑھو۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کو کہتا ہے۔ باپ بیٹے کو کہتا ہے، بیٹا باپ کو کہتا ہے، چچا بھتیجوں کو کہتا ہے، بھتیجا چچا کو کہتا ہے۔ اس طریقے پر یہ دعوت عام ہوتی گئی۔

میوات کی لڑائی

اور ان لوگوں کی جہالت کا یہ حال تھا کہ پانچ پانچ کوس کے فاصلے پر ایک ایک نقارہ رہتا تھا۔ جس کو دھونس کہتے تھے۔ جب انکے یہاں لڑائی ہوتی تھی عالمگیر ہوتی تھی۔ سب اس میں شریک ہوتے تھے تو نقارہ بجایا جاتا تھا۔ اس نقارے کی آواز پانچ کوس تک جاتی تھی۔ اس پانچ کوس پر دوسرا نقارہ رکھا ہوا ہے۔ اس آواز کو سن کر وہ دوسرا نقارہ بجاتا ہے۔ اس کی آواز اور پانچ کوس تک جاتی تھی۔ تو تیسرا نقارہ بجتا۔ اس کی آواز سن کر سارے علاقے میں یہ شہرت ہو جاتی پھیل جاتی کہ جنگ ہے لڑائی ہے۔ کسی کے پاس کلہاڑی ہوتی کسی کے پاس گنڈاسا کسی کے

پاس تلوار، کسی کے پاس بلّم چاقو، کسی کے پاس لاٹھی۔ یہ لے کر نکل آتے۔ یہ نہیں پوچھتے کہ کس بات پر لڑائی ہوئی ہے؟ کس وجہ سے لڑائی ہو رہی ہے؟ لڑائی ہوتی بری طرح سے۔

انگریز نے اپنے دور حکومت میں بہت چاہا کہ انکے جرائم کو ختم کر دیں۔ شراب پینے کی ان کی عادت، چوری کرنے کی ان کی عادت، ڈاکہ ڈالنے کی ان کی عادت، ساری برائیاں بھری ہوئی انکے اندر اور رہیں مسلمان۔ سخت سے سخت مسلمان حاکموں کو مقرر کیا، تاکہ ان کی یہ حرکتیں بند ہوں مگر کامیابی نہیں ہوسکی۔ اس تبلیغی کام کی برکت سے اللہ نے کامیابی دی، ان کو حلال حرام تک کی تمیز نہیں تھی کہ اپنی بیوی سے صحبت کرنا حلال ہے غیر سے صحبت کرنا حرام ہے۔ گالی دینا منع ہے، چوری کرنا منع ہے، پرایا مال لینا منع ہے۔ آہستہ آہستہ ان کو خبر ہوگئی ان چیزوں کی۔

بکری کا ذبیحہ

ان کی جہالت کی کیفیت یہاں تک تھی کہ ایک نابینا میاں جی تھے، ان کے یہاں۔ ان سے بکرا بھی ذبح کراتے تھے، خود یہ لوگ ذبح نہیں کرتے تھے۔ ان کے پاس آئے کہ میاں جی یہ بکرا ذبح کر دیں۔ انھوں نے کہا اچھی بات ہے۔ میاں جی تھے نابینا، چھری انھوں نے میاں جی کے ہاتھ میں دیدی۔ انھوں نے الٹی چھری چلا دی۔ اور چھری چلا کر ختم کر دی۔ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے وہ لوگ جنھوں نے بکرے کو پکڑ رکھا تھا۔ ذبح ہوگیا یہ، کٹ گیا۔ دوسرے نے کہا ہاں ذبح ہوگیا۔ ایک نے کہا خون تو اس میں سے نکلا ہی نہیں۔ دوسرے نے کہا کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ خون نہیں بھی نکلتا۔ بس میاں جی تو چلے گئے۔

اس کے بعد جنھوں نے اس بکرے کے پیر پکڑ رکھے تھے جب پکڑ سے چھوڑا تو بکرا بھی اٹھ کر چل دیا۔ انھوں نے کہا یہ تو جی گیا۔ (دوبارہ زندہ ہوگیا) پھر میاں کے پاس گئے کہ میاں جی بکرا تو دوبارہ زندہ ہوگیا۔ تب میاں جی پھر دوبارہ زندہ کرنے آئے۔ (جہالت کا یہ عالم کہ ذبح کا مفہوم بھی نہ جانتے تھے سمجھتے تھے) چھری بھی ایسی تھی کہ جس کے اوپر دادا پردادا کے

زمانے میں کچھ پڑھ کر رکھا تھا بسم اللہ اللہ اکبر (اسی پڑھے ہوئے کو کافی سمجھ کر) اس چھری سے ذبح کرتے تھے۔ خود بسم اللہ اللہ اکبر نہیں پڑھتے تھے کہ یہ چھری پڑھی ہوئی ہے۔ یہ کیفیت تھی ان کی جہالت کی۔ اب جو بکرا دوبارہ پکڑ کے لائے اور میاں جی نے ذبح کرنا شروع کیا۔ میاں جی کے ہاتھ میں اب چھری تھی تو سیدھی چلائی۔ بکرے نے چلّانا شروع کیا۔ میں میں۔ تو میاں جی نے بکرے کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کو ذبح کرتا جاتا گالیاں دیتا جاتا۔ یہ تو جہالت کے نمونے بتاتا ہوں۔ یہ حالت ان لوگوں کی تھی۔

وہاں پر جب یہ کام (تبلیغی) ہونے لگا تو شروع میں مخالفت ہوئی۔ کسی نے کہا کہ یہ تو انگریز کے آدمی ہیں، کسی نے کہا سی آئی ڈی ہیں، کسی نے کہا دھوکا دینے والے ہیں اور نہ جانے کیا کیا؟ جو حقیقت ہے وہ تو ایک روز واضح ہو کے رہتی ہے۔

وہاں ایک علاقہ میں مدرسہ قائم کیا۔ اپنے پاس سے تنخواہ دی، مدرس بنا کے رکھا مگر پڑھنے کون آئے، کوئی شوق ہو، دین کی عزت، دین کی رغبت ہو قلب میں تو پڑھنے بھی آئیں۔ کون پڑھنے کے لئے آئے۔ آئے بھی تو بہت معمولی، پھر یہ تبلیغی کام شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی۔ کہ ایک جذبہ تھا ایک عام آواز تھی چلو دین سیکھنے کے لئے، دین سیکھنے کے نام پر نکلتے تھے۔ ایک چلّہ، دو چلّہ، تین چلّہ، ایک سال کے لئے نکلتے تھے۔

تبلیغ میں حفظ قرآن

بعضے آدمیوں نے ان ہی چلّوں میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ خود غور کر لیجئے کہ ایک شخص کو شراب پینے کی عادت ہے۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی ہے شراب سے۔ جب چلّے میں نکلے تو چالیس روز تک شراب نہیں پیئے گا۔ کتنی بڑی دولت ہے یہ کہ چالیس روز تک شراب کی لعنت سے بچا رہا۔ اب گھر آیا، خیال آیا شراب پینے کا مگر خیال آتا ہے او ہو تبلیغ میں تو یہ پڑھا تھا یہ سنا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اصلاح فرمائی۔

ان لوگوں نے نمازیں پڑھنا شروع کریں۔ دین سیکھا۔ جگہ جگہ مدرسے بھی قائم ہو گئے۔ اور وہاں کے لڑکے دوسری جگہ بھی گئے جہاں مدرسے موجود تھے۔ وہاں حدیث پڑھی، فقہ پڑھا، تفسیر پڑھی، ان کی زندگی درست ہوگئی۔

پچیس برس محنت کے اثرات

پچیس سال تک یہ محنتیں مسلسل کی گئیں۔ پانچ پانچ کوس کا ایک مرکز بنا دیا گیا۔ کام چلتا رہا۔ ابھی لوگوں کا یہ حال ہوا کہ وہاں جا کر پوچھا ایک پنچ کوسہ میں۔ بتاؤ بھائی تمہارے اس پنچ کوسہ میں دین کا کیا کام ہوا جو شخص مبلغ تھا وہاں رہتا تھا اس نے بتایا کہ حضرت ہمارے اس پانچ کوس کے علاقے میں تین آدمیوں کے سوا باقی سب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں۔

دوسرے پنچ کوسہ میں گئے۔ وہاں پوچھا کہ تمہارے اس علاقے میں دین کا کیا کام ہوا؟ انھوں نے بتایا کہ ہمارے اس علاقے میں کوئی دو مسلمان ایسے نہیں کہ جن میں آپس میں لڑائی ہو، ناراضگی ہو، سب بھائی بھائی ہیں۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے یہاں اس سے قبل لڑائی کثرت سے ہوتی تھی۔

ایک علاقے میں جا کر پوچھا کہ تمہارے یہاں کیا کام ہوا؟ کہا کہ جتنے بھی بالغ اس علاقے میں ہیں وہ سب کے سب تہجد کے پابند ہیں۔ کتنا بڑا انقلاب آیا۔

تھانیدار کا چور کو چلہ میں بھیجنا

اس کو دیکھا انگریز نے بھی دوسرے لوگوں نے بھی۔ ایک شخص نے چوری کی تھی، اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ تھانیدار ہندو تھا، مسلمان نہیں تھا۔ تھانیدار نے اس چور سے پوچھا تم نے تبلیغ مین چلہ دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس کی پٹائی کی۔ اس سے وعدہ کرایا کہ میں تبلیغ میں چلہ دیدوں گا۔ اس نے وعدہ کیا تو اس کو چھوڑ دیا۔ وہ تھانیدار جانتا تھا، سمجھتا تھا کہ یہ جو چوری

وغیرہ جرائم ہوتے ہیں تبلیغ کے ذریعہ سے ختم ہوتے ہیں۔

دانت کا بدلہ دانت

کیفیت یہ کہ دو شخصوں کے درمیان (جو دونوں تبلیغی آدمی تھے) لڑائی ہوگئی ایک نے دوسرے کو گھونسا مارا، اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ اب اس کو خیال آیا کہ میں نے غلطی کی، اس کا دانت توڑ دیا۔ اِناّللہ وَاِناّ الیہ راجعون۔ میاں جی کے پاس آگیا۔ اس نے پوچھا میاں جی بتاؤ۔ دانت ٹوٹ گیا میری وجہ سے ایک کا، اس کی سزا کیا ہے؟ میاں جی نے کہا دانت کے بدلے دانت۔ کہا اچھی بات ہے۔ گیا لیٹ گیا۔ اس سے کہا جس کا دانت توڑا تھا، لو بھائی۔ میرا دانت توڑ دو جس طرح سے تیرا جی چاہے۔ پتھر مار کر توڑ کسی طرح۔ اس نے دانت پکڑ کر ہلایا۔ دانت مضبوط تھا۔ اس کے قابو میں نہیں آیا۔ اس نے پوچھا میاں جی معاف کرنا کیسا ہے؟ میاں جی نے کہا: معاف کرنا تو بڑی اچھی بات ہے، بس معاف کر دیا۔ تو یہ جذبہ پیدا ہو جانا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، اس کا بدلہ دینے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرنا، اپنے دانت کو پیش کرنا بہت بڑی نعمت ہے۔ آج کل جو مصیبت ہے وہ یہی کہ ہمیں گناہ کا احساس نہیں ہوتا کہ یہ کام گناہ کا ہے، ہم نے کسی کی حق تلفی کی، کسی کو نقصان پہونچا دیا۔ احساس نہیں کہ یہ بھی گناہ ہے۔

کاشتکاروں کی حالت

اپنے یہاں کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ایک کاشتکار کے ساتھ کھیتوں میں پھر رہا تھا۔ وہ بتلا رہا تھا کہ یہ کھیت کس کا۔ یہ کھیت کس کا۔ اس نے کہا۔ مولوی جی! ہماری تقدیر میں حرام مال لکھا ہوا ہے۔ کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا دیکھئے صاحب! یہ کھیت میرا ہے۔ یہ کھیت میرے پڑوسی کا۔ میرے کھیت میں چنا ہے، میرے پڑوسی کے کھیت میں بھی چنا ہے۔ رات کو جب میں یہاں سے اپنے گھر

جاؤنگا تو چنا اکھاڑ کر لے جاؤں گا پڑوسی کے کھیت میں سے۔ اپنے کھیت میں سے نہیں لوں گا۔ اور پڑوسی میرے کھیت میں سے لے گا اپنے میں سے نہیں۔ چنا وہی دونوں کا ادھر بھی ادھر بھی۔ گنے کی ضرورت پیش آئی پڑوسی کے کھیت میں سے اکھاڑوں گا اپنے کھیت میں سے نہیں۔

اب اس کا کیا حل ہے کسی کے پاس۔ دیکھ رہے ہیں جان رہے ہیں لیکن ڈر نہیں دل کے اندر، عقل نہیں۔ احساس اس کا نہیں ہے کہ اللہ تعالی اس بات سے ناراض ہوتے ہیں۔ اس بات کا احساس نہیں کہ ہمیں دنیا میں اس واسطے بھیجا گیا ہے کہ اللہ کو راضی کریں۔ ایسے اعمال اختیار کریں جن سے اللہ تعالی راضی ہو جائے احساس ہی نہیں ہے۔ زندگی کا مقصد یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ کھانے، پینے، سونے کے اندر خرچ کر دیں۔ جیسے جانوروں کا حال ہوتا ہے کھانے پینے سونے کے اندر۔ کھانا ملنا چاہئے، چاہے حلال ہو یا حرام۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے:

كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ الْحَرَامِ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ۔ (اتحاف السادۃ: ۲۲۶/۵)

انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے تیار ہوتا ہے وہ دوزخ میں جانے کے لائق ہے یہ سوچنا چاہئے۔

حجۃ الوداع میں تبلیغ کی ہدایت

تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنا حق ادا فرمایا۔ جتنے احکام آپ پر نازل ہوئے وہ آپ نے امت تک پہونچا دیئے۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آخری خطبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے کہ شاید آج کے بعد میں تمہارے ساتھ جمع نہ ہو سکوں۔ میرا وقت قریب آگیا ہے۔ خداوند تعالی تم سے پوچھیں گے کہ کیا نبی نے تبلیغ کی تھی۔ کیا جواب دو گے تم؟ "هَلْ بَلَّغْتُ؟" کیا میں نے تبلیغ کر دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا۔ جی ہاں۔ آپ نے پہنچا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ" اے اللہ تو گواہ رہ میں نے تبلیغ کر دی۔ اسکے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ" (مشکوۃ شریف: ۲۶۵۹) جنھوں نے

مجھ سے دین سیکھا ہے اب ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اب اس کی تبلیغ کریں۔ اشاعت کریں۔

صحابہ کرام ﷺ کا تبلیغ میں نکلنا

حدیث میں آتا ہے، روایت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کو سن کر ایک بڑی جماعت وہاں سے نکلی پھر ان کو زندگی بھر گھر آنے کی نوبت نہیں آئی۔ دین کے لئے جہاں تک ہوسکے جاؤ جتنی دور جاسکو جاؤ۔ ہر ایک کو یہ تمنا تھی کہ جتنی دور اپنے وطن سے جاسکوں وہاں تک جاؤں۔ وہ زیادہ اچھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں لکھا جائے گا کہ اتنی دور گیا یہ شخص۔ اس واسطے کہ دین کی تبلیغ کو امت کے سپرد فرمایا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد فرمادیا سارا دین۔ قرآن کریم میں جو احکام ہے حدیث میں جو احکام ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے دین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح پہنچا دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت آگئی، انھوں نے پہنچایا جہاں جہاں تک پہنچا سکتے تھے۔

پہلا واقعہ پیش آیا یہ کہ مسیلمہ کذاب ایک شخص اٹھا، جس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسکا مقابلہ کیا۔ جہاد کیلئے فوج بھیجی، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کو شکست دیدی۔ اسلام کو فتح دی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اشاعت دین

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مستقل جہاد ہوئے۔ ان کی خلافت میں ساڑھے چار ہزار مساجد بنوائی گئیں۔ اور اس کی کوشش کی گئی کہ ہر مسجد میں قرآن پاک ختم کیا جائے۔ تراویح میں کسی صاحب کے کان نا آشنا نہ رہیں۔ سب سن لیں۔ پڑھ لیں۔ حکم فرمایا جو فوج جنگ میں جہاد کرنے والے ہیں ان کو قرآن پاک حفظ کراؤ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اطلاع بھیجی۔ کہا کہ تمہارے پاس جو لوگ سال بھر فارغ ہوں، ان کی فہرست میرے پاس

بھیجدو۔ چنانچہ انھوں نے مجاہدین کو فوجیوں کو قرآن پاک حفظ کرایا۔ دن میں جہاد کرتے ہیں رات بھر قرآن پاک حفظ کرتے ہیں اور سال کے ختم پر دوسو آدمیوں کی فہرست بھیجی کہ دوسو سپاہیوں نے قرآن پاک حفظ کرلیا۔ یہ کوفے کا حال تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ایک رات میں ختم قرآن

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک رات میں پورا قرآن پڑھتے تھے۔ وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانے میں دین کی بڑی خدمت کی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا درس حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبویؐ میں منبر کے اوپر ہاتھ رکھ کر احادیث بیان کرتے تھے۔ اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے ایسے سنا ہے۔ انھوں نے یہ فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور اشاعت حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں ہفتے میں ایک دن اجتماع کرتے، ہفتہ واری اجتماع ان کے یہاں ہوتا۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لوگوں کو بیان کرتے تھے۔ سکھایا کرتے تھے، یاد کراتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے گورنر تھے۔ انہوں نے خط لکھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ضرورت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیج دیجئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے شخص ہیں کہ میں خود انکے علم کا حاجت مند ہوں۔ لیکن تم کو اپنے اوپر ترجیح دے کر بھیج رہا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور اپنے ساتھ اپنے

ڈیڑھ ہزار شاگردوں کو لے گئے۔ اور جا کر سارے علاقے میں پھیل گئے۔ کوئی کسی درخت کے نیچے احادیث سنا رہا ہے، کوئی کسی مسجد میں سنا رہا تھا۔ کوئی کسی میدان میں سنا رہا تھا کوئی کسی مکان میں سنا رہا ہے۔ سارے علاقے کو علم سے منور کر دیا۔ ان حضرات نے اس طرح سے محنت کی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف کی تصنیف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کو تصنیف فرمایا۔ غسل کرتے، وضو کرتے، مسواک کرتے، دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر جا کر ایک حدیث لکھتے۔ سولہ برس میں بخاری شریف مکمل ہو گئی اور اس بخاری شریف کا املا کراتے۔ بولتے تھے۔ ایک لاکھ سے زائد مجمع ہوتا تھا انکی مجلس میں۔ وہ بیان کرتے تھے، پڑھ کر سناتے تھے، لوگ لکھتے تھے، ایک لاکھ کے مجمع کو نہ لاؤڈ اسپیکر کی ضرورت تھی نہ اور کسی چیز کی ضرورت تھی۔ اس طریقہ پر ان حضرات نے محنتیں کیں۔

حافظ حسن بن مندہ رحمۃ اللہ علیہ اور اشاعت حدیث

حافظ حسن بن مندہ چالیس برس تک سفر میں رہے۔ ایک شہر میں جاتے وہاں معلوم ہوتا تھا کہ فلاں جگہ محدث ہیں وہاں پہنچ کر اس سے ساری حدیثیں سنتے تھے اور لکھتے تھے۔ دوسرے کے پاس گئے۔ تیسرے کے پاس گئے۔ اس طرح سے چالیس برس گذرے اور جب ان کا انتقال ہوا تو چالیس صندوق انھوں نے اپنے لکھے ہوئے احادیث کے چھوڑے تھے۔

اس واسطے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اَلَا فَلْيُبَلِّغُ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ" (مشکوۃ شریف:۲۶۵۹) جو حاضرین ہیں وہ غائبین کو پہونچا دیں۔ ان حضرات نے حق ادا کیا۔ پورے طور پر ادا کیا۔ اور امت حق ادا کرتی چلی آئی ہے برابر۔ برابر یہ کام ہوتا رہا۔ دین کی اشاعت، دین کی تبلیغ، جگہ جگہ پر جاتے ہیں کوششیں کرتے ہیں۔

....

خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور دین کی اشاعت

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف لائے اجمیر شریف میں چشت سے چل کر آئے ہیں۔ درویشانہ صورت کمبل اوڑھے ہوئے، ایک جگہ پر بیٹھے۔ راجہ کا منتری آیا۔ پوچھا کون ہو تم؟ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ یہاں تو راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں۔ یہاں سے اٹھ جاؤ۔ کہا اچھی بات ہے۔ راجہ کے اونٹ یہاں بیٹھیں گے۔ اس کے بعد راجہ کے اونٹ جو آئے وہ بیٹھ گئے۔ اب ان اونٹوں کو اٹھاتے ہیں تو وہ اٹھتے ہی نہیں ہیں۔ اٹھنے کی طاقت ہی ان میں نہیں۔

نماز کا وقت آیا۔ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پانی مانگا کہ ہم کو بھی پانی دیدو۔ تا کہ ہم بھی ہاتھ منہ دھو کر اپنے رب کو یاد کریں گے۔ وہاں کوئی پانی دینے کے لئے تیار نہیں۔ راجہ کا جو مندر تھا۔ اس مندر کے دروازے پر جا کر اندر کو منہ کر کے جو بت تھا، اس بت کو خطاب کر کے کہا۔ اے بت! تو بھی اسی کا نوکر ہے میں بھی اسی کا نوکر ہوں۔ یہ لوگ مجھے پانی نہیں دیتے تو ہی پانی دیدے۔ وہ بت گیا اور لوٹا اٹھا کر بھر لایا اور ان کے سامنے رکھ دیا۔ وہ لوگ سوچنے لگے کہ یہ کون ایسا شخص ہے جس کے لئے ہمارا بت خدمت کر رہا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟

جس وقت انھوں نے سفر کیا۔ اجمیر سے دہلی گئے۔ شہرت ہوگئی۔ بغیر ریڈیو کے ہی، بغیر اخبار کے، بغیر لاؤڈ اسپیکر کے کہ اجمیر کا سائیں (درویش) دہلی جا رہا ہے۔ سڑکیں بھر گئیں محض درشن کرنے کے لئے۔ کیا چیز تھی ان کے پاس، طاقت تھی خدا کے خوف کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی جو طاقت تھی ان کے پاس۔

ایک جگہ پہنچے۔ یہ راجپوتوں کا گاؤں تھا۔ وہ لوگ آئے۔ ان کی خدمت میں بیٹھے۔ ایک ہزار آدمی اسی مجلس میں مسلمان ہو گئے۔ کئی لاکھ آدمی ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ ان میں سے کتنے آدمی ایسے ہوں گے جو عالم ہوں گے۔ حافظ ہوں گے۔ قاری ہوں گے۔ شیخ وقت بھی ہوں گے بزرگ بھی۔ انھوں نے کس قدر دین کی اشاعت کی ہوگی۔

....

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک خواب

ہمارے گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گذرے۔ ایک صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کثرت سے کیا کرتے تھے۔ انھوں نے پوچھا حضور! مولانا رشید احمد گنگوہی کیسے آدمی ہیں؟ فرمایا کہ وہ ایسے آدمی ہیں انکی ایک طرف مولانا خلیل احمد ہوں گے دوسری طرف مولانا محمد یحیٰ ہوں گے۔ اور ایک بڑی جماعت علماء کی ان کے پیچھے پیچھے ہوگی اور ایک جم غفیر بے شمار مسلمانوں کا ان کے پیچھے ہوگا۔ ان سب کو لے کر جنت میں جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ پوچھ ہوگی کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین دے کر بھیجا تھا تم نے اس کا کیا حق ادا کیا۔ صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ پانچ وقت کی نماز پڑھ لی دوسروں تک پہونچانے میں کیا کیا؟ اس کی بھی باز پرس ہوگی۔ پوچھا جائے گا وہاں دیکھا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس دین کو لے کر آئے تھے کس شخص نے کس قدر اس میں ہاتھ بٹایا۔ خدمت کی اور ساتھ دیا۔ اس کو دیکھا جائے گا۔ اگر آج اعلیٰ قسم کا مکان بنالیا، بلڈنگ بنالی۔ قیامت میں اس کی پوچھ نہیں ہوگی کہ تمہاری بلڈنگ کیسی تھی؟ بلڈنگ تو یہاں ہی رہے گی، وہ قیامت میں ساتھ تھوڑا ہی آئے گی۔ کسی نے باغ لگایا تو قیامت میں یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے کیسا باغ لگایا؟ کتنا پھل اس پر آتا تھا۔ بڑھیا تھا یا گھٹیا تھا؟ کیسے کپڑے پہنے، یہ سوال نہیں ہوگا۔ وہاں تو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ یہ ہوگا کہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے تھے اس کا تم نے کیا کیا؟ اس دین کا کیا کام کیا؟ وہاں یہ سوال ہوگا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معیار

اس واسطے ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نعرہ لگاتے ہیں۔ یہ تو بہت آسان ہے۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کا جو معیار بتایا ہے اس کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ

حضورا کرم ﷺ نے دین کی خاطر کتنی قربانی دی۔حضورا کرم ﷺ نے دین کی خاطر پتھر کھائے۔ پیٹ پر پتھر باندھے۔تم نے کیا قربانی دی۔آج ہم لوگ دنیا کے کاروبار میں ایسے پھنسے ہوئے ہیں کہ جو جس کام میں لگا ہوا ہے بس اسی میں ہے۔اسی کا ہو کر رہ گیا ہے۔اپنی اولاد کیلئے خیر خواہی چاہتے ہیں۔کیا کرتے ہیں۔بس یہی کہ ایک صاحب وکیل ہیں وہ سوچتے ہیں کہ میرا بیٹا میرے سامنے وکیل بن جائے،اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔ایک ڈاکٹر ہے۔وہ سوچتا ہے کہ میرا بیٹا میرے سامنے ڈاکٹر بن جائے۔اپنے پیروں پر کھڑا ہو جائے۔لیکن کیا یہ بھی تمنا ہے کہ حضورا کرم ﷺ کی سنتوں پر عامل ہو جائے۔کیا یہ بھی تمنا ہے کہ حضورا کرم ﷺ کے دین کی خاطر قربانیاں پیش کرے۔

تبلیغی جماعت کی ضرورت

اللہ پاک کا بڑا احسان ہے کہ یہ تبلیغی جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ہر شخص کو یہاں کام کرنے کا موقع ہے۔یہاں پڑھا ہوا اور ان پڑھ،نیک اور بد اور اندر رہنے والا اور باہر رہنے والا سبھی قسم کے لوگ اس میں شریک ہو سکتے ہیں۔رکشا چلانے والا بھی شریک ہے،پان لگانے والا بھی اس میں شریک ہے۔دوکان پر بیٹھنے والا بھی شریک ہے۔سرکاری ملازم بھی شریک ہے۔عہدیدار بھی۔یہ کام ایسا ہے کہ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا ہے کہ میرے بس کا نہیں۔اپنی اپنی حیثیت کے مطابق سب پر لازم ہے۔اگر یوں کہا جائے کہ بخاری شریف پڑھاؤ تو اس کے واسطے ضرورت ہے باقاعدہ کسی مدرسہ میں آٹھ دس برس جا کر پڑھنے کی محنت کرنے کی،امتحان میں کامیاب ہو،اس کے بعد بھی برسوں محنت ہو،تب کبھی بخاری شریف پڑھانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔اتنا آسان نہیں لیکن تبلیغ میں جانا آسان ہے۔کچھ نہیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ اجتماع ہوتا ہے۔اس میں جائے۔ایک مرتبہ گشت ہوتا ہے۔اس میں شرکت کرے،ایک مرتبہ تعلیمی حلقہ ہوتا ہے تو اس میں بیٹھ جائے۔یہ تو کر سکتا ہے۔یہ کرنا بہت آسان ہے۔کچھ مشکل نہیں۔

جماعت تبلیغ میں تعلیمی حلقہ

تعلیمی حلقہ بہت اہم ہے۔اس کو بیکار نہیں سمجھنا چاہئے۔بیٹھ کر ہر ہفتے میں ساری نماز سنی جاتی ہے، کچھ سورتیں سنتے ہیں۔صحیح پڑھتے ہیں یا غلط پڑھتے ہیں۔ایک شخص جس کی عمر ساٹھ برس کی تھی، اسی طرح تعلیمی حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے۔بیٹھ کر سن رہے ہیں۔دعائے قنوت۔ اس میں ہے وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ اے اللہ ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیرا کفر نہیں کرتے۔اس نے پڑھا، وَلَا نَشْكُرُكَ وَنَكْفُرُكَ۔ ہم تیرا شکر نہیں کرتے تیرا کفر کرتے ہیں۔اس کے اعمال کا کیا ٹھکانا ہے۔کیا بات ہے؟ یہ کہ نماز بچپن میں پڑھی اور سیکھی تھی۔کوئی لفظ صحیح یاد ہوا کوئی زبان پر غلط چڑھا۔کبھی پھر اس کو دیکھنے اور سنانے کی نوبت نہیں آئی۔اس واسطے ضرورت ہے کہ چھوٹے بڑے، استاذ و شاگرد، امام و مقتدی سب ایک دوسرے کو اپنی نماز سنائیں۔جو غلطی ہو، اس غلطی کی اصلاح کریں۔قرآن پاک صحیح کریں، اس کی ضرورت ہے۔نہیں تو غلط ہی زبان پر چڑھ جائے گا پھر اسی کو آدمی پڑھے گا۔چنانچہ وہ آدمی بہت روتا تھا کہ میری اتنی عمر ہوگئی۔اب تک میں کفر کے کلمے خدا کے سامنے کہتا رہا۔

اسلئے تبلیغ کی زیادہ ضرورت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب تعلیمی حلقہ ہوتا ہے۔اسمیں بیٹھ کر سنایا جارہا ہے کہ کیسی کیسی غلطی آدمی کرتا ہے۔کلمے کے الفاظ تک صحیح نہیں ہوتے۔اس سیکھنے سے کوئی بے نیاز نہیں، سب کو سیکھنا چاہیئے۔جاہل کو بھی سیکھنا چاہیئے عالم کو بھی، گریجویٹ کو بھی سیکھنا چاہیئے ان پڑھ کو بھی سیکھنا چاہیئے۔اور جو طبقاتی کشمکش ہے وہ بھی اس تبلیغ کے ذریعہ سے ختم ہوتی ہے۔مجمع کا مجمع، طبقہ کا طبقہ، کوئی اعلیٰ تعلیم والا کوئی آن پڑھ کوئی نماز کا پابند، کوئی بالکل بے نمازی، سب کے سب ایک جگہ چلتے ہیں۔ایک جگہ رہتے ہیں، ایک جگہ کھاتے ہیں، ایک جگہ بیٹھ کر اصلاح کرتے ہیں، دین سیکھتے ہیں، آپس میں میل محبت ہوتی ہے، ایک دوسرے کی قدر کرتے ہیں۔ اور اس مجمع میں ہر ایک بڑوں سے لیتا ہے اور چھوٹوں کو دیتا ہے۔جب مختلف قسم کے لوگ ایک

مجلس میں ہوں گے تو جس کے پاس جتنا علم ہوگا دوسرے اسے حاصل کریں گے۔اور وہ اپنے اپنے چھوٹوں کو دیتے رہیں گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تبلیغ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کو دیکھئے وہ حضرات مبلغ بھی تھے کاشتکار بھی۔ یہ نہیں کہ کاشتکار صرف کاشتکاری کرتے تھے۔بلکہ وہ تبلیغ بھی ساتھ ساتھ کرتے تھے۔وہ تاجر بھی تھے مبلغ بھی تھے۔زیادہ تر دین تاجروں کے ذریعہ سے ہی پھیلا۔وہ دوسرے ممالک میں گئے۔ عرب سے نکل کر۔اور وہاں لوگوں کو حضور اکرم ﷺ کے اخلاق کی تعلیم دیتے تھے،اخلاق کی تعلیم کی وجہ سے لوگ مسلمان ہو گئے۔

ایک بستی یہودی کی۔اس میں کچھ مسلمانوں کی آبادی تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور تھا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں کو وہاں سے بلایا کہ اس بستی کو خالی کر کے یہاں آجاؤ۔ جب یہودیوں کو معلوم ہوا کہ مسلمان بستی کو خالی کر رہے ہیں تو وہ لوگ آئے،یہ کہنے لگے کہ یہ مسلمان ہماری بستی سے کیوں جائیں گے۔یہیں رہو۔اگر تم کو روپے پیسے کی ضرورت ہو تو روپے ہم دیں گے،تم کو دوکان کی ضرورت ہے تو دوکان ہم دیں گے۔سامان کی ضرورت ہو تو سامان دیں گے۔جس چیز کی ضرورت ہو ہم دیں گے۔تم یہاں سے کیوں جاؤ گے؟ جب سے تم آئے ہو ہمارے یہاں جھوٹ بولنا ختم ہو گیا ہے،چوری،ڈاکہ زنی ختم ہو گئی،زنا اور شراب نوشی بھی ختم ہو گئی۔تمہاری برکت سے یہ سب کچھ ہوا۔تم ہماری بستی سے کیوں جاتے ہو؟

جب مسلمان اپنی اصلاح کرتا ہے اور احکام شریعت پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اندر عجیب نورانیت پیدا کرتا ہے۔اس کی صورت کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے۔اس کے پاس بیٹھ کر اللہ کا خوف دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔نبی اکرم ﷺ کی محبت اس کے اندر آتی ہے۔

اسلئے یہ کام ایسے زمانے میں جبکہ عام بد دینی ہے،اخبار و رسالے دین کے خلاف نکل

رہے ہیں۔قرآن پاک پر اعتراضات کئے جارہے ہیں،حدیث شریف پر اعتراضات کئے جارہے ہیں کہ یہ آیت غلط ہے۔یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے۔یہ حدیث ضعیف ہے،کمزور ہے۔یہ چیزیں پھیلتی جارہی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اس کام کو چلایا اور سارے فنون کا علاج اسکے اندر ہے۔بعضے آدمی کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ہر فن کی ایک اصطلاح ہوتی ہے۔جب تک استاذ سے اس فن کو حاصل نہ کیا ہو تو وہ اصطلاح کو کیا سمجھے گا۔مثلاً کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔کوئی کہے گا جو اصطلاح سے ناواقف ہوگا کہ غریب کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث بھیک مانگنے کیلئے آئی تھی۔غریب کے یہ معنیٰ نہیں اور معنیٰ ہیں۔اسی طرح ضعیف کے اور کچھ معنیٰ ہیں،وہ اصطلاحات کی چیز ہے،علماء اس کو جانتے ہیں۔عوام ان چیزوں کو نہیں جانتے۔جب تک عوام استاذ سے باقاعدہ نہ پڑھے، خود مطالعہ کرکے کیا سمجھیں گے۔اس لئے دین سارے کا سارا سیکھنے کی ضرورت ہے۔

نماز سیکھنے کی ضرورت

آپ بتائیے کہ نبی کریم ﷺ سے کوئی بڑھ کر ہوسکتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی معراج میں اپنے یہاں بلاکر اور اس نماز کی پوری ترکیب عملی طور سے بتانے کیلئے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔دو روز حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے سامنے پانچوں وقت کی نماز پڑھی۔ایک ایک چیز کو حضور اکرم ﷺ نے دیکھا۔آج کوئی شخص کہے کہ میں قرآن شریف کو پڑھ کر قرآن کو دیکھ کر،اس کا ترجمہ دیکھ کر سارا مسئلہ سیکھ جاؤں گا۔یہ اس کی غلط فہمی ہے، ناسمجھی کی بات ہے۔ایسا نہیں ہوسکتا۔قرآن پاک میں ہے: "وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ" (سورۃ المدثر) تکبیر کہیں۔اسی طرح قرآن پاک میں ہے: "وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" (سورۃ المدثر) کپڑے پاک کریں۔قرآن پاک میں یہ بھی ہے: "فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (سورۃ البقرۃ) یعنی قبلہ کی طرف منہ کرو۔قرآن پاک کا یہ بھی حکم ہے: "فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" (سورۃ المزمل) قرآن پڑھو۔اسی طرح قرآن پاک میں موجود "وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا" رکوع

کرو، سجدہ کرو۔ نماز کی ساری چیزیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ لیکن اگر کسی شخص نے کسی کو نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا اور صرف قرآن پاک کو دیکھ کر چاہے کہ نماز پڑھے تو وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اور حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ نہیں فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح قرآن پاک میں لکھی ہوئی ہے بلکہ فرمایا: "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" (مشکوۃ: ح ۶۸۳) کہ جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اسی طرح سے نماز پڑھو۔ حضور اکرم ﷺ جس طرح عربی سمجھتے تھے دوسرے لوگ بھی اسی طرح سمجھتے تھے۔ قرآن پاک کی کوئی آیت کہیں ہے اور کوئی آیت کہیں۔ رکوع کا تذکرہ کہیں، قیام کا تذکرہ کہیں اور تسبیح کا تذکرہ کہیں اور سب ایک جگہ نہیں ہے۔ سارے قرآن پاک میں پھیلا ہوا ہے۔ ایک ٹکڑا یہاں ہے ایک ٹکڑا وہاں ہے۔ حضور اکرم ﷺ جانتے تھے کہ کونسا ٹکڑا کس کے ساتھ ملے گا۔ کوئی شخص ذاتی مطالعہ سے نماز پڑھ لے نہیں پڑھ سکتا۔

ایک شخص نے حضور اقدس ﷺ کی مسجد شریف میں نماز پڑھی پھر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ "قُمْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ" (مشکوۃ: ح: ۷۹۰) اٹھو نماز پڑھو تم نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے پھر نماز پڑھی۔ حضور اکرم ﷺ نے پھر فرمایا، سہ بار فرمایا۔ اس شخص نے کہا حضور! اس سے اچھی نماز مجھے نہیں آتی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو شروع سے ساری نماز سکھائی، حالانکہ وہ بھی عربی تھا، عربی ان کی زبان تھی۔ قرآن پاک بھی عربی میں۔ سارے کے سارے یہ حضرات عربی۔ لیکن سب چیزیں سیکھنے سے آتی ہیں۔

آپ بتائیے کہ کوئی شخص کاشتکاری کرنا چاہتا ہے بغیر کسی سے سیکھے۔ کیا خود بخود کر سکتا ہے کہ کس موسم میں کیا بوئے گا۔ کس موسم میں پانی دے گا؟ جاننے والے سے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ ایک شخص درزی کا کام سیکھنا چاہتا ہے کیا وہ بغیر استاد کے سیکھ سکتا ہے؟ نہیں سیکھ سکتا۔ کیا قرآن پاک کو محض مطالعہ کر کے ہر شخص سیکھ سکتا ہے؟ ایسا نہیں۔ اس طرح سیکھتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سیکھ لیتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم ﷺ سے سیکھا۔ تابعین نے صحابہ سے سیکھا، تبع تابعین

نے تابعین سے سیکھا۔اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔اس سے ہٹ کر کوئی شخص ذاتی مطالعہ سے سیکھ لے،یہ نہیں ہوسکتا۔اسلئے دین سیکھنے کا بہترین عام طریقہ یہ تبلیغ ہے۔کھیتی بھی کرتے رہو،تعلیم بھی سیکھتے رہو،تو جیسے میں نے کہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کاشتکار بھی تھے اور مبلغ بھی،تاجر بھی تھے اور مبلغ بھی، وہ حکمران بھی تھے اور مبلغ بھی۔ہر وقت انکے ساتھ تبلیغ رہتی تھی۔مبلغانہ شان ان سے کبھی ہٹتی نہیں تھی۔وہ برابر ساتھ رہتی تھی۔اور ہر جگہ فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا،جھوٹ بولنے سے منع فرمایا،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ خلافی سے منع فرمایا،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ دینے،سود دینے،لینے،چوری کرنے سے منع فرمایا۔یہ چیزیں ان کی زندگی میں اتریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہادری

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو قوت بھی عجیب عطا فرمائی تھی۔بصرہ میں جہاد ہوا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جہاد کر رہے تھے۔ایک نصرانی بادشاہ سے لڑائی ہو رہی تھی۔مدینہ طیبہ انھوں نے خط لکھا کہ یہاں مدد کی ضرورت ہے۔مدد بھیج دیجئے۔جن صاحب کے یہاں خط لکھا انھوں نے دوسرے صاحب سے مشورہ کیا۔انھوں نے پوچھا کتنے آدمی بھیجنے کا ارادہ ہے۔بتایا کہ چار ہزار فوج بھیجنا چاہتا ہوں۔انھوں نے کہا کہ چار ہزار کو بھیج کر کیا کروگے؟ چار آدمیوں کو بھیجدو۔ ایک فلاں شخص کو بھیج دو۔وہ ایک ہزار کے مقابلے ہے۔ایک فلاں کو بھیج دو۔وہ ایک ہزار کے مقابلے کیلئے کافی میں ہے۔ایک فلاں کو بھیجو وہ ایک ہزار کے مقابلے میں ہے۔ایک مجھے بھیج دو۔ میں ایک ہزار کے مقابلے میں ہوں۔ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار کا مقابلہ کرتا ہے چنانچہ اسی پر عمل کیا گیا۔ان ہی چار آدمیوں کو بھیجا گیا۔گنے چنے چار آدمی مدد کیلئے گئے۔یہ صاحب جنھوں نے یہ مشورہ دیا تھا انھوں نے یہ کیا کہ سیدھے نصرانی بادشاہ کے پاس پہنچے۔اوّل تو اس بادشاہ کو تعجب ہوا کہ یہ کیسے آگئے؟ باڈی گارڈ (محافظ) میرے ساتھ۔فوج میرے ساتھ اور انتظام میرے پاس۔اس سب کو چیر پھاڑ کر نکلتے میرے پاس کیسے پہنچ گئے؟ انھوں نے بادشاہ سے کہا کہ تم

مسلمانوں کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ بادشاہ نے کہا ان میں کوئی کام کا آدمی نہیں۔ انھوں نے دریافت کیا کہ کام کا آدمی کسے کہتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا۔ بارش نہیں ہوتی بارش برسادے۔ انھوں نے کہا۔ بارش برسانا اللہ کا کام ہے بندے کا کام تھوڑا ہی ہے۔ چلو اچھی بات ہے۔ جبھی انھوں نے وضو کیا۔ دو رکعت نماز پڑھی صلوٰۃ الحاجۃ، اور ہاتھ اٹھایا دعا کیلئے۔ کہا اے اللہ! یہ تیرا دشمن، تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن، مسلمانوں کا دشمن، دین اسلام کا دشمن۔ اس ضد میں ہے کہ بارش نہیں ہوتی، بارش برسادے۔ مہربانی کر کے بارش عطا فرما کہ اسکے ظلم سے نجات ملے۔ دعا کر کے ابھی منہ پر ہاتھ نہیں پھیرا تھا کہ بادل آیا، بارش خوب برسی۔ اس بادشاہ سے کہا۔ بتا اب تو بارش بھی ہوگئی۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے میں فوج کو ہٹالیتا ہوں۔ جنگ بند کردی۔ فوج ہٹالی۔ کچھ روز کے بعد پھر اس نے حملہ کیا۔ اب یہ خود گئے اس جہاد میں اور وہ سارے لشکر کو چیرتے پھاڑتے نصرانی بادشاہ کے وہاں پہونچے۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھ کر یہ پہچان گیا۔ انھوں نے اس سے کہا او نصرانی تو نے کیا وعدہ کیا تھا؟ وعدہ خلافی کرتا ہے۔ پھر یہ کیا حرکت کرنی شروع کی؟ اسکو اتنی ہیبت ہوئی کہ وہاں سے اٹھ کر بھاگا۔ ساری فوج اسکو دیکھ رہی تھی۔ کسی کو اتنی مجال نہیں کہ اس کو روک دے۔ بھاگتے بھاگتے آ کر اس نے دریا میں چھلانگ لگادی۔ یہ پیچھے پیچھے دوڑے اور ٹانگ پکڑ کر اس کو وہیں سے گھسیٹ کر لائے۔ ساری فوج کے سامنے سے۔ ساری فوج کو اتنی ہمت نہیں کہ ان کو روک دے اور اپنے بادشاہ کو چھڑالے۔ اللہ نے ان کو ہیبت اتنی دی تھی۔ اس واسطے کہ حدیث پاک میں ہے کہ کسی دل میں دو خوف جمع نہیں ہو سکتے۔ کہ خالق کا بھی ڈر ہو اور مخلوق کا بھی ڈر ہو۔ جس شخص کے دل میں خالق کا ڈر ہو اسکے دل میں مخلوق کا ڈر نہیں ہوتا۔ مخلوق کا ڈر اسکے دل دل سے بھی نکل جائیگا اور جس کے دل میں خالق کا ڈر نہ ہو وہ مخلوق سے ڈرتا ہے۔ اس سے بھی ڈرے گا اس سے بھی ڈرے گا۔

مسلمانوں کی بہادری کا راز

ایک صاحب نے سوال کیا کہ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ملتا ہے کہ

مسلمانوں کی تعداد ہتھیار سامان سب کم ہے حتیٰ کہ کھانے پینے کا سامان بھی کم ہے اور مقابلہ میں جو دشمن ہے وہ ہر اعتبار سے زیادہ، فوج کئی گنا زیادہ، ہتھیار سامان بھی زیادہ، مگر جب لڑائی ہوتی ہے تو تاریخ بتلاتی ہے کہ مسلمانوں کے قدم آگے بڑھتے ہیں اور دشمن پیچھے بھاگتا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا ہر شخص اپنے مقصود کے پیچھے دوڑتا ہے۔ مسلمان کا مقصود ہے خدا کی راہ میں جان دینا۔ جب مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ دشمن کے اندر گھس کر میرا یہ مقصود حاصل ہوگا۔ اس لئے آگے بڑھتا ہے اور دشمن کا مقصود تو اپنی جان کو بچانا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میدان سے ہٹنے اور پیچھے بھاگنے سے میری جان بچ جائے گی۔ اس لئے وہ پیچھے کو بھاگتا ہے۔

آج آپ حضرات سے مطالبہ میدان جنگ میں جانے، اور سر کٹانے کا نہیں بلکہ اس سے بہت ہلکا مطالبہ ہے۔ وہ یہ کہ وقت نکالیں۔ ایک بستی سے دوسری بستی میں جائیں۔ چلّے کا موقع ہو تو وہ گذاریں، پانچ سات روز کا موقع ہو وہ گذاریں۔ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جس کو جتنا موقع ہو وہ گذارے۔ یہ مطالبہ تو زیادہ سخت نہیں، کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ کوئی پریشانی کا باعث نہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم جائیں گے تو ہماری دوکان کو کون سنبھالے گا، گھر کو کون سنبھالے گا۔ ارے وہ سنبھالے گا جس نے گھر دیا ہے۔ جس نے یہ دوکان دی ہے۔ بچوں کو وہ سنبھالے گا جس نے یہ بچے عطا فرمائے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور اپنے گھروں سے بالکل مطمئن تھے۔ جب دیکھا کہ جہاد کا موقع نہیں ہے، جہاد اس وقت نہیں ہو رہا ہے ہم نے سوچا کہ اپنے گھر اپنے اہل وعیال کے پاس چلے جائیں تاکہ ان کی خبر گیری حفاظت کریں۔ اس سے اگلے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس چلو۔ گھر پہنچنے سے پہلے معلوم ہوا کہ حملہ ہو گیا۔ جب تک فکر تھی دین کی، اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے گھر کی حفاظت کی۔ اور جب اپنے بچوں کی خود فکر شروع کی تو دشمن نے حملہ کر دیا۔ اسلئے حفاظت کرنے والا تو اللہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص سفر کرنے سے پہلے گھر میں دو رکعت نماز پڑھے، تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کی جان کی حفاظت کرتا ہے۔ جہاں پہنچ کر ٹھہرے

پہلے وہاں دو رکعت نفل نماز پڑھے۔ اللہ تعالی وہاں کی سب چیزوں سے حفاظت فرمائیں گے۔ آپ کو قفل (تالا) پر تو ایمان ہے قفل لگا دیا۔ چابی جیب میں رکھدی، لیکن دو رکعت نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ قفل نہ لگائیں۔ قفل بھی لگائیں اور جو طریقہ حضور اکرم ﷺ نے اختیار فرمایا، اس کو بھی اپنائیے۔ اصل محافظ حق تعالی ہے محافظ نہ قفل ہے نہ کوئی اور ہے۔ اللہ چاہے تو حفاظت ہو، اور نہ چاہے تو حفاظت نہ ہو۔ بس اللہ کی راہ میں جائیں۔

جماعت جانے والوں کی نصرت

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں نہ جاسکے وہ کم از کم جانے والوں کی اعانت کریں۔ پڑوس میں ایک شخص گیا ہے چلے میں۔ جو دوسرے پڑوسی ہیں آس پاس وہ ان کی حفاظت کریں، ان کے گھر کی حفاظت کریں۔ پوچھ لیں، بھئی کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ وہ بھی انشاء اللہ ان کے شریک ہیں، ان کو بھی اجر وثواب ملے گا۔ اس طریقے پر ایک دوسرے کی نصرت کرتے ہوئے کام کرتے رہیں۔

افریقہ کے ڈاکٹروں کا تبلیغ میں حصہ لینا

افریقہ میں ایک جگہ تین ڈاکٹر ہیں۔ انھوں نے آپس میں طے کر رکھا ہے کہ چار مہینے یہ ڈاکٹر تبلیغ میں جائے گا باقی دو ڈاکٹر کام کریں گے۔ جتنی آمدنی ہوگی اس کا ایک تہائی حصہ اس کے مکان پر پہونچا دیں گے جو گیا ہوا ہے۔ پھر چار مہینے کے لئے دوسرا جائے گا۔ اسی طرح ہوگا۔ کام بھی چل رہا ہے ڈاکٹری بھی چل رہی ہے۔ سب کی آمدنی بھی ہو رہی ہے۔ اللہ کے دین کی خدمت بھی ہو رہی ہے۔ اشاعت بھی ہو رہی ہے۔ کتنا اچھا طریقہ ہے۔ اگر یہاں بھی اس قسم کا کوئی نظام بنالیا جائے میں نہیں کہتا کہ ساری جماعت ایک دم نظام بنالے بلکہ جیسے جیسے جس کے حالات کے مناسب ہو اس طریقہ پر بنالیا جائے۔ تو انشاء اللہ اس طرح گھر کا کاروبار

بھی چلتا رہے گا اور دین کی خدمت بھی ہوتی رہے گی۔ دین سیکھتے بھی رہیں گے۔

لندن میں ایک غیر عالم کی تبلیغی کی تقریر

اس سے اتنا بڑا فائدہ یہ ہے کہ لندن میں تبلیغی جماعت میں ایک صاحب کی تقریر سنی جو عالم نہیں تھے۔ انھوں نے تقریر میں تقریباً دوسو حدیثیں بیان کیں۔ الفاظ حدیث عربی کے بیان نہیں کئے بلکہ کہا ہم نے علماء سے سنا ہے کہ حدیث شریف میں ایسا آیا ہے۔ غور سے میں سنتا رہا۔ سب صحیح صحیح بیان کیا۔ کوئی غلط چیز بیان نہیں کی، حالانکہ عالم نہیں اس کے باوجود جب تعلیمی حلقہ ہوتا ہے جب کتاب سنائی جاتی ہے اس کو غور سے سنتے ہیں اور سن کر یاد کرتے ہیں، یاد کر کے بیان کرتے ہیں۔

معذور آدمی کیا کرے؟

اور جو لوگ بہت ہی معذور ہیں وہ کم از کم دوسری طرح کی اعانت تو کر سکتے ہیں کہ کسی جگہ پر لیٹنے بیٹھنے کی ضرورت ہے، کسی کے پاس بستر نہیں، کوئی شخص کمزور ہے، وضو کرنے کے لئے اسکو دور جانا پڑے گا۔ لوٹا پانی کا بھر کے دیدو وضو کرنے کے لئے اسی طرح جسمانی خدمت کر سکتا ہے۔ غرض کوئی بھی شخص اعانت سے، دین کی خدمت سے بے نیاز نہ ہو جس جس طریقے سے بھی ہو سکے خدمت کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ کہنے والے کو بھی سننے والے کو بھی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

❑❑❑

ایمان، تقویٰ، صدق کی حقیقت

اور

ان کے حصول کا طریقہ

اس بیان میں

☆......ایمان کے معنی اور ایمان کی حقیقت۔

☆......منافق کی تعریف اور اس کی سزا۔

☆......تقویٰ کے معنی اور اسکی حقیقت اور اس کے حصول کا طریقہ۔

☆......صحبت کی تاثیر، اس کی ضرورت، اس کے فوائد۔

☆......صحبت کی تاثیر سے متعلق اکابر اولیاء اللہ کے واقعات۔

ایمان، تقویٰ، صدق کی حقیقت

اور

ان کے حصول کا طریقہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔] (آسان ترجمہ)

یہ بہت مختصر چھوٹی سی آیت ہے قرآن کریم کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کہ [اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔] اس میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ ۱/ ایمان۔ ۲/ تقویٰ۔ ۳/ صدق۔

ایمان کسے کہتے ہیں؟

ایمان کسے کہتے ہیں؟ ایمان کے معنی ہیں مان لینا۔ تسلیم کر لینا، خالی جان لینا نہیں۔ اگر ایک شخص جانتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتا ہے تو وہ مومن نہیں۔ قرآن کریم میں ہے: "اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ" (سورۃ البقرۃ) [جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ

اس کو اتنی اچھی طرح پہنچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔] (آسان ترجمہ) اہل کتاب حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے تھے اور ایسا پہچانتے تھے جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہوں کہ ہاں یہ ہمارا بیٹا ہے، اس کے اندر کوئی شک وشبہ نہیں کرتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی پورا یقین تھا، جانتے تھے کہ یہ خدا کے رسول ہیں، کتابوں میں علامتیں لکھی ہوئی تھیں، ان علامتوں کو دیکھ کر پہچانتے تھے۔

کَوْکَبُ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ملک شام میں تھا، مغرب کے بعد ایک یہودی نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا:

"هٰذَا كَوْكَبُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)"

کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستارہ ہے۔ آج چمکا ہے۔ آج پیدائش کا دن ہے ان کی، آج پیدا ہونے والے ہیں۔ یہاں تک پہچانتے تھے، کتابوں میں جو علامات لکھی ہوئی تھیں ان کے ذریعے سے خوب پہچانتے تھے۔

دایہ کی گود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودی کا جھٹکا

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ آپ کو گود میں لئے ہوئے تھیں، ایک جگہ پر ایک یہودی راہب بیٹھا تھا، اس کے پاس اس کے کچھ معتقدین تھے اس کی مجلس میں، یہ بھی جا کر بیٹھ گئی دیکھنے کے لئے دایہ، اس کی نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر پڑی، آپ کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تھے، اس نے پوچھا دایہ سے: کہ اس بچے کی آنکھوں میں آشوب ہے، دکھنے آرہی ہے یا ان میں یہ سرخی رہتی ہے؟ دایہ نے بتایا: کہ یہ ہمیشہ رہتی ہے، اس پر اس نے جھپٹا مارا جیسے بلی جھپٹا مارا کرتی ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

اللہ پاک نے حفاظت فرمائی، اور وہ بچا کر لے آئی، وہ بھی جانتا پہچانتا تھا، صورتِ مبارک دیکھ کر کہ نبی آخر الزماں ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے یہودی کا مکان خریدنا

یہاں تک کہ ایک یہودی نے مدینہ طیبہ میں آکر ایک مکان خریدا کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب آرہا ہے، مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائیں گے، اور اس مکان میں قیام کریں گے، اس لئے میں سب سے پہلے ان پر ایمان لاؤں گا اور اپنا مہمان بناؤں گا، اس نیت سے اس نے مکان خریدا اور وہاں رہا لیکن اس کے مقدر میں وہ چیز نہیں تھی، پھر وہ مکان یکے بعد دیگرے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا اور یہ دولت ان کو عطا ہوئی۔

تو جانتے تھے وہ لوگ، بعضے لوگ تو ارادہ بھی رکھتے تھے کہ ہم ایمان لائیں گے، اور بعض لوگ شروع ہی سے مخالف تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جاننے کے باوجود۔ اس لئے کہ ایمان خالی جاننے کا نام نہیں۔

ایک عیسائی کا قول

ایک عیسائی گارڈ فری ہنس نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سچی اور اعلیٰ اخلاق کی بدولت بہت جلدی عرب پر چھا گئے، ان کی پاکیزہ تعلیم ایسی تھی جو اس کو قبول کرتا، جو ان کی صحبت میں بیٹھتا وہ اعلیٰ درجے کا پختہ مومن ہو جاتا تھا، اس کے بعد وہ لکھتا ہے مگر کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، میں مسلمان نہیں ہوں، اس جاننے کے باوجود، لکھنے کے باوجود صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ میں مسلمان نہیں ہوں۔

....

کفار مکہ کو آنحضرت ﷺ کی بات کا یقین

لہٰذا جاننا کافی نہیں ہے، بلکہ جاننے کے بعد اس کا ماننا بھی ضروری ہے، جاننے کا تو حال یہ ہے کہ امیہ ایک بڑا زبردست مشرک شخص تھا، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے سفر کر کے مکہ مکرمہ میں گئے وہاں امیہ سے ان کے تعلقات تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں امیہ کے پاس ٹھہرا کرتے تھے، اور امیہ مدینہ طیبہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرا کرتا تھا، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں امیہ کے پاس جا کر ٹھہرے، انہوں نے کہا کہ بھائی دیکھ لینا کوئی فرصت کا وقت ہو تو میں طواف کروں گا بیت اللہ شریف کا۔ اچھی بات ہے، ذرا دن چڑھے اس نے بتایا موقع ہے طواف کرنے کے لئے، آئیے، ابو جہل نے دیکھا، دیکھ کر پوچھا: آہستہ سے یہ کون ہے، تمہارے ساتھ، اس نے بتلایا کہ سعد ہیں، تب اس نے کہا: کہ تم نے ایسے لوگوں کو اپنے گھر میں پناہ دی جو ہمارے یہاں سے چلے گئے، ہمارے باغی یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ اور مہاجرین اولین، تم نے ان کو پناہ دی اور بڑی عافیت اور امن کے ساتھ یہاں طواف کر رہے ہو، انہوں نے ڈانٹ کے جواب دیا کہ دیکھ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو جو تیرا راستہ مکہ مکرمہ سے ملک شام جانے کا ہے میں مدینہ طیبہ کی طرف سے وہ راستہ روک دوں گا، تمہارے قافلوں کی آمد و رفت سب بند ہو جائے گی، ڈانٹ کر زور سے کہا۔

امیہ نے کہا: ان سے زور سے مت بول، یہ یہاں کے سردار ہیں، انہوں نے اسی کو ڈانٹ دیا کہ ہٹ، میں نے سنا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: کہ وہ امیہ کو قتل کریں گے، اب یہ سننا تھا کہ امیہ نے پوچھا کہ کہاں قتل کریں گے، انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہیں بتایا کہ کہاں قتل کریں گے، اسی وقت سے اس کے دل کے اندر ہیبت بیٹھ گئی تھی، باوجودیکہ مخالف تھا، مشرک تھا، اور کافر تھا؛ لیکن حضور اقدس ﷺ کی سچائی جی کے

اندر بغیر اختیار کے اثر کرتی تھی وہ جی کے اندر بیٹھ گئی اور آکر اپنی بیوی سے یہ واقعہ سنایا اور یہ سوچا کہ میں مکہ مکرمہ سے باہر ہی نہیں نکلوں گا مگر وہ بات پوری ہو کر رہی، غزوۂ بدر میں وہ قتل ہوا۔

ایمان کا معنیٰ

میں یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے متعلق کہ آپ نبی آخرالزماں ہیں، غیر اختیاری طور پر دل کے اندر آجانا اور چیز ہے، اور ایمان دوسری چیز ہے، ایمان اس کا نام نہیں کہ غیر اختیاری طور پر دل میں آجائے بلکہ ایمان تو اختیاری چیز ہے، حکم کیا گیا ہے: "اٰمِنُوْا" [ایمان لاؤ] یہ جو ایمان لانے کا حکم ہے، حکم ہمیشہ اختیاری چیز کا ہوتا ہے غیر اختیاری چیز کا نہیں۔ لہٰذا ایمان کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ غیر اختیاری طور سے دل کے اندر ایک بات آجائے، بلکہ ایمان کے معنیٰ فیصلہ کرنے کے ہیں۔ یہ طے کر لینا، یہ فیصلہ کر لینا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق زندگی گذارنی ہے، جو احکام آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، ان کے ماتحت رہ کر مجھے زندگی گذارنی ہے، اس فیصلے کا نام ایمان ہے۔

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" اے ایمان والو! یعنی جو لوگ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم کو اپنی زندگی حضرت نبی اکرم ﷺ کی ہدایت کے ماتحت گذارنی ہے نہ جی چاہی زندگی گذارنی ہے نہ سوسائٹی، نہ رسم و رواج کی زندگی گذارنی ہے، نہ ملک کی زندگی گذارنی ہے، بلکہ زندگی گذارنی ہے حضور اقدس ﷺ کی ہدایت کے ماتحت، جو کچھ حضور اقدس ﷺ کا حکم ہوگا اس کے موافق گذارنی ہے۔ یہ ہے ایمان۔ اگر کسی ملک میں کوئی پارٹی رہتی ہے جو سیاسی حیثیت سے وہاں کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتی، حکومت نے اس کو باغی قرار دے رکھا ہے، اس سے اگر پوچھا جائے پارٹی سے کہ حکومت کس کی؟ تو وہ بھی وہی بتلائے

گی جس کی حکومت ہے، جس کو وہ جانتی ہے، جس کے قانون بھی نافذ ہیں اور یہ بھی جانتی ہے کہ اگر ہم اس کی مخالفت کریں گے تو ہمیں گرفتار کرے گی، جیل بھیجدے گی، سزائیں دے گی، لیکن اس نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ ہم اس حکومت کے ماتحت زندگی گذارنا چاہتے ہیں لہٰذا وہ باغی کہلائے گی، اسی طریقے پر جو شخص جانتا ہے لیکن یہ فیصلہ نہ کرے کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق زندگی گذارنی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر چلنا ہے، اپنی ساری زندگی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ پر چلانا ہے، جو شخص اس کا فیصلہ نہ کرے اس کے متعلق کیسے کہا جائے کہ وہ مومن ہے۔ لہٰذا ایمان کے معنیٰ فیصلہ کر لینے کے اور طے کر لینے کے ہیں، جیسے کہتے ہیں کہ قانون تسلیم کر لیا کہ ہم فلاں قانون پر عمل کریں گے، یہ قانون کو تسلیم کر لینا اور رضامند ہو کر اس کے ماتحت زندگی گذارنے کا فیصلہ کر لینا، یہ ہے ایمان، چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایمان کی دعوت دی ہے اور ایمان کے مظاہرے بہت بہت مواقع پر پیش آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی، اگر خالی زبان سے کہہ دینا ہی ایمان ہوتا تو معاملہ بہت آسان تھا۔

منافق کی تعریف اور اس کی سزا

ایک شخص زبان سے تو اقرار کرتا ہے لیکن دل کے اندر یہ فیصلہ کئے ہوئے نہیں ہے تو ایسے شخص کو مومن نہیں کہیں گے بلکہ منافق کہیں گے۔

قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الْمُنَافِقُوْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ۔

[یہ منافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکہ بازہ کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے۔] (آسان ترجمہ)

کہ منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، اللہ کا نام تو لیتے ہیں اور زبان سے ایمان ظاہر

کرتے ہیں لیکن دل کے اندر موجود نہیں۔

"یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ"

[وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو انکے دلوں میں نہیں ہوتی۔] (آسان ترجمہ)

زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں۔

"یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰی قُلُوْبُهُمْ"

[یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے دل انکار کرتے ہیں۔] (آسان ترجمہ)

زبان سے تم کو راضی کرتے ہیں لیکن دل ان کے انکار کرتے ہیں۔

اس کا نام ایمان نہیں، اس کا نام تو نفاق ہے اور منافق کا انجام کیا ہے خود قرآن کریم نے بیان کیا:

"اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ"

[یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔] (آسان ترجمہ)

جہنم کا جو سب سے نیچے کا طبقہ ہے منافقین کے لئے وہ ہے۔

اس لئے میرے محترم دوستو اور بزرگو! ذرا ہم کو بھی نظرِ ثانی کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارا ایمان کس حیثیت کا ہے، آیا وہی ہے جس کا مطالبہ ہم سے کیا جا رہا ہے، یعنی یہ فیصلہ کر لینا کہ اپنی پوری زندگی، زندگی کا ہر ہر گوشہ حضور اقدس ﷺ کی ہدایت کے ماتحت گذاریں گے۔ اگر ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر چہ اس کے بعد کوتاہی بھی ہوتی رہے، خطا، قصور بھی آدمی کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ ہوتا رہے لیکن فیصلہ یہی ہے کہ خطا کو خطا سمجھے اور اس سے تائب ہو، معافی مانگے، ارادہ کرے کہ آئندہ خطا نہیں کروں گا اور طے یہ کر لے کہ چلنا اسی راستے پر ہے۔ فیصلہ یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی ہدایت کے مطابق زندگی گذارنی ہے۔ یہ ہے ایمان، ایسے لوگوں کو خطاب ہے:

تقویٰ کا حکم

یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۔ یعنی اے ایمان والو! یعنی ایسے لوگ جو فیصلہ کر چکے، جو طے کر چکے کہ ہم اللہ کے حکم کی اطاعت کریں گے، اللہ کے حکم کے ماتحت زندگی گذاریں گے۔ حضور اقدس ﷺ کے لائے ہوئے دین پر عمل کریں گے، جو لوگ یہ فیصلہ کر چکے ہیں وہ گویا کہ اپنائیت میں آچکے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے اپنے ہو گئے، ان کو خطاب ہے، کیا خطاب ہے؟

"اتَّقُوا اللّٰهَ" [اللہ سے ڈرو۔]

اب جب یہ فیصلہ کر لیا تو اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ سے ڈرو، درحقیقت جو تقویٰ کی تعلیم ہے یہ درحقیقت ایمان کی پختگی اور کمال کے لئے ہے۔ نفس ایمان تو حاصل ہے لیکن یہ ایمان کامل کیسے ہوگا، ایمان پختہ کیسے ہوگا؟ ایمان پر ثبات قدمی کیسے حاصل ہوگی؟ "اتقوا اللہ" ہر ایسی چیز سے ڈرتے رہو جو اللہ کو ناخوش کرنے والی ہو، اللہ کی نافرمانی سے ڈرتے بچتے رہو، تب ایمان پختہ رہے گا۔

اور اگر تقویٰ اختیار نہ کیا تو ایمان کمزور ہوتا چلا جائے گا، کمزور ہوتے ہوتے مضمحل ہو جائے گا، اس کے اندر کوئی جان نہیں رہے گی، اس واسطے حکم ہے "اتَّقُوا اللّٰه" اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

تقویٰ کے معنی

تقویٰ کے کیا معنی؟ ڈرنے کے، دھیان کے اس خیال اور فکر کے کہ اللہ تعالیٰ ناخوش نہ ہو جائیں، جو کام کرو یہ سوچتے ہوئے کرو کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کی ناخوشنودی کا تو نہیں، اللہ تعالیٰ اس سے ناخوش تو نہیں ہونگے، اس چیز کو کہتے ہیں تقویٰ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی

حدیث شریف ہے:

"لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدِنٌ وَمَعْدِنُ التَّقْوٰى قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ"

(مجمع الزوائد: ۲۷۴/ ۱۰، ح: ۱۷۹۴۴)

[ہر چیز کی کان ہوتی ہے اور تقویٰ کی کان عارفین کے قلوب ہیں۔]

تقویٰ ملے گا کہاں سے؟ یہ کسی دوکان پر بکتا ہے کہ وہاں سے خرید لائیں، کتاب دیکھنے سے حاصل ہوگا کس چیز سے حاصل ہوگا؟ اس کو بتلاتے ہیں۔

لِكُلِّ شَيْءٍ مَعْدِنٌ۔ ہر شئ کے لئے ایک کان ہوتی ہے، جیسے چاندی کی کان ہے، سونے کی کان ہے، ہیرے جواہرات کی کان ہے، تو تقویٰ کی بھی ایک کان ہے۔ تقویٰ کی کان کیا ہے؟ عارفین کے قلوب، عارفین کے قلوب کے اندر تقویٰ ہے وہاں سے حاصل ہوگا۔ اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"التقوىٰ هٰهنا" [تقویٰ یہاں ہے۔]

قلب کے اندر ایک کیفیت ہے، جو انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ دیکھو جو کام کرو یہ سوچ کے کرو کہ کہیں محبوب حقیقی کو ناخوشی نہ ہو، وہ ناراض نہ ہو جائے یہ سوچ لگ جانا، یہ فکر لگ جانا، یہی تقویٰ ہے۔ جس قدر یہ فکر غالب ہوگا اسی قدر آدمی معاصی سے بچے گا، خداوند تعالیٰ کی نامرضیات سے محفوظ رہے گا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو تلاش کر کرکے ان پر عمل کرے گا اور جو چیزیں ایسی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادی ہیں ان سے پورا اجتناب اور پرہیز کریگا، اگر یہ چیزیں حاصل ہوگئیں اور ایمان کے مضبوط اور پختہ اور قائم ہونے کی صورت بھی یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے تب ایمان پختہ ہوتا ہے۔

تقویٰ کے حصول کا طریقہ

اور تقویٰ کہاں سے حاصل ہوگا اس کی تدبیر بتائی کہ:

"كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ"

سچوں کے ساتھ میں ہو جاؤ گے۔ سچوں کے ساتھ میں رہو گے تو ان کا اثر تمہارے اوپر پڑے گا، تقویٰ آئے گا، صحبت کا اثر تو بھائی ہوتا ہی ہے، کہ ہیٹر کے پاس آدمی بیٹھتا ہے تو اسکا بدن بھی گرم ہوتا ہے کپڑا بھی گرم ہوتا ہے۔ اسی کی صحبت کا تو اثر ہے۔ اگر برف کے پاس آدمی بیٹھے گا تو بدن بھی ٹھنڈا ہوگا، کپڑا بھی ٹھنڈا ہوگا۔ یہ اسکی صحبت کا اثر ہے۔ ہر چیز کی صحبت کا اثر ہوتا ہے۔

تاثیر صحبت

حضرت نبی اکرم ﷺ نے ان تاثیرات کو بیان فرمایا کہ جو آدمی اونٹوں میں رہتے ہیں ان کے اوپر کیا اثر ہوتا ہے، ان کے اندر حسد اور کینہ بہت ہوتا ہے، ان کے اندر فخر اور بڑائی زیادہ ہوتی ہے۔ جو لوگ بیلوں میں زیادہ رہتے ہیں ان کے اوپر کیا اثر ہوتا ہے؟ وہ گالی زیادہ دیتے ہیں، اسی لئے جانوروں کی صحبت کے بھی اثرات ہوتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ان اثرات کو بیان فرمایا لیکن مقصد یہ نہیں کہ ضرورت پڑنے پر بھی اونٹ نہ پالیں۔ ضرورت پڑنے پر بھی گھوڑا نہ پالیں۔ ضرورت پڑنے پر بھی بیل نہ پالیں یا ان کی خبر گیری نہ کریں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی تاثیرات سے بچتے رہنے کی ضرورت ہے۔ حفاظت کی ضروت ہے جیسے آگ سے زیادہ قریب نہ ہو آدمی، بدن جل جائے گا، کپڑے جل جائیں گے، ہاں اتنی دور رہے کہ جس سے اس کی گرمی سے فائدہ حاصل ہو سکے، اسی طریقے سے ان چیزوں میں ایسی طرح گھل مل جانا، خلط ہو جانا کہ ان کی جو تاثیرات ہیں وہ اپنے اندر آنے لگیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ انسان ان چیزوں کی پرورش کر کے انکو سکھاتا، ان کو صحیح راستے پر لگاتا، گھوڑے کو بھی، بیل کو بھی، اونٹ کو بھی، ان کو صحیح طریقے پر چلاتا۔ اب بجائے اس کے آدمی ان کے اثرات کو قبول کرنے لگے۔ یہ غلط

طریقہ ہے۔ اس لئے صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک صحابی ہیں جن کا نام حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ہے۔ انھوں نے نماز میں آنا بند کر دیا۔ مسجد میں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جو لوگ نماز کے لئے نہیں آیا کرتے اس کی تحقیق و تفتیش فرماتے، مکان پر آدمی بھیجتے کہ خیریت تو ہے، اچھے تو ہیں، کہیں باہر تو نہیں گئے؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریافت کیا کہ حنظلہؓ نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ تنہائی میں بیٹھے ہوئے ہیں، مراقبے میں سر جھکائے۔ پوچھا: کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا، نَافَقَ حَنۡظَلَةُ [حنظلہؓ تو منافق ہوگیا۔] کہا: سبحان اللہ! کیسی بات آپ کہہ رہے ہیں؟ کیا بات آپ نے نفاق کی دیکھی۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہمارا حال یہ ہے کہ جب تک کہ ہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کی مجلس میں رہتے ہیں تو ایسا دھیان رہتا ہے کہ جیسے جنت اور دوزخ دونوں نظروں کے سامنے ہیں۔ اتنا استحضار رہتا ہے اور جب وہاں سے آکر بیوی بچوں میں لگ گئے تو وہ حالت نہیں رہتی۔ یہ تو نفاق کی صورت ہے۔ کہ کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے۔ وہاں کچھ ہے یہاں کچھ ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ یہ بات تو ہمیں بھی ہوتی ہے۔ باقی اس کا حل یہ تو نہیں کہ یوں کونے میں آکر بیٹھ جائیں۔ مسجد میں بھی نہ جائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی نہ جائیں۔ ہمارے تو ماویٰ وملجاء، ساری بیماریوں کا علاج، ساری پریشانیوں کا حل حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ چلو چل کر پوچھیں۔ آکر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کیفیت تم لوگوں کی میری مجلس میں رہتی ہے اگر یہی کیفیت باہر جا کر بھی برقرار رہے تو فرشتے تم سے راستہ میں مصافحہ

کیا کریں گے، مگر یہ تو کبھی کبھی بات ہوتی ہے، دائمی نہیں ہوتی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کی تاثیر

تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھنے والوں کا حال یہ تھا کہ بس جتنی دیر بیٹھیں تو بس معلوم ہوتا کہ جنت دوزخ دونوں نظروں کے سامنے ہے۔ یہ کیفیت ہوتی تھی، اتنا ایمان قوی ہوتا تھا۔ اتنا استحضار ہوتا تھا۔ یہ صحبت کی برکت تھی۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ایسی عظیم الشان تھی کہ جو شخص ایک مرتبہ بھی ایمان لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھا وہ ولی کامل ہو گیا۔ قیامت تک پیدا ہونے والے اولیاء اس ولایت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اللہ کے یہاں اس کو اتنا بڑا مقام حاصل ہو جاتا تھا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت ہوتی تھی۔ اس لئے فرماتے ہیں "کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ" تقویٰ کیسے ملے گا، صادقین کے ساتھ رہو، ان کے ساتھ رہو گے تو ان کی صحبت کا اثر ہوگا، ان جیسے اعمال کرو گے، ان جیسا داعیہ طبیعت میں پیدا ہوگا، ان جیسا تقویٰ پیدا ہوگا۔ تو بھائی صحبت کا اثر ہوتا ہی ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ ایک مقام پر تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام کرنا تھا۔ ان کو وہاں بہت سے لوگ ان کے شاگرد، ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے۔ ملنے کے لئے آئے۔ ایک صاحب بڑے انگریزی داں، بڑے شاعر، اونچے آدمی تھے، اپنی لائن کے ڈاکٹر اقبال صاحب مرحوم، ان کے دوستوں نے کہا آپ بھی چلئے۔ وہ کسی عالم اور مولوی کے قائل اور معتقد نہیں تھے مگر بعض دوستوں نے کہا ساری دنیا میں چلتے پھرتے ہو، وہاں بھی چلو، کیا مضائقہ ہے۔ کہا اچھی بات ہے۔ آگئے۔ آ کر جو مجلس میں بیٹھے حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی۔ بیٹھتے ہی ان کا ذہن منتقل ہوا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس

ایسی ہوتی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنے مؤدب اور مہذب بیٹھتے تھے کہ کوئی حرکت نہیں کرتا تھا۔ کوئی سر نہیں ہلاتا تھا ایسے جیسے کہ گویا ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ سر ہلانے سے چڑیا اڑ جائے گی۔ اس شان کے ساتھ، اس وقار کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے تو حضرت شاہ صاحب کی مجلس دیکھ کر ان کا ذہن منتقل ہوا کہ واقعی یہ بات ہوتی ہوگی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں لوگ بیٹھے ہوئے مسائل پوچھ رہے ہیں۔ کوئی کچھ سوال کرتا ہے کوئی کچھ سوال کرتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جواب دے رہے ہیں۔ ان کی شان جواب کی یہ تھی کہ جواب دیتے کہ فلاں شخص نے ایسا لکھا ہے فلاں کتاب میں اور اس کو مغالطہ فلاں جگہ سے ہوا ہے، بہت دور تک اتہ پتہ بتلایا کرتے تھے۔ گویا کہ چلتی پھرتی لائبریری تھے، کتب خانہ تھے، اتنی کتابوں کے حوالے محفوظ تھے ان سے مختلف لوگوں نے مختلف سوالات کئے یہ بھی بیٹھے سنتے رہے۔ جس وقت مجلس ختم ہوئی چلے آئے۔ اگلی مرتبہ پھر مجلس میں گئے پھر سوالات اور جوابات سنے پھر مجلس سے واپس آئے اسکے بعد پھر گئے۔ انہوں نے خود سوال کیا کہ زمان کسے کہتے ہیں مکان کسے کہتے ہیں؟ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کی۔ انہوں نے نیوٹن کا حوالہ دیا کہ نیوٹن نے ایسا لکھا ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نیوٹن نے اس مسئلہ پر جو کچھ لکھا ہے وہ علامہ عراقی کے رسالے سے لیا ہے اور اس نے خیانت اور بد دیانتی کی ہے نیوٹن نے، اس کا حوالہ نہیں دیا ہے اور اس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ انہوں نے کہا علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ کہاں ہے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا دیوبند میں ہے میرے پاس ہے قلمی نسخہ، وہ نسخہ بھی بھیجا تھا۔ اس کے بعد جب وہ بار بار آنے لگے۔ ایک دفعہ حدوث عالم کا ذکر آگیا تو حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے اپنا رسالہ قصیدہ ضرب الخاتم علی حدوث العالم سنایا جس سے ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت متاثر ہوئے اور خیال آیا کہ یہ تو کچھ لکھے پڑھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

....

مرزائیت سے توبہ

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ان کو کچھ انس ہوگیا تو فرمایا میں آپ سے خوش نہیں ہوں، اس واسطے کے تم مرزائی جماعت، جماعت احمدی کے سیکرٹیری ہو۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس سے بڑا غیض تھا۔ جب یہ کہا تو یہ گئے خاموشی کے ساتھ جا کر اس سے استعفیٰ دیا اور توبہ کی اور آ کر عرض کیا کہ حضرت جو کانٹا کھٹکتا تھا وہ میں نکال آیا، میں تائب ہوگیا۔

ڈاکٹر صاحب کے قلب کے اندر تبدیلی

اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ متوجہ ہوئے ان کے قلب کی طرف۔ انہوں نے اپنے قلب کے اندر وہ کیفیت محسوس کی جس سے قلب ہمیشہ سے نا آشنا تھا۔ وہ سرور محسوس کیا جو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ جب دیکھا تو بھڑک اٹھے اور اشعار کہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کو ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا بھرا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
تمنا درد دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

تو واقعہ یہی ہے کہ اہل اللہ کی صحبت تھوڑی دیر کے لئے بھی میسّر آجائے تو بھی بہت بڑی غنیمت ہے، بہت کار آمد ہے، گو اس کا اثر اس وقت کسی شخص کو محسوس نہ ہوتا ہو لیکن اثر کئے بغیر نہیں رہتی، اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، کسی نہ کسی وقت پہونچ کر اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤذن کا واقعہ

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کی بات ہے ادھر جمنا کے کنارے پر سہارن پور کے قریب ایک شخص تھے۔ وہاں کی بستی ساری کی ساری مرتد ہوگئی وہ بھی مرتد ہو گئے مگر وہ گنگوہ میں رہے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں انہوں نے نماز پڑھی تھی اور اذان بھی کہی تھی۔ ایک شخص گنگوہ آرہا تھا تو انہوں نے اس شخص کی معرفت کہلوایا کہ جا کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر یہ کہہ دینا کہ آپ کا مؤذن مرتد ہو گیا ہے۔ ایمان سے خالی ہو گیا ہے اس کو سنبھالئے۔ آنے والے نے کہہ دیا جیسے ہی اس نے کہا اللہ تبارک وتعالی نے اس کے قلب پر ایسی وحشت پیدا کی ہے وہاں رہنے سے، فوراً وہاں سے چھوٹا اور نکل کر پاکستان چلا گیا اور اسلام قبول کرلیا۔ وہ رہ چکا تھا گنگوہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں وہاں کی صحبت کا اثر تھا۔ لیکن ایک ماحول کی وجہ سے پریشان ہوا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالی نے اس کو سنبھال لیا، ہدایت مل گئی۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

اس لئے کہتے ہیں:۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر است از صد سالہ طاعت بے ریاء

[اولیاء کے ساتھ ایک زمانہ کی صحبت سو سالہ طاعت بے ریا سے بہتر ہے۔]

اگر اولیاء کرام علیہم الرحمۃ کے ساتھ ایک زمانہ صحبت کامل جائے، تھوڑا سا وقت مل جائے تو بڑی عجیب دولت ہے ستر برس تک اگر آدمی عبادت کرتا ہے لیکن

اس کو علم نہیں کہ یہ عبادت صحیح طریقے پر ہو رہی ہے یا غلط طریقے پر ہو رہی ہے۔ شیطان راہنمائی کر رہا ہے۔ لیکن اگر ایک زمانہ اولیاء اللہ کی صحبت میسر آجائے جس سے نور باطن اس کو حاصل ہو جائے، جس کے ذریعے سے شیطان کے مکر اور کید کو پہچاننے لگے تو پھر وہ بڑے کمال کی چیز ہے۔

فراست مومن

اسی لئے روایت میں آتا ہے:

"اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ"

(کنز العمال: ۳۰۷۳۰، فیض القدیر: ۱/۱۴۲)

مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھ لیتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے قلب میں ایسا نور پیدا فرماتے ہیں کہ جس کے ذریعہ سے وہ حق اور باطل میں تمیز کر لیتا ہے، کفر و اسلام میں میں تمیز کرتا ہے۔ طاعت و معصیت میں تمیز کرتا ہے۔ سنت و بدعت میں تمیز کرتا ہے۔ اس کو نور نظر آتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت میں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اس کو نور نظر آتا ہے۔ وہ نور کے ذریعہ سے بتا دیتا ہے کہ یہ کام سنت ہے، یہ غیر سنت ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے اہل اللہ کی صحبت کی، اسی وجہ سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحبت کے فوائد بے شمار لکھے ہیں۔ ان کے یہاں یہ طریقہ تھا کہ رمضان المبارک میں جگہ جگہ سے ان کے تعلق والے آتے اور ان کے یہاں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ ان کی صحبت میں بیٹھا کرتے تھے۔ صحبت میں بیٹھنے سے ان کو عجیب قسم کا فیض حاصل ہوتا تھا قلب کے اندر نورانیت پیدا ہوتی تھی، شیطانیت رخصت ہوتی تھی، معصیت سے نفرت پیدا ہوتی تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے جو حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے مرید ہیں۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت فرمایا: کہ اپنا حال لکھو۔ تو اس حال میں ان کا ایک طویل خط ہے۔ اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ آپ کے اقدام عالیہ سے جب سے جدائی ہوئی ہے تو نسبت کا یہ حال ہے کہ معاصی سے طبعی نفرت ہوگئی، گناہوں سے طبعی نفرت ہوگئی۔ جیسے گندگی اور غلاظت سے طبعی نفرت ہوتی ہے اسی طرح سے گناہوں سے نفرت ہوگئی۔ کتنا بڑا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے نفرت پیدا فرماتے ہیں اور نفرت بھی طبعی، ایک تو نفرت ہے ایسی کہ اگر گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہوگا جہنم میں جائیں گے اور ایک یہ کہ اس سے بھی بالا ہو کر طبعی طور پر نفرت ہو جیسے گندگی سے طبعی طور پر نفرت ہوا کرتی ہے۔ یہ کیفیت ہے۔ اور ایک لفظ فرمایا کہ بندے کے نزدیک مادح اور ذام برابر ہیں، جو شخص تعریف کرتا ہے اس سے قلب پر کوئی اثر نہیں ہوتا، کوئی شخص برائی کرتا ہے اس کا قلب پر کوئی اثر نہیں ہوتا یعنی ہر چیز کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں کہ تعریف کرنے والا جو کچھ بھی بول رہا ہے یہ بھی یہاں کی منظوری سے بول رہا ہے اور جو گالیاں دینے والا گالیاں دے رہا ہے وہ بھی تو خدا کی تقدیر کی منظوری سے ہو رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں کیا دخل کسی چیز سے نہ خوشی ہوتی ہے نہ رنج ہوتا ہے یہ کیا چیز ہے یہ وہی صحبت کا اثر ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے تھے۔ کتنے لوگوں کا حال یہ ہے کہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا، سلوک میں اٹک رہے ہیں، آگے کو طبیعت نہیں چل رہی ہے لیکن

اپنے شیخ کی خدمت میں جاتے ہیں تھوڑا سا وقت وہاں گزارتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالی ان کی پریشانیوں کو دور فرمادیتے ہیں اور ان کا راستہ صاف ہوجاتا ہے۔ تو میرے دوستو! صحبت کی بہت ضرورت ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کے یہاں دارالعلوم قائم فرمایا، یہاں انتظام ہے تعلیم کا بھی، یہاں انتظام ہے اس بات کا بھی کہ اگر کوئی شخص اپنی قلبی پریشانیاں لے کر آئے، اللہ تبارک وتعالی یہاں کے اکابر حضرات کی صحبت سے ان کی توجہ سے ان پریشانیوں کو بھی دور فرمائیں گے، اور اللہ تبارک وتعالی اصلاح کی طرف طبیعت کو مائل فرمائیں گے اور بدعات سے نفرت پیدا فرمائیں گے، سنتوں کی رغبت پیدا فرمائیں گے۔ اگر کچھ بھی نہ ہو تو کچھ بھی آدمی علم حاصل کرنے کے لئے نہ آئے محض اللہ کے بندے کی صحبت میں بیٹھنے کے لئے آئے بہت بڑی دولت ہے۔

دوست کی ملاقات کرنے والے کو بشارت

ایک کتاب میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص جارہا تھا اپنے کسی دوست سے ملنے کیلئے ایک بستی سے دوسری بستی میں دور دراز کا سفر تھا۔ جب اس بستی کے کنارے پر پہونچا جہاں جانا تھا وہاں دیکھا ایک شخص کھڑا ہے، اس نے پوچھا بھائی تم کون ہو کہاں جارہے ہو کیا مقصد ہے۔ بتایا فلاں شخص میرا دوست ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ کا دوست ہے وہ کوئی اور رشتہ داری نہیں ہے، صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر اس کو دوست رکھتا ہوں دینی محبت کی وجہ سے اس سے ملاقات کیلئے جارہا ہوں کہا اچھا تو میں بھی بتادوں میں ہوں اللہ کا فرشتہ، مجھے اللہ تبارک وتعالی نے یہاں تجویز کیا ہے کہ میں تم کو خوشخبری سنادوں کہ تم جنت میں جاؤ گے۔ تو محض ایک دوست کے پاس جانے کی خاطر جو اللہ کیلئے جارہا ہے اور دوستی بھی اللہ کیلئے ہے، دین کی خاطر دوستی ہے، اس پر اللہ تبارک وتعالی کو اتنی مسرت ہوئی کہ اس کو جنت کی خوشخبری اسی دنیا میں رہتے رہتے سنادی۔

....

اہل اللہ کی صحبت کا اثر

پیارے دوستو! اللہ تعالی کے کارخانے سے جن کے قلب میں نور ایمان ہے، جن کے قلب میں عشق محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے، جن کے قلب میں اللہ کا تقوی ہے، ان کے پاس بیٹھنے سے انکے پاس جانے سے قلب کے اندر جلاء پیدا ہوتی ہے، صلاحیت پیدا ہوتی ہے شیطان کے کید اور مکر سے حفاظت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی اس کو توفیق عطا فرماتے ہیں اعمال صالحہ کی اپنا قرب عطا فرماتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت بہت بڑی دولت ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت

اور اس وقت حضرت شیخ الحدیث صاحب تشریف لائے ہیں ان کی معذوری کو آپ دیکھ ہی رہے ہیں وہ کوئی بتانے کی چیز نہیں ہے، اس کے باوجود اللہ نے ان کے قلب میں ایک ولولہ پیدا فرمایا کہ اللہ کے بندوں پر شفقت ہے ان کو اللہ کے بندوں کے ساتھ الفت کا محبت کا تعلق ہے وہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ کہیں کوئی اللہ کا بندہ ہو تو اس دولت کو لے، اور آئے ہیں اس واسطے کہ یہاں سے سب لوگ نہیں جاسکتے وہ تشریف لے آئے کہ آنے والے کچھ دیر پاس بیٹھیں، اللہ تبارک وتعالی کا نام سیکھیں۔ اللہ کے راستہ پر لگیں، گناہوں سے توبہ کریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے وعدے کریں اسی مقصد کے واسطے بس جگہ جگہ پر پھر رہے ہیں جگہ جگہ پر مرکز قائم کر رہے ہیں، اسی لئے کسی نے کہا ہے۔

خانقاہ و مدرسہ قائم نمودہ جابجا

تربیت کردہ فرستد کارواں در کارواں

[خانقاہ اور مدرسہ جگہ جگہ قائم فرمائے، قافلے کے قافلے تربیت کر کے بھیجتے ہیں۔]

جماعتیں کی جماعتیں ان کو تعلیم دے کر ان کو صاحب نسبت بنا کر پختہ کر کے بھیجتے ہیں

ایک ایک شخص، ایک ایک علاقے میں پہونچ جائے تو انشاء اللہ سب پر حاوی ہو اور اللہ کے نور کو پھیلائے اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کرے حق تعالیٰ نے ان کے لئے اس کا انتظام فرمایا اور جگہ جگہ پر صرف یہیں نہیں تمام دنیا میں جہاں جہاں ان کو علم ہے کہ یہاں مسلمان لوگ آباد ہیں، وہاں کوشش کر کے آدمیوں کو بھیج رہے ہیں، اور پرورش اور تربیت کر کے بھیج رہے ہیں، سکھا کر، تعلیم دے کر پختہ کر کے بھیج رہے ہیں، اور لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اللہ کے دین کو پھیلاؤ۔

پیارے دوستو! اللہ والوں کے دلوں میں یہ جذبہ ہوتا ہے یہ رحمت اور شفقت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ مخلوق پر زیادہ سے زیادہ شفیق ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کو بھی اس کا موقعہ دیا ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔

بیعت ہونے والوں کی ذمہ داری

پیارے دوستو! جو لوگ بیعت ہوئے ہیں ان کو لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے معمولات کی پابندی کریں۔ اس واسطے کہ بیعت ہونا نام کے واسطے نہیں۔ یہ بیعت ہونا ایسا ہی ہے جیسے ایک طالب علم مدرسہ میں آ گیا، داخل ہو گیا، اس نے رجسٹر میں اپنا نام لکھا دیا۔ لیکن نہ کتاب پڑھتا ہے، نہ سبق یاد کرتا ہے، نہ تکرار نہ مطالعہ کچھ نہیں کرتا۔ بتاؤ خالی نام رجسٹر میں لکھانے سے اس کو علم آئے گا۔ اس کو علم نہیں آئے گا۔ علم تو محنت کرنے سے آئے گا۔ اسی طریقہ پر جو لوگ بیعت ہوئے، بیعت ہونے سے ان کا داخلہ تو ہو گیا لیکن جب محنت کریں گے تبھی جا کر کچھ آئے گا۔ یہ دولت بغیر محنت کے نہیں آتی۔ دنیا کی ذرا سی چیز کے واسطے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے اور اس کے لئے کیا کچھ نہیں محنت کرنی پڑے گی۔ بڑی محنت کرنی پڑتی ہے لیکن حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ آدمی تھوڑی سی محنت کرتا ہے۔ محنت کرتا ہے آدمی اپنی حیثیت، اپنی طاقت کے مطابق، لیکن حق تعالیٰ اپنی شان کے مطابق عطا فرماتے ہیں۔

....

کلمہ طیبہ کی برکت

حدیث پاک میں آتا ہے ایک کلمہ ایسا ہے کہ زمین سے لیکر آسمان تک جتنا حصہ یہ فضا ساری کی ساری ثواب سے بھر جائے، ایک کلمہ ایسا ہے کہ اس کو ترازو میں رکھ دو تو ترازو وزنی ہو جائے اس سے، ترازو کا تمام پلڑہ بھر جائے اس سے، اللہ تبارک وتعالیٰ اتنا عطا فرماتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک راستہ

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک راستہ ہے ہی ایسا راستہ، جو شخص اس راستے کو اختیار کرے گا وہ راہِ حبیب کو اختیار کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حبیب، اللہ کے حبیب کا راستہ حبیب اور جو لوگ اس راستہ پر چلنے والے ہیں وہ اللہ کے حبیب بن جائیں گے۔ اس واسطے محض بیعت ہو جانے پر، توبہ کر لینے پر قناعت نہ کریں، بار بار اس کا دھیان بھی کرتے رہیں کہ فلاں فلاں چیز ہے ہم نے توبہ کی اور یہ بھی کیا کہ اور کوئی گناہ نہیں کروں گا۔ اور اگر گناہ ہوا ہے تو فوراً توبہ کریں، استغفار کریں، حق تعالیٰ مدد فرماتے ہیں، جو معمولات ہیں ان معمولات کی پابندی کریں، اذکار و اذکار کی پابندی کریں اور کوشش کریں کہ آپ کے یہاں بھی زیادہ سے زیادہ صاحب نسبت لوگ تیار ہوں اور تیار ہو کر دنیا میں پھیلیں۔ یہ درحقیقت بہت بڑا لشکر ہے۔ یہ تمام عالم میں پھیلے گا اور یہاں سے جائے گا اور جا کر جگہ جگہ دین کی اشاعت کرے گا۔ نبی کو بھیجنے کا مقصد کیا ہے "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" اللہ تعالیٰ کے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے یہ مقصد ہے اس واسطے جو لوگ ایسے ہیں کہ ان تک دین نہیں پہونچا وہاں بھی دین پہنچانے کی ضرورت ہے جن کے پاس دین پہونچ گیا مگر وہ عمل کی طرف راغب نہیں ان کو عمل کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔

غرضیکہ یہ کوشش اور یہ میدان ایسا ہے کہ اس میں ساری عمر خرچ ہو جائے اور اسی

طریقہ پر آدمی کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبولیت ہی قبولیت ہے وہاں اس چیز کو رد نہیں کیا جاتا۔

تعلیم کی ضرورت

اس لئے زیادہ سے زیادہ بچوں کو دینی تعلیم دلانا جو بڑے لوگ ہیں اگر ان کو پڑھنے کا موقعہ ہو تو وہ بھی پڑھیں۔ اگر پڑھنے کا موقعہ نہیں تو کم از کم صحبت میں آ کر بیٹھا کریں، بات دین کی پوچھتے رہا کریں، تعلق قائم رکھیں، مسئلے دریافت کرتے رہیں، اپنے گھریلو چیزوں میں بھی مشورے کرتے رہیں، اپنا اور بیوی کا کوئی قصہ پیش آئے اس میں بھی مشورہ لیتے رہیں، ان مشورہ لینے میں بھی خیر ہے۔ اس واسطے کہ خیر کا مشورہ ملے گا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کی روشنی عطا ہوگی جو فائدہ اور ثواب اس میں ہے وہ دوسری چیز میں نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کا مقصد

اس لئے آپ حضرات کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی حضرت شیخ آپ کے یہاں آئے اور اپنے خدام کو لے کر آئے۔ خود تو غور کرو، مدینہ طیبہ کہاں، کتنی بلند جگہ، کتنا مبارک مقام اور وہاں سے یہاں تشریف لائے۔ شیخ کو وہاں سے اپنے وطن جانا تھا سیدھے۔ پہنچ جاتے مگر یہاں تشریف لائے کئی روز کا قیام کیا۔ مدینہ طیبہ کی جو نمازیں ہیں مسجد نبوی کی ان کی حیثیت کچھ اور ہے اور دوسرے مقام کی نمازوں کی حیثیت کچھ اور ہے لیکن یہ رافت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر شفقت آپ حضرات پر شفقت اسی نے مجبور کیا کہ یہاں تشریف لائیں اور تشریف لا کر اتنی بڑی جماعت کو مستفیض فرمائیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے تشریف لانے کو مبارک فرمائے اور آپ سب حضرات کے لئے بھی اور تمام عالم کے لئے بھی۔ اور جو لوگ یہاں نہیں آسکے لیکن آنے کی خواہش اور تمنا ان کے دل میں ہے،

اللہ تعالیٰ ان کو بھی مبارک فرمائے اور قبول فرمائے اور اس مدرسہ کو بھی ترقیات سے نوازے اور جو مسجد کی تعمیر کی بنیاد رکھی گئی اللہ تعالیٰ اس کی تعمیر کو بھی مکمل کرائے اور اس کو آباد کرے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال سے آباد کرے، اس میں اللہ کا ذکر ہو، حدیث کی تعلیم ہو، قرآن پاک کی تعلیم ہو، اللہ کے تقوی کی باتیں ہوں، دین کی اشاعت کی چیزیں ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان ذریعوں سے آباد کرائے۔

آدابِ مسجد

آج کل مسجد بارونق تو بہت ہوتی ہیں فرش بھی اچھے اچھے بچھے ہوتے ہیں، فرنیچر اس کا شاندار بھی ہوتا ہے لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال ان میں کم ہیں۔ اس وجہ سے وہ آبادی آبادی نہیں۔ آبادی تو یہ ہے، حدیث پاک میں موجود ہے لوگ مسجد بنائیں گے بڑی اونچی اونچی اور بہت کچھ اس میں ہوگا لیکن وہ اللہ کے ذکر سے غیر آباد ہوگی۔ مسجد میں آئے گے تو بیٹھ کو ادھر ادھر کی بازار کی تجارت کی باتیں کریں گے، کسی کی غیبت اور برائی کی باتیں کریں گے، آپس کی بے جا بحث کریں گے، سوال وجواب ہوگا اور لڑائی جھگڑوں کے قصے ہوں گے، یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ مسجد کی شان کے خلاف ہیں یہ چیز نہیں ہونی چاہئے۔ مسجد میں کیا ہو، اللہ کا نام۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کچھ لوگ ادھر ادھر کو بیٹھے ہیں وہ تو مسلے مسائل کی باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نے سوال کیا دوسرے نے جواب دیا۔ کچھ لوگ ادھر ادھر کو بیٹھے ہیں وہ عبادات میں مشغول ہیں، کوئی نفلیں پڑھ رہا ہے، کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں جماعتیں خیر پر ہیں۔ یہ بھی خیر ہے وہ بھی

خیر ہیں۔ اور پھر جو لوگ مسلے مسائل کی باتیں کر رہے تھے ان میں آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا:

"اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" (مشکوۃ شریف: ۱/ ۳۶، کتاب العلم)

میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

میں تو انھیں میں بیٹھوں گا۔ اس واسطے مسجد میں تعلیم کی بات ہو، دین کی بات ہو، اعلیٰ چیز ہے۔

دعا

خداوند تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے اور مسجد کی تعمیر کو مکمل کرائے اور اس کی تمام ضروریات کو خزانۂ غیب سے انتظام فرمائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر قسم کے شرور سے محفوظ رکھے، مدرسے کو بھی، مسجد کو بھی، اساتذہ کو بھی، طلبہ کو بھی اور جو لوگ مدرسہ سے وابستہ ہیں، تعلق رکھنے والے ہیں جو بیعت ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی ہر طرح کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور دنیا کی عزت بھی دے اور آخرت کی عزت بھی دے، یہاں کی راحت بھی دے اور وہاں کی راحت بھی دے۔ شیطان کے فتنوں سے بھی بچائے اور نفس کے فتنوں سے بچائے، اللہ تعالیٰ سب کی مساعی جمیلہ کو قبول فرماوے، ایمان میں استقامت اور استحکام دے، تقویٰ میں پختگی عطا فرمائے، صدق میں پختگی عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

....

تقویٰ اور اسکے حصول کا طریقہ

اس بیان میں

☆......ایمان کی تعریف، ایمان کی حفاظت کی ضرورت۔

☆......جنت سے نکلتے وقت حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کی دعائیں۔

☆......تقویٰ کے معنی، اس کا حکم، اس کے حصول کا طریقہ

☆......صحبت کی تاثیر اور اس کے فوائد و ثمرات۔

☆......تبلیغی جماعت اور اجتماعی اعتکاف کے فوائد۔

☆......قرب نوافل کسے کہتے ہیں؟

....

تقویٰ اور اسکے حصول کا طریقہ

بعد خطبۂ مسنونہ۔ اما بعد۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔] (آسان ترجمہ)

اللہ جل جلالہٗ وعمّ نوالہٗ کا پاک ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس آیت شریفہ میں ایمان والوں کو خطاب ہے اور تقوے کا خطاب ہے اور صادقین کے ساتھ رہنے کا خطاب ہے۔

ایمان کے معنیٰ

ایمان کسے کہتے ہیں؟ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ صدق کسے کہتے ہیں؟ تین چیزیں اس میں ہیں۔ ایمان کے معنیٰ ہیں مان لینا، اللہ جل جلالہٗ کے نازل کئے ہوئے احکام کو، محض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر اعتماد کرتے ہوئے مان لینا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ نجات کا راستہ بیان فرمایا ہے احکام خداوندی بتادئے ہیں بالکل وہی تسلیم ہے اور اسی کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔ ایمان نام جاننے کا نہیں صرف جاننا تو کفار اور مشرکین کو بھی حاصل تھا۔ قرآن پاک میں ہے:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۔

[اور اگر تم ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہ کہیں گے کہ اللہ!] (آسان ترجمہ)

آپ ان مشرکین اور کافرین سے پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے پیدا کیا۔ اتنا وہ بھی جانتے تھے بلکہ یہاں تک بات تھی؛

وَظَنُّوْا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۔

[اور وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے گھر گئے تو اس وقت وہ خلوص کے ساتھ صرف اللہ پر اعتقاد کر کے صرف اسی کو پکارتے ہیں ۔] (آسان ترجمہ)

جب کشتی پر سوار ہیں سب طرف سے موجوں نے لہروں نے گھیر لیا تاریکی ہے، راستہ نہیں مل رہا ہے ۔ اس وقت اللہ کو پکارتے تھے ۔ دعاء بھی کرتے تھے ۔ اسے اتنا بھی تسلیم کرتے تھے کہ ہاں وہ قادر ہے ۔ اب سارے معبوادنِ باطلہ وہ بت جن کی پوجا پاٹ کرتے تھے سب بیکار ہیں ۔ کسی کی طاقت کام نہیں دیتی ۔ ان لہروں، موجوں میں، سمندر کے طوفان میں، گھرنے کے بعد طاقت خداوند تعالیٰ ہی کی ہے جو بچا سکتی ہے ۔ کسی کی طاقت بچا نہیں سکتی اتنا وہ بھی جانتے تھے ۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گذارنے کا انھوں نے فیصلہ نہیں کیا تھا ۔

ایمان فیصلہ کر لینے اور وفاداری کا نام ہے

ایمان درحقیقت نام ہے فیصلہ کر لینے کا طے کر لینے کا کہ ہم اپنی پوری زندگی حضرت نبی کریم ﷺ کے دین کے ماتحت گذاریں گے ۔ طے کر لینا فیصلہ کر لینا یہ عہد کر لینا ۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ۔ اے وہ لوگو! جو فیصلہ کر چکے ہو کہ ہم حضرت نبی اکرم ﷺ

کے لائے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گذاریں گے جب تم نے یہ فیصلہ کرلیا تو سنو۔ دنیا میں ایک حکومت دوسری حکومت کو جانتی ہے، اس کے قوانین سے بھی واقف ہے، اس کی طاقت سے بھی باخبر ہے، ہوائی طاقتوں کو بھی جانتی ہے، بحری طاقتوں کو بھی جانتی ہے لیکن اس کے ماتحت رہ کر وہ زندگی گذارنے کو تیار نہیں۔ لڑائیاں آپس میں ہوتی ہیں۔ بلکہ ایک ہی حکومت میں بعضے آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو قانون کو بھی جانتے ہیں، حکومت کے وزراء کو بھی جانتے ہیں، عدالتوں کو بھی جانتے ہیں ان کی سزاؤں کو بھی جانتے ہیں۔ اس کے باوجود اس حکومت کے ماتحت رہ کر زندگی گذارنے کو تیار نہیں ایسے لوگ کیا کہلاتے یں، باغی کہلاتے ہیں۔ کیا باغی جانتے نہیں ہیں حکومت ہے؟ ضرور جانتے ہیں۔ حکومت کی سزاؤں کو نہیں جانتے، قتل اور پھانسی کی سزاؤں کو نہیں جانتے؟ ضرور جانتے ہیں۔ اگر ایمان نام جاننے کا ہوتا تو سب کے سب مومن ہوتے۔ لیکن مومن تو درحقیقت وہ ہے جو فیصلہ کرے کہ ہاں مجھے اس طریقہ پر زندگی گذارنی ہے۔ حکومت کے وفادار وہی کہلائیں گے جو حکومت کے قانون کے تحت رہ کر زندگی گذارنے کو تیار ہوں۔ فیصلہ کریں۔ ورنہ تو باغی کہلائیں گے۔ جب کسی شخص نے وفاداری کا عہد کرلیا ایک حکومت کے ماتحت رہنے کے لئے وہ وہاں کا شہری بن گیا۔ اب قانونی طور پر حکومت کے زیر اثر ہوگیا۔ پھر اگر بھول چوک سے غلطی سے اس نے کوئی خطا کی بھی تو ہوسکتا ہے کہ حکومت سزا دے، ہوسکتا ہے کہ معاف کردے۔ دونوں باتیں ممکن ہیں۔ یہی حال خدائے پاک کے یہاں کا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے ماتحت، اس کے قانون کے ماتحت، اس کے نبی کی ہدایت کے ماتحت زندگی گذارنے کا جو شخص فیصلہ کرچکا، عہد کرچکا، حلف وفاداری کرچکا وہ مومن ہے، پھر اس سے خطا قصور سرزد ہوجائے، ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ معاف فرمادیں، ہوسکتا ہے کہ سزادیں لیکن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے جہنم میں بھیجدیں ایسا نہیں ہوگا۔ ہمیشہ کے لئے جہنم میں تو وہی جائے گا جو باغی ہوگا، اس کے لئے نجات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ۔

....

[بے شک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرات کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔] (آسان ترجمہ)

تقویٰ کا حکم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ قرآن پاک نازل کیا جن لوگوں نے اس کو تسلیم کرلیا اور اپنی زندگی کو اس کے ماتحت رہ کر گذارنے کا فیصلہ کرلیا وہ لوگ مومن ہیں ان سے کہا گیا کہ اے ایمان والو! جب تم ہمارے قانون کے تحت داخل ہو گئے جب تم نے ہم سے عہد کرلیا وفاداری کا جب تم نے فیصلہ کرلیا کہ ہمارے بھیجے ہوئے قانون کے مطابق زندگی گذاروگے تو اِتَّقُوا اللّٰہَ اب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ دیکھ بھال کر زندگی گذارو۔ قدم قدم پر بلکہ سانس سانس پر زندگی کو دیکھتے رہو کہ کوئی چیز خلاف قانون تو نہیں۔ یہ ایمان ایک پودا ہے جو قلب کے اندر اگ آیا ہے۔ دنیا میں اس زمین پر جب کوئی پودا لگاتا ہے، پودے کی حفاظت کی جاتی ہے، چلتے ہوئے کوئی گائے بکری اسے نہ کھالے کہیں سخت ترین گرمی کی وجہ سے نہ کملا جائے، سخت ترین سردی کی وجہ سے کہیں نہ ٹھٹھر جائے۔ غرض ضرورت کے وقت اس کو پانی بھی دیا جاتا ہے، ضرورت کے وقت جانوروں سے بھی حفاظت کی جاتی ہے، گرمی، سردی، سے حفاظت کی جاتی ہے جب اس کی پرورش ہوتی ہے تو پھر اس کے اوپر برگ و بار لگتا ہے، پتے، شاخیں، پھل، پھول لگتے ہیں، مخلوق خدا اس سے نفع اٹھاتی ہے اور اعلیٰ درجہ کا وہ درخت بن جاتا ہے۔ حفاظت نہ کی جائے تو بسا اوقات تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ تو ایمان کا بھی پودا ہے جو قلب میں لگایا گیا ہے جس کی حقیقت مختصر لفظوں میں، میں نے عرض کی کہ یہ فیصلہ کرلینا ہے کہ اس پودے کی حفاظت کی ضرورت ہے، پودے کی حفاظت کریں گے تو پودا قوی ہوگا اسی حفاظت کا نام ہے تقویٰ۔ خداوند تعالیٰ کی معصیتوں و نافرمانیوں سے اس پودے کی حفاظت کی جائے۔

....

ایمان کی حفاظت کی ضرورت

پودا جیسے کہ گرمی سے خراب ہو جاتا ہے، سردی سے خراب ہو جاتا ہے، پانی نہ پہنچنے سے خراب ہو جاتا ہے کسی جانور کے کھالینے سے بتاہ ہو جاتا ہے کوئی کیڑا لگ جاتا ہے۔ اسی طریقہ پر ایمان نہ خراب ہو جائے۔ ایمان کی حفاظت کی بھی ضرورت ہے۔ حدیث پاک میں تو موجود ہی ہے کہ جس طرح سے ظروف پر زنگ لگتا ہے ایمان پر بھی زنگ لگ جاتا ہے۔ ایمان کو تازہ کرتے رہا کرو۔ جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ۔ ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو، اس کو قلعی کرتے رہا کرو۔ پوچھا گیا کہ حضور! اس کی قلعی کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کثرت سے پڑھو۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھنے سے ایمان کا زنگ دور ہو جاتا ہے۔ کپڑے بھی میلے ہوتے ہیں ان کو بھی دھویا جاتا ہے۔ صاف کیا جاتا ہے، مکان بھی میلا ہوتا ہے اس کے اوپر بھی قلعی کی جاتی ہے، برتن بھی میلے ہوتے ہیں ان کے اندر بھی ضرورت پیش آتی ہے صفائی کی۔ اسی طریقے سے ایمان کے اندر بھی میل لگتا ہے غفلت سے، ماحول کے برے اثرات سے، معاصی سے۔ اس لئے ایمان کی صفائی کی، حفاظت کی، تجدید کی، تجلیہ کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے ورنہ اگر ایمان کو تقویٰ کے ساتھ مزین نہ کیا جائے تو ایمان سوکھ جائے گا، زنگ لگ جائے گا، خراب ہو جائے گا۔

انسان کے دشمن

اسلئے کہ انسان کے ساتھ ایک نفس لگا ہوا ہے جو اس کے اندر موجود ہے۔

اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ" (اتحاف السادۃ: ۷/۲۰۶)

تمہارا سب سے گہرا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو تمہارے پہلو میں موجود ہے "نفس" اور دوسرا دشمن انسان کے ساتھ شیطان لگا ہوا ہے۔

اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ"

انسان کے لئے شیطان کھلا ہوا دشمن ہے۔ اس کی عداوت مخفی نہیں کھلی ہوئی عداوت ہے لیکن عداوت کے جو طریقے ہیں وہ بہت مخفی ہیں۔ ان کا ہر ایک کو پتہ نہیں چلتا۔ ان سے زیادہ تحفظ کی ضرورت ہے۔ نفس کی شرارتوں کی بھی ہر ایک کو خبر نہیں ہوتی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن کا واقعہ

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میری طالب علمی میرے بچپن کے زمانے میں میرے والد صاحب خط وکتابت مجھ سے کرایا کرتے تھے۔ یعنی خطوط کا جواب میرے ذریعے سے لکھواتے تھے۔ ایک لفظ بولا انھوں نے "استمزاج" استمزاج کے معنیٰ استصواب رائے۔ یہ لفظ فارسی میں مستعمل ہے عربی میں اس معنیٰ میں مستعمل نہیں اور چونکہ عام دستور فارسی میں خط وکتابت کا تھا اس لئے انھوں نے یہ لفظ بھی لکھوا دیا۔ مجھے اس کے معنیٰ معلوم نہیں تھے۔ میں نے والد صاحب سے کہا ممکن ہے مکتوب الیہ اس لفظ کے معنیٰ صحیح نہ سمجھ سکے لہذا کوئی دوسرا لفظ اس کے ہم معنیٰ لکھوا دیجئے۔ انھوں نے دوسرا لفظ بول دیا لیکن شرارت میرے نفس کی تھی کہ اپنے جہل کو باپ تک سے چھپایا۔ اسی بات پر فرمارہے تھے کہ نفس کی شرارت کا یہ عالم ہے اپنے جہل کو باپ تک سے چھپایا۔ یہ نہیں کہا کہ میں جاہل ہوں میں نہیں جانتا اس کے معنیٰ بلکہ یہ کہا شاید مکتوب الیہ جاہل ہو اس کے معنیٰ نہ سمجھے۔ تو جہل ایک ایسی بری چیز ہے اور ایسا برا دھبہ ہے کہ آدمی اپنے اوپر لینے کو تیار نہیں۔

نفس کا حال

اور نفس کا حال اتنا مخفی ہے کہ اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ تو ہمارا ایمان ہے کہ نفس ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے کیونکہ قرآن پاک میں آچکا اور ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ قرآن پاک میں

جو کچھ آیا ہے وہ صحیح ہے۔ لیکن وہ کس کس راہ سے کس کس طریقہ پر شرارتیں کرتا ہے اس کا علم ہر ایک کو نہیں۔ اسی طرح سے شیطان یہ تو معلوم ہے کہ بڑا پکا گہرا دشمن ہے لیکن یہ کس کس راہ سے دشمنی کرتا ہے کیا کیا طریقے، کیسے کیسے جال ہیں، اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ تو دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ ایک دشمن دوسرے دشمن کے لئے اس کو تباہ و برباد کرنے کے واسطے جنگ کے موقع پر کیا کیا تدبیریں کرتا ہے۔ کبھی نیچے تار بچھا دیتا ہے کبھی پانی گرم کر کے اس پر چھوڑتا ہے، کبھی خندقیں کھود دیتا ہے، کبھی کچھ ترکیب کرتا ہے کبھی کچھ ترکیب کرتا ہے کہ اس کو پتہ نہیں چلتا وہ خالی الذہن ہوتا ہے، تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ تو ایک دشمن دوسرے دشمن کے لئے تدبیر کیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی تدبیر اختیار فرماتے ہیں۔

ابرہہ کی ہلاکت کا واقعہ

ابرہہ نے جس وقت بیت اللہ شریف کو گرانے کا ارادہ کیا اور جنگی ہاتھیوں کا لشکر لے کر چلا، جو سب سے بڑا ہاتھی تھا اس کو سب سے آگے بڑھایا تاکہ بیت اللہ شریف کو گرائے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی کیا تدبیر تھی۔ ابابیل کو بھیج دیا ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسے پرندے آسکتے ہیں۔ ان کو چونچ یا پنجوں میں کنکریاں ہو سکتی ہیں کہ وہ ایٹم بم کا کام دیں کہ دماغ پر گریں اور دوسرے راستے سے نکلیں اور تباہ و برباد کر دیں۔ "كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ" بنا دیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ نے بھی تدبیر کی ان کو پتہ نہیں تھا اسی طریقہ سے ہمیں بھی پتہ نہیں ہے کہ ہمارا نفس ہمارے لئے کیا کر رہا ہے؟ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس کو حدیث پاک میں فرمایا گیا "بين جنبيك" ہمارے دونوں پہلوں کے اندر ہے۔ دشمن باہر کا ہو اس کی طاقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے خفیہ پولس کے ذریعہ سے بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اپنے اندر موجود ہو نظر نہ آتا ہو اس کی طاقت کا اس کی تدبیر کا کیا اندازہ کیا جائے کیسے اندازہ کیا جائے دشوار ہے اس کا اندازہ کرنا۔

....

شیطان کا حال

اسی طریقہ سے شیطان کا یہ حال ہے کہ انسان کے جسم میں رگوں میں گھومتا پھرتا ہے جیسے کہ خون۔

"اِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ" (مشکوۃ شریف: ح ٦٧)

شیطان خون کی طرح انسان کی رگ، انسان کے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہے تو جو دشمن اتنا مسلح اتنا حاوی ہو آخر اس سے بچاؤ کی کیا صورت ہے اور یہ دشمن بھی حاوی ہے یہ کس طرح سے حاوی ہے کیوں حاوی ہے۔

جنت سے نکلتے وقت حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کی دعائیں

روایات میں آتا ہے کہ جب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو جنّت سے دنیا میں بھیجنے کی تجویز کی گئی اور شیطان کو نکالا گیا لعنت کا طوق اس کے گلے میں ڈالا گیا تو شیطان نے دعائیں کیں۔

شیطان کی پہلی دعا

ایک دعا یہ کی کہ اللہ اس آدم کی وجہ سے مجھے جنّت سے نکالا جارہا ہے مجھے مہلت دے قیامت تک زندہ رہنے کی، میری موت نہ آئے کیونکہ ایک دشمن خواہ کتنا ہی گہرا دشمن ہو جب مرجاتا ہے تو اطمینان ہوجاتا ہے کہ دشمن ختم ہوگیا، امید رہتی ہے کہ مریگا تو سہی، اس کے بعد امن ہوجائیگا لیکن شیطان نے مہلت مانگ لی:

"اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ"

جس روز مردے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو مجھے اس روز تک کے لئے مہلت

دیدے۔اور اس کی ہوشیاری یہ تھی کہ موت کے پھندے سے بچ جائے کیونکہ پہلا صور پھونکا جائیگا جس میں سب مر جائیں گے، دوسرا صور پھونکا جائے گا جس میں سب زندہ کر کے اٹھا دیئے جائیں گے تو اس نے مہلت مانگی کب تک کی جب زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے اس وقت تک کی تا کہ موت سے چھٹکارا مل جائے۔وہاں سے کہا گیا:

"اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ"

وقت معلوم تک مہلت دیدی گئی یعنی جب پہلا صور پھونکا جائے گا جس میں سب مرینگے اس وقت تجھے بھی مرنا ہے۔مرنے سے تو بچاؤ ہے نہیں۔ایک یہ مہلت مانگ لی۔

دوسری دعا

نیز اس نے دعا کی کہ آدم کی وجہ سے مجھے نکالا جارہا ہے مجھے اس پر قابو دے دے۔ اس سے کہا گیا اچھا تجھ کو انسان پر آدم پر قابو دیدیا گیا کہ رگوں میں گھس سکتا ہے، خون کی طرح سرایت کر جاتا ہے۔

تیسری دعا

کہا اس میں ترقی دے، کہا اچھی بات جس وقت انسان اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے شیطان بھی جاتا ہے، انسان کا نطفہ قرار پاتا ہے، شیطان کا بھی قرار پاتا ہے۔انسان کے نطفے میں جان پڑتی ہے شیطان کے نطفے میں بھی جان پڑتی ہے۔شیطان کے بچے کو وہیں قابو دیدیا جاتا ہے انسان کے بچے پر، یہاں تک کہ جب پیدا ہوتا ہے اسی کو ہمزاد کہتے ہیں تو وہ شیطان کا بچہ انسان کے بچہ پر حاوی مسلط رہتا ہے۔وہیں سے ساتھ لگا دیا گیا ہے۔حدیث میں آتا ہے۔

"صِيَاحُ الْمَوْلُوْدِ حِيْنَ يَقَعُ نَزْعَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ" (مشکوٰۃ شریف:۱۸/۱، باب فی الوسوسۃ)

[بچہ کا رونا اس وقت ہوتا ہے جب شیطان چوکہ لگاتا ہے۔]

بچہ بعض دفعہ سوتا ہوا بالکل چیخ اٹھتا ہے، چلّا دیتا ہے۔کیا ہے وہ شیطان چوکا مارتا ہے اس کو۔

ادھر شیطان نے وعدہ کیا۔ "قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِيْنَ"

اے پاک پروردگار! تونے مجھے گمراہ تو کر ہی دیا، بے راہ تو کر ہی دیا لیکن میں بھی تیرے سیدھے راستے پر جا بیٹھوں گا۔آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف سے انسان کو بہکاؤں گا اور اکثر لوگ ان میں سے ایسے ہوں گے جو شکر گذار نہ ہوں گے یعنی میرے قابو میں آجاوئیں گے۔غرض یہ کہ شیطان کو قابو ہوا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! شیطان کو تو میرے اوپر مسلط کر دیا۔ میرے بھی تو بچاؤ کی کوئی صورت بتا۔

"خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفاً"

انسان تو بہت ضعیف اور کمزور ہے۔میرے لئے بھی بچاؤ کی کوئی صورت بتا۔اچھی بات ہے۔بچاؤ کی صورت بتلائی گئی کہ جب شیطان کا بچہ آدمی کے بچہ پر مسلط ہوگا تو ہم فرشتے مقرر کر دیں گے حفاظت کے لئے چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جس طرح شہد کا پیالہ رکھا ہو اور کوئی آدمی بیٹھا ہو، ہاتھ ہلاتا رہتا ہو۔مکھیوں اور مچھروں کو بھگاتا رہتا ہو، ذرا اپنا ہاتھ روکے تو مکھیوں اور مچھروں کا چھتہ کا چھتہ اس پر آکر بیٹھ جاتا ہے۔اسی طریقہ پر شیاطین اور جنات کو ملائکہ ڈھکیلتے رہتے ہیں۔انسان سے اگر ذرا دیر کو بھی حفاظت روک

لیں تو بس چھتہ کا چھتہ ان کا آ بیٹھے اور تکہ بوٹی کر کے انسان کو بانٹ کھائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حفاظت کرتا ہے انسان کی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دوسری دعا

حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے پروردگار! مجھے بھی کچھ ترقی دیجئے۔ فرمایا اچھا۔ ایک نیکی کرو گے تو دس گنا ثواب، اگر خطا ہوئی یا تو معاف کر دیں گے یا اتنی ہی سزا جتنی خطا ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی تیسری دعا

آدم علیہ السلام نے درخواست کی اور ترقی دیجئے۔ شیطان نے تین دعا کی تھی آدم علیہ السلام نے بھی تین دعائیں کیں، ترقی دی اور فرمایا مرنے سے پہلے جب بھی توبہ کرلو گے معاف کردینگے۔ اب شیطان پریشان ہوا کہ لیجئے ساری عمر محنت کروں گا، آدمی سے گناہ کراؤں گا۔ خطا کراؤں گا اور مرنے سے پہلے توبہ کریگا تو سارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ میری تو ساری محنت بیکار ہوجائے گی۔ تو توبہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے رکھی ہے۔

غرض یہ ہے کہ اس دارالامتحان میں اللہ نے بھیجا ہے۔ اس قید خانہ میں بھیجا ہے کہ ہر طرف اس کیلئے پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں۔ اور اس کی حفاظت کے واسطے بھی حق تعالیٰ نے انتظام فرمادیا۔ اتنے دشمن خارج میں لگے ہوئے ہیں آدمی کے ساتھ، سانپ آدمی کا دشمن، بچھو آدمی کا دشمن، بھیڑیا آدمی کا دشمن ہے، شیر آدمی کا دشمن ہے۔ غرض کتاب الطب کو اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے دشمنوں سے بھری ہوئی ہے۔ جغرافیہ کو اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے دشمنوں سے بھرا ہوا ہے۔ خود انسان کے بدن کا یہ حال ہے کہ ذرا سا ڈاڑھ میں دانت میں درد ہوجائے تو بے چین ہوجاتا ہے۔ قلب کی تکلیف ہوجائے تو بے چین

ہو جاتا ہے، درد گردہ ہو جائے تو بے چین ہو جاتا ہے، پیشاب رک جائے تو تکلیف، غرض یہ کہ یہ دارالامتحان ایسا ہے کہ اندر باہر ہر طرف امتحان ہی امتحان ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حفاظت

لیکن حق تعالیٰ نے انسان کو اس طرح بے کس نہیں چھوڑ دیا کس مپرسی کی حالت میں نہیں چھوڑ دیا۔ اپنی نصرت کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے یہ ذرا سا صحیح طریقے پر چلنے کا عہد کرلے۔ کیا وہ کسی کا شعر: ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

تو انسان اگر تیار ہو جائے حضرت نبی اکرم ﷺ کا وفادار بن کر زندگی گذارنے کے لئے فیصلہ کرلے حق تعالیٰ کی طرف سے جگہ جگہ سے نصرت بھی ہوتی ہے۔ اب آدمی رات میں سوتا ہے کون اس کی حفاظت کرتا ہے، سارے دشمنوں سے وہی حفاظت کرنے والا ہے۔ قسم قسم کی چیزیں کھاتا ہے۔ ہر چیز کی تاثیر کو اس کے حق میں موافق بنا دیتا ہے۔ یہ کون کرتا ہے؟ وہی تو کرتا ہے۔ انسان کے بدن میں ایسی مشینیں لگا دی ہیں کہ غذائیں مختلف قسم کی کھاتا ہے اور اس کی قوت نکل نکل کر اس کے لئے قوت جسم کا باعث بنتا ہے۔ یہ سب کچھ کون کرتا ہے؟ حق تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔ یہاں پر بیٹھے ہوئے ہیں چھت ٹھہری ہوئی ہے ابھی نہیں گر رہی ہے۔ حق تعالیٰ نے ٹھہرا رکھی ہے اور جس وقت حکم ہوگا حق تعالیٰ کی طرف سے گرنے کا فوراً گر جائے گی۔ سارے انتظامات رکھے رہ جائیں گے۔ آرام سے زمین پر بیٹھے ہیں، چلتے پھرتے ہیں، اپنا کاروبار کرتے ہیں، زمین دھنس نہیں جاتی۔ یہ کس نے زمین کو ٹھہرا رکھا ہے؟ حق تعالیٰ نے ٹھہرا رکھا ہے۔ زلزلہ آ کر تباہ و برباد نہیں ہو جاتے۔ یہ حفاظت کے انتظام حق تعالیٰ نے کر رکھے ہیں۔ جہاں اتنے دشمنوں میں رکھا ہے اپنے بندہ کو اور یہ بندہ ایسا جو اللہ کا خلیفہ

ہے اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنا کر انسان کو بھیجا ہے۔ اللہ کا خلیفہ اور اللہ کی اتنی بڑی مخلوق کے درمیان گھرا ہوا، اتنے دشمنوں کے درمیان گھرا ہوا حق تعالیٰ ویسے ہی چھوڑ دینگے اس کو! حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کوئی ہے جو اپنے بچے کو جلتی آگ میں ڈال دے" (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' ایسی کونسی عورت ہوگی جو اپنے بچے کو جلتی آگ میں ڈال دے ہرگز نہیں۔ فرمایا جتنی محبت عورت کو اپنے بچے سے ہے حق تعالیٰ کو اس سے زیادہ محبت اپنی مخلوق سے ہے۔ حق تعالیٰ اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ہاں تھوڑے دنوں کا یہ امتحان ہے جو فیصلہ کرے حلف وفاداری کرے اس کے مطابق زندگی گذارے اور تھوڑی بہت بھول چوک ہوتی ہے معاف بھی کرتے رہتے ہیں۔ وہاں بھی معافی کا بہت بڑا دروازہ ہوگا لیکن اپنی طرف سے یہ طے ہونا چاہئے کہ مجھے اس راہ پر زندگی گذارنی ہے اس میں تردد نہ ہو۔

تقویٰ کا حکم

تو ایمان کی حفاظت کے واسطے تقویٰ ہے فرمایا:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ"

اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو یہ ایمان سلامت رہے گا ایمان میں ترقی ہوگی جس قدر زیادہ سے زیادہ آدمی تقویٰ اختیار کرتا ہے قانون خداوندی پر عمل کرتا ہے حق تعالیٰ کے معاصی سے اپنی حفاظت کرتا ہے اسی قدر ایمان قوی اور مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔

ایک چرواہے کے تقویٰ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ایک جنگل میں دوپہر کا وقت سخت ترین گرمی، وہاں بیٹھے تھے۔ ارادہ کیا وہاں کھانا کھانے کا۔ دیکھا کہ ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے۔ اس کو

فرمایا آؤ بھائی! تم بھی میرے ساتھ کھالو۔اس نے کہا صاحب! میرا تو روزہ ہے۔فرمایا تیرا روزہ کیسا؟ رمضان نہیں اور کوئی دن ایسا نہیں کہ اس دن کے روزہ کی خاص طور سے فضیلت آئی ہو۔مثلاً محرم کی دس تاریخ ہے یا ذی الحجہ کی نو تاریخ ہے یا شعبان کی پندرہ تاریخ ہے۔ایسی کوئی تاریخ نہیں۔کیا بات ہے۔کیوں روزہ رکھا ہے؟ اس سخت گرمی میں۔اس نے کہا میں تو اپنے ایّام خالیہ کو کام میں لا رہا ہوں۔ایام خالیہ کیا ہے؟ وہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

"كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔاۢ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ۔"

[(کہا جائے گا کہ) اپنے ان اعمال کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو، جو تم نے گذرے ہوئے دنوں میں کئے تھے۔] (آسان ترجمہ)

کہ اللہ کے فرماں بردار بندوں سے جنھوں نے اللہ کی خاطر بھوک اور پیاس کی مشقت کو برداشت کیا اور جدوجہد کی اللہ کو راضی کرنے کے لئے ان سے کہا جائے گا کھاؤ پیو ان اعمال کی وجہ سے جو ایام خالیہ میں تم نے کئے تھے۔ایام ماضیہ میں کئے تھے۔تو اس نے تشریح کی اس کی کہ آج میرے ذمہ کوئی سخت کام مشقت کا نہیں تھا میرے آقا مولیٰ کی طرف سے، میں نے سوچا خالی دن کو کیوں بیکار ضائع کروں لہٰذا روزہ رکھ لیا میں نے۔ان کو اس کا یہ تصور بہت پسند آیا اور وہ قدر دان تھے ہر نیکی کے قدر دان تھے۔اس سے یوں فرمایا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے، اچھا ایک بکری ہمیں دیدو ہم اس کو ذبح کریں گے۔تمھیں بھی گوشت دیں گے۔اس نے کہا صاحب یہ بکریاں میری ملک نہیں میں تو چرواہا ہوں، محافظ ہوں، محافظ کو تو حق نہیں ہے بکریاں دینے کا، مالک کی بکریاں ہیں۔تو انھوں نے اس کے دل کا اندازہ کرنے کے لئے فرمایا ہر روز بکریاں گنی تھوڑی ہی جاتی ہیں۔کیا مالک روزانہ بکریوں کو گنتا ہے۔شناخت کر کر کے۔ایک بکری کو تو بھیڑیا بھی لے جاتا ہے۔ایک بکری تو کھوئی بھی جاتی ہے اور جب بکریوں کی تعداد زیادہ ہو اس میں ایک بکری کا اس طرح سے چھپ جانا یا ضائع ہو جانا کچھ بعید نہیں۔اس نے بڑی حیرت سے سنا ان کی بات کو اور کہا،

"فَاَیْنَ اللّٰہُ" اور اللہ کہاں یعنی اگر میں اپنے مالک کو دھوکہ دیدوں کہ ایک بکری کھوئی گئی۔ ایک بکری کو بھیڑیا لے گیا، اللہ تو دیکھ رہا ہے وہ تو کہیں نہیں چلا گیا۔ مولیٰ تو یہاں موجود نہیں اللہ تو موجود ہے۔ جو بکریوں کا مالک ہے وہ تو نہیں دیکھ رہا ہے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ اس کا استحضار تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آیا اس کے مالک کی تحقیق کر کے اس سے ساری بکریاں خرید لیں اور اس غلام کو بھی خرید لیا۔ خریدنے کے بعد اس کو اطلاع دی کہ میں نے تمھارے مالک سے تمھاری ساری بکریاں خرید لیں (اس نے کہا) اللہ برکت دے۔ فرمایا میں نے تم کو بھی خرید لیا۔ اس نے کہا اللہ اس میں بھی برکت دے۔ پھر فرمایا کہ میں نے تم کو آزاد کر دیا اور یہ بکریاں سب تم کو دیدیں۔ پہلے چرواہا تھا اتنی رعایت تھی کہ ایک بکری بھی نہیں دے سکتا تھا اب وہ مالک ہو گیا مالک ہو کر زندگی گذار رہا ہے۔ اس واسطے ضرورت ہے اسی استحضار کی۔ اللہ کہاں ہے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

دربار فاروقی میں جذامی عورت کا واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بڑھیا تھی۔ اس کو جذام کا مرض تھا۔ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے لئے آتی تو اس سے لوگوں کو اذیت ہوتی پریشانی ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو منع فرما دیا تھا کہ تو طواف کرنے کے لئے بیت اللہ مت آیا کر۔ اپنے گھر بیٹھ۔ بیٹھ گئی۔ تعمیل ارشاد کر لی۔ جس وقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا، بڑھیا کو کسی نے اطلاع کی جس نے تم کو منع کیا تھا ان کا انتقال ہو گیا۔ اب کوئی حرج نہیں مسجد میں آجایا کر۔ بڑھیا نے جواب دیا۔ عمر ایسا شخص نہیں تھا کہ اس کی زندگی میں اس کی بات مانی جائے، انتقال کے بعد نہ مانی جائے۔ اس واسطے وہ نہیں مانی۔ نہیں آئی۔ بیٹھ گئی۔ یہ فیصلہ کی شان ہوا کرتی ہے۔ بیت اللہ کی فضیلت حاصل کرنے کا اسے بہت شوق تھا لیکن نہیں آئی کیونکہ امیر المومنین نے منع کر دیا تھا۔ فیصلہ کی یہ شان ہوتی ہے۔ جب مومن نے

فیصلہ کر لیا کہ مجھے حضرت نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے دین کے ماتحت زندگی گذارنی ہے تو اس فیصلہ پر پختگی کے ساتھ قائم رہنے کی ضرورت ہے۔ اور قائم رہنے کی کیا صورت ہے؟ "اِتَّقُوا اللّٰہَ" اللہ سے ڈرتے رہو۔

تقویٰ کسے کہتے ہیں؟

ایک بزرگ سے پوچھا کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں؟ وہ جنگل، کھیت اور باغات کے حالات سے واقف تھے۔ انھوں نے بتلایا کہ جس طرح سے جھاڑیاں کھڑی ہوں، خاردار درخت کھڑے ہوں، اتنے اتنے یہاں سے وہاں تک اور آدمی ان کے درمیان میں کو چلتا ہے کپڑوں کو بچا کر چلتا ہے، جسم کو بچا کر چلتا ہے کہ کسی جھاڑی میں اٹک نہ جائے، کہیں گر نہ جائے جیسا کہ وہ آدمی چوکنا ہوشیار رہتا ہے کہ پیر رکھتا ہے ادھر رکھتا ہے کپڑے کو ادھر سے بچاتا ہے۔ ادھر سے بچاتا ہے۔ یہ تقوے کی ایک حسی صورت ہے اس دنیا میں۔ اسی طریقہ پر حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے تقویٰ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ رمضان میں روزہ ہر شخص جانتا ہے، وضو کرتے ہوئے غرارہ نہیں کرتا، منھ میں پانی لے کر غرغر نہیں کرتا، کوئی شخص کہے کہ ذرا سالن کا نمک چکھ لو تو نمک نہیں چکھتا، ڈرتا ہے کہ کہیں روزہ نہ ٹوٹ جائے۔ احکام کی یوں رعایت کی جائے کوئی حکم اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ۔

اے ایمان والو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ اختیار کروگے تو ایمان کا درخت مضبوط ہوگا قوی ہوگا اس کے اوپر برگ و بار آئینگے اس کی شاخیں بہت دور تک پھیلیں گی تمام اعمال صالحہ کی توفیق ہوگی، شعب ایمانیہ سب زندہ ہونگے۔

تقویٰ کیسے حاصل ہوتا ہے؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: "لِکُلِّ شَیْءٍ مَعْدِنٌ وَمَعْدِنُ التَّقْوٰی

قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ" (مجمع الزوائد: ح ۱۷۹۴۴)

ہر شے کے لئے ایک معدن ہے اور تقویٰ کا معدن کیا ہے۔ عارفین کے قلوب، عارفین کے قلوب میں تقویٰ ہے وہاں سے ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خزانہ عطا فرمایا ہے تقوے کا، جو شخص ان کے پاس بیٹھتا ہے، ان کی بات سنتا ہے اس پر عمل کرتا ہے ان کا اتباع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو تقویٰ عطا فرماتے ہیں۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھتے تھے ان کی جو کیفیت اس وقت ہوتی تھی اس کو وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دوزخ اور جنت ہماری نظروں کے سامنے ہے۔ یہ کیا بات تھی بات یہی تھی جیسے کے پاس آدمی بیٹھتا ہے ویسے اثرات ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین کتنا قوی تھا کہ کسی وقت یہ چیزیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب نہیں ہوتی تھیں۔ پاس بیٹھنے والوں پر بھی اس کا اثر پڑتا تھا۔ سیدھی سیدھی بات ہے۔ ایک عورت کا بچہ مر گیا۔ اس کا دل سینہ، غم سے بھرا ہو، اگر وہ پاس آئے، پاس بیٹھے تو پاس بیٹھنے والوں کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوگی کہ میرے سینہ میں غم ہے بلکہ پاس بیٹھنے والا بھی غمگین ہوتا ہے، متاثر ہوتا ہے۔ اس سے بغیر اس کے بتائے، طبیعت کے اندر انسان کے مادہ رکھا ہوا ہے کہ دوسرے کی طبیعت سے مضمون لیتی ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ہم لوگ عادی ہو گئے۔ زبان سے لینے، الفاظ سے لینے کے، جو بات الفاظ سے کہی جائے اس سے مضمون کو لیتے ہیں الفاظ تو بہت ضعیف واسطہ ہیں اس میں غلطی کا احتمال قوی ہے۔ اصل مضمون تو طبیعت سے لینا چاہئے۔ ایک کی طبیعت کے اندر جو مضمون ہو اس کی طبیعت سے مضمون لینا چاہئے۔

....

مکتوب مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بنام حضرت مولانا خلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اسی واسطے میں نے خط لکھا سہارن پور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ العزیز کی خدمت میں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں رہوں کچھ روز آکر دلی سے، تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ تم کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں تم کو مجھ سے کچھ حاصل کرنے کیلئے یہاں، وہاں دور، نزدیک، سب برابر ہیں۔ جب طبیعت میں رنگ اتنا غالب ہو جائے جسے کہتے ہیں اپنے رنگ میں رنگ لینا، فلاں فلاں کے رنگ میں رنگا گیا۔ یہی رنگ میں رنگا جانا اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ اگر عارفین کے قلوب کے ساتھ یہ تعلق قوی ہو جائے کہ آدمی ان کے رنگ میں رنگا جائے تو یقیناً اس کے قلب میں تقویٰ آئے گا اور اگر تقویٰ اختیار نہ کیا معاصی کا صدور ہو گا جس طرح اعمال صالحہ کے ذریعہ سے ایمان میں قوت پیدا ہوتی ہے جیسے پودے میں پانی دیا جاتا ہے اس کی ترقی ہوتی ہے، اعمال صالحہ کے ذریعہ سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے، اسی طرح اعمال سیۂ اور فواحش کی وجہ سے ایمان میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، ضعف پیدا ہوتا ہے اور ضعف پیدا ہوتے ہوتے یہاں تک کہ برائے نام رہ جاتا ہے اس کے اندر ایمان، اور ایمان کی کوئی علامت رہتی نہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو، اپنے ایمان کو مضبوط رکھو۔ اور مضبوط رکھنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

قافلہ کے ساتھ سفر کا فائدہ

ایک قافلہ چلا جا رہا ہے۔ آدمی اس قافلہ کے ساتھ ہو جائے قافلہ کو جانتا ہے کہ

یہ لوگ راستہ سے واقف ہیں ان کا امیر راستہ سے واقف ہے۔ نشیب وفراز کو بھی جانتے ہیں اور جو خطرات ہیں ان کو بھی جانتے ہیں۔ راستہ میں جہاں کہیں ضرورتوں کی سہولتیں ہیں ان کو بھی جانتے ہیں، ایسے قافلہ کے ساتھ آدمی ہو جائے تو منزل مقصود تک اس کے لئے پہنچنا آسان ہے۔ ایک آدمی تنہا یہاں سے چلے حج کرنے کو جائے اس کو کتنی دشواری پیش آئے گی اور ایک یہ کہ قافلہ کا قافلہ اور اس قافلہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو کئی مرتبہ حج کر چکے ہیں، جانتے ہیں ساری چیزیں ان کے ساتھ جائے کس قدر سہولت ہوگی۔ ایک شخص غیر مسلم ہے آج کلمہ پڑھتا ہے اس کو آپ تنہائی میں بیٹھ کر وضو کرنا سکھائیں، نماز پڑھنا سکھائیں، مسائل سکھائیں، کتنی دشواری پیش آئے گی اور اگر مسجد میں لے آئیں سب کو وضو کرتے دیکھا، سب کو نماز پڑھتے دیکھا، بہت جلدی سیکھ جائے گا۔ اس لئے فرماتے ہیں ”كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ۔“ صادقین کے ساتھی بن جاؤ۔ صادقین کون لوگ ہیں؟ وہ لوگ جن کے قلب میں بھی اللہ نے صدق عطا فرمایا ہے۔ عقائد حقہ ان کو نصیب، جن پر ایمان کا مدار، جن پر نجات کا مدار، جو اللہ نے آسمان سے نازل فرمائے جن کو حضرت نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائے، ایسے عقائد حقہ اللہ کو اس کی ذات وصفات کے لحاظ سے ایسا ہی مانتے ہیں جیسا کہ اس کا حق ہے۔ كَمَا هُوَ اَهْلُهٗ۔ اور ان کے اعمال میں بھی صدق ہے، ان کے اخلاق میں بھی صدق ہے، ان کی زندگی میں بھی صدق ہے، ان کی زبانوں پر بھی صدق ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ تو عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ، اقوال صحیحہ، ان چیزوں کو اختیار کرو۔ جن لوگوں کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں ان کے ساتھ ہو جاؤ انشاء اللہ تقویٰ بھی آ جائے گا، انشاء اللہ ایمان بھی قوی ہوگا۔ ایمان کو اختیار کرو اور ایمان کو اختیار کرنے پر تقوی کی کوشش کرو۔ تقویٰ کے حاصل کرنے کی صورت یہ کہ صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ صادقین کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تقویٰ اعلیٰ درجہ کا عطا فرمائے گا جس سے ایمان کو قوت ہوگی۔

…………………………………………

تبلیغی جماعت کا فائدہ

ایک شخص مثلاً تبلیغی جماعت میں جاتا ہے۔اس شخص کو عادت یہ کہ بات بات میں گالی دیا کرتا ہے،نماز بھی نہیں پڑھتا،شراب بھی پیتا ہے۔لوگوں سے لڑتا بھی ہے اسے اَلْحَمْدُ نہیں آتی اسے ''التحیات'' نہیں آتی،سورتیں نہیں جانتا،تبلیغی جماعت میں گیا اور تبلیغی جماعت میں چالیس روز تک وہ رہا تو دیکھو کتنا بڑا تغیر ہوا اس میں چالیس روز تک وہ شراب سے بچا رہا۔ وہ لعنت کا کام جس پر آسمان سے لعنت نازل ہوئی اور جس پر شریعت نے کوڑے کی سزا مقرر کی اس لعنت کے کام سے گھر بیٹھے نہیں بچ سکتا تھا جب صادقین کے ساتھ میں گیا تو چالیس روز تک لعنت کے کاموں سے بچا رہا،گالی دینے سے بچا رہا،جھوٹ بولنے سے بچا رہا۔حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے میلوں دور چلا جاتا ہے۔تو رحمت کے فرشتے دور ہو جائیں ایسی چیز میں رات دن مبتلا تھا۔جب چالیس روز تک سفر میں رہا۔تبلیغی جماعت کے ساتھ رہا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو محفوظ رکھا۔چالیس روز تک گالی نہیں دی۔چالیس روز تک اس نے وضوء کیا،نمازیں پڑھیں،کسی نماز کو قضا نہیں کیا۔اگرچہ ساتھ والوں کو اس کی وجہ سے کچھ پریشانی بھی لاحق ہوئی لیکن بھائی ساتھ والے تو لے ہی جاتے ہیں اس لئے کہ اس کی ساری ناز برداری کرینگے،ساری پریشانی برداشت کریں گے اس کی۔یہ برکت کاہے کی ہے؟ یہ چالیس روز تک صادقین کے ساتھ رہنے کی برکت ہے۔

اجتماعی اعتکاف کا فائدہ

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت بڑی جماعت کو یہاں پر بھیج دیا۔ہم نہیں جانتے اس جماعت میں کون اللہ کے نزدیک کس مرتبہ کا ہے۔ہمارے اندر آنکھیں نہیں ہیں دیکھنے کو کہ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کے مقرب بندوں کو پہچان سکیں۔کس کا درجہ اللہ

کے یہاں کیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا۔ اور ہمارا گمان ہے کہ انشاء اللہ یہ ''صالحین'' کی جماعت ہے ایک مہینہ ''صالحین، صادقین'' کے ساتھ رہ کر ان شاء اللہ تعالیٰ قلوب کی بھی اصلاح ہوگی، اخلاق کی بھی اصلاح ہوگی، اعمال کی بھی اصلاح ہوگی۔ جو خراب عادتیں ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بھی حفاظت فرمائیں گے۔ اس واسطے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا ایک نمونہ یہ ہے۔ پہلے بزرگوں کے یہاں ہوتا تھا کہ چلّے کرایا کرتے تھے اور بڑے بڑے مجاہدے کرایا کرتے تھے۔ کسی عمل کے متعلق چالیس روز تک تاکید تھی کہ ایسا کرو۔ مثلاً ایک شخص کے مزاج میں تکبر بہت ہے، اپنی بڑائی ہر وقت کرتا ہے حالانکہ تکبر کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا اس کو دوزخ کی آگ میں جلا جلا کر تکبر نکالا جائے گا تب وہ جنت میں جانے کے قابل ہوگا، اس سے پہلے وہ جنت میں جانے کے قابل نہیں۔

کبر کی مذمت

حدیث شریف میں موجود ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ'' بڑائی میری چادر ہے۔

جو شخص بڑائی کا دعویٰ کرتا ہے میری چادر چھین رہا ہے، اللہ کی چادر کوئی چھیننا چاہے تو اس کا کوئی ٹھکانا ہے، اس واسطے کسی شخص سے تکبر کے سلسلہ میں کسی بزرگ نے تجویز فرمائی کہ خانقاہ کے لوگوں کے جوتے سیدھے کرو۔ اب وہ بڑائی ساری کی ساری رکھی رہ گئی۔ لوگوں کے جوتے سیدھے کر رہے ہیں کسی سے فرمایا: کھڑے ہو کر ہر نماز کے بعد اعلان کیا کرو کہ ''حضرات'' میرے اندر تکبر کی بیماری ہے، دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے نجات عطا فرمائے۔

علاج کے لئے معالج پر اعتماد ضروری ہے

غرض یہ چیزیں تجویز کرنے والوں کے اختیار کی ہیں، وہ جس کے لئے جو علاج

مناسب سمجھیں تجویز فرمایا کرتے ہیں، ہم کو اپنی رائے سے تو کوئی دخل دینا نہیں ہے، ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو سپرد کر دیا ہے کہ جو کچھ ہمارے لئے تجویز ہوگا ہم اس کو اختیار کریں گے، جیسے آدمی ہسپتال میں داخل ہو جاتا ہے، تو پرہیز ”علاج، دوا“ جو کچھ ہے ڈاکٹر کی رائے سے ڈاکٹر کے مشورہ کے بغیر ڈاکٹر کی رائے کے بغیر کوئی چیز کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے، نہ چل پھر سکتا ہے، نہ کہیں جا سکتا ہے، اس لئے جس طرح سے ڈاکٹر کی نگرانی پورے طور پر ضروری ہے اور آدمی یوں سمجھتا ہے کہ میری صحت اسی میں ہے۔ آدمی بڑے بڑے آپریشن کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے ڈاکٹر کو، کیونکہ ڈاکٹر پر اعتماد کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میرا خیر خواہ ہے، میری بیماری کو دور کرنے کے لئے کوشش کر رہا ہے، اگرچہ مجھے تکلیف ہوگی، مگر میری خیر خواہی کے لئے پس اگر عادت کے خلاف کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو برداشت کرنے میں تکلیف اور پریشانی لاحق ہو تو خندہ پیشانی سے اس کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے مصلح نے ہمارے واسطے تجویز کیا۔

قرب نوافل

حق تعالیٰ نے ہمارے اوپر بہت کرم فرمایا کہ ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ایسے شفیق معالج کو ہمارے واسطے تجویز فرمایا ان کی ہر تجویز کو خوب خوشی کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے، اور سمجھنا چاہئے کہ ہمارا نفع اسی میں ہے، ایک بزرگ تھے ان کے یہاں خانقاہ تھی، ایک صاحب اس خانقاہ میں ”قرب نوافل“ کے مقام پر تھے، ”قرب نوافل“ کے مقام میں اللہ تعالیٰ بندے کو ایک چیز عطا فرماتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں جو کچھ وہ بولتا ہے میرے ذریعہ سے بولتا ہے، یعنی آدمی نوافل پڑھتے پڑھتے نفلی اعمال کرتے کرتے اللہ کا اس قدر مقرب بن جاتا ہے کہ اس کی زبان پر وہی چیز جاری ہوتی ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہو، جو حق تعالیٰ کو ناپسند ہو اس کی زبان بولتی ہی نہیں، فرماتے ہیں: میں بندے کا پیر بن جاتا ہوں،

میرے ذریعہ سے چلتا ہے، یعنی بندہ اس راستہ پر چلتا ہے جس راستہ پر چلنا حق تعالیٰ کو پسندیدہ ہو اور جس راستہ پر چلنا حق تعالیٰ کو پسندیدہ نہیں بندہ اس راستہ پر نہیں چلتا، اور پھر اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ بسا اوقات آدمی جو کچھ کہتا ہے وہی ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ وہ صاحب لیٹے ہوئے سو رہے تھے کوئی شخص آیا اور جا رہا تھا سامنے، اس کو ٹھوکر لگ گئی ان کے، چونکہ سوتا ہوا آدمی غافل ہوتا ہے، اس کی ٹھوکر سے نیند کھلی اور فوراً غصہ میں آ کر وہ کہتا ہے تو اندھا ہے، بس یہ کہنا تھا کہ وہ نابینا ہو گیا، نابینا ہو گیا بڑی پریشانی، ان کے شیخ کو اطلاع کی گئی کہ صاحب یہ ہوا۔ شیخ نے فرمایا: اچھا ان سے مطالبہ کیا کہ ایسا تم نے کیوں کہا؟ جواب دیا کہ صاحب غصہ آ گیا تھا۔ کہا: اچھا تو علاج؟ جو حضرت تجویز فرمادیں۔ بہت اچھا۔ ان کو وضوء، نماز، استنجاء، قضاء حاجت سب تمہارے ذمہ ہے۔ قضائے حاجت کے واسطے ان کو لیکر جایا کرو، وضوء کے واسطے لیکر جایا کرو، نماز کے واسطے لے کر جایا کرو۔ اور ان کو بھی بتادیا کچھ۔

چنانچہ ان صاحب نے تو جو ''قرب نوافل'' کے مقام میں تھے نماز تہجد کی نیت باندھی، اور وہ جناب لیٹے لیٹے نابینا صاحب کہہ رہے ہیں، مجھے استنجے کے لئے جانا ہے۔ اب جلدی جلدی اپنی نماز پوری کرتے ہیں اور اس کو لے کر جاتے ہیں۔ ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں تو وہ کہتا ہے مجھے وضو کرائیے۔ غرض جو ان کے معمولات تھے جن سے ان کو قلبی انس ہو چکا تھا جن کا چھوٹنا ان کے لئے بہت زیادہ گرانی کا باعث تھا، ان کا پورا کرنا دشوار ہو گیا۔ جب دیکھ لیا کہ پوری اصلاح ہو گئی تو فرمایا ان بزرگ نے کہ اچھا معلوم کر کے جہاں وہ لیٹے ہوئے ہیں زور سے ٹھوکر مار کر گر پڑنا، چنانچہ اس نے جا کر ٹھوکر ماری اور گر پڑا، اب یہ اٹھے سونے سے، ارے بھائی آنکھ کھول کے چل، آنکھ کھول کے چل، بجائے یہ کہنے کہ کہ ''اندھا ہو گیا ہے'' یہ کہا کہ آنکھیں کھول کے چل، آنکھیں کھول کے چل۔ اللہ نے آنکھیں کھول دیں اس کی۔

....

اجتماعی اعتکاف کا فائدہ

اس واسطے یہاں اجتماعی حیثیت میں بہت بڑا فائدہ ''اصلاحِ اخلاق'' کا ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی شخص کا تذکرہ آیا، پوچھا کیسا آدمی ہے وہ؟ تو ایک آدمی نے کہا: صاحب بڑا اچھا ہے۔ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ آپ نے پوچھا: تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے؟ نہیں۔ اسکے پڑوس میں رہتے ہو؟ نہیں۔ لین دین کا معاملہ کیا ہے؟ نہیں۔ کہا تم نہیں جانتے۔ ''لعلك رأيته يركع ويسجد'' [شاید تم نے اسے رکوع سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔] شاید تم نے اسے نفلیں پڑھتے دیکھا ہو، اس وجہ سے کہدیا کہ بہت اچھا آدمی ہے۔ تو آدمی کی شناخت کے تین موقعے ہیں۔ یا تو سفر ساتھ کیا ہو۔ جہاں ساری چیزیں طبیعت کے خلاف ہوتی ہیں، وہاں برداشت کرے آدمی۔ یا پھر پڑوس میں رہتا ہو کہ رات دن کے حالات سامنے ہوں، پڑوسیوں کو معلوم ہوتا ہی ہے کیا حال ہے۔ یا پھر لین دین کا معاملہ کیا ہو جس سے دیانت اور ایمانداری کا پتہ چلتا ہے۔ اس واسطے یہ جو اجتماع ہے اس اجتماع میں ایک جگہ پر رہنا اس میں اخلاق کی بڑی اصلاح کا موقع ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

آیت پاک کا حاصل

بس آیت کا حاصل اتنا ہی ہے کہ اے وہ لوگو جو فیصلہ کر چکے ہو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے ماتحت ہم اپنی زندگی گذاریں گے، اس کی کیا صورت ہے؟ اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تقویٰ کیسے آئے گا؟ صادقین کے ساتھ میں ہو جاؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں یہ سب چیزیں عطا فرمائیں ہیں۔ اس کا کرم ہے فضل ہے، اس کی قدر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ قدر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

❑❑❑

حق تعالیٰ کی محبت

اور اسکی علامت

اس بیان میں

☆......حق تعالیٰ شانہ کی محبت کی ضرورت اور اس کے حصول کا طریقہ۔

☆......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور کمال اطاعت اور اتباع سنت۔

☆......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمال اطاعت و اتباع سنت کے واقعات۔

حق تعالیٰ کی محبت اور اسکی علامت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْراً مَنْ یُطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَاِنَّہٗ لَا یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَلَا یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئاً۔ اَمَّا بَعْدُ!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ۔

[(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کریگا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کر دیتا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ کہدو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔] (آسان ترجمہ)

اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے ارشاد فرمایا اپنے پاک نبی اکرم ﷺ سے کہ آپ کہہ دیجئے، اعلان فرما دیجئے، سب لوگوں کو سمجھا دیجئے۔ اگر تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے، تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا مخلوق کو اپنے خالق سے محبت ہوتی ہی ہے، جو خالق حقیقی جل شانہٗ ہے وہ تو بہت بالاتر ہے۔

والدہ سے محبت

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کو اپنی ماں سے محبت ہوتی ہے۔ یہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے۔ بسا اوقات ماں بچہ کو مارتی بھی ہے لیکن پھر بچہ جا کر ماں ہی کو لپٹتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ماویٰ وملجا میرا جو کچھ ہے وہ ماں ہی ہے۔ انسان تو انسان جانوروں میں بھی یہ بات ہے۔ ہر بچہ اپنی ماں کے پاس جاتا ہے۔ یہ اس کی ابتدائی فطرت ہے۔ طبیعت ہے۔ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جاتا ہے، دوسرا ماحول اس کے سامنے آتا جاتا ہے اور دوسروں کے اثرات اس پر پڑتے ہیں اور جو کچھ احتیاج اپنی ماں کی طرف سمجھتا تھا وہ احتیاج کم ہوتی جاتی ہے۔ پہلے تو یہ تھا کہ ماں دودھ پلاتی تھی اب تو خود بھی کھانے کے قابل ہو گیا۔ ماں کی کچھ حاجت نہیں رہی، اس قسم کی چیزیں آتی جاتی رہتی ہیں اور حقیقی علم کی کمی کی وجہ سے ماں کی محبت کم ہوتی جاتی ہے لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت عطا فرمائی ہے۔ یقین سے نوازا ہے، اپنے حقیقی عمل سے نوازا ہے۔ اس کی طبیعت سے ماں کی محبت کم نہیں ہوتی باوجودیکہ ماں اب اس کو دودھ نہیں پلاتی ماں اس کو اب کپڑے نہیں پہناتی، ماں اس کو نہلاتی نہیں، ماں اس کو کھانا پکا کر نہیں دیتی، وہ خود اپنا انتظام کرتا ہے۔ لیکن اللہ نے اپنا ایک حقیقی علم اس کو عطا فرمایا ہے۔ اس علم کی وجہ سے ماں کے حق کو پہچانتا ہے۔ جوں جوں علم زیادہ ہوتا جاتا ہے، عمر زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ ماں کی قدر ومنزلت بڑھتی جاتی ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔اس لئے ماں کا احترام کرو۔باپ کی رضامندی میں حق تعالیٰ کی رضامندی ہے۔باپ کی ناراضگی میں حق تعالیٰ کی ناراضگی ہے۔یہ چیزیں شواہد اس کو ملتی جاتی ہیں۔وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس جس کے جو جو حقوق متعین کئے ان کو ادا کئے جائیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔اس تصور کے تحت حق تعالیٰ کو راضی کرنا کہ یہ حق تعالیٰ ہی کو راضی کرنے کے لئے ہے۔ماں باپ سے فطری محبت طبعی تعلق ہوتا ہے اور آگے بڑے ہو کر خراب ماحول میں پڑ کر علم حقیقی سے ناواقفیت کی بنا پر بسا اوقات وہ تعلق کم ہو جاتا ہے۔حتیٰ کہ آدمی ماں باپ کا دشمن ہو جاتا ہے۔بعض دفعہ اور دشمن ہو کر ماں باپ کو پریشان کرتا ہے۔ستاتا ہے، خاص کر جبکہ ماں باپ کے پاس دولت موجود ہوتی ہے، تو کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح ماں باپ سے یہ دولت حاصل کرلے۔بعض دفعہ زہر دینے تک بھی آمادہ ہو جاتا ہے لیکن جو شخص اپنے باپ کو قتل کر دیتا ہے اس واسطے تاکہ اس کی میراث اس کو مل جائے۔ شریعت نے اس محروم کر دیا۔اس کو میراث نہیں ملتی وہ محروم ہوگا۔باپ کے مرنے کے بعد اس کو میراث مل جاتی لیکن جس نے اپنے باپ کو قتل کر دیا۔قتل کرنے کی وجہ سے باپ کی میراث سے محروم ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سے محبت

تو ماں باپ سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔حالانکہ وہ اس کا خالق نہیں۔اصل خالق اللہ تعالیٰ ہیں۔جب ماں باپ سے اتنا تعلق ہوتا ہے تو حق تعالیٰ سے کتنا تعلق ہوگا۔حق تعالیٰ سے اس کا زیادہ تعلق ہوگا۔ہر مخلوق کو اپنے خالق سے تعلق اور محبت ہے اور یہ محبت فطری اور طبعی ہوتی ہے اور جتنا جتنا خالق کے احسانات کو دیکھتا جاتا ہے، مشاہدہ کرتا جاتا ہے، خالق کے انعامات کو اپنے اوپر دیکھتا جاتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے اسی قدر وہ محبت زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے شرط

اس محبت کا شکریہ ادا کرنے کے لئے، اس محبت کے اظہار کے واسطے طور طریقے مختلف ہیں۔ کسی نے کوئی طریقہ اختیار کیا کسی نے کوئی طریقہ اختیار کیا۔ اان میں حق اور ناحق کی شناخت کے واسطے یہ آیت نازل فرمائی۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، اللہ کے احسانات تمہارے اوپر ہیں، تم کو اس کا اعتراف ہے کہ تم اس کے انعامات میں گھرے ہوئے ہو تو اس کی محبت وشکریہ کے اظہار کا طریقہ کیا ہے۔ فَاتَّبِعُوْنِيْ میرا اتباع کرو یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کا اتباع ہے۔ یہ علامت ہے اس کی کہ ہاں تمہارا راستہ صحیح ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ کی محبت کے اظہار کے واسطے تم نے کوئی دوسری صورت اختیار کی جو حضرت نبی اکرم ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے تو وہ اللہ کو پسند نہیں۔

یہود کا طریقہ

مثلاً یہود نے کہنا شروع کیا تھا عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان کی اتنی بڑائی بیان کی، اتنی بڑائی بیان کی کہ ان کو ان کی حد سے اونچا کر دیا۔ ان کی پرستش کرنے لگے۔ حالانکہ پرستش صرف خدا تعالیٰ کا حق ہے اور کسی کا حق نہیں۔ تو کسی مخلوق کو خالق کے درجہ پر پہونچا دینا یہ اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ نہیں۔ یہ تو اللہ کے غصہ اور ناراضگی کا ذریعہ ہے۔ مگر انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کی اتنی بڑائی بیان کرتے ہیں۔ اس واسطے کہ یہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری سفارش کریں گے۔ تو حقیقت میں حق تعالیٰ کی محبت اور تعلق کا ثمرہ ہے جو ہم نے اختیار کیا۔

نصاریٰ کا طریقہ

اسی طرح سے نصاریٰ نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کیا بلکہ ان کو

اللہ کہنا شروع کیا۔ ان کی پرستش کرنے لگے، ان سے پوچھا گیا ایسا کیوں کرتے ہیں تو انھوں نے بھی یہی جواب دیا کہ حق تعالیٰ ہمارے خالق ہیں۔ مخلوق کو اپنے خالق سے محبت ہوتی ہے۔ اس خالق کی محبت کی خاطر ہم حضرت مسیح علیہ السلام کو اس نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ، ان کی پرستش کرتے ہیں تاکہ بارگاہ الٰہی میں ہماری سفارش کردیں۔

مشرکین عرب کا طریقہ

ادھر عرب کے مشرکین تھے جو اپنے ہاتھوں سے بت بناتے تھے، ان کی پوجا پاٹ کرتے تھے، ان سے پوچھا گیا تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو انھوں نے بھی یہی کہا تھا کہ درحقیقت ہمارا خالق اللہ ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ۔

ان سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہتے تھے اللہ نے پیدا کیا۔ تو خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے اور کہتے تھے:

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔

ہم ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ کی بارگاہ میں ہم کو قریب تر کردیں، اللہ کی بارگاہ میں سفارش کردیں۔ غرض ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ ہم کو حق تعالیٰ کی محبت ہے اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے جو طریقے اختیار کر رکھے تھے وہ طریقے غلط تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا یہ طریقے ان کے اپنی طرف سے تجویز کئے ہوئے ہیں ہمارے بتائے ہوئے نہیں۔

محبوب کی خوشنودی کی فکر

بھئی جس سے محبت ہوتی ہے محبوب سے پوچھو تو کس بات پر خوش ہیں کس بات پر خوش نہیں۔ محبوب کو آرام اور راحت پہونچانے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کرنا جو درحقیقت ناخوشی کا

باعث ہے۔ یہ تو غلط طریقہ ہے۔ پہلے معلوم کرو کہ محبوب کس بات سے خوش ہوتا ہے۔ جس بات سے محبوب خوش ہوتا ہے اس کو اختیار کرو۔ جس بات سے اللہ خوش نہ ہو وہ بات اختیار کرنا غلط ہے۔ وہ ان کی خوشی کا ذریعہ تھوڑے ہی ہے بلکہ تمہارے لئے غصہ کا ذریعہ ہے یہ۔ لہٰذا حق تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے جو طریقہ اللہ کو پسند ہو یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کا اتباع کرو۔ بظاہر اس دنیا میں رہتے ہوئے اگر کسی شخص نے اپنے محبوب کے خلاف کوئی طریقہ اختیار کیا جو اس محبوب کو ناپسند ہے تو وہ محبوب کا محب نہیں کہلائے گا، وہ تو مخالف کہلائے گا جو بات نہ مانیں اس کی مرضی کے خلاف کرے وہ محب کہاں ہے وہ تو مخالف ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی فرمانبرداری

حدیث پاک میں ایک واقعہ آیا ہے۔ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت نبی اکرم ﷺ نے یمن کا قاضی بنایا، حاکم بنایا، ان کو رخصت کیا اس طریقہ پر کہ ان کو اونٹ پر سوار کردیا خود پیدل چلے ساتھ ساتھ۔ ظاہر ہے کہ آقائے دوجہاں ﷺ تو پیدل چلیں اور ان کا ادنی خادم اونٹ پر سوار ہو کس قدر بوجھ ہوا ہوگا ان کی طبیعت میں۔ لیکن حضرت نبی اکرم ﷺ کا منشاء یہی تھا۔ آپ کی خوشی تھی۔ انھوں نے اپنی خوشی کو ماتحت کردیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کو اختیار کیا۔ لہٰذا یہ سوار ہی ہو گئے اور حضور اقدس ﷺ ان کو نصیحت کرتے ہوئے گئے۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کس چیز سے خوش ہوتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھنا ہے کہ ہمارے نزدیک کیا چیز بڑھیا ہے کیا چیز ہلکی ہے۔ ہمارے نزدیک تو بظاہر یہی چیز بڑھیا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ سوار ہوں اور خادم پیدل چلے ساتھ۔ لیکن جب سرورِ عالم نبی اکرم ﷺ کو یہی منظور ہے، ان کی خوشی یہی ہے کہ خود پیدل چلیں دوسرے کو سوار کریں تو اسی صورت کو اختیار کرنا چاہئے۔ جیسے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا۔

....

حضرت ابوبکر صدیق اور خالد بن والید رضی اللہ عنہما کی کمال اتباع

اسی کا نتیجہ تھا کہ جس وقت میں مسیلمۃ الکذاب سے جہاد ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سوار کرایا اور خود پیدل چلے۔ دور تک نصیحتیں کرتے ہوئے، ایسا کرنا، ایسا کرنا۔ ظاہر ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بہت چھوٹا سمجھتے تھے اپنے کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے۔

مقام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تو وہ مقام ہے جو کسی کو بھی نبیوں کے بعد حاصل نہیں۔ خیر البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابوبکر ن الصدیق۔

[حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب انسانوں سے بہتر بالتحقیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔]

جمعہ کے خطبہ میں سنتے ہوں گے۔ تمام امت کا ایمان اگر ترازو کے ایک جانب میں رکھا جائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دوسری جانب میں رکھا جائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان زیادہ ہوگا۔ یہ حدیث پاک کا مفہوم ہے۔ اس کے باوجود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سوار کرایا اور خود پیدل چلے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اسی میں تھا انھوں نے اسی کو پسند کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ لہذا خود بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی کوئی تکلف نہیں کیا۔ بہت اچھا جس طرح سے آپ فرماتے ہیں اس طرح سہی۔

چوں طمع خواہد زمن سلطانِ دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

جب سلطانِ دین ہم سے طلب فرمائے کہ ایسا کرو تو ہمیں ایسے ہی کرنا چاہیئے۔اس کے خلاف ہمارے پاس سو دلیلیں ہیں۔سو(۱۰۰) خواہش ہوں سب کو قربان کر دینا چاہیئے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشاد پر یہی ہے درحقیقت گُر کی بات۔

حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی کمال فرمانبرداری

اور پھر اسی طریقہ پر جس وقت جنگ قادسیہ ہوئی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا اور ان کو سوار کرایا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دور تک انکو ہدایتیں دیتے گئے،نصیحتیں کرتے گئے اس طرح سے کرنا۔اس طرح سے کرنا،اس طرح سے کرنا۔اسلئے کہ ان سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا تھا اور ان سے پہلے حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایسا کیا تھا۔حدیث پاک میں یہ بھی موجود ہے: "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ" (مسند احمد: ۱۲۶/ ۴) تم میری سنت کا اتباع کرو اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کا اتباع کرو۔تو حضرت نبی اکرم ﷺ کے طریقہ مبارک کو جس طرح سے حضرات خلفاء راشدین نے دیکھا اور سمجھا اور عمل کیا ہمارے لئے ایک مستقل حیثیت کی چیز ہے۔اتباع کرنے کا اس میں ہمیں حکم ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے درمیان بھی کتنا بڑا فرق تھ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے اور ان کے لئے خاص طور پر تمغہ بھی ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کا کہ جس راستے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چلتے ہیں شیطان اس راستہ

سے نہیں چلتا۔ اتنی بڑی شان تھی ان کی اور حضور اقدس ﷺ نے بھی دعا فرمائی کہ اَللّٰھُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ حَیْثُ دَارَ عُمَرُ۔ اے اللہ جس طرف کو عمر چلتے ہیں حق کو اسی طرف چلا۔ "اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ" (مشکوٰۃ شریف: ۶۰۳۰) [حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق بولتا ہے۔] حق ناطق ہے عمر کی زبان۔ کتنی آیتیں قرآن پاک میں ایسی ہیں اوّلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مشورہ دیا۔ ایک رائے پیش کی اسی کے موافق قرآن پاک کی آیت نازل ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی۔ حضور! کیا اچھا ہوتا کہ مقام ابراہیم پر آپ مصلیٰ بنا کر نماز پڑھتے۔ آیت نازل ہوئی۔ "وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھِیْمَ مُصَلًّی" [اور تم مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔] اسی طرح سے اور بھی متعدد آیتیں ہیں۔ غرض حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی یہ نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پیدل چل رہے ہیں میں سوار۔ ٹھیک ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کا منشاء ہی یہی ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی خوشنودی کی تلاش

لہٰذا اپنی پوری زندگی کو تلاش کر کے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کا اتباع کس بات میں ہے۔ حضور ﷺ کا کیا ارشاد ہے؟ کیا عمل ہے؟ جو کچھ حضور ﷺ کا ارشاد ہو عمل ہو وہی ہمارے لئے کارآمد ہے۔ وہی ہمارے لئے خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ تم کو اللہ کی محبت کا دعویٰ ہے تو میرا اتباع کرو۔ میرا اتباع نہیں تو دعویٰ صادق نہیں۔

ہر دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہے

کیونکہ اللہ سے محبت تو ہر ایک کو ہے مگر کیفیت ایسی ہے جیسے کہ آگ کی چنگاری ہے۔ اس کے اوپر راکھ پڑی ہوئی ہے جس کی وجہ سے آگ کا خاص اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ نہ وہ

کسی چیز کو جلانے کا کام کر رہی ہے نہ پکانے کا کام کر رہی ہے نہ اس سے کوئی فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اس واسطے کہ راکھ کے اندر دبی ہوئی ہے۔اگر ہوا چلے یا کوئی اللہ کا بندہ پہونچ کر اس راکھ کو ہٹا دے تو پھر آگ کی چنگاری اسی طریقہ سے روشن ہوگی۔اس سے سب کام لیا جاسکتا ہے۔یہی حال ہے کہ محبت کی چنگاری ہر ایک کے قلب میں ہے۔اپنے خالق کی طرف سے لیکن ماحول کے تعلقات اور ماحول کے اثرات کی راکھ اس کے اوپر پڑی ہوئی ہے۔اہل اللہ کی صحبت میں آدمی پہونچتا ہے وہاں کی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔پھر وہاں سے وہ راکھ ہٹتی ہے،توجہ سے ہٹتی ہے،محنت سے ہٹتی ہے پھر وہ چنگاری بڑھتی ہے۔بہت کچھ کارآمد ہے۔قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ۔ میرا اتباع کرو۔ ”يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ“ نتیجہ کیا ہوگا اس کا۔تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

محبت کرنے کا طریقہ

جس سے محبت کرانا مقصود ہو اس کا طریقہ یہ ہیکہ آدمی خود اس سے محبت کرنے لگے۔ آدمی یہ چاہتا ہے کہ میرے شیخ مجھ سے محبت کریں،اس کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ سے محبت کرے اور محبت کرنے کی علامت یہ ہے کہ جو کچھ شیخ کی منشاء کے مطابق ہو اس طریقہ پر زندگی گذارے۔ شیخ کا منشاء یہ ہو کہ اتباع سنت کے ساتھ ہی زندگی گذارے تو آدمی سارے اثرات اور سارے ماحول کے تعلقات پر غالب کردے اس بات کو کہ میں تو شیخ کی ہر منشاء کے مطابق کروں گا۔ شیخ نے فرمایا کہ فلاں ذکر کیا کرو فلاں وظیفہ پڑھا کرو،فلاں شخص سے نہ ملو۔فلاں جگہ پر مت جاؤ،تنہائی میں بیٹھو،زبان سے زیادہ مت بولو،ادھر ادھر مت دیکھو۔یہ چیزیں شیخ نے کہی، ان چیزوں پر وہ شخص عمل کرے گا تو شیخ خوش ہوں گے۔شیخ مسرور ہوں گے جب مسرور ہوں گے شیخ تو محبت کریں گے۔تو جو شخص کسی سے محبت کرنا چاہتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے محبت کرنا چاہئے۔

....

اللہ تعالیٰ کی محبت کا طریقہ

آدمی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کریں اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے محبت کرنے لگے اور اس کے نتیجہ میں کیا ہوگا اللہ تعالیٰ بھی محبت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنی مخلوق سے محبت ہے، زبردست محبت ہے اس محبت کو کوئی برداشت کر ہی نہیں سکتا۔ جتنی اللہ تعالیٰ کو محبت ہے۔ لیکن اس محبت کا ظہور اس دنیا میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے اور آخرت میں مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ لہٰذا جب اللہ سے محبت کرے گا آدمی تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے، دوسرے یہ کہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوا کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کے محبوب حضرت نبی اکرم ﷺ ہیں۔ کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرے گا تو حضور ﷺ کو اس سے محبت ہوگی۔ اس طریقہ پر وہ اللہ کا بھی محبوب بن جائے گا۔ فرماتے ہیں یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریں گے تم کو محبوب بنالیں گے۔ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ الرَّحِیْمٌ۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو یہی ہے کہ وہ غفور ہیں رحیم ہیں۔ آدمی ذرا بڑھے تو صحیح ادھر کو۔ مغفرت طلب کرے درخواست کرے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ رَبِّ اغْفِرْلِیْ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا [اے اللہ! مجھے بخش دے، میرے رب! مجھے بخش دے، ہمارے پروردگار ہماری مغفرت فرما۔]

جگہ جگہ قرآن پاک میں یہ صیغے موجود ہیں۔ مغفرت کی درخواست ہے دعا کرے، اللہ تعالیٰ دعا کو قبول کرتے ہیں۔ چونکہ یہ دعا ہے اور قرآن پاک میں اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔ جب بندہ دعا کرتا ہے کہ

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا [ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما۔]

تو حق تعالیٰ اس کی دعا قبول کرتے ہیں۔ جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف کو چلتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو اٹھا لیتے ہیں اپنی طرف۔ جیسے ایک چھوٹا بچہ ایک صاحب کی گود میں ہے۔ ادھر

سے میں کہتا ہوں کہ آجا میرے پاس اُدھر سے آپ کہتے ہیں آجا میرے پاس۔ بچہ کے اندر طاقت نہ میرے پاس آنے کی نہ آپ کے پاس آنے کی۔ اتنا کمزور ضعیف ہے چھوٹا سا بچہ ہے لیکن میری طرف دیکھ کر ذرا مسکرایا، لب کھولے اس نے اور ذرا سا اشارہ کیا۔ میں فوراً اٹھا، گود میں لے لیتا ہوں کہ میرے پاس آئے۔ اسی طریقہ پر جب بندہ حق تعالیٰ کی طرف چلتا ہے تو حق تعالیٰ کی رحمت اسی طرح اس کو اٹھالیتی ہے۔ جس جگہ پر بندہ چل نہیں پاتا طاقت نہیں لیکن چلنے کا ارادہ کرتا ہے، چلنے کا اشارہ کرتا ہے، رحمت حق بہت بڑی مدد کرتی ہے اس کو آسان کر دیتی ہے، اس کے لئے چلنے لگتا ہے وہ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ الرَّحِیْمٌ [اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔]

بندہ جب مغفرت کی دعا کرتا ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں گے لیکن دعا تو کرے۔

آدابِ دعا

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ قلب کو حاضر کر کے دعا کرے۔ چونکہ حدیث پاک میں ہے: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبَلُ الدُّعَاءَ عَنْ قَلْبٍ لَاہٍ" اَوْ کَمَا قَالَ۔

[اللہ تعالیٰ غافل قلب کی دعا قبول نہیں فرماتے۔]

غافل قلب کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے اور یہ ظاہر بات ہے کہ ایک شخص اگر دیوانہ ہے وہ آواز دے رہا ہے کسی کو، مگر وہ تو دیوانہ ہے کسی خاص ارادہ اور کسی نیت سے نہیں۔ کوئی بھی اس کی آواز کی طرف توجہ نہیں کرتا، جانتے ہیں کہ یہ تو پاگل ہے، کرتا ہی ایسا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص دل میں نیت رکھتے ہوئے بلاتا ہے، تو آپ اس کی طرف ضرور متوجہ ہوں گے۔ دیوانہ پکارے گا تو کوئی جواب نہیں دیگا۔ کیونکہ اب اس کی نیت کا کوئی اعتبار ہی نہیں رہا۔ ہر جانے والے کو پکار رہا ہے، ہر مخلوق کو پکار رہا ہے۔ اس کی زبان پہ جو لفظ آجاتا ہے وہ بول لیتا ہے۔ تو جو شخص قلب حاضر کے ساتھ دعا نہیں کرتا خالی زبان سے کرتا ہے اس کی دعا اللہ تعالیٰ

قبول نہیں کرتے۔اسی طرح سے حدیث پاک میں آتا ہے کہ بسا اوقات بندہ سفر میں ہے، بال اس کے بکھرے ہوئے ہیں یعنی اس کے پاس سر کو ٹھیک کرنے کے لئے نہ تیل ہے نہ کنگھا ہے گرد و غبار اس کے اوپر پڑا ہوا ہے، پریشان حال ہے اور جناب وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتا ہے۔ یارب! یارب! اے رب! اے رب! پکارتا ہے، حق تعالیٰ کو، اپنے رب کو پکارتا ہے لیکن "مأكَلُهٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ" [کھانا اس کا حرام، اور پینا اس کا حرام، اور لباس اس کا حرام، پس اس کی دعا کس طرح قبول ہو؟]

تو دعا کے قبول ہونے کے واسطے یہ بھی ضروری ہے کہ آدمی حلال روزی کھائے، حلال روزی پیئے، حلال لباس استعمال کرے، حرام چیز سے بچے۔اور اگر سر سے پیر تک حرام میں ملوث ہے، باہر بھی حرام اندر بھی حرام، خداوند تعالیٰ کی تو نافرمانی اتنی کر رکھی ہے۔اس سے تو قلب ویسے ہی تاریک ہو جاتا ہے۔قلب متوجہ ہی نہیں ہوتا، حاضر ہی نہیں ہوتا۔زبان سے چاہے کہتا ہے لیکن قلب متوجہ نہیں، قلب کی توجہ تو حلال روزی سے حاصل ہوتی ہے۔حلال روزی آدمی حاصل کرے گا تو قلب کے اندر توجہ پیدا ہوگی۔

قبولیت دعا کی صورتیں

اور پھر دعا کے واسطے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ مانگا ہے فوراً اسی وقت مل جائے بلکہ مشائخ نے لکھا ہے دعا کے قبول ہونے کی چند صورتیں ہیں۔ایک صورت تو یہ ہے کہ جو چیز اللہ سے مانگی، جب مانگی جب ہی جلدی ہی وہی چیز مل گئی۔ بندہ سمجھتا ہے کہ میری دعا قبول ہوگئی بہت جلدی قبول ہوگئی۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو مانگا وہی مگر ابھی نہیں دیر میں، بعض دفعہ اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ بندہ کو یاد نہیں رہتا کہ میں نے فلاں کام کے لئے دعا کی تھی۔دیر بعد وہی چیز مل گئی۔اب بندہ کو یاد بھی نہیں کہ میں نے دعا کی تھی حالانکہ اسی دعا کا یہ نتیجہ ہے۔جیسے مثلاً ایک بچہ ہے آپ کا۔بچہ کہتا ہے مجھے بندوق لے دیجئے۔ابھی اس میں صلاحیت نہیں بندوق چلانے

کی ،نقصان پہنچائے گا وہ اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی بندوق نقصان کا باعث بن جائے گی ۔اس لئے آپ اس کی بات نہیں مانتے یہاں تک کہ اس کا دل دوسری طرف متوجہ ہوجاتا ہے ۔پھر جب وہ بڑا ہوجاتا ہے بندوق سنبھالنے کے قابل ہوجاتا ہے اس وقت آپ بندوق لے کر اسے دیدیتے ہیں ۔تو جو درخواست بچہ نے بچپن کے زمانہ میں کی تھی اس کو آپ نے پورا کیا لیکن اتنی مدت بعد کہ اسے وہ یاد بھی نہیں رہی ۔حالانکہ اسی کی درخواست کا نتیجہ ہے ۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز مانگی تھی وہ تو نہیں ملی اس سے بہتر کوئی اور چیز مل گئی جس کی طرف دھیان بھی نہیں گیا تھا ۔بسا اوقات بچہ ایک چیز مانگتا ہے وہ ناسمجھ ہے وہ نہیں جانتا ہے کہ اسکے نفع کی چیز ہے یا نقصان کی چیز ہے ۔آپ اس سے بہتر چیز اسے دیدیتے ہیں ۔تم نے فلاں چیز مانگی تھی جو تمہارے لئے ٹھیک نہیں تھی لہٰذا یہ لے لو ۔یہ بھی اسی کی درخواست کا نتیجہ ہے ۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو کچھ مانگا تھا نہ ملا نہ دوسری چیز ملی البتہ کوئی مصیبت اور بلا اس کے اوپر آنے والی تھی اس کی دعا کی برکت سے وہ بلا ٹل گئی ۔بچہ نے شرارت کی تھی شرارت کی وجہ سے سزا کا مستحق تھا اس نے کسی چیز کی آکر درخواست کی کہ فلاں چیز مجھے لا دیجئے وہ چیز تو لا کے نہیں دی آپ نے البتہ سزا کو موقوف کردیا یہ بھی اسی کی دعا کا نتیجہ ہوتا ہے ۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس دنیا میں رہتے رہتے اس دعا کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا مرنے کے بعد جب وہاں حساب کتاب ہوگا اس کو بتلایا جائے گا کہ فلاں دعا کی تھی اس طرح پوری ہوگئی تھی ،یہ دعا کی تھی اس طرح پوری ہوگئی تھی ۔یہ دعا کی تھی اس طرح پوری ہوگئی تھی ۔اور فلاں فلاں دعا کی تھی تم نے اس کا کوئی اثر تم نے نہیں دیکھا اس کا ثواب اجر نتیجہ یہ ہے ۔اس اجر اور نتیجہ کو دیکھ کر اس کی تمنا ہوگی کہ کاش دنیا میں میری کوئی بھی دعا قبول نہ ہوتی ۔اور سب کا بدلہ مجھے یہاں ملتا ۔اس لئے کہ دنیا میں جو کچھ مانگا تھا وہ اپنی حیثیت کے مطابق مانگا تھا اور بہت کم مقدار میں مانگا تھا اور آخرت میں جو کچھ ملتا ہے وہ بہت اونچی چیز ملتی ہے ۔

لہٰذا دعا کی طرف سے غفلت نہیں برتنی چاہئے ۔دعا کے آداب کی رعایت اور شرائط کی رعایت

رکھنے کی ضرورت ہے۔ یوں نہ سوچے آدمی کہ جس حال میں بھی جیسے بھی ہو دعا تو کرنی چاہئے۔

آدابِ نماز

نماز بھی خداوند تعالیٰ کی عبادت ہے۔ یہ تو نہیں کہ جس حال میں بھی ہو اسی حال میں پڑھنی چاہئے۔ اس کے بھی شرائط اور آداب ہیں۔ نماز پڑھنی چاہئے لیکن کس طرح پڑھنی چاہئے۔ باوضو پڑھنی چاہئے۔ کوئی شخص بے وضو پڑھ لے تو اس کا کیا علاج ہے۔ ہمارے یہاں ایک بوڑھا اور معذور شخص تھا وہ ایک دفعہ وضو کرتا تھا اور کئی روز تک اسی وضو سے نماز پڑھتا رہتا تھا اس سے کہا تم وضو نہیں کرتے۔ کہنے لگا اللہ سب قبول کرلے گا۔ اس نے یوں جواب دیا، وہ وضو سے معذور نہیں تھا چلتا پھرتا بھی تھا مگر وضو نہیں کرتا۔ یہ طریقہ غلط ہے۔ نماز پڑھنا بڑی عبادت ہے اللہ کے یہاں بہت بلند درجات عطا کرنے والی چیز ہے۔ مگر اس کے لئے بھی شرائط ہیں۔ نماز میں باوضو ہو کپڑے پاک ہوں، قبلہ رخ ہو جس وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہو اس وقت نہ ہو۔ مثلاً جب سورج نکل رہا ہے، سورج سر پر ہے، سورج ڈوب رہا ہے، ان اوقات میں نہ پڑھے، اس لئے ہر چیز کے واسطے شرائط اور آداب ہوتے ہیں، دعا کے بھی شرائط اور آداب ہیں تو دعا ضرور قبول ہوتی ہے اس وقت جبکہ شرائط اور آداب کے موافق ہو اور اس کے واسطے جو طریقہ ہے دعا کی مقبولیت کا، کیا کیا اثرات ہوتے ہیں وہ اثرات اس پر مرتب ہوتے ہیں، کوئی سا اثر ضرور مرتب ہوتا ہے، حق تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا ہے اس کے اندر بالکل خلاف نہیں۔ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس دنیا میں رہتے رہتے چھوٹے بڑے گناہ تو ہوتے ہی ہیں۔

توبہ واستغفار کی ضرورت

حدیث پاک میں موجود ہے: کُلُّکُمْ خَطَّاؤُنَ وَ خَیْرُ الْخَطَّائِیْنَ التَّوَّابُوْنَ۔

(ترمذی شریف: ۲۶۶۷، ابن ماجہ: ۴۲۵۱، کتاب الزہد)

....

[تم سب کے سب خطا کار ہو، اور بہترین خطا کار توبہ کرنے والے ہیں۔]

تم سارے خطا کار ہو ہر ایک سے خطا سرزد ہوتی ہے۔ کسی سے زیادہ کسی سے کم، کسی سے چھوٹی خطا کسی سے بڑی خطا، کوئی خطا کو جلدی سمجھ جاتا ہے کہ یہ خطا ہے کوئی دیر میں سمجھتا ہے، کوئی معافی کا طریقہ زیادہ جانتا ہے کوئی کم، باقی خطا تھوڑی بہت سب سے ہوتی ہے، اسی لئے فرمایا كُلُّكُمْ خَطَّائُوْنَ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ۔ بہترین خطا وار وہ ہیں جو توبہ کرتے رہیں، زیادہ سے زیادہ توبہ کرتے رہیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ باوجودیکہ معصوم تھے، معصوموں کے سردار تھے، معصوموں کے امام تھے لیکن بار بار معافی مانگنے والے تھے، اللہ سے مغفرت طلب کرتے تھے، اللہ سے استغفار پڑھتے تھے۔ ایک ایک دن میں دو دو سو مرتبہ پڑھا کرتے تھے۔ صبح شام استغفار پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک ایک مجلس میں ستر ستر مرتبہ استغفار پڑھتے ہوئے سنا ہم نے حضرت نبی اکرم ﷺ کو، اس لئے استغفار سے کسی وقت بھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ غفور ہیں رحیم ہیں۔ بندہ جب استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ معاف کرتے ہیں۔ اور حدیث میں آتا ہے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے اگر روئے زمین کے برابر بھی تو خطائیں لے کر آئے تو میری ایک مغفرت تیری ساری خطاؤں کو معاف کرنے کے لئے کافی ہے۔ ظاہر ہے جیسی حق تعالیٰ کی شان ہے ایسی ہی مغفرت بھی ان کی بڑی ہے، رحم بھی ان کا بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور ہیں رحیم ہیں، رحم بھی فرمائیں گے۔ ان کی رحمت عام ہے۔ ایک رحمت اس دنیا میں ہے ایک رحمت آخرت میں ہوگی۔ اس لئے ہمیشہ استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سب کو شامل ہے، چاہئے اللہ کا نام لے کوئی چاہے نہ لے۔ وہ سب کو اپنی رحمت سے روزی عطا فرماتا ہے، اپنی رحمت سے اعضائے جسم دیتا ہے، سب کو راحت دیتا ہے، قسم قسم کی نعمتیں دے رکھی ہیں حتیٰ کہ کافروں کو زیادہ دے رکھی ہیں ان پر بھی رحمت ہے اس دنیا میں لیکن ان کے واسطے رحمت آخرت میں

نہیں ہوگی۔آخرت میں جو رحمت ہوگی وہ صرف اللہ کی عبادت کرنے والوں کو ہوگی اور لوگوں کو نہیں ہوگی۔اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ رحیم ہیں۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے

آگے ارشاد فرمایا قُلْ اَطِیْعُو اللّٰہَ و الرَّسُوْلَ ایک شخص نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمائی تھی "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ" اس بات کا اثر کم کرنے کیلئے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا چاہا، کہا کہ جس طرح سے یہود ونصاریٰ نے اپنے اپنے نبیوں کو معبود بنالیا اسی طریقہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چاہتے ہیں کہ ان کو معبود بنالیا جائے۔اسلئے یوں کہتے ہیں کہ میرا اتباع کرو یوں نہیں کہتے کہ اللہ کا اتباع کرو۔اس نے یہ وسوسہ ڈالنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آگے آیت نازل فرمائی۔قُلْ اَطِیْعُو اللّٰہَ و الرَّسُوْلَ۔آپ کہہ دیجئے اللہ اور رسول کی اطاعت کرو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے وہ بحیثیت رسول فرمایا ہے کہ اللہ کی بات کو لے کر آئے ہیں، اللہ کی مرضیات کو بیان کرتے ہیں ان کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ہے، حق تعالیٰ نے جس چیز کا پیغام بھیجا ہے وہ پیغام لے کر تمہارے پاس آئے اس کی اتباع کرو، اس کی اطاعت کرو یعنی اپنی ذات محمدؐ بن عبد اللہ کی اطاعت نہیں چاہتے بلکہ وہ تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کے لئے کہتے ہیں۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پاک کے رسول ہیں ان کا اتباع کرو۔اس لئے آیت نازل ہوئی قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ و الرَّسُوْلَ۔ آپؐ فرمادیجئے کہ اللہ کی اطاعت کرو، اللہ کے رسول کی اطاعت کرو۔رسول کو اللہ بھیجتے کس واسطے ہیں؟ اسی واسطے تو بھیجتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ تمام رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے اس واسطے بھیجا ہے تاکہ ان کی اطاعت کی جائے اور رسول کی اطاعت حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ "وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی

اطاعت کی۔ تو حضرت نبی اکرم ﷺ اس حیثیت سے کہ ایک فرد ہیں یا مکہ کے رہنے والے ہیں یا قبیلہ قریش کے آدمی ہیں اس حیثیت سے اپنی اطاعت نہیں چاہتے بلکہ رسول ہونے کی حیثیت سے جو اللہ کا پیغام لیکر آئے اس کی اطاعت کرو، یہ اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا پوری پوری بات واضح ہو جانے کے بعد اگر لوگ منہ پھیر لیں بات نہ مانیں، حجت تمام ہو جائے پھر بھی تسلیم نہ کریں، نہ رسول کی اطاعت کریں نہ اللہ کا کہنا مانیں، دونوں کی خلاف ورزی کریں تو اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کافرین سے محبت نہیں کرتے۔ اصل منشاء تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم کو محبوب بنالے۔ اس واسطے ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، اس کے اظہار کیلئے مختلف طریقے اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت مطلوب ہے تو میرا اتباع کرو اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالیٰ تم کو محبوب بنالیں گے اور جو اطاعت نہیں کرتا رسول کی، اطاعت نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی منہ پھیر لیتا ہے نہ اس کو مانتا ہے نہ اس کو مانتا ہے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تو کافرین سے محبت نہیں کرتے۔ کوئی شخص چاہے کیسے ہی بتوں کو اپنے گھر رکھ لے چاہئے حضرت عیسیٰ اور حضرت عُزیر علیہما السلام کو کتنا ہی بڑا مان لے لیکن وہ اللہ کی اطاعت نہیں کرتا اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت نہیں کرتا تو پھر اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں کرتے وہ تو کافر ہیں۔ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ" اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زندگی کو سامنے رکھ کر اس کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے کہ ہماری زندگی کا کوئی جز حضرت نبی اکرم ﷺ کے خلاف نہ ہو۔

حضور اکرم ﷺ کی مخالفت

ایک بات اور سمجھ لینے کی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی مخالفت کرنا اور چیز ہے اور حضور اقدس ﷺ کی زندگی میں اس چیز کا پایا نہ جانا اور چیز ہے۔ مثلاً آپ موٹر میں بیٹھ کر سفر کرتے ہیں حضور اقدس ﷺ نے کبھی موٹر میں بیٹھ کر سفر نہیں کیا۔ اسے یوں نہیں کہا جائے گا

حضور اقدس ﷺ کی مخالفت ہے۔ آپ ریل اور جہاز میں سفر کرتے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے تو ہوائی جہاز نہیں دیکھا اسے یوں نہیں کہا جائے کہ حضور اقدس ﷺ کی مخالفت ہے بلکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جو ہدایت نامہ دیا ہے تیئس برس کی مبارک زندگی میں جگہ جگہ ہر چیز کے متعلق بیان فرمادیا ہے، ان قواعد پر ناپ کر دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ان قواعد کے خلاف کوئی چیز نہ ہو تو حضور اقدس ﷺ کی طرف سے اس قسم کی سواریوں کے استعمال کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ جس چیز کو حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا وہ تو حضور اقدس ﷺ کی مخالفت ہے اور جس چیز کو حضور اقدس ﷺ نے منع نہیں فرمایا اس زمانے میں تھی ہی نہیں وہ ایک نئی چیز ایجاد ہے اس نئی چیز کو آپ استعمال کریں گے، نئے نئے پھل کھائیں گے جو حضور اقدس ﷺ نے کبھی نہیں کھائے۔ ان کو یوں نہیں کہا جائے گا کہ حضور اقدس ﷺ کی مخالفت ہے۔ مخالفت وہ ہے جس کو حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا اس کو کرنا۔ حضور اقدس ﷺ نے چاول سے منع نہیں فرمایا نہ قواعد کلیہ سے چاول سے ممانعت ہے۔ ہاں جس چیز کی ممانعت فرمادی اس کو اختیار کرنا یہ مخالفت ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے شراب سے منع فرمایا۔ دس آدمیوں پر لعنت فرمائی شراب کی وجہ سے۔ شراب پینے والا، شراب پلانے والا، شراب بنانے والا، شراب لاد کر لے جانے والا، اور خدا جانے کتنے اور کون کون لوگ ہیں جن پر لعنت فرمائی۔ اب اگر کوئی شخص شراب پیتا ہے، بناتا ہے، پلاتا ہے تو وہ یقیناً حضور اقدس ﷺ کی مخالفت کرنے والا ہوگا لیکن اگر کوئی شخص شراب نہیں پیتا بلکہ شربت پیتا ہے، شربت پینے والے کو یہ نہیں کہیں گے کہ اس نے حضور اقدس ﷺ کی مخالفت کی۔ اسلئے کہ مخالفت وہ ہے جو امور شرعیہ کے خلاف ہو۔ جن چیزوں سے حضور اقدس ﷺ نے منع فرمادیا ان میں سے ہو، جو چیزیں قواعد کلیہ سے ممنوع ہیں ان میں سے ہو۔ وہ چیز کہلائے گی مخالفت۔ اور اگر یہ نہ ہو تو وہ مخالفت نہیں۔

اس واسطے ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ پر غور کریں۔ جو چیزیں

حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہمارے اندر گھسی ہوئی ہیں ان کو نکالنا چاہئے اور جو ہمارا زندگی کا طریقہ سنت کے طریقہ سے دور ہوتا چلا جارہا ہے اسی قدر بُعد ہوتا چلا جارہا ہے۔ جیسا جیسا ہمارا طریقہ دور رہے ویسے ہی حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ سے ہم کو بعد ہوتا چلا جارہا ہے۔

اتباعِ سنت

اس واسطے ضرورت ہے کہ زیادہ سے زیادہ سنت پر عمل کیا جائے۔ جو اس وقت طریقہ تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سیدھی سادی زندگی تھی اس کا اختیار کرنا آج ہمارے لئے دشوار ہوگیا۔ جیسی زندگی وہ گزار رہے تھے ویسی زندی ہم کہاں گزار سکتے ہیں۔ اتنے کمزور اور ضعیف ہیں اور ایسے ماحول میں پلے ہیں کہ ہمارے لئے تو اس کا تصور کرنا دشوار ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حالت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت وہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے منبر سے حجرہ تک مجھے جانا مشکل تھا۔ غش کھا کر گر پڑتا تھا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ میرے اوپر کوئی جن کا اثر ہے۔ حالانکہ مجھے بھوک تھی۔ یہ کیفیت تھی ان کی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا کھانا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے، ایک بے تکلف دوست آگئے، وہ بھی کھانے میں شریک ہوگئے۔ کیا کیفیت تھی کھانے کی؟ سوکھی روٹی کے ٹکڑے تھے، نمک پاس رکھتے تھے۔ سوکھی روٹی کا ٹکڑا دانت میں دبایا، کٹ سے بولا اور ایک نمک کا کنکر رکھ لیا اس طرح سے کھایا۔ مہمان بھی شریک ہوگئے۔ مہمان نے کہا اگر سعتر بھی ہوتا تو کتنا مزیدار ہوتا۔ سعتر

ایک قسم کی گھاس سمجھ لیجئے۔ جیسے پودینہ ہے اس میں چرچراپن ہوتا ہے۔ اس دوست نے خواہش کی۔ ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اٹھے۔ بازار گئے اور جا کر سعتر خریدا۔ لا کر رکھ دیا اور دونوں نے کھالیا کھانا۔ ایک ٹکڑا سوکھی روٹی کا دانت میں دبایا۔ ایک کنکر نمک کا اٹھا کر منہ میں رکھا ایک پتہ سعتر کا رکھ لیا۔ بس کھانا ہوگیا۔ کھانے کے بعد مہمان نے کہا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا حَضَرَ" اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ما حضر پر ہمیں قناعت دی جو کچھ ہمارے پاس موجود تھا ہم نے اس پر قناعت کر لی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بولے یارا اگر ما حضر پر قناعت ہوتی تو میرے وضو کا لوٹا گروی نہ رکھواتا۔ پیسہ پاس موجود نہیں تھا۔ جس لوٹے سے وضو کیا کرتے تھے وہ لے کر گئے اور سعتر خرید کر لائے۔ لوٹا گروی رکھا۔ اگر ما حضر پر قناعت ہوتی تو جناب یہی روٹی کا ٹکڑا نمک کے کنکر پر قناعت کر لیتا۔ یہ حال تھا ان حضرات کی زندگی کا۔

اپنی حالت کی اصلاح کی ضرورت

ہم لوگ پوری زندگی ایسے ماحول میں گذار چکے ہیں ہم کو اس کا مکلف تو نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جس قدر تنعم میں پڑ گئے ہیں، عیش پرستی میں پڑ گئے ہیں اس کو کم کرنے کی ضرورت ہے۔ آہستہ آہستہ کم کرنے کی ضرورت ہے۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ بعد میں آنے والے لوگ خواہ کتنے ہی بڑے درجہ پر پہونچ جائیں غوث قطب ابدال نہ جانے کیا کیا ہو جائیں لیکن کسی ایک صحابی کے درجہ اور مقام کو نہیں پہونچ سکتے۔ جو زندگی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی اعلیٰ درجہ کی زندگی تھی وہ، لیکن اس زندگی کا سب کو مکلف نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زندگی اختیار نہیں کی، بود و باش اختیار نہیں کی، مجاہدانہ زندگی اختیار نہیں کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے، وہ مخالف ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں درخواست ضرور کی جائیگی جہاں تک ہوسکے اس کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔

جس دلدل میں زندگی کے پہونچ چکے ہیں اس میں سے نکلنے کی ضرورت ہے۔ جتنا اُدھر کو رخ کریں گے اتنا ہی انشاء اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کی محبت زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے خاص کر اپنے گھر والوں کو نصیحت فرمائی تاکید فرمائی کہ دیکھو سکون چاہتے ہو تو مسکینوں کے ساتھ میں رہو مسکینوں سے محبت کرو۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ ہو۔ جو غریب ہوں ان کے ساتھ محبت رکھو، ان کے ساتھ تعلق رکھو تو جتنا ان کے ساتھ میں تعلق زیادہ ہوگا اتنا زیادہ مجھ سے قرب حاصل ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ نے دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتاً۔ (مسند احمد: ۲/۴۴۶) اے اللہ محمد کے گھر والوں کو روزی دے اتنی دے جسے کھا کر کمر سیدھی ہو جائے، زندہ رہ سکیں، زیادہ نہ دے تو۔

پسند حضور ﷺ کو یہ چیز تھی۔ لہٰذا اس طرف کو رخ کر کے آہستہ آہستہ چلنے کی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ ادھر سے بالکل آنکھیں بند کر کے رات دن لہو ولعب میں لگے رہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ہر ہر گوشہ پر غور کرلیں، جو چیزیں حضرت نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کے خلاف ہمارے اندر گھسی ہوئی ہیں ان کو نکالیں اپنی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق بنائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اللّٰھُمّ صل علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمدٍ وبارك وسلم۔ ربنا افرغ علینا صبرًا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ صلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم۔ برحمتك یا ارحم الراحمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

فضیلت ذکر

اس بیان میں

☆......ذکر کی فضیلت۔

☆......ذکر کی کثرت۔

☆......ذکر کی اقسام۔

☆......ذکر کے اثرات۔

☆......کثرت ذکراور غلبۂ ذکر کے اکابر اولیاء اللہ کے واقعات۔

☆...... نیز سماع کی حقیقت اور اس کے حکم کا بیان ہے۔

فضیلت ذکر

خطبہ ماثورہ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً۔

[اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح کرو۔] (آسان ترجمہ)

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔ اور صبح وشام اس کی تسبیح و پاکی بیان کرو۔ اس آیت کریمہ کی وجہ سے مشائخ نے صبح وشام کی تسبیحات تجویز کی ہیں۔ صبح کو بھی تسبیح پڑھی جائے شام کو بھی پڑھی جائے اور ذکر کی کثرت کے لئے فرمایا۔

حق تعالیٰ نے جو عبادتیں تجویز فرمائی ہیں اپنی اپنی جگہ پر سب نہایت اہم اور ضروری ہیں۔

نماز کی اہمیت

مثلاً نماز ہے۔ بہت اہم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرۃ عین ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کا ذریعہ ہے اور اتنا اہتمام نماز کا جب کوئی اہم بات پیش آئی فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی نیت باندھ لیتے۔ ہوا زور کی چل پڑی، بارش زور کی ہوگئی۔ بادل آگیا۔ چاند گہن ہوگیا۔ سورج

گھن ہوگیا۔ نماز کی نیت باندھ لی۔

مگر جو نمازیں فرض ہیں ان کے لئے اوقات متعین ہیں۔ پانچ وقت دن رات میں کو نماز فرض ہے اس سے زیادہ فرض نہیں۔ ایک نماز کو دو دفعہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔

روزہ کی فضیلت

روزہ فرض ہے۔ بہت اہم چیز ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ہر عبادت کا ثواب اس کے دفتر سے ملتا ہے۔ مگر روزہ کا ثواب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں خود دوں گا۔

"اَنَا اَجْزِیْ بِہٖ فَاِنَّ الصَّوْمَ لِیْ"

[میں کو اس کا بدلہ دونگا اس لئے کہ روزہ میرے لئے ہے۔]

یا "اَنَا اُجْزٰی بِہٖ فَاِنَّ الصَّوْمَ لِیْ"

[میں خود اس کا بدلہ ہوں اسلئے کہ روزہ میرے لئے ہے۔] (مشکوۃ شریف: ۱/۱۷۳)

زکوۃ وحج

اسی طرح سے زکوٰۃ ہے۔ بہت اہم چیز ہے مگر وہ سال بھر میں ایک مرتبہ ہے دو مرتبہ نہیں۔ حج ہے عمر میں ایک مرتبہ فرض زیادہ نہیں۔

ذکر کی کثرت کا حکم

لیکن ذکر کے متعلق قرآن پاک میں مذکور ہے:

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً"

ذکر کثیر اس کے لئے نہ پانچ وقت کی تحدید ہے نہ سال بھر میں ایک مہینہ کی نہ عمر بھر

میں ایک مرتبہ کی ہے بلکہ کثرت کا حکم ہے ایسا ذکر کثرت سے کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو کثیر فرمادیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ذکر کی کثرت

اسی لئے مشائخ ذکر کثرت سے کراتے تھے۔ پہلے حضرات سوالاکھ کا ذکر روزانہ کراتے تھے۔ سوالاکھ اسم ذات یا کلمہ طیبہ روزانہ سوالاکھ۔ کسی شخص نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تھا کہ ان کے بڑھاپے اور ضعیفی کے زمانہ میں کہ حضرت کتنا پڑھ لیتے ہیں؟ فرمایا سوالاکھ کا معمول ہے روزانہ۔ بڑھاپے میں ایک ایک سانس میں پانچ پانچ سومرتبہ کلمہ طیبہ پڑھا ہے۔ اتنا کثرت سے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت بھی عطا فرماتے ہیں۔ چوبیس ہزار روزانہ سے شروع کرتے سالک کے ذکر کی۔ جو سالک بیعت ہو اور ذکر شروع کرے چوبیس ہزار روزانہ اسکو کرنا ہے۔ بڑھاتے بڑھاتے سوالاکھ تک اور آگے تک پڑھتا تھا۔

سانس کے ذریعہ ذکر

اور اسی ذکر کی کثرت کی وجہ سے سانس کے ساتھ ذکر تجویز کیا مشائخ نے۔ کوئی سانس ذکر سے خالی نہ جائے۔ سانس اندر جائے تو ذکر باہر آئے تو ذکر۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ انسان جب سوتا ہے تو شیطان اس کی ناک کے نتھنوں میں رات گذارتا ہے اور ہر سانس کے ساتھ ساتھ اپنا زہر اندر پہونچاتا ہے۔ اس کا زہر کیسا ہے؟ خدا تعالیٰ سے غفلت، معاصی سے رغبت یہ اس کا زہر ہے۔ ہر سانس کے ساتھ اندر پہونچاتا ہے۔ اس لئے مشائخ نے تجویز کیا ہے کہ ہر سانس کے ساتھ ذکر کیا جائے تاکہ شیطان کے زہر کا اثر نہ پہونچے۔ وہ اپنا اثر زہریلا پہونچاتا ہے اور ادھر ذکر کی

برکت سے وہ اثر زہریلا ختم ہوجاتا ہے۔ اللہ پاک کی رحمت اندر پہونچتی ہے شیطان ذکر سے بھاگتا ہے اور گھبراتا ہے۔ انسان کے قلب کے اندر پہونچتا ہے مگر جب قلب کو ذاکر پاتا ہے تو پیچھے ہٹتا ہے اور بھاگتا ہے۔ یہی ہے جسے خناس کہتے ہیں خنس کے معنی پیچھے ہٹنا۔ وہ پیچھے ہٹتا ہے۔

غلبۂ ذکر کا اثر

ذکر کرتے کرتے انسان کے ہر ایک بال سے ہر ایک رونگٹے سے ذکر شروع ہوجاتا ہے۔ تمام اعضائے جسمانی ہر رگ رگ ذکر کرنے لگتی ہے۔ اور پھر ذکر کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ روحانیت غالب آکر جسمانیت بالکل مضمحل اور مغلوب ہوجاتی ہے اسی وجہ سے ان کی روحانیت اتنی قوی ہوجاتی تھی کہ دیر دیر تک انھیں کھانے پینے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی اور کام سارا جاری رہتا تھا۔ اس واسطے کہ کھانے پینے کی ضرورت جسم کو پیش آتی ہے اور جسم کا حال یہ ہوگیا کہ جسمانیت مغلوب ہوگئی اور روحانیت غالب آگئی۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے (میزان کبریٰ میں شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی) کہ ایک مہینہ میں ایک مرتبہ قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے جب بوڑھے ہوگئے ضعیف ہوگئے تو ایک مہینہ میں دو مرتبہ جانے لگے۔ کوئی شخص عیادت کے لئے آتا ان کے پاس تو ان کی والدہ کہتیں میرے بچے کے لئے دعا کرو اس کا معدہ کسی کام کا نہیں رہ گیا ہے۔ مہینہ میں دو مرتبہ جانے کی ضرورت پیش آنے لگی ہے۔

اسی سے اندازہ کیجئے کہ جنکی قضائے حاجت کا یہ حال ہے ان کی غذا کا کیا حال ہوگا۔ چلے کرتے تھے وہ حضرات تو صرف اتباع سنت کی خاطر ایک گھونٹ

وہ بھی ہلکا سا ایک گھونٹ لے لیا کرتے تھے افطار کے لئے باقی روزہ۔ چالیس روز تک روزہ روزہ اور ان کو کوئی دشواری بھی پیش نہیں آتی تھی اس لئے کہ روحانیت غالب آگئی ان پر۔ اور اب نہ وہ قوی رہے نہ محنتیں رہیں نہ ہمتیں رہیں۔ اس لئے نازل ہوتے ہوتے لوگ بہت تھوڑے سے پر آگئے۔ تیرہ تسبیح پر قناعت کرنے لگے تیرہ تسبیح پڑھ لو۔ بس وہی کافی ہے۔

ادعیۂ ماثورہ کی پابندی

لیکن احادیث میں آتا ہے کہ جو دعائیں صبح شام اور مختلف اوقات کی حضرت نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں جو شخص ان کی پابندی کرتا ہے وہ "اَلذّٰاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰاکِرٰتِ" (کنز العمال: ۲۰۷۸۷)

[اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا کثرت سے ذکر کرنے والی عورتیں۔] (آسان ترجمہ) میں شمار ہو جاتا ہے۔

مسجد میں داخل ہوتے وقت کی دعا

مسجد میں داخل ہونے کے لئے قدم رکھا دعا پڑھ لی:

"اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ"

[اے اللہ! ہمارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔]

مسجد سے باہر نکلے دعا پڑھ لی:

"اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِكَ"

[اے اللہ! ہمارے لئے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔]

مسجد کے دروازے پر شیاطین کا ہجوم رہتا ہے مسجد سے باہر نکلا انسان شیاطین فوراً اس

کو گھیر لیتے ہیں ان کے تسلط سے بچنے کے لئے دعا پڑھ لی۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ"

[اے اللہ! میں ابلیس اور اس کے لشکروں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔]

بیت الخلاء میں جانے کی دعا

بیت الخلاء میں جاتے وقت دروازے پر دعا پڑھ لی:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" (کنزالعمال:۲۰۷۸۶)

[اے اللہ! خبیث جنات وشیاطین مردوں عورتوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔]

وہاں چونکہ شیاطین اور جنات مجتمع رہتے ہیں اس لئے۔

لیٹتے وقت، سوتے وقت، نیند سے بیدار ہوتے وقت، مکان آنے کے لئے، باہر بازار جانے کے لئے، سفر شروع کرتے وقت، سفر سے واپسی کے وقت، نیا کپڑا پہنتے وقت۔ غرض یہ کہ جتنے تصورات اور حالات انسان کی زندگی میں آتے ہیں ہر وقت کے لئے کوئی نہ کوئی ذکر تجویز کردیا تاکہ آدمی "اَلذّٰاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰاكِرَاتِ" میں شامل ہو جائے۔

ذکر کی صورتیں

ذکر کے لئے صرف ایک ہی صورت نہیں کہ آدمی "الا اللہ الا اللہ" کرتا رہے۔ اللہ اللہ کرتا رہے بلکہ اللہ کا نام جس طریقہ پر بھی لیا جائے وہ ذکر ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے وہ بھی ذکر ہے۔ بیٹھ کر دعائیں پڑھتا ہے وہ بھی ذکر ہے تسبیح پڑھتا ہے وہ بھی ذکر ہے۔ ہر چیز ذکر ہے ان تینوں میں سے۔

اس لئے ذکر کی ایک ہی کیفیت نہیں سب کیفیات ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جس کو جس کیفیت کے ساتھ مناسبت پیدا فرمادیں اس کے اوپر اسی کیفیت کا غلبہ ہو جاتا ہے مناسبت

کی وجہ سے۔سلطان الاذکار پڑھتے ہیں۔

سلطان الاذکار اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی صاحبہ

میں نے پوچھا تھا حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہ حضرت سلطان الاذکار کیا ہوتا ہے؟ کیسے ہوتا ہے؟ فرمایا کیوں آپ کو کیا ضرورت پیش آ گئی؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے خواب دیکھا تھا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی نے مجھے ایک دعا بتلائی ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنِیْ رُشْدِیْ"

[اے اللہ! مجھ کو میری ہدایت کا الہام فرما۔]

یہ دعا پڑھا کرو۔ بیدار ہونے کے بعد میں نے ان کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ حضرت میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔فرمانے لگیں خدا جانے کون نیک بی بی ہوگی جو میری صورت میں آ کر تم کو بتا گئی۔اپنی طرف منسوب نہیں کرتیں۔میں نے عرض کیا کہ اچھا اب بیداری میں بتا دیجئے! کہنے لگیں میں بے حقیقت تم کو بتاؤں تمہارے سامنے حدیث کا ذخیرہ ہے تم مجھے بتاؤ۔ انھوں نے ایسے طریقہ پر کہا "میں بے حقیقت" کہ میرے بدن میں کوسناٹا نکل گیا۔انھوں نے حقیقتاً اپنے نزدیک بات صحیح سمجھتے ہوئے کہا تھا محض تکلف نہیں تھا۔محض لفاظی نہیں تھی۔ان کی شان یہ تھی کہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر عورتوں کو مرید کرنا جائز ہوتا تو میری صفیہ بیعت کیا کرتی۔مرید کیا کرتی صفیہ نام تھا ان کا اور جس وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تذکرۃ الرشید تصنیف کی جا رہی تھی مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرٹھی مؤلف تذکرۃ الرشید اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارنپوری دونوں گنگوہ گئے جا کر صاحبزادی صاحبہ سے پوچھا کہ اپنی بیعت کا قصہ سنائیے۔تو انھوں نے بتلایا کہ مجھے شوق تھا بیعت ہونے کا مگر ہمت نہیں پڑتی تھی ایک روز موقعہ پا کر میں نے عرض کیا۔فرمانے لگے

بیٹی تجھے اتنی لجاجت کی کیا ضرورت ہے تو تو میری ہے فلاں وقت میں ہو جانا اور اس کے بعد مجھے لطائف کی تعلیم دی۔

پھر بہت پوچھا کہ کیا ہوا؟ فرمایا مجھے کچھ خبر نہیں۔

بار بار پوچھا بس کوئی جواب نہیں دیا تو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جوش میں آ کر فرمایا کہ اچھا اگر آپ نہیں کہتیں تو میں کہدوں؟ لطائف ستہ جاری ہیں۔

اس پر بھی وہ خاموش رہیں۔ ان کا یہ حال تھا کہ جب وہ گفتگو کرتی تھیں تو بالکل محدثانہ طریقہ پر اتنی بات فلانی نے کہی اتنی بات اس کے ساتھ فلانی نے بڑھائی اتنی بات میں نے براہ راست سنی اور اتنی بات فلاں کے واسطہ سے سنی۔ اسی انداز سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔ گفتگو جو کچھ بھی ہو، علمی ہی ہو ضروری نہیں گھریلو بھی ہے مگر ہر چیز کو اس کے موافق بیان کیا کرتی تھیں۔

اس روز تو میں خاموش ہو گیا دوسرے روز پھر جا کر عرض کیا کہ کچھ بتا دیجئے۔ پڑھنے کے لئے تو انھوں نے سلطان الاذکار بتلایا پڑھنے کے لئے انھوں نے سمجھانا چاہا میں سمجھ نہیں پایا۔

میں نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ سلطان الاذکار کیا چیز ہے؟

حبس دم کے ساتھ۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ کو کیا ضرورت پیش آئی؟ میں نے بتلا دیا کہ اس طرح سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی صاحبہ نے بتلایا ہے۔

فرمایا کہ نہیں۔ اندیشہ ہے کہ امراض پیدا ہو جائیں گے۔ دماغی امراض پیدا ہو جائیں گے۔ یہ سلطان الاذکار تو ایسے لوگوں کے لئے ہے جنکی طبیعت کسی طرح چلتی ہی نہیں ہے ذکر کی طرف ان کے لئے تجویز کیا جاتا ہے۔

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سانس میں ایک مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسری میں دو

مرتبہ۔ تیسری میں تین مرتبہ۔ چوتھی میں چار مرتبہ۔

(۱) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

(۲) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

(۳) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

(۴) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

حضرت اقدس مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مع الضرب چار دفعہ تک کر کے بتلایا۔

اسی طرح ہر سانس میں ایک مرتبہ بڑھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک سانس میں ایک سوبیس دفعہ تک پہونچ جائے۔ یہ تو میں نے زبان سے کہا۔ حبسِ دم میں زبان سے نہیں ہوتا سانس رکا ہوا ہے زبان خاموش ہے اندر ہی اندر ذکر جاری ہے۔ اس طرح سے حبس دم کے ساتھ سلطان الا ذکار کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا ایک ایک بال ذاکر ہو جاتا تھا ہر چیز ذاکر ہو جاتی۔

"وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ"

[اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔] (آسان ترجمہ)

"ہر چیز تسبیح پڑھتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔"

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر تبلیغ کا غلبہ اور حضرت مولانا عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ پر ذکر کا غلبہ

دہلی میں دو شخص رہتے تھے۔ آپس میں دونوں حضرات خالہ زاد بھائی۔ ایک حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت۔ دوسرا مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے۔

حضرت مولانا عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ گئے دہلی حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں۔حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر تبلیغ کے غلبہ کا یہ حال تھا کہ نوالہ ہاتھ میں ہے منہ میں جانے سے پہلے دو دو تین منٹ تک تبلیغ کی بات کر رہے ہیں تو وہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے جو بیعت تھا مولانا الیاس صاحب سے اس نے اپنے خالہ زاد بھائی سے کہا جو کہ بیعت تھا مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہ دیکھ میرے پیر میں اور تمہارے پیر میں کیا فرق ہے تمہارے پیر کھانے میں لگے ہوئے ہیں اور یہ تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں۔

اسکے بعد جب مولانا عبد القادر صاحب وہاں سے چلے آئے تو مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا ارے تم کیا جانتے ہو مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے ان کے حجرے کی اینٹوں کو ذاکر دیکھا ہے۔اینٹیں ذکر کرتی ہیں۔

اس پر اس دوسرے شخص نے پہلے شخص کو کہنی مار کر کہا دیکھ! میرے پیر کے متعلق تمہارے پیر کیا رائے قائم کر رہے ہیں۔

گھوڑا اور پاس انفاس

خیر بعضے لوگ ایسے بولتے ہیں کہ گھوڑا پال رکھا ہے۔گھوڑا ابھی پاس انفاس کرتا ہے۔ذکر کی آواز گھوڑے کی سانسوں میں محسوس ہوتی ہے کہ ہاں گھوڑا ذکر کر رہا ہے۔جب ذکر کے ساتھ قلب رنگا جاتا ہے غلبہ ہو جاتا ہے ذکر کا اس پر تو ہر چیز کا ذکر اسے محسوس ہونے لگتا ہے مگر اب ایسے قوی نہیں کہ ایک سو بیس دفعہ ایک سانس میں کہیں حبس دم کے ساتھ۔اندیشہ ہے کہ امراض پیدا ہو جائیں گے اور خدا جانے کیا ہو گا۔

حضرت شاہ ابو سعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر تجلی

حضرت شاہ ابو سعید صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب بلخ گئے تھے حضرت

شاہ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو وہاں کیا تھا؟ ایک تجلّی ان کو محسوس ہوئی پھر غائب ہو گئی۔ پھر چاہتے ہیں کہ وہ تجلی پھر محسوس ہو اپنے اختیار میں تھوڑا ہی ہے۔ ضدی آدمی تھے بیٹھ گئے۔ سانس روک کر جب تک تجلی نہیں ہوگی میں سانس نہیں لوں گا کتنا وقت گذر گیا ہم نہیں جانتے ڈیڑھ دن گذر گیا سانس نہیں لیتے حتی کہ پسلی ٹوٹ گئی اس کے بعد تجلی ظاہر ہوئی تب انھوں نے سانس لیا۔

شیخ کو اطلاع ہوئی کہ پسلی ٹوٹ گئی انھوں نے کئی دوا تجویز کی وہ ٹھیک ہوگئی۔کسی آپریشن کی ضرورت نہیں پیش آئی۔تو ذکر کا حال یہ ہوتا ہے اس لئے سانس کے ساتھ ذکر کرنا یہ سلسلہ چشتیہ کے لئے لوازم میں سے ہے ہر شخص جو اس لائن میں قدم رکھتا ہے وہ سانس کے ساتھ ذکر کرتا ہے پاس انفاس کرتا ہے۔

ذکر قلبی

اور پاس انفاس کے علاوہ قلبی ذکر جیسے زبان منہ کے اندر موجود ہے اور اللہ اللہ کر رہی ہے اسی طریقہ پر قلب سینہ کے اندر موجود ہے تو تصور کیا جائے وہ اللہ اللہ کر رہا ہے زبان سے نہیں قلب کر رہا ہے اللہ اللہ اور پھر اس میں اسکو ایسی لذت محسوس ہوتی ہے کہ ساری لذت ایک طرف اور قلبی ذکر کی لذت ایک طرف اس قدر اس میں انہماک ہو۔

آج کل کے دور میں تیرہ تسبیح کا ذکر کرنا مشکل ہوگیا شکایت کرتے ہیں کہ سینہ میں درد ہوگیا سر میں درد ہوگیا تکلیف ہوگئی۔

ٹھیک ہے قوی کمزور ہیں ضعیف ہیں اتنا نہ کریں زور سے ضرب نہ لگائیں آہستہ ضرب لگائیں۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور ذکر حدّادی

ورنہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ پچاس برس تک ذکر

حدادی سے قلب کو دھنا ہے۔ ذکر حدادی کیا ہے؟ حداد کہتے ہیں لوہار کو دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں تشبیک کے ساتھ باندھ کر دائیں مونڈھے کی طرف بلند کرے لا الٰہ کہتے ہوئے اور پھر زور سے لا کر بائیں ران پر اس طرح مارے جس طرح زور سے لوہار ہتھوڑا مارتا ہے الا اللہ کہتے ہوئے قلب کو کوٹنے کے لئے عشاء سے لے کر فجر کی اذان تک اور فرماتے تھے کہ اب ذکر خود مجھے مہلت نہیں لینے دیتا بے اختیار ذکر ہوتا ہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور سماع

کسی شخص نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بزرگ نہیں تھے فرمایا بزرگ تھے۔ پوچھا کہ انکی طرف جو سماع کی نسبت ہے کیا یہ صحیح نسبت نہیں؟ فرمایا صحیح ہے وہ سنتے تھے؟ ہاں سنتے تھے۔ آپ کیوں نہیں سنتے؟ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت فقیہانہ جواب دیا ہے بنیادی جواب۔ ان کو کوئی سند پہونچی ہوگی مجھے نہیں پہونچی۔ ان کی بزرگی بھی برقرار مگر اتباع جو کیا جائے گا اتباع ایسی چیزوں میں بزرگوں کا نہیں کیا جائے گا۔ ان کی بزرگی کا بھی انکار نہیں واقعہ کی بھی تکذیب نہیں اور خود اتباع بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ ان کا حال یہ تھا کہ ان کے یہاں سماع ہو رہا ہے اور سماع بکثرت تو نغمہ ہوتا تھا "اَللّٰہ ھُوَ" کا۔

اللہ ھو۔ اللہ ھو۔ اللہ ھو۔ اللہ ھو۔ اللہ ھو۔ زیادہ تر تو یہ ہوتا تھا۔

(حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اللہ ھو کا نغمہ کچھ ایسے انداز میں سنایا کہ مجمع پر وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔)

مجلس کا حال

ان کی مجلس کا یہ حال تھا کہ کچھ شعر پڑھے گئے تو اشعار پر لوگوں کی جان نکل گئی لاشیں

اٹھی ہیں ان کی مجلس سے۔

ایک شخص نے ایک نعرہ مارا اور اچھلا اور کنویں میں جا گرا۔ حضرت شیخ کو اطلاع کی گئی کہ فلاں صاحب کنویں میں گر گئے۔ فرمایا: اچھا کس شعر پر؟ ان کو وجد آیا، بتایا گیا: فلاں شعر پر۔

فرمایا: اچھا وہیں بیٹھ کر پڑھو اس شعر کو وہ اگر صادق ہے اپنے حال میں تو تمہارا محتاج نہیں ہے۔ خود باہر نکلے گا۔ اور اگر کاذب ہے تو ایسے جھوٹے کا ڈوب کر مرنا ہی بہتر ہے۔ وہی شعر پڑھا گیا انھوں نے پھر ایک نعرہ لگایا اور اچھل کر کویں سے باہر آگئے۔ یہ کیفیت تھی ان کے یہاں۔

فضا میں نغمہ گونج گیا

ان کے صاحبزادے پڑھ کر آئے فارغ ہو کر انھوں نے دیکھا کہ ابا کے یہاں سماع ہو رہا ہے انھوں نے ”مَنْ رَایٰ مِنْکُمْ مُنْکَراً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ“ (مشکوۃ شریف: ۲/۴۳۷) [تم میں جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکدے۔] کے تحت **تفسیر بالید تغیر بالید** شروع کردی۔

اب فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ:

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست

از کجا می آید ایں آوازِ دوست!

تار بھی سوکھا۔ تپچی بھی سوکھی کھال بھی سوکھی۔ دوست کی آواز کہاں سے آرہی ہے یہ تو سب سوکھے بے جان ہیں۔ ان کا یہ شعر پڑھنا تھا کہ اسی فضا میں نغمہ گونج گیا اور ہر چیز سے اللہ اللہ کی آواز آنے لگی۔ تو فرمایا کہ رکن الدین سے کہو انھیں بھی روکدے۔ تو جب اس سے افاقہ ہوا تو صاحب زادے نے کہا کہ ابا! یہ ناجائز ہے! فرمایا اچھا بھائی شریعت کا حکم سر

آنکھوں پر اس کے خلاف تھوڑا ہی کرنا ہے۔

تداوی بالمحرم کے قبیل سے ہے

ایک روز بیٹے سے فرمایا میرا بدن تو داب دو کمر دبادو۔ کمر دبانے کے لئے بیٹھے دیکھا چار چار انگل کھال سوکھی ہوئی ہے۔ جیسے درخت کی چھال ہوتی ہے ایسے سوکھ کر بدن سے الگ ہو رہی ہے۔ پوچھا ابّا یہ کیا ہے؟ فرمایا وہی ہے سماع سن لیتا تھا گرمی نکل جاتی تھی اب بدن پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ تب بیٹے نے کہا آپ کیلئے جائز ہے۔ یہ تو تداوی بالمحرم کے قبیل سے ہے جیسے ناجائز دوا کا استعمال کرنا ہے مرض کے دفعیہ کے لئے اسی طریقہ پر یہ ہے جو آپ کے لئے جائز ہے۔

حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سلطان نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سماع سنتے تھے اس زمانہ کے قاضی ضیاء الدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ محتسب تھے ان کو پتہ چلا وہ آئے انھوں نے منع کیا بات چیت ہوئی۔ پھر سلطان جی نے فرمایا: کہ اچھا اگر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت دلوا دوں تو! فرمایا ہمارا منع کرنا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہی تو ہے وہ اجازت دیدیں گے تو ہمارا کیا منہ رہے گا منع کرنے کا۔

فرمایا اچھا بیٹھ جائیے۔ بیٹھ گئے۔ امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ نے شعر پڑھا اس شعر پر سلطان نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ کو کچھ وجد آیا وہ اٹھے بے اختیار قاضی صاحب نے ان کی آستین پکڑ کر بٹھالیا۔ بیٹھ گئے۔ پھر دوبارہ اٹھے پھر دامن پکڑ کر بٹھالیا۔ بیٹھ گئے۔ پھر سہ بارہ اٹھے ہیں تو

قاضی صاحب ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ تھوڑی دیر یہ کیفیت رہی اس کے بعد یہ کیفیت ختم ہو گئی اب سلطان جی نے کہا دیکھا ہم نے کہلوا بھی دیا۔ قاضی صاحب نے کہا کہ میں نے بھی کہہ دیا۔ پھر اس شعبدہ سے میں باز نہیں آؤں گا۔ تم کو رکنا پڑے گا۔

اس سے بات تو ختم ہو گئی۔ قاضی صاحب بیمار ہوئے۔ سلطان جی کو اطلاع ہوئی کہ قاضی صاحب بیمار ہیں تو عیادت کے لئے چلے۔ قاضی صاحب کے دروازہ پر آکر دستک دی وہاں سے خادم آیا۔ پوچھا کون؟ فرمایا عرض کرو۔ نظام الدین زیارت کے لئے حاضری کی اجازت چاہتا ہے۔ قاضی صاحب نے سن کر فرمایا کہدو میں مرتے وقت بدعتی کی صورت دیکھنا گوارا نہیں کرتا اور بدعتی بھی ایسا جو یوں حضور اکرم ﷺ کی زیارت کرادے۔ کیا زیارت کرائی کچھ پتہ بھی چلا وہ تو رہ ہی گیا درمیان میں۔

لوگوں نے پوچھا تھا قاضی صاحب سے کہ کیا بات تھی کیا انھوں نے کہلوا دیا اور کیا آپ نے کہدیا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ جب پہلی بار اٹھے ہیں سلطان جی تو ان کا قدم فلک سابع پر تھا میری بھی رسائی تھی وہاں تک میں نے آستین پکڑ کر بٹھا دیا۔ دوبارہ اٹھے ہیں تو ان کا قدم عرش پر تھا وہاں تک بھی میری رسائی تھی۔ میں نے دامن پکڑ کر بٹھا لیا سہ بارہ اٹھے تو میری نظر سے غائب تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں جو سب نبیوں کے سرتاج ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فقیر کو مت ستاؤ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے معلوم نہیں کہ جاگ رہا ہوں یا سو رہا ہوں۔ یہ خواب ہے یا خیال ہے۔ اس پر عمل کروں یا جو جاگتے ہوئے سند کے ساتھ احادیث پڑھی جاتی ہیں ان پر عمل کروں۔ تو آنحضرت ﷺ نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ عمل کے لئے تو وہی ہیں۔

اس پر سلطان جی نے فرمایا تھا کہ کہ میں نے کہلوا دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے بھی کہدیا۔

خیر اب جو یہ گئے ہیں عیادت کے لئے اور قاضی صاحب نے کر دیا انکار ملنے سے کہ

یں بدعتی کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا مرتے وقت۔ سلطان جی نے فرمایا کہ خادم سے کہ درخواست کرو کہ بدعتی اتنا بے ادب نہیں ہے اپنی بدعت سے تائب ہو کر حاضر ہونا چاہتا ہے عیادت کے لئے۔ قاضی صاحب نے اپنا عمامہ دیدیا خادم کو کہ بچھا دو راستہ میں۔ خادم نے تو بچھا دیا راستہ میں مگر سلطان جی اس عمامہ کو اٹھاتے جاتے تھے اپنے سر پر رکھتے جاتے تھے۔

اس موقع پر بیان فرماتے ہوئے خود حضرت اقدس مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ شدت گریہ سے بیان جاری نہ رکھ سکے اور حاضرین بھی مرغ بسمل بنے ہوئے تھے دیر تک یہ کیفیت رہی جب حضرت کچھ قابو میں ہوئے ہیں تب آگے فرمایا۔

جب حاضر ہوئے تو قاضی صاحب نے ایک شعر پڑھا۔

آنا نکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

جو لوگ کہ مٹی کو ایک نظر میں کیمیا بنا دیتے ہیں کیا یہ ممکن ہے کہ ہماری طرف بھی ایک نظر ڈالدیں۔ آخری وقت ہے کوچ کر رہے ہیں دنیا سے۔

تو ذکر کثرت کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ قلب کے اندر ایک قوت پیدا فرما دیتے ہیں جو بات قلب میں ہوتی ہے وہ ذکر کی برکت سے دوسرے کے قلب میں اتاری جا سکتی ہے۔ بڑی سہولت سے اتاری جا سکتی ہے۔

اسم سے مسمّٰی کی طرف رجوع

پہلے پہلے اسم کا ذکر تھا جب اس سے مناسبت قوی ہو جاتی ہے تو پھر مسمّیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں پہلے پہلے اللہ اللہ کرتے ہیں یہ اسم کا ذکر ہے پھر مسمّیٰ کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ جس طرح کسی شخص کو کسی سے محبت ہے جو اس کا محبوب ہے اس کی صورت نظروں

میں رہتی ہے۔کبھی فراموش نہیں ہوتی نماز پڑھتا ہے تو بھی اس کی صورت سامنے،کھانا کھا رہا ہے تو بھی اس کی صورت سامنے سوتا ہے تو بھی صورت سامنے۔

لیکن مخلوق جو دنیاوی مخلوق ہے وہ تو جسمانی چیز ہے لہٰذا یہاں تو جسم کا تصور ہوتا ہے لیکن حق تعالیٰ جسمیات سے بالاتر ہیں پاک ہیں لہٰذا وہاں بغیر کسی جسم کے حق تعالیٰ کا تصور ہے کسی چیز کا تصور نہیں وہاں تو ذات محض کا تصور ہے۔جیسے کہ اس کی شان کے لائق ہے اس کی شان ظاہر ہوتی ہے۔کہیں رازق ہونے کی شان ظاہر ہورہی ہے۔کہیں ممیت ہونے کی شان ظاہر ہورہی ہے۔کہیں معز ہونے کی سان ظاہر ہورہی ہے کہیں سلطان ہونے کی شان ظاہر ہو رہی ہے۔جہاں جہاں دنیا میں جو کچھ ہے اس کی ذات اس طریقہ پر ظاہر ہوتی ہے وہ خود نظر نہیں آتا جس طرح قلب انسان کے سینہ کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور وہ کسی کو نظر نہیں آتا خود انسان کو نظر نہیں آتا کہ میرا دل کہاں ہے۔بادشاہ تو پردہ میں ہوتا ہے سیاہ پردے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں وہاں سے وہ حکم کرتا رہتا ہے۔قلب حکم کرتا ہے آنکھ کو حکم کرتا ہے ادھر دیکھو فلانی حسینہ کی طرف آنکھ فوراً ادھر نظر کرتی ہے۔زبان کو حکم کرتا ہے قلب فلاں بات بولو وہ بولتی ہے۔غرض جتنے کام انسان کے ظاہری اعضاء سے سرزد ہوتے ہیں وہ قلب کی ماتحتی میں ہوتے ہیں قلب بادشاہ ہے۔

دل کی اصلاح کی ضرورت

اسی لئے حدیث میں آتا ہے:

"اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةٌ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ"۔ (بخاری شریف:۲۰/۱،مطبع دارالفکر)

[بے شک جسم میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ صحیح ہوجاتا ہے تو پورا جسم صحیح ہوجاتا ہے،اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے۔خبردار وہ دل ہے۔]

گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جس کے اندر حق تعالیٰ کی طرف سے ایک لطیفہ رکھا ہوا ہے اس لطیفہ کے ماتحت سارے کام ہوتے ہیں اگر اس قلب کی صلاحیت ہو جائے اصلاح ہو جائے تو تمام جسم کے اندر صلاحیت آجاتی ہے۔ قلب کے اندر اصلاح نہ ہو تو تمام جسم کے اندر خرابی ہوتی ہے۔

صفات خداوندی

حق تعالیٰ نظروں کے سامنے نہیں ہیں غائب ہیں۔ جس طرح انسان کے جسم کا بادشاہ قلب ہے وہ نظروں سے غائب ہے مگر حکم اس کا چلتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے اپنے دل کو ہر شخص اس کے تقاضوں کو جانتا ہے۔ پہچانتا ہے بغیر اس کے کہ اس کی صورت دیکھے اسی طریقہ سے حق تعالیٰ ساری کائنات کے بادشاہ ہیں عالم میں حکم سب کا سب حق تعالیٰ کا چلتا ہے ان کی صورت نظر نہیں آتی۔ سلم میں ہے:

"سبحانه ما اعظم شانه لا يحد ولا يتصور ولا ينتج ولا يتغير تعالىٰ عن الجنس والجهات"

[وہ پاک ہے اس کی شان کیا ہی عظیم ہے، نہ اس کی کوئی حد ہے نہ اس کا تصور ہوسکتا ہے، نہ وہ جنتا ہے نہ جنا جاتا ہے نہ اس میں تغیر ہوتا ہے وہ جنس اور جہات سے پاک ہے۔]

جنس اور جہات سے پاک صاف ہیں صورت سے پاک صاف ہیں مگر حکم ان کا چلتا ہے۔ جیسے قلب نظر نہیں آتا مگر حکم اس کا چلتا ہے۔

یقین ہے اسی طریقہ سے آدمی کے دل میں یقین پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ حکم حق تعالیٰ کا چلتا ہے چاہے ان کی صورت نظر نہ آتی ہو یا معلوم نہ ہو کہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں اس سے وہ بالاتر ہیں۔ یہ کہاں اور کیسے یہ تو سب بعد کی پیداوار ہیں۔ انھیں کی پیدا کردہ ہیں۔ کمیات

اور کونیات سب اس کی پیدا کردہ ہیں۔اس کی ذات وحدہ لاشریک لہ [وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔] ایسی ہے جوسب سے بالاتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا دھیان جمانے کی ضرورت

تو جس طرح سے ایک دوست کو دوسرے دوست کا تصور ہر وقت قلب میں رہتا ہے ذہن میں رہتا ہے اس سے کسی وقت غافل نہیں رہتا ہر وقت وہ موجود ہے دفع کرنا چاہتا ہے اس کا تصور تو نہیں دفع کرسکتا۔تو جس طرح سے وہ موجود ہے مگر یہاں یہ بات ہے کہ وہ جسم ہے تو اس کا تصور جسم کے ساتھ ہے اس کی شکل وصورت اس کی چال ڈھال اس کی آواز بھی کان میں آتی ہے۔

آپ کی باتوں کا رہتا ہے مجھے ہر دم خیال
جب کوئی بولا صدا کانوں میں آئی آپ کی

بس کوئی بولتا ہے صدا کانوں میں آپ کی آتی ہے یہ محبت کا کرشمہ ہوتا ہے۔حق تعالیٰ ان چیزوں سے بالاتر ہیں حق تعالیٰ کا تصور اسکے مسمیٰ کا دھیان قلب کے اندر جمنا چاہئے اس سے کسی وقت میں غفلت نہ ہو۔ایک دوست دوسرے دوست کو یاد کرتا ہے۔ یہاں کیا ہے بندہ اپنے مالک کو یاد کرتا ہے تو حق تعالیٰ بھی اسکو یاد کرتے ہیں۔حدیث شریف میں موجود ہے کہ بندہ میرا ذکر کرتا ہے کسی مجلس میں تو میں اس کا ذکر کرتا ہوں ایسی مجلس میں جو اس مجلس سے بہتر ہے۔ بندہ مجھ کو یاد کرتا ہے اپنے دل میں اور تنہائی میں تو میں اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں۔

ثمرۂ ذکر

تو سب سے بڑا ثمرہ ذکر کا کیا ہے یہ کہ حق تعالیٰ کا مذکور بن جائے۔ذاکر ہے ذکر

کرتے کرتے حق تعالیٰ کا مذکور بن جائے کہ حق تعالیٰ کے یہاں اس کا ذکر ہوتا ہے۔ اس کی کوشش کی ضرورت ہے ہے۔ چاہے تسبیح ہو، قرآن پاک کی تلاوت ہو۔ جو چیز بھی اس تصور اور نشاط کے ساتھ ہو کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں حق تعالیٰ میرے قلب کے اندر موجود ہیں۔ میری زبان جو کچھ بول رہی ہے وہ بھی حق تعالیٰ کے لطف سے بول رہی ہے ان کا لطف نہ ہو تو زبان بول نہیں سکتی۔ یہ تصور جس قدر قائم ہو جائے گا اسی قدر پختگی ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ پاک برکت دے آپ حضرات کی مساعی کو کامیاب فرمائے آپ کے ذکر کے اثرات کو قلب کے اندر پیدا فرمائے غفلت کو دور فرمائے۔ معاصی سے نفرت پیدا فرمائے۔ معاملات کی رغبت پیدا فرمائے اور جتنا کچھ گذر چکا ہے رمضان المبارک کی ناقدریوں کو معاف فرمائے اور جو باقی ہے اس کی قدردانی کی توفیق دے۔

❑❑❑

فوائد ذکر

اس بیان میں

☆......ذکر کی کثرت۔

☆......ذکر کے اقسام۔

☆......صحبت شیخ کی ضرورت۔

☆......حضرات اکابر کے مجاہدات۔

☆......اعتکاف کے فوائد۔

☆......عالم کے غیر عالم سے بیعت کی وجہ وغیرہ کا بیان ہے۔

فوائد ذکر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہ الَّذِیْنَ اصطفٰی اَمَّا بَعْدُ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔

[اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرو۔] (آسان ترجمہ)

ذکر کی کثرت

اس آیت شریفہ میں ایمان والوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، اللہ کے ذکر کی کثرت کرو۔ کتنی کثرت کریں اس کی کچھ حد بیان نہیں کی گئی۔ اللہ والوں نے اس آیت کو سمجھا اور ذکر کی کثرت کی اتنی کثرت کہ اس کا شمار کرنا دشوار ہوگیا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ پاگل ہوگیا دیوانہ ہوگیا۔

قلت کلام، قلت طعام، قلت منا

حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب مدظلہ نے چار قسم کی قلت بیان فرمائی تھی جو مشائخ نے بیان کر رکھی ہے۔ ایک قلت کلام، آدمی کم بولے۔ ایک قلت طعام، آدمی کم کھائے ایک قلت منام، آدمی کم سوئے۔ ایک قلت اختلاط مع الانام، لوگوں سے کم ملے۔ یہ چار قسم کی قلتیں تھیں جو اسلاف نے اصلاح باطن کے لئے تجویز فرمائی ہیں۔ مشائخ تو بڑے معالج و

مدبر ہیں۔ نفس کی کید سے نفس کی شرارت سے پورے طور پر واقف اور ماہر ہیں وہ جانتے ہیں کہ نفس کن کن راہ سے آدمی کو غلطی میں مبتلا کرتا ہے، اس لئے ان کی تدبیریں کی، سارے چور دروازے بند کئے۔

دکھتی رگ

پھر فرمایا تھا کہ ہمارے شیخ نے ہماری دکھتی رگ کو پکڑا تھا اور وہ کیا ہے قلت کلام۔ فرمایا تھا کہ جتنا جی چاہے کھالو۔

سونے کے لئے کہدیا کہ جتنا جی چاہے سولو۔ ہمارے احباب نے ماشاء اللہ جو کہ نیند کی طرف سے وسعت تھی اس کو خوب اختیار فرمایا اتنے سوئے اتنے سوئے ذکر کرنے کے بعد دیکھو تو سب کا سب مجمع سو رہا ہے، رات کو دیکھو تو سارے کا سارا مجمع سو رہا ہے اور انھوں نے بھی سمجھ لیا کہ بس دل کی رگ ہم نے پکڑ لی۔ خوب سولیں گے تو قلت کلام بھی اس سے حاصل ہے۔ ساری چیزیں اس میں حاصل ہو جائیں گی۔ ایک قلت کو کثرت سے بدل دیا بقیہ ساری قلتیں اسی کے اندر جمع ہوگئیں۔

اسی واسطے مجھے آج عرض کرنا ہے کہ انکے کلام کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں۔ ہر شئی کی ایک حد ہوتی ہے۔ کوئی شئی اپنی حد سے آگے بڑھ جائے تو غلط ہے۔ سونا بھی ضروریات ستہ میں سے ہے۔ انسان کی صحت کے لئے جو چیزیں اطباء نے بیان کی ہیں۔ کھانا پینا، سونا جاگنا، پاخانہ، پیشاب یہ چھ چیزیں صحیح رہیں گی اعتدال میں رہیں گی تو نظام جسمانی درست رہے گا، صحت رہے گی اور اگر کسی ایک چیز میں فرق آگیا تو نظام جسمانی خراب ہو جائے گا۔ اس لئے سونے کی بھی ایک حد ہے۔

بزرگوں کا حال تو یہ تھا کہ وہ تو بہت کچھ تھے۔ جن حضرات کو ہم نے دیکھا سنا ان کے متعلق بہت کچھ دیکھا۔

....

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم حضرت مولانا عبد الطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھانہ بھون حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کبھی کبھی حاضر ہوتے تھے۔ بزرگوں کی مجلس میں جانا بڑے اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ وہاں ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت بہت دن ہو گئے وعظ سنے ہوئے جی چاہتا ہے وعظ فرمادیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا سترہ راتیں ہوچکیں بالکل نہیں سویا، نیند نہیں آتی دعا کیجئے۔ اسی روز دعا کی گئی۔ صبح فرمایا کہ آج رات میں پونے دو گھنٹے سو ہی گیا۔ آج وعظ کہدوں گا تو سترہ سترہ راتیں مسلسل گذر جائیں اور نہ سوئیں۔ ان حضرات کا یہ حال تھا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے دیوبند میں ایک مرتبہ عرض کیا گیا۔ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو فرمایا نیند مجھ کو بہت پریشان کرتی ہے۔ گیارہ راتیں گذر چکیں کہ لیٹنے کی نوبت نہیں آئی۔ نیند کا غلبہ ہے تھوڑی دیر سولوں تو اس کے بعد تقریر کروں گا۔ چنانچہ دوپہر کو سوئے پھر ظہر کی نماز کے بعد تقریر کی۔ گیارہ راتیں ایسی گذریں کہ لیٹنے کی نوبت نہیں آئی۔

ایسا حال تھا ان حضرات اکابر رحمہم اللہ کا۔

حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے مدرس تھے، حکیم جمیل الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گئے، نبض دکھلائی پوچھا انھوں نے کیا بات ہے سردی بخار ہے۔ پیٹ میں درد

ہے؟ کہا کچھ نہیں۔ پھر بتلایا کہ میں پہلے دو دو ہفتے مسلسل جاگ لیتا تھا، مگر اب دماغ میں کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ یہ کیفیت ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا حال

خود ہمارے شیخ رحمۃ اللہ فرمارہے تھے۔ نصیحت کررہے تھے کہ بھائی کچھ کرلو محنت کرلو محنت کرنے کا زمانہ ہے۔ فرمارہے تھے کہ جس سال میں نے نسائی شریف پڑھی تھی اس سال محنت کی تھی، پانچ مہینے میں وہ کتاب ختم ہوتی تھی تو پانچ مہینے تک کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا، بہن کھانا لے کر پاس آبیٹھتی تھی وہ نوالہ بنا کر منہ کے قریب لاتی میں منہ کھول دیتا تھا، نگاہ کتاب پر رہتی تھی کہ حرج ہوگا۔ پانچ مہینے کھانا اپنے ہاتھ سے نہیں کھایا۔ فرمایا ایک زمانہ دراز تک یہ کیفیت رہی کہ صبح کی اذان سے جماعت تک کا وقت اتنا وقت سوتا تھا باقی دن میں رات میں بالکل سونے کا موقع نہیں ملا۔ رات دن علمی کام میں لگے رہتے تھے۔ اب ہم لوگ ان کی حرص نہیں کرسکتے اس قدرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل تھی۔ نصرت کا راستہ وہی ہے اس راستہ کو اگر پورے طور پر اختیار نہ کرسکیں حرص تو کریں جتنی وسعت ہو اپنے میں اتنا تو اختیار کریں۔

تقلیل طعام والوں کا حال بھی عجیب تھا۔ اسی ذیل میں عرض ہے کہ شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو گنا کھانے کا شوق تھا۔ دس برس تک گنا کھانے کی فرصت نہیں ملی کہ گنا کھاسکیں۔ ہر وقت پڑھانا لکھنا ہی ہوتا تھا۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا حال

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی میزان کبریٰ میں ہے کہ ایک مہینہ میں ایک مرتبہ بیت الخلاء جاتے قضائے حاجت کے لئے۔ مگر جب ضعیف ہوگئے بیمار ہوگئے تو جو شخص ان کی عیادت کیلئے آتا تو ان کی والدہ کہا کرتیں

میرے بچہ کے واسطے دعا کرو معدہ کسی کام کا نہیں رہا۔مہینہ بھر میں دو مرتبہ بیت الخلاء جانے لگا ہے ۔اس تعجب کیساتھ افسوس کے ساتھ کہا کہ دو مرتبہ جانے لگا ہے مہینہ بھر میں دعا کرو میرے بچہ کے لئے ۔ان حضرات کے یہ حالات ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جس بندہ کو جس کام کے لئے متعین فرماتے ہیں اس کے لئے آسانی دیدیتے ہیں۔ کل میسر لما خلق لہٗ جو شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا وہ کام اس شخص کے لئے آسان کر دیا گیا۔

لیکن انسانوں کو ضرورت ہے حق تعالیٰ سے مانگنے کی۔دینے کا دروازہ ہر وقت کھلا ہوا ہے ۔بندہ جو کچھ مانگے حق تعالیٰ کی طرف سے انکار نہیں ۔اسلئے کہ یہاں ہم سب مانگنے کے واسطے آئے ہوئے ہیں ۔خاص کر یہ مبارک مہینہ مانگنے کا ہے۔خداوند تعالیٰ کی طرف سے وعدہ عطا فرمانے کا ہے ۔جس چیز کو ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہمارے قابو کی نہیں ۔حق تعالیٰ سے مانگیں حق تعالیٰ قابو کی بھی بنا دیں اسے کچھ بعید نہیں اسی کی ذات عالی ہے ۔اس کے یہاں کوئی چیز مشکل نہیں۔ ہمارے لئے مشکل ہے لیکن جس چیز کو وہ آسان فرما دیں وہ ہمارے لئے بھی آسان ہے۔

اعتکاف کی راتوں میں سونے کی ترتیب

اس طریقہ پر سونا کہ رات میں سارے کا سارا مجمع سوتا رہے یہ مناسب طریقہ نہیں ہے ۔خداوند تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے لمحات آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطایا ہوتے ہیں ۔اگر سب کے سب سو رہے ہوں تو واپس چلے جاتے ہیں آ کر ۔اس لئے اس کا اہتمام چاہئے کہ کچھ جاگنے والے بھی رہیں ۔کوئی اپنی طرف سے لینے والا ہو، کوئی اپنے ساتھی کی طرف سے لے لینے والا ہو۔اسی لئے اگر ہم سب مل کر آپس میں جس کو جس سے مناسبت ہو ایک ترتیب قائم کر لیں کہ رات کے تین حصے بنا لیں اور چھ آدمی مثلاً مقرر ہو جائیں آپس آپس کے۔ ان چھ میں سے دو آدمی تو رات کے ایک پہلے پہر تہائی حصے میں جاگیں گے، دو سوتے رہیں

گے اور جب ان کے سونے کا وقت آوے تو دو کو اور جگا دیں۔رات کے درمیانی حصے میں ایک تہائی حصے میں وہ دو جاگ لیا کریں،رات کے تین حصے میں تیسرے دو جاگ لیا کریں۔اس طریقہ پر ہو جائے تو اچھا ہے۔

سہارنپور میں اعتکاف کا معمول

سہارنپور میں جب اعتکاب ہوتا تھا تو وہاں مدرسہ کی مسجد بھری ہوتی تھی ہمیں نہیں معلوم کہ ساری رات ایسی گذری ہو کہ کوئی جاگ نہ رہا ہو بلکہ دو آدمی یہاں کھڑے ہوئے ہیں ان کا ایک امام دو آدمی وہاں کھڑے ہوئے ہیں۔ان کا ایک امام دو آدمی وہاں کھڑے ہوئے ہیں ان کا ایک امام کئی کئی قرآن شریف اسی طریقہ پر ختم کرتے تھے۔ایک امام پڑھ رہا ہے دو مقتدی کھڑے سن رہے ہیں۔اس طریقہ سے یہ صورت تھی اور اب بھی بعضے مدارس میں یہ دستور ہے۔

ایک دفعہ دیکھا ایک جگہ پر جانا ہوا کہ مغرب کی نماز پڑھی اور جناب طلبہ کھڑے ہو گئے۔ ایک امام ایک مقتدی ایک امام دو مقتدی وہ کھڑا سنا رہا ہے اس نے آدھا پارہ سنایا۔ پھر یہ پیچھے آیا اس دوسرے نے سنایا۔اس طریقہ پر رات بھر گذر جائے۔وہ سونا بالکل ٹھیک ہے برحق ہے لیکن اتنا سونا کہ جس سے جو اصل کام ہے وہ بھی ختم ہو جائے۔یہ تو نہیں چاہئے۔اللہ کی طرف سے تو اعلانات ہوں کہ کوئی مانگنے والا ہے اور یہاں سارے سو رہے ہوں یہ تو بڑی محرومی کی بات ہے ہمارے واسطے یہاں جاگنے میں کچھ مشکل نہیں۔گھڑی ہر ایک کے پاس موجود، دوسرے جگانے والے موجود۔جگا سکتے ہیں اور جتنی ضروریات ہیں وہ ساری ضروریات موجود۔سارے اسباب کے ہوتے ہوئے بھی آدمی کام نہ کرے غفلت میں گذارے یہ بڑی کوتاہی کی بات ہے۔اس واسطے درخواست یہ ہے کہ رات میں آپس میں مل ملا کر ایک دوسرے کے ساتھ وہ سمجھوتہ کرلیں کہ بھئی ایک سنائے،ایک آدمی اس کے پیچھے سنتا رہے دوسرا سنائے اس کے پیچھے اور سنتا رہے۔اس طریقہ پر ماشاء اللہ حافظوں کی کمی نہیں حافظ بھی کثرت

سے یہاں موجود ہیں سننے والے بھی ہیں۔اس لئے جتنی نیند باقی رہ جائے اس کی کسر دن میں پوری کرلیں۔رات کا سارا حصہ اس طرح سونے میں گذر جائے یہ بہت غیر مناسب چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تین آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں ان میں سے ایک شخص کو بتایا کہ لوگ سفر میں جارہے ہیں چلتے چلتے کسی منزل میں ٹھہرے تھک تھکا گئے تھے۔سب سے زیادہ محبوب چیز ان کو نیند تھی،سر تکیہ پر رکھ دیا اور لیٹ گئے۔ان میں سے ایک شخص اٹھا اور تنہائی میں آکر میرے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا اور میری خوشامد کرنے لگا مجھ سے مانگنے لگا۔اللہ تعالیٰ کا بہت محبوب ہے وہ شخص جبکہ سب کے سونے کا وقت ہو،نیند کا غلبہ ہو ایسے وقت میں آدمی نیند کو قربان کرکے حق تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو جائے کتنا اچھا ہے۔

محبوب کے لئے نیند کی قربانی

جو چیز محبوب ہوتی ہے اس کی خاطر نیند قربان کی ہی جاتی ہے۔اگر آپ کو معلوم ہو جائے کہ آج ہوائی جہاز سے آپ کے فلاں بزرگ تشریف لارہے ہیں،آپ کے والد محترم آرہے ہیں۔چاہے کتنی ہی نیند کا غلبہ ہو لیکن نیند آہی نہیں سکتی اس واسطے کہ ان کو لینے جانا ہے،ان کو لانا ہے جا کر،ان کا اعزاز کرنا ہے ان کی محبت کا تقاضا ہے۔اسی واسطے جتنے جھنجھٹ ہوں گے سارے ہی برداشت کریں گے۔روشنی کا بھی انتظام کریں گے،سواری کا بھی انتظام کریں گے،جگانے کا بھی انتظام کریں گے۔غرض یہ نہیں ہوگا کہ کسی بات کی وجہ سے جانے سے رک جائیں۔بارش ہو رہی ہو تو اس کا بھی انتظام کریں گے،سردی ہو رہی ہو تو اس کا بھی انتظام کریں گے۔غرض جانا ہے یہ طے کرلیا کہ جانا ہے جب جانا ہے تو راستے میں جتنی رکاوٹیں ہیں ان کو دور کرنا ہے۔اگر کسی

کو جانا ہی نہ ہو اس کے قلب میں وہ جذبہ ہی نہ ہو، وہ داعیہ ہی نہ ہو وہ ذراسی باتوں پر بہانہ کرے گا ارے صاحب سوتے رہ گئے ۔ گاڑی نہیں ملی تھی ، گاڑی میں پیٹرول نہیں تھا، ڈرائیور نہیں تھا، روشنی کا انتظام نہیں تھا، ارے بارش ہو رہی تھی کون جائے ۔ غرض یہ کہ ایک ایک چیز کو آڑ سمجھ کر بہانہ کر کے وہ تو رک جائے گا اس لئے کہ اس کے قلب میں وہ داعیہ نہیں ۔ جس کے قلب کے اندر وہ داعیہ ہے اس کی کیفیت اور ہوتی ہے، اسکی شان دوسری ہوتی ہے ۔

جمع ہونے کا مقصد

اسی لئے ہم لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں ۔ اسی داعیہ کی خاطر سب کے سب ایک جگہ پر جمع ہیں، ایک مقصد لے کر آئے ہیں ۔ سب کے قلوب ایک ہی نقطہ پر ہین کہ اللہ کو راضی کرنا ہے، گناہوں کو معاف کرانا ہے، اس مہینہ کو وصول کرنا ہے ۔ اس نقطہ میں سارے کے سارے متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ۔ اور دنیا بھر کے مسائل میں اختلاف ہو لیکن یہاں پر یہ جماعت اسی ایک نقطہ پر اس طرح جمع ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں جب کسی کا اختلاف نہیں تو پھر اس کو وصول کرنا چاہیئے، اس کو اختیار کرنا چاہیئے، اس مین کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے ۔

صحبت شیخ کی اہمیت

ذکر کے فوائد مولانا عبد الحلیم صاحب دامت برکاتہم نے بہت بیان فرمائے تھے ۔ صحبت شیخ صحبت صالح ترا صالح کند بڑی چیز ہے ۔ ایک چیز میں بعض آدمی کو شبہ پیدا ہوا ۔ مثال: طواف کرنا افضل ہے یا اپنے بزرگ کی صحبت کو اختیار کرنا افضل ہے ۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنا افضل ہے یا اپنے بزرگ کی صحبت کو اختیار کرنا افضل ہے ۔ شیطان اور نفس دونوں مل کر اس قسم کے شبہات طبیعتوں میں ڈالتے ہیں ۔ یہ شبہ بھی ڈالا گیا ۔ اس لئے بات کو صاف صاف طور پر سمجھ لینا ۔ بزرگوں کی صحبت میں بیٹھ کر طواف کرنے کا طریقہ معلوم ہوگا ۔ طواف کا ادب

معلوم ہوگا۔ یہ معلوم ہوگا کہ طواف کس طرح حق تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوتا ہے۔ طواف آدمی کرے غلط طریقہ پر کرے آداب کی رعایت کرتے ہوئے نہ کرے گھومنے کو تو گھوم ہی رہا ہے۔ مشرکین بھی گھوما کرتے تھے۔ بیت اللہ کے گرد گرد لیکن حقیقی ثواب تو جبھی میسر ہوگا جب قلب میں نیت صحیح ہو اور داعیہ صحیح ہو اور آداب و شرائط کے مطابق طواف ہو۔ یہ چیز بزرگوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ان کی خدمت میں بیٹھ کر بہت کچھ ملتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے ورنہ نفس تو ہر طرح کی شرارتوں پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔

نفس کے کید کا علاج......ذکر زور سے کیا کریں

ایک بزرگ کی خدمت میں ان کے ایک مرید نے خط لکھا کہ آپ نے مجھے ذکر کی تعلیم فرمائی تھی لیکن یہ نہیں بتایا کہ ذکر زور سے کیا کروں یا آہستہ۔ میں آہستہ کرتا ہوں اس واسطے کہ اگر زور سے کروں گا تو کسی کی نیند میں خلل پڑے گا۔ دوسرے کی نیند میں خلل ڈالنا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ لوگ دیکھ لیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ میں ذکر کر رہا ہوں، لوگ مجھے بزرگ سمجھیں گے ان کے بزرگ سمجھنے کی وجہ سے میری طبیعت کے اندر خود بڑائی پیدا ہوگی۔ ریاکاری پیدا ہوگی۔ اسی وجہ سے میں نے تجویز یہ کیا کہ آہستہ ذکر کروں اس پر ان بزرگ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جی نہیں بات دوسری ہے آپ ذکر زور سے کیا کریں اور گھر میں جہاں سب سوتے ہیں وہاں نہ کیا کریں بلکہ مسجد میں جا کر کیا کریں جہاں کوئی نہیں سونے والا۔ اتنے چلا کر نہ کریں کہ پڑوس والے جاگ جائیں، پریشان ہوں اور یہ بات کہ لوگ بزرگ سمجھیں گے۔ بزرگ کیا سمجھیں گے۔ جب سر گھما کے وہاں بیٹھ کر ذکر کرو گے تو سمجھیں گے پاگل ہے، دماغ خراب ہو رہا ہے۔ شیطان نے نفس نے یہ کہا کہ لوگ بزرگ نہ سمجھنے لگیں اس واسطے آہستہ ذکر کیا کرو۔ بات دوسری ہے بات یہ ہے کہ بزرگ سمجھنے کی ترتیب بتائی ہے کہ جب گردن جھکا کے آنکھیں بند کر کے بیٹھیں گے تو اس وقت لوگوں کو معلوم ہوگا کہیں گے

حضرت ملاء اعلیٰ کی سیر کر رہے ہیں۔ عرش اعظم کے قریب ہیں یہاں نہیں ہیں۔ ایسی ترکیب بتائی جس سے لوگ بزرگ سمجھیں اور یہ کہہ کر بتائی کہ لوگ بزرگ نہ سمجھیں۔

یہ نفس کا کید ہے اور اس میں چھپی ہوئی بات ایک اور ہے وہ یہ کہ انسان کے نفس میں کمزوری ہے، اس سے پابندی ہونا دشوار ہے۔ جب آپ زور سے ذکر کریں گے دو چار آدمیوں کو تو معلوم ہو ہی جائے گا۔ آپ رات میں اٹھتے ہیں تہجد پڑھتے ہیں، ذکر کرتے ہیں پھر کسی روز ایسا ہوگا کہ نیند کا غلبہ ہوگا آپ نہیں اٹھ پاویں گے تو سب کو پتہ چل جائے گا کہ آج یہ اٹھے نہیں۔ تو اس کے اوپر پردہ ڈالنے کے لئے نفس نے یہ ترکیب بتائی ہے کہ اپنی اس کمزوری کا کسی کو احساس نہ ہونے پائے خاموشی کے ساتھ میں ذکر کیا کرو یہ ترکیب بتائی ہے نفس نے۔ اس لئے نفس ایسی ایسی ترکیبیں بتاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر کی ترکیبیں بتاتا ہے ہمدردی کی ترکیب بتلا رہا ہے۔ لیکن اس کے اندر اتنی خرابی موجود ہے۔

نفلیں مسجد میں پڑھا کریں

ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص نے خط لکھا کہ میں نفلیں مسجد میں نہیں پڑھتا۔ لوگوں کے سامنے نفلیں پڑھنے میں شرم معلوم ہوتی ہے حیا معلوم ہوتی ہے اسی لئے گھر جا کے تنہائی میں پڑھتا ہوں، سنتیں بھی وہیں پڑھتا ہوں۔

تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ نہیں آپ مسجد میں ہی پڑھا کریں۔ رہا حیاء کا معاملہ تو حیاء و شرم کے واسطے اور کام بہتیرے ہیں ان میں شرم حیاء کرلیا کرنا۔ جو حیاء و شرم کے کام ہیں ان میں شرم و حیا کیوں نہیں آتی اور جو کام نہیں ہیں ان میں شرم و حیا کی جاتی ہے تو خیر کا یہ نکتہ بتلا کر روکنا چاہتا ہے نفس اور شیطان بس دونوں سمجھوتہ کئے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کی پوری نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں کی صحبت میں بہت کچھ حاصل ہوتا ہے، نفس کا جو کید ہوتا ہے وہ صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

حضرت سہارنپوری اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کے مابین گھڑی کا واقعہ

ایک بزرگ کی خدمت میں دو بزرگ (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ) ایک سفر میں ایک ساتھ گئے۔ ان میں ایک بڑے تھے ایک چھوٹے کسی شخص نے اس سفر میں اس چھوٹے بزرگ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا۔ ایک گھڑی ان کے یہاں ہدیہ قبول کرنے کے لئے شرائط تھے۔ تاہم استثنیٰ بھی تھا۔ انھوں نے قبول کرلی۔ دوسرے بزرگ جو بڑے تھے انھوں نے دوسرے وقت تنہائی میں ان سے کہا کہ اگر یہ گھڑی آپ کی ضرورت سے زائد ہو تو فروخت کردیں گے مجھ کو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اس میں خریدنے کی کیا بات ہے میں بھی آپ کا گھڑی بھی آپ کی۔ یہ آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے قبول کرلیجئے۔ انھوں نے فرمایا کہ اب قبول کرنے کے کوئی معنیٰ نہیں۔ کہ میں خریدنے کی ابتداء کرچکا۔ اگر بغیر میرے خریدنے کی ابتداء کے آپ پیش کرتے تو ایک بات تھی لیکن جو میں خود ابتداء کرچکا ہوں خریدنے کی، اب ہدیہ کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ تھوڑے سے ردوقدح کے بعد بیع ہوگئی خریدلی۔ یہ تنہائی میں معاملہ ہوا لیکن بات تو چھپی نہیں رہتی۔ وہ پہنچ گئی اس شخص کے پاس بھی جس نے ہدیہ پیش کیا تھا۔ اس کے دل میں گرانی ہوئی اس خیال سے کہ میں چاہتا تو روپے پیش کرسکتا تھا۔ میرا مقصود تو یہ تھا کہ میری گھڑی حضرت کے استعمال میں رہے گی ان کی گرانی کی خبر ان بزرگوں کو پہنچ گئی۔ بزرگ لوگوں کی رعایت و دلداری بھی کیا کرتے تھے چنانچہ انھوں نے اپنے بڑے بزرگ سے کہا حضرت وہ گھڑی واپس کردیں۔ انھوں نے فرمایا: کیوں کیا خیارِ شرط تھا اس میں۔ کہا: نہیں خیارِ شرط تو نہیں تھا۔ جنھوں نے مجھے ہدیہ میں دی تھی ان کو گرانی ہوئی۔ فرمایا: کیا یہ شرط تھی کہ اگر ان کو گرانی

ہوگی تو واپس کردی جائے گی۔ یہ شرط بھی نہیں تھی، مجھے حق تو کوئی نہیں رہا۔قانون کی رو سے شرعی قواعد ومسائل کے اعتبار سے۔اب آپ اقالہ فرمالیں۔انھوں نے فرمایا: اقالہ کے لئے طرفین کی رضامندی شرط ہے۔میں تو رضامند نہیں اقالہ پر۔انھوں نے فرمایا: آپ میرے بڑے ہیں، میں چھوٹا ہوں۔بڑے چھوٹوں کی خاطر رضامند ہوجایا کرتے ہیں۔کوئی بات نہیں اس میں تو آپ کی شفقتیں مجھ پر بہت ہیں۔رضامند ہوجائیے۔

انہوں نے فرمایا: کہ ہاں میں ضرور رضامند ہوجاتا مگر بات یہ ہے کہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں خریدی۔مجھے میرے ایک دوست نے کہا: کہ میرے لئے گھڑی خرید لینا۔میں نے ان کی نیت سے خریدی۔انھوں نے مجھے وکیل بنایا تھا خریدنے کا۔چونکہ میں ان کی نیت سے خرید چکا ہوں اس لئے یہ گھڑی ان کی ملکیت ہوگئی اور وکیل کے جو تصرفات ہوتے ہیں وہ اعطاء مؤکل کے حدتک محدود رہتے ہیں لہٰذا انھوں نے مجھے وکیل بنایا تھا خریدنے کا۔میں نے خریدلیا۔اب میری وکالت ختم ہوگئی۔انھوں نے وکیل نہیں بنایا تھا بیچنے کا کہ میں یہ گھڑی بیچ بھی دوں۔بات ختم ہوگئی۔

دوسرے وقت مجلس میں جب وہ صاحب بھی آئے جنھوں نے گھڑی ہدیہ میں پیش کی تھی تو ان بزرگ نے وہ گھڑی ان بزرگ کو دیدی جن سے خریدی تھی۔جب دینے لگے تو انھوں نے کہا: کہ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ یہ گھڑی میں نے اپنے لئے نہیں لی ہے بلکہ یہ گھڑی دوسرے کیلئے خریدی ہے۔اس نے وکیل بنایا تھا۔وکیل کے تصرفات تو اعطاء مؤکل کے حدتک رہتے ہیں۔بس تصرف میرا ختم ہوگیا اب مجھے تو بیچنے کا اختیار نہیں رہا۔تو فرمایا: بات بالکل اسی طرح سے ہے۔لیکن مجھے توقع ہے میں ان سے کہوں گا۔میں نے آپ کیلئے گھڑی خریدی تھی پھر میں نے اپنی ایک مصلحت سے فروخت کردی۔واپس کردی تو ان کو گرانی نہیں ہوگی۔

یہ ذراسی بات پیش آئی ان حضرات کی، اس سے کتنے مسائل حاصل ہوتے ہیں۔جو شخص ہدیہ پیش کرے اس کے لئے کیا چیز لحاظ رکھنی چاہئے، آداب میں سے کیا ہے۔جب ہدیہ

پیش کر دیا انھوں نے قبول کر لیا نیت پوری ہوگئی۔اب یہ کہ اس میں کوئی تصرف ایسا کریں کہ ان کی گرانی کا باعث بنے یہ نہیں پوچھ سکتے۔جب گھڑی ان کو دیدی ان کی ہوگئی۔چاہے خود رکھیں چاہے کسی کو ہدیہ کریں۔چاہے فروخت، جو بھی چاہے کریں۔یہ بہت غلط طریقہ ہے کہ آدمی یوں سوچے کہ جس طور پر میں چاہتا ہوں اس طور پر اس کو استعمال کریں۔ان کے تصرفات کو محدود کرنا چاہتا ہے۔پھر یہ بھی ہدیہ کرنے میں کس قدر رعایت اور ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے، خیرخواہی کی ضرورت ہوتی ہے،بسا اوقات آدمی ہدیہ پیش کرتا ہے،اخلاص کے ساتھ،اگر اس کو رد کر دیا جائے تو بڑی ناگواری ہوتی ہے۔اس لئے اس ناگواری وگرانی سے بچانا بھی معلوم ہو گیا ہے اور یہ بھی ہدیہ دینے والے کی ہمدردی وخیرخواہی کی جانے کی۔اس کے لئے بھی پوری کوشش کرنی چاہئے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ مسائل شرعیہ میں کسی کی ہمدردی وخیرخواہی کی وجہ سے تصرف وتغیر جائز نہیں۔جو مسئلہ شرعی طور پر ہے وہ اپنی جگہ پر ہے کسی کی خاطر اس میں تغیر وتبدل کر لیا جائے اس کی اجازت نہیں۔غرض یہ کہ بزرگوں کی مجلس میں بیٹھ کر ذرا ذرا سی بات میں بہت سارے مسائل واضح ہوتے ہیں اور دل روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔رحم کا دروازہ کھل جاتا ہے،حقائق ومسائل سامنے آجاتے ہیں اسی لئے صحبت میں بڑے فائدے ہیں۔

عالم کی غیر عالم سے بیعت ہونے کی وجہ

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خط میں موجود ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب اہل علم کسی غیر عالم کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں تو ان کا منشاء یہ نہیں ہوتا ہے کہ غیر عالم سے مسائل دریافت کریں بلکہ منشاء یہ ہوتا ہے کہ جو مسائل کتابوں میں پڑھے تھے اپنے اساتذہ سے، نفس کی سستی کی وجہ سے ان پر عمل نہیں ہوتا تھا صاحب نسبت بزرگ سے بیعت ہوتے ہیں تاکہ ان کی نسبت کی برکت سے ان مسائل پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔چنانچہ یہ ہوتا ہے آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کا واقعہ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے جس وقت بیعت کی سنا ہے حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہی شرط کر لی تھی کہ مجھ سے تہجد نہیں پڑھا جانے کا۔ اس وقت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ ہی آپ شرط کر رہے ہو کس نے کہا ہے تم سے پڑھنے کو بیعت فرمالیا۔ رات کو لیٹتے وقت چار پائی برابر میں رکھی اپنے۔ جہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چار پائی وہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی چار پائی۔ اپنے وقت پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمولات کے لئے اٹھے۔ پس حضرت گنگوہی کی بھی آنکھ کھلی، ذرا کروٹ بدلی لیکن نہیں لیٹا گیا، کھڑے ہوئے اور اٹھ کر انھوں نے بھی تہجد پڑھا۔

اور جو ذکر کہ تلقین کیا تھا وہ ذکر کیا اور ساری عمر اخیر تک نہ تہجد چھوٹا، نہ ذکر چھوٹا۔ وہ صحبت کی برکت ہے۔ گو بزرگوں کی صحبت کا فیض بڑا عجیب ہوتا ہے مگر آدمی ذرا خالی الذہن ہو کر بیٹھے، اپنے پیالے کو قلب کے پیالے کو خالی کر کے بیٹھے تو اس کے اندر کچھ آئے گا۔ مگر قلب کے اندر بہت کچھ ادھر ادھر کا بھرا ہوا ہے تو اس کے اندر آنے کی جگہ ہی نہیں۔ بزرگوں کی صحبت سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے۔ ان کے پاس بیٹھ کر ان کی طریقوں کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسی زندگی گذارنی چاہئے کیا طریقہ ہے زندگی گذارنے کا۔ ایک ایک چیز میں کتنی احتیاط برتتے تھے۔ انھیں حضرات کے اخلاص کی برکت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا فیض عالم میں پہنچایا۔ بہت دور دور تک پہنچایا۔

بات دوسری طرف چل پڑی۔ میں نے آیت تو پڑھی تھی یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰهَ ذِکْرًا کَثِیْرًا۔ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

حدیث شریف میں ہے:

"اُذْکُرُوا اللّٰهَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْن" (الکامل فی الضعفاء: ۹۸۰/ ۳، دار الفکر) اللہ کا ذکر

اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ مجنون ہے۔

ذکر کی چند صورتیں

بزرگوں نے مشائخ نے ذکر کے واسطے فرمایا ہے کہ ذکر کی چند صورتیں ہیں۔ایک ذکر قلبی ہوتا ہے ایک لسانی ہوتا ہے۔ذکر قلبی تفکر کرنا اللہ کی مخلوقات میں اللہ کی صفات میں اللہ کے افعال میں۔اللہ تعالیٰ نے کیا کیا کام کئے کس طرح سے اپنے احسانات عطا فرمائے، اپنے پاک نبی ﷺ کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجا۔اس کا تصور کرے آدمی۔حضور اکرم ﷺ کی ذات عالی کتنی بلند ہے، سارے پیغمبروں کے سردار سب سے زیادہ مقرب۔ان کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا۔انھوں نے تشریف لا کر کیا کیا کام فرمائے، کیسی کیسی ہدایت دی، کیسی کیسی نصیحتیں کیں امت کی خاطر کیسی کیسی مشقتیں برداشت کیں آپ نے شکم مبارک پر پتھر باندھے، کئی کئی روز کے فاقے گذارے، روزے رکھے، پتھر کھائے، گالیاں کھائیں، طعنے سنے، آپ گھر سے نکالے گئے۔ یہ ساری باتیں اللہ کی خاطر امت کو راحت پہنچانے کے لئے، امت کو ہدایت دینے کے لئے حضور ﷺ نے برداشت کیں۔آدمی غور کرے۔

آسمان کی خلقت میں زمین کی خلقت میں، آدمی غور کرے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیسے کیسے درخت پیدا فرمائے، غلے پیدا فرمائے، جانور پیدا فرمائے، ہماری نفع رسانی کے لئے آخر ہمیں بھی تو کسی کام کے لئے پیدا کیا ہوگا۔اس لئے جتنا اس میں غور کرے گا یہ بھی ایک قسم کا ذکر ہے۔

پھر بعض اکابر نے قلب کے ذکر کی بھی صورتیں بتلائی ہیں۔اس کے لئے اذکار بہت سارے تجویز فرمائے۔ذکر قلبی، ذکر روحی، ذکر سری اور خدا جانے کیا کیا آج کل بہت کم بتلاتے ہیں کہ کتابوں میں موجود ہیں، بزرگوں کی تربیت میں موجود ہیں مگر آج کل بہت کم بتلاتے ہیں۔طبائع میں صلاحیتیں کم ہیں قلوب برداشت نہیں کر پاتے ذرا سی خبر ہوتی ہے

دوسری حالتیں منکشف ہونی شروع ہوتی ہیں۔ خدا جانے کیا کیا خیالات آتے ہیں اپنے قلب میں قائم کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بہت ہی سیدھا راستہ سنت کا راستہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ اتباع سنت کا راستہ، بہت سہل و آسان راستہ ہے حق تعالیٰ تک پہنچنے کا۔

جو حضرات علم دین میں مشغول ہیں وہ خدا کے ذکر میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیم ہے حدیث کی تعلیم ہے، فقہ کی تعلیم ہے، یہ سب ذکر ہیں۔ نیت صحیح چاہئے نیت اگر درست ہے انشاء اللہ یہ ساری چیزیں بہت کارآمد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بڑھ کر کون سی چیزیں بڑی ہونگی بارگاہِ خداوندی میں تقرب حاصل کرنے کی۔

جو حضرات وہاں بیٹھ کر تعلیم دے رہے ہیں، اللہ کے ذکر میں لگے ہوئے ہیں نیت درست ہے، اخلاص کے ساتھ ہے۔ روپئے کھانے کے لئے، اپنے اعزاز کے واسطے، لوگوں کے درمیان اقتدار پیدا کرنے کے لئے نہیں، کسی کا مقابلہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کو راضی کرنے کی خاطر ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم دیں بہت اعلیٰ مقام ہے، اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ حدیث شریف پڑھانے والے کا بھی یہی حال ہے۔

بخاری شریف کی تصنیف

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ برس میں بخاری شریف تصنیف فرمائی کتاب مکمل کی وضو کرتے مسواک کرتے، دو رکعت نفل پڑھتے تب ایک حدیث کا ٹکڑا لکھتے تھے۔ اس طریقہ پر سولہ برس گذرے کس قدر پاکیزہ زندگی تھی۔ تقریباً نوّے ہزار لوگوں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست اس بخاری شریف کی سند حاصل کی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا۔ عمر تو زیادہ نہیں ہوئی جیسی عامۃً عمر ہوتی ہے ساٹھ ستر کے درمیان ایسی عمر ان کی بھی لیکن ان کا یہ کارنامہ جاری ہے تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ مشرق و مغرب میں یہ بخاری شریف لوگ پڑھتے

پڑھاتے ہیں۔اسکی شرح لکھتے ہیں ترجمہ لکھتے ہیں حواشی لکھتے ہیں مطالعہ میں مشغول رہتے ہیں ان کا کتنا بڑا فیض ہے یہ بھی ذکر ہے۔حدیث کی شرح لکھنا بھی ذکر ہے،قرآن پاک کی تفسیر لکھنا یہ بھی ذکر ہے،دینی مسائل کا بیان کرنا بھی ذکر ہے۔کوئی چیز ایسی نہیں جس کو ذکر کی لائن سے خارج کیا جاسکے۔یہ سب ذکر ہیں اور بھی مخصوص طور پر جو مشائخ نے ذکر تجویز کیا ہے وہ بھی ذکر ہے۔ "يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَاَصِيْلاً" [اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔اور صبح وشام اس کی تسبیح کرو۔] صبح وشام کی جو تسبیحات متعین کی جاتی ہیں کہ اتنی صبح کو اتنی شام کو پڑھی جائے یہ بھی ذکر ہے یہ قرآن پاک کی اسی آیت میں موجود ہے۔سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَاَصِيْلاً۔صبح شام پڑھا کرو تسبیحات اللہ کی،ذکر کی کثرت کرو۔

سوالاکھ کا ذکر

پھر مشائخ جو ذکر تجویز فرماتے ہیں آج کل بھی بعضے بعضے ایسے حضرات موجود ہیں جن کا معمول سوالاکھ روزانہ کا ذکر کا ہے جبکہ وہ دوسرے کام بھی کر رہے ہیں۔یہ نہیں کہ وہ سب کو لات مار کر بچوں کو چھوڑ کر کاروبار سے الگ ہو کر کونے میں بیٹھ گئے تسبیح لے کر۔ایسا نہیں دوسری چیزیں بھی ان کے ساتھ ساتھ لگی ہوئی ہیں۔سوالاکھ کا ذکر کے معمول رکھنے والے آج بھی موجود ہیں،اللہ کے فضل وکرم سے۔

رائپور میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سوالاکھ تک ذاکر کو بتایا کرتے تھے لیکن جب دیکھا کہ قویٰ کمزور ہیں دماغوں میں تحمل نہیں تو کم کیا۔یہاں تک کہ چوبیس ہزار تک لاکر روک دیا کہ چوبیس ہزار کرلیا کریں۔اس واسطے کہ ایک گھنٹے میں متوسط درجہ کا آدمی ایک ہزار سانس لیتا ہے۔دن رات کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔چوبیس ہزار ہو جائے تو گویا کہ ہر سانس کا ایک ذکر ہو جائے گا۔یہ اس میں مصلحت ہے۔بعض کا اس سے بھی کم رکھا۔اسی واسطے یہاں ذکر کیلئے جمع ہوئے ہیں۔صحبت کے فیض حاصل کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں اس لئے غفلت نہیں ہونی چاہئے۔

قرآن پاک کی تلاوت کیلئے جمع ہوئے ہیں غفلت نہیں ہونی چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ بعضے آدمی اپنے مکان پر بھی اتنا ہی کرلیویں جتنا یہاں کرتے ہیں میں اس کا انکار نہیں کرتا۔ اللہ کے بہت بندے ہیں ایسے۔ اپنے مکان پر بھی اتنا ہی کام کرلیتے ہیں جتنا یہاں کرلیتے ہیں۔ لیکن یہ اجتماعی کیفیت ہے۔ یہ عجیب شان رکھتی ہے۔ اجتماعی کیفیت اور صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

میوات جانا ہوا تھا حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بہت گرم علاقہ پہاڑی علاقہ، پتھر ہر طرف سے گرمی ہی گرمی پہنچے تو ایک پتھر کے مکان میں ٹھہرایا جس میں دو چار پائیاں تھیں بڑی بڑی۔ ایک چار پائی پر تو مولانا کو لٹا دیا ایک چار پائی پر ہم تین آدمی تھے۔ چاہا کہ ذرا دیر آنکھ لگ جائے، گرمی سخت تھی، ذرا ہی دیر لیٹے تھے کہ جماعت کی جماعت آگئی میواتیوں کی۔ میں نے ارادہ کیا کہ اٹھ کر ان کو روک دوں ذرا دیر ٹھہر جائیں مگر مولانا مجھ سے پہلے اٹھ گئے اور فرمایا کہ ہرگز نہیں مت روکو، مت روکو، مت روکو۔ آنے دو، آنے دو۔ سب سے مصافحہ کیا پھر فرمایا کہ جب تک طالب کے دل میں اتنی قدر پیدا نہ ہو کہ وہ تمہاری جوتیوں کو چپاتیاں سمجھنے لگیں اس وقت تک سختی کرنے کا حق نہیں۔ تو طالب کے دل میں پہلے قدر تو پیدا کرو تب غصہ ہونا، روٹھنا بھی صحیح ہوگا۔

صحبتِ شیخ کی ضرورت

عرض عرض کرنے کا خلاصہ یہی ہے کہ اس صحبت کو غنیمت سمجھئے۔ قرآن پاک کی تلاوت یقیناً بہت اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس سے کسی کو انکار نہیں لیکن تلاوت کی جو حلاوت ہوگی وہ صحبت میں بیٹھ کے ہوگی۔ اگر صحبت میسر نہیں تو تلاوت میں حلاوت نہیں۔ تلاوت کے آداب نہیں۔ تلاوت کے وہ آداب جن سے قلب میں رقت پیدا ہو۔ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ

اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَاناً ۔ جب اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اثرات خاصہ مرتب ہوتے ہیں وہ صحبت سے ہوگا۔

لہٰذا تلاوت جو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اس میں حلاوت پیدا کرنے کے لئے صحبت کی ضرورت ہے۔ پہلے صحبت کو حاصل کرو پھر تلاوت کی قدر معلوم ہوگی، استحضار معلوم ہوگا۔قرآن پاک اس طرح تلاوت کرنا چاہئے کہ اللہ کو سنا رہے ہیں۔ یہ تصور کہاں سے پیدا ہوں یہ تصور صحبت سے پیدا ہوگا، بزرگوں کی خدمت میں بیٹھنے سے پیدا ہوگا۔جو چیز اللہ نے ان کے قلب میں پیدا فرمائی ہے وہ حاصل ہوگی تب یہ بات حاصل ہوگی۔

طواف کرنا ایسی چیز نہیں کہ اس کی توہین کی جائے یا گھٹیا درجہ کا بتایا جائے لیکن طواف کی جو لذت ہے،طواف کی جو کیفیت ہے اصل وہ پیدا ہوتی ہے بزرگوں کی صحبت سے۔ایک طواف وہ تھا جو زمانۂ شرک میں کیا کرتے تھے مشرک بھی کرتے تھے۔اور ایک طواف وہ ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیٹھ کر ایمان لا کر اس کے بعد طواف کیا۔ دونوں طواف میں آسمان زمین کا فرق ہے۔اس لئے بات یہ ہے کہ جتنی عبادتیں ہیں جو نفلی عبادتیں ہیں وہ نفلی عبادتیں اپنی تنہائی میں بھی کی جاسکتی ہیں،اپنے مکان پر بھی کی جاسکتی ہیں اور گھر میں آدمی دن بھر پڑا ہی ہے یہاں پر کرنے کے لئے آئے ہیں،تلاوت کرتے رہئے، صبح سے دوپہر تک کرتے رہئے،ذکر کرتے رہئے،ظہر کے بعد سے لے کر عصر تک لیکن مقصد یہ ہے کہ جو عصر کے بعد کا وقت ہے مجلس کا وہ مجلس میں گذارنا چاہئے۔

اس واسطے میرے محترم بزرگو دوستو! ہرگز ہرگز مولانا عبدالحلیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ نہیں کہ تلاوت ہلکے درجہ کی چیز ہے یا طواف ہلکے درجہ کی چیز ہے۔نہیں بہت اونچے درجہ کی چیز ہے تلاوت بھی طواف بھی۔ساری عبادتیں اللہ کا ایک دفعہ نام لینا بہت بڑی چیز ہے۔مقصد یہ ہے کہ مجلس کا جو جو وقت ہے وہ وہاں مجلس میں گھرا رہنا چاہئے۔وہاں سے حلاوت پیدا ہوگی۔قلب کے اندر رقت پیدا ہوگی،اللہ کی یاد پیدا ہوگی۔قرآن پاک کا احترام وادب

معلوم ہوگا اور پھر اس کے بعد جو کچھ پڑھیں گے اس کی کیفیت ہی کچھ اور ہوگی۔ لہٰذا قرآن پاک اور تلاوت اور دوسری عبادات کو اپنی زندگی میں لانے کے لئے صحبت کی ضرورت ہے کہ جس چیز کا جو مقام ہے وہ مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب اہل مقام کے پاس آدمی پہنچتا ہے ان کی صحبت سے متاثر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو یہ دولت عطا فرماتے ہیں۔ بڑی قدر کے ساتھ یہ پڑھتا ہے، ایک ایک حرف کو سمجھ کر سنبھل کر، کیا بات ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قرآن پاک ہاتھ میں لے کر اس کو بوسہ دیتے ہیں اور فرمایا ھٰذَا مَنْشُوْرُ رَبِّیْ یہ میرے رب کا فرمان نامہ ہے، میرے رب کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

کوئی شخص کسی کا محبوب ہو اور وہاں سے خط بھیجے اس کے پاس۔ کیسے اس کو آنکھوں سے لگاتا ہے، پیار کرتا ہے، دل سے لگاتا ہے کہ میرے محبوب کا خط ہے۔ حقیقت میں جب جذبہ قلب کے اندر آیا، محبت قلب کے اندر آئی تو حق تعالیٰ اس کی برکت سے یہ چیزیں عطا فرماتے ہیں۔ اس جذبہ اور داعیہ کو پیدا کرنے کے واسطے صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر صحبت کی ضرورت نہ ہوتی تو جس طرح سے اخبار یا رسالہ جاری ہوتا ہے ماہانہ، اسی طریقہ پر قرآن پاک کا بھی ایک ایک پارہ جاری کر دیا جاتا لیکن اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عامۃً عربی جانتے تھے مادری زبان ان کی عربی تھی۔

قرآن پاک میں قیام کا بھی ذکر ہے: "قُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ" [اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو۔]

رکوع کا بھی ذکر ہے، سجدہ کا بھی ذکر ہے۔ قرأت کا بھی ذکر ہے۔ نماز کے احکام کا ذکر موجود ہے اور عربی زبان میں ہے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان عربی ہے لیکن قرآن کریم میں یہ نہیں کہا گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ نماز اس طرح پڑھو جس طرح قرآن میں آئی بلکہ یہ فرمایا: "صَلُّوْا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ" (مشکوۃ شریف: ۶۶/۱) جس طرح تم مجھ کو نماز پڑھتے دیکھو اس طرح سے پڑھو۔

....

قرآن پاک میں سارے فرائض وارکان موجود ہونے کے باوجود حکم جو کیا گیا وہ یہ کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ کو جس طرح سے دیکھتے ہو اس طرح سے نماز پڑھو۔ اس لئے مجلس کا اثر حاوی ہوسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم ﷺ کو ایک کتاب دی، ایک نور دیا، کتاب میں تمام احکام موجود اور نور رہے اس کو سمجھنے کے لئے۔ حضور اکرم ﷺ نے وہ کتاب بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ فرمائی اور وہ نور بھی حوالہ فرمایا۔ اس نور کی روشنی میں پڑھ کر مسئلہ کا حق ادا کریں تاکہ اس کا حق صحیح ادا ہو سکے۔ اسی طریقہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر بعد والوں کو کتاب بھی دی اور نور بھی دیا۔ اس کے بعد اسی طریقہ پر یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے وہ سنت نورانی موجود ہے۔ وہ نور اگر موجود ہے تو قرآن پاک ذریعۂ ہدایت ہے۔ اس کے ذریعہ سے اللہ کے مطلب کو آدمی صحیح سمجھے گا اور اگر وہ نور موجود نہیں تو گمراہ ہوگا۔ خالی عربی الفاظ تو ابوجہل بھی جانتا تھا، ابولہب بھی جانتا تھا۔ سب جانتے تھے لیکن وہ ان کو فائدہ نہیں پہنچا سکے اس واسطے کہ ان کے پاس وہ نور نہیں تھا۔ آج بھی غیر مسلم لوگ بھی قرآن پاک بھی جانتے ہیں حدیث پاک بھی جانتے ہیں کتابیں بھی تصنیف کرتے ہیں، مقصد آتا ہے پڑھتے بھی ہیں مقابلہ میں لیکن وہ نور ان کے پاس موجود نہیں لہٰذا اس کا جو فیض تھا وہ فیض نہیں ہے۔ پس اس نور کو بھی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک کے لئے مدارس اللہ کے فضل و کرم سے موجود ہیں۔ الفاظ کو وہاں سے پڑھا جاتا ہے معانی کو علماء سے سیکھا جاتا ہے، تفسیر کو علماء سے لیا جاتا ہے اور بھئی جو اہل باطن ہیں اہل نسبت ہیں ان سے نور کو بھی حاصل کرنا تم کو بھی ضروری ہے۔ وہ نور آئے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک ایک حرف کی نورانیت محسوس ہوگی۔ ایک ایک چیز کے اندر معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کتنی حکمتیں رکھ رکھی ہیں۔ اس واسطے قرآن پاک کی تلاوت ہے، نوافل ہیں طواف ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کے متعلق کوئی بے ادبی کا لفظ کہا جا سکے یا اس کو ہلکا سمجھا جا سکے بالکل نہیں قلوب کو صاف کر لیا جائے۔ ہرگز ہرگز کسی چیز کا ہلکا ہونا بیان کرنا مقصود

نہیں بلکہ اس کو تو لئے مقام پر لانے کے لئے۔ اس کا حق ادا کرنے کے لئے بتایا گیا کہ فیض صحبت حاصل کرو اور جو فیض صحبت موجود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے عطاء فرما رکھا ہے تو اس صحبت کو کام میں لاؤ۔ اس کو حاصل کرو اور اس کے مطابق قرآن پاک پڑھو اس کو سمجھ کر انشاء اللہ بڑا فائدہ ہوگا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے۔ آمین۔ اچھا بھئی میں نے جو عرض کیا رات کے جاگنے کا اہتمام کریں گے۔

دعا

دعا فرمالیجئے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ تین مرتبہ۔

اے پاک پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف فرما۔ اے پاک پروردگار اپنے نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی قدردانی نصیب فرما، اے پاک پروردگار اس مبارک مہینہ کو اس مہمان کو ہمارے لئے باعثِ رحمت بنا، اے پاک پروردگار اس کو ہمارے لئے گواہی دینے والا بنا، اے پاک پروردگار اسکو ہمارے خلاف حجت نہ بنا، اے پاک پروردگار راتوں کو ہمیں قیام کی توفیق عطا فرما، نوافل کی توفیق عطا فرما، یا اللہ صحبت کے فوائد سے بھرپور فوائد عطا فرما، اے پاک پروردگار آپس میں سب کے میل محبت پیدا فرما، اے پاک پروردگار جسمانی روحانی امراض سے سب کو صحت عطا فرما، اے اللہ تیرا نام لینے تیرا نام سیکھنے کے لئے جتنے آئے ہیں کسی کو بھی محروم نہ فرما، اے اللہ تیری رحمت کا دریا ناپیدا کنار ہے اے پاک پروردگار سب پر زیادہ سے زیادہ رحمت فرما۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ ❑❑❑

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس بیان میں

☆......کمال ایمان کے لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال محبت ضروری ہے۔

☆......کمال محبت کی شرط وعلامت۔

☆......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر اہل اللہ کے واقعات۔

☆......ایمان کے معنی اور ایمان کی حقیقت۔

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔

فَقَدۡ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤۡمِنُ اَحَدُکُمۡ حَتّٰی اَکُوۡنَ اَحَبَّ اِلَیۡہِ مِنۡ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ۔ (مسند احمد: ۳/۱۷۷)

[حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اس کو اس کے والد اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔]

ایمان کی علامت

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی ایک خاص علامت بتائی ہے۔ کوئی شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا جب تک اس کے دل میں میری محبت ماں باپ سے، اولاد سے، تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن ہونے کی نشانی بتائی۔ آدمی مومن کہلانے کا حقدار کب ہے جب اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی محبت ہو کہ ماں باپ کی ہو نہ اولاد کی ہو نہ کسی اور کی۔ سب سے زیادہ محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہونی چاہئے تب جا کر آدمی مومن کہلانے کا مستحق ہوگا۔ محبت کا دعویٰ کر لینا بہت آسان ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے لیکن اس کے واسطے کچھ آثار کچھ علامات بھی ہونی چاہئیں۔ اس کا دعویٰ بغیر دلیل

کے قابل تسلیم نہیں ہوتا اس کے لئے کچھ دلیل ہونی چاہئے ثبوت ہونا چاہئے تب جا کر دعویٰ قابل تسلیم ہوتا ہے ورنہ کوئی شخص کسی سے کہدے کہ فلاں شخص کے ذمہ میرے دولاکھ روپئے ہیں۔ اتنا کہنے سے وہ مجرم ہو جائے گا۔ اس کے دولاکھ روپئے دلانے ضروری ہو جائیں گے۔ ثبوت پیش کرنا ہوگا۔ تو دعویٰ تو آدمی کرلے کہ حضور ﷺ سے مجھے سب سے زیادہ محبت ہے لیکن اس کے لئے دلیل اور ثبوت کیا ہے۔ اس کی دلیل، ثبوت، شواہد، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں ملیں گے۔

کمال محبت کی علامت

جس وقت میں مقابلہ ہو جائے ایک کی محبت ادھر کو پکارتی ہے دوسرے کی محبت اُدھر کو پکارتی ہے تو آدمی کس کی آواز پر جاتا ہے کس کی پکار پر جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی محبت زیادہ ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا باپ رسول اکرم ﷺ کے خلاف بات پیش کرتا ہے تو باپ کی مانتا ہے یا حضور اکرم ﷺ کی مانتا ہے اس سے اندازہ ہو جائے گا کس کی محبت زیادہ ہے۔ ایک بات حضور ﷺ فرماتے ہیں دوسری بات بیٹا کہتا ہے دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مخالف بیٹے کی مانتا ہے یا حضور ﷺ کی مانتا ہے۔ آدمی خود اپنے جی میں فیصلہ کرلے پتہ چل جائے گا کس کی محبت زیادہ ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب یہ حدیث سنی تو انھوں نے عرض کیا حضور اکرم ﷺ میرے دل میں آپ ﷺ سب سے زیادہ محبوب ہیں اپنی جان کے سوا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ابھی کسر ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: حضور! اب تو اپنی جان سے بھی زیادہ آپ عزیز ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اب تمہارا ایمان کامل ہوا۔ ان

چیزوں کے شواہد کثرت سے ملیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت فرماتے تھے۔اس محبت کے ثبوت کے لئے ان کی زندگی کو تلاش کیجئے۔روایات میں آتا ہے کہ غزوۂ بدر میں جو سب سے پہلا جہاد ہے پہلی لڑائی ہے۔مشرکین بہت بڑا جتھہ لے کر بہت بڑا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے مکہ مکرمہ سے آئے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہاں ایک چھپر ڈال دیا گیا تھا کہ جس شخص کو ضرورت ہو کوئی بات کہنے کی اس چھپر میں آ کر بات کہہ لیا کرے اور پہرہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متعین کئے گئے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے۔کوئی شخص پچاس قدم کے فاصلہ پر سے بھی نظر اٹھا کر دیکھتا تھا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شیر کی طرح دوڑتے تلوار لے کر کوئی مخالف اگر ادھر دیکھتا۔اللہ نے کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح ہوئی۔سارا قصہ سنانا مقصود نہیں ہے تھوڑی سی بات اس میں سے سنانی مقصود ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جو بیٹے تھے ان کا نام ہے عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، وہ بھی اس وقت مشرکین کے ساتھ تھے،اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ایک وقت ایسا آیا اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق دی مسلمان ہو گئے تو ایک دفعہ کہنے لگے کہ ابا بدر کی لڑائی میں آپ میرے نشانہ پر آ گئے تھے میں چاہتا تو میں آپ کو مار دیتا لیکن باپ ہونے کا لحاظ کر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تو نے باپ ہونے کا خیال کر لیا۔اگر تو میرے نشانہ پر آ جاتا تو میں بیٹا ہونے کا خیال نہ کرتا فوراً قتل کر دیتا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تلوار لے کر آتے ہو۔مقابلہ کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کس کی محبت غالب ہے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد نے کہا کون کلمہ ناشائستہ کہہ دیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے خلاف۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تاب نہیں لا سکے فوراً پتھر مارا ہے باپ کے۔اس کے بعد آ کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور! میرے باپ کی زبان سے ایسا لفظ نکلا۔میں نے اس کے جواب میں پتھر مارا۔آپ دعا کیجئے کہ

اللہ تعالیٰ میرے باپ کو ایمان کی دولت عطا فرمائے۔ باپ اس وقت تک مسلمان نہیں تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے دعا کی۔ اللہ نے کیا وہ مومن ہو گئے۔ ادھر حضرت نبی اکرم ﷺ کا تعلق اس بات کا مقتضی تھا کہ پتھر مارے ادھر باپ کا خیال بھی لازم تھا۔ باپ کا حق اس طرح ادا کیا کہ حضور اکرم ﷺ سے دعا کرائی ان کے ایمان کے واسطے، ہدایت کے واسطے۔ حضور اکرم ﷺ کے حق کو ادا کیا۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی کمال محبت

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت نبی اکرم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ ام المومنین کے والد تھے ابوسفیان۔ ابوسفیان اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے، سخت مخالف تھے اسلام کے۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گئے، پہلے سے وہاں بستر بچھا ہوا تھا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا باپ کو آتا دیکھ کر۔ انھوں نے سوال کیا کہ بیٹی دنیا بھر کا دستور ہے کہ باپ جب جاتا ہے بیٹی کے گھر تو بیٹی اس کے اعزاز میں لا کر بستر بچھایا کرتی ہے۔ تم نے بچھے ہوئے بستر کو لپیٹ دیا یہ کیا طریقہ ہے۔ جواب دیا کہ یہ بستر حضرت نبی پاک ﷺ کا بستر ہے۔ تم ناپاک ہو اس قابل نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے بستر مبارک پر بیٹھ سکو۔ ان کے قلب میں حضور اکرم ﷺ کی محبت اپنے باپ سے بھی زیادہ تھی، جبکہ باپ کفار مکہ کا سردار بھی ہے۔

ان حضرات کی ساری زندگی اس طرح گذری کہ حضور اکرم ﷺ سے جس کو محبت اس سے انکو محبت، حضور اکرم ﷺ سے جن کو عداوت ان سے انکو عداوت چاہے باپ ہو بیٹا ہو۔

بھائیو! یہی وجہ ہے کہ جس وقت غزوۂ بدر میں ستر مشرکین قید کر کے لائے گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے مشورہ فرمایا کہ ان کے متعلق کیا کرنا چاہئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک مشورہ تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اور مشورہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ یہ تھا کہ ہم لوگوں میں سے جس جس کا رشتہ دار قید ہو کر آیا ہے اس کو اس کے حوالہ کیا جائے تا کہ وہ اس کی

گردن مارے۔ میرے حوالہ میرے فلاں رشتہ دار کو کیا جائے، فلاں شخص کے حوالہ فلاں اس کے رشتہ دار کو کیا جائے۔ یہ رشتہ داری کا تعلق مانع نہ ہونا چاہئے۔ ان سے انتقام لیں گے۔ یہ وہ ہی ہیں جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے ہیں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لہٰذا یہ مستحق قتل ہیں۔ اب ان کو قتل کیا جائے۔ یہ جذبۂ ایمان تھا۔ اسی جذبۂ ایمان کی وجہ سے ان کا مقام بہت بلند تھا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی کمال جاں نثاری

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں ان کو پھانسی دی گئی سولی پہ چڑھایا گیا۔ واقعہ ان کا یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو بھیجا اپنے کام کے لئے۔ یہ لوگ رات میں چلتے تھے دن میں سوتے تھے۔ کیونکہ آس پاس مشرکین مخالفین تھے۔ ایک جگہ پر ان حضرات نے ناشتہ کیا، ناشتہ کیا تھا وہی مدنی کھجوریں، کھجوریں کھائیں۔ گٹھلیاں پھینکدیں چلے گئے۔ گٹھلیاں ان مخالفین کے ہاتھ لگ گئیں۔ انھوں نے کہا او ہو یہ تو مدینہ طیبہ کی کھجور کی گٹھلیاں ہیں، کون لوگ ہیں یہاں کسی نے کہا ہاں میں نے بھی کچھ آدمیوں کو ادھر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ڈھونڈنے بھالنے میں لگ گئے۔ ڈھونڈ لیا ایک مقام پر پہنچ کر ان کو گھیر لیا۔ یہ حضرات ایک ٹیلہ پر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور مشرکین تیر کمان لئے ہوئے ٹیلہ کے گرد اگرد کھڑے ہو گئے اور ان کو مارنے کا ارادہ کیا۔ پہلے کہا اچھا تم لوگ نیچے اتر آؤ۔ ٹیلہ سے پہاڑی سے ہم تم کو امن دیتے ہیں قتل نہیں کریں گے۔ اس دستہ کے جو امیر تھے انھوں نے کہا بھئی میں تو مشرک کی پناہ میں جاتا نہیں صاف صاف بات جس کا جو چاہے کرے۔ چنانچہ ان لوگوں نے تیر سے مارا یہاں تک کہ ان میں سے سات آدمی شہید ہو گئے۔ تین رہ گئے وہ تین نیچے اتر آئے یعنی ان کی امن میں پناہ میں آ گئے۔ ان لوگوں نے کیا کیا اپنی کمان میں کھول کر ان کو باندھنا چاہا، ان میں سے ایک صاحب بولے بھئی جب ہم تمہارے امن میں پناہ میں آ گئے

اب باندھنے کے کیا معنیٰ ؟ کیوں باندھتے ہو؟ لہٰذا میں بھی تمہاری پناہ میں نہیں رہتا۔ جہاں یہ ساتھ گئے میں بھی وہیں جاتا ہوں۔ انھیں نیچے ڈالا گھسیٹا، کھینچا، یہاں تک کہ ان کو بھی قتل کر دیا۔ دو رہ گئے۔ دو میں سے ایک کو لے جا کر مشرکین کے ایک گروہ کے ہاتھ بیچ دیا دوسرے کو دوسری جگہ بیچ دیا۔ چونکہ ان میں سے ایک خبیب رضی اللہ عنہ تھے ان کو مکہ والوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ انھوں نے غزوۂ بدر میں مشرکین میں سے کسی بڑے کو قتل کیا تھا۔ اس کے وارث کے ہاتھ بیچ دیا۔ انھوں نے کہا اچھا مجھ تو موقعہ ملا۔ کچھ روز تک ان کو باندھے رکھا۔ وہاں جب ان کے قتل کا وقت آیا ان کو حرم سے باہر لائے۔ مشرکین بھی حرم کا احترام کیا کرتے تھے۔ باہر لا کر پھانسی دی ان کو اوپر لٹکا کر کہا کیا تم کو یہ بات گوارا ہے کہ تم کو چھوڑ دیا جائے، محمدؐ کو تمہاری جگہ پھانسی دیدی جائے۔

انھوں نے کہا تم ایسی بات کہتے ہو واللہ مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ اپنے مقام پر جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوں وہاں آپ کے پیر پر کانٹا بھی چبھ جائے۔ یہ بھی گوارا نہیں چہ جائیکہ میری جان کے بدلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پھانسی دی جائے۔ اپنی جان سے زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دلوں میں تھی۔

ایک مشرکہ بیان کرتی ہے کہ میں نے دیکھا یہی خبیب رضی اللہ عنہ زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں لیکن انگور کا ایک بہت بڑا گچھا ان کے پاس رکھا ہوا ہے وہ کھا رہے ہیں اس میں سے۔ حالانکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں کہیں انگور نہیں تھا۔ کوئی ان کو لا کر دینے والا نہیں۔ آج اللہ نے ان کو عطا فرما دیا۔ استرہ ہاتھ میں لئے ہوئے تھے اس کا ایک چھوٹا بچہ جو ابھی پیروں پر کھڑا ہو کر چل نہیں پاتا تھا انھوں نے اٹھا کر اس کو گود میں بٹھا لیا۔ وہ عورت گھبرا گئی کہ میرا بچہ ان کی گود میں چلا گیا سنا ہے کہ ان کے لئے قتل تجویز ہے۔ استرہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ کیا پتہ میرے بچہ کو بھی ختم کر دیں ان کے ساتھ۔ اس کے چہرہ کی پریشانی دیکھ کر یہ تاڑ گئے۔ پوچھا بچہ کے لئے تم پریشان ہو۔ نہیں ایسا نہیں بچہ نے کیا قصور کیا کہ میں اسے ماروں گا۔

بہر حال جب ان کو قتل کیا جانے لگا تھا ان سے پوچھا گیا کوئی آخری حسرت ہے

تمہاری۔ کہاہاں دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ نماز کے ساتھ اتنا گہرا تعلق تھا۔ آخر میں کیا کیا کہ دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ چنانچہ دو رکعت نماز پڑھی پھر فرمایا جی اور بھی چاہتا ہے نماز پڑھنے کو مگر مجھے یہ اندیشہ ہے کہ تم لوگ کہو گے کہ موت کے ڈر سے نمازیں پڑھنے لگا ہے۔ دعا کی کہ اے اللہ! اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچا دیجیو کہ ہمارا یہاں یہ حال گذرا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اطلاع ہوگئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ کوئی ہے جو خبیب رضی اللہ عنہ کی خبر لائے۔ اس پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: اچھی بات میں لاتا ہوں۔ یہ آئے آکر کے تلاش کیا دیکھا کہ کھجور کے تنے میں لٹکا رکھا ہے ستر آدمی آس پاس پہرے پر موجود ہیں۔ یہ ٹھہر گئے دور ہی، پھر رات کے وقت کسی وقت دیکھا کہ سب غافل ہیں۔ اس وقت یہ آئے اور آکر ان کی لاش کو وہاں سے اتارا اور اپنے گھوڑے پر رکھا اور چلے لے کر۔ اتنے میں وہ بیدار ہو گئے جو سو رہے تھے پہرے دار یکدم دوڑ لگی۔ کفار جب قریب پہنچے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ اب پکڑ لیں گے، دعا کی۔ یا اللہ! ان لوگوں سے حفاظت فرما۔ زمین فوراً کھلی لاش اندر چلی گئی، ان لوگوں کے ہاتھ نہیں لگی۔ اسی وجہ سے ان کا لقب محدثین کے یہاں "بلیع الارض" ہے۔ بلیع کے معنیٰ نگلا گیا۔ زمین نے نگل لیا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء جوں جوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوتا گیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر عمل کرتے گئے۔ سمجھتے گئے کہ ہمارے لئے ذریعۂ نجات یہی ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کمال محبت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک ریشمی جبہ پہن کر حاضر خدمت ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ریشم تو مرد کیلئے جائز نہیں۔ یہ کیا کیا۔ بس فوراً واپس چلے گئے اور اتار دیا۔ پھر دوسرے وقت حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ وہ ریشم کا جبہ کیا کیا؟ تو فرمایا نان بائی کی دکان تھی تنور جل رہا تھا۔ اس میں جھونک دیا جلا دیا۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کیوں جلا دیا؟ تم کو تو پہننے سے منع کیا تھا بچیوں کے کپڑے بنوا دیتے اس میں سے۔

میرے محترم بزرگو دوستو! حضرت نبی اکرم ﷺ محبوب تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے، جو چیز محبوب کی نظر میں محبوب اور پسند ہو محب اس کو نہیں دیکھا کرتا کہ کسی کام آ بھی سکتی ہے یا نہیں ان کے نزدیک تو تنور میں جھونکنے کے سوا کوئی اور صورت تھی ہی نہیں یعنی بالکل بیکار نکمی ہے وہ چیز جو حضرت نبی اکرم ﷺ کی نظروں میں ناپسند ہے تو پھر اس میں سوچنے کی گنجائش نہیں۔

ایک صحابی کا سونے کی انگوٹھی اٹھانے سے انکار کرنا

ایک صحابیؓ ایک مرتبہ انگوٹھی پہن کر آئے سونے کی۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور اس میں سے انگوٹھی نکال کر پھینک دی اور فرمایا۔ یہ اہل جہنم کا زیور ہے۔ اہل جہنم کے لئے ہے یہ۔ پھر اس کے بعد حضور اکرم ﷺ چلے گئے، انگوٹھی وہیں پڑی رہی۔ ان سے کسی نے کہا تمہاری انگوٹھی پڑی ہے اس کو اٹھا لو تمہارے کسی اور کام میں آوے گی۔ انھوں نے کیا جواب دیا کہ آقائے نامدار سرور کائنات ﷺ نے جس چیز کو پھینک دیا میں اسے نہیں اٹھا سکتا۔ انگوٹھی حضور اکرم ﷺ کی پھینکی ہوئی ہے۔ کیا محب اور عاشق اسے اٹھائیگا جب محبوب نے پھینک دیا۔ سوال یہ ہے کہ ایک انگوٹھی کے ساتھ ان کا معاملہ یہ تھا انگوٹھی کو حضور اکرم ﷺ نے پھینک دیا ہے ہم ان کو سینے سے لگائیں گے یا پھینکیں گے؟ جس صورت شکل کو حضور اکرم ﷺ نے ناپسند فرمایا کیا ہم اس کو پھینک دیں گے کیا وہ جو ہمارے گھروں میں موجود ہیں۔ جس رسم کو حضور ﷺ نے پھینک دیا کیا ہم نے اس کو پھینک دیا کیا وہ موجود نہیں ہمارے گھروں میں۔ جس بدعت کو حضور ﷺ نے پھینک دیا تھا "من احدث فی دیننا لیس منه فهو رد" (مشکوۃ شریف: ۱/۲۷، باب الاعتصام) [جو شخص ہمارے دین میں اپنی نئی چیز ایجاد کرے جو دین میں نہیں وہ مردود ہے۔] فرمادیا

کیا وہ ہمارے گھروں میں نہیں ۔جس چیز کو حضرت نبی اکرم ﷺ نے پھینک دیا یا ناپسند فرمایا دور کیا منع کیا ان سے اعراض فرمایا وہ ہمارے یہاں موجود۔

ایک صحابی کا مکان گرادینا

شان تو یہ ہوتی ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ تشریف لے جارہے تھے ایک صحابیؓ کا ایک مکان تھا قبہ کی شکل کا۔ وہاں سے گذر ہوا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کس کا مکان ہے۔عرض کیا گیا فلاں صحابیؓ کا۔اس کے بعد پھر صبح جب مجلس میں وہ انصاری حاضر ہوئے، انھوں نے آکر سلام کیا تو حضرت نبی اکرم ﷺ نے سکوت فرمایا۔ان کو شبہ ہوا کہ شاید کوئی بات ایسی پیش آئی ہو جو حضور اکرم ﷺ کو ناگوار گذری اسی وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے سلام کرنے پر جواب نہیں دیا، چہرۂ مبارک پھیر لیا۔محبوب دو عالم ﷺ نے چہرہ مبارک پھیر لیا اب کیا ہوگا۔ہمت نہیں پڑی دریافت کرنے کی۔ساتھیوں سے پوچھا کیا میری کوئی شکایت پہنچی ہے۔بتلایا شکایت تو معلوم نہیں۔ہاں تمہارے مکان پر سے گذرتے ہوئے دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔بس فوراً اٹھے اور جا کر کدال لے کر مکان کو گرایا اور ملبہ اینٹ پتھر سب اٹھا کے ڈال دیا۔گرا دیا مکان کو حضرت نبی اکرم ﷺ کو ناپسند ہونے پر چہرہ انور پھیر لیں اب کون اس مکان میں رہے۔

یہ تھی شان ان حضرات کی محبت کی۔تو پھر غایت عمل یہ تھا غایتِ اخلاص یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کو آکر کہا کبھی نہیں، نہ تو اس پر پوچھا کہ حضور مکان تو ضرورت کی چیز ہے گرمی سردی برسات سے تحفظ کے لئے ضروری چیز بیوی بچے کے رہنے کے لئے آخر مکان چاہئے ہی۔ بالکل نہیں پوچھا۔ یہ بھی نہیں پوچھا اگر ایسا نہیں تو دوسرے قسم کا بنا لوں۔کوئی بات نہیں پوچھی بس اس مکان کو گرا دیا اور گرا کر آکر کہا بھی نہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے مکان گرا دیا۔خود ہی حضور اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ دریافت کیا بتلایا گیا۔

یہ شان تھی کہ نہ ان کی نظروں میں مکان کی کوئی حیثیت تھی نہ قبہ کی کوئی حیثیت تھی کسی چیز کی کوئی حیثیت نہیں تھی جو نبی اکرم ﷺ کے منشاء کے خلاف ہو۔ ہر وہ چیز جو حضرت نبی اکرم ﷺ کی نظروں سے گری ہوئی ہو اس کو ناپسند کرتے تھے۔

اونٹوں کی چادروں کو اٹھا کر پھینک دیا

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ سفر میں تھے۔ اونٹوں پر سوار، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت ساتھ تھی۔ یمنی سرخ سرخ چادریں اونٹوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان چادروں کو دیکھ کر فرمایا تم لوگوں کی طبیعت ان خوشنما چادروں کی طرف مائل ہوتی جارہی ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ فوراً اونٹوں سے کود ے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور چادر اتار اتار کر پھینک دی۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کو جو چیز ناپسند ہے وہ ہرگز برداشت نہیں کی ان حضرات کی یہی علامت ہے محبت کی۔ محبت کا دعویٰ ہو اور محبوب کی مرضی کے خلاف چیزیں۔ اپنے بدن میں موجود ہوں، اپنے گھر میں موجود ہوں، اپنے معاشرہ میں موجود ہوں، اپنی کمائی میں موجود ہوں، اپنی تجارت میں موجود ہوں، اپنی ملازمت میں موجود ہوں ہر چیز حضرت نبی اکرم ﷺ کے منشاء کے خلاف ہو پھر دعویٰ محبت۔ یہ دعویٰ محبت تو باطل ہے، اس دعویٰ کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اس دعویٰ کے متعلق تو بہت سے۔ بہت یہ کہا جائے گا یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ۔ زبانوں سے ایسی بات کہتے ہیں جو دلوں میں نہیں۔ ورنہ دلوں میں ہوتی تو پھر زندگی کا رخ دوسرا ہوتا۔ اسی کو کسی نے کہا ہے:

تَعْصِی الرَّسُوْلَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ
اِنَّ هٰذَا لَفِی الْفِعَالِ بَدِیْعٌ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

[تم حضرت رسول اکرم ﷺ کی محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی کرتے ہو۔ بلا شبہ یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے۔ اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع وفرمانبردار ہوتے۔ اس لئے کہ محب اپنے محبوب کا مطیع وفرمانبردار ہوا کرتا ہے۔]

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تمنا

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا حضور ایک بات بتائیے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ سے فرمائیں مانگو کیا مانگتے ہو تو آپ کیا مانگیں گے؟ جواب دیا کچھ نہیں، صرف اتنی درخواست کروں گا اے خدائے پاک! تیرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھی اس کا کوئی حصہ مجھے عطا فرمادے۔ بس اتنی مانگ۔ یہی محبت تھی درحقیقت اعلی درجہ کی۔

قاسم! میں نے تجھے دو جہاں کے بادشاہ کے پاس پڑھتے ہوئے دیکھا ہے

دہلی میں ایک مجذوب رہا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پڑھا کرتے تھے دہلی میں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی مجذوب کے پاس جایا کرتے تھے اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بہت بچتے تھے ان سے۔ اس راستے سے نہیں چلتے تھے جس راستے میں یہ بیٹھے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے۔ ان مجذوب کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی بات اپنے پیر کی نقل کرتے تو کہتے میرے بادشاہ نے یوں کہا۔ اور جب کوئی حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کرتے تو کہتے دو جہاں کے بادشاہ نے یوں کہا۔ ان کا یہ طریقۂ گفتگو تھا۔ جب انھوں نے

دعا کی درخواست کی تو انھوں نے فرمایا۔ قاسم تو مجھ سے دعا کیلئے کہتا ہے میں نے دو جہاں کے بادشاہ کے پاس تجھے پڑھتے دیکھا، دو جہاں کے بادشاہ کے پاس میں نے تجھے پڑھتے دیکھا۔ یہ واقعہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا تھا۔ پھر فرمایا واقعہ یہی ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست علوم منتقل ہوتے تھے۔ ان کے اردو کے چھوٹے چھوٹے رسائل میں وہ عالی مضامین موجود ہیں کہ صدیوں کے اکابر کی کتابیں ان سے خالی ہیں۔ ان حضرات کا تعلق براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اتباع سنت کا مقام

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ ہے کہ بہت کو معارف بہت کو مکاشفات دوسرے عالم کے سامنے آئیں لیکن ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک شخص استنجاء سنت کے مطابق کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو کچھ اس کی مقبولیت ہے وہ ان معارف کی نہیں، مقصود اتباع سنت ہے۔ جس قدر اتباع سنت ہوگا اسی قدر اللہ کے یہاں مقبول ہوگا۔

مُرَافِقَتُكَ فِي الْجَنَّةِ

ایک صحابی ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات میں رہتا، آپ کے واسطے وضو کا پانی اور ضرورت کی چیزیں لاتا۔ ایک مرتبہ فرمایا "سَلْ" مانگ کیا مانگتا ہے۔ کتنے خوش نصیب ہیں، فرمایا جا رہا ہے: مانگ کیا مانگتا ہے۔ انھوں نے کیا مانگا۔ ہم لوگ بھی اپنے اپنے جی میں سوچ لیں۔ جب ہم سے پوچھا جائے مانگو کیا مانگتے ہو۔ ہم کیا کہتے۔ انھوں نے عرض کیا: «مرافقتك في الجنة» حضورؐ میں آپؐ کا ساتھ مانگتا ہوں۔ جنت میں یہ چاہیئے کہ آپؐ کا ساتھ نصیب ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَوَغَيْرَ ذٰلِكَ» اس کے علاوہ کچھ اور مانگ لے۔ انھوں نے عرض کیا: حضرت!

میری درخواست تو یہی ہے۔(مشکوۃ شریف: ۸۴/۱)

ظاہر بات ہے جس کو جس سے محبت ہوتی ہے چاہتا ہے کہ اس کو اس سے مرافقت نصیب ہو جائے۔دنیا میں بھی مرافقت ہو جائے اور یہاں تک کے بعضے بعضے اس کی بھی خواہش کیا کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد قبر بھی قریب ہو جس سے گہرا تعلق ہوتا ہے۔قبر وہاں ہو۔کتنے لوگ وصیت کرتے ہیں کہ ہماری قبر فلاں بزرگ کے پاس فلاں بزرگ کی قبر کے قریب ہو ہماری قبر۔اور پھر جنت کی مرافقت۔یہ تو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی مرافقت مانگی۔کہ آپؐ کا ساتھ اس دنیا میں تو نصیب ہوتا ہے جنت میں بھی نصیب ہو جائے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش

گنگوہ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ چائے بنا کر تہجد کے وقت پلایا کرتے تھے۔خاص آدمی تھے،زیادہ تعلق تھا۔حضرت نے فرمایا۔سب لوگ اپنی اپنی باتیں کہتے ہیں تم اپنی بات کبھی کچھ نہیں کہتے۔فرمایا حضرت کیا کہوں ایک تمنا ایک خواہش ہے وہ یہ کہ یہاں تو خدمت کا موقع ملتا ہے۔جی چاہتا ہے کہ اس عالم میں بھی خدمت کا موقع مل جائے۔انھوں نے کہا ضرور انشاء اللہ ضرور۔

جب ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مرافقت چاہیے جنت میں۔تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا:"اعنی بکثرۃ السجود" (مشکوۃ شریف: ۸۴/۱) دیکھو بھئی تم میرے پاس جنت میں رہنا چاہتے ہو تو اس میں تم کو میری ذرا مدد کرنی ہو گی۔اپنے نفس کے خلاف کثرت سجود کے ساتھ نماز زیادہ پڑھا کرو چاہے جی نہ چاہتا ہو جی پر بوجھ ہوتا ہو مگر نماز زیادہ پڑھا کرو۔جب نماز زیادہ پڑھا کرو گے تو یہ میری مدد ہو گی کہ میں اس کی بدولت اللہ تعالیٰ سے درخواست کروں گا کہ اس بندہ کو میرے ساتھ جنت میں رکھنا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنے والے اس دنیا میں رہتے ہوئے

اپنی پوری زندگی کا جائزہ لیں کہ کون سی بات ہماری زندگی میں حضور اکرم ﷺ کے منشاء کے خلاف ہے۔حضور اکرم ﷺ کی مرضی کے خلاف ہے۔ان کو نکالنے کی کوشش کریں۔یکدم تو ساری چیزیں نہیں نکلتیں۔آہستہ آہستہ نکلتی ہیں۔طبیعت پر بوجھ بھی ہوگا لیکن برداشت کرنا ہوگا۔ایک اپنی طبیعت کا بوجھ، ایک حضور اکرم ﷺ کی طبیعت کا بوجھ۔کتنی خسارہ کی بات ہے اپنی طبیعت کا بوجھ تو برداشت کرلیں حضور اکرم ﷺ کی طبیعت کا بوجھ برداشت نہ کریں۔

ریش می تراشم دل کس رانمی خراشم

فارس میں کوئی شخص تھے۔انھوں نے ہندوستان کے کسی شاعر کا کلام دیکھا۔اس کلام کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے کہ بھئی اس شخص سے ملنا چاہئے۔وہ چل کر آئے فارس سے۔اس زمانہ کا سفر آسان سفر نہیں تھا۔وہاں سے چل کر آئے گھومتے گھامتے اس شاعر کے پاس پہنچے۔وہ سمجھتے تھے کہ کوئی بہت بڑے عارف شخص ہوں گے۔ولی اللہ ہوں گے، ان کی زندگی ساری کی ساری سنت کے مطابق ہوگی۔اشعار سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا لیکن جب یہاں ان کے مکان پر پہنچے تو دیکھا ڈاڑھی منڈوا رہے ہیں۔بس وہیں یہ کہا کہ:

''آغا ریش می تراشی'' کیوں صاحب آپ ڈاڑھی چھلوا رہے ہیں۔

انھوں نے شاعرانہ جواب دیا۔''بلے ریش می تراشم دل کس رانمی تراشم'' ہاں میں ڈاڑھی چھیل رہا ہوں کسی کا دل نہیں چھیل رہا ہوں۔

انھوں نے کہا:''غلط می گوئی'، دل می تراشی دل آں کس می تراشی کز وعرش اعظم می سرزد'' کہ تم غلط کہتے ہو کسی کا دل نہیں چھیل رہے ہو، دل چھیل رہے ہو اور اس ذات عالی کا دل چھیل رہے ہو جن سے عرش اعظم کانپتا ہے، حضور اقدس ﷺ کا تم دل چھیل رہے ہو۔

اب ہمیں کبھی خیال ہوتا ہے کہ ہم ہر کام سنت کے خلاف کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ

کو تکلیف پہنچے گی۔ چونکہ طالب صادق تھے اخلاص کے ساتھ بات کہی از دل خیزد و بر دل ریزد "
جو بات دل سے نکلتی ہے دل پر اثر ہوتا ہے۔

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

پر نہیں مگر پرواز کی طاقت اس کے اندر ہے۔ بات کہی ان شاعر صاحب کے دل پر
لگی فوراً ڈاڑھی اسی حالت میں چھوڑ دی۔ اور کہا:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی
مرا با جان جاں ہمراز کردی

اللہ تم کو جزائے خیر دے تم نے میری آنکھیں کھول دیں۔ جان جاناں کے ساتھ
مجھے ہمراز کر دیا۔

ڈاڑھی چھلوانے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں موجود ہے۔ ایک شخص آیا ڈاڑھی خراب کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمت میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ اذیت ہوتی تھی تو پھیرا چہرۂ
مبارک دوسری طرف۔ اگر کسی کی بات پسند ہوتی ہے تو تب تھوڑے ہی منہ پھیرا جاتا ہے۔
منہ تو اس سے پھیرا جاتا ہے جس کی بات ناپسند ہو دل کو جی سے صدمہ پہنچے، رنج پہنچے اس سے منہ
پھیرا جاتا ہے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ ایک طرف ہمیں دعویٰ ہے محبت کا کہ ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
محبت ہے، ایک طرف یہ کہ جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے والی ہیں وہ ساری
کی ساری ہمارے اندر بھری ہوئی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا یہ دعویٰ کہاں تک موافق ہے۔ اور جن
چیزوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کی علامت فرمایا ہے وہ علامت ہمارے اندر موجود ہیں۔
ان علامتوں سے خالی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مرضی کے خلاف چیزیں موجود ہیں۔

جس شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نبی سے محبت ہوگی اور وہ محبت غالب ہوگی ہر ایک کی محبت پر تو اللہ تعالیٰ اس کی محبت تمام کائنات کے دلوں میں پیدا فرما دیتے ہیں۔

بادشاہ نے خزانہ کی کنجیاں بھیجدیں

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے والد بڑے زبردست بزرگ تھے اپنے زمانے کے۔ ان کی خدمت میں بادشاہ وقت آیا تھا۔ آ کر دیکھا مجلس کا عجیب حال ہے۔ وزیر بھی وہاں موجود نمبر دو کے وزیر نمبر تین کے وزیر کتنے امیر وزراء تھے سلطنت کے سارے موجود۔ ایک طرف کو نظر اٹھا کر کے دیکھتے ہیں تو بڑے بڑے تاجر وزراء موجود۔ دوسری طرف کو علماء موجود۔ بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ میرے دربار میں تو یہ لوگ اس طرح سے نہیں آتے۔ ان کے یہاں اس شان کے ساتھ موجود ہیں، اور اتنی قدر سے بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ سراپا محبت بنا بیٹھا ہے۔ عظمت ان بزرگ کی سب کے اوپر چھائی ہوئی ہے، ذرا دیر بیٹھ کر بادشاہ کا ذہن دوسری طرف متوجہ ہوا۔ بجائے حیرت کے غیرت پیدا ہونا شروع ہوئی۔ حسد پیدا ہونا شروع ہوا۔ ان کے پاس اتنا اقتدار ہے۔ میں باوقار ہوں میرے پاس اتنا اقتدار ہے نہیں۔ کیا کیا خزانہ کی کنجیاں بھیج دیں ان بزرگ کی خدمت میں اور ان کے والد صاحب کے یہاں کہلا بھیجا میرے پاس تو کچھ اور رہا نہیں سب کچھ آپ کے پاس ہے صرف خزانہ کی کنجیاں ہیں۔ یہ بھی آپ کے پاس رکھ لیجئے لے لیجئے۔ اقتدار، وجاہت، عزت سب آپ کے پاس ہے کچھ نہیں میرے پاس لہٰذا یہ کنجیاں بھی حاضر ہیں۔ انھوں نے کنجیاں واپس بھیجدیں اور درخواست کی کہ آج مثلاً بدھ ہے کل تک کی مجھے مہلت ہو کہ پرسوں جمعہ ہے۔ جمعہ کی نماز پڑھ کر میں آپ کا شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ سب چیزیں آپ کو مبارک ہوں۔ اس بات کی خبر اڑ گئی اوروں کو بھی۔ ایک وزیر کا استعفیٰ آیا، دوسرے وزیر کا استعفیٰ آیا اس کا آیا اُس کا آیا کہ جب حضرت جا رہے ہیں تو ہم بھی جا رہے ہیں۔ شہر کے جو معزز تھے بڑے باوقار لوگ تھے وہ بھی آ گئے،

بادشاہ کو خبر ہوئی اس نے کہا یہ اگر چلے جائیں گے شاید ملک کی ساری جان نکل جائے گی۔ روح نکل جائے گی۔ شاید شہر کی رونق جتنی تھی سب کی سب ختم ہو جائیگی۔ ان کے چلے جانے سے۔ خود حاضر ہو کر معافی مانگی۔ مجھ سے بڑی گستاخی ہوگئی معافی چاہتا ہوں معاف فرمائیے۔ آپ یہاں سے تشریف نہ لے جائیے۔ کیا بات تھی بات یہی تھی کہ ان بزرگ نے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم نے اپنے نفس پر ہر چیز کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو غالب فرمالیا تھا اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے دل میں ان کی محبت پیدا فرمادی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اتنی بڑی دولت عطا فرماتے ہیں۔ آدمی اپنی خطاؤں پر نادم ہو تو دو قطرے اس کی آنکھ سے نکل جائیں خدا کو بہت پسندیدہ ہیں۔

کیا جانے کوئی اشکِ ندامت کی حقیقت
کونین خریدے ہیں اسی ایک گہر سے

اسی ایک گہر سے کونین خرید لیں جہاں سے اشک نکلتا ہے۔ دو جہاں آدمی اس کے ذریعہ سے خرید سکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ یہ چیز عطا فرمادے اور دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں ہیچ، حقیر ہیں۔ یہ بہت بڑی دولت ہے۔

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

شبہ پیدا ہوتا ہے بعضے بعضے بزرگوں کے پاس تو بڑا مال و دولت ہے۔ لباس ان کا اعلیٰ قسم کا، کھانا بھی اعلیٰ قسم کا، مکان و رہائش بھی، ساز و سامان بھی اعلیٰ۔ ہاں ایسا بھی ہوتا ہے مگر کیا کیفیت۔

ایک صاحب حج کو جا رہے تھے بہت مختصر سامان ان کے پاس ایک مشکیزہ، ایک لوٹا، ایک تکیہ بہت ہی فقر پیدل چلے جا رہے ہیں۔ چلتے چلتے ایک کشتی میں بیٹھے وہاں ایک بزرگ تھے۔ انھوں نے کہا ان کی خدمت میں بھی ہوتے چلے جائیں زیارت کے لئے گئے۔

اپنا یہ سامان رکھ دیا مسجد میں۔ان بزرگ کے یہاں دیکھا تو شاہانہ شان ہے۔بادشاہ کو بھی نصیب نہیں ایسی شان وشوکت۔وہاں جا کر دل کے اندر شبہ پیدا ہوا کہ بزرگ ایسے بھی ہوا کریں۔ان کی خدمت میں بیٹھے،انہوں نے پوچھا کیسے آئے؟ حج کے لئے جا رہا تھا سوچا کہ آپ سے بھی ملاقات کرتا جاؤں۔انہوں نے کہا: اچھا۔کہا: چلو ہم بھی چلیں۔ان کے ساتھ ہو گئے۔یوں سوچا کہ سامان وامان کچھ ہوگا ان کا۔اتنی شان وشوکت کے ساتھ ہیں۔مستقل جماعت ہوگئی ان کے ساتھ تو۔آبادی سے باہر نکل گئے۔چلتے چلتے تب ان صاحب نے کہا حضرت آپ کا ساز وسامان۔انھوں نے کہا سامان تو میرے پاس کچھ ہے نہیں۔خدام کہاں۔خادم بھی نہیں اور رہا یہ ساز وسامان یہ تو سب کا ہے ہمیں اس سے کیا لینا۔

ان حضرات کا یہ حال ہوتا ہے سارے ساز وسامان کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ان کو اس سے اتنا بھی تعلق نہیں۔یہ بے تعلقی ہے۔ایک شخص جس کے پاس ایک مشکیزہ ایک لوٹا۔ایک تکیہ اس کا دل اسی میں اٹکا ہوا رہتا ہو کتنا بڑا فرق ہے کسی نے کہا۔

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد

اگر دارد برائے دوست دار

[وہ مرد نہیں جو دنیا کو دوست رکھے،اگر دوست رکھے تو دوست کے واسطے ہی رکھے۔]

وہ مرد نہیں ہے جو دنیا کو دوست رکھے اور اگر دنیا اس کے ساتھ ہے تو وہ دوست کی خاطر رکھے کہ اس کی دی ہوئی مالک کی دی ہوئی چیزیں اس نسبت سے کہ مالک ہی کی عطا کی ہوئی ہیں۔یہ نسبت بہت اونچے درجہ کی چیز ہے جبکہ قلب میں اس کا پورا استحضار ہو جائے۔

ارے کم بخت محبوب سے محبت تو ہے نہیں۔اس کی دی ہوئی چیز سے مزے لے رہا ہے اس کی دی ہوئی چیز سے مزہ کہاں،مزہ تو محبوب کے تعلق اور ذکر سے آتا ہے۔اگر اس سے تعلق ہو تو اس کی دی ہوئی چیز سے مزہ آئے۔اس سے تو تعلق ہے نہیں تو بھلا مزہ کہاں۔مالک کی دی ہوئی چیزیں اس نسبت سے کہ مالک کی عطاء کی ہوئی ہیں اس کی قدر کرے یہ

حضرات اسی نسبت کی وجہ سے اس کی قدر کرتے ہیں۔احادیث میں واقعہ آیا ہے۔

حضرت ایوب عَلَیْہِ السَّلَام کا سونے کی ٹڈیاں جمع فرمانا

حضرت ایوب عَلَیْہِ السَّلَام غسل فرمارہے تھے۔سونے کی ٹڈیاں آئی ہوئی ہیں۔بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ٹڈی جانور چھوٹا سا ہوتا ہے۔سونے کی چیز۔بس یہ فوراً اکٹھی کرنے لگے۔ وہاں سے وحی آئی اے ایوب! کچھ کمی ہے کیا تمہارے پاس؟ "اَلَمْ اُغْنِيْتُكَ" کیا میں نے تم کو غنی نہیں بنادیا،کیا میں نے تم کو اس سے بے پروا نہیں کردیا۔

حضرت ایوب عَلَیْہِ السَّلَام نے عرض کیا: "بَلٰى وَلٰكِنْ لَا غِنٰى بِیْ عَنْ بَرَكَاتِكَ يَارَبِّ" کیوں نہیں بے شک آپ نے ہر طرح غنی بنادیا ہے۔لیکن اے میرے پروردگار تیری برکتوں سے استغنا نہیں ہوسکتا۔ پاک پروردگار! آپ کا دیا ہوا سب کچھ ہے کمی کس چیز کی۔ یہ سب آپ کی عنایات ہیں آپ کی نعمت ہیں۔آپ کی نعمت سے کون مستغنی ہوسکتا ہے؟ کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کی طرف سے آنے کی وجہ سے جمع کررہا ہوں۔

موتی گم ہونے اور ملنے کی خبر پر الحمد للہ

ایک بزرگ کے پاس ان کے خادم نے عرض کیا حضرت فلاں موتی بادشاہ نے آپ کے پاس بھیجا تھا۔فلاں تھا،نادار تھا،وہ کھویا گیا۔

دونوں آنکھ بند کرکے دیکھا تو فرمایا: الحمد للہ!

خدام تلاش کرنے میں لگے ہوئے تھے ہی،ڈھونڈ ڈھانڈ کے نکال لیا اور عرض کیا: حضرت وہ موتی پالیا۔

فرمایا: الحمد للہ!

بعد میں کسی نے پوچھا: حضرت یہ کیا بات ہے؟ آپ نے اس کے کھوجانے پر بھی

الحمد للہ کہا اور پائے جانے پر بھی الحمد للہ۔

فرمایا: جب آ کر خبر دی کہ موتی کھویا گیا۔ میں نے دیکھا میرا اطمینان تو نہیں کھو گیا؟ میں نے دیکھا کہ میرا اطمینان بالکل کھویا نہیں، اطمینان قلب میں تھا، اس لئے الحمد للہ کہا۔ جب آ کے خبر دی کہ موتی مل گیا، پا گیا تو دیکھا کہ اطمینان میں کچھ اضافہ تو نہیں ہوا؟ خوشی تو نہیں ہوئی؟ دیکھا کوئی تبدیلی نہیں نہ اضافہ نہ کمی بالکل فارغ۔ میں نے کہا: الحمد للہ!

لہٰذا ان بزرگوں کے پاس جو کچھ عطا ہو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی نسبت سے اس کی قدر ہوتی رہے کہ حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ لانے والا اخلاص کے ساتھ میں لا رہا ہے پس اخلاص کے ساتھ قدر کرنی چاہئے اس چیز کی اس ہیئت سے کہ اپنے نفس کی خواہش کی چیز ہے۔ اس کی بالکل قدر نہیں ہوتی۔ قدر ہوتی تو اس چیز کی جس کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ یہ نہیں کہ نفس کو اس سے راحت ملے گی، نفس خوش ہوگا اس واسطے نہیں بلکہ اس واسطے کہ اللہ اس سے کتنے خوش ہوں گے جنھوں نے یہ چیز عطا کی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

عجیب حال تھا بزرگوں کا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ معمولی بوریے چٹائی پر بھی بیٹھے دری پر بھی بیٹھے، بیش قیمت قالین پر بھی بیٹھے، معمولی کپڑے بھی پہنے، قیمتی کپڑے بھی پہنے، کپڑا تھا سفید اس کے اوپر کالے رنگ کے پیوند بھی لگائے۔ نہ اس کے پہننے سے کوئی عار ہے، نہ اس کے پہننے کی وجہ سے کسی قسم کا استکبار ہے جو شخص اپنے نفس کو مٹا دے۔ اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے اوپر غالب کرلے تو یہ دنیا اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل سے اس کو بہت کچھ نوازتے ہیں، بہت کچھ عنایت فرماتے ہیں۔

تو ساری درخواست کا خلاصہ یہی ہے کہ محبت کے بغیر ایمان نہیں۔

....

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" (مسند احمد: ۳/۱۷۷)

[تم میں کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اس کو اس کے والد اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔]

اللہ کی محبت ہو اللہ کے رسول کی محبت ہو اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر ایک کی محبت پر غالب ہونی چاہئے۔ یہ ایمان کی علامت بتائی ہے اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جو چیز ہوگی وہ اپنی پسند ہوگی اور جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہوگی وہ اپنے کو ناپسند ہوگی۔ اور جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی نہ ہو اس سے اپنے آپ کو خوشی نہ ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلا کر خوش ہونا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جس وقت ہجرت کے موقعہ پر ساتھ تھے، غار ثور کے قریب پہاڑی پر پہنچ کر دیکھا ایک شخص بکریاں چرا رہا ہے۔ اس سے پوچھا بھائی کس کی بکریاں ہیں؟ کہا کہ فلاں شخص کی۔ وہ ان کا جاننے والا تعلق والا تھا۔ انھوں نے کہا اجازت ہے دودھ دہنے کی؟ کہا ہاں اجازت ہے۔ دودھ دوہ لیا پہلے بکری کے تھن کو صاف کیا غبار سے، دودھ دوہا اس کو الٹ پلٹ کر ٹھنڈا کیا تاکہ اسکی گرمی ختم ہوجائے۔ فریج تو نہیں ہوتے تھے اس زمانے میں۔ یوں ٹھنڈا کرلیا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پلایا۔ حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "فَشَرِبَ حَتّٰی رَضِیْتُ" (مشکوٰۃ شریف: ۲/۵۳۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا یہاں تک کہ میرا جی راضی ہوگیا۔ میں خوش ہوگیا۔

پی رہے ہیں حضور اکرم ﷺ دودھ اور راضی ہو رہا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جی۔

غارِ ثور میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

غار کے اندر جانے کا وقت آیا تو حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ حضورؐ! ٹھہر جائیے پہلے میں جا رہا ہوں۔ اندر گئے تا کہ اگر کوئی موذی جانور وہاں ہو۔ ایسے غار میں ہوا ہی کرتے ہیں اس سے حفاظت ہو جائے۔ گئے جا کر کے دیکھا کہ غار میں بہت سارے سوراخ ہیں ادھر ادھر۔ چادر کو اپنی پھاڑ پھاڑ کر سوراخوں میں بھر دیا راستے بند کر دیئے۔ تا کہ کوئی موذی جانور اندر سے نکل نہ پائے۔ جب باہر آئے تو حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ چادر کیا ہوئی؟ تو کہا: حضورؐ! اس کام آ گئی۔ آقائے نامدار ﷺ کی راحت کے واسطے چادر کام آ گئی۔ اس سے زیادہ خوش نصیب چادر کون سی ہوگی؟ پھر حضور اکرم ﷺ کو لے کر اندر گئے اور جا کر کہا: حضورؐ! میری ران پر سر رکھ کر آرام فرمالیں۔ سو جائیں۔ لٹا دیا۔ دیکھا کہ ایک سوراخ رہ گیا۔ اس سوراخ میں اپنا پیر دے دیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے۔ وہاں کوئی سانپ تھا، سانپ نے کاٹا۔ بس اس سانپ کے کاٹتے ہی یہ خیال پیدا ہونا شروع ہو گیا کہ سانپ میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ اس کے کاٹنے سے آدمی مر جاتا ہے۔ میں مر جاؤں گا، حضور اکرم ﷺ اکیلے رہ جائیں گے۔ حضور اکرم ﷺ مجھ پر اعتماد کر کے اپنا رفیق بنا کر ساتھ لائے ہیں۔ افسوس حضور اکرم ﷺ بغیر رفیق کے رہ جائیں گے۔ دشمن تلاش میں ہے پریشانی ہوگی۔ یہ تصور آنا تھا کہ بے اختیار آنسو آ گئے، آنسو چہرہ مبارک پر گرے۔ حضور اکرم ﷺ بیدار ہوئے تو کہا: حضورؐ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا۔ حضور اکرم ﷺ نے لعاب دہن لگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرما دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھ سے آنسو نکلنے کی وجہ یہ ہے یہ تصور کہ حضور اکرم ﷺ تنہا رہ جائیں گے۔ دشمن تاک میں ہے۔ آنحضرت ﷺ کو کوئی بدنصیب تکلیف نہ پہنچا دے۔

بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اعتراض کرتے ہیں کہ دیکھو بڑے میاں صورت بنائے رو رہے ہیں۔ ذرا سا سانپ نے کاٹ لیا تو رو رہے ہیں۔ بدنصیبوں کی کتابوں میں ہے یہ چیز۔ شیعہ لوگ کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لعاب دہن لگا دیا زہر رفع ہو گیا صحت ہو گئی۔ دشمن تلاش کرتے کرتے قریب تک پہنچ گئے۔ عرض کیا کہ حضورؐ دشمن ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ ذرا اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا" [غم نہ کرو! اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔] ان دو کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں کہ تیسرا جن کا اللہ ہے۔ ایک میں اور تم دو اور تیسرا ہمارا اللہ ہے۔ ہمارا محافظ اللہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اعتماد تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد نہ ہوگا تو اور کس کو اعتماد ہوگا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کی تمنا

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ازالۃ الخفاء میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حوارین میں سے ایک نے درخواست کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آپ دعاء کیجئے کہ میں نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرلوں۔

وہاں سے جواب ملا کہ نہیں اس حالت میں تو نہیں دیکھ سکتے اگر تم چاہو تو تم کو سانپ بنا دیا جائے۔ اس نے منظور کرلیا۔ انسان اشرف المخلوقات اور وہ بھی اس زمانہ کے جلیل القدر پیغمبر کے صحابی حوارین میں سے تھے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق اتنا غالب تھا کہ انھوں نے اس اشرف المخلوقات کی صورت کو بدل کر سانپ کی صورت لانے کو بخوشی منظور کر لیا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لئے۔ چنانچہ ان کو سانپ بنا دیا گیا۔ بتا دیا گیا تھا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے جائیں گے، راستے میں اس غار میں ٹھہریں گے۔ آکر سانپ اس غار میں ٹھہر گیا، کئی صدیاں گذر گئیں، اسی کا

وہ سوراخ رہ گیا تھا جس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیر دیا تھا۔اس سانپ نے کہا اللہ کے بندے اتنی صدیوں یہاں پڑا رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آج تم نے پیر دیدیا۔تو بھئی! حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا شوق تو سبھی کو ہے۔ماشاء اللہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں قربان کرکے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جائے تو بھی بڑی بات ہے۔اللہ کے بندے ایسے بھی اس دنیا میں گذرے جنھوں نے حالت بیداری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کو بیدار میں زیارت

حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فیض الباری میں لکھا ہے کہ آٹھ مرتبہ انھوں نے بیداری کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔اور دوسرے حضرات کے متعلق بھی ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بیداری میں زیارت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے حالات میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں مسجد نبویؐ میں بیٹھے حدیث شریف کا درس دے رہے تھے۔مسئلہ آگیا حیات النبیؐ کا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد بھی اپنی قبر مبارک میں حیات ہیں بس کیا تھا۔طلبہ اشکال کر رہے تھے۔حضرت مولانا سمجھا رہے تھے دلائل کے ساتھ۔طلبہ نہیں مان رہے ہیں۔حیات تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔سبق پڑھاتے پڑھاتے یکدم مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یوں سر اٹھایا روضۂ مبارک کی طرف قبر اطہر کی طرف۔طلبہ نے بھی دیکھا۔دیکھا تو روضۂ مبارک وہاں نہیں حجرہ شریف وہاں نہیں دیوار وغیرہ کچھ نہیں۔خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف فرما ہیں۔پھر سر دوسرے طرف کو کرلی۔دوبارہ دیکھا تو پھر روضۂ مبارک اسی طرح موجود جیسے پہلے تھا۔یعنی

ویسے دلائل سے سمجھایا تو سمجھ میں نہیں آیا تو نفس الا مری میں دکھلا دیا کہ اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ جس کو پسند فرمالیتے ہیں تو دکھلاتے ہیں۔

زیارت نبوی ﷺ کا طریقہ

حضرت نبی اکرم ﷺ کے دیدار کا شوق انشاء اللہ سب کو ہے اور اس شوق کو پورا کرنے کا داعیہ بھی سب کو ہے۔ اس دنیا میں نصیب ہو آخرت میں نصیب ہو، قبر میں نصیب ہو۔ حضورا کرم ﷺ نے طریقہ بتلا دیا اس کے لئے کہ جنت میں میرے ساتھ کی صورت یوں ہے جنت میں میری رفاقت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ "اَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ" (مشکوۃ شریف: ۱/۸۴) [اپنے نفس کے خلاف کثرت سجود کے ساتھ تم میری مدد کرو۔] زیادہ نماز پڑھا کرو اور "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ" [بس اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔] اگر آدمی اس نیت سے پڑھے تا کہ حضورا کرم ﷺ کی معیت وہاں نصیب ہو جائے تو حق تعالیٰ اس کو جنت کا بھی ثمرہ عطا فرمائیں گے۔

دعویٰ بھی موجود اور اس دعویٰ کے لئے دلائل بھی بیان فرما دیئے گئے اور دعویٰ کی علامت بھی بتا دی گئیں۔ حضورا کرم ﷺ کی مرافقت بھی بتلا دی گئی کہ کس طرح سے مرافقت نصیب ہوتی ہے۔ اب جو حضرات اس بات کی خواہش رکھتے ہیں ان سب کو سخت ضرورت ہے کہ اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں، تلاش کر کے دیکھیں جو طریقہ بتلا دیا گیا اس طریقہ کو اختیار کریں۔

دعا

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور دھوکہ سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔ حقیقی محبت حقیقی الفت نصیب فرمائے، اصلاح فرمائے۔ حضورا کرم ﷺ کی طرف سے جو مہمان ہمارے یہاں موجود ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے فیض سے متمتع فرمائے۔

....

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ۔

اے خدائے پاک! ہماری غفلتوں کو دور فرما۔ اے اللہ! ہماری بے حسی کو دور فرما۔ اے اللہ! تیری طرف سے انعامات کے اثرات میں کوئی کمی نہیں ہے اے پروردگار! ہمیں توفیق عطا فرما اس سے نفع اٹھانے کی۔ اے اللہ! یہ پاک مہینہ مبارک مہینہ جارہا ہے، اے مولا! اس کو پورا پورا وصول کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے مولا! رحم فرما۔ گناہوں کی نحوست سے ہم کو دھو دے، پاک فرمادے۔ اے اللہ! جن اخلاق رذیلہ سے تیرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراضگی ہے۔ اے پاک پروردگار! ایک ایک کرکے ان کو ہمارے اندر سے نکال دے۔ اللہ العالمین! جن اخلاق سے محبت فرماتے تھے وہ اخلاق مرحمت فرما۔ اے پاک پروردگار! تو بے جان چیز میں جان ڈالنے والا ہے، الٰہی! ہمارے اندر بھی حقیقی جان ڈال دے۔ اے اللہ! اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر چیز کی محبت پر غالب فرمادے۔ اے پاک پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ جیسا روزہ تجھے مطلوب ہے ویسا روزہ رکھنے کی توفیق مرحمت فرما، جیسی نماز تجھے مقبول ہے ویسی نماز پڑھنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے پاک پروردگار! ہمارے دلوں کے زنگ کو دور فرمادے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

حقوق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس بیان میں

☆......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امت پر کیا کیا حقوق واجب ولازم ہیں؟ اس وعظ میں ان حقوق کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ... الخ۔

[حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے، اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔] (آسان ترجمہ)

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے ایک بڑے احسان کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے بہت بڑا احسان کیا مومنین پر۔ ایمان لانے والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا جو انہیں میں سے ہے۔ انہیں کی قسم میں سے ہے۔ انہیں کی نوع میں سے ہے۔ یہ بہت بڑا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں۔ ہمیں پیدا کیا کتنا بڑا احسان ہے۔ نہ پیدا کرتے تو ہمارا کیا زور تھا۔ پیدا کیا تو انسان بنایا۔ اگر انسان نہ بناتے جانور بنا دیتے تو ہمارا

زور تھا کچھ؟ گدھے بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں کتے بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سانپ بچھو بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔ اگر خدا ہمیں انسان نہ بناتا، سانپ بچھو بناتا تو ہمارا کوئی زور تھا اس پر؟ تو کیا ہوا ہوتا؟ جو دیکھتا وہی مارنے کو دوڑتا، گدھا بناتا، بیل ہاتھی بناتا تو کیا ہوتا۔ یہ سب بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اس نے ہمیں انسان بنایا، کتنا بڑا احسان کیا۔ پھر انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں جو بڑے بے شمار عوارض میں مبتلا ہیں۔ پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی، کسی کے معدے میں درد، کسی کی کمر میں درد، قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ساری بیماریوں سے محفوظ فرمایا۔ کتنا بڑا احسان کیا اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اپنے ہاتھ سے بت بناتے ہیں، اس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں۔ اس کو خدا، معبود اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔ مالک الملک سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ جانتے ہی نہیں اپنے پیدا کرنے والے کو اپنے خالق کو، اپنے رازق کو۔ پہچانتے نہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ نام تو ان کا مسلمان ہے لیکن کبھی مسجد میں نہیں آتے ہیں، کبھی قرآن کریم نہیں پڑھتے، کبھی سر نہیں جھکاتے خدا کے سامنے۔ کبھی کلمہ نہیں پڑھتے۔ جانتے ہیں۔ تو اللہ نے کتنا بڑا احسان فرمایا کہ اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی۔ مسجد میں آنے کی۔ اگر مہر لگا دیں دلوں پر تو کوئی آسکتا ہے؟ ہر گز نہیں آسکتا۔

جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا وہ مجھ کو باہر نہیں آنے دیتا

ایک بابو صاحب ان کے ساتھ ملازم۔ ملازم نماز کا بہت پابند۔ کہیں ساتھ لئے جارہے ہیں۔ چلتے چلتے بازار سے کچھ سامان سودا خریدا۔ ادھر اذان ہوگئی۔ ملازم نے کہا حضور میں تو جا رہا ہوں میرے آقا نے میرے مولا نے مجھے بلایا ہے۔ اس نے کہا تیرا آقا تو میں ہوں تجھے کس نے بلایا۔ اذان ہوگئی۔ مسجد میں جانے کے لئے حکم ہے۔ چنانچہ وہ باہر بیٹھ گئے اور ملازم مسجد کے اندر آگیا۔ ملازم نے نماز پڑھی، کچھ تسبیح وظیفہ پڑھنے لگا۔ دیر ہوگئی نہیں گیا۔ وہ صاحب

آئے۔آواز دی۔ارے آتا نہیں کیا ہوگیا؟ ملازم نے کہا جانے نہیں دیتے۔اس نے کہا ارے کون نہیں جانے دیتا وہاں کون بیٹھا ہے۔دیکھا ادھر ادھر کوئی وہاں بیٹھا نہیں ہے۔پھر کون جانے نہیں دیتا۔ملازم نے کہا وہی جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا۔جو آپ کو اندر مسجد میں آنے نہیں دیتے وہ مجھ کو مسجد سے باہر جانے نہیں دیتے۔

نماز،روزہ،زکوۃ،تلاوتِ قرآن پاک دیگر عبادات

اللہ میاں کی طرف سے کتنا بڑا احسان ہے کہ اپنے دربار میں اس نے آنے کی اجازت دیدی۔دنیا میں کسی کلکٹر سے کسی ڈپٹی سے کسی بڑے آدمی سے ملنا چاہو تو کتنی دیر لگتی ہے۔اس کے یہاں درخواست بھیجو۔ملازمین سے بات کرو۔ٹیلیفون پر بات کرو۔وقت بتاؤ۔ اپنا مقصد بتاؤ۔کیوں آئے ہو۔یہ بتانا پڑے گا۔پھر بھی الجھن ہے اجازت ملے یا نہ ملے۔اللہ میاں کے یہاں کچھ نہیں،کوئی درخواست نہیں دیتے۔کسی کی سفارش نہیں،آؤ!وہ اعزاز و اکرام سے بلاتے ہیں اجازت ہے آؤ آؤ۔اس لئے اللہ تعالیٰ کے احسانات تو بہت ہیں بے شمار ہیں۔قرآن پاک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا کتنا بڑا احسان ہے۔ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ایک ایک سورۃ عالی۔ایسا کہ ثواب بہت بڑا۔قل ھو اللہ شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر ایک تہائی قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔یٰسین شریف ایک مرتبہ پڑھنے پر دس مرتبہ قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ایسی ایسی نعمتیں اس نے دے رکھی ہیں۔نماز کس کی بدولت عطا ہوئی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت عطا ہوئی،پانچ وقت حاضری کا حکم! اور اللہ تعالیٰ قدردانی سے بلاتے ہیں۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی گھر سے وضو کر کے مسجد کے لئے نکلتا ہے تو ایک ایک قدم پر ایک ایک نیکی ملتی ہے۔ایک ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ایک قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔کتنا بڑا احسان ہے۔کتنا بڑا کرم ہے۔کتنا بڑا اعزاز ہے۔وہیں سے اعزاز شروع ہوتا ہے۔اپنے گھر آنے والے کے لئے۔یہ

احسانات انعامات ہیں حق تعالیٰ کے ان پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ جیسی جیسی بڑی نعمت ہوتی ہے ویسا اس کا بڑا شکر ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت نبی کریم ﷺ کو ہماری ہدایت کیلئے بھیجا۔ بہت بڑا انعام ہے۔ قرآن پاک حضور اکرم ﷺ کی بدولت ملا۔ روزہ حضور اکرم ﷺ کی بدولت ملا، زکوٰۃ کا حکم حضور اکرم ﷺ کی بدولت ملا۔ حج حضور اکرم ﷺ کی بدولت ملا۔ کتنے بڑے احسانات ہیں۔ پانچ وقت سارے محلے والے جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ اس کی خیریت پوچھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص نہیں آیا تو تحقیق کرتے ہیں کہ کیا بات ہے خیریت پوچھتے ہیں۔ طبیعت تو اچھی ہے، کہیں باہر تو نہیں گیا۔ کوئی عارض پیش نہیں آیا۔ ایک ہمدردی یہی ہے، جو نماز کے ذریعہ لوگوں کے دلوں پیدا ہوتی ہے۔ ہفتے میں ایک روز جمعہ کے دن ساری بستی کے لوگ جمع ہوتے ہیں، تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنا محسن سمجھتے ہیں، اپنا ہمدرد اور خیر خواہ سمجھتے ہیں کتنی بڑی ہمت اور قوت دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ نماز کی بدولت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

احسان عظیم

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

[حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا۔]

جو لوگ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں جانتے ہیں، ''ل'' تاکید کے لئے آتا ہے۔ ''قد'' تحقیق کے لئے آتا ہے۔ بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان فرمایا۔ احسان تو سب کے لئے ہے۔ آپ کی ذات عالیہ ذات مبارکہ، ذاتِ مقدسہ سب کے لئے احسان ہے۔ آسمانوں کیلئے بھی، زمینوں کے لئے بھی، فرشتوں کے لئے بھی، جنّات کے لئے بھی، حیوانات کیلئے بھی بشر کے لئے بھی، سب کے لئے رحمت و نعمت ہے۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ۔ لیکن فائدہ اٹھانے کے لئے مومن ہونا شرط ہے۔ جو لوگ آپ پر ایمان لاتے ہیں وہ فائدہ

اٹھاتے ہیں۔ یہ احسان خاص طور پر مومنین کیلئے ہے۔ ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔ جیسا بڑا احسان ہوتا ہے ویسا ہی بڑا اس کا شکر بھی ہوتا ہے۔ ویسا ہی اس کا حق بھی ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بے شمار ہیں۔ ان کو اگر سمویا جائے تو تین قسم میں سمویا جاسکتا ہے۔

پہلا حق محبت

(۱)...... پہلا حق ہے محبت کا آپ کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہئے۔ خود حدیث پاک میں آتا ہے: "لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" (مسند احمد: ۳/۱۷۷) تم میں سے کوئی شخص مومن کہلانے کا حق نہیں رکھتا مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں اسکے ماں باپ سے اس کی اولاد سے سب انسانوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔ لہٰذا پہلا حق محبت کا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ سے محبت ہونی چاہئے۔ ہر گھر سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اپنی دوکان سے، اپنے عہدے سے، اپنی اولاد سے، اپنے مال سے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت ہے وہ سب محبتوں سے بالاتر اور اعلیٰ ہونی چاہئے۔ اس کا اندازہ ہوتا ہے مقابلے کے وقت، ایک کی محبت کا تقاضا کچھ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا کچھ اور۔ تو آدمی کس کی محبت اختیار کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو یا کسی اور کی محبت کو۔ اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح محبت کی ہے۔ اور کیسے کیسے مقابلے کے وقت میں کیا کیا نوبت آئی ہے۔

غزوۂ بدر

اسلام کا سب سے پہلا جہاد غزوۂ بدر کہلاتا ہے۔ قصہ طویل ہے۔ اس میں تھوڑا سا ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں بھی غزوۂ بدر کا تذکرہ آیا ہے۔ احادیث میں تشریح سے آیا ہے۔ جب غزوۂ بدر ہوا۔ ادھر سے چلے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ کثرت سے پیادہ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک دو گھوڑے تھے۔ ایک دو تلواریں تھیں۔ باقی کسی کے پاس تلوار نہیں، گھوڑا بھی نہیں تھا۔ وہاں پہونچ کر پہلا کام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کے سامنے نماز پڑھ کر دعا کی۔ اس طرح دعا کی کہ یا اللہ! اتنے برسوں کی محنت کے بعد یہ مسلمان تیار ہوئے ہیں، ایمان لائے ہیں۔ ۳۱۳؍ تھے مسلمان، کل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ۳۱۳؍ آدمی ایمان لائے ہیں۔ مدتوں کی محنت کے بعد۔ بڑی مشقتوں سے بڑی مصیبتوں سے۔ اگر آج یہ قتل ہوئے تو کل تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ بس بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا قبول ہو گئی۔ ایک چھپر ڈال دیا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس چھپر میں رہیں۔ اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آوے کوئی بات کہنی ہو اس چھپر تک آجاوے۔ پہچاننے کے لئے چھپر ڈال دیا گیا۔ تلاش نہ کرنا پڑے۔ ادھر اُدھر کہاں ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ چھپر کو دیکھ کر وہاں آجاوے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

اور پہرے کے لئے حفاظت کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجویز تھے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ اگر پچاس قدم کے فاصلے پر بھی کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار لئے ہوئے شیر کی طرح اس پر جھپٹتے تھے۔ اس حفاظت کے لئے قدرت کی بات اس جہاد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ادھر حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور ان کے بیٹے حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر مشرکین کے ساتھ کافروں کے ساتھ تھے۔ وہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی۔ ستر مشرکین قتل ہوئے۔ ستر گرفتار ہو کر قیدی بنا لئے گئے۔ اللہ نے وہ دن کیا کہ حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ بھی ایمان لائے۔ ایک دن کہنے لگے کہ بدر کی لڑائی میں آپ ایک موقع پر میرے نشانے پر آگئے تھے۔ میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا۔ لیکن باپ ہونے کا خیال کیا کہ آپ میرے باپ بھی ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا جواب دیا، جانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ تم نے باپ ہونے کا خیال کیا، لیکن اگر تو میرے نشانہ پر آجاتا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑتا۔ میں خیال نہ کرتا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ میں تجھے فوراً قتل کر دیتا۔ تیری مجال حضور اکرم ﷺ کے مقابلے میں تلوار لے کر آئے۔ یہاں سے اندازہ لگانے کی ضرورت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں حضور اکرم ﷺ کی محبت اپنے بیٹے سے کہیں زیادہ تھی۔ ایسے مقابلے کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کس کی محبت زیادہ ہے کس کی کم۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی جاں نثاری

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ان کے پاس ان کے باپ ابوسفیان آئے۔ ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ جب باپ آئے ہوئے ہیں تو جو بستر بچھا ہوا تھا جلدی سے لپیٹ کر الگ رکھ دیا۔ باپ نے پوچھا یہ کیا دنیا کا دستور ہے کہ جب باپ جاتا ہے بیٹی کے پاس تو بیٹی اس کے لئے بستر بچھا دیتی ہے۔ تو نے بچھا بچھایا بستر اٹھا کے رکھ دیا۔ انھوں نے بتلایا۔ یہ بستر حضرت نبی کریم ﷺ کا ہے۔ تم نجس ہو، کافر ہو۔ مشرک ہو، ایمان نہیں لائے ہو، تم اس قابل نہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے بستر پر بیٹھ سکو۔ معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی

محبت زیادہ تھی باپ کی محبت سے۔

بہت واقعات ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ساری زندگیاں بھری ہوئی ہیں۔اسی طریقے پر کہ ان حضرات کے یہاں محبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق ہے محبت کرنا۔لیکن اتنا یاد رہے کہ خالی محبت بغیر عقیدت کے بغیر اطاعت کے خالی محبت کا دم بھرنا نجات کے لئے کافی نہیں۔

دوسرا حق عقیدت

دوسرا حق ہے عقیدت کا۔عقیدت کے کیا معنیٰ ہیں؟ یہ یقین کرلیں اور یہ فیصلہ کرلیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے، جو کتاب لے کر آئے، جو احکام لے کر آئے وہ سب حق ہیں، وہ سب سچے ہیں، ایسے سچے ہیں کہ ان کو اختیار کئے بغیر نجات نہیں۔نجات صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں ہے۔یہ یقین رکھنا، یہ عقیدت رکھنا یہ دوسرا حق ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔چنانچہ چالیس سال کی زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تھی مکہ مکرمہ کی کہ سب لوگ آپ سے محبت کرتے تھے۔مرد بھی اور عورت بھی۔آپ کو امین کہتے تھے۔سچے بہت سچے امانت دار۔لوگ آپ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے۔آپ کو سچا مانتے تھے سبھی محبت کرتے تھےلیکن ہوا کیا؟

کوہِ صفا پر اعلان

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" کہ آپ اپنے خاندان کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے۔اللہ کے احکام کی طرف دعوت دیجئے۔یعنی نبوت کا آپ نے اظہار فرمایا۔آپ کے ساتھ یہ عقیدت رکھنا کہ آپ کی ہر بات میں نجات ہے۔آپ بالکل سچے ہیں۔آپ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی۔اپنے گھر کے لوگوں

کو بلایا۔نام نام لے کر کے پکارا آواز دی۔سب کے سب گھبرا گئے۔یہ کیسی آواز ہے۔اس سے پہلے تو کسی نے اس طرح تو پکارا نہیں تھا اور آواز سارے مکہ میں پھیل گئی۔ایک تو وہاں آبادی اور بڑے بڑے محلات مکانات تو اس زمانے میں تھے نہیں۔اسلئے آواز پہونچی۔دوسرے یہ کہ وہ آواز تو حضور اکرم ﷺ کی آواز تھی جو اللہ کے حکم سے دی گئی تھی۔اس کو کون روک سکتا تھا۔کون رکاوٹ بن سکتا تھا۔کوئی رکاوٹ نہیں تھی چنانچہ سب لوگ دوڑ کر آئے۔یہ کیا قصہ پیش آیا ہے کیوں ایسے پکارا جارہا ہے۔اور جو خود نہیں آسکا کسی مشغولی کی وجہ سے دوسرے آدمی کو بھیجا کہ دیکھو کیا معاملہ ہے۔تحقیق کرو۔جب وہ سارے جمع ہو گئے تو حضور اکرم ﷺ نے پہلے تو ان کا امتحان لیا۔فرمایا اگر میں یہ کہوں تم کو کہ پہاڑ کے پاس دشمن کا لشکر ٹھہرا ہوا ہے جو صبح ہوتے ہی تم پر حملہ کر دے گا۔تم رات سے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کرلو۔کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ یہ پوچھا۔سب نے کہا کہ: "ما جربنا علیک الکذب" آپ کے متعلق غلط بیانی کا تجربہ نہیں ہوا۔آپ نے آج تک جو بات فرمائی سچ فرمائی۔ہم ضرور مانیں گے۔تسلیم کریں گے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔کوئی دشمن کا لشکر تو موجود نہیں لیکن جب آپ فرماتے ہیں تو ہم اپنی آنکھوں کو جھٹلا دیں گے۔اور آپ کی باتوں کو مانیں گے۔تب آپ نے فرمایا۔میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔آپ کی طرف آیا ہوں۔خدا کے عذاب سے ڈرو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور ذرے ذرے کا حساب ہوگا وہاں پر۔

ابولہب کی مخالفت

اس مجمع میں اس مجلس میں جو شخص سب سے زیادہ دعویٰ محبت کرنے کا دم بھرنے والا تھا جو حضور اکرم ﷺ کا چچا اس کا نام تھا ابولہب۔اس نے سب سے پہلے حضور اکرم ﷺ کی مخالفت کی۔محبت تو وہ کرتا تھا لیکن اس عقیدت کے لئے تیار نہیں ہوا کہ آپ کو رسول جانے۔جو بات آپ ﷺ اللہ کی طرف سے پہنچاتے ہیں اس کو تسلیم کریں۔وہیں سے الگ ہوا۔

اس نے سخت لفظ کہے۔حضور اکرم ﷺ کی شان میں۔حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورۂ "تبت یدا" نازل کی۔اس کو جہنمی و دوزخی فرمایا۔ابولہب کو اس ساری محبت کے باوجود محبت کیسی تھی کہ حضور اکرم ﷺ کے والد تھے عبد اللہ۔ان کے گھر میں جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی، پیدا ہوئے۔ابولہب کی ایک باندی تھی ثویبہ اس نے آ کر ابولہب کو خوشی خوشی اطلاع کی کہ تمہارے گھر بھتیجا پیدا ہوا ہے۔ابولہب نے خوشی میں آ کر جبھی اس کو آزاد کر دیا تھا۔ بعد میں کتنی محبت تھی۔کیسی خوشی کی بات سنادی۔خدا جانے کتنی دفعہ کندھے پہ اٹھایا ہوگا، گود میں بٹھایا ہوگا بھتیجے کو محبت کی وجہ سے۔یہ ساری محبت بے کار گئی۔اس واسطے کہ عقیدت نہیں تھی۔ عقیدت کیا تھی حضور اکرم ﷺ کو سچا رسول مانیں۔

محبت یہ ہے بنیادی چیز حضور اکرم ﷺ کو سچا رسول ماننا اور یہ فیصلہ کر لینا جو کچھ حضور اکرم ﷺ فرمائیں گے ہم اس کے ماتحت رہیں گے۔یہ عقیدت ہے سچا تو سبھی مانتے تھے۔

امیہ ابن خلف کو آنحضرت ﷺ کا یقین

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں انصار کے سردار تھے اپنے قبیلے کے۔ ان کا معمول تھا جب مکہ معظمہ آتے تو امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرتے اور اس کے ساتھ تعلقات تھے۔امیہ بن خلف جب مدینہ طیبہ آتا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے یہاں ٹھہرتا۔جب یہاں سے ہجرت کا قصہ پیش آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ میں ٹھہرے۔ایک مرتبہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے اور آ کر اپنے معمول اور طرز کے مطابق امیہ بن خلف کے پاس ٹھہرے۔امیہ سے کہا میرا جی چاہتا ہے طواف کرنے کو، کونسا وقت مناسب ہے۔اس نے کہا دن چڑھے مناسب ہے۔ دن چڑھے گئے۔طواف کرنے کو وہاں ابوجہل بھی تھا۔ابوجہل نے کہا امیہ سے۔یہ تیرے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا یہ سعد رضی اللہ عنہ ہے۔ابوجہل نے کہا کہ جو لوگ ہمارے باغی تھے

مخالف تھے ان کو تم نے اپنے یہاں پناہ دی۔ اپنے یہاں ٹھہرایا اور مزے سے طواف کرتے ہو یعنی حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تم لوگوں نے ٹھکانا دیا اپنے یہاں ٹھہرا دیا۔ یہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہم نے ان کو نکالا ہے۔ اور آج تم ہمارے علاقے میں طواف کرتے ہو خوشی خوشی۔ اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: دیکھ اگر تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیرا شام کا راستہ روکوں گا۔ دستور یہ تھا کہ قریش مکہ کے رہنے والے ملک شام جایا کرتے تھے۔ ایک سفر تو وہ کرتے تھے یمن کا اور ایک سفر کرتے تھے شام کا۔ قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے۔

لِإِيلَٰفِ قُرَيْشٍ إِۦلَٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ۔

[چونکہ قریش کے لوگ عادی ہیں۔ یعنی وہ سردی اور گرمی کے موسموں میں (یمن اور شام کے) سفر کرنے کے عادی ہیں۔] (آسان ترجمہ)

چونکہ قریش خوگر ہو گئے ہیں یعنی جاڑے اور گرمی کے سفر کے خوگر ہو گئے ہیں۔

ایک جگہ جاتے تھے سردی کے زمانے میں اور ایک جگہ جاتے تھے گرمی کے زمانے میں اور سارے سال کی ضروریات وہاں سے خرید کر لاتے تھے۔ مکے والوں کے لئے اور جتنے ڈاکو چور تھے وہ قریش کے قافلے کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ شام جانے کا راستہ مدینہ طیبہ کے قریب تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تمہارا ملک شام جانے کا جو راستہ ہے مدینہ طیبہ میں تمہارا وہ راستہ روکوں گا۔ شام نہیں جا سکو گے۔ امیہ نے کہا سعد سے زور سے نہ بول ابو جہل کے سامنے یہ قوم کا بڑا آدمی ہے۔ یہاں کا سردار ہے۔ انھوں نے اسے بھی ڈانٹا۔ پرے ہٹ! میں نے سنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ وہ تجھے قتل کریں گے۔ اب امیہ نے کہا: مجھے قتل کریں گے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ امیہ نے کہا: کہ کہاں قتل کریں گے؟ مکے میں کہ کہیں اور؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ نہیں بتایا کہ کہاں قتل کریں گے۔ بس حضور اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی بات اسکے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ بالکل غمگین ہو گیا۔ پھر جا کر اپنی بیوی سے گھر میں کہا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا۔ چنانچہ میں

مکہ سے نکلوں گا ہی نہیں۔ مکے میں ہی بیٹھوں گا۔ اس واسطے کہ مکہ پر ان لوگوں کا اتنا تسلط تھا قبضہ تھا کہ سمجھتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آ ہی نہیں سکتے۔ قتل کی نوبت آئے گی تو باہر ہی آئے گی۔ میں باہر جاؤں گا ہی نہیں۔ یہ بیوی سے بھی کہہ دیا۔ پھر جب بدر کا قصہ پیش آیا۔ ابو جہل لوگوں سے کہتا ہے چلو بدر چلو بدر۔ تو امیہ سے بھی کہا۔ امیہ نے کہا میں نہیں جاؤں گا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں قتل کریں گے۔ ابو جہل نے پٹی پڑھائی۔ اگر تو نے انکار کیا تو اور لوگ بھی بیٹھ جائیں گے۔ تو چل تھوڑی دور پھر چپکے سے واپس آجانا۔ اس نے کہا اچھی بات ہے۔ بیوی سے کہا ذرا سامان تیار کرنا میں جارہا ہوں۔ اس نے کہا یاد نہیں رہا تمہارے دوست سعد رضی اللہ عنہ نے کیا کہا تھا۔ کہا مجھے یاد ہے لیکن میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا جلدی واپس آؤں گا۔ گیا اور چلتا رہا چلتا رہا یہاں تک کہ بدر پہنچا اور اللہ نے وہاں قتل کرایا۔ اس کے جی کے اندر غیر اختیاری طور پر ایسی بات بیٹھ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات فرمائی وہ ہو کے رہے گی لیکن ایمان اس کا نام نہیں۔ ایمان نام ہے اپنے اختیار سے اپنے آپ کو پیش کر دینا اور طے کر لینا کہ میری زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گذرے گی۔ اس فیصلے کا نام ایمان ہے جو اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

دوسرا حق کیا ہے؟ عقیدت کا۔ عقیدت کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو سچا رسول ماننے اور یقین کے ساتھ جانے کہ نجات اسی میں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں نجات ہے اور یہ طے کر کے فیصلہ کرے کہ میری زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے ماتحت گذرے گی۔ جو کچھ ارشاد فرمائیں گے وہ کروں گا۔ یہ عقیدت ہونا ضروری ہے دوسرا حق۔

تیسرا حق اطاعت

تیسرا حق ہے اطاعت کا۔ محبت بھی ہو عقیدت بھی ہو مگر اطاعت نہ ہو۔ اس کی مذمت آئی ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سب سے زیادہ چہیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا: کہ اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں بخشی جاؤں گی۔ وہاں اپنا عمل کام آئے گا۔ دنیا میں پیسے روپے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لے لیکن عمل کرو۔ اپنا عمل کام آئے گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی۔ ایسی محبت تھی جس کو بیان نہیں کر سکتے۔ اتنی محبت تھی۔ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں خدمت اقدس میں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسے آنا ہوا! فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ حضرت آج میں نے روٹی پکائی تھی، میرا جی نہ مانا کہ آپ کے بغیر خود کھاؤں۔ اس لئے آپ کے واسطے لے کر آئی۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے تھے تو ان کو گلے سے لگا لیتے۔ لپٹا لیتے، سینے سے لگا لیتے، پیار کرتے ان کو، بڑی محبت فرماتے۔ فرمایا اہل جنت میں بیویوں کی فاطمہ رضی اللہ عنہا سردار ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدہ ہے۔ جنت میں جتنی عورتیں جائیں گی۔ سب کی سردار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی زیادہ تھی، عقیدت بھی، جانتی تھیں کہ سچے رسول ہیں، ایمان لائیں، سبھی کچھ تھا لیکن ان کو بھی فرمایا کہ بغیر اطاعت کے کام نہیں چلے گا۔

پھوپھی کو نصیحت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دیکھو اس خیال میں نہ رہنا کہ پیغمبر کی پھوپھی ہوں، بخشی جاؤں گی۔ اپنے اعمال کام آئیں گے اس رشتہ داری کی بنا پر کوئی نہیں بخشا جائے گا۔ اگر رشتہ داری کی بنا پر کوئی بخشا جاتا تو حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے بخشے جاتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کے باپ تھے اگر بخشش

ہوتی تو حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کی بیوی تھیں ۔لیکن نہیں ایسا نہیں ۔

"لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی" (النجم آیت ۳۹، پارہ ۲۷)

انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی ۔(بیان القرآن)

جو آدمی خود ایمان لایا اس کا ایمان اس کے لئے ذریعہ نجات ہے اور اگر اس کے خاندان کے دوسرے لوگ ایمان لائیں وہ ذریعہ نجات نہیں ۔کوئی شخص یوں سوچے کہ میں بڑے گھرانے کا آدمی ہو، بخشا جاؤں گا۔اس کو سوچنا چاہئے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی کو فرمایا تو پھر اوروں کے لئے کیا گنجائش ہے ۔سوچنا چاہئے کہ کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا لڑکا ہوں، ہاں بادشاہ کا بیٹا ہے لیکن خود اپنا عمل بھی ہونا چاہئے ۔اگر اپنے پاس کچھ نہیں تو بادشاہ کونسی گدی پر بٹھادے گا۔اس لئے اطاعت کی ضرورت ہے ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کمال اطاعت

حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے منبر پر۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِجْلِسُوْا" اے لوگو بیٹھ جاؤ ۔

جو جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے ۔یہ نہیں سوچا کہ میں پہلی صف میں بیٹھوں یا دوسری صف میں، جس کے کان میں یہ آواز آئی وہ وہاں پر ہی بیٹھ گیا۔یہ تھی اطاعت، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد سے باہر تھے مسجد کے اندر نہیں آسکے ان تک یہ آواز پہنچ گئی ۔باہر ہی بیٹھ گئے ۔جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو فرمایا ابن مسعود اندر آجاؤ ۔تو وہ آگئے ۔انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ ۔مسجد کے اندر بیٹھنے کو کہا۔یا میں مسجد کے اندر جا کے بیٹھوں گا، یہ نہیں سوچا۔سوچتے کیسے ان حضرات کو ہر وقت موت کا تصور غالب رہتا تھا۔اگر یہ سوچتے کہ اندر چل کے بیٹھوں گا۔کیا خبر تھی کہ اندر پہونچنے سے پہلے پہلے موت آجائے، گردن

پکڑلے۔کل قیامت میں سوال ہوگا ہمارے رسول ﷺ کی آواز تمہارے کانوں میں پڑی بیٹھ جاؤ، تم بیٹھے کیوں نہیں؟ کیا انھوں نے کہا تھا کہ اندر آکے بیٹھ جاؤ۔اس لئے فوراً حکم کی تعمیل کرنا ان حضرات کا کام تھا۔اور موت کا تصور ان حضرات کو ایسا رہتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نصیحت

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کا گذر ہوا۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی دیوار کو لیپ رہے تھے۔ان کی والدہ بھی لیپ رہی تھیں۔حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ عرض کیا حضرت دیوار لیپ رہے ہیں، پرانی ہوگئی ہے۔گرجانے کا اندیشہ ہے۔اس لئے لیپ رہے ہیں تاکہ کچھ روز کھڑی رہے دیوار۔فرمایا کہ موت اس سے قریب ہے۔دیوار کے متعلق تو تم اندازہ لگا رہے ہو اتنی دیر تک ٹھہری رہے گی لیکن موت اس سے قریب ہے۔موت نہیں دیکھتی جلدی سے جلدی بھی آجاتی ہے۔

اونٹوں سے سرخ چادروں کو اتار کر پھینک دینا

ایک مرتبہ اونٹوں پر سوار تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت، حضور اکرم ﷺ بھی موجود، تشریف لے جارہے ہیں۔سرخ چادریں یمنی اونٹوں پر پڑی ہوئی ہیں اور ایک عجیب منظر تھا خوشنما۔حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی طبیعتیں سرخی کی طرف مائل ہوتی جارہی ہیں۔بس فوراً سے کودے، اونٹوں سے چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر ختم کیا۔جو چیز آقائے نامدار ﷺ کو ناپسند ہو اس کو رکھنے کے لئے تیار نہیں۔یہ تھا اطاعت کا مادہ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ریشمی جبہ تنور میں جلا دیا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ جبہ پہن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

ریشمی جبہ تھا۔ حضرت ﷺ نے فرمایا۔ ریشم تو مرد کے لئے ناجائز ہے۔ اٹھے جبے کو اتارا۔ سامنے تنور تھا روٹی پکانے کا۔ جا کے تنور میں ڈالا جبے کو آگ میں۔ دوسرے وقت حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اس جبے کا کیا ہوا۔ عرض کیا حضرت میں نے اس کو جلا دیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کیوں تمہارے لئے ہی تو ناجائز تھا بچیوں کے لئے کپڑے بنوا دیتے۔ ان کے لئے درست تھا لیکن بھائی جس شخص کے دل میں آنحضرت ﷺ کی محبت جمی ہوئی ہے ہر چیز کی محبت پر غالب ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ لباس ناپسند ہے۔ وہ تو یہ سوچتا بھی نہیں کہ کسی اور کام آسکتا ہے کہ نہیں۔ وہ تو یہ سمجھے گا کہ وہ چیز آگ میں جلانے کے قابل ہے جو حضور اکرم ﷺ کو ناپسند ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کمال اطاعت

حضور اکرم ﷺ کی اطاعت کا داعیہ یہاں تک تھا کہ حضرت علیؓ اونٹ پر سوار ہوئے سفر میں جانے کیلئے۔ آپ نے چند کلمات پڑھے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" اونٹ کو قمچی ماری، ہنسے۔ کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کو میں نے دیکھا کہ اسی طرح اونٹ پر سوار ہوئے تھے۔ اسی طرح یہ کلمات پڑھے۔ اسی طرح اونٹ کو قمچی ماری اور ہنسے۔ اتنی اتنی باتوں پر حضور اکرم ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کمال اطاعت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں سفر کرتے ہوئے ایک جگہ اونٹ سے اترے اور ایک درخت کے نیچے ذرا دیر لیٹے۔ آرام کیا اور اس کے بعد سوار ہوئے چل دیئے۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟ فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اسی جگہ اتنی دیر آرام فرمایا ہے۔ ایک جگہ اترے اپنے اونٹ سے،

اونٹ کو بٹھایا، خود بیٹھ گئے جیسے آدمی پیشاب کرنے کیلئے بیٹھتا ہے۔ پیشاب تو نہیں کیا۔ بس بیٹھ گئے پیشاب کرنے کی ہیئت بنائی۔ کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ کہا کہ اس جگہ پر حضور اکرم ﷺ نے پیشاب کیا تھا تو انھوں نے پیشاب تو نہیں کیا۔ ہاں وہ ہیئت بنا کر بیٹھے یعنی جو چیزیں حضور اکرم ﷺ نے عبادت کے طور پر نہیں کی تھی اپنی ضرورت کے لئے کیں، ان میں بھی یہ لوگ اتباع کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کمالِ اتباع

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ دن رات میں کیا عمل کرتے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا صبح اٹھو اور آجاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس، تو دیکھتے رہو جس طرح یہ وضو کرتے ہیں سمجھ لو اسی طرح حضور اقدس ﷺ وضو فرماتے تھے، جس طرح یہ نماز پڑھتے ہیں، نماز میں قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ کرتے ہیں، سمجھ لو حضور اقدس ﷺ اسی طرح سے کرتے تھے۔ جس طرح یہ چلتے ہیں سمجھ لو کہ حضور ﷺ اسی طرح چلتے تھے۔ جس طرح کسی کے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح یہ بیٹھتے ہیں، کسی کے سوال کا جواب دیتے ہیں، اسی طرح۔ غرض کہ ہر چیز میں انھوں نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کے رنگ میں رنگ لیا تھا، ڈھال لیا تھا۔

لمحۂ فکریہ

یہ ہے حضور اکرم ﷺ کا حق۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے اس دنیا میں۔ اور کہا کہ ہم کو ایسی زندگی چاہئے جیسے ہمارے رسول اکرم ﷺ کی۔ آج ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر، مجلس میں بیٹھ کر چاہے محبت کے دعوے کریں کہ ہم کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت محبت ہے لیکن دیکھنا چاہئے کہ اس محبت کا اثر ہمارے دلوں پر کتنا ہے؟ تو ہم

اپنے گھر میں اپنی مجلس میں بیٹھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت محبت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کیا ہماری صورت حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کے مطابق ہے۔

داڑھی منڈے شخص سے اعراض

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص آیا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔ وہ ادھر آیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر منہ پھیر لیا۔ معلوم ہوا کہ کیا بات ہے کہ تمہاری داڑھی منڈی ہوئی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں فرمایا اور ناخوش ہو کر چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ آج ہمارا جو حال ہے، ہمارے دل میں کبھی خیال بھی آتا ہے اس کا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا داڑھی کا منڈانا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اعْفُو اللُّحیٰ" اور "اَرْخُوا اللُّحیٰ" (مسند احمد:۲/۳۸۷) داڑھی بڑھاؤ۔ داڑھی لٹکاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم ہے اور ہم کٹا کٹا کے منڈا منڈا کے اسے ختم کر دیں۔ یہ محبت کا تقاضا نہیں، یہ عقیدت کا تقاضا نہیں، یہ اطاعت کا تقاضا نہیں۔ لہٰذا بغیر عقیدت اور اطاعت کے جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا دعویٰ کب قابل قبول ہے؟ قابل قبول نہیں اس کا دعویٰ۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بے شمار بھری ہوئی ہیں ہر چیز کے متعلق ہدایات موجود ہیں حتیٰ کہ جو لوگ زیادہ عبادت کریں ایسی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

تین شخص آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر۔ اور پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر کیا عمل کرتے ہیں، دن بھر کیا کرتے ہیں؟ بتلایا کہ رات میں یہ عمل کرتے ہیں، دن میں یہ عمل کرتے ہیں۔ ان تینوں نے آپس میں یہ معاملہ طے کر لیا عہد کر لیا۔ ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا، کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا۔ ایک نے کہا میں ساری رات نماز

پڑھوں گا بالکل نہیں لیٹوں گا۔ بالکل نہیں سوؤں گا۔ایک نے کہا کہ میں شادی نہیں کروں گا، عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا۔حضورِ اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ملی ،حضورِ اکرم ﷺ نے سب کو بلا کر فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں،تم سے زیادہ تقویٰ مجھ کو حاصل ہے لیکن میں رات میں سوتا بھی ہوں،نماز بھی پڑھتا ہوں،ایسا نہیں کہ ساری رات جاگوں بلکہ رات میں کچھ حصہ سوتا ہوں، کچھ نماز پڑھتا ہوں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں،افطار بھی کرتا ہون، ایسا نہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھوں ۔عامۃً معمول تھا پیر کو اور جمعرات کو حضورِ اکرم ﷺ روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روز بندے کہ اعمال اللہ تعالی کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں اور گنہ گار لوگوں کو معاف فرماتے ہیں ۔میں چاہتا ہوں کہ میرے نامۂ اعمال ایسے حالات میں پیش ہوں کہ روزہ دار ہوں ۔اور فرمایا کہ میں شادی بھی کرتا ہوں ۔جو شخص میرے سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں ۔یعنی اگر ساری رات جاگنا، ساری رات عبادت کرنا اور پھر نکاح نہ کرنا۔اگر ان چیزوں کو کوئی اختیار نہ کرتا تو وہ قابل قبول نہیں اور جو چیزیں گناہ ہیں تو وہ گناہ ہیں ہی ۔جو چیزیں طاعت اور عبادت ہوں مگر حضورِ اقدس ﷺ کی منشا کے مطابق نہ ہوں وہ بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں ۔مقبول وہ چیزیں ہیں جو حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ہوں ۔حضورِ اکرم ﷺ جس طرح نماز میں قیام کرتے ہیں وہ مقبول ۔جس طرح رکوع کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح سجدہ کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح قران پاک پڑھتے تھے ۔لباس پہنتے ہیں وہ مقبول ۔جیسی صورت مبارکہ وہ مقبول ۔اور جو چیزیں حضورِ اکرم ﷺ کے طریقے کے خلاف ہوں وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں ۔

عظیم انعام کی عظیم شکرگذاری

اس لئے حضورِ اکرم ﷺ جیسا بڑا نبی ، بڑا انعام ہم کو ملا۔اس کے مطابق شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور شکر کرنے کے لئے یہ تین چیزیں ضروری ہیں جو میں نے بیان

کی۔کہ محبت اعلی درجہ کی ہو،عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہوکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کرکسی بات پر یقین نہیں۔اپنے اعمال پر یقین نہیں،حضورا کرم ﷺ کے ارشاد پر یقین ہے،تیسری چیز اطاعت،حضورا کرم ﷺ کے حکم کی بجا آوری،حضورا کرم ﷺ کے طریقہ پرزندگی اختیار کرنا۔یہ تین حق ہیں۔اگران تین حقوق کوادا کیا تو اللہ کے یہاں مقبول۔اگرادا نہیں کیا تو اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔دنیا میں بھی بڑی عزت،آخرت میں بھی بڑی عزت اطاعت سے ہی ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کیابات تھی؟ یہی بات تھی کہ ہرایک ان میں سے اطاعت کرتے تھے کہ ہرکام حضورا کرم ﷺ کے طریقے پر ہو،حضورا کرم ﷺ کی اطاعت میں ہو،حضورا کرم ﷺ کے اتباع میں ہو،اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ اوراشرف بنایا، با کمال بنایا، حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کادرجہ ہے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چھوٹے سے چھوٹے صحابی ہوں یابڑے سے بڑے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی فرق ہے کوئی باپ تھے،کوئی بیٹے،کوئی دادا،کوئی استاذ تھے۔کوئی شاگرد، کچھ خدمتِ اقدس میں زیادہ حاضر ہوئے کچھ کم ہوئے۔یہ صحیح ہے۔لیکن ہمارے لئے سب کے سب سارے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واجب التعظیم ہیں۔اورکسی کی شان میں کسی گستاخی،کسی بے ادبی کا کوئی حق نہیں پہونچتا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ ان کے دلوں میں ڈالا، جو کچھ طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہم کو وہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہنے والے کو بھی اور سننے والے کو بھی۔آمین!

❑❑❑

حقوق مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

اس بیان میں

☆......حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امت پر حقوق واجبہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

☆......اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر اکابر کے واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

حقوق مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اما بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ... الخ۔

[بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔] (آسان ترجمہ)

صلوٰۃ وسلام کا حکم

حضور اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا فرض عین ہے۔ اسی آیت کی وجہ سے آیت شریفہ میں حکم ہے امر کا صیغہ ہے پڑھو اس لئے فرض عین ہے زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ پڑھنا بالاتفاق فرض ہے اس کے بعد جب جب نام مبارک زبان پر آئے کان میں پڑے صلوٰۃ وسلام پڑھنا واجب ہے۔

ایک مجلس میں بار بار نام مبارک آتا ہے مثلاً بخاری شریف کا سبق ہو رہا ہے اس میں بار بار "قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" مشکوٰۃ کا سبق ہو رہا ہے اس میں حدیثیں موجود ہیں یا وعظ ہو رہا ہے اس میں بار بار نام مبارک آتا ہے۔ اس میں فقہاء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ایک دفعہ درود شریف پڑھ لیا تو کافی ہو جائے گا تو تداخل ہو جائے گا۔

واجب ادا ہو جائے گا۔ جیسے ایک آیت سجدہ کو ایک آدمی ایک مجلس میں بار بار پڑھتا ہے تو ایک ہی سجدہ سے سب کی کفایت ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی دوسرا قول یہ ہے کہ نہیں بلکہ ہر مرتبہ واجب ہے پہلے قول میں توسع ہے اور دوسرے قول میں تورع ہے احتیاط اور احترام کا تقاضہ ہے کہ ہر مرتبہ درود شریف پڑھا جائے اللہ تعالیٰ بھی صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ملائکہ بھی پڑھتے ہیں اور انسانوں کو جو حکم ہے وہ بھی پڑھتے ہیں۔ الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ۔

صلوٰۃ کے معنیٰ

علماء نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ کیا سب کا صلوٰۃ وسلام ایک ہی معنیٰ میں ہے۔ لفظ صلوٰۃ کی اسناد جب حق تعالیٰ کی طرف کی جائے تو اس کے معنیٰ کچھ اور ہیں ملائکہ کی طرف نسبت کی جائے تو اس کے معنیٰ اور ہیں اور افراد بشر افراد جن کی طرف نسبت کی جائے تو اس کے معنیٰ کچھ اور ہیں کچھ بھی معنی ہوں علماء کی تحقیقات میں لیکن صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔ پڑھنا چاہئے حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی نے ترجمہ کیا صلوۃ کا اللہ صاحب کا دلار محمد صاحب پر۔

ملائکہ صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اس کے معنیٰ کچھ اور ہوں گے انسان اور جن جو صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں اس کے معنیٰ کچھ اور ہونگے۔ مقصود یہ ہے کہ رحمت کاملہ اور سلامتی دارین کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا ہے سب کو کرنا لازم ہے۔

بادشاہ کے لئے دعا

پہلے دستور تھا کہ بادشاہ کے لئے سب دعاء کرتے تھے رعیت کے آدمی دعاء کرتے تھے امیر غریب ملازم سب دعاء کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نگہدار یارب بچشم خودش پرہیز ز آسیب چشم بدش
خدایا در آفاق نامی کنش بتوفیق طاعت گرامی کنش
مقیمش در انصاف وتقویٰ بدار مرادش بدنیا وعقبیٰ برآر
غم از دشمنے ناپسندت مباد
ز دوران گیتی گزندت مباد

[یارب! بچشم خود اس کی حفاظت فرما۔ چشم بد کے آسیب سے اس کی حفاظت فرما۔ خدایا! تمام عالم میں اس کو مشہور کردے۔ طاعت کی توفیق کے ساتھ اس کو باعزت بنادے۔ انصاف وتقویٰ میں اس کو مقیم رکھ۔ دنیا وآخرت میں اس کی مراد پوری فرما۔ کسی ناپسند دشمن سے تجھ کو کوئی غم نہ ہو۔ زمانہ کے دوران سے تجھ کو کوئی تکلیف نہ ہو۔]

قاضی کی جان کو رولوں

ایک قاضی صاحب تھے گاؤں میں تبلیغ کے جوش میں آکر جتنے ان کی رعیت میں لوگ بستے تھے سب کو حکم فرمادیا نماز پڑھا کریں اگر کسی نے نماز نہیں پڑھی تو گاؤں سے نکال دونگا۔ لوگوں نے پڑھنی شروع کردی۔ ایک بوڑھیا تھی وہ اپنے کسی عزیز کو وضو کے وقت کہتی ارے لوٹا اٹھالا پانی کا قاضی کی جان کو رولوں۔ قاضی کو رونے کے لئے پانی کا لوٹا منگاتی تھی۔ یہ اس کی جان کا رونا تھا۔ اتنا مشکل کام ہوگیا اس کے لئے۔

حرم شریف میں دیکھا سلطان آئے اس زمانہ میں مصر سے تعلقات بہت اچھے تھے۔ بار بار مصری لوگ "ینصرك الله ینصرك الله" دعائیہ کلمہ کہہ رہے ہیں۔ بادشاہ سلطان سعود کے لئے اللہ تیری مدد کرے تو جس کو جتنی گہری محبت ہوتی ہے اور جس کے دل میں جتنی زیادہ عظمت ہوگی اسی قدر اس کے لئے دعائیں کرے گا، آداب بجالائے گا۔ حضور اکرم ﷺ کے حقوق بے شمار ہیں اولاً تو گننا دشوار ہے۔ کتنے حقوق ہیں کیوں یہ آسمان زمین کس کیلئے

ہے چاند سورج ستارے کس کیلئے بنے ہیں، ہوائیں کس کیلئے درخت اور قسم قسم کے جانور کس کیلئے ہیں اگر حضور اکرم ﷺ کو پیدا فرمانا نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا ہر چیز کا جو وجود ہے حضور اکرم ﷺ کی خاطر شیخ اکبر حضور اکرم ﷺ کے لئے کہتے ہیں کہ آپ سید الوجود ہیں حضور اکرم ﷺ کے لئے سید الوجود کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

جسم اور قلب کا مادہ

نیز لکھا ہے جس مادہ سے جسم تیار ہوتا ہے قلب کا مادہ اس کے اعتبار سے لطیف ہوتا ہے انسان کے بدن میں جتنے اعضاء ہیں ان میں احساسات سب میں یکساں نہیں فرق ہے پیر میں احساس اور ہے پھر بھی چلتا ہے گرم ریت پر بھی چلتا ہے کبھی کانٹا چبھ جاتا ہے جتنا کام پیر سے لیا جا سکتا ہے ہاتھ سے نہیں لیا جا سکتا۔ ہاتھ میں پیر کے مقابلہ میں برداشت کا مادہ کمزور ہے۔ پیر میں تحمل کا مادہ زیادہ ہے آنکھ میں ایک تنکا ذرا سا گر جائے آنکھ برداشت نہیں کر سکتی۔ قلب سب سے زیادہ لطیف ہے، پیر کچھ دیر چلے گا تھک جائے گا، ایک حد تک چلنے کی طاقت دی گئی ہے۔ اسی طرح ہاتھ بوجھ اٹھاتا ہے ایک کلو دو کلو پانچ کلو، پچاس کلو نہیں اٹھا سکتا، زبان سے آدمی بولتا ہے اپنی آواز کو آدمی دور تک پہنچاتا ہے۔ آواز ایک حد تک پہنچتی ہے۔ اس کے آگے نہیں پہنچتی، آنکھ سے دیکھتا ہے دور تک کی چیز نظر آجاتی ہے آسمان کے ستارے بھی نظر آجاتے ہیں۔ جتنی سرعت سے آدمی پیر سے چلتا ہے اس سے کہیں زیادہ آنکھ کی رفتار سریع ہے۔ یہ تو ظاہری چیزیں ہیں لیکن انسان کے جسم میں جو قلب رکھا ہوا ہے جو انسان کے جسم کے تمام اعضاء کا بادشاہ ہے اس کی قوت سب سے زیادہ قوی ہے اس کا مادہ سب سے زیادہ لطیف ہے آنکھ کی جتنی قوت ہے اس سے کہیں زیادہ قلب کی ہے۔ آنکھ آسمان پر جاتی ہے قلب اس سے آگے پہونچتا ہے۔ عرش پر بھی پہنچ جاتا ہے، لوح محفوظ پر پہنچ جاتا ہے۔ جتنی سرعت سے آنکھ چلتی ہے اس سے کہیں زیادہ سرعت سے قلب چلتا ہے تو قلب کا مادہ زیادہ

لطیف ہے اس لئے اس کا ادراک بھی زیادہ قوی ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرت نبی کریم ﷺ کا مادہ

اور جس مادہ سے عوام کے قلوب بنائے جاتے ہیں اس مادہ سے خواص کے اجسام بنائے جاتے ہیں تو ان کے قلوب اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں اور جس مادہ سے خواص کے قلوب بنائے جاتے ہیں اس سے انبیاء علیہم السلام کے اجسام بنائے جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے قلوب اور زیادہ لطیف ہوتے ہیں اور جس مادہ سے انبیاء علیہم السلام کے قلوب بنائے گئے اس مادہ سے حضرت نبی کریم ﷺ کا جسم اطہر بنایا گیا لہٰذا آپ کا قلب مبارک اور زیادہ لطیف ہے جو شئ جس قدر زیادہ عزیز جس قدر زیادہ لطیف جس قدر محسن ہوتی ہے اسی قدر اس کا شکریہ ادا کرنا بھی لازم ہوتا ہے اس کی شان کے موافق مقولہ مشہور ہے۔ "شکر المنعم واجب" منعم کا شکر واجب ہے۔

باعث ایجاد عالم ﷺ

حضرت رسول اکرم ﷺ کے انعامات کو دیکھا جائے تو ساری کائنات سارا عالم حضور اکرم ﷺ کی وجہ سے بنایا گیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

السلام اے سید اولاد آدم! السلام

السلام اے باعثِ ایجاد عالم! السلام

اس کے علاوہ قرآن کس کے طفیل میں ملا۔ حضور ﷺ کے طفیل میں ملا، نماز روزہ کس کے طفیل میں حضور اکرم ﷺ کے طفیل میں۔ دنیا کی اور آخرت کی جتنی نعمتیں ملی ہیں حضور اکرم ﷺ کے طفیل میں ملی ہیں۔

حقوقِ مصطفیٰ ﷺ

لہٰذا حضورا کرم ﷺ کے حقوق سب سے زیادہ ہیں۔تلاش کرنے سے بنیادی طور پر حضورا کرم ﷺ کے حقوق کو تین قسموں میں سمویا جاسکتا ہے۔

ایک محبت، دوسرے عقیدت، تیسرے اطاعت یہ تین چیزیں ہیں ان تین چیزوں کو اگر نبھالیا جائے تو انشاء اللہ سارے حقوق اس میں آجائیں گے۔

محبت اوراس کے اقسام

حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ سے محبت کرنا ہرایک کے لئے لازم ہے پھر محبت دو قسم کی ہوتی ہے۔ایک طبعی جوغیر اختیاری ہوتی ہے ایک عقلی ہوتی ہے ان کے احسانات کو کمالات کو ان کی بڑائی کو دیکھ کر سوچ کر سمجھ کر کی جاتی ہے۔

ایک شخص ہے اس کی بچّی ہے تین برس کی وہ شخص سفر سے گھر گیا ہے بچی آئی ابا ابا کہتی ہوئی۔بچی کو گود میں اٹھالیا اس کے گال کو بوسہ دیا اس کے واسطے بسکٹ لے گیا تھا اس کو نکال کر بچی کے منہ میں رکھ دیا۔ایک محبت یہ ہے محبت کا تقاضہ چھوٹے بچوں کے ساتھ یہ ہے اور وہ ہی بچی بڑی ہو جائے جوان ہو جائے وہ بات نہیں رہی کہ اس کے منھ میں نوالہ دیا جائے اس کو گود میں بٹھایا جائے۔محبت کا رنگ بدل گیا محبت کا لحاظ دوسرے عنوان سے ہوتا ہے۔باپ کے ساتھ محبت اور طرح کی ہے، اولاد کے ساتھ محبت اور طرح کی ہے۔

نرالی محبت

تو حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ کے ساتھ محبت کیسی ہونی چاہئے۔جیسے حضورا کرم ﷺ کی ذات مقدسہ نرالی ہے نہ آپ جیسا کوئی ہوا نہ ہوگا یعنی ویسے تو اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ

مِّثْلُكُمْ ہے۔ بشریت میں حضور اکرم ﷺ دوسروں کے مثل ہیں لیکن جو کمالات حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائے ہیں وہ کمالات کس کے پاس ہیں؟ کسی کے پاس نہیں ہیں اسی واسطے آپ ﷺ نے پوچھا "ایکم مثلی" مجھ جیسا تم میں کون ہوسکتا ہے۔ "يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ رَبِّيْ" (بخاری شریف:۶۸۵۱،باب کم التعزیر والادب) میرا رب مجھے کھلا بھی دیتا ہے، پلا بھی دیتا ہے غرض حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جو محبت ہے نرالی ہونی چاہئے جو سب سے جدا گانہ محبت ہو، جس کا نمونہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں پھیلا ہوا ہو اس کو الفاظ سے تعبیر کرنا دشوار ہے۔

عقیدت

اس کی تعبیر کے واسطے صورت یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا جو حق بیان کیا گیا ہے یعنی عقیدت اس کے اندر آجائے جو محبت ہو وہ محبت عقیدت کی شکل میں ہونی چاہئے عقیدت کی شکل میں ہونے کا کیا مطلب۔

عقیدت کی شکل میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قلوب کے اندر پختہ طور پر یہ بات جمی ہوئی ہو کہ ہمارے سب سے بڑے محسن مخلوقات میں سب سے بڑے منعم حضور اکرم ﷺ ہیں اور حضور اکرم ﷺ نے جو کچھ فرمادیا سب حق اور سچ ہے۔ دنیا کے بڑے سے بڑے لیڈروں، ڈاکٹروں اور دانشوروں کی بات غلط ہوسکتی ہے مگر .... حضور اکرم ﷺ نے جو فرمادیا وہ صحیح ہے عقیدت کا حاصل یہ ہے ہماری زندگیوں کو جو کامیاب بنانے والی چیز ہے وہ حضور اکرم ﷺ کی عقیدت ہے۔ اگر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ عقیدت ہوگی تو ہماری زندگی کامیاب ہے، عقیدت نہیں ہے تو زندگی ناکام ہے۔ یہ عقیدت ہونی چاہئے۔ پہلی عورت کو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ محبت تھی چالیس سال تک آپ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کو انھوں نے دیکھا بچپن میں وہ کھیل کھیلتے نہیں تھے جو کھیل دوسرے بچے کھیلتے تھے بڑے ہوکر وہ شوخی

نہیں کی جو اور بچے کرتے ہیں اور بڑے ہو کر جو بچے کے دل میں جذبات ہوتے ہیں وہ جذبات حضور اکرم ﷺ کی طبیعت میں نہیں تھے۔ دیانت داری سب کو مسلم تھی سب لوگ آپ ﷺ کو امین کہتے تھے صدوق کہتے تھے اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھتے تھے کبھی کسی کے پیسہ کو حضور اکرم ﷺ نے غلط جگہ خرچ نہیں کیا کبھی زبان مبارک سے کوئی غلط لفظ نہیں نکلا کبھی کسی کو ذلیل حقیر کرنے کے لئے کوئی لفظ نہیں فرمایا۔ نگاہ مبارک سے کسی کو حقیر چھوٹا نہیں سمجھا یہ سارے کمالات حضور اکرم ﷺ میں تھے اور اہل عرب کو تسلیم تھے۔ پھر بھی جس وقت میں غار حراء میں وحی نازل ہونا شروع ہوئی اور پھر کچھ عرصہ کے بعد آیت مبارکہ نازل ہوئی: "وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ" آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے حق تعالیٰ کی جانب سے سب سے پہلے جو تبلیغ کا حکم ہوا تو وہ قریبی رشتہ داروں کے لئے ہوا اور وجہ اس کی یہی ہے کہ جو آدمی حق تعالیٰ کے احکام کو پہنچاوے بحیثیت نبوت، بحیثیت رسالت اس کی زندگی نہایت پاک وصاف ہونی چاہئے اور اس کا تجربہ گھر والوں کو سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں جانتے ہیں، سمجھتے ہیں۔

کوہِ صفا پر اعلانِ توحید اور ابولہب کی مخالفت

حضرت رسول اکرم ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے بلائیے تو حضور اکرم ﷺ نے کوہ صفا پر جا کر آواز دی نام لے لے کر خاندان کے لوگوں کو پکارا، اس زمانہ میں بلڈنگیں اتنی نہیں تھیں جتنی اب ہو گئیں مکہ مکرمہ کی اتنی آبادی نہیں تھی جتنی اب ہو گئی اور اللہ کے رسول کی آواز تھی اللہ تعالیٰ نے پہنچا دی اگر یہ براہ راست بھی ہوتا اور اللہ کو پہنچانا منظور ہوتا تو بھی پہنچا دیتے۔ بہرحال وہ آواز پہنچ گئی لوگ گھبرا گئے اس آواز کو سن کر اس لئے کہ کسی معمولی شخص کی آواز نہیں تھی یہ اللہ کے رسول ﷺ کی آواز تھی اور اللہ کے حکم سے تھی۔ شان جلالت کی یہ آواز تھی لوگ گھبرا گئے

اور آئے جلدی جلدی اپنا کام چھوڑ کر آئے اور جو کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکتا تھا دوسرے آدمیوں کو بھیجا کہ تم جاؤ وہ آئے جمع ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے انتہائی حکمت اور دانشمندی سے پہلے بطور امتحان ایک بات کا اقرار لیا فرمایا بتاؤ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ یہاں دامن کوہ میں ایک دشمن پڑا ہوا ہے صبح ہوتے ہی تم پر حملہ آور ہو گا کیا تم مجھے سچا جانو گے؟ عرب میں دستور یہ تھا دشمن اخیر شب میں شبخون مارا کرتا تھا۔ جب غفلت کا وقت ہوتا ہے تب دشمن لوگ شبخون مارتے تھے۔ پہلے سے پتہ چل جائے تو پہلے سے انتظام کر لیں۔ حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تم مجھے سچا مانو گے سب نے ایک ہو کر کہا آپ کے متعلق کبھی غلط بیانی کا تجربہ نہیں ہوا۔

چالیس سال کی اتنی پاکیزہ زندگی کہ کبھی زبان مبارک سے کوئی غلط لفظ نہیں نکلا یعنی آپ کو سچا مانیں گے چاہے دشمن نظر آوے یا نہ آوے۔ جب حضور اکرم ﷺ نے دیکھ لیا یہ لوگ مجھے سچا مانتے ہیں میری سچائی کا انھوں نے اقرار کر لیا تب حضور اکرم ﷺ نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا اس مجمع میں جو سب سے زیادہ محبت کا دم بھرنے والا محبت کا نعرہ لگانے والا تھا حضور اکرم ﷺ کا چچا ابولہب تھا۔ سب سے پہلے ابولہب نے تکذیب کی اور کہا تیرا ہاتھ ٹوٹے، تو نے اس واسطے یہاں جمع کیا تھا نعوذ باللہ غیرت خداوندی جوش میں آتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کا جواب خود عنایت فرماتے ہیں: ''تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ'' ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خالی محبت پر اکتفا کرنا اور یہ سمجھنا کہ محبت ہی ہمارے لئے کافی ہے غلط ہے ابولہب کو کتنی محبت تھی خدا جانے کتنی دفعہ گود میں لیا ہو گا۔ چچا تھا یہاں تک کہ ابولہب کی ایک باندی تھی جس کا نام ثوبیہ تھا اس نے آ کر اطلاع دی ابولہب کو بھتیجا پیدا ہوا عبد اللہ کے گھر میں بچہ پیدا ہوا اس کو بڑی خوشی ہوئی اور اس بشارت کے صلہ میں اس نے اس باندی کو آزاد کر دیا ہاتھ کے اشارہ سے اور پھر ایک زمانے کے بعد جب حضور ﷺ نے وحی سنائی کچھ لوگ ایمان لائے کچھ لوگوں نے انکار کیا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا خواب میں ابولہب کو دیکھنا

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اسکے مرجانے کے بعد پوچھا گیا کیا حال ہے کیسے گذر رہی ہے کہا سخت عذاب میں مبتلا ہوں صرف وہ انگلی جس کے اشارے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خبر سن کر باندی کو آزاد کیا تھا وہ عذاب سے بچ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے جس انگلی سے اشارہ کیا تھا وہ انگلی عذاب سے بچ گئی۔ بھائی لوگ اس کو خوب رو رو کر بیان کرتے ہیں محبت کی وجہ سے ابولہب بھی بچ گیا ہاں بچ گیا، کہاں سے قرآن پاک میں ہے:

"سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ" [وہ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔]

پھر خواب بھی کس کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا۔ بیداری کی حالت نہیں ہے خواب کی حالت ہے، نبی کے خواب کی ضمانت لی گئی ہے کسی اور کے خواب کی نہیں اور یہ کہنا کہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں کیا یہ بھی بچنا ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہو کہ صرف ایک انگلی بچ گئی اور باقی سارا جسم اور پھر کندھوں پر اٹھایا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور گود میں لیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں کچھ بھی نہیں بچا۔ خالی محبت کافی نہیں ہے محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت بھی ہونی چاہئے۔ ابولہب کو عقیدت نہیں تھی ابوجہل سے پوچھا اخنس ابن شریق نے ابوجہل اب بتا اب تو کوئی اور نہیں ہے سچ سچ بتا کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے ہیں تو اس نے کہا دیکھ بھائی بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے نہیں جو بولتے ہیں سچ بولتے ہیں جو وحی آتی ہے وہ جھوٹ ہے کیونکہ اس کا تجربہ نہیں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چالیس سال کا تجربہ کیا تھا ان کے اوپر جھوٹ کے الزام کی ہمت نہیں ہوئی اسی لئے دیکھئے ایمان کی بنیاد میں شہادتین کو رکھا صرف توحید کافی نہیں ہے بلکہ رسالت بھی ضروری ہے اگر رسالت پر ایمان نہ ہوگا تو نجات نہیں ہوگی۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا خواب

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب نفحات الانس لکھی ہے اس میں لکھا ہے سفر میں جاتے

ہوئے ایک جگہ مسجد میں ٹھہرنا ہوا خواب میں دیکھا مسجد کے دوسرے حصے میں مجمع ہے پوچھا کیسا مجمع ہے؟ کہا کہ حضور اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں میں بھی پہنچ گیا حضور اکرم ﷺ سے میری ملاقات ہوئی میں نے چند آدمیوں کے متعلق پوچھا فلاں شخص جس کا دنیا سے انتقال ہو چکا تھا اس کا کیا حال ہے؟ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا امام غزالی کہاں ہیں؟ فرمایا: "رجل فاز بالمقصود" وہ مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ کسی نے ابن سینا کے متعلق پوچھا ابن سینا کہاں ہے فرمایا اس نے چاہا تھا میرے بغیر اللہ تعالیٰ تک رسائی ہو جائے اس کو دکھایا گیا جہنم میں جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حضور اکرم ﷺ کے بغیر ہو جائے یہ ممکن نہیں اس لئے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ساتھ عقیدت لازم ہے۔ تب ہی جا کر محبت کارآمد ہے۔ ابو لہب کو محبت تھی سارے عرب کو محبت تھی مگر عقیدت نہیں تھی لہٰذا وہ محبت نجات اخروی کا ذریعہ نہیں بنی جب تک عقیدت حاصل نہیں ہوئی۔

اطاعت

تیسری چیز ہے اطاعت، عقیدت کے ساتھ ساتھ اطاعت بھی ہونی چاہئے۔ جب دو چیزیں اعلیٰ درجہ کی ہونگی ایک محبت ایک عقیدت تو اطاعت بھی اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔ حضور اکرم ﷺ نے اطاعت کے واسطے بھی فرمایا، محبت عقیدت کے واسطے بھی ان سب چیزوں کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔

غزوہ بدر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

احادیث میں آتا ہے سب سے پہلا جہاد غزوہ بدر ہے اس میں حضور اکرم ﷺ کے چھپر بنا دیا تھا تا کہ آپ ﷺ چھپر میں رہیں جس کو حضور اکرم ﷺ کے پاس آنا ہو چھپر دیکھ کر آجائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہرہ دار مقرر کیا تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہرہ پر تھے۔ اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کی طرف دشمنوں میں

سے نظر اٹھا کر دیکھتا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تیر کی طرح اس کی طرف دوڑتے تھے پہرہ کا حق ادا کرنے کے لئے جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کیلئے تلوار لے کر آئے تھے ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے بھی تھے وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ایک وقت آیا کہ انھوں نے ایمان قبول کر لیا ایک روز کہنے لگے کہ ابا بدر کے دن آپ میرے نشانے پر آگئے تھے میں چاہتا تو قتل کر دیتا باپ ہونے کا خیال کر لیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے باپ ہونے کا خیال کر لیا اگر تو میرے نشانے پر آتا تو میں تجھے ضرور قتل کرتا حدیث میں ہے:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ الخ" (مسند احمد)

ایمان وہی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اولاد، والد سب سے زیادہ ہو اور اس کا اندازہ ہوتا ہے مقابلہ سے ایک صحابی کے والد نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نامناسب کلمہ کہہ دیا برداشت نہیں کر سکے، ایک تھپڑ مار دیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے۔ حضور! اس طرح سے ہو گیا۔ ایک بات کہدی تھی اس پر میں نے والد کو تھپڑ مار دیا برداشت نہیں کر سکا آپ دعاء کر دیجئے میرے والد کو اللہ تعالیٰ ایمان دے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی اور مشرف باسلام ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حق اس طرح ادا کیا کہ ناشائستہ کلمہ کہنے پر باپ کو تھپڑ مار دیا اور باپ کا حق اس طرح ادا کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کرائی ایمان کی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان کی توفیق دی۔ ابو سفیان جب تک ایمان نہیں لائے تھے فوج کی کمانڈری کیا کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں۔

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا بستر لپیٹنا

ابو سفیان گئے ہیں اپنی بیٹی کے پاس۔ انکی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کی بہن جب دیکھا ابوسفیان آئے ہیں تو انھوں نے فوراً بستر لپیٹ کر رکھ دیا۔ کہنے لگے بیٹی! یہ کیا طریقہ؟ دنیا کا دستور یہ ہے کہ بیٹی باپ کیلئے بستر بچھاتی ہے۔ بیٹی نے صاف جواب دیدیا۔ بستر حضوراکرم ﷺ کا ہے تم ناپاک ہو، اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں ہو معلوم ہوا حضوراکرم ﷺ سے محبت زیادہ تھی پہلے مختلف کئی کئی شادیاں کرتے تھے ایک کے نکاح میں دس دس عورتیں تھیں۔ حضوراکرم ﷺ نے اعلان فرمایا چار سے زائد رکھنے کی اجازت نہیں ہے کتنے گہرے تعلقات تھے ان سے راحت بھی پہنچتی تھی لیکن حضوراکرم ﷺ نے فرمایا کسی کو چار سے زائد رکھنے کا اختیار نہیں رہا۔ سب نے چار پر کفایت کی بقیہ کو فوراً الگ کردیا۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی کمال جاں نثاری

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرلیا گیا تھا جہاد میں۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ تم کو چھوڑ دیا جائے اور تمھاری جگہ پر حضوراکرم ﷺ کو قتل کردیا جائے۔ کہا بدنصیبو! تم اس بات کو پوچھتے ہو مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنی جگہ پر آرام سے رہوں اور حضوراکرم ﷺ کے پائے مبارک میں کانٹا بھی چبھے۔ غزوۂ احد میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہاتھ سے تیر کو روکتے تھے جس کی وجہ سے سب ہاتھ شل ہوگیا تھا۔ تیر روکتے روکتے تاکہ دشمن کا تیر حضوراکرم ﷺ تک نہ پہنچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات! اپنی جان سے زیادہ حضوراکرم ﷺ سے محبت فرماتے تھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کیلئے نصیحت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضوراکرم ﷺ کی سب سے زیادہ چہیتی بیٹی، حضوراکرم ﷺ سے محبت بھی بہت رکھتی تھیں عقیدت بھی اعلی درجہ کی رکھتی تھیں۔ محبت کی دلیل تو یہ ہے کہ حضوراکرم ﷺ نے فرمایا:

"فَاطِمَةُ بِضعَةٌ مِنِّيْ مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِيْ" (مستدرک حاکم بیروت: ۳/۱۷۳)

[فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اس کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی۔]

اور عقیدت کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ" (بخاری شریف: ۵۳۲/۱)

[فاطمہ اہل جنت عورتوں کی سردار ہیں۔] اس اعلی درجہ کی محبت اور اعلیٰ درجہ کی عقیدت کے باوجود حضور ﷺ نے ان کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے فاطمہ! دنیا میں سے جو کچھ چاہے مجھ سے لیجئے آخرت میں تو اپنا عمل کام آئے گا۔ اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ نبی کی بیٹی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محبت وعقیدت کے ساتھ اطاعت بھی ضروری ہے اور محبت وعقیدت پر بھروسہ کرتے ہوئے اطاعت سے بے پروا ہو جانا محض نادانی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کمال اطاعت

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ منبر پر تشریف لائے ارشاد فرمایا:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ اِجْلِسُوْا" [اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔]

جس نے یہ سنا فوراً بیٹھ گئے۔ حتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر تھے یہ آواز سن کر وہیں بیٹھ گئے۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ یہ خطاب تو اہل مسجد کو ہے میں جب مسجد میں پہنچوں گا بیٹھ جاؤں گا، ان حضرات کو موت کا بہت استحضار رہتا تھا خطرہ یہ بھی تھا کہ خدا جانے مسجد میں پہنچ بھی پاؤں یا اس سے پہلے پہلے موت آجائے اور قیامت میں سوال ہو ہمارے نبی کی آواز تمھارے کان میں پہنچی "اجلسو" [بیٹھ جاؤ۔] اور تم نے عمل نہیں کیا۔ کیا نبی نے یہ فرمایا تھا کہ مسجد میں اندر آ کر بیٹھو۔

پھر جب حضور اکرم ﷺ کی نظر ان پر پڑی تو ارشاد فرمایا ابن مسعود! آگے آجاؤ۔

اعلی درجہ کی محبت اعلیٰ درجہ کی عقیدت کے ساتھ ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت کا یہ حال تھا۔ اللہ پاک ہم کو بھی اس کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین! ❑❑❑

آداب صلوٰۃ وسلام

اس بیان میں

☆......صلوٰۃ وسلام کی فضیلت اور آداب کو بیان کیا گیا ہے۔
☆......نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد الوفات۔
☆......اور اکابر اہل اللہ کے بعض واقعات۔

آداب صلوٰۃ وسلام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ ...اِلٰی قَوْلِہٖ تَعَالٰی اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔

[اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔ اور نہ ان سے بات کرتے ہوئے اس طرح زور سے بولا کرو جیسے تم ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔ یقین جانو جو لوگ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے خوب جانچ کر تقویٰ کے لئے منتخب کر لیا ہے، ان کو مغفرت بھی حاصل ہے اور زبردست اجر بھی۔ (اے پیغمبر!) جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں ان میں سے اکثر کو عقل نہیں ہے۔] (آسان ترجمہ)

صلوٰۃ وسلام

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا بڑی سعادت بڑے ایمان کے تقاضے محبت کے تقاضے کی بات ہے جتنا زیادہ سے زیادہ پڑھا جائے۔ کشمیر کے علاقہ میں دیکھا وہاں دستور یہ ہے نماز کے لئے جارہے ہیں مسجد بھری ہوئی ہے لوگ بیٹھے

ہوئے ہیں دو چار منٹ باقی ہیں نماز شروع ہونے میں ایک شخص کونہ سے کھڑا ہوا اس نے کہا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ دوسرے نے اس کے جواب میں کہا الصلوۃ والسلام یا رسول اللہ اسی طریقے پر ایک ادھر سے پڑھتا ہے، دوسرا ادھر سے پڑھتا ہے، بعض دفعہ سب ملکر پڑھنے لگتے ہیں، درود شریف زور سے پڑھنا آہستہ پڑھنا سب درست ہے۔ دور سے پڑھنا، نزدیک سے پڑھنا سب درست ہے چاہے غائب کے صیغے سے پڑھے چاہے حاضر کے صیغے سے پڑھے وہ بھی درست۔

حاضر و ناظر کا عقیدہ

لیکن بعض جگہ لوگوں کے عقائد ایسے ہو گئے کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارکہ کو اللہ تعالے کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر جاننے لگے۔ جس طرح اللہ تعالے ہر جگہ حاضر ناظر ہے، سب کی پکار سنتا ہے۔ بلاواسطہ بالکل اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں اور بندے (امتی) جس طریقے پر پکارتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ براہ راست انکے کلام کو سنتے ہیں اور بعضوں نے آگے بڑھ کر کچھ اور کہا کہ اللہ تعالی ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہے اور حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں جو صفت خاصہ تھی حق تعالی کی اس کو خاص کر دیا حضور اکرم ﷺ کیلئے اور اللہ تعالی سے اس صفت کو ختم کر دیا۔ استغفر اللہ!

افراط و تفریط

چنانچہ ایک کتاب جاء الحق میں اس کی تشریح کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں اور ایک مقام میں دیکھا کہ مسجد کے محراب میں کلمہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ دائیں جانب محمد رسول اللہ اور بائیں جانب لا الٰہ الا اللہ پہلے محمد رسول اللہ بعد میں لا الہ الا اللہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی اور پارٹیاں بن رہی

ہیں۔ایک خدا پارٹی ایک رسول پارٹی۔لڑائی آپس کی، سامنے کرتے ہیں خدا اور رسول کو ایک جماعت اس بات کی دعویدار ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔

جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمدؐ سے
اللہ کی جھولی میں وحدت کے سوا کیا ہے

اللہ کے پاس تو وحدت رہ گئی اور کچھ نہیں۔ باقی حضور اکرم ﷺ کے پاس سب کچھ ہے وہاں سے لیں گے۔

غرض یہ افراط وتفریط ہو رہی ہے دنیا میں بہت پریشانی کی بات ہے۔اس واسطے عقائد کی تصحیح کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔عقیدے پر مدار نجات ہے ایمان کا مدار عقیدے کی صحت پر ہے۔عقیدہ غلط ہوگا، ایمان خراب ہوگا، نجات نہیں ہوگی اس واسطے اگر کوئی آدمی دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے اور صیغہ مخاطب کو حرف ندا کے ساتھ پڑھتا ہے۔مثلاً ایک شخص یہاں سے پڑھتا ہے: "الصلوٰۃ و السلام علیك یا رسول الله" اس طرح پڑھے اور عقیدہ یہ ہے کہ ملائکہ کے واسطے سے یہ صلوٰۃ وسلام حضور اقدس ﷺ تک پہنچتے ہیں اور حضور اکرم ﷺ اس کو سن کر مسرور ہوتے ہیں اور جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں یہ عقیدہ ہو تو درست ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

اسی طریقہ پر ایک شخص اپنے ذہن میں صورت مبارکہ کو تصور کر کے یا روضۂ اقدس کو مقصود کر کے یہ محسوس کرے میں گویا مدینہ طیبہ میں روضہ اقدس کے سامنے کھڑا ہو کر وہاں سے پڑھ رہا ہوں اس تصور سے پڑھے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں درست ہے۔ایسے ہی جیسے کوئی آدمی اپنے باپ کو خط لکھتا ہے اس میں خطاب کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ ظاہر ہے باپ اس کو پڑھ رہا ہے سن نہیں رہا ہے۔البتہ ڈاک کے ذریعہ باپ تک پہنچے گا باپ سنے گا خطاب باپ کو ہے لیکن ایک شخص باپ کو خطاب کرتا ہے حاضر ناضر جان کر تو یہ غلط طریقہ ہے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ! پڑھنے کا حکم

ایک دفعہ سفر تھا خیال آیا جمعہ کا دن ہے فلاں جگہ اتر کر جمعہ کی نماز ادا کرلوں اور فلاں گاڑی میں جو اتنے بجے آتی ہے اس میں چلا جاؤں گا تو کوئی خرابی نہیں آئیگی۔ چنانچہ رائے پختہ ہوگئی اتر کر پہنچ گیا۔ جامع مسجد پوچھتے پوچھتے پہنچ گیا وہاں کے امام صاحب نے صورت شکل دیکھ کر یہ تو مولوی ملّا ہے کہ مولوی صاحب کچھ دیر بیان کردو اچھی بات اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ابھی وقت تھا بیان کرنا شروع کیا۔ شروع ہی سے پتہ چل گیا کسی اور طرح کا آدمی ہے۔ اس واسطے کہ اس نے مجمع سے نہیں کہا کہ تم سب صلوٰۃ وسلام پڑھو درود پڑھوایا ہی نہیں۔ مجمع میں برابر والے ایک شخص کو امام صاحب نے سوال سمجھایا کہ ان سے اس طرح سوال کرو۔ "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" پڑھنا کیسا ہے؟ اگر یہ دیوبندی ہیں تو جائز کہنے کے نہیں اور اگر دیوبندی نہیں ہیں بریلوی ہیں تو جائز کہیں گے پس صاف بات ہو جائے گی پتہ چل جائے گا۔

چنانچہ انھوں نے فوراً سامنے آ کر سوال کیا کسی نے روک دیا کہ یہ کیا طریقہ سوال کرنے کا اس کو میں نے روک دیا۔ آپ کو کیا آپ سے نہیں پوچھ رہے ہیں۔ مجھ سے پوچھ رہے ہیں مجھے نماز کے بعد جانا ہے مجھے وقت ملے یا نہ ملے پوچھ لیجئے۔ انھوں نے پوچھا کیوں مولوی صاحب "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ!" پڑھنا کیسا ہے؟ میں نے جواب دیا دیکھئے اگر آپ اپنی زندگی کے تمام گوشوں کو حضور اکرم ﷺ کی سنت سے منور کر رہے ہیں اور اعلیٰ درجہ کا آپ کو سنت سے تعلق ہے سارا عمل سنت کے موافق ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں آپ کو حضور اکرم ﷺ سے محبت پیدا ہوگئی اور محبت آگے بڑھ کر عشق کے درجہ تک پہنچ گئی اور یہاں سے مدینہ منورہ تک جتنے حجابات تھے سارے آپ کے لئے اٹھا دیئے گئے اور آپ کو یہیں سے کھڑے کھڑے روضۂ اقدس نظر آ رہا ہے تو بلا تکلف پڑھئے "الصلوٰۃ والسلام

علیك یا رسول الله!" کسی کے روکنے سے نہ رکئے اور اگر حجابات نہیں اٹھے یہاں سے روضہ اقدس آپ کو نظر نہیں آتا تو معلوم ہوتا ہے عشق میں کمی ہے لہذا آپ یہاں سے پڑھئے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ۔

تکلیف کیجئے اور سفر کیجئے مدینہ پاک پہنچ کر روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت ادب واحترام کے ساتھ دھیمی آواز سے وہاں پڑھئے:

"الصلوٰة والسلام علیك یا رسول الله"

دور سے بڑوں کو چلّا چلّا کر پکارنا یہ بے ادبی ہے کھیت والوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ کھیت والے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، اے فلانے کوئی جواب دیتا ہے ہاں، بڑوں کو اس طرح نہیں پکار سکتے۔ بڑوں کے سامنے حاضر ہو کر عرض کیا جاتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے متعلق موجود ہے: "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ" اپنی آواز کو حضور اقدس ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو۔ بعض آدمی کی آواز قدرتاً بلند تھی بات کرنے میں آواز بلند ہو جاتی تھی۔

جیسے وہاں آیت نازل ہوئی اپنی آواز کو حضور اکرم ﷺ کی آواز سے بلند مت کرو: "وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ" نبی کے سامنے ایسے زور سے نہ بولو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بولا کرتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے، جو لوگ آواز دھیمی اور ہلکی کرتے ہیں نبی کے سامنے یہ لوگ ایسے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کا امتحان لے لیا انکے دلوں میں تقویٰ موجود ہے۔ لہذا اس آیت کے نزول کے بعد بعضے صحابہ رضی اللہ عنہم تو اس طرح سے بولتے تھے کہ بار بار پوچھنے کی نوبت آتی تھی۔ حضور اکرم ﷺ کے سامنے ڈر کے مارے کہ زور سے بولنے سے کہیں اعمال حبط نہ ہو جائیں "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ" جو لوگ دور سے کھڑے ہو کر زور زور سے چلا کر پکارتے ہیں ان کو قرآن نے بے وقوف کہا ہے۔ "اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ" [ان میں اکثر بے عقل

ہیں۔] یہاں سے یا کسی اور مقام سے آواز دے کر چلانا یارسول اللہ! اس طرح سے چلانے والے کو قرآن نے بیوقوف کہا ہے۔

لٰہذا دور سے کھڑے ہو کر چلّانا آواز لگانا، دور سے اس طرح صلوٰۃ وسلام پڑھنا جیسے اسکول کے بچے پہاڑے پڑھا کرتے ہیں، ایک نے ایک لفظ کہا پھر سب نے مل کر وہی کہا یہ طریقہ غلط ہے۔ نہ قرآن کریم سے ثابت نہ حدیث پاک سے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ ائمہ مجتہدین نے کیا آپ درود شریف پڑھئے ایک کونہ میں بیٹھ کر پورے انہماک اور یکسوئی کے ساتھ ہر طرف سے دل کو ہٹا کر آپ پڑھئے جتنا جی چاہے پڑھئے کوئی آپ کو روک نہیں سکتا اگر روکے تو نہ رکئے اس کا کہنا وحی تو نہیں ہے نہ رکئے۔

اتنی بات ہوئی اور پھر جتنا کچھ بیان کرنا تھا بیان کیا کبھی موقع نہیں ملتا تھا، اللہ نے موقع دیدیا اس واسطے صلوٰۃ وسلام صیغۂ خطاب کے ساتھ یا ندا کے ساتھ یا نبی سلام علیک یا رسول سلام علیک کہے یا رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیک یہ زور زور سے چلا کر پڑھنا ایک آواز ملا کر گا کر۔ یہ غلط طریقہ ہے۔ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ" پڑھنا چاہئے اور ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو روزانہ چار ہزار پانچ ہزار مرتبہ درود شریف پڑھتے ہیں راتوں میں کثرت سے پڑھتے ہیں اور اس کے منافع آخرت میں بھی ہیں دنیا میں بھی۔

صلوٰۃ وسلام کی فضیلت

نسائی شریف کی روایت میں ہے

"اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی مَلَائِکَتَہٗ سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ" (مشکوٰۃ شریف: ۸۶/ ۱، ح ۹۲۴)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہیں میری امت میں سے جو شخص بھی سلام پڑھتا ہے وہ فرشتے میرے پاس لا کر پہنچاتے ہیں۔

اور بیہقی کی روایت میں ہے: "مَنْ صَلَّی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ" جو شخص میرے

قریب میری قبر کے سامنے صلوٰۃ وسلام پڑھے گا میں خود اس کو سنوں گا اور جو دور سے پڑھے گا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا دور سے پہنچایا جاتا ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کو بڑی خوشی ہوتی ہے جب کوئی شخص صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے۔ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ مستقلاً وہیں موجود رہتا ہے، ہر وقت جس نے سلام پڑھا اس کا نام لے کر باپ کا نام لے کر بتاتا ہے فلاں بن فلاں نے صلوٰۃ وسلام بھیجا ہے۔

اشکال مع جواب

اب کسی کے دل میں خیال پیدا ہو کہ صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے تو تمام دنیا سے تمام روئے زمین سے ہر وقت پڑھتے ہیں، ہر وقت فرشتہ پہنچاتا ہے ہر وقت حضور اکرم ﷺ جواب دیتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کو تو جواب سے فرصت ہی نہیں ملتی ہوگی، کتنوں کے جوابات دیتے ہیں، اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ پانچ سات کا سلام آگیا تو جواب دینا مشکل ہوگیا اور پھر وفات کے بعد عالم برزخ میں پہنچ کر احساسات بہت زیادہ قوی ہوجاتے ہیں جو کیفیت احساس وادراک کی اس دنیا میں رہتے رہتے ہے اس کے اعتبار سے برزخ میں پہنچ کر احساسات بہت قوی ہوجاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی وفات مبارکہ کی کیفیت

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے.................کہ حضور اکرم ﷺ کی جو وفات ہوئی اس طرح نہیں جیسے اور لوگوں کی وفات ہوتی ہے کہ روح کو جسم سے جدا کر دیا۔ ایسا نہیں بلکہ روح مبارک کو وہیں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ جیسے چراغ جل رہا ہو آپ اس کو زمین پر رکھ کر اس کے اوپر طشت رکھ دیں چراغ کی جو روشنی دور دور تک پھیل رہی تھی وہ محفوظ ہوگئی، طشت کے اندر محفوظ رہ گئی فائدہ اس کا یہ ہے کہ پہلے جو روشنی پھیل رہی تھی وہ ہلکی تھی اب وہ روشنی

ایک جگہ مجتمع ہو کر زیادہ قوی ہوگئی ان کی تحقیق یہ ہے کہ وفات اس طرح ہوئی اوروں کی جس طرح وفات ہوتی ہے اس طرح نہیں ہوئی قرآن میں ہے: ”اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ“ [(اے پیغمبر!) موت تمہیں بھی آنی ہے اور موت انہیں بھی آنی ہے۔] (آسان ترجمہ) دونوں کی موت کو الگ الگ ذکر کیا گیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور طرح ہے اور دوسروں کی وفات اور طرح ان کے معارف میں یہ ہے۔ بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر منکشف فرماتے ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سننا، اور سب کا جواب دینا اور ہر ایک کا پہچاننا، ہر ایک سے مسرور ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی دشواری نہیں۔

بہت آسان ہے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا ہی ہے: "قیاس الغائب علی الشاھد لا یجوز" جو غائب ہے اس کو حاضر پر کیسے قیاس کرتے ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری نظروں سے غائب ہیں ان کو اپنے اوپر کیسے قیاس کر سکتے ہیں۔

اس لئے وہاں کے حالات کو یہاں کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جو جو چیزیں عطا فرمائی عجیب عجیب ہیں۔

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ

ایک بزرگ حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے صلوٰۃ و سلام عرض کیا درود شریف پڑھا کچھ اشعار پڑھے۔

ان کا حاصل یہ تھا کہ اب تک تو میں اپنی روح بھیجا کرتا تھا روح آتی تھی زیارت کے لئے صلوٰۃ وسلام پڑھتی تھی آج جسم کی باری آگئی۔ جسم حاضر ہوگیا۔ لہٰذا دست مبارک بڑھایئے تو دست مبارک روضۂ اقدس سے نکلا "کالشمس فی نصف النھار" اتنی اس کی روشنی جیسے دوپہر میں سورج سب مجمع نے دیکھا انھوں نے بڑے احترام کے ساتھ دست مبارک کو بوسہ

دیااور وہ پھر قبر کے اندر چلا گیا۔

یہ واقعہ ۵۵۵ھ کا ہے اور اس وقت مسجد میں بڑے بڑے اولیاء اللہ موجود تھے۔ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے اور لوگ بھی اس کے بعد لوگوں نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی جس کی خاطر دست مبارک قبر سے نکلا، انھوں نے کہا: اچھا یہ بات ہے، لیٹ گئے اور کہا میرے اوپر کو چلو۔ لوگ چلے مان لی بات، ایک صاحب کشف بزرگ تھے وہ نہیں چلے کسی نے پوچھا کیا بات ہے آپ نے ان کی بات کیوں نہ مانی انھوں نے کہا جو لوگ گذرے وہ اندھے تھے لوگوں کو ان کے رتبے کا علم نہیں میں اگر چلتا تو آتش قہر مجھے جلا ڈالتی اس پایہ کے بزرگ تھے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے اس حیات کے اثرات باہر والوں کو بھی دکھلا دیئے جاتے ہیں کسی کسی کو سب کو نہیں ہر ایک کو نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا تھا مسلسلات پڑھاتے ہوئے کہ کہنے کی بات نہیں آدمی ادھر سے منھ پھرا کر دیکھے آنکھیں بند کرے پھر دیکھے اس پر کیا کیا کھلتا ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک سنانا

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تراویح میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف سنایا، کیسے سنایا؟ ہم نہیں جانتے نہ ہم نے پوچھا نہ انھوں نے بتایا، ہوسکتا ہے کہ اقدام عالیہ میں کھڑے ہو کر سنایا ہو یا کسی اور جگہ کھڑے ہو کر سنایا ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صلوٰۃ وسلام کو سنتے ہیں قرآن پاک کو سننے میں کیا اشکال ہے، ایک صاحب نے دریافت کیا تھا

کہ وہاں کے قاضی القضاۃ کے بیٹے کو بہت شوق تھا حضرت نبی کریم ﷺ کی زیارت کا اس کے لئے وظیفے عملیات بہت سارے پڑھے۔

حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں آنحضرت ﷺ کی شرکت

ایک مرتبہ زیارت کی کہ حضور اکرم ﷺ روضۂ اقدس سے باہر تشریف لائے پوچھا حضور! کہاں کا ارادہ ہے؟ ارشاد فرمایا خلیل احمد ہندی کا انتقال ہوگیا ہے ان کے جنازہ میں شرکت کے لئے جارہا ہوں چونکہ مولانا خلیل احمد صاحب نے وصیت فرمائی تھی میرے جنازہ کی نماز مسجد میں نہ پڑھی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے اس لئے مسجد سے باہر پڑھی گئی تھی تو وہاں تشریف لائے۔ تو مبتدعین نے کہا تھا کہ نماز جنازہ مسجد میں میسر نہ آئی۔ یہ گستاخ رسول تھے، ایسے تھے مگر ساتھ ساتھ یہ نہیں دیکھتے کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لائے جنازہ میں شرکت کے لئے۔ اسی لئے حضرت نبی کریم ﷺ اگر بنفس نفیس روضۂ اقدس سے باہر تشریف لائیں اللہ کی طرف سے اجازت ہو، غلط نہیں ہوسکتا ہے کسی کو بیداری کی حالت میں نظر آجائے یہ بھی ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے لیکن وہ جو عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر ہیں اس کا کہیں کچھ ثبوت نہیں خرقِ عادت کے طور پر جنازہ میں شرکت کے لئے جاسکتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا ملفوظ

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتاب میں ہے کہ فلاں میرے پیر بھائی کا انتقال ہوا میں نے اس کو قبر میں دفن کے لئے رکھا تو بلا مبالغہ وہ ہی خوشبو محسوس ہوئی جو پہلی

مرتبہ روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت محسوس ہوئی تھی۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھا یہ خوشبو یہاں کہاں آگئی مدینہ طیبہ کی کہاہم سنیوں کا عقیدہ ہے کہ مومن کی قبر میں حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ لائے ہوں گے، خوشبو محسوس ہوئی ہوگی، اس میں کیا بات ہے۔ آگے میں نے کہا جب سوال کیا جاتا ہے "ماھذا الرجل" جب کہا جاتا ہے جب کہ لوگ دفن کرکے واپس چلے جاتے ہیں اس وقت منکر نکیر آتے ہیں اٹھاتے ہیں حضور اکرم ﷺ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ابھی تو رکھا ہی ہے رکھتے ہی کیسے خوشبو محسوس ہوئی۔ میں نے پوچھا واقعی آپ لوگوں کا عقیدہ ہے...... جب عقیدہ ہے تو قرآن میں کہیں ہوگا۔ آگے کچھ بولے نہیں۔ میں نے کہا اچھا علم عقائد میں جو کتابیں ہیں شرح عقائد، شرح مقاصد ہے شرح مواقف ہے وغیرہ ان میں کہیں ہوگا۔ ان بیچارہ نے ان کا نام بھی نہیں سنا تھا میں نے کہا کہ اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کا کسی مومن کی قبر پر تشریف لانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں تو اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ بس جتنی گالیاں اس کی ڈکشنری میں تھیں سارے دے دیں کہ وہ کافر ہے مرتد ہے، زندیق ہے، ملعون ہے، جہنمی ہے، رسول اللہ ﷺ کا دشمن ہے۔ یہ مذہب ہے۔ میں نے کہا۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کی کتاب میں ہے بریلی شریف سے چھپی ہے۔ اس میں لکھا ہے حضور اکرم ﷺ کا کسی مومن کی قبر پر تشریف لانا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں۔ اپنے ان کو تو لگا دیا ٹھکانے۔

عقائد کی حفاظت

اس واسطے حضور اکرم ﷺ کی محبت کے جوش میں آکر عقائد خراب نہ ہونے پائیں، عقائد کو صاف صحیح رکھنا ضروری ہے۔ آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو عرب سے باہر عجم میں سفر میں تشریف لے گئے تھے وہاں سے واپس آکر حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ وہاں دیکھا اپنے چودھری کو اپنے بڑے کو سجدہ کرتے ہیں۔ حضورؐ! آپ زیادہ مستحق ہیں۔ یہ محبت کی وجہ سے تھا سجدۂ تعظیمی

کرنا چاہتے تھے حضوراکرم ﷺ نے فرمایا اچھا میرا انتقال ہوجائے تو میری قبر پر تم لوگ اسی طرح سجدہ کروگے؟ کہا: نا! حضوراکرم ﷺ نے فرمایا: اگر غیر اللہ کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے اس واسطے سجدہ کسی اور کے واسطے جائز نہیں۔

جوش اور محبت میں آکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو شان اقدس سے خلاف ہو جس میں عقائد کا خطرہ ہو اس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ ورنہ جوش محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو پوجا تھا، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور جتنے بت پرست ہیں جن چیزوں کو معبود قرار دیتے ہیں جوش محبت ہی کا نتیجہ ہے اس لئے اسلام میں جوش اور محبت کی حدود قائم کرکے ان حدود کو مقید کیا گیا ہے۔

اصلاح کی ضرورت اور اس کا طریقۂ کار

آپ ﷺ کی شان اقدس کے خلاف چیزیں پھیل گئی ہیں پھیل رہی ہیں ان کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ مایوس ہرگز نہ ہونا چاہئے نرمی سے پیار محبت سے شفقت سے سمجھایا جائے تو طبیعتیں ایسی ہیں جو مان جائیں گی۔ ضد بھی ہوتی ہے مزاج میں خاص کر یہ معلوم ہوجائے آپ وہابی ہیں آپ دیوبندی ہیں تو اور دقت پیش آتی ہے۔ اگر آپ نرمی سے سمجھائیں کتابیں دکھلائیں، حضوراقدس ﷺ کی سیرت مبارکہ کو بیان کریں جس قدر بھی زیادہ سیرت بیان کی جائے ایجابی پہلو ہو۔ یہ حضوراکرم ﷺ کے حقوق ہیں، یہ کام حضوراکرم ﷺ نے کئے ہیں، یہ کام امت کو سپرد کیا ہے، ان کے مطابق انجام دینا۔ اتنی چیز ہو اس سے بہت لوگوں کی اصلاح ہوگی۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مداہنت کی جائے غلط چیزوں کے متعلق۔ نہیں مداہنت اور چیز ہے اور اگر شروع ہی سے ان کی ایک ایک بات لے کر کہا جائے کٹ جائیں گے اور کوئی بات نہیں سنے گا اور بہت سختی سے پیش آئیں گے عقائد آپ کے متعلق خراب ہوں گے آپ

کے بڑوں کے متعلق خراب ہونگے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک خواب

لکھنؤ میں ایک بزرگ تھے شاہ وارث حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی رہے اور دیوبند میں تعلیم پائی تھی مولانا فخرالدین حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے انھوں نے میری عمر میں کلام پاک حفظ کر کے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا تھا اور مشکوٰۃ شریف حفظ کر کے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو سنائی تھی ان کے صاجزادے ہیں ٹیلہ والی مسجد میں بھورے میاں کہلاتے ہیں۔ پیری مریدی کرتے ہیں اپنے والد صاحب کی طرف سے مجاز ہوں گے۔ ایک شخص آئے انھوں نے کہا میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں مگر دیکھئے یہ جو بڑے بڑے ہیں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لے لے کر بہت بیہودہ الفاظ سے نام لئے، میں ان کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ اس کے ساتھ آپ مجھے بیعت کرنا چاہیں تو کر لیجئے۔ اچھی بات ہے۔ بیعت کرلیا اس کے بعد پھر ایک روز روتا ہوا کانپتا ہوا پریشان ہوتا ہوا آیا۔ پوچھا کیا بات ہے۔ کہا میں نے خواب میں دیکھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی۔ حضرت بھی کہتا ہے مولانا بھی کہتا ہے حضرت ان کے سامنے دوزانو بیٹھے ہیں اور جھکے ہوئے بیٹھے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر مبارک پر دونوں ہاتھ رکھے ہیں اور عرض کر رہے ہیں: حضورؐ! مجھے بتادیجئے میرا قصور کیا ہے یہ لوگ مجھے برا کیوں کہتے ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دونوں ہاتھ گٹوں سے پکڑ کر اس طرح اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا لپٹا لیا اور فرمایا: ''میں تو برا نہیں کہتا۔''

اس واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو ان کا معاملہ تھا، توبہ کرنے کے لئے آیا ہوں، آئندہ ان کو برا نہیں کہوں گا یہ بہت اونچے لوگ ہیں۔

اس واسطے جن کے مقدر میں ہدایت لکھی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور جن کے مقدر میں ہدایت نہیں ابولہب کو، ابوجہل کو ہدایت نہیں ملی اس واسطے بتانے سے سمجھانے سے اصلاح کی امید ہے اور کسی کی ہدایت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

اختلافی مسائل کی وضاحت

ایک صاحب سے میں نے کہا تھا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ مجمع عام میں اختلافی مسائل کو کھول کھول کر بیان کر دیا جائے کہ اصل مسئلہ اس طرح ہے اس میں ان کے دلائل یہ ہیں مگر دوسرے لوگوں نے اس طرح بگاڑا ہے۔

انھوں نے کہا اس کا فائدہ کیا ہوگا وہاں تو نفی جحد ہے۔ وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں وہ نفی جحد ہے۔

میں نے کہا دیکھئے اولاً یہ فیصلہ کہ یہ نفی جحد ہے کون کرے، جو قلب کے حالات سے واقف ہے وہ فیصلہ کرے۔ دوسرے یہ کہ نفی جحد ہے تو نفی تاکید بلن تو نہیں ہے۔ نفی جحد کا مطلب اب تک نہیں کیا نہیں مانا۔ یہ تو نہیں کہ آئندہ کام ہی نہیں کریں گے۔ مگر اس کی طرف لوگ آتے ہیں۔ جو مسائل کتابوں میں لکھے ہیں وہ کتابیں وہ لوگ پڑھتے ہیں اور جو ہمارے اکابر کی کتابیں ہیں وہ بحر فارس بحر عرب سے ہو کر آئی ہیں اس میں عربی فارسی کے اتنے الفاظ ملتے ہیں جو ان سے حل نہیں ہوتے۔

تاہم کوشش تو کی جارہی ہے اور آسان آسان زبان میں کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ اللہ پاک صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین)

اتباعِ سنّت

اس بیان میں

☆......اتباع سنت کی اہمیت وفضیلت ۔

☆......اکابر اولیاء اللہ کے واقعات ۔

☆......اور تلبیس ابلیس کو بیان کیا گیا ہے ۔

اتباعِ سنّت

بعد خطبۂ مسنونہ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا الخ۔

[نہیں (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔] (آسان ترجمہ)

شانِ نزول

یہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے اس میں ایک واقعہ کے متعلق بیان کیا ہے۔ مدینہ طیبہ میں حضرت نبی اکرم ﷺ قیام فرما ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہیں، ان حضرات میں ایک صحابی ہیں جن کا نام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔ زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ یہ ایسے صحابی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہر نبی کیلئے کوئی حواری ہوتے ہیں میرے حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہیں۔ مخصوص طور پر ان کیلئے یہ امتیاز حاصل ہے۔ ایک دوسرے شخص تھے ان کا ان سے معاملہ ہو گیا۔ باغ میں

پانی دینے کے سلسلہ میں، جس جگہ سے پانی آتا تھا اس کے قریب میں پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا باغ تھا اس کے بعد دوسرے شخص کا۔ وہ کہتا تھا کہ پہلے مجھے پانی چاہئے اپنے باغ کے لئے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا باغ قریب ہے پانی کے۔ اس لئے پہلے مجھے پانی لینے دو۔ اس کے بعد تم اپنے باغ میں پانی لے لینا۔ طے پایا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال یہ تھا کہ جس بات میں بھی ذرا سا اختلاف ہوا یا کوئی تردد ہوا کوئی شبہ ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ اس لئے کہ آقائے نامدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم روحانی باپ بھی تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اور حاکم اور بادشاہ بھی تھے اور محبوب بھی تھے۔ ساری باتیں جمع تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو دیکھا جائے تو آپ بادشاہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ان کی فدائیت کو دیکھا جائے تو آپ محبوب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کے درمیان فیصلہ فرمادیا کرتے تھے۔ یہ جب دونوں گئے ہیں فیصلے کے لئے درخواست کی۔ دونوں کا حال معلوم کرکے بیان سن کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ زبیر پہلے پانی دیدے اپنے باغ کو تھوڑا تھوڑا پانی اس کے بعد پانی چھوڑ دیں تاکہ پڑوسی کے باغ میں پانی چلا جائے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ اس دوسرے شخص نے کہا جی ہاں چونکہ یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے ہیں اس لئے آپ نے ان کے متعلق یہ فیصلہ کردیا تو بھائی ایک چیز ہے کہ جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے اس کا دل اس کو مشکل سے قبول کرتا ہے۔ بڑی دشواری پیش آتی ہے، بعض دفعہ سارے تعلقات پر پانی پھیر دیتا ہے آدمی۔ سارے دلائل سارے شواہد سب ایک طرف رکھے رہ جاتے ہیں اور وہ اپنی کہنا شروع کردیتا ہے کہ صاحب میرے خلاف فیصلہ کردیا۔ اس پر محدثین نے کلام کیا ہے کہ وہ کون شخص تھا دوسرا آدمی۔ کسی نے کہا کہ یہ منافقین میں سے تھا کسی نے کہا کوئی بدو تھا۔ واللہ اعلم۔ نام اس کا کہیں نہیں آتا یہ بھی بات ہے۔ جو حدیث کے شروح کو تلاش کرکے دیکھا تو اس دوسرے شخص کا نام نہیں آتا۔

ایک دوسرا آدمی بس اتنا ہی لکھتے ہیں، نام متعین کرتے ہی نہیں کہ کون تھا۔ خیر جس وقت یہ واقعہ پیش آیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جو میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے تلاوت کی۔ معاملہ اس طرح نہیں جو کچھ یہ کہا اور کہا قسم ہے تیرے رب کی لا یؤمنون یہ لوگ مومن کہلانے کے حقدار نہیں ہیں۔ حتی یحکموك یہاں تک کہ آپ کو حکم تجویز کرلیں فیما شجر بینھم ان میں جو ان کے درمیان اختلافی چیز ہے جس چیز میں اختلاف اور نزاع ہے اس کے فیصلے کے لئے جب تک یہ آپ کو حکم تجویز نہ کرلیں اس وقت تک یہ مومن کہلانے کے حقدار نہیں۔ "ثم لَا یَجِدُوْا" پھر اپنے جی کے اندر بھی تنگی محسوس نہ کریں۔ آپ کے فیصلے کے متعلق جو کچھ آپ فیصلہ فرمادیں اس کے متعلق دل کے اندر بھی تنگی محسوس نہ کریں کہ آپ نے ایسا فیصلہ کیوں فرمایا۔ چہ جائیکہ اعتراض کرنا، نہ ماننا، طعن کرنا، کوئی فقرہ کہنا اس کی کیا گنجائش ہے اور پورے طور سے یقین کرنا۔

ایمان کی کسوٹی

اُمّتی ہونے، مومن ہونے، محب ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم معلوم ہو جائے کہ فلاں معاملہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے فوراً تسلیم کرلینا چاہئے اور اگر تسلیم نہ کریں اور اپنے معاملات کے واسطے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تجویز نہ کریں اور آپ کے فیصلے سے دل کے اندر تنگی محسوس نہ کریں۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ وہ شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے اوپر آپ کیا حکم لگائیں۔ لیکن ایمان کی بات تو یہ ہے کہ وہ مومن کہلانے کا حقدار نہیں۔ یہ اس آیت کا ترجمہ اور مطلب ہے۔ ترجمہ اور مطلب اتنا واضح ہے کہ اس میں زیادہ کج وکاوں کی ضرورت نہیں۔ یعنی ہر دو شخص کے لئے ایک کسوٹی بیان کردی اپنے مومن ہونے کی، ویسے تو دعویٰ میں بھی کروں آپ بھی کریں اور سب مسلمان کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں لیکن اس آیت شریفہ میں ایک کسوٹی بیان فرمادی وہ یہ

کہ ہر شخص اس کسوٹی پر اپنے ایمان کو کس کر پرکھ کر دیکھ لے کہ میرا ایمان کتنا مضبوط ہے، کتنا قوی ہے۔ کسوٹی کیا ہے۔ جب انسان کا اختلاف اور نزاع ہو، چاہے اپنے نفس سے نزاع ہو چاہے کسی اور سے نزاع ہو، جو بھی بات شک اور تردد کی ہو اس کو جا کر حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کر دیں۔ جو کچھ حضور اکرم ﷺ فیصلہ فرما دیں، بس اس کو تسلیم کرلیں، جی کے اندر تنگی محسوس نہ کریں۔ یہ ہے چیز جس سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں بھری ہوئی ہیں۔ شوہر اور بیوی کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو تو حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیصلہ قائم کرلیا۔ باپ بیٹے کے درمیان اختلاف ہوا تو فیصلہ طلب کرلیا۔ ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی سے اختلاف ہوا تو حضور اکرم ﷺ سے فیصلہ طلب کرلیا۔ غرض یہ کہ اپنے معاملات کا دارومدار جو کچھ تھا حضرت نبی اکرم ﷺ کے اوپر تھا۔ یہی ایمان کی بات ہے، یہی ایمان کی نشانی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ

ایک یہودی کا ایک مسلمان سے کسی بات میں اختلاف ہوا۔ یہودی نے کہا کہ چلو اپنے نبی ﷺ کے پاس فیصلہ کرانے کے لئے۔ آئے۔ حضور ﷺ نے دونوں کا بیان سنا۔ سن کر فیصلہ یہودی کے موافق کر دیا، اس لئے کہ فیصلہ تو وہاں حق کا کرنا ہے۔ جس کا حق ہے اس کو دلایا جائے گا۔ یہ تو نہیں کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں فیصلہ کرلیا جائے اور یہودی کو ملزم قرار دے دیا جائے۔ اس کے اوپر ظلم ہو جائے، ایسا نہیں، بات سچی ہونی چاہئے، حق ہونی چاہئے، طرفداری سے اپنی پارٹی اور اپنی رشتہ داری کی وجہ سے غلط بات نہیں کہنی چاہئے۔ چنانچہ یہودی کے موافق فیصلہ ہو گیا۔ اس نے تو قبول کرلیا کیونکہ اس کے تو موافق تھا ہی اور جو مسلمان تھا بے چارہ۔ میں کہہ رہا ہوں مسلمان تھا ورنہ اللہ جانے کیا تھا۔ اس نے کہا کہ نہیں، فلاں شخص کون تھا، ایک منافق تھا، اس زمانے میں اس کا نفاق سب کو معلوم تھا کہ اس

کے پاس چلو۔اس سے فیصلہ کرائیں گے۔یہودی نے کہا نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرائیں گے۔اچھا صاحب! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آ کر یہودی نے کہا کہ صاحب میرا اور اس مسلمان کا معاملہ یہ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا، یہ اس کو تسلیم نہیں کرتا، یہ شخص فلاں کے پاس لے جانا چاہتا ہے، میں آپ کے پاس آیا ہوں۔تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیوں بھائی یہ بات صحیح ہے؟ تو اس مسلمان نے کہا کہ ہاں صحیح ہے۔ایسا ہی ہے تو کہا: اچھا ٹھہرو، گھر میں گئے، گھر میں سے تلوار لائے اور تلوار لا کے فرمایا جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم نہ کرے اس کے واسطے یہ فیصلہ ہے۔تلوار اس کا فیصلہ کرے گی۔ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور ان کے حکم کو نہ مانے بلکہ کسی منافق کے پاس حکم لے جانے کیلئے کہے، اس کو حکم قرار دینے کیلئے کہے اس کا فیصلہ تو واقعی تلوار سے ہی مناسب ہے اور بہت سے واقعات ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، جو کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مان لیا، یہ ہی شان تھی اور جس شخص نے نہیں مانا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر کچھ کھوٹ ہے، نفاق ہے، ایمان نہیں۔ ایمان کی کسوٹی یہ ہے کہ ہر چیز میں یہ دیکھ لیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر دل پورے طور پر رضامند ہے یا نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک فقیر کا واقعہ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گذرے ہیں، مدینہ پاک میں رہا کرتے تھے، ترکی النسل تھے، صاحب حضوری تھے، صاحب حضوری ان حضرات کی اصطلاح میں وہ شخص کہلاتے ہیں جن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار اقدس میں روزانہ حاضری کا موقع ملتا ہے۔حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ارشاد فرمایا کہ ہندوستان جاؤ، غور کیجئے آپ

حضرات اللہ کے پاک نبی ﷺ ہماری ہدایت کے واسطے، ہماری رہبری کے واسطے مخصوص جاں نثار خادم کو بھیج رہے ہیں کہ وہاں جاؤ۔ یہ بھی فرمایا کہ غریبانِ ہند پر نظر کرم رکھنا۔ نظر شفقت رکھنا، چنانچہ انھوں نے عرض کیا حضور یہاں تو روزانہ حاضری کا موقع ملتا ہے۔ ہندوستان میں اتنی دور چلا جاؤں گا حاضری کا موقع کیسے میسر ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ تم کو وہاں سے بھی موقع دیا جائے گا۔ وہ ہندوستان آئے دہلی میں آکر قیام کیا، یہاں حدیث شریف کا پڑھنا پڑھانا، شرح کرنا شروع کیا۔ مشکوٰۃ شریف کی دو شرحیں لکھیں ایک عربی میں ایک فارسی میں اور تصوف کی کتابیں لکھیں۔ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اونچے درجہ کے بزرگ اور اپنے زمانہ کے قطب تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دور بھی وہی ہے جہاں کہیں خبر ہوتی حضرت شیخ عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کہ وہاں کوئی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے اس کی زیارت کے لئے جاتے۔ ان کو معلوم ہوا کہ ایک درویش آیا ہے، ایک فقیر آیا ہے۔ لوگ بہت اس کی طرف متوجہ ہیں۔ حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر کے دیکھا اس فقیر کے یہاں ایک مجمع ہے، فقیر بیٹھا ہوا ہے۔ انھوں نے جا کر سلام کیا یہ بھی جا کر بیٹھ گئے۔ فقیر نے ان کی طرف دیکھا اور دیکھ کر کہا کہ یہ پیالہ پی لے، پیالہ کیا تھا اس میں شراب تھی، تب ان کو معلوم ہوا کہ یہ تو شرابی آدمی ہے، لوگ اس کے بڑے معتقد و مرید ہیں۔ انھوں نے انکار کیا کہ میں شراب نہیں پیوں گا۔ شراب تو حرام ہے۔ اس نے بھی کچھ اصرار نہیں کیا۔ رات کو خواب میں حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ کچھ لوگ جا رہے ہیں، جانے والوں سے پوچھا بھائی کہاں جا رہے ہو؟ کہا فلاں مکان میں حضرت نبی اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں۔ زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ یہ بھی چلے۔ آکر دیکھا کہ دروازہ پر وہی فقیر کھڑا ہے اوروں کو تو اندر جانے کی اجازت دیدی۔ انھوں نے جانا چاہا تو ڈنڈا اٹھایا ان کے اوپر، کہا کہ تو نے پیالہ تو پیا نہیں تھا تجھے اجازت نہیں اندر جانے کی۔ گھبرا کر ان کی آنکھ کھل گئی۔ عالم تھے، زبردست عالم تھے، حدودِ شرع کو جانتے تھے، فوراً "لاحول ولا قوۃ الخ"

پڑھا۔ تلبیس ابلیس ہے، شیطانی دھوکا ہے۔ یعنی شراب پیئے تو حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہو، حاضری کا موقع ملے، شراب سے انکار کردیں تو حاضری سے محروم رہیں۔ یہ تلبیس ابلیس ہے۔ اگلے روز پھر گئے فقیر کے پاس۔ اس طرح سے مجمع لگا ہوا ہے۔ جا کر کے بیٹھے تو اس نے کہا اب تو پی لے، کہا اچھا۔ انھوں نے سمجھا کہ یا تو اس نے تصرف کیا تھا اس رات کو یا کشف ہوا اس کو۔ انھوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایسے شعبدے کسی اور کو دکھانا میں نہیں پیوں گا۔ نہیں پیا۔ آج پھر اسی طرح سے خواب میں دیکھا کہ لوگ جارہے ہیں پوچھا کیا بات ہے کہاں جارہے ہیں۔ کہا فلاں مکان میں حضرت نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں زیارت کے لئے جارہے ہیں۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف لے گئے دیکھا تو پھر وہی فقیر دروازے پر کھڑا ہوا ہے۔ اس نے ڈنڈا اٹھایا اور اجازت نہیں دی اندر جانے کی۔ پھر ان کی آنکھ کھل گئی گھبرا کر۔ پھر انھوں نے کہا: "لاحول ولا قوۃ الا باللہ الخ" حدیث پاک میں بھی آتا ہے کہ کوئی شخص وحشت ناک خواب دیکھے، ڈراؤنا خواب دیکھے، گھبراہٹ کا خواب دیکھے تو اسے چاہئے کہ لاحول ولا قوۃ پڑھ کر بائیں طرف تھوتکار دے اور دعا کرے کہ اے اللہ پریشان خواب اور اس کے برے اثر سے محفوظ رکھ تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ پھر دن میں گئے فقیر کے پاس اس نے کہا دیکھو دو روز ہوگئے حاضری سے محروم ہو زیارت سے محروم ہو اب تو پی لو۔ انھوں نے فرمایا ساری عمر بھی محروم رہوں گا تو بھی نہیں پیوں گا۔ یہ فیصلہ حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے کیوں کیا حالانکہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ محبت اعلیٰ درجہ کی تھی ان کو ان کی جدائی گوارا نہیں تھی۔ ہندوستان سے یہی اعزاز کیا کم تھا لیکن اس کے باوجود پی لیتے تو زیارت نصیب ہوجاتی، دل کو ٹھنڈک پہنچ جاتی لیکن نہیں پیا۔ کیوں نہیں پیا۔ اس لئے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ جب فقیر نے کہا دو روز ہوگئے حاضری سے محروم ہو۔ انھوں نے فرمایا کہ عمر بھر بھی محروم رہوں گا نہیں پیوں گا۔ مجھے حضور اکرم ﷺ کی نافرمانی کرکے حاضری منظور نہیں۔ اگر میں حاضری سے محروم

ہوں تو کیا ہوا میری خدمات تو قبول ہیں یہ بات سوچ لینے کی ہے۔ایک وہ شخص ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ کی اطاعت میں مشغول ہیں چاہے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری کا اس کو موقع نہیں ، دور دراز ہے۔ایک وہ شخص ہے جو حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے مگر نافرمان ہے تو کون افضل ہے۔افضل وہ ہے جس سے حضور اکرم ﷺ خوش ہوں، اگر چہ وہ حاضر نہ ہو دور ہو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے ہدایت

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے قاضی بنا کے بھیجا ہے مدینہ طیبہ سے یمن کے لئے ۔ دور تک ان کے ساتھ ہدایات دیتے ہوئے تشریف لائے اور رخصت کرتے وقت فرمایا کہ دیکھو میرے دوست وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں اگر چہ کتنے ہی دور ہوں، کسی جگہ رہتے ہوں، کوئی ہوں، حضور اکرم ﷺ نے اطمینان دلادیا۔یعنی معاذ تم یمن جارہے ہو میں مدینہ طیبہ میں ہوں ۔شاید میری تمہاری ملاقات نہیں ہو سکے گی۔آئندہ سال تم آؤ تو شاید تمہارا گذر میر قبر پر ہو یعنی وفات ہو جائے گی۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میرے دوست میرے ولی وہ ہیں جو متقی ہوں اور تقویٰ اختیار کریں "این کانوا من کانوا"۔ جہاں بھی ہو جو بھی ہو۔تو دور رہتے ہوئے بھی حضرت نبی اکرم ﷺ جس شخص سے مسرور اور خوش ہوں حضور اکرم ﷺ اطاعت اور فرمانبرداری میں اپنی زندگی گذارتا ہوا اعلیٰ مقام رکھتا ہے بہ نسبت اس کے کہ جو پاس ہو، سامنے لیکن نافرمان ہو۔ کیوں بھائی منافقین تھے، کیا یہ خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوتے تھے، حاضر ہوتے تھے، نماز کے لئے بھی آیا کرتے تھے۔ایک سورۃ مستقل ان کے حکم کے متعلق نازل ہوئی۔اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ الخ۔ قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے ان کو جھوٹا قرار دیا۔وہ جو شہادت کا کلمہ پڑھتے تھے اس کا انکار کیا کہ یہ جھوٹے ہیں شہادت کا کلمہ پڑھنے میں ان کا اعتبار نہیں،

بخلاف اس کے کہ جو دور تھے۔ دور ہونے کے باوجود حضور اکرم ﷺ ان سے مسرور ہیں، حضور اکرم ﷺ کے یہاں ان کی خدمات مقبول ہیں، ان کا مقام بہت بلند ہے۔ اس لئے حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے دور رہنا پسند کیا۔ اس واسطے حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے پینے سے انکار فرمادیا، میں نہیں پیوں گا۔ ساری عمر بھی محروم رہوں گا زیارت سے کیا ہوا میری خدمات تو قبول ہیں۔ یہ میرا انکار کر دینا تو قبول ہے، پینا تو مقبول نہیں ہے حضور اکرم ﷺ کے یہاں۔ جو میں نے شراب پینے سے انکار کر دیا یہ تو مقبول ہے۔ تیسری رات پھر اسی طرح سے خواب میں دیکھا کہ لوگ جارہے ہیں، یہ بھی گئے دیکھا تو پھر فقیر کھڑا ہوا ہے دروازے پر ان کو بڑا تردد ہوا کہ کون ہے دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ شراب پیوں تو اندر جانے کی اجازت ملے نہ پیوں تو اجازت نہ ملے۔ سوچ رہے تھے کیا تدبیر اختیار کروں۔ اندر سے آواز آئی کہ حضرت نبی اکرم ﷺ دریافت فرمارہے ہیں دو روز ہو گئے عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نہیں آئے۔ ان کے کان میں آواز پہونچی تو انھوں نے وہیں سے زور سے کہا کہ حضورؐ! میں حاضر ہونا چاہتا ہوں مگر یہ فقیر دروازے پر کھڑا ہوا ہے آنے نہیں دیتا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کون ہے کیا بات ہے۔ وہاں کسی نے بتایا کہ حضورؐ فقیر شرابی کھڑا ہوا ہے دروازے پر۔ آپ نے فرمایا دور ہوا ے کتے! اور جناب ایک صحابی وہیں سے تلوار لے کر دوڑے۔ وہ پیر وہاں سے بھاگا، دروازہ کھولا راستہ صاف ہوا۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا دو روز ہو گئے تم کہاں تھے؟ کہا کہ جی حضورؐ! دو روز ہو گئے آتے ہوئے۔ یہ فقیر کہتا ہے کہ شراب پی لو تو اندر جانے کی اجازت ہے ورنہ نہیں۔ بھلا حضور اکرم ﷺ نے تو شراب حرام فرمائی ہے۔ کیسے پیوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا کیا تم نے شراب نہیں پی، شفقت اور مہربانی فرمائی۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے معاملہ کو حضور اکرم ﷺ کے سپرد کیا، حضور اکرم ﷺ کی ہدایات میں تلاش کیا، اس میں شراب کی حرمت تھی لہٰذا اس کیلئے تیار نہ ہوئے کہ حاضری نہ سہی لیکن حرام چیز کو استعمال

نہیں کروں گا نہیں کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے درجات کو بلند فرمایا۔ اب جب صبح کو اٹھے تو بہت خوش تھے۔ پھر آئے فقیر کے یہاں، دیکھا مجمع تو موجود ہے لیکن خود موجود نہیں۔ مجمع سے پوچھا پیر کہاں ہے؟ مریدین نے کہا اندر کمرہ میں ہیں۔ حضرت شیخ نے کھڑے ہو کر کمرہ پر دستک دیا۔ کوئی جواب نہیں ملا۔ دروازہ کھول کر دیکھا اس کمرے میں کوئی نہیں۔ پوچھا کیوں بھائی تم کہتے تھے کہ اندر کمرہ میں ہیں یہاں تو کمرہ خالی ہے۔ کھڑکی کوئی دروازہ بھی نہیں کہ اندر سے چلا جائے کوئی اور مریدین نے بھی دیکھا کہ پیر صاحب تو اندر ہی تھے اور اندر سے نکلے بھی نہیں۔ پھر شیخ نے پوچھا دروازے سے کوئی نکلا بھی ہے تو بتلایا کہ کتا تو نکل کر بھاگا تھا۔ تب حضرت شیخ علیہ رحمۃ اللہ نے فرمایا: وہی تمہارا پیر تھا جس نے شریعت کو مسخ کرنا چاہا، جس نے شریعت کو بگاڑنا چاہا اللہ تعالیٰ نے اس کو مسخ کر دیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا "دور ہوا ے کتے"، جس کو حضور اکرم ﷺ نے فرمادیا وہ پھر انسان کیسے رہتا۔ اللہ نے اس کو کتے کی صورت میں مسخ کر دیا۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کی شریعت نہایت پاک صاف ستھری نکھری ہوئی روشن شریعت ہے جس کے اندر کسی قسم کا تذبذب اور تردد نہیں۔ شیطان یا شیطان نما انسان اس کے اندر کوئی گڑبڑ کرنا چاہتا ہے حق تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ یہاں اس نے گڑبڑ کرنا چاہا، شراب پینا جو حرام تھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ دس آدمیوں پر لعنت ہے۔ شراب پینے والے پر بھی لعنت، شراب بنانے والے پر بھی لعنت، شراب بیچنے والے پر بھی لعنت، شراب خریدنے والے پر بھی لعنت، شراب لاد کر لے جانے والے پر بھی لعنت، سب پر لعنت فرمائی۔ لعنت کے معنیٰ خدا کی رحمت سے دور ہو جانا، پھٹکار پڑ جانا، حضور اکرم ﷺ تو فرماویں کہ شراب پینے سے اللہ کی پھٹکار ہوتی ہے اور رحمت سے دور ہوتا ہے اور یہ فقیر کہتا ہے کہ شراب پی لو تو حضور اکرم ﷺ کا قرب حاصل ہوگا۔ پہنچ جاؤ گے اندر۔ یہ مسخ کرنا چاہا تھا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی صورت کو مسخ کر دیا۔ اس واسطے ہر معاملے میں ہر شخص کو اپنی جگہ

پر غور کر لینا چاہئے کہ اس معاملے میں حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد کیا ہے۔ جو کچھ ارشاد عالی ہو بس اس کے سامنے سر جھکا دے اور اس کو پورے طور سے تسلیم کر لیں چاہے اس میں ہزاروں، لاکھوں کا نقصان کیوں نہ ہو۔ لیکن ہزاروں لاکھوں خرچ کر کے آقائے نامدار ﷺ کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو جائے۔ بہت سستی ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے شیطان کا جال

حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت اونچے درجے کے بزرگ ہیں۔ ان کو پیران پیر بھی کہا جاتا ہے۔ بڑے پیر صاحب جن کو غوثِ پاک بھی کہا جاتا ہے۔ بہت سارے ان کے نام ہیں۔ گنے چنے ہی ایسے ایسے حضرات پیدا ہوئے ہیں جتنے اونچے وہ تھے۔ ایک مرتبہ اپنے مراقبہ میں تھے ان کو محسوس ہوا کہ باری تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہے، انوار اور برکات کی بارش ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ قریب ہے، سامنے ہے۔ اسی حال میں ان کو پیاس محسوس ہوئی ارادہ کیا کہ پانی پیوں، جونہی پیاس محسوس ہوئی فوراً سامنے ایک صورت نمودار ہوئی ہاتھ میں اس کے کٹورہ رکھا ہوا ہے سونے کا چھلکتا ہوا پانی وہ پیش کیا گیا خدمت میں۔ کیونکہ غیب سے ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں بڑی کثرت کے ساتھ آتی تھیں، کرامات ہوتی تھیں ارادہ کیا پینے کا سوچا سونے کا برتن تو استعمال کرنا حرام ہے۔ میں نہیں پیتا سونے کے برتن میں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سونے چاندی کے برتن کا استعمال کرنا حرام ہے۔ اپنی پیاس کو بجھانے کے لئے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا کیا؟ حضور اکرم ﷺ کے اوپر محول فرمایا کہ حضور اجازت دیں تو پیوں ورنہ نہیں۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ سونے کے برتن کا استعمال کرنا ناجائز ہے۔ لہذا پینے سے انکار کر دیا۔ فوراً طبیعت کے اندر ایک بات آتی ہے۔ حرام کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں، وہی دے رہے ہیں پلا رہے ہیں، نہیں پیو گے تو ناشکری اور ناقدری ہوگی اللہ کی نعمت کی۔ ناقدری کرنے کے وبال میں پکڑے جاؤ گے۔ پھر ارادہ

کرتے ہیں پینے کا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمادیے وہ تو قیامت تک کیلئے بیان فرمادیے۔ ایسا نہیں کہ کچھ مدت کیلئے تھے پھر ختم ہو جائے۔ ایسا نہیں کہ کسی کیلئے حرام ہو کسی کیلئے حلال ہو جائے۔ یہ تو شیطانی دھوکا معلوم پڑتا ہے۔ انھوں نے فوراً لاحول پڑھی۔ لاحول پڑھنا تھا کہ نہ وہ انوار و برکات باقی رہے نہ وہ صورت رہی نہ وہ سونے کا پیالہ رہا نہ اس کے اندر چھلکتا ہوا پانی رہا سب غائب۔ شیطان نے ایک اکھاڑا بنایا تھا، شیطان نے ایک پنڈال بنایا تھا اتنے بڑے ولی اللہ کو پھانسنے کے لئے اتنے بڑے بزرگ کو مبتلا کرنے کے لئے شیطان نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ لاحول سے شیطان بھاگتا ہے، بڑا زبردست گولہ ہے شیطان کے واسطے۔ انھوں نے لاحول پڑھی تو بھاگ گیا۔ بھاگتے بھاگتے کہہ گیا ایک بات۔ اتنے بڑے اولیاء اللہ کو اس مقام پر لاکر میں نے جہنم میں ڈھکیلا ہے تم اپنے علم کے ذریعہ بچ گئے۔ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے پھر سوچا شیطان کو تو قرآن نے کہا ہے کہ اِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ انسان کیلئے شیطان کھلا ہوا دشمن ہے۔ دشمن تو کوئی خیر خواہی کی بات کہہ نہیں سکتا۔ کوئی تعریف کی بات نہیں کہہ سکتا۔ ضرور دھوکہ میں ڈال رہا ہے۔ پھر فرمایا انھوں نے تو جھوٹ کہتا ہے کہ علم کے زور سے بچا، حق تعالیٰ کے فضل سے بچا۔ علم بچانے والا نہیں۔ بہت سے اہل علم نافرمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، بہت سے اہل علم بداعتقادی میں مبتلا ہو کر ارتداد اختیار کر لیتے ہیں۔ اللہ کا فضل شامل حال ہوتا ہے تو حفاظت ہوتی ہے۔

❑❑❑

اتباعِ سنت

اس بیان میں

☆......اتباع سنت کی اہمیت وفضیلت۔

☆......اتباع سنت سے متعلق حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات اکابر اولیاء اللہ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

☆......ایمان کے معنی اور ایمان کی حقیقت۔

....

اتباع سنت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم۔
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم۔

فتح مکہ

حضرت نبی اکرم ﷺ مکہ معظمہ میں تولد ہوئے اور ترپین سال تک وہاں رہے۔ پھر ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر وہ دن دکھایا کہ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ حیثیت سے تشریف لائے۔ اس روز لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے شروع ہو گئے، جماعتوں کی جماعتیں آتی گئیں، آس پاس سے۔ اللہ نے اسلام کو غلبہ نصیب فرمایا۔

"اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجاً"

اے محمد ﷺ! جب خدا کی مدد اور (مکہ کی) فتح (مع اپنے آثار کے) آپہونچے (یعنی واقع ہو جائے) اور آثار جو اس پر متفرع ہونے والے ہیں یہ ہیں کہ) آپ لوگوں کو اللہ کے دین (یعنی اسلام) میں جوق در جوق داخل ہوتا ہوا دیکھ لیں۔ (بیان القرآن)

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ ایک شخص جن کا نام وحشی رضی اللہ عنہ تھا

انھوں نے حضور اقدس ﷺ کو خط لکھا کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ ایمان لے آؤں۔ان کے گاؤں اور بستی کے سب لوگ ایمان لے آئے تھے۔انھوں نے خط لکھا؛لکنہا تمنعنی آیۃ نزلت الیك کہ آپ کے اوپر ایک آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ایمان لانے سے روکتی ہے۔میں ایمان لانا چاہتا ہوں دل میں خواہش ہے لیکن ایک آیت کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی۔آیت کیا ہے۔یہ ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (فرقان آیت ۶۷، پارہ ۱۹)

اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے (بیان القرآن)

کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ جن کی وجہ سے آدمی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ہے۔(۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا (۲) زنا کرنا (۳) ناحق کسی کو قتل کرنا۔یہ تین گناہ ہیں نہایت شدید قسم کے۔حدیث میں بھی آیا ہے:

لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ (مشکوۃ شریف: ۱/۱۷، باب الکبائر)

جو آدمی زنا کرتا ہے تو زنا کرتے وقت ایمان اس کے اندر نہیں رہتا۔ایمان اس سے نکل جاتا ہے۔بہت سخت گناہ ہے۔بس تین گناہ ایسے ہیں جن کی وجہ سے انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جاتا ہے اور مجھ سے تینوں گناہ ہوئے ہیں۔انھوں نے خط میں لکھا:

هَلْ لِيْ مِنْ تَوْبَةٍ کیا اب میرے لئے توبہ کی کوئی گنجائش ہے؟

حضور اکرم ﷺ کو اپنی امت پر اتنی شفقت تھی کہ کسی ماں کو اپنے بچے پر اتنی شفقت نہیں ہوتی جتنی شفقت حضور اکرم ﷺ کو اپنی امت پر تھی۔حضور اکرم ﷺ کی طبیعت مبارک میں، قلب مبارک میں پریشانی لاحق ہوگئی کہ ایک بندہ اسلام میں داخل ہونا

چاہتا ہے اس کے لئے کوئی راستہ بتادے تو آیت نازل ہوئی۔

"اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَاُلٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَات" (فرقان آیت ۶۹)

مگر جو (نکیر و معاصی سے) توبہ کرلے اور ایمان بھی لے آئے اور نیک کام کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے (گذشتہ) گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائے گا۔ (بیان القرآن)

ہاں یہ تین گناہ اتنے ہی سخت ہیں جن کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص ایمان لے آئے توبہ کرلے نیک عمل کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے جو اس نے گناہ کئے ہیں ان گناہوں کے بدلے میں بھلائی عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک کھل گیا کہ بندہ کے لئے راستہ مل گیا آنے کا اور یہ بات فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ۔

گناہوں کے بدلے رحمت

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب حساب کتاب ہوگا۔ ایک بندے کے چھوٹے چھوٹے گناہ گنائے جائیں گے کہ چھپ چھپ کے تو نے فلاں گناہ کیا فلاں گناہ کیا، انکار تو کر نہیں سکتا۔ اس واسطے کہ دائیں بائیں جو فرشتے کندھے پر بیٹھے ہوئے ہیں سب لکھتے رہتے ہیں۔ اللہ کے سامنے سب موجود ہیں انکار کیسے کریں؟ ڈرتے ڈرتے اقرار بھی کرتا ہے ہاں یہ گناہ بھی ہو گیا مجھ سے۔ یہ گناہ بھی ہوگیا۔ اسے یہ فکر ہے کہ جو چھوٹے چھوٹے گناہ گنے جارہے ہیں کہیں بڑے گناہ بھی نہ گنے جائیں۔ وہاں سے ایک رحمت نازل ہوگئی۔ فرمائیں گے کہ ہر گناہ کے بدلے میں میں نے تمہیں جنت میں ایک مقام بلند کیا۔ اب اس سے خوش ہوا اور کہے گا کہ اے

اللہ میاں! میں نے بڑے بڑے گناہ بھی تو کئے وہ کیا ہوئے؟ جب دیکھا کہ گناہوں کے بدلے میں جنت کے مقامات بلند ہو رہے ہیں تو کہے گا کہ میں نے بڑے بڑے گناہ بھی تو کئے وہ کہاں گئے؟ ان کی وجہ سے تو میرے اور مقام بلند ہونے چاہئیں۔ یعنی جن گناہوں سے ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ سامنے نہ آجائیں خود بخود بتانے لگا تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے ایک عدل ہے۔ کسی بندے پر فضل ہوتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ کس طریقے پر فضل ہوتا ہے؟ کیا نکتہ ہے اس میں؟ خداوند تعالیٰ کسی بھی قانون کے پابند تو ہیں نہیں جس پر فضل فرمادیں اس کے گناہوں کے بدلے میں بھی جنت کے درجے بلند فرمادیے اور پکڑنے پر آئے تو ذرا سی چیز پر بھی پکڑ لے۔ اس لئے حضرت اقدس مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے جب کسی بڑے سے بڑے بزرگ کا انتقال ہوتا ہے اس پر ڈر لگتا ہے کہ ذرا سی بھی کوتاہی پر پکڑ لے اور جب کسی فاسق وفاجر کا انتقال ہوتا ہے کہ کیا معلوم خدا تعالیٰ کسی بھی نقطہ پر اس کی بخشش کر دے۔ اس کی پکڑ بھی ایسی سخت اور بخشش بھی ایسی عام۔

خیر تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ یہ تین گناہ کرتے ہیں واقعی ایسے ہیں جن کی سزا ہمیشہ ہمیشہ کا جہنم ہے لیکن اگر توبہ کرلے، ایمان لائے، نیک عمل کرے، تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کے پاس لکھ کر بھجوا دیا، انھوں نے پڑھا، غور کیا، پھر خط لکھا کہ حضور! اس میں تو ایک شرط لگی ہے کہ ایمان کے بعد عمل صالح بھی کرے، نیک اعمال کرے تب ہوگا یہ۔ میں نہیں جانتا کہ میری موت مجھے مہلت دے گی یا نہیں، کبھی ایسا ہو کہ میں ایمان لاؤں اور موت فوراً آ کر میری گردن دبالے اور عمل صالح کرنے کا موقع بھی مجھے میسر نہ آئے۔ کیا اب بھی میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے۔ اس واسطے کہ ڈرے ہوئے تھے اور موت کا استحضار ایسا تھا ان حضرات کو پھر اللہ تعالیٰ نے ایک آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کو نہیں بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے۔ (بیان القرآن)

جس شخص کا خاتمہ شرک کی حالت میں ہو مشرک رہتے ہوئے اس کی بخشش نہیں۔ لیکن اس سے بڑے بڑے جتنے بھی گناہ کئے اللہ تعالیٰ سب کو معاف فرمادیں گے۔ پھر یہ آیت حضور اکرم ﷺ نے ان کے پاس بھجوادی۔ انھوں نے پڑھا پھر خط لکھا کہ اس میں یہ قید لگائی کہ "لمن یشاء" جس کو چاہیں گے، مغفرت کردیں گے۔ میں نہیں جانتا کہ میری مغفرت چاہیں گے اللہ تعالیٰ یا نہیں۔ چونکہ ڈرے ہوئے تھے کہ گناہ بہت سارے کر رکھے ہیں۔ تب پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

(پارہ ۲۴، الزمر آیت ۵۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے (کفر وشرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

توبہ کی توفیق

کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اسراف کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، اللہ پاک سارے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ غفور رحیم ہے۔ بندہ اگر سو مرتبہ گناہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ پھر فرماتا ہے کہ آجا! اب بھی توبہ کرلے۔ ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ توبہ کر، توبہ قبول کرنے والا میں ہوں۔ اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت سے نکالا تو اس نے کہا کہ مجھے اس آدمؑ کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا۔ میں بھی اس کی اولاد کو جنت میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ گناہ کراؤں گا اس

سے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان سے گناہ کرائے گا میں ان کو توبہ کی توفیق دیتا رہوں گا جس سے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ شیطان کو بڑی مایوسی ہوئی کہ میں ایک شخص پر محنت کروں گا اس سے گناہ کراؤں گا پھر وہ توبہ کرے گا، گناہ تو اس سے معاف ہو جائیں گے اور میری محنت بیکار ہوئی۔

شیطان سے حفاظت

انسان کے پیچھے یہ شیطان لگا رہتا ہے کسی طرح سے اس کو چھٹکارا نہیں ہر وقت مسلط ہے۔ انسان کو ظاہری دشمنوں سے حفاظت کا خیال تو رہتا ہے۔ اگر چلتے چلتے راستے میں کوئی سانپ نظر آئے کہ سانپ اس کی طرف کو آرہا ہے تو وہ اس کو مارے گا۔ اسی طرح سے اگر شیر سامنے آگیا تو پریشان ہو جاتا ہے۔ اس کا تو مقابلہ بھی کرنا مشکل ہے۔ لاٹھی سے کیا مقابلہ کرے اس کا۔ یہ تو ظاہری دشمن ہے۔ اگر کسی ملک نے حملہ کر دیا اور اس کی فوج آگئی۔ وہاں سے بندوقوں اور توپوں کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں تو سارے کے سارے پریشان ہو جاتے ہیں، بھاگ جاتے ہیں۔ سب مکان، باغ، کھیت وغیرہ چھوڑ چھاڑ کے بھاگ جاتے ہیں۔ لیکن جو دشمن نظر نہیں آتا اور وہ اتنا قابو یافتہ ہے کہ انسان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے خون کی طرح۔ حدیث شریف میں موجود ہے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَجْرِىْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ۔

(مشکوۃ شریف: ۱/۱۸، باب فی الوسوسۃ)

جیسے انسان کے جسم میں خون سرایت کرتا ہے اسی طرح سے شیطان سرایت کرتا ہے۔

تو جو شیطان کہ نظر نہیں آتا کہ ہم اس سے کیسے بچیں؟ اس کے حملے سے بچنے کی ترکیب ہے اتباعِ سنت۔ جس قدر آدمی اتباعِ سنت کرے گا اسی قدر وہ شیطان کے حملوں سے محفوظ

رہے گا۔ جو کام کرے یہ سوچ کر کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے خلاف ہے یا موافق۔ اگر خلاف ہے تو اس کو چھوڑ دے اس کے پاس نہ جائے اور اگر موافق ہے تو اس پر عمل کرے۔ یہ کسوٹی ہے شیطان کے حملے سے بچنے کے لئے۔ شیطان کے حملے سے محفوظ رہنے کی۔

غرض جب حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے اس آیت کو پڑھا کہ اس میں کوئی شرط نہیں تو آئے اور آکر اسلام قبول کرلیا۔

وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ عنہ

یہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ ایک عورت کے غلام تھے اس عورت کے بڑوں کو غزوۂ بدر میں قتل کیا گیا تھا۔ اس عورت نے خنجر زہر میں بجھا کر ان حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کو دیا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کردو۔ ان کا جگر نکال کر لاؤ اور میرے پاس ناک کان کاٹ کر لاؤ۔ یہ گئے احد کے موقع پر اور ایک پتھر کے پیچھے چھپ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ دشمن پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے ان کی فوج میں گھستے چلے گئے۔ لوگ ہٹتے گئے۔ جیسے بھاگتے گئے۔ اس طریقہ پر فوج ہٹتی گئی۔ پھر جب وہاں سے واپس ہو رہے تھے دیکھا کوئی غلام بیٹھا ہے پتھر کے پیچھے ان کی عادت نہیں تھی غلام پر حملہ کرنے کی۔ غلام کمزور ہوتا ہے اس کے اوپر کیا حملہ کریں۔ وہ تو حملہ کے لئے بہادر کو اپنے مدمقابل کے لئے تلاش کیا کرتے تھے کہ کوئی میرے برابر والا آئے تو اس پر حملہ کروں۔ انھوں نے اس غلام کو کچھ نہیں کہا۔ ان کے گھوڑے کا پیر پھسلا یہ گرے۔ گھوڑا ابھی گرا پس وہ غلام جلدی سے اٹھ گیا خنجر تھا ہی اس کے پاس۔ تو اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو خنجر مارا۔ وہ گر گئے۔ اور ایسی بے دردی سے سینہ پر خنجر مارا پیٹ کو چاک کر کے پاخانہ کے مقام تک لے گئے۔ چاک کیا لاش کو۔ دل نکالا، جگر نکالا، کان کاٹے، ہونٹ کاٹے اور لے کر گئے اس عورت کے پاس۔

اس عورت نے دل اور جگر کو دانتوں سے چبایا۔ کان اور ہونٹوں کو تاگے سے باندھ کر

ہار بنا کر گلے میں ڈال کر اچھلتی کودتی تھی کہ میں نے آج بدلہ لے لیا۔ یہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ وہ تھے جنھوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا۔ جب یہ آ کر مسلمان ہو گئے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آیا۔ فرمایا تم ہی ہو جس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس طرح قتل کیا تھا، دل جگر نکالا تھا۔ کہا حضور! آپ تک جو بات پہنچی ہے صحیح ہے۔ انکار نہیں کیا کہ میں نے ایسا نہیں کیا۔ آپ کا غم تازہ ہوا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہادری

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی (رضاعی بھائی) بھی تھے اور چچا بھی تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسلام میں وہ سب سے بڑے شہسوار بھی تھے۔ بہت بڑے بہادر بھی تھے۔ اور ایسے بہادر تھے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اس وقت تک مسلمان ایک مکان (دار ارقم) میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور آپ کے ساتھی بھی ہمت اتنی نہ ہوتی تھی کہ باہر آ کر مسجد میں نماز پڑھیں۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں بھرے ہوئے آئے اس نیت سے کہ (العیاذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں گے۔ تلوار لئے ہوئے گئے۔ کواڑ کی (دروازوں کے) سوراخوں میں سے مسلمانوں نے دیکھ کر کہا کہ عمرؓ آرہے ہیں۔ عمرؓ آرہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ برا ارادہ ہے۔ سب گھبرا گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنے دو۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر اچھی نیت سے آرہے ہیں تو اچھا ہے۔ سر آنکھوں پر اور اگر خراب نیت سے آرہے ہیں تو ان ہی کی تلوار ہو گی اور ان ہی کی گردن۔ میں ان کی گردن اڑا دوں گا۔ اتنے بہادر تھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گردن اڑانے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب کہ ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر پا رہا تھا۔ بہر حال حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات بھی تھیں۔ ان کو اس طرح سے زخمی کیا تھا، قتل کیا تھا، لاش کی بے حرمتی کی تھی۔

....

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا کمال اتباع

سب قصہ حضور اکرم ﷺ کو یاد آ گیا۔غم تازہ ہوگیا حضور اکرم ﷺ کا۔جب غم تازہ ہوگیا تو حضور اکرم ﷺ کو خیال آ گیا کہ جب جب یہ سامنے آئیں گے جب ہی غم تازہ ہوگا اور یہ فیض نبوت سے محروم رہیں گے۔اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: کہ "هَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي" (بخاری شریف: ۵۸۲ / ۲،باب قتل حمزہ)

کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تم اپنا چہرہ میرے سامنے نہ کرو۔

عرض کیا۔ جی ہاں۔ یہ کہہ کر اٹھ کر چلے گئے اور ساری زندگی حضور اکرم ﷺ کے سامنے حاضر نہ ہوئے۔اس خیال سے کہ حضور اکرم ﷺ کو میری صورت سے اذیت ہوتی ہے۔ یہ اتباع ہے۔ یہ نہیں کہا انہوں نے کہ حضور! میں تو حاضر ہوں گا۔حضور! جس طرح سے ہو سکے معاف فرمادیں۔میں تو حاضر ہوجاؤں گا۔نہیں ایسا نہیں ایسا نہیں کیا،بلکہ حضور اکرم ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ سامنے نہ آؤ تو بہت اچھا۔اس میں بھی ان کی خیر خواہی مدنظر تھی۔وہ یہ کہ فیض نبوت دور اور نزدیک سب کو پہنچتا ہے۔بشرطیکہ کسی طرف سے دل میں کدورت نہ ہو۔اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مخلص صحابہ تھے،کے متعلق منافقین شکایات حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آتے تھے۔حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا کہ میرے صحابہ کی شکایتیں میرے پاس مت لاؤ۔میں چاہتا ہوں کہ جب اپنے صحابہ کے پاس آؤں تو نہایت ہی سلیم الصدر ہو کر آؤں۔کہ میرے سینے میں کسی کی طرف سے کدورت اور میل کچیل نہ ہو۔سب کی طرف سے سینہ صاف ہو کہ سینہ صاف ہوگا تو نبوت کا فیض صاف پہنچے گا۔اور اگر سینہ صاف نہیں ہے تو فیض صاف نہیں پہنچتا۔اس میں کدورت رہتی ہے۔اس واسطے ان (وحشی) کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی خیر خواہی کی اور انھوں نے اعلیٰ درجے کے اتباع کا ثبوت دیا۔جب حضور اکرم ﷺ نے فرمایا چلے جاؤ تو وہ چلے گئے۔اور ساری زندگی بھر ان کے سامنے نہ

آئے اور ساری زندگی ملک شام میں جا کر گذاری۔ مدینہ طیبہ میں بھی نہیں رہے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں راستے میں آتے جاتے سامنا ہو جائے اور حضور اکرم ﷺ کو گرانی ہو۔ اس لئے وہاں سے نہیں گذرے۔

مسیلمہ کذاب کا قتل

اور پھر اس فکر میں رہے کہ اسلام کے ایک بہت بڑے جانباز کو انھوں نے شہید کیا ہے اس کے بدلے میں کسی کافر کو اسی طریقہ پر ماریں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور حضور اکرم ﷺ تو خاتم النبیین تھے۔ آپ ﷺ کے بعد کسی کا دعویٰ نبوت کرنا کہاں جائز تھا۔ اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ اس وقت یہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ آئے۔ انھوں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔ چنانچہ جب لوگ ان سے کہتے تھے کہ اَنْتَ قَاتِلُ حمزۃ کہ اے حضرت وحشی رضی اللہ عنہ! تم تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ہو، تم وہی ہو نا جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا تو یہ کہتے تھے کہ ہاں اور میں تو مسیلمہ کذاب کا بھی قاتل ہوں۔ تِلْكَ بِتِلْكَ۔ اس کا کفارہ تو میں نے اس طرح ادا کر دیا۔

دو سبق

یہ تو حضرت وحشی رضی اللہ عنہ تھے جن کے ساتھ حضور اقدس ﷺ نے یہ معاملہ فرمایا۔ اس میں دو سبق ملتے ہیں۔ ہمیں ایک قلب میں دل آزار چیز سے گرانی پیدا ہونا۔ یہ سنت کے خلاف نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے قلب میں گرانی پیدا ہوئی چچا کے قتل کی وجہ سے اور اس کی گرانی کا علاج یہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ نے حکم فرمایا، اس پر حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کا اتباع

کرنا، بات کو مان لینا، اس طرح فرمایا کہ بہت اچھا اور ساری زندگی بھر سامنے نہیں آئے۔ کون مسلمان ایسا ہے کہ جس کے اندر ایمان ہو اور اس کا جی نہ چاہتا ہو کہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے آئے۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے ان بھائیوں کو دیکھوں کہ ایک وقت ایسا آئے گا آدمی یہ تمنا کرے گا کہ میرا مال روپیہ سارا ہی لے لیا جائے اور مجھے حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہو جائے۔ لوگ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کے خواب میں بھی متمنی رہتے ہیں کہ کسی طرح زیارت نصیب ہو جائے اور وہ بیداری میں ساری عمر سامنے نہیں آئے۔ یہ ہے اتباع۔

اتباع۔ حضور اکرم ﷺ جس چیز کو فرمائیں اس کا اتباع کرنا چاہئے۔ اپنی طرف سے کوئی دلیل اس کے اندر نکالنا ٹھیک نہیں۔ رائے زنی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو وصیت

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا۔ یمن کے دو ڈویژن تھے۔ ایک ڈویژن پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا اور اک ڈویژن پر حضرت معاذ رضی اللہ کو بھیجا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جو بھیجا تو اس طرح سے ان کو سوار کرایا۔ وہ اونٹ پر سوار ہوئے اور حضور اکرم ﷺ ان کے ساتھ پیدل چل رہے تھے اور نصیحتیں کرتے جارہے تھے کہ کیا کرنا ہے، کس طرح کرنا ہے؟ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے دل پر کس قدر بوجھ ہوا ہوگا کہ وہ تو اونٹ پر سوار اور حضور اکرم ﷺ ساتھ ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔ انھوں نے کچھ نہیں کہا کہ جس طرح سے حضور اقدس ﷺ کا منشاء تھا اسی طرح سے عمل کیا۔ یہاں تک کہ جب نصیحتیں پوری ہوگئیں اور واپسی کا ارادہ فرمایا تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ! اب تم جب آؤ گے یمن سے، شاید تمہارا گذر میری قبر پر ہو۔ یعنی ملاقات نہ ہوسکے۔ بس تو انھوں نے سوچا کہ اب تو یہ آخری دیدار ہے۔ اس کے

بعد دیدار نہیں ہوگا۔ ان کا دل بھر آیا۔ آنکھیں ٹپک پڑیں، آنسو جاری ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے ادھر سے منہ پھیر لیا اور مدینہ طیبہ کی طرف منہ کر لیا واپسی کیلئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: دیکھو! میرے دوست اور میرے محبوب وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں۔ اَیْنَ کَانُوْا مَنْ کَانُوْا۔ کوئی ہو کہیں بھی ہو، دور نزدیک جو بھی ہوں گے تقویٰ اختیار کریں گے۔ وہ میرے دوستوں میں ہوں گے۔

کوئی شخص جب حضور اکرم ﷺ کے ساتھ محبت کرنا چاہے حضور اکرم ﷺ کی نظروں میں محبوب بننا چاہے، حضور اکرم ﷺ کا دوست بننا چاہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کرے، تقویٰ کیا چیز ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول اکرم ﷺ کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچنا، جن چیزوں کو اللہ نے منع فرما دیا، اللہ کے رسولِ پاک ﷺ نے منع فرما دیا ان چیزوں سے محفوظ رہنا اور دور رہنا یہ ہے تقویٰ۔

تقویٰ کس کو کہتے ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک صحابی نے دریافت فرمایا کہ بھائی تقویٰ کیا چیز ہے؟ جس کا قرآن پاک میں بار بار تذکرہ آیا ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ کبھی کنٹیلے راستے پر سے چلے ہو جہاں جھاڑ جھنکاڑ ہوں ایسے راستے پر چلے ہو، وہاں کیسے چلا کرتے ہیں کہ کپڑوں کو اور اپنے بدن کو بچا کر چلا کرتے ہیں کہ ادھر سے کانٹا نہ چبھ جائے، ادھر سے کپڑا نہ اٹک جائے، ادھر سے پیر نہ چبھ جائے۔ کہا بس تقویٰ یہی چیز ہے کہ زندگی ایسے طریقے پر گذارے آدمی جیسے خاردار راستہ میں وہ جا رہا ہے۔ چلتے چلتے سامنے دیکھا عورتیں بے پردہ چلی جا رہی ہیں آنکھیں نیچی کر لیں۔ کان میں آواز آئی غلط قسم کی، گانے بجانے کی، ادھر متوجہ نہ ہو۔ کوئی شخص بیہودہ باتیں کرتا ہے، گالیاں دیتا ہے، برے الفاظ بکتا ہے، اس کے جواب میں زبان کی حفاظت کرے، کچھ نہ کہے، غرض اللہ تعالیٰ نے جو اعضاء عطا فرمائے ہیں، دل ہے، دماغ ہے، آنکھ

ہے کان ہے پیر ہے ہاتھ ہے پیٹ ہے شرمگاہ ہے۔ان سب چیزوں کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔خدا کے قانون کے خلاف کوئی چیز نہ ہو،یہ ہے تقویٰ۔

لہٰذا اس طریقہ پر آدمی تقویٰ اختیار کرے یہ طریقہ بتا دیا ہے اور وہ یہی ہے کہ جو معلوم ہو جائے کہ منشاء نبوی یہ ہے،بس اس سے گریز نہ کرے،اس کا خیال کرے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا کمال ادب

ہمارے بزرگوں میں خاص طور پر یہی چیز تھی۔حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا حال یہ تھا کہ جمعہ کے دن کپڑے بدلے،جو کپڑے بدن سے اتارے وہ بھی میلے نہیں،وہ بھی صاف ستھرے ہی ہیں ان کو پوٹلی بنا کر باندھ کر رکھ دیا۔ان کے حجرے میں ایک کھونٹی دیوار میں گڑی تھی،اس پر ٹانگ دیتے (لٹکا دیتے) تھے۔ایک شخص کو دیا کہ اس کو کھونٹی پر ٹانگ دو۔وہاں حجرے میں ایک تپائی بھی رکھی ہوتی تھی کبھی اس تپائی پر کتاب رکھی ہوتی تھی فرمایا دیکھو۔تپائی پر دیکھو کہ اس پر کوئی کتاب نہ ہو۔اگر اس تپائی پر کوئی کتاب ہو تو یہ میلے کپڑے کھونٹی پر نہیں لٹکانا،نیچے رکھنا۔یعنی اس کے بھی روادار نہیں تھے کہ میلے کپڑے اوپر ٹانگ دیے جائیں اور کتاب نیچے رہے۔بہت احتیاط برتتے تھے۔ایک ایک چیز میں اتنا ادب تھا،اتنی اتنی باتوں کی یہ حضرات رعایت رکھتے تھے،اتباع شریعت اتباع سنت کرتے تھے۔

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی کمال احتیاط

ایک شخص حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آئے انھوں نے خود مجھ سے بیان کیا کہ میں ان کی خدمت میں گیا۔جب وہاں سے واپسی کا وقت آیا۔حضرت سبق پڑھانے بیٹھ گئے۔بخاری شریف کا۔میں نے مصافحہ کیا اور کہا کہ مجھے ذرا مشورہ بھی کرنا ہے۔حضرت فوراً اس جگہ سے الگ ہو گئے۔الگ آ کر کھڑے ہوئے کہ کہو کیا مشورہ ہے؟ میں

نے کہا کہ حضرت ایک منٹ کی بات ہے وہیں بیٹھ کر سن لیتے تو حضرت نے فرمایا کہ یہ دری (چٹائی) ہمیں مدرسہ نے اس واسطے دی ہے کہ ہم اس پر بیٹھ کر سبق پڑھائیں حدیث شریف کا۔اس واسطے نہیں دی کہ دوستوں سے مشورہ کریں پس جو چیز جس کام کے لئے دی گئی اس کو اسی کام میں استعمال کرنا چاہئے۔اس کے خلاف نہیں۔

اتنا لحاظ رکھتے تھے یہ حضرات ایک ایک چیز کا۔پورا پورا خیال رکھتے تھے کہ کہیں غلط استعمال نہ ہو۔

حالت یہ تھی کہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے روضۂ اقدس کے پاس۔حضور اقدس ﷺ کو تراویح میں قرآن شریف سنایا اور ادب کا اتنا خیال فرماتے تھے کہ جب صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے لئے حاضر ہوتے تھے تو سارا بدن کانپتا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بیداری میں زیارت

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ روضہ اقدس کے سامنے ایک گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ کھڑے ہوتے تھے گردن جھکائے ہوئے خاموشی کے ساتھ، ادب کے ساتھ۔ جو ساتھی ہوتے وہ تھک جاتے۔اِدھر اُدھر بیٹھ جاتے۔وہیں مدینہ طیبہ میں حضرت سبق پڑھا رہے ہیں۔مسئلہ آیا حیات النبیؐ کا کہ نبی پاک ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں حیات ہیں۔طلبہ نے اس کے اوپر اعتراض کیا۔مولانا نے اس کا جواب دیا، پھر اعتراض ہوا، پھر جواب دیا پھر مولانا نے ایک دم سے دیکھا روضۂ اقدس کی طرف سر اٹھا کر۔طلبہ نے سوچا کیا بات ہے؟ کیا دیکھ رہے ہیں، سارے طالب علموں نے دیکھا ادھر کو، تو روضۂ اقدس کی عمارت نہیں اس جگہ پر، وہاں جگہ صاف ہے اور حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں وہاں۔اس کے بعد کتاب کی طرف نظر کی پڑھانے کیلئے۔پھر طلباء نے دیکھا اس طرف (روضۂ اقدس کی طرف) تو وہی عمارت موجود۔یہ ان حضرات کے حالات ہیں۔

ایک ایک چیز کی یہ حضرات رعایت کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم ﷺ کی منشاء کے خلاف ہو جائے۔

مسلمان کی زندگی

مسلمان اپنے آپ کو امتی کہلاتا ہے کہ ہم حضور ﷺ کے امتی ہیں۔کہاں کے امتی گنہگار بھی ہیں اور امتی بھی۔امتی کی زندگی کا منشاء یہ ہونا چاہئے کہ ہمارا کوئی کام حضور اکرم ﷺ کی منشاء کے خلاف نہ ہو۔اس کی ضرورت ہے۔مثلاً حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے سود دینے کو سود لینے کو،فرمایا سود دینے والے پر بھی لعنت،سود لینے والے پر بھی لعنت،سود کھانے والے پر بھی لعنت،سود کا رقعہ لکھنے والے پر بھی لعنت،سود کی گواہی دینے والے پر بھی لعنت۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ سود کے پاس بھی نہ جائے۔اسی طرح پر جھوٹ بولنے سے منع فرمایا ہے۔جھوٹ بولنے سے ایسی بدبو آتی ہے کہ فرشتہ اس سے میلوں دور بھاگتا ہے۔

وعدہ خلافی سے بھی منع فرمایا۔حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو وعدہ کرتا ہے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وعدہ خلافی کروں گا وہ منافق ہے۔نفاق کی علامت اس میں ہے۔لہٰذا مسلمان کی زندگی اوروں کی طرح سے نہیں ہونی چاہئے کہ مسلمان یہ سوچے کہ جھوٹ بولنے سے تجارت میں ترقی ہوگی۔سود لینے سے تجارت میں ترقی ملے گی۔فلاں فلاں قوم نے تجارت کی،فلاں فلاں قوم کے پاس مال ودولت زیادہ ہے۔انکے پاس حکومت ہے،انکے پاس ساز وسامان ہے۔ مسلمان کے پاس کچھ نہیں ہے۔مسلمانوں کو ان کی حرص نہیں کرنی چاہئے مسلمانوں کو اگر حرص کرنی ہے تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی۔حضرت نبی اکرم ﷺ کی۔حضور اکرم ﷺ کی زندگی کیسی تھی۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کیسی تھی،ان کی حرص ان کا اتباع کرنا چاہئے۔ جس چیز کو دیکھے مسلمان عبرت کی نگاہ سے دیکھے۔شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انسان بنایا۔ سانپ کو دیکھے تو شکر کرے کہ اے اللہ! تو نے مجھے انسان بنایا،سانپ نہیں بنایا۔جو شخص سانپ کو

دیکھتا ہے وہ اس کو مارتا ہے کیونکہ وہ اس کو کاٹتا ہے۔

دنیوی اعتبار سے اپنے سے کمزور کو دیکھو

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تم دنیا میں کسی کو دیکھو تو اس کو جو تم سے گرا ہوا آدمی ہے اس کو دیکھو۔ تمہارے پاس کپڑا نہیں، کھانے کو نہیں، رہنے کے لئے مکان نہیں، دوکان نہیں، لہٰذا جو تم سے گیا گزرا ہے اس کو دیکھو۔ اس کو دیکھ کر سوچو کہ یہ بھی دنیا میں بستا ہے، ان کے پاس کچھ نہیں میرے پاس بہت کچھ موجود ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ میں دنیا کی مصیبتوں سے کبھی تنگ نہیں آیا۔ صرف ایک مرتبہ کہ میرے پیروں میں جوتا نہیں تھا، ننگے پیر جارہا تھا۔ میں بازار کو جارہا تھا وہاں ایک آدمی کو دیکھا اس کے پیر ہی نہیں۔ شکر کیا کہ اے اللہ! میرے پاس پیر تو ہے اس کے پاس پیر بھی نہیں۔

میں نے خود دیکھا مکہ مکرمہ میں ایک شخص کو طواف کرتے ہوئے کہ لیٹا ہوا ہے، کپڑے سے اس کو باندھ رکھا ہے طواف کرتا تھا اور کروٹیں بدل بدل کر طواف کرتا تھا۔ یہ کیفیت تھی۔ لہٰذا جب دنیا کے اعتبار سے دیکھو تو ہمیشہ اپنے سے کمزور آدمیوں کو دیکھو۔ کسی کے پاس رہنے کو گھر نہیں، کسی کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں۔ کوئی دوکان کے تختے پر لیٹا ہوا ہے۔ کسی کے ہاں کھانا نہیں، بھیک مانگتا پھرتا ہے، کسی کی صحت ٹھیک نہیں۔ چلنے پھرنے سے عاجز قاصر، کسی کے چہرے پر آنکھیں نہیں، کسی کے سننے کے لئے کان نہیں، بولنے کے لئے کسی کے پاس زبان نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی ایسی مخلوق موجود ہے۔ ہمیشہ اسی مخلوق کو دیکھنا چاہئے۔ یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ فلاں کے پاس اچھی بلڈنگ ہے میرے پاس نہیں۔ فلاں کے پاس گاڑی ہے میرے پاس نہیں۔

دینی اعتبار سے اپنے سے اوپر والوں کو دیکھو

اور دین کے اعتبار سے ہمیشہ اپنے سے بڑوں کو دیکھنا چاہئے کہ وہ بھی تو ہمارے جیسے آدمی ہیں، کتنی عبادت کرتے ہیں، کتنے اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ روزانہ ایک ختم قرآن پاک کرتے ہیں۔

خلیفہ ہارون رشید بادشاہ تھے۔ بہت بڑی حیثیت کے آدمی تھے۔ پانچ سو نفلیں روزانہ پڑھتے تھے۔ وہ بھی تو انسان تھے، ہمارے جیسے انسان تھے۔ یہی ہاتھ پیر یہی ناک کان۔ ایسے نہیں کہ دو ناک ہوں، چار کان ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جب بیت اللہ شریف گئے وہاں کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھی، دو رکعت میں پورا قرآن شریف پڑھا۔ وہ بھی تو آدمی ہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں کہ کھانے کو نہیں ملا تو پیٹ پر پتھر باندھے۔

خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہی تھا کہ صبح نماز کے بعد اپنے گھروں میں تشریف لے گئے۔ پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ معلوم ہوا کہ نہیں ہے۔ تو کہا اچھا میرا روزہ۔ روزہ رکھ لیا۔ پیٹ پر پتھر باندھتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر و فاقہ

ایک دفعہ سخت ترین گرمی کا زمانہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک صحابی حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس گرمی میں کیوں آئے؟ کیا ضرورت پیش آئی؟ کہا۔ حضرت! بھوک بہت لگ رہی ہے۔ بے تاب تھا۔ میں اس واسطے حاضر ہوا کہ آپ کی صورتِ مبارک کو دیکھ کر قلب کو سکون و اطمینان حاصل کروں۔

ایک دوسرے شخص آئے۔ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کیسے آگئے؟ انھوں

نے جواب دیا کچھ کھانے کو نہیں ہے اس لئے آیا کہ شاید آپ کے پاس کھانے کو کوئی چیز مل جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: بَینَکُمَا کَمَا بَیْنَ جوابَیْکُمَا۔ تم دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ تمہارے جوابوں کا۔ ایک کا جواب یہ ہے کہ آپ کی صورت مبارک کو دیکھ کر اطمینان ہو جائے۔ دوسرے کا جواب ہے کہ کھانے کو کچھ مل جائے۔

یہ تینوں کے تینوں (دونوں صحابیؓ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم) گئے ایک انصاری کے پاس باغ میں۔ کھجوروں کے پکنے کا زمانہ تھا۔ ایسے موسم میں وہ لوگ اپنے بیوی بچوں کو بھی باغ میں لے جایا کرتے تھے۔ بوریا کھڑا کر کے ایک مکان کی شکل بنایا تھا۔ ان کے بال بچے بھی وہاں موجود تھے۔ وہاں پہونچے تو معلوم ہوا کہ انصاری باغ میں موجود نہیں ہیں۔ کہیں سے ٹھنڈا پانی لینے کیلئے گئے ہوئے ہیں۔ میٹھا ٹھنڈا پانی کہیں فاصلے پر تھا۔ وہ پانی لینے کے لئے گئے۔ یہ حضرات جا کے کہیں درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں وہ انصاری صحابیؓ آ گئے۔ انھوں نے کہا۔ اوہو دو جہاں کے سردار میرے باغ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کتنی خوش قسمتی ہے یہ میری۔ وہیں سے ایک بانس اٹھایا اس سے کھجوروں کا ایک گچھا توڑا اور لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ اس میں بعض کھجوریں بالکل پکی تھیں اور بعض کچھ کچی اور کچھ پکی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کچھ کچی پکی کیوں توڑ لائے جو بالکل پکی تھیں وہ لاتے۔ انھوں نے کہا کہ حضور! بعض کو یہ پسند ہے اور بعض کو یہ پسند۔ جونسی پسند ہو وہ کھالیں۔ حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے کھجور کھائیں اور پانی پیا۔ اس کے بعد فرمایا:

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ۔

[پھر تم سے اس دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائیگا (کہ ان کا کیا حق ادا کیا۔]

قیامت میں نعمتوں کا سوال بھی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے ہمارے پیدا کیے ہوئے درختوں کے سائے میں تم بیٹھ گئے۔ ہمارے پیدا کئے ہوئے درختوں کی کھجوریں کھائیں۔ ہمارا پیدا کیا ہوا ٹھنڈا پانی بھی

پیا۔کیا نیک عمل کر کے لائے ۔ہم سوچیں کتنے کتنے اچھے اچھے کپڑے پہنے، کتنے اچھے اچھے مکانات میں رہتے ہیں ۔کیسا ٹھنڈا پانی پیتے ہیں، کئی کئی قسم کا کھانا کھاتے ہیں ۔کبھی خیال بھی آتا ہے کہ حساب بھی دینا ہے اللہ کے یہاں ۔کیسی غلط زندگی گذر رہی ہے ۔ہمیں اپنی زندگی پر غور کرنا چاہئے ۔نظر کرنی چاہئے کہ کس کام کے لئے دنیا میں ہم بھیجے گئے ہیں ۔اس کام میں لگیں ۔

سکون کی تلاش

آج مسلمان سارے کام اور ساری ترقیات کے باوجود مطمئن نہیں ۔اس کے قلب کو سکون و اطمینان نہیں ۔اس کشمیر کے علاقے میں آنے پر اتنے لوگوں نے آ کر بیان کیا کہ ہمیں سکون نہیں پریشانی ہی پریشانی ہے ۔ہم کو یاد بھی نہ رہا کہ کتنوں نے بیان کیا۔اور سکون ہم نے کس چیز میں سمجھ رکھا ہے ۔غلط جگہوں میں سمجھ رکھا ہے ۔آپ بتائیے کہ آپ کو پیاس لگ رہی ہے ۔کیا اس مائیک سے پانی لیں گے کرسی سے پانی لیں گے، دیوار سے پانی لیں گے ۔نہیں پانی اپنی جگہ پر ملے گا۔نل میں ملے گا۔دریا میں ملے گا۔کنویں میں ملے گا۔ہر چیز اپنی جگہ پر ملتی ہے ۔نمک کی ضرورت ہو تو نمک مائیک سے کرسی سے دیوار سے نہیں ملے گا۔نمک اپنی جگہ سے ملے گا۔

اسی طرح سے آج مسلمان اطمینان کو تلاش کر رہا ہے بے جگہ ۔جہاں اس کی جگہ نہیں ۔یوں سمجھتا ہے کہ مجھے گاڑی مل جائے تو اطمینان ملے گا۔میری پریشانی دور ہو جائے گی ۔خدا جانے روپے ادھار بینک سے لئے ،سود کا معاملہ کیا۔کس کس طرح سے کوشش کر کے گاڑی حاصل کی ۔گاڑی بھی حاصل کی تو کیا اطمینان ملا؟ اکسیڈنٹ ہو گیا۔گاڑی بھی گئی ۔ڈرائیور بھی گیا،خود بھی گیا۔اس میں کہاں اطمینان رکھا ہے ۔

کوئی شخص سمجھتا ہے کہ مجھے ریل گاڑی مل جائے تو مجھے اطمینان مل جائے گا۔ریل گاڑی کی ٹکر ہو جائے تو سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی ہلاکت کا باعث بن جائے ۔کوئی سمجھتا ہے

کہ مجھے ہوائی جہاز مل جائے اس سے بہت آمدنی ہوگی لیکن ایک ٹکر سے ہوائی جہاز نیچے گر پڑتا ہے تو سب ہلاک ہوتے ہیں۔غرض انسان بے جگہ اطمینان تلاش کرتا ہے وہاں اطمینان نہیں ہے۔کوئی سمجھتا ہے مجھے وزارت مل جائے میں وزیر اعظم بن جاؤں گا تو اطمینان ہو جائے گا۔کیا وزیر اعظم ہونے سے اطمینان ہوتا ہے۔کتنے وزیر اعظموں کو دیکھا کہ ان کا حلیہ کیا بنا؟ کس کس طرح سے ان کو ختم کیا گیا۔کوئی سمجھتا ہے کہ مجھے روپیہ مل جائے،نوٹوں کی گڈی مل جائے مجھے اطمینان ہو جائے گا۔اگر نوٹوں کی گڈی پر ایک دیمک کا کیڑا مسلط ہو جائے تو سارے نوٹوں کو کھا کے ختم کر دے گا کیا وہ بھی اطمینان ہے جو ذرا سے کیڑے سے ختم ہو جائے گا۔اطمینان ان جگہوں میں کہاں ہے؟ یہاں اطمینان مسلمان بے جا تلاش کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے تعلق میں اطمینان

اطمینان ہے تو اللہ کے ذکر میں۔"اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" [یاد رکھو! کہ صرف اللہ کا ذکر ہی وہ چیز ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔] (آسان ترجمہ)

اللہ کے تعلق میں اطمینان ہے۔اللہ کے ساتھ جتنا تعلق ہوگا اسی قدر اطمینان حاصل ہوگا۔ آدمی یہ سمجھے گا کہ کہیں سے مجھے کچھ ملے یا نہ ملے۔میرا رزّاق حق تعالیٰ ہے کسی پر میرا دار و مدار نہیں ہے۔ایک شخص ملازمت کرتا ہے اور رات دن فکر رہتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ سے میرا افسر ناراض ہو،مجھے رد کر دیں تو کیا ہوگا؟ کہیں میری روزی اس پر موقوف ہے روزی دینے والا حق تعالیٰ ہے۔یہ دروازہ بند ہو جائے گا تو دوسرا دروازہ حق تعالیٰ کھولے گا۔اور ان کے خزانے میں کمی نہیں آئے گی۔اسی طریقے پر رات دن قسم قسم کے اوہام اور وساوس میں مبتلا ہے۔یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا۔ہو جائے گا تو کیا ہوگا؟ لیکن اگر حق تعالیٰ کی ذات عالی کے ساتھ ہو تو سمجھے گا کہ میری حفاظت کرنے والا وہ ہے،نہ مجھے کوئی بندوق مار سکتی ہے نہ توپ مار سکتی ہے نہ بم کا گولہ ختم کر سکتا ہے۔میری حفاظت کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

چور مال لے جائے، دوکان خراب ہو جائے، بنک فیل ہو جائے تو کیا ہوا میرا تعلق حق تعالیٰ سے ہے اس کے خزانے میں کمی نہیں آتی۔ اس کے خزانے میں جوں کا توں موجود ہیں۔

موتی گم ہونے اور ملنے کی خبر پر الحمد للہ

ایک بزرگ کے پاس آ کر ان کے خادم نے عرض کیا کہ حضرت فلاں بادشاہ نے جو آپ کے پاس ایک موتی یا ہیرا بھیجا تھا ایسا قیمتی۔ وہ کھو گیا۔ انھوں نے ذرا آنکھ بند کی، گردن جھکائی اور کہا **الحمد للہ**! لیکن خادم تلاش کرنے میں لگ گئے۔ تلاش کرتے کرتے مل گیا۔ پھر خادم نے آ کر عرض کیا کہ حضرت وہ ہیرا مل گیا۔ حضرت نے آنکھ بند کی۔ گردن جھکائی تو فرمایا۔ **الحمد للہ**! کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ تو فرمایا کہ جب آپ نے خبر دی کہ موتی کھو گیا تو میں نے دیکھا کہ میرا اطمینان تو نہیں کھو گیا۔ میرے قلب میں تو کوئی پریشانی نہیں۔ دیکھا تو میرے قلب کا اطمینان بالکل اسی طرح سے ہے تو میں نے کہا **الحمد للہ**! پھر جب خبر دی کہ پا گیا تو دیکھا کہ میرے دل کو کچھ خوشی تو نہ ہوئی، تو دیکھا کہ کوئی خوشی نہیں۔ بالکل اسی طرح مطمئن ہے۔ اس پر کہا **الحمد للہ**! کہ میرے قلب کا اس کے وجود سے کچھ تعلق نہیں۔ ہو تو خوشی نہیں چلا جائے تو کوئی غم فکر نہیں۔ مسلمان کی زندگی کا حال یہی ہونا چاہئے۔

اس کی نظیریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں کثرت سے ملیں گی۔ **اللہ الصمد!** صحابہ رضی اللہ عنہم جیسا ایثار، صحابہ رضی اللہ عنہم جیسی ہمدردی، صحابہ رضی اللہ عنہم جیسی سخاوت کہاں کسی کو نصیب ہو گی، ان کو اپنے اللہ پر اتنا اعتماد تھا کہ دنیا کی کسی چیز پر نہیں۔

حضرت زرارہ بن اوفیٰ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا

ایک صاحب ہیں حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ۔ جہاد کرنے گئے گھوڑے پر سوار اور

طریقہ جہاد اس زمانے میں یہ تھا کہ ادھر ایک لشکر پڑا ہوا ادھر دشمن کا لشکر ہے درمیان میں میدان ہے ایک آدمی ادھر سے مقابلہ کے لئے نکل آتا ہے۔ایک آدمی اس کے مقابلے میں ادھر سے آتا ہے۔ یہ دونوں لڑتے ہیں ان میں ایک ختم ہو جائے تو پھر دوسرا آدمی آیا کرتا ہے۔ادھر سے تیسرا اور چوتھا۔ یہاں تک کہ گھمسان کی لڑائی ہوجاتی تو ان کو اپنے دشمن سے لڑتے لڑتے بہت دیر ہوگئی یہاں تک کہ گھوڑا بھی تھک گیا۔تو قریب تھا کہ گھوڑا بیٹھ جائے تو انھوں نے گھوڑے کی گردن کے بال پکڑ کر کہا۔ دیکھ اگر آج تو نے دغادی تو کل قیامت میں رسولِ اکرم ﷺ سے تیری شکایت کروں گا۔بس ان کا یہ کہنا تھا کہ گھوڑے نے پھریری لی، ہنہنایا۔انھوں نے یکدم جو حملہ کیا تو دشمن کو ختم کر دیا۔تو گھوڑا بھی حضور اکرم ﷺ کے نام سے اتنا متاثر ہوا۔

اتباع سنت کی ضرورت

افسوس! آج مسلمان متاثر نہیں ہوتا۔اسی وجہ سے حضور ﷺ کی سنت کا اتباع نہیں کرتا،صورتیں حضور ﷺ کی سنتوں کے خلاف ہیں،لباس حضور ﷺ کی سنتوں کے خلاف، رہنا سہنا حضور ﷺ کی سنتوں کے خلاف۔ ہر چیز آپ ﷺ کے طریقے کے خلاف۔اطمینان کا مرکز کیا ہے؟ اتباعِ سنت ہے۔جس قدر اتباع سنت کیا جائے گا اسی قدر اس کو اطمینان مل جائے گا۔اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔کہنے والے کو بھی سننے والے کو بھی۔آمین۔

❑❑❑

حیات طیبہ

اس بیان میں

بتایا گیا ہے کہ حیاتِ طیبہ، خوشگوار اور پرسکون زندگی اعمال صالحہ حقوق اللہ وحقوق العباد کی ادائیگی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی میں دنیا کی بھی کامیابی ہے۔ اور آخرت کی بھی۔ اس لئے اپنی زندگی کو بھی دین کے سانچہ میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ اور دوسروں کے لئے بھی اسی کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

....

حیات طیبہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

[اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت کو قبول کرو۔ جب رسول تمہیں اس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔ اور ڈرو اس وبال سے جو تم میں سے صرف ان لوگوں پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہو گا اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔] (آسان ترجمہ)

اس آیت شریفہ میں یہ ارشاد ہے: کہ اے ایمان والو! تم قبول کرو اللہ کی دعوت کو، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو، اس چیز کے لئے جس میں تمہارے لئے حیات ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جس چیز کی طرف تم کو دعوت دے رہے ہیں بلا رہے ہیں، اور اللہ کے رسول ﷺ جن چیز کی طرف تم کو دعوت دے رہے ہیں بلا رہے ہیں اس کو قبول کرو۔ لبیک کہو۔ ان کی دعوت پر حاضر ہو جاؤ۔ "لِمَا يُحْيِيْكُمْ" ایسی چیز کی طرف دعوت ہے جس میں تمہارے لئے

حیات ہے۔تمہارے لئے زندگی ہے۔اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتے ہیں آدمی اور اس کے دل کے درمیان اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہوگا۔اور ایسے فتنے سے ڈرو جو صرف انہیں لوگوں کو نہیں پہونچے گا جو تم سے خاص آدمی ہے بلکہ سب کو پہونچے گا۔جنھوں نے تم میں سے ظلم کیا ہے خاص طور پر انہیں کو فتنہ نہیں پہونچے گا بلکہ سب کو پہونچ جائے گا۔اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔اس آیت میں یہ خطاب ہے کہ اللہ نے جس چیز کی طرف تم کو بلایا ہے، دعوت دی ہے کہ اے ایمان والو! فلاں کام کرو۔اے ایمان والو! فلاں کام کرو۔اس دعوت پر تم تیار ہو جاؤ۔اس دعوت کو تم قبول کرو۔اس پر عمل کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔اس چیز کو اختیار کرلو جس چیز کی طرف اللہ نے دعوت دی ہے اور اللہ کے رسول نے دعوت دی ہے۔جس جس چیز کی بھی دعوت دی ہے سب کو اختیار کرو۔

عقائد

قرآن کریم میں اور حدیث شریف میں کیا ہے۔کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ سے عقائد کو پختہ کرنا ہے اللہ صرف ایک ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرشتے ہیں۔یہ تمام عالم کا نظام اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔روزی دینے والا صرف اللہ ہے۔مدد کرنے والا صرف اللہ ہے۔نفع اور نقصان سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔موت اور حیات کا مالک صرف اللہ ہے۔یہ سب چیزیں یقین کے پختہ کرنے کے لئے ہیں۔ان چیزوں پر لبیک کہو۔ان چیزوں کو قبول کرو۔تسلیم کرلو کہ ہاں واقعہ اسی طرح سے ہے۔

اخلاقیات

کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اخلاق درست کرنے کے لئے ہیں۔ایک دوسرے کے

ساتھ میں ہمدردی کرو۔ حسد نہ کرو، تکبر نہ کرو، سخاوت کرو، بخل نہ کرو، نرمی کرو، تشدد نہ کرو، یہ اخلاق کی چیزیں ہیں۔ کچھ چیزیں اعمال سے متعلق ہیں۔

عبادات

اعمال میں کچھ عبادات ہیں۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج کرو۔

معاملات

اور کچھ چیزیں معاملات سے متعلق ہیں۔ نکاح کا طریقہ یہ ہے۔ طلاق کا طریقہ یہ ہے۔ کسی گھر میں بچہ پیدا ہو تو اس پر کیا کرنا چاہئے۔ کسی کے گھر میں موت واقع ہو تو کیا کرنا چاہئے۔ تجارت کا لین دین ہو تو اس طرح سے ہو۔ ملازمت ہو تو اس طرح سے ہو۔ یہ چیزیں ہیں۔

حقیقی زندگی

انہیں سب چیزوں سے مل جل کر حیات بنتی ہے۔ جس شخص کے اندر یہ سب چیزیں موجود ہیں۔ اللہ نے جس کو یہ سب چیزیں عطا فرما دیں تو اس کی زندگی اعلیٰ درجہ کی زندگی ہے اور جس شخص کے اندر ان چیزوں میں سے جتنی کمی ہے اتنی ہی اسکی زندگی میں کمی ہے۔ ویسے تو زندہ رہنے کو کافر بھی زندہ ہیں دنیا میں۔ اور اونچی اونچی بلڈنگیں بنا کر بہت بڑا کاروبار پھیلا کر زندہ ہیں لیکن حقیقتاً زندگی وہ نہیں۔ زندگی وہ ہے جو مولیٰ جل شانہٗ کے ساتھ ہو جس کا اس سے تعلق ہے اسکی زندگی زندگی ہے۔ جیسے شوہر کا تعلق ہوتا ہے۔ بیوی کا شوہر کے ساتھ تعلق ٹھیک نہیں ہے۔ شوہر اس سے ناخوش ہے اور بیوی آزاد ہوگئی، نافرمان ہو کر ادھر اُدھر ماری ماری پھرتی ہے چاہے اسکے پاس حسن و جمال بھی ہو، چاہے اسکے پاس مال و دولت بھی ہو لیکن شریف طبقہ یوں کہتا ہے کہ اسکی زندگی تباہ ہے۔ اسلئے کہ اصل زندگی شوہر کی اطاعت کے ساتھ ہے۔ شوہر کی محبت کے ساتھ ہے۔ جس عورت کا

شوہر سے تعلق صحیح نہیں ہے شوہر کو ناخوش کر کے ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہے۔ دوستوں میں آوارہ پھرتی ہے۔ کوئی شریف آدمی اس کو پسند نہیں کرتا۔ کہتا ہے کہ اس کی زندگی تباہ ہے برباد ہے۔ یہی حال ہے کہ مالک حقیقی کے ساتھ جس کا تعلق نہیں ہے اس کی اطاعت وفرماں برداری نہیں کرتا، اس کی زندگی، زندگی نہیں ہے۔ یہ تو موت ہے بلکہ موت سے بھی بدتر ہے۔ یہ تباہی کی چیز ہے۔ موت میں تو یہ ہوتا ہے کہ جب آدمی مرجائے تو اس کے برے اعمال نہیں لکھے جاتے۔ مصیبت ختم ہوئی بری بات ختم ہوئی۔ لیکن جس کی زندگی خراب ہو جائے، اعمال برے ہو جائیں بداعمالیاں اس کی بڑھتی رہتی ہیں، اس کے جرائم بڑھتے رہتے ہیں۔ نہایت خطرناک چیز ہے۔ اسلئے فرماتے ہیں: کہ "لِمَا يُحْيِيكُمْ" جس چیز کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں اس چیز کو اختیار کرو تمہارے لئے حیات ہے۔ ایک شخص زندہ ہے۔ لیکن نہ اس کی آنکھ کام دیتی ہے، نہ کان کام دیتا ہے، نہ زبان کام دیتی ہے، نہ ہاتھ پیر کام دیتے ہیں۔ فالج پڑا ہوا ہے، پڑا ہے ایک جگہ۔ کیا اس کی زندگی، زندگی ہے۔ وہ تو سب کے اوپر بار ہے۔ رشتہ داروں پر بار ہے۔ سب پریشان ہیں۔ چاہتے ہے کہ کسی طرح اس کا قصہ ختم ہو جائے۔ یہ مشکل آسان ہو جائے۔ جلدی سے جلدی یہ دنیا سے اٹھ جائے تو سب کو راحت ملے۔ اس کی آنکھ بھی موجود، کان بھی موجود، دیکھنے کو ساری چیزیں موجود ہیں لیکن کارآمد کوئی نہیں ہے ان میں سے۔ اسی طریقے پر جو شخص اپنے مالک جل شانہٗ کے ساتھ میں تعلق نہیں رکھتا، اس کے احکام کی پیروی نہیں کرتا۔ دیکھنے میں تو وہ کھاتا پیتا بھی ہے چلتا پھرتا بھی ہے سب کچھ کرتا ہے لیکن حقیقتاً اس کی زندگی، زندگی نہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں: "لِمَا يُحْيِيكُمْ" ہمارے لئے حیات اس میں ہے۔

حیاتِ طیبہ

قرآن کریم میں ہے: "مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً" جو شخص تم میں سے نیک عمل کرتا ہے، بحالت ایمان چاہے مرد ہو یا عورت ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اسکو حیات عطا کرتے ہیں، حیوٰۃ طیبہ عطا کرتے ہیں۔ حیاتِ طیبہ ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعہ سے ملتی ہے جو حیات ایمان اور اعمال صالحہ کے بغیر ہے وہ حیات، حیات نہیں ہے۔ خدائے پاک نے جتنے احکام بھی مشروع فرمائے ہیں ان سب میں بندوں کے مصالح کو ملحوظ رکھا ہے۔ نیک عمل کرنے سے خدا کی خدائی میں کوئی ترقی نہیں ہوتی بلکہ بندوں کی بندگی میں ترقی ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے، سجدہ کرتا ہے، تو یہ احسان نہ رکھے کہ میں نے خدا کی عبادت کی۔ خدا پر کوئی احسان نہیں۔ اس نے سجدہ سامنے کر کے پیشانی زمین پر رکھ کر اپنا ایک مقام حق تعالیٰ کے یہاں پیدا کرلیا۔ اللہ کی اطاعت کر کے اس نے اپنا ایک مقام بنالیا۔ درجہ حاصل کرلیا۔ اللہ کے یہاں اس کے واسطے ایک مقام بن گیا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں:

"لِمَا يُحْيِيكُمْ" تمہارے لئے حیات ہے اس میں۔ اس لئے ایک عارف فرماتے ہیں:

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تابر بندگان جودے کنم

حق تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مخلوق کو اس لئے پیدا نہیں کیا کہ ان سے کچھ نفع اٹھاؤں بلکہ اس لئے پیدا کیا تاکہ ان کے اوپر بخشش کروں، جود کروں، کرم کی بارش برساؤں ان پر۔ بتائیے چاند سورج نہ ہوں تو اللہ کا کیا نقصان۔ کچھ نہیں نقصان۔ اللہ کی ذات بے نیاز ہے۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ اس نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا تاکہ اپنے کرم کی بارش برسائے۔ اپنی عنایات ان کو عطا فرمائے، اس لئے پیدا کیا ہے ان سب چیزوں کو، تو انسان اگر حق تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرتا ہے، اس بندگی سے حق تعالیٰ کا نفع نہیں بلکہ بندہ کا نفع ہے۔ یہاں کی زندگی بھی اس کی عمدہ ہوگی اور قبر کی زندگی بھی عمدہ ہوگی۔ آخرت کی زندگی بھی عمدہ ہوگی۔ یہاں کی زندگی کا کیا ہوگا۔ جو فرشتے کراماً کاتبین نامۂ اعمال کو لکھنے والے ہیں وہ نیکیاں ہی نیکیاں لکھتے رہیں گے۔

اعمال صالحہ کی برکات

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نیک بندہ جس جگہ نماز پڑھتا ہے اور پھر اس کے بعد جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ جگہ روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھا کرتا تھا۔ جس دروازے سے آسمان پر اس کا عمل چڑھتا ہے جب یہ مرجاتا ہے تو آسمان روتا ہے کہ یہاں بندہ کا نیک عمل آیا کرتا تھا۔ اب آنا بند ہو گیا۔ تو آسمان اس کے اوپر روتا ہے زمین اس کے اوپر روتی ہے۔ چیونٹی اپنے سوراخ میں اس کے لئے دعا کرتی ہے۔ مچھلی پانی کے اندر اس کے لئے دعا کرتی ہے۔ اس کے واسطے سب کی طرف سے مبارک بادیاں ہوتی ہیں۔ نیک بندے کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ آس پاس کی مخلوق پر بھی رحمت کی بارش برساتے ہیں۔ فیض پہونچتا ہے۔ جانور بھی اس کیلئے دعائیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارانِ رحمت ہوتی ہے۔ غلہ اگتا ہے، قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اعمالِ صالحہ کی برکت سے ہوتا ہے۔ اسلئے خداوند تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا، اسکے فرمائے ہوئے عقائد کو اختیار کرنا، اسکے رسول کے بتائے ہوئے اخلاق پر عمل کرنا، یہ کیا ہے، یہ خود اس کے لئے بھی زندگی کا سامان ہے۔ جانوروں پر بھی رحمت ہے اور تمام مخلوقات پر اسکے ذریعہ سے رحمت ہے۔ اسلئے فرماتے ہیں: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ" اے ایمان والو! قبول کرو اس دعوت کو جو اللہ نے دی، اللہ کے رسول نے تم کو دعوت دی۔ دعوت کس چیز کی دی؟ ایسی چیز کی دی جس میں تمہارے لئے حیات اور زندگی ہے اس کو اختیار کرو۔

جب نیک عمل کا عادیہ پیدا ہو تو فوراً کرلیا جائے

اور جس وقت میں نیک عمل کی خواہش پیدا ہو، طبیعت میں اس کو ٹلاؤ نہیں کہ کل کریں گے۔ صبح کو نہیں شام کو کرلیں گے۔ شام کو نہیں کل کو کرلیں گے۔ ایسا مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اگر نیک

کام کی قلب میں خواہش پیدا فرمائے، تم اس کو ٹلاؤ نہیں۔ مؤخر مت کرو۔ یہ مت کہو کہ کل کر لیں گے کام سے فارغ ہو کر، جس وقت طبیعت میں داعیہ پیدا ہوا اسی وقت میں اس نیک عمل کو جلدی سے جلدی کرنا چاہیئے۔ مثلاً طبیعت میں داعیہ پیدا ہو کہ حضرت نبی اکرم ﷺ پر درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ جیسے ہی داعیہ پیدا ہوا کہنا چاہیئے۔ "اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمولانا محمد وعلٰی اٰلِ سیّدنا ومولانا محمد وبارك وسلم" یہ نہ سوچے کہ دوکان سے اٹھ کر پڑھیں گے۔ یہ نہ سوچے کہ مکان جا کر کریں گے۔ رات کو جب سونے کیلئے لیٹیں گے تب کر لیں گے۔ ایسا نہیں بلکہ جس وقت داعیہ پیدا ہوا اسی وقت میں کر لینا چاہیئے۔ ایسا ہی قرآن پاک کی تلاوت کا داعیہ پیدا ہوا کوشش کرنی چاہئے کہ جلدی سے جلدی اس داعیہ کو پورا کر لیں۔

آنحضرت ﷺ کا تیمم فرمانا

حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ قضائے حاجت کی اور آنحضرت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی باوضو رہنے کی، آپؐ نے تیمم کر لیا۔ کسی نے کہا حضور پانی تو وہاں قریب ہے۔ فرمایا کیا خبر وہاں تک پہونچ پاؤں یا نہ پہونچ پاؤں۔ تیمم کر لیا۔ اسلئے کہ کیا خبر ہے وہاں تک پہونچنے کی۔ اس سے بتا دیا کہ وہاں تک پہونچتے پہونچتے درمیان میں کوئی رکاوٹ پیش آجائے۔ کیا خبر ہے موت آجائے۔ داعیہ پیدا ہوا تھا نیک کام کا۔ اس میں دیر نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا دروازہ ہی پر بیٹھ جانا

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

"یَاأَیُّهَا النَّاسُ اجْلِسُوْا"

اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔ تو جو حضرات جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے۔ نبی کی آواز کان میں

جہاں پڑی وہیں بیٹھ گئے۔کوئی اس کونے میں تھے کوئی اس کونے میں ہیں۔کوئی پہلی صف میں ہیں وہیں بیٹھ گئے۔کوئی دوسری صف میں تھے وہیں بیٹھ گئے۔کوئی تیسری صف میں تھے وہیں بیٹھ گئے۔حتیٰ کہ ایک صحابی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہٗ باہر سے آرہے تھے وہ ابھی تک مسجد میں نہیں پہونچے تھے مسجد کے دروازہ سے باہر تھے ان کہ کان میں بھی یہ آواز پہونچی اجلسوا بیٹھ جاؤ۔وہ وہیں مسجد سے باہر ہی بیٹھ گئے۔اس واسطے کہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے ماننے میں جلدی کرنا چاہیے۔جب حضور اکرم ﷺ کی نظر پڑی ان پر تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ابن مسعود! آگے آجاؤ۔یہ آئے مسجد میں بیٹھ گئے۔ بظاہر تو یہ ہے جب حضور اکرم ﷺ نے خطاب فرمایا تھا کہ اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔یہ خطاب انہی لوگوں کو تھا جو مسجد میں تھے۔اور مقصد یہ تھا کہ مسجد میں جو سامنے موجود ہیں بیٹھ جائیں۔ جیسے کہ وعظ کرنے سے پہلے کہا جاتا ہے۔بھئی سب حضرات بیٹھ جائیں تشریف رکھیں وعظ ہوگا۔تو حضور اکرم ﷺ نے خود ہی فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔بیٹھ گئے لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہٗ نے یہ نہیں سوچا کہ مسجد میں چل کہ بیٹھنا چاہیئے۔اس واسطے جیسے ہی آواز کان میں پہونچی جلدی سے جلدی حکم کی تعمیل کی۔ہوسکتا ہے کہ ان کی طبیعت میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اگر مسجد میں چل کے بیٹھوں اور اس سے پہلے پہلے موت آجائے فرشتۂ موت گردن دبالے آکر۔اگر قیامت میں خداوند تعالی کے یہاں سوال ہو کہ ہمارے نبی ﷺ کی یہ آواز تمہارے کان میں پہونچی کہ بیٹھ جاؤ اور تم بیٹھے نہیں۔تم نے یہ سوچا کہ مسجد میں جاکے بیٹھوں۔کیا نبی نے یہ فرمایا تھا کہ مسجد میں جا کر بیٹھنا۔اس واسطے چاہتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے جلدی سے جلدی تعمیل ارشاد کی جائے۔فرمایا: "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ" ہمیشہ یہ تصور رکھنا چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے جس ارشاد پر عمل کیا جائے اور اللہ کے رسول ﷺ کے جس حکم پر عمل کیا جائے یہ حکم یہ ارشاد ہماری مصلحت کے لئے، ہماری حیات کے لئے ہے۔اس سے ہماری دنیوی زندگی بھی بنتی ہے اور برزخی زندگی جو مرنے کے بعد شروع ہوتی ہے وہ بھی بنتی ہے۔

قبر میں سوال وجواب

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب آدمی کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں۔آ کر اس کے اندر روح کو داخل کرتے ہیں اٹھا کر بٹھاتے ہیں۔پھر سوالات کرتے ہیں۔پوچھتے ہیں مَنْ رَّبُّكَ؟ تیرا رب کون ہے؟ اگر اس زندگی میں اس نے رب کو رب مانا، خدا کو رب مانا تھا اور اعتماد اور بھروسہ خدا پر تھا۔جانتا تھا کہ یہی میری پرورش کرنے والا ہے۔یہی میری روزی دینے والا ہے۔ساری زندگی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو فوراً بے دھڑک کہدے گا۔میرا رب اللہ ہے۔اور اگر اس نے اس دنیا میں رہ کر خدا کو رب نہیں مانا بلکہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مجھے تو روزی دینے والی یہ دوکان ہے۔یہ دوکان نہیں ہوگی تو مجھے کہاں سے روزی ملے گی۔میں اور میرے بیوی بچے بھوکے مریں گے۔روزی دینے والی میری ملازمت ہے۔میری ملازمت چھوٹ جائے گی تو کہاں سے کھاؤں گا،کہاں سے میرے بیوی بچے کھائیں گے۔بھیک مانگیں گے، پریشان ہوں گے۔یہ چیزیں زبانوں پر آتی ہیں مسلمانوں کی۔اس واسطے میں عرض کر رہا ہوں ایسا کہنے والے کو سوچنا چاہیۓ اس دنیا میں رہتے ہوئے اس نے اپنا روزی دینے والا، روزی رساں اپنی دکان اور اپنی ملازمت کو مانا تو وہاں کیا جواب دے گا وہ کیسے رَبِّی اللّٰہ کہے گا۔یہاں اگر اپنا رب روزی رساں اللہ کو مانا، اس کے دل میں پورا اعتماد ہے پورا یقین ہے اس کو کہ میری تربیت کرنے والا، پالنے والا خدا ہے۔تو وہ یقینا کہدے گا۔اور اگر اس دنیا میں اس یقین سے بے تعلق رہا۔اس دولت کو اپنے سینے کے اندر لے کر نہیں گیا تو کیا جواب دے گا، پریشان ہوگا۔ہائے افسوس میں تو نہیں جانتا۔لَا اَدْرِی لَا اَدْرِی یہی کہے گا۔بڑی خطرناک چیز ہے۔جب اس نے صحیح جواب دے دیا۔کہدیا رَبِّی اللّٰہ میرا رب اللہ ہے۔اللہ تعالی نے میری تربیت کی۔ہر چیز میرے خدا کے قبضہ میں ہے۔رب کو پہچانا اس نے۔دوسرا سوال کریں گے مَا دِیْنُكَ؟ تیرا دین کیا ہے؟ اگر اس دنیا

میں رہتے رہتے دین اسلام کو اس نے پورے طور پر سمجھا اور دل کے اندر رچالیا ہے، اپنے کو دین اسلام کے ماتحت کر دیا ہے تو بے تکلف کہدے گا دِیْنِیَ الْاِسْلَامِ چونکہ قرآن پاک میں ہے:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً"

[آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کرلیا۔] (آسان ترجمہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہارے لئے دین اسلام سے میں راضی ہوں۔ "وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ" اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو قبول کریگا وہ ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں بڑے نقصان میں رہے گا۔ تو اس دنیا میں رہتے رہتے اگر خدائے پاک کے اور رسول ﷺ کے احکام کو اختیار کیا اور دین اسلام کے ساتھ مانوس ہو گیا تو بے تکلف کہدے گا۔ تیسری چیز یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ انکے متعلق کیا کہتے ہو؟ اگر یہاں رہتے رہتے حضرت نبی اکرم ﷺ کے حقوق کو پہچانا ہے، سمجھتا ہے کہ حق تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، خداوند تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے جو ہماری ہدایت کیلئے اپنے سب سے زیادہ چہیتے سب سے افضل، سب سے زیادہ محبوب رسول مقبول ﷺ کو بھیجا اور انکے احکام کو اس دنیا میں رہتے رہتے سمجھا اور ان پر عمل کیا دل سے ان اعمال کی چاہت رہی تو وہ کہدے گا کہ وہ ہمارے رسول، ہمارے آقا، سرور عالم ﷺ ہیں، جو رحمۃ للعالمین ہیں۔

حیات برزخی

پھر وہاں کیا ہوگا اس کے لئے، اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اس کی نظر جائے گی اتنی کشادہ ہو جائے گی۔ تنگی اس میں نام کو بھی نہیں ہوگی۔ اس میں دروازہ کھول دیا جائے گا جنت کا۔ وہاں سے جنت کی ہوائیں، خوشبوئیں آئیں گی، سبزہ زار سارا منظر نظر آئے گا۔ یہ ہے حیات، برزخ کی حیات۔ بعضوں کے متعلق آتا ہے کہ ان کی روحیں جنت کے پرندوں کے

پوٹوں میں ہوں گی۔ عرش کی قندیلوں میں جا کر رات گذاریں گی۔ بعض کے متعلق آتا ہے کہ روحیں وہاں جنت کی نہروں میں غوطہ لگائیں گی۔ غرض عمدہ راحت بڑے عیش و آرام کی زندگی ہوگی۔ یہ زندگی کیسے حاصل ہوگی؟ یہ ایسے حاصل ہوگی "مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً"

[جس شخص نے بھی مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا ہوگا چاہے وہ مرد ہو یا عورت ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر ضرور عطا کریں گے۔] (آسان ترجمہ)

ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی کرے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے احکام کو سمجھے دل کے اندر یقین جمائے۔ ساری زندگی کو ان کے ماتحت گذارے۔ اس کے ذریعہ سے حیات بنتی ہے۔ دنیا کی حیات بھی بنتی ہے، آخرت کی حیات بھی بنتی ہے، برزخ کی حیات بھی بنتی ہے۔ اس کے بعد پھر جب قیامت میں اٹھیں گے جنت میں ایک اور حیات ملے گی۔ وہ حیات بھی بنتی ہے، اعلیٰ درجہ کی بنتی ہے۔

میدان محشر

حدیث پاک میں آتا ہے کہ حشر کے دن کوئی سایہ نہ ہوگا اللہ کے سایہ کے سوا۔ خاص خاص آدمی جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام پر عمل کرتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے حکموں پر عمل کرتے ہیں، وہ اللہ کے سایہ میں ہوں گے۔ ورنہ تو حال یہ ہوگا کہ آفتاب بالکل قریب ہوگا اور دماغ اس طرح سے کھولتے ہوں گے جیسے ہنڈیا چولھے پر رکھ کر آگ جلائی جاتی ہے۔ اور کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا کسی کا پسینہ گھٹنوں تک ہوگا، کسی کا کندھوں تک ہوگا اور کوئی بالکل غرق ہوگا پسینہ میں اور اس کی بدبو ناقابل برداشت ہوگی۔ یہ سب مصیبتیں ہوں گی وہاں۔ ان مصیبتوں سے نجات کی صورت یہی ہے کہ اس دنیا میں رہتے رہتے اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام

اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو انسان سوچ لے، سمجھ لے، اپنالے، عمل کرلے۔ یہاں تک کہ اللہ پاک کا حکم اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم تمام چیزوں پر غالب ہو جائے۔ اس کے حکم کو پورا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ نہ بیوی، بچوں کے تعلقات اس میں رکاوٹ بنیں، نہ دوکان وملازت کے تعلقات، نہ عہدے اور سلطنت کے تعلقات، نہ اپنے نفس کے تعلقات، نہ کسی چیز کے تعلقات، ہر چیز پیچھے اللہ پہلے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہر چیز کے حکم بتلا دیئے ہیں ان کی رعایت ضروری ہے۔ اس لئے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے میں، اس دنیا کی حیات بھی بنتی ہے اور برزخ کی حیات بھی بنتی ہے۔

حیاتِ آخرت

آخرت کی حیات میں کیا ہوگا۔ وہاں پر عرش کا سایہ ملے گا اور حوض کوثر پر حضرت نبی اکرم ﷺ اپنے دستِ مبارک سے پانی پلائیں گے۔ اس سے بڑی خوشی کی چیز ایک مسلمان کے لئے کیا ہو سکتی ہے کہ سرور کائنات محبوب رب العالمین ﷺ اپنے دست مبارک سے جام کوثر پلائیں۔ یہ انتہائی اعزاز و اکرام کا مقام ہوگا۔ وزنِ اعمال کے وقت میں جب اعمال تولے جائیں گے انشاء اللہ نیکیوں کا پلڑا بھاری رہے گا اور جو گناہ کئے ہیں خطائیں تھوڑی بہت ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو معاف فرمادیں گے اور پل صراط پر بہت سہولت کے ساتھ گزریں گے۔

پل صراط

حدیث پاک میں آتا ہے اس کی تفسیر حضور اکرم ﷺ نے فرمائی۔ پل صراط کیا ہے؟ جہنم کے اوپر ایک پل بنا ہوا ہے اس پر سے گذرنا ہوگا مگر ایسا نہیں کہ جیسے آپ کے یہاں پل بنا دیا جاتا ہے جس کے اوپر گاڑیاں گذرتی رہتی ہیں بلکہ اس پُل کی تو شبیہ دی جاتی

ہے کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز۔ اس میں بعضے بعضے آدمی ایسے گذریں گے جیسے ایک ہوا کا جھونکا نکل گیا، بعضے بعضے آدمی ایسے گذریں گے جیسے بجلی کوند کر ادھر سے ادھر پہنچ گئی۔ بعضے ایسے گذر جائیں گے جیسے تیز رفتار گھوڑا گذر جاتا ہے۔ بعض آہستہ آہستہ ٹہلتے ٹہلتے آرام سے گزریں گے۔ یہ سب وہ لوگ ہوں گے جن پر حق تعالیٰ نے انعام فرمایا، جن کا ایمان قوی اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرہ ان کے پاس موجود ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے اور بعضے لوگ ایسے ہوں گے کہ جن سے چلا نہیں جائے گا۔ چلیں گے پھر گریں گے، چلیں گے پھر گریں گے، بعضے لوگ ایسے ہیں جن کو وہاں روک دیا جائے گا کہ تم نے دنیا میں فلاں فلاں کام کئے ہیں، ان کی جواب دہی کرو تب آگے بڑھ سکو گے۔ نیچے جہنم کی آگ ہوگی خدا کی پناہ۔ جو کسی طرح قابل برداشت نہیں۔ ایسی آگ نیچے ہے اوپر پل ہے اور انھیں وہاں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اور جنھوں نے اعمال صالحہ کئے دنیا میں ایمان کے ساتھ، دنیا کی تھوڑی سی مشقت برداشت کی، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کو سب پر غالب رکھا وہ لوگ بڑی راحت میں ہونگے وہاں راحت کے ساتھ پل صراط پر گذر جائیں گے۔ میدان محشر میں تکلیف نہیں ہوگی۔

وزن اعمال

وزن اعمال میں بھی سہولت رہے گی۔ "فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ" [اب جس شخص کے پلڑے وزنی ہوں گے تو وہ من پسند زندگی میں ہوگا۔] (آسان ترجمہ)

جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوگا تولنے میں وہ اللہ کی طرف سے ایسی عیش میں ہوگا ایسی عمدہ زندگی میں ہوگا جو اللہ کو پسندیدہ ہوگی۔ "وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ" [اور وہ جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا ایک گہرا گڑھا ہوگا، او کر تمہیں کیا معلوم وہ گہرا گڑھا کیا چیز ہے۔ ایک دہکتی ہوئی آگ۔] (آسان ترجمہ)

اور جس شخص کا پلڑا بھاری نہیں ہوگا نیکیوں کا، ہلکا ہوگا، بس اس کا ٹھکانہ ہوگا "هَاوِيَه"۔

وَمَا اَدْرٰكَ مَاهِيَهْ" جانتے بھی ہو کیا ہے "نَارٌ حَامِيَةٌ" گرم آگ ہے۔ آگ تو ہوتی ہی ہے گرم مگر اس آگ کو اور گرم کیا گیا ہے۔

جہنم کی آگ

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جہنم کی آگ کو کتنی مرتبہ ٹھنڈا کیا گیا ہے۔ ٹھنڈا کر کے اس کو اس دنیا میں لایا گیا ہے۔ یہ جو آگ ہے دوزخ کی آگ اس سے سو درجہ آگے ہوگی۔ اس کی اسٹیم بہت تیز ہے۔ بہت سخت ہے۔ وہ ہے اس کا ٹھکانہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتے ہیں بندہ اور اس کے دل کے درمیان۔ بندہ نے ایک ارادہ کیا بس فوراً اس ارادہ کو پورا کر لینا چاہئے۔ ارادہ پورا نہیں کیا تو کچھ رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بسا اوقات دل سے خیال ہی نکل جاتا ہے۔

ساری زندگی حج نہیں کیا

ہمارے یہاں ایک صاحب تھے۔ ان کو حج کا موقع ملا۔ اسباب مہیا، لیکن نہیں گئے ٹل گیا۔ ساری زندگی گذر گئی۔ انھوں نے حج کیا ہی نہیں۔ حالانکہ مالدار تھے۔ وسعت والے تھے، صحت بھی اچھی تھی۔ سب کچھ تھا باقی حج کیا ہی نہیں۔ دل سے نکل ہی گیا۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دل کے اندر اپنی مہربانی سے یہ داعیہ پیدا کیا تھا، حج کرنے کا، اس کی قدر نہیں کی تو داعیہ ہی نکل گیا۔ بات گئی۔

لطیفۂ غیبی کی مثال

لطیفۂ غیبی مہما نیست نازک مزاج
بادنی بے التفاتی رومی گرداند

غیبی لطیفہ ایک بڑا نازک مزاج مہمان ہے۔ نازک مزاج مہمان جب آئے اور میزبان اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ وہ آکر کہتا ہے السلام علیکم۔ میزبان جواب نہ دے گا۔ میزبان اندر چلا گیا تو کیا ہوگا؟ کیا یہ مہمان ٹھہرے گا؟ نہیں ٹھہرے گا۔ واپس چلا جائیگا۔ ایسے شخص کے یہاں کیا جائے جو سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ متوجہ نہیں ہوتا وہ چل دیتا ہے چھوڑ کر۔ یہی حال ہے حق تعالیٰ کی طرف سے کسی کام کا داعیہ، کسی کام کا ارادہ قلب میں پیدا ہوا اور وہ کام نیک اور صالح ہو تو اس میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اسی لئے کہتے ہیں؛

درکارِ خیر حاجت، ہیچ استخارہ نیست

جو کارخیر ہو اس میں استخارہ کی حاجت نہیں۔ اللہ نے طبیعت کے اندر داعیہ پیدا کیا کہ اس سال حج کرنا چاہئے۔ اسباب بھی خدا کی طرف سے مہیا ہیں۔ کوئی پریشانی نہیں۔ اب ٹلانا کہ آئندہ سال دیکھیں گے۔ آئندہ سال جائیں گے، بیوی کو بھی ساتھ لے کر جائیں گے، بچوں کو بھی ساتھ لے کر جائیں گے، یہ خیال کر کے نہیں گئے۔ آئندہ سال رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، بسا اوقات پریشانی لاحق ہو جاتی ہے۔ اور ویسے یہ مسئلہ الگ رہا کہ اگر ایک شخص کے ذمہ حج فرض ہے اور اس کے پاس اسباب مہیا ہیں وہ بغیر شرعی عذر کے نہیں گیا، اس نے سوچا کہ اگلے سال دوسرے سال، تیسرے سال پھر کریں گے۔ بڑھاپا آئے گا تب کرلیں گے۔ آخیر عمر میں کر لیں گے ایسے شخص کو فقہاء نے لکھا ہے کہ وہ فاسق ہو جاتا ہے اور اس کا حج مقبول نہیں ہے۔ حج مبرور نہیں نصیب ہوتا اس کو۔ اللہ نے تو اتنا انعام فرمایا۔ مال و دولت دیا، فراغت دی، فرصت دی، دل کے اندر داعیہ پیدا کیا صحت دی، اسباب سارے مہیا کر دیئے اور پھر بھی ٹلا رہا ہے کہ اگلے سال کریں گے۔ خداوند تعالیٰ کی نعمت کی بڑی ناشکری اور ناقدری ہے۔ اس لئے "وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" جان لو کہ اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتے ہیں بندہ اور اس کے دل کے درمیان۔ "وَاَنَّهٗ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ" اور یہ بھی سمجھ لو کہ جانا اسی کے پاس ہے سب کو۔ اس دنیا میں چاہے کتنی باتیں بنالے آدمی حیلہ بہانہ کرلے کسی سے چاہے ٹلا دے کچھ

کرے لیکن آخر کار جانا اللہ کے پاس ہے۔اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ میں نے اس بندہ کو قوت دی ہے، صحت دی ہے، دولت دی ہے، فرصت دی ہے، ہمت دی ہے، موقعہ دیا ہے، پھر بھی اس نے حج نہیں کیا۔کیوں نہیں گیا۔کیا یہ اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کی ناقدری نہیں ہے۔یقیناً ناقدری ہے، صحت کی بھی ناقدری، کیونکہ بیمار آدمی پر حج نہیں ہے جو چل پھر نہیں سکتا، حج میں جا نہیں سکتا اس کو کہہ دیا کہ بھئی تم معذور ہو لیکن اس کو صحت دے رکھی ہے، کیا عذر رہے۔غریب آدمی پر حج نہیں ہے، جس کے پاس کرایہ کے لئے پیسہ نہیں، لیکن اس کو اللہ نے کرایہ کے لئے پیسہ دے رکھے ہیں کیوں نہیں جاتا۔ضعیف آدمی جو سفر نہیں کرسکتا اس پر حج نہیں ہے لیکن جس کو قوت ہو طاقت ہو، کیا عذر رہے اس کے پاس۔کہیں تجارت کا سفر ہو، کہیں کسی کی شادی میں جانا ہو، کوئی اور دنیاوی کام ہو وہاں نہیں کہتے کہ آئندہ سال کرلیں گے۔تیسرے سال کرلیں گے وہاں تو فوراً تیار ہو جاتے ہیں۔اس واسطے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر دانی کی ضرورت ہے۔اور قدردانی یہی ہے کہ ہر نعمت کا حق ادا کیا

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا ذوقِ عبادت

جائے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بڑی کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ رات رات بھر نماز پڑھتے تھے۔نوجوان تھے ان کی شادی کردی، ان کے والد نے۔ایک روز انکی دلہن سے انکے والد نے پوچھا بتاؤ بیٹی تمہارے شوہر کا کیسا معاملہ ہے تمہارے ساتھ۔تم نے کیسا پایا۔انھوں نے تعریف کی کہ ہمارے شوہر بہت اچھے ہیں۔ساری رات نفلیں پڑھتے ہیں۔بستر پر نہیں آتے اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔انھوں نے جا کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات رکھ دی۔حضورؐ! میں نے اپنے بیٹے کی بیوی سے پوچھا اپنے بیٹے کے بارے میں۔تو اس نے یہ تعریف کی۔وہاں معلوم ہوا کہ یہ تو تعریف نہیں یہ تو شکایت کر رہی ہے کہ مجھ سے شادی کی مجھے بیاہ کر لے آئے ہیں، ساری رات بستر پر نہیں آتے، نفلیں پڑھتے ہیں دن بھر روزہ رکھتے ہیں، میرا حق

کہاں ادا کرتے ہیں۔تب حضرت نبی اکرم ﷺ نے ان کو بلا کر فرمایا تم ایسا کرتے ہو۔دیکھو میں تم سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہوں مگر میں سوتا بھی ہوں،نماز بھی پڑھتا ہوں،روزہ بھی رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا۔لہٰذا تم ایسا مت کرو۔تم ایک مہینہ میں تین روزے رکھ لیا کرو۔بس تو انھوں نے کیا جواب دیا۔انھوں نے جواب دیا حضور میں جوان ہوں میرے اندر طاقت موجود ہے۔اس طاقت سے مجھے کام لینے دیجئے۔جوانی کو کارآمد بنانے دیجئے۔مجھے روزے رکھ لینے دیجئے تین روزے تو بہت تھوڑے سے ہیں۔یعنی اپنی طاقت اور جوانی کا مصرف کیا تجویز کیا۔زیادہ سے زیادہ صبر کرنا،کھانا ہوتے ہوئے بھی نہ کھانا۔بیوی ہوتے ہوئے بھی اس کے پاس نہ جانا،اللہ کی عبادت کرنا،نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اچھا ایسا کرو۔ہر ہفتہ میں دو روزے رکھ لیا کرو۔

انھوں نے کہا:حضورؐ!میرے اندر اس سے زیادہ طاقت ہے۔میں اس سے زیادہ رکھ سکتا ہوں۔بڑھتے بڑھتے آخر کار حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اچھا ایک دن روزہ رکھو،ایک دن افطار کرلو۔وہ حضرات اپنی جوانی اور طاقت کا مرکز یہ تجویز کرتے تھے۔یہ نہیں کہ طاقت ہے تو زیادہ سے زیادہ کھانا کھائیں،زیادہ سے زیادہ پڑ کر سو جائیں،آرام کریں گے،زیادہ سے زیادہ بیوی کے پاس جائیں۔انھوں نے طاقت کا مصرف اللہ کی عبادت کرنا تجویز کیا تھا۔حضرت نبی اکرم ﷺ نے جس چیز کیلئے جو حد متعین فرمادی اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔بس حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بیوی کا بھی حق ہے،اس کا بھی حق ادا کرنا چاہیئے۔انھوں نے یہ سوچا شاید حضور اکرم ﷺ کو پسند عبادت یہی ہے۔اصلاح فرمادی حضور اکرم ﷺ نے۔بیوی کے پاس بھی جانا چاہیئے،روزہ بھی رکھنا چاہیئے،نماز بھی پڑھنا چاہیئے،سونا بھی چاہیئے،افطار بھی کرنا چاہیئے۔اسلئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو توفیق دے رکھی ہے ان تمام قوتوں کے متعلق سوال ہوگا کہ ہماری دی ہوئی قوتوں کو کہاں خرچ کیا۔

میدان محشر میں سوالات

حدیث پاک میں آتا ہے کہ میدان محشر میں آدمی کو کھڑا کیا جائیگا اور اسکے قدم کو وہاں سے

ہٹنے نہیں دیا جائیگا۔ اس سے سوال کیا جائے گا کہ زندگی کاہے میں گذاری اور جوانی کس چیز میں خرچ کی۔ بتاؤ۔ اللہ کے احکام کی اطاعت میں خرچ کی یا کاہے میں خرچ کی؟ سوال کیا جائیگا مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا؟ اور اپنے عمل پر کیا عمل کیا؟ زندگی بھر میں جتنا کچھ مال کمایا سوچ لے کہ مال کہاں سے کمار ہا ہے جائز کمار ہا ہے یا ناجائز کمار ہا ہے کہاں خرچ کیا، اللہ سے پوچھ کر خرچ کیا یا بغیر پوچھے خرچ کیا۔ کیا حال ہوگا؟ اس لئے فرماتے ہیں: "وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ" اللہ سے ڈرتے رہو اور جانا اسی کے پاس ہے سب کو، ہر چیز کا حساب ہوگا۔

عام عذاب

"وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً" اور اس فتنہ سے اس مصیبت سے ڈرو جو صرف ظلم کرنے والوں کو تم میں سے نہیں پہونچے گی بلکہ سب کو پہونچے گی جو کرنے والے ہیں ان کو بھی اور جو نہ کرنے والے ہیں ان کو بھی۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کی نافرمانی عام ہو جائے گی، کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ رہے اس پر جب شراب عام ہو جائے، جب گانا بجانا عام ہو جائے تو اس وقت اللہ کا عذاب ایسا آئے گا جو سب کو پکڑ لے گا۔ کرنے والے بھی پکڑے جائیں گے نہ کرنے والے بھی پکڑے جائیں گے۔ جو شراب پیتے ہیں وہ بھی پکڑے جائیں گے، جو نہیں پیتے ہیں وہ بھی پکڑے جائیں گے۔

ہماری ذمہ داری

آپ کہیں گے صاحب جو پیتے ہیں وہ تو اپنے جرم میں پکڑے جائیں گے۔ لیکن جو نہیں پیتے وہ کیوں پکڑے جائیں گے۔ ایک آبادی ہے چھپروں کی، پھوس کے چھپر ہیں، مکانات ہیں۔ ایک شخص نے بیوقوفی کی اپنے چھپر میں آگ لگادی۔ بستی والوں کی کیا ذمہ داری ہے؟ سب کے سب مل کر اس آگ کو بجھا دیں۔ اس کو آگ نہ لگانے دیں۔ آگ کو

بجھا دیں۔اس پر پانی ڈال دیں۔چھپر کو نیچے ڈال دیں اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہمیں کیا اس نے اپنے گھر میں آگ لگا دی وہ جانے، ہمارا گھر تو صحیح سلامت ہے لیکن آپ کا گھر کتنی دیر تک صحیح سلامت رہے گا۔اس آگ کے شعلے بلند ہوں گے۔آس پاس کے گھروں میں بھی آگ لگے گی حتیٰ کہ ساری بستی جل جائے گی۔

اصلاح کرنے والے کی مثال

یہی حال ہے دین کے اندر جو شخص نقصان کرتا ہے، بغاوت کرتا ہے دین کے ساتھ، احکام شرع کی پابندی نہیں کرتا۔اس کی اصلاح کرنا، اس پر روک ٹوک کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے گھر میں آگ لگا دے۔بستی والوں کے ذمہ ہے کہ اس آگ کو بجھا دیں۔نہیں بجھائیں گے تو ساری بستی تباہ ہو جائے گی۔جو شخص نافرمانی کرتا ہے، شراب پیتا ہے، لعنت کے کام میں گرفتار ہے۔آس پاس پڑوس والوں کو بھی ضروری ہے کہ روکیں اس کو شراب سے اگر نہیں روکیں گے تو خداوند تعالیٰ کا اس لعنت والے کام پر جو غضب نازل ہوگا اس میں اور لوگ بھی مبتلا ہونگے۔جب دیکھ رہے ہیں یہ خداوند تعالی کی نافرمانی کر رہا ہے تو کیوں نہیں روک ٹوک کرتے۔اسکا روکنا ضروری ہے لیکن روکنے کے بھی کچھ حدود اور طرق ہیں۔یہ نہیں کہ فساد برپا کر دیا۔شور وغل بپا ہو جائے، لڑائی ہو جائے، فساد ہو جائے، ایسا نہیں۔اس کا طریقہ ہے۔اس طریقہ کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے۔جو شخص بغاوت کرتا ہے۔ایک شخص ڈاکو ہے۔سب بستی والوں کو معلوم ہے کہ یہ ڈاکو ہے اور جگہ جگہ پر اس نے ڈاکہ ڈالا ہے، قتل بھی کیا ہے، گورنمنٹ کی طرف سے اس کا وارنٹ بھی جاری ہوا ہے گرفتار کرنے کیلئے۔وہ چھپا چھپا پھرتا ہے۔آپ بتائے کوئی شخص اس کو اپنے محلہ میں اپنے گھر میں پناہ دے گا۔تو وہ مجرم کہلائے گا یا نہیں؟ وہ بھی مجرم ہے۔سرکاری ڈاکو کو اپنے گھر میں پناہ دے رہا ہے۔سرکاری آدمی سپاہی ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اس کو اور تم نے اس کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے وہ بھی گرفتار ہوگا مجرم ہوگا، اس پر بھی عتاب ہوگا یہی

حال ہے کہ جو شخص خداوند تعالیٰ کے حکموں سے بغاوت کرتا ہے، اس باغی کو بغاوت سے روکنا، اس کو سمجھانا جس طریقہ پر بھی شریعت نے بتایا ہے، یہ لازم ہے، اس کی طرف سے بے فکر ہو جانا کہ صاحب ہر شخص اپنے فعل کا مختار ہے، ہر شخص اپنے دین کا مختار ہے یہ غلط ہے، یہ جواب کافی نہیں بلکہ ضرورت ہے اس کے روکنے کی۔

اشکال مع جواب

بعضے لوگ جواب دیتے ہیں صاحب اس کو اپنی قبر میں سونا ہے ہم کو اپنی قبر میں سونا ہے۔ ہاں یہ تو صحیح ہے لیکن ہم پوچھتے ہیں اگر کہیں پڑوس میں آگ لگ جائے اس آگ کو بجھانے کیلئے اٹھتے ہیں یا نہیں اٹھتے کیوں اٹھتے ہیں۔ بھئی اس کا گھر تو جل رہا ہے اسے اپنی قبر میں سونا ہے تم کو اپنی قبر میں سونا ہے۔ تو کیا ضرورت ہے جانے کی آگ بجھانے کیلئے کیوں جا رہے ہو آگ بجھانے کیلئے وہاں نہیں سوچتے۔ جانتے ہیں اس کی آگ اسکے گھر تک نہیں رہے گی ہمارے گھر کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ اسی طریقہ پر جو شخص نافرمانی کرتا ہے اور آپ کو قدرت ہے اس کو روکنے پر آپ اس کو سمجھا سکتے ہیں، روک سکتے ہیں، لیکن نہیں استعمال کرتے نہیں اختیار کرتے اپنی قدرت کو تو پھر اس پر پکڑ ہو گی۔ ایک شخص ہے اس کی بیوی نماز نہیں پڑھتی کچھ نہیں کہتا بیوی کو آپ کی بیوی نماز نہیں پڑھ رہی ہے وہ جواب دیتا ہے اس کو اپنی قبر میں سونا ہے ہمیں اپنی قبر میں سونا ہے۔ لیکن بیوی اگر کھانا وقت پر بنانے میں تاخیر کرتی ہے تو ناراض ہوتے ہیں یا نہیں ہوتے۔ اپنے کھانا بنانے میں تو ناراض ہوتے ہیں مگر خدا کا حکم توڑ رہی ہے اس پر ناراض نہیں ہوتے۔ یہ کیا بات ہے۔ کھانا طبیعت کے موافق نہیں پکایا وقت میں تاخیر کر دی پندرہ منٹ، بیس منٹ کی تاخیر ہو گئی اور جانا ہے سفر میں جلدی چاہ رہے ہیں کہ کھانا جلدی سے تیار ہو جائے۔ بیوی کہتی ہے کہ پندرہ منٹ کی تاخیر ہے غصہ آتا ہے۔ جہاز نکل جائے گا، گاڑی نہیں ملنے کی، دیر ہو جائے گی۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن اگر وہ نماز میں دیر کرتی ہے،

نماز قضا کرتی ہے تو اسکے اوپر کوئی اعتراض نہیں۔ کھانے میں ذراسی دیر ہوگئی، نمک کم ہوگیا اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن وہ نماز نہیں پڑھتی اس پر اعتراض نہیں۔ کیا خداوند تعالی کے یہاں سوال نہیں ہوگا۔ دو تولہ کھانے میں کمی ہوگئی تھی اس پر اتنا ناراض ہوئے، بیوی کو برا بھلا کہا اور ہمارا حکم آپ کے سامنے ٹوٹ رہا، وہ نماز نہیں پڑھتی تھی اس پر آپ کو غصہ نہیں آتا تھا۔ تو دو تولہ کھانے کی قدر و قیمت آپ کے نزدیک زیادہ ہے ہماری نماز سے یقیناً اس کا سوال ہوگا۔ سوچتے نہیں، غور کرنے کی بات ہے۔ یہی حال عورتوں کا ہے۔ شوہر اگر عورت کی ایک خواہش پوری نہ کریں تو ناراض ہوتی ہے سخت سُست کہتی ہے۔ لیکن شوہر اگر نماز نہیں پڑھتا، خدا کی نافرمانی میں مبتلا ہوتا ہے تو بیوی کچھ نہیں کہتی۔ وہاں بھی سوال ہوگا کہ جب تمہاری فرمائش پوری نہیں کی شوہر نے اتنی ناراض ہوئی غصہ میں اتنے الفاظ کہے۔ ہمارے پاس سب کے سب لکھے ہوئے ہیں اور ہمارے حکم کو توڑ رہا تھا اس پر تمہاری زبان بند تھی۔ تم سے یہ بھی نہیں کیا گیا کہ ادب کا لحاظ کرتے ہوئے یہ کہدو کہ آپ نماز پڑھ لیجیے یہ بھی نہیں کہا گیا۔ اس لئے اپنی زندگیوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جو کام بھی اللہ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے، حکم دیدیا ہے ان سب میں ہمارے لئے حیات ہے۔ ہماری زندگی اسی سے بنتی ہے۔ دوسری چیزوں سے ہماری زندگی نہیں بنتی۔ "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" اگر ایک شخص باغی ہے حکومت کا، لڑائی ہوگئی، اس کے بعد کرفیو آرڈر جاری ہوگیا۔ کرفیو آرڈر میں کیا ہوتا ہے۔ جو گھر سے باہر نکلے اس کو گولی ماردی جائے۔ حالانکہ ایک آدمی قانون کا پورا احترام کرتا ہے۔ کسی بدکاری میں وہ شریک نہیں، اس کا کیریکٹر بالکل اچھا ہے سبھی جانتے ہیں، لیکن پہرہ دار ہیں وہ تو گولی ماری دیں گے اس کو ایک آدمی اپنے گھر سے باہر نماز کے لئے جارہا ہے، فتنہ وفساد کے لئے نہیں جارہا ہے لیکن کرفیو کی حالت میں جارہا ہے اس کو تو گولی لگ ہی جائے گی۔ کیونکہ جو کرنے والا ہے وہ بھی پکڑا جاتا ہے، جو نہ کرنے والا ہے وہ بھی پکڑا جاتا ہے اور درحقیقت نہ کرنے والا

کیسے قرار دیا جائے جبکہ اس کو روکنے کی قدرت ہے، اس کو سمجھانے کی قدرت ہے، نافرمان ہے اس کو بچانے کی قدرت ہے کیوں اس قدرت کو استعمال نہیں کرتا، یہ تو اس میں شریک ہے کرنے میں نہیں۔ کرنیوالا نہیں ہے یہ تو کرنیوالا ہے کہ کرنے والوں کے ساتھ شریک ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں "وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ" اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔ اس واسطے میرے محترم دوستو اور بزرگو! ماہ مبارک آرہا ہے اس کی قدردانی کی ضرورت ہے، اپنی زندگی پر نظرثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم لوگوں کے واسطے راہِ ہدایت وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور دوسرا راستہ ہمارے لئے راہ ہدایت نہیں۔ لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، جہاں تک ہو سکے خود بھی اس پر عمل کریں اور اپنے جاننے والوں میں اپنے اعزہ و اقرباء میں زیادہ سے زیادہ اس کو پھیلانے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک وتعالےٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ وَالْفِعْلِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ بِجَاهِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

❑❑❑

بدعت

اس بیان میں

☆...... بدعت کس کو کہتے ہیں؟

☆...... بدعت کی مذمت وشناعت اوراس کے نقصانات

☆...... بدعت تمام گناہوں سے زیادہ خطرناک ہے

☆...... بدعتی کا کوئی عمل مقبول نہیں ۔

بدعت

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" الآیۃ۔ (سورۂ مائدہ:۳)

دین کی تکمیل

قرآن کریم میں ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الاسْلامَ دِیْنًا" (سورۂ مائدہ:۳)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل مکمل کردیا، تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ اور تمہارے لئے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کرلیا۔ (توضیح القرآن: ۱/۳۲۵)

جب اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کردیا تو کسی اور شخص کو اس میں اضافہ کا کیا حق ہے؟ کوئی حق نہیں۔

احداث فی الدین

اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے:

"من احدث فی دیننا ھذا ما لیس منہ فھو رد" (ابن ماجہ: ۳)

جو شخص ہمارے اس دین میں کسی ایسی چیز کا اضافہ کرے جو دین سے نہیں وہ رد

ہے قابل قبول نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص آپ کے سامنے کوئی چیز پیش کرتا ہے، اور دین بتا کر پیش کرتا ہے، کہ یہ دین ہے، یعنی اس کے کرنے سے حق تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، حق تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے، جنت ملنے کا ذریعہ ہے، جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے، اس کے یہ اثرات ہیں، اس حیثیت سے اگر کوئی شخص کسی چیز کو دین کے طور پر پیش کرتا ہے، اور اس کو دین بتاتا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ چیز قرآن وحدیث میں منقول ہو، آپ اس سے سوال کیجئے، کہ بھائی صاحب یہ دین کی چیز ہے............ تو قرآن کریم میں تو ہوگی، قرآن میں اعلان کیا گیا ہے

"اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ" [دین کامل کردیا ہے]

قرآن نے جب اعلان کردیا، دین کے کامل ہونے کا، تو یہ چیز قرآن میں ہوگی، اگر قرآن پاک میں نہیں ہے، یا قرآن کریم میں تھی، حضور اقدس ﷺ نے بتائی نہیں، امت تک پہونچائی نہیں، تو رسالت سے اعتماد کو ختم کرنا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ کا حکم

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کو حکم فرمایا: "یَا اَیُّھَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَا اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهٗ" **(سورۃ مائدہ: ۶۷)**

[اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو، اور اگر ایسا نہیں کروگے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔] (توضیح القرآن: ۱/۳۵۵)

تو حضور اقدس ﷺ کو حکم ہے، جو چیز آپ پر نازل کی گئی ہے، اسکو پہنچائیں، اگر حضور اقدس ﷺ نے نہیں پہونچائی تو حضور اقدس ﷺ کو جو امانت دی گئی تھی، پہونچانے کیلئے دی گئی تھی، حضور اقدس ﷺ نے اس امانت کو نہیں پہونچایا، بڑی

خطرناک بات ہے، حضور اقدس ﷺ کو دین جس طرح سے عطا ہوا ہے، جو امانت جس طرح عطا ہوئی، اس کو اسی طرح پہنچایا، تمہارا یہ خیال کرنا، کہ نازل ہوئی تھی قرآن کریم میں یہ چیز لیکن حضور اقدس ﷺ نے نہیں پہنچائی اس سے رسالت سے ہی اعتماد اٹھ جاتا ہے، نہ حضور اقدس ﷺ کو یہ اختیار ہے کہ جو چیز پہونچانے کیلئے دی گئی ہے، اسکو نہ پہنچائیں، اور نہ یہ اختیار ہے، کہ کوئی چیز اپنی طرف سے گھڑ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کریں۔

"وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ. لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ" (سورۃ الحاقۃ: ۴۴،۴۵)

[اور اگر (بالفرض) یہ پیغمبر کچھ (جھوٹی) باتیں بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے۔ پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔] (توضیح القرآن: ۱۷۹۵/۳)

غرض کوئی چیز قابل اعتماد باقی نہیں رہ جاتی، اور اگر کہو کہ حضور اقدس ﷺ نے تو ساری چیزیں امت کو پہنچائیں، اور اس میں تو ہے نہیں، لیکن حضور اقدس ﷺ نے حدیث پاک میں کوئی بات فرمائی، حدیث بھی تو وحی خفی ہے، جس طرح...... قرآن مجید وحی جلی ہے، اسی طرح حدیث شریف وحی خفی ہے، اسمیں فرمایا ہے اور قرآن پاک کی طرف منسوب نہیں فرمایا۔

مثال کے طور پر قبر کو سجدہ کرنا، اللہ کے علاوہ کسی اور کو سجدہ کرنا، اس کو دین سمجھ کر کیا جا رہا ہے، یا دین بتا کر کیا جا رہا ہے، تو اس کے لئے ثبوت کی ضرورت ہے، کہ قرآن کریم میں ہے؟ قرآن پاک میں نہیں ہے، کیا نازل ہوا تھا، حضور اقدس ﷺ نے پہنچایا نہیں، حضور اقدس ﷺ سے بے اعتمادی ہے؟ اگر حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذمہ داری پوری کی تو کیا حدیث میں ہے کہیں۔

محدثین کا کارنامہ

حضور اقدس ﷺ کی تیئس سالہ مبارک زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس کو

محدثین نے محفوظ نہیں کیا ہو، چپہ چپہ سے چھانٹ چھانٹ کر سب کچھ تلاش کر کے محفوظ کر دیا ہے، جمع کر دیا ہے، کوئی حدیث ضائع نہیں ہونے دی ہے، اگر حدیث میں بھی نہیں آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو حدیث سے سمجھا ہے، یا اس پر عمل کیا ہے، نہیں! جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت پر عمل کرنے کا حکم فرمایا ہے:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ" [میری سنت کو لازم پکڑو۔]

خلفائے راشدین کا اتباع

اسی طرح خلفاء راشدین کی سنتوں پر عمل کرنے کا حکم فرمایا:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ"

(الترغیب والترہیب: ۷۸/ ۱، ابن ماجہ: ۵)

[میری سنت کو اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑلو۔]

تو خلفاء راشدین کی سیرت میں بھی موجود ہے یہ چیز کہ نہیں، اگر خلفاء راشدین کی سیرت میں اور ان کے اعمال میں بھی یہ موجود نہیں تو ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت میں موجود ہے کہ نہیں جن کے متعلق آپ نے فرمایا:

اصحابی کالنجوم

"اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ" (الحدیث)

(مشکوۃ شریف: ۵۵۴، میزان الاعتدال: ۱/ ۶۰۷)

[میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے جس کی اقتدا تم نے کرلو گے تم ہدایت پا جاؤ گے۔]

کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے قبر پر سجدہ کیا ہے یا نہیں؟ اگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

آثار یا ان کی زندگی میں موجود نہیں۔

ائمہ مجتہدین پر اعتراض

تو حضرات ائمہ مجتہدین جنہوں نے دین کے مسائل بے شمار قرآن کریم سے احادیث وآثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے استنباط کر کے نکال کرامت کے سامنے دنیا کے سامنے رکھدیئے ہیں، کیا ان حضرات کے یہاں کہیں ہے؟ ان کے یہاں بھی نہیں تو بتائیے یہ دین کی بات کیسے آج اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ قبر کو سجدہ کرنا زندہ پیر کو سجدہ کرنا کسی اور کو سجدہ کرنا دین کی بات ہے۔

قرآن پاک پر اعتراض

تو پھر یا تو وہ قرآن کریم پر اعتراض کر رہا ہے، اس لئے قرآن کریم نے آج سے چودہ سو سال پہلے اعلان کیا تھا: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" الآیہ۔ (سورۂ مائدہ:۳)

[آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔] (توضیح القرآن: ۱/۳۲۵)

وہ اعلان (نعوذ باللہ) صحیح نہیں حالانکہ یہ دین کی بات ہے، جب یہ دین کی بات ہے، تو قرآن کریم نے اسکا بیان نہیں کیا، لہٰذا قرآن کا اعلان:

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" الآیہ۔ (سورۂ مائدہ:۳)

وہ صحیح نہیں ہے، نعوذ باللہ منہ اس اعلان کو غلط مانتا ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض

یا پھر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتا ہے، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آمین بنایا تھا، حکم کیا تھا کوئی امین بنایا تھا، حکم کیا تھا؟ کہ جو دین کی چیز تم پر نازل کی جائے وہ دوسروں تک پہونچا دو، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پہونچائی، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

کی امانت و دیانت کو وہ مخدوش نظر سے دیکھتا ہے، اعتماد نہیں کرتا۔

صحابہ کرام پر اعتراض

یا پھر وہ صحابہ کرامؓ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا کہ حضور اقدس ﷺ نے تو پہونچا دیا تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہ تو خود عمل کیا نہ دوسروں تک پہنچایا، حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود حکم کیا تھا:

"بَلِّغُوْا عَنِّيْ وَلَوْ آيَة" (الحدیث) (کنز العمال: ۱۰/۲۲۳)

میری طرف سے ہر چیز جو تم کو پہنچی ہو، وہ پہنچا دو، حتی کہ کسی مصلحت سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث کو کسی کے سامنے بیان نہیں کیا لیکن جب انتقال کا وقت آیا اس وقت سنایا، مصلحت کیا تھی، جو شخص "لا الہ الا اللہ" پڑھے وہ جنت میں جائیگا، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کہ حضور! آپ لوگوں سے ایسا مت کہئے کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے اعمال نہیں کریں گے، انکو اعمال کرنے دیجئے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اچھی بات ہے۔ (مسلم شریف: ۱/۴۵)

چنانچہ حدیث کی اشاعت کی ضرورت نہیں سمجھی روک دیا گیا، پھر ان صحابی نے اخیر وقت میں انتقال سے پہلے اس حدیث کو بیان کیا۔

تو پھر جو چیز عمل سے متعلق ہو اسکے لئے عملی نمونہ یا اس کی کوئی مثال ہونا ضروری ہوتا ہے۔

پھر یہ شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرتا ہے، کہ تقریباً یہ ایک لاکھ چوبیس ہزار تعداد کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کچھ ایسی تھی جو چھوٹے تھے بچپن میں انتقال کر گئے، اور کچھ ایسے تھے، جو بڑے ہوئے کتنوں نے احادیث بیان کی، کتنوں نے احادیث بیان نہیں کی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی تعداد کہ جس کے صدق پر پورا اعتماد کیا جائے، انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے نقل نہیں کیا، اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض ہو تو پھر

دین کے آگے بڑھنے کی کوئی صورت ہی نہیں، اللہ نے نازل کردیا حضور اقدس ﷺ پر اور حضور اقدس ﷺ نے سمجھا کر بتادیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتماد نہیں کیا جائے، تو پھر حضرات تابعین کے پاس دین کیسے پہنچا؟ تبع تابعین کے پاس کیسے پہنچا؟ اسکے پہنچنے کی کوئی صورت ہی نہیں، اسی وجہ سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتماد لازم ہے۔

"اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ" (شرح الطیبی: ۲۰۹/۱۱، باب مناقب الصحابۃ)

نقل دین میں سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں کسی صحابی نے ساری عمر میں کوئی حدیث جھوٹی گھڑ کر حضور اقدس ﷺ کی طرف منسوب نہیں کی، حضور اقدس ﷺ کی جو چیز نقل کی دین کی نقل کی اس لئے سارے کے سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں، کسی صحابی پر بھی کسی قسم کی جرح کرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا معمول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا، کہ جمعہ کے روز مسجد نبوی میں منبر نبوی کے رمّانہ پر ہاتھ رکھ کر احادیث بیان کرتے تھے۔

"سمعت صاحب هذا القبر صلى الله عليه وسلم كان يقول۔ الخ"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا درس حدیث

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہفتہ میں ایک روز اپنے یہاں مجلس منعقد کرتے تھے، اور حضور اقدس ﷺ کی احادیث بیان کرتے تھے۔ (بخاری شریف: ۱/۱۶)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ احادیث بیان کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ احادیث بیان کررہے ہیں۔

ضرورت حدیث

کسی شخص نے کہا: کہ احادیث ہمارے سامنے بیان نہ کیجئے ہمارے سامنے آیات

قطعیات بیان کیجئے، تو گویا کہ جی کے اندر انکار حدیث کسی کسی کے اندر اسوقت بھی پیدا ہو چکا تھا، آنحضرت ﷺ نے مجلس میں پاس بلا کر فرمایا، بتاؤ اگر قرآن پاک تمہارے یا جو تمہارے ہم خیال ہیں ان کے حوالہ کر دیا جائے تو قرآن میں بتاؤ گے نماز پانچ وقت کی ہے، قرآن میں بتاؤ گے؟ فجر کی دو رکعت مغرب کی تین رکعت عشاء کی چار رکعت ہیں کہیں؟ قرآن میں بتاؤ گے دو رکعت کے بعد قعدہ کرنا چاہئے؟ قرآن میں بتاؤ گے زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟ چاندی کا نصاب کتنا؟ سونے کا کتنا؟ گائے کا کتنا؟ بکری کا کتنا؟ بتا سکتے ہو؟ اگر تمہارے حوالہ کر دیا جائے قرآن پاک تو اسمیں دیکھ کر بتا سکتے ہو، کہ چور کا ہاتھ کٹے گا کس وقت میں کتنی چوری کرنے پر کٹے گا؟ اس کا نصاب کیا ہے؟ اور ہاتھ کہاں سے کٹے گا، گٹے سے کٹے گا، کہنی سے کٹے گا، یا کندھے سے کٹے گا؟ اگر تمہارے حوالے کر دیا جائے، قرآن کریم تو اس میں دیکھ کر بتا سکتے ہو کہ طواف کے سات شوط ہیں صفا و مروہ کے درمیان سعی کے سات چکر لگائے جائیں گے؟ فرمایا: کہ دیکھو احادیث کو سنو سمجھو اس پر عمل کرو تو راہ راست پر رہو گے، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے، اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تو احادیث کو جمع کیا آپ کے پاس قبر پر سجدہ کرنا غیر اللہ کو سجدہ کرنے پر کوئی دلیل قرآن میں ہے نہ احادیث میں ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ہے، نہ ائمہ مجتہدین نے قرآن و احادیث کسی میں سے استنباط کیا ہے، پھر یہ دین کیسے ہوگا، جو شخص آج غیر اللہ کو سجدہ کرنے کو دین کی بات ثواب کی بات بتاتا ہے، یا تو وہ قرآن کریم کو جھٹلاتا ہے، کہ قرآن کا اعلان "الیوم اکملت لکم دینکم۔ الخ" جھوٹ ہے نعوذ باللہ تو جو شخص قرآن کریم ہی کو جھوٹ بتاتا ہے، اسکی نجات کہاں اسکے پاس ایمان کہاں یا پھر وہ حضور اقدس ﷺ پر اعتراض کرتا ہے، کہ اللہ نے تو قرآن پاک میں نازل کیا تھا لیکن حضور اقدس ﷺ نے نہیں پہنچایا، یا پھر وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اعتراض کر رہا ہے، کہ حضور اقدس ﷺ نے تو بتایا تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر نہ خود عمل کیا نہ امت کی رہنمائی کی نہ امت کو بتایا، یا پھر وہ براہِ راست منصب نبوت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، کہ جس طرح حضور اقدس ﷺ بیان فرمایا کرتے تھے، کہ فلاں چیز دین ہے، فلاں

چیز پر عمل کرنا، فلاں چیز پر عمل کرنے سے نجات ہے، فلاں چیز پر عمل کرنے سے جنت ملے گی، جہنم سے نجات ہوگی، جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے، اسی طرح مجھے بھی اس کا اختیار ہے، اپنے لئے منصب نبوت کو تجویز کر رہا ہے، یہ چیز کتنی خطرناک ہے؟

بدعتی کی مذمت

اس لئے ابن ماجہ (ص:٦) کی حدیث میں ہے: "لا يقبل الله لصاحب بدعة صلوٰة ولا صوما ولا صدقة ولا حجة۔ الخ" [جو شخص بدعت میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ نہ اس کی نماز قبول کرتا ہے، نہ روزہ نہ کوئی صدقہ۔ الخ]

ایک روایت میں ہے کہ وہ دین سے ایسے نکل جاتا ہے، جیسے تیر شکار کے بدن سے نکل جاتا ہے، آج کل تیر سمجھنا مشکل ہے، لیکن گولی سمجھنا آسان ہے، ہرن کو گولی مارو، اس کے بدن سے وہ پار ہو کر نکلتی ہے، بدن میں باقی نہیں رہتی، اسی طرح دین اس شخص کے اندر سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے غیر دین کو دین سمجھنا بڑی خطرناک چیز ہے۔

شیطان کا اعلان

حدیث شریف میں آتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجا ہے جنت سے اور شیطان کو بھی بھیجا لعنت کا طوق اسکے گلے میں ڈال کر بھیجا، ملعون بنا کر بھیجا۔

"وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِىٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ" (سورہ ص:۷۸) [اور یقین جان قیامت کے دن تک تجھ پر میری پھٹکار رہے گی۔] (توضیح القرآن:۱۴۰۶/۳)

شیطان نے کہا یا اللہ اس آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکالا، لعنت کا طوق پہنا کر میں بھی اس کی اولاد کو جنت میں آنے نہیں دونگا۔

ارے سمجھ رہے ہو شیطان نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر رکھا ہے، کہ جتنی اولاد آدم ہے

کسی کو جنت میں جانے نہیں دونگا، گناہ کرادونگا، اس سے اللہ نے فرمایا اچھا تو ان سے گناہ کرائے گا میں انکو توبہ کی توفیق دوں گا، توبہ کریں گے، گناہ معاف ہو جائیں گے، اس نے شیطان نے کہا اچھا میں ان کو بدعات میں مبتلا کروں گا۔

توبہ آدمی اس چیز سے کرتا ہے، جس کو گناہ سمجھتا ہے، جس کو گناہ ہی نہ سمجھے، اس سے توبہ کے کیا معنیٰ! وہ تو اس کو دین سمجھ کر کرتا ہے، بدعت ہر وہ چیز ہے، جسے دین سمجھ کر کرتا ہے حالانکہ وہ دین نہیں کسی مسلمان کو آپ نے دیکھا کہ روزہ رکھنے سے توبہ کی ہو، نماز پڑھنے سے، حج کرنے سے زکوٰۃ دینے سے، توبہ کی ہو، توبہ تو گناہ سے کی جاتی ہے، اس نے تو جس بدعت کو اختیار کر رکھا ہے، دین سمجھ کر اختیار کیا ہے، اس سے توبہ کیسے کریگا، اس لئے اکابر کا قول ہے، کہ سب سے زیادہ خطرناک چیز بدعت ہے، ایک آدمی زنا کرتا ہے یقیناً زنا خطرناک چیز ہے، اتنا خطرناک کہ قرآن نے کہا:

"وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا" (بنی اسرائیل:۳۲) [اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو۔] (توضیح القرآن:۸۶۵/۲)

کہ پاس بھی مت جانا اگر پاس گئے تو وہ اپنے اندر کھینچ لیگا، جب آدمی زنا کرتا ہے، عین زنا کی حالت میں وہ مومن نہیں رہتا، گناہ کا ثبوت دو گواہوں سے ہو جاتا ہے، مگر زنا کا ثبوت چار گواہوں سے ہوتا ہے، زنا کی سزا اتنی سخت ہے، محصن (شادی شدہ) کو سنگسار کر دیا جاتا ہے، مگر بدعت زنا سے بھی زیادہ خطرناک ہے، چونکہ زنا کو گناہ سمجھ کر کرتا ہے، اس سے توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، اور بدعت کو دین اور ثواب سمجھ کر کرتا ہے، اس سے توبہ کی توفیق ہی نہیں ہوگی، اس لئے بدعت تمام گناہوں سے زیادہ خطرناک چیز ہے، لہٰذا اس سے بچنے کی بہت ضرورت ہے، اللہ پاک ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین!

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

❑❑❑

حقیقت نسبت

اس بیان میں

☆......نسبت کی تعریف

☆......نسبت کے اقسام

☆......نسبت کے حصول کے طریقے

☆......نسبت کی حفاظت کی صورتیں

☆......نسبت سے متعلق اکابر کے واقعات وارشادات

حقیقت نسبت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ!

ذکر سے ایک نسبت پیدا ہوجاتی ہے، مذکور کے ساتھ، جب آدمی اللہ تعالیٰ کا نام بار بار لیتا ہے، تو اس کا خاص تعلق ہوجاتا ہے، اس کے اوپر خصوصی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی کو نسبت کہتے ہیں، ویسے تو نسبت نام لگاؤ اور تعلق کا ہے، ہر مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ لگاؤ اور تعلق ہے۔ اور ایسا تعلق جو خصوصی اثرات لئے ہو وہ ذکر سے پیدا ہوتا ہے، بسا اوقات ایک مجمع کا مجمع ذکر میں مشغول ہے اتنے سارے قلوب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں خدا سے رحمتیں مانگ رہے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی دریائے رحمت اور دریائے مغفرت جوش میں ہے، جتنا جتنا مانگتے ہیں، اس سے زیادہ زیادہ ملتا ہے، پھر اس سے جب نسبت حاصل ہوجاتی ہے، وہ بھی نسبت ہی ہے، اس میں کچھ مغالطہ نہیں لیکن یہ نسبت سارے ماحول کے اثر سے ہے، اسی وجہ سے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ ذکر کرنے کے بعد آدمی باہر نکلا تو جو کیفیت رمضان میں حاصل ہوئی تھی، اب وہ رہی نہیں ختم ہوگئی۔

اقسام نسبت

اسی وجہ سے فتح العزیز میں سورۂ اقراء کی تفسیر میں لکھا ہے، کہ نسبت کی متعدد قسمیں ہیں، ایک نسبت انعکاسی کہلاتی ہے۔

....

نسبت انعکاسی

نسبت انعکاسی کا حال یہ ہے کہ ایک کا دوسرے پر عکس پڑتا ہے، جتنے ذاکرین ہیں سب کے سب ذکر کرتے ہیں، ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے، اس سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے، یہ ایسا ہے جیسا عطر فروش کے پاس کوئی آدمی گیا وہاں اگر بتی سلگا رکھی ہے، اور عطر کی شیشی کھول رکھی ہے، وہاں بیٹھتے ہی اس کی خوشبو محسوس ہوگی، وہ یقینا خوشبو ہی ہے کچھ غلطی نہیں، شیطان کی تلبیس نہیں اسمیں یقینا خوشبو ہی ہے، حقیقتاً ہے خوشبو مگر کوئی شخص یوں سمجھنے لگے کہ یہ خوشبو میری ہے، میرے اندر سے پیدا ہو رہی ہے، مجھے حاصل ہوگئی ہے، یہ غلط ہے، دوکان سے اتر آیا بس ختم ہوگئی، اسی طریقہ سے اکابر کی مجلس میں بیٹھنے سے، اکابر کی صحبت میں بیٹھنے سے تعلق قلب پر ہوتا ہے، وہ باہر جا کر ختم ہو جاتا ہے، کبھی کبھی اکابر اس نسبت پر بھی اجازت دیدیتے ہیں، نسبت بہت معمولی سی ہے، لیکن سالک کی استعداد سے سالک کی رفتار سے یہ اندازہ ہوتا ہے، کہ انشاء اللہ چلے گا وہ اس کو اجازت دیدیتے ہیں، بعضے آدمی تو اس اجازت کے بوجھ میں دب کر بہت مضمحل ہو جاتے ہیں، سوچ میں پڑ جاتے ہیں، مجھے اجازت دیدی میرے پاس کچھ ہے نہیں، جو کچھ اس کے لئے معمولات تجویز کئے گئے تھے، اس کے اوپر بڑی کوشش سے پابندی سے کام کرتا ہے، تو جتنا جتنا عمل کرتا جاتا ہے اسی قدر اس کی نسبت قوی ہوتی جاتی ہے۔

حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

میں نے حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ حضرت نسبت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا: اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کی توفیق کا نام ہے، نسبت، اللہ تعالیٰ نے جس بندے کو اخلاق فاضلہ عطا فرمائیں اخلاق فاضلہ کیا ہیں؟ اخلاق فاضلہ صبر ہے، شکر ہے، حلم ہے، سخاوت

ہے، ایثار ہے، یہ اخلاق فاضلہ یہ اخلاق فاضلہ اس کے اندر آتے ہیں، اور ان اخلاق کی ضد ہیں، وہ اس میں سے نکل جاتی ہیں۔

اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ

اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کیا ہیں؟ نماز سے اس کو ایسا لگاؤ پیدا ہو جائے، عبادات سے ایسا تعلق پیدا ہو جائے کہ بغیر اس کے صبر نہ آئے جیسے ایک صحت مند جسم ہے، انسان کا اس کو بھوک لگتی ہے، پیاس لگتی ہے، غذا کھاتا ہے، اس کے اندر خون پیدا ہوتا ہے، اعضاء رئیسہ میں جاتا ہے، تمام اعضاء اپنا اپنا کام کرتے ہیں، اور بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں، اپنے کام میں اگر اس کو کھانا نہ ملے تو بے چین ہوتا ہے، اور بھی ایک ایسا آدمی بیمار ہے، معدہ کام کا نہیں کمزور ہے وہ کھاتا ہے، جتنا کھاتا ہے، وہی اس کے لئے بوجھ ہو جاتا ہے، ہضم نہیں ہوتا پریشانی ہوتی ہے، بھوک نہیں لگتی، زور دیکر کسی کے اصرار سے کھاتا ہے، اور کھاتا ہے تو اس سے خون صالح تیار نہیں ہوتا بس ایسا ہی ہے کہ جس شخص کے قلب کے اندر ایک لگن پیدا ہو جائے رغبت پیدا ہو جائے طاعات کی، قربات کی، تو شیخ اس کو اجازت دیدیتا ہے، جیسے تندرست بدن کو بغیر کھائے چین نہیں آتا اور بھوک لگتی ہے، اس کو اسی طرح عبادات اور اعمال صالحہ کی طرف سے اتنا تعلق ہو گیا، کہ بغیر اس کے چین نہیں آتا، وہ آدمی ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، ایک تو اس فکر میں ہے کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے، دوکان میں کیا ہو رہا ہے؟

جلدی جلدی امام صاحب نماز سے سلام پھیریں اور میں جاؤں گویا نماز بوجھ بنی ہوئی ہے، دوسرا شخص چاہتا ہے، کہ کیا اچھا ہو دیر تک امام صاحب نماز پڑھاتے رہیں، تو ظاہر بات ہے دونوں کی نماز میں بڑا فرق ہو گیا، ایک کی نماز اللہ کے قرب کو ابھارتی ہے، دوسرے کی نماز کا یہ حال نہیں، بس جب انسان کے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہو جائے

طاعات اور قربات پر عمل کرنا اس کے لئے طبعی طریقہ بن جائے جیسے بھوک لگتی ہے، کھانا کھاتا ہے، اسی طریقہ پر نماز پڑھتا ہے، اسی طریقہ پر قرآن کی تلاوت کرتا ہے، ذکر کرتا ہے، بغیر اس کے چین نہیں آتا ہے، تو انسان کا ایک ظاہر ہے، ایک باطن ہے، تو ظاہر میں جو کیفیت ہے، اعمال کی جوارح سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں، یہ اعمال اس کیفیت باطنہ سے پیدا ہوتے ہیں، اس کا داعی اور باعث کون ہے، کوئی خارجی چیز نہیں کہ لوگ دیکھ لیں کہ اچھی طرح نماز پڑھ رہا ہے، نماز کو نہیں گیا تو لوگ شکایت کریں گے، اس قسم کی کوئی چیز نہیں بلکہ طبیعت میں ایک قسم کی چیز ہے جو خداوند تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونے پر ابھارتی ہے، بغیر اس کے چین لینے نہیں دیتی تو وہ کیفیت قلبیہ اس کو طریقت کہتے ہیں، اور اس کیفیت قلبیہ سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں، وہ شریعت کہلاتی ہے، قلب میں سوز وگداز ہے مسجد میں آئے بغیر چین نہیں پڑتا اور جب وہ کیفیت زور پکڑتی ہے، تو آدمی چلتا ہے، مجبور ہوتا ہے، مسجد میں آتا ہے، نماز پڑھتا ہے، تو اعضاء و جوارح نے اتباع کی اس کیفیت قلبیہ کی۔

شریعت وطریقت

وہ کیفیت قلبیہ طریقت کہلاتی ہے، اور اس پر جو اعمال صالحہ مرتب ہوتے ہیں، وہ شریعت کہلاتی ہے، تو شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں، مگر یہ دونوں ایسی بندھی ہوئی اور ساتھ ہیں کہ جب وہ کیفیت پیدا ہوگی، تو آدمی لامحالہ اعمال جوارح کریگا، کیفیت قلبیہ نہ ہو تو اعمال جوارح کی پرواہ نہیں کرے گا، آ گیا پکڑ لیا کسی نے چل نماز پڑھ اچھی بات ہے، اس کی کیفیت اور ہے لہذا وہ کیفیت قلبیہ پیدا ہوتی ہے، اگر مستقر اور راسخ ہو جائے، تو وہی نسبت ہے، اسی سے اعمال صالحہ اخلاق فاضلہ حاصل ہوتے ہیں، تو ایک نسبت انعکاسی ہے، اس مجمع کے ایک جگہ ذکر کرنے سے ہر ایک کے قلب

پر اس کا اثر ہوتا ہے، لیکن اس کے اوپر قناعت کر کے نہیں بیٹھ جانا چاہئے، زیادہ سے زیادہ محنت کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔

نسبت القائی

دوسری قسم کی نسبت، نسبت القائی کہلاتی ہے، القائی کا حاصل یہ ہے کہ چراغ جل رہا ہے ایک شخص محلہ کا آتا ہے، چراغ کی بتی سے اپنے چراغ کی بتی جلاتا ہے، اس کے اندر بھی روشنی آجاتی ہے، وہ لے جاتا ہے، اپنے گھر میں رکھتا ہے، تو یہ اس چراغ سے روشنی حاصل کر کے اپنے گھر تک روشنی لے گیا، پہلا شخص دوکان پر بیٹھا ہوا عطر کی خوشبو آرہی تھی، بس خوشبو اس دوکان تک محدود تھی، اور یہ شخص روشنی بھی گھر لے گیا ہوا کے جھونکوں سے بچاتا ہوا اپنے گھر لے گیا، گھر میں رکھا اپنے گھر میں روشنی ہوگئی، جس کمرے میں چراغ کو رکھا وہ کمرہ روشن ہوگیا، مگر بھائی اس میں دیکھ بھال کی ضرورت ہے، اس چراغ میں بتی باقی رہے، تیل باقی رہے، تیل ختم ہوگیا، اور ڈال دیا، بتی کمزور ہوگئی، تو اور ڈالدی، حفاظت کی ضرورت ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ ہوا کے سخت جھونکوں سے بجھ بھی جاتی ہے، یہ نسبت نسبت القائی ہے کہ آدمی شیخ کے قلب سے اپنے قلب کے اندر روشنی لیکر چلا مگر وہ روشنی ابھی اتنی کمزور ہے کہ اندیشہ ہے کہ بجھ نہ جائے، اور یہ بجھتی ہے، ہوا کے جھونکوں سے کون سی ہوا، معاصی سے معاصی کے ارتکاب کرنے سے وہ روشنی ختم بھی ہوجاتی ہے، اس لئے اس کی دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے، دیکھ بھال کرتا رہے اس کی بتی کو ابھارتا رہے، اس میں تیل ڈالتا رہے، ہوا کے سخت جھونکوں سے بچاتا رہے، روشنی رہے گی، اس سے دوسروں کو بھی فائدہ ہوگا۔

نسبت اصلاحی

تیسری نسبت، نسبت اصلاحی ہے، جو پہلی دونوں نسبتوں سے زیادہ قوی ہے، اصلاح

کا حال یہ ہے، کہ ایک بڑا سمندر ہے وہاں سے کھدائی کر کے ایک نہر کو لے آیا باغ تک اور اس کے اندر پانی جاری کر دیا، تو وہ پانی دریا سے آتا ہے، نفع دیتا ہے، خوب چلتا ہے، دریا میں پانی کی روانی خوب ہے وہیں سے پانی اس نہر میں آرہا ہے، غلہ جات بھی اس سے پیدا ہونگے، اور بھی لوگ اس سے پانی لیکر اپنی تعمیر میں خرچ کرینگے آدمی بھی پئیں گے جانور بھی پئیں گے، لوگوں کی پیاس بھی اس سے بجھے گی یہ سب کچھ ہوگا، یہ نسبت زیادہ قوی ہے، اس کا حال یہ ہے کہ کچھ تنکے، لکڑی، کوڑا کرکٹ اسمیں آ گیا تو چوں کہ پانی کی روانی تیزی کے ساتھ ہے تو پانی اس سے رکے گا نہیں، تو ایسے شخص سے کچھ بے احتیاطی بھی ہوئی، کبھی ذکر چھوٹ بھی گیا ناغہ بھی ہو گیا، لیکن اس کا تعلق اتنا گہرا ہو گیا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ نسبت ختم نہیں ہوتی۔

نسبت اتحادی

چوتھی نسبت جو ان تینوں سے قوی ہے، وہ اتحادی کہلاتی ہے، اتحادی کا حال یہ ہے، کہ شیخ کے ساتھ طالب کو اتنا گہرا تعلق ہو گیا، کہ اس کے رنگ میں رنگ گیا دونوں یکساں ہو گئے، میں نے متعدد حضرات کو دیکھا ان کو شیخ کے ساتھ اتنی گہری نسبت، اتنا گہرا تعلق کہ صورت بھی انہیں جیسی ہو گئی، اس کا قصہ بہت مشہور ہے۔

خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور نانبائی کا واقعہ

دہلی میں ایک بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے استفادہ کیا ہے، ان کے ہم عصر تھے، حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ شارح مشکوٰۃ انہوں نے بھی حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا ہے، ان کی خدمت میں رہے ہیں، خواجہ صاحب کے یہاں ناوقت مہمان آ گئے ایسی حالت میں کہ گھر میں ان کے لئے

کھانے پینے کا انتظام نہیں، قریب میں کوئی نانبائی تھا، باورچی کی دوکان کرتا تھا، اس کو خیال ہوا، اُوہو! ان کے یہاں مہمان آ گئے اچھی بات، میں کھانا لیکر چلتا ہوں، خوان لگا کر کھانا عمدہ لیکر حاضر ہوا تو بہت خوش ہوئے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کا طریقہ کچھ ایسا ہی ہے، ان کی ذات کو فائدہ پہنچانے والی کوئی چیز ہدیہ کی جائے اس سے زیادہ خوش نہیں ہوتے، ہاں اگر مہمان آ گئے اور ایسے مہمان جنکی خاطر کرنے کا خود ان کا دل چاہ رہا ہو کہ مہمان کی خاطر مدارات کریں، ان کے یہاں ایسے وقت میں کوئی چیز لے آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں، انہوں نے باورچی سے خوش ہو کر پوچھا مانگ کیا مانگتا ہے، باورچی بیچارہ ایسا ہی آدمی اس نے کہا اپنا جیسا بنا دو حضرت نے کہا کچھ اور مانگ لے، اس نے کہا میری یہی خواہش ہے، اپنا جیسا بنالو۔

خود اس سے پوچھا تھا، کیا مانگتا ہے، اب اس کی فرمائش بھی پوری کرنا ضروری ہوگیا۔

اپنے حجرے میں بیٹھ کر توجہ دی وہ ایسا ہی ہوگیا، جیسے حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے، کواڑ کھولے تو لوگوں نے پہچانا نہیں، پہچاننا مشکل ہوگیا، فرق تھا تو یہ تھا، کہ حضرت وقار اور اطمینان سے بیٹھے تھے، اور وہ باورچی مچھلی کی طرح تڑپتے تڑپتے ختم ہوگیا، جو سوزش جو گداز، حضرت کے قلب میں تھا اور مدت دراز میں وہ حاصل ہوا تھا، تھوڑا تھوڑا کر کے اور قلب کو اس سے مانوس کیا تھا کہ قلب اس کو برداشت کر لے اس باورچی نے خدا کے بندے نے بیک وقت سارے کو لینا چاہا، قلب میں کہاں گنجائش تھی، ختم ہوگیا، تفسیر فتح العزیز میں سورۂ اقراء کی تفسیر میں یہ واقعہ موجود ہے۔

یہ نسبت، نسبت اتحادی ہے، یہ اعلیٰ درجہ کی ہے مگر بہت شاذ و نادر ہے، کسی شخص کے ہزاروں مریدین ہوں، سالکین ہوں، ایک دو کو وہ نسبت حاصل ہوتی ہے، ورنہ عموماً حاصل نہیں ہوتی۔

....

نسبت اتحادی کے حصول کا طریقہ

میں نے حضرت شیخ سے پوچھا یہ نسبت کیسے حاصل ہوتی ہے؟ فرمایا جب آدمی کو اپنے شیخ سے محبت ہوتی ہے پھر محبت کے نتیجہ میں عشق ہوتا ہے، تو اپنی صفات فنا ہوتی ہیں، اور شیخ کی صفات اس کے اندر منتقل ہوتی ہیں، اپنے اندر جو خرابیاں تھیں، اخلاق رذیلہ تھے، اعمال سیئہ بھرے ہوئے تھے، آہستہ آہستہ وہ ختم ہوتے جاتے ہیں، اور شیخ کے جو اعمال صالحہ، اخلاق فاضلہ، اس کے اندر منتقل ہوتے چلے جاتے ہیں، یہ نسبت اس طریقہ پر حاصل ہوتی ہے، یہ اتنا آسان کام نہیں اس کے لئے تو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

رائپور میں کوئی صاحب آئے تھے، ایک بڑا مجمع کا مجمع ذکر کر رہا ہے، سر دھن رہا ہے، انھوں نے کہا یہ چکی تو ہم سے نہیں پیسی جائے گی، دو تین دفعہ اس فقرہ کو انہوں نے کہا یہ ان کا فقرہ حضرت کو پہنچ گیا، حضرت نے ان کو بلایا، کہا کیسی چکی؟ ابھی تو زمین کو صاف کرنا ہے پھر زمین کے اندر کانٹے بھرے ہوئے ہیں، پھر پتھر پڑے ہوئے ہیں، سانپ بچھو بھرے ہوئے ہیں، اس زمین کو کھدائی کر کے صاف کر کے پتھر الگ صاف کرنے ہیں، بچھو سانپ الگ کرنے ہیں، ان کے اندر پانی ڈالنا ہے، پھر اس کو کاشت کے قابل بنانا ہے، پھر ہل چلا کر اس میں بیج ڈالکر اس کی نگرانی کرنی ہے، پھر کہیں جا کر دانہ پیدا ہو، اس کھیتی کو کاٹنا ہے، پھر بھوسہ الگ کرنا ہے، پھر مشین میں لے جانا ہے، آٹا پیسنے کے لئے تو وہاں چکی کا نمبر ہے، آپ نے ابھی کہدیا یہ چکی ہم سے نہیں پیسی جائیگی۔

مطلب یہ ہے کہ قلب کی زمین کا حال یہ ہے جب قلب کی زمین کا حال یہ ہے تو ابھی چکی پیسنے کا کیا سوال؟ ابھی تو کھدائی کی ضرورت ہے ابھی تو سانپ بچھو کانٹے بھرے ہوئے

ہیں، اس کو نکال کر پھینکنے کی ضرورت ہے، تاکہ کاشت کے قابل ہو، اس کے اندر پانی دیا جائے ہل چلایا جائے بیج ڈالا جائے پھر کھیتی تیار ہو اس کے بعد چکی کا نمبر ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے مشائخ اجازت دیدیتے ہیں، اور اجازت کے بعد آدمی مطمئن ہو جاتا ہے، حتی کے ذکر پر مداومت نہیں رہتی چھوٹ جاتا ہے۔

ذکر کا چھوڑنا

ایک مرتبہ تبلیغ جماعت میں جانا ہوا، وہاں پر بعضے آدمی ذکر کر رہے تھے آخر شب میں کسی نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں، جو ذکر کر رہے ہیں، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے کہا بھائی یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ابھی اجازت نہیں ملی جن کو اجازت مل گئی، انہوں نے ذکر چھوڑ دیا یہ نہایت خطرناک چیز ہے، جہاں ذکر چھوٹا پھر معاصی کا ہجوم ہو جاتا ہے، اخلاق رذیلہ عود کر آتے ہیں، ذکر شیطان سے لڑنے کا آلہ ہے، شیطان کو بھگانے کا ذریعہ ہے، جب آدمی ذکر چھوڑ دیتا ہے، تو شیطان ابھر آتا ہے معاصی کراتا ہے، مسلط ہو جاتا ہے۔

مجاز کی دو قسمیں

اسی وجہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہر سال ایک فہرست شائع ہوا کرتی تھی، اس سال فلاں فلاں شخص کو اجازت دی، انہوں نے مجاز کی دو قسمیں بیان فرمادی تھیں۔ مجاز بالصحبت، مجاز بالبیعت۔

مجاز بالصحبت

''مجاز بالصحبت'' کے معنی یہ ہیں کہ آدمی جب بات اچھی طرح کرنے لگے طبیعت میں باتیں اترتی جاتی ہیں، نصیحت کرتا ہے اس سے مشورہ لے لو ٹھیک ہے۔

....

مجاز بالبیعت

''مجاز بالبیعت'' کے معنی یہ ہیں کہ باقاعدہ بیعت کرنے کا مستحق ہے ارشاد تلقین، کرسکتا ہے، اخلاق رذیلہ کو مجاہدات کے ذریعہ بلوا سکتا ہے یہ قابلیت اس کے اندر پیدا ہوگئی، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک فہرست بھی شائع ہوا کرتی تھی، اور کچھ نام بھی بعض دفعہ شائع ہوتے تھے، فلاں فلاں شخص نے اس سلسلہ کو باقی نہیں رکھا جو اذکار، اشغال، ان کو سپرد کئے گئے تھے، اس کی طرف توجہ نہیں دی دوسری لائن میں لگ گیا لہذا اجازت واپس۔

ایک مثال

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک جماعت ہے، مدرسہ میں دورہ پڑھا، عبارتیں خوب پڑھتے ہیں، عبارت مطلب خوب سمجھتے ہیں، امتحان دیا سوالات کے جوابات خوب لکھے قابلیت حاصل ہوگئی، سند مل گئی، لیکن بھئی یہ سند ایسی ہے، کہ اگر اس پڑھنے والے نے اس فارغ شدہ نے اس سلسلہ کو باقی رکھا، خوب اس کا مشغلہ رکھا، پڑھتا پڑھاتا رہا، لکھتا لکھاتا رہا، رات دن میں اس میں لگا رہا، استعداد بڑھتی جائیگی، حتی کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہ شیخ الحدیث بن جاتا ہے، کتابیں بھی تصنیف کرتا ہے، احادیث اس کے رگ وریشہ میں سرایت کرجاتی ہیں ہر ہر گفتگو میں حدیث، حدیث اور اگر ایسا ہوا کہ پڑھنے کے بعد سند لیکر گیا مقالہ نگاری میں لگ گیا کسی رسالہ کا ایڈیٹر بن گیا، یا اخبار کا، حدیث سے تو واسطہ کم، نوک جھونک زیادہ، ادھر اُدھر کی زیادہ کچھ دنوں کے بعد اب اسکو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ حدیث بخاری میں پڑھی تھی یا نہیں مناسبت ختم ہوگئی۔

جو شخص فارغ ہونے کے بعد تدریس میں لگا رہا، تو اس کا علم تازہ رہتا ہے، اس کی

استعداد قوی ہوتی چلی جاتی ہے، اور جس شخص نے اس مشغلہ کو باقی نہیں رکھا، سند اس کے پاس ہے، مگر کیا کرے سند ہی سند اس کے پاس ہے، بس تین چار برس گزر گئے اس نے کہیں تدریس کا کام نہیں کیا، اب کہیں مدرسہ میں مدرس کی ضرورت ہے، آ کر مجھ سے پوچھتے ہیں، فلاں صاحب ہیں ان کو مدرس بنا دیا جائے، آپ کی کیا رائے ہے؟ ہاں انہوں نے پڑھا تو ہے مگر اب معلوم نہیں۔

سوچنے کی بات ہے، تین چار سال سے خالی کیوں؟ کام کا آدمی خالی نہیں رہتا خالی کیوں ہیں اتنا سوچنے کے لئے کافی ہے، پڑھا ہوا اس کے پاس ہے بھی، یا ختم ہو گیا؟ یہی حال ذکر شغل کا بھی ہے۔

اگر کسی شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرمائی اور نسبت مستقر ہو گئی اس کے قلب میں پھر اسکو بڑھاتا رہا، اس میں لگا رہا اس کے اندر ترقی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میاں مولوی محمود جانتے ہو؟ کہ مشائخ جو اجازت دیا کرتے ہیں کیوں دیا کرتے ہیں، کیا مطلب ہوتا ہے، اس کا؟۔

میں نے کہا: حضرت میں نہیں جانتا۔

فرمایا: طالب نے اپنے آپ کو شیخ کے سامنے فنا کر دیا خدمت کرتے کرتے اپنا ارادہ اور اپنی رائے کو بالکل ختم کر دیا بلکہ پورے طور پر شیخ کے تابع ہو گیا، اپنی مرضی کو شیخ کے ماتحت کر دیا، جب اس کے اندر اسکو رسوخ حاصل ہو گیا، عاجزی اور تواضع کا مضمون پختہ ہو گیا، تو شیخ اسکو اجازت دیتا ہے، اچھا جو معاملہ تم نے عاجزی اور تواضع کا میرے ساتھ کیا، اب میں اجازت دیتا ہوں، تمام مخلوق خدا کے ساتھ یہی معاملہ کرنا جو معاملہ اپنے شیخ کے

ساتھ کیا کرتا تھا، وہی معاملہ تمام مخلوق کے ساتھ کرنا، یہ مطلب ہوتا ہے، اجازت دینے کا مشیخت پر بیٹھ کر اپنی حکمرانی شروع کردے، یہ انہوں نے تشریح بتلائی۔

اصل مقصود

بھائی اس واسطے درخواست یہ ہے کہ حق تعالیٰ جن کے قلب میں جو چیز ڈالے وہ خداوندے تعالیٰ کا انعام ہے، اچھی چیز قلب میں آئے وہ اس کا انعام ہے، اس کی قدر کرنی چاہئے، ذکر کی روانی ہو کسی کا ذکر قلبی جاری ہے، ذکر نفسی جاری ہے، ذکر روحی جاری ہے، ذکر لسانی جاری ہے، تلاوت کے ساتھ اس کو خاص شوق ہو گیا ہے، لذت آرہی ہے، آنکھوں میں آنسو جاری ہو رہے ہیں، آہ و بکاء یہ سارے حالات اچھے ہیں، لیکن ان میں کوئی مقصود نہیں، مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے، وہ ہونی چاہئے، مگر ان میں سے کوئی چیز حاصل نہ ہو سکی، رضامندی حاصل ہو جائے وہ ہوتی ہے مزے کی چیز۔

یہ چیزیں اگر پیدا ہو رہی ہیں، تو اس کی قدر کرنی چاہئے، انعام تو سمجھنا چاہئے مگر اپنے اعمال کا مقصود نہ سمجھنا چاہئے، مقصود حق تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

غیر اختیاری چیز کے درپے ہونا

ایک شخص کو پہلے رونا آتا تھا، اب نہیں آتا شکایت کرے، صاحب رونا نہیں آتا، شکایت کرنے سے کیا ہوگا؟ اپنے اختیار میں تو ہے نہیں، غیر اختیاری چیز کے درپے ہونا، پریشان ہونا، کیا ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا چاہئے۔

بلبل بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی، پھول بھی اللہ کا پیدا کیا ہوا، بلبل چلاتی ہے، نالہ کرتی ہے، پھول ہنستا ہے، وہ بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی، پھول بھی اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، اس واسطے غیر اختیاری چیزوں کے ختم ہو جانے سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔

البتہ اگر قلب کے اندر سے مرضیات الٰہیہ کی رغبت نکل جائے وہ خطرناک چیز ہے۔

کیا ہوا ضائع ہونے کے اسباب

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا فلاں صاحب نے درمیان میں یہ حرکت کی تو وہ ساری ہیئت ختم ہوگئی، حضرت نے جواب میں فرمایا آدمی کا کیا ہوا جو ضائع ہوتا ہے، عامۃً اس کے تین سبب ہوتے ہیں، کبھی ناجنس کی صحبت سے وہ ضائع ہو جاتا ہے، کبھی کسی معصیت کے ارتکاب سے ضائع ہو جاتا ہے، کبھی ناموافق غذا سے ضائع ہو جاتا ہے، حرام غذا کھائی قلب کی نورانیت ختم ہوگئی، جو طبیعت میں ابھار تھا کسی طرح اعمال صالحہ میں لگا رہوں، ختم ہوگئی، اب طبیعت آمادہ نہیں ہوتی اعمال صالحہ کی طرف۔

کسی نااہل کے پاس بیٹھ گئے، جادوگر کے پاس بیٹھ گئے، سادھو کے پاس بیٹھ گئے، کسی اہل باطل نے ریاضت کی تھی قلب کے اندر کوئی قوت پیدا ہوگئی تھی، اس کے پاس بیٹھ گئے اس کے اثر سے معاملہ ختم ہوگیا، اس لئے ناجنس کی صحبت سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، معصیت کے ارتکاب سے بھی بچنے کی ضرورت ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی طبیعت میں کسی عمل صالحہ کا داعیہ پیدا ہوا مگر اس کو اس نے نہیں کیا آگے وہ داعیہ بند ہوگیا۔

روزانہ ایک شخص خواب دیکھتا ہے، تہجد کے وقت اپنے شیخ کو دیکھتا ہے، جب نماز کا وقت آتا ہے، دن میں سوتا ہے، جب رات میں سوتا ہے، تب اپنے شیخ کو خواب میں دیکھتا ہے، بیدار ہو کر نماز پڑھتا ہے، ایک وقت خواب میں دیکھا نہیں اٹھا بیدار ہونے کے باوجود لیٹ گیا، سو گیا، اس دن سے دیکھنا بند ہوگیا۔

لطیفۂ غیبی

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

لطیفہ غیبی مہمانے است: نازک مزاج کہ بہ ادنیٰ بے التفاتی رو گرداند جو کچھ خواب میں دیکھا وہ لطیفہ غیبی ہے، یہ نازک مزاج مہمان ہے تھوڑی بے توجہی کریگا تو مہمان واپس چلا جائیگا، کسی کے یہاں کوئی معزز آدمی مہمان آئے اور وہ مہمان کی خاطر مدارات کرنے کے بجائے اپنے گھر جا کر گھس کر بیٹھ جائے کہیں اور چلا جائے مہمان ٹھیہریگا نہیں، ٹھہرنے کو اپنی عزت کے خلاف سمجھے گا۔ اسی کو اکبر شاعر نے کہا ہی :

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہوگیا
وہ زنانے میں گھسے مہمان رخصت ہوگیا

تو گویا کہ ایمان معزز مہمان ہے، یہ زنانہ میں گھسے نفس پرستی میں، شیطان کے تعلقات میں مہمان رخصت ہوگیا۔

اسلئے حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی اس قسم کا انتباہ ہے، بیدار کیا جاتا ہے، تنبیہ کی جاتی ہے، اس کا اعزاز و اکرام کرنا چاہئے اس کی قدردانی کرنی چاہئے اعزاز و اکرام یہی ہے، آدمی فوراً اس کے لئے کھڑا ہو جائے۔

اور بے توجہی، بے التفاتی یہ ہے کہ آدمی اپنے کام میں لگ جائے کہ خواب تو روز آتے ہی رہتے ہیں کیا بات۔

❑❑❑

محاسبۂ نفس اور اتباع سنت

اس بیان میں

☆......اتباع سنت کی اہمیت وفضیلت

☆......اتباع سنت سے متعلق حضرات اکابر کے واقعات وارشادات

☆......اتباع سنت سے متعلق محاسبۂ نفس

☆......خلاف سنت اور غیروں کی مشابہت سے اجتناب کی ضرورت

محاسبۂ نفس اور اتباع سنت

حافظ محمد حسین اجراڑوی ؒ کا خط حضرت مدنی ؒ کے نام

اجراڑہ ضلع میرٹھ کے ایک بزرگ تھے حضرت حافظ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے مخصوص لوگوں میں تھے، گھٹنے کے پاس سے دونوں پاؤں اندر کی طرف مڑے ہوئے تھے، دو چار قدم تو چل لیتے تھے، لیکن کہیں جانا ہوتو کمر پر سوار ہوکر تشریف لے جاتے تھے، آزادی کے بعد انہوں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا (خط تو انہوں نے اور لوگوں کو بھی لکھا تھا، مثلاً مولانا آزاد، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کو، معلوم نہیں ان حضرات کو کیا خط لکھا اور انہوں نے کیا جواب دیا) حضرت مدنی ؒ کے خط میں تحریر فرمایا پہلے آپ والنٹر تھے انگریز کے خلاف جہاد فرماتے تھے آپ کے لئے سیاہ خضاب درست تھا، اب اللہ نے آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی دیدی اب آپ قوم کے صدر ہیں، اب سیاہ خضاب کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا، کہ انشاء اللہ حکم کی تعمیل کی جائیگی چنانچہ اس کے بعد سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے سیاہ خضاب نہیں فرمایا۔

دوسالن کا ثبوت

یہی حافظ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کثرت سے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں

تشریف لاتے تھے، ایک بار حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر تشریف لائے کھانے کا وقت ہوا، مہمانوں میں کوئی صاحب بیمار تھے ان کیلئے الگ سے ایک برتن میں پرہیزی سالن آیا اور بقیہ مہمانوں کیلئے حسب معمول ایک بڑے برتن میں عام سالن تھا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں معمول یہی تھا، کہ گول دسترخوان ہوتا تھا ایک بڑی رکابی میں سالن ہوتا جو درمیان میں رکھدیا جاتا ایک کپڑے میں روٹیاں لپٹی ہوئی ہوتیں جو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے پاس رکھتے اور ہر مہمان کے آگے ابتداءً دو دو روٹی رکھدیتے اور ہر طرف تیز نظر رکھتے جس کے سامنے کی روٹی ختم ہونے لگتی ختم ہونے سے پہلے ہی اس کے آگے روٹی رکھ دیتے اس دن خلاف معمول دو طرح کا سالن دیکھ کر حضرت حافظ محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مولانا! کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر بھی کبھی دو طرح کے سالن ہوتے تھے؟ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے بجائے اس کے کہ حدیث پاک سے وہ روایت پیش کرتے جس سے دو طرح کے سالن کا ثبوت ملتا ہے، فرمایا کہ حضرت آپ ہم سے اتباع سنت کا مطالبہ کرتے ہیں، ہم تو پیٹ کے گدھے ہیں، ہم سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے۔

مولانا احمد شاہ مرادآبادیؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ

مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسن پور مرادآباد کے رہنے والے بہت بزرگ آدمی تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص تعلق تھا، ایک مرتبہ دیوبند تشریف لائے، میں نے بھی ملاقات کی، فرمایا کہاں مکان ہے؟ میں نے بتلایا گنگوہ فرمایا کیا پڑھتے ہو عرض کیا بخاری شریف، ترمذی شریف وغیرہ فرمانے لگے تکرار بھی کراتے ہو؟ عرض کیا حضرت میرا تو شروع سے یہ معمول ہے کہ گذشتہ سال جو کتابیں پڑھیں ہیں اگلے سال ان کا تکرار کراتا ہوں، فرمایا پھر تو لاؤ تمہارے ہاتھ چوم لوں۔

....

ناشکری کی سزا

آخر عمر میں پیشاب کا عارضہ ہوگیا تھا نلکی کے ذریعہ پیشاب ہوتا تھا شیشی نلکی ہاتھ میں لئے رہتے تھے، اسی حال میں سفر فرماتے تھے، کسی نے پوچھا یہ بیماری کیسے ہوگئی، فرمایا: میری بدعملی سے، فرمایا: ہر روز دو چار دفعہ آسانی وعافیت سے پیشاب ہوتا تھا مگر اس چھوٹی زبان سے کبھی اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا نہیں ہوا، اس سے بڑھ کر بدعملی کیا ہوگی اور ناشکری کی سزا معلوم ہے؟

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" (سورۂ ابراھیم: ۷)

[اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دونگا، اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔] (توضیح القرآن: ۷۸۱/ ۲)

مولانا احمد شاہ صاحبؒ اور حضرت مدنیؒ

ایک بار حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تشریف لائے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا تو بجائے مصافحہ اور معانقہ کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے اور پیر چومنے کی کوشش کی، مولانا احمد شاہ صاحب نے فرمایا آپ ہمیں کیوں ذلیل کرتے ہیں، حضرت مدنی نے فرمایا ذلیل تو آپ کرتے ہیں، کہ ہاتھ بھی نہیں چومنے دیتے۔

اس کے بعد دونوں حضرات نماز کیلئے مسجد تشریف لے گئے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ ذرا آگے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا جوتا اتار کر مسجد کے باہر ہی رہنے دیا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول پہلے یہ تھا کہ اندر رکھ لیتے تھے، ایک مرید نے اصلاح کر دی تھی، معمول یہ تھا کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت پیر پیچھے کی طرف سے ذرا اٹھایا اور ایک جوتا نکال لیا اور مسجد میں

داخل ہو گئے، ایک بار جب آپ نے جوتا نکالنے کے لئے پیر اٹھایا تو ایک مخلص مرید نے جوتا لینے کے لئے حضرت کے دونوں پیر ایک دم پکڑ لئے جس سے حضرت گر گئے اور گھٹنوں میں چوٹ آ گئی، اس واقعہ کے بعد سے حضرت اپنا جوتا باہر ہی چھوڑ دیتے تھے۔

اس روز آپ جوتا اتار کر اندر داخل ہوئے پیچھے سے حضرت مولانا شاہ صاحب آئے اور انہوں نے حضرت مدنیؒ کے دونوں جوتے اٹھا لئے اور یہ کہتے ہوئے حضرتؒ کے جوتے چوم لئے کہ اے اللہ تیرے اس بندے نے میرے ہاتھ چومے تھے میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اس کے بدلے میں اس کے جوتے چوم رہا ہوں۔

مولانا شاہ احمد صاحبؒ اور مولانا احتشام الحق صاحبؒ

کاندھلہ میں ایک بزرگ مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، ان کے دو بھائی اب بھی موجود ہیں ایک دہلی نظام الدین میں مولانا اظہار الحسن صاحب دوسرے مولانا افتخار الحسن صاحب۔ مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سنایا: کہ مولانا احمد شاہ صاحب نے ایک بار مجھ سے فرمایا: بھائی مولوی احتشام! مجھے کلکتہ جانا ہے، ایک صاحب نے بلایا ہے، وہ ایک مکان تعمیر کرانا چاہتے ہیں، ان کی خواہش ہے کہ اس کی بنیاد میں رکھوں، میری خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ چلو تمہارے ہاتھ سے بنیاد رکھوا دونگا میں نے کہا: اچھی بات ہے، سفر شروع کرنے سے پہلے فرمایا بھئی احتشام! تم امیر سفر ہو گے۔

ستاون برس میں تہجد قضا نہیں ہوئی

کلکتہ پہنچ کر حضرت شاہ صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی، دست پر دست آنے لگے وہ ہمیشہ باوضو رہنے کے عادی تھے، رات کو اٹھتے قضائے حاجت کے بعد وضو کرتے، کئی مرتبہ ایسا ہوا، مولانا احتشام صاحب نے فرمایا، حضرت آپ نے مجھے امیر بنایا ہے، آپ کا بنایا ہوا

امیر آپ کی خدمت میں درخواست کرتا ہے، کہ آج آپ تہجد کے لئے نہیں اٹھیں گے، یہ سنکر بالکل خاموش ہو گئے نہ ہاں کہی نہ نہیں، جیسے گہری سوچ میں پڑ گئے ہوں، پھر جب صبح صادق ہونے میں تقریباً ایک گھنٹہ رہ گیا، تو اس وقت مولانا احتشام صاحب کا انگوٹھا پکڑ کر ہلا یا وہ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ شاہ صاحب بے تحاشاہ رو رہے ہیں، پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے، فرمایا: کہ ستاون برس ہوئے میں نے حضرت گنگوہیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اس وقت سے اب تک کبھی تہجد قضا نہیں ہوئی، تم نے منع کر دیا تم امیر ہو، میں حضرت گنگوہیؒ کا واسطہ دیکر کہتا ہوں، کہ مجھے اجازت دیدو، پس مولانا احتشام صاحب نے کہا کہ حضرت آپ کو اجازت ہے، جس طرح آپ چاہیں کریں۔

خود بنیاد رکھنے کی وجہ

پھر جب بنیاد رکھنے کا وقت آیا خود جا کر بنیاد رکھدی، مولانا احتشام صاحب سے پوچھا تک نہیں انہوں نے قیام گاہ پر پہونچنے کے بعد دریافت کیا کہ حضرت آپ تو مجھے بنیاد رکھنے کے لئے ساتھ لائے تھے، کیا ہوا مجھے پوچھا تک نہیں! فرمایا ہاں بھائی تمہیں لایا تو تھا اسی لئے کہ تم صالح شخص ہو تمہارے ہاتھ سے بنیاد رکھوادوں گا، تاکہ میرے گناہوں کی نحوست اثر انداز نہ ہو، لیکن میں نے جو دیکھا تو گڈھا بہت گہرا کھدا ہوا تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اس میں اترنے میں تمہیں چوٹ نہ لگ جائے میں نے سوچا کہ حق تعالیٰ کو تم سے کام لینا ہے، تم بچ جاؤ چوٹ لگنی ہو تو مجھے لگ جائے میرا کیا میں تو بوڑھا ہو چکا، مجھے چوٹ لگے تو کیا مضائقہ ہے، اگر ختم بھی ہو جاؤں تو کوئی حرج نہیں۔

بڑی رقم واپس کر کے معمولی رقم قبول کرلی

جن صاحب نے بلایا تھا انہوں نے ساڑھے نوسو ۹۵۰/روپے ہدیہ میں پیش کئے

مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محض کرایہ کے پیسے لے لئے بقیہ واپس کر دئے، اسکے بعد نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لئے گئے، وہاں ایک صاحب نے پندرہ روپئے نذر کئے وہ قبول کر لئے اور اس میں سے نصف یعنی ساڑھے سات روپے مولانا احتشام صاحب کو دیدیئے پوچھا کہ حضرت اس میں کیا بات تھی، انہوں نے ساڑھے نوسو روپے دیئے قبول نہیں کئے اور پندرہ روپئے قبول کر لئے، اور اس میں سے ساڑھے سات روپے مجھے دئے اس کی کیا وجہ؟ فرمایا بات یہ ہے کہ میرے ذمہ قرض تھا ساڑھے نوسو روپے، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ یا اللہ میرا قرض ادا کرادے اس کے بعد ان صاحب کا خط پہنچا بلانے کیلئے میں سمجھا کہ میرے قرض کی ادائیگی کا انتظام ہو رہا ہے، اور یہ اشراف نفس ہے، اشراف نفس کے ساتھ لینا کہاں درست ہے، اسلئے میں نے نہیں لئے، اس کے بعد مسجد گئے نماز پڑھنے کے لئے خیال بھی نہیں تھا کہ کوئی کچھ دیگا اس بیچارہ نے محض اللہ تعالیٰ کی محبت کے واسطے دیا، جو ہدیہ مسنونہ ہے، جس کا قبول کرنا سنت ہے، اس لئے ہم نے قبول کرلیا اور تم چونکہ میرے شریک سفر ہو، اور "الهدية مشتركة" لہٰذا آدھا تمہارا ہوا آدھا میرا، اس لئے ساڑھے سات روپے تم کو دیئے۔

نسخۂ جامعہ

ان حضرات کے یہاں ایک ایک چیز میں احتساب نفس ہوتا تھا، ہر چیز میں اتباع سنت ملحوظ ہوتا تھا، ہر چیز کا ماخذ سامنے رہتا تھا، اسی لئے پچھلے بزرگ حضرات جہاں کسی بزرگ کا تعارف کراتے ہیں، تو لکھتے ہیں 'نسخہ' فلاں صاحب نسخہ جامعہ ہیں یعنی ہر چیز کی رعایت اس میں ہے جیسے طبیب کا نسخہ ہوتا ہے، اس میں اخلاط اربعہ کی رعایت ہوتی ہے، اس کو معتدل بنایا جاتا ہے، اسی طریقہ پر وہ زندگی گزارنے کیلئے تربیت کا نسخہ ہیں، ان کے پاس جانے سے آدمی کی طبیعت بدلتی ہے۔

....

ننگے سر کھانا

وہی حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سہارن پور تشریف لاتے تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے بیٹے کی شکایتیں کیا کرتے ایک بڑی شکایت یہ تھی، کہ حضرت وہ تو ننگے سر بیٹھ کر کھانا کھالے، حضرت شیخ بھی ننگے سر بیٹھ کر کھانا کھالیا کرتے تھے، گرمی کے زمانہ میں ایک لنگی باندھے ہوئے ننگے سر دارالمطالعہ دارالتصنیف میں بیٹھے ہوئے مشغول ہیں کھانے کی اطلاع ہوئی اسی حال میں آ کر کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔

کبھی دیکھا کہ مولانا احمد شاہ صاحب تشریف لا رہے ہیں، فرماتے ارے بھئی دیکھو ٹوپی ہے کسی کے پاس؟ دیجیو ذرا، ٹوپی جلدی سے سر پر رکھ لی۔

گنگوہ میں ایک شخص بتلاتے تھے کہ میں نے مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے متعلق دریافت کیا کہ بیعت کس سے ہوں؟ مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بتایا اس نے ایک دوسرے صاحب کا نام لیا۔ (وہ صاحب عالم نہیں تھے جن کا نام لیا) حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بولے: کتنی اچھی تعبیر دی۔ فرمایا:...... بھائی دیکھو تو سہی تمہیں جانا ہے حج کو ایک شخص تو یہاں سے دہلی تک کا راستہ جانے اور ایک یہاں سے مکہ تک کا جانے بتاؤ کس کے ساتھ جاؤ گے؟ ان کے صاحبزادے تھے مولانا محمود صاحب وہ بھی دیوبند آیا کرتے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مجاز بھی تھے۔

اللہ سے ملانے کی شرط پر حاضری کی اجازت

ایک صاحب نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا، کہ میں آپ کی خدمت میں آنا چاہتا ہوں، شرط یہ ہے کہ اللہ سے ملا دیجیو۔ حضرت نے دریافت فرمایا: کیا کام کرتے ہو؟

گذارہ کاذریعہ کیا ہے؟ کتنے روز کے لئے آسکتے ہو؟ اس نے کہا: کہ میں سرکاری ملازم ہوں، مجھے ایک مہینہ کی چھٹی مل سکتی ہے، اور جو ملازمت کی تنخواہ ہے وہی گذارہ کاذریعہ ہے، چارپائی پر لیٹنے کا عادی ہوں۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا: چارپائی میرے یہاں نہیں چٹائی پر لیٹنا ہوگا، یہاں خرچ کی ضرورت نہیں جو میں کھاؤنگا وہ آپ کھائیں گے، ایک مہینہ کی تنخواہ بیوی بچوں کو بھیجد یجئے اور فوراً چھٹی لیکر آجائیے آتے ہی یہ خط مجھے دکھلا دیجئے۔

وہ صاحب آئے حضرت نے مطالبہ کیا آپ کو تو کل پہنچنا چاہئے تھا، ایک دن کہاں خرچ کیا؟ اس نے کہا: فلاں عزیز سے دیر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، میں نے سوچا اس سے ملتا جاؤں، حضرت نے فرمایا: اتنے بڑے کام کے لئے زندگی میں صرف ایک مہینہ نکالا اسمیں بھی ایک دن خرچ کر دیا، مقصد تو اتنا بڑا کہ اللہ سے ملا دیجئے اور ساری زندگی میں اس مقصد کیلئے ایک مہینہ نکالا اس میں سے بھی ایک دن خرچ کر دیا، چنانچہ وہ صاحب ٹھہرے اور اسی مدت میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

دوزخ میں نہیں بھیجیں گے؟

ایک صاحب حضرت گنگوہیؒ کے یہاں مجلس میں بہت روتے تھے، کانپتے تھے، جب زیادہ بے تابی ہوئی، حضرت نے دریافت فرمایا کیا بات ہے، کیوں اتنا پریشان ہو؟ کہنے لگے دوزخ سے ڈر لگے ہے، گناہ بہت ہیں، حضرت نے فرمایا نہیں گھبرانے کی بات نہیں مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ تیرے آدمی کو دوزخ میں نہیں بھیجیں گے۔

شیخ کے والد مولانا محمد یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مسئلہ تلاش کر رہے تھے، نہیں ملتا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا: فلاں مسئلہ نہیں ملتا۔ فرمایا: شامی میں دیکھو، کہا: حضرت دیکھ لیا، شامی میں نہیں ہے، فرمایا: بھئی اس میں ہے، پھر عرض

کیا: حضرت اس میں نہیں فرمایا اچھا فلاں جلد اٹھا کر میرے پاس لاؤ، اس زمانہ میں حضرت کی بینائی نہیں تھی، حضرت نے اس جلد کو اس طرح کھولا کہ دوتہائی ورق ایک طرف اور ایک تہائی ورق ایک طرف اور فرمایا: کہ اس صفحے میں نیچے کی جانب دیکھو دیکھا تو مل گیا، عرض کیا: کہ ہاں حضرت ہے، فرمایا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ تیری زبان سے کبھی غلط بات نہیں کہلوائیں گے۔

مولانا وارث حسین صاحبؒ سے ایک رضا خانی کی بیعت

لکھنؤ میں ایک شخص تھے، مولوی حافظ وارث حسن صاحب مولانا فخر الدین صاحبؒ نے مجھ سے خود فرمایا کہ انہوں نے مولانا وارث حسن صاحب نے مشکوٰۃ حفظ کر کے حضرت شیخ کو سنائی اور قرآن پاک حفظ کر کے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا، انکے مریدین بھی بہت تھے، سرکاری ملازم وکیل، بیرسٹر، ڈپٹی کلکٹر اس لائن کے لوگ انسے بہت مرید تھے، کوڑہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے، ان کے ایک بیٹے بھولے میاں صاحب لکھنؤ میں ایک مسجد ٹیلے والی کہلاتی ہے، اس میں رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے سے چمٹا لیا

ایک شخص نے ان سے آکر کہا، کہ میں مرید ہونا چاہتا ہوں، مگر فلاں فلاں کو میں مسلمان نہیں سمجھتا (اکابر دیوبند کے نام لیکر) وہ شخص پکا رضا خانی تھا۔ اسی حالت میں آپ مجھے مرید کرسکیں تو کرلیں فرمایا اچھی بات ہے، مرید کرلیا، پھر ایک روز وہ آیا اور بہت روتا ہوا آیا کانپتا ہوا آیا بہت پریشان، فرمایا: کیا بات ہے؟ بتایا: کہ توبہ کرنے آیا ہوں۔ میں نے خواب میں دیکھا: کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوزانوں مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت کے پیر مبا

رک پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں، اور دریافت کر رہے ہیں حضور! میرا قصور تو بتائیے کیا ہے، یہ لوگ مجھے برا کیوں کہتے ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھ گٹے سے پکڑے اور اس طرح سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا: بھئی میں تو برا نہیں کہتا۔

اس خواب کو دیکھ کر توبہ کی کہ میں آئندہ برا نہیں کہوں گا۔

بنارس کے ایک سادھو کا مراقبہ

بنارس میں کوئی سادھو مرتاض تھا سال بھر کے تین سو انسٹھ (۳۵۹) دن وہ مراقبہ میں رہتا تھا تمام ضروریات بشریہ سے فارغ ایک ہیئت پر بیٹھا رہتا تھا، سال بھر میں صرف ایک روز اپنی جگہ سے اٹھتا تھا، لوگ دور دور سے اس کو دیکھنے کے لئے آتے تھے۔

شاہ وارث حسن صاحب نے سنا کہ آج اسکے نکلنے کا دن ہے، وہ بھی اس کو دیکھنے کے لئے گئے، وہ نکلا بالکل سیاہ کوئلہ اور پتلی پتلی ہڈیوں پر چمڑا مڑھا ہوا، گوشت بالکل نہیں، اور بھوئیں نیچے تک آئی ہوئیں جیسے ہی اس کے پاس پہنچے تو پورا جسم ایسا ہو گیا جیسا آئینہ ہر ہر چیز کا انعکاس اس میں ہو رہا ہے، ہر چیز نظر آرہی ہے، اس حالت کو دیکھ کر یہ بہت گھبرائے کہ یہ کیا ہوا، فوراً حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تصور کیا جسم ٹھیک ہو گیا، جیسا پہلے اچھا خاصا تھا، سادھو نے بھویں یوں اٹھا کر کہا، تیرا گرو کون ہے؟ بتلایا مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، سادھو نے کہا: مسجد ہے مسجد کی پشت پر صحن ہے اس میں گولر کا درخت کھڑا ہے، سہ دری بنی ہوئی ہے گولر کے درخت کے نیچے چارپائی ہے اس چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں، تکڑا گرو ہے۔

کفر کے ساتھ ریاضت

سوال: کفر کے ساتھ بھی کیا یہ چیزیں جمع ہو سکتی ہیں؟۔

....

جواب :۔ جو چیز اللہ کے یہاں مقبولیت کی ہے، وہ تو کفر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی جس چیز کا تعلق ریاضت سے ہے وہ جمع ہو سکتی ہے، آپ ڈاکٹر کارات دن مشاہدہ کرتے ہیں کہ آپریشن کر دیتے ہیں، تو کیا کفر کے ساتھ بھی یہ چیزیں جمع ہو سکتی ہیں، یہ قبولیت کی چیز نہیں یہ محنت کی چیز ہے، جو محنت کریگا کامیاب ہو جائیگا، شیطان کو تو کفر کے ساتھ بہت کچھ آتا ہے، اس کا تو کفر بھی قرآن شریف سے ثابت ہے۔

"اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ" (سورۂ ص:۷۴)

[اس نے تکبر سے کام لیا، اور کافروں میں شامل ہو گیا۔] (توضیح القرآن:۱۴۰۵/۳)

آسمان پر جانا کشف ہونا اور بہت سی چیزیں اور "اِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآئِهِمْ" شیاطین وحی بھی اپنے اولیاء کی طرف بھیجتے ہیں، (یعنی وساوس) دھوکہ ان چیزوں کو مقبولیت کی علامت سمجھنے سے ہوتا ہے۔ (سورۂ انعام:۱۲۱)

اتباع سنت

افریقہ میں کسی صاحب نے کسی جوگی کا مقولہ نقل کیا کہ امریکہ میں ایک شخص کہتا ہے، کہ مسلمانوں کے پاس کیا چیز ہے، جو ہمارے پاس نہیں جتنے تصرفات یہ کر سکتے ہیں اس سے زیادہ ہم کر سکتے ہیں۔

میں نے کہا مسلمانوں کے پاس اتباع سنت ہے، آجاؤ کر لو مقابلہ مسلمان صرف اتباع سنت چاہتا ہے، اور کچھ نہیں چاہتا۔

ہولی کے رنگ سے حفاظت

ایک دفعہ ہولی کا دن تھا، رنگ کھیلا جا رہا تھا، مجھے سہارنپور سے سفر درپیش ہوا اسٹیشن تک پیدل ہی گیا، اسی رنگ میں کو اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی کہیں رنگ نہیں پڑا، ٹرین

میں سوار ہوا ہر دوئی گیا، ہر دوئی میں رکشہ کیا اور دوسرا آدمی میرے ساتھ رکشہ میں کوئی ہندو جنٹلمین تھا، ایک جگہ پہنچ کر جتھے کا جتھا کھڑا ہوا تھا پچکاریاں لئے ہوئے، ایک آگے کو میری طرف بڑھا میں نے رکشہ والے کی طرف ہاتھ آگے کر کے کہا: نہیں خبردار اشارہ کیا سب رک گئے، آپس میں کہنے لگے ایک دوسرے سے، ہیں دیکھ بھی لیا کریں آدمی کو یوں ہی کسی کے اوپر نہیں پڑ جایا کرتے، اس ہندو نے کہا کہ آپکی وجہ سے میں بچ گیا ورنہ میرا تو یہ الو بنا دیتے آپکے ساتھ کیوجہ سے بچ گیا۔

میں نے کہا آپ تو ساتھ رہتے ہی نہیں ساتھ رہیں تو وہاں بھی بچ جائیں مگر آپ کو تو پڑھایا ہی گیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ نہ ملیو، ان سے چھوت چھات رکھیو۔

❑❑❑

اکابر کے اصلاح وتربیت کے بعض نمونے

اس بیان میں

اخلاص وللہیت، زہد وتقویٰ، دنیا سے بے رغبتی، تواضع وعبدیت سے متعلق حضرات اکابر کے چند سبق آموز واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

اکابر کے اصلاح وتربیت کے بعض نمونے

ہرایک کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں

گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بخاری شریف کا سبق ہو رہا ہے، (فخر العلمائ) حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ذکی طالب علم موجود ہیں، اسمیں حدیث آگئی:

"لا تُفَضِّلُوْنِي عَلٰى يُوْنُسَ ابْنِ مَتّٰى" (اتحاف السادۃ: ۱۰۵/۲)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو، طلبہ نے مطالبہ کیا کہ کیوں نہ فضیلت دیں، جب آپ ہیں افضل قرآن پاک میں ہے:

"تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" (سورۂ بقرہ: ۲۵۳)

[یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کے لئے) بھیجے ہیں۔ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔] (توضیح القرآن: ۱۶۰/۱)

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے افضل ہونا، یقینی چیز ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

نے جواب میں فرمایا: یہی تو علامت ہے افضل ہونے کی جو افضل ہوتے ہیں، وہ یوں ہی کہا کرتے ہیں، کہ مجھے افضل مت کہو، طلباء نہیں مان رہے ہیں، اشکال پہ اشکال پیدا کررہے ہیں، تو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو لکھا ہے کہ پھر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری قوت سے کام لیا، فرمایا: طلبا سے پوچھا کہ بتاؤ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ سب نے کہا کہ سچا۔ فرمایا: میں اگر کسی بات کو قسم کھا کر بیان کروں اسے سچا سمجھو گے یا جھوٹا سب نے کہا کہ حضرت اس میں تو جھوٹ کا احتمال ہی نہیں بالکل سچ سمجھیں گے، ایک بات تو یہ ہوئی، دوسری بات یہ بتاؤ کہ میں تم سے افضل ہوں یا نہیں؟ سب نے کہا: بالکل افضل ہیں، ہم سے پھر قسم کھا کر فرمایا: کہ میں تم میں سے ہر ایک کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں۔

اور ایسے طریقہ پر کہا: کہ سارے مجمع کی چیخیں نکل گئیں سب بیتاب ہوگئے، اور حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، کہ مولانا ذبح کرکے مجمع کو تڑپتا ہوا چھوڑ کر اپنے حجرے میں تشریف لے گئے، اگلے روز جب سبق پڑھانے کیلئے تشریف لائے تو پھر دریافت فرمایا کہو بھائی کل والی حدیث کا مطلب سمجھ میں آ گیا طلبہ نے کہا جی خوب سمجھ میں آ گیا، اصلاح کا بڑا عجیب طریقہ تھا۔

گنگوہ نواب صاحب کی آمد

ایک نواب صاحب آئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حضرت شیخ کے والد مولانا محمد یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ منتظم تھے وہاں کے نواب صاحب کا ایک مستقل دوسرے مکان میں قیام تجویز کیا، خانقاہ کے حجرے میں نہیں اور حضرت گنگوہیؒ کا حال یہ تھا کہ معمولی بوریئے پر بھی بیٹھے بوری پر بیٹھے بیش قیمت قالین پر بھی بیٹھے، نہ چٹائی پر بیٹھنے سے عار، نہ بیش قیمت قالین پر بیٹھنے سے استکبار، اور اس وقت میں جب نواب صاحب آئے ہیں، تو تین بیش

قیمت قالین حضرت کے نیچے بچھے ہوئے تھے، حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں سے ایک قالین اٹھوا کر نواب صاحب کے لئے اس مکان میں بھجوادیا، جب حضرت بیٹھنے کیلئے اپنی مسند تشریف لائے، ہاتھ پھیرا قالین پر چونکہ بینائی تھی نہیں اس زمانہ میں قالین پر ہاتھ پھیرا دریافت فرمایا وہ قالین کہاں ہے؟ قالین نہیں! اب کوئی کچھ نہیں بولتا خطاب بھی کوئی خاص نہیں، پھر خطاب خاص کر کے فرمایا: مولوی صاحب وہ قالین کہاں ہے؟ ''مولوی صاحب کے معنیٰ'' مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، انہوں نے جواب دیا: کہ حضرت! نواب صاحب کا فلاں مکان میں قیام ہے ان کے لئے وہ قالین بھجوادیا، حضرت نے فرمایا اچھا تو نواب صاحب قالین پر بیٹھنے تشریف لائے ہیں، ان کے یہاں کچھ کمی تھی قالین کی آدھی نوابی تو نواب صاحب کی یہاں جھڑ گئی اس فقرے سے کہ قالین پر بیٹھنے تشریف لائے ہیں، ان کے یہاں کچھ کمی تھی قالینوں کی، پھر جب کھانے کا وقت آیا تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے وہ وہاں سے کھسکنے لگے۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے تاڑ لیا فرمایا کہ مولوی محمود کہاں چلے، نواب صاحب کو غریب طالب علموں کے ساتھ اگر کھانا پسند نہ ہو تو اپنا الگ کھالیں، ہم تم کو نہیں چھوڑ سکتے ہمارا تمہارا تو مرنے جینے کا ساتھ ہے۔ اس سے نواب صاحب کو خوب سمجھ میں آ گیا کہ غریب طالب علموں کی کیا حیثیت ہے اور ہماری کیا حیثیت ہے، میں تو سوچتا ہوں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو کتنی خوشی ہوئی ہوگی جب انہوں نے یہ سنا کہ حضرت نے فرمایا: کہ ہمارا تمہارا تو مرنے جینے کا ساتھ ہے، اطمینان ہو گیا کہ ہم ساتھ ہیں۔

مولانا حبیب الرحمٰنؒ کی خدمت اور ان پر توجہ

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ تہجد کے وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو چائے پلایا کرتے تھے، اور چائے بہت بڑھیا بنایا کرتے تھے، اور پھر داد بھی چاہتے

تھے، چائے کیسی بنی؟ حضرت سے پوچھتے کہ حضرت چائے کیسی ہے؟ حضرت نے فرمایا: کچے پانی کی بو ہے، اب یہ حیرت میں کہ کچا پانی چائے میں کہاں سے آیا؟ اگلے روز پیالی کو دھو کر تولئے سے پونچھ کر انگیٹھی کے سامنے کیا اُسے آنچ لگی اس کے بعد اس میں چائے اتار کر دی، پھر حضرت سے پوچھا کہ حضرت آج چائے کیسی ہے؟ فرمایا، آج نہیں ہے کچے پانی کی بو۔

سب لوگ اپنی اپنی باتیں بتلاتیں ہیں، درخواستیں کرتے ہیں، دعا کے لئے کہتے ہیں، مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کبھی درخواست نہیں کرتے دعا کے لئے نہیں کہتے تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے خود ہی دریافت فرمایا: تم کچھ نہیں کہتے۔ انھوں نے کہا: کہ حضرت! کیا کہوں بس ایک تمنا ہے، یہاں تو خدمت کا موقع مل جاتا ہے، اگلے عالم میں بھی اللہ تعالیٰ عنایت فرمادے، فرمایا ضرور انشاء اللہ ضرور، میرے والد صاحب سناتے تھے کہ مولانا حبیب الرحمن رحمۃ اللہ علیہ مجلس میں بیٹھے ہیں، اچا نک چپکے چپکے، اَیْ، اَیْ، اَیْ کرتے مجلس سے باہر چلے گئے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تحمل ہی نہیں، کوئی کیا کردے۔ (توجہ کا تحمل نہیں ہے، توجہ برداشت نہیں ہوسکی اس لئے مجلس سے باہر چلے گئے)

مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور ان کے رفیق درس

میرے ایک استاذ بیان کرتے تھے، کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ساتھی جو رشتہ دار بھی تھے بچپن کے ساتھی بھی تھے، فارغ ہونے کے بعد انہوں نے دوسری لائن اختیار کرلی تھی، سرکاری ملازم ہوگئے تھے، وہ ایک مرتبہ سہارنپور آئے تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میرا ارادہ کچھ عرصہ یہاں قیام کرنے کا ہے، مجھے کچھ سبق دیدو وہ پڑھا دیا کروں گا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ چھوٹی کتابیں تجویز کیں، انھوں نے کہا

کیوں یہ کیوں دے رہے ہو، بخاری دیدو نا، تم سے تو اچھی پڑھا دوں گا، حضرت مولانا نے فرمایا: کہ یقیناً آپ بخاری مجھ سے اچھی پڑھائیں گے، بھئی! مجھ بیچارے کو بخاری پڑھانی کہاں آتی ہے، آپ ضرور اچھی پڑھائیں گے، کوئی شک نہیں ہے۔ جو چھوٹی کتابیں تجویز کیں اس لئے نہیں تجویز کیں کہ آپ بخاری نہیں پڑھا سکتے۔ استغفر اللہ۔ یہ تو خیال میں بھی نہیں تھا، بات یہ ہے کہ جس زمانہ میں آپ نے پڑھا تھا اس زمانہ میں طلباء کا مزاج اور طرح کا تھا، وہ اساتذہ کا احترام کرتے تھے، ان کی بات کی دل کے اندر وقعت رکھتے تھے، کوئی بے ادبی گستاخی نہیں کرتے تھے، اب وہ حال نہیں رہا طلباء کے حالات خراب ہیں نئے آدمی کو الٹے سیدھے سوالات کر کے پریشان کرتے ہیں، بس یہ اندیشہ ہے اس وجہ سے میں نے تجویز کیا، اس لئے نہیں کہ آپ بخاری نہیں پڑھا سکتے ہیں، میں چونکہ انھیں میں رہتا ہوں میرا ذرا لحاظ کرتے ہیں۔

تو جنہوں نے مجھے سنایا وہ بتلاتے تھے کہ میں بھی خود اس سال بخاری میں تھا، ان کے چلے جانے کے بعد میں نے حضرت مولانا سے کہا کہ حضرت دے کے تو دیکھی ہوتی بخاری، کیا اکڑتے پھریں کہ میں تم سے اچھی بخاری پڑھا لوں، قسم ہے "وحدہٗ لا شریك لہٗ" کی ایسے ایسے سوالات کرتا کہ میاں کو چھٹی کا دودھ یاد آجاتا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے دانت میں انگلی دبائی ہائیں ہائیں، خبردار خبردار، توبہ توبہ! اللہ کو عاجزی پسند ہے، یہ خودی اور بڑائی پسند نہیں، کیا طریقہ اختیار کیا تم نے۔

مدرسہ نے یہ گدی ہمیں اس لئے نہیں دی

حاجی مشتاق صاحب تھے علی آباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے، حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی مولانا ابو احمد بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ وہ بتلاتے تھے کہ میں سہارنپور گیا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرا، جب

وہاں سے چلنے لگا تو حضرت مولانا اسوقت بخاری شریف پڑھانے کیلئے بیٹھ رہے تھے، میں نے مصافحہ کرلیا، رخصتی کا اور کہا کہ حضرت مجھے ذرا سا مشورہ بھی کرنا تھا، تو فوراً وہاں سے اٹھ گئے علیحدہ کھڑے ہو کر مشورہ کیا، میں نے کہا کہ حضرت اٹھنے کی کیا ضرورت تھی ایک منٹ کی تو بات ہی تھی، وہیں بیٹھے بیٹھے سن لیتے تو فرمایا کہ مدرسہ نے ہمیں یہ گدی یہ دری اسلئے دی ہے کہ اس پر بیٹھ کر سبق پڑھائیں اسلئے نہیں دی کہ دوستوں سے مشورہ کریں، دوستوں سے مشورہ کے لئے اس کا استعمال کرنا کہاں درست ہے۔

ہدیہ کی واپسی کا واقعہ

گنگوہ میں ایک صاحب سناتے تھے، میں بیعت تھا حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سہارنپور میں کچہری میں ملازم تھا، کوئی بات پیش آئی جسکی وجہ سے مجھے معطل کر دیا گیا، میں اس مقدمہ میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا ان سے کچھ قرابت بھی تھی، آتا بتلاتا تو فرماتے مقدمہ کی پیروی کرو اللہ مدد کریگا، پیروی کرتا رہا یہاں تک کہ مقدمہ میرے خلاف ہوگیا، میں نے آکر کہا حضرت نے فرمایا اچھا ایسا کرو اللہ کے ناموں میں سے فلاں نام ظہر کی نماز کے بعد اکیس (۲۱) مرتبہ پڑھو اللہ تعالیٰ خود غیب سے کوئی سامان پیدا کرے گا، اچھی بات ہے، میں نے زیادہ دنوں تک پڑھا بھی نہیں تھا کہ ایک افسر تھا ہندو ڈپٹی اس کا ایک تقسیم کا معاملہ تھا، زمین و جائداد کی تقسیم صحیح نہیں ہو پاتی تھی، وہ میرے سامنے آیا تو میں نے اسکا سب تقسیم کا معاملہ ٹھیک کر دیا، وہ بہت خوش ہوا، اس نے کہا کہ تمہارا کوئی کام ہو تو بتاؤ، میں نے بتایا کہ میں اس طرح فلاں جگہ کچہری پر ملازم تھا، اور اس طرح معطل ہوگیا، اس نے کہا: اوہو یہ تو میرے گھر کی چیز ہے، فلاں منصف فلاں حاکم کے یہاں آپ کا معاملہ ہے، وہ میرا گہرا دوست ہے، میں اس کی گردن پکڑ کے زبردستی لکھوالوں گا، جو کچھ کہو کل آجاؤ، تو میں گیا کل کو تو معلوم ہوا کہ اس کا تو آج تبادلہ ہوگیا،

پیشکار سے بات کی پیشکار نے کہا کہ ہاں تبادلہ تو ہوگیا ہے،لیکن کاغذات ابھی منتقل نہیں ہوئے ہیں، وہ موجود ہیں، میں نے دو روپے پیشکار کو دئے کہ اس نے راہ کی بات بتائی، وہ ان سے جن کی تقسیم کا معاملہ صحیح کیا تھا، آ کر ملے اور ان سے کہا کہ صاحب آپ کا تبادلہ ہوگیا، آپ جارہے ہیں، میرا ایک کام اٹکا ہوا ہے، کیا کام؟ کہا: یہ کام اچھی بات، وہیں کاغذات منگائے جس طرح میں چاہتا تھا اسطرح لکھدیا میں بہت خوش ہوا اور آ کر حضرت کو اطلاع دی کی اس طرح سے ہوگیا، تو میں نے پانچ روپیہ حضرت کی خدمت میں پیش کئے حضرت نے بڑی بشاشت کے ساتھ وہ روپے ہاتھ میں لیلئے ہاتھ میں روپے لیکر فرمایا بھائی اس مقدمہ میں تمہارے ذمے کچھ قرض بھی تو ہوگیا ہوگا، کہا: جی! ہاں جی قرض بھی ہوگیا، فرمایا: دیکھو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم یہ ہے کہ پہلے تو تنگی اور ترشی برداشت کر کے قرض خواہوں کا قرض ادا کیا جائے، اس کے بعد اپنے اہل وعیال پر فراغت کے ساتھ خرچ کیا جائے پھر اگر بچے تو مجھے دینے میں بھی مضائقہ نہیں میں نے لے لئے تمہاری خوشی کو اور اب میں تم کو اپنی طرف سے دیتا ہوں، میرے جی میں خیال آیا کہ کم ہیں روپے پانچ، شاید اس وجہ سے نہیں لیتے اس پر فوراً فرمایا کہ اسکی کوئی قید نہیں کہ پانچ ہی ہوں، پانچ ہوں، چھ ہوں، چار ہوں، سات ہوں، تین ہوں، جیسا موقع ہو اسمیں کوئی حرج نہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت میری بیوی تو اس بات کو نہیں مانے گی، فرمایا تمہاری بیوی کون ہے، پھر خود ہی سوچ کر فرمایا محمد علی کی بیٹی جی! کہا: مکان تمہارا کہاں ہے؟ میں نے کہا: محلہ متربان میں فلاں جگہ۔ فرمایا: اچھا میں آؤنگا دو پہر کو، جی میں خیال آیا ان لوگوں کو کہاں فرصت آنے جانے کی، خود ہی فرمایا دو پہر کو نہیں بلکہ عصر کے وقت آؤنگا چنانچہ میں تو چلا گیا کچہری، عصر کے بعد عصر کی نماز پڑھ کے آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت نے آ کر پوچھ پاچھ کی کون سا مکان ہے، اسی مکان میں جا زنجیر کھٹکھٹائی، بچہ تھا وہ آیا اس سے کہا کہ بیٹے والدہ سے کہو کہ ذرا دیوار کے پیچھے کھڑی ہو کر بات سن لیں اس نے یہاں آ کر کہا وہ کہہ ہی رہا تھا کہ حضرت نے خود ہی

فرمایا: بہن خاتون تم محمد علی کی بیٹی ہونا، میں ہوں خلیل انبیٹھ والا، یہاں مدرسہ میں پڑھایا کروں ہوں، میں مبارکباد دینے آیا ہوں تمہارے شوہر مقدمہ میں کامیاب ہو گئے، ملازمت برقرار ہوگئی، تمہارے شوہر میرے پاس پانچ روپے لائے تھے، میں نے ان سے کہا کہ دیکھو بھائی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم یہ ہے پہلے تنگی ترشی برداشت کرکے قرض خواہوں کا قرض ادا کرو اور اس کے بعد فراغت کے ساتھ اہل وعیال پر خرچ کیا جائے پھر بچے تو مجھے دینے میں بھی اشکال نہیں میں اس واسطے آیا ہوں کہ تمہارا جی برا نہ ہو کہ روپے واپس کر دئے، بس یہ کہکر باہر ٹہل رہے تھے، کہا بس مجھے دیکھ کر بڑی شرم آئی سیدھی سیدھی بات جو جی کی تھی وہ کہی کوئی شریعت کی بات تھی وہ کہی، کوئی تکلف اور بناوٹ نہیں، یہی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ تھا، کہ وہاں بناوٹ نہیں تھی، سیدھی سیدھی سچی پچی باتیں تھیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی جھلک زیادہ حضرت مولانا ہی میں دیکھی آج تو تکلف اور بناوٹ بہت ہو گیا ہے۔

پنڈت کے پاس جانے کی نحوست

انہوں نے ہی سنایا کہ پھر ایک مقدمہ میرے اوپر اور ہوگیا اور جانتے ہو کہ اہل غرض تو مجنوں ہوتا ہے، مجھے جس نے جو بتایا وہ میں نے کیا، کسی شخص نے کسی پنڈت کا نام بتایا کہ اسکے پاس جاؤ میں اسکے پاس گیا تو اس نے مجھے ایک پرندے کا پنجہ دیا کہ یہ عمامہ میں رکھو اور کہا کہ چنے بندروں کو ڈالو، میں نے وہ بھی کیا لیکن مقدمہ میرے خلاف ہوگیا جب خلاف ہوگیا تو اسی روز میں نے خواب میں دیکھا کہ میں گنگوہ گیا حضرت کی خانقاہ میں اور اندر جانے کی ہمت نہیں ہوئی خوف غالب ہے، دہشت بہت ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں، اور برابر میں ایک موڑھا ہے اس موڑھے پر (حضرت شیخ الہند) مولانا محمود حسن صاحب بیٹھے ہیں، اس زمانہ میں ان کو شیخ الہند کوئی نہیں کہتا تھا، مولانا محمود حسن

کہا کرتے تھے، تو شیخ الہند نے فرمایا: جو شخص ہر در کا کتا ہو اس کا یہاں کیا کام دو دفعہ فرمایا، اس پر حضرت گنگوہیؒ نے سر اٹھا کر فرمایا ارے میاں فلانے! ارے تم نے توبہ نہیں کی کیا، انہوں نے کہا کہ حضرت توبہ کرلی میں نے پھر حضرت شیخ الہند سے فرمایا پھر بھائی اب ان کے اوپر کیا الزام ہے، اچھا بس آنکھ کھل گئی، اب اتنی دہشت کہ گنگوہ تو گنگوہ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی جانے کی ہمت نہیں، ایک اور صاحب تھے جن کا نام حکیم خلیل احمد صاحب تھا، ان کو ساتھ لیکر گیا، تو حضرت تھانویؒ اس وقت حجرہ کا دروازہ بند کر رہے تھے، قفل لگا رہے تھے، سبق میں جانے کیلئے حکیم صاحب نے آگے بڑھ کر قفل لے لیا ہاتھ سے اور کہا کہ حضرت یہ ذرا سی کچھ بات کرینگے، حضرت بیٹھ گئے بات کو بتلایا کہ اس اس طرح سے ہوا حضرت نے فرمایا کہ بھائی گنگوہ جاؤ مزار پر حضرت گنگوہیؒ کے اور دیکھو تمہارا گھر بھی گنگوہ ہے، ایسا نہ ہو کہ پہلے گھر چلے جاؤ بلکہ سیدھے مزار پر جانا وہاں جا کر مزار پر مراقبہ کرو، اس کے بعد جو کیفیت ہو آکے بتانا، میں گیا اسی روز میرے بھائی جو کہیں سے آئے ہوئے تھے مل گئے گنگوہ جانے کے لئے بیل گاڑی کرایہ کی اور بھائی کو بھی سب قصہ میں نے سنادیا تو جنگل سے ہی اتار کر بھائی نے مجھ سے کہدیا کہ تم اس راستے سے چلے جاؤ باہر ہی باہر میں گیا عصر کا وقت تھا میں وہاں گیا، اب جب وہاں داخل ہونا چاہتا ہوں، تو اتنی تاریکی معلوم ہوئی جیسے بالکل اندھیری رات اور طبیعت پر دہشت غالب احاطے کے اندر جانے کی ہمت نہیں ہوتی رکا ہوا ہوں آگے جانب مغرب میں باڑ ہے اس کے قریب کھڑا ہوا وہاں سے بھی اندھیرا زیادہ معلوم ہوا ہمت نہیں ہوئی آخر گھر چلا گیا بھائی کو بتایا جا کر بھائی نے کہا تم نے غلطی کی تم پہنچ جاتے جو کچھ بھی گزرتی خیر اب تو رات ہوگئی اب ایسا کرو کہ فجر کی نماز وہاں جا کے پڑھ لو چنانچہ گیا اور جا کر فجر کی نماز وہیں پڑھی، حضرت کے مزار کے قریب جو مسجد ہے اس میں، اور مزار پہ تو نہیں جا سکا مسجد میں ہی مراقب ہو کر بیٹھ گیا کچھ دیر بعد سکون معلوم ہوا تو وہاں سے اٹھ کر سہارنپور گیا پھر حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ ہی

کے پاس گیا، بتایا: حضرت نے فرمایا: تجدید بیعت کی ضرورت ہے، میں نے کہا حضرت مجھے تو معلوم نہیں کیا طریقہ ہے، جیسے آپ کہیں کرلوں، پھر حضرت سہارنپوری سے پوچھا کہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب اتنا کیوں خفا ہوئے، اس پر حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: کہ دیکھو بھائی! گنہگار تو سبھی ہیں، لیکن کسی بڑے کے دامن کے ساتھ وابستہ ہونے کے بعد کسی ایسے ویسے کے پاس جانا اپنے بڑے کو بدنام کرنا ہے، کہاں تو تمہارا تعلق حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا اور گئے پنڈت کے پاس، اور دیکھو حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بدگمان نہ ہونا ان کا یہ احسان ہے، کہ انہوں نے متنبہ کیا باقی ہمارے حضرت کی نسبت تو نسبت محمدی تھی، وہاں تو عفو ہی عفو تھا کوئی انتقام تھا ہی نہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کی گنگوہ آمد اور دو پیغام

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے درخواست کی کہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنا چاہتا ہوں، انہوں نے اجازت دیدی کہ جاؤ مولانا بہت اچھے آدمی ہیں، سب سے اونچا لفظ ان کے یہاں یہی ہوتا تھا تعریف کا، وہ بہت اچھے آدمی ہیں، جاؤ ہمارا اسلام بھی کہنا، آئے گنگوہ آ کر ٹھہرے جب یہاں سے رخصت ہونے لگے تو پھر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ مولانا کو میرا اسلام کہنا اور دو پیغام دینا، ایک تو یہ کہ ذرا ضبط سے کام لیا کریں، (کشف کو ظاہر بہت کرتے تھے، بہت ظاہر کر دیتے تھے اپنے کشف کو) ایک یہ کہ خلق محمدی اختیار کریں، (خفا بہت ہوتے تھے، نکال دیتے تھے، آدمی کو اپنے یہاں سے) چنانچہ سب کے اوپر ڈانٹیں پڑی ہیں، ان کے یہاں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی ڈانٹیں پڑیں۔

....

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی گنج مراد آباد حاضری

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود بیان کیا اس قصہ کولکھا بھی ہے،کہ کانپور کے زمانہ قیام میں گیا گنج مراد آباد،مغرب کے بعد وہاں پہنچا،وہاں کسی مہمان پر ڈانٹ پڑ رہی تھی، مہمان کو ڈانٹ رہے تھے،کہ تم چلے جاؤ،مہمان نے کہا: کہ میں تو جانے کا نہیں،آج میں ٹھہرونگا،کہا: نہیں تمہیں جانا ہوگا،کہا: کہ نہیں میں نہیں جاؤنگا،اپنے خادم سے فرمایا: ان کا سامان باہر رکھدو،خادم نے باہر رکھدیا وہ پھر اٹھالایا،تو میں سوچ رہا کہ یا اللہ! یہاں تو مہمان کی بڑی گت ہوتی ہے،میرا کیا حال ہوگا،میں نے سلام کیا پوچھا کون ہو؟ میں نے کہا: جی طالب علم ہوں،پوچھا: کیوں آئے ہو؟ جی زیارت کیلئے آیا ہوں۔فرمایا: زیارت کے لئے آیا ہوں،زیارت کے لئے!تمہیں زمین نہیں نگل گئی،اتنا نہیں سوچا کہ رات کا وقت ہے کھانا کہاں سے کھلاؤنگا،گھر میں کھانا نہیں تھا،اپنے خادم سے فرمایا: کہ جاؤ ہماری لڑکی کے گھر سے کھانالے کرآؤ،اب کشف شروع ہوا فرمایا تو نے مولوی یعقوب سے بھی تو پڑھا ہے،کہا: جی ہاں!ہاں وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔

کھانا آیا،کیا کھانا؟مٹی کے پیالے میں ارہر کی دال اور گیہوں کی دو روٹی اسکے اوپر رکھی ہوئی اس طرح سے لایا،حضرت نے فرمایا: کیوں رے بدتمیز! کھانا اس طرح سے لایا کرتے ہیں،ڈھک کر نہیں لایا،اس نے کہا: حضرت ڈھکنے کے لئے کوئی برتن ہوگا نہیں، فرمایا: اور وہ جو کوٹھے میں کواڑ کے پیچھے چھینکے پر جو طباق رکھا ہے اس سے کیوں نہیں ڈھک کرلایا،اور پھر مجھ سے پوچھا کیا ہے کھانے میں؟ میں نے کہا ارہر کی دال گیہوں کی روٹی۔ فرمایا: ہاں کھاؤ اللہ کی بڑی نعمت ہے،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو کئی کئی وقت یہ بھی نہیں ملتی تھی، اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے قریب آئے ایک تخت تھا،اس پر مجھے بٹھادیا تھا،اس جگہ آئے اور وہاں کھڑے ہوکر نصیحت فرماتے رہے،میں کھڑا نہیں ہوا کہ اس وقت کا ادب یہی تھا،

نصیحت فرمارہے ہیں، رات میں ٹھہرا صبح کو مجھ سے پوچھا ٹھہریگا یا جاویگا، میں نے کہا: جاؤنگا میں، اچھا وہ گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے، (مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) وہ کہتے ہیں: جہاں میرا گھوڑا تھا، وہاں تک تشریف لائے میں نے سمجھا اپنے کسی کام سے تشریف لے جارہے ہیں، مگر نہیں وہ مجھے ہی رخصت کرنے کے لئے آئے تھے، اتنی شفقت فرمائی۔

میں نے کہا: مجھے کچھ پڑھنے کیلئے بتلادیجئے۔ فرمایا: کیا پڑھنے کو بتاؤں؟ "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" دوسومرتبہ "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" دوسومرتبہ پڑھ لیا کرو۔ یہ پڑھنے کیلئے بتایا، گو مجھے آج تک اس کے پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ لیکن ایک بزرگ کا عطیہ میرے پاس ہے، میں اپنی اصلاح کیلئے وہاں نہیں گیا تھا، صرف زیارت کیلئے گیا تھا، جتنی ڈانٹ پڑی سہی، "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" اس سے قلب پر کچھ اثر نہیں پڑا آج لوگ اپنی اصلاح کے لئے آتے ہیں، اور ذرا سی بات برداشت کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی گنج مرادآباد حاضری

کشف کا ان کے یہ عالم تھا، کہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف طبع کرائی، اس کا حاشیہ لکھا اور اس کا ایک نسخہ لے کر گئے حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس۔ فرمایا: اچھا! آپ بڑے محدث ہیں، بخاری شریف پر حاشیہ بھی لکھا، فلاں صفحہ سطر میں یہ غلطی، فلاں صفحہ سطر میں یہ غلطی بیٹھے بیٹھے بتارہے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ آئے۔ فرمایا: اچھا آپ بڑے فقیہ ہیں، ہدایہ پر حاشیہ بھی لکھا ہے، اچھا آپ یہ بتائیے آپ نے وہاں سے یہاں آتے ہوئے، راستہ

میں قصر کیوں کیا؟ دو ٹکڑے تھے، ایک ٹکڑے تک ان کا ارادہ تھا، اسمیں قصر نہیں تھا، وہاں سے پھر ارادہ ہوا یہاں کا، یہ ٹکڑا بھی ایسا کہ اس میں قصر نہیں، لیکن مجموعہ میں قصر تھا، انہوں نے یہ سمجھا کہ پورا سفر تو وہاں سے شروع ہوا ہے، لہٰذا وہیں کا اعتبار ہوگا، اور پورے سفر میں قصر ہے۔

مولانا عبد الحق حقانی رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری

حضرت مولانا عبد الحق حقانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر حقانی گئے ان سے فرمایا: آپ بڑے مفسر ہیں، قرآن کی تفسیر بھی لکھی ہے۔

"اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ" (سورۃ الغاشیۃ:۱۷)

[تو کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے پیدا کیا گیا؟]

(توضیح القرآن:۱۹۲۰/۳)

ابل کا کیا ترجمہ کیا؟ کہا: اونٹ، بہت ہنسے، فرمایا: ہاں ایسی ہی تفسیر لکھی ہوگی، پھر فرمایا: کہ ابل سے مراد بادل۔

"حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ" (سورۃ اعراف:۴۰) [جب تک کوئی اونٹ ایک سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہوجاتا۔] (توضیح القرآن ۴۵۵/۱)

جمل کا کیا ترجمہ کیا؟ کہا: اونٹ، بہت ہنسے، فرمایا: یہاں جمل سے مراد موٹا رسا ہے، جس کے اندر کشتی کو باندھا جاتا ہے، یہ شان تھی ان کی۔

مفتی عزیز الرحمن دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی گئے، کسی بات پر دور سے ہی ناراض ہوگئے، ابھی تک یہ پہنچے بھی نہیں، وہاں دور سے ہی دیکھ کر ڈانٹ دیا "واپس چلے جاؤ" وہ

بھی واپس ہو گئے، انہوں نے بھی تکلیف نہیں کی آگے تک جانے کی۔

اس کے بعد ان کو القا ہوا کہ یہ بہت بڑے آدمی ہیں، اب اپنا آدمی دوڑایا کہ دیکھو ایسی ایسی صورت کا ایک آدمی جا رہا ہے، ان کو بلا کر لاؤ، تو پھر مفتی صاحب کو بلایا، مفتی صاحب آگئے۔

دو پیغام

اسی وجہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دو پیغام بھیجے تھے، ایک ضبط سے کام لیں، ایک خلق محمدی اختیار کریں، جب خادم نے آکر سلام کہا اور کہا: یہ کہا ہے کہ خلق محمدی اختیار کریں، اس بات سے بہت ناراض ہوئے کہ کوئی میرے پاس دین سیکھنے کیلئے تھوڑا ہی آتا ہے، کوئی کہتا ہے میرا مقدمہ ہو رہا ہے، اس کی کامیابی کے واسطے تعویذ دیدو، کوئی کہتا ہے، میرے بچے نہیں پیدا ہوتے، اس کے لئے تعویذ دیدو کوئی کہتا ہے، مجھے ملازمت نہیں ملتی، ان کاموں کے لئے ان کو ڈانٹوں نہیں، نکالوں نہیں تو اور کیا کروں؟ بیٹھے بیٹھے وہاں نصیحت کر رہے ہیں، خلق محمدی اختیار کریں۔

دوسرا پیغام پہنچایا کہ ذرا ضبط سے کام کریں اس پہ ایک آہ کھینچی، اور فرمایا: آہ صاحبزادے! ایسا ظرف کہاں سے لاؤں، سمندر کے سمندر پیئے بیٹھے ہیں، اور ڈکار تک نہیں لیتے۔

۱۲؍رمضان المبارک اتوار کی شب بعد تراویح صلوٰۃ وسلام کے بعد۔

طریق نجات وامن

حضرت نبی اکرم ﷺ سے فتنوں اور فسادات سے نجات پانے کا نسخہ دریافت کیا گیا تھا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے تین چیزیں ارشاد فرمائیں:

(۱)...... زبان کو قابو میں رکھو۔

(۲)...... تمہارا گھر تم کو سمائے رکھے۔ (بلا ضرورت گھر سے مت نکلو)

(۳)...... اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔

اس بیان میں اسی حدیث شریف کی تشریح کی گئی ہے۔

طریق نجات وامن

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ . اَمَّا بَعْدُ!

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا ”ما النجاۃ“ یعنی نجات کا ذریعہ کونسی چیزیں ہیں، تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا:

”اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ“

(ترمذی شریف: ۶۳/۲، باب ما جاء فی حفظ اللسان)

دنیا میں فتنہ فساد ہو رہا ہے، چاروں طرف فتنے ہی فتنے ہیں۔ اس فتنہ وفساد سے بچنے کی کیا صورت ہے، حضور ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے بالکل ان ہی لوگوں کے لئے فرمائی ہیں، جو اعتکاف میں بیٹھے ہیں۔ کیا؟

”اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ“

(ترمذی شریف: ۶۳/۲، باب ما جاء فی حفظ اللسان)

آنحضرت ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں اور تین کام ارشاد فرمائے، ایک اپنی زبان کو قابو میں رکھو، ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس پر شراح نے اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ ثلاثی مجرد سے ہے تو ”اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ“ [تم مالک رہو اپنے اوپر اپنی زبان کے۔] تو بات صاف تھی، لیکن یہاں ”اَمْلِكْ“ ہے، اور ”اَمْلِكْ“ کے معنی مالک بنا دینے کے ہیں، ہاں مطلب یہی ہے، کہ زبان کے مالک بن کر رہو زبان کو اپنے اوپر مالک مت بناؤ کہ زبان نے جو چاہا بول دیا، بلکہ جو تم چاہو وہ بولو۔

"وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ" اور تمہارا گھر تم کو سمائے رکھے یعنی گھر سے باہر مت نکلو۔
"وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ" اور اپنی خطا پر روتے رہو، یہ تین باتیں ارشاد فرمائیں۔

غور کیجئے کہ جب کسی جگہ پر فساد ہو رہا ہو، گولی چل رہی ہو، فسادیوں کا بڑا جلوس نکل رہا ہو، طمطراق کے ساتھ پولیس فسادیوں کی گرفتاریوں کی فکر میں ہو، ایسی حالت میں آدمی کیا کریگا، اپنے گھر میں رہے باہر نہ نکلے باہر نکلے گا تو فتنہ فساد میں مبتلا ہوگا، ممکن ہے کہ اس کو فسادی سمجھ کر گرفتار کرلیا جائے، ممکن ہے کہ فسادی اس کو مار ڈالیں اسی واسطے فتنہ سے بچنے کی بہت سخت ضرورت ہے، احادیث میں وارد ہوا ہے، بعضے فتنہ ایسے ہیں، کہ اس میں لیٹا ہوا بنسبت بیٹھے ہوئے کے امن میں رہیگا اور سونے والا بہ نسبت جاگنے والے کے امن میں رہے گا۔(مشکوۃ شریف: ۴۶۲ / ۲، کتاب الفتن)

ایک شخص لیٹا ہوا ہے اپنے گھر میں اور ایک شخص بیٹھا ہوا تو جو شخص لیٹا ہوا ہے، وہ زیادہ امن میں رہے گا بیٹھے ہوئے کی بہ نسبت، جو شخص بیٹھا ہوا ہے وہ زیادہ امن میں ہے بہ نسبت کھڑے ہونے والے کے، جو کھڑا ہوا ہے اس کی طبیعت میں تقاضا پیدا ہوگا، گھر سے باہر جانے کا، دیکھنے کا کہ ڈھول کیسا بج رہا ہے، تماشا کیسے ہو رہا ہے، فساد کیسے ہو رہا ہے، گولی کیسے چل رہی ہے۔ اور جب باہر نکلے گا لازمی طور پر اس فتنہ میں مبتلا ہو جائے گا۔

اور آہستہ چلنے والا امن میں ہوگا بہ نسبت دوڑنے والے کے غرض کہ جتنا آدمی دور رہیگا فتنوں سے اتنا ہی امن میں رہے گا، تو جب فسادات ہوں ایک فساد تو یہ ہے کہ جن کو ہم بھی فسادات سمجھتے ہیں، گولی چلنا پتھراؤ کرنا، ایک دوسرے کو قتل کرنا، مکان میں آگ لگا دینا دوکان میں آگ لگا دینا جو چیزیں آجکل ہوتی ہیں، ان فتنوں سے بھی بچایا گیا ہے، اور ان فتنوں سے ہر شخص بچنا چاہتا بھی ہے طریقہ اس کا بہترین یہی ہے کہ آدمی ایسے موقع پر گھر میں رہے، کواڑ بند کر کے رہے باہر نہ جائے ورنہ جو شخص فتنہ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا، گردن بڑھا کر دیکھے گا فتنہ اس کو اپنی طرف کھینچ لیگا، ہوتا ہی یہی ہے۔

دوسرا فتنہ معاصی کا گناہوں کا فتنہ ہے اسے ہم لوگ فتنہ نہیں سمجھتے ہیں آدمی باہر نکلتا ہے تو معاصی میں مبتلا ہوتا ہے، نامحرموں پر نظر پڑتی ہے، بعضے آدمی ستر کا اہتمام نہیں کرتے ستر کھولے ہوئے پھرتے ہیں، رانیں کھلی ہوئی ہیں، گھٹنے کھلے ہوئے ہیں، عورتیں بے پردہ پھرتی ہیں، معاصی کی طرف کھینچنے والی چیزیں بے شمار موجود ہیں ایسے موقع پر ان معاصی سے ان فتنوں سے بچنے کی کیا صورت ہے؟

"ولیسعک بیتک" گھر میں رہو، بے ضرورت گھر سے مت نکلو۔

"اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ" زبان کو قابو میں رکھو کوئی بات زبان سے غلط قسم کی نہ نکلے۔

کسی نے آکر دریافت کیا تھا: کہ حضور اقدس ﷺ! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے آنحضرت ﷺ نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کو قابو میں رکھو۔

ایک روایت میں آتا ہے، کہ سویرے سویرے انسان کے تمام اعضاء زبان سے عرض کرتے ہیں، کہ اللہ کی بندی تو سیدھی سیدھی رہنا ہم سب کا نظام درست رہے گا، تو اگر ٹیڑھی چلی ہم سب کا نظام خراب ہوجائے گا، زبان کے ذریعہ سے نظام درست رہتا ہے، اگر زبان صحیح چلے، غلط چلے گی تو خرابی پیدا ہوگی، شوہر بیوی کے درمیان لڑائی ہوتی ہے، زیادہ تر زبان درازی سے اگر انمیں سے ایک خاموشی اختیار کرلے، صبر وضبط سے کام لے دوسرا فریق تھوڑی دیر بک بک کرکے خود ہی خاموش ہوجائیگا، کہ یہ تو بولتا ہی نہیں۔

مولانا یحیٰ صاحب کا واقعہ

گنگوہ میں حضرت مولانا یحیی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد رہتے تھے، خانقاہ میں حضرت کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کے سب کام وہی انجام دیتے تھے، فتاویٰ وہی لکھتے تھے، مہمانوں کے قیام کا انتظام فرماتے تھے، ایک شخص نے آکر کہا مولوی یحی، انہوں نے اسکی طرف دیکھا تو اس نے بے تکی

گالیاں دینی شروع کیں، انہوں نے ادھر سے نظر ہٹا کر اپنے کام کی طرف توجہ کی کہ جو لکھ رہے تھے لکھنے لگے وہ گالیاں دیتے رہے تھک کر واپس چلے گئے، اگلے روز پھر اسی طرح سے آیا اور یہی کیا پھر گالیاں دیکر چلے گئے، تیسرے روز پھر اسی طرح سے کیا ایک منشی محمد حسین صاحب تھے مولانا یحیٰ صاحب کے کتب خانہ میں کام بھی کرتے تھے، ملازم کی حیثیت سے نہیں بلکہ دوستی کی حیثیت سے رہتے تھے، انہوں نے کہا مولوی یحیٰ! انہوں نے ان کی طرف دیکھا، منشی صاحب نے کہا کہ تمہاری زبان نہیں، زبان ٹوٹ گئی تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا، دیکھتے نہیں یہ کتنا بُرا کہہ رہا ہے مولوی یحیٰ صاحب نے ادھر سے نظر ہٹا کر اپنے کام کی طرف لگا لی، اب منشی صاحب کو بڑا غصہ آیا، کہا: انہوں نے مجھے بھی اسی لائن میں شمار کیا، میں تو ان کا دوست ہوں، ان کی خیر خواہی کیلئے کہتا ہوں، جب وہ بہت بے قابو ہو گئے غصہ سے تب مولانا یحیٰ صاحب نے کہا منشی جی، مجھے ہی تو کہہ رہے ہیں جب آپ کو کہیں گے تو آپ جواب دے دینا، آپ کے منہ میں تو زبان ہے، بات ختم ہو گئی اور اگر جواب میں کہنا شروع کر دیتے خدا جانے کہاں تک نوبت پہنچتی اس واسطے زبان کو قابو میں رکھنے کی سخت ضرورت ہے، شوہر بیوی کے درمیان لڑائی کے وقت طلاق کے واقعات کثرت سے پیش آتے ہیں، زیادہ تر زبان درازی کی وجہ سے. بہت خراب نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

سمندر پر شیطان کا تخت

حدیث میں آتا ہے، کہ شام کو شیطان سمندر پر تخت بچھا کر بیٹھتا ہے، اور اس کے تمام چیلے دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، لوگوں کو گمراہ کرنے اور معاصی میں مبتلا کرنے کے لئے وہ آ آ کر اپنی اپنی رپورٹ پیش کرتے ہیں آج میں نے کیا کیا کام انجام دیا، مثلاً ایک کہتا ہے کہ میں نے آج ایک شخص کی نماز قضا کرا دی، شیطان کہتا ہے تو نے کوئی خاص کام نہیں کیا اسی طرح سب اپنی اپنی کارگزاری سناتے ہیں، اور شیطان سب کی تردید کرتا ہے، کہ

تو نے کوئی خاص کام نہیں کیا، ایک آ کر کہتا ہے، کہ آج میں نے شوہر بیوی کے درمیان لڑائی کرادی شوہر باہر سے ڈیوٹی پر سے گھر میں آیا، بیوی نے مطالبہ کیا کہ آپ نے فلاں کام خراب کردیا، شوہر نے جواب دیا میں نے خراب نہیں کیا، تو اس نے کیا، پھر میں نے شوہر سے کہا تم کہو کہ تو جھوٹ بولتی ہے میں نے خراب نہیں کیا تو نے خراب کیا، اور اس کا جواب اسے...... اس کا جواب اُسے بتاتا رہا، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے دونوں میں بائیکاٹ ہوگیا، بیوی ناراض ہوکر اپنے باپ کے گھر چلی گئی، اب شیطان اس کو سینہ سے لگاتا ہے، کہ تو میرا صحیح خلیفہ صحیح جانشین ہے۔

کیوں! کیا بات؟ جب ان دونوں کے درمیان چھوٹ چھاٹ ہوگئی لڑائی ہوگئی بول چال بند ہوگئی بیوی چلی گئی اپنے باپ کے گھر اور شوہر رہ گیا یہاں، بچے یہاں کوئی باپ کے پاس رہے گا، کوئی ماں کے ساتھ ہوگا، بیوی وہاں جا کر اپنے خاندان کی عورتوں کے سامنے کہے گی کہ میرے شوہر نے مجھے یہ کہا، اپنی بات کبھی نہیں کہے گی، بلکہ شوہر نے یہ کہا اب اگر وہ باتیں صحیح ہیں جو شوہر کی طرف سے وہ نقل کررہی ہے، تو یہ غیبت ہے غیبت کیلئے مستقل مجلس منعقد کرنا اتنے لوگوں کو غیبت میں شریک کرنا کس قدر گناہ کی بات ہے، اور اگر یہ باتیں غلط نہیں تب تو یہ بہتان ہے بہتان کے لئے مجلس منعقد کرنا گویا فعل منکر کے واسطے مجمع جمع ہوتا ہے، اسی طرح شوہر اپنے جاننے والوں سے خاندان والوں سے شکایت کرتا ہے کہ میری بیوی نے یوں کہا یوں کہا وہ اپنی بات نقل نہیں کرتا ہے، اگر بات غلط ہے تو بہتان ہے، اور اگر صحیح ہے تو غیبت ہے۔

ہفتہ میں دو دن اعمال کی پیشی

حدیث شریف میں آتا ہے، کہ ہفتہ میں دو دن ایک پیر کا دن ایک جمعرات کا دن ان دونوں دن بندوں کے اعمالنامے حق تعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں، اور

گنہگاروں کی مغفرت ہوتی ہے، لیکن جن دو شخصوں کے درمیان آپس میں نااتفاقی کی وجہ سے بول چال بند ہو چھوٹ چھٹاؤ ہوگیا ہو، ان کے اعمال نامے پیش ہی نہیں کئے جاتے، کہ مغفرت ہو جائے اِدھر مغفرت سے محروم، اُدھر مغفرت سے محروم۔

دعا کا مردود ہونا

حدیث میں آتا ہے جن دو شخصوں کے درمیان آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے بول چال بند ہے تو دعا مردود ہوتی ہے، اس کی دعا بھی مردود، اس کی دعا بھی مردود، دونوں کی دعا قبول نہیں ہوتی دونوں کی دعا درمیان میں اٹکی ہوئی ہے۔

جذبات شوہر کے ساتھ بھی ہیں، بیوی کے ساتھ بھی ہیں، ان جذبات سے متاثر و مانوس ہو کر بیوی کہیں اور، اپنا منھ کالا کریگی، شوہر کہیں اور اپنا منھ کالا کریگا، اس سے جو اولاد وجود میں آئے گی، وہ کیا گل کھلائیگی، جس بچے کو باپ سے تعلق ہوگا، اس کی طبیعت میں ماں سے نفرت ہوگی، اور جس بچے کا ماں سے زیادہ تعلق ہوگا اس کے دل میں باپ سے نفرت ہوگی، اور ایسا درخت بو دیا یا یوں کہئے ایسا بیج بو دیا کہ جس سے عظیم الشان درخت پیدا ہوا اس کی شاخیں دور دور تک پھیلیں گی، اس میں کانٹے ہیں، اس میں زہریلے پھل ہیں کتنی بڑی مخلوق اس سے متاثر ہوگی۔ اس لئے حدیث میں ہے: "اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ"

اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اور خاص کر بات ایسی کہی جاتی ہے کہ جس سے اس کا دل جلے متاثر ہو صرف اپنے دل کی بھڑاس نکالنا مقصود ہوتا ہے، کوئی دینی فائدہ اس پر مرتب نہیں ہوتا، اس لئے فرمایا گیا: "اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ"

اپنی زبان کو قابو میں رکھو اعتکاف میں بیٹھے ہوئے ہو، خدا کے گھر میں ہو، مسجد میں ہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔

"وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ" اور یہ بیت آپ کو سمائے رکھے ایسا نہ ہو کہ اس بیت سے

باہر نکل جاؤ بلا ضرورت باہر نکلے گا، تو اس کا اعتکاف ٹوٹ جائیگا، ایسا ہی اگر فتنہ وفساد کے موقع پر آدمی گھر سے نکلے کہ باہر نکلا اور فوراً اس پر گولی لگ گئی۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں مظاہر علوم کی خدمات

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں اس قسم کے تجربے بہت ہوئے سہارنپور میں مدرسہ مظاہر علوم میں جس جگہ دار جدید ہے اس وقت تو دار جدید

نہیں بنا تھا، ایک دو کمرہ تھا، جو لوگ پناہ گزین کی حیثیت سے آئے ہوئے تھے، اہل مدرسہ نے ان کیلئے کیمپ قائم کئے تھے، ان کو ٹھہرایا گیا ان کیلئے کھانے کا انتظام کیا گیا، بہت سے طلباء اساتذہ اسمیں لگ گئے کسی کو "اَلْحَمْدُ لِلّٰه" یاد کرار ہے ہیں، کسی کو کلمہ یاد کرار ہے ہیں، یہ چیزیں وہ لوگ نہیں جانتے تھے، جو بھاگ کر آئے تھے، جن کو فسادی یا فساد زدہ قرار دیا گیا، اور تعجب کی چیز ہے کہ جو چیز ان کے یہاں زیادہ قابل قدر تھی جس کو گھر سے لیکر بھاگے تھے، وہاں چھوڑ نہیں سکتے تھے، وہ شراب کی بوتلیں تھیں ان کو ساتھ لیکر بھاگے اور پھر یہاں انکے سارے اوقات کو گھیر لیا مدرسہ والوں نے انکو یہ عذاب زیادہ سخت معلوم ہوا، جس مقام پر فساد ہوا، انکے گھروں کو جلایا گیا، اپنے گھروں کو وہ لوگ چھوڑ کر آگئے ہیں، اس کے مقابلہ میں یہ عذاب زیادہ سخت معلوم ہوا، کہ "الحمد للّٰه" یاد کرائی جارہی ہے، اور کلمہ یاد کرایا جارہا ہے اِدھر اُدھر جانے کا موقعہ نہیں ہے، کام ہو رہا تھا لیکن اپنی خواہش پورا کرنے کیلئے جاتے، اور باہر نکلے کہ گولی لگ گئی، کہیں گولی لگی کہیں چھرا لگا، گردن پر چھرا مارا تو یہاں تک آ گیا۔

نکلے کیوں ہو جب ساری ضرورتیں اندر (وہاں) مہیا ہیں، کیوں نکلتے ہو کیوں وہاں جاتے ہو، یہیں ٹھہرو۔

"وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ" بَيت: [گھر] تم کو سمائے رکھے گھر سے باہر نہ نکلو اگر نکلو گے تو یاد رکھو شیطان کی طرف سے بڑے بڑے حال پیچھے ہیں۔

....

شیطان کا اعلان

"قَالَ فَبِمَا اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ" (الآیۃ) (سورۃ الاعراف: ۱۶،۱۷)

شیطان نے کہا تھا کہ اے پروردگار تو نے مجھے تو بے راہ کر ہی دیا آدم کی وجہ سے میں بھی آدم کی اولاد کو جنت میں نہیں جانے دونگا، میں صراط مستقیم پر بیٹھونگا اس کو آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے گمراہ کرونگا، بات بھی یہی ہے جب آدمی گھر سے نکلتا ہے، تو دائیں بھی فتنہ بائیں بھی فتنہ آگے بھی پیچھے بھی، ہر طرف سے فتنہ ہوتا ہے، لہٰذا بلا ضرورت باہر نکلے ہی نہیں، کیوں نکلے؟ جہاں گھر میں بیٹھے ہو آنکھیں کھول لے، بلا ضرورت کیوں کھولے کھولے گا تو کوئی چیز نظر آئے گی، پسند آئے گی، فتنہ ہوگا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معمول

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جس زمانہ میں دہلی تھے تو قیامگاہ سے جب مدرسہ جاتے تو عام بازاری راستہ سے نہیں جاتے تھے، بلکہ چھوٹی چھوٹی گلیوں سے جاتے تھے، جہاں سے لوگوں کی آمد و رفت کم ہو کسی نے پوچھا کیا بات ہے، آپ بازار میں نہیں آتے تو فرمایا کہ بازار میں ہر قسم کی چیز ہوتی ہے، ممکن ہے کہ کسی ایسی چیز پر نظر پڑ جائے جو پسند آ جائے اور اپنے پاس اسکے خریدنے کی وسعت نہ ہو خواہ مخواہ اس کا خیال دل میں قائم ہو جائے اس خیال سے بچنے کے لئے ایسے راستہ سے جاتا ہوں، جہاں ایسی کوئی چیز نظر ہی نہ آئے اس واسطے "وَلْيَسَعُكَ بَيْتُكَ" گھر میں رہو یہاں بھی آپ زبان بلا ضرورت استعمال نہ کرو، ضرورت ہو تو استعمال کرو، زبان کو بلا ضرورت استعمال نہ کرو، ضرورت ہو تو حدود میں رہ کر استعمال کرو۔

....

جنت کی ضمانت

حدیث میں ہے کہ(دو چیزیں اللہ نے بے ہڈی کی پیدا کر رکھی ہیں، انسان کے بدن میں، زبان وشرمگاہ، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا) جوشخص ان دونوں کا ضامن ہوجائے میری خاطر تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہو جاؤں گا، ان دونوں چیزوں کی حفاظت کی سخت ضرورت ہے۔

اسلئے "اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ، وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ، وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ" (ترمذی شریف: ۶۳/۲، باب ماجاء فی حفظ اللسان)

اپنی خطاؤں پر روتے رہو، نماز پڑھو قرآن پڑھو، تسبیح پڑھو ذکر کرو، اور جو وقت خالی ہو، اس میں اپنی خطاؤں کو یاد کرو اور اپنی خطا کو یاد کرکے روتے رہو کہ یا اللہ میں نے فلاں خطا کی تو معاف کر، اپنی خطائیں تو یاد ہونگی کیا کسی کے یاد دلانے کی ضرورت ہے؟ کچھ نہیں جب اپنی خطاؤں کو یاد کرکے آدمی نہیں روئے گا، تو دوسروں کی خطاؤں کا تذکرہ کریگا، فلان نے یہ خطا کی، اسمیں یہ عیب، اس میں یہ عیب یہ غیبت و بہتان میں مبتلا ہوگا، معاصی کا ڈھیر جمع کریگا، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ان تین چیزوں کو نجات کا ذریعہ نجات کا راستہ بتایا، اگر آدمی زبان سے خیر کی بات کہتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، ذکر کرتا ہے، تسبیح پڑھتا ہے، یقینا یہ خاموشی سے افضل ہے، بہت اونچی چیز ہے اور اگر خاموش رہے، یہ افضل ہے اس سے کہ مباح بات کرے جو مباح بات کرنا جائز ہے اسکے مقابلہ میں خاموش رہنا افضل ہے، یہ سوچے کہ اسکا حساب بھی تو دینا ہوگا، جو مباح کام کیا ہوگا، اس کا حساب دینا ہوگا، اور اگر ناجائز بات کہے جس کی وجہ سے اس کی پکڑ ہو جائے اس کے مقابل بالیقین خاموشی افضل ہے، بلکہ لازم ہے فرض کے درجہ میں ہے ناجائز بات زبان سے نہیں نکالنی چاہئے اور اکابر کے حالات سے معلوم ہوتا ہے، خاموشی پر وہ کتنا احتیاط فرماتے تھے۔

خلفاء راشدین میں سے بھی کسی کے متعلق ہے، کہ اپنی زبان پکڑ پکڑ کر وہ سزا دیتے تھے، کہ اس زبان نے خطرے میں ڈالا یہ زبان خطروں کا باعث ہے، یہ ٹھیک رہے تو ٹھیک ہے یہ اگر غلط چلے گی تو اس کی گرفت ہوگی، اس واسطے اس مقام پر جب اعتکاف کی نیت سے اللہ تعالیٰ کے گھر میں آئے ہوئے ہیں، تو فتنوں سے امن کی جگہ ہے۔

مقام امن

"مَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا" (سورۂ آل عمران: ۹۷)

[اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے۔] (توضیح القرآن: ۲۱۰/۱)

ہے تو یہ حرم شریف کے متعلق کہ جو شخص حرم شریف میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے وہاں وہ امن کے معنیٰ دوسرے ہیں کوئی مجرم وہاں پر داخل ہو جائے وہاں سے اس کا نکالنا گرفتار کرنا درست نہیں، یا کوئی شکار وہاں پر چلا جائے، اس کو نہیں پکڑ سکتے لیکن فتنوں سے امن کی جگہ مسجد ہے جب آدمی مسجد میں آتا ہے، تو بہت سے فتنوں سے محفوظ ہوتا ہے، جو ادھر ادھر نامحرموں پر نظر پڑتی تھی، اس سے امن ہو گیا، لوگوں کی زبان سے جو گالیاں سننے میں آتی تھیں، اس سے امن ہو گیا، خود گالیاں دینے کی نوبت آتی تھی، اس سے امن ہو گیا، اور جو باتیں بازاروں میں اور فحش کام ہوتے تھے، سب سے امن ہو گیا یہاں آ گیا امن ہو گیا۔

اس امن کی قدر کرنے کی ضرورت ہے، قدر کریگا تو ان شاء اللہ اس قدر سے اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ! نفع دے کہنے والے کو بھی سننے والے کو بھی۔ آمین! ثم آمین!

❑❑❑

لحاظِ مراتب

اسلام میں مراتب کے لحاظ اور رعایت کی خاص اہمیت ہے۔ احادیث مبارکہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات کی روشنی میں اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔ ؎

فرق مراتب نہ کنی زندیقی

لحاظِ مراتب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّابَعْدُ!

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

"امرنا ان ننزل الناس منازلهم" (اتحاف السادة المتقين:۲۵۴/۶)

[ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کے مراتب کے مطابق معاملہ کریں۔]

ایک روایت میں ہے:

"أنزل الناس منازلهم" (اتحاف السادة المتقين:۲۵۴/۶)

یعنی ایک جگہ صیغہ امر ہے، ایک روایت میں:

"ولينزل الناس منازلهم" (اتحاف السادة المتقين:۲۵۴/۶)

امام اور مقتدی کو ایک ایک دوسرے کی رعایت

ہر شخص کو اس کے مقام پر رکھنا چاہیئے جو عہدہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو عطا فرمایا اس کی رعایت لازم۔ مثلاً امام ہے، نماز پڑھاتا ہے، سب مقتدیوں کو امام کی رعایت لازم ہے، یہاں تک کہ بعض دفعہ امام سے غلطی ہو جاتی ہے، اسمیں بھی اقتداء لازم ہے، فرض نماز کی دو رکعت میں بیٹھنا لازم تھا نہیں بیٹھا، بھول میں کھڑا ہو گیا، کہتے بھی رہے مقتدی "سبحان الله، الحمدلله" التحیات میں امام صاحب کھڑے ہو گئے مقتدی جانتے ہیں، یہاں

کھڑا ہونا غلط ہے، پھر بھی اقتداء لازم ہے، اس کی رعایت کرنا ضروری ہوتا ہے، اس طرح امام کو بھی یہ حکم ہے، مقتدیوں میں جو سب سے زیادہ کمزور ہے، اسکا لحاظ کرتے ہوئے، نماز پڑھائے یہ نہیں کہ لمبی قرأت شروع کردی، امام مقتدی کے درمیان ایک خاص ربط ہے، اس واسطے حکم ہے جو لوگ سمجھدار ذی علم ہیں وہ امام کے قریب کھڑے ہوں، اگر امام سے کوئی غلطی ہو جائے تو لقمہ دیا جاسکے اور امام کو حدث لاحق ہو جائے تو نائب بنانا آسان ہو، اور جس بیچارے کو خود کچھ پتہ نہ ہو وہ نیابت کو کیا سمجھے گا، اور جو لوگ طہارت ٹھیک طریقہ پر نہیں کرتے غلط طریقہ پر طہارت کرتے ہیں، نامکمن طہارت کے ساتھ نماز میں آکر کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کی نحوست کا اثر امام پر پڑتا ہے، اس سے بھول ہوتی ہے، لہٰذا یہ ربط ہے اسلام میں امام اور مقتدی کے درمیان۔

امام اور مؤذن کا مقام

مؤذن کا بھی ایک مقام ہے۔

"الامام ضامن والمؤذن مؤتمن" (ترمذی شریف: ۲۹/۱)

امام تو ضامن ہوتا ہے، مقتدیوں کی نماز کا، گڑبڑ کردے گا، تو سارے مقتدیوں کی نماز خراب کردے گا، اور مؤذن امانت دار ہوتا ہے، وقت پر اذان کہے وقت پر لوگوں کو نماز کے لئے بلائے۔

دیوبند میں طالب علم کی امامت

دیوبند میں ایک طالب علم ایک مسجد میں رہتا تھا محلہ کی کئی سال سے تھا فارغ ہو کر چلا گیا، جانے کے بعد وہاں سے اس نے خط لکھا محلہ والوں کو، میں مسلمان نہیں تھا، تم لوگوں نے میرے پیچھے جو نمازیں پڑھی ہیں، انکا اعادہ کرلیں، اس بیچارے نے یہاں تک

لحاظ کیا کہ مقتدیوں کی نماز خراب نہ ہو جائے۔

محلہ کے لوگ مسئلہ پوچھنے کیلئے آئے، ہم نے کہا کسی نماز کا اعادہ نہیں اس بدبخت کا قول معتبر نہیں اس لئے کہ کافر کا قول معتبر نہیں کہ میں مسلمان نہیں تھا، اس لئے کسی نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں اس نے جو کیا وہ بھگتے گا۔

لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر حیات میں لشکر روانہ فرمایا حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر، وہ چل بھی دئے لشکر کو لے کر، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوئی اور زیادہ ناساز ہوئی تو لشکر جلدی واپس آ گیا آگے نہیں گیا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے خلیفہ کا بھی ایک مقام ہوتا ہے، اب خلیفہ کو مشورہ دیتے ہیں، خیر خواہ لوگ کہ ابھی اس لشکر کو روانہ نہ کرو جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا، انہوں نے کہا نہیں جس لشکر کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا، سب سے پہلے میں اس کو روانہ کروں گا، مشورہ دیا گیا، تازہ تازہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہے اندیشہ ہے کہ کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو جائے، بعض لوگ نبوت کے دعوے دار بھی تھے، اس قسم کا کوئی فتنہ نہ ہو جائے، مسیلمہ کذاب وغیرہ، لشکر ہوگا تو فتنہ کی سرکوبی آسان ہوگی، لہٰذا ابھی اس کو روانہ نہ کریں۔

بالکل نہیں! سب سے پہلے اس لشکر کو روانہ کروں گا چاہے کچھ ہو جائے، وحی منقطع ہو چکی:

"اینقص الدین وانا حی" (مشکوۃ شریف: ۵۵۶، باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ)

دین کے اندر کوئی نقصان پیدا ہو سکتا ہے، نفس کے خلاف کسی کی بات نہیں مانی

اور لشکر روانہ کر دیا، مشورہ دیا گیا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار نہ بنائیں کہ نو عمر لڑکے ہیں کسی پرانے تجربہ کار کو بنائیں۔ فرمایا: جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سپہ سالار بنایا تھا، میں بھی اسی کو بناؤں گا، لہٰذا نص کے خلاف کوئی مشورہ نہیں کیا جائیگا، مشورہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے، تاہم لشکر روانہ کرنے کی تیاری ہوگئی، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو کہہ دیا اپنا لشکر لے کر چل دو، انھوں نے اعلان کر دیا سب لوگ جانے کی تیاری میں لگ گئے وہاں لشکر کے لئے یہ بات نہیں تھی، جیسے یہاں تبلیغی جماعت والوں کے یہاں قصہ ہوتا ہے، کہ تقریر کی پھر تشکیل کی کہ نام لکھاؤ وہاں تو سپہ سالار جس کا نام لیگا، اس کو چلنا ہوگا، سپہ سالار نے جس کو تجویز کر دیا وہ جائیگا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کی رعایت

اِدھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ فکر تھی کہ یہ نہ جائیں یہاں ٹھہر جائیں تو اچھا ہے، مشورہ کرنے میں سہولت رہے گی، اس مقصد کیلئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور جا کر بہت ادب سے عرض کیا: کہ آپ نے لشکر کی روانگی کا اعلان فرما دیا، سب جانے کو تیار ہیں، ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہیں، لیکن اگر آپ بہ طیب خاطر اجازت دیں کہ عمر یہاں ٹھہر جائیں تو مجھے امور خلافت میں مشورہ کرنے میں سہولت اور مدد ملے گی، انہوں نے اجازت دیدی غور کا مقام ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام

حدیث میں آتا ہے، کہ ساری امت کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان دوسرے پلڑے میں ہو تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہی ایمان وزنی رہے گا۔

....

"خَيْرُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ بِالتَّحْقِيْقِ"

نبیوں کے بعد سب سے اونچا درجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، عمر کے اعتبار سے بھی بڑے، علم کے اعتبار سے بھی بڑے، تجربہ کے اعتبار سے بھی بڑے، عقل کے اعتبار سے بھی بڑے، ہر حیثیت سے بڑے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نوعمر لڑکے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین تھے، وہ چاہتے تو اپنے حکم سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو روک لیتے وہ چاہتے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس کہلا بھیجتے کہ میں نے عمر کو روک لیا ہے، وہ چاہتے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہہ دیتے کہ میں ان کو روک رہا ہوں، مگر نہیں، جب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنا دیا تو اس کا لحاظ کرتے ہوئے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گئے کتنا لحاظ کیا۔

ہر چیز کا ایک مقام ہے اور ضرور ہونا چاہئے پھر حق تعالیٰ نے ان کی رائے میں ایسی برکت دی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب لشکر روانہ کیا تو منافقین ومشرکین ومخالفین کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، وہ تو کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، اسلام کا زور ٹوٹ گیا اور ختم ہوگیا، مگر اب سمجھے کہ نہیں اسلام میں تو ابھی جان باقی ہے، لشکر روانہ ہوگیا۔

مانعین زکوۃ سے قتال

اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے معلوم کیا، جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان کے ساتھ اب کیا معاملہ کریں گے؟ فرمایا: میں ان سے قتال کرونگا اس پر ان کے ساتھ کوئی متفق نہیں تھا، سب کو اختلاف تھا، سب کہتے تھے کہ قتال نہ کیجئے فرمایا: کہ نہیں، قتال تو ضرور کرونگا چاہے تم میں سے کوئی میرے ساتھ نہ جائے،

میں تنہا جا کر قتال کرونگا، اور چلدیئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دوڑے اور پکڑ کر کہا: کہ آپ تلوار کو میان میں رکھ دیجئے اور اپنی جدائی سے ہمیں دردمند نہ کیجئے۔ ہم آپ کی جدائی کو برداشت نہیں کرسکیں گے، آپ نے مشورہ مانگا تھا، ہم نے مشورہ وہ دیا جو ہماری سمجھ میں آیا، جب آپ طے کر چکے تو ہم ضرور آپ کا ساتھ دیں گے، یہ نہیں ہوگا کہ آپ تنہا چلے جائیں، اور یہ الفاظ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے وہ کہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے تھے، غزوۂ اُحد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو، سامنے نہیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا، تلاش کیا، ایک جگہ دیکھا کہ زخمی حالت میں ہیں، بہت قلق ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو اس طرح زخمی کردیئے گئے، اور ہم لوگ زندہ سلامت پھرتے رہیں، یہ سوچ کر تلوار لئے کفار کے مجمع میں گھسنے کے لئے اس ارادہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

"شم سیفک ولا تفجعنا بنفسک" (کنز العمال: ۶۵۸/۵، ح: ۱۴۱۵۸)

کہ تلوار میان میں کرلو، اپنی جدائی سے ہمیں دردمند نہ کرو، یہی الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمائے۔

میزبان اور مہمان کو ایک دوسرے کی رعایت

یہ اجتماع یہاں (مدرسہ ڈھابیل مسجد میں رمضان کے مہینہ میں اعتکاف کے سلسلے میں ہے اسکے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، ایک جماعت تو ایسی ہے، جو میزبان کی حیثیت سے کام کر رہی ہے، کچھ ان میں سے روپیہ خرچ کر رہے ہیں، کچھ ان میں سے جسمانی خدمت کر رہے ہیں، ان لوگوں کو شکر گزار ہونا چاہئے کہ اللہ نے ہم کو دین کی خدمت کیلئے

لگا دیا، ہمارا روپیہ ہماری محنت ایسے لوگوں پر خرچ ہو رہی ہے جو روزہ رکھتے اور نماز پڑھتے ہیں، ذکر کرتے ہیں تلاوت کرتے ہیں، اپنے اپنے گھروں سے چل کر آئے ہیں، خدا جانے کس کی دعاء کس کے ذکر وغیرہ کے طفیل میں ہماری نجات ہو جائے۔

جو میزبان ہیں انکو یہ تصور کرنا چاہیئے۔

یحییٰ برمکی اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما

حضرت یحی برمکی رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ پر خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ان کیلئے سجدہ میں دعاء کیا کرتے تھے، حضرت یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ سے انتقال کے بعد کسی نے خواب میں پوچھا کیسی گزری؟ فرمایا: سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دعا کیا کرتے تھے یا اللہ یحییٰ نے میری دنیا کی کفالت کی تو اس کی آخرت کی کفالت فرما۔

پس جو حضرات پیسے خرچ کر رہے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلا رہے ہیں، خدمت کر رہے ہیں، برتن اٹھاتے ہیں صاف کرتے ہیں یہ محنتیں ان کی بہت اعلیٰ درجہ کی ہیں اور ایسے لوگوں پر محنت کر رہے ہیں، جو روزہ دار ہیں، رات دن قرآن کریم کی تلاوت میں لگے ہوئے ہیں، اللہ کو یاد کرنے کو آئے ہیں، کتنا اچھا مصرف ہے، خدانخواستہ یہ روپیہ اگر معاصی میں خرچ ہوتا سینما اور شراب میں خرچ ہوتا تو کتنا بڑا وبال ہوتا اللہ پاک نے توفیق دی ان کو خیال کرنا چاہیئے، کہ ہمارے مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، اولیاء اللہ کی انتہائی خواہش رہتی کہ مہمانوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہونچے مہمانوں کو راحت پہنچانے میں ان کا یہ عالم تھا۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ان کے مہمان کا واقعہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کھانا کھا رہے تھے ایک دوست بے تکلف

مہمان آ گیا، کھانا کیا تھا؟ سوکھی ہوئی روٹی اسکو دانت سے توڑتے اور نمک کی ڈلی منھ میں رکھ لیتے مہمان بے تکلف تھے کھانے میں شریک ہو گئے، اور کہا سعتر بھی ہوتا تو کیسے مزے سے کھاتے (سعتر ایک سبزی مثل پودینہ کے جس کے پتوں میں ذرا چرچراہٹ ہوتی ہے) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جلدی سے دسترخوان سے اٹھے اور بازار سے فوراً سعتر لے آئے اور لا کر مہمان کے سامنے رکھ دیا دونوں نے بڑے مزے سے کھایا، روٹی کے ٹکڑے کو دانت سے دبا کر توڑتے ہیں، جس طرح چنے کے دانے چبائے جاتے ہیں، اور پھر سعتر کے پتے منھ میں رکھ لیتے ہیں نمک کی کنکری بھی رکھ لیتے ہیں، کھانے کے بعد مہمان نے حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا حَضَرَ"

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ جس نے ہمیں ماحضر پر قناعت کی توفیق دی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ اگر تجھے ماحضر پر قناعت ہوتی تو میرے وضو کا لوٹا گروی نہ رکھواتا۔

مہمان نے سعتر کی خواہش کی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے پاس پیسے نہ تھے وضو کا لوٹا گروی رکھ کر سعتر لا کر مہمان کے سامنے رکھا تھا، اس قدر لحاظ کرتے تھے مہمان کا۔

اس واسطے جو حضرات روپیہ خرچ کر رہے ہیں، اور محنت کر رہے ہیں، وہ دلگیر اور بددل نہ ہوں، حق تعالیٰ کا شکر ادا کریں، کہ اس نے توفیق دی بڑا انعام ہے، مہمانوں کے کھانے کا انتظام، سحری افطار کا انتظام بڑا انعام ہے، معمولی چیز نہیں حق تعالیٰ نے بہت بڑی دولت دی ہے، جو جو مہمان روزہ داران کے لائے ہوئے کھانے کا استعمال کریں گے، ہر ایک کے روزہ میں ان کا حصہ، ہر ایک کی تلاوت میں ذکر میں انکا حصہ ہے، اور اس سے مہمانوں کے اجر وثواب میں کمی نہیں ہوگی۔

....

مہمان کی ذمہ داری

دوسری چیز مہمان حضرات کے متعلق ہے، کہ ان کو سوچنا چاہئے کہ ہم لوگ گھر سے چل کر آئے ہیں، اللہ کا شکر ہے ہمیں آگ نہیں جلانی پڑتی، روٹی نہیں پکانی پڑتی چاول نہیں پکانا پڑتے بازار سے سبزی خرید کر نہیں لانا پڑتی، اللہ نے ہمارے لئے پکے پکائے کا انتظام کر دیا، کتنا بڑا انعام ہے، یہ بیچارے اپنی کمائی میں سے ہمارے لئے محنت کرتے ہیں، پکا کر لاتے ہیں، ان کا کتنا بڑا احسان ہے، اگر کوئی بات مزاج کے خلاف ہو تو تحمل اور صبر سے کام لیں، یہ حضرات جو کھلاتے ہیں، محنت کرتے ہیں، آپ لوگ ان کے کچھ رشتہ دار تو ہیں نہیں حق تعالیٰ نے ان کے جی میں ڈالا تو آپ کی مہمان داری کر رہے ہیں جی میں نہ ڈالتے نہ کرتے کچھ آپ لوگوں کی زبردستی تو ہے نہیں پس اگر کسی بات میں تھوڑی بہت تنگی محسوس ہو، مزاج کے خلاف کوئی چیز ہو تو عمل اور صبر سے کام لینا چاہئے، آخر یہ حضرات اتنے لوگوں کیلئے ہر طرح کا انتظام کر رہے ہیں، کتنا بڑا احسان ہے، کہ ہمیں ہر فکر سے بے نیاز کر دیا خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے فارغ کر دیا روزہ رکھیں تلاوت کریں، ذکر کریں، اس واسطے ہمیں تو بس رات دن انہیں چیزوں کی فکر میں رہنا چاہئے دوسری طرف دھیان و توجہ نہ دیں۔

حضرت مولانا طلحہ صاحب زید مجدہم کے مہمان کا واقعہ

سہارنپور کا واقعہ ہے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایک مہمان آئے انہوں نے کھانا پیش کیا تو مہمان صاحب کیا فرماتے ہیں، کہ یہ چیز تو میرے مزاج کے خلاف ہے، اس سے تو مجھ کو نزلہ ہو جاتا ہے، مولانا طلحہ صاحب نے فرمایا، غریب خانہ میں جو تھا وہ لا کر پیش کر دیا، اور میرے یہاں نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مہمان کا واقعہ

سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کتاب ختم ہوئی ایک بڑے مجمع کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دعوت تھی، دعوت میں ایک صاحب گاؤں کے بھی آئے انہوں نے انتظام دیکھ کر فرمایا کہ یہاں کا انتظام اچھا نہیں ہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے وہیں بلا کر ڈانٹا کیا میرا خط تیرے پاس گیا تھا، یا قاصد گیا تھا، پھر تو کیوں آ گیا یہ بتا تجھے کس نے بلایا تیرے گھر کا سارا انتظام ٹھیک ہے؟ مگر ڈانٹنے کے بعد اس کو کھانا بھی کھلایا، یہ نہیں کہ صرف ڈانٹا ہی ڈانٹا ہو۔ بہر حال کسی جگہ کے انتظام پر مہمان کو نکتہ چینی نہ کرنی چاہئے۔

مہتمم دارالعلوم کی دارالافتاء میں تشریف آوری

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دارالافتاء میں مدعو کیا گیا، تشریف لائے میں اسی طرح بیٹھا رہا...... تشریف آوری محسوس نہ ہوئی حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ڈیکس کے پاس تشریف لا کر دوزانوں بیٹھ گئے، میں نے دفعتاً دیکھا تو کھڑا ہو گیا، مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا آپ وہیں بیٹھیں گے، میں نے کھڑے ہو کر جواب دیا کہ حضرت اس وقت مستفتی نہیں بلکہ مہمان ہیں اور مہمان کا فریضہ ہے کہ جہاں اس کو میزبان بٹھائے وہاں بیٹھے، لہٰذا یہاں مسند پر تشریف لے آئیں، حضرت اور جس وقت مستفتی کی حیثیت سے تشریف لائیں گے تو وہیں بیٹھیں مضائقہ نہیں، آ کر بیٹھ گئے۔

تو عرض یہ کر رہا تھا، کہ مہمان کو چاہئے کہ وہ اس کا خیال رکھے جہاں میزبان بٹھائے وہاں بیٹھے، جیسا کھلائے ویسا کھائے میزبان کے انتظام میں کیڑے

نکالنا اعتراض کرنا غلط ہے ہرگز مناسب نہیں۔

فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ڈانٹ

سہارنپور میں میرے اوپر بھی ڈانٹ پڑی ہے، رمضان المبارک میں کھانا کھانے کیلئے عمومی دسترخوان پر بیٹھ گیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا آدمی آیا مجھے اٹھا کر لے گئے اور شیخ کی ڈانٹ پڑی کہ جب ہم نے تمہارے لئے یہاں انتظام کیا ہے تو وہاں کیوں بیٹھے، پس مہمان کو وہیں بیٹھنا چاہئے جہاں میزبان بٹھائے۔

مہمان کے کھانے میں فرق

اگر کھانے میں کچھ فرق ہو تو تب بھی مضائقہ نہیں اس پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہئے کہ صاحب ہم کو تو ایسا دیا جاتا ہے، اور ان کو ایسا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ وہ کھانا کھلاتے اور متعدد دسترخوان ہوتے کھانا بھی الگ الگ ہوتا کسی کو اس دسترخوان پر بٹھایا کسی کو دوسرے پر۔

پس کسی کو مطالبہ کرنے کا حق نہیں کہ فلاں کو ایسا کھانا کیوں کھلایا اور ہم کو نمبر دو کا کیوں کھلایا جاتا ہے، پھر اس کا لحاظ بھی رکھنا چاہئے ایک تو عام کھانا ہوتا ہے، اور ایک خاص طور پر کوئی چیز کسی کو پیش کی جائے اس خاص چیز کو کسی دوسرے شخص کو دینے کا حق نہیں جس کو دی گئی، کھانا ہو کھا تو ورنہ واپس کردو۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معمول

سہارنپور میں ایسا ہوتا تھا کہ کوئی صاحب چائے پیتے وقت اپنی چائے دوسرے کے سامنے پیش کردیتے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ڈانٹتے تھے آپ کو مالک تو نہیں بنایا میری

چائے دوسرے کو دینے کا آپ کو کیا حق ہے؟ آپ کو پینا ہو پیجئے ورنہ واپس کر دیجئے بہر حال آدمی دوسرے کے دستر خوان پر پہنچ کر حکومت کرے یا نخرے دکھائے یہ غلط طریقہ ہے اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

مجمع میں ایک دوسرے کی رعایت

نیز اس مجمع میں نگرانی کی جائے کہ کوئی شخص بیکار باتیں نہ کرے متعدد شکایتیں آتی ہیں، کہ کوئی صاحب نماز پڑھ رہے تھے وہیں قریب ہی بیٹھ کر کچھ لوگوں نے باتیں شروع کر دیں، یا لوگ سو رہے ہیں، اور زور سے قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا جس سے سونے والوں کو اذیت ہوتی ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

میں نے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فقرہ سنایا تھا، کہ بڑے سے بڑا عمل کسی مسلم کی ادنیٰ سی دل آزاری سے اللہ تعالیٰ کے یہاں بے رونق ہو جاتا ہے، اور بھئی! کسی شخص کو اگر بہت ہی پریشانی ہو اور کوئی چیز موافق نہ ہو وہ کیوں پریشانی اٹھائے ہمارے بس میں جتنا ہے پریشانی دور کریں گے کوشش کریں گے لیکن نہ ہو سکے تو ہمیں معذور سمجھیں۔

اس واسطے تمام حضرات کو آپس میں میل ملاپ کے ساتھ دوسرے کی دلداری کے ساتھ رہنا چاہئے، دل آزاری سے پورا پرہیز کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

□□□

اکابر کے سبق آموز واقعات

اس بیان میں

حضرات اکابر کے بعض سبق آموز واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

اکابر کے سبق آموز واقعات

ایک اہل علم سے میری بات چیت ہو رہی تھی، انہوں نے کہا میرے پاس علم ہی کیا ہے، میں نے کہا کہ نہیں آپ نے پڑھا ہے، میں پوچھتا ہوں آپ نے اس علم کا کیا حق ادا کیا؟

کہنے لگا میں نے پڑھا ہی کیا ہے، میں نے کہا اچھا جی اگر فہرست مرتب کی جانے لگے اہل علم کی اور اہل جہل کی اور آپ کا نام اہل جہل میں لکھا جائے تو نا گوار تو نہیں ہوگا، ، جاہلوں کی فہرست میں آپ کا نام لکھ دیا جائے، یہ الفاظ تو آپ کے دوسروں کو فریب دینے کے لئے ہیں لیکن اگر حقیقت اپنے اندر موجود ہو اس چیز کی تو اس کا اثر دوسرا ہوتا ہے۔

برناڈ شاہ کا مقولہ

ایک عالم نے ایک جگہ تقریر کی اس تقریر میں کہا کہ کلمۂ حکمت جہاں سے بھی ملے لے لینا چاہئے، اور کہا کہ دیکھئے برناڈ شاہ سے کسی نے پوچھا کہ دنیا میں سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ اس نے کہا: اسلام۔ پھر اس سے پوچھا: سب سے بری چیز کیا ہے؟ اس نے بتایا ''مسلمان''، کتنی انصاف کی بات کہی میں نے کہا کہ اس نے جو پہلا لفظ کہا ہے، کہ سب سے اچھی چیز اسلام ہے، یہ آپ کے دماغ کو رشوت دینے کے لئے کہا ہے، تا کہ آپ دوسرا لفظ سننے کیلئے تیار ہو جائیں، کہ سب سے بری چیز مسلمان ہے، اگر وہ پہلے یہ رشوت نہ دیتا تو آپ دوسرا لفظ سننے کیلئے تیار نہ ہوتے اس کی جان کو آ جاتے کہ مسلمان کو برا کہتا ہے۔

....

ذہنی رشوت

رشوت روپے پیسے کی ہی نہیں ہوتی، ذہن کی رشوت بھی ہوتی ہے، ذہن کی رشوت تو بڑی خطرناک رشوت ہے، اگر واقعتا اس کے نزدیک سب سے اچھی چیز اسلام ہے تو اس نے اسلام اختیار کیوں نہیں کیا، ساری زندگی اس کی مخالفت کرتا کرتا مرا ہے، اسی طریقہ پر دیکھنا یہ ہے کہ جو چیز آدمی نے اپنے لئے خود اختیار کی وہی چیز اگر دوسرا شخص اس کیلئے اختیار کرے، اور اس کے اوپر نہ ہو تو معلوم ہوتا ہے، کہ ہاں انکے نزدیک دونوں چیزیں برابر ہیں، جو لفظ خاکساری کا ایک شخص اپنے لئے لکھتا بولتا ہے، اگر وہی لفظ دوسرا اس کیلئے استعمال کرتا ہے، تو اس کو کیوں ناگوار ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس کا اپنے لئے خاکساری کا لفظ اختیار کرنا قلب کے اندر موجود نہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے نواب صاحب کے خط کا جواب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک نواب صاحب نے خط لکھا کہ میں آنا چاہتا ہوں کچھ روز کیلئے اور میں ملازم ساتھ نہیں لاؤنگا، اپنا کام سارا خود کرونگا، اور خانقاہ کے لوگوں کے جوتے سیدھے کرونگا، حضرت نے جواب دیا یہاں بھی نوابی کریں گے، آپ نے سب چیز اپنے لئے خود ہی تجویز کرلی نواب کی نوابی نہیں گئی، آپ اپنی ضروریات کے لئے ملازم کو ساتھ لائیے اور اس نیت سے آئیے کہ جو کام آپ کے سپرد کیا جائیگا، وہ کریں گے اگر آپ کے سپرد کیا جائے جوتے سیدھے کرنا تو جوتے سیدھے کریں گے، اگر جوتے سیدھے کرنا نہیں کوئی اور کام سپرد کیا جائے تو اسکو کریں گے، نوابی کرنا سپرد کیا جائے نوابی کریں

گے تو سب سے بڑی چیز تو اپنے ارادے اور خودی کو چھوڑتا ہے، یہ ساتھ ساتھ ایسی لگی ہوئی ہے، کہ اسکے بغیر کام نہیں چلتا بڑی پریشانی ہوتی ہے، اپنی طرف سے تو یہ کہہ دیا اگر کوئی دوسرا نواب صاحب سے یہ کہے جوتے سیدھے کیجئے تو ان سے اپنا تو سیدھا ہوتا نہیں ملازم سیدھا کرتے ہیں، وہ دوسروں کے جوتے سیدھے کریں گے، جو لوگ واقعی اپنے آپ کو چھوٹا اور عاجز سمجھتے ہیں ان کا حال دوسرا ہوتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صاجزای کا واقعہ

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی صاجزادی صاجبہ میرے والد کی والدہ کے برابر میری دادی کی طرح تھیں، میں جایا کرتا تھا، ان کے یہاں اور جب میں سیانا ہو گیا، تو پردہ شروع کر دیا تھا، ان کے پردہ کا بھی عالم یہ تھا میں ایک مرتبہ گیا میں نے دروازے پہ اطلاع کی وہاں سے مجھے بلالیا کہ اندر کو آ جاؤ، مکان کے صحن میں بیٹھی ہوئی تھیں، درمیان میں ایک رسی، رسی کے اوپر پردہ ڈال دیا، کہا بھائی بس میں تو اب شرعی پردہ کرونگی وہیں چادر اوڑھے بیٹھیں میں نے ان سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ نے مجھے فلاں دعا بتائی پڑھنے کے لئے کہنے لگیں کیا خبر کون نیک بی بی اللہ کی نیک بندی میری صورت میں آ کر بتا گئی ہونگی، میں نے کہا اچھا اب مجھے بیداری میں بتا دیجئے کہنے لگیں میں بے حقیقت تمہیں بتاؤں تمہارے سامنے حدیث کا ذخیرہ ہے تم مجھے بتاؤ، انہوں نے یہ لفظ بے حقیقت ایسے طریقہ پر کہا کہ میرے بدن میں سناٹا نکل گیا۔

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا حضرت اقدس سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ وہاں موجود تھے، راستے میں سامنا ہو گیا، میں اتنا

شرمندہ کہ میں ناپاک حضرت سے کس طرح ملوں، ایسے طریقے پر حضرت نے فرمایا سب کے دل بھر آئے وہ حقیقت کہتے تھے جو کچھ کہتے تھے، وہ تکلف کے الفاظ نہیں لا تے تھے، کہ میں ناپاک، حضرت سے کس طرح ملوں، مگر حضرت نے بڑی شفقت فرمائی اپنے ساتھ لے گئے روضۂ جنت میں نماز پڑھوائی اور مواجہ شریف میں حاضر کر کے صلوٰۃ وسلام پڑھایا، بڑی شفقت فرمائی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو فتویٰ کی اجازت

حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھ سے امیر شاہ خاں صاحبؒ نے بیان کیا کہ مجھ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منبر پر کھڑا کیا اور مجھ سے ایک سو فقہی مسائل دریافت فرمائے جن کے جوابات میں نے فقہ حنفی کے مطابق دیئے تب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد اور اطمینان فرمایا اور فتویٰ لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

کوّے کا حکم

جس زمانہ میں حضرت نے ایک فتویٰ لکھا کہ کوّا حلال ہے جو کوا بستی کے اندر ہے یہ مرغی کی طرح ہے کہ دانا بھی کھالیتا ہے، غلاظت بھی کھالیتا ہے، جیسے مرغی کا حال ویسا ہی اس کا بھی حال لوگوں نے اس کو مردار سمجھ رکھا ہے، تو جو شخص اس کو کھائے گا اس خیال کی اصلاح کیلئے وہ ثواب پائے گا، اس پر بہت ہنگامہ برپا ہوا، جگہ جگہ مخالفتیں ہوئیں اور آج تک مخالفت چل رہی ہے۔

گستاخی کرنے پر نسبت کا سلب ہو جانا

پورب کے علاقہ میں کوئی بزرگ تھے بڑے بڑے صاحب نسبت روشن دل تھے، ان کے پاس جب یہ مسئلہ پہونچا کوے کی حلت کا انھوں نے کہا بس جی کوا تو حلال ہوگیا اب کچھ دنوں میں چیل بھی حلال ہو جائے گی، ان کی نسبت سلب ہوگئی قلب میں اندھیرا ہو گیا، بہت پریشان ہوئے ضربیں لگاتے ہیں، مراقبے کرتے ہیں کچھ نہیں ہوتا، ایک دوسرے بزرگ تھے ان سے جا کر کہا کہ میرے قلب کا اس طرح حال ہے، انہوں نے مراقبہ کیا اور بتایا کسی اونچی شخصیت کی، اونچی ہستی کی تم نے گستاخی کی ہے، کہا میں نے تو کسی کی نہیں کی کہا نہیں نہیں تلاش کرو ذہن میں یاد کرو، انہوں نے کہا ہاں ایک دفعہ ایسا تو ہوا تھا، کہا ہاں بس یہی بات ہے، اس کا حل یہ ہے کہ گنگوہ جاؤ وہ پیدل چلے گنگوہ کے ارادے سے چلتے چلتے جب سہارنپور پہنچے ایک مسجد میں رات کو ٹھہرے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرمارہے ہیں، میں نے معاف کیا میں نے معاف کیا، اب جو بیدار ہوئے تو قلب اسی طرح روشن تھا، سب نسبت موجود ہے، انہوں نے اتنی تکلیف اور گوارا نہیں کی کہ سہارنپور سے گنگوہ چلے جاتے، ملاقات بھی کرلیتے، وہیں سے واپس ہوگئے جس مقصد کے لئے جانا تھا وہ مقصد تو یہیں حل ہوگیا۔

مجلس نبوی میں مسند افتاء پر فائز ہونا

اسی زمانہ میں کسی نے سائیں توکل شاہ صاحب سے کہا سائیں توکل صاحب تھے انبالہ میں، اُمّی تھے، اور بڑے اونچے صاحب نسبت تھے، ان سے کسی نے کہا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے کوئے کے حلال ہونے کا فتوی دیا ہے، آپ کا کیا خیال ہے، اسکے متعلق پس انکا چہرہ غصہ کے مارے سرخ ہوگیا، کہا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے فتوی کے متعلق تم میرا خیال پوچھتے ہو، میں مجلس نبوی میں ان کو مسند افتاء پر فائز دیکھتا ہوں ان کے فتوے کے متعلق مجھ سے پوچھتے ہو۔

قلم عرش کو دیکھ کر چلتا ہے

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے جو پہلے پیر تھے، ان کا نام بھی عبد الرحیم تھا، میاں صاحب میاں صاحب کہلاتے تھے، وہ بھی امی تھے، انکا تکیہ کلام تھا ”میرا چاند“اس سے پرہیز کرو، بچو ان سے، میرا چاند! فلاں کام مت کرو، انکے ایک مرید نے پوچھا: اس آیت کا کیا مطلب ہے، کہنے لگے میں پڑھا ہوا تو ہوں نہیں، باقی اس آیت کا مطلب ایسا سمجھ میں آتا ہے، کہ جو بڑے بڑے بھاری پہاڑ ہیں، یہ قیامت کو ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنی ہوئی اون ہوتی ہے۔

”وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ“ (سورۃ القارعۃ:۵)

[اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔] (توضیح القرآن: ۱۹۵۲/ ۳)

ایسا سمجھ میں آتا ہے اس کا مطلب، باقی اگر تم کو اس کا مطلب پوچھنا ہو تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے پوچھو، اس نے کہا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب جانتے ہیں، اسکا مطلب انہوں نے فرمایا ارے ان کا قلم عرش کو دیکھ کر چلتا ہے، ان سے پوچھو۔

حضرت گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دو پیغام

حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے اجازت چاہی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی فرمایا جاؤ وہ بہت اچھے آدمی ہیں ان کو ہمارا بھی سلام کہنا ان کے یہاں تعریف کا بہت بڑا لفظ یہی تھا، کہ وہ بہت اچھے آدمی ہیں، چنانچہ وہ مرید گنگوہ آیا ٹھہرا، جب رخصت ہونے لگا تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

مولانا (مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو ہمارا سلام کہنا اور دو پیغام دینا ایک یہ کہ خلق محمدی اختیار کریں (چونکہ بسا اوقات آنیوالوں پر وہ عتاب زیادہ فرمایا کرتے تھے) دوسرا کام یہ کہ ذرا ضبط سے کام لیا کریں، (چونکہ وہ اپنے کشف کو ظاہر فرمادیا کرتے تھے) جب قاصد نے پہلا پیغام پہنچایا جب ہی ناراض ہوئے کہ میرے پاس کوئی دین کی خاطر آتا ہے، جولوگ آتے ہیں دنیا کی خاطر آتے ہیں، کوئی کہتا ہے میرے بچہ پیدا نہیں ہوا، کوئی کہتا میرا مقدمہ ہے، کوئی کہتا ہے، میرے بچوں کو ملازمت نہیں ملتی، ان پر ناراض نہ ہوں تو کیا کروں؟ وہاں (گنگوہ) بیٹھے بیٹھے نصیحت کر رہے ہیں، کہ خلق محمدی اختیار کریں، دوسرا پیغام پہنچایا تو اس پر ایک آہ کھینچی اور فرمایا کہ صاحبزادہ جیسا ظرف کہاں سے لاؤں کہ سمندر کے سمندر پیئے بیٹھے ہیں، مگر ڈکار تک نہیں لیتے (مولانا فضل الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ عمر میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے تھے کہ براہِ راست حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اس لئے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو صاحبزادہ فرمایا۔)

جہاں تک مجھے علم ہے، کہ سائیں توکل شاہ صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی، میاں شاہ عبدالرحیم صاحب سے بھی ملاقات نہیں ہوئی، اپنی اپنی جگہ پر ہیں، حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب سے بھی ملاقات نہیں ہوئی، وہ اپنی جگہ پر ہیں نہ خط وکتابت ہے نہ ملاقات ہے، لیکن ایک بارگاہ کے ہیں سارے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، وہیں سے پہچانتے ہیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روحانی عجیب تعلق

تذکرۃ الرشید میں ہے کہ امیر شاہ خانصاحب گنگوہ آئے یہ امیر شاہ خاں بیعت تھے

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے، حافظہ بڑا قوی تھا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے حالات ایسے طریقے پر بیان کیا کرتے تھے، جیسے محدثین بیان کرتے ہیں، اتنی بات فلاں شخص نے بتلائی، ذرا ذرا سا بھی تغیر وتبدل بتلاتے، گنگوہ میں آئے تو حضرت مولانا سے بتلایا کہ میں حجاز میں ایک مسجد میں تھا، وہاں کوئی بزرگ بیٹھے تھے، ایک شخص آیا اور آ کر بیٹھا تو بزرگ نے فرمایا میاں تمہارے سینے میں ایک شبیہ ہے صورت ہے اس بیچارے کو شرم آئی اس نے آنکھیں نیچی کرلیں، گردن جھکالی مگر انہوں نے سارا حلیہ بتادیا ایسی پیشانی ہے ایسی ناک ہے، ایسی آنکھیں ہیں، اور وہ تمہارے سینے میں ہے، جب انہوں نے سارا حال بتاہی دیا، تب اس بیچارے نے سر اٹھایا اور کہا کہ جی جوانی کے زمانہ میں مجھے ایک عورت سے عشق ہوگیا تھا، اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں اب بھی جب طبیعت زیادہ بے چین ہوجاتی ہے، تو آنکھ بند کرکے اس کا تصور کرلیتا ہوں، تو سکون مل جاتا ہے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا، دوسری مرتبہ امیر شاہ صاحب آئے انہوں نے پھر اسی قصہ کو بیان فرمایا حضرت نے کچھ نہیں فرمایا، تیسری مرتبہ آئے پھر بیان کیا تو حضرت نے فرمایا میاں امیر شاہ تمہارا حافظہ کمزور ہوگیا؟ کہا کہ نہیں حضرت پہلی مرتبہ آیا فلاں مہینہ فلانی تاریخ فلاں دن تھا مجلس میں فلاں فلاں آدمی موجود تھے، وہ وہاں بیٹھا تھا، وہ وہاں بیٹھا تھا، وہ وہاں بیٹھا تھا، دوسری مرتبہ آیا تو یہ تھا، میں جو اس قصہ کو بار بار بیان کررہا ہوں، اس کے متعلق کچھ حضرت سے سننا چاہتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ کوئی بڑی بات نہیں ان بیچاروں کو تصور کرنے کیلئے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی، میرا حال اتنے برس تک حاجی امداد اللہ صاحب کے ساتھ یہ رہا کہ معمولی سی نشست و برخاست بھی ان کے مشورہ کے بغیر نہیں ہوئی حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے، میں گنگوہ میں تھا، اسکے بعد اتنے برس تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ یہی معاملہ رہا، کہ معمولی سی نشست و برخاست بھی بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ کے نہیں ہوئی۔

....

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا سفر لندن اشارہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر

حضرت شیخ الحدیث تشریف لے گئے لندن، لندن سے واپسی پر فرمانے لگے مجھ سے فرمایا مفتی جی کیا ہوا، وہاں جا کر، تم بتاؤ۔ میں نے کہا کہ بتاؤں، میں نے ذرا قوت سے کہا بجائے ادب کے دوبارہ میں نے کہا کہ بتاؤں، کہا ہاں پوچھ تو رہا ہوں، میں نے کہا مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں، پوچھئے ان سے جنہوں نے بھیجا آپ کو، کیا فائدہ ہوا! بس حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا ہاں بھئی بات تو یہی ہے، کئی مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ بھی فرمایا کہ جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

مولانا عبدالرحیم متالا مرحوم کا خواب اور اس کی تعبیر

ہاں لندن میں ایک روز مولوی عبدالرحیم متالا آئے میرے پاس بہت گھبرائے ہوئے کہ خواب دیکھا کہ حضرت شیخ کا انتقال ہوگیا، اور یہاں ہم لوگ بہت پریشان ہورہے ہیں، کہ قبر کہاں بنائیں، قبر کی جگہ نہیں مل رہی ہے، میں نے کہا نہیں کوئی پریشانی کی بات نہیں انتقال ہوگیا، مدینہ طیبہ سے منتقل ہو کر یہاں آئے یہ انتقال ہوا، اور آپ لوگوں نے شیخ کو بلا تو لیا ہے، لیکن آپ کے پاس ایسے آدمی نہیں ہیں، جنکو لا کر شیخ کی مجلس میں بٹھائیں، شیخ اور ان کی بات کو لوگ سمجھ سکیں یہ ہے وہ قبر کی جگہ جو تلاش کر رہے تھے، انہوں نے کہا کہ یا اللہ ہم تو گھبرا گئے تھے کہ یہ کیا ہوا۔

ایک صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہر چیز جو وہاں چوبیس گھنٹے کا نظام تھا، ملاحظہ فرمایا اور تائید و تصویب فرمائی۔

خواب میں تین قبریں دیکھنا

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ تین قبریں ہیں، وہیں لندن میں ایک

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی، ایک حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اور ایک حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی، اور تینوں قبروں میں سے مکھیاں نکل رہی ہیں شہد کی، نکل کر وہ اڑ کر جا رہی ہیں، میں نے کہا ٹھیک ہے، یہ فیض ہے، جو نکل کر جا رہا ہے، تینوں بزرگوں کا۔

چار پیغمبروں کے چار خیمے

ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ چار خیمے ہیں، ایک خیمے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، ایک میں حضرت داؤد علیہ السلام ہیں، ایک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یہ چاروں کے چاروں اپنے اپنے خیموں میں سے آئے اور ایک جگہ پر بیٹھے بیٹھ کر کچھ گفتگو فرمائی، کانفرنس فرمائی کچھ، مگر ہمیں کوئی لفظ سننے میں نہیں آیا، اسکے بعد پھر اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے ہیں، میں نے کہا اہل کتاب میں سے سب انھیں حضرات کے نام لینے والے ہیں، اور بات یہی ہے، کہ وہ تینوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون اور مددگار ہیں، ہر ایک یہ چاہتا ہے، کہ ہماری امت بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کام کریں۔

ایک پادری کا مضمون

اسی زمانہ میں امریکہ سے انگریز پادری کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، کہ یورپ کو اسلام سے زبردست خطرہ ہے، اسلام یورپ کے دروازے پر آ پہنچا ہے، اور وہ کسی تلوار کے زور سے نہیں آیا اس راستے سے آیا۔

اشارہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اوقات کی تقسیم

خیر پھر شیخ نے یہ کہا کہ بھائی کلکتہ والے بہت عرصہ سے بلا رہے ہیں،

میں اپنی بیماری اور کمزوری کا عذر کر دیتا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ بھی تو جاتے ہیں، میں نے کہا کہ بھئی تم مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ پر کیا قیاس کرتے ہو اپنے کلکتہ کو، لیکن اب تو لندن بھی ہو آئے، اب کیا جواب دونگا، تو پھر میں نے عرض کیا کہ اس کا جواب میں نے دیا ہے، فرمایا کیا؟

میں نے کہا:۔

ضعفِ پیری کثرتِ امراض کردش مضمحل

لیک بہر محنت دیں ہمّتے دارد جواں

مکہ طیبہ پاک افریقہ رسیدہ فیض او

ساخت مرکز زامبیا رنگون، لندن، انڈماں

کرد اوقات عزیزش بر اشارت منقسم

گاہ او در طیبہ آید گاہ در ہندوستان

بے اجازت نقل وحرکت وصل وہجرت ہیچ نیست

شد فنا قصدش بقصد سید پیغمبراں

خانقاہ ومدرسہ قائم نمودہ جابجا

تربیت کردہ فرستد کارواں در کارواں

ترجمہ اشعار: ضعف پیری، کثرت امراض نے ان کو مضمحل بنا دیا، لیکن دین کی محنت کیلئے ہمت جوان رکھتے ہیں، مکہ مکرمہ مدینہ طیبہ (زادہما اللہ شرفاً وکرامۃً) پاکستان، افریقہ، ان کا فیض پہنچ چکا ہے۔

زمبیا، رنگون، لندن، انڈمان میں مرکز قائم فرمائے ہیں، آنحضرت ﷺ کے اشارہ کے مطابق، اپنے اوقات عزیز کو تقسیم فرمایا ہے، کبھی مدینہ طیبہ (زادہا اللہ شرفاً وکرامۃً) تشریف لے جاتے ہیں، کبھی ہندوستان، بے اجازت نقل وحرکت، وصل وہجرت، کچھ نہیں ان کا قصد سید پیغمبراں ﷺ کے قصد میں فنا ہو چکا ہے، جا بجا خانقاہ ومدرسہ قائم فرمائے ہیں، (علماء ومشائخ کی) تربیت فرما کر قافلے کے قافلے، ان مدارس وخانقاہوں میں) بھیجتے ہیں۔

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔)

اس پر انہوں نے فرمایا:

کبھی میں نہ بغیر اجازت آیا اور نہ بغیر اجازت گیا، مدینہ طیبہ پہنچا تو اجازت سے وہاں سے یہاں آیا تو اجازت سے۔

(۴؍رمضان المبارک شب منگل بعد التراویح)

❑❑❑

(مابقیہ گذشتہ صفحہ) حضرت اقدس فقیہ الامت نور اللہ مرقدہٗ کے قصیدہ ''وصف شیخ'' کے یہ چند اشعار ہیں جو مع شرح طبع ہو چکا ہے، جس میں قطب عالم شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے اوصاف عالیہ اور دیگر اکابر اولیا کے حالات مبارکہ تفصیلی طور پر بیان کیے گئے ہیں۔

اعتکاف اور اس کی عظمت

اس بیان میں

☆ ...... ماہ مبارک اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے۔

☆ ...... ماہِ مبارک کی صحیح قدردانی۔

☆ ...... ماہِ مبارک میں کن چیزوں سے احتیاط ضروری ہے؟

☆ ...... اعتکاف کی عظمت۔

☆ ...... اعتکاف میں کن چیزوں سے احتیاط ضروری ہے؟

اعتکاف اور اس کی عظمت

خدائے پاک کے احسانات

اگر کسی جگہ فساد ہو رہا ہو، جہاں کرفیو نافذ ہو، ایک دوسرے کو دیکھ کر قتل کے در پے ہوں، ایسے موقعہ پر کسی شخص کو کسی اونچی سرکاری حیثیت کا آدمی اپنے مکان میں اپنی حفاظت میں پناہ دے کتنا احسان مانتا ہے، یہاں اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا یہ بہت بڑا احسان ہے، اللہ کا احسان ماننا اس کا شکر کرنا بہت لازم ہے، اللہ نے کتنا بڑا احسان کیا اولا ہمیں پیدا کیا وہ پیدا نہ کرتے تو کیا کچھ زور تھا ہمارا؟ ہرگز نہیں۔ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں وجود بخشا۔

پیدا کیا تو انسان بنایا جانور بھی تو اسی نے پیدا کئے ہیں، گدھا، کتا، بلی، سور، یہ سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، سانپ، بچھو، وغیرہ اگر بجائے انسان بنانے کے ہم کو سانپ، بچھو بنا دیتا تو کیا ہوتا جو شخص دیکھتا فوراً مارنے کو دوڑتا، گھبرا کر بھاگتا، اللہ نے کتنا عظیم احسان کیا کہ انسان بنایا، اگر وہ ہم کو گھوڑا گدھا بنا دیتے تو کیسے بوجھ لاد کر پھرتا، بیل بنا دیتا تو کیسے ہل میں جوتا جاتا، گاڑی میں جوتا جاتا، اس نے کتنا بڑا احسان و فضل فرمایا کہ انسان بنایا، انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے، جتنی مخلوقات کائنات میں پیدا فرمائی سب سے افضل انسان کو بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنایا یہ کتنا بڑا احسان ہے، اس کے علاوہ یہ رات دن کے

....

ہم پر بے شمار انعامات واحسانات الگ ہیں، ہم کبھی ان پر دھیان نہیں دیتے، توجہ نہیں کرتے، شکرادا نہیں کرتے، شکرادا کرنا تو بعد کی چیز ہے، ہمارے خیال میں بھی نہیں آتا ہمارا ذہن بھی ادھر نہیں جاتا کہ یہ بھی انعام کی چیز ہے۔

پھر انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں کہ کوئی بت کو پوجتا ہے کوئی پتھر کو پوجتا ہے، کوئی آگ کو پوجتا ہے، کوئی سورج کو پوجتا ہے، کوئی پانی کو، اللہ نے ان سب سے بچایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنی عبادت کیلئے مسلمان بنایا پھر مسلمانوں میں بھی کتنے مسلمان ایسے ہیں جو کبھی مسجد میں نہیں آتے کتنے مسلمان ایسے ہیں کہ قرآن پاک سے بالکل ناواقف پڑھے ہی نہیں، قرآن شریف، نماز نہیں پڑھنا جانتے ہیں کہ نماز کیا چیز ہے، اللہ نے کتنا بڑا احسان کیا کہ ہم کو اپنے گھر میں آنے کی توفیق بخشی، قرآن پاک کی دولت سے نوازا، قرآن پاک پڑھنے اور سننے کا موقعہ عنایت فرمایا ان احسانات کو جس قدر انسان سوچے گا اسی قدر دل کے اندر قدر کرے گا، خدا اتنی ہی ترقی عطا فرمائیگا، قرآن پاک میں ہے:

احسانات کی شکرگذاری

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ الخ" (سورۂ ابراهیم: ۷)

اگر تم میری نعمت کا شکرادا کرو گے تو میں نعمتوں میں زیادتی کروں گا، اور اگر ناقدری کرو گے تو یاد رکھو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

اسلئے اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا شکرادا کرنا لازم ہے، آدمی کتے کو پالتا ہے، اس کو روٹی دیتا ہے، پانی دیتا ہے، کتا ساری رات مالک کے دروازے پر بیٹھ کر پہرہ دیتا ہے، مالک سامنے آتا ہے، تو کتا اس کے سامنے بیٹھ کر دم ہلا کر شکریہ ادا کرتا ہے، کتے کو شکریہ ادا کرنے کی توفیق ہو جاتی ہے، ہمیں توفیق نہیں ہوتی اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ہماری حالت جب جانوروں سے بھی گئی گزری ہے، اور کتے سے بھی گئی گزری ہے، تو ہم نے

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کیا شکریہ ادا کیا؟

رمضان المبارک عظیم احسان

اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا رمضان آیا، رمضان المبارک کا مبارک مہینہ اس نے عطا فرمایا، کتنے لوگ ایسے تھے جو پچھلے رمضان میں زندہ تھے موجود تھے اور قرآن بھی پڑھا سنا، روزہ بھی رکھا اعتکاف بھی کیا لیکن دوسرا رمضان آنے سے پہلے پہلے ہی انکو دنیا سے اٹھالیا ،اللہ نے ہمیں موقع دیا کہ دوسرا رمضان بھی ہمارے پاس آ گیا ورنہ شب برات میں بس ایک پتہ جھڑ جاتا ہے جتنے لوگوں کا انتقال حق تعالی کی طرف سے تجویز ہوتا ہے، شب برات میں ان کی روحیں ملک الموت کے حوالے کر دی جاتی ہیں کہ ان کی جانیں نکالنی ہیں، فلانے کی فلاں وقت ہر ایک کی تاریخ اور پوری تصویر اس میں موجود ہوتی ہے۔

یہ سال پھر ہمیں محنت کیلئے ملا تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کریں، گناہوں سے توبہ کریں اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اپنے مولیٰ کو راضی کریں، اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دو شخص ایک ساتھ ایمان لائے کچھ عرصہ کے بعد ایک کا انتقال ہوگیا اور دوسرا ایک ہفتہ کے بعد انتقال کر گیا، بعض لوگوں نے دعا کی یا اللہ اس کو بھی اسی کے ساتھ ملا دے چونکہ پہلا آدمی جہاد میں مرا شہید ہو کر مرا لہذا اس دوسرے کو بھی اسی کیساتھ ملا دے وہی درجہ عطا فرما دے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اچھی دعا نہیں کی اس کیلئے اس کے انتقال کے بعد اس کے گھر میں نمازیں پڑھیں، قرآن پاک کی تلاوت کی، نیک کام کیا گناہوں سے بچا ان کا کوئی حساب ہی نہیں اس کے اعتبار سے یہ اس سے بہت آگے بڑھ گیا، اس لئے حق تعالیٰ نے موقعہ عنایت فرمایا، سال بھر کا موقعہ عنایت فرمایا۔

....

سال بھر تو ہم غفلتوں میں پڑے رہے، معصیتوں میں پڑے رہے، شہوتوں میں پڑے رہے، خدا کی نافرمانی کرتے رہے، مگر اللہ تعالیٰ نے عظیم احسان فرمایا کہ پھر رمضان المبارک کا موقعہ عنایت فرمایا، یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ ایک سیزن ہوتا ہے، دنیا والوں کے لئے کمائی کا سیزن عید کا موقعہ آیا دھوبی بھی لگا ہوا ہے، کپڑے دھونے کے لئے جلدی جلدی عید کے واسطے درزی بھی لگے ہوئے ہیں، جنہوں نے کپڑے رکھے ہیں سینے کے واسطے ان کے کپڑے سی رہے ہیں۔

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے آخرت کی کمائی کے لئے مواقع تجویز فرما رکھے ہیں، ایک بہت ہی اچھا بہترین موقع رمضان المبارک کا ہے۔

حدیث پاک میں موجود ہے کہ رمضان میں ایک نفل پڑھنے کا وہ اجر ملتا ہے جو بغیر رمضان کے فرض پڑھنے کا اجر ملتا ہے، یہ اعمال کی قیمت اتنی بڑھا دی اللہ نے اور ایک فرض پڑھنے پر ستر فرض پڑھنے کا ثواب ملتا ہے، کتنا بڑا فرق ہے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کو مشک سے بھی زیادہ پسند ہے، روزہ دار کی اتنی قدر و منزلت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا میں جو کچھ پیدا فرمایا انسان ان سب سے مقدم سب سے مکرم و افضل ہے کہ سب کو انسان کے نفع کے لئے پیدا فرمایا۔ "خُلِقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ" زمین میں جتنی چیزیں ہیں سب تمہارے نفع کے لئے پیدا کی گئی ہیں، مگر اللہ کے حکم کے ماتحت بندہ ان سے نفع حاصل نہیں کرتا۔ اور ان نعمتوں کی شکر گذاری نہیں کرتا بلکہ ان نعمتوں کو الٹا اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانیوں میں استعمال کرتا ہے۔

صبر کا مہینہ

یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے صبر کے معنی اللہ کو راضی کرنے کے لئے نفس کو مجبور کرنا تنگی

ترشی برداشت کرنا نفس کو آزاد نہ چھوڑنا بلکہ تنگی ترشی برداشت کرنے پر اس کو مجبوس کرنا صبح صبح جی چاہتا ہے چائے پینے کو مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم نہیں، روزہ کا حکم ہے، لہٰذا آدمی چائے نہیں پیتا اپنی خواہش کو پورا نہیں کرتا، جو لوگ تمباکو کے عادی ہیں، ان کو بڑی دشواری پیش آتی ہے، پان کے عادی لوگوں کو دشواری پیش آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر سب برداشت کرتے ہیں، گھر میں اللہ پاک نے کھانے کیلئے دے رکھا ہے، سب کچھ موجود ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کیلئے روزہ رکھا ہے، لہٰذا کھانے پینے سے بچ رہے ہیں، بیوی سے صحبت کرنے سے بچ رہے ہیں، یہ روزہ ہے یہ صبر ہے، جس کا مقام بلند مقام ہے انبیاء کے اوصاف کاملہ کو قرآن کریم میں دیکھا جاتا ہے، انکا ایک بڑا وصف صبر ملتا ہے۔

حضرت سیدنا ایوب علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ" (سورۂ ص:۴۴)

[حقیقت یہ ہے کہ ہم نے انہیں بڑا صبر کرنے والا پایا، وہ بہترین بندے تھے۔]

(توضیح القرآن: ۳/۱۴۰۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مخصوص بندے سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کیلئے فرمایا کہ ہم نے ان کو صابر پایا۔

بندہ کی آزمائش

اس واسطے کہ اس دنیا میں آنے والوں میں جو شخص جس قدر اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوگا، مقرب ہوگا، اسی قدر اس کی آزمائش زیادہ ہوگی، آزمائش ہمیشہ ایسی چیزوں کے متعلق ہوتی ہے، جو نفس کے خلاف ہوں، ان کو برداشت کرنا نفس کیلئے دشوار ہو، وہ ہوتی ہے، آزمائش لہٰذا سب کی آزمائش حضرات انبیاء علیہم السلام کی

آزمائش خاص طور پر دیکھئے ان کے حالات کو کس کس طرح سے ان پر پریشانیاں آئی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمان علیہم السلام سب کے ساتھ مصیبتیں آئیں، آزمائشیں آئیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ سب سے زیادہ میری آزمائش کی گئی، دنیا اور آخرت کی تمام نعمتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ نے اصالۃً پیدا فرمائیں لیکن روزہ فرض کر کے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب چیزوں سے سب روک دیا گیا، کوئی چیز آپکی شان کے خلاف سامنے آئی لیکن پوری پوری طاقت ہونے کے باوجود انتقام لینے سے روک دیا گیا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ گالی دیتے ہیں، پتھر برساتے ہیں، برا بھلا کہتے ہیں، کھانا پینا بند کر دیا، سلام وکلام قطع کر دیا، مکان کا محاصرہ کر لیا، قتل کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن کسی چیز کے انتقام لینے کی اجازت نہیں، بلکہ حکم دیا گیا، صبر کرو، صبر کرو، صبر کا مقام بہت بلند ہے۔

صبر مہینہ

یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے، اس میں پیٹ کا صبر ہے، کھانے پینے سے روکدیا، زبان کا بھی صبر ہے، جو باتیں پہلے سے حرام تھیں وہ تو تھیں ہی حرام لیکن جو باتیں مباح تھیں ان سے بھی روکدیا، کہ بلا ضرورت بات چیت مت کرو، چنانچہ رمضان المبارک میں اعتکاف میں سب سے بڑی چیز جو شاق گذرتی ہے وہ یہ کہ دنیوی بات بولنے سے روکدیا بولو مت خاموش رہو، قرآن پاک پڑھو تسبیح پڑھو، ذکر کرو آپس میں بات چیت

مت کرو، جب آپس میں باتیں کی جاتی ہیں، تو لامحالہ زبان سے کوئی نہ کوئی چیز ایسی نکلتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو، آدمی بیٹھا ہے عبادت کرنے کیلئے لیکن کرتا ہے، وہ کام جو اللہ پاک کو ناپسند ہے کس قدر بے محل اور بے تکی کی بات ہے۔

زبان میں قسم قسم کی چیزیں کھانے کا ذائقہ ہے روکدیا گیا صبح سے شام تک کوئی چیز کھانے پینے کی اجازت نہیں، جن چیزوں کی عادت ہے بغیر ان کے گذارہ دشوار ہے، پان والوں کو پان کی تمباکو والوں کو تمباکو کی بیڑی، سگریٹ اور حقے کی تو بہت ساری عادتیں لوگوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، سب سے روکدیا گیا کسی عادت کو پورا نہیں کرسکتا۔

بیوی گھر میں ہے طبیعت میں تقاضا ہے، بیوی آمادہ اور تیار ہے، لیکن روک دیا گیا، رمضان میں روزہ کی حالت میں مسجد میں آکر سب کو جمع کر دیا یہاں یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ کے خیمے میں آ گئے اللہ نے یہ جو امن کا خیمہ ہمارے لئے لگا رکھا ہے امن کے خیمے میں آ گئے شیطان ہمارے اوپر حملہ آور نہ ہو نفس ہمارے اوپر حملہ آور نہ ہو، ہر ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہو ہمارا ظاہر بھی اچھا ہو باطن بھی اچھا ہو، دل میں بھی کسی کی طرف سے کوئی کھوٹ نہ ہو۔

دل کی صفائی

حدیث شریف میں ہے:

"عن انس رضی اللہ عنہ قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یابنی! ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبك غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی! وذلك من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ" (تھذیب تاریخ دمشق: ۱۴۵/۳، مشکوۃ شریف بحوالہ ترمذی: ۳۰/۱)

ارشاد فرمایا: کہ اے میرے پیارے بیٹے: حضور اکرم ﷺ بڑی شفقت سے فرماتے ہیں اے میرے پیارے بیٹے! اگر تجھ سے یہ ہو سکے کہ کسی کی طرف سے تیرے دل میں کوئی کھوٹ نہ ہو تو کر گذر، صبح کو اٹھے تو ایسی حالت میں اٹھے کہ کسی کی طرف سے جی میں کھوٹ نہ ہو شام ہو تو ایسی حالت میں شام ہو کہ کسی کی طرف سے جی میں کھوٹ نہ ہو، برائی نہیں، کینہ نہ ہو، بغض نہ ہو، حسد نہ ہو، شحناء نہ ہو، ان سب چیزوں سے دور رہے، دل تو آئینہ ہے دل تو گوہر ہے دل تو موتی ہے، اس میں حق تعالیٰ کی یاد ہونی چاہئے اس میں میل کچیل کا کیا کام حضور اکرم ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی اور یہ بھی فرمایا کہ بیٹے دیکھ یہ میری سنت ہے کسی کی طرف سے دل میں کھوٹ نہ ہو اور جس شخص نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس شخص نے مجھے محبوب رکھا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

کون مسلمان ایسا ہے جس سے پوچھا جائے کہ تم یہ چاہتے ہو کہ تم کو حضور اکرم ﷺ کی معیت جنت میں نصیب ہو جائے کون انکار کردیگا، ہر شخص کی یہ خواہش ہوگی، کہ ہاں ہمیں بھی نصیب ہو جائے مگر بھائی نصیب تو جب ہی ہوگی، جب اس طریقہ کو اختیار کرے جسکو حضور اکرم ﷺ لے کر آئے۔

غیبت سے اجتناب

لہٰذا یہاں پر بہت ہی احتیاط کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے کہ زبان سے کسی کو برا نہ کہا جائے کسی طرح کا فقرہ نہ کسا جائے آج اگر ایک شخص کسی غلطی میں مبتلا ہے، اس کو نصیحت کرنے والا کئی غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہے، آپس میں ایک دوسرے سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں، فلاں شخص کے اندر یہ خرابی ہے، یہ غیبت ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

"وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً" (پ:۲۶، آیت: ۱۲)

[اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔] (توضیح القرآن: ۱۵۸۴/ ۳)

ایک دوسرے کی غیبت مت کرو، کسی نے کوئی خطا کی ہے وہ خطا خداوند تعالیٰ کی، کی ہے خداوند تعالیٰ غفور ہے، رؤف ہے رحیم ہے، وہ بڑی سے بڑی خطاؤں کو معاف کردے لیکن اس کا تذکرہ جب ہم آپس میں کرتے ہیں، تو غیبت ہے، اس سے بچنے کی سخت ضرورت ہے یہ غیبت تو وہی بندہ معاف کرے گا، جس کی غیبت کی ہے، تو معاف ہوگی، اللہ تعالیٰ معاف نہیں کریگا، وہ خطا تو کرے خداوند تعالیٰ کی اور اس کا تذکرہ ہم آپس میں کر کے گناہ اپنے سر میں لیں غیبت کے پہاڑ کا سب بوجھ ہم اپنے سر پر رکھیں اللہ پاک کے سامنے نہایت خطرناک چیز ہے، پھر جو چیزیں حلال تھیں، روٹی چاول روز کھاتے تھے، رمضان المبارک میں ان سب سے تو رکھا روزہ اور مسلمان مردار بھائی کا گوشت کھایا۔

مردار بھائی کا گوشت بھی کھانا کہیں حلال ہے، جو شخص کسی مسلمان کی غیبت کرتا ہے، وہ ایسا ہے جیسا کہ ایک مسلمان مرگیا اور اس کی لاش کو توڑ کر کھایا یہ حرام چیز مردار چیز کھا رہا ہے، حلال چیز سے تو روزہ رکھا۔ اور مردار بھائی کا گوشت کھا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں پیدا کی تھیں کھانے کے لئے ان سے تو روزہ رکھا اور حرام چیز مردار چیز مسلمان بھائی کے گوشت کو کھا رہا ہے۔

حدیث میں آیا ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکایت کی گئی کہ دو عورتوں نے روزہ رکھا ہے اور روزہ ان پر بہت بھاری گذر رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے گوشت کھایا ہے، غیبت کی ہے چنانچہ ان سے قے کرائی گئی اس میں سے گوشت کے ٹکڑے نکلے کسی شخص نے آ کر کوئی بات کہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلال کرو، دانتوں میں اس نے کہا میں نے گوشت نہیں کھایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نے کھایا ہے، مسلمان کا گوشت کھایا ہے، اس نے خلال کیا اور اس کے دانتوں سے ریشے

نکلے گوشت کے اس لئے اس غیبت سے بہت ہی بچنے کی ضرورت ہے، کسی کو برے لقب سے پکارنا پھر اگر اس کو کچھ نصیحت کرتے ہیں آپس میں تذکرہ کرتے ہیں، یہی لوگ اس کو نصیحت کرتے ہیں تو فقرہ کستے ہیں، اس کے لئے لقب تجویز کرتے ہیں۔

حالانکہ قرآن پاک میں ہے:

"وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ" (سورۃ الحجرات:۱۱)

کوئی دوسرے کے لئے لقب تجویز مت کرو، ایسا لقب تجویز کرنا کہ اس کے باعث گرانی خاطر ہو اس کی اجازت نہیں۔

کسی کا مذاق اڑانا

اور اس کا آپس میں مذاق اڑاتے ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ" (سورۃ الحجرات:۱۱)

[اے ایمان والو! نہ تو مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ (جن کا مذاق اڑا رہے ہیں) کچھ ان سے بہتر ہوں۔] (توضیح القرآن: ۱۵۸۴/ ۳)

ایک دوسرے کا مذاق مت اڑاؤ غرض یہ کہ خطا تو کرے ایک اللہ کی خطا کی اس نے اور اس کی ایک خطا کی وجہ سے ہم لوگ کتنے گناہوں میں مبتلا ہو گئے۔

کسی کی طرف انگلی اٹھانا

ہمارے ایک استاذ مرحوم مغفور کہا کرتے تھے، کہ جو شخص کسی پر ایک انگلی اٹھاتا ہے یوں (دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) عیب کیلئے کہ فلاں کے اندر ایک

عیب ہے، ایک انگلی تو اس کی طرف اٹھا رہا ہے، اور تین انگلیوں سے اشارہ اپنی طرف کر رہا ہے، گویا کہ وہ اقرار کر رہا ہے، کہ تین عیب میرے اندر ہیں، تین عیب کا تو وہ اقرار کر رہا ہے، خدا جانے کتنے عیوب ہونگے اس کے اندر اس واسطے بہت احتیاط کی ضرورت ہے یہاں اعتکاف میں آ گئے ہیں، اللہ کے دربار میں آ گئے ہیں، رات دن یہ دعا ہونی چاہئے، کہ اے اللہ! ہماری عمر بھر کے آج تک کے سارے گناہوں کو معاف فرما۔

دعاء یہ ہونی چاہئے کہ اے اللہ جن گناہوں کی ہمیں عادتیں ہوگئی ہیں، گناہ کرتے کرتے عادتیں پک گئی ہیں، اس کو تیرے سوا کوئی نہیں چھڑا سکتا، اپنے فضل وکرم سے اس کو بھی چھڑا دے جس طرح سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت کوئی کسی عمر میں کوئی کسی عمر میں مسلمان ہوئے اور کفر وشرک ان کے اندر جو بھرا ہوا تھا، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر توبہ کرنے سے سارا کفر وشرک چھوٹ گیا ساری بری عادتیں چھوٹ گئیں، سارے گناہ ختم ہو گئے، اے اللہ ہمارے بھی سارے گناہ معاف فرما دے۔

اعتکاف میں احتیاط

زیادہ سے زیادہ وقت قرآن پاک کی تلاوت میں ذکر میں تسبیح میں لگانا چاہئے ضروری بات ہو کسی سے مسئلہ پوچھنا ہو مسئلہ پوچھ لو اجازت ہے، ممانعت نہیں ہے، باقی بے جا غلط باتیں لایعنی باتیں نہ کرو، اس سے بہت بچو، لایعنی باتوں کی تو باہر بھی اجازت نہیں چہ جائیکہ روزہ کی حالت میں مسجد میں تو رمضان میں جو روزہ ہے اعتکاف ہے یہ صبر کا مہینہ ہے اس میں زبان کو بھی صبر دلانے کی ضرورت ہے، جی چاہتا ہے فلاں بات بولنے کو، اس سے روک دیا جائے اسکی اجازت نہیں، آنکھ چاہتی ہے اِدھر اُدھر نظر کرنے کو آنکھ کو روک دیا جائے کہ اِدھر اُدھر نہ دیکھو ہاتھ پیر چاہتے ہیں کچھ اور کام کرنے کو ان کو روک دیا جائے، پیٹ

چاہتا ہے، کسی چیز کے کھانے کو اس کو روکدیا جائے، جو چیزیں فی نفسہ جائز ہیں مباح ہیں مگر روزہ کی وجہ سے ممنوع ہیں، ان کا وقت افطار کا وقت ہے مغرب کا وقت ہے، جن چیزوں کو دل اختیار کرے کھالو پی لو مزے کرلو، اور جو چیزیں بلا روزہ بھی حرام ہیں، ان کی تو حرمت روزہ کی حالت میں اور زیادہ مؤکد اور پختہ ہوجاتی ہے، پھر اس چیز کی ضرورت ہے کہ ہم لوگ اعتکاف کو سمجھیں اعتکاف کس لئے ہے، یہ اسی لئے ہے کہ زندگی بھر کے گناہوں کو معاف کرانا ہے، سوچ سوچ کر یاد کرنا ہے، کہ میں نے فلاں گناہ کیا ہے۔ اور ہر گناہ سے توبہ کی جائے۔

"اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ"

[میں اللہ سے اپنے رب سے ہر ہر گناہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔]

استغفار کے وقت تصور

استغفار اس نیت سے پڑھا جائے جیسے آدمی نل کے نیچے بیٹھ جائے نل کو کھولا اس سے پانی کی دھار گر رہی ہے ایک کپڑا ہے، نجس ہے، برتن ہے نجس ہے، ہاتھ ہے، گندا ہے، مگر وہ دھار اس پر گر رہی ہے، اور یہ مل رہا ہے، آہستہ آہستہ اور پانی کی دھار کے ساتھ ساتھ اس کی گندگی، نجاست اور میل بھی دور ہو رہا ہے، اسی طرح یہ سمجھے آدمی کہ میں سر سے پیر تک گندا ہوں، گناہوں میں ملوث ہوں، میرا کوئی عضو ایسا نہیں جس نے گناہ نہ کیا ہو، اور یہ استغفار پڑھ رہا ہوں، جو اللہ تعالیٰ کی...... مغفرت کی دھار ہے۔

اس دھار کے ذریعہ سے میرے گناہ معاف ہو رہے ہیں، فلاں فلاں گناہ کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے، ہر شخص کو اپنے گناہ معلوم ہیں، سب گناہ کس کس کو بتائے کسی کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں، استغفار اس نیت سے پڑھنا چاہئے۔

....

تیسرا کلمہ

تسبیح میں تیسرا کلمہ پڑھتے ہیں:

"سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ"

"سُبحانَ اللّٰہ" کہتے وقت تصور

تیسرا کلمہ پڑھتے ہوئے تصور کرے "سبحان اللہ" اللہ پاک ہے، دنیا کی جتنی چیزیں دنیا کی جتنی مخلوقات ہمارے سامنے موجود ہیں، سب کے اندر نقصان ہے، سب کے اندر عیب ہے، سب کے اندر یہ خرابی ہے، اور کم سے کم یہ خرابی تو ہے ہی کہ فانی ہے ختم ہو جائیگی، اللہ تعالیٰ ان سب سے پاک وصاف ہے، جتنا نقصان دنیا کی چیزوں میں ہے، اللہ تعالیٰ میں کسی چیز کا کسی قسم کا نقصان نہیں، سب سے پاک ہے، سب سے منزہ ہے۔

"الحمد للّٰہ" کہتے وقت تصور

"الحمدللہ" ساری خوبیوں کا مستحق وہی ہے، جتنی بھلائی دنیا کی کسی چیز میں ہمیں نظر آتی ہے یہ سب حق تعالیٰ شانہ کی دی ہوئی ہے، سب ناپائدار ہے، سب ختم ہو جانے والی ہے، لیکن حق تعالیٰ میں جو جو خوبی ہے، اور ہر خوبی کی اصل وہی ہے، اس کی خوبی ذاتی ہے، وہ کسی کی دی ہوئی نہیں ہے، وہ ختم ہونے والی نہیں ہے، ساری تعریفات کا مستحق وہی ہے، سارے کمالات کا مستحق وہی ہے، جو ذات سارے عیوب سے پاک، سارے کمالات کا مستحق ہے۔

"لا الٰہ الا اللّٰہ الخ" کہتے وقت تصور

"لا الہ الا اللّٰہ" بندگانی کے لائق وہی ہے، عبادت کے لائق وہی ہے، تعلق قائم

کرنے کے قابل وہی ہے، اپنا رابطہ لگانے کے لائق وہی ہے، رزق کا بھروسہ ہو اسی پر ہو، کہ وہی رازق ہے، پرورش کا خیال آئے تو ہمیں سوچنا چاہئے، کہ وہی ہمارا رب ہے، وہی ہماری تمام خطاؤں کا معاف کرنے والا ہے، تو وہی غفور ہے، وہ ہی رؤف ہے، وہ ہی رحیم ہے۔

توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو

غرض دنیا میں جس جس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے، اور اس ضرورت کی وجہ سے غیر کی طرف التفات ہوتا ہے، تو آدمی پورے طور پر یہ سمجھے، غور کرے کہ ہماری ضرورتوں کا کفیل وہی ہے، وہی مالک ہے، جو چیز دیگا وہی دیگا، آخر یہ دنیا کی چیزیں یہ تو قاصد ہیں، اسباب ہیں، ملک بادشاہِ وقت کوئی چیز آپ کے پاس بھیجتا ہے، کبھی ڈاکیہ کی معرفت بھیجتا ہے کبھی اپنے کسی خادم کے ذریعہ بھیجتا ہے، یا آپ کے کسی عزیز کی معرفت بھیجتا ہے، لیکن یہ سب کے سب اس کے خادم وقاصد ہیں، دینے والا تو وہ بادشاہ ہے اسی طرح سے دنیا میں جو چیزیں ہیں، آم ہے آم کا دینے والا اللہ پاک ہے، درخت کو خادم بنادیا وہ اس کا ذریعہ بن گیا، تربوز ہے اس کا دینے والا اللہ پاک ہے، درخت کو اسکا قاصد بنادیا اس کے ذریعہ سے ملتا ہے، تو دینے والا وہ ہے ان تمام چیزوں کو خادم وقاصد کی حیثیت سے تجویز فرمایا۔

لہٰذا اصالتاً نظر ادھر ہی ہونی چاہئے، وہاں سے چلے گا تو ہم کو ملے گا وہاں سے نہیں چلے گا تو ہم کو نہیں ملے گا، اور جس کے پاس وہاں سے چلے گا، اسی کے پاس پہنچے گا کسی دوسرے کے پاس نہیں پہنچ سکتا، اور جو چیز دوسرے کی ہے، اُسے کوئی نہیں لے سکتا۔

اس لئے دل لگانے کے قابل بھروسہ کرنے کے قابل اعتماد کرنے کے قابل صرف اللہ ہے، "لاالٰہ الااللہ. اللہ اکبر" تین چیزیں اب تک

ہمارے سامنے آئیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ سارے عیوب اور ساری کوتاہیوں سے خرابیوں سے نقصانات سے پاک وصاف ہے، دوسری چیز یہ سامنے آئی کہ ساری خوبیوں اور سارے کمالات کا وہی مالک ہے، تیسری چیز یہ ہے کہ بھروسہ کے قابل اعتماد کے قابل وہی ذات ہے۔

”اللہ اکبر“ کہتے وقت تصور

اس کے بعد کہتے ہیں: ”اللہ اکبر“ اللہ تو اس سے بھی بڑا ہے، جو کچھ ہم نے سمجھا ہے اللہ تو اس سے بھی بڑا ہے، وہاں تک تو ہماری رسائی ہو ہی نہیں سکتی، اور وہ وراء الوراء ہے، بندہ عاجز ہے، اللہ قادر ہے، یہ عاجز اس قادر تک کیسے پہنچ سکتا ہے، بندہ جاہل ہے، وہ عالم ہے، جاہل عالم تک کیسے پہنچ سکتا ہے، بندہ فانی ہے وہ باقی ہے، فانی باقی تک کیسے پہنچ سکتا ہے، اس واسطے وہاں تک پہنچنے کی کوشش نہ کیجئے جو کچھ سمجھیں اور جو کچھ سمجھتے جائیں، یہ کہتے جائیں، ”اللہ اکبر“ اللہ تو اس سے بھی بڑا ہے، اس سے بھی بڑا ہے، وہاں تک ہم پہنچ ہی نہیں سکتے، اس تصور کے ساتھ ساتھ پڑھیں، تو انشاء اللہ ان کلمات کے انوار بھی مرتب ہوں گے، اور ان کے ثمرات و برکات بھی حاصل ہوں گے، استغفار پر وہ نیت رہے، اور تیسرے کلمہ پر یہ نیت رہے۔

سب سے بڑا احسان

ایک چیز درود شریف ہے، اس کے متعلق سوچنا چاہئے، کہ اللہ نے ہمارے اوپر جتنے احسانات فرمائے ہیں، ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ہماری ہدایت کیلئے اپنے سب سے بڑے افضل سب سے بڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بنایا، یہ سب سے بڑا احسان ہے حق تعالیٰ کا۔

....

لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے اوپر بے شمار حقوق ہیں، جو نعمت جس قدر قوی ہوتی ہے اس کے حقوق اسی قدر زیادہ متعلق ہوتے ہیں، اسی درجہ اس کا شکریہ ادا کرنا لازم ہوتا ہے، سب سے بڑی نعمت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اسلئے فرمایا گیا:

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ" (سورۂ آل عمران:۱۵۹)

[ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر!) تم نے ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔] (توضیح القرآن:۲۲۹/۱)

اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کیلئے نرم مزاج ہو گئے، سختی نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں ہر شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بات پوچھ سکتا ہے، ہر شخص کو آپ ہدایت کی طرف بلا سکتے ہیں، یہ کتنی بڑی کتنی عظیم نعمت ہے۔ اسی عظیم نعمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعثَ فِيْهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ الآية" (سورۂ آل عمران:۱۶۴)

[حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔] (توضیح القرآن:۲۳۰/۱)

اللہ نے احسان عظیم فرمایا کہ ہماری ہدایت کے لئے اللہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جنہوں نے آ کر تین کام کئے، قرآن پاک کی تلاوت کی تزکیۂ باطن کیا، تعلیم کتاب کی تعلیم حکمت کی اس لئے یہ بڑی نعمت ہے اس نعمت کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہئے۔

درود شریف کے وقت تصور

اس نعمت کا شکریہ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت آسان طریقہ بتایا کہ

درود شریف کی کثرت اور اتباع سنت کا اہتمام شکر ہے، ہماری ساری زندگی حضور اقدس ﷺ کے طریقہ کے مطابق گذر جائے اسی کی فکر کرنا یہ شکر ہے، لیکن بہت ہلکی سی چیز درود شریف کی کثرت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے: جو شخص ایک مرتبہ درود شریف پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس نعمتیں نازل فرماتے ہیں۔ ’’صلی اللہ علیہ وسلم‘‘

حدیث شریف میں آتا ہے: کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، جو درود شریف کیلئے گشت لگاتے ہیں، جہاں کوئی شخص حضور اقدس ﷺ پر درود شریف پڑھتا ہے، وہ لا کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے پاس ایک فرشتہ مقرر ہے، جو شخص درود شریف پڑھتا ہے، وہ فرشتہ حضور اکرم ﷺ کو اس کا نام بتلاتا ہے، اس کے باپ کا نام بتلاتا ہے، اور یہ بتلاتا ہے کہ اس نے آپ پر درود پڑھا ہے، حضور اکرم ﷺ خوش ہوتے ہیں، تو دعاء رحمت فرماتے ہیں، تو ہمارا سلام حضور اکرم ﷺ تک پہنچ جائے آپ اس پر دعاء رحمت فرمائیں کتنی بڑی بات ہے، اس لئے درود شریف کثرت سے پڑھنے کی ضرورت ہے، یہ سوچتے ہوئے کہ یہ درود شریف حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں پیش ہو رہا ہے، حضور اکرم ﷺ خوش ہو رہے ہیں، ملائکہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کر رہے ہیں اللہ کی طرف سے رحمتیں نازل ہو رہی ہیں، اور جو شخص درود شریف نہ پڑھے اس کی وعیدوں کو ذہن میں رکھے حدیث شریف میں آتا ہے، جس شخص کے سامنے میرا نام آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے وہ شخص جنت سے بہت دور ہے ایک حدیث پاک میں ہے کہ جس کے پاس میرا نام لیا جائے وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے۔

ایک حدیث شریف میں آتا ہے، جس کے سامنے میرا نام آئے وہ درود نہ

پڑھے اس نے میرے ساتھ جفا کی، جو وعیدیں ہیں درود نہ پڑھنے کی ان کو دل میں ذہن میں رکھے اور جو روایات فضیلت کی ہیں، ترغیب کی ہیں ان کو ذہن میں رکھ کر پڑھے، اس تصور کے ساتھ ساتھ خواہ عمل قلیل ہو لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مقبول ہے، بہ نسبت اس کے کہ عمل کثیر ہو مگر بے توجہی سے ہو، بے خیالی سے ہو اس واسطے ان چیزوں کو خیال میں رکھے کر پڑھیں ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا لیکن کوئی شخص یہ سمجھے کہ یہ تسبیح و ذکر جو ہم کررہے ہیں، اس کیوجہ سے ساتوں زمینیں ساتوں آسمان ہمارے سامنے کھل جائیں ہم وہاں ہر کسی کو دیکھنے لگیں ایسی تمنائیں نہیں کرنی چاہیں، یہ اخلاص کے خلاف ہے، تمنا صرف یہ ہونی چاہیئے، کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو اور اس کی رضا پردۂ غیب میں ہے، اور یہاں اس کی رضا کی علامت حضور اکرم ﷺ کا اتباع ہے، جو کام حضور اکرم ﷺ کی اتباع کے ساتھ ہوگا وہ اللہ پاک کے یہاں خوشنودی کا ذریعہ ہوگا، اس لئے یہ کرنا چاہیئے، نہ یہ سوچنا چاہیئے کہ اب آسمان تک ہم پہنچ جائیں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے کہا اتنا وقت ہوگیا تسبیح پڑھتے ہوئے کچھ فائدہ نہیں ہوا، انہوں نے بتایا جو کچھ ہم نے بتایا ہے اسی نیت اور تصور کے ساتھ ساتھ پڑھو، میں نے تم کو بتایا ہے کہ اس کے پڑھنے سے یہ ثواب ملے گا، اخلاص کے ساتھ پڑھو اگر قیامت میں میدانِ حشر میں تم کو یہ ثواب نہ ملے گا، تو رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ لینا اللہ کے سامنے کہ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے، بس اس واسطے جو کچھ حاصل کرنا ہے، وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، نہ کشف کے ذریعہ سے نہ کرامت کے ذریعہ سے، نہ دل کے بیدار ہونے کے ذریعہ سے نہ زبان پر الفاظ کے جاری ہونے کے ذریعہ سے نہ ملائکہ کی زیارت کے ذریعہ سے کوئی چیز نظر نہ آئے لیکن اللہ خوش ہوجائے، یہ بہت بڑی چیز ہے،

اور اگر کوئی چیز نظر بھی آنے لگے، کشف ہونے لگے تو کشف تو بھائی محنت پر ہے۔

حقیقت کشف اور قبول ووصول

کشف قبولیت کی علامت نہیں ایک قبول ہے، ایک وصول ہے، دونوں چیزیں الگ الگ ہیں، قبول کے لئے ضروری نہیں کہ وصول بھی ہو، اور وصول کے لئے ضروری نہیں کہ قبول بھی ہو، دیکھو ایک بادشاہ ہے، اس کا ایک بیٹا ہے جو ولی عہد ہے، کسی جگہ پر حکومت کرتا ہے، روزانہ اس کو بادشاہ کی طرف سے ہدایت پہنچتی ہے، اور وہاں کا کارنامہ روزانہ سارے کا سارا بادشاہ کے پاس آتا ہے، بادشاہ اس کے کارنامہ سے خوش ہوجاتا ہے، بظاہر بیٹے کو وصول نہیں دور ہے، لیکن قبول ہے، کہ اسکی خدمات مقبول ہیں۔

دوسری صورت وصول ہے، ایک چور ہے نقب لگا کر شاہی محل کے شاہی خزانے تک پہنچ گیا ہے، وصول تو ہوگیا شاہی محل تک لیکن ہے وہ چور ایسا چور ہے کہ اگر پکڑا جائے تو سزا ہوگی، اسلئے جو ایمان نہیں رکھتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرتے، مگر وہ محنت کریں ان کے قلب میں روشنی بھی پیدا ہوجائے وہ اور چیز ہے، وہ جنت میں تو نہیں جاسکتے، وہ اللہ کی رضا کا ذریعہ تو نہیں ہے۔

سادھو کا مینارۂ نور دیکھنا

گنگوہ میں ایک سادھو جو کوہِ ہمالیہ پر رہتا تھا اور بڑی ریاضت کئے ہوئے تھا، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آکر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، اس نے بتایا کہ میں نے کوہِ ہمالیہ سے دیکھا، کہ روشنی کا ایک بہت بڑا مینار ہے، روشنی زمین سے لیکر آسمان تک جارہی ہے، اس کی سیدھ میں چلا کہ دیکھیں یہ کہاں سے نکلا ہے؟ دیکھا تو یہ گنگوہ میں ہے، تو وہاں ہمالیہ پر سے ان کو نظر آیا ہے۔

....

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کشف ہونے کا واقعہ

پس جو گنگوہ میں حضرت کے شاگرد ہیں ان کو نظر نہیں آیا، تو انہوں نے اس نیت سے کبھی ذکر و شغل کیا ہی نہیں۔

حضرت گنگوہی کی مجلس میں بیٹھے بیٹھے ایک آدمی کو کشف ہونا شروع ہوا، اور دور دور کی چیزیں نظر آرہی ہیں، آدمی جانور باغ سب چیزیں نظر آرہی ہیں، تھوڑا وقت انکا اس حالت میں گذرا، حضرت کی بینائی نہیں تھی، اس زمانہ میں حضرت نے ایک ڈانٹ لگائی کہ کن خرافات میں مبتلا ہو، ان چیزوں کیلئے آئے ہو یہاں کچھ نہیں معلوم کہ کس پر ڈانٹ پڑگئی، ان کا کشف بند ہوگیا جیسے حافظ جی (نابینا) ہوتے ہیں، ویسے ہی ہوگیا، کیونکہ یہ تو درمیان راستے کے تماشے ہیں، ان تماشے میں لگ گیا، پھر منزل کیسے طے کریگا، مکان تک کیسے پہونچے گا، اگر ان میں ہی لگ گیا۔

لہٰذا اگر کسی شخص کو کچھ نظر بھی آجائے تو آنکھیں بند کرنی چاہئے، اس طرف نہ دیکھے مقصود یہ چیزیں نہیں ہیں، مقصود تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے، یہ چیزیں تو اوروں کو بھی نظر آجاتی ہیں۔

کبوتر کو کشف

میرے والد محترم وہ بتاتے تھے، کہ جانور کو بھی کشف ہوجاتا ہے، ان کے گھر میں ایک نیم کا درخت تھا، بتایا کہ یہاں نیم کا ایک درخت ہے، اس پر ایک جنگلی کبوتر نے گھونسلا بنا رکھا ہے، جس روز رات میں بارش ہونے والی ہوتی ہے، تو نیم کے درخت پر وہ کبوتر نہیں بیٹھتے شروع رات سے ہی گھر کے اندر آجاتے ہیں، اس کو دیکھ کر ہم سمجھ جاتے ہیں کہ آج رات کو بارش ہوگی۔

کتے کو کشف

ہمارے محلہ میں ایک ہندو تھا، نام تو خدا جانے کیا تھا، اس کا، اسکی دوکان تھی دوکان کے سامنے سڑک پر چار پائی لگا کر سوتا تھا وہ بتاتے تھے کہ آج رات کو بارش ہوگی، اس سے پوچھتے تھے کہ کیسے پتہ چل جاتا ہے تجھے، اس نے کہا کہ ایک کتا ہے میرا اس کی عادت ہے کہ جس رات بارش ہونیوالی ہوتی ہے، تو دوکان بند کرنے سے پہلے ہی آتا ہے، اور جب بارش نہ ہونے والی ہو تو میرے ساتھ ہی رہتا ہے، اس سے سمجھ میں آجاتا ہے، کہ بارش ہوگی، جو چیز کتے کو بھی حاصل ہو جائے ہندوؤں کافروں کو بھی حاصل ہو جائے اس کے حاصل کرنے کے لئے اتنی بڑی محنت وریاضت کرنے کی کیا ضرورت۔

صوفیاء کا ارشاد

حتی کے علماء نے اکابر صوفیا نے عرفاء نے لکھا ہے کہ جس ولی سے کوئی کرامت نہیں صادر ہوتی ہے، اس کی ولایت زیادہ قوی ہوتی ہے، بہ نسبت اس ولی کے جس سے کرامتیں صادر ہوں، کیونکہ اس کی ولایت ایمان بالغیب پر خاص ہے کوئی چیز دنیا میں اس کو نظر نہیں آتی اور ان کو تو کچھ نظر بھی آتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت سید احمد شہید نے لیلۃ القدر میں بہت کچھ دیکھا، لیلۃ القدر یا لیلۃ البراءت میں دیکھا کہ سارے درخت سجدے کر رہے ہیں، سارے سمندر سارے ستارے سجدے کر رہے ہیں، یہ سب چیزیں انہوں نے لکھ کر بھیجیں اپنے شیخ کے پاس حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس انہوں نے جواب میں لکھا "تلك

احوال تربی بہا اطفال الطریقۃ" یہ احوال ہیں جن سے طریقت کے بچوں کی پرورش کی جاتی ہے، جس طرح بچوں کو کھیل کھلونے دیئے جاتے ہیں کھیلنے کے واسطے اسی طرح طریقت کے بچوں کی پرورش کے واسطے یہ احوال ہیں، قابل التفات نہیں، قابل التفات جو کچھ ہے، وہ بس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے اسلئے نیت صحیح ہو طریقہ صحیح ہو، پھر انشاء اللہ کامیابی ہوگی، جو عمل ہو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو اور جو عمل ہو وہ اللہ کو راضی کرنے کے واسطے ہو انشاء اللہ کامیابی ہوگی، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے، کہنے والے کو بھی سننے والوں کو بھی۔ آمین! ثم آمین!

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن۔

❑❑❑

شکر نعمت

اس بیان میں

☆......اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات

☆......نعمتوں کی شکر گذاری

☆......ناشکری اور ناقدری سے اجتناب

☆......میدان حشر میں ہونے والے سوالات

شکر نعمت

خطبہ مسنونہ کے بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

"وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ" (سورۃ انبیاء:۱۰۷)

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں پر مہربانیاں کرنے کے لئے۔ (بیان القرآن)

دنیا والوں کے لئے رحمت

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے رسول کریم ﷺ سے فرمایا ہے: کہ میں نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، سارے عالم کیلئے حضور اقدس ﷺ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے، آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے انسانوں کے لئے بھی رحمت جانوروں کے لئے بھی رحمت ملائکہ کیلئے بھی رحمت انسانوں کیلئے بھی رحمت زمین کیلئے بھی رحمت۔

بے شمار انعامات

اللہ تعالیٰ کے انعامات تو بے شمار ہیں، قرآن پاک میں ہے:

"وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا"

[اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لوگ تو انہیں شمار نہیں کر سکتے۔](توضیح القرآن: ۸۲۲ / ۲)

اللہ کی نعمتوں کو تم گننا چاہو تو گن نہیں سکتے انسان ان نعمتوں پر غور نہیں کرتا، دھیان نہیں دیتا کہ یہ نعمت ہے، اللہ نے آسمان بنایا چاند سورج ستارے اس میں لگائے، روشن کئے، اللہ بارش عطا فرماتا ہے، اللہ زمین سے پانی نکالتا ہے، طرح طرح کے کھیت پیدا ہوتے ہیں، غلہ جات، طرح طرح کے میوے پیدا ہوتے ہیں، قسم قسم کے جانور پیدا کئے، اتنی نعمتیں ہیں حق تعالیٰ کی، کتنی نعمتیں ہیں، ان سب کا شکر ادا کرنا لازم ہے، جیسی نعمت ہوتی ہے ویسا ہی اس کا شکر ادا کرنا لازم ہوتا ہے۔

کتے کی شکرگذاری

آپ ایک کتے کو پالتے ہیں، اس کو روٹی دیتے ہیں، ہڈی بوٹی دیتے ہیں، وہ ساری رات آپ کے مکان پر پہرہ دیتا ہے، چوروں کو اندر آنے نہیں دیتا، شکریہ ادا کرتا ہے، آپ کے ساتھ کسی کی لڑائی ہو جائے، تو کتا آپ کا حمایتی بن کر اُس کے مقابلہ پر آئے کتا ایک جانور ہے وہ اپنے منعم اور محسن کو پہچانتا ہے کہ میرے مالک کا مکان کونسا ہے، اس پر پہرہ دیتا ہے، مالک کی حفاظت کرتا ہے، مالک کو دیکھتا ہے، تو دم ہلاتا ہوا اُس کے سامنے عاجزی سے پیش آتا ہے، خوشی کا اظہار کرتا ہے، کہ مالک نے اس پر احسان کیا اس کو روٹی دی تو کتا اتنا احسان مانتا ہے، انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اس کو زیادہ احسان ماننا چاہئے، اللہ نے اس کو عقل دی شعور دیا ہے، اس عقل وشعور کا تقاضا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانے۔

پیشاب کا ہونا بھی نعمت ہے

ہمارے ایک بزرگ تھے مولانا شاہ احمد حسن پور مراد آباد کے رہنے والے،

اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے ان کو تکلیف ہوئی کہ پیشاب بند ہوگیا، پیشاب نہیں آتا ان کے سوراخ کر کے نلکی کے ذریعہ سے پیشاب کرایا جاتا تھا، برتن ہاتھ میں ہے اس میں ٹپکتا رہتا تھا پیشاب، ان سے پوچھا گیا کہ حضرت کس طرح سے آپ کو یہ تکلیف ہوئی؟ یہ مرض کس طرح پر شروع ہوا؟ یہ مرض کیسے لگا؟ تو فرمانے لگے بھائی یہ مرض میری بداعمالی سے شروع ہوگیا۔ کیا مطلب ہے بداعمالی سے؟

تو بتایا کہ دن رات کو میں تین دفعہ چار دفعہ اطمینان سے پیشاب کرلیا کرتا تھا، کبھی پھوٹی زبان سے توفیق نہیں ہوئی شکرادا کرنے کی، اے اللہ! تیرا شکر ہے، کہ پیشاب اپنے آپ ہوتا ہے، کبھی خیال بھی نہ ہوا کہ پیشاب کا صحیح طور پر ہونا یہ بھی ایک نعمت ہے۔ خدا تعالیٰ کی آج تکلیف شروع ہوئی تو پتہ چلا کہ کتنی بڑی نعمت ہے، اس کا شکرادا نہیں کیا، ناشکرا تھا، پکڑا گیا۔

ایک بادشاہ کا واقعہ

ایک بادشاہ کو پیشاب کی تکلیف ہوئی بند ہوگیا، بہت علاج کیا نفع نہیں ہوا، بادشاہ کے قلعے کی دیوار کے نیچے ایک فقیر پڑا رہتا تھا، لوگوں نے کہا کہ اس فقیر سے بھی دریافت کرلیا جائے، شاید اس کے پاس کوئی چیز ہو؟ چنانچہ بادشاہ کا خادم ملازم آیا، اس نے آکر کہا کہ بادشاہ سلامت کا پیشاب بند ہوگیا، تکلیف ہے، تمہارے پاس کوئی دوا ہے؟ کہا کہ ہاں ہے، کہنے لگا کہ دیدو، کہا کہ تمہیں نہیں دونگا بادشاہ خود آئے لینے کے لئے، بادشاہ کو تکلیف تھی، لوگوں نے کہا کہ کہو تو زبردستی بلایا جائے، بادشاہ نے کہا کہ نہیں، یہ موقع زبردستی بلانے کا نہیں، بادشاہ خود گیا، بڑے ادب سے بیٹھا عرض کیا، فقیر نے کہا کہ دیکھو میرے پاس دوا تو ہے مگر ایسے نہیں دونگا آدھی سلطنت لکھا دو تب دونگا، بادشاہ نے کہا: اچھی بات ہے، اور کہدیا کہ اسکو آدھی سلطنت لکھدو، وزیروں

کے دستخط کروائے، فقیر نے اپنی گدڑی کھول کر اس میں سے کوئی دوا دی، پوچھا بادشاہ سے کیا چاہتے ہو اس نے کہا کہ پیشاب جاری ہونا چاہئے۔

ابھی مکان پر پہنچا نہیں تھا کہ پیشاب جاری ہوگیا، اب پیشاب اتنا آرہا، اتنا آرہا کہ رکنے کی نوبت نہیں آئی، برابر چلتا رہا، اب دوسری دقت پیش آئی، پھر فقیر کے پاس آئے کہ پیشاب برابر آرہا ہے، جاری ہے، رکتا نہیں ہے، کہا کہ تم ہی نے تو کہا تھا کہ پیشاب نہیں آتا، پیشاب جاری ہوجائے ہوگیا، کہا کہ نہیں جس طرح سے پہلے آتا تھا، وقت پر آتا تھا وقت پر رکتا تھا، دن میں دو چار دفعہ آتا تھا، اسی طرح سے آئے جائے، کہا کہ ایسے نہیں ہوتا آدھی سلطنت اور دینی ہوگی، کہا بہت اچھا اور باقی ساری سلطنت لکھدی، دستخط کردیئے مہر لگادی فقیر نے کچھ دیا، اب پیشاب بند رہا، فقیر نے کہا خبردار تم سلطنت ساری دے چکے ہو، اب تمہارا کچھ نہیں، کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا، بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، کہ میں کیا کروں، فقیر نے کہا کہ مجھے کیا خبر کیا کروگے، گھاس کھودو، اتنا بے قابو ہوا بادشاہ جس کی حد نہیں، جب فقیر نے دیکھا کہ واقعی بادشاہ پر بہت بڑا اثر ہوا، اسکا دماغ معطل ہوا جارہا ہے تو اس فقیر نے کہا کہ مجھے تمہاری سلطنت کی کچھ ضرورت نہیں، صرف یہ بتانا ہے کہ وہ سلطنت جس پر تم کو اتنا گھمنڈ اور غرور ہے، اس کی حالت حیثیت اتنی کم ہے، کہ پیشاب کے چند قطروں کے عوض تم اس کو دینے پر مجبور ہوگئے، یہ سلطنت ہے تمہاری کہ پیشاب کے چند قطروں کے عوض تم نے فروخت کردی، حق تعالیٰ کی ایسی ایسی نعمتیں ہیں، پیشاب کا وقت پر آنا وقت پر بند ہوجانا، اتنی بڑی نعمت ہے، کہ اس کے عوض ساری سلطنت گئی۔

نعمت کی شکر گذاری

اس واسطے حق تعالیٰ کی جو نعمتیں ہیں، ان نعمتوں کی قدر کرنا، بہت ضروری ہے، ان نعمتوں کی آدمی قدر کرے گا، تو ان میں اضافہ ہوگا، ترقی ہوگی، اور اگر ناقدری

کریگا تو پکڑا جاویگا۔

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ"

اگر تم نعمتوں کی قدردانی کرو گے تو ہم نعمتیں زیادہ دیں گے، اگر تم شکر کرو گے تو تم کو زیادہ نعمت دونگا۔ (بیان القرآن)

"وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" (سورۃ ابراھیم: ۷)

اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ (بیان القرآن)

اور اگر تم نے ناقدری کی تو جان لو کہ ہمارا عذاب سخت ہے، اس واسطے حق تعالیٰ کی نعمتوں کی قدردانی بہت ضروری ہے، نبی اکرم ﷺ نعمتوں کی قدردانی فرماتے تھے، اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قدردانی کی ترغیب دیتے تھے، ایسی ترغیب دیتے تھے، کہ آدمی حیرت میں رہ جاتا تھا کئی کئی وقت کھانے کو نہیں ملا، اور پیٹ پر پتھر باندھے، اس کے بعد کچھ ملا تو بہت تھوڑا سا ملا اس کے بارے میں بھی فرماتے ہیں، کہ قیامت میں سوال ہوگا یہ نعمتیں ہیں حق تعالیٰ کی آدمی درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھتا ہے، دھوپ سخت ہے بچاؤ کی کوئی جگہ نہیں ایک درخت مل گیا، اس کے سایہ کے نیچے بیٹھ گئے، کچھ آرام کیا، کتنی بڑی نعمت ہے، درخت کس نے اگایا اللہ نے اُگایا تم سوچتے ہو ہم نے بویا تھا تم نے بویا تھا؟ کہاں بویا اللہ کی پیدا کی ہوئی زمین میں بویا یا کہیں اور؟ زمین اللہ کی پیدا کی ہوئی، اس میں بیج بویا اور جو بیج بویا تھا، وہ تم نے پیدا کیا تھا؟ اللہ نے پیدا کیا، اور اس بونے پر جو پانی دیا ہے وہ اللہ کی دی ہوئی بارش کا پانی ملا، پہاڑوں سے جو برف پگھل کر آیا وہ ملا چشموں کا ملا یہ پہاڑوں پر برف کس نے برسایا تھا، یہ دھوپ کس نے نکالی تھی، جس سے کہ برف پگھلی یہ چشمہ کس نے جاری کیا زمین میں یہ پانی کس نے پیدا کیا؟ یہ صرف اللہ کی پیدا کی ہوئیں چیزیں ہیں۔

اسی سے تو درخت اُگتے ہیں، اسی سے تو برف پڑتی ہے، اسی سے تو درخت پر پھل

لگتے ہیں، اسی سے تو سبزی پیدا ہوتی ہے، ہر چیز حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، اس کی قدر دانی کی ضرورت ہے۔

زبان کی شکر گذاری

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زبان دی ہے بولنے کے لئے، آدمی بولتا ہے یہ یاد رہے کہ زبان کا اللہ تعالیٰ نے مالک نہیں بنایا حق تعالیٰ کی امانت دی ہوئی ہے، اس کا تقاضا تھا تو یہ تھا کہ اسے صرف حق تعالیٰ شانہ کا کام لیا جائے، اللہ کا نام لیا جائے، قرآن شریف پڑھا جائے، درود شریف پڑھا جائے، استغفار پڑھا جائے، تسبیح پڑھی جائے، دین کی باتیں بتائی جائیں، اپنا کوئی کام اس سے نہ لیا جائے لیکن حق تعالیٰ نے اتنی پابندی نہیں لگائی، اپنا کام لینے کی اجازت بھی دیدی ہے، مگر اس طرح کے حق تعالیٰ شانہ کو فراموش نہ کرو، آدمی اللہ کے دین کو فراموش نہ کرے، اللہ کے ذکر کو فراموش نہ کرے، اس کو برابر یاد کرتا رہے، اصل مقصود زبان سے اللہ کا دین ہے، اللہ کا ذکر ہے، اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہے ہر وقت آدمی کی زبان!

حدیث میں آتا ہے، کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے احکام یعنی نوافل مجھ پر بہت غالب ہیں، تو مجھے ایسا عمل بتائیے کہ جس کے ذریعہ سے میں بکثرت ثواب حاصل کرسکوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لازال لسانك رطبا من ذكر الله" رواه الترمذی۔ (مشکوۃ شریف:۱۹۸)

تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہنی چاہئے، تو زبان کس کی ہے، پابندی عائد کردی گئی ہے، زبان پر، اس سے غلط بات نہ بولو دیکھو یہ زبان تمہاری نہیں ہے، خیال رکھو اس سے جھوٹ نہ بولنا، اس سے غیبت نہ کرنا، اس سے کسی پر بہتان نہ باندھنا، اس سے گالی گلوچ نہ کرنا، اس سے کسی کا مزاق نہ اڑانا، اس سے کسی کو ذلیل نہ کرنا،

ان کاموں میں انسان مبتلا ہوگا، زبان کو مبتلا رکھے گا، تو حق تعالیٰ کی نعمت کی ناقدری ہوگی، بڑی ناقدری ہوگی۔

بچی کی شکرگذاری

ایک بچے کو اگر مدرسہ میں بھیجا جائے، قرآن شریف دے کر، جاؤ قرآن شریف پڑھ آؤ، اس کی قدر یہی ہے کہ مدرسہ میں آ کر قرآن شریف پڑھے لیکن اگر کوئی نالائق بچہ قرآن کا ورق پھاڑ کر اس کے اندر چیزیں لے لے نمک لے لے، مٹی لے لے، شکر باندھ لے، اس کی پڑیا بنالے کیا کہیں گے اس کو کہیں گے بہت نالائق ہے، جو قرآن پڑھنے کیلئے گیا تھا، اس کے ورق کو پھاڑ کر اس کو اس طرح کام میں لایا، کتنا غلط طریقہ ہے۔

ٹوپی اور داڑھی کی شکرگذاری

ٹوپی سر پر اوڑھنے کے لئے ہے، نماز پڑھنے کے لئے رکھی جاتی ہے، خدا تعالیٰ کی عبادت کیلئے رکھی جاتی ہے، سر متبرک مقام ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس ٹوپی کے ذریعہ سے اپنا جوتا صاف کرنے لگے، جوتے پر گرد پڑا ہوا ہے، ٹوپی سے اس کو صاف کرنے لگے، جوتا تو صاف ہوجائے گا، لیکن اس نے ٹوپی کی کتنی ناقدری کی، ٹوپی اس لئے نہیں ملی تھی کہ اس سے جوتا صاف کرلیا جائے، چہرے پر داڑھی ہے، حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے، کتنی متبرک چیز ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کو جوتا صاف کرنے کے لئے استعمال کرے تو کتنی ناقدری کی بات ہے، کسی چیز کو بے موقع استعمال کرنا، بڑی ناقدری ہے، اس لئے زبان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بڑی نعمت ہے، حق تعالیٰ نے جس چیز کو بولنے کی اجازت دے دی ہے، وہ بولنی چاہئے، جس کام کیلئے زبان دی ہے، وہ کام کرنا چاہئے۔

....

آنکھوں کی شکر گذاری

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آنکھیں دے دی ہیں، کاہے کے لئے دی ہیں، ان آنکھوں سے قرآن پاک کی تلاوت کی جائے، حدیث پڑھی جائے، فقہ پڑھی جائے، تفسیر پڑھی جائے، بزرگوں کے حالات پڑھے جائیں، مطالعہ کیا جائے اور دنیا کی جو چیزیں ہیں، ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کی جائے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اس سے نتیجہ نکالا جائے، جو انہوں نے آنکھ کے واسطے دی لیکن اگر اسی آنکھ سے کوئی شخص غلط کام لینے لگے، نامحرموں کو دیکھنے لگے، کوئی شخص چھپ کر کام کر رہا ہے، اس کو تاکنے جھانکنے لگے، یہ غلط بات ہے، اس پر تو پکڑ ہوگی۔

بدن میں طاقت کی شکر گذاری

اس طریقہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے بدن میں طاقت دی ہے، یہ طاقت کاہے کے لئے دی ہے، اس لئے دی ہے کہ اس سے دین کا کام لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ، روزانہ روزے رکھتے تھے، ساری رات جاگتے تھے، نماز پڑھتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا بھئی تم کیا ہر دن روزہ رکھتے ہو، کہا: جی ہاں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا مت کرو، مہینہ بھر میں تین روزے رکھ لیا کرو، وہ ایام بیض کے روزے کہلاتے ہیں، تیرہ، چودہ، پندرہ، تاریخ کو، عرض کیا کہ حضرت میں ابھی جوان ہوں، میرے اندر طاقت ہے، مجھے اپنی جوانی سے کام لینے دیجئے، تو ان کی جو جوانی تھی طاقت تھی کاہے کے لئے تھی، اس لئے طاقت تھی کہ

اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کو اللہ پاک کے حکم کو اپنی زندگی پر نافذ کریں، جاری کریں، روزہ رکھیں، برداشت کریں، طاقت تو برداشت کرنے کیلئے دی ہے، نہ یہ کہ گپ شپ مزے اڑانے کیلئے، بہر حال حضور اکرم ﷺ نے ان کو روکا کہنا یہ کہ وہ حضرات سمجھتے تھے، اس بات کو کہ جوانی اور طاقت کاہے کے لئے دی گئی ہے، یہ اسی واسطے دی گئی ہے، تاکہ اللہ کے دین کو اس کے اوپر نافذ اور جاری کیا جائے، اگر کوئی شخص اپنی جوانی کو بے محل خرچ کرنے لگے تو اس کی پکڑ ہوگی۔

میدان حشر میں ہونے والے سوالات

حدیث شریف میں آتا ہے، کہ میدانِ حشر میں جب سورج بالکل قریب ہوگا، اور انسان کا سر اور دماغ اتنا کھولتا ہوگا جس طرح سے ہنڈیا کھولتی ہے اور کسی کا پسینہ ٹخنوں تک ہوگا کسی کا گھٹنوں تک ہوگا کسی کا کندھوں تک ہوگا، کوئی شخص اپنے پسینہ میں بالکل ہی غرق ہوگا، ایسے وقت پر میدانِ حشر میں چند سوالات کئے جائیں گے بندے سے، جب تک وہ ان کا جواب نہ دے گا تب تک اپنی جگہ سے ایک قدم نہیں ہٹا سکتا، ایک سوال یہ ہے جو انی کاہے میں خرچ کی، اللہ کے کتنے بندے ایسے ہیں جو جہاد کرتے ہیں، اپنی جان کو جان نہیں سمجھتے، کئی کئی روز تک ان کو کھانے کو نہیں ملتا تلوار کے میدان میں جاتے ہیں، دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے دین کی خاطر اپنی جوانی سے کام لیتے ہیں، خدا کی عبادت کرتے ہیں، دوسرے کی اعانت کرتے ہیں، دیکھتے ہیں کہ ایک شخص لکڑی کا گٹھر اٹھا کر لا رہا ہے، لیکن اس سے چلا نہیں جاتا، اس سے لکڑیوں کا گٹھر لے کر اسکو سر پر لاد کر اس کے گھر تک پہونچا دیتے ہیں، اور اس کو راحت پہونچا دیتے ہیں، جوانی سے کام لیتے ہیں، چوروں ڈاکوں کا اندیشہ ہے، تو پہرہ دیتے ہیں، چور نہ آجائے ڈاکو نہ آجائے، اپنے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، تاکہ سب بستی والے امن وعافیت سے رہیں، ایک

سوال یہ ہوگا، میدان حشر میں روپیہ کہاں سے جمع کیا، اور کہاں خرچ کیا؟ یہ بات تو بہت مختصر سی ہے، کہ روپیہ کہاں سے جمع کیا، اور کہاں خرچ کیا، آپ خود سوچ لیں، کہ روپیہ میرے پاس کہاں سے آتا ہے، جائز طریقہ پر آتا ہے، یا ناجائز طریقہ پر آتا ہے، اور جہاں خرچ کررہا ہے وہ ناجائز طریقے پر خرچ کررہا ہے، یا جائز طریقے پر خرچ کررہا ہے، یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ روپیہ تو ہم نے اپنے قوت بازو سے کمایا ہے، جہاں ہمارا دل چاہے، خرچ کریں گے، یہ قوت بازو کس نے عطا فرمائی، اللہ نے عطا فرمائی، یہ دماغ کس نے عطا فرمایا، جس سے سوچ نے کی تدبیریں اختیار کیں پھر مال کمایا اللہ ہی نے تو عطا فرمایا، لہٰذا یہ سمجھنا کہ ہمارا کمایا ہوا روپیہ ہے جہاں چاہیں خرچ کریں، ایسا نہیں، حق تعالیٰ کی طرف سے یہ پابندی ہے، غلط جگہ خرچ کرے گا تو آدمی کی پکڑ ہوگی۔

دو پیسے کے بدلے سات سو قبول نماز

حدیث شریف میں آتا ہے، کہ اگر دنیا میں کسی کے دو پیسے یا دھیلے قرض لئے تھے، اور نہیں دیئے اگر چہ وسعت تھی دینے کی مگر اس نے نہیں دیئے وہ پیسے تو قیامت کے دن سات سو مقبول فرض نمازیں اس کے بدلے میں دینی ہوں گی، تو بھائی سوچ لیں جتنی نمازیں پڑھتے ہیں کتنی نمازیں ان میں سے ایسی ہیں جو اللہ کے یہاں مقبول ہیں وہ اس کے پاس چلی جائیں گی، اپنے پاس کیا رہ جائے گا۔

مفلس کون ہے؟

حدیث پاک میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مفلس جانتے ہو کون ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا مفلس تو وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مفلس تو وہ ہے جس نے دین کے بہت

سارے کام کئے نمازیں بھی پڑھیں، اعتکاف بھی کئے تسبیح بھی پڑھی مگر ساتھ ساتھ یہ بھی کیا کہ کسی کا روپیہ رکھ لیا کسی پر ظلم کیا کسی کو دھپ مار دیا کسی پر زیادتی کی یہ کام بھی کئے، اب قیامت میں حساب کتاب جب ہوگا، وہاں لوگ آ کر مطالبہ کریں گے، کہ مجھے اس نے مارا تھا کوئی کہے گا کہ میرا اس نے روپیہ رکھ لیا تھا کوئی کہے گا، کہ میری اس نے زمین دبالی تھی، وہاں زمین روپیہ تو ساتھ ہوگا نہیں وہاں تو حساب نیکیوں اور بدیوں سے ہی ہوگا، حدیث شریف میں ہے کہ ایک قسم کی نیکیاں ایک حق والا لے لے گا، دوسرا حق والا دوسرے قسم کی نیکیاں لے لے گا، یہاں تک کہ اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی، اور لوگوں کے مطالبات باقی رہ جائیں گے، تو پھر یہ ہوگا کہ ان لوگوں کے گناہ تول کر حقوق کے بقدر اس کو دیئے جائیں گے، فرمایا: حضور اکرم ﷺ نے کہ مفلس وہ شخص ہے، کہ جو دنیا سے بہت کچھ نیکیاں کما کر لایا لیکن نتیجے میں کیا رہا، نیکیاں گئیں دوسروں کے پاس اور دوسروں کی بدیاں اس کے پاس آ گئیں، اس واسطے بڑی غلطی کی بات ہے، ہمارے یہاں عادت ہوگئی ہے، جہاں کہیں دو آدمی بیٹھے ہیں، تیسرے کی برائی بیان فرمارہے، فلاں کے اندر یہ عیب ہے، یہ عادت ہے، ایسا کیا اس نے ویسا کیا اس نے، یعنی مستقل طور پر وقت گزاری کا ایک مشغلہ بنالیا گیا ہے، حالانکہ اتنی خراب بات ہے کہ اس کے بدلے میں نیکیاں دلادی جائیں گی، اور دوسرے کے گناہ لاد دئیے جائیں گے، سر پر پڑیں گے، تو جس شخص سے ناراض ہے، اس پر غصہ ہے اس کو اپنی نیکیاں دے دینا یہ کیسی عقلمندی کی بات ہے۔

کیا ایسے بھی ہوتا ہے، کہ ایک شخص کو کسی پر غصہ ہے تو اس کو اپنی کمائی دیدے گا، روپیہ دیدے گا، یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے، کیا کوئی ایسا کرسکتا ہے؟ کوئی ایسا نہیں کرسکتا ہماری نیکیاں اللہ کے خزانے میں جمع ہوتی ہیں، آدمی جب دوسروں کی برائی بیان کرتا ہے، تو یوں دیکھے کہ وہ اپنی بھلائی اس کے حوالہ کردیتا ہے، اللہ کے یہاں سے اس کو مل جائے

گی، اس لئے اس کا کوئی حرج نہیں، اس کو تو فائدہ پہنچ گیا۔

زبان کی حفاظت کی ضرورت

اس لئے زبان کی حفاظت کی ضرورت ہے، زبان کے ذریعہ سے آدمی جنت بھی کما سکتا ہے، دوزخ بھی کما سکتا ہے، اب ایک تو یہ کہ قرآن شریف کی آدمی تلاوت کرے، تسبیح پڑھے، درود شریف پڑھے استغفار کرے، دین کی باتیں کرے، اسلام کی باتیں لوگوں کو سکھائے، ملنے والوں کو سلام کرے، سلام کرنیوالوں کا جواب دے، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو جنت میں لے جانے والی ہیں۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک چوّنی میں مغفرت

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث گزرے ہیں، انکے انتقال کے بعد کسی نے انکو خواب میں دیکھا، پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا، تو انہوں نے کہا کہ ایک چوّنی میں بخشش ہوگئی، ایک درہم جو تقریباً چار آنے کا ہوتا ہے، اس میں بخشش ہوگئی، پوچھا کہ کیسے بخشش ہوگئی، کہا کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو چھینک آئی اس نے "الحمد للہ" کہا حدیث پاک میں آیا ہے، کہ جب کوئی جب چھینک لے اور اس پر "الحمد للہ" کہے تو سننے والے کو چاہئے کہ وہ "یَرحَمُكَ الله" کہے، انہوں نے کہا کہ میں یرحمک اللہ کہنا بھول گیا، مجھے تھوڑی دیر بعد خیال آیا کہ اس شخص نے چھینک لی تھی، اور "الحمد للہ" کہا تھا، مجھے "یَرحَمُكَ الله" کہنا چاہئے تھا، اور میں نے ایسا نہیں کیا اس کو تلاش کیا مجھے معلوم ہوا کہ وہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کے دوسری طرف چلا گیا، دوسری کشتی میں چوّنی دیکر میں سوار ہوا، اور دریا کا سفر کیا، دوسرے کنارے پر جا کر میں نے اس کے سامنے پہنچ کر کہا "یَرحَمُكَ الله" یہ جو "یَرحَمُكَ الله" کہا وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند آئی اور یہی دخول جنت کا ذریعہ بن گئی، غرض زبان کے ذریعہ سے

آدمی جنت بھی کما سکتا ہے، اور دوزخ بھی کما سکتا ہے، دوزخ کیسے؟ مثلاً جھوٹ بولا۔

جھوٹ کی بدبو

حدیث شریف میں آتا ہے، جو شخص جھوٹ بولتا ہے، تو اس جھوٹ بولنے سے اس کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ فرشتہ رحمت کا میلوں تک دور چلا جاتا ہے، ہم کو وہ بدبو محسوس نہیں ہوتی، فرشتہ کو محسوس ہوتی ہے، جھوٹ ایسی بری چیز ہے۔

کسی کا مذاق اڑانا

اسی طرح کسی کا مذاق اڑایا، یہ بھی بری چیز ہے، قرآن پاک میں آیا ہے:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ لایسخر قَوْم مِن قَوْم عَسٰی اَنْ یَکُوْنوْا خَیْرًا مِنْھُمْ" (سورۂ حجرات:۱۱) اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، کہ کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو۔ (بیان القرآن)

اے ایمان والوں کوئی کسی دوسرے کا مذاق نہ آڑائے، کیا بعید ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو، آج دنیا میں اس کا مذاق اڑ رہا ہے، اور کیا بعید ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس کی حالت کو بہتر بنائیں، مذاق مذاق اڑانے والے کا حال خراب ہو، اللہ تعالیٰ کو حال بدلتے ہوئے کوئی دیر نہیں لگتی آج کسی شخص کا اچھا حال ہے، وہ کسی شخص کا مذاق اُڑاتا ہے تو حق تعالیٰ اگر اس کو اچھا حال دیدے اور اس مذاق اڑانے والے کو بدحال بنادے تو کیا مشکل ہے اسلئے یہ نہایت خطرناک چیز ہے۔

ایک لفظ کی حیثیت

حدیث شریف میں آتا ہے، کہ بعض آدمی زبان سے ایک لفظ کہدیتا ہے، اور وہ لفظ ایسا ہوتا ہے، کہ اگر میٹھے سمندر میں ڈال دیا جائے تو سارا سمندر کڑوا ہوجائے، اتنا خطرناک

لفظ ہوتا ہے، اس کے بدلے دوزخ میں چلا جاتا ہے، اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے، کہ آدمی ایک لفظ بولتا ہے کہ اگر اس کو کڑوے سمندر میں ڈالدیا جائے، تو سارا سمندر میٹھا ہو جائے، تو لفظ ایسا ہوتا ہے کہ اسکے بدلے میں وہ جنت میں چلا جاتا ہے، تو زبان کے ذریعہ آدمی جنت بھی کما سکتا ہے، اور دوزخ بھی کما سکتا ہے، پھر سمجھدار آدمی وہ ہے، جو اس کے ذریعہ سے جنت ہی کمانے کی کوشش کرے، دوزخ سے بچنے کی کوشش کرے۔

نعمتوں کا صحیح استعمال

یہی حال حق تعالیٰ کی ہر نعمت کا ہے، روپیہ پیسہ ہے، اس کے ذریعہ سے بھی آدمی دوزخ بھی کما سکتا ہے، اور جنت بھی کما سکتا ہے، جائز طریقہ پر کمائے اللہ کی خوشنودی پر خرچ کرے، اس کے ذریعہ سے جنت کما سکتا ہے، ناجائز طریقہ پر کمائے اللہ کی ناراضگی کے طریقے پر کمائے اس کے ذریعہ سے دوزخ کما سکتا ہے، اس لئے اللہ پاک کی تمام نعمتوں کی قدردانی کی ضرورت ہے، نبی پاک ﷺ نے ہر ایک چیز کے استعمال کا طریقہ سکھایا ہے، کہ ان نعمتوں کو اس طرح سے استعمال کرو گے تو اللہ کے محبوب بنو گے، اور اس طرح سے استعمال کرو گے تو اللہ کی ناراضگی حصے میں آئیگی، مسلمان کا دنیا میں آنا ہی اس مقصد کے لئے ہے، کہ وہ اللہ کو راضی کرے، جو کام بھی کرے اللہ کی رضامندی کیلئے کرے، اس کی خوشنودی کی فکر کرے، کوئی شخص یہ سمجھتا ہے، کہ میں باغات لگانے کے لئے آیا، قسم قسم کے میوے پھل میرے باغ میں لگیں اور میں تجارت کے اندر دور دراز تک اپنا پھل بھیجا کروں، روپیہ کمایا کروں، روپیہ کما کر اس کے ذریعہ سے مکان بنالوں، گاڑی لے لوں، اعلیٰ قسم کے کپڑے پہن لوں، شاندار طریقے پر رہوں یہ تو طریقہ غلط ہے، جس کام کے لئے پیدا کیا انہیں اس کو کرنا چاہئے، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

□□□

تزکیۂ باطن میں فلاح ہے

یہ بیان دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر میں ہوا۔

اس بیان میں

☆......اہل دنیا کے نزدیک کامیابی کا مدار

☆......اصل کامیابی اور زندگی کا مقصد

☆......اتباع سنت کی اہمیت

☆......اخلاق رذیلہ سے حفاظت

☆......اخلاق حمیدہ کا حصول

☆......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کامیابی کا راز

تزکیۂ باطن میں فلاح ہے

خطبۂ مسنونہ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ الخ" (سورۂ اعلیٰ: ۱۴)

ترجمہ: بامراد ہوا جو شخص پاک ہوگیا۔ (بیان القرآن)

اہل دنیا کے نزدیک کامیابی

اللہ جل جلالہ وعم نوالہ نے ان آیات میں فلاح اور کامیابی کا راستہ بتایا ہے، دنیا کے لوگوں کے خیالات میں ہر شخص نے اپنے خیالات کے تحت اپنے لئے راستہ تجویز کر رکھا ہے، اور سمجھتا ہے کہ میں نے اس راستہ کو طے کر دیا، تو میں کامیاب ہوگیا، ایک شخص ہے اس نے سوچ رکھا ہے، کہ اگر مجھے ایک پلاٹ مل گیا، اور میں نے ایک شاندار بلڈنگ بنادی تو میں کامیاب ہوگیا، چنانچہ پلاٹ کی فکر میں ہے، پلاٹ کے لئے جو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، ان سب کے بیلنے میں لگا ہوا ہے، درخواست ہے، سفارش ہے حاکموں کے دربار میں حاضری ہے، سب کچھ کر رہا ہے، پیسہ نہیں ہے، ادھار لے رہا ہے، بینک سے قرض لے رہا ہے، سودی قرض لے رہا ہے، اور یہ سب چیزیں تیار ہوئیں، اب اس کی تعمیر کے لئے نقشہ بنایا، اور سامان منگوایا کئی راستے اختیار کر لئے اور کامیاب ہوگیا، اور وہ سمجھتا ہے کہ میں کامیاب ہوگیا، اب اس دنیا کی زندگی میں مکان بنا کر وہ سمجھتا ہے کہ مجھے کامیابی مل گئی، یا یہ کے مجھے

زندگی جس مقصد کیلئے دی گئی ہے، وہ مقصد پورا ہوگیا، اے بھائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے زندگی دی، زمین پر بھیجا کیا اس لئے بھیجا تھا کہ پلاٹ لے کر مکان تعمیر کرے، نہ خدا کو پہچانے نہ رسول ﷺ کو پہچانے، نہ قرآن پڑھے نہ حدیث پڑھے، اس لئے بھیجا تھا کہ مکان بنائے، مکان تو دوسرے لوگ بھی بناتے ہیں، جن کو نہ خدا سے تعلق نہ رسول سے تعلق، بلکہ مکانات کیا کچھ کم ہیں، امریکہ کی بلڈنگیں برطانیہ کی بلڈنگیں اور کہاں کہاں کی بلڈنگیں دیکھ لو، یہاں اپنے ملک میں بھی دیکھ لو دوسروں کے مکانات کتنے اونچے اونچے ہیں اگر یہ مکان بنانا ہی کامیابی ہے، اور اسی مقصد کیلئے حق تعالیٰ نے بھیجا ہے، تو سرور کائنات ﷺ کا مکان سب سے اونچا سب سے بلند ہوتا۔

آنحضرت ﷺ کا مکان

مگر احادیث میں آتا ہے، کہ چھوٹی سی کوٹھری تھی، وہ حضور اقدس ﷺ کا مکان تھا، رات میں آرام فرمانے تہجد کے وقت اٹھتے ہیں، نماز پڑھنے کیلئے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئی ہیں، سجد کیلئے جگہ نہیں ہے، سجدے میں جاتے ہیں تو ان کے پیر کو ہاتھ لگاتے ہیں، تو وہ پیر سکیڑ لیتی ہیں، تب سجدے کی جگہ ہوتی ہے، اتنا مکان کس کا مکان؟ سرکار دوعالم ﷺ کا مکان تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار کا مکان، کل کائنات جن پر قربان ہوجائے، ان کا مکان اگر مکان ہی بنانے کیلئے انسان کو بھیجا ہوتا تو سب سے پہلے حضور اقدس ﷺ اپنا مکان سب سے اونچا بنواتے مگر وہاں پر بس اتنا مکان۔

صحابی کا مکان گرادینا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لے جارہے تھے، بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے، راستہ میں ایک مکان دیکھا اونچا قبہ نما، فرمایا کس کا مکان

ہے؟ معلوم ہوا فلاں انصاری کا مکان ہے، چلے گئے، واپس بھی آ گئے، جب وہ انصاری حاضر ہوئے، انہوں نے سلام کیا ادھر سے تو حضور اقدس ﷺ نے اُدھر کو چہرہ مبارک پھیر لیا، اُدھر آئے اور سلام کیا حضور اقدس ﷺ نے دوسری طرف چہرۂ مبارک پھیر لیا، گھبرا گئے، زمین و آسمان ان کی نظروں میں تاریک ہو گئے، سرور عالم ﷺ نے نظریں پھیر لیں، مجلس میں بیٹھنے والوں میں سے کسی سے پوچھا؟ کیا بات ہے کیا میری کوئی شکایت پہنچی ہے؟ آج نظریں پھری ہوئی ہیں، رخ بدلا ہوا ہے، حضور اقدس ﷺ کا حضور اقدس ﷺ کے صحابی کیلئے زندگی دشوار ہو گئی، اس حالت سے کہ حضور اقدس ﷺ کا رخ اس سے پھر جائے، جن سے پوچھا، انہوں نے جواب دیا، کہ ہمیں خبر نہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ تمہارے مکان کے قریب سے گزر رہا، پوچھا یہ کس کا مکان ہے؟ بس فوراً اٹھ گئے حضور اقدس ﷺ سے کچھ نہیں کہا، جا کے کدال ہاتھ میں لیا توڑ دیا مکان کو، ایک ایک اینٹ الگ کر دی اور ملبہ بھی وہاں سے پھینک دیا، جگہ خالی صاف کر دی، اور پھر خدمت میں حاضر ہو کر عرض بھی نہیں کیا، کہ حضور اقدس ﷺ میں نے مکان توڑ دیا، گرا دیا، آپ غور کر لیں اگر ہم میں سے کسی کے ساتھ ایسا معاملہ پیش آتا، تو ہم کیا کرتے پہلے حضور اقدس ﷺ سے پوچھتے کہ حضور اقدس ﷺ کیا مکان کی وجہ سے ناراض ہیں، مکان کی بھی ضرورت ہوتی ہے، بیوی بچوں کے رہنے لئے، گرمی سے بچنے کے لئے، سردی سے بچنے کیلئے، بارش سے بچنے کے لئے، مکان کی ضرورت ہوتی ہے، میں نے تو کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، جو آنحضرت ﷺ ناخوش ہو گئے، مگر وہاں اتنی گنجائش نہیں تھی، وہاں تو شان ہی دوسری تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی، اگر ہم میں سے کوئی ہوتا، تو کہتے حضور اقدس ﷺ اگر آپ ناخوش ہیں تو مکان کو فروخت کر دوں کسی کو ہبہ کر دوں، گرا دوں اور پھر گرا دینے کے بعد آ کر اطلاع کرتے، کہ حضور اقدس ﷺ جس مکان کی وجہ سے آپ ناخوش تھے، وہ مکان میں نے گرا دیا، خود ہی ایک مرتبہ گزر رہا، حضرت نبی کریم ﷺ وہاں سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہاں ایک مکان دیکھا

تھا وہ کیا ہوا؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ گرا دیا گیا۔

مکان کی تعمیر

بعد میں فرمایا کہ مکان کی تعمیر وبال ہے، جتنی ضرورت ہے، مجبوراً اتنا بنانے کی اجازت ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے روپیہ کو برباد کرنا چاہتے ہیں، اس کے جی میں تعمیر کا شوق ڈال دیتے ہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص یوں سمجھتا ہے، کہ میں دنیا میں اس مقصد کے لئے آیا ہوں، کہ مکان تعمیر کروں، اونچا مکان میرے پاس ہو، شاندار بلڈنگ میرے پاس ہو، تو غور کرلے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہ کوئی ہے، نہ ہوسکتا ہے، ان کا مکان کس شان کا تھا، اس شخص کی شان زیادہ بلند ہے، یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان زیادہ بلند ہے، جو چیزیں اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، ساری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیں، اگر مکان کا عمدہ ہونا بڑھیا ہونا، اونچا ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا، عزت کی چیز ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان سب سے اونچا ہوتا، مگر ایسا نہیں اس لئے جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں دنیا میں اسی مقصد کیلئے آیا ہوں، کہ شاندار مکان بناؤں، تعمیر کراؤں تو غور کرلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر۔

ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے، تو دیکھا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے، ایک مکان کی دیوار کو لیپ رہے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا بات ہے، عرض کیا کہ حضور! یہ دیوار پرانی ہوگئی ہے، اس کو لیپ رہا ہوں تاکہ گرے نہیں، کچھ دن کھڑی رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت اس سے زیادہ قریب ہے، موت کو یاد رکھنا چاہئے، دیوار تو کچھ کھڑی بھی رہ جائیگی، اندازہ لگایا جاسکتا ہے، موت کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا بعض مرتبہ تنومند جوان آدمی بھی بیٹھے بیٹھے ایک دم ختم ہوجاتا ہے بوڑھا بھی ختم ہوجاتا ہے، بچہ بھی ختم ہوجاتا ہے، کسی

کے متعلق معلوم نہیں کس کی موت کب آ ئیگی۔

عہدہ اور بادشاہت

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے، کہ اگر میں پارلیمنٹ کا ممبر بن جاؤں اور آگے بڑھ کر وزیر بن جاؤں تو مقصد میں کامیاب ہو گیا، مگر غور کرنے کی بات ہے، آج کی دنیا میں سب کو یہ تجربہ ہو رہا ہے، کہ آج ایک شخص ممبر ہے کل کو اس نے استعفیٰ دے دیا، کیا حیثیت باقی رہ گئی، کل کو پارلیمنٹ سے نکالدیا گیا، کیا حیثیت باقی رہ گئی، کل کو وزارت ختم ہوگئی کیا حیثیت باقی رہ گئی۔ میرے ایک دوست بیان کرتے تھے، فلاں علاقے میں ہندوستان کی بات نہیں باہر کی بات ہے، بغداد کی بات ہے، بغداد میں جب انقلاب ہوا، جو بادشاہ تھے انکی کچھ حیثیت بھی نہ رہی، جس پارٹی نے انقلاب کیا تھا، انہوں نے بادشاہ کو بلایا، اور کہا کہ آپ کے لئے یہ طے کیا گیا کہ کھڑے ہو جائیں، آپ کو گولی ماردی جائیگی، بادشاہ نے کہا مجھ کو گولی مارتے ہو، میں نے کل تم کو پھانسی کے تختے سے بچایا تھا، انہوں نے جواب دیا یہ سب کچھ نہیں، جماعت کا فیصلہ ہے کہ آپ کو گولی ماردی جائے، بادشاہ ابھی ابھی بادشاہ تھے، انقلاب ہوتے ہی کیا ہوا، سامنے کھڑا کر کے گولی ماردی گئی، کیا کامیابی ہے یہی کامیابی قابل اعتماد ہے، یہ ایسی چیز ہے، جس پر انسان زندگی کے بیش بہا اوقات کو صرف کرے، ہرگز نہیں۔

بادشاہت کے مقابلہ میں عبدیت کو اختیار فرمانا

حضرت رسول اکرم ﷺ تشریف فرما تھے، ایک فرشتہ آیا، اور ساتھ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے، فرشتے نے آ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں، نبی تو آپ ہیں نبوت کے ساتھ عبدیت چاہتے ہیں، یا بادشاہت چاہتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے سامنے غلامی چاہتے ہیں، اللہ کا بندہ بننا چاہتے ہیں یا بادشاہت چاہتے ہیں، حضور اقدس ﷺ

نے دیکھا حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف اس طرح سے دیکھا جیسے کہ کوئی مشورہ لینے کیلئے دیکھتا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام چھوٹے سے ہوگئے، اور اس سے اشارہ کیا کہ عاجزی اختیار کیجئے، عبدیت اختیار کیجئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا میں بادشاہت نہیں چاہتا، میں تو عبدیت چاہتا ہوں، بندہ بننا چاہتا ہوں، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا آکلُ الا کَمَا یَاکل الْعبد" میں تو کھانا بھی اس طرح بیٹھ کر کھاتا ہو، جس طرح سے ایک غلام بیٹھ کر کھاتا ہے، تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز پسند فرمائی امتی ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اس چیز کو پسند کرے۔

ہوائی جہاز کا حال

ایک شخص یہ سوچتا ہے، کہ میرے پاس ہوائی جہاز آجائے میری ملکیت میں آجائے اور وہ اڑا کرے مجھے بڑی آمدنی ہوگی، بڑی محنت کر کے پاپڑ بیل کے کوشش کر کے ہوائی جہاز حاصل کرلیا، سمجھا کہ میں کامیاب ہوگیا لیکن جس مقصد کیلئے وہ اس دنیا میں بھیجا گیا تھا، کیا وہ مقصد پورا ہوگیا لیکن بھائی کیا حال ہے ہوائی جہاز کا ایک پُرزہ خراب ہوجائے دھم سے نیچے آ گیا، جہاز بھی گیا، جہاز اڑنیوالا بھی، اور جہاز میں بیٹھنے والے بھی سب فنا ہو گئے، تباہ ہو گئے، کس کیلئے اتنی محنت کی تھی، وہ آن کی آن میں ختم ہو گیا، یہ کامیابی نہیں تباہی ہے، بربادی ہے، کتنا روپیہ برباد گیا، کتنی محنت ختم ہوگئی، اور خود جو جہاز میں تھا خود وہ بھی ختم ہو گیا۔

قیامت کے دن اللہ تبارک تعالیٰ کے سامنے حاضری ہوگی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہ زندگی کا جو کچھ مقصد تم نے سمجھا تھا، جس مقصد کے لئے تم کو زندگی دی گئی تھی، تم تو وہاں کامیاب ہو گئے تھے، اور اب ہم سے کیا چاہتے ہو؟ کامیابی تو وہاں سے حاصل ہوگی، ہم سے کیا ڈھونڈتے ہو۔

نوٹوں کی گڈیوں کا حال

ایک شخص سمجھتا ہے کہ میرے پاس روپیہ زیادہ جمع ہو جائے، نوٹوں کی گڈیوں کی گڈیاں جمع ہو جائیں میرے پاس تو میں کامیاب ہوں، کیا واقعی کامیاب ہے وہ؟ ایک دیاسلائی جو لگ جائے تو سارے نوٹ جل کر ختم ہو جائیں، جس محنت اور کوشش کو ایک دیاسلائی ختم کر دے، وہ کامیاب ہے، کس قسم کی قابل اعتمادی ہے وہ چیز؟ حق تعالیٰ ایک کیڑا دیمک کا مسلط کر دے تو سب کو کھا کر ختم کر ڈالے، اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی مخلوق کو پیدا فرمایا ہے، کسی شخص نے کئی برس تک محنت کی نوٹ جمع کئے، اللہ نے ایک کیڑا مسلط کر دیا، سب ختم کر دیا، کیا اسی کا نام کامیابی ہے؟ یہ سب لغویات ہیں، کامیابی نہیں ہے۔

گاڑی کا حال

ایک شخص سمجھتا ہے کہ مجھے گاڑی مل جائے موٹر مل جائے اعلیٰ قسم کی تو میں کامیاب ہوں، موٹر مل بھی گئی کتنا روپیہ خرچ ہوا، کتنی محنت کی اس کیلئے کہاں کہاں کوششیں کیں، مل بھی گئی بیٹھ کے چلے ایکسیڈنٹ ہو گیا، ڈرائیور بھی گیا موٹر والا بھی گیا، ٹوٹ گئی گاڑی تباہی آ گئی، یہی کامیابی کی چیز ہے کیا؟ ہرگز کامیابی کی چیز نہیں۔

اصل کامیابی

کامیابی وہ ہے جس کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ کامیاب ہے، اللہ پاک نے انسان کو پیدا کیا، اور تمام کائنات کو انسان کیلئے پیدا فرمایا، تو حق تعالیٰ جس چیز کو کامیاب فرمائیں وہی کامیابی ہے، چنانچہ اس آیت میں جو میں نے پڑھی کامیابی بتائی ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" (سورۂ اعلیٰ: ۱۴)

....

کامیاب ہوگیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک وصاف کر دیا، جو نفس انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے، اس میں جانوروں کی صفات بھی موجود ہیں، جنات کی صفات بھی موجود ہیں، شیطانوں کی صفات بھی موجود ہیں، ان سب برائیوں اور خرابیوں سے جس شخص نے اپنے آپ کو پاک وصاف کر دیا وہ کامیاب ہے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد

انسان اشرف المخلوقات ہے، جتنی چیزیں پیدا کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب کو انسان کی خاطر پیدا فرمایا ہے، انسان کو بھی تو کسی کام کیلئے پیدا فرمایا ہوگا، جو شخص یوں سمجھتا ہے، کہ میں گائے پالوں گا گائے کا دودھ نکالوں اُسے بیچا کروں پیسے حاصل کیا کروں، رات دن گائے کی خدمت میں لگا رہتا ہے، انسان اشرف المخلوقات ہے، یہ تو بتائے کہ گوبر گوہ کے واسطے پیدا کیا گیا، رات دن اس کی خدمت میں لگا رہے، ضرورت کے واسطے اسکے پالنے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن یہ نہیں کہ اپنی زندگی کو وقف کر دے، اور یوں سمجھے کہ ہم تو گائے ہی پالنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، ہرگز نہیں گائے پالنے کی نفع اٹھانے کے لئے اُسے اجازت ہے، لیکن اپنی زندگی کو یوں سمجھنا کہ ہم تو گائے پالنے کے لئے ہی پیدا کئے گئے ہیں، غلط ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کو انسان کیلئے پیدا کیا اور انسان کو اپنی ذات عالی کے لئے، پیدا کیا کہ تم ہمارے حکموں پر چلو سب چیزیں تمہارے ماتحت اور تابع ہیں۔

اعلیٰ درجہ کا نمونہ

اللہ تبارک وتعالیٰ جیسے زندگی چاہتے ہیں، انسانوں سے اس واسطے اعلیٰ درجہ کا نمونہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بنا کر بھیجا، تیئس (۲۳) سال نبوت کی زندگی ہے تیئس سال کی مبارک زندگی کا ہر ہر لمحہ ہر ہر منٹ لکھا ہوا ہے، فلاں وقت کیا کیا کس طرح کیا

ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت بھی کی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر بھی کیا، شادی بھی کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں انتقال بھی ہوا، بیوی کا بھی انتقال ہوا، اولاد کا بھی انتقال ہوا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے ساتھ بھی معاملات کئے جنگ کی بھی نوبت آئی، صلح تک بھی نوبت آئی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لباس پہننے کی بھی نوبت آئی، مکانات میں رہنے کی بھی نوبت آئی، غرض یہ کہ ساری زندگی کا نمونہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بنا کر بھیجا کہ اس طریقہ پر زندگی گزارو، ہم تمہارے ساتھ ہیں، تمہاری زندگی کامیاب ہے، کسی نے کہا ہے، کسی نے کیا آپ کے یہاں کے شاعر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ ؎

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

مسلمانوں سے تو اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلیں جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلے گا تو کل کائنات اس کے ماتحت ہو جائے گی، اور اس کے نمونے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں موجود ہیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا حال تھا۔

افریقہ کے جنگلات میں اسلامی چھاؤنی کا قیام

ملکوں کو فتح کرتے ہوئے افریقہ پہنچے۔ وہاں پر چھاؤنی ڈالنے کا ارادہ کیا، فوجی چھاؤنی ڈالنے کا مگر وہ جنگل پُرخطر، بھیڑیے، شیر، ہاتھی، پُرانے پرانے سانپ، اژدہا، وغیرہ موجود، تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں، اے جنگل کے رہنے والو ہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، غلامان محمد ہیں، یہاں چھاؤنی ڈالیں گے، تم اس کو خالی کر دو، اگر خالی نہ کیا تو ہم جس کو دیکھیں گے، اس کو مار ڈالیں گے، ان کا اعلان کرنا تھا جتنے خطرناک جانور تھے اپنے اپنے

بچوں کو لے کر نکل گئے، تخلیۂ آبادی کا حکم دیا، چل دیئے تھوڑی دیر میں جنگل خالی ہو گیا، ان حضرات نے اطمینان سے وہاں پر اپنی چھاؤنی ڈالی، خیمے گاڑ دیئے، یہ کیا چیز تھی، کیا طاقت تھی انکے پاس یہ حضور اقدس ﷺ کی اتباع کی طاقت تھی، حضور اقدس ﷺ کے طریقہ کی پیروی کی طاقت تھی، اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے اطمینان کی طاقت تھی ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اطمینان تھا، اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلے ہیں، تو اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک نہیں فرمائیں گے، ہماری اعانت اور مدد فرمائیں گے، ایک نہیں بہت سے واقعات ہیں۔

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک صحابی حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک جہاد میں مشرکین کے ہاتھ لگ گئے، پکڑ لیا، انہوں نے، لا کر اپنے یہاں باندھ دیا، موقع پا کر یہ نکل کر چل دیئے وہاں سے شام کا وقت ہے چلتے ہیں سامنے ایک پہاڑی جس میں ایک شیر رہتا تھا، شیر ان کو دیکھ کر غراتا ہوا انکی طرف لپکا، ان کو پھاڑنے کے واسطے، لیکن یہ بھاگے نہیں، انہوں نے اس کا مقابلہ نہیں کیا، ڈنڈے سے لاٹھی سے، تلوار سے، کھڑے ہو گئے، اور کہا دیکھ میں حضور اقدس ﷺ کا خادم اور غلام ہوں، میں راستہ بھول گیا ہوں، مجھے مسلمانوں کے لشکر میں جانا ہے، انہوں نے فرمایا، شیر نے یہ سنکر اس طرح دم ہلا دی، جیسے پلا ہوا کتا اپنے مالک کیسامنے دم ہلاتا ہے، اور ان کے قدموں پر ان کے پیر پر سر رکھدیا، اسکے بعد ایک طرف چلدیا، یہ بھی پیچھے پیچھے چلدیئے، تھوڑا سا دور چلے تو سامنے کو دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر نظر آ رہا ہے، شیر واپس چلا اپنے راستے کی طرف اور صحابی رضی اللہ عنہ لشکر کی طرف گئے۔

ذلت ورسوائی کی وجہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع کی حیثیت ہی کچھ دوسری ہے، صاف صاف لفظوں

میں کہہ دیتا ہوں، کہ آج ہمارے اوپر ذلت ورسوائی مسلط ہے، ہر جگہ ہم ذلیل وخوار ہیں، کس وجہ سے؟ اسلئے کہ ہم نے آقائے نامدار سرور کائنات ﷺ کے اتباع کو ترک کر دیا، ہماری زندگی میں کامیابی کا راستہ وہ ہے جو حضور اقدس ﷺ نے اختیار فرمایا، آج مسلمان حضور اقدس ﷺ کے راستہ کو نہیں دیکھتا، دیکھتا ہے کہ امریکہ نے کس طرح ترقی کی، کیا کیا کام کئے ہمیں بھی وہی کرنے چاہئیں، دیکھتا ہے کہ روس نے کس طرح ترقی کی، کیا کیا کام کئے ہمیں تو وہی کرنا چاہئے، دیکھتا ہے کہ چین نے کس طرح ترقی کی، کیا کیا کام کئے ہمیں بھی وہی کام کرنے چاہیں، یہ ہے، اللہ کے حبیب ﷺ کے راستے کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور حضور اقدس ﷺ کے دشمنوں کا راستہ اختیار کیا، اس میں عزت کہاں ہے، اسمیں ذلت ہی ذلت ہے، ہرگز عزت نہیں۔

عزت کا راستہ

عزت تو وہاں ہے۔

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِينَ" (سورۂ منافقون:۸)

عزت تو اللہ کے لئے ہے، اللہ کے رسول ﷺ کے لئے اور مومنین کے لئے ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" (سورۂ اعلیٰ:۱۴)

کامیاب ہوا وہ شخص جس نے تزکیہ کیا، اپنے باطن کو پاک وصاف کرلیا، برے اخلاق سے، اعلیٰ اخلاق حاصل کرلئے، وہ کامیاب ہوا، برے اخلاق کیا ہیں؟

تکبر کی مذمت

مثلاً طبیعت کے اندر تکبر ہے، تکبر کیا چیز ہے؟ تکبر کہتے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو بڑا سمجھے، دوسرے کو چھوٹا اور حقیر سمجھے، یہ تکبر ہے تکبر کرنا حرام ہے تکبر کے ذریعہ سے آدمی

دوزخ میں جاتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے، حدیث قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"الکبریاءُ ردائی" (مشکوۃ شریف: ۴۳۳/۲)

بڑائی میری چادر ہے، جو شخص بڑائی اختیار کرتا ہے، وہ میری چادر چھینا چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ کی چادر کو جو شخص چھینا چاہئے گا، اس کا ٹھکانا کہاں ہے، جہنم میں جائے گا، آگ میں جلے گا، ذلیل وخوار ہوگا، حدیث شریف میں آتا ہے، جس شخص کے اندر تکبر ہوگا، اسکو دوزخ میں جلا جلا کر جب تک اس کو تکبر سے پاک وصاف نہیں کر دیا جائے گا، تب تک وہ جنت میں جانے کے قابل نہیں ہوگا، آج تکبر عام ہو رہا ہے، چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی اپنے آپ کو عقل و دانش کے اعتبار سے اور اپنے مرتبے کے اعتبار سے بڑا سمجھتا ہے، اپنے آپ کو اونچا سمجھتا ہے، باعزت سمجھتا ہے، دوسرے کو ذلیل وحقیر سمجھتا ہے، نہایت خطرناک چیز ہے، حضرت شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

تکبر عزازیل را خوار کرد

بزندان لعنت گرفتار کرد

تکبر نے شیطان کو ذلیل، لعنت کے قید خانہ میں گرفتار کیا، تکبر کو اپنے جی سے نکالے آدمی چھوٹا بن کر رہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہت کو پسند نہیں فرمایا، عبدیت کو پسند فرمایا ہے، آدمی چھوٹا بن کر رہے۔

حقوق کی ادائیگی

بیٹا باپ کے حقوق کو پہچانے، ماں کے حقوق کو پہچانے، بھائیوں کے حقوق کے پہچانے، چچا، خالو اور ماموں کے حقوق کو پہچانے، پھوپھی کے حقوق کو پہچانے، پڑوسیوں کے حقوق کو پہچانے مسافروں کے حقوق کو پہچانے اللہ نے سب کے حقوق کو مقرر فرمایا ہے، اور ان حقوق کو پہچان پہچان کر ادا کرے، ساری دنیا کے حقوق کو اپنے ذمہ نہ لے لیں،

دوسروں کے حقوق ادا کرنے کو تیار نہیں، اور مطالبہ یہ کرتا ہے، کہ لوگ ہمارے حقوق ادا نہیں کرتے، کہاں سے ادا کریں گے حقوق۔

مخلوق پر مہربانی

حدیث شریف میں آتا ہے:

"اِرْحَمُوْا مَنْ فِيْ الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِيْ السَّمَاءِ" (مشکوۃ شریف: ۴۲۳/۲)

تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

پڑوسی کا حق

جو شخص اپنے پڑوس کا خیال نہیں رکھتا، حدیث شریف میں آتا ہے جو شخص رات کو پیٹ بھر کر کھانا کھا کر سوئے، اور اس کے پڑوس میں کوئی بھوکا ہو وہ شخص مومن کہلانے کا مستحق نہیں مومن کی یہ شان نہیں کہ اپنا پیٹ بھر لے اور پڑوسی بھوکا رہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ وہ شخص مومن نہیں جس کی وجہ سے پڑوسی ڈر میں مبتلا رہے کہ خدا جانے کس وقت کیا مصیبت ڈالے گا، ہمارے اوپر ذرا ذرا سی بات پر رنجش رکھتا ہے، سلام وکلام بند کرتا ہے۔

ذاتی رنجش کی نحوست

حدیث شریف میں آتا ہے، اگر ذاتی رنجش کی وجہ سے دو مسلمانوں نے آپس میں سلام وکلام بند کر دیا، روٹھ رہے ہیں، ایک دوسرے سے دونوں کی دعا مردود، نہ اس کی

دعا قبول نہ اس کی دعا قبول اللہ تعالیٰ کے یہاں نہ اس کی دعا چڑھتی ہے، نہ اس کی دعا چڑھتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہفتہ میں دو مرتبہ جمعرات کو اور پیر کو اللہ کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں، گنہگاروں کی مغفرت ہوتی ہے، لیکن جن دو مسلمانوں کے درمیان آپس میں نااتفاقی ہے، سلام وکلام بند ہے، ان کے اعمال پیش ہی نہیں ہوتے، کہدیا جاتا ہے کہ جب تک یہ آپس میں صلح نہیں کریں گے، اس وقت تک ان کی مغفرت نہیں ہوگی، غیرت کا مقام ہے، کہ ذرا ذرا سی بات کی وجہ سے ہم لوگ آپس کی رنجش میں سلام وکلام بند کر لیتے ہیں، حقوق کو ضائع کر دیتے ہیں، یہ وبال اپنے سروں پر ہے۔

معافی تلافی کی فضیلت

اگر ذرا سی اونچ نیچ کر کے، اپنے بھائی کے ساتھ باپ کے ساتھ معاملہ صاف کرلیں، تو بہتر ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اچھا ہے وہ جو سلام کی ابتدا کرے، دوسرے کو سلام کرے، اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائیں، اسکو چاہئے، کہ وہ بندوں کی خطاؤں کو معاف کرے، گناہوں کو معاف فرمائیں، اس کو چاہئے کہ وہ بندوں کی خطاؤں کو معاف کرے، دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرو تو...... اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کریگا۔

"من لا یرحم لا یرحم" (کنز العمال: ۱۶/۱۵۲)

جو شخص رحم نہیں کرتا، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحم نہیں ہوتا۔

آج ہم مصیبتوں میں مبتلا ہیں، لیکن غور کرنے کی بات ہے، کہ وہ چیز آئی کہاں سے اپنے ہی تو اعمال سے نکل رہی ہے، کسی اور کی بھیجی ہوئی ڈالی ہوئی نہیں ہے، جو اعمال ہم کر رہے ہیں، مصیبت کے اعمال کر رہے ہیں، لعنت کے اعمال کر رہے ہیں، اسی وجہ سے یہ ساری مصیبتیں آرہی ہیں، اگر تکبر کو دور کر کے، تواضع اور خاکساری اختیار کرلیں ہر شخص

دوسرے کو اپنے سے اعلیٰ اچھا اور بڑا سمجھے، جہاں سامنے نظر پڑے فوراً سلام کرے، ہر کسی کے سامنے چھوٹا بن کر رہے، دل سے اس کی عزت کرے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی عزت دوسروں کے دلوں میں پیدا فرمائیں گے، جب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کی عزت کرنے کیلئے تیار نہیں تو غیر لوگ ان کی عزت کیوں کریں گے، اپنے اوپر گھمنڈ نہ ہو، اپنے روپیہ پر گھمنڈ نہیں، اپنی اولاد پر گھمنڈ نہیں، اپنی طاقت پر گھمنڈ نہیں، اپنی پارٹی پر گھمنڈ نہیں، اعتماد صرف اللہ تعالیٰ کی ذات عالی پر ہو، ان سب چیزوں کو آزمائش اور امتحان کا ذریعہ بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے امتحان کے واسطے یہ چیزیں دے رکھی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی" (سورۂ اعلیٰ: ۱۴)

بامراد ہوا جو شخص پاک ہوگیا۔ (بیان القرآن)

کامیاب ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک وصاف کرلیا، برائی اور برے اخلاق نکال دیئے، برے اخلاق کیا ہیں، تکبر برا ہے اس کو اپنے اندر سے نکال دیا۔

حسد کی مذمت

حسد برا ہے اسکو اپنے اندر سے نکال دیا، حسد کس کو کہتے ہیں، کسی شخص کو حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کا دیکھ کر جلنا اور یہ تمنا کرنا کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے، تو اچھا کسی طرح سے یہ نعمت اس سے زائل ہو جائے، اللہ نے کسی کو بیٹا دیا ہے، اور اس شخص کے یہاں بیٹا نہیں، وہ اس کو دیکھ کر جل جاوے کہ اگر اس کا بیٹا مر جائے تو اچھا، اس کا بیٹا مر جائے تو کیا تمہارے یہاں بیٹا پیدا ہو جائے گا، اس کے مرنے سے یہ کیا ہے، یہ حسد ہے، نہایت خطرناک چیز ہے کسی نے مکان بنایا تو اس سے حسد کسی کو اچھی ملازمت ملی تو اس سے حسد کسی نے اچھے کپڑے پہنے تو اس سے حسد، کسی کے پاس کچھ روپئے جمع ہو گئے تو اس سے حسد کسی کو اخلاق اچھے مل گئے تو اس سے حسد، کسی کے پاس علم آ گیا تو اس سے حسد "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"

قرآن پاک میں مستقل سورت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا:

"وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" (سورہ فلق:۵)

حاسد کے حسد سے پناہ مانگی گئی، اس لئے اپنی طرف سے حسد کو دور کیا جائے، ایک محلے کا کتا دوسرے محلے میں پہنچ جائے تو اس محلے کے کتے ایک دم اس پر بھونک کر پیچھے لگ جاتے ہیں، کہ ہمارے علاقہ میں آیا کیوں، حالانکہ وہ ان کی روٹی کو تو چھیننے کیلئے نہیں آیا، جو بوٹی ان کو ملے اس کو چھیننے کیلئے نہیں آیا، گزر رہا ہے، گزرتا ادھر کو گزر گیا مگر دوسرے کتے نے کہا ہمارے محلے میں کیوں آیا یہ حسد کتوں کی علامت ہے، انسان تو اشرف المخلوقات ہے، اسکو چاہئے کہ اعلیٰ اخلاق اختیار کرے، کتوں کے اخلاق اختیار نہ کرے۔

بخل کی ذمت

انسان کے اندر بخل ہے، جس کی وجہ سے کسی کو کچھ دینا گوارا نہیں کرتا، حالانکہ مال و دولت حق تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے کہ اس سے اپنی ضروریات پوری کرے، اور جو چیز اپنی ضروریات سے زائد ہو، اس کے ذریعے دوسروں کی ضرورت کو پورا کرے، مگر بخل ہے اس وجہ سے دوسرے کی ضرورت کو پورا کرنے کو تیار نہیں، کسی کو پیسہ دینے کو تیار نہیں، کو کھانا کھلانے کو تیار نہیں، کو کپڑا دینے کو تیار نہیں، اللہ نے آخر جو روپیہ زیادہ دیا ہے، تو کس واسطے دیا ہے، جو خزانہ زمین میں دفن کیا جاتا ہے، مشہور ہے کہ اس کے اوپر سانپ بیٹھ جاتا ہے، جو نہ خود اس خزانہ کو استعمال کرتا ہے نہ کسی کو استعمال کرنے دیتا ہے۔ تو سانپ بنا کر رکھنے کے لئے نہیں دیا، کہ اپنے پاس جمع رہے، نہ خود استعمال کرے نہ کسی کو استعمال کرنے دے۔ روپیہ تو زیادہ اس واسطے دیا گیا، کہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو، اس کے ذریعہ سے دوسروں کی ضرورتیں پوری کرو، اعلیٰ بات تو یہ ہے: کہ

"وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ" (سورۂ حشر:۹)

ترجمہ: اور اپنے سے مقدم رکھتے ہیں، اگر چہ ان پر فاقہ ہی ہو۔ (بیان القرآن)

مسلمان پیدا ہوا کس لئے؟ خود مشقت اٹھا کر دوسروں کو راحت پہونچانے کیلئے خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا کھلائے، مسلمان اس لئے پیدا ہوا ہے، خود تکلیف میں مبتلا رہے مگر دوسروں کو آرام پہونچائے، اسلئے پیدا ہوا ہے مسلمان نہ یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کو اکٹھا کر کے رکھتا رہے، اور مخلوق خدا کو فیض نہ پہنچائے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

چوں حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش

جب حق تعالیٰ بارش برسا رہے ہیں، تمہارے اوپر نعمتوں کی اچھے سے اچھا کھانے کو دے رکھا ہے، اچھے سے اچھا پہننے کو دے رکھا ہے، اچھے سے اچھا مکان دے رکھا ہے، تمام ضروریات بے تکلف پوری ہو جاتی ہیں، تو جو چیزیں تمہاری ضروریات سے زائد ہیں اس کے ذریعہ سے دوسرے عاجزوں کی ضروریات پوری ہوں۔

اہل بیت رضی اللہ عنہم کا فقر و فاقہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تین تین چاند ہم دیکھ لیتے تھے مہینوں کے اور ہمارے گھروں میں آگ نہیں سلگتی تھی، کیا تھا کسی نے پوچھا حضرت کھاتے کیا تھے، فرمایا: کھجور کھالی، پانی پی لیا، ایک کھجور کھالی دو کھجور کھالی صبح کو شام کو اور جس وقت تک خیبر فتح نہیں ہوا اس وقت کھجوریں بھی پیٹ بھر کر نہیں ملیں ایسی زندگی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور یہ مت سمجھنا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عاجز اور مجبور تھے، ایسی زندگی پر۔

حدیث میں آتا ہے: کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ تم چاہو تو ان پہاڑوں کو تمہارے لئے سونا بنادوں میں نے عرض کیا، میں نہیں چاہتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جاتے تو پہاڑ سونے کے بن کر ساتھ ساتھ چلے جاتے خدمت کیلئے،

مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں چاہا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز مجھے کھانا ملے تاکہ کھا کے عبادت کروں حق تعالیٰ کا شکر ادا کروں، اور ایک روز بھوکا رہوں، تاکہ صبر کروں، یہ طریقہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کا بتایا فرماتے ہیں:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى"

جو لوگ عربی جانتے ہیں، طالبعلم خوب جانتے ہیں، کہ "اَفْلَحَ" ماضی ہے، جو گذشتہ زمانہ پر دلالت کرتا ہے، کہ کامیاب ہوگیا، وہ شخص اور اس کے بعد 'قد' داخل کیا تحقیق کے لئے، کہ تحقیق کامیاب ہوگیا، وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا، پاکیزہ بنایا آگے فرماتے ہیں:

ذکر اللہ کی فضیلت

"وذکر اسم ربہ" اور اپنے رب کا نام لیتا ہے۔ "فَصَلّٰی" اور نماز پڑھتا رہا، پس نماز پڑھی، اپنے رب کا نام لیا کیا مطلب رب کا نام لینا کھانا کھانے کیلئے بیٹھتا ہے تو رب کا نام لیتا ہے، پانی پیتا ہے تو رب کا نام لیتا ہے، بسم اللہ پڑھتا ہے، مسجد کے فرش پر داخل ہوتا ہے۔

"بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لَنَا اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ"

[اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ ہمارے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھولدے۔]

مسجد سے باہر نکلتا ہے، تو کہتا ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اِبْلِيْسَ وَجُنُوْدِهٖ" (کنز العمال: ۶۶۰/۷)

[اے اللہ! میں ابلیس اور اس کے لشکر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔]

غرض یہ کہ ہر ہر کام میں اللہ کا نام لیتا ہے، حتی کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں چراغ جل رہا تھا، چراغ گل ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"

اس پر بھی اللہ کا نام لیا، جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، حضور ﷺ نے اللہ سے تسمہ مانگا، آنحضرت ﷺ کی بی بی نے عرض کیا، حضرت ذرا سا تسمہ یہ بھی اللہ سے مانگتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تسمہ کوئی اور دیتا ہے کیا؟ تسمہ بھی وہی دیتا ہے، یہ سب چیز اسی کے قبضہ و قدرت میں ہے، جو چیز جس راستے سے مانگی جائے، اللہ سے مانگی جائے، اللہ پاک عطا فرمانے والے ہیں، اللہ کا نام کثرت سے لیا جائے، ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"لایزال لسانك رطبا من ذکر الله" (مشکوۃ شریف:۱۹۸)

تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہنی چاہئے، آدمی اپنی زبان کو معصیت اور لغویات میں صرف نہ کرے، اللہ کے ذکر میں مشغول رکھے، قرآن شریف کی تلاوت کرنا، درود شریف پڑھنا تسبیح پڑھنا وغیرہ:

"سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ" (مشکوۃ شریف:۲۰۰)

دعائیں رات دن کی مختلف کاموں کیلئے آئی ہیں، ان کو پڑھتے رہنا خدا نے جو زبان دی ہے، اس زبان کو معصیت میں صرف نہ کرے، خاموش رہے اللہ کا نام لیتا رہے، ذخیرہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں جمع ہوتا رہے گا، آخرت کے لئے ہر چیز کیلئے، مقدار متعین کی ہے، شریعت نے پانچ وقت کی نماز ایک دن رات میں فرض کیں، روزے سال بھر میں ایک مہینے کے فرض کئے، زکوٰۃ چالیسواں حصہ سال بھر گزرنے پر بھی پورا کرو۔

فرماتے ہیں: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى"

کامیاب وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا۔

اتباع نبوی ﷺ

حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں، میں مکارم اخلاق کی تکمیل اور تتمیم کیلئے بھیجا

گیا ہوں، اچھے اخلاق کیلئے اعلیٰ اخلاق کیلئے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اچھے اخلاق سکھلائے قرآن کریم میں آتا ہے:

"یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ" (سورۂ جمعہ:۲)

حضور اقدس ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن پاک کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے، اوران کے نفسوں کو پاک وصاف کرتے تھے، حضور اقدس ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباع مسلمانوں کی زندگی کیلئے راہِ عمل ہے صحابہ کرام کی اتباع کے متعلق کسی نے کہا۔ ؎

اصحاب رسالت قدرت کے کچھ ایسے سنوارے ہوتے ہیں
جو ان کی روش پر چلتے ہیں، اللہ کے پیارے ہوتے ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباع جو شخص کرے گا، اللہ کا پیارا بنے گا، حضور اقدس ﷺ نے جیسی زندگی اختیار فرمائی، ایسی زندگی اختیار کی جائے۔

آنحضرت ﷺ کا لباس اور خورد ونوش

عام لباس حضور اقدس ﷺ کا کیا ہوتا تھا، احادیث کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایک لنگی باندھ لی ایک چادر اوڑھ لی عام لباس یہ تھا، احادیث میں آتا ہے، کہ حضور اقدس ﷺ نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو بغل کی سفیدی نظر آنے لگی، بغل کی سفیدی کب نظر آئے گی، جب کرتا پہنے ہوئے نہ ہوں خالی چادر ہو، عام لباس حضور اقدس ﷺ کا یہ تھا، روایات میں آتا ہے، کہ سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوئیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، کیسے آنا ہوا، عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ میں نے روٹی پکائی میرے جی نے نہ چاہا کہ میں روٹی کھاؤں اور آنحضرت ﷺ نہ کھائیں، اسلئے روٹی آنحضرت ﷺ کے واسطے لائی ہوں، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے تین روز سے کچھ

نہیں کھایا، مدتوں میں کبھی روٹی پکنے کی نوبت آئی تھی۔

ذکر اللہ کی کثرت

حج عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض فرمایا لیکن جو ذکر ہے، اس کیلئے کوئی حد متعین نہیں کی، بلکہ فرمایا:

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کثیراً" (سورۂ احزاب:۴۱)

اے ایمان والوں تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔ (بیان القرآن)

"وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ" (سورۂ اعلیٰ:۱۵)

اور اپنے رب کا نام لیا۔ (بیان القرآن)

"وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا" (سورۂ احزاب:۲۱)

اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو۔ (بیان القرآن)

تو کامیابی کے واسطے ایک چیز یہ بیان کی، اپنے نفس کو پاک وصاف کرنا، جانوروں کے اوصاف سے، شیطانوں کے اوصاف سے، جنات کے اوصاف سے پاک وصاف رہو، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو اختیار کرنا، دوسری چیز بیان کی، اللہ کا ذکر کثرت سے بیان کرنا۔

نماز کی فضیلت واہتمام

تیسری چیز بیان کی "فَصَلّٰی" نماز پڑھنا، پانچ وقت کی نماز تو ہے ہی، اس پانچ وقت کی نماز کے علاوہ کچھ سنت مؤکدہ بھی ہیں، فجر سے پہلے دو سنت مؤکدہ، ظہر کے بعد دو سنت موکدہ، مغرب کے بعد دو سنت مؤکدہ عشاء کے بعد دو سنت مؤکدہ، اس کے بعد کچھ نوافل بھی ہیں، نوافل کیا ہیں، اشراق کی نماز، حدیث شریف میں آتا ہے، جو شخص فجر کی

نماز جماعت سے پڑھے اور پھر اسی جگہ پر بیٹھے اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہے، یہاں تک کہ جب سورج ذرا بلند ہو جائے، تو اس وقت اشراق کی نماز پڑھے تو حدیث شریف میں آتا ہے، کہ اس کو ایک حج اور ایک عمرے کا ثواب ملتا ہے، ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، او آدم کے بیٹے سویرے سویرے میرے دروازے پر آجا چار رکعت نماز پڑھ لے تیری ساری ضرورتوں کا ذمہ دار میں ہوں، حاجتیں تیری سب پوری کروں گا، تیرا فقر ختم کر دوں گا، اگر تو میرے دروازے پر نہ آیا کمانے کے لئے چل دیا اپنی قوت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے مشغلے میں لگ گیا، اپنے دھندے میں مشغول ہو گیا، تو یاد رکھ تیری کوئی ضرورت پوری نہیں ہونے دوں گا، اور فقر کا دروازہ تیرے اوپر کھول دوں گا، اسلئے اشراق کی نماز، تہجد کی نماز، اوابین کی نماز، تحیۃ المسجد، غرض یہ کہ حضور اقدس ﷺ کو نماز سے اتنا گہرا تعلق تھا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، سفر میں جائے آدمی تو جانے سے پہلے دو رکعت گھر میں پڑھ لے، اس سے گھر بار کی حفاظت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، دوکان کی مکان کی سب کی حفاظت رہے گی، جہاں پہونچا منزل پر وہاں دو رکعت نماز پڑھ لی، وہاں کے جو فتنے ہیں اور شرارتیں ہیں اللہ تعالیٰ ان سے حفاظت فرمائیں گے، نماز ہے اعلیٰ درجہ کی چیز حضور اقدس ﷺ کا حال یہ تھا کہ جب آنحضرت ﷺ کو کوئی اہم بات پیش آتی تو نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے زور سے ہوا چلنے لگی اٹھ کر نماز کی نیت باندھ لی، آندھی اگر آئے زور سے درخت گریں، مکان گریں، آدمی اڑ جائیں، آپس میں ٹکرا جائیں، تباہ و برباد ہو جائیں، زور کی بارش ہونے لگی، تو نماز کی نیت باندھ لی چاند گرہن ہوا تو نماز کی نیت باندھ لی، بارش ہوئی تو استسقاء کی نماز پڑھی، غرض یہ کہ نماز اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری کا بہترین ذریعہ ہے، اس لئے فرمایا "فَصَلّٰی" کامیابی کیساتھ نماز، اس کے بعد فرماتے ہیں:

"بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا" (سورۂ اعلیٰ: ۱۶)

اے لوگو! تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم دنیا کی زندگی کو ہی اختیار کرتے ہو، دنیا کی زندگی میں جو نفع تم کو نظر آتا ہے، محسوس ہوتا ہے، اس کو لیتے ہو، ملازمت کرتے ہو، تنخواہ لیتے ہو، اس کا نفع معلوم ہوتا ہے، لیکن چار رکعت نماز پڑھی، اس کا اجر تمہاری نظروں کے سامنے نہیں اس لئے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، اُدھار کیلئے تیار نہیں، کہ حق تعالیٰ وہاں عطا فرمائیں گے، وہ تو دنیا میں بھی کامیابی دیتے ہیں، وہاں تو دیوے گا ہی، دنیا میں بھی کامیابی اسکو دیتے ہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اختیار کرتا ہے، اسکا قلب مطمئن رہتا ہے کہ اس کی مثال نہیں بیان کی جا سکتی۔

رشوت کی مذمت

اس کے برخلاف کچہری میں کسی نے رشوت دیدی وہ لیکر وہاں سے چلا کسی نے آکر کان میں کہا کہ جاسوس آپ کے پیچھے لگ گیا بس اس کا اطمینان جاتا رہا، سائیکل پر بیٹھ کر وہاں سے چل رہا ہے، پریشان ہے جو شخص اِدھر سے اُدھر سے سامنے سے نظر آتا ہے، نظر آتے ہی گھبراتا ہے کہ جاسوس ہے پتہ چلے گا تو ابھی گرفتار کریں گے، راستہ طے کرنا دشوار ہوگیا، آخر ایک نالہ آگیا، اس نے موقع پاکر وہ نوٹوں کی گڈی نالے میں ڈالدی، پھینکدی تو اب اطمینان ہوگیا کہ میرا کوئی کچھ نہیں کرسکتا، وہ روپیہ جس کو اطمینان کا ذریعہ سمجھا تھا، وہ اطمینان کا نہیں انتشار کا ذریعہ ہے، وہ تو وبال ہے وہ تو مصیبت ہے، دیکھئے جس چیز کا نفع اس دنیا میں نظر آتا ہے، لوگ اس کو اختیار کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا" (سورۃ اعلیٰ:۱۶)

تم لوگ تو دنیا کی زندگی اختیار کرتے ہو، جو چیزیں یہاں تمہیں نافع نظر آتی ہیں، محسوس ہوتی ہیں، اسی کو تم اختیار کرتے ہو، آخرت کی طرف توجہ نہیں کرتے ہو۔

"وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى" (سورۃ اعلیٰ:۱۷)

حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے۔

دنیا و آخرت کا موازنہ

دنیا کی ہر چیز تو فنا ہونے والی ہے، کسی کی عمر ۲۰ رسال کی ہوئی کسی کی عمر ۵۰ رسال ہوئی، ۷۰ رسال ہوئی، ۱۰۰ رسال ہوئی، سوسال تک تو مشکل سے ہی پہنچتے ہیں، اس سے پہلے پہلے نمٹ لیتے ہیں، چلو سوسال ہوئی ڈیڑھ سوسال ہوگی، آخر کب تک آخر فنا ہے، یا نہیں؟ دنیا میں کیا ہے، آخرت میں کیا ہے؟ دونوں کی زندگیوں کا موازنہ کیا جائے، دنیا میں کتنی حاجتیں کتنی مصیبتیں پیچھے لگی ہوئی ہیں، جس کی حد نہیں، سانپ ہے وہ انسان کا دشمن ہے، کاٹ لے آدمی مر جائے، بھیڑیا ہے، وہ انسان کا دشمن ہے، شیر ہے وہ انسان کا دشمن ہے، ہاتھی ہے وہ انسان کا دشمن ہے یہ جانور انسان کے دشمن ہیں، انسان کے اندر امراض لگے ہوئے ہیں بخار ہوگیا وہ اسکا دشمن پلیگ ہوگیا وہ اس کا دشمن، کالرا ہوگیا وہ اس کا دشمن کتنے امراض انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، کتنے انسان خود دشمن ہیں انسان کے، یہاں کسی کا بیٹا مر گیا کسی کا بھائی مر گیا کسی کا باپ مر گیا، اس کا رنج وغم مستقل کسی کی شادی ہو مگر اولاد نہیں ہوئی، اس کی فکر، اولاد ہے، مگر ماں باپ کا کہنا نہیں مانتی اسکی پریشانی، ہر جگہ پریشانی ہی پریشانی ہے، اس دنیا کی زندگی میں، لیکن آخرت کی زندگی میں کیا حال ہے، جس کو خیر کہا گیا وہاں جوانی ملے گی ایسی کہ اس کے بعد بڑھاپا نہیں، وہاں طاقت ملے گی ایسی اس کے بعد کمزوری نہیں، اور صحت ملے گی ایسی اس کے بعد بیماری نہیں، اور راحت ملے گی ایسی اس کے بعد موت نہیں اس لئے فرماتے ہیں:

"وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى" (سورۂ اعلیٰ: ۱۷)

آخرت بہتر ہے، اور باقی رہنے والی ہے، اور تم یہ نہ سمجھو یہ احکام جو بیان کئے جا رہے ہیں، صرف تمہارے واسطے بیان کئے جا رہے ہیں، تم کو اس کا مکلف کیا جا رہا ہے، یہ پچھلی امتوں

میں یہ بات نہیں تھی، پچھلی امتوں میں بھی یہ بات تھی اس لئے آگے فرماتے ہیں:

پہلی امتوں سے عبرت

"اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى" (سورۂ اعلیٰ:۱۸)

یہ جو احکام اور ہدایات تم کو دی جارہی ہیں یہ پہلی امتوں کی پہلی کتابوں میں بھی تھے:

"صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى" (سورۂ اعلیٰ:۱۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو صحیفے نازل ہوئے تھے، ان میں بھی یہ احکام موجود تھے، لہذا ان کے حالات معلوم کرو، جنہوں نے ان احکام پر عمل کیا انکی زندگی کتنی خوشگوار بنی کتنی اعلیٰ درجے کی ہوئی، اللہ تعالیٰ کے کتنے مقرب ہوئے، اور جنہوں نے، ان چیزوں کو اختیار نہیں کیا، وہ کیسے کیسے قہر اور عذاب میں مبتلا ہوئے، موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر کس کس طرح سے عذاب آیا، کہیں مینڈکوں کا عذاب آیا، کبھی خون کا عذاب آیا، کبھی ٹڈیوں کا عذاب آیا۔ کہیں کسی اور چیز کا عذاب آیا، کتنے دن تک بھوکے پیاسے میدان تیہ میں پھرتے رہے، خدا کی پناہ کیسی کیسی آزمائشوں میں مبتلا کئے گئے عمل نہ کرنے کی وجہ سے، لہٰذا ان احکامات اور ہدایات پر عمل کرنا ثواب اور خیر ہے، دنیا کے اعتبار سے بھی خیر ہے، اور آخرت کے اعتبار سے بھی خیر ہے، اس چندروزہ زندگی پر آدمی مشغول ہو کر یہ نہ سمجھے کہ ان احکام کو چھوڑ کر جو کچھ نفع ہمیں نظر آرہا ہے، اس کو اختیار کرے، یہ طریقہ مومن کا نہیں ہے۔

اتباع سنت کی فضیلت

مومن کا طریقہ تو یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلے آج ہمارے یہاں محبت کا دعویٰ کرنے والے تو بہت ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیکن بھائی محبت کے

واسطے کچھ طریقے تو ہونے چاہئیں، کچھ گواہ تو ہونے چاہئیں، گواہ کیا ہیں، حضور اقدس ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرنا ہے، جو شخص جس قدر حضور اقدس ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرتا ہے، اسی قدر محبت کا دعویٰ صحیح ہے، حدیث میں آتا ہے:

"مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ" (مشکوۃ شریف:۳۰)

جو شخص میری سنت سے محبت کرتا ہے، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، حضور اقدس ﷺ کی محبت کی علامت کیا ہے؟ حضور اقدس ﷺ کی سنت کو اختیار کرنا ہے، اپنی زندگیوں میں حضور اقدس ﷺ کے طریقے کو مسلمان اختیار کریں تو حضور اقدس ﷺ کی محبت کی علامت ہے، تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ" (مشکوۃ شریف:۳۰)

جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے میرے ساتھ ہوگا، جنت میں، اس واسطے ہم لوگوں کو چاہئے، کہ اپنی زندگیوں پر نظر ثانی کریں۔

فیصلہ کریں اور طے کریں، کہ حضور اقدس ﷺ کی سنت کو ہر ایک کے طریقے کے مقابلے میں اختیار کرنا ہے، اسی میں کامیابی ہے، وہی نجات کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا بھی اور حضور اقدس ﷺ کی خوشنودی کا بھی اور دنیا میں مصیبتیں آتی ہیں، ان مصیبتوں سے نجات کا ذریعہ بھی یہی ہے، اور حضور اقدس ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر حضور اقدس ﷺ کے دشمنوں کا طریقہ اختیار کر کے نجات حاصل نہیں ہوسکتی، نہ دنیا میں ہوسکتی، نہ آخرت میں ہوسکتی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں کہنے والے کو بھی اور سننے والوں کو بھی۔ آمین!

❑❑❑

شکرانِ نعمت

اس بیان میں

☆......اللہ پاک کی چار عظیم نعمتوں کو بیان کیا گیا ہے

☆......ان نعمتوں کی شکرگذاری کا طریقہ بتایا گیا ہے

☆......اصل کامیابی کا راز

☆......زبان کے فوائد اور اس کے مہلکات کو بیان فرمایا ہے۔

شکرانِ نعمت

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

"لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" (سورۂ ابراھیم:۷)

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے، کہ تم اگر نعمتوں کا شکر کرو، تو میں نعمتوں میں زیادتی کرونگا، حق تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ان کا دھیان رکھنا قدر دانی ہے، ان سے غافل ہوجانا ناقدری ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ اُعْطِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ قُلْبٌ شَاكِرٌ وَلِسَانٌ ذَاكِرٌ وَبَدَنٌ عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِيْهِ خَوْنًا فِيْ نَفْسِهَا وَلَا مَالِهٖ" رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ.

(مشکوۃ شریف: ۲۸۳/۲)

[چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص کو وہ چار چیزیں دیدی گئیں اس کو دنیا وآخرت کی خیر دیدی گئی۔

(۱)...... شکرگذار دل۔

(۲)...... ذکر کرنے والی زبان۔

(۳)...... بلاؤں پر صبر کرنے والا بدن۔

(۴)......ایسی بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں شوہر کی خیانت نہ کرے۔]

یہ چاروں چیزیں اتنی اہم اور اتنی عظیم الشان ہیں کہ جس شخص کو یہ چار چیزیں مل گئیں اس کو گویا دنیا وآخرت کی خیر مل گئی۔ اس کی دنیا بھی بن گئی اور آخرت بھی بن گئی۔ دنیا بھی کامیاب اور آخرت بھی کامیاب۔

قلب شاکر: ان چار چیزوں میں پہلی چیز قلب شاکر۔ شکرگذار دل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کر کرکے ان کا شکرادا کرے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، جسمانی نعمتیں بھی بے شمار اور روحانی نعمتیں بھی بے شمار۔ پس قلب ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکرگذاری میں مشغول ہے، یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

لسانِ ذکار: دوسری چیز ہے لسان ذکار۔ ذکر کرنے والی زبان۔

یہ زبان خدا کی بڑی نعمت ہے، اس کے ذریعہ سے بے شمار نیکیاں حاصل کی جاسکتی ہیں، اس میں بے شمار فوائد ہیں، چاہے تو اسے غلط استعمال کر کے خسارہ میں پڑے۔ یا بے شمار نیکیاں اور بے شمار فوائد حاصل کرے۔

جنت کی ضمانت

حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ جو شخص دو چیزوں کی ذمہ داری لے لے تو میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں، ایک زبان، ایک شرمگاہ، اگر اس کی ذمہ داری لے لے تو میں اس کے لئے جنت کا ذمہ دار ہوں، روایت میں آتا ہے کہ صبح ہی صبح اعضاء زبان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہتے ہیں، کہ خدا کی بندی سیدھی سیدھی چلنا اگر تو سیدھی چلی تو ہم بھی عافیت میں رہیں گے، ورنہ تیری وجہ سے

ہم بھی ہلاک ہونگے ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرمائیے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ فرمایا: کہ اس کو بند رکھو، زبان خدا نے اسلئے دی ہے کہ اس سے ذکر کیا جائے، درود شریف پڑھا جائے، استغفار کی کثرت کی جائے، تلاوت کی جائے، کسی بھی طریقہ سے ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اب اگر آدمی خدا کے تجویز کردہ قانون کے ماتحت زبان کا استعمال کرتا ہے، تو خیر ہی خیر ہے۔

قرآن پاک پڑھنے کا ثواب

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص خدا کا کلام پڑھتا ہے، اس کو ہر ہر حرف پر تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ایک مرتبہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ الخ" پڑھنے سے ایک تہائی قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

تین مرتبہ پڑھنے سے پورے قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے۔

دس مرتبہ پڑھنے سے جنت میں ایک محل تیار ہو جاتا ہے۔

چار مرتبہ "قُلْ یَا اَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ الخ" پڑھنے سے ایک قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے۔

دو مرتبہ سورۂ زلزال پڑھنے سے ایک قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

ایک مرتبہ یٰسین شریف پڑھنے سے دس قرآن پاک کا ثواب ملتا ہے۔

ترا ہر سانس نخل موسوی ہے
یہ جذر و مد جواہر کی لڑی ہے

یہ سانس ہیرے جواہرات کی لڑی ہیں، جن اللہ کے بندوں نے اس کی قدر کی ہے، انہوں نے ہمیشہ اس زبان کو مشغول رکھا ہے۔

....

بعض اکابر کا معمول

بعضے خدا کے بندوں کا معمول رہا ہے کہ روزانہ ایک قرآن شریف ختم کرتے تھے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے وتر کی ایک رکعت میں پورا ایک کلام مجید ختم کیا ہے، بعض حضرات نے چوبیس گھنٹے میں آٹھ قرآن مجید ختم کئے، اس کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ زندگی ہزاروں تک ختم کرنیکی نوبت آئی ہے۔

مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ خدا کے بندے ایسے بھی ہیں، کہ عصر کے بعد سے مغرب سے پہلے پہلے تک ختم کر دیتے ہیں، لوگوں نے مطالبہ کیا تو فرمایا: اچھا دہلی میں جمنا پل کے سامنے عصر کے بعد پڑھنا شروع کیا، غروب سے پہلے پہلے ختم کر دیا، ایک صاحب نے سوال کیا، کہ چوبیس گھنٹے میں آٹھ قرآن شریف کا ختم کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے جبکہ اسی چوبیس گھنٹے میں سونا کھانا پینا نماز وغیرہ بھی ہوتے ہیں، اس لئے کیسے ممکن ہے، تو میں نے کہا کہ آپ علم ریاضی سے دیکھتے ہیں، اور اس کے ذریعہ سے حساب لگاتے ہیں، ایک اور حساب ہے اور وہ ہے کرامت، کرامت کے تابع ریاضی کو کرنا پڑے گا۔ تب سمجھ میں آئے گا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا معمول

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ روزانہ کا کیا معمول ہے؟ تو فرمایا کہ کیا پوچھتے ہو، اب تو بڑھاپا آ گیا ہے اب زیادہ نہیں پڑھا جاتا صرف روزانہ سوا لاکھ مرتبہ پڑھتا ہوں۔

....

رمضان المبارک

رمضان کا مہینہ ایسا ہے، کہ بیشمار برکتیں اس میں نازل ہوتی ہیں، ایک رات آنے والی ہے:

"لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ" (سورۃ قدر: ۳)

شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے سے۔ (ترجمہ شیخ الہند)

مجمع اکٹھا ہو رہا ہے، بعض احباب ممکن ہے کہ اپنے گھروں پر خوب مشغول رہتے ہوں، مگر یہاں خدا نے بہت اطمینان سے ٹھہرایا ہے، بیوی بچوں کی پریشانی نہیں، کھیتی کرنے والے کو کھیتی کی فکر نہیں، کوئی پریشانی نہیں ہے، جن کو خدا نے یہاں آنے کیلئے منتخب کرلیا ہے، وہ بڑے خوش قسمت ہیں، اب ہماری ذمہ داری ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمت کی قدر کریں، اسی وجہ سے فرمایا: لسان ذاکر۔ ذکر کرنے والی زبان۔

اصل کامیابی

کامیابی درحقیقت وہ ہے، جس کو خدا نے فرمایا ہے، کہ یہ کامیابی ہے:

"قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ"

(سورۂ مؤمنون: ۱،۲)

[ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے۔ جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں۔]

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" (سورۂ اعلیٰ: ۱۴)

[فلاح اس نے پائی جس نے پاکیزگی اختیار کی۔]

"قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا" (سورۂ شمس: ۹)

[فلاح اسے ملے گی جو اس نفس کو پاکیزہ بنائے۔]

یہ ہے کامیابی۔

فضیلت نماز

نماز بہت اہم ہے، جس کو کامیاب نکال لے گئے، ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں۔

"الصلوٰۃ معراج المؤمنین" فرمایا گیا ہے کہ نماز مومنین کی معراج ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قُرَّۃُ عَیۡنِیۡ فِی الصَّلٰوۃ" کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، نماز جو فرض ہے، وہ پانچ وقت میں ہے، روزہ بھی عبادت ہے، روزہ ڈھال ہے، نفس وشیطان کیلئے یہ ڈھال ہے، حج ہے اس کے ذریعہ سے سارے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے، مگر یہ سب مقید ہیں، ذکر کے لئے کوئی قید نہیں، فرمایا گیا:

"اذکروا اللّٰہ ذِکۡراً کَثِیۡرَا" (سورۂ احزاب: ۴۱)

[اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔]

ذکر کیلئے حکم فرمایا کہ کثرت سے کیا کرو۔ اس کیلئے کوئی وقت معین نہیں۔

زبان کے مہلکات

اگر زبان کی مہلکات کو دیکھے تو یہی زبان زیادہ تر لوگوں کو جہنم میں لے جانے والی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ جو کبھی کبھی زبان سے ایسی ویسی باتیں کرلیا کرتے ہیں کیا انکے متعلق بھی سوال ہوگا، تو فرمایا کہ تیری ماں تجھ پر روئے اکثر اسی وجہ سے آدمی جہنم میں جاتا ہے، مثلاً کسی کا تذکرہ ہو، خواہ تعریف ہی ہو رہی ہو مگر جب تک

اس کی برائی نہ کی جائے بات پوری نہیں ہوتی۔

اقسام غیبت

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے غیبت کی اقسام لکھی ہیں، اس میں ہے کہ کسی نے کہا کہ فلاں صاحب بہت اچھے ہیں، سننے والے نے کہا کہ جی ہاں، جی ہاں یہ بھی ایک قسم کی غیبت ہے، قلم سے کسی کی برائی لکھنا، ہاتھ سے اشارہ کرنا یہ بھی غیبت ہے، ایک غیبت اتنی خطرناک لکھی ہے، کہ ایک مجلس میں کسی کی برائی شروع کی، کسی نے اس پر ٹوکا تو کہتا ہے، کہ اس میں غیبت کی کیا بات ہے، میں تو سچ سچ کہہ رہا ہوں، حالانکہ اسی کا نام غیبت ہے، گویا نص قطعی کو ماننے سے انکار کر رہا ہے، اس سے ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔

روایات میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ خلال کرو، تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے گوشت نہیں کھایا ہے، تو فرمایا کہ خلال کرو، جب انہوں نے خلال کیا تو گوشت کے ٹکڑے نکلے، قرآن پاک میں غیبت کو مردار گوشت کے قائم مقام قرار دیا ہے، یہاں بڑا مجمع ہے، اس مجمع میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟ تو فرمایا کہ کوئی بات پیٹھ پیچھے کسی کے متعلق ایسی کہنا کہ وہ اگر سنے تو اس کو برا لگے یہ غیبت ہے، پوچھا کہ اگر یہ حقیقت ہے،؟ فرمایا کہ تب ہی تو غیبت ہے، ورنہ بہتان ہے، بہتان کے متعلق حدیث میں ہے کہ قیامت میں ایسے شخص کو پل صراط پر کھڑا کیا جائیگا، او پر پلصراط اور نیچے جہنم اور اس سے مطالبہ کیا جائیگا، کہ جو بات تم نے دنیا میں فلاں کے متعلق کہی تھی، اس کے گواہ لاؤ، اس کو ثابت کرو، اور ظاہر ہے کہ ہو نہیں سکتا، کیونکہ زبان سے جھوٹ بولا تھا۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جھوٹ آدمی بولتا ہے تو اتنی بد بو آتی ہے، کہ فرشتے

کئی میل دور ہو جاتے ہیں۔

"اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا" (سورۂ دھر: ۳)

[ہم نے اسے راستہ دکھایا کہ وہ یا تو شکرگذار رہو، یا ناشکرا بن جائے۔]

پس آدمی کو چاہئے کہ شکرگذار بنے ناشکرا نہ بنے۔ ذکر وتلاوت میں مشغول رہے، چغلی کھانے، غیبت کرنے سے جھوٹ بولنے سے اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ آدمی سوچے کہ جن سے ناراض ہو کر اس کی برائی کر رہا ہے، اپنی ہی عاقبت خراب کر رہا ہے۔

مفلس کون ہے؟

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا مفلس وہ ہے جس کے پاس روپیہ مال دولت نہ ہو، تو فرمایا کہ مفلس وہ ہے، جس نے دنیا میں رہ کر خوب نیکیاں کمائیں، نمازیں پڑھیں، تسبیح پڑھیں مگر کسی کو گالی دی، کسی کو مارا قیامت میں جو بدلہ دیا جائے گا، وہ مال سے نہیں، بلکہ بدلے میں نیکیاں دی جائیں گی، اور لوگ مطالبہ کرنے والے مطالبہ کریں گے۔

ایک شخص آکر کہے گا کہ میری غیبت کی، دوسرا کہے گا کہ مجھ کو مارا تھا، تیسرا کہے گا کہ مجھے گالی دی تھی، اب ہر شخص کو اس کی نیکیاں دیدی جائیں گی، جوں جوں مطالبات ہونگے اس کی نیکیاں بھی ختم ہو جائیں گی، اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی، مزید مطالبات باقی رہیں گے، اور اس کے پاس نیکیاں ہیں نہیں، تو اب دوسروں کے گناہ اس کے سر پر ڈالدیئے جائیں گے، لایا تھا خوب نیکیاں اور انجام کار یہ ہوا کہ دوسروں کے گناہ اس کے سر ڈالدیئے گئے، یہ ہے مفلس۔

....

ماہِ مبارک میں زبان کی حفاظت کی زیادہ ضرورت

رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہو جاتا ہے، اور ہر فرض کو ستر فرض کے برابر کر دیا جاتا ہے، روزہ کی حالت میں اعتکاف قرآن شریف کی تلاوت صلحاء کا مجمع کتنا بابرکت مقام ہے، غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس مبارک مہینہ میں کسی کی غیبت کی جائے۔ کسی کی برائی کی جائے۔ اب اس میں برائی کرنے سے کیا اس شخص کی برائی ختم ہو جائے گی؟ برائی ختم تو نہیں ہوگی۔ ہاں گناہ میں یہ ضرور شریک ہو جائیگا، جس طرح نیکوں کا ثواب بڑھتا جاتا ہے، اسی طرح غیبت برائی دوسرے گناہوں کا حال ہے کہ ان متبرک جگہوں پر کرنے سے گناہ اور شدید ہو جاتا ہے، اس لئے اپنی زبان کی پوری حفاظت کی جائے، اس کی صورت یہ ہے، کہ زبان کو مشغول رکھا جائے جس کو جس سے مناسبت ہو، وہ پڑھا کرے، جس کو قرآن سے مناسبت ہو وہ تلاوت کرے، کسی کو درود شریف سے کسی کو استغفار سے جو جس سے مناسبت رکھتا ہو، وہ پڑھا کرے۔

آنحضرت ﷺ کا معمول

حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو ہر ایک مجلس میں ستر ستر مرتبہ استغفار پڑھتے ہوئے سنا ہے، حضور اقدس ﷺ سے خود منقول ہے، کہ میں ہر مجلس میں دوسو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔

مرتے وقت زبان سے وہی نکلتا ہے جس کی عادت ہوتی ہے

زبان کو جس سے مناسبت ہوتی ہے وہی مرتے وقت زبان پر آتا ہے۔

ایک حافظ جی کی عادت تھی، کہ طلبہ سے ہدیہ لیتے تھے، جو بھی طالب علم ملنے کیلئے آتا،

تو اس سے کہتے کہ لا کیا لایا؟ زبان سے بار بار نکلتا تھا، کہ لا کیا لایا، آخر مرتے وقت بھی یہی کلمہ نکلا کہ لا کیا لایا۔

ایک بنئے کا بھی یہی حال تھا، کہ مرتے وقت تراز و اور باٹ ہی زبان پر تھی۔

مرتے وقت کلمہ طیبہ کی فضیلت

اگر کوئی مرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھ کر انتقال کر جائے تو وہ سیدھا جنت میں چلا جائیگا:

"مَنْ کَانَ اٰخِر کَلَامِه لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه دخل الْجنة" (مشکوۃ شریف: ۱/۱۴۱)

محدث ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے محدث ہیں ان کے حالات میں ہے: کہ

"من کان اٰخر کلامه لا اله الا الله" کہا، اور انتقال ہوگیا، حدیث کا پورا جملہ نہیں کہا بلکہ آدھی حدیث کہی تھی کہ انتقال ہوگیا، ہمارے استاذ نے کہا کہ انہوں نے جملہ پورا کر دیا، کہنا دو طریقہ سے ہوتا ہے، ایک زبان سے اور ایک عمل سے کر کے، بتایا انہوں نے آدھی حدیث زبان سے کہی اور عمل سے جنت میں داخل ہو گئے، عمل سے دکھا دیا، نبی علیہ السلام بہت تاکید فرماتے تھے۔

کہ زبان کی حفاظت کی جائے یہاں تو کسی سے کوئی واسطہ نہیں، تانگہ چلانے والے کو تانگہ سے واسطہ نہیں، رکشہ والے کو رکشہ سے، کھیت والے کو کھیت سے، موٹر والے کو موٹر سے، بیوی بچے والوں کو کسی سے کوئی واسطہ نہیں پڑ رہا ہے، اتنا بڑا مجمع ہونے کے باوجود اپنے کو خلوت میں سمجھے۔

بہشت آں جا کہ آزارے نباشد
کسے را باکسے کارے نباشد

[بہشت اس جگہ کو کہتے ہیں کہ وہاں کوئی تکلیف اور پریشانی نہ ہو، کسی کو کسی دوسرے سے کوئی کام کوئی حاجت نہ ہو۔]

اتنے بڑے مجمع کے قلوب جب خدا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، کہ بعض لوگ جہنم سے خدا کی پناہ مانگ رہے ہیں، بعض پچھلے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہیں، کوئی زیارت نبی کریم ﷺ کی دعا مانگ رہا ہے، کوئی دعا مانگ رہا ہے کہ ہماری زندگی کا ہر گوشہ سنت کے مطابق بنادے، لہٰذا اس کی قدردانی کی ضرور ہے۔ قدردانی یہی ہے، کہ زیادہ سے زیادہ مشغول رہے، رمضان میں جس چیز کی عادت ڈالی جائے، انشاء اللہ سال بھر اس کے اثرات باقی رہیں گے، اسی طرح رمضان میں کسی گناہ کا ارتکاب کیا، تو سال بھر اس کا اثر پڑتا ہے، اس کے اثرات بہت بری طرح ظاہر ہوتے ہیں، تو خدا کی کتنی بڑی نعمت ہے، کہ سارے افکار سے بچا کر یہاں ڈالدیا اس کی قدردانی یہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ زبان کو مشغول رکھا جائے اور بس۔

اخلاص کی ضرورت

اعمال کی اصل اخلاص ہے، اگر اخلاص نہ ہو تو سب بے کار ہے۔

حدیث میں ہے کہ تین آدمیوں کو بلایا جائے گا، ایک ان میں سے غازی ہوگا، دوسرا قاری ہوگا، تیسرا سخی ہر ایک سے حق تعالیٰ سوال فرمائیں گے تونے ان سب سے یہ چاہا تھا کہ تجھ کو غازی کہا جائے قاری کہا جائے، سخی کہا جائے، سو کہا جا چکا، تینوں کو جہنم میں ڈالدیا جائیگا، ہجرت جیسا عمل بھی بغیر اخلاص کے وہ بھی مقبول نہیں۔

"فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُه اِلٰى دُنيَا يصيبها اَوْامْرأَةٍ يَتَزَوَّجهَا فَهِجْرَته اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْه" (مشکوۃ شریف:۱۱)

ہجرت کتنی بڑی چیز ہے، کتنا بڑا اس کا اجر و ثواب ہے، لیکن اگر اخلاص نہ ہو بلکہ خدائے پاک کی خوشنودی کے بجائے دنیا کمانے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی نیت ہو تو اس کو وہ اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ بلکہ اس ثواب سے محروم رہے گا۔ اس لئے اخلاص کی بہت

زیادہ ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب فرمائے، اخلاص کے ساتھ ذکر تلاوت، تسبیح اور دیگر اعمال کی توفیق دے، ہر ایک کو اس کی فکر رہنی چاہئے، کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ اس کا بہت زیادہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ" (مشکوۃ شریف:۱۲)

مسلمان کی پہچان یہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ نہ زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے، نہ ہاتھ سے کوئی ایسی حرکت کرے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔ مجمع میں احتیاط کی اور زیادہ ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❑❑❑

فسادات کے اسباب

اور

ان کا علاج

اس بیان میں

☆......فسادات کے اسباب اور ان کے علاج احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔

☆...... ہر چیز کو دلچسپ واقعات اور مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔

فسادات کے اسباب اور ان کا علاج

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ. اَمَّا بَعْدُ!

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَازَادَ اللهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ" (مشکوۃ شریف:۱۶۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱)......صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔ (۲)......معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت بڑھا دیتے ہیں۔ (۳)......جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سربلندی عطا فرماتے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے جس میں تین چیزوں کی خاصیت بیان کی گئی ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت اور اصلاح کیلئے بھیجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تشریف لا کر غور کیا کہ جتنے فسادات ہوتے ہیں جتنی لڑائیاں ہوتی ہیں آپس کے اختلافات کشیدگی رنجش اس کی علامتیں اس کے اسباب ہیں، ان سب اختلافات کے اسباب تین ہیں، پھر ان تینوں کا علاج بتلا دیا اگر ان تینوں کو اختیار کیا جائے تو آپس کی لڑائیاں ختم ہو جائیں مقدمہ بازی ختم ہو جائے لڑائی جھگڑے سب جاتے رہیں۔

پہلا سبب حب مال

پہلی چیز دولت ہے انسان کو روپیہ پیسہ کی محبت ہوتی ہے جسکی وجہ سے مشکلات پیدا ہوتی ہیں لڑائیاں ہوتی ہیں جھگڑے ہوتے ہیں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ جو روپیہ دوسرے کے پاس ہے وہ میرے پاس آ جائے اس کے پاس کیوں ہے میرے پاس آ جائے اس کے حاصل کرنے کے لئے اس سے لڑائی کرتا ہے، جھگڑا کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے فتنے فسادات پیدا ہوتے ہیں مال کی محبت روپیہ کی محبت آدمی کو اندھا بنا دیتی ہے۔ مال کی محبت میں آدمی نہ باپ کو دیکھتا ہے نہ ماں کو نہ بھائی کو دیکھتا ہے نہ بہن کو نہ یتیم کو دیکھے نہ بیوہ کو نہ دوست اور رشتہ دار کو۔ تلاش کر کے دیکھئے دیوانی کے مقدمات عدالت اور کورٹ میں زیادہ تر روپیہ کی وجہ سے پیش آتے ہیں حتی کے فوجداری تک کی بھی نوبت پہونچ جاتی ہے روپیہ کی محبت کی وجہ سے۔ بلکہ قتل وغارت گری وغیرہ کے واقعات بھی زیادہ تر مال ودولت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

سود پر لعنت

جب مال کی محبت ہوتی ہے اور آدمی چاہتا ہے کہ میرے پاس مال زیادہ ہو جائے تو سود لیتا ہے حالانکہ سود لینے والے پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے:

"عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رُسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ" (مشکوۃ شریف:۲۴۴)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے والے پر بھی اور دینے والے پر بھی سود کا رقعہ لکھنے والے پر بھی سود کی گواہی کرنے والوں پر بھی جس مال کی وجہ سے لعنت

نازل ہوتی ہے اس مال میں کیا خیر و برکت ہوگی کیا اس سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ فائدہ کے بجائے سود کے پیسے میں تباہی و بربادی بھری ہوئی ہوتی ہے۔

غصب، قمار، رشوت، چوری کا حکم

کسی کو مال کی جب محبت ہوتی ہے تو آدمی کسی کا مال غصب کرتا ہے، کسی کی زمین غصب کرتا ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی کی ایک بالشت بھر زمین ظلماً غصب کرلے تو قیامت میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائیگا غصب کرکے مالک بن جانا تو آسان چیز ہے شریعت کا یہاں تک حکم ہے کہ کسی دوسرے کی جگہ میں نماز بھی مت پڑھو جب کہ اسکو ناگوار گزرتا ہو، اسکی جگہ میں نماز نہ پڑھو سڑک پر اپنا کپڑا بچھا کر نماز پڑھ لو اور پاس میں ایک دوسرے شخص کی زمین ہے

وہ منع کرتا ہے کہ میری زمین میں قدم نہ رکھنا تو تم ان کی زمین میں نماز بھی مت پڑھو مال کی جب محبت ہوتی ہے تو وہ جوا کھیلتا ہے قمار کرتا ہے سٹہ بازی لگاتا ہے جس پر لعنت ہوتی ہے مال کی جب محبت ہوتی ہے تو وہ رشوت لیتا ہے، حالانکہ حدیث پاک میں ارشاد ہے:

رشوت

"الرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ كِلَاهُمَا فِی النَّارِ" (مجمع الزوائد: ۲۵۹/۴)

رشوت لینے والا رشوت دینے والا دونوں جہنم میں جائیں گے اس کمبخت مال کی محبت کی وجہ سے جہنم کا عذاب مول لیتا ہے کہ ساتوں زمینوں کے طوق گلے میں ڈالے جائیں گے ڈلوانے کے لئے آدمی تیار ہو جاتا ہے جہنم میں جانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے مال کی محبت کی وجہ سے مال کی محبت ہوتی ہے تو چوری بھی کرتا ہے۔

چوری کا حکم

حدیث شریف میں آتا ہے:

"وَلایَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یسرِقُ وَھُوَ مُؤمِنٌ" (مشکوۃ شریف:۱۷)

چور جس وقت چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا ایمان اس سے نکل جاتا ہے ایسا خبیث مال کس کام کا جس کی وجہ آدمی مومن نہ رہے ایمان اس سے نکل جائے اگر ایسی حالت میں اسکا انتقال ہو جائے تو اللہ ہی جانے کہاں پہنچے گا۔

وراثت نہ دینے کا حکم

مال کی جب محبت ہوتی ہے تو ورثاء کا حق دبالیتا ہے کسی شخص کا انتقال ہوا ایک بڑا وارث ہے اسکے قبضہ میں سب کچھ ہے ترکہ میت کا اور وہ دوسروں کا حصہ نہیں دیتا ہے یہ عاجز اور بے بس، پھر وہ مقدمہ لڑائیں عدالت میں کچہری میں جائیں کچہری والے بھی سوچتے ہونگے کہ یہ مسلمان ہیں جنکا حق قرآن میں مذکور ہے اور یہ حق دینے کو تیار نہیں قرآن پاک تو سب کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے خاص طور سے مسلمانوں کے لئے جنکا حق قرآن میں موجود ہے مستقل طور پر۔

"یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ" (سورۂ نساء:۱۱)

[اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔]

اسی طرح سب ورثاء کے حصے بیان کئے گئے ہیں، آج ان سب کو ختم کیا جارہا ہے، یہ سب کیا ہے مال کی محبت کی وجہ ہے اس کا علاج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا:

"مَانَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِنْ مَالٍ" (مشکوۃ شریف:۱۶۷)

[صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا۔]

صدقہ دو صدقہ میں یوں مت سمجھو کہ مال کم ہو جائیگا صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوگا، نہیں کم کرتا ہے صدقہ مال کو مال جتنا موجود ہے اس میں سے کچھ بھی کم نہیں کرتا صدقہ دینے سے ہر چیز جس سے محبت ہو اسے سینے سے لگا کر رکھنے سے راحت ملتی ہے لیکن مال کمبخت ایسی چیز ہے جسکو سینے سے لگا کر رکھو تو آدمی بجائے راحت کے وحشت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

رشوت خور ملازم کا واقعہ

ایک شخص کو جو کورٹ میں ملازم تھا کسی نے رشوت کے روپیہ دیئے دس ہزار پانچ ہزار جتنے بھی دیئے اس نے بڑی احتیاط سے اندر کی جیب میں رکھ لیئے کوٹ پہنے ہوئے تھے چپکے سے کسی نے اسکے کان میں کہدیا کہ سی آئی ڈی لگ گیا ہے آپکے پیچھے بس اسکی راحت و آرام سب ختم ہو گیا بڑا پریشان سائیکل پر سوار ہو کر چل رہا ہے جو شخص سامنے ملتا ہے اس پر ہی شبہ ہوتا ہے کہ یہ سی آئی ڈی ہے راستہ اسکو نظر نہیں آتا اتنا غلبہ خوف کا ہو گیا سی آئی ڈی کا، آخر کار جب کوئی صورت اسکے سکون واطمینان کی نہ ہوئی تو ایک ندی آئی جس میں پانی بہتا تھا اس نے وہ گڈی نوٹوں کی ندی میں پھینک دی اب سکون ہوا اس کمبخت روپیہ کو پاس رکھنے سے وحشت ہو رہی تھی کہ سی آئی ڈی کو پتہ چل گیا اب کوئی آجائیگا اور آتے ہی مجھے پکڑیگا پوچھے گا کہ یہ روپیہ کہاں سے آیا تو میں کیا بتاؤنگا کہاں سے لے آیا گرفتار ہو جاؤنگا مقدمہ ہوگا رسوائی ہوگی عدالت میں سزا ہو جائیگی اس طرح اس نے روپیہ پھینکا اگر رشوت کا روپیہ نہ ہوتا اپنا اصلی اچھا روپیہ ہوتا اور اس کو غرباء پر صدقہ کر دیتا ساری پریشانیاں بھی دور ہو جاتیں بڑے اطمینان وسکون کے ساتھ روپیہ بڑی اچھی جگہ پر پہونچ جاتا تو جو فتنے اور فسادات ہوتے ہیں دولت کی وجہ سے یعنی مال کی محبت کی وجہ سے ہوتے ہیں، ان سب کا واحد علاج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ صدقہ دینا اور ایسے اچھے عنوان سے بیان فرمایا کہ صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا۔

مشاہدات کی بعض غلطیاں

کوئی شخص کہے کہ صاحب کیسے کم نہیں ہوتا ہم تو دیکھتے ہیں کہ کم ہو جاتا ہے کسی شخص کے پاس دوسو روپیہ ہیں اس میں سے اس نے پانچ روپیہ خرچ کر دیئے زکوٰۃ کے دیدیئے اب اس کے پاس ایکسو پچانوے رہ گئے دوسو تو نہیں رہے آپ کہتے ہیں کہ کم نہیں ہوگا یہاں تو کم ہے دیکھ رہے ہیں نظر آ رہا ہے اس سے کہیے کہ بھئی آپ پڑے دیکھ رہے ہوں کہ کم ہو رہے ہیں لیکن حقیقت میں کم نہیں ہو رہا ہے دیکھنے میں بھی تو فرق ہو جاتا ہے۔

ایک ماہر حساب عالم کی فرائض میں غلطی

حساب کے فرق کا یہ حال ہے کہ ایک بڑے استاذ عالم حساب کے جاننے والے نے مجھ سے خود بتلایا کہ ایک رات فرائض نکال رہا تھا فرائض میں حساب ٹھیک نہیں بیٹھتا بڑا پریشان ساری رات ہوگئی حالانکہ فرائض زیادہ بڑی نہیں تھی جمع ٹھیک نہیں بیٹھتی ساری رات گزر گئی حتی کہ صبح کی اذان ہوگئی تو میں نے فرائض اٹھا کر رکھدی اور ذرا لیٹ گیا کہ ذرا سکون ہو جائے لیٹنے کے بعد پھر اٹھا دیکھا تو فرائض ٹھیک ہے کیا بات تھی زبان سے نکل رہا تھا دو اور چھ لکھا ہوا دو اور دو چار اور ہے بھی دو اور دو چار زبان سے حساب کرتے ہوئے نکل رہا ہے دو اور دو چھ اسکا کوئی کیا علاج کرے گا۔

کُتّا بے دین

ڈاکیہ آیا تار لئے ہوئے کتا بے دین کا تار ہے کتا بے دین ارے مدرسہ میں کتا بے دین کا کیا کام ہے یہاں تو دیندار کتا بھی نہیں آ سکتا بے دین تو کیا آوے گا بار بار پڑھتا ہے، کہ صاحب یہی لکھا ہے کتا بے دین! کیا تھا اصل میں قطب الدین تھا اس قطب

الدین کو ناس مار کے کتاب دین پڑھ رہا ہے یہ مشاہدہ تو ہے جیسے کہ تم کو مشاہدہ ہے کہ دوسو میں پانچ دیدیئے ایکسو پچانوے رہ گئے اور پھر بھی کہنا صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں ہوتی وعدہ کے خلاف ہے مشاہدہ کے خلاف ہے مشاہدہ کو اتنا قوی مان لینا کہ جو کچھ مشاہدہ ہے وہی صحیح ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

مشاہدہ کے ساتھ ایکسیڈنٹ کا ہونا

اچھا یہ بتائیے یہ جتنے ایکسیڈینٹ ہوتے ہیں مشاہدہ کے ساتھ ہوتے ہیں بغیر مشاہدے کے ہوتے ہیں ہر گاڑی والا یہ سوچ کر چلاتا ہے کہ ایکسیڈینٹ نہ ہوجائے میری گاڑی سے ٹکر نہ لگ جائے بچانے کی کوشش کرتا ہے ادھر سے بھی ادھر سے بھی اسکے باوجود بھی ایکسیڈینٹ ہوتا ہے یہ مشاہدہ کے ساتھ ہوتا ہے، ایکسیڈینٹ موٹر کا ایکسیڈینٹ ہو یا گھوڑے تانگہ کا ہو یا ریل کا ہو یا جہاز کا ہو جسکا بھی ہو بہر حال کوئی یہ نہیں جانتا کہ اسکا ایکسیڈینٹ ہوجائیگا ہر ایک بچنا چاہتا ہے بچانا چاہتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہوتا ہے اور یہ تو اس وقت ہے جبکہ آنکھ ٹھیک ہو اور جو آنکھ میں کوئی خرابی ہو ایک مرض ہے بھینگا پن کہتے ہیں جسے ایک کے دو نظر آتے ہیں۔ اس کا حال تو اور زیادہ خطرناک ہے۔

احول کا واقعہ

ایک استاذ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ کمرے کے اندر ایک بوتل رکھی ہوئی ہے شربت کی وہ اٹھالاؤ وہ آکر کہتا ہے کہ صاحب وہاں تو دو رکھی ہوئی ہیں کون سی لاؤں حالانکہ ایک رکھی تھی مگر اسکی آنکھ میں تو ایک کے دو نظر آتے ہیں اس لئے وہ ایک کو دو دیکھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے کہا دو رکھی ہیں استاذ نے کہا: ایک پھوڑ دے ایک اٹھالا اس نے ایک پھوڑ دی، دیکھا تو دونوں ہی پھوٹ گئیں۔ استاذ نے کہا کہ بھئی تجھے ایک پھوڑنے کو کہا تھا

یا دونوں پھوڑنے کو کہا تھا یہ کیا ہے آنکھ کے اندر خرابی ہے تو ایک کے دو نظر آنا یہ آنکھ کے مرض کی وجہ سے ہے اور وہ یوں کہہ رہا ہے کہ میں تو مشاہدہ کر کے آیا ہوں دو رکھی ہیں کیا اسکا مشاہدہ معتبر ہوگا اسکے مشاہدہ پر کوئی حکم نافذ کیا جاسکے گا ہر گز نہیں ۔

صدقہ سے مال کم نہ ہونے کی مثال

یہ ساری سننے کے بعد وہ کہتا ہے کہ صاحب یہ تو ایکسو پچانوے ہی ہیں دوسو تو پورے نہیں ہوئے، آپ مثالیں چاہے جتنی بیان کرتے رہیں لیکن یہ تو ایکسو پچانوے ہی ہیں دوسو تو نہیں ہوتے پھر اسکو سمجھائیے کہ دیکھئے ایک شخص مثلاً یہاں سے بری (ایک شہر ہے) جانا چاہتا ہے اس کے پاس دوسو روپیہ ہیں اس نے کہا کہ گاڑی میں چلے جاؤ بس جارہی ہے بس میں بیٹھ جاؤ کہا کہ صاحب بس کا ٹکٹ پانچ روپیہ ہے پانچ روپیہ کم ہوجائیں گے اس نے کہا کہ نہیں کم نہیں ہونگے کہا کہ صاحب کیسے کم تو ہوجائیں گے گن کر دیکھ لو دوسو میں سے پانچ نکال دو تو کیا یہ کم نہیں ہوگا مشاہدہ کے خلاف بات کہہ رہے ہو اس نے کہا کہ بھائی کم نہیں ہونگے بیٹھ جاؤ نہیں مانا پیدل گیا یہاں سے راستہ میں مل گئے چور چوروں نے پکڑ کر چھین لئے سارے روپیہ دوسو اور مرمت کی الگ کپڑے بھی اتار لئے اگر عقلمند ہوتا اور پانچ روپیہ کا ٹکٹ لیکر بس میں بیٹھ جاتا تو عافیت کے ساتھ پہونچ جاتا تو ایکسو پچانوے تو محفوظ رہتے جب ایکسو پچانوے بچ گئے پانچ روپیہ کی وجہ سے تو کوئی سمجھدار آدمی یوں نہیں کہے گا کہ کم ہوگئے یہ ساری سننے کے بعد وہ پھر بھی کہتا ہے کہ صاحب یہ تو پچانویں ہی ہیں جتنی چاہے باتیں بتلاتے رہو یہ تو ایکسو پچانویں ہی ہیں اگر عقل ٹھکانے ہو تو اس کو یوں نہیں کہتا کہ روپیہ کم ہوگیا بلکہ یہ پانچ روپیہ خرچ کر کے جان بھی محفوظ رہی اور اسکا ایکسو پچانویں روپیہ محفوظ رہا اور عافیت کے ساتھ پہونچ گیا اسکو کوئی سمجھدار آدمی یوں نہیں کہے گا کہ کم ہوگیا اور پھر یہ جو پانچ روپیہ کم ہوئے یہ بھی یہاں کم ہوئے ہیں آخرت میں تو اس کے لئے بہت ملیں گے

آخرت میں بہت ملیں گے پانچ دہائی پچاس ایک ایک کے دس دس پچاس تو ویسے ہی متعین ہیں اور پھر اسکو بھی اللہ تعالیٰ "وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ" اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔

اللہ اس کو مضاعف کر دیتے ہیں دوگنا، تین گنا چوگنا اور یہاں تک کہ بغیر حساب کے دیتے ہیں تو ایک چیز ہے دولت دولت کی محبت کی وجہ سے فسادات اور لڑائیاں ہوتی ہیں مقدمہ بازیاں ہوتی ہیں۔

وراثت میں دو بھائیوں کا جھگڑا

ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے دو بیٹے چھوڑے دونوں بیٹوں نے ترکہ باپ کا آدھا آدھا تقسیم کرلیا ایک درخت باقی رہگیا بڑا بیٹا کہتا ہے یہ میرے حصہ کا ہے چھوٹا بیٹا کہتا ہے کہ یہ میرے حصہ کا ہے صلح نہیں کی عدالت میں گئے کورٹ میں گئے مقدمہ کرنے کیلئے سال بھر تک مقدمہ چلا پیشی ہوتی رہی جتنا ترکہ بڑے بیٹے کو ملا تھا اس نے آہستہ آہستہ فروخت کرکے سارا مقدمہ میں خرچ کر دیا چھوٹے بیٹے کو جتنا ملا تھا اس نے آہستہ آہستہ فروخت کرکے سارا مقدمہ میں خرچ کر دیا سال بھر کے بعد فیصلہ یہ ہوا کہ اس درخت کو کٹوا کر آدھی لکڑیاں ایک بیٹے کے یہاں اور آدھی لکڑیاں ایک بیٹے کے یہاں بھیجدی جائیں سارا ترکہ ختم ہوگیا وہ درخت رہ گیا اور دونوں کی یہ حالت ہوگئی کہ درخت کو کٹوانے کی جو مزدوری تھی وہ مزدوری پاس نہیں دینے کیلئے وہ عدالت نے اپنے سر رکھی عدالت نے روپیہ دیکر کٹوا کر بھجوا دیا کہ لو رکھو اسے یہ کوئی عقل کی بات ہے یہ تو بے عقلی کی بات ہے، اگر بڑا بھائی سمجھ لیتا چھوٹے بھائی کے پاس جا رہا ہے کسی غیر کے پاس تو نہیں جا رہا ہے چھوٹا بھائی بمنزلہ بیٹے کے ہوتا ہے جیسے بیٹے کے ساتھ احسان کا معاملہ ہوتا ہے ایسے ہی چھوٹے بھائی کے ساتھ بھی احسان و مروت کا معاملہ ہونا چاہئے یا چھوٹا بھائی یہ سمجھ لیتا کہ بڑا بھائی باپ کے درجہ میں ہے میرے پاس نہیں رہتا باپ کے پاس

جارہا ہے کہیں غیر جگہ نہیں جارہا ہے۔اس میں کیا حرج ہے۔تو یہ نوبت نہ آتی۔

استاذ صاحب کا واقعہ

ہمارے ایک استاذ تھے اللہ ان کو غریق رحمت کرے موسم برسات میں انکے مکان کی ایک دیوار گرگئی انہوں نے اس کو بنانا چاہا پڑوسی نے کہا کہ یہ تو دیوار ہماری ہے آپکی تھوڑے ہی ہے آپ کو کیا حق ہے بنانیکا کہا کہ نہیں بھائی یہ ہماری دیوار ہے ہمارے پاس اس کا ثبوت ہے اس کے کاغذات موجود ہیں کہا کچھ نہیں آپنے اگر بنانیکا ارادہ کیا تو میں دعویٰ دائر کردونگا آپ پراب استاذ بیچارے مدرس عدالتوں اور کچہریوں سے بہت گھبرانے والے تو انہوں نے کہا کہ اچھا بھئی فیصلہ کرلو دیوار ہے تو ہماری یہ ہماری دیوار تم ہمارے ہاتھ فروخت کردو بتلاؤ کتنے روپیہ خود بتایا اتنے روپیہ چنانچہ اتنے روپیہ دیکر دیوار دوبارہ بنالی محلہ والوں نے کہا کہ مولوی صاحب کیا غضب کیا آپ نے دیوار تو آپ کی تھی ہاں بھئی تھی تو میری مگر کیا کریں لڑائی تو ہم سے نہیں لڑی جاتی ایک دیوار کی خاطر انہوں کہا کہ ہم گواہی دیتے، آپ گواہی دیتے، آپکی خوشامد کرتا پھرتا وکیل کے پاس جاتا کتنی پریشانی ہوتی، مدرسہ کا تعلیم کا حرج ہوتا ذلت ورسوائی الگ اور پھر جس نے کہا یہ دیوار میری ہے اسکی طرف سے بغض وعداوت مستقل دل میں قائم ہوتا، پڑوسی کا حق ہوتا ہے ہم نے ادا نہیں کیا ہم یوں ہی سمجھیں چلو پڑوسی کا حق ہونے کی وجہ سے ہم نے اسکو یوں ہی دیدیا معاملہ کو نمٹانا چاہیں تو اسکو اس طرح سے نمٹا سکتے ہیں باقی نمٹانا اس وقت ہے جبکہ مال کی محبت غالب نہ ہو جہاں مال کی محبت کا غلبہ ہوگا تو ایک روپیہ دینے کو تیار نہیں ہوگا۔

ایک حاجی صاحب کا ڈرائیور کو بخشش دینے سے انکار

مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ حاجیوں کی جماعت جارہی ہے بس میں اور اس وقت دستور یہ

تھا کہ ایک جگہ پر روک کر کچھ پیسہ تمام مسافروں سے لیکر ڈرائیور کو دیئے جاتے تھے یہ بخشش کہلاتی تھی زیادہ سے زیادہ دو روپیہ ایک حاجی کے حصہ میں آتے تھے ایک حاجی کو بڑا غصہ بڑا جوش نہیں ہم نہیں دینگے چاہے گردن چلی جائے نہیں دینگے ہم، گردن دینے کو تیار دو روپیہ اسے دینے کو تیار نہیں کہہ رہے یہ رشوت ہے رشوت ہم نہیں دینگے "اللہ الصمد" اور ساری زندگی گزاری انہوں نے سرکاری عدالت میں جہاں رشوت کے بغیر سلام کا جواب بھی نہیں دیتے مگر طبیعت میں یہاں جوش آیا نہیں دیتے لیکن اگر دو روپیہ دیکر جان بچا لیتے کہ چلو عافیت کے ساتھ صحیح وقت پر پہونچ جائیں ورنہ تو ڈرائیور خدا جانے کہاں پریشان کردے گاڑی کو روک دے کہ خراب ہوگئی گاڑی، بس پڑے ہیں وہاں جنگل میں کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں سایہ کا بھی انتظام نہیں ان ساری تنگی اور پریشانیوں کو دیکھتے ہوئے اگر دو روپیہ دیتے تو بہت سہولت تھی اسلئے ان سارے دھندوں سے بچتے ہوئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا صدقہ دینے کی ترغیب دی صدقہ دو صدقہ دو صدقہ دینے سے مال میں کمی نہیں آتی جو بظاہر کمی محسوس ہوتی ہے وہ کمی دیکھنے کی ہے اس دنیا کی ہے اور آخرت میں تو اسکا دس دس گنا ملیگا ایک حکومت دوسری حکومت پر قبضہ کرنا چاہتی ہے لڑ رہی ہے کاہے کیلئے مال کی محبت کی وجہ سے کہ وہاں زیادہ مال ہے لہذا اسکے ملک پر قبضہ کرلیں مال ہمارے پاس آنے لگے گا تو حضور اکرم ﷺ نے غور فرما کر تین اسباب تجویز فرمائے تھے ان فسادات اور لڑائیوں کے ان میں سے ایک فساد دولت و مال کی محبت اسکا علاج بتلادیا صدقہ! صدقہ دو، صدقہ جتنا دوگے اسی قدر مال کی محبت کم ہوگی اور اگر مال کی محبت ہوگی بھی تو آخرت کے اعتبار سے ہوگی جتنا یہاں دنیا میں زیادہ سے زیادہ دیں گے اس سے دوگنا آخرت میں ملے گا۔

فسادات کا دوسرا سبب، طاقت

دوسری چیز طاقت ہے فسادات کا دوسرا سبب طاقت ہے، جب کسی کے پاس

طاقت زیادہ ہوتی ہے تو اونچا بن کر رہنا چاہتا ہے۔ طاقت کیا! طاقت چاہے روپیہ کی ہو چاہے حکومت کی ہو چاہے فوج کی ہو جو بھی ہو وہ طاقت والا چاہتا ہے کہ میرا نام سب سے اونچا رہے حتی کے اگر کوئی فہرست مرتب کی جائے دعوت کی اس میں بھی چاہتا ہے کہ میرا نام سرفہرست رہے۔

کشمیری مناظر کو علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتباہ

یہاں ہندوستان میں ضلع میرٹھ میں ایک جگہ پر قادنیوں نے جھگڑا کیا کچھ فساد کیا مسجد میں اور انکو مار کر مسجد سے نکال دیا مسلمانوں نے ان پر مقدمہ کیا کہ ہمیں مارا اور مسجد سے نکالا ادھر سے مسلمانوں کی طرف سے بیان دینے کیلئے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کو بھی بلایا تو ادھر سے بھی ایک کشمیری قادیانی کو بلوایا گیا کہ مناظرہ ہوگا تو اس کشمیری مناظر نے مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے بھی دارالعلوم دیوبند میں پڑھا ہے اور میرا نام سرفہرست تھا اس سال میں جتنے پڑھ کر فارغ ہوئے دورہ سے ان میں میرا نام سرفہرست تھا یہ جو نام کی بلندی سب سے اوپر ہونا یہ چیز ایسی ہے زہریلی کہ خدا کی پناہ ہر جگہ میں یہی چاہتا ہے کہ میرا نام سب سے اونچا ہو سب سے اوپر ہو اس نے کہا کہ میرا نام سرفہرست تھا سب سے اونچا تھا مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ جی ہاں مجھے معلوم ہے ایک اور بات بھی معلوم ہے کہ اسلام سے خارج ہونے والوں میں بھی آپکا نام سرفہرست ہے جیسے دارالعلوم سے فارغ ہونیوالوں میں آپکا نام سرفہرست ہے تو مرتدین میں بھی آپکا نام سرفہرست ہے اگر کچھ گستاخی اور بے ادبی ہو جائے طاقت والے کی شان میں تو بخشتا نہیں کہتا ہے۔ میرے اندر طاقت ہے، میں کیوں معاف کروں۔

معاف کرنے میں عزت ہے

میرے اندر طاقت ہے، میں کیوں معاف کروں؟ فرض کیجئے حکومت پر دوسری

حکومت کی طرف سے گولی چل گئی، کسی نے ناسمجھی سے گولی چلادی، نہ صاحب میں تو اسکا انتقام لونگا، میں معاف نہیں کرونگا، یہ کیوں ہے؟ طاقت کی وجہ سے ہے، اس کا علاج فرمایا حضور اقدس ﷺ نے:

"وَمَازَادَ اللّٰہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا" (مشکوۃ شریف: ۱۶۷)

کوئی بھی شخص اگر کسی کو معاف کردے اسکے خطا اور قصور کو تو اللہ تعالیٰ اسکی عزت ہی میں اضافہ کرتے ہیں تو معاف کرنے سے یوں سمجھتے ہوانسلٹ ہوجائے گی کچھ کسرِ شان ہوجائے گی ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ عزت میں ترقی دیں گے اگر کسی شخص کے بدن میں طاقت ہے۔ بڑا پہلوان ہے کشتی کرنیوالا ہے تو اسکے چلتے چلتے کسی نے چپت ماردیا اب اسکو غصہ آتا ہے کہ میرے چپت مارا میرے بدن میں اتنی طاقت ہے کہ میں ابھی گردن مروڑ کر رکھدوں معاف کرنے کو تیار نہیں کہ اگر میں نے انتقام نہیں لیا تو لوگ یوں سمجھیں گے کہ اس کے پاس طاقت نہیں اور اس کو برداشت کرنے کو تیار نہیں کہ میرے پاس طاقت نہیں اس لئے یوں فرمایا:

"وَمَازَادَ اللّٰہُ عَبْدًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا" (مشکوۃ شریف: ۱۶۷)

جوشخص کسی بندے کی خطا کو معاف کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس معاف کرنے کی وجہ سے اس کی عزت میں ترقی دیتے ہیں لہٰذا یوں نہ سمجھیں کہ میرے بدن میں طاقت میرے ملک میں طاقت ہے میرے پاس بڑی قوت ہے بڑی فوج ہے میں اگر انتقام نہیں لونگا تو میری توہین ہوگی ،لوگ سمجھیں گے یہ تو ہارا ہوا ہے یہ تو کمزور درجہ کا ہے ایسا نہیں بلکہ معاف کرنے سے عزت میں اور ترقی ہوتی ہے۔

تیسرا سبب وجاہت

تیسری چیز وجاہت شوکت ایک شخص کے پاس نہ مال زیادہ ہے نہ طاقت زیادہ ہے

کوئی فوج نہیں ہے بندوق تلوار توپ نہیں بم نہیں البتہ اس کو اللہ نے عزت عطا فرما رکھی ہے چاہے تو خاندانی حیثیت سے اوپر سے اسکی عزت چلی آ رہی ہے چاہے خود علم کی وجہ سے اسکے پاس علم اتنا ہے کہ سب لوگ علم کی وجہ سے اسکے سامنے جھکتے ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں خواہ نسب کے اعتبار سے فلان خاندان سے متعلق ہے اس کی وجہ سے سب عزت کرتے ہیں۔

"وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ" رواہ مسلم۔ (مشکوۃ شریف:۱۶۷)

تو جو شخص ایسا ہے باعزت ہے باوجاہت ہے وہ کسی کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں ہوتا۔ چاہے کسی مقدمہ کے دفعیہ کیلئے مصالحت ہو چاہے کچھ اور بات ہو وہ اپنی گردن اونچی رکھنی چاہتا ہے اس کے لئے ارشاد فرمایا نہیں تواضع کی کسی نے کسی کے لئے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسکی وجہ سے اسکا درجہ بلند فرماتے ہیں اب یہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس اتنی عزت ہے لوگ میرے سامنے جھک کر سلام کرتے ہیں اور فلاں شخص نے مجھے گالی دیدی فلاں شخص نے میرے خلاف فلاں کام کیا لہٰذا اس کو سزا دینی چاہئے اس نے جو کچھ کیا غلط کیا لیکن آپ کو چاہئے کہ اس کو معاف کر دیں اس کے سامنے عاجزی اور تواضع کے ساتھ پیش آئیں یہ چیز اہل علم میں زیادہ ہوتی ہے ان کی شان کے خلاف کوئی بات نہ ہو جائے۔

ایک عالم کی تواضع

ہمارے یہاں ایک عالم تھے ان کے پاس ایک دیہاتی نے آ کر ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے بتلا دیا دیہاتی نے اپنی زبان میں کہا کتاب میں دیکھ کر بھی بتلا دیا ہے یا انٹ کے سنٹ کہہ رہے ہو تو انہوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا فوراً اٹھے گھر گئے کتاب دیکھی اور آ کر فرمایا کہ بھئی کتاب میں بھی اسی طرح سے لکھا ہے جس طرح میں نے بتلایا تھا یہ جو اسکا لب ولہجہ ہے کتاب میں بھی دیکھا یا انٹ کے سنٹ کہہ رہے ہو ایک جاہل آدمی گاؤں کا آدمی بے پڑھا آدمی اس طریقہ پر ایک زبردست عالم کو خطاب کرتا ہے تو انہوں نے اسکو

اپنی کسر شان نہیں سمجھا بلکہ اسکے سامنے تواضع اختیار کی، میں نے کتاب میں دیکھا مسئلہ اسی طرح سے ہے جس طرح سے میں نے بتلایا ایک انپڑھ سے یہ توقع رکھنا کہ وہ پڑھے ہوئے کی طرح سے بڑے حسن ادب کے ساتھ ملاقات کریگا بڑی فصاحت و بلاغت کیساتھ گفتگو کریگا یہ تو غلطی کی بات ہے پڑھا ہوا آدمی کا حال اور ہوتا ہے ان پڑھ آدمی کا حال اور ہوتا ہے تو جتنے فسادات ہیں اس عزت کی وجہ سے پیش آتے ہیں ان سب کا علاج حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کو بتلایا کہ تواضع عاجزی اور مسکنت اختیار کریں اپنے آپ کو سب سے چھوٹا سمجھیں اپنے آپ کو سب سے زیادہ کمزور کم طاقت سمجھے۔ تو فسادات سے حفاظت رہے گی۔

خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت خواجہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو صاحبزادے ہیں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے مکتوبات میں جگہ جگہ لکھتے ہیں محترما! فقیر میں طاقت انتقام نہیں ہے فقیر میں بدلہ لینے کی طاقت نہیں اسلئے کچھ کر نہیں سکتا ہے لیکن جو شخص ہمارے دوستوں کو ستائے اس سے ہمارا کیا تعلق ہے بس اتنا کافی ہے ہمارا اس سے کیا تعلق ہے، جو ہمارے دوستوں کو ستاتا ہے ہمارا اس سے کیا تعلق ہے یعنی کوئی تعلق نہیں ہے رہا یہ کہ ہم اسکے ستانے کا بدلہ لیں یہ انتقام ہے، ہم فقیر میں انتقام کی طاقت نہیں ہے بس ان تین باتوں پر اگر عمل ہو جائے اور اس عمل کیلئے کوئی ضرورت نہیں ہے کسی انجمن کی کہ انجمن بنائی جائے کہ اسکے ذریعہ سے عمل کرایا جائے ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر خود سوچ سکتا ہے جو عمل کر سکتا ہے ان شاء اللہ جتنے فسادات ان چیزوں کی بنا پر پیش آتے ہیں وہ ختم ہو جائیں گے اور دنیا دار السکون و العافیۃ بن جائیگی۔

چاہ زمزم کے سلسلے میں لڑائی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بنو ہاشم اور بنو امیہ میں لڑائی چلی آ رہی تھی مدتیں

گزر گئیں تھیں لڑتے لڑتے حضور اقدس ﷺ کے دادا ہاشم انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ کسی جگہ پر زمزم کا کنواں ہے زمزم کا کنواں سب جانتے تھے کہ تھا مگر بھر گیا تھا زمین کے برابر ہوگیا تھا پتہ نہیں تھا کہ کس جگہ پر ہے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ یہاں زمزم کا کنواں ہے ارادہ کیا اسکے کھودنے کا تو ان کے چچازاد بھائی ابناء الاعمام تھے، وہ مانع ہوئے وہ تلوار لیکر سامنے آ گئے کہ اسکو نہیں کھود سکتے اب وجہ کیا تھی کیوں نہیں کھود سکتے کہ بیت اللہ کا مجاور ہونے کی وجہ سے ابھی ان کی عزت بہت ہے اور جب زمزم کا متبرک چشمہ ان کے پاس آ جائیگا تو عزت اور زیادہ بڑھ جائیگی اور ان کی عزت کو اپنے لئے ذلت سمجھتے تھے حالانکہ خوش ہونے کی بات تھی کہ یہ بھی ہمارے چچازاد بھائی ہیں ان کی عزت ہماری عزت ہے مگر کھودنے نہیں دیا تو وہ خاموش ہو گئے انہوں نے مختلف شادیاں کیں جن سے بارہ بیٹے پیدا ہوئے جب بارہ بیٹے جوان ہو گئے تو ان کے ہاتھوں میں تلوار دیکر زمزم کھودنے کے لئے چلے اور اپنے چچازاد بھائیوں کو کہلا بھیجا کہ میں زمزم کھودنے جا رہا ہوں جس کا حوصلہ ہو آ جائے اور آ کر میرا مقابلہ کرے انہوں نے دیکھا تو بارہ پہلوان بڑے زبردست کھڑے ہوئے ہیں تلوار لیکر ان کی ہمت نہیں ہوئی مزاحمت کرنے کی کنواں کھود لیا کامیاب ہو گئے۔

بیٹے کی قربانی

نذر مانی تھی کہ اگر میں زمزم کا کنواں کھودنے میں کامیاب ہو گیا تو ایک بیٹا خدا کے نام پر قربان کرونگا بیٹے کی قربانی دیدینگے قربانی کا یہ مطلب نہیں کہ اسے ایک چلہ کے لئے جماعت میں بھیج دونگا بلکہ اسکی قربانی کروں گا جیسے کہ بقرعید کے موقع پر قربانی جانور کی کی جاتی ہے، چنانچہ قرعہ ڈالا گیا اس قرعہ میں نام نکلا حضور اقدس ﷺ کے والد کا ارادہ کیا قربانی کرنے کا حضور اقدس ﷺ کے ننہال کے جو لوگ تھے انہوں نے منع کیا کہ تمہارے

گیارہ بیٹے اور بھی تو ہیں ان میں سے کسی کی قربانی کردو ہمارا ہی بچہ رہ گیا قربانی کرنے کے لئے یہ تو قرعہ ڈالکر دیکھا تھا نہیں بھئی! قرعہ غلط نکلا ہے دوبارہ قرعہ ڈالا گیا پھر انہیں کا نام نکلا سہ بارہ قرعہ ڈالا گیا پھر انہیں کا نام نکلا تو وہاں ایک عورت تھی کاہنہ جو فال بتلایا کرتی تھی، ہاتھ دیکھ کر تمہاری قسمت میں یہ لکھا ہے یہ ہوگا، یہ ہوگا اس پر اپنا فیصلہ کرایا کرتے تھے چلو کاہنہ کے پاس کاہنہ کے پاس آئے اس سے کہا، اس نے کہا کہ آپ کے یہاں ایک آدمی کے خون کی قیمت کیا ہے کہا کہ دس اونٹ کہا اچھا دس اونٹ ایک طرف رکھو اور عبداللہ کا نام ایک طرف رکھو پھر دیکھو قرعہ کس کے نام پر نکلا پھر حضور کے والد کا نام نکلا کہا کہ دس دس اونٹ بڑھاتے رہو یہاں تک کے سو اونٹ ہو گئے قرعہ میں اس وقت جو قرعہ نکلا تو اونٹوں کے نام پر نکلا اس نے کہا بس اس بچے کو بچالو اور سو اونٹوں کی قربانی کردو چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے دادا نے سو اونٹ کی قربانی کی اور عرب کے سب لوگوں کو کھلا دیئے اس وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"اَنَا اِبْنُ الذَّبِیْحَتَیْنِ"

میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں دو ذبیحہ کونسے ایک تو حضرت اسماعیل علیہ السلام جن کو چھری کے نیچے ڈالا گیا۔ ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کرنے کے لئے ڈالا اور چھری چلائی بھی انہیں کے اوپر اللہ نے ان کو تو بچالیا اور ان کی جگہ پر دنبہ لاکر ڈالدیا گیا تھا وہ ذبح ہوا، ایک تو اسماعیل علیہ السلام ذبیح اور ایک حضور اقدس ﷺ کے والد ذبیح اسلئے فرمایا: کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں اللہ کو بچانا مقصود تھا وہاں سے اسماعیل علیہ السلام کو بچایا یہاں حضور اقدس ﷺ کے والد کو بچایا حضرت نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں بڑی خیر ہے، خیر ہی، خیر ہے اور بے شمار خیر ہے ہر تعلیم میں علم کے معرفت کے خزانے موجود ہیں ہر حدیث میں حضور اقدس ﷺ کی عبرت کی چیزیں موجود ہیں اس حدیث میں بھی تین فتنوں سے بچانا اور خیر کو پھیلانا مقصود ہے۔

....

عامۃً فسادات کے یہی تین اسباب ہوتے ہیں، اگر ان تین چیزوں پر عمل کیا جائے جن کو حدیث پاک میں بیان کیا گیا ہے تو ہر قسم کے فسادات سے حفاظت ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے عمل کرنے کی۔

"اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ آلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ"

اے پاک پروردگار! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرمایا، یا اللہ ہم ذلیل ہیں حقیر ہیں ہماری ذلت وحقارت کو دور فرمایا، الہ العالمین اپنے پاک نبی ﷺ کے طریقہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرما، یا اللہ حضور اقدس ﷺ کی شفاعت سب کو نصیب فرما، یا اللہ حضور اقدس ﷺ کی محبت سب کے دلوں میں پیدا فرما، یا اللہ حضور اقدس ﷺ کی عقیدت سب کے دلوں میں پیدا فرما، یا اللہ حضور اقدس ﷺ کی اطاعت سب کے دلوں میں پیدا فرما، یا اللہ حضور اقدس ﷺ کی محبت ہر مخلوق کی محبت پر غالب فرمادے یا اللہ آپس کے جھگڑوں سے نجات مرحمت فرمادے، یا اللہ مال کی محبت کو ختم فرما، یا اللہ حضور اقدس ﷺ کے طریقہ پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما۔

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّاب، رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ، صَلَّی اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰاحِمِیْنَ"

❑❑❑

حقوق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اس بیان میں

☆......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ پاک کی عظیم الشان نعمت ہونا۔

☆......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے امت پر کیا کیا حقوق واجب ہیں؟

☆......اور ان کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟

☆......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و جاں نثاری اور کمال اطاعت سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ" (سورۂ آل عمران: ۱۶۴)

[حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت کرے۔ انہیں پاک صاف بنائے۔ اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔]

اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم

اللہ جل جلالہ عمّ نوالہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے ایک بہت بڑے انعام کا تذکرہ فرمایا ہے بطور احسان جتلایا ہے، انعامات تو حق تعالیٰ کے بیشمار ہیں سب دنیا مل کر

گننا چاہے تو گن نہیں سکتی۔

"وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا" (سورۂ ابراھیم)

[اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے لوگ تو شمار (بھی) نہیں کر سکتے۔]

آسمان کو پیدا کیا یہ بھی اسکا انعام ہے، زمین کو پیدا کیا یہ بھی اسکا انعام، چاند سورج کو پیدا کیا یہ بھی اسکا انعام، ہوا پانی کو پیدا کیا یہ بھی اسکا انعام، انسانوں کو پیدا کیا یہ بھی انعام، جانوروں کو پیدا کیا یہ بھی انعام، قسم قسم کے پودے لگائے، گھاس، غلہ، سبزہ اگائے، یہ بھی اس کا انعام، غرضکہ بیشمار انعامات ہیں لیکن یہ انعام بڑا عظیم الشان انعام ہے جس کا اس آیت شریفہ میں تذکرہ کیا ہے اسی لئے جو لوگ قواعد عربیہ سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں، کہ قد کا داخل کرنا اور قد سے پہلے لام کا داخل کرنا۔

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۂ آل عمران: ۱۶۴)

کس قدر تاکید و توثیق کیلئے ہے گویا کہ جیسے کسی بات کو قسم کھا کر بیان کیا جاتا ہے اس طرح بیان فرمایا، قسم ہے یقین ہے بالکل حق ہے کہ ہم نے انعام کیا ہے، "مَنَّ اللّٰہ" اللہ نے انعام فرمایا، جبکہ بھیجا اس نے رسول، رسول کو بھیجنا یہ اس کا انعام ہے، اگر رسول کو نہ بھیجتے تو کسی کو کیا پتہ چلتا کہ اللہ تعالیٰ چاہتے کیا ہیں؟ کس چیز میں حق تعالیٰ کی مرضی ہے؟ کس چیز میں ناراضی ہے؟ مرضی و نامرضی کے بتانے والے تو رسول ہی ہیں ہر شخص کو آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا ہر شخص کی رائے پر تو نہیں چھوڑ دیا گیا کہ آدمی کے جو کچھ ذہن میں آئے اسکو اختیار کر لے کہ جس بات کو کہدے کہ حق تعالیٰ کی مرضی ہے اس کو اختیار کر لے اور جس چیز کو سمجھے کہ حق تعالیٰ کی مرضی نہیں ہے اس کو نہ کرے، تو ایسا نہیں کیا گیا ہے بلکہ رسول کو بھیجا گیا انہوں نے انسان کی زندگی کے ہر ہر گوشہ کیلئے ہدایات دیں اور اس قدر تفصیل و توضیح کے ساتھ کہ اس جیسی یا اس سے زیادہ تفصیل و توضیح کسی سے ہو ہی نہیں سکتی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور وہ امت کے سامنے رکھدی اور وہ بھی سب کی سب ایکدم نہیں بلکہ تئیس

سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے کہ امت اس کو ہضم کر سکے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے
بہت بڑا احسان فرمایا کہ رسول کو مبعوث کیا، جن لوگوں کے پاس میں رسول نہیں پہونچے
ایسی کچھ امتیں ممکن ہے گزری ہوں، ایک زمانہ فترۃ کہلاتا ہے جبکہ پچھلے رسول کی ہدایات تو
ختم ہو گئیں اور نیا رسول کوئی ابھی تک نہیں آیا امت اندھیرے میں رہی کیا عمل کرلے کیا نہ
کرلے ایک کچھ کہتا ہے دوسرا کچھ کہتا ہے سب کی خواہش یکساں تو نہیں ہوتی، اس لئے
اس اندھیرے کو دور کرنے کے لئے روشنی دی ہے روشنی کیسی شاندار روشنی کہ اسکی مثال
دنیا پیش نہیں کرسکتی رسول کو بھیجا اور رسول بھی انہیں میں سے کسی اور جنس کا نہیں ایسا نہیں کہ
انسانوں کا رسول کسی جن کو بنادیا ہو کسی فرشتہ کو بنادیا ہو کہ اس کے جذبات الگ ہوں اور
انسان کے الگ، اس واسطے انسان کو رسول بنا کر بھیجا کہ انسانوں کے جذبات میں انسانوں
کے جو معاملات ہیں ان کو انسان ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں دوسری نوع دوسری صنف
نہیں سمجھ سکتی انسانوں کے لئے کیا چیز نافع ہے کیا چیز مضر ہے کونسی چیز آسان ہے کونسی چیز
مشکل ہے اسکو انسان ہی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اس لئے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کو انسانوں میں سے ہی رسول بنایا گیا اور انسانوں کیلئے ہی دعوت کے لئے، تفصیلی بیانات
کیلئے اخلاقیات کی تکمیل کیلئے تجویز کیا گیا ایک بات آپ حضرات کے مشاہدے میں ہے
سب جانتے ہیں جب الیکشن ہوتا ہے تو ہر پارٹی ہر جماعت ایسے شخص کو ووٹ دیتی ہے جو
ان کے جذبات و مطالبات کو پورا کرسکے اور جس شخص سے یہ توقع نہ ہو کہ ان کے جذبات کو
پورا نہیں کرسکے گا تو اس کو ووٹ نہیں دیتے، اسلئے کہ ووٹ اس کو کیوں دیا جائے ووٹ تو
اسی کو دیا جاتا ہے جو ہمارے جذبات کی تکمیل کرے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صنف میں ایسی
جنس میں بنا کر بھیجے گئے جو انسانوں کے جذبات کو اللہ کے سامنے پیش کریں اور اللہ تبارک
وتعالیٰ انکے اوپر اپنا فضل و کرم فرمائیں جو چیزیں نامناسب ہیں ان چیزوں سے روکدیں
اور جو چیزیں مناسب ہیں ان چیزوں کی ترغیب دیدیں، یہی ترغیب و ترہیب ہے جس

کیلئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اس کا بڑا کتنا انعام ہے نہ پیدا کرتا تو کیا کوئی زور تھا؟ زبردستی تھی؟ کچھ نہیں! ہرگز نہیں۔

پہاڑی پر رہنے والے ایک کثیر العمر بزرگ کا واقعہ

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''البدور السافرۃ'' میں لکھا ہے، کہ ایک شخص کی پچھلی امتوں میں سے عمر ہوئی پانچسو سال کی عمر ہوئی وہ ایک پہاڑی پر رہتا تھا وہاں ایک اچھے میٹھے پانی کا چشمہ تھا اور ایک انار کا درخت لگا ہوا تھا اس انار کے درخت پر ایک انار روزانہ لگتا تھا اور اس چشمہ کا پانی اس کے استعمال میں آتا تھا اور اتنی مدت تک اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہمیشہ عبادتوں میں مشغول رہا جب اس کا انتقال ہوگیا اس سے فرمایا گیا کہ جاؤ ہمارے فضل سے جنت میں چلے جاؤ، اس نے کہا اچھا جی اب بھی آپ کا فضل ہی ہے اور میں نے جو پانچ سو برس تک عبادت کی اسکا کہیں تذکرہ نہیں؟ کہا اچھا اگر ایسا چاہتے ہو حساب دینا چاہتے ہو تو آؤ حساب دیدو، ہم نے تجھ کو پیدا کیا بتاؤ تمہارے کونسے عمل کے صلہ میں پیدا کیا کوئی تم نے پہلے نیک کام کئے تھے؟ جس کی وجہ سے ہم نے پیدا کیا محض اپنا فضل تھا ہم نے پہاڑی پر چشمہ پیدا کیا پانی کا، تم نے اس پر کوئی محنت کی تھی؟ کوئی پیسہ خرچ کیا تھا؟ ہم نے انار کا درخت اگایا تم نے بویا تھا؟ ہمیشہ پھل کا ایک موسم ہوتا ہے جس میں وہ پھل درخت پر آیا کرتا ہے انار کا بھی ایسا ہی ایک موسم ہے لیکن تمہاری خاطر ایک انار رزانہ دن میں لگتا جو تمہارے لئے غذا ہوتا تم نے کونسا کام کیا تھا جسکے صلہ میں ہم نے یہ کیا تم اتنے دنوں تک زندہ سلامت رہے کونسے عمل کے صلہ میں؟ تم بیمار نہیں ہوئے حالانکہ اتنی مدت میں انسان طبعی طور پر بیمار ہوتا ہی ہے، لیکن تم بیمار نہیں ہوئے تم نے کونسا کام کیا تھا؟ جسکی وجہ سے تم کو یہ انعام ملا پہلے ہمارے ان انعامات کا حساب دیدو اس کے بعد پھر دیکھیں گے تم کیا کر کے لائے ہو؟ گھبرا اٹھے پریشان ہوئے کہنے لگے ''بس

جی میرے پاس کچھ نہیں بس جی اپنے فضل سے بخش دیجئے''، تو بخشش تو ہوگی فضل سے ہی، اپنے عمل سے بخشش نہیں ہے اپنا عمل ایک بھیک کا پیالہ ہے جیسا فقیر کسی کے دروازہ پر پیالہ لیکر جاتا ہے اور وہ سخی ہوتو اس پیالہ میں اس کو کچھ دیدیتا ہے پیالہ میں پیدا نہیں ہوتا، ملتا ہے دوسرے شخص سے مگر پیالہ کے اندر ملتا ہے حق تعالیٰ کی شان بھی ایسی ہی ہے کہ ہم لوگ تمام عمر تمام دنیا خداوند تعالیٰ کے سامنے بھیک کا پیالہ لیکر کھڑے ہیں دینگے وہ اپنے فضل سے، لیکن عادۃ اللہ جاری ہے کہ فضل کرتے ہیں ایسے شخص پر جنہوں نے ان کی مرضی کے مطابق اعمال صالحہ کئے ہوں، ان کے حکم کو مانا ہو اور جنہوں نے انکے حکم کو نہیں مانا مخالفت کی انکو ناراض کیا ان کے ساتھ معاملہ سختی کا کرتے ہیں، عادۃ اللہ اسی طرح سے جاری ہے۔

دعا کا حکم

اس واسطے حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے امت کو یہ تعلیم دی کہ اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ انکے حکم کی تعمیل کرتے رہو مانگتے رہو ان سے اپنے عمل پر ناز مت کرو، فخر وغرور مت کرو اپنے آپ کو عاجز و بے کس سمجھتے ہوئے حق تعالیٰ کے سامنے دست سوال بڑھا کر اسکے سامنے مانگتے رہو، دعا کرتے رہو، اللہ کا بھی حکم ہے:

''اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ''

تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کرونگا، یہ سب کو ہی حکم ہے جس میں انبیاء علیہم السلام بھی ہیں وہ بھی دعا کیا کرتے تھے اور امتی بھی سب دعا کرتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنا بڑا انعام فرمایا اور فرماتے ہیں:

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ'' (سبق)

یہ انعام مومنین پر فرما، یہ انعام تو حق تعالیٰ کا سب کے لئے ہے، حضور ﷺ تو رحمۃ للعالمین تھے تمام عالموں کے واسطے رحمت، حضور اقدس ﷺ کو "کَافَّةً لِّلنَّاسِ" رسول بنا کر بھیجا گیا سب کی ہدایت کے لئے آئے تھے آپ کا بھیجنا تو سب کے لئے انعام تھا، جانوروں کے لئے بھی انعام کل کائنات کے لئے انعام لیکن خاص طور پر مومنین کو فرمایا گیا۔

"لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" (سبق)

کہ یقیناً مومنین پر احسان فرمایا۔

اس کہ وجہ یہ ہے کہ چونکہ مومنین نے اس انعام کو سمجھا انعام کا احساس کیا انعام کا شکریہ ادا کرنیکی کوشش کی اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا اسکا پورا فائدہ مومنین نے اٹھایا اس لئے کہا گیا:

"لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" (سبق)

اللہ تعالیٰ نے مومنین پر انعام فرمایا جب بڑا انعام ہوتا ہے اسکے موافق اسکا شکر بھی لازم ہوتا ہے، کوئی کسی کو چار پیسے دیدے اسکا شکر اور طرح سے ہے، چار روپیہ دیدے اسکا شکر اور طرح ہزار دے تو اس کا شکر اور طرح، جیسا جیسا انعام بڑھتا جاتا ہے ویسا ویسا اس کا شکریہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے جبکہ یہ انعام بہت بڑا ہے اس کا شکریہ بھی اسی درجہ ادا کرنا لازم ہے۔

شکر نعمتہائے تو
چندانکہ نعمتہائے تو

حقوق مصطفیٰ ﷺ

اسی انعام کے مطابق حضور اقدس ﷺ کے بیشمار حقوق ہیں، ان حقوق کا ادا کرنا یہ اس انعام کا شکریہ ادا کرنا ہے حضور اقدس ﷺ کے حقوق کو شمار کرتے رہئے، دیکھتے رہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں اس میں حضور اقدس ﷺ

کے حقوق کو بھی خاص طور پر اہمیت دیجاتی ہے، کہ ہمارے رسول کا کیا حق ادا کیا ان لوگوں نے حضور اقدس ﷺ مبعوث ہوئے چالیس سال کی عمر میں، چالیس سال کی عمر میں آپ پر وحی آنا شروع ہوئی، سرفراز ہوئے وحی الٰہی سے اور چالیس سال کی عمر تک وہاں کے رہنے والے مرد وعورت اپنے غیر سب حضور اقدس ﷺ کیساتھ محبت رکھتے تھے اکرام کرتے تھے احسان کرتے تھے سب کے سب دل سے ان کو چاہتے تھے بجائے اس کے کہ حضور اقدس ﷺ ان سے اسکی درخواست کریں خود انکے دل میں داعیہ تھا اس کا کہ حضور اقدس ﷺ سے محبت کریں، تو حضور اقدس ﷺ کے احسانات اور ان کا جو شکریہ ہے وہ کیا ہے؟ ویسے تو بیشمار ہیں لیکن غور کیا اصولی اور کلی طور پر، تو چند چیزیں سامنے آتی ہیں۔

پہلا حق محبت

حضرت رسول پاک ﷺ کا پہلا حق محبت ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ محبت ایسی ہونی چاہئے کہ دنیا میں کسی سے ایسی محبت نہ ہو، چنانچہ اس محبت کے متعلق خود حدیث میں بھی موجود ہے:

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" (مشکوۃ شریف: ۱۲)

ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص تم میں مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک میری محبت اسکے دل میں اس کے ماں باپ اور اولاد سے، سب سے زیادہ نہ ہوجائے لہٰذا سب سے زیادہ محبت حضور اقدس ﷺ کی ہونی چاہئے، محبت ہوگی تو آگے کو اور چیزیں ملیں گی، اور محبت ہی نہیں تو کیا ہوگا؟ کچھ نہیں۔ محبت ہو کس طریقہ پر؟ محبت کسی سے اس کے احسان کی وجہ سے کیجاتی ہے، حضرت نبی کریم ﷺ کا کیا احسان ہے؟ جس کی وجہ سے محبت ہو حضور اقدس ﷺ نے راستہ سیدھا دکھلایا اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا راستہ بتلانے والے کا کتنا احسان مانتے ہیں۔

کوئی شخص جنگل میں مارا مارا پھرتا ہے پریشان حال ہے راستہ نہیں ملتا کوئی راہبر اس کو مل گیا یا ہاتھ پکڑ کر لے گیا لیجا کر اس کے گھر پہونچا دیا اس کی منزل مقصود پر پہنچا دیا وہ شخص اس کا کتنا شکریہ ادا کرتا ہے وہ؟ ورنہ تو راستہ میں بھیڑیا مل جاتا، شیر مل جاتے سانپ کاٹ لے اور کوئی چیز موذی ہو نیز راستہ میں کھانا پینا کچھ نہیں ہے بھوکا مرے پیاسا مرے ان ساری مصیبتوں سے نجات ملی راستہ جاننے والے کی بدولت، وہ شخص کتنا کتنا احسان مند ہوتا ہے اسکا، تو حضور اقدس ﷺ نے راستہ بتایا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بتایا کہ زندگی کارآمد بنانے کا راستہ کیا ہے انسان دنیا میں کس مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے اس مقصد کو بتایا حضور اقدس ﷺ کا یہ بہت بڑا احسان ہے حضور اقدس ﷺ کا۔ اس عظیم احسان کی وجہ سے حضرت نبی کریم ﷺ سے محبت ضروری ہوئی۔

محبت کی پہچان

اس لئے حضور ﷺ کے ساتھ محبت بھی اعلیٰ درجہ کی ہونی چاہئے۔

محبت آدمی کو اپنے باپ سے بھی ہوتی ہے اپنے بیٹے سے بھی ہوتی ہے لیکن حضور اقدس ﷺ کی محبت ان سب سے زیادہ ہونی چاہئے اور اسکا اندازہ ہوتا ہے اس وقت جبکہ مقابلہ ہو ایک طرف حضور اقدس ﷺ کی محبت کا تقاضہ ہے، دوسری طرف باپ بیٹے بھائی وغیرہ کا تقاضہ، ان دونوں کے مقابلہ کے وقت میں کس کو ترجیح دیتا ہے آدمی؟ اگر ترجیح دیتا ہے حضور اقدس ﷺ کی محبت کو، تو واقعی اس کا دعویٰ صحیح ہے کہ واقعی اسکو حضور اقدس ﷺ سے محبت زیادہ ہے ان کی مثالیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں موجود ہیں۔

انصار مدینہ کی جاں نثاری

حضور اقدس ﷺ جس وقت ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے

پہلا جہاد غزوۂ بدر ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ نے جمع کرکے فرمایا: کہ میرا معاہدہ تم لوگوں سے یہ تھا کہ اگر مکہ کے لوگوں نے حملہ کیا تو سب مل کر ان کا مقابلہ کرینگے اب میرا ارادہ جو آگے بڑھنے کا ہو رہا ہے حملہ کرنے کا ہو رہا ہے، تم لوگ میرا ساتھ دوگے؟ انصار مدینہ سے پوچھا انصار مدینہ نے جواب دیا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح نہیں کہیں گے۔

"اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ" (سورۂ مائدہ: ۲۴)

کہ آپ اور آپ کا رب جا کر لڑ لیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، تو موسیٰ علیہ السلام کی امت نے یہ کہدیا تھا مگر ہم ایسے نہیں ہیں، ہم ایسا ہر گز نہیں کہیں گے۔ بلکہ اگر آپ حکم فرمائیں گے، دریاؤں میں گھوڑے ڈالدیں، تو ہم دریاؤں میں گھوڑے ڈالدیں گے، ہم جنگلوں میں جہاں آپ فرمائیں گے چلیں گے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جانتے بھی ہو قتال کیا ہوتا ہے، لڑائی کس طرح ہوتی ہے؟ کہا ہاں یہ تو ہمارا کام ہے لڑائی کیوں نہیں جانتے خوب جانتے ہیں، پوچھا کیسے لڑوگے؟ کہا جس وقت دشمن پچاس قدم کے فاصلہ پر ہوگا تو ہم نیزہ کے ذریعہ سے تیر کمان سے اسکے سینوں کو چھیت ڈالیں گے اور جب وہ قریب آجائیگا تو تیر کمان اٹھا کر رکھدیں گے نیزوں کے ذریعہ ان کو مار ڈالیں گے جب اور زیادہ قریب آجائیگا تو تلوار کے ذریعہ سے ان کے سر علیحدہ کردیں گے جب تیر کے ذریعہ سے لڑائی ہوگی تو اسکا نام ہے ہمارے یہاں "مراحات" اور جب نیزہ کے ذریعہ ہوگی تو اسکا نام ہے "مدافعت" اور جب تلواروں کے ذریعہ ہوگی تو اسکا نام ہے ہمارے یہاں "مقاتلہ" یہ تو ہم لوگ رات دن کرتے رہتے ہیں حضور اقدس ﷺ خوش ہوگئے میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہادر ہیں جانباز ہیں سچے ہیں اپنے دعوی میں، واقعی جاں نثار ہیں۔

غزوۂ بدر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

غزوۂ بدر میں جب تشریف لے گئے تین سو تیرہ کی تعداد تھی صحابہ کرام کی، حضور اقدس ﷺ

کے ساتھ دو تین تلواریں تھیں ایک یا دو گھوڑے تھے ستر اونٹ تھے، بس انہیں ستر اونٹوں پر نمبر وار سوار ہو کر گئے، بدر کے موقعہ پر جہاں کو قافلہ گزر رہا تھا قریش کا، قریش جو بار بار حملہ کرتے تھے اس کیلئے سامان لیکر آئے تھے شام سے، ایک ہزار کے قریب قریش تھے ادھر مکہ مکرمہ سے آدمی بلا لیئے انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے کہا کہ یہی سامان ہے سارا کا سارا جس سے ہمارے اوپر حملہ کرتے ہیں اسکو ختم کرنا ہے، تو حضور اقدس ﷺ تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر ایک چھپر ڈال دیا تھا حضور اقدس ﷺ کیلئے تاکہ جس شخص کو ضرورت پیش آئے کسی بات کے دریافت کرنے کی، تو حضور اقدس ﷺ کے پاس اس چھپر میں آسانی سے آجایا کرے، حضور اقدس ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی اور خدا کے سامنے دعا کی کہ یا اللہ! یہ پیادہ ہیں انہیں سواری عطا فرما، یا اللہ یہ بھوکے ہیں انہیں کھانا عطا فرما، کئی کئی روز کے فاقہ سے تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور پھر یہ بھی فرمایا دعا میں یا اللہ! اتنے دن سے محنت کر کے یہ آدمی تیار ہوئے ہیں، اگر یہ ختم ہو گئے قتل ہو گئے، تو تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا بس حضور اقدس ﷺ بس دعا قبول ہو گئی، ان کو دعا کی قبولیت کے انوار نظر آگئے، دعا قبول ہو گئی اس لڑائی میں حضرت ابو بکر کے بیٹے عبد الرحمن بن ابو بکر مشرکین کی طرف سے تھے اور حضور اقدس ﷺ کی حفاظت کیلئے پہرہ دار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا، ان کی حالت یہ تھی کہ اگر پچاس قدم کے فاصلہ سے کسی مشرک نے حضور اقدس ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو یہ تیر کی طرح دوڑ کر اس پر تلوار لیکر جاتے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس طرح سے حضور اقدس ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے، اسلام کو فتح ہو گئی ستر کافر قتل ہوئے ستر قید ہوئے عبد الرحمن بن ابو بکر بھی ان لوگوں میں تھے جو مشرکین تھے، اللہ نے فضل کیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ عبد الرحمن بن ابی بکر بھی اللہ کے فضل سے مسلمان ہو گئے، ایک روز کہنے لگے، ابا بدر کی لڑائی میں آپ میرے نشانہ پر آگئے تھے میں چاہتا تو قتل کر دیتا لیکن باپ ہونے کا خیال کر گیا کہ آپ باپ ہیں، میں نے اس لحاظ کی وجہ سے قتل نہیں کیا، حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جوش میں آ کر فرمایا تو خیال کر گیا باپ ہونے کا، لیکن اگر میرے نشانہ پر آتا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑتا میں تجھے ضرور قتل کر دیتا، میں نہ سوچتا کہ تو میرا بیٹا ہے، اور میں تیرا باپ ہوں تیری مجال کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تلوار لیکر آئے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں بیٹے کی وہ محبت نہیں تھی جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے کو تیار تھے بیٹے کو۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی کمال محبت وعظمت

سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوسفیان کی بیٹی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ابوسفیان اپنی بیٹی کے یہاں گئے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس ملاقات کے لئے، وہاں بستر بچھا ہوا تھا، بیٹی نے باپ کو آتا ہوا دیکھ کر بستر لپیٹ کر رکھدیا کھڑے ہو کر کہنے لگے بیٹی یہ کیا طریقہ ہے؟ دنیا کا دستور تو یہ ہے کہ جب کوئی باپ آتا ہے، تو باپ کے واسطے بستر بچھایا جاتا ہے، تو نے بچھے ہوئے بستر کو لپیٹ کر رکھدیا، میں اس بستر کے قابل نہیں یا بستر میرے قابل نہیں؟ تو کیا جواب دیا بیٹی نے؟ جواب دیا: کہ یہ بستر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے، تم ناپاک ہو نجس ہو، مشرک ہو اس تم قابل نہیں ہو کہ اس پر بیٹھو، باپ کو بیٹھنے نہیں دیا، اس پر اس سے معلوم ہوا، کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت زیادہ تھی، باپ سے۔ بہت واقعات ساری زندگی کے نہ مال سے اتنا گہرا تعلق تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ اولاد سے نہ ماں باپ سے کسی سے نہیں تھا، جتنا تعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا مکان کو گرادینا

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چلے جا رہے تھے، ایک جگہ دیکھا مکان قبہ نما بنا ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کا مکان ہے، معلوم ہوا کہ فلاں انصاری

کا ہے، چلے گئے پھر جب مجلس میں وہ انصاری حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو آ کے سلام کیا ادھر آ کے سلام کیا تو حضور اقدس ﷺ نے چہرۂ مبارک ادھر کو پھیر لیا، وہ سمجھے کہ شاید کسی سے بات کرنے کے واسطے چہرہ ادھر کو پھیرا ہوگا، اٹھ کر اُدھر آئے ادھر آ کر سلام کیا تو حضور پاک ﷺ نے چہرہ ادھر پھیر لیا، اب انہیں فکر ہوگئی کہ نہ یہ بات نہیں حضور اقدس ﷺ سے پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی کسی پاس بیٹھنے والے سے پوچھا کیا بات ہے؟ آج نظریں پھری ہوئی ہیں، حضور اقدس ﷺ کی کیا بات پیش آ گئی جس سے حضور اکرم ﷺ ناراض ہو گئے، اس لئے کہ آنحضرت کی عادت شریفہ تھی کہ جس سے خوش ہوتے تھے اس کا بھی اظہار فرمایا کرتے تھے اور جس سے ناراض ہوتے تھے اس سے اپنی ناراضگی کا اظہار فرمادیا کرتے تھے، تا کہ وہ اپنی اصلاح کر سکے۔ جب ان صحابی نے آنحضرت ﷺ کی نظریں پھری ہوئی دیکھیں تو بے چین ہو گئے کہ میری طرف سے کیا بات پیش آ گئی؟ یا کسی نے میری کوئی شکایت کی ہے، کسی نے، چونکہ منافقین شکایتیں کرتے رہا کرتے تھے، حضور اقدس ﷺ نے منع فرمادیا تھا، منافقین کو میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شکایتیں میرے پاس نہ لاؤ، میں چاہتا ہوں، جب اپنے صحابہ کے سامنے آؤں تو سب کی طرف سے میرا سینہ صاف ہو کسی کی طرف سے کوئی کدورت کوئی میل نہ ہو، اس واسطے کہ فیض پہونچنے کے لئے، تو شرط یہ ہے کہ سینہ صاف ہو، اگر دل کے اندر کچھ کدورت ہے، کچھ میل ہے تو پھر فیض نہیں پہونچتا، حضور اقدس ﷺ کا فیض تو عام طور پر سب کو پہونچتا تھا، لیکن اگر کسی کی طرف سے کدورت پیدا ہو جائے، تو دشواری پیش آتی ہے، اس لئے منع فرمادیا تھا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا: میری کوئی شکایت پہنچی ہے، کسی نے کہا کہ شکایت کی تو ہمیں خبر نہیں، البتہ ایک روز تمہارے مکان کی طرف سے گزر ہوا تھا پوچھا تھا یہ کس کا مکان ہے، بس فوراً لوٹے جا کر کدال لیکر مکان کو گرا کر اینٹ پتھر اور ملبہ بھی وہاں سے صاف کر کے جگہ صاف کر دی یہ تھی، محبت کی بات اگر آج کل کے لوگ ہوتے تو پوچھتے کیا حضور اقدس ﷺ مکان کی وجہ

سے ناراض ہیں، مکان تو سب کے ہوتا ہے، میں نے بنا ہی لیا تو کیا بیجا کیا مکان تو بیوی بچوں کو رکھنے کے لئے ہوا کرتا، گرمی سردی سے حفاظت کی ضرورت، برسات سے حفاظت کی ضرورت ہے، کیا ارادہ ہے، کیا اسے بیچ دوں، کسی کو کرایہ پر دیدوں وہاں کچھ نہیں سوال کیا بلکہ گرادیا مکان کو اور گرا کر آ کر حضور اقدس ﷺ کو کہا بھی نہیں کہ جس کی وجہ سے آپ ﷺ ناخوش تھے، میں نے مکان، گرادیا کچھ نہیں کیا، خود ہی ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کا ادھر کو گزر ہوا، فرمایا میں نے یہاں ایک مکان دیکھا تھا، کیا ہوا؟ کسی نے بتلایا، اس طرح سے ہوا، اس وقت حضور اقدس ﷺ کو خبر ہوئی معلوم ہوا کہ مکان سے اس درجہ محبت نہیں تھی، جس قدر حضور اقدس ﷺ سے محبت تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سرخ چادروں کو جلا دینا

سفر میں جارہے ہیں، اونٹوں پر سوار ہیں، حضور اقدس ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی، اونٹوں پر یمنی چادریں سرخ سرخ پڑی ہوئی ہیں، ایک بہار آرہی ہے، رنگ ہے، منظر ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، کہ میں دیکھ رہا ہوں، کہ تم لوگوں کی طبیعتیں سرخی کی طرف مائل ہورہی ہیں، سرخ سے مراد یمن کی سرخ چادریں ہیں، بس یہ سننا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے اونٹوں سے کود دے اور چادروں کو پھاڑ پھاڑ کر ختم کرڈالا جس چادر کو حضور اقدس ﷺ پسند نہ فرماویں کہ وہ پہننے کے قابل ہے، ہرگز نہیں۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا انگوٹھی کو پھینک دینا

ایک صحابی حاضر خدمت ہوئے سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے، نبی کریم ﷺ نے دیکھا اور ان کے ہاتھ کو اپنے دست مبارک میں لیکر اس انگوٹھی کو لیکر پھینک دیا، فرمایا یہ تو دوزخیوں کا زیور ہے، مرد کیلئے کہاں جائز ہے، اس کے بعد وہ انگوٹھی وہیں پڑی رہی

گزرنے والے گزرتے رہے، کسی نے اس کو نہیں اٹھایا خود ان سے کہا گیا، جن کی انگوٹھی تھی کہ تم یہ انگوٹھی اٹھالو، انہوں نے کہا کہ جس چیز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پھینک دیا میں اسکو لیکر کیا کرونگا، میں اس کو نہیں اٹھا سکتا، غور کی بات ہے، جس لباس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہو، اس لباس کو مسلمان کیوں اختیار کرتا ہے، جس صورت و شکل کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا اسکو مسلمان کیوں اختیار کرتا ہے، جس معاملہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے، اس کو مسلمان کیوں اختیار کرتا ہے، اسکے ایمان کا تقاضہ یہ ہے، ایمان کا تقاضہ یہ نہیں ہے، ایمان کا تقاضہ وہ تھا، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جبہ کو جلا دینا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے ریشمی جبہ پہنے ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا یہ تو ناجائز ہے، منع ہے مرد کے لئے، بس یہ گئے تنور میں روٹی پکائی جا رہی تھی، اپنے جبہ کو تنور میں جھونک دیا، جلا ڈالا، اس کے دوسرے روز جب حاضر خدمت ہوئے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ جبہ کیا ہوا؟ کہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلا دیا، فرمایا کیوں تمہارے لئے ہی تو ناجائز تھا، بچیوں کے کپڑے بنوا دیتے، ان کیلئے تو جائز تھا، یہ مرد کیلئے ناجائز ہے، عورتوں بچیوں کے لئے ناجائز نہیں، لیکن بھائی جس کے دل کو لگی ہوتی ہے، جو چیز میرے محبوب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے، وہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اور کام میں بھی آسکے ہے، وہ تو یہ سمجھے گا کہ جلانے ہی کے قابل ہے، جو آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہو وہ جلانے کے ہی قابل ہے، وہ رکھنے کے قابل ہے ہی نہیں، اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اندر یہ محبت کا جذبہ سب سے زیادہ تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق کیا ہے، محبت کی مثالیں تلاش کرنے سے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں ملیں گی، جس چیز کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا بس اسکو انہوں نے ختم کر ڈالا۔

شراب کی ممانعت پر شراب کو گلیوں میں بہا دینا

حضور اقدس ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ شراب منع ہے، پہلے شراب پیتے تھے، فرمادیا، آپ ﷺ نے کہ شراب منع ہے، جیسے گلیوں میں گندا پانی نالیوں میں بہتا ہے، اس طرح سے شراب مدینہ طیبہ کی گلیوں میں بہی ہے، جس نے سنا فوراً شراب کو ختم کر دیا، اس واسطے کہ حضور اقدس ﷺ کو ناپسند ہے، تو ایک حق ہوا حضور اقدس ﷺ کا محبت!

دوسرا حق عقیدت

دوسرا حق ہے، حضور اقدس ﷺ کا عقیدت۔ محبت تو طبعی بھی ہوتی ہے، آدمی کو اپنے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے اپنی ماں سے محبت اپنے جانوروں سے بھی محبت اپنے ہتھیاروں اوزاروں سے محبت طبعی محبت ہوتی ہے، لیکن حضور اقدس ﷺ کے ساتھ عقیدت بھی ضروری ہے، عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ آدمی یوں طے کر لے فیصلہ کر لے کہ نجات منحصر ہے، حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کی تعمیل میں جو کچھ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا بالکل یقینی ہے، حق ہے، تو اسی میں نجات ہے، اسکے باہر نجات نہیں، زبان مبارک سے جو نکلی وہ سب صحیح اور سچ نکلی یہ عقیدت ہے، فیصلہ کر لے، میں اپنی زندگی حضور اقدس ﷺ کے حکم کے ماتحت گزاروں گا، یہ ہے یہ عقیدت قلب کے اندر ہو جائے، یہ ہے عقیدت یہ دوسرا حق حضور اقدس ﷺ کا ہوا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی زندگیوں میں اس کی مثالیں بھی ملیں گی ایک تو غیر اختیاری طور پر جی میں یہ آجانا کہ حضور اقدس ﷺ نے جو بات فرمائی وہ حق ہے، ایک اپنے اختیار وارادہ سے اپنی زندگی حضور اقدس ﷺ کے ماتحت گزارنے کا فیصلہ کر لینا جس چیز کو میں کہہ رہا ہوں دوسرا حق وہ دوسری چیز ہے، یہ فیصلہ کر لینا کہ حضور اقدس ﷺ کے حکم کے ماتحت زندگی گزاروں گا۔

کوہ صفا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ توحید اور ابولہب کا ردعمل

جب آیت شریفہ نازل ہوئی:

"وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ" (سورۂ شعرا ء: ۲۱۴)

[اور (اے پیغمبر!) تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو۔]

پہلے پہلے تو یہ تھا کہ احکام نازل ہوئے جو آیتیں نازل ہوئیں ان کے اوپر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود تنہا عمل فرماتے تھے، اور پھر یہ حکم ہوا کہ اپنے رشتہ داروں کو خاندان کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایئے بس جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کوہِ صفا پر تشریف لائے اور وہاں تشریف لاکر آپ نے آواز دی اپنے خاندان کے لوگوں کو نام لے لیکر جب نام لے لیکر آوازیں دی ہیں سب کے سب گھبرا گئے کہ ایسی نام بنام آواز تو کبھی نہیں آئی یہ کیا بات ہے، جھپٹے ہوئے آئے، جسکو خود آنے کا موقع نہیں تھا، اس نے دوسرے کو بھیجا کہ تم جا کر دیکھو کیا بات ہے، جب سب جمع ہو گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے بطور آزمائش کے دریافت فرمایا کہ ایک بات بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کہ یہاں پہاڑ کے دامن میں ایک لشکر دشمن کا پڑا ہوا ہے، صبح ہوتے ہی تم پر حملہ آور ہوگا، تم اگر اپنی خیر چاہتے ہو؟ حفاظت چاہتے ہو؟ تو پہلے سے انتظام کرلو، کیا تم مجھے سچا مانوگے؟ اس پر سب نے کہا:

"ماجربنا عليك كذبا" (بخاری شریف: ۲/۷۴۳)

کبھی آپ کے متعلق غلط بیانی کا تجربہ نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو بات نکلی، ہمیشہ سچ نکلی کیا حاصل ہے، اسکا حاصل یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کوئی دشمن نہیں ایک فرد بھی نہیں، لیکن اگر آپ کہہ رہے ہیں، تو آپ کی بات کو سچا مانیں

گے، یہ چالیس سال آزمانے اور تجربہ کرنے کی بات تھی، کہ حضور اقدس ﷺ کی زبان مبارک سے کبھی غلط لفظ نکلا ہی نہیں، پھر جب حضور اقدس ﷺ نے پیش کیا:

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

"یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا"

اے لوگو! ایک معبود کو مانو اللہ کے سوا کسی کو معبود نہ مانو تو تم کامیاب ہو گے، فلاح پاؤ گے، اس مجلس میں جو سب سے زیادہ محبت کرنے والا اور نعرہ لگانے والا محبت کا تھا، ابولہب تھا، جو حضور اقدس ﷺ کا چچا بھی ہوتا تھا، سب سے پہلے اس نے مخالفت کی اس نے انکار کیا اور کہا:

"تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا" (بخاری شریف: ۷۴۳/۲)

تمہارے لئے ہلاکت ہو کیا تم نے اسی کام کیلئے ہمیں یہاں اکٹھا کیا تھا، اسکی تردید کے واسطے سورۂ تبت یدا قرآن کریم میں نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے خود تردید فرمائی یہ نہیں فرمایا:

قُلْ "تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ الخ" (سورۂ لہب)

"قل" نہیں فرمایا یہاں، بلکہ اپنی طرف سے خود ہی تردید فرمائی اس کی جہاں تک طبعی محبت تھی، وہ تھی ابولہب کو لیکن طبعی محبت خالی مطلوب نہیں، مطلوب تو شرعی محبت ہے۔

سورۂ تبت الخ۔ پوری سورت کا ترجمہ ملاحظہ ہو: "ہاتھ ابولہب کے برباد ہوں۔ اور وہ خود برباد ہو چکا ہے۔ اس کی دولت اور اس نے جو کمائی کی تھی وہ اس کے کچھ کام نہیں آئی۔ وہ بھڑکتے شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی بھی۔ لکڑیاں ڈھوتی ہوئی۔ اپنی گردن میں مونجھ کی رسی لئے ہوئے۔"

شرعی محبت اور اسکی مثال

شرعی محبت کا حاصل کیا ہے، اس اطاعت کے ساتھ کہ نجات حضور اقدس ﷺ کی

تعلیم میں منحصر ہے، یہ فیصلہ کر لینا کہ حضور اقدس ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے، اسی پر زندگی گزارنی ہے، حضور اقدس ﷺ کا ایک بچہ برخوردار ابراہیم علیہ السلام سولہ سترہ مہینے کی عمر تھی انتقال ہوگیا، بچہ کی والدہ نے کہا کہ دودھ جوش مار رہا تھا، دودھ پینے کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسکو تمہارے دودھ کی حاجت نہیں جنت میں اس کے لئے انتظام ہے، تم کہو تو تم کو اس کی صورت دکھلا دوں، تم کہو تو اس کی آواز سنوا دوں، جس ماں کا سولہ سترہ مہینے کا بچہ انتقال کر جائے، اس کے اندر دودھ بھی جوش مار رہا ہے، محبت بھی جوش مار رہی ہے، اس کی محبت کا حق تھا کہ کیا حال ہے، اس سے اگر کہا جائے کہ بچے کی صورت دیکھنا چاہو تو کیا وہ انکار کر دیگی وہ تو سو تمناؤں سے چاہے گی کہ مجھے صورت دکھلا دی جائے، مگر ماں نے کیا جواب دیا، ماں نے جواب دیا کہ نہیں نہ مجھے صورت دیکھنے کی ضرورت ہے، نہ آواز سننے کی ضرورت، آپ ﷺ نے فرما دیا کافی ہے، میرے لئے ورنہ تو اگر آپ کے فرمانے کے بعد بھی صورت دیکھنے کی خواہش کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مجھے اپنی آنکھوں پر زیادہ اعتماد ہے، بہ نسبت آپ ﷺ کے فرمان کے حالانکہ ایمان کا تقاضہ یہ نہیں ہے، تو جو قلبی محبت تھی، وہ کافی نہیں ہے، قلبی محبت کے ساتھ ساتھ عقیدت ضروری یعنی شرعی محبت جس کا نام میں کہہ رہا ہوں، عقیدت کا حاصل یہ ہے، کہ یہ فیصلہ کر لینا کہ حضور اقدس ﷺ نے جو کچھ فرمایا وہ صحیح ہے، اور میں اپنی زندگی اسی کے مطابق گزاروں گا۔

امیہ ابن خلف کو آنحضرت ﷺ کی بات کا یقین

ایک صحابی ہیں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ وہ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے، انصاری تھے، جایا کرتے تھے، کبھی کبھی مکہ مکرمہ، مکہ مکرمہ میں انکا ایک دوست تھا، امیہ اس امیہ کے پاس ٹھہرا کرتے تھے، اور امیہ جب مدینہ طیبہ میں آتا تو ان کے پاس ٹھہرتا تھا، ایک مرتبہ گئے،

معمول کے مطابق امیہ کے پاس ٹھہرے، اور وہاں امیہ سے کہا کہ میرا ارادہ طواف کرنے کا ہے، بیت اللہ کا کونسا وقت مناسب ہے، اس نے بتایا کہ جب دھوپ ذرا تیز ہو جائے، اس وقت میں مناسب ہے، کہا اچھی بات ہے، چنانچہ جب دھوپ تیز ہوگئی، تو طواف کرنے کے لئے گئے، امیہ بھی ساتھ ساتھ وہاں ابوجہل نے دیکھا اس نے امیہ سے کہا یہ کون ہے، تمہارے ساتھ کہا کہ یہ سعد بن معاذؓ ہیں انصاری اچھا ہمارے یہاں کے جو لوگ بھاگ کر گئے ہیں، یعنی ہجرت کر کے گئے ہیں، ان کو تم نے اپنے یہاں پناہ دی ہے، اور یہاں آ کر بڑی آزادی سے طواف کر رہے ہو، تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دیکھ تو نے مجھے طواف سے روکا تو میں تیرا راستہ مدینہ طیبہ کا روک دونگا سال بھر میں ایک مرتبہ یہ قریش شام جایا کرتے تھے، اور یمن ایک مرتبہ جایا کرتے تھے، شام سردی اور گرمی کے زمانے میں الگ الگ ان کے یہ سفر ہوتے تھے، سال بھر کی ضروریات سامان خرید کرلاتے تھے، اور اسی پر پھر گذارہ ہوتا تھا، اور شام جانیکا راستہ مدینہ طیبہ کے قریب ہو کر گذرتا ہے، مدینہ طیبہ ہو کر شام جاتے ہو اس کو روک دونگا، یہ تو ہوتی ہیں نہ دھمکیاں آجکل بھی تو سن رہے ہونگے ایک سلطنت نے دھمکی دی ہے، کہ اگر تم نے ہمارے اوپر حملہ کیا تو ہم یہ کردیں گے، حملہ ادھر سے ہوگا، ہم بمباری ادھر کریں گے، وہاں بھی یہ صورت تھی، زور سے ڈانٹ کر کہا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے امیہ نے کہا زور سے مت بولے ابوجہل یہاں کا بڑا آدمی ہے، چودھری ہے لوگوں میں اس کی بڑی عزت ہے، اس کی توہین ہوگی، زور سے بولنے میں، تو انہوں نے کہا ہٹ میں نے سنا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ تجھے قتل کریں گے، انہوں نے امیہ کو بھی ڈانٹ دیا امیہ نے کہا کہ مجھے ہاں کہا کہاں قتل کریں گے، کہ یہ نہیں بتلایا، بس اسی وقت سے اس کے جی میں بات بیٹھ گئی، کہ مجھے ضرور قتل کریں گے، حلانکہ ایمان نہیں لایا تھا، کافر تھا، مشرک تھا، لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس برس تک دیکھ چکا تھا، جو بات فرمائی وہ صحیح تھی۔ سچ تھی۔ اس لئے اس کو پختہ یقین ہوگیا۔

گھر آ کر اپنی بیوی سے کہا کہ سعد بن معاذ نے یوں کہا ہے، بیوی نے پوچھا کہ کہاں قتل کریں گے؟ کہا یہ تو نہیں بتلایا کہاں، بس میں مکہ سے باہر نہیں نکلونگا، یہیں پر رہونگا، اسلئے کہ اس وقت تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کے مدینہ طیبہ میں رہتے تھے، مسلمانوں کا مکہ آنا مشکل تھا، گویا کہ امن کی جگہ مکہ تھی، یہیں رہونگا، ٹھہر گیا وہیں پھر جب بدر کا وقت آیا ہے، اس وقت ابو جہل نے لوگوں کو ابھارا کہ چلو تمہارا قافلہ آ رہا ہے، شام سے اس کو مسلمان روک رہے ہیں، وہ سارا سامان ختم ہو جائیگا، اسکی حفاظت کرو جا کر لوگوں کو ابھار رہا ہے، قتل پر امیہ سے بھی کہا امیہ نے کہا کہ میں نہیں جاؤنگا، اس واسطے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بتلایا ہے، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیں گے تجھکو ابو جہل نے کہا کہ نہیں تم کچھ دور تک چلے چلو پھر چپکے سے واپس آ جانا اس لئے کہ اگر تو نے اب انکار کر دیا تو اور لوگ بھی بیٹھ جائیں گے، امیہ نے آ کر اپنی بیوی سے کہا کہ سامان سفر تیار کر دے مجھے جانا ہے، بیوی نے کہا کہ یاد نہیں رہا کیا کہا تھا سعد بن معاذ نے کہا یاد تو ہے، لیکن میں زیادہ دور نہیں جاؤنگا، جلدی ہی آ جاؤنگا، بیوی کو بھی یقین ہو گیا تھا، اور شوہر کو بھی یقین ہو گیا تھا، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، اسی طرح سے ہو کر رہے گا، بات اب اس سے بچنے کی تدبیریں کر رہے ہیں، یہ فیصلہ نہیں کر رہے ہے کہ اپنی زندگی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع کر دیں، غیر اختیاری صدق تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے دلوں میں موجود لیکن اپنے اختیار سے اپنی زندگی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت کر دینے کیلئے تیار نہیں، چنانچہ گئے، اور قتل کی نوبت بھی آ ئی امیہ کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برچھا مارا تھا اس کے جس سے وہ قتل ہوا، خیر تو کہنا یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حق ہے محبت دوسرا حق ہے عقیدت، عقیدت کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زندگی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تابع کر دینا۔

تیسرا حق اطاعت

تیسرا حق ہے اطاعت۔ یعنی خالی دل کے اندر یہ سوچ لینا کہ میری زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے حکم کے تابع ہے، اس پر قناعت اور کفایت نہ کرلے بلکہ ظاہری طور پر اطاعت بھی کرے، جس طرح سے حکم فرمایا اسکو مانے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ارشاد

یہ معلوم ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی، یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت تھی لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیکر فرمایا کہ فاطمہؓ بنت محمد! اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ بیٹی پیغمبر کی ہوں بخشی جاؤنگی، روپیہ پیسہ کی ضرورت ہو یہاں دنیا میں مجھ سے لیلے وہاں اپنا عمل کام آئیگا، معلوم ہوا کہ خالی محبت اور عقیدت پر قناعت نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ اطاعت لازم ہے، جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حکم فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھیوں کو بھی حکم فرمایا، کہ اس خیال میں نہ رہنا کہ محمد کی پھوپھی ہوں بخشی جاؤنگی، وہاں اپنا عمل کام آئیگا اس لئے عمل کرو۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی کمال اطاعت

ایک دفعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکے مسجد مبارک میں اور منبر پر آ کر فرمایا:

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِجْلِسُوا"

اے لوگو! بیٹھ جاؤ بس جس کے کان میں جہاں آواز پہونچی وہیں بیٹھ گیا، کوئی مسجد کے، کنارے پر تھا کوئی صف میں تھا، بس آواز سنتے ہی جو جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا، ایک قدم آگے نہیں بڑھایا اس نے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر تھے ان تک آواز پہنچی تو وہ مسجد سے باہر وہیں بیٹھ گئے، اطاعت کی شان یہ ہونی چاہیئے، ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی اعلیٰ درجہ کی

تھی، اور عقیدت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی، مگر اس پر قناعت نہیں کی بلکہ اطاعت بھی اس طرح سے کرتے تھے، یہ نہیں سوچا انہوں نے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسجد کے اندر والوں کو فرمایا ہے، کہ بیٹھ جاؤ، میں مسجد سے باہر ہوں، اندر جا کر بیٹھ جاؤں گا، کیوں اس واسطے کہ موت کا کیا اعتبار ہے، اور اگر مسجد تک پہونچنے سے پہلے پہلے موت گردن دبالے اور قیامت میں حق تعالیٰ سوال کرلے کہ ہمارے محبوب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جاؤ تم نے تعمیل کیوں نہیں کی؟ کیا انہوں نے یہ کہا تھا کہ اندر آ کر بیٹھو اور چونکہ موت کا استحضار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کرایا کرتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مکان کی دیوار لیپ رہے تھے، انکی والدہ بھی لیپ رہی تھیں، ساتھ ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پاس کو گزرے کیا کررہے ہو؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکان کی دیوار پرانی ہوگئی، لیپ رہا ہوں کہ کچھ اور کھڑی رہے، دیوار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت اس سے قریب تر ہے، دیوار کے متعلق تو رائے قائم کر بھی سکتے ہو کہ کتنے روز تک کھڑی رہے گی لیکن زندگی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کب تک رہیگی یہ اس واسطے کہ بچوں کی بھی موت آتی ہے، جوانوں کی بھی آتی ہے، بوڑھوں کی بھی آتی ہے، کبھی طاقتور بھی مرتے ہیں، کمزور بھی مرتے ہیں، اچھے بھی مرتے ہیں، بیمار بھی مرتے ہیں، کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی ہے، تو تیسرا حق ہوا اطاعت کا ایک محبت کا دوسرے عقیدت تیسرے اطاعت پھر اس کے بعد بھی قطعی فیصلہ یہ نہیں کرسکتے کہ میں یقینا جنتی ہوں، اس واسطے کہ یہ محبت ہے، تب عقیدت ہے، تب اطاعت ہے، تب یہ سب بھیک کے پیالے میں جو اللہ پاک کے دربار میں حاضر کئے جاتے ہیں، کہ اے اللہ اس میں تو ہمارے واسطے بھیک عطا فرمادے، اللہ تعالیٰ محبت پر بھیک عطا فرمادے اور بخشدے عقیدت پر بھیک عطا فرمادے تو بخشدے،

اطاعت پر عطا فرما دے، تو بخشدے، اس کی بخشش کا کوئی ضابطہ اور قانون نہیں ہے۔

مولانا محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت کی وجہ

ایک صاحب مولانا محمود صاحب ان کا نام تھا، مدرس تھے دیوبند میں، ان کا انتقال ہوا، انتقال کے بعد ان کے ایک شاگرد نے ان کو خواب میں دیکھا، پوچھا حضرت کیا گزری حضرت نے فرمایا بخشش ہوگئی، کہا کس بات پہ بخشش ہوئی، بتلایا کہ ایک مرتبہ میرے سامنے کھچڑی لائی گئی کھانے کیلئے اس میں نمک نہیں تھا، پھیکی تھی، میں نے کہا نہیں کہ اس میں نمک نہیں پھیکی ہے، ویسے ہی کھالی کہا اسواسطے نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کا کوئی عیب بیان نہیں کرتے تھے، رغبت ہوئی کھالیا، رغبت نہ ہوئی نہ کھایا، بس اتنی بات پہ بخشش ہوگئی لیکن بھائی یوں نہ سمجھ لینا کہ ساری زندگی میں ایک مرتبہ پھیکی کھچڑی کھا لینے سے بخشش ہو جایا کریگی، اس واسطے کہ مدرس تھے، ساری عمر کتابیں پڑھائی ہیں بڑی بڑی۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت کی وجہ

بس یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے امام ابوداؤد بڑے جلیل القدر محدث گزرے ان سے کسی نے پوچھا انتقال کے بعد کہ کیسی گزری کہا کہ بخشش ہوگئی، ایک درہم پر درہم تقریباً چار آنے کی برابر وہ کیسے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے چھینک لی چھینک پر کہا اس نے ''الحمد للہ'' میں کسی کام میں مشغول تھا، حکم یہ ہے کہ جب کوئی چھینکنے والا ''الحمد للہ'' کہے، تو سننے والا اس پر کہے: ''یرحمک اللہ'' تو میں ''یرحمک اللہ'' نہیں کہہ سکا خیال نہیں رہا، اس کے بعد خیال آیا کہ اوہو یہ تو اس کا حق تھا میرے ذمہ میں جیسے سلام کا جواب دینا ''وعلیکم السلام'' اس طریق پر جب کوئی شخص چھینکے اور ''الحمد للہ'' کہے تو جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہنا چاہئے، اس کی فکر ہوئی کہ اسکا حق رہ گیا، میرے ذمہ تلاش

کیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو دریا کے کنارہ گیا دریا کے پاس گئے وہاں معلوم ہوا کہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کے پار چلا گیا تو دوسری کشتی تیار تھی، چار آنے پیسہ اسکا کرایہ تھا، وہ میں نے اسکو دے کر اوراس میں بیٹھ کر گیا اور جا کر ڈھونڈ کر کہا: "یرحمک اللہ" اس بات پر بخشش ہوگئی، تو یہ مقصد نہیں ہے، کہ ان کی زندگی میں صرف "یرحمک اللہ" تھا، اور کچھ تھا ہی نہیں۔

معمولی چیز پر مغفرت کی مثال

بلکہ اس کی مثال بہت ہلکی سی ایسی سمجھئے جیسے الیکشن میں ایک ممبر ایک کنڈیڈیٹ نے ووٹ حاصل کئے ایک ووٹ کی کمی رہ گئی، جو اسکی معیت کا آدمی جسکو وہ کبھی نظر میں نہیں لاتا تھا، حقیر و ذلیل چمار بھنگی ایسا آدمی اس نے سب سے آخر میں آ کر ووٹ دیا جسکے ذریعہ سے اسکے ووٹ زیادہ ہوگئے، کہے کہ صاحب میں تو اسکے ووٹ سے کامیاب ہوا اب اسکا یہ مطلب نہیں کہ صرف بھنگی کا ایک ووٹ تھا اس نے کامیاب بنایا ہے، بلکہ کامیاب تو سب نے بنایا کسر رہ گئی تھی وہ کسر ایک کے ذریعہ سے پوری ہوگئی، یہی صورت یہاں بھی ہے، جگہ جگہ پر آتا ہے، فلاں شخص کو فلاں عمل کی وجہ سے نجات ہوگئی، فلاں عمل کی وجہ سے نجات ہوگئی، یہ مطلب نہیں ہوتا اسکا کہ صرف فلاں عمل تھا، اور کچھ تھا ہی نہیں، ساری زندگی اعمال صالحہ سے بھری ہوئی تھی، کمی ایک تھی، وہ کمی اس کے ذریعہ سے پوری ہوگئی، تو امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کی نجات ہوگئی بخشش ہوگئی، ایک درہم میں ایک چونی میں حالانکہ سنن ابو داؤد جیسی کتاب انہوں نے تصنیف فرمائی اور ساری زندگی ان کی حدیث کی خدمت میں گزری وہ کیا بیکار گئی؟ نہیں بیکار نہیں گئی کار آمد ہے، اس زندگی میں ایک چیز یہ بھی ہے، مفقود ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر رہو دل سے قدر رہو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی یہ بات تھی وہاں بھی کھچڑی میں بے نمک کی کھچڑی تھی، اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر تھی، اس قدر کی بدولت بخشش ہوئی اس طریق پر یہاں بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی قدر تھی، کہ

"یرحمك الله" کہنا چاہیئے، جواب میں اسکی بناء پر قدر ہوئی، تو تین حق ہو گئے، اگر ان تین حق کے ادا کرنے کی کوشش کی جائے اور اپنے آپ کو ہر کوشش میں عاجز سمجھتے ہوئے، قصوروار سمجھتے ہوئے، کہ ہم سے یہ ہو ہی نہیں سکا پورا کر نہیں سکے اور زیادہ سے زیادہ کوشش کریں تو انشاء اللہ نجات ہو جائیگی۔

غرور کی مذمت

اور اگر خدانخواستہ فخر پیدا ہو گیا، تو وہ تو حضور اقدس ﷺ نے اپنی بیٹی کو کہدیا ہے کہ اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ پیغمبر کی بیٹی ہے، وہ تو پسند نہیں، بڑائی پسند نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے، کہ جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا، وہ جنت میں نہیں جا سکتا جب تک دوزخ میں جلا جلا کر تکبر نہ نکالدیا جائے، اس لئے وہ تو بڑی خطرناک چیز ہے۔

"لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۂ آل عمران: ۱۶۴)

بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے یہ احسان عظیم فرمایا ہے مومنین پر، مومنین چونکہ اس کی قدر کرتے ہیں، اس پہ عمل کرتے ہیں، اس لئے مومنین فرمایا، ورنہ احسان تو عام ہے، سب کے لئے ہے، بس دعا کیجئے۔

دعا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

اے پاک پروردگار! ہم سب کے گناہوں کی بخشش فرما، اللہ! سب کی مغفرت فرما، الہ العالمین! سب کے دلوں میں اپنے حبیب ﷺ کی محبت عطا فرما، عقیدت عطا فرما، اطاعت عطا فرما، یا اللہ! ہر مخلوق سے زیادہ حضور اقدس ﷺ کی محبت دلوں میں

اتار دے، یا اللہ! ہماری پوری زندگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تابع بنا دے زندگی کے ہر گوشہ کو اتباع سنت سے منور فرما دے، الہ العالمین! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں کسی چیز کی کوئی پرواہ ہمارے قلوب کے اندر باقی نہ رہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

❑❑❑

مخلوق پر رحم کرنا

یہ بیان ہفتہ واری تبلیغی اجتماع میں ہوا۔

اس بیان میں

☆......مخلوق پر رحم کرنے کی صورتیں

☆......انسان کی زندگی کا مقصد

☆......حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت

☆......حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی سادگی

☆......حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض مشائخ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

مخلوق پر رحم کرنا

خطبۂ مسنون۔ امابعد!

"اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ"

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

"قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ تُفْلِحُوْا الخ"

اے لوگو "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ" کہو کامیابی ہوگی ایسی کامیابی ہوگی کہ دنیا میں بھی کامرانی قبر میں بھی کامیابی حشر میں بھی کامیابی اور آخرت کے تمام مراحل میں کامیابی۔

بڑا رحم

اس لحاظ سے بڑا رحم وہ ہے کسی شخص کو کلمہ پڑھا دینا جو کلمہ نہیں جانتا کلمہ پڑھا دیا یا کسی شخص کو نماز سکھا دینا وہ نماز نہیں جانتا نماز سکھا دی کسی شخص کو نماز کا عادی وخوگر بنا دیا ایک شخص ایسا ہے کہ کسی وقت نماز پڑھ لی کسی وقت نہیں پڑھی آپ اسکو نماز کے فرائض بتلا دیں اور اس کو آہستہ آہستہ عادی بناتے ہیں کہ پنجوقتہ نماز کا عادی ہو جائے کسی کو قرآن پاک کی تعلیم دیدینا یہ بھی رحم ہے حدیث شریف کی تعلیم دیدینا یہ بھی رحم ہے فقہی مسائل بتا دینا یہ بھی رحم ہے سب رحم ہی رحم ہے اور ہر شخص یہ بھی نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں اس رحم کرنے سے قاصر ہوں ہر ایک شخص کو ہر طرح سے کسی نہ کسی طرح رحم کرنے کا موقع دیا ہے اگر کسی کے

پاس کسی کو دینے کے لئے کچھ نہیں ہے کم از کم کسی اللہ کے بندے کو کلمہ پڑھا دے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ" اتنا تو سکھا سکتا ہے پیسے نہیں ہیں کسی غریب کو دینے کیلئے نہ ہوں، کچھ مضائقہ نہیں، کلمہ تو ہے نصیحت کی باتیں تو ہیں خیر کی باتیں تو ہیں خیر کی باتیں تو سکھا سکتا ہے، کلمہ تو یاد کرا سکتا ہے۔ "قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ الخ" الحمد شریف، درود شریف تو یاد کرا سکتا ہے۔ کوئی مسئلہ بتا سکتا ہے اس واسطے ارشاد فرمایا۔

"اِرْحَمُوْا من فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ من فِی السَّمَآءِ" (مشکوۃ شریف: ۴۲۳/۲)

زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کریگا اسی کو کسی نے یوں کہہ دیا ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

پریشانیوں کا حل

آج دنیا میں کیسی کیسی مصیبتیں آرہی ہیں ہر جگہ پریشانی ہی پریشانی ہے ان پریشانیوں سے متأثر ہو کر دعاء کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں مگر کس طرح دور ہوں کہ کس طرح پریشانیاں ختم ہو جائیں یہ اس کا کونسا طریقہ ہے؟ اسکا تذکرہ نہیں کرتے کہ کونسا طریقہ اختیار کیا جائے؟ یہ پریشانیاں آتی کیوں ہیں، اس کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کون سا راستہ اختیار کیا جائے؟ اسکی فکر ہونی چاہئے اس فکر کی ضرورت ہے۔

جیسے اعمال ویسے حاکم

حدیث میں آیا ہے:

"اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ" [جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے تمہارے حاکم

ہوں گے۔]

حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جیسے انسانوں کے اعمال ہوتے ہیں ویسے ہی ان پر حاکم مسلط ہوتے ہیں اعمال صالحہ ہونگے تو حاکم بھی نیک سالح ہوں گے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہما

قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ گزرے ہیں دہلی میں انکا مزار بھی ہے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور ان کے جانشین تھے، جب ان جیسی رعایا تھی، رعایا میں ایسے حضات تھے، تو ان کے بادشاہ بھی سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ جیسے نیک اور صالح متقی و پرہیز گار عادل ومنصف تھے۔

سلطان شمش الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ تھے اس زمانہ میں جس وقت حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اور ان کا جنازہ لایا گیا تو ان کے ورثاء نے کہا کہ جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھائے کہ جس کی کبھی عشاء سے پہلے کی اور عصر سے پہلے کی چار سنتیں ناغہ نہ ہوئی ہوں، وہ جنازہ کی نماز پڑھائے کہ جس نے کبھی نامحرم کو دیکھا نہ ہو وہ جنازہ کی نماز پڑھائے جس نے کبھی نامحرم کو ہاتھ نہ لگایا ہو حضرت کی وصیت تھی کہ نماز جنازہ ہماری ایسا شخص پڑھائے۔ چنانچہ جنازہ رکھا رہا، کوئی شخص نماز پڑھانے کے لئے آگے نہیں بڑھا، جب دیر ہوگئی، تو جو اس زمانہ کے بادشاہ تھے وہ آگے بڑھے اور انہوں نے نماز پڑھائی۔ اور فرمایا: کہ حضرت شیخ نے راز فاش کردیا۔ الحمد للہ! یہ دولت مجھ کو حاصل ہے۔ سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

جب رعایا میں خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ جیسے لوگ موجود تھے تو انکو بادشاہ کیسے ملے تھے جیسے سلطان شمس الدین التمش کہ جنکی عمر بھر میں عصر اور عشاء کی چار سنتیں فوت نہیں ہوئیں، جنہوں نے اپنی آنکھ سے نامحرم کو نہیں دیکھا جنہوں نے کبھی کسی نامحرم کو ہاتھ نہیں لگایا آج جیسے ہم ہیں ویسے ہی ہمیں حاکم ملتے ہیں بجائے اسکے کہ حاکموں کا گلہ اور شکوہ کیا جائے اور ان کو برا کہا جائے اپنے اعمال کو درست کرنے کی ضرورت ہے ہم نے اگر اپنے اعمال درست نہ کئے اور حاکموں کو برا کہا اور حاکم کچھ دنوں کو بدل بھی گئے تو ضروری نہیں کہ دوسرے حاکم اچھے آئیں کیا خبر ہے کیسے آئیں اس سے بھی بدتر آئیں تو کیا ہوگا؟ اس لئے کہ

رحمت حاصل کرنے کا طریقہ

حق تعالیٰ کی رحمت کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ زمین والوں پر رحم کیا جائے، تو آسمان والا رحم کرتا ہے۔ اور رحم کا سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ عذاب نار سے بچانے کی کوشش کی جائے جہنم میں "خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا" ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے اگر ایمان نہ لائے اور بغیر ایمان کے دنیا سے رخت ہو گئے اس سے بچالیا جائے۔ جو شخص غیر اللہ کے سامنے پرستش کرتا ہے ہاتھ جوڑ کر ماتھا پٹکتا ہے اس کو وہاں سے ہٹا کر خالق کے سامنے لایا جائے کہ خالق کے سامنے عبادت کرے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ہمارے بزرگ استاذ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ بیمار تھے اس بیماری میں انتقال بھی ہو گیا جب بیمار تھے کچھ لوگ آئے عیادت کیلئے حضرت مولانا نے پوچھا کہ آپ حضرات کہاں سے آئے ہیں؟ وہ گردن جھکا کر

کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا آپ میرے سامنے سر جھکاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکائیے۔ ایسے طریقہ پر کہا کہ سب کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اپنے سامنے سر جھکانے تک کے روادار نہیں تھے کہ میرے سامنے کوئی سر جھکا کر بھی کھڑا ہو جائے اللہ کے سامنے سر جھکانا چاہئے تو مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف متوجہ کر دینا خالق کی عبادت کی طرف لگا دینا یہ سب سے بڑا رحم ہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی محنت

حضرت نبی اکرم ﷺ نے کیا کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، جو ایمان سے مشرف ہوئے، ایک لاکھ چوبیس ہزار یہ وہی لوگ ہیں جن کو مخلوق کی جانب سے ہٹا کر خالق کی طرف متوجہ کیا تھا بیت اللہ شریف کے اندر بت رکھے ہوئے تھے ان کی پرستش ہوتی تھی ان کی پرستش سے ہٹا کر مالک الملک کی طرف متوجہ کیا ذرا ذرا سی چیزوں کو پوجا جاتا تھا عمران بن حصین کے والد حصین روزانہ بت بدلتے رہتے تھے آج ایک بت کی پرستش کی ہے کل کو دوسرے کی پرسوں تیسرے کی اونٹ پر سفر کر رہے ہیں جو ذرا اچھا صاف سا پتھر نظر پڑا اسے ہی اٹھا لیا اور جو پچھلا تھا اسکو پھینک دیا یہ حالت تھی بتوں کی پوجا پاٹ کی، حضرت رسول اکرم ﷺ نے تمام سے ہٹا کر ایک مالک الملک جو تمام عالم کا زمین کا آسمان کا چاند کا سورج کا ستاروں کا ہوا کا پانی کا ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے ہر چیز اسکے قبضۂ قدرت میں ہے اسکی عبادت کی طرف متوجہ فرمایا اور اس سے ہم لوگوں کو کتنا بڑا فائدہ ہوا پشتہا پشت سے دادا پر دادا کے وقت سے بتوں کی پوجا کرتے چلے آ رہے تھے وہاں سے ہٹکر مالک الملک کو جانا پہچانا کون ذات عالی ہے جسکے سامنے سر جھکانے کی

ضرورت ہے جس نے سب کو پیدا کیا ہے سب کی روزی جس کے قبضہ میں ہے اس کے سامنے سر جھکانے کی ضرورت ہے یہ اجتماع ہفتہ میں ایک بار آپ حضرات کے یہاں ہوتا ہے بہت بڑی خیر کی چیز ہے برکت کی چیز ہے اس میں یہی ہے کہ مخلوق خدا پر رحم کرنا سکھایا جائے، مسلمان اسی لئے دنیا میں آیا ہے، اس لئے نہیں آیا کہ روپیہ بٹور بٹور کر جمع کرلے۔ اور سی میں برابر لگا رہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور اشاعت اسلام

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جن کو عمر ثانی کہا جاتا ہے ان کے ایک عامل نے اطلاع دی کہ قانون اسلام کا یہ ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرلیتا ہے اس سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا ہے جزیہ وہ محصول ہے کہ جو شخص مسلمان کی رعیت بن کر رہتا ہے مسلمان اس کی جان و مال وآبرو کی حفاظت کرتے ہیں یہ اسکا معاوضہ ہے بہت تھوڑا سا بہت معمولی سا جو شخص اسلام قبول کرلیتا ہے اس سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا ہے جزیہ معاف کر دیا جاتا ہے ان کے عامل نے اطلاع کی بیت المال خالی رہ گیا ہے، بیت المال میں کوئی پیسہ نہیں ہے، لہٰذا یہ جو قانون ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرلیتا ہے اس سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا ہے اس قانون کو ختم کر دیا جائے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: "ان محمد صلی اللہ علیہ وسلم قد بعث بھذہ الحدیث" ارے اللہ کے بندے اتنا تو سوچ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم روپیہ اکٹھا کرنے کیلئے آئے تھے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انکو بھیجا ہے ہدایت کرنے کے لئے نہ کہ روپیہ جمع کرنے کیلئے بیت المال خالی رہ گیا پڑا خالی رہ جائے اس کی پرواہ مت کرو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس مشن کو لیکر آئے تھے وہ مشن تو چل رہا ہے دین اسلام تو پھیل رہا ہے اس کی تو اشاعت ہو رہی ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

روپیہ جمع کرنے کے لئے نہیں آئے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جزیہ واپس کرنا

وہاں تو یہ حال تھا کہ ایک جگہ یہودیوں کی بستی تھی اس بستی والے مسلمانوں کے ماتحت ہی تھے، ایک روز کچھ ڈاکو آئے، اور ڈاکوؤں نے ان کو لوٹ لیا تو اس سال جو جزیہ لیا گیا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاف کر دیا اور کہا کہ یہ تو ہم اس واسطے لیتے تھے کہ تمہاری حفاظت ہو ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکے تو ہمیں اس کے لینے کا کیا حق ہے اسکی ضرورت نہیں ہے اور جتنا جس پر متعین کیا جاتا اس سے زیادہ نہیں لیا جاتا تھا ایک دفعہ ملک شام سے ایک انصاری آیا بوڑھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے دور سے آتا ہوا اس کو دیکھ کر دور سے ہی کہدیا: "فقد اتاك الفور" لوٹ جاؤ تمہارا کام پورا ہوگیا اپنے پاس تک آنے نہیں دیا، وہ واپس ہو گیا اور دل ہی دل میں آہستہ آہستہ زبانی گالی دیتا گیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو، کہ منصف ہیں یہ متقی ہیں یہ عادل ہیں میں اتنی دور سے چل کر آیا ہوں میری بات تک نہیں سنی کہ کیوں آیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہاں جو عامل ہیں ان کی شکایت لیکر آیا تھا، جب وہ واپس گیا وہاں ان کے عامل کا آدمی ان کے پاس آیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے تم کہاں تھے؟ ہم تو تم کو تلاش کر رہے تھے کئی روز سے تلاش کر رہے تھے، یہ محصول زیادہ آ گیا تھا یہ واپس لو اسکا محصول واپس کرنے کے لئے ان کا عامل تلاش کر رہا تھا، لہٰذا جزیہ اگر وصول نہیں ہوتا اسلام تو پھیلتا ہے دین کی تو اشاعت ہوتی ہے جزیہ نہ وصول ہوتا ہے نہ وصول ہو بیت المال خالی رہ گیا ہے پڑا خالی رہ جائے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تو بیت المال میں جھاڑو دیکر صاف کر دیا اور وہاں جا کر دو رکعت نماز ادا کی تھی یہ تھوڑا ہی ہے کہ روپیہ جمع رہے روپیہ تو ضرورت کے لئے ہے جتنی ضرورت تھی وہ پوری

ہوجاتی تھی اس لئے اپنے بھائیوں پر رحم کرنے کی ضرورت ہے۔ اور رحم کرنے کی یہی صورت ہے۔

حاجی عبدالرحمن نومسلم کی تبلیغ اسلام

ایک شخص جارہا ہے اپنا حقہ لئے ہوئے حقہ پیتا ہے وہ ہمارے اطراف کی بات ہے ایک حاجی عبدالرحمن صاحب تھے نومسلم تھے اس نے دیکھا کہ یہ مسلمان ہوجائیگا بس گئے اس کے پاس کہو دوست خیریت تو ہے کہا: ہاں! کیا ہورہا ہے؟ اس سے سلام کلام کیا مصافحہ ملایا اور بات چیت شروع کردی بات چیت کرتے کرتے پانچ سات قدم آگے چلے تھے کہ اسے لے آئے اس نے کہا کہ مجھے مسلمان کرلو کہا اچھی بات ہے اس لئے وہاں بھی ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مسلمان کیا اسی سفر میں ایک صاحب نے بیان کیا کہ ساڑھے چار ہزار آدمی میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں اتنی بڑی تعداد کو دوزخ سے بچالیا جائے جنت کا حقدار بنادیا جائے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی فہرست سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں داخل کردیا جائے. بہت بڑی چیز ہے۔

مسلمان کا دنیا میں آنے کا مقصد

یہ مسلمان دنیا میں کس واسطے آیا ہے کہ خود مصیبت اٹھا کر دوسروں کو راحت پہونچائے خود بھوکا رہ کر دوسروں کو کھانا کھلائے خود پریشان ہوکر دوسروں کو اطمینان دلائے اسلئے آیا ہے یہ راستہ ہم لوگوں نے چھوڑ دیا جس کی وجہ سے پریشانیاں لاحق ہورہی ہیں جس مقصد کے لئے حق تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اس مقصد کو پورا نہ کرکے روپیہ جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے کسی کو فکر ہے کہ میری دکان شاندار ہوجائے کسی کو فکر ہے کہ مجھے موٹر اعلیٰ درجہ کی مل جائے کسی کو فکر ہے کہ مجھے مکان مل جائے کسی کو فکر ہے مجھے زمین مل جائے

میں باغ لگالوں غرض یہ کہ اپنے اپنے ذہن میں سوچ سوچ کر پلان بنا رکھے ہیں لیکن یہ پلان کسی کے ذہن میں نہیں کہ میرے ہاتھ پر لوگ مسلمان ہو جائیں یہ لوگ جہنم سے بچ جائیں دوزخ سے بچ جائیں۔

اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے بن جائیں یہ پلان کسی کے ذہن میں نہیں ہے تو جو جس کام کے لئے بھیجا گیا تھا اس کام کو تو ذہن سے نکالدیا اور جو دوسری چیزیں ہیں جن کے لئے بھیجا نہیں گیا تھا بلکہ ان کے استعمال کی اجازت دی تھی کہ تم ان کو وقت ضرورت استعمال کر سکتے ہو ان چیزوں کو اپنا پلان بنالیا مکان بنانے کے لئے بھیجا نہیں گیا انسان کو اجازت دیدی کہ تمہیں بنانے مکان کی ضرورت ہو رہنے سہنے کے لئے تو مکان بنا سکتے ہو مگر کس طرح سے بناؤ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان

حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کیلئے اٹھے وہیں برابر میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لیٹی ہوئیں ہیں، زوجہ مطہرہ کے اس حجرہ شریف میں اتنی جگہ نہیں تھی جو پیر پھیلا کر پورے طور پر لیٹ سکیں نماز پڑھتے جب سجدے میں جاتے تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پیروں کو ہاتھوں سے اشارہ کرتے وہ پیر سکوڑلیتیں تو سجدے کی جگہ ہوتی تھی ذرا آدمی سر سیدھا کر کے ہاتھ اٹھائے تو ہاتھ چھت کو لگ جاتا تھا اونچا اتنا پھلاؤ اتنا ضرورت اتنے سے پوری ہو جاتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس

لباس کے واسطے عام طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمول ہوتا تھا ایک لنگی باندھ لی ایک چادر اوڑھ لی کرتا بھی استعمال فرمایا ہے آپ نے پائجامہ بھی خرید اہے لیکن عامۃً

استعمال یہ تھا کہ کم سے کم ضرورت پوری کرنے کے کیلئے کفایت کرنا اس کام کیلئے مسلمان کو دنیا میں بھیجا کم از کم پر قناعت کر کے کفایت کر کے اور اپنے وقت کو اپنے مال و دولت کو اپنی ساری قوتوں کو خدا کے دین کی خاطر خرچ کرے ،اس کو چھوڑ دیا اس کو یاد دلانا ہے ہم کا ہے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں؟

یہ اجتماع اسی مقصد کیلئے ہوتا ہے کہ ہماری ساری زندگی درست ہو جائے اور زندگی کے درست ہو جانے کا حاصل یہی ہے کہ جس کام کیلئے زندگی عطا ہوتی ہے وہ کام اختیار کرلیا جائے وہ کام اختیار کریں گے تو کام ٹھیک رہے گا ایک قسم کے کھانے پر قناعت نہیں کی جاتی آٹھ قسم کا دس قسم کا بارہ قسم کا کھانا دستر خوان پر ہوتا ہے اسلئے تو نہیں بھیجے گئے مسلمانوں کو اسکی فکر زیادہ ہے کہ انکے دستر خوان پر زیادہ سے زیادہ قسم کے کھانے رکھے ہوں زیادہ سے زیادہ لباس ہوں عمدہ سے عمدہ گاڑی ہو عمدہ سے عمدہ میری بلڈنگ ہو عمدہ سے عمدہ میری دکان ہو ان چیزوں کی فکر میں لگ گیا ہے حالانکہ یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں اصل جو چیز ہے وہ دین ہے۔

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" (سورۃ الذاریات:۲۷)

[اور میں نے جنات اور انسانوں کو اس کے سوا کسی اور کام کے لئے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے جنات کو اور انسانوں کو جو پیدا کیا ہے عبادت کیلئے پیدا کیا ہے اس عبادت کے واسطے ضرورت پیش آتی ہے مکان کی مکان کے بھی بنانیکی اجازت دیدی ضرورت پیش آتی ہے کپڑے کی، کپڑا پہننے کی اور کپڑا بنانے کی بھی اجازت دیدی ضرورت پیش آتی ہے کھانے کی تو کھانے کی بھی اجازت دیدی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کھانا کھا رہے تھے ایک دوست بے تکلف آ گئے مہمان

وہ بھی کھانے میں شریک ہو گئے، شریک کرلیا انکو بھی تو وہ کہنے لگے سعتر بھی ہوتا تو کیسے مزے سے کھاتے کھانا کیا تھا سوکھی روٹی کے ٹکڑے اور نمک کی ڈلی پاس رکھی ہوئی تھی ایک ٹکڑا دانت سے دبایا کٹ سے وہ ٹوٹا اور نمک کی ڈلی اٹھا کر منھ میں رکھ لی یہ چبا کر نگل لیا یہ کھانا تھا پہلے سعتر ہوتا تھا جیسے مل مل کر کھاتے تھے سعتر ایک قسم کی گھاس ہے جس میں چرچرا پن ہوتا ہے جیسے پودینہ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اٹھے اور بازار سے خرید کر لائے اور کھانا کھایا بڑے مزے کے ساتھ میں روٹی کا ٹکڑا دانت سے توڑتے تھے نمک کی ڈلی دانت کے نیچے رکھ کر توڑتے تھے اور سعتر کی پتی بھی چباتے تھے اس طرح تین چیزوں سے مل کر وہ کھانا تیار ہو گیا تھا کھانے کے بعد وہ مہمان کہنے لگے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَنَّعَنَا بِمَا حَضَرَ"

اللہ کیلئے حمد ہے کہ جس نے ہمیں قناعت دی ما حضر پر جو موجود تھا اس پر قناعت دی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بولے اگر تجھے ما حضر پر قناعت ہوتی تو میرا وضو کا لوٹا گروی نہ رکھوا تا پیسہ پاس نہیں تھا جو سعتر لائے اپنا لوٹا جس کی ضرورت پانچوں وقت پیش آتی ہے وہ لوٹا رہن رکھ کر لیکر آئے تھے یہ شان تھی ان حضرات کی ان حضرات کے ذریعہ سے دین اسلام فروغ پایا دین اسلام کی اشاعت ہوئی آج ہم لوگ ان کے طریقہ کو بالکل بھول گئے نہ پڑھتے ہیں نہ کتابوں میں دیکھتے ہیں اور آگے ان کی حرص کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آٹا روٹی لنے گیا

ایک صاحب کی بیوی نے آٹا گوندھا اور طشت میں رکھ کر گئی پڑوس میں آگ لینے کے لئے اتنی دیر میں ایک سائل آیا سائل نے کہا اللہ کے نام پر دیدو انھوں نے وہ طشت اٹھا کر اسکے حوالہ کر دیا جو آٹا گوندھا ہوا رکھا تھا بھئی اور تو کچھ ہے نہیں یہ ہے پکا لیجئے

روٹی وہ لیکر چلا گیا اب بیوی آئی اس نے کہا: میں یہاں آٹا گوندھ کر رکھ کر گئی تھی وہ کیا ہوا انہوں نے کہا وہ روٹی پکنے گیا ہے روٹی پکنے گیا ہے اس نے کہا واقعی بتا دو کیا ہوا مذاق نہیں واقعی اسکی روٹی پکے گی ایک سائل آیا تھا سائل نے سوال کیا میں نے اسکو دیدیا کہنے لگی اللہ تمہارے اوپر رحم کرے گھر میں تو بچوں کے کھانے کیلئے کچھ ہے بھی نہیں انہوں نے کہا ہو یا نہ ہو مجھے اس کی خبر نہیں باقی میرے سامنے آٹا گوندھا ہوا رکھا تھا عورت نے کہا: کہ یہ کہہ دیتے کہ گھر میں کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا تھا ہمارا ابھی یہ حال ہے گھر میں جیب میں ہاتھ میں کوئی چیز موجود ہو اور پھر بھی ہم کہدیتے ہیں کہ ہے نہیں دینے کو ان کی غیرت نے گوارہ نہیں کیا کہدیتے کہ ہے نہیں حالانکہ موجود ہے یہ بات کرہی رہے تھے کہ ایک شخص آیا اس نے آکر آواز دی اور ایک کپڑے میں روٹیاں لپٹی ہوئی گرم گرم لیکر آیا اور ایک بڑا پیالہ سالن کا بھی لیکر آیا، اب بیوی کہنے لگی یہ تو واقعی روٹی پکنے کیلئے گیا تھا اور میں تو اتنی جلدی پکا بھی نہ سکتی تھی جتنی جلدی اس کی روٹی پک کر آگئیں اور یہ تو سالن بھی لیکر آیا ہے یہ آٹا سالن بھی لیکر آیا ہے انکا معاملہ حق تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ یہ تھا کہ ایک سائل آکر سوال کرتا ہے تو وہ شخص اپنے یہاں کھانے پینے کی چیزیں بھی اٹھا کر دے دیتے ہیں اور حق تعالیٰ کا معاملہ انکے ساتھ یہ کہ دوبارہ روٹی پکی پکائی مع سالن کے بھیجدیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا معاملہ اپنے مالک الملک کے ساتھ صحیح کریں اپنا معاملہ اس کے ساتھ صحیح کریں گے تو اس کی طرف سے بڑی رحمتیں ہونگی۔

چغل خور کی وجہ سے بارش نہ ہونا

ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بارش نہیں ہو رہی تھی تو اس زمانہ کے نبی اپنی امت کو لیکر باہر نکلے آبادی سے جنگل میں گئے اور وہاں نماز پڑھی دعائیں کیں خدا کے سامنے روئے امت بھی رو رہی ہے نبی بھی رو رہے ہیں چالیس دن گذر گئے بارش نہیں ہوئی

ان پیغمبر نے کہا کہ اے اللہ کیا بات ہے چالیس دن ہو گئے دعا کرتے کرتے دعا قبول نہیں ہوتی تو وہاں سے جواب ملا کہ چالیس برس بھی دعا کرتے رہو گے تو قبول نہیں ہو گی کہا اللہ کیا بات ہے وہاں سے فرمایا کہ تمہاری جماعت میں ایک بندہ ہے جس کے اندر چغل خوری کی عادت ہے اس کی بات اس سے کہدیتا ہے اس کی اس سے کہدیتا ہے۔ دلوں میں نفرت پیدا کرادیتا ہے جب دعا کرتے ہو تو دعا آسمان تک پہنچ جاتی ہے اس کی چغل خوری کی نحوست دروازہ روک کر کھڑی ہو جاتی ہے دعاء اوپر نہیں چڑھ پاتی تو انہوں نے عرض کیا کہ اچھا ہمیں اس بندے کا نام بتلا دیجئے تا کہ ہم اس کو اپنی مجلس سے الگ کر دیں پھر تو دعاء قبول ہو گی فرمایا کتنے بھولے آدمی ہو تم ہم چغل خوری کو پسند نہیں کرتے تو کیا ہم خود اپنے بندے کی چغلی کریں فرمایا اچھا تو پھر امت میں اعلان کیا کہا کہ جو تم میں چغل خور ہے وہ یہاں سے اٹھ جائے اگر نہیں اٹھے گا تو ایک ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر ہم اٹھائیں گے اور جس کے اٹھنے سے بارش ہو جائیگی تو ہم سمجھ جائیں گے یہی تھا چغل خور جس کی وجہ سے ساری امت کی دعا رد ہو رہی ہے اور وہ نہیں اٹھا لیکن اس نے کیا کیا؟ جو چغل خور تھا اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ تو نے اب تک میرے عیب پر پردہ ڈالا کسی پر ظاہر نہیں فرمایا کہ کون ہے وہ چغل خور میں منحوس ہوں میں سزاوار ہوں خطا کار ہوں میری خطا کو معاف فرمادے میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ چغلی نہیں کرونگا توبہ کرتا ہوں دل دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے معاملہ کیا اور آنکھ سے رو کر آنسو بھی نکلے اتنے میں بادل آیا اور بارش ہوگئی ان پیغمبر نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ ابھی تک تو کوئی اٹھا بھی نہیں اس مجلس میں سے وہ شخص یہیں ہے موجود ہے جسکی وجہ سے بارش نہیں ہو رہی تھی یہ بارش کیسے ہوگئی فرمایا کہ ہمارے بندے نے ہم سے صلح کرلی، پہلے تو لڑائی کر رکھی تھی اب صلح کرلی تو پھر پوچھا کہ اب تو بتلا دیجئے کون نیک بندہ ہے جس کی صلح کی وجہ سے بارش ہوگئی ساری مخلوق پر رحم ہوا تو فرمایا جب اس نے ہم سے لڑائی کر رکھی تھی تو ہم نے اس وقت اس کے عیب کو ظاہر نہیں کیا آج

جب اس نے صلح کر لی تو ہم اسکے عیب کو ظاہر کریں گے ایسا نہیں ہوسکتا ہم لوگ ایک دوسرے کی برائی کرتے پھریں اچھے خاصے دو آدمیوں کے درمیان نفرت پیدا کرادیں لڑائی پیدا کرادیں بے اعتمادی پیدا کرادیں۔

اپنی اور امت کی اصلاح کی فکر

اسلئے بارش نہ ہونے اور دوسری مصیبتوں کے آنیکی وجہ جو ہیں وہ ہماری اپنی بداعمالیاں ہیں ان بداعمالیوں کی اصلاح کی بھی ضرورت ہے اور اس میں کسی دوسرے کے پاس جانے کی زیادہ ضرورت نہیں خود مالک الملک سے اپنا معاملہ درست فرمائیں کسی کا مالی حق ہو اس کو ادا کرنا، جانی حق ہو اس کو ادا کرنا، اللہ تبارک وتعالیٰ کے حقوق دبا رکھے ہوں ان کو ادا کرنا، خداوند تعالیٰ کے حقوق کو ادا نہیں کیا جاتا ان کے ادا کرنے کی کوشش کرنا اسی طریقہ پر حقوق ادا ہوتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں تو مسلمان جس مقصد کے لئے دنیا میں بھیجا گیا تھا وہ مقصد مسلمان نے کھو دیا، ضائع کر دیا حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک شخص بھی "اللہ اللہ" کہنے والا موجود رہے گا تو ایک شخص کے "اللہ اللہ" کہنے سے زمین و آسمان قائم ہیں "اللہ اللہ" کہنے کی ایسی برکت ہے ذکر کی ایسی برکت ہے اللہ پاک کے نام کی ایسی برکت ہے تو ذکر ہم نے چھوڑ دیا گناہوں میں ہم مبتلا ہیں اور اس کی وجہ سے جو نحوستیں پھیلتی ہیں جو آفتیں آتی ہیں وہ آرہی ہیں ان کی طرف توجہ نہیں اگر ہے تو کیا سوچی سمجھی تدبیروں کے ماتحت ہے، اس کی تدبیر یہ ہونی چاہئے حالانکہ جو تدبیر وہاں سے بتلائی گئی ہے یہ کہ اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور دعائیں مانگیں اور مخلوق خدا پر رحم کریں اللہ تعالیٰ رحم فرمائیگا اور کچھ آپ حضرات کو تشکیل وغیرہ کرنی ہو جماعت کی کرلیں۔

دعا

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس دعا سے پہلے اور بعد میں درود شریف نہ ہو وہ دعا اوپر نہیں جاتی اس لئے دعا کے آداب میں سے ہے درود شریف پہلے پڑھا جائے اور بعد میں بھی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ... رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّاب۔ رَبَّنَا لَاتُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْاَخْطَاْنَا، رَبَّنَا لَاتَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا۔ رَبَّنَا وَلَاتُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَتَ لَنَا بِہٖ وَاعْفُ عَنَّا، وَاغْفِرْلَنَا، وَارْحَمْنَا، اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔

اے پاک پروردگار! ہم سب کے گناہوں کو معاف فرما، الٰہی! رحم وکرم کا معاملہ فرما، خیر کا معاملہ فرما، الہ العالمین! ہم سب کی خطاؤں کو بخش دے، پرانی بھی نئی بھی اور ہمیں متوجہ فرمادے جس کام کیلئے تو نے پیدا کیا ہے اسکام کی کوشش میں لگ جائیں، الہ العالمین! تمام دنیا میں جہاں جہاں مظالم ہورہے ہیں ان کو روک دے، ظالم کا ہاتھ پکڑ لے مظلوموں کی نصرت فرمادے، الہ العالمین! یہ سب کچھ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہورہا ہے، اے پاک پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخشدے، ہمیں توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرما، جن ہمارے بھائیوں نے بزرگوں نے نام لکھائے ہیں یا اللہ! ان کے ارادوں میں استقرار اور استقامت عطا فرما، الہٰ العالمین! ان کے ان

ارادوں کو قبول فرما، جنہوں نے نام نہیں لکھائے ہیں ان کو نام لکھانے کی توفیق مرحمت فرما، الہ العالمین! اس دین کو فروغ عطا فرما۔ ہم کو اور پوری امت کو دین پر محنت کرنے کی پوری توفیق مرحمت فرما۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

❑❑❑

بچوں کی تعلیم وتربیت
اور
والدین کی ذمہ داری

اس بیان میں

☆......بچوں کی تعلیم وتربیت کتنی ضروری ہے؟

☆......اور بچوں کی تعلیم وتربیت میں والدین کی ذمہ داری کیا ہے؟

☆......اور بچوں کی تعلیم وتربیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے کیا کیا نتائج بد سامنے آرہے ہیں۔

☆......اس کا حل کیا ہے؟

بچوں کی تعلیم وتربیت
اور
والدین کی ذمہ داری

خطبۂ مسنونہ۔ امابعد!

عورتوں کو دین سیکھنے کی درخواست

حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک مرتبہ چند عورتوں نے آ کر درخواست کی کہ حضور اقدس ﷺ مردوں کو تو دین سیکھنے کا موقع ملتا ہے، حضور اقدس ﷺ کے پاس بیٹھتے ہیں، حضور اقدس ﷺ سے دریافت کرتے ہیں اور (حضور اقدس ﷺ) کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، دین سیکھتے ہیں، پڑھنے جاتے ہیں، عورتوں کو موقع نہیں ملتا، ان کے لئے بھی کچھ تدبیریں کی جائیں، حضرت نبی کریم ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو پسند فرمایا کہ اچھا مطالبہ ہے، اور فرمایا فلاں کے مکان میں فلاں روز جمع ہو جانا میں وہاں آؤنگا، چنانچہ وہ مستورات وہاں جمع ہوگئیں، حضرت نبی کریم ﷺ نے وہاں جا کر ان کے سامنے دین کی باتیں بیان فرمائیں، ان کو تعلیم دی اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو اس قسم کا مطالبہ کرنا درست ہے، اور کرنا چاہئے اور بہت ہی عمدہ بات ہے کہ عورتیں بھی دین سیکھیں، مردوں کے دین سیکھنے کی صورت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوں، اور عورتیں کیسے دین سیکھیں؟

عورتوں کے دین سیکھنے کا طریقہ

عورتوں کے واسطے حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں یہ بات تھی کہ جس مسئلے کی ضرورت پیش آئی تو حضور اقدس ﷺ کی بیویوں میں سے کسی کے پاس آکر اس کو بیان کیا: ان کو معلوم ہوتا تو بتادیا نہیں معلوم ہوتا تو انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کر کے بتادیا، یہ طریقہ عام ہوتا ہے، پہلے زمانہ میں باپ اپنی بیٹیوں کو علم پڑھاتے تھے، بھائی اپنی بہنوں کو پڑھاتے تھے، شوہر بیویوں کو پڑھاتے تھے، یہ عام دستور تھا، یہ دستور اب اس دور میں ہمارے یہاں ختم ہوگیا، ہمارے اطراف میں تو اب بھی ہے، جو عورتیں پڑھی لکھی ہیں، ان میں سے ہر ایک کے پاس دو چار چھ لڑکیاں پڑھتی رہتی ہیں، اور سلسلۂ تعلیم جاری رہتا ہے، وہ بند نہیں ہوتا۔

اسکول کی تعلیم کے نقصانات

آج کل بجائے اس کے اسکولوں کی تعلیم عام ہوگئی، لڑکیاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے، اسکولوں میں جاتی ہیں، بڑی عمر کی ہوجاتی ہیں، برابر آتی جاتی ہیں، ان کے یہاں پردے کا اہتمام نہیں، اور جو کچھ بے دینی کی باتیں ہوتی ہیں، وہ ساری کی ساری سیکھتی ہیں، اور ان کے اندر سرایت کرتی چلی جاتی ہیں، یہ بڑی خطرناک بات ہے، اولاد کی تربیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کو دین سکھایا جائے، اس کو شوہر کے حقوق سکھائے جائیں، ماں باپ کے حقوق بتائے جائیں، مگر اسکولوں میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں، وہاں تو آوارگی کی چیزیں ہوتی ہیں، بداخلاقی کی چیزیں ہوتی ہیں، غلط تاریخ پڑھائی جاتی ہے، اس لئے اس کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔

....

گھروں میں تعلیم کا انتظام

ضرورت ہے کہ سب مسلمان اپنے اپنے گھروں میں اپنی اپنی بچیوں کی تعلیم کا انتظام کریں، ان کی تعلیم درست ہوگی، تو وہ ماں باپ کے حقوق کو بھی پہچانیں گے، اور شرافت کے ساتھ رہیں گے، عفت کے ساتھ رہیں گے، اور دین میں بھی ترقی کرتی رہیں گی، ان کی جو اولاد اور نسل پیدا ہوگی، وہ بھی دیندار ہوگی، بچوں کی تعلیم کی ضرورت ابتداء سے ہے۔

تحنیک

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا تھا کسی گھر میں تو وہ اس کو نہلا کر صاف کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کان میں اذان فرماتے اور تحنیک کرتے، تحنیک کا حاصل یہ ہے کہ کھجور کو منہ میں لیا، اس پر جس سے لعاب میں کھجور کا اثر آ گیا، وہ لعاب بچے کی زبان اور تالو پر لگایا تاکہ سب سے پہلے جو اس کے منہ کے اندر جائے وہ لعاب مبارک جائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اور مٹھاس جائے زبان میٹھی ہو طبیعت میٹھی ہو، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طریقہ تھا۔

ابتدائی تعلیم

اور جب بچے نے بولنا سیکھا تو اسکو سکھاتے تھے:

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ"

یہ کلمہ طیبہ سکھاتے، جوں جوں بڑا ہوتا جاتا اس کی تعلیم ہوتی جاتی تھی، جو الفاظ ماں باپ کی زبان پر ہوتے ہیں۔

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ اَسْتَغْفِرُ اللہَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ"

یہ الفاظ رات دن ماں باپ کی زبانوں پر جاری رہتے ہیں، بچے سنتے ہیں، بغیر سکھائے سیکھتے چلے جاتے ہیں، وہی الفاظ ان کی زبانوں پر ہوتے ہیں، اور اگر ماں باپ کی زبان پر الفاظ خراب ہوں گے تو بچے خراب الفاظ سیکھیں گے، اور وہ اسی طرح سیکھتے سیکھتے ان کے اندر پک جائیں گے، بڑے ہو کر ان سے خراب الفاظ کا چھوٹنا مشکل ہوگا، اسلئے اولاد کی تربیت کا حکم ہے۔

مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت

ہمارے یہاں مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بزرگ گزرے ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہٗ کے والد محترم، ان کو دودھ چھڑانے کے زمانہ تک ایک پاؤ پارہ ان کو بچیوں نے یاد کرادیا تھا، جو بچیاں گود میں لئے پھرتی تھیں، یہاں تک کہ دودھ چھڑایا تو ایک پاؤ پارہ ان کو یاد تھا، اس کے بعد سارا قرآن شریف یاد کیا، سات سال کی عمر میں پورا قرآن پاک حفظ کرلیا تھا، اس کے بعد ان کے بڑوں کی طرف سے، یہ حکم تھا، کہ جب تک پورا قرآن نہیں پڑھو گے، اس وقت تک کھانا نہیں ملے گا، چنانچہ صبح کی نماز کے بعد شروع کرتے اور ظہر تک قرآن شریف ختم کرلیتے، پھر کھانا کھاتے، چھ مہینے تک یہ معمول رہا، اور اتنا پختہ ہوگیا تھا کہ قرآن شریف کے کبھی دیکھنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی، اس لئے بچوں کی تعلیم ابتداء سے ہونی چاہئے۔

میدان حشر میں بچوں کا دعویٰ

ورنہ یاد رکھئے یہ بچے خداوند تعالیٰ کے یہاں میدان حشر میں دعویٰ کریں گے، دعویٰ کس طرح سے کریں گے؟ اس طرح سے کریں گے کہ یا اللہ ہمارے ماں باپ نے ہمارے کھانے پینے کی فکر کی وقت پر کھلایا وقت پر پلایا ہمارے لئے کپڑے بھی بنائے ہماری خوشی کا

پورا انتظام بھی کیا، ہم بیمار ہوتے تو علاج بھی انہوں نے کیا، لیکن انہوں نے ہمیں دین نہیں سکھایا، ان سے دریافت کرلیں، اس وقت ماں باپ سے مطالبہ ہوگا، کہ دین کیوں نہیں سکھایا، ماں باپ کے پاس جو اولاد ہے، یہ اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، امانت ہے، امانت کی حفاظت ضروری ہوتی ہے، اور نعمت کی قدردانی کی ضرورت ہوتی ہے، اور قدردانی یہی ہے، کہ اولاد کی تربیت کرکے، اس کو اعلیٰ اخلاق سکھائے جائیں، اعلیٰ اعمال سکھائے جائیں، ہمارے یہاں بچوں کو نماز عامۃً عورتیں سکھاتی ہیں، کسی کو بہن سکھارہی ہے، کسی کو خالہ سکھارہی ہے، کسی کو پھوپھی سکھارہی ہے، کسی کو نانی سکھارہی ہے، بچوں کی نماز ماں باپ کے گھروں کی ہے، مستورات کی سکھائی ہوئی پڑھیں گے، اور وہی پختہ ہوتی ہے، اور اسی پر آگے کو ان کی طبیعت رہتی ہے، جب تک بچے نماز نہیں پڑھ لیتے، شام کو کھانا ان کو نہیں ملتا، پہلے نماز پڑھو اس کے بعد میں ان کو کھانا ملے گا، اس واسطے ضرورت ہے اس کی، ورنہ بچے اسکولوں میں جاکر دین سے بہت دور ہوتے چلے جاتے ہیں، اخلاق ان کے خراب ہوتے ہیں، اعمال خراب ہوتے ہیں، عقائد خراب ہوتے ہیں، اور وہ بالکل ناواقف رہتے ہیں، قرآن وحدیث سے، خدا کے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے، یہ سب ذمہ داری ماں باپ کے سر ہوتی ہے، جو بچے ماں باپ کی تربیت میں رہ کر دین سیکھتے ہیں، ان کے اخلاق بہت اچھے ہوتے ہیں، شائستہ ہوتے ہیں، انکی زبان بھی مہذب ہوتی ہے، بات تمیز سے کرتے ہیں۔

ایک عورت کے سوالات

ایک جگہ پر بیان کرنے کے لئے نوبت آئی مستورات میں تو صاحب خانہ نے کہا کہ میری بیوی آپ سے کچھ سوالات کرے گی، اور اس کے لئے شرط یہ کہ میں موجود نہ ہوں، میں تو چلا جاؤنگا آپ سے وہ سوال کریگی، آپ ان کا جواب دیں، میں نے کہا آپ کو اختیار ہے جائیں یا رہیں، لیکن اور بھی آدمی موجود رہنے چاہئیں؟ کہا جی اختیار ہے، چنانچہ

چار پانچ مرد بھی تھے میرے پاس پردے کے پیچھے ان کی بیوی تھی، اس نے کچھ سوال کئے پہلے تو یہ کہا کہ میں نے یہ سوال فلاں عالم سے کیا، فلاں عالم سے کیا، مجھے کوئی مطمئن نہیں کرسکا۔

قرآن پاک سے متعلق خیال

اس کے بعد میرے سامنے سوال پیش کیا وہ یہ کہ قرآن پاک کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اس میں جتنی باتیں ہیں وہ تو صحیح ہیں لیکن یہ قرآن پاک آسمان سے نہیں اترا، اللہ تعالیٰ نے نہیں بھیجا بلکہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے جو باتیں انسانیت کیلئے مفید تھیں وہ اس میں جمع فرمادیں، اور قوم کو اطمینان دلانے کیلئے کہدیا، کہ یہ آسمان سے نازل ہوا ہے، باقی باتیں جو کچھ اس میں ہیں، وہ سب صحیح ہیں، یہ کاہے کی خرابی تھی، اس قسم کا خیال پیدا ہو رہا ہے طبیعت میں، اسکول میں تعلیم پائی تھی، انگریزی تعلیم پائی تھی، جو کورس میں چیزیں لکھی ہوئی ہیں، وہ چیزیں پڑھائی جاتی ہیں، وہ پڑھانے والے خود عامۃً دین سے واقف نہیں ہوتے، وہیں کے اثرات ہوتے ہیں، کہ مسلمان قرآن کے متعلق یہ اعتقاد رکھے کہ یہ آسمان سے نہیں اترا، اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے، تو اس کا ایمان کہاں سلامت رہا، ایمان کے لئے تو ضروری ہے، کہ قرآن شریف کو تسلیم کرے، کہ یہ خدا کی نازل کردہ کتاب ہے، ہدایت نامہ ہے۔

آنحضرت ﷺ میں دیانت وذہانت اعلیٰ درجہ کی

میں نے اس سے کہا اچھا ایک بات بتائیے، آپ نے حضور اقدس ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے؟ کہا کہ ہاں کیا ہے، اردو میں بھی کیا ہے انگلش میں بھی کیا ہے، میں نے کہا اچھا ساری سیرت پاک میں دو وصف حضور اقدس ﷺ کے اعلیٰ درجے کے آپ کو نظر آئے، ایک یہ کہ حضور اقدس ﷺ میں دیانت اعلیٰ درجے کی تھی، دوسری یہ کہ حضور اقدس ﷺ میں ذہانت اعلیٰ درجے کی تھی، ایک دیانت دوسرے ذہانت، میں نے پوچھا یہ دونوں چیزیں

آپ کو ملتی ہیں؟ کہا: ہاں ملتی ہیں، خوب ملتی ہیں، میں نے کہا پھر جواب ہوگیا، آپ کے سوال کا اس نے کہا میری سمجھ میں نہیں آیا، کیسے ہوگیا، جواب مطمئن کیجئے، میں نے کہا جو چیز اللہ کی طرف سے نہ اتری ہو اسکو یہ کہنا کہ اللہ کی طرف سے اتری ہے، یہ خلاف دیانت ہے، دیانتدار آدمی کوئی چیز اللہ کی طرف منسوب نہیں کرسکتا، جب تک وہ اللہ تعالیٰ نے نہ فرمائی ہو چاہے وہ بات نفس الامر میں کتنی صحیح اور سچ ہو، جو چیز خدا کی طرف سے نہیں اس کو یہ کہنا کہ خدا نے ایسا فرمایا، خدا نے کتاب نازل فرمائی، یہ خلاف دیانت ہے، بیٹا باپ کی جو بات نقل کرتا ہے، اگر دیانتدار بیٹا ہے، تو صحیح صحیح نقل کریگا، اور کسی بات کو جو کہ اپنی طرف سے ہو، اس کو باپ کی طرف منسوب نہیں کریگا، یہ نہیں کہے گا کہ باپ نے یہ بات کہی، چاہے وہ کتنی سچی اور اچھی ہو، اور بات غلط کہہ کر قوم کو یہ اطمینان دلادینا کہ آسمان سے نازل ہوئی کتاب ہے، غلط بات ہے، غلط بات پر ساری عمر پردہ نہیں پڑا رہتا، کبھی نہ کبھی وہ پردہ چاک ہوتا ہے، تو بدگمانی پیدا ہوجاتی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ قرآن پاک کے متعلق یہ کہنا کہ یہ آسمان سے اترا، تو قوم کو اطمینان دلایا اس کا خیال نہیں آیا کہ ایک روز ایسا آئیگا کہ یہ بات فاش ہوجائے گی، اور قوم سمجھ جائیگی، جان لے گی کہ آسمان سے نازل نہیں ہوا بلکہ اپنی بات کہی، تو جتنی محنت قوم پر کی ہدایت کی وہ سب تباہ و برباد ہوجائیگی، اور لوگ کہیں گے، لیجئے صاحب ۲۳/سال کی مدت تک ہمیں دھوکے میں رکھا، کہہ دیا کہ قرآن آسمان سے نازل ہوا، اور جتنی محنت کی تھی، وہ ساری ختم ہوجائیگی، جتنی اصلاح کی تھی وہ ختم ہوجائیگی، تو اس انجام کو نہ سوچنا یہ خلاف ذہانت ہے، ہر شخص جو بات کہتا ہے اس کا انجام سوچ لیتا ہے، کہ اس کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے، تو کہا اب سمجھ گئی، تو کہنا یہ ہے کہ جب صحبت اچھی نہ ہو اور ماں باپ تربیت کا خیال نہ رکھیں۔

اسکول کی تعلیم کے اثرات

اسکولوں میں تعلیم ہو، وہاں تو یہی چیز ہوگی، کہ اسلام کے خلاف چیزیں ذہنوں میں

بیٹھیں گی، اور جو بچیاں اسکولوں سے پڑھ کر آئیں گی، اور وہ یہ سمجھ کر کہ قرآن پاک آسمان سے نازل نہیں ہوا، وہ یہ کہیں کہ رسول کوئی چیز نہیں، وہ یہ کہیں کہ فرشتہ کوئی چیز نہیں، وہ سمجھیں کہ نماز پڑھنا، رکوع سجدہ کرنا، جھکنا تو بے کار چیزیں ہیں اس قسم کی چیزیں جب سیکھ کر آئیں گی، نہ ان کے پاس پردہ ہوگا، نہ ان کا لباس درست ہوگا، آدھا بدن کھلا ہوا، آدھے سے زیادہ کھلا ہوا، اس حالت میں رہے گی، تو کیا انجام ہوگا، اسکا نہایت خراب انجام ہوگا، اور پھر اسکول اور کالج کی تعلیم پر روپیہ زیادہ خرچ کیا جاتا ہے، اتنا روپیہ تعلیم کے زمانہ میں خرچ ہوا، فراغت کے بعد وہ ملازمت کرے، ملازمت نہیں ملتی ملازمت ملے تو جتنے روپیہ اپنے اوپر طالب علمی کے زمانہ میں پڑھنے کے زمانہ میں خرچ کئے، اتنا روپیہ ملیگا، یا اس سے کم ملے گا، تو اس میں انکا گزارا کیسے ہوگا، اور پڑھنے کے زمانہ میں جو آزادی طبیعت میں پیدا ہو جائیگی، اور یہ کہا جائیگا، کہ کسی کی کسی پر حکومت نہیں، سب یکساں ہیں، تو پھر وہ شوہر کی اطاعت کیسے کریگی، شادی ہونے کے بعد، شوہر کی بات کیسے مانے گی، شوہر کے ماتحت کیسے رہے گی، نہیں رہے گی، تو شوہر اور اسکے درمیان نااتفاقی ہوگی، یا تو دونوں کے دونوں بددین ہو کر رہ جائیں گے، اور اگر کسی کا شوہر دین دار ہو، یہ بددین ہو تو ان کے درمیان موافقت کا ہونا مشکل ہے، ان کا گھر جہنم بن جائیگا، آپس کی نااتفاقی کی وجہ سے، اسلئے دین کو سب سے پہلے سکھانے کی ضرورت ہے۔

اسلئے حضرت نبی کریم ﷺ سب سے پہلے بچے کو جب زبان اسکی اٹھنی شروع ہو، بولنا شروع ہو تو اس کو کلمہ سکھاتے تھے، توحید کا اور شہادت کا سکھایا کرتے تھے، اور جوں جوں بڑھتا جاتا تھا، دین کی باتیں سکھاتے جاتے تھے، دین کی تعلیم مکمل ہو جائے، تو کسی دوسری چیز کا اثر نہیں ہوگا، اور جہاں دین نہیں سیکھا، غلط ماحول میں زندگی گزاری جائے، نہ پردے کی اہمیت رہے گی، نہ اخلاق کی، نہ قرآن کی اہمیت ہوگی، بلکہ بسااوقات خدا کے اوپر بھی شبہ پیدا ہو جائیگا، کہ خدا موجود ہے یا نہیں، لڑکیوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے، لڑکوں کا بھی یہی حال

ہوتا ہے، رات دن ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں، لڑکوں سے، لڑکوں سے کیا بلکہ ان کے باپ لاتے ہیں کہ صاحب یہ خدا کا شکر ہے، کہتا ہے کہ خدا موجود نہیں ہو تو مجھے دکھلا دو، اس قسم کے اثرات پیدا ہوئے ہیں، یہی ہے، نہ علم ہے، نہ تربیت، لہٰذا خرابی ہی خرابی پیدا ہوگی۔

والدین کی ذمہ داری

اس لئے اپنے بچوں کی نگہداشت ضرور کریں اور ماں باپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ روزانہ ان کو دین سکھائیں، ان کے او پر محنت کریں، وقت خرچ کریں، دین کی تعلیم کے واسطے، ورنہ تو یہ بچے بڑے ہو کر، ماں باپ کا بھی کہنا نہیں مانیں گے، ماں باپ کی اطاعت نہیں کریں گے، ان کا کوئی حق نہیں سمجھیں گے، کہہ دینگے کہ آزادی کا زمانہ ہے، باپ میں ماں میں اور ہم میں کیا فرق ہے، سب ایک ہیں، اس لئے بہت بڑی ذمہ داری ماں باپ پر ہے۔

پہلی درسگاہ ماں کی گود

اور بچہ جب پیدا ہوتا ہے، ماں کی گود میں ہوتا ہے، تو سب سے پہلی بچے کی درسگاہ جو ہے، وہ ماں کی گود ہے، ماں کی گود میں جو اس کی تربیت ہوتی ہے، ماں کو چھینک آتی ہے تو وہ کہے گی **الحمد للہ** بچہ بھی سمجھ جائے گا، کہ چھینک پر **الحمد للہ** کہا کرتے ہیں، ماں کو چھینک آئی تو اس نے کہا **الحمد للہ** کسی دوسرے نے کہا اس کے جواب میں **یرحمک اللہ**، بچہ بھی سمجھ جائے گا، **الحمد للہ** کے جواب میں **یرحمک اللہ** کہنا چاہئے، بچہ ماں باپ کو دیکھے گا کہ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، بچے کو بھی، عادت ہوگی، سلام کرنے کی، لہٰذا بچے کی جو پرورش ہے، تعلیم ہے، تربیت ہے، سب سے پہلے ماں کی گود میں ہے، ماں اگر اسے اچھے اخلاق سکھائے تو اچھے اثرات پیدا ہوں گے، اگر اس کی تربیت

نہیں کرے گی، بلکہ اپنے جذبات میں لگی رہے گی، کبھی غصہ آیا تو غصے میں اول فول بکنا شروع کردیا، محبت میں آئی تو اس کی پرہیزی چیزوں کو بھی ملحوظ نہیں رکھے گی، کہ کس چیز سے اس کا پرہیز کرنا چاہیئے، اس کے خلاف کرنے لگی، بچے کی زبان سے اگر گالی کا لفظ نکلا، تو اس کے اوپر خوش ہونے لگی، ہنسنے لگی، بچے نے گالی دی، یہ ہنسنے کی چیزیں تھوڑی ہی ہیں، یہ تو رونے کی چیزیں ہیں، بچہ کی زبان صحیح ہونی چاہیئے، غرض یہ کہ بچہ جو کچھ اپنے ماں باپ کو دیکھتا ہے، وہ کرتا ہے، وہ سیکھتا ہے فطری طور پر اس کے اوپر اس کا اثر ہوتا ہے، اور وہی اثر پکتے پکتے پک جاتا ہے، بڑے ہو کر اس کی عادت چھوٹنا دشوار ہوتا ہے، لہٰذا ماں کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے، کہ اگر بچہ بیمار ہو جائے خدانخواستہ، تو اس کی دوا کرتے ہیں، حکیم کو دکھلاتے ہیں، ڈاکٹر کو دکھلاتے ہیں، اگر گھر میں رکھنے سے بد پرہیزی کا اندیشہ ہو کہ ڈاکٹر نے اس کو فلاں چیز کھانے کو بتایا اور گھر والے عمدہ چیزیں کھائیں اور یہ بچہ پرہیزی کھائے، بچہ برداشت نہیں کرتا، روتا ہے، یا تو سارے گھر والے پرہیزی چیز کھائیں، نہیں تو اس کو ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے، جہاں بد پرہیزی کرنے کی صورت ہی نہ ہو، تو جسمانی بیماری میں تو یہ ہوتا ہے، اور جب بچہ بیمار ہوتا ہے، ماں بھی بیدار رہے، رات کو جاگ رہی ہے، آدھی رات ماں جاگ رہی ہے، آدھی رات باپ جاگ رہا ہے، بچے کی پریشانی کی وجہ سے، لوگ دوست احباب آتے ہیں، پوچھتے ہیں کہ بچے کا کیا حال ہے؟ بیمار ہے لیکن اگر بچے کے اندر بداخلاقی پیدا ہو، بچے کے اندر عادت ہو جائے برے لفظ بولنے کی، بچے کے اندر عادت پیدا ہو جائے، جھوٹ بولنے کی، اس کے سلسلہ میں نہ ماں کو فکر ہے، نہ باپ کو، نہ دوست احباب آتے ہیں، اس کی عیادت کرنے کو اور تعزیت نہیں کرتے کہ بچہ جھوٹ بولنے لگا ہے، بچے کے اندر جھوٹی عادت ہو گئی ہے، افسوس ہے، بیماری پر تو عیادت کرتے ہیں جسمانی بیماری پر، بخار ہو گیا، تو اس کی فکر ہے، لیکن اگر بچہ جھوٹ بول رہا ہے، بری عادت بچے

کے اندر پیدا ہوگئی، تو اس کی فکر نہیں، معلوم ہوتا ہے، یا تو ان جھوٹی عادتوں کو، خراب عادتوں کو مرض نہیں سمجھا جاتا ہے، ناجائز نہیں سمجھا جاتا ہے، تو قرآن وحدیث کی مخالفت لازم آتی ہے اور اگر ناجائز سمجھتے ہیں تو پھر بچے کے اندر یہ جو عادات پیدا ہوتی جارہی ہیں، اس کی فکر کیوں نہیں اس کی فکر کرنا لازمی چیز ہے، تب جا کر اصلاح ہوگی، اور بچہ سیدھا آدمی بنے گا۔ پہلے زمانے میں تربیت کرتے تھے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تربیت

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ جہاد میں لیجایا کرتے تھے، گھوڑے پر سوار ہیں بچہ پیچھے گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہے اور باپ کی کمر کو پکڑے ہوئے، چھوٹا بچہ ہے، میدانِ جہاد میں تیر آرہا ہے دشمن کی طرف سے اس کو بھی بچارہے ہیں، اپنے آپ کو بھی بچارہے ہیں، بچے کو بھی بچارہے ہیں، اور گھوڑے کو بھی بچارہے ہیں، اسی طرح سے تلواریں چمک رہی ہیں، ان سے بچ رہے ہیں تاکہ شروع میں ہی بچے کی طبیعت سے ڈر نکل جائے تیر کا، تلوار کا ڈر طبیعت کے اندر نہ رہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بڑے جری، بڑے بہادر تھے، کسی چیز سے ڈرنے والے نہیں تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اتنا حوصلہ دیا تھا، کیا تھا؟ وہی بچپن کے زمانے کی تربیت، وہاں جہاد ہوتا تھا گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں تربیت کیلئے بچے کو ساتھ رکھا وہاں مناسب تھا، اور آج ایسی چیز نہیں ہے، نہ گھوڑے سوار ہیں نہ جہاد ہے نہ تیر کمان ہے نہ تلوار ہے، کچھ نہیں لیکن نماز پڑھنے کیلئے جانا چاہئے، جب نماز پڑھنے کیلئے مسجد میں جائے بچے کو ساتھ لیتے جائیں، بچہ انکا ہاتھ پکڑ کر جائے وہ بھی نماز پڑھے۔

ایک چھوٹے بچہ کا واقعہ

ایک جگہ جانا ہوا تو وہاں دیکھا کہ ایک صاحب کے یہاں ایک بچہ ہے تین

چار برس کا میں نے کہا بیٹا چلو مسجد میں نماز پڑھنے کیلئے تو انگلی پکڑ کر ساتھ ہولیا، توان دوسرے دوست نے کہا جانتے ہو کیسا ہے بچہ؟ بہت اچھا نماز کے لئے فوراً ساتھ آ گیا، اس نے کہا کہ ایک دفعہ اس کے دادا اس کو نصیحت کر رہے تھے، کچھ دیر تک نصیحت کرتے رہے، تو پھر اس بچے نے کہا تو خاموش نہیں ہوگا، بکواس کئے جائے گا، تو نے میرا مغز کھالیا میں نے کہا، اس بچہ نے کہا ہاں میں نے اس کی تلاش کی ٹوہ لگائی معلوم ہوا کہ بچے کے دادا بچے کی دادی کو نصیحت کر رہے تھے، یہ بھی سامنے بیٹھا سن رہا تھا۔

دادی نے یہ کہا کہ خاموش نہیں ہوگا، بکواس کئے جائے گا، تو نے میرا مغز کھالیا، تو بچے نے سمجھا کہ نصیحت کے جواب میں یہی کہا جاتا ہے، وہی اس نے سیکھا، اس واسطے نہایت خراب نتائج ہوتے ہیں، پہلے حضرات بچوں کو اچھے اچھے الفاظ سکھاتے تھے، قرآن پاک سکھاتے تھے، آداب سکھاتے تھے، اس کے اثرات عمدہ ہوتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پوتا چھوٹا بچہ پاس بیٹھا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس وقت نابینا ہو گئے تھے، کسی شخص نے آ کر کہا کہ مچھر پیر کے نیچے آ گیا اس کا کیا بدلہ ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ کہا عراق سے آئے ہیں، فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل کر دو میدان کربلا میں، اس کو نہ پوچھو، مچھر پیر کے نیچے آ گیا اس کا مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے ہو، انھوں نے غصہ سے دیکھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف چھوٹا بچہ جو پاس بیٹھا تھا اس نے کہا:

”نظروا الیک باعین محمرۃ نظر الذلیل الی العزیز القاھر“

دادا ابا ان لوگوں نے آپ کو لال لال آنکھیں کر کے دیکھا ہے جیسے کوئی ذلیل آدمی کسی باعزت کو دیکھا کرتا ہے، غصہ میں اسطرح سے دیکھا بچے نے ان کا لفظوں کے

اشعار میں فوٹو اتار ہی دیا، سارے کا سارا حلیہ کھینچ دیا بچے کو اتنی تمیز تھی اتنی تہذیب تھی۔

سلطان محمود غزنوی کا انداز تربیت

سلطان محمود غزنوی ہندوستان آئے تھے، یہاں کچھ لوگوں کو لڑکوں کو، بڑوں کو پکڑ کر بھی لے کر جاتے تھے، جہاد میں جو گرفتار ہوتے تھے، ان کو لے جاتے تھے، ایک ہندو لڑکے کو لیکر گئے، اس کی شاہانہ طریقے پر تربیت کی، شاہی آداب سکھائے عدالت میں بیٹھنا، دربار میں بیٹھنا لوگوں سے بات چیت کرنا سب سکھایا اور پھر اس کی تاج پوشی کی، اس کے سر پر تاج رکھا، وہ رونے لگا، پوچھا بھئی کیوں رو رہے ہو؟ یہ کوئی رونے کا وقت ہے، یہ تو خوشی کا وقت ہے، یہ تو خوشی کا موقع ہے، اس نے کہا میری ماں ڈرایا کرتی تھی، ہندوستان میں محمود آ گیا، محمود کا رعب اتنا بیٹھا ہوا تھا، سارے ملک پر کہ بچوں کو محمود کے نام سے ڈرایا جاتا تھا، تو آج میں رو رہا ہوں اس واسطے کہ اگر میری ماں زندہ ہوتی تو میں ماں سے کہتا کہ محمود برا آدمی نہیں ہے، محمود بہت اچھا آدمی ہے، محمود نے ایسا علم سکھایا، مجھے ایسی تربیت کی کہ ماں باپ ہرگز نہ کر سکتے تھے، اس واسطے رو رہا ہوں، تربیت کے بڑے فوائد ہیں۔

تربیت کا طریقہ

بڑے حضرات جب کھانا کھائیں تو بچوں کو اپنے ساتھ کھلائیں تاکہ عادت ہو کہ بچے بھی دائیں ہاتھ سے کھائیں، بچے بھی بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھائیں، کھانا کھانے سے پہلے باقاعدہ ہاتھ دھوئے، کھانے میں نوالے چھوٹے اٹھائے، بار بار کھانے پر **الحمد للہ، الحمد للہ** کہتا جائے، پانی پیئے تو دائیں ہاتھ سے پیئے، تین سانس میں پانی پیئے، اس پر بھی **الحمد للہ** کہے، جو مسنون طریقہ ہے، اس طریقے پر سب کام ہونا چاہئے، بچہ بیٹھے تو اس کو بتایا جائے، کہ اسطرح سے بیٹھنا چاہئے، جو حضور اقدس ﷺ کا طریقہ ہے بیٹھنے کا، کپڑا پہنے تو

دائیں آستین سے پہنے بائیں آستین کو بعد میں پہنے اسی طرح سے پاجامہ پہنے تو دائیں طرف سے پہنے یہ حضور اقدس ﷺ کا طریقہ ہے، لیٹے تو دائیں کروٹ پر لیٹے جو دعائیں احادیث میں آئیں، سونے کی، لیٹنے کی، سو کر اٹھ کر جاگنے کی، اور گھر سے نکلنے کی، گھر میں آنے کی، مسجد جانے کی مسجد میں سے آنے کی، وہ دعائیں بچوں کو تعلیم دی جائیں کہ اس طرح سے کریں، اس طرح بچوں کی تربیت ہوگی، انشاء اللہ وہ بچے دین کے حامل پیدا ہوں گے، ایسے حامل ہونگے کہ خود بھی روشن ہوں گے، اور دوسروں کو بھی روشن کریں گے، ورنہ تو پھر وبال جان بن جاتے ہیں، بعضے بعضے آدمیوں نے ہم سے شکایت کی، کہ ہمارا لڑکا ہم سے بات نہیں کرتا، سامنے نہیں آتا، مکان میں جاتا ہوں تو وہ نکل کے چلا جاتا ہے، کبھی پاس نہیں بیٹھتا یہ کیا چیز ہے، بچوں کے اندر جو مزاج میں نخوت پیدا ہوتی ہے، برائی پیدا ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہوت ہے، کہ ان کی تربیت صحیح نہیں، صحیح تربیت ہو تو وہ ماں باپ کا ادب کریں، ان کے پاس بیٹھیں ان کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ماں باپ کا سایہ ہمارے سروں پر قائم کر رکھا ہے، یہ اس کا بڑا احسان اور انعام ہے۔

تربیت نہ ہونے کے نقصانات

غرض یہ کہ بچوں کی تربیت نہ ہونے سے دنیا کا بھی نقصان، آخرت کا بھی نقصان۔ کیا ہوتا ہے تربیت نہ ہونے سے؟ برے اخلاق سیکھنے سے، کسی بچے میں چوری کرنے کی عادت ہوگی، چوری کرنے کیلئے گیا، تو پکڑا گیا کسی کے یہاں ڈاکہ ڈالنے گیا تو پکڑا گیا، ہمارے ایک دوست کے بچے میں عادت ہوگئی، ڈاکہ ڈالنے کی تو گرفتار ہوگیا، پہنچ گیا جیل میں، باپ نے تذکرہ کرنا شروع کیا، کہ اس کا انتقال ہوگیا، باپ کو اتنا غصہ، اتنا رنج تھا اس کا اس کے باپ کو کہ اس کی وجہ سے ایک صاحب سے ہم نے پوچھا کہ آپ نے اپنے بچے کو تعلیم نہیں دی کہنے لگا کیا کروں، اب تو اتنا غصہ ہے۔

میری طبیعت میں، بچوں کی طرف سے کہ کوئی شخص ایک لاکھ روپیہ مجھ سے لے لے اور میرے بچوں کو مجھ سے غائب کردے، یہ حال ہے بچوں کا جو بچے قوت بازو بننے چاہئے ماں باپ کے لئے ڈھارس کا ذریعہ ہو ماں باپ کو بچوں سے اتنا بوجھ ہو جائے، یہ غلط تعلیم، غلط ماحول کا نتیجہ ہے، اگر تعلیم صحیح ہو، ماحول صحیح ہو، ماحول اچھا ہو، تربیت درست ہو، تو ماں باپ کی طبیعت میں اولاد کی شفقت ہو اور اولاد کی طبیعت میں ماں باپ کی عظمت ہو، اس وقت اس صورت میں زندگی خوشگوار گزرتی ہے ورنہ یہی مکان جس میں رہنا سہنا ہوتا ہے، یہ جہنم کا نمونہ ہو جاتا ہے، باپ جب بیٹے کو دیکھتا ہے، تو اس کا خون کھولتا ہے، بیٹا باپ کو دیکھتا ہے تو اس کو جوش آتا ہے، اسی طرح ماں کا حال باپ ماں سے کہتا ہے، کہ میرے بیٹے کو کھانا مت دینا اب ماں کو محبت بھی ہے، بیٹے سے کیسے کھانا نہ دے، باپ سے چرا چرا کے کھانا کھلاتی ہے بیٹا ایسے موقعہ پر آتا ہے چھپ کر کہ باپ موجود نہ ہو گھر میں، غرض یہ طریقہ شریفانہ طریقہ نہیں، یہ تو بہت ہی غلط طریقہ ہے، اس سے سارا گھر برباد اور تباہ ہوتا ہے، اگر کسی کے بیٹے کو خدانخواستہ وارنٹ جاری ہو جائے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے، ماں باپ کو، سب اعزاء اقرباء کو لیکن بیٹے کے اندر اگر خراب عادتیں پیدا ہو جائیں جن کی وجہ سے وہ جہنم کا مستحق ہے، تو سمجھے کہ جہنم کا وارنٹ اس کے نام پر جاری ہو گیا، اگر بچہ کی گرفتاری ابھی نہیں ہوئی لیکن وارنٹ جاری ہو گیا، ایک وقت آئے گا کہ پکڑا جائے گا، اس کی فکر نہیں، اس کو جہنم سے بچانے کے لئے بھی کوشش کرنے کی ضرورت ہے، اور حکومت چلانے کیلئے نہیں بلکہ حسن تدبیر سے عمل کیا جائے۔

حدیث پاک کی ہدایات

حدیث شریف میں آتا ہے، جب بچہ جوان ہوتا ہے، تو اس کو بھائی بنالو، یعنی اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرو، جیسے چھوٹے بھائیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ ڈانٹ

ڈپٹ مار پیٹ نہ ہونی چاہئے، اب جوان ہوگیا وہ۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بچہ جوان ہوجائے تو اس کی شادی کر دو، اور اس سے کہو بیٹا! تمہارے جو کچھ حقوق تھے ہم نے ادا کئے جہاں تک ہوسکا تمہاری شادی ہوگئی، اللہ تعالیٰ تمہارے شر سے تمہارے فتنہ سے ہمیں بچائے، یہ دعا کرنے کے لئے کہا گیا ہے، اسی طرح بھائیوں کے آپس میں تعلقات ہوتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے، بڑا بیٹا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے، چھوٹا بھائی بمنزلہ اولاد کے ہوتا ہے، اس لئے ان رشتوں کو ان شفقتوں کو، ان محبتوں کو بروئے کار لانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر تربیت کرنے کی ضرورت ہے ورنہ یہ ساری چیزیں ضائع ہوجاتی ہیں، لڑکے نے ایسی حرکتیں شروع کیں کہ برسہا برس کے خاندان کی ساری عزت تباہ ہوگئی، باپ کو منہ دکھانے کی جگہ نہیں رہتی، بعضے دفعہ لڑکا ایسی حرکتیں کرتا ہے، کہ باپ کو کہیں منہ دکھانا مشکل کسی کے سامنے، شکایت کرے تو کیا کرے، اپنا لڑکا ہے، اپنے عضو کو کاٹ کر نہیں رکھتے، ہاتھ کو کوئی کاٹ کر نہیں پھینکتا، باپ اس کو کس طرح اپنے سے جدا کرے، اور کیسے اپنے ساتھ رکھے، یہ سب خرابی کاہے کی ہے، اسی کی ہے، کہ شروع میں اس کی تعلیم وتربیت کا انتظام نہیں کیا، ورنہ تو حالات بہت اچھے ہوتے بہتر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ آمین!

❑❑❑

اصل قرب اتباع میں ہے

یہ بیان دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر میں ہوا۔

بیان کے اہم مضامین

☆......اتباع سنت کے بغیر تمام ریاضت ومجاہدات بیکار ہیں۔

☆......اتباع سنت سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضرات مشائخ کے واقعات۔

☆......معاصی سے اجتناب اور توبہ واستغفار کی ضرورت۔

☆......مدرسہ کی ضرورت واہمیت۔

اصل قرب اتباع میں ہے

خطبہ مسنونہ۔ امابعد!

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت

ایک صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا نام ہے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان کے فضائل احادیث میں آئے ہیں، اونچے درجہ کے صحابی ہیں، صحابہ کا عظیم دور ہے، اور ان میں بعضے زیادہ بوڑھے ہیں، بعضے باپ، بعضے دادا ہیں، بعضے بیٹے ہیں، بعضے پوتے ہیں، بعضے استاد ہیں، بعض شاگرد ہیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنایا، یمن کا قاضی بنا کر بھیجا، یمن کے دو ڈویژن تھے ایک میں قاضی بنایا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک میں بنایا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جو روانہ کیا ہے، اس طریقہ پر روانہ کیا ہے کہ ان کو سوار کرایا اور خود پیدل چلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہے کہ ان کے دل پر کتنا بوجھ ہوا ہوگا، کہ سرورعالم صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے ہیں، اور میں سوار ہوں، لیکن وہاں تو خوشی اسی میں تھی، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی اسی میں تھی، بہرحال برداشت کیا، اچھی بات ہے، مدینہ طیبہ کے باہر دور تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ چلے، جب وہاں سے واپسی کا وقت آیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! آئندہ جب تم آؤ مدینہ طیبہ مجھ سے ملنے، شاید مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے آنکھوں میں آنسو بہنے لگے کہ یہ آخری زیارت ہے اس کے

بعد زیارت نصیب نہیں ہوگی، جب رخصت ہونے لگے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف رخ فرمایا، اور فرمایا اے معاذ رضی اللہ عنہ میرے دوست، میرے محبوب وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کریں، جو بھی ہوں جہاں بھی ہوں

"مَنْ كَانُوْا اَيْنَ كَانُوْا"

جو لوگ تقویٰ اختیار کریں وہ لوگ میرے محبوب ہیں، میرے بھائی ہیں چاہے وہ یہاں رہیں چاہے کہیں رہیں، یعنی فرمایا کہ چاہے تم مدینہ طیبہ میں نہ رہو اور یمن میں رہو اور وہاں تم تقویٰ اختیار کرتے رہو، تو بھی تم مجھ سے قریب ہو۔

دور رہ کر بھی نزدیک

لہٰذا جسمانی اور بدن کی دوری کوئی دوری نہیں ہے، دل سے اگر نزدیک ہو تو جسمانی دوری کیا چیز ہے، ایک بادشاہ ہے بہت ہی جلیل القدر بڑی مملکت پر اس کی سلطنت ہے، اس نے اپنے بیٹے کو کسی دوسرے شہر میں بھیجا، شہر کے انتظامات کے لئے وہاں سے روزانہ خیر وخبر باشاہ کے پاس پہنچتی ہے تو وہ بہت دور لیکن اس کے کارنامے پہنچتے ہیں، وہ کارنامے باپ کو بہت خوش کرنے والے ہیں، تو وہ بیٹا دور نہیں کہلاتا، بلکہ نزدیک ہی ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک بزرگ گزرے ہیں، جن کا نام حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہے وہ صاحب حضوری تھے، صاحب حضور کون؟ صاحب حضوری وہ کہلاتے ہیں جن کو ہر روز حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی ہے، اس کو صاحب حضوری کہتے ہیں، مدینہ طیبہ میں رہتے تھے، وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو

ارشاد فرمایا کہ تم ہندوستان جاؤ، "سُبْحَانَ اللہ" حضور اقدس ﷺ کی محبت اور شفقت کہ اپنے خاص خادم کو، خاص آدمی کو وہاں سے بھیج رہے ہیں، ہندوستان اور آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا، کہ غریبان ہند پر نظر شفقت رکھنا، شفقت کی نظر سے ان کو دیکھنا انہوں نے عرض کیا کہ حضور! یہاں تو ہر روز مجھے حاضری کا موقع مل جاتا ہے، چلا جاؤں تو وہاں سے حاضری دشوار ہوگی، مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوگا کہ غیر حاضر رہوں، فرمایا کہ تم کو وہاں سے بھی موقع دیا جائیگا، بس یہ تعمیل ارشاد کیلئے چلے آئے، دہلی میں قیام کیا، دہلی میں قیام کیا اور یہ طریقہ رکھا کہ جہاں بھی کہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اللہ اللہ کرنے والا بزرگ موجود ہے تو اس کی زیارت کیلئے جاتے ملاقات کرتے۔

ایک مرتبہ سنا کہ ایک درویش آیا ہوا ہے، یہ بھی گئے دیکھا جا کر کے کہ مجمع بہت سامنے موجود ہے انہوں نے جا کر ملاقات کی اس کے پاس ایک پیالہ رکھا تھا، شراب کا اس درویش نے ان سے کہا کہ لو اس میں سے پیو، انہوں نے انکار کیا کہ میں نہیں پیتا، اس نے اصرار کیا، انہوں نے نہیں پیا، بس یہ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، رات کو اپنی قیام گاہ پر خواب میں دیکھا کہ لوگ جا رہے ہیں، پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں کہا کہ فلاں مکان میں رسول اکرم ﷺ تشریف رکھتے ہیں، وہاں جا رہے ہیں، سب کے ساتھ یہ بھی گئے اور لوگ تو اندر چلے گئے، لیکن دروازے پر دیکھا وہی فقیر کھڑا ہے، ڈنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے، اور ڈنڈا اٹھا کر ان سے کہا تم نے پیالہ تو پیا نہیں اب تم کو اجازت نہیں گھبرا کر آنکھ کھل گئیں یہ صاحب نسبت آدمی تھے، انہوں نے کہا:

"لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

یہ شیطان رجیم ہے۔

"استغفر اللہ لاحول" پڑھی آج پھر گئے اس فقیر کے یہاں، فقیر نے دیکھتے ہی کہا کہ اب تو پی لو، کہا کہ اوہو یہ شعبدے کسی اور کو دکھائیو، میں ان شعبدوں میں آنے والا

نہیں، نہیں پیا، آج پھر خواب میں دیکھا کہ لوگ جارہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فلاں مکان میں تشریف فرما ہیں، یہ پھر چلے گئے دیکھا تو پھر وہی فقیر ڈنڈا لئے کھڑا ہے، پھر آنکھ کھل گئی آج پھر فقیر کے یہاں گئے، تو اس نے کہا کہ تم محروم ہو تم نے پیالہ تو پیا نہیں، پچھتانا پڑے گا، انہوں نے جواب دیا کہ حضور اقدس ﷺ نے شراب کو منع فرمایا ہے حرام فرمایا ہے، میں کبھی نہیں پی سکتا، حضور اقدس ﷺ کے حکم کو میں توڑتا تو پچھتانا پڑتا شراب کو حضور اقدس ﷺ نے منع فرمایا، حضور اقدس ﷺ کے حکم کے خلاف کرنے سے پچھتانا پڑتا ہے، اب اگر دو روز حاضر نہ ہوا تو کیا بات ہے، میری خدمت تو قبول ہے وہاں، بھئی ظاہر بات ہے کہ اگر کسی سے قربت حاصل بھی ہوگی، لیکن خدمات قبول نہ ہو تو کیا فائدہ۔

محبت بلا اتباع مفید نہیں

آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ایک چچا تھا، ابولہب جس کا تذکرہ قرآن میں بھی آیا:

"تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ" (سورۂ لہب: ۱)

[ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔] (بیان القرآن)

ایک باندی تھی اس کی جس کا نام تھا ثویبہ اس باندی نے آ کر خبر دی ابولہب کو کہ تمہارے بھتیجا پیدا ہوا ہے، بہت خوشی ہوئی اور اس باندی کو خوشی میں آزاد کر دیا، محبت بھی کرتا تھا، خدا جانے کتنی مرتبہ حضور اقدس ﷺ کو گود میں بھی لیا ہوگا، کھلایا بھی ہوگا، اتنا قریبی ہے، خاندان ایک ہے، لیکن حضور اقدس ﷺ کی بات کو نہیں مانا ایمان نہیں لایا، اطاعت نہیں کی پیار محبت کرنے نے کوئی فائدہ نہیں دیا، بلکہ جہنم میں جائیگا، جب حضور اقدس ﷺ پر ایمان نہیں لایا، اطاعت و فرمانبرداری نہیں کی، تو

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر میں دو روز سے حاضر نہیں ہوا تو کیا حرج ہے، لیکن میں ان کی مانتا ضرور رہوں، تیسری رات پھر اسی طرح خواب میں دیکھا کہ فقیر اسی طرح ڈنڈا لیکر کھڑا ہے، تو سوچ رہے ہیں کہ یا اللہ عجیب بات ہے جو شراب پیئے اسے اندر جانے کی اجازت ملے، جو نہ پیئے اسے اجازت نہ ملے، اندر سے آواز آئی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں، کہ دو روز سے شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نہیں آئے، کیا بات ہے کہاں ہیں؟ یہ حاضر نہ ہوئے تو وہاں یاد ہورہی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمارہے ہیں، انہوں نے زور سے آواز دی کہ حضرت میں آنا چاہتا ہوں مگر یہ فقیر کھڑا ہے اندر آنے نہیں دیتا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے، کسی نے عرض کیا کہ کھڑا ہے، ڈنڈا لیکر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اخسأ یا کلب"

دور ہو جا کتے اِدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تلوار لیکر دروازے کیطرف دوڑے وہ جو فقیر دروازے پر کھڑا تھا، وہ بھاگا راستہ کھلا صاف ہوا، راستہ کھلا تو یہ اندر حاضر ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم دو روز سے آرہے تھے، یہ آنے نہیں دے رہا تھا، انہوں نے عرض کیا جی حضور، یہ مجھے شراب پینے کے کہتا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شراب کو حرام فرمایا میں کیسے پی لیتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہت اچھا کیا اور بہت شفقت فرمائی، آج پھر گئے دیکھا فقیر کے وہاں مجمع ہے، مگر وہ خود موجود نہیں، لوگوں سے پوچھا تمہارے پیر کہاں ہیں؟ بتلایا اندر کمرے میں ہے، انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا کوئی آواز نہ آئی کواڑ کھولے، دیکھا وہاں کوئی موجود نہیں انہوں نے پوچھا اندر تو نہیں ہے، تم نے کسی چیز کو یہاں سے نکلتے دیکھا بھی ہے، انہوں نے بتایا کہ ایک کتا یہاں سے نکل کر گیا ہے، تب ان شیخ نے پورا واقعہ بیان کیا کہ جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کتا فرمایا وہ کتا ہی بن گیا، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو مسخ کرنا چاہتا تھا،

اللہ پاک نے شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تو حفاظت فرمائی اور خود اس شخص کو مسخ کر کے کتا بنا دیا وہ مجمع سب ان کے ہاتھ پر تائب ہوا اور بیعت ہوا، پس جو شخص تقوی اختیار کرے، وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہے، چاہے کشمیر میں رہے، چاہئے کتنی دور رہے، چاہے مدینہ طیبہ میں رہے، وہ قریب ہے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، یہی اصل چیز ہے، کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: جو لوگ تقویٰ اختیار کریں وہ میرے دوست ہیں، خلیل ہیں، قریب ہیں، جو ہوں جہاں ہوں، دور ہوں، نزدیک ہوں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ اپنی زندگیوں کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق بنانا چاہتے تھے، چاہے عبادات ہوں، معاملات وغیرہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اتباع

کسی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دن بھر کیا کام کرتے تھے، انہوں نے جواب دیا: کہ صبح اٹھو، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آجاؤ اور ان کو دیکھو جس طرح وہ کھاتے پیتے وضو کرتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، ارکان رکوع، سجود وغیرہ، بات، کلام، سلام، سلام کا جواب کرتے ہیں، یہی طریقہ تھا گویا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو ڈھال لیا تھا، پورے طور پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت میں جو کام جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ کام اسی طریقہ پر آپ فرماتے تھے، چلنا پھرنا بھی اسی طرح سے ہوتا تھا، کھانا پینا غرض ہر کام اسی طرح ہوتا تھا، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہاں تک حال تھا۔

....

ایک صحابی کا اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک صحابیؓ ایک شخص کو لے گئے باغ میں وہاں اس وقت موسم تھا پتے جھڑنے کا ایک شاخ کو پکڑ کر اس کو ہلایا، جتنے اس پر پتے تھے، وہ سب جھڑ گئے، انہوں نے فرمایا تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ میں نے ایسا کیوں کیا، اس نے کہا کہ بتائے ایسا کیوں کیا، بتایا کہ اس طرح سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے لیکر گئے تھے، اور اس طرح سے شاخ کو پکڑ کر جھٹکا دیا تھا اور پتے جھڑ گئے تھے، اور مجھ سے فرمایا کہ تم پوچھتے کیوں نہیں میں نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے پوچھا حضرت بتلائیے تو فرمایا کہ فلاں کام کرنے سے اس طرح سے گناہ جھڑ جاتے ہیں، جس طرح سے یہ پتے جھڑ گئے اس شاخ سے، اس بات کی ترتیب بتانے کے لئے جو طریقہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا تھا، وہی طریقہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس کو بتانے کے لئے اختیار کیا یہاں تک اتباع کا یہ عالم تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اتباع سنت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مکہ کے راستے میں اونٹ سے اُتر کر درخت کے نیچے کچھ دیر آرام کیا کسی نے پوچھا ایسا کیوں کیا تو فرمایا کہ میں نے دیکھا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ پر اس طرح سے اُتر کر آرام کیا تھا، حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کے بیان کیلئے نہیں کیا تھا، بلکہ ضرورت کے بنا پر کیا تھا، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے، اُترے تھے۔

لیکن جو کام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اس کام کو اسی طریقہ پر کیا، ایک مقام پر چلتے چلتے اونٹ سے اُترے اونٹ کو بٹھایا اور جس طرح سے کوئی شخص قضائے حاجت کے لئے بیٹھا ہے ایسے بیٹھ گئے اور اس کے بعد پھر اٹھ گئے، پوچھنے پر بتلایا کہ اسی طرح

پر حضور اقدس ﷺ نے یہاں پہونچ کر قضائے حاجت کی تھی، غرض کہ اسی طریقہ کو اختیار کیا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اتباع سنت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہیں سفر میں جانے کے لئے اونٹ پر سوار ہو گئے، اور سوار ہو کر یہ کلمات پڑھے:

"سُبْحَانَ اللہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، اَللہُ اَکْبَر"

اور اونٹ پر قمچی ماری اور ہنسے پھر دعا پڑھی اور چل دیئے، پوچھنے پر بتایا: کہ حضرت نبی کریم ﷺ اسی طرح اونٹ پر سوار ہوئے تھے، اس طرح دعا پڑھی تھی، قمچی ماری تھی، ہنسے تھے، اس لئے وہی طریقہ اختیار کیا، لہٰذا حضرت نبی کریم ﷺ کے طریقے کو اختیار کرنا چاہئے، اس طریقے کو اختیار کریں گے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک مقبول ہوتے چلے جائیں گے، اس سے زیارت بھی نصیب ہوگی، انشاء اللہ تعالیٰ خواب میں، اور وہاں حاضری کی سعادت بھی نصیب ہوگی۔

درود شریف کی فضیلت

حدیث شریف میں آیا ہے:

"ان للہِ تعالیٰ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام" (مشکوۃ شریف: ۸۶، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

فرشتے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھے ہیں، جہاں بھی حضور اقدس ﷺ پر صلوٰۃ وسلام ہوتا ہے، فرشتے جا کر ان تک پہونچا دیتے ہیں، حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ صَلَّی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِی سمعته۔ الخ"

(مشکوۃ شریف: ۸۷، باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

جو شخص میرے روضے کے پاس مجھ پر سلام پڑھتا ہے، میں اس کو براہِ راست سنتا ہوں اور جو شخص دور سے پڑھتا ہے، وہ میرے پاس پہونچایا جاتا ہے، غرض زیادہ قرب جو ہوتا ہے، وہ اتباع سے حاصل ہوتا ہے، اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔

جذبۂ خدمت واطاعت

ایک جہاد کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری حفاظت کون کریگا، ہمارا پہرہ کون دیگا، ایک صحابی رضی اللہ عنہ اٹھے ان سے نام پوچھا، انہوں نے بتایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ، پھر دوبارہ فرمایا ہماری حفاظت کون کریگا، ہمارا پہرا کون دیگا؟ ایک صحابی اٹھے ان سے نام پوچھا، انہوں نے بتایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔

تیسری مرتبہ پھر فرمایا: تیسرا اٹھا، اس کو بھی کہا بیٹھ جاؤ، پھر فرمایا تینوں آدمی یہاں آ جاؤ، ایک صاحب آئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے دونوں ساتھی کہاں ہیں؟ عرض کیا میں ہی ہوں، پہلی مرتبہ اپنا نام بتایا، دوسری مرتبہ بتایا تھا، فلاں کا بیٹا ہوں، تیسری مرتبہ بتایا تھا، فلاں کا باپ ہوں، ابوفلاں، ابن فلاں، اور ایک دفعہ اپنا نام، گویا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا اتنا جذبہ تھا کہ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سے میں اس سعادت کو حاصل کروں، حالانکہ وہ موقعہ ایسا تھا، کہ جان خطرے میں تھی، لیکن کوشش یہ تھی کہ کوئی اور نام مجھ سے پہلے نہ آئے سب سے پہلے میں ہی اٹھوں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اتباعِ سنت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اخیر حیات میں ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، جہاد کیلئے

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا، اور اپنے دست مبارک سے جھنڈا بنا کر ان کے حوالے کیا اور روانہ کیا، لیکن اس کے ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت خراب ہوئی، لشکر نے یہ خبر سنی تو واپس آ گیا، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہو گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا کہ اب لشکر کو روانہ کریں، جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا، مشورہ دیا گیا کہ ابھی روانہ نہ کریں، اس واسطے کہ تازہ تازہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے، ایسا نہ ہو کہ فتنہ پیدا ہو جائے، دشمن چڑھائی کر آئیں، مدینہ طیبہ پر، اگر یہ لشکر یہاں موجود ہو گا، تو ان کا مقابلہ کرنا آسان ہو گا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا، میں نہیں مانتا سب سے پہلے اسی لشکر کو روانہ کرنا ہے، وحی ختم ہو چکی ہے، اب وحی آنے والی نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے، اب کوئی نبی آنے والے نہیں، کیا دین کے اندر نقصان پیدا ہو سکتا ہے، اور میں زندہ رہوں۔

"اَیَنْقُصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ"

کیا میرے زندہ ہوتے ہوئے دین کے اندر کوئی نقصان پیدا ہو سکتا ہے، سب سے پہلے اسی لشکر کو روانہ کیا جائے گا کسی نے عرض کیا اگر بھیجنا ہی ہے، تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار نہ بنائیے، اس واسطے کہ وہ ابھی لڑکے ہیں، پرانے صحابیؓ تجربہ کار موجود ہیں، ان میں سے کسی کو بنائیے فرمایا کہ جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سپہ سالار بنایا اسی کو بناؤں گا انہوں نے اعلان کر دیا چلنے کا، اور یہ مشورہ دینے والے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لیکن کسی ذاتی خواہش کی بناء پر مشورہ نہیں دے رہے تھے، بلکہ عین خیر خواہی مقصود تھی، مگر ان کے پاس یہ دلیل تھی، کہ جس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہو، میں اس کو نہ رکھوں یہ نہیں ہو سکتا، چنانچہ اعلان کر دیا چلنے کا جہاد کے لئے سب لوگ تیاری میں لگ گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ کسی طرح سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ جائیں، یہیں ٹھہر جائیں تاکہ ان سے مشورہ لینا آسان رہے، تازہ تازہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے، مسلمانوں کے قلوب میں سخت ترین صدمہ

ہے، پریشانی کے عالم میں ہیں، مشورے کی ضرورت پیش آئیگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود رہیں گے، تو مشورہ لینا آسان رہے گا، چاہتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے حکم سے فرمادیتے کہ تم ٹھہر جاؤ میرے پاس، تم لشکر میں مت جاؤ، ایسا نہیں کیا، چاہتے تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہتے کہ میں نے حضرت عمرؓ کو روک لیا ہے، ایسا بھی نہیں کیا بلکہ خود حضرت اسامہؓ کے پاس گئے، اور جا کر اس طرح بیٹھے جیسے ایک شاگرد اپنے استاد کے سامنے بیٹھتا ہے، ایک ماتحت اپنے افسر کے سامنے بیٹھتا ہے، چونکہ سپہ سالار کا منصب ان کو عطا کر چکے تھے، اس لئے انکے سامنے اس مرتبہ کے ادب واحترام کا لحاظ کرتے ہوئے بیٹھے اور ان سے عرض کیا کہ آپ نے اعلان کر دیا جہاد میں جانے کا، سب لوگ تیاری میں لگے ہوئے ہیں، عمر رضی اللہ عنہ بھی جانے کی تیاری کر رہے ہیں، ان کو کوئی عذر نہیں ہے جانے میں جانے کے لئے تیاری کر رہے ہیں، لیکن مجھ کو ان کے مشورے کی ضرورت ہے، اگر آپ خوش دلی سے اجازت دیں، تو عمر یہاں رضی اللہ عنہ ٹھہر جائیں گے، ورنہ تو ہم کو کوئی انکار نہیں وہ ضرور جائیں، تو انہوں نے اجازت دی، کہا اچھی بات ہے آپ کو ان کے مشورے کی ضرورت ہے، ان کو روکنا چاہتے ہیں، تو بہت اچھا۔

انہوں نے اجازت دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جانے سے روکا ہے، تو منصب کا لحاظ اتنا کیا جاتا ہے، جس شخص کا جو منصب تجویز کیا جائے اس کا لحاظ کرنا ضروری ہے، آج مسلمانوں میں جہاں بہت سارے نقصانات ہیں، ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے، کہ کسی کے منصب کا لحاظ نہیں کیا جاتا، ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ میری بات قبول کی جائے، میری بات بلند ہو جائے، میری رائے کو سب مانیں، میں اونچا بن کر رہوں، یہ اتنی خطرناک بات ہے، کہ سب جگہ اسی کے فسادات ہیں، باپ بیٹے میں لڑائی ہے، بھائی بھائی میں لڑائی ہے، شوہر بیوی میں لڑائی ہے، خاندان والوں میں لڑائی ہے، ہر جگہ ایک دوسرے کے خلاف بدگمانی ہے، بدزبانی ہے، ساری بنیاد یہ ہے، کہ ہر شخص چاہتا ہے، کہ میری رائے مانی جائے

میری بات اونچی رہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے میں اتنی برکت دی کہ مشرکین نے دیکھا جب وہ لشکر چلا ہے، تو تعجب میں پڑ گئے کہ ہم تو سمجھ چکے تھے اسلام کی کمر ٹوٹ چکی، مگر ان کے اندر تو ابھی جان ہے، کہ یہ دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے جا رہے ہیں، پھر وہ لشکر چلا اور اس کی مدد کرنے کے لئے آہستہ آہستہ آدمیوں کو بھیجتے رہے، اس بستی میں پہنچے، اس بستی میں پہنچے یہاں پہنچے وہاں پہنچے بڑا کام کیا اس لشکر نے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے متعلق مشورہ دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چاہے کہ ان کو اونچے عہدے سے معزول کر دیجئے، فرمایا: کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عہدہ عطا فرمایا ہے میں ان سے واپس نہیں لے سکتا۔

حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کا اتباعِ سنت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا، تو انہوں نے ایک بات پر معزول کر دیا، وہ یہ کہ انہوں نے کسی کو انعام زیادہ دیا تھا، ان کو بلایا گیا ان سے باز پرس کی کہ ایسا کیوں کیا، بلا کر سامنے سوال کرتے رہے، مگر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، خاموش کھڑے رہے، ڈانٹ کے پوچھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، پھر بھی جواب نہیں دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کچھ تو بولتے نہیں، جواب کیوں نہیں دیتے ہو؟ پھر بھی جواب نہیں دیا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے اٹھ کر ان کو عمامہ سے باندھ دیا حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اور کہا کہ یہ جواب اس واسطے نہیں دے رہے ہیں کہ ان کو اس بات پر غصہ ہے کہ مجرم کو تو باندھ کر کھڑا کیا جاتا ہے، میرے ساتھ یہ غلط رعایت کیوں برتی جا رہی ہے، بغیر باندھے مجھ سے جواب لیا جا رہا ہے، اس واسطے خاموش کھڑے رہے، چنانچہ جب ان کو باندھ دیا گیا، تب انہوں نے جواب دیا یعنی مجرم کو باندھ کر کھڑا کرنے کے واسطے وہ اپنے اوپر پہلے اس قانون کو نافذ کرنے کیلئے تیار تھے، اقرار کر رہے تھے کہ مجھے باندھ کر کیوں نہیں کھڑا کیا گیا، لہٰذا میں جواب

نہیں دونگا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء پورا کرنے کے لئے یہاں تک کہ جب انہیں معزول کر دیا گیا کسی نے اطلاع دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری قدر نہیں کی مجھے معزول کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلا کر ڈانٹا کہ کیا فقرے ہیں جو مجھ تک پہنچ رہے ہیں، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جس نے نقل کیا آپ سے غلط نقل کیا، میں نے یہ نہیں کہا ہے، میں نے تو یہ کہا کہ عہدے سے ہی تو مجھے معزول کیا ہے اسلام کی خدمت سے تو مجھے نہیں روکا ہے، میرا مقصود تو اسلام کی خدمت کرنا ہے، پہلے میں عہدے دار ہو کر کرتا تھا، اب میں سپاہی ہو کر کرونگا میرا مقصود تو کوئی عہدہ نہیں ہے، بلکہ خدمت کرنا ہے، میں نے یہ کہا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے معزول کرنے کی حکمت

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھایا تمہارے ہاتھ پر فتوحات بہت ہوئیں، دشمن کے دل میں تمہارا رعب بیٹھا ہوا ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام سے دشمن کانپتا تھا، لیکن بھائی موت وحیات سب کے ساتھ لگی ہوئی ہے، آج اگر آپ کی موت ہو جائے، آنکھیں بند ہو جائیں، ڈر یہ ہے کہ اسلام کا رعب کفار کے دل سے ختم ہو جائے گا، ہم چاہتے ہیں کہ رعب جو کچھ ہو اشخاص کا نہ ہو، بلکہ اسلام کا ہو کسی شخص خاص کا نہ ہو، چنانچہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی زندگی میں ان کو ہم دکھلائیں کہ ہمارے نزدیک حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی یہ حقیقت ہے، کہ جب چاہا معزول کر دیا، انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا، معزول ہو گئے، ختم ہو گئے، اور پھر ان کا حال یہ تھا:

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات

جس وقت ان کا انتقال ہوا ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تو رو رہے تھے، پوچھنے

پر فرمایا: کہ جہاد میں گیا ہوں، اس شوق اور خوشی میں نہیں گیا، کہ مجھے فتح نصیب ہوگی، دشمنوں کو ختم کروں گا، اسلئے نہیں گیا، بلکہ میں اسلئے گیا کہ مجھے شہادت نصیب ہوجائے خدا کے راستے میں میری جان قربان ہوجائے اللہ تعالیٰ کے یہاں میرا خون قبول ہوجائے، اس واسطے گیا تھا، میں اس جگہ گھستا تھا جہاں مجھے اندازہ ہوتا کہ یہاں گھسنے سے میری موت آجائے گی، میں گھستا چلا گیا، لیکن موت مجھ سے خود کو چھپاتی رہی، میرے سامنے نہیں آئی، ہائے افسوس آج بوڑھی عورتوں کی طرح بستر پر موت آرہی ہے اسکے بعد یہ دعا دے گئے خدا کرے کہ بزدل کی آنکھ سے نیند اڑ جائے جو بزدل ہو یعنی بہادر نہ ہو اس کو نیند نہ آئے اس کی آنکھوں سے اڑ جائے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا رونا

حضرت عکرمہؓ بن ابی جہل جس وقت شہید ہوئے ہیں ان کے جنازے کے قریب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ رو رہے تھے کھڑے ہو کر، کہہ رہے تھے کہ جن لوگوں نے اسلام کے مقابلے میں تلوار اٹھائی ہے ہم کو توقع نہیں تھی کہ ان کو شہادت نصیب ہوگی، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں تلوار اٹھائی ہے اسلام لانے سے پہلے، لیکن عکرمہ رضی اللہ عنہ تو کامیاب ہوگئے، ان کو تو شہادت نصیب ہوگئی، اب دیکھئے کہ میرے متعلق میرا کیا حال ہوتا ہے، غرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کو پورا کرنا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو ہر چیز پر غالب رکھنا یہ بڑا کام ہے، اور حدیث میں آیا ہے:

کمال اطاعت کمال ایمان کے لئے شرط ہے

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ"

(مشکوۃ شریف: ۳۰، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

....

تم میں سے کوئی شخص ایماندار کہلانے کا مستحق نہیں جب تک کہ اس کے دل کی خواہش میری رائے کے میرے احکام کے تابع نہ ہو جائے، یہ ہے کام، لہذا جو کام آدمی کرے، جس کام کو آدمی کرنا چاہئے اس کو پہلے سوچ لے کہ یہ کام حضور اقدس ﷺ کے منشاء کے مطابق ہے یا نہیں، اگر منشاء کے مطابق ہے تو بہت اچھا اگر منشاء کے خلاف ہے تو نہ کرے چھوڑ دے۔

سونے کی انگوٹھی کو نہ اٹھانا

ایک صحابی رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے ایک انگوٹھی سونے کی پہنے ہوئے تھے، حضور اقدس ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر اس سونے کی انگوٹھی کو نکال کر پھینک دیا، فرمایا یہ تو اہل جہنم کا زیور ہے اس کے بعد وہ تشریف لے گئے، وہ انگوٹھی وہاں پڑی رہی، کسی نے کہا یہ انگوٹھی تمہاری ہے، یہ کام آئے گی، اس کو اٹھالو، انہوں نے جواب دیا، جس چیز کو حضور اقدس ﷺ نے پھینک دیا، اس کو اٹھا نہیں سکتا یہ محبت کا تقاضا ہے، یہ اطاعت وفرمانبرداری کا تقاضا ہے، جانثاری کا تقاضا ہے، کہ سردارِ دو جہاں آقائے نامدار حضرت رسول کریم ﷺ کی نظروں میں جو چیز ناپسند ہے، وہ اٹھانے کے لائق بھی نہیں ہے، اٹھانے کے قابل ہی نہیں، حضرت عمرؓ ایک ریشمی جبہ پہن کر حاضر خدمت ہوئے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ریشم کا لباس مرد کیلئے جائز نہیں۔

ریشمی جبہ آگ میں جلا دیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھ کر گئے ہیں جا کر وہ جبہ تنور جس میں آگ جل رہی تھی اٹھا کر اس میں ڈالدیا، پھر دوسرے روز خدمت میں حاضر ہوئے حضور اقدس ﷺ نے دریافت فرمایا جبے کو کیا کیا؟ عرض کیا کہ حضرت میں نے جلا دیا، آپ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کیوں؟ تمہارے لئے تو ناجائز تھا، لڑکیوں کے لئے کپڑا بنا دیتے، بچیوں کیلئے تو جائز تھا، مگر بھائی جس کے دل میں محبت کی آگ لگی ہوئی ہے، وہ دیکھتا ہے کہ میرے محبوب ﷺ کو جو چیز ناپسند ہے تو وہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ وہ چیز کسی کے بھی کام آسکتی ہے، اسکے نزدیک تو وہ جلانے ہی کے قابل ہے، تو بھائی جس طور و طریقے کو حضور اقدس ﷺ نے پھینک دیا، ناپسند فرمادیا اس کو حضور ﷺ کا نام لینے والا، امتی کہنے والا، حضور اقدس ﷺ کی محبت اختیار کرنے والا اختیار کرے، یہ طریقہ تو بہت ہی غلط طریقہ ہے۔

حب نبوی ﷺ کی دلیل

ہر چیز کے دعوے کیلئے، دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، مسلمان ہو کر دعویٰ کرتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات اقدس سے محبت ہے، تو اس کے دعوے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے، اور دلیل اس کی پوری زندگی ہے، پوری زندگی کو حضور اقدس ﷺ کے منشاء کے مطابق بنائے تو اس کا یہ دعویٰ قابل قبول ہوگا، اور اگر حضور اقدس ﷺ کی زندگی کے خلاف زندگی اختیار کر رہا ہے، تو وہ دعویٰ کب اور کیسے قابل قبول ہوسکتا ہے، روپیہ وہ حاصل کرسکتا ہے، ایسی جگہ سے جس کو حضور اقدس ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔

سود خور پر لعنت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ" رواہ مسلم۔ (مشکوۃ شریف: ٢٤٤، باب الربا)

سود لینے والے پر بھی لعنت فرمائی سود کی گواہی دینے والے پر بھی لعنت فرمائی، آدمی مسلمان ہو کر اگر وہ روپیہ حاصل کرتا ہے، سود کے ذریعہ سے مکانات بناتا ہے، شان و

شوکت کے ساتھ رہتا ہے، عیش وعشرت کی زندگی گزارتا ہے سود لیکر، سود پر حضور اقدس ﷺ نے لعنت فرمائی، تو مسلمان ہو کر لعنت کے پیسے کو لے گا۔

رشوت اور غصب

مسلمان دعویٰ کرتا ہے، آنحضرت ﷺ سے محبت کا، لیتا ہے رشوت، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: رشوت لینے اور دینے والا دونوں دوزخ میں جائیں گے، یہ کیسے اختیار کرتا ہے رشوت لینے کو دعوی تو کرتا ہے، حضور اقدس ﷺ سے محبت کا، لیکن کرتا ہے دوسرے کی زمین کو غصب حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جو شخص ایک بالشت بھر زمین کسی کی غصب کرلے گا تو ساتوں زمین کا طوق بنا کر محشر میں قیامت کے دن اسکے گلے میں ڈالا جائے گا، دعویٰ کرے کہ مجھ کو حضور اقدس ﷺ سے محبت ہے، میں حضور اکرم ﷺ کا امتی ہوں، اس کے دعویٰ ثبوت کیلئے ساری زندگی میں ہر چیز کو دیکھا جائے گا۔

دھوکہ دہی

ایک شخص دھوکا دیتا ہے، دھوکہ دیکر روپیہ حاصل کرتا ہے، سودا کھوٹا ہے لیکن اس کو کھرا بنا کر فروخت کرتا ہے، سیدھا آدمی دھوکہ میں آکر خرید لیتا ہے، حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ تشریف لے جارہے تھے، ایک کی دکان کے سامنے دیکھا غلے کا ڈھیر پڑا ہوا ہے، اس غلے کے اندر ہاتھ دے کر حضور اقدس ﷺ نے نکالا دیکھا کہ اندر بھیگا ہوا تھا، پوچھا یہ کیا اس نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ بارش میں بھیگ گیا، میں نے بھیگا بھیگا اندر کردیا، اور سوکھا سوکھا اوپر کردیا، تاکہ خریدار کو پتہ نہ چلے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا" (ترمذی شریف: ۱/۲۴۵، ابواب البیوع، باب ماجاء فی کراهیة الغش الخ)

....

جو ہم سے دھوکہ بازی کرے وہ ہمارے جماعت سے خارج ہے، تو مسلمان دعویٰ کرتا ہے حضور اقدس ﷺ سے محبت کا حضور اقدس ﷺ کے امتی ہونے کا لیکن طریقۂ زندگی اختیار کرتا ہے، وہ جس کو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہم میں سے نہیں ہے، تو کہاں جائے گا حضور اقدس ﷺ کی جماعت سے خارج ہو کر۔

غیر مسلم رعیت پر ظلم

اگر کسی جگہ پر مسلمانوں کی حکومت ہے وہاں کوئی غیر مسلم بھی رہتا ہے، رعیت بن کر رہتا ہے، قانونی حیثیت سے رعیت ہے کچھ کر نہیں سکتا، اگر کوئی مسلمان اس غیر مسلم پر زیادتی کرتا ہے، چاہے گھور کر اس کو غصے سے دیکھ لے، چاہے گالی دیدے، چاہے تھپڑ مار دے، چاہئے اس کی کوئی چیز غصب کر لے، غرض کہ اس پر زیادتی کرتا ہے، اس خیال سے اس گھمنڈ سے جبر کرتا ہے، کہ یہ تو رعیت کا آدمی ہے، کیا کرسکتا ہے، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اس کی طرف سے میں دعویدار بن کر آؤں گا۔

محبت کیلئے حضور اقدس ﷺ کا طریقۂ زندگی ضروری ہے

اس واسطے بھائی مسلمان کی زندگی کے سدھرنے کے لئے حضور اقدس ﷺ کی احادیث حضور اقدس ﷺ کا طریقہ زندگی ضروری ہے آج ہمارا مسلمان بھائی دیکھتا ہے یورپین اقوام کی طرف، کبھی جرمن کی طرف، کبھی جاپان کی طرف، کبھی امریکہ کی طرف، کبھی روس کی طرف دیکھتا ہے، اس نظر سے دیکھتا ہے وہ مکان کیسے بناتے ہیں، میں بھی ایسے ہی مکان بناؤنگا، وہ صورت شکل کیسی بناتے ہیں، میں بھی ایسی ہی بناؤنگا، وہ لباس کیسا پہنتے ہیں، میں بھی ویسا ہی لباس پہنوں گا، غرض اپنی اصل زندگی کو مطابق بنایا جارہا ہے کس کے؟ اللہ کے دشمنوں کی زندگی کے، اللہ کے رسول ﷺ کے دشمنوں کی زندگی کے، اور دعویٰ کرتا

ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، ارے محبت ہوتی تو اپنی زندگی کے لئے تلاش کرتا حضور اقدس ﷺ کی احادیث کو صحابہ کرامؓ کے حالات کو تلاش کرتا، ان کے مطابق بناتا اپنی زندگی مگر یہ دعویٰ محبت کرتا ہے، اور اختیار کرتا ہے کسی اور چیز کو:

نظر سوئے دنیا قدم سوئے مرقد
کدھر جا رہا ہوں کدھر دیکھتا ہوں

نظر تو ہے دنیا کی طرف اور پیر قبر کی طرف، زندگی چل رہی ہے، قبر کی طرف خدا جانے کب موت آ جائے اور نظر ہے دنیا کی طرف، ارے جدھر جا رہے ہو ادھر دیکھنا چاہئے نا، جا رہا ہے ادھر کو اور دیکھتا ہے اُدھر گرے گا ٹکر کھائے گا، زندگی کا رخ قبر کی طرف ہے، تو یہ دیکھنا چاہئے کہ قبر میں کیا چیز کار آمد ہے، کس چیز کی ضرورت قبر میں ہے، کیا چیز کار آمد ہے، قبر میں کیا سوال ہوگا کس چیز کا حساب دینا ہوگا، اس چیز کو دیکھنا چاہئے، مگر جاتا ہے قبر کی طرف دیکھتا ہے دنیا کی طرف، یہ کام بھی کرلو، مکان بھی بنالوں، دوکان لے لوں، دوسری دکان لے لوں، تیسری دکان لے لوں، غرض یہ منصوبے بنا رکھے ہیں، سب کی سب چیزیں اس کے دعوئ محبت کو جھٹلانے والی ہیں، تمہارا دعویٰ سچا نہیں ہے، تمہارا دعویٰ غلط ہے، اگر تمہارا دعویٰ سچا ہوتا، تو دوسرا رخ ہوتا زندگی کا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنہوں نے ملک فارس کو فتح کیا بڑے شہ سوار تھے، اس زمانے میں دو ہی سلطنتیں بڑی بڑی سمجھی جاتی تھیں، ایک فارس کی ایک روم کی، باقی جو سب سلطنتیں تھیں، وہ ان ہی دو کا سہارا لیتی تھی، ان کے اندر کوئی زیادہ طاقت وجان نہیں تھی جیسے آج بھی سلطنتیں دنیا میں مشہور ہیں، باقی سب ان ہی کا سہارا لیتی ہیں، کوئی اِدھر کا سہارا لیتی ہے، کوئی اُدھر کا وہاں بھی یہی تھا، اس وقت میں ملک فارس کو فتح کرنے

والے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، یہ تیسرے نمبر پر اسلام لانیوالے ہیں، ان سے پہلے دو آدمی مسلمان ہوئے تھے، پھر یہ اسلام لائے، اتنا تو قدیم اسلام ہے ان کا، مہاجر تھے کیسے مہاجر تھے، ابتداءً ہجرت کرنے والے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنتی ہونے کی بشارت دی تھی، جنتی ہیں۔

غذا کی سادگی

آپ سمجھتے ہوں گے، جب ملک فارس کو فتح کیا، بڑا شاندار ان کا مکان ہوگا، بڑا دربار لگتا ہوگا، بڑے پہرے دار کھڑے رہتے ہوں گے، بڑا مال و دولت ہوگا، بینکوں میں ان کا روپیہ بھرا ہوا ہوگا، خدا جانے کتنے جوڑے کپڑے ان کے پاس ہونگے، کیا کیا ہوگا ان کا، حال یہ تھا چلے آرہے ہیں کسی شخص نے اپنے مکان کی صفائی کرکے کباڑ باہر پھینکا اس کباڑ میں چمڑے کا ایک پرانا گلا ہوا ٹکڑا بھی تھا، انہوں نے آگے بڑھ کر اٹھالیا، اس چمڑ کے ٹکڑے کو اور صاف کیا اور کہا: کہ الحمدللہ تین روز کے لئے کھانے کا انتظام ہوگیا، اس چمڑے کے ٹکڑے کو اٹھا کر دھو کر صاف کرکے سکھا کر اسے جلا کر اس کی جو راکھ تھی اس راکھ کو تین روز تک کھایا ہے، غذا کے طور پر یہ ان کا حال تھا، اور انہوں نے فتح کیا فارس کو کس شان کے ساتھ فتح کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نصیحت

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو رخصت کیا ہے سپہ سالار بنا کر تو ان کو سوار کرایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور خود پیدل چلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ، سارے لشکر نے دیکھا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا مقام کیا ہے، کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے شخص پیدل چل رہے ہیں، ان کو سوار کرائے ہوئے، ان کی

رکاب تھامے ہوئے چل رہے ہیں، اور ان کو نصیحت کر رہے ہیں، فرمایا اے سعدؓ! اس گھمنڈ میں مت رہنا کہ تم حضور اقدس ﷺ کے ماموں کہلاتے ہو، اللہ کے یہاں رشتے ناطے کارآمد نہیں، اللہ کے یہاں تو دینی خدمات کارآمد ہیں، اپنے آپ کو نیکی کا عادی بنانا، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں دھوتے، برائی کو بھلائی سے دھوتے ہیں، قرآن پاک میں ہے:

"اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ" (سورۂ ھود: ۱۱۴)

[یقیناً نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔]

بھلائیاں دور کر دیتی ہیں برائیوں کو، ہر کام میں حضور اکرم ﷺ کے طریقہ کو اختیار کرنا، دشمن سے لڑائی کے لئے جا رہے ہو لیکن ابتداءً لڑائی نہ کرنا، بلکہ ابتداءً ان کو اسلام کی دعوت دینا، بڑی محنت وشفقت سے اسلام کے بنیادی اصول ان کو سمجھانا، اگر وہ قبول کر لیں، تو بہت اچھا، ان کی کسی بھی چیز کو ہاتھ نہ لگانا، اگر وہ قبول نہ کریں تو ان سے کہو کہ تم ذمی بن کر رہو گے، اسلام کا دین غالب رہے گا، اگر وہ قبول کر لیں تو ان کی سلطنت کو اور کسی بھی چیز کو نہ چھیڑنا اگر اس کو بھی نہ مانیں تو اللہ کے بھروسے پر جنگ کرنا، اور دین کو بلند کرنے کیلئے جنگ کرنا، اور اگر وہ اثنائے جنگ میں صلح کی طرف آمادہ ہوں تو صلح کیلئے تیار ہو جانا۔

"وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا"

[اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے۔(بیان القرآن)

اور بھی نصیحتیں کیں، اور رخصت کیا۔

شاہِ فارس کے نام خط

انہوں نے فارس کے بادشاہ کو خط لکھا، اس میں لکھا:

"اِنَّ مَعِیَ قَوْمًا یُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا تُحِبُّ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ"

[میرے ساتھ ایسی قوم ہے جو موت کو اس طرح محبوب رکھتی ہے جس طرح عجمی لوگ شراب کو محبوب رکھتے ہیں۔]

اس میں جو کچھ اظہار کیا ہے، دشمن کے سامنے یہ نہیں کہا کہ میرے پاس اتنی تلواریں ہیں، میرے پاس اتنی فوج ہے، میرے پاس اتنے گھوڑے ہیں، بلکہ یہ کہا کہ میرے پاس ایسی قوم ہے جو موت کی عاشق ہے، موت کو تلاش کرنے کیلئے نکلے ہیں، جیسے فارس کے لوگ شراب کے شیدائی ہیں، موت کو تلاش کرنے کے لئے نکلے ہیں، تو جو موت کو تلاش کرنے کے لئے نکلے ہوں، ان کا مقابلہ کرنا آسان نہیں، بہت مشکل ہے۔

مکان کی چھت سے فوج کی کمان

تو یہاں پر جنگ کی نوبت آئی طبیعت خراب تھی اس زمانہ میں ان کی کمر میں پھوڑے نکلے تھے بڑے بڑے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دنبل تھے، اس وجہ سے میدان جہاد میں نہیں جاسکتے تھے، مکان کی چھت پر بیٹھ کر وہیں فوج کی کمانڈ کرتے تھے، ایک ایک کو دیکھتے تھے، ہر ایک کو رائے دیتے تھے، تم آگے بڑھو، تم پیچھے ہٹو، تم یہ کرو، تم پیچھے ہٹو، ساری فوج کو سارے لشکر کو پہنچانتے تھے، ہر ایک کو ہدایت دیتے تھے، ہر ایک کے پاس آواز پہونچتی تھی، ایک روز زوردار لڑائی ہوئی، اور اس روز انہوں نے اتر کر مکان سے اپنے زخم دھلوائے، کمر کھول کر سب کے سامنے تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ میدان جنگ میں کیوں نہیں جاتے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا مستجاب الدعوات ہونا

اس وقت ایک شاعر نے کچھ شعر پڑھے جن کا حاصل یہ تھا کہ آج کا معرکہ بہت زوردار رہا، ہم میں سے بہت سوں کے بچے یتیم ہو گئے، بہت سوں کی عورتیں بیوہ ہو گئیں،

مگر ہمارے سپہ سالار عیش وعشرت کے ساتھ آرام فرما ہیں، یہ آواز ان کے کان میں پہنچی تو انہوں نے فوراً کہا:

"اللّٰھم اقطع لسانہ عنی"

یا اللہ اس کی زبان کو مجھ سے قطع کر دے، پس یہ کہنا تھا کہ دشمن کا ایک تیر آ کر اس شخص کے حلق میں لگا، اور وہ ختم ہو گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی تھی یا اللہ ان کو "مُسْتَجَابُ الدَّعْوَات" بنا دے، جو دعا کریں وہ قبول ہو، چنانچہ ان کی دعا قبول ہوتی تھی، اور ایسی قبول ہوتی تھی کہ دیکھنے والے حیرت میں رہ جاتے تھے۔

ایک مرتبہ مجلس میں چند لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اور وہ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے متعلق کچھ ناشائستہ کلمات کہہ رہے تھے، کہ انہوں نے آپس میں لڑائی کی، یہ ایسے ہیں ویسے ہیں، یہ بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سنی تو وہاں پہونچ گئے، فرمایا بھائی ان کو برا مت کہو، یہ لوگ اچھے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنتی فرمایا مگر کہنے والے نے پھر کہا پھر فرمایا ان کو برا نہ کہو ان کو جنتی ہونے کی بشارت ہے۔

اس نے پھر کہا فرمایا اچھی بات میں دعا کرتا ہوں، انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بددعا کی، یا اللہ! تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت دی ہے، اگر واقعی یہ بشارت صحیح ہے تو یہ لوگ تیرے محبوب ومقبول بندے ہیں، تو جو شخص ان کو برا کہہ رہا ہے اس پر ایسا عذاب مسلط فرما کہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو جائے ابھی تک یہ کہہ کر انہوں نے منہ پر ہاتھ بھی نہیں پھیرے تھے کہ سامنے سے اونٹوں کی قطار جاری تھی کہ اس میں سے ایک اونٹ بگڑا، وہ فوراً آ کر اِدھر اُدھر دیکھا اور یہ شخص جو برا کہہ رہا تھا اس کی کھوپڑی کو پکڑ کر منہ سے چبا کر ختم کر ڈالا اور پھر جا کر اپنی قطار میں شامل ہو گیا، تو ان کی دعا میں قبولیت کا یہ عالم تھا، کوفے کے گورنر تھے، ملک فارس کے فاتح تھے، لیکن زندگی کا کیا حال تھا، زندگی کا یہ حال تھا، کہ چمڑے کے ٹکڑوں کو صاف کر کے اور جلا کر اس کی راکھ تین روز فاقے میں گزارہ

کیا، میرے محترم دوستو اور بزرگوں! بزرگوں کے واقعات اہل اللہ کے حالات جو بیان کئے جاتے ہیں، اسی وجہ سے بیان کئے جاتے ہیں، کہ ہم لوگوں کو عبرت ہو، سننے والوں کو بھی عبرت ہو، بیان کرنے والوں بھی عبرت ہو، دونوں اپنی اپنی زندگیوں کو حضور اقدس ﷺ کے منشاء کے مطابق بنانے کی کوشش کریں، یہی راستہ نجات کا ہے، یہی راستہ سعادت مندی کا ہے، اسی کے ذریعے سے مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔

مجاہدین کی صفات

سجستان کا علاقہ وہاں کے بادشاہ نے مسلمان امیر المؤمنین کو محصول دینا بند کر دیا، وہ مسلمان نہیں تھا، بادشاہ نے محصول دینا بند کر دیا، یہاں سے گھوڑے سواروں کی جماعت گئی ہے، اس نے کہا جو لوگ پہلے آیا کرتے تھے، وہ کہاں گئے کیا ہوئے، انہوں نے پوچھا ان لوگوں کی کیا علامت تھی، جو ہم سے پہلے آتے تھے، تو اس نے بتایا کہ گال ان کے پچکے ہوئے، آنکھیں ان کی اندر کو، پتلے دبلے کمزور لوگ ہوتے تھے، جن کے چپل گھسے ہوئے، کمبل پھٹے ہوئے، ان کے گھوڑوں پر زین نہیں ہوتا تھا، ان کی تلوار پر نیام نہیں ہوتی تھی، کپڑا چیتھڑا لپیٹے ہوئے اس شان کے لوگ ہوتے تھے کہا وہ کیا کام کرتے تھے، کہا ان کا حال یہ تھا، کہ وہ رات بھر اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے، اس کے سامنے رویا کرتے تھے، سجدے میں پڑ کر دعائیں کرتے تھے، اور دن میں مخلوق خدا کی خدمت کیا کرتے تھے، کسی کے گھر پانی نہیں تو پانی پہونچا دیا کسی کے گھر لکڑی نہیں تو لکڑی پہونچا دی، اور ضروریات لوگوں کی پوری کیا کرتے تھے، اور ان کا یہ حال ہوتا تھا، کہ جیسے ہی وہ میری حکومت میں قدم رکھتے تھے میرا دل کانپنے لگتا تھا، میں ان کو محصول دیتا تھا، وہ کہاں ہیں انہوں نے بتایا کہ انکا تو دور گذر چکا یہ ہمارا دور ہے، کہا تمہارا دور ہے، بہت اچھا تمہارے پاس گھوڑے بھی عمدہ ہیں، گھوڑوں پر زین بھی ہے، لباس بھی تمہارا اعلیٰ درجے کا ہے، لیکن تمہارا کوئی

اثر میرے قلب پر نہیں، اب تو تلوار سے مقابلہ ہے، تم بھی لڑو میں بھی لڑوں تم میں طاقت ہو تو مجھ سے محصول لے لو، تو درحقیقت اثر باطن کا پڑتا ہے، باطن میں جب اللہ کا خوف ہوتا ہے، تو دوسرے پر اس کا اثر پڑتا ہے۔

رعب کی وجہ

حدیث شریف میں آتا ہے، کہ دو ڈر ایک دل میں جمع نہیں ہوتے ہیں مخلوق کا ڈر بھی ہو خالق کا ڈر بھی ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، جس کے دل میں خالق کا ڈر ہو گا مخلوق کا ڈر اسکے دل میں نہیں ہوگا، حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"نصرت باالرعب" (مشکوۃ شریف: ۵۱۲، باب فضائل سید المرسلین)

میری جو نصرت ہوئی وہ رعب کے ذریعے سے ہوئی آدمیوں کی زیادتی کی وجہ سے نہیں ہوئی، دل کے اندر اگر بات ہوتی ہے، تو اس کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے، آج ہم لوگ کتنی کتنی دیر تک تقریر کرلیں، بیان کرلیں، مگر نہ ہمارے قلب میں وہ چیز موجود ہے، نہ ہماری زندگی کے اندر موجود ہے، نہ ہمارے پاس وہ اخلاق ہوتے ہیں، نہ وہ اعمال ہیں، اس کا اثر نہ ہمارے اوپر ہوتا ہے، نہ دوسروں کے اوپر ہوتا ہے، جن کے اندر وہ چیز ہوتی ہے، ان کا یہ حال ہوتا ہے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ میرے استاذ میرے شیخ تھے، ایک صاحب آئے اور لوگ پہلے سے وہاں موجود تھے، ان کے ساتھ آ کر مصافحہ کرنے کیلئے ذرا جھک کر کھڑے ہو گئے، حضرت نے فرمایا آپ میرے سامنے جھکتے ہیں، اللہ کے سامنے جھکئے ایسے طریقے پر فرمایا کہ سارا مجمع کانپ اٹھا، اور آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے، ان

کے قلب کے اندر وہ بات تھی، مجمع پر اثر ہوا۔

فدیہ کی ضرورت

اس واسطے بھائی ہم سارے گنہگار خطا کار ہیں، اور دیکھو میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، یہ بھی حدیث میں موجود ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"كُلُّ بني آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوابُونَ الْمُسْتَغْفِرُوْن"

(مشکوۃ شریف: ۲۰۴، باب الاستغفار والتوبۃ)

آدم کی ساری اولاد خطا کار ہے، سب کے سب خطا کار ہو، خطائیں سب سے ہوتی ہیں، کوئی ایسا نہیں جس سے خطا نہ ہوتی ہو، اور سب سے اچھے خطا کار وہ ہیں، جو زیادہ توبہ کرنے والے ہیں اور استغفار کرنے والے ہیں، اپنی خطاؤں کا اقرار کر کے دل میں نادم ہو کر اللہ کے سامنے توبہ کرنے والے وہ لوگ زیادہ اللہ کو پسند ہیں۔

دعائے صدیق رضی اللہ عنہ

امت میں سب سے اونچا درجہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہے، ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تلقین فرمائی تھی، وہ دعا جو آپ سب حضرات انشاء اللہ پڑھتے بھی ہوں گے۔

"اَللّٰهُمَّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْماً كَثِيْراً وَّلايَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ...اِلٰى قَوْلِهٖ غَفُوْرٌ رَّحِيْم"

اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کئے گناہوں کے بس تو ہی بخش سکتا ہے، اور کوئی بخشش کرنے والا نہیں، میرے گناہ تو بخش دے، مجھے معاف کر دے، مجھ پر رحم کر دے، تو غفور رحیم ہے، یہ اس دعا کا حاصل ہے، ان کو بھی حکم تھا، کہ یہ دعا پڑھا کریں، ہر مسلمان کو حکم ہے کہ یہ دعا پڑھا کرے۔

....

دعا کا ادب

دعا کے الفاظ دھیان میں رکھنے چاہئیں، الفاظ پڑھنا اور چیز ہے اور معنیٰ کو دھیان میں رکھنا اور چیز ہے، اثر جو ہوتا ہے، معنیٰ کو دھیان میں رکھ کر ہوتا ہے، لہٰذا دل میں سوچتے ہوئے، اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے ہوئے، اللہ کے سامنے مجرم سمجھتے ہوئے، توبہ کی نیت سے مغفرت طلب کرنے کی نیت سے آدمی پڑھے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کا پڑھنا بہت زیادہ مفید ہوتا ہے، بہ نسبت اسکے کہ محض الفاظ پڑھے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ آدمی سارے خطا کار ہیں۔

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا تھا کہ دیکھو اللہ کے یہاں جو بخشش ہوگی، وہاں نامۂ اعمال جب دیکھا جائے گا، تو اپنا کیا تو کچھ ہے نہیں، زندگی میں جتنا کام کیا ہے۔

دین کے نام پر اپنا کام کیا تو کیا ہی کچھ نہیں ایک سجدہ بھی حق تعالیٰ کی شان کے مطابق نہیں کیا، کبھی کوئی کام اللہ کی شان کے لائق کیا نہیں اللہ کے یہاں تو بخشش ہوگی، وہ زیادہ تو اس طرح ہوگی کہ فلاں شخص نے اس کو گالی تھی وہ اس پر چپ ہوگیا تھا، اس نے جواب نہیں دیا تھا، فلانے شخص کا روپیہ مار لیا تھا، اس نے بدلہ نہیں لیا، دنیا میں تکلیفیں اور اذیتیں پہونچتی ہیں، اس نے ان تکلیفوں پر صبر کیا، انتقام نہیں لیا، زیادہ تر جو بخشش ہوگی اس طرح سے ہوگی۔

مخلوق پر رحم کھانا

کیونکہ حدیث میں ہے:

....

"اِرۡحَمُوۡا مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ يَرۡحَمُكُمۡ مَنۡ فِي السَّمَاءِ"

(مشکوۃ شریف: ۴۲۳، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)

تم زمین والوں پر رحم کروں آسمان والا تم پر رحم کریگا، حدیث میں ہے:

"مَنۡ لَّا يَرۡحَمۡ لَا يُرۡحَمۡ"

[جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔]

قرآن پاک میں ہے:

"اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَحِيۡمٌ"

[کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف کردیں، بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔] (بیان القرآن)

تم دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرو، کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کرے، تم دوسروں کی خطاؤں کو معاف کروگے، تو اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف کریگا، اور بھائی جو شخص دوسروں کی خطاؤں کو معاف کرنے کے لئے تیار نہ ہو، اپنا حق چھوڑنے کیلئے تیار نہ ہو تو کس منہ سے اللہ تعالیٰ سے کہے گا، یا اللہ میری خطاؤں کو معاف کردے، بندہ جو معاملہ مخلوق کے ساتھ کرتا ہے رحم کا۔ اللہ تعالیٰ ویسا ہی معاملہ بندے کے ساتھ کرتے ہیں، جو بندہ رحم کا معاملہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اسکے اوپر رحم نہیں کرتا، اس سے انتقام لیتے ہیں سزا دیتے ہیں، سب کو تلاش کرکے حضرت نبی کریم ﷺ کے پاکیزہ اصول کو اپنی زندگی میں جاری و نافذ کرنے کی ضرورت ہے، یہی فائدہ ہے پڑھنے کا، یہی فائدہ ہے وعظ کا، یہی فائدہ ہے کتابوں کے مطالعہ کرنے کا، اگر اسکے بجائے تفریح کے لئے کتابیں پڑھ لیں، لوگ اخبار بھی پڑھ لیتے ہیں، رسالے بھی پڑھتے ہیں، ناول بھی پڑھتے ہیں، دینی کتابیں بھی کسی نے پڑھ لیں، لیکن ان پر عمل نہیں کیا ان کے اوپر یقین نہیں کیا، تو ان کو بھی کوئی فائدہ نہیں بہت مختصر سا معمولی فائدہ ہے، پورا فائدہ جبھی ہوگا جب ان پر یقین ہو اعتقاد ہو، اس پر عمل کرے

اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق بنانے کی کوشش کرے، اسی سے فائدہ ہوگا۔

مدرسہ کا قیام

آپ کی بستی میں ماشاء اللہ یہ مدرسہ قائم ہوا، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو فروغ عطا فرمائے زیادہ سے زیادہ اس کا فیض جاری ہو، لوگوں کو توفیق ہو کہ وہ اپنے بچے زیادہ سے زیادہ یہاں داخل کریں، اور یوں سمجھتے ہوئے، داخل کرلیں کہ ہم نے اس بچے کو اللہ کے نام پر وقف کر دیا، یہ بچے پڑھیں گے، اور پڑھنے کے بعد جو علم دین حاصل کریں گے، فائدہ مند ہوگا۔

حافظ کا مقام

حدیث شریف میں آتا ہے، حافظ سے کہا جائے گا، قیامت کو تیرے خاندان کے دس آدمی جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم کے مستحق ہو چکے ہیں، اور ان کا نام جہنم میں لکھ دیا گیا ہے، ان کی سفارش کر کے جہنم سے نکال لے، کتنے بڑے فائدے کی بات ہے، ایسے موقعہ پر جہاں ایک بھی نیکی کسی کو دینے پر کوئی تیار نہیں وہاں دس آدمیوں کی بخشش کرنے والا ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حافظ کے ماں باپ کو میدان حشر میں ایسا تاج پہنایا جائیگا، جس کی روشنی سے چاند، سورج شرما جائیں گے۔ جن لوگوں کو خود توفیق نہ ہوئی ہو، موقعہ نہیں ملا ہو، قرآن پاک پڑھنے کا اور حفظ کرنے کا اور اللہ نے ان کو اولاد عطا فرمائی ہو وہ اپنی اولاد کو لگا دیں پڑھنے میں، اور دوستو اگر نہ خود پڑھنے کی توفیق ہوئی، اور نہ انکے اولاد ہے، یا اولاد بڑی ہو چکی ہے، اب وہ کہنا نہیں مانتی پڑھنے کیلئے تیار نہیں، تو انکے خاندان کی، دوستوں کی، پڑوسیوں کی جو اولاد ہے، ان کو لا کر داخل کریں، غرض یہ ہے کوئی شخص محروم نہ رہے، یہ چشمۂ فیض ہے جو اللہ تعالیٰ نے جاری فرمایا ہے، جتنا ہم اس کے فیض کو حاصل کریں گے،

اتنی ہی خوش قسمتی ہے اور نجات کا ذریعہ ہے، عزت کا ذریعہ ہے، بقاء کا ذریعہ ہے۔

حلال مال سے امداد

اور ہر شخص اس بات کا بھی خیال کرلے، جو امداد اور اعانت کرے وہ حلال اور پاک مال سے امداد کرے، پاک مال سے توفیق ہوتی ہے، اعمال صالحہ کی اور جو شخص حرام مال کھاتا ہے، اور اعمال صالحہ سے محروم رہتا ہے، معاصی میں مبتلا ہوتا ہے، اس واسطے انسان جیسا کھانا کھاتا ہے، اور خون اس کے بدن میں تیار ہوکر اس کے اعضاء میں پہونچتا ہے، ویسے ہی اس سے اعمال صادر ہوتے ہیں، پاکیزہ مال کھائے گا، تو پاکیزہ اعمال اس سے صادر ہوں گے، ناپاک مال کھائے گا تو ناپاک اعمال صادر ہوں گے، یہاں تک کہ اس کا دل بالکل مردہ ہوجائے گا، وہ سمجھ بھی نہ سکے گا، کہ حلال کیا چیز ہے، حرام کیا چیز ہے، اس سے تو یہ فکر ہوگی، کہ جس طرح سے بھی ہو میرے پاس مال آنا چاہئے، اس لئے بھائی مال حلال رہنا چاہئے، میرے پاس ایک صاحب نے منی آرڈر بھیجا اس میں لکھا کہ میرا روپیہ بینک میں جمع تھا وہاں سے مجھے سود ملا ہے، یہ میں بھیج رہا ہوں، آپ حدیث پڑھنے والے طلباء پر خرچ کریں، اسے میں نے واپس کردیا، میں نے کہا بڑے افسوس کی بات ہے، مجھے بڑی تکلیف ہوئی اس بات سے کہ جس مال کو آپ خود نہ کھاسکیں اپنے بیوی بچوں کو نہ دے سکیں ناپاک ہے، نجس گندہ ہے، کیا حدیث کی یہی قدر ہے آپ کے دل میں کہ حدیث پڑھنے والے طلباء کے واسطے ایسا مال بھیجتے ہیں، کیا آپ کے پاس اور پاکیزہ مال نہیں ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کے واسطے ایسا مال بھیج رہے ہیں آپ، واپس کردیا میں نے اس واسطے یہ نہ سمجھیں بھائی یہ تو مدرسہ ہے، اس میں ہر طرح کا سب کھپت ہوجاتا ہے لہٰذا لاکر سب دیدو ایسا خیال نہیں کرنا چاہئے بلکہ چھانٹ کر تلاش کرکے پاکیزہ مال دینا چاہئے، آپ ہی بتائے آپ کے یہاں کوئی معزز مہمان آجائے تو آپ اسے

عمدہ مال کھلائیں گے، یا گھٹیا مال کھلائیں گے؟ اس کی خاطر کریں گے، عمدہ مال کھلائیں گے نہ کہ گھٹیا مال تو جو مہمان حضور اقدس ﷺ کے مہمان ہیں حضور اقدس ﷺ کا علم حاصل کرنے وہ آتے ہیں کیا انکو گھٹیا، ناپاک، گرا، پڑا نجس اور سود کا مال کھلائیں گے، "استغفر اللہ" ہر گز نہیں ان کو پاکیزہ مال کھلانے کی ضرورت ہے، لہذا اس کی بھی کوشش کی جائے، اور بھائی دعا تو ہر شخص کے اختیار میں ہے۔

دعا کی ضرورت

اگر کوئی شخص نہ اپنی اولاد کو بھیج سکتا ہے مدرسہ میں نہ دوسروں کی اولاد کو مشورہ دیکر بھجوا سکتا ہے، نہ مالی خدمت کر سکتا ہے، نہ کسی اور طرح کی خیر کا مشورہ دے سکتا ہے، ایسا ضعیف بوڑھا پرانا آدمی ہے جو کچھ نہیں کر سکتا ہے، صاحب فراش ہے، پڑا ہوا ہے، دعائے خیر تو کر سکتا ہے، اس سے گیا گزرا ہے ہی نہیں وہ اللہ سے دعا کر سکتا ہے، لہذا یہ دین کا کام تو ایسا ہے، کہ جس کی مدد کرنے سے، جس کی خدمت کرنے سے کوئی شخص بھی عاجز نہیں، اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہر شخص خدمت کر سکتا ہے، لہذا کسی شخص کو محروم نہیں رہنا چاہئے۔

مدرسہ کی شان

یاد رکھو جو طلباء یہاں پڑھ کر تیار ہوں گے، یہ بہت بڑی فوج ہوگی دین اسلام کی اشاعت کیلئے، بدعات کو رد کرنے کیلئے، رسموں کے رد کرنے کیلئے غلط طور طریقے جو پھیلے ہوئے ہیں، ان کو ختم کرنے کیلئے، دشمنان اسلام سے مقابلہ کرنے کیلئے، دشمنان اسلام جو اعتراضات کرتے ہیں دین پر، ان اعتراضات کا جواب دینے کیلئے فوج تیار ہوگی، لہذا بہت زبردست قلعہ کی شان رکھتا ہے مدرسہ، اور اس سے تیار ہونے والے یہ فوجی ہیں، جن کی ٹریننگ ہو رہی ہے، اور انشاء اللہ بہت جلد تیار ہونگے، دین کی خدمت کے لئے آمادہ ہوں گے، اللہ تعالیٰ

ان کے ہاتھ میں جھنڈا اسلام کی بلندی کا، عطا فرمائے گا، اور دنیا میں اسلام زیادہ سے زیادہ دور تک پہنچائیں، آپ ہی بتائیے آپ کے کشمیر میں کتنے اللہ کے بندے ہیں، جو باہر سے آئے ہیں، ہمدان سے، ایران سے، توران سے، اور جانے کہاں کہاں سے آئے اور آکر کتنی خدمات کی ہیں انہوں نے بہت خدمت کی ہے، اور خود کشمیر میں کتنے پیدا ہوئے، اور کتنے بڑے عالم ہوئے، کہاں گئے، کہاں کہاں خدمات کی تو نہیں معلوم اللہ تبارک وتعالیٰ ان میں سے کس کس سے خدمات لیں کس کس کو کیا مقام عطا فرمائیں، لہذا اس کے ساتھ میں خیر خواہی کرنا سب کے لئے لازم ہے۔

دعا کا ادب

حدیث شریف میں آتا ہے، جس دعا کے شروع میں جس دعا کے آخیر میں درود شریف نہ ہو تو وہ دعا اوپر نہیں چڑھتی، درمیان میں اٹکی رہتی ہے، اسلئے دعا کے آداب میں سے ہے پہلے بھی درود شریف پڑھیں اور بعد میں بھی درود شریف پڑھیں، اور دعا میں جو آمین کہی جاتی ہے، وہ زور سے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ آہستہ آہستہ بھی کہتے رہیں، اور خود دعا بھی کریں، اور میں بھی دعا کروں، اور جن صاحب کو خود دعا نہ کرنا ہو وہ میری دعا پر آمین آہستہ کہتے رہیں۔

مشائخ کی سختی

اور

طلبہ کی بیعت کا مسئلہ

اس بیان میں دو اشکالوں کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۱)......مشائخ اتنی سختی کیوں کرتے ہیں کہ طالبین سے بڑے بڑے مجاہدات کراتے ہیں؟

(۲)......پہلے مشائخ طلباء کو بیعت نہیں کرتے تھے اور اس زمانہ میں کر لیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

مشائخ کی سختی

اور

طلبہ کی بیعت کا مسئلہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اشکال مع جواب

بعض عزیز طلبہ کی طبیعتوں میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے، طالب علمانہ حیثیت سے اس اشکال کو حل کرنا چاہتا ہوں، اشکال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ بعضے مشائخ بہت سختی کرتے ہیں، جیسے کہ حضرت نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ابوسعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوپر سختی کی تھی، یہ بظاہر اخلاق کے خلاف ہے، تصوف اور سلوک تو نام ہی تصحیح اخلاق کا ہے، اور اس کے اندر اس قسم کا تشدد کرنا ایسی سختیاں کرنا یہ تو اخلاق کے خلاف ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو رؤف تھے، رحیم تھے، شفیق تھے، بڑی شفقتیں ہیں آپ کی اس میں ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے، کسی چیز سے نقل کرنے کی ضرورت تو ہے نہیں، صرف غور کرنا ہی انشاء اللہ کافی ہوگا۔

دل کا آپریشن

ایک شخص کے دل میں سوراخ پیدا ہوگیا، دل کا دورہ پڑتا ہے، ڈاکٹر اس کو بیہوش کرتا ہے، سینہ اس کا چاک کرتا ہے، پسلیاں اٹھاتا ہے، دل کے اندر آپریشن کرتا ہے، اسکو کوئی

نہیں کہتا کہ سختی کر رہا ہے، دل کو چیر رہا ہے، سینہ کو چیر رہا ہے، پھیپھڑے کا آپریشن کرتا ہے، پھیپھڑے کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے، پسلیاں نکال کر پھینک دیتا ہے، اس کو کوئی نہیں کہتا، کیا بات ہے؟ دماغ کا دورہ پڑتا ہے تو دماغ کا آپریشن کرتا ہے، ہوش کو ختم کر دیتا ہے، بیہوش کر دیتا ہے، بعض دفعہ کئی کئی روز تک بلکہ افریقہ میں تو کئی کئی مہینہ تک دیکھا ہے بیہوش پڑے ہوئے، ایک صاحب نے آکر بتلایا تھا کہ میری والدہ کا آنکھ کا آپریشن کرنے کیلئے ڈاکٹر نے بیہوش کیا تین مہینے ہو گئے ہوش ہی نہیں آتا وہاں کبھی یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ ڈاکٹر بہت تشدد کرتا ہے، سختی کرتا ہے، اس لئے کہ ڈاکٹر پر اعتماد ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے، ہماری خیرخواہی کیلئے کرتے ہیں تو ذرہ برابر یہ خیال نہ پیدا ہوا کہ وہ بہت سختیاں کرتے ہیں۔

فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کا آپریشن

مجھے خود کلکتہ میں ڈاکٹر نے لٹایا آنکھ کے آپریشن کے سلسلہ میں تو ایک چلہ کے قریب لیٹا رہا، آپریشن کیا پونے دو گھنٹے خرچ ہوئے آپریشن میں، آنکھ کا آپریشن کر کے بجلی کے سامنے کیا، اسکی گرمی پہونچانے کے لئے تو بڑی سخت تکلیف ہوئی اور بار بار معافی بھی مانگتا جا رہا ہے، کہ معاف کرنا ہم آپ کو تکلیف دے رہے ہیں۔

بس میری زبان سے کیا نکلتا تھا، اوں، اوں، اوں کراہنے تک کی طاقت نہیں رہی یہ کیفیت رہی مگر اتنی سی دیر کیلئے (انگلی کے سرے سے اشارہ فرمایا) بھی یہ خیال نہیں پیدا ہوا کہ ڈاکٹر نے میرے ساتھ بدخواہی کی ہے، حالانکہ وہ مسلمان نہیں تھا، غیر مسلم تھا، جتنا اعتماد ڈاکٹر پر ہوتا ہے، اتنا اعتماد بھی مشائخ پر نہیں درانحالیکہ ڈاکٹر تو صرف جسمانی صحت کا علاج کر کے اصلاح کرتا ہے، اور مشائخ تو قلب کی اصلاح کرتے ہیں، یہ اپنی کمزوری اعتقاد کی بات ہے۔

دھوبی کا کپڑے دھونا

دھوبی ہے کپڑے کو دھوتا ہے، اسے اٹھا کر پتھر پر دیکر مارتا ہے، کیا کپڑے پر

ظلم کر رہا ہے، لاٹھی لیکر اس کے ذریعہ سے کپڑے کو پیٹتا ہے، کپڑے پر رہیہ پھیلاتا ہے ،اس کو بھٹی میں رکھتا ہے، آگ کے اندر پکاتا ہے اس کو کاہے کیلئے؟ اس کے ایک ایک دھاگے سے میل کچیل نکل جائے یہ اس قابل ہوسکے کہ شہزادہ کے بدن پر چست آسکے شہزادہ پہن سکے اس کو شہزادہ کے استعمال کے قابل بنادیا ہے، اسی طریقے پر یہ مشائخ جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اور اب تو مجاہدہ کا دور ہی ختم ہوگیا رہا ہی نہیں جو مجاہدہ وہ حضرات کراتے تھے، وہ قابل اور صالح بنانے کے لئے کراتے تھے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا انداز تربیت

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کوئی عورت اپنا بچہ لے کر آئی تربیت کے واسطے خانقاہ میں چھوڑ کر چلی گئی، کچھ عرصہ کے بعد دیکھنے کیلئے آئی بچہ کو تو دیکھا کہ سوکھ کر کانٹا ہوگیا، ہڈی سے چمڑا لگ گیا ہے، اس کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے گال پچک گئے، ہونٹوں پر خشکی ہے، سوکھی روٹی کا ٹکڑا لے کر بیچارہ چبا رہا ہے، دیکھ کر بہت ترس آیا اس کو یہاں تک تو ترس آیا، آگے گئی حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دیکھا تو وہ مرغ کا پلاؤ کھا رہے ہیں، اب اس بڑھیا کو غصہ آتا ہے، کہ میرے بچے کا تو سکھا سکھا کر یہ حال کر دیا اور خود مرغ کا پلاؤ کھا رہے ہیں، تو انہوں نے فرمایا کہ مرغ کا پلاؤ کھانے کے قابل بنا رہا ہوں، اس کو، بڑھیا نے کہا جی آپ قابل ہیں وہ قابل نہیں! فرمایا ہاں آواز دی، او مرغ! وہ جو پلیٹ میں ہڈی تھی، سب اکھٹی ہو کر تیار ہو کر مرغا بن کر گردن اٹھائی اور کیا ککڑوں کوں! آواز دی مرغ نے۔

فرمایا: تیرا بچہ جب اس قابل ہو جائے گا، کہ اس طرح پکا ہوا، مرغ اس کی آواز پر اٹھ جائے، اس وقت وہ کھانے کے قابل ہوگا۔

ایک مشاہدہ کرا دیا انہوں نے لیکن ہر جگہ تو مشاہدہ نہیں کرایا جاتا ہے، اور خاص طور پر امتحان لیا جاتا ہے، تو ایسے طریقے پر۔

....

یا بھیک! یا بھیک! کا وظیفہ

ایک بزرگ تھے ان کا نام تھا شاہ بھیک انکا تذکرہ بھی آچکا شاہ ابوالمعالی صاحب کے خادم خاص، وہ جمنا پار جانا چاہتے تھے، کنارے پر دیکھا ایک طالب علم ہے عربی داں، پوچھا کیا بات ہے؟ کہا پار جانا چاہتا ہوں، جمنا میں پانی زیادہ ہے، کہا اچھا پیچھے آجایا بھیک بھیک کہتا رہ، چنانچہ وہ داخل ہو گئے، خود تو کہہ رہے ہیں یا اللہ یا اللہ اور یہ کہہ رہا ہے، یا بھیک! بھیک آگے چل کر اس کو خیال آیا خود تو اللہ اللہ کر رہے ہیں، مجھ کو یا بھیک! میں لگا دیا، خود بھی کہا یا اللہ یا اللہ پیر زمین سے اٹھ گئے لگا غوطہ کھانے ڈوبنے انہوں نے کہا کہو یا بھیک اس نے کہا یا بھیک یا بھیک یا بھیک اس پر انہوں نے فرمایا کہ تو نے بھیک کو تو پہچانا نہیں، اللہ کو کیا پہچانے گا۔

اس طریقہ پر اہل علم کا امتحان بہت لیتے ہیں، اور ہر ایک کا امتحان اسکی لائن کے مطابق ہوتا ہے، مقصود کیا ہے؟ زعم اور پندار کا ختم کرنا اپنے جی کے اندر جو بڑائی ہے، اس بڑائی کو نکالنا ہے، یہ بڑائی نکل جائے تو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں ہے۔

رذیلۂ حب جاہ

اسی وجہ سے شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اپنے پہلے پیر اور دوسرے پیر میں کیا فرق پایا؟ انکے پہلے پیر تھے ان کا نام بھی میاں عبدالرحیم تھا، سہارنپور کے رہنے والے تھے، انکی خدمت میں رہے انکی طرف سے مجاز بھی ہو گئے، وہ بڑے صاحب قوت صاحب تصرف تھے، انکے انتقال کے بعد مولانا گنگوہیؒ کی طرف رجوع کیا تھا، تو کیا فرق پایا؟ انہوں نے ایک لفظ بتایا کہ دوسرے پیر کے یہاں حب جاہ کا سر قلم پایا، حب جاہ نہیں ہے یہ خاص بات دیکھی، اور حب جاہ یہی تو بنیاد ہے، سب باطنی امراض کی اسی لئے اکابر نے لکھا ہے، کہ جو رذیلہ سب سے اخیر میں نکلتا ہے، وہ حب جاہ ہے، وہ ختم ہے تو سب کام ٹھیک ہے۔

دھوبی پر اعتراض

اسلئے جس طرح سے دھوبی پر اعتراض کرنا غلط ہے وہ ایک ایک دھاگے سے میل نکال دیگا، اور نکال کر کے اس پر استری کرے گا، (پریس کریگا) گرم گرم لوہا اس پر پھیرے گا، اس کے اوپر برق ڈالے گا، جس کے ذریعہ چمک پیدا ہو جائے، تب وہ شہزادے کے استعمال کرنے کے قابل بنے گا، تو اپنے قلب کی اصلاح کرنے کے بعد حق تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے قابل بنانا ہے، اسی طریقے پر جہاں اعتماد ہو وہاں سب کچھ ہوتا ہے، آج کل تو حکیموں نے بھی ڈاکٹروں کا سا طریقہ اختیار کر لیا ہے۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن میں مسہل پینا

مجھے یاد ہے مجھے بچپن میں مسہل دیا جاتا تھا، اتنا بڑا پیالہ بھرا ہوا ہوتا تھا، کاہے سے؟ املتاس، اس کے اندر بدبو ناقابل برداشت ہوتی تھی، مجھے پاس نہیں آنے دیتے تھے، پیالہ تیار کرنے کے بعد دیتے تھے میں اسکو پیتا تھا ناک پکڑ کر آنکھ بند کر کے آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی تھی کہ اس سارے پیالہ کو پیو، پیتا تھا، اور اس کے بعد دیر تک ناک سے سانس نہیں لیتا تھا، اس کی بدبو کی وجہ سے، جبھی پان کھاتا اور اس میں چونکہ کاسٹر آئل بھی ملا ہوتا تھا، اس کی چکناہٹ ہوتی، اس کو پان کے ذریعہ ختم کیا جاتا تھا اور پھر تاکید ہوتی تھی، کہ تصور باندھو کہ بیت الخلا جارہا ہوں، ضرورت پیش آرہی ہے، اس تصور کو باندھنا پڑتا تھا، چونکہ اعتماد تھا کہ جو کچھ کیا جارہا ہے، میری خیر خواہی کے لئے کیا جارہا ہے، اس لئے کوئی برا خیال بھی جی میں نہیں آیا کہ خود تو پیتے نہیں ہمیں پلا رہے ہیں۔

اسلئے ہر لائن کی ریاضت ہر لائن کا مجاہدہ الگ الگ ہوتا ہے، سلوک میں جو کچھ مجاہدہ کرایا جاتا ہے، وہ اسی لئے کرایا جاتا ہے، کہ دل کے اندر سے یہ "میں" نکال دی جائے

”میں“، معنی بڑائی، تکبر یہ نکل جائے اور میں کو تو حضور اقدس ﷺ نے بھی ناپسند فرمایا۔

انا انا

کسی صاحب نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا حضور اقدس ﷺ نے پوچھا کون؟ انہوں نے کہا میں انا، آپ نے ناپسند فرمایا، کہا: نام بتاؤ انا انا کیا چیز ہے۔ اسلئے جب تک اعتماد نہ ہو اسوقت تک کوئی مجاہدہ کافی نہیں، یہ بھی یاد رکھئے جس شیخ نے جو طریقہ بتایا ہے مجاہدہ اور ریاضت کا اس کے اوپر اعتماد کرتے ہوئے یہ سمجھنا چاہئے میری اصلاح اسی میں ہے۔

ایک اشکال یہ تھا، دوسرا اشکال یہ ہے کہ پہلے مشائخ طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، اب بیعت کرنے لگے بلکہ مجاز بھی بنا دیں، طالب علمی کے زمانہ میں یہ کیا بات ہے۔

حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ طالب علمی

پہلے سنئے! طالب علم کس یکسوئی کے ساتھ طالب علمی کیا کرتے تھے طالب علمی خود مستقل مجاہدہ تھا، بڑی ریاضت ہوتی تھی اسکے اندر حضرت مولٰنا عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے، کہ جب میں دہلی گیا پڑھنے کیلئے تو ایک مسجد میں گیا، ڈھونڈتا بھالتا، وہاں ایک طالب علم تھا، اس نے کہا کہ آپ کو کس نے بھیجا ہے یہاں؟ میں نے کہا کہ کسی نے نہیں میں تو خود ڈھونڈتا ڈھانڈتا آ گیا، کہا اچھا بس دیکھو دہلی میں اتنی مسجدیں ہیں، ان کی گنتی بتلائی، کوئی مسجد خالی نہیں ہر مسجد میں طالب علم ہے صرف یہ مسجد خالی ہے، تم کہیں مت جانا یہیں ٹھہر جانا، خیر خواہی کی بات بتائی، وہاں کے جو متولی تھے، وہ نابینا تھے انہوں نے کہا تھا، کہ جو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو نماز کے لئے مسجد میں لائے گا، میں اسکو دو روٹیاں دیا کروں گا، میں نے کہا اچھی بات ہے، میں کروں گا۔

چنانچہ ان کا ہاتھ پکڑ کر لاتا تھا مسجد میں اور وہ روٹی مجھے ملا کرتی تھی، ایک اور

طالب علم آ گیا اس نے کہا سنا ہے، کوئی مسجد خالی نہیں، اس زمانہ میں دار الاقامے کے دار الطلبہ اور مطبخ یہ تو تھے نہیں کوئی کسی مسجد میں بیچارہ رہتا ہے وہاں سے اس کے کھانے کا انتظام ہے کوئی کہیں ہے کوئی کہیں ہے، کوئی مسجد خالی نہیں ہے، میں نے کہا مجھے دو روٹی ملا کرتی ہیں، ایک روٹی میں کھالیا کرونگا، ایک تم کھالیا کرنا، یہ ایثار ابتدا سے تھا، اس کے بعد ایک اور آ گیا روٹی رہی دو ہی آدمی ہو گئے تین، پھر ایک اور آ گیا، ہم نے متولی صاحب سے کہا کہ بجائے روٹی کے آپ ہمیں آٹا دیدیا کریں، چنانچہ دو روٹی کے بقدر وہ آٹا دیتے تھے، اس آٹے کو پانی میں گھول کر نمک ڈال کر ہم پیتے تھے، طالب علمی کی یہ شان تھی۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ طالب علمی

ایک اور عالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ سنا کہ شام کو مغرب کے بعد جب سبزی منڈی سے دوکاندار اپنی دکانیں اٹھا کر چل دیتے تھے، تو جو پتے وہاں پڑے رہ جاتے شلجم کے مولی کے گاجر کے وہ پتے اٹھالاتے لاکر ان کو دھو کر پاک کر کے اور پانی میں ابال کر بڑے بڑے گولے بنا کر رکھ لیتے ان کو ایک صبح ایک شام کھالیا کرتے نمک ڈال کر کے اس طریقہ پر زندگی گذارتے تھے، طالب علمی ایسی یکسوئی کے ساتھ ہوتی تھی، کہ دوسری طرف کا دھیان نہیں آتا تھا۔

خطوں کو گھڑے میں ڈالنا

خود مولانا عبد القادر صاحبؒ فرماتے تھے، کہ میرے متعلق مشہور تھا کہ یہ خط نہیں لکھتا ہے گھر کو خط لکھوں تو کہاں سے خاک سے پیسہ تو پاس ہے نہیں، ایک پرانا گھڑا تھا مٹی کا پاس میں، جو خط آتا بغیر پڑھے اس میں رکھ دیتا پڑھنے کی نوبت نہیں آتی تھی، جب تعلیم سے فارغ ہوا تو اس وقت گھڑے کو الٹ کر پڑھنے کی نوبت آئی کسی نے لکھا کہ فلانے کے گھر

میں بچہ پیدا ہوا ہے تو کہا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" فلانے کا انتقال ہوگیا ہے، تو کہا: "اِنَّا لِلّٰہ" سب کو کسی پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" اور کسی پر "اِنَّا لِلّٰہ" پڑھ کر ختم کر دیا۔

شہزادے کی سواری

دہلی میں شہزادے کی سورای نکلی اس زمانہ میں بجلی تو تھی نہیں، لالٹینوں کا گیس کا انتظام کرتے تھے، چنانچہ رات کا وقت تھا راستہ پر انتظام کیا گیا ایک طالب علم نے دیکھا کہ او ہو اچھا ہے روشنی کا انتظام ہے اسکے پاس چراغ کے تیل کیلئے پیسے نہیں تھے، وہ بھی آ کر ایک کھمبے سے لگ کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگا، مطالعہ کرتا رہا یہاں تک کہ شہزادے کی سواری نکل گئی اور سارا جلوس گزر گیا، اور وہ اسی طرح مطالعہ میں مشغول رہا، جب کھولنے لگے گیس کو تو کہا کیا بات ہے، کیوں کھول رہے ہو؟ کہا شہزادے کی سواری نکلنی تھی نکل گئی، کہا کہاں گزری؟ کہا یہیں کو تو گزری! اس کو خبر نہیں ہوئی کہ شہزادے کی سواری گزری جب کہ وہیں کھڑا ہوا وہ کتابوں کا مطالعہ کر رہا ہے، اس طالب علم نے مڑ کر دیکھا کہ شہزادہ اس سے کہا اس طالب نے کہ پھرے ہے اتراتا ہوا ہاتھی پر بیٹھ کر، کوئی مسئلہ پوچھ لوں تو بتایا بھی نہ جائے کا ہے کا مسئلہ کافیہ کا یعنی اسکی ساری شان وشوکت کی اتنی قدر نہیں تھی اس کی نظر میں جتنی نحو کے ایک مسئلہ کی تھی، اسی یکسوئی کے ساتھ طلبہ کرام محنت کرتے تھے، پڑھتے تھے، کھانے کو کبھی ملا کبھی نہیں ملا۔

دو جہاں کے بادشاہ کے پاس تجھے پڑھتے دیکھا

حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما دہلی میں پڑھتے تھے، مدرسہ جاتے ہوئے راستہ میں ایک مجذوب رہتے تھے، حضرت گنگوہیؒ تو بہت بچتے تھے ان سے اس راستہ پر نہیں چلتے تھے، حضرت نانوتویؒ کبھی کبھی ان کے پاس جاتے بھی تھے مجذوب کے پاس، ان مجذوب کا طریقہ کلام یہ تھا کہ جب کوئی بات اپنے پیر کی نقل کرتے تو کہا

کرتے تھے، کہ میرے بادشاہ نے یوں کہا اور جب کوئی بات حدیث رسول ﷺ کی نقل کرتے تو کہا کرتے تھے، کہ دو جہاں کے بادشاہ نے یوں کہا یہ طریقہ گفتگو تھا حضرت نانوتویؒ نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے! انہوں نے کہا کہ قاسم! تو مجھ سے دعا کیلئے کہتا ہے؟ میں نے دو جہاں کے بادشاہ کے پاس تجھے پڑھتے دیکھا ہے، وہ روحانی فیض تھا، روح قاسمی روح محمدی ﷺ سے براہ راست اکتساب کرتی تھی، وہاں سے وہ فیض ان تک منتقل ہوتا تھا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بیان کیا اور پھر فرمایا کہ ان کے چھوٹے چھوٹے اُردو رسائل میں وہ عالی مضامین ہیں کہ تلاش کر کے دیکھو سید شریف، قاضی بیضاوی، قاضی عضد الدین، اور امام رازی کے کلام میں موجود نہیں ہے۔

براہ راست نبوت سے علوم منتقل ہوتے تھے سینہ میں، حضرت تھانویؒ نے ایک دفعہ فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ رازی اور غزالی پیدا ہونے بند ہو گئے میں کہتا ہوں غلط ہے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کسی طرح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ سے کم نہیں تھے، حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے کم نہیں تھے۔

فقیہ النفس

حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے ہندوستان اور بیرون ہند کا سفر کیا جگہ جگہ کے علماء سے ملاقاتیں کیں لیکن مولانا گنگوہی جیسا فقیہ النفس شخص ہم نے نہیں دیکھا۔

تو ان حضرات کا طالب علمی کا زمانہ اتنی یکسوئی کے ساتھ گزرتا تھا، کہ اِدھر اُدھر کی

چیزیں نہیں آتی تھیں، وہ خطرات رات و دن کے جھگڑوں سے بالکل بے نیاز تھے جو فائدہ کسی صوفی کو کسی حجرہ میں بیٹھ کر گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر حاصل ہوتا ہے، وہ ان کو طالب علمی کے زمانہ میں حاصل ہوتا تھا۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کا ارشاد

خود میرے زمانہ میں جس سال میں نے پڑھا جس روز بخاری شریف شروع ہوتی تھی، بکثرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے تھے، آج کل کا حال تو ہم کو معلوم نہیں، ایسی حالت میں طالب علم کو بیعت کرنا جو اتنی یکسوئی کے ساتھ تحصیل علم دین میں منہمک ہے اسکی توجہ کو اُدھر سے ہٹاتا ہے جو مضر ہے، میرے والد صاحب مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تم سے کہاں پڑھا جاتا ہے۔

سہارنپور سے گنگوہ جاتے ہو سواری تلاش کرتے ہو مجھے تو طالب علمی کے زمانہ میں کبھی سواری میسر نہیں آئی گنگوہ سہارنپور، دیوبند ہمیشہ پیدل ہی آنا جانا ہوا، ایک دفعہ گنگوہ سے دہلی بھی پیدل گئے تھے، وہ ایسے مجاہدات کرتے تھے، محنتیں کرتے تھے۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک طالب علم کی درخواست بیعت

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے آکر بیعت کی درخواست کی، فرمایا تعلیم پوری ہوگئی؟ کہا جی! پوری ہوگئی، مگر ایک کتاب رہ گئی سراجیہ سراجی رہ گئی، فرمایا اسکو پورا کرلو پہلے، عرض کیا حضرت کی عمر زیادہ ہوگئی ہے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں میں محروم نہ رہ جاؤں، فرمایا اگر ایسا ہو تو میرے لڑکے رکن الدین سے بیعت ہو جانا، تو علم کو ایسی یکسوئی کے ساتھ حاصل کرتے تھے، اور اسکے بعد بیعت ہوتے تھے، تو جو فیض علم کا تھا اسکے ساتھ مخلوط ہو جاتا یہ فیض جو اب شیخ کی طرف سے اسکو حاصل ہو رہا ہے، دونوں جمع ہو کر عطر مجموعہ بن جاتا تھا۔

سہارنپور میں ایک طالب علم

خود سہارنپور میں ایک صاحب تھے .بہت ضعیف میری طالب علمی کے زمانہ میں موجود تھے وہ پڑھ کر فارغ ہوئے شعبان میں گئے تھانہ بھون رمضان میں وہیں رہے شوال میں وہاں سے گھر گئے، تو اجازت وخلافت لے کر گئے لوگ انہیں دیکھ کر حیرت کرتے تھے، کہ ہمیں اتنے روز ہو گئے ضربیں لگاتے ہوئے یہ کیا بات ہے، ان کو اتنی جلدی اجازت مل گئی، اور یہ معلوم نہیں کہ طالب علمی کے زمانہ میں کتنا مجاہدہ کیا، کیا وہ بے کار گیا، ایسا نہیں ہے۔

طلباء کی حالت

اور بھئی اب تو جو طالب علم ہیں، اللہ معاف فرماوے ہم تو یا سلام یا سلام پڑھتے رہتے ہیں، طالب علم کے لئے کہ خدا کرے یہ سال تو بے چارے کا گزر جائے عافیت سے۔
پچاس کام ان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں، اخبار یہ دیکھتے ہیں، بغیر اخبار کے کھانا ہضم نہیں ہوتا ناول یہ پڑھتے ہیں، رسالے یہ دیکھتے ہیں، مضامین یہ لکھتے ہیں ایک دوسرے کا مقابلہ یہ کرتے ہیں، مشاعروں میں یہ جاتے ہیں، اور خدا جانے کیا کیا؟ اِلٰی آخِرِہٖ۔
اس واسطے تعلیم کے ختم ہونے سے پہلے پہلے دماغ کی صلاحیت کا بڑا حصہ ختم ہو جاتا ہے، غلط چیزوں میں لگ جاتا ہے۔

زمانہ طالب علمی میں شیخ سے تعلق

اسلئے چاہتے ہیں، کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں ان کا تعلق کسی شیخ سے قائم ہو جائے، اسکی نسبت ان کو گھیر لے غلط راستہ پر نہ چلیں ورنہ درمیان میں ہی تعلیم چھوڑ کر طب میں لگ گئے شروع کر دی یونیورسٹی کے امتحانات میں لگ گئے مولوی، عالم، فاضل، ادیب کامل،

ان میں لگ گئے غرض جو مقصود ہے تعلیم کا وہ مقصود بہت پیچھے رہ جاتا ہے، دوسری قسم کی چیزیں اِدھر اُدھر کی لگ لگا کر تعلیم کی صلاحیت کا ناس کر دیتی ہیں، میں نے خود ایسے طلبہ کو دیکھا کہ بیچارے جماعت کے پابند صف اول کے پابند تکبیر اولیٰ کے پابند ایک آفت آئی اسٹرائک کی مقابلہ کی ہنگامہ کی، نماز سب سے پہلے چھوڑ دی ڈاڑھی منڈا دی انگریزی بال رکھ لئے اسواسطے مشائخ نے کہا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں بیعت کر لی جائے البتہ ان سے وہ کام نہ لیا جائے جو فارغین سے لیا جاتا ہے، ہر ایک کے نصاب بھی الگ الگ تجویز کر دیئے حضرت تھانویؒ نے تعلیمی نصاب بھی الگ الگ تجویز کر دیئے، سلوکی نصاب بھی الگ الگ تجویز کر دیئے علمائے کرام کیلئے یہ ہے عوام کیلئے یہ ہے، انگریزی داں طبقہ کیلئے یہ ہے، جو کاروبار کرنے والے تجارت پیشہ ہیں ان کے واسطے یہ ہے تاکہ ہر ایک کو اس کے مزاج کے مطابق چلایا جاسکے اس لئے یہ فرق پیدا کیا، جیسے کہ ڈاکٹر لوگ نئے نئے انجکشن ایجاد کرتے ہیں، حالات کے اعتبار سے اسی طرح سلوک کے مشائخ ہیں یہ بھی مجتہد ہیں معالج ہیں۔

طالب علم کا ہندو اسکولوں میں داخلہ

ایک شخص نے شکایت کی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کہ میرا لڑکا انگریزی پڑھتا ہے مگر وہ دین کا مذاق اڑانے لگا ہے، نماز چھوڑ دی، فرمایا اچھا؟ ایسا ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مشورہ دیا کہ ہندو اسکولوں میں داخل کر دو، داخل کیا وہاں ہندوؤں سے مقابلہ ہوا بڑا سچا نمازی بن گیا، وہاں کوئی روک ٹوک کرنے والا تھا نہیں، یہاں جس قسم کے اعتراضات وہ کرتے تھے، ان کے جوابات یہ دیتا تھا، ان کا مقابلہ کرتا تھا، اسلئے پختگی آ گئی۔

یہ کیا چیز ہے؟ وہ اجتہاد ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت کے جی میں یہ ڈالا کہ اس طریقہ پر اس کی اصلاح ہو جائے گی، اجتہاد بھی حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے، جس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے مجتہد کو وہ چیز بتلاتے ہیں یہ سب جتنے مسائل مجتہدات ہیں یہ

سب حق تعالیٰ کی طرف سے الہام شدہ ہیں اور قواعد کے مطابق ہیں یہ حضرات دلائل بھی بیان کرتے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ، اور اس کے ذریعہ سے پڑھنے والوں کو اطمینان ہو جاتا ہے ،کہ ہاں قرآن وحدیث کے مطابق ہے۔

ایک بزرگ کا امتحان

ایک جگہ پر ایک بزرگ تھے، خانقاہ تھی، ایک صاحب تازہ تازہ فارغ ہوئے فاضل بنے، انہوں نے کہا لیجئے فلاں صاحب بھی بیٹھ گئے خانقاہ میں پیر بن کے، ہدایہ پڑھانے کی قابلیت ہی نہیں ان میں، مشکوٰۃ پڑھانے کی قابلیت ہی نہیں ان میں اچھا میں، چلتا ہوں، گئے ان کے پاس جا کر کہا کہ سنتیں جو مشروع ہوئی ہیں، وہ فرائض کی تکمیل کے لئے ہیں، وضو میں چہرہ دھونا تو ہے فرض گٹوں تک ہاتھ دھونا، کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا یہ ہے سنت پہلے فرض ادا کیا جاتا ہے، پھر سنت تاکہ فرض کی تکمیل ہو جائے یہاں کیوں نہیں ایسا کرتے؟

وہ سمجھ گئے کہ مسئلہ پوچھنا مقصود نہیں اپنی قابلیت اور علمیت کا سکہ جمانا مقصود ہے کہ ہم میں پڑھانے کی صلاحیت ہے، ایک لڑکا جوان کی خدمت کرتا تھا، استنجاء کے لئے ڈھیلے لے کر آیا تھا فرمایا اس سے پوچھ لو لڑکے سے! انہیں تامل ہوا اسکی طرف دیکھنے میں بھی، فرمایا نہیں پوچھو! پوچھو! انہوں نے سوال کر دیا لڑکے نے جواب دیا حضرت آپ کو خبر بھی ہے، پانی کے تین اوصاف ہیں ایک ہے لون! پہلے ہاتھ دھلے جاتے ہیں گٹوں تک تاکہ آنکھوں سے معلوم ہو جائے کہ اسکا لون صحیح ہے لون میں تغیر نہیں ہے، دوسرا وصف طعم ہے پھر کلی کی جاتی ہے تاکہ زبان سے چکھ کر معلوم ہو جائے کہ اس کے ذائقہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، تیسرا وصف ریح (رائحہ) ہے پھر ناک میں پانی دیا جاتا ہے، تاکہ سونگھ کر معلوم ہو جائے کہ اس کے رائحہ میں کوئی تغیر نہیں آتا ہے جب تینوں وصف صحیح ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ پانی:

"وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُوْرًا" (سورۂ فرقان:۴۸)

[اور ہم نے ہی آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا ہے۔] (توضیح القرآن)

کے وصف پر ہے، یہ "مَاءِ طَهُوْرَ" ہے اس کے اندر صلاحیت ہے کہ اسکے ذریعہ سے چہرہ دھلا جائے اور وضو کیا جائے اب یہ سن کر حیرت میں رہ گئے، باہر آکر لڑکے سے کہا وہ جو وہاں تقریر کی تھی ذرا اسے دہرا دو میں لکھ لوں، اس نے کہا کیسی تقریر؟ مجھے کیا خبر۔

اس واسطے کسی کا امتحان لینے کی کوئی ضرورت نہیں آپ کو عقیدت ہو استفادہ کرنا چاہتے ہو، بہت اچھا ان کی طرف سے کوئی انکار نہیں ہے استفادہ نہ کرنا چاہیں تو امتحان لے کر انہیں ذلیل وحقیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

اس واسطے اپنے آپ کو سب سے کم درجے کا سب سے چھوٹا سمجھنا یہ ہے یہ چیز اگر نفس کے اندر ہو جائے تو پھر تکبر نکل جاتا ہے اور جتنے امراض تکبر سے پیدا ہوتے ہیں، تکبر کے نکل جانے سے سب ختم ہو جاتے ہیں۔

اس وقت تو یہی دو چیزیں بیان کرنی تھیں ایک یہ اشکال کہ مشائخ اتنا تشدد کیوں کرتے ہیں، ریاضت اور مجاہدات کیوں کراتے ہیں اور یہ کہ طالب علموں کو بیعت کیوں کر لیتے ہیں پہلے تو نہیں کیا کرتے تھے ان دو چیزوں کو بیان کرنا تھا۔

بس۔ اللہ حافظ۔

....

تصورِ شیخ اور صرفِ ہمت

اس بیان میں

☆......تصورِ شیخ کیا ہے؟

☆......اس کے مفاسد کیا ہیں؟

☆......تصورِ شیخ کی ضرورت اور اس کا حکم۔

☆......صرف ہمت کیا ہے؟

☆......اس کی ضرورت اور حکم۔

☆......اس سلسلہ میں غلط فہمی کا ازالہ۔

تصورِ شیخ اور صرف ہمت

خطبۂ مسنونہ۔ اما بعد!

کل ایک صاحب نے دریافت کیا تھا کہ تصور شیخ کیا چیز ہوتی ہے؟ کس طرح کرنا چاہئے، میں نے ان سے کہا تھا کل دن میں دس بجے آجانا مگر وہ ایسا تصور میں غالباً مشغول ہوئے کہ آئے نہیں۔

اصل ہادی حق تعالیٰ ہیں اور جتنے طبیب ہیں ڈاکٹر ہیں، دوائیں ہیں یہ سب کے سب اس کے مظہر ہیں جیسے رزاق حقیقی حق تعالیٰ ہیں اور دنیا میں جسکو جس کے ذریعہ جو کچھ ملتا ہے، یہ سب اس کے ذرائع اور وسائل ہیں۔

ذرائع اور وسائل میں اس طرح سے منہمک ہو جانا کہ ان کو حقیقی سمجھ لیا جائے اور جو منعم حقیقی ہے، اس سے صرف نظر کر لیا جائے ایسا نہیں ہونا چاہئے وسیلہ کو وسیلہ رکھیں اور حقیقی منعم کو منعم رکھیں تب جا کر راستہ صاف ہوتا ہے۔

بعض اذہان ایسے ہیں کہ جلدی صلاحیت کو قبول کر لیتے ہیں، کہ ادھر اُدھر کی چیزوں سے ہٹا کر انہیں راستہ پر لگا دیا جاتا ہے، بہت آسانی سے چل جاتے ہیں، ان کی قوت متخیلہ میں دنیا بھر کی چیزیں بھری ہوئی نہیں ہوتیں جو اپنا مقصد ہوتا ہے، وہ پیش نظر ہوتا ہے، اور سب چیزوں سے قطع نظر ہوتی ہے۔

زبان سے نیت

بعضے ایسے ہیں کہ وہ اپنے نفس پر قادر نہیں ہیں، کہ اپنے ذہن کو حاضر کر سکیں فقہاء

نے بھی ان کی رعایت کی ہے، کہ جو شخص دل سے نیت کو نہ کر پائے حاضر نہ کر سکے کہ وہ کون سے وقت کی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ زبان سے کہدے تو زبان سے کہنا قائم مقام ہو جاتا ہے، اس کی نیت قلب کے، ورنہ نیت تو اصل میں ارادۂ قلبی کا نام ہے۔

اسی لئے بعض فقہاء نے لکھا ہے، کہ زبان سے نیت کرنا یا اسکو ضروری سمجھنا یہ بدعت ہے، مگر بات یہی ہے کہ زبان سے کہدینا یہ قائم مقام ہو جاتا ہے، ارادۂ قلبی کے، جب کوئی شخص اپنی نیت کو مستحکم اور پختہ نہ کر پائے۔

خیالات کا حال

بعضے حضرات کے اذہان ایسے ہیں، کہ ان میں خیالات کا ایک ہجوم ہوتا ہے، حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک مرید نے کہا کہ میں انطاکیہ جانا چاہتا ہوں، وہاں آدمی کے ذرائع بھی ہیں آب و ہوا بھی اچھی ہے، یہاں آمدنی کم ہے، انہوں نے فرمایا کہ انسان کے دماغ میں بھی کیسے کیسے خیالات آتے ہیں، اور بعض دفعہ خیالات کا اتنا ہجوم ہوتا ہے، کہ انسان ان کے روکنے پر قادر نہیں ہوتا بڑے سمندر کی طرح سے ایک لہر آئی دوسری آئی ایک سلسلہ چلتا رہتا ہے، یہ خیالات آہوانِ صحرائی اور پرندگانِ ہوائی کی طرح سے ہیں، جیسے آسمان پر اڑنے والے پرندے انکی بیع ناجائز کیوں کہ بیع کیلئے ضروری ہوتا ہے اس کو تسلیم کر دینا، مشتری کے حوالے کر دینا، جو پرندہ آسمان پر اڑ رہا ہے، اس کو تسلیم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں، یہ بیع درست نہیں، جنگلی ہرن ہے اس کی کوئی شخص بیع کرنا چاہئے درست نہیں، ہاں جب پکڑ لے گا اپنے قبضہ میں لے آویگا، تب بیع کر سکتا ہے۔

اسی طرح جو خیالات بے اختیار انسان کے دماغ میں پیدا ہوتے ہیں، وہ بے شمار ہیں انسان ان کو روکنے پر قادر نہیں ہوتا ان کے اوپر کوئی پکڑ نہیں ہے حق تعالیٰ کی طرف سے، البتہ اگر ان کو زبان سے کہہ لیگا یا دل میں پختہ ارادہ کر لے گا، ان پر عمل کر لے گا،

تو اس پر گرفت ہے زبان سے کہہ لیگا اس کی گرفت ہے، دل سے پختہ ارادہ کر لے گا، تو اس کی گرفت ہے، جوارح سے عمل کرے گا، تو اس کی گرفت ہے، بغیر اس کے نہیں۔

یہ خیالات اتنے لطیف ہیں کہ اگر یہ خیالات جو اتنی طرح کے انسان کے دماغ میں پیدا ہوتے ہیں اگر دماغ کو چاک کر کے دیکھا جائے تو وہاں ایک خیال بھی نظر نہیں آئیگا، جب یہ خیالات اتنے لطیف ہیں، تو ان کا پیدا کرنے والا کتنا لطیف ہوگا، جل جلالہ، اسے سمجھایا اسے نہیں سمجھ میں آیا مرید کو۔

جب دیکھا کہ وہ اصرار کر رہا ہے، وہاں جانے پر تو فرمایا کہ اچھا وہاں کے اللہ میاں کو ہمارا بھی سلام کہدینا! اس نے پوچھا کہ کیا مطلب کیا وہاں کے اللہ تعالیٰ کوئی اور ہیں کیا؟ فرمایا ہاں تم تو ایسا ہی سمجھتے ہو کہ وہاں کے اللہ تعالیٰ کوئی اور ہیں، اور یہاں کے اللہ تعالیٰ یا تو بخیل ہیں کہ اس کے پاس ہے تو موجود مگر دیتا نہیں، یا فقیر ہے کہ ہے ہی نہیں اس کے پاس وہ دے کہاں سے اور جہاں تو جانا چاہ رہا ہے وہاں کا اللہ تعالیٰ نہ بخیل ہے نہ فقیر ہے، اب اس کے سمجھ میں آئی بات، اس نے کہا: کہ میں نہیں جاتا۔

تو ان خیالات پر گرفت نہیں کثرت سے ذاکرین پریشان ہوتے ہیں کہ ہم کو نماز میں خیال آتا ہے، ذکر میں خیال آتا ہے، کیا کریں؟ خیال آتا ہے تو تمہارا کیا بگڑتا ہے، صاحب وساوس آتے ہیں، تو تمہارا کیا بگڑتا ہے، جب ان کے اوپر کوئی پکڑ نہیں۔

دیکھو علاج ہوتا ہے، مرض کا اس راہ میں مرض وہ ہے جو معصیت ہو اور معصیت ہوتی ہے، اپنے اختیار سے، ان خیالات پر اختیار نہیں ان خیالات کا آنا معصیت نہیں، معصیت تو یہ مرض نہیں مرض نہیں تو ان کے علاج کی کیا ضرورت ہے؟ کیوں پریشان ہوتے ہو۔

وساوس کا علاج

اور وساوس کا حال ایسا ہے، جیسے آپ اپنے کسی محبوب آقا کے مکان پر جانا چاہتے

ہیں، اس کے دروازے پر راستہ میں کتے بندھے ہوئے ہیں، آپ کو پہچانتے نہیں وہ کتے آپ کے اوپر بھونکتے ہیں، کاٹنے کو دوڑتے ہیں کہ ہمارے مالک کے مکان پر کہاں جارہا ہے، اب آپ کے لئے تین صورتیں ہیں۔

یا تو ان کتوں سے ڈر کر بھاگیں آپ، بھاگیں گے کہیں ٹکر لگے گی، کہیں ٹھوکر لگے گی، کہیں کسی آدمی کا نقصان ہوجائیگا، کسی کے مال کا بھی نقصان ہوجائے گا، اور کتے زیادہ پیچھے دوڑیں گے، جو بھاگتا ہے کتے اس کے پیچھے زیادہ دوڑتے ہیں، بھونکتے جائینگے دوسرے کتے بھی شور سنیں گے تو "شَرٌّ اَهَرَّ ذَانَابٍ" ہوجائے گا، نیز اگر بھاگ کر آپ نے جان بچالی اتنے خدشات کے باوجود جان تو بچ گئی لیکن جو مقصود تھا وہ فوت ہوگیا، محبوب آقا کے پاس جانا مقصود تھا اس سے ملاقات مقصود تھی وہ فوت ہوگئی۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ڈنڈا لے کر وہیں کھڑے ہوجائیں، ان کتوں سے لڑنے کیلئے وہ آپ پر بھونکے آپ اسے ڈنڈا دکھائیں اگر آپ غالب آگئے اور کتے کو مار بھی دیا، اور کتا مغلوب ہوگیا، مرگیا تو محبوب آقا کے کتے کو مارا آپ نے یہ کونسا اچھا کام کیا آپ نے۔

اور اگر کتا غالب آگیا تو کاٹ لے گا آپ کو، لہٰذا یہ دو راستے تو غلط ہیں کتے سے ڈر کر بھاگنا بھی غلط اور کھڑے ہوکر انکا مقابلہ کرنا بھی غلط۔

تیسرا راستہ جو عافیت اور سلامتی کا راستہ ہے وہ یہ کہ وہیں کھڑے ہوجائیں نہ بھاگئے نہ اسکو ماریئے بلکہ آواز دیجئے مالک کو کہ فلاں صاحب میں آپ کے مکان پر آنا چاہتا ہوں یہ کتے نہیں آنے دیتے، وہ وہیں سے ایک ڈانٹ پلائے گا کتوں کو، کتے اسکی آواز پر خاموش ہوجائیں گے، آپ کو راستہ ملجائے گا، آقا تک جانے کیلئے۔

جب کسی شخص پر وساوس کا ہجوم ہو تو اسکو حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا چاہئے کہ اے مالک الملک یہ کیا بلا ہے؟ کیسی مصیبت ہے جو میرے دماغ پر مسلط ہے، کسی چیز کو ڈھنگ سے سوچنے نہیں دیتی تصور نہیں کرنے دیتی، تلاوت میں بھی جی نہیں لگتا اس بلا سے

بچا لیجئے اس بلا کو دور کیجئے۔

مالک الملک سے کہا جائے اور جو وسوسے ڈالتا ہے شیطان خیالات لاتا ہے، آپ مثلاً نماز پڑھ رہے ہیں نماز میں قسم قسم کے خیالات لاتا ہے، آپ سلام پھیر کر کہہ دیجئے میری تو نماز ہوگئی، کرلے کیا کرے گا۔

جب وہ شیطان دیکھے گا کہ اس کے وسوسوں سے اس کے ڈالے ہوئے خیالات سے ہم متاثر نہیں ہوئے ہم نے نماز پڑھ لی اور بے فکر ہوگئے، تو وہ کہے گا، کہ ہم نے اتنی دیر بے کار محنت کی کسی دوسرے صاحب کے پاس جا کر محنت کرتا تو محنت کامیاب ہوتی نتیجہ برآمد ہوتا۔

لیکن جس شخص پر یہ خیالات اور وساوس نہیں ہیں، اطمینان کی اور عافیت کی نماز وہ پڑھتا ہے دوسرے کو وہ میسر نہیں ہے، عافیت کے ساتھ وہ ذکر کرتا ہے، مراقبہ کرتا ہے، وہ دوسروں کو کہاں میسر ہے۔

خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مرید کی سلطان نظام الدین اور خواجہ صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہما سے ملاقات اور تبصرہ

حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے پیر تھے بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید نے ان سے کہا میرا جی چاہتا ہے، کہ آپ کے خلفاء کی زیارت کروں، انہوں نے دو نام بتائے ایک کلیر حضرت صابر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اور ایک دہلی حضرت سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا۔

وہ شخص آیا سفر کر کے دہلی پہنچا وہاں بتایا کہ میں آپ کے شیخ کا خادم ہوں، بس کیا تھا، اتنا اعزاز و احترام کیا گیا اس کا اعلیٰ درجے کے کپڑے اسکے لئے سلوائے گئے، اعلیٰ درجے کے کھانے، اعلیٰ درجے کے میوے پھل، جب تک قیام کیا بہت شان وشوکت کے ساتھ

رکھا، جب وہ چلنے لگا تو بہت سے تحفے تحائف دیکر دور تک رخصت کرنے کیلئے آئے۔

کلیر گئے یہاں ان کے خدام سے پوچھا تمہارے پیر کہاں ہیں؟ کہا وہ بیٹھے ہیں کونے میں! کیا کوئی وقت ملاقات کا ہے؟ کہا ان کے یہاں تو ہے ہی نہیں ملاقات، انکے خادم نے کندھا پکڑ کر ہلایا کہ آپ کے شیخ کا خادم آیا ہے، سلام کرتا ہے کہا اچھا میرے شیخ اچھے ہیں؟ کہا ہاں اچھے ہیں، انہوں نے اپنے خادم سے فرمایا آج گولر میں نمک ڈال دینا معزز مہمان آیا ہے، گولر میں نمک ڈلوادیا، جب تک ٹھہرا دوبارہ ملنے کی نوبت نہیں آئی۔

جب وہ واپس گیا ہے، تو اس نے دہلی والوں کی تو بہت تعریف کی، شیخ نے پوچھا اور کلیر والوں نے کیا کہا، کہا حضرت وہ تو بات بھی نہیں کرتے فرمایا مجھے بھی کچھ پوچھا، کہا بولتے ہی نہیں، کہا: اچھا مجھے بھی کچھ پوچھا؟ کہا ہاں بس اتنا پوچھا تھا کہ میرے شیخ اچھے ہیں، بس ان کو وجد آگیا رو پڑے کہ ان کا بڑا احسان ہے کہ ایسے مقام پر بھی انہوں نے مجھے یاد رکھا اتنی مدت سے ان کے دل میں غیر اللہ کا گذر نہیں اس پائے کے آدمی ہیں، غیر اللہ کا گزر نہیں ہے، اس نے قلب میں تو یہ چیز ہر ایک کو کہاں حاصل، نہ ہر ایک اس کا مکلف ہے اس لئے جو کیفیت ان حضرات کی ہوتی ہے، وہ اور کچھ ہوتی ہے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ سے دشمن ولی ہو گئے

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ کسی سمندر کے کنارے پر بیٹھے تھے، اس زمانہ کے وزیر امیر اکبر چل رہے تھے کشتی میں کشتی میں کچھ تفریح کی ضرورت تھی کچھ گانا بجانا ہونا چاہئے، اس کیلئے ضرورت تھی کہ کوئی سر پٹا ہو جو بیچ میں بیٹھا ہو کسی نے اُدھر سے چپت مارا کسی نے اِدھر سے چپت مارا سب ہنس رہے ہیں، مذاق کر رہے ہیں، اسلئے آدمی نکلا تلاش کرنے کیلئے کہ ایسا کوئی شخص ملجائے۔

یہ بیچارے بیٹھے ہوئے تھے، بس انہیں کو پکڑ کر لے گئے، کشتی میں بٹھالیا اور وہاں

ان کے ساتھ یہ معاملہ شروع ہوگیا۔

یہ بجائے کہ ان لوگوں کی طرف توجہ کرتے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرتے ان سے نفرت کرتے کچھ نہیں، اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے، وہ جانتے ہیں کہ اس دنیا میں جو چیز بھی موجود ہوتی ہے، صادر ہوتی ہے، وہ مولیٰ کی اجازت سے موجود ہوتی ہے، اور صادر ہوتی ہے جب مولیٰ کی اجازت سے ہے تو اس پر سر ہلانے کی اور بچانے کی کیا بات ہے، اگر انکی مرضی، یہی ہے بہت اچھا ان کا منشاء یہی ہے۔ بہت اچھا لیکن حق تعالیٰ کو بہت غیرت آتی ہے جب ان کے ولی کو کوئی ستاتا ہے۔

حدیث قدسی

جیسے کہ حدیث قدسی میں ہے:

"مَنْ عَادىٰ لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُه بِالْحَرْبِ اَوْ كَمَا قَالَ"

(بخاری شریف: ۹۶۳/۲، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث: ۶۲۵۳)

جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھے میں اس پر اعلان جنگ کرتا ہوں۔

تو غیرت خداوندی کو جوش آتا ہے! ان کو الہام ہوتا ہے، کہ کہو تو ہم ان سب کو ڈبو دیں، غرق کر دیں، کشتی کو الٹ دیں! تو یہ جواب دیتے ہیں کہ اے پروردگار جس طرح آپ کو یہ قدرت ہے کہ ان کو غرق کر دیں، سب کو ختم کر دیں، یہ بھی تو قدرت ہے کہ ان اندھوں کی آنکھیں کھول دیں، یہ دیکھ لیں کہ کیا کر رہے ہیں، جبھی توجہ دی اور سب کے سب بڑے ولی ہو گئے۔

طائف کا واقعہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر برسائے گئے طائف میں، ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، فرشتہ ملک الجبال آ کر عرض کرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھا ہے کہ آپ کی قوم آپ کے ساتھ

کیا معاملہ کر رہی ہے، میں ملک الجبال ہوں، پہاڑوں کی خدمت میرے سپرد ہے، آپ کہیں تو ان دونوں پہاڑوں کو ملا دوں ٹکرا دوں جس سے کہ سارے کے سارے ختم ہو جائیں جنہوں نے آپ کے ساتھ یہ گستاخیاں کی ہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو کیا بعید ہے کہ ان کی ذریت میں سے کوئی اللہ کا نام لینے والا پیدا ہو جائے۔

"اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"

(اتحاف السادۃ: ۸/۲۵۸، باب بیان علاج کراھیۃ الذم)

اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دیدے یہ لوگ مجھے جانتے نہیں میرے رتبہ سے واقف نہیں، اپنے عمل کی غلطی اور خرابی سے واقف نہیں ہیں، ان کو خبردار کر دے، یہ کیفیت تھی۔

وہی طریقہ صوفیائے کرام نے اختیار کیا کوئی شخص کتنا ہی ستاتا ہے، باقی یہ کسی کو بددعا بھی نہیں دیتے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ جو سکون ان حضرات کو اپنی یکسوئی میں حاصل ہوتا ہے، بغیر ادنیٰ خیال کے آئے ہوئے وہ بہت اونچی چیز ہے، ہر شخص کے بس کی بات نہیں، لیکن کچھ نہ کچھ تو ہونا چاہئے پورا نہیں کچھ نہ کچھ تو ہو اس کے واسطے یہ تدبیریں کرتے ہیں۔

تصورِ شیخ

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جب بیعت ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے اور انہوں نے ان کو تصورِ شیخ کی تعلیم دی انہوں نے انکار کیا کہ اس سے تو بوئے شرک آتی ہے فرمایا اچھا راہ نبوت سے تمہارا سلوک طے کرائیں گے، پھر مولانا اسماعیل شہید بیعت ہوئے سر سید صاحب سے تو سید صاحبؒ نے بھی تلقین کی جس چیز کو پہلے شرک کہہ چکے تھے انہوں نے کہا:

....

"مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ" (سورۃ الانبیاء: ۵۲)

[یہ کیو مورتیں ہیں جن کے آگے تم دھرنا دیئے بیٹھے ہو۔] (آسان ترجمہ)

تماثیل قرار دیا خیر، تصور کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کسی ایک چیز کا تصور اس طرح قائم کرے کہ کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہے کہیں، تاکہ سارے خطرات ووساوس سارے خیالات ختم ہو جائیں، صرف ایک چیز باقی رہے۔

اب تو میں ہوں اور شغل یاد دوست

سارے دھندوں سے فراغت ہوگئی خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

سارے دھندوں سے فراغت ہو جائے یادِ دوست کا شغل باقی رہ جائے آگے کوئی چیز باقی نہیں مگر بعض دفعہ آدمی اس تصورِ شیخ میں مبتلا ہوتا ہے، تو وہ شیخ کو مقصود بالذات قرار دیتا ہے، حالانکہ شیخ مقصود نہیں شیخ تو ذریعہ اور وسیلہ ہے آگے تک پہونچنے کا، مقصود تو آگے ہے اسلئے خطرہ ہوتا ہے۔

صرف ہمت

اور پھر ایک اصطلاح ہے صوفیائے کرام کے یہاں "صرف ہمت" حضرت سید رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کو جمع کیا ہے، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ نے اور مولانا عبدالحیؒ بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جمع کردہ ملفوظات ہیں ان میں صرف ہمت کی بحث ہے صرف ہمت کا حاصل ایسا سمجھئے جیسے کسی شخص کی دکان پر ایک آئینہ لگا ہوا ہے قد آدم، راستہ میں جو چیز گزرتی ہے اسکا عکس اس میں آتا ہے، اس کا عکس نہ آئے تو کیا اس کیلئے تدبیر کرے گا، اس کی صورت یہ ہے کہ ایک کالا کپڑا اسکے اوپر ڈال دے۔

اس کالے کپڑے نے سارے آئینہ کو گھیر لیا، اب اس میں کسی دوسری چیز کی گنجائش نہیں رہی یہ ہے "صرف ہمت" کسی ایک چیز کے ساتھ کسی ایک چیز کے تصور میں

قلب کو اس قدر محو کر دینا اس قدر مشغول کر دینا کہ کسی دوسری چیز کی گنجائش باقی نہ رہے۔

اس کیلئے کسی چیز کا حتی کہ بعض حضرات نے کسی آدمی کے لئے بھینس کا تصور تجویز کیا، بس وہ بھینس کا تصور جما کر بیٹھے ہیں، یہاں تک ان کو ہر طرف بھینس ہی نظر آتی ہے، حتی کہ لوگ کہتے ہیں کہ اسے مراقبہ کے لئے بٹھا دیا چلہ میں، چلہ سے فارغ ہو کر اس سے کہا اب باہر آ جاؤ، تو وہ باہر نہیں نکلتا کہ بھینس کھڑی ہے کیسے آؤں۔

تصور اس درجہ قائم ہوا کہ خارج میں بھی بھینس نظر آتی ہے، کسی کو کسی اور چیز سے محبت ہے تو اس کا تصور دل میں جمایا اب اس میں یہ ہے کہ بسا اوقات شرک تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔ اس لئے صرف ہمت سے منع کر رہے ہیں، حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ صرف ہمت غیر اللہ کی طرف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔ سختی سے منع کرتے ہیں۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صرف ہمت

اگر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں یا کوئی اور مقدس ہستی ہو خاص کر نماز کی حالت میں اگر صرف ہمت کی جائیگی تو صرف ہمت کا حاصل وہی ہے کہ آئینہ پر کپڑا ڈال دیا جس نے سارے آئینہ کو گھیر لیا کسی چیز کے عکس کی اسمیں گنجائش نہیں رہی، اگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف کسی شخص نے اپنے قلب کو اس طرح متوجہ کیا اور صرف ہمت کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور اسکے قلب میں نہیں آئے گا۔

"اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْن"

[(اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔]

کہے گا، تو کس کو کہے گا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو، رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" [میرا رب پاک ہے جو عظمت والا ہے۔] سجدہ میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الاعْلٰى" [میرا رب پاک ہے جو بہت بلند و بالا ہے۔] کس کو کہے گا؟ یہ شرک ہے، کیونکہ عبادت دو چیزوں

کے مجموعہ کا نام ہے، اعلیٰ درجہ کی عقیدت اور اعلیٰ درجہ کی محبت۔

حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی عقیدت بھی ہے، اور اعلیٰ درجہ کی محبت بھی ہے، اس اعلیٰ درجہ کی عقیدت اور اعلی درجہ کی محبت کے ساتھ ساتھ جب صرف ہمت کیا جارہا ہے حضور اقدس ﷺ کی طرف اب شرک آ گیا، اسمیں بخلاف اور چیزوں کے کہ اگر کسی اور چیز کا مثلاً اپنے کھیت کا اپنے گدھے کا اپنے بیل کا تصور کرتا ہے، اور فرض کیجئے صرف ہمت بھی کرتا ہے، وہاں شرک کا احتمال نہیں، کیونکہ بیل اور گدھے کیساتھ نہ وہ محبت اور عظمت وابستہ ہے جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہے اور نہ وہ عقیدت ہے بلکہ یہ صرف ہمت کرنے والا خود پشیمان ہوتا ہے، کہ نماز جیسی عبادت میں کہاں بیل اور گدھے کا تصور آ گیا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" اس کو مخرب صلوٰۃ سمجھتا ہے، مکمل صلوٰۃ نہیں سمجھتا وہ شرک کیلئے تیار نہیں گدھے اور بیل کو وہ مقام دینے کیلئے تیار نہیں ہے، اس لئے اسمیں عبادت کئے جانے کا سوال نہیں بخلاف حضرت نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ کے وہاں یہ احتمال ہے۔

غلطی ترجمہ کرنے والے نے کی، صرف ہمت کا ترجمہ کردیا خیال کسی اور چیز کی طرف صرف ہمت کرنا یعنی کسی اور چیز کا خیال آنا یہ گاؤخر کے خیال سے بدتر ہے، یہ ترجمہ کردیا۔

حضور اقدس ﷺ کا نماز میں خیال آنا

اب "بھائی لوگ" اسکو لے اڑے کہ دیکھو حضور اقدس ﷺ کے خیال کو کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا نماز میں خیال آنا گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر ہے۔

حالانکہ نہ یہ ان کا مقصد ہے اور نہ یہ صرف ہمت کا حاصل ہے صرف ہمت کو جانتے ہی نہیں ایسے ہی ہے جیسے اسم نحو کی اصطلاح ہے، اب کوئی شخص اسم کا ترجمہ کرنے لگے:

"اَلاِسْمُ کَلِمَۃٌ دَلت عَلٰی مَعْنی فِیْ نَفْسِھَا غَیْرَ مُقْتَرن بِاحدِ الازمِنۃ الثَلٰثَۃ"

نحویوں کے یہاں تو اسم اسکو کہتے ہیں، اسم کا ترجمہ کوئی نام کرنے لگے تو یہ غلط ہے،

جو کتاب جس فن کی ہوگی، اس میں جو اصطلاحی لفظ ہوگا، اس سے اس فن کا اصطلاحی معنی مراد لیا جائے گا، تصوف کے فن کی کتاب ہے، اس میں صرف ہمت کا لفظ ہے تو صوفیاء سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہیں ہے کہ صرف ہمت کسے کہتے ہیں، تو صوفیاء سے پوچھو وہ بتادینگے۔

تقویۃ الایمان پر پیشاب

اب اس کو اتنا پھیلایا اتنا پھیلایا جس کی حد نہیں، جگہ جگہ کفر کے فتوے نکل رہے ہیں، حتی کے کانپور کے قریب ایک جگہ ہے ضلع اٹاوہ وہاں ایک مقام پر تقویۃ الایمان جس کا نام ہے اس پر پیشاب کیا گیا، دراں حالانکہ اسمیں قرآن پاک کی آیتیں بھی لکھی ہوئی ہیں، حدیث شریف بھی ہے، حضور پاک ﷺ کا نام مبارک بھی ہے مگر کوئی پرواہ نہیں کی اسکی یہاں تک نوبت پہونچی۔

تو صرف ہمت کو منع کرتے ہیں، کسی کی طرف بھی صرف ہمت نہ ہونا چاہئے ورنہ شرک کا اندیشہ ہے اور بہت سے لوگ شرک میں مبتلا بھی ہو گئے، یہ تو اس کتاب میں صرف ہمت کی تعلیم نہیں دے رہے بلکہ اس کی تعلیم سے روک رہے ہیں، اور اس کا نقصان بتارہے ہیں اور تقابل کر رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف صرف ہمت کرنے میں شرک کا مظنہ ہے، اور گاؤخر کے تصور میں شرک کا مظنہ نہیں ہے، یہ مطلب نہیں ہے کہ گاؤخر کے تصور کو اعلیٰ مقام دے رہے ہیں، حضور اقدس ﷺ کے تصور سے، ایسا نہیں، یہ زبردستی کی بات ہے، اس میں جو اہل علم ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں اس بات کو، وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں، مگر کیا کریں ان کا گزارہ اسی میں ہے کہ عوام کو غلط فہمی میں مبتلا رکھا جائے، اس لئے ہمارے اکابر تصور شیخ سے منع کرتے ہیں، کہیں علاج کیلئے کسی شخص کیلئے تجویز بھی کر دیتے ہیں، مگر عامۃً منع کرتے ہیں۔

سنکھیا سے علاج

ایسے ہی جیسے سنکھیا سم الفار زہر ہے مگر علاج کیلئے تجویز کرتے ہیں، میرے ماموں

طبیب تھے، انکے پاس کسی نے رات کے وقت آ کر کہا کہ سانپ نے کاٹ لیا بالکل سیاہ سانپ تھا بڑا زہریلا، رات کے وقت دوائیں ملنا بھی مشکل بازار بند، ان کے پاس سنکھیا رکھا ہوا تھا کہا یہی کھلا دو! حالانکہ سنکھیا کھانے سے آدمی خود مر جاتا ہے، مگر انہوں نے دیدیا کہ اسے کھلا دو اور کہا کہ یہ پانی مانگے تو پانی مت دینا، وہ بیچارہ رات بھر پانی کیلئے تڑپتا رہا مگر زندہ رہا، جب صبح ہوگئی تو فرمایا اب میں نمٹ لوں گا۔

اب کوئی شخص بیوقوف سنکھیا دینا شروع کر دے کہ فلاں حکیم صاحب نے دیا تھا، بے وقوفی کی بات ہے، انہوں نے سمجھ کر دیا ہے دوا کے طریقہ پر دیا ہے، اسی طریقے سے اگر کسی خاص شخص کیلئے تصورِ شیخ تجویز کر دیں اسکے حالات کے اعتبار سے اس کے شیخ انہیں اسکا حق ہے لیکن انکی دیکھا دیکھی کوئی دوسرا شخص بھی تجویز کرنے لگے تو یہ تو ایسا ہی ہے جیسے جوتے کھائے ہیں۔

جوتے کھانے کا قصہ

جوتے کھانے کا قصہ نہیں معلوم؟ ایک حکیم صاحب کوئی مریض دیکھنے گئے، ساتھ ساتھ صاحبزادہ بھی ہیں، حکیم صاحب نے نبض دیکھی اور کہا آپ نے ترشی کھائی ہے، انہوں نے اقرار کیا، صاحبزادہ کو بہت تعجب ہوا، کہ ابا نے نبض دیکھ کر پہچان لیا کہ ترشی کھائی ہے گھر آ کر پوچھا کہ ابا آپ نے نبض دیکھ کر کیسے پہچان لیا کہ ترشی کھائی ہے، انہوں نے کہا بیٹا نبض میں سرعت تھی رفتار تیز تھی، چارپائی کے نیچے نارنگی کا چھلکا پڑا ہوا تھا نارنگی میں عام طور سے ترشی ہوتی ہے کہا اچھا یہ بات ہے۔

ابا کے انتقال کے بعد صاحبزادے مسند پر بیٹھے کسی مریض کو دیکھنے گئے وہاں چارپائی کے آس پاس دیکھا کہیں کوئی چھلکا نہیں نظر آیا، جوتے پڑے ہوئے تھے، کہا آپ نے جوتے کھائے ہیں؟

اس واسطے بغیر بات کو سمجھے ان کے طریقہ پر چلنا غلط ہے جو چیز آپ کے لئے تجویز

کی اسے آپ اختیار کیجئے جو چیز دوسرے کے لئے تجویز کی ہے اسے وہ اختیار کرے، ایک دوسرے کو دیکھ کر تبادلہ کرنے لگیں آپس میں یہ حق نہیں پہونچتا یا خود بھی بغیر سمجھے ہوئے تجویز کرنے لگیں یہ حق نہیں پہونچتا اس میں خرابیاں زیادہ ہیں

کشف سے روکنا

اور ہمارے اکابر کا جو سلسلہ ہے، وہ تو بہت ہی عافیت کا سلسلہ ہے کوشش کرتے ہیں کہ سالک کو کشف نہ ہو، اگر کشف ہونے لگتا ہے تو اسکو دبا دیتے ہیں۔

حضرت شیخ نے بھی ایک جگہ لکھا ہے، آپ بیتی میں کہ گنگوہ کے ایک صاحب (جن کو میں بھی جانتا ہوں) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا بیعت کا تعلق، انہوں نے خط میں اپنے حالات لکھے کہ میں نے مراقبہ میں ایسا ایسا دیکھا عرش دیکھا یہ دیکھا وہ دیکھا۔

چونکہ حضرت سہارنپوری کی ڈاک حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ لکھا کرتے تھے، شیخ فرماتے ہیں جب میں نے سنایا تو اپنے جی میں سوچا کہ یہ لڑکا پہونچ گیا، اب شاید حضرت اجازت دیدیں، اب میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب حضرت نے لکھوایا کہ "سنن موکدہ اور فرائض و واجبات کے علاوہ تمام معمولات کو یک قلم بند کر دیں"، مثل مشہور تھی، کہ یہ تو گارا لگا دیتے ہیں۔

گارا لگانا نہیں جانتے بھڑ جب اپنا گھر بناتی ہے دیوار کے اندر تو اس کو روکنے کیلئے گارا لگا دیتی ہے۔

تو یہ جو کشف ہوتے ہیں، اِدھر اُدھر کے یہ ایسے ہی ہے جیسے دیوار میں سے بھڑیں نکل رہی ہیں، اس پر گارا لگا دیا، کہ نکلنا بند ہو جائے کوشش کرتے ہیں، کہ یہ چیزیں نہ آئیں سامنے۔

صاحب کرامت کا حکم

اس میں کلام ہے کہ جس ولی سے کرامت صادر ہو وہ اعلی ہے یا جس سے کرامت

صادر نہ ہو وہ اعلیٰ ہے، بعض مشائخ نے لکھا ہے، کہ جس سے کرامت صادر نہ ہو اسکی ولایت قوی ہے وہ محض ایمان بالغیب پر چل رہا ہے، اسے کچھ نظر نہیں آتا، اور جس کو کرامتیں ہوتی ہیں، اسکے ایمان بالغیب میں تو فرق ہے، اگر چہ ان کو دیکھنے سے یقین میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، مگر جو ایمان بالغیب کی کیفیت تھی وہ اسکو حاصل نہیں، اور ہمارے اکابر کے یہاں جو کچھ سلوک ہے جو کچھ بیعت کا طریقہ ہے یہ سارا کا سارا اتباع شریعت ہے کوشش اسکی ہوتی ہے کہ شریعت کے مطابق کام ہو ہر چیز سنت کے موافق رہے۔

وساوس کا علاج

لہٰذا نہ تصور شیخ کی ضرورت ہے، نہ خیالات و وساوس کو دور کرنے کیلئے ان سے لڑنے کی ضرورت ہے، بس اسکا طریقہ تو یہ ہے کہ انکی طرف متوجہ نہ ہوا جائے۔

جب شیطان دیکھتا ہے کہ خیالات و وساوس سے یہ شخص متاثر نہیں ہوتا شیطان خود ہی خیالات ڈالنے چھوڑ دیتا ہے، اور اگر یہ دیکھتا ہے کہ میں نے خیال اس کے جی میں ڈالا تھا، اور اس نے سوچا کہ او ہو میری تو نماز خراب ہوگئی، نماز تو ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں کسی کا خیال نہ آئے، دوبارہ پڑھی، دوبارہ پڑھی پھر خیال آیا سہ بارہ پڑھی، غرض ایک اُدھیڑ بن میں ایسا لگ جاتا ہے، کہ خدا کی پناہ کہیں پہونچ کر اسکو اطمینان نہیں ہوتا۔

ہمارے اکابر کہتے ہیں، کہ بس نماز پڑھو سنت کے مطابق کوئی خیال آئے غیر اختیاری طور پر اسکی پرواہ نہ کرو، اگر تمہاری نماز کو اس طرح خراب کردیا کہ کوئی واجب رہ گیا، تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ سجدہ سہو کرلو۔

رونا مقصود نہیں

لہٰذا ان حالات کے درپے نہیں ہونا چاہئے بعضے آدمی شکایت کرتے ہیں کہ ان کو

رونا نہیں آتا، ارے رونا نہیں آتا اس پر جو افسوس ہے، یہ رونے سے کچھ کم تو نہیں ہے، اگر واقعی اس پر افسوس ہو تو اس کی قیمت حق تعالیٰ کے یہاں رونے سے کم نہیں زیادہ ہے۔

اگر رونا ہر ایک کو آتا تو حضور اقدس ﷺ کیوں فرماتے کہ روؤ! اگر نہ روسکو تو رونے والے کی سی صورت بنالو۔

رونے والی کی صورت جو بنانے کو فرمایا تو جانتے تھے کہ رونا ہر ایک کے بس میں نہیں ہے اپنے قبضہ میں نہیں ہے، لہٰذا صورت بنالو رونے والے کی سی، حق تعالیٰ اسکو بھی وہی اجر مرحمت فرمائیں گے، جو رونے والے کو دینگے، پھر مقصود رونا بھی نہیں ہے، مقصود جو کچھ ہے وہ حق تعالیٰ کی اطاعت اور اسکی رضا کو طلب کرنا ہے، رونے پر بھی رضا مرتب ہوتی ہے، اور رونا نہ آئے اس کا افسوس ہو تو اس افسوس پر بھی رضا مرتب ہوتی ہے۔

اسلئے حق تعالیٰ نے کوئی ایسا راستہ نہیں رکھا ہے جس کے اندر آدمی بس اٹک کر، رک کر رہ جائے، چلنے کی کوئی صورت ہی نہ رہے بلکہ ہر چیز کیلئے راستہ موجود ہے اس کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، لہٰذا نہ تصور شیخ کی ضرورت ہے ہر ایک کو۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے علاج تجویز فرمایا

ہاں اگر کسی کو تجویز کر دیا جائے تو اسکے لئے ہے تصورِ شیخ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص نے شکایت لکھی کہ میں فلاں صاحب سے بیعت تھا، انکا انتقال ہوگیا، میں گھر میں رہ گیا، ایک عورت سے محبت ہوگئی بس اسی کے نام کا وظیفہ ہے، سارے معمولات ترک ہو گئے ہیں، یہ ہوگیا وہ ہوگیا، تو حضرت نے جواب میں لکھا کہ ایک بات غور سے سنیں کہ بغیر ہمت کے اور محنت کے کوئی کام نہیں ہوا کرتا، ہر ایک کام کیلئے ہمت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے، اور جس شخص سے تم کو عقیدت ہو اسکا تصور کرو کہ وہ قلب میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور دل کے اندر اس عورت نالائق کی محبت ہے اسکو کاٹ کاٹ کر ریزہ ریزہ کر کے ہٹا رہے ہیں، تصور بتایا اس کو۔

توکسی شخص کیلئے اگر اس طریقہ پر تصور تجویز کیا جائے ایک بڑی مصیبت اور بلا سے نجات دلانے کیلئے تو اس پر ہر شخص اپنے آپ کو قیاس نہ کرے، نہ اس تصور کو خود اختیار کرے، نہ وہ دوسرے کو بتائے۔

مشائخ کو الہام

اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مسند مشیخت پر قائم فرمادینگے تو خود ہی رہنمائی فرمائیں گے، اللہ تعالیٰ جب طالب آئے گا، ویسا ہی اسکے لئے علاج تجویز کریں گے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا الہام کی بات تھی، انہوں نے فرمایا کہ لوگ میرے متعلق سمجھتے ہیں، کہ ہر بات پر الہام ہوتا ہے، یہ غلط ہے، البتہ سالک کیلئے جو چیز تجویز کرتا ہوں، وہ الہامی ہوتی ہے، سالک کے لئے، مریض کے لئے، طالب کیلئے جو چیز تجویز کرتا ہوں، وہ الہامی ہوتی ہے، اور کچھ اور بھی ہے کئی امور ہیں۔

بیان القرآن الہامی ہے

بیان القرآن کے متعلق ایک دو عبارت کے علاوہ بقیہ ساری کی ساری الہامی ہیں۔

توخود الہام سے اگر کسی شخص کے متعلق القاء ہو تو جیسے کہ ڈاکٹروں کے دل میں ایک چیز آتی ہے، کہ یہ علاج مفید ہوگا، حکیموں کے قلب میں بات آتی ہے، کہ یہ چیز مفید ہوگی، جیسے ماموں کے دل میں یہ بات آئی کہ سانپ کے کاٹے ہوئے کو سنکھیا دیدینا مفید ہوگا یہ اور چیز ہے، لیکن آدمی اس کو اپنے واسطے خود تجویز کرلے بغیر مرشد کے اسمیں خطرات ہیں۔

وسوسہ اور خیال میں فرق

اس لئے ان خیالات اور وساوس سے پریشان نہ ہوں ایک اور چیز ہے ایک خیال

ہے ایک وسوسہ ہے دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔

وسوسہ کا حاصل یہ ہے کہ جس سے ایمان متزلزل ہو جائے۔ جیسے: اس کو کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے۔ اسکو کس نے پیدا کیا؟ اللہ نے، اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ یہ تو حدیث ہی میں موجود ہے۔

اس قسم کی چیزیں جن سے ایمان میں خلل آتا ہو یہ ہے وسوسہ۔

"قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس" اسکے لئے پڑھنا بہت مفید ہے۔

وساوس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی گئی ہے۔

اور خیال ادھر اُدھر کے ذہنوں میں جو آتے ہیں خراب بھی آتے ہیں اچھے بھی آتے ہیں، وہ خیالات ہیں خیالات کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس سے نہ گھبرانے کی ضرورت ہے نہ ان کیلئے مستقل علاج کی ضرورت ہے، بلکہ اپنا کام کرتے رہیں، قصداً انکی طرف متوجہ نہ ہوں۔

اور قلب کے اندر وہ خیالات آئیں قلب کو اپنی عبادت کی طرف اپنے مشغلہ کی طرف متوجہ کرلیں، اسی طریقہ پر چلتے رہیں انشاء اللہ تعالیٰ راستہ آسان ہو جائے گا، بس اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

ختم شد

مقصد اعتکاف

اس بیان میں

☆......اعتکاف کا مقصد

☆......اعتکاف کی ضرورت

☆......فوائد وآداب

☆......معتکفین کے لئے ہدایات

مقصد اعتکاف

غارِ حرا میں اعتکاف

اعتکاف کا بہت بڑا مقصد یکسوئی حاصل کرنا ہے، اپنے مولیٰ جل شانہ کے ساتھ راز ونیاز پیش کرنا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بھی اعتکاف فرماتے تھے غار حرا میں ایسی جگہ بیٹھتے جہاں اندھیرا ہوتا روشنی نہیں آتی اور ہوا نہیں آتی، کوئی آواز کسی کے کان میں نہیں آتی، کوئی صورت کسی کی دکھائی نہیں دیتی، کوئی معاملہ کسی سے لین دین کا نہیں ہوتا، سب سے کٹ کر، ہٹ کر ایسی جگہ پر جا کر بیٹھتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کبھی ناشتہ وہاں پہنچا دیتیں اور کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لاتے مکان پر، اور یہاں سے پھر ناشتہ لیکر چلے جاتے آٹھ روز، دس روز، بیس روز، تیس روز، بعض دفعہ اور زیادہ۔

مقصد اعتکاف

اعتکاف کا حاصل یہ ہے، اسی وجہ سے اعتکاف میں پردہ ڈال دیتے ہیں۔ تا کہ صورتیں نظر نہ آئیں قوت تخیلہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق ایسا تصور قائم ہو جائے کہ کبھی وہ مٹنے اور زائل نہ ہونے پائے بڑا مقصد اعتکاف کا یہ ہے۔

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
اب ہونے لگیں ان سے خلوت کی ملاقاتیں

اس کے بعد اپنے قلب سے ہر چیز علیحدہ کرے، اپنی آنکھ کو ہر چیز سے بچائے، اپنے کان کو ہر چیز سے بچائے، اپنی زبان کو ہر چیز سے بچائے اپنے ہاتھ پیر اور دل دماغ کو ہر چیز سے بچائے تو اس وقت جلوہ صاف طور پر محسوس ہوتا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے اعتکاف کے بارے میں لکھا ہے، کہ روزے کی حالت میں اعتکاف ہونا چاہئے تاکہ خیال نہ جائے کہ کیا پکے گا، بازار سے کیا لانا ہے کب کھانا تیار ہوگا، بیوی بچے کس طرح رو رہے ہیں؟ کیا ہوگا کوئی ضرورت پوری کرنی ہے کہاں جائیں کیا کریں، ان سب چیزوں سے بے نیاز ہو کر رہے۔

جب قوت متخیلہ میں لفظ اللہ جو کہ دال ہے اسم ہے یہ قائم ہو جاتا ہے، تو پھر اس کی کیفیت اور قسم کی ہوتی ہے، پہلے پہلے لفظ اللہ کو قائم کیا جاتا ہے، یعنی اسم کو قائم کیا جاتا ہے، اس کے بعد اسم سے رہنمائی ہوتی ہے، مسمّٰی کی طرف مسمّٰی کو اس طرح اسم پر قائم کیا جاتا ہے، جیسا کہ وہ ہے اپنی ذات اور صفات کے ساتھ، ایسی ذات وصفات جو ہمارے ادراک سے بالاتر ہے ہم اسکی کوئی صورت تجویز نہیں کر سکتے، جیسے زید وعمر کی صورت تجویز کر لیتے ہیں، آم، ناشپاتی، سیب کی صورت تجویز کر لیتے ہیں، دیکھی ہوئی چیزوں کی ذہن میں صورت تجویز کر لیتے ہیں، وہاں ایسا نہیں، اسکے لئے کوئی صورت ہم اپنی طرف سے تجویز نہیں کر سکتے وہ ہر چیز سے بالاتر ہے ہر چیز سے بالاتر ہو کر اس کو ذہن میں قائم کرنا ہے، وہ حاضر ہے وہ ناظر ہے، موجود ہے اس کے اثرات کیا ہیں، وہ خالق ہے وہ رازق ہے وہ نافع ہے وہ ضار ہے جو امور اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں، ان تمام امور کو انجام دینے والا ان تمام امور کی رہنمائی کرنے والا وہی ذات باری تعالیٰ ہے، یہ مقصود ہے اعتکاف کا۔

ذکر کے ذریعہ سے بھی مخیلہ میں قائم کیا جاتا ہے، صورت کو، مگر تھوڑی دیر ذکر کیا تنہائی میں بیٹھ کر اس کے بعد زید ادھر بیٹھا عمر و اُدھر بیٹھا، بکر ادھر بیٹھا اِس سے بات چیت ہو رہی ہے، اس سے بات چیت ہو رہی ہے، اب بازار جانا ہے، اب پردیس جانا ہے، اب

دکان جانا ہے، اب ڈاکخانہ جانا ہے، اب فتویٰ لکھنا ہے، اب سبق پڑھانا ہے، سیکڑوں دھندے لگے ہوئے ہیں، آدمی کے ساتھ۔

ہم نے سنا ایک بزرگ تھے، مولانا صادق الیقین صاحبؒ ضلع بارہ بنکی میں ایک مقام ہے کرس، وہاں کے رہنے والے تھے، بڑے صالح شخص، وہاں مکہ مکرمہ میں کئی برس رہے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں، سنا ہے کہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ بھائی مولوی صادق الیقین! مکہ جیسی بابرکت جگہ اور محنت میں تم نے کبھی کمی نہیں کی اور جو کچھ ہوسکا اس حقیر نے بھی دریغ نہیں کیا، مگر اتنا سا بھی نفع نہیں ہوا، بھئی مکہ مکرمہ جیسی بابرکت جگہ سب جانتے ہیں، طالب علم تو خوب جانتے ہیں کہ ایک ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار ایک ایک لاکھ سات لاکھ ستر لاکھ تک ملتا ہے، حرم شریف، کعبۃ اللہ کا طواف ساری چیزیں برکت ہی برکت کی ہیں، اور ایسی برکت کی جگہ کہ تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو حکم ہے کہ اسطرف رخ کر کے نماز پڑھو گے تو قبول ہوگی، ورنہ قبول نہیں ہوگی، تمام روئے زمین کے مسلمانوں کو حکم ہے کہ جس کے پاس استطاعت ہو آئے اور بیت اللہ کا طواف کرے، حج کرے، حج کر کے آدمی ایسا ہو جاتا ہے، جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو، ایسی برکت کی جگہ اور انہوں نے محنت میں کمی نہیں کی ہندوستان کو چھوڑ کر گئے، بیوی بچوں سے الگ ہو کر گئے اور وہاں جا کر ان کے پاس ٹھہرے اور ان کی ہدایت کے مطابق کام کیا اس کے بعد بھی فرما رہے ہیں، نفع نہیں ہوا نفع کے دو معنی ہیں، ایک معنی نفع کے ہیں ثواب! ثواب تو یقینا ہے اس کے اندر کوئی ذرہ برابر تردد اور شبہ نہیں ہے۔

دوسرے ایک اور معنی ہیں یعنی صفائی قلب! جس مقصد کیلئے قلب کی صفائی کیجاتی ہے قلب کی صفائی والی بات حاصل نہیں ہوئی لہٰذا مشورہ دیا کہ گنگوہ جاؤ وہ مکہ مکرمہ سے چل کر گنگوہ آئے، یہاں دو چیز کو چھڑایا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے ایک تو یہ کہ حدیث نہیں پڑھائیں گے، ایک مریض کیلئے نسخہ نہیں لکھیں گے، طبیب بھی تھے، نسخہ بھی لکھتے تھے

مریضوں کے لئے اور حدیث بھی پڑھاتے تھے۔

کوئی میعاد نہیں بتائی، ایسے ہی ہے جیسے کوئی طبیب کسی مریض کے متعلق کہدے پانی مت پیو، پانی جیسی ضروری چیز جس کے ساتھ حیات وابستہ ہے۔

"وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (سورۃ الانبیاء: ۳۰)

[اور ہم نے پانی سے ہر جاندار چیز پیدا کی ہے۔] (آسان ترجمہ)

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے معالج نے پانی پینے سے منع کر دیا تھا، سات برس تک پانی نہیں پیا۔

ایسے ہی حدیث پڑھانے سے منع کر دیا نسخہ لکھنے سے منع کر دیا اور پھر تیس دن گزرے تھے کہ ان کی تکمیل ہوگئی، اور پھر بھیج دیا مکہ مکرمہ حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس۔

حاجی صاحب نے ان کو دیکھا تو وجد آ گیا حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو، یا اللہ! کیا چیز بن کر آئے ہیں۔

اشکال مع جواب

یہ واقعہ میں نے ایک جگہ پر بیان کیا ایک مدرسہ کے مدرس تھے انہوں نے اشکال کیا پڑھانے سے کیوں روکا انہوں نے؟ حدیث پڑھانے سے، حدیث پڑھانا کوئی گناہ کا کام ہے، گناہ کے کام سے روک دیا، حقیقی بات تو اللہ کے علم میں ہے یا ان کے علم میں ہے، جنہوں نے یہ کہا مگر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد پر وہ عمل تو کرتے تھے اپنے اذکار کی پابندی کرتے تھے لیکن دھیان لگا رہتا تھا، کہ ابھی سبق پڑھانا ہے جا کر مریضوں کو دیکھنا ہے، یہ جو دھیان لگا رہتا تھا، یہ یکسوئی حاصل نہیں ہونے دیتا تھا، جس یکسوئی کی ضرورت تھی، لہٰذا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں چیز سے روک دیا، اور جب وہ فارغ ہو گئے تو پھر دونوں کی اجازت دیدی۔

....

اس پر پھر انہوں نے اشکال کیا کہ صاحب حاجی صاحب، تو پیر تھے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے، حاجی صاحب نہیں سمجھ سکے اس بات کو مولانا گنگوہیؒ سمجھے! میں نے کہا کہ بھئی حقیقی بات تو اللہ کو معلوم ہے یا ان کو معلوم ہے جن کا واقعہ ہے، میں کیا بتاؤں، مگر سمجھ میں یوں آتا ہے، کہ اگر حاجی صاحب سمجھتے کہ رکاوٹ یہ ہے اور حاجی صاحبؒ اگر منع فرما دیتے تو مان لیتے کہنا، لیکن دل کے اندر خرخشہ باقی رہتا اس واسطے کہ حاجی صاحب نہ حدیث پڑھاتے تھے، اور نہ نسخہ لکھتے تھے، مولانا گنگوہی حدیث بھی پڑھاتے تھے، نسخہ بھی لکھتے تھے، وہاں آکر یہ خدشہ باقی نہیں رہا کیونکہ مولانا گنگوہیؒ جب دونوں کام کرتے ہیں، اور انہوں نے منع کیا تو اس پر خیر ہی خیر ہے، حاجی صاحب کے متعلق یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب خود تو پڑھاتے نہیں حدیث اور دوسرا پڑھاوے تو اسے روکے ہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک لڑکا اسکول کا وہ رات کو کتاب نہیں دیکھتا گھر آکر سبق یاد نہیں کرتا، باپ خود اسکو نہیں کہتا بلکہ اس کے ماسٹر سے کہتا ہے، کہ اس سے کہئے کہ کتاب دیکھا کرے، رات کو، اس لئے کہ اگر باپ نے خود کہا تو وہ کہے گا آپ خود تو دیکھتے نہیں مجھے کیا کہتے ہیں۔

بدعمل باپ بھی نہیں چاہتا کہ اولاد بدعمل ہو

اسی پر یاد آیا کلکتہ میں ایک لڑکا انگریزی پڑھتا تھا، اس کے ماسٹر نے کہا ڈاڑھی منڈانے کو، اس نے آکر گھر شکایت کی لڑکا نمازی، ڈاڑھی بھی رکھتا تھا، باپ نے کہا میں کہدونگا چل کر ماسٹر سے، باپ گیا اور ماسٹر سے کہا کہ لڑکے کو ڈاڑھی منڈانے پر مجبور نہ کریں، میرا لڑکا ہے میں چاہتا ہوں کہ ڈاڑھی رکھا کرے، اس نے باپ کی اور دیکھ کر اور آپ کے خود تو ڈاڑھی ہے نہیں، یوں کہتے تھے میں تو شرما گیا کوئی جواب نہیں دے سکا۔

میں نے کہا فضول آپ شرما گئے آپ جواب دیتے زوردار، کیا جواب دیتا؟ میں نے کہا: جواب اس طرح دیتے کہ صحیح ہے میرے ڈاڑھی نہیں ہے، لیکن اگر باپ بدعمل ہو تو

کوئی نہیں چاہتا کہ میری اولاد بھی بدعمل ہو اولاد کیلئے داعیہ، جذبہ سب کے دل میں ہوتا ہے، باپ اگر جاہل ہو تو وہ یہ نہیں چاہتا کہ میرا لڑکا بھی جاہل رہے، جہاں تک یہ لڑکا پڑھ چکا، میں نے اتنا نہیں پڑھا لیکن میری طبیعت میں داعیہ ہے کہ میرا لڑکا پڑھے آپ نے یہ کبھی نہیں کہا کہ آپ نے تو پڑھا نہیں اتنا اسے کیوں پڑھا رہے ہیں، یہ جواب دیتے اس کو۔

تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ منع فرمادیتے وہ تسلیم بھی کرلیتے مگر خدشہ باقی رہتا دل کے اندر وہ کانٹا کھٹکتا رہتا، مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے منع کرنے کے بعد وہ کانٹا باقی نہیں رہا کیونکہ حضرت حدیث پڑھاتے ہیں، اور نسخہ بھی لکھتے ہیں، وہ ماہر ہیں درحقیقت حاجی صاحب نے مولانا گنگوہیؒ کے ذریعہ سے منع کرایا، یہ نہیں کہ حاجی صاحب سمجھتے نہیں تھے بات کو، خوب سمجھتے تھے اور پھر اللہ نے کیا کہ وہ کامل ہو گئے۔

معتکفین کے لئے ہدایات

اس واسطے اعتکاف میں خاص طور سے یکسوئی حاصل کرنے کی ضرورت ہے اسی لئے منع کرتے ہیں، کہ بات چیت مت کرو، آپس میں ایک دوسرے کی طرف مت دیکھو کوئی غیر مانوس آواز کان میں نہ آنے پائے، غیر مانوس لفظ زبان سے نہ بولے غیر جگہ پر قدم اٹھ کر نہ جائیں، غیر مانوس چیز کو ہاتھ مس نہ کرے، اس لئے ہر چیز کی احتیاط کی ضرورت ہے۔

تب جا کر اعتکاف کا پورا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اور بھئی رہا میرا قصہ تو میرا تو یہ ہے کہ اس دیوار کے پیچھے تھا یہاں آ کر بیٹھ گیا کچھ فرق نہیں پڑتا، جیسے وہاں تھا ویسے ہی یہاں آ کر بیٹھ گیا۔

میرا اعتکاف تو محض لفظ ہے، اعتکاف کی حقیقت سے بہت بعید، حقیقت تو نصیب نہیں، باقی اللہ تعالیٰ دوستوں کو عطا فرماوے، اور انکے طفیل میں مجھے بھی بخش دے، عطا فرمادے یہ اس کا کرم ہے۔

....

اس لئے جب اعتکاف کررہے ہیں، دس روز کا اعتکاف ہے اللہ تعالیٰ اس کے حق کو ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔اس پر حقیقی ثمرات مرتب فرمائے، یکسوئی نصیب ہو، اور اپنی ذات عالی کا جلوہ قلوب کے اندر پیدا فرمائے، اسی وجہ سے اعتکاف میں کھانا بھی نہیں، روزہ ہے، جتنا وقت صرف ہوتا ہے کھانا تیار کرنے میں وہ سب ذکر میں لگ گیا جتنی توجہ لگتی کھانا تیار کرنے میں وہ سب ذکر میں لگ گئی، اس لئے ان سب چیزوں سے بچ بچا کر رہیں، اور اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وکرم ہے کہ اس نے آپ کے لئے سب چیزوں کا انتظام کر دیا، کسی شخص کو بازار سے کچھ لانے کی ضرورت نہیں ہے، پکانے کی ضرورت نہیں ہے، لکڑی کی، گیس کی فکر نہیں ہے، پتیلی اور رکابی کی ضرورت نہیں سب چیزیں اللہ کے فضل سے یہاں موجود ہیں، اس کا کتنا بڑا انعام ہے، سارے افکار سے آپ کو خالی کر کے اپنے دروازے پر اس نے لا ڈالا اس کا بہت بڑا کرم ہے اسکی نعمت ہے، اسکی قدر کی ضرورت ہے، اور قدر یہی ہے، کہ وقت کو اِدھر اُدھر ضائع نہ کریں، زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت تسبیح وذکر میں مصروف رہیں مراقبہ میں مشغول رہیں، جب یکسوئی نصیب ہو جائے تب اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد میں بڑا لطف آتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بڑی حلاوت معلوم ہوتی ہے ایمان کی حلاوت نصیب ہوتی ہے، یکسوئی کے ساتھ حاصل ہوتی ہے، بغیر یکسوئی کے حاصل نہیں ہوتی۔

دوسروں کی اصلاح کا جذبہ

نیز ہر شخص کو یہ سوچنا چاہئے کہ میں اپنے نفس کی اصلاح کیلئے آیا ہوں، دوسرے کی اصلاح کے لئے نہیں آیا ہوں، دوسروں میں کوتاہی دیکھیں، غلطی دیکھیں ان کے اوپر ڈانٹ ڈپٹ نہ کریں، ان کے لئے سخت لب ولہجہ استعمال نہ کریں آپ کو اگر غایت درجہ محبت کا تعلق ہے تو اس سے نہایت شفقت اور نرمی سے کوئی لفظ کہدیں اور اس کے بعد اگر وہ نہ

مانے تو پھر اسکے درپے نہ ہوں وہ جانے آپ اپنا کام کریں، آپ یہاں کے ناظم اعلیٰ نہیں ہیں، ہر شخص اپنی اصلاح کیلئے آیا ہے جو شخص غلط کر رہا ہے، آپکے سر کیا ذمہ داری ہے، وہ جانے، آپ کو جذبہ "اَمر بِالْمَعْرُوف" اور "نَہِی عَنِ الْمُنْکَرْ" اٹھتا ہے تو شفقت اور نرمی کے ساتھ کہہ دیں، اور یہ "اَمر بِالْمَعْرُوف" اور "نَہِی عَنِ الْمُنْکَرْ" کا لفظ تو بہت مشہور ہے مگر غور کرنے کی بات ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، دس برس حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا ہوں، خادم تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ فلاں کام کر میں کہتا نہیں کرنے کا، حالانکہ میرے جی میں ہوتا تھا، کہ کروں گا مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے منع کر دیتا لڑکپن تھا، شوخی مزاج میں تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں کام نہ کرنا میں نے کہا میں ضرور کروں گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کام کے لئے بھیجتے میں جا کر کھیلنے کیلئے بچوں میں لگ جاتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتظار کرتے رہے، پھر آ کر دیکھا کہ میں ایک جگہ پڑ کر سو رہا ہوں زمین میں، مجھے اٹھایا مٹی جھاڑی، اس دس برس کے عرصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی لفظ ایسا نہیں فرمایا جو قلب پر گرانی کا باعث ہو۔

یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کام کیوں نہیں کیا، ڈانٹ ڈپٹ کر، ان چیزوں کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ "اَمر بِالْمَعْرُوف" اور "نَہِی عَنِ الْمُنْکَرْ" کا کون مکلف ہوگا، مگر وہاں یہ حال تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بچوں پر شفقت

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المؤمنین تھے سفر سے آئے ہیں لڑکے سامنے آ گئے، چھ برس کے، سات برس کے، آٹھ برس کے، محلہ کے عزیزوں کے اٹھا کے ایک کو

آ گے سواری پر بٹھالیا ایک کو پیچھے بٹھالیا لڑکوں کے آ کر دامن پکڑ لیا، انگلی پکڑ لی، شفقت تھی ان حضرات میں جو شخص کسی غلطی میں مبتلا ہو وہ زیادہ شفقت کا مستحق ہے، وہ بیچارہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا اسکی جڑ کو کاٹ رہا ہو اسکے اوپر شفقت زیادہ چاہئے نہ کہ ڈانٹ ڈپٹ غصہ، ناراضگی، غصہ، ناراضگی سے اصلاح نہیں ہوتی، اگر آپ کی ڈانٹ ڈپٹ سے کسی شخص نے آپ کی بات مان بھی لی تو یوں نہ سمجھنا کہ یہ اصلاح دائمی ہے آپ سے نظر بچا کر پھر کرے گا وہ کام، یہ درحقیقت اصلاح نہیں ہے، بلکہ یہ تو نظر کی چوری ہے۔

ایک نرس کی اصول پسندی

میں ہسپتال میں تھا کلکتہ میں کھانا آیا جو نرس خدمت کیلئے تھی اس سے کہا کھانے کیلئے، اس نے کہا: اسوقت تو میں ڈیوٹی پر ہوں میں نہیں کھا سکتی، ہمارے دوست جمیل صاحب ہیں انہوں نے کہا دیکھئے اصول کی اور قانون کی کتنی پابند ہے، میں نے کہا: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ"

یہ اصول کی پابندی ہے یہ تو ڈاکٹر کی نظر کی پابندی ہے، اندیشہ ہے کہ ڈاکٹر اگر اس وقت آ جاوے گا، تو وہ ڈانٹے گا اور جس وقت یہ اندیشہ نہ رہے پھر دیکھئے کتنی پابند ہے، اس چوری کے سلیقہ کو آپ نے کہدیا کہ اصول کی پابندی ہے یہ چوری کا سلیقہ ہے، جس وقت انہیں معلوم ہوا کہ ڈانٹے گا ناراض ہوگا، تو کھانے سے انکار کر دیا، اور جہاں اس کا اندیشہ نہیں رہا وہاں پھر اپنا کام کر گئے، اس سے اصلاح نہیں ہوتی چوری تو اس سے آتی ہے چوری کا سلیقہ آ جاتا ہے، لیکن اصلاح نہیں ہوتی اصلاح تو ہوتی ہے اس وقت جب منکر کا عیب ہونا منکر کا معصیت ہونا منکر کا پریشانی کا باعث ہونا، یہ قلب میں اتر جائے اس سے اصلاح ہوتی ہے، اس سے آدمی اسکو ترک کرتا ہے، اور جب تک قلب میں یہ بات نہیں ہوتی محض تھپڑ ہے کچھ بھی نہیں۔

اصلاح کے لئے خوف خدا کی ضرورت

حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ پہلی مرتبہ جب پاکستان گئے اور وہاں سے تشریف لائے تو بڑی تعریفیں کیں وہاں کی، کہ لوگ دودھ میں پانی نہیں ملاتے اور عورتیں بے پردہ نہیں ہیں، اور یہ ہو رہا ہے، میں نے ساری سننے کے بعد عرض کیا کہ حضرت ایک بات بتائیے کہ یہ سب کچھ ہے خدا کے خوف سے یا صدر ایوب کے ڈنڈے کا اثر ہے؟ کہنے لگے بھئی ہے تو ڈنڈے ہی کا اثر! میں نے عرض کیا پھر اس کی کچھ عمر نہیں ہوتی ، ڈنڈے کو گھن بھی لگ سکتا ہے، پانی میں بھی گل سکتا ہے، آگ میں بھی جل سکتا ہے، اس ڈنڈے بیچارے کی کیا عمر ہے، یہ اصل میں اصلاح ہی نہیں، اصلاح تو درحقیقت خوفِ خدا سے ہوتی ہے۔

خوفِ خدا پیدا ہونے کی صورت

خوف خدا کے پیدا ہونے کی یہی صورت ہے کہ آدمی اس کے صفات کاملہ کو ذہن میں رکھے کہ حق تعالیٰ نے ہمارے اوپر کتنے کتنے انعامات و احسانات فرمائے ان کو دیکھئے:

"وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" (سورۂ ذاریات: ۲۱)

[اور خود تمہارے اپنے وجود میں بھی؟ کیا پھر بھی تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔]

اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے تم کیا، اللہ تعالیٰ نے کتنی چیزیں کیسی کیسی مشینیں اسکے اندر بنا رکھی ہیں، کس کس طرح کھانا کھاتے ہیں، اور وہ ہضم ہوتا ہے، اس سے گوشت بنتا ہے خون تیار ہوتا ہے، دماغ میں جاتا ہے، اعضائے رئیسہ میں پہونچتا ہے کیسی کیسی چیزیں بنا رکھی ہیں اسکے اندر، ہم نے کچھ خرچ کیا ہے ان کے اوپر، کچھ محنت کی ہے صرف حق تعالیٰ نے بنایا، ایک مشین ہے ذرا سی خراب ہو جائے آدمی رکھا کا رکھا رہ جائے کچھ بھی نہ ہو سکے۔

نعمتوں کا شکرادا کرنے کی ضرورت

اس واسطے خداوند تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ نے انسان بنایا جانور بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، کل ہی کتاب میں پڑھ رہے تھے، وہ سور چرانے کا قصہ ابوعبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کا، کس طرح آدمی اشرف المخلوقات ہو کر سور چراتا ہے، ایسی بھی نوبت آتی ہے، سور بھی خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوق ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ آدمی نہ بناتا ہمیں، سور بنا دیتا تو ہم کیا کر لیتے؟ کچھ نہیں، سانپ بنا دیتے تو کیا ہوتا جو دیکھتا وہی مارنے کو دوڑتا اُسے، بچھو بنا دیتے کیا ہوتا، ہر ایک دیکھتے ہی جوتا اٹھاتا مارنے کیلئے، اُسے گدھا اور کتا بنا دیتے تو کیا ہوتا بھینسا بنا دیتا تو پیچھے بوگی میں جُتے جُتے پھرتے کیا حال ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا فضل ہے، کہ اس نے انسان بنایا انسان بننے میں ہماری کسی سعی کو دخل نہیں ہے، محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں کہ جسمانی اعتبار سے معذور ہیں کوئی نابینا ہے کسی کے ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں، پیر ٹوٹے ہوئے ہیں، قسم قسم کے امراض میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ نے سب سے نجات مرحمت فرمائی، کتنے انسان ایسے ہیں کہ انسان ہیں مگر عقل و دماغ ان میں نہیں ہے بے عقل ہیں، دیوانے ہیں، کتنے انسان ایسے ہیں کہ جن کے پاس رہنے کیلئے گھر نہیں، سڑک پر لیٹ گئے، دوکان کے سامنے لیٹ گئے اس طرح گزارا کرتے ہیں، تن پوشی کو کپڑا نہیں ...... کتنے انسان ایسے ہیں جن کے اولاد نہیں ہے، کچھ لوگ ہیں کہ جن کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے، آمدنی کا ذریعہ کچھ نہیں ہے۔

غرض قسم قسم کی چیزوں میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے نجات دی حفاظت فرمائی۔

کتنے انسان ایسے ہیں کہ ان کو انسان تو بنایا مگر وہ بت کے سامنے سجدہ کرتے ہیں بت پوجتے ہیں، پیپل کو پوجتے ہیں، پانی کو پوجتے ہیں پیشاب کو پوجتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں سے بچایا، کتنے انسان ایسے ہیں، کہ مسلمان ہیں مگر کبھی مسجد میں آنے کی توفیق نہیں ہوتی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دربار کی حاضری مرحمت فرمائی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ اس پر انعامات کے وعدے فرمائے ہیں، انعامات عطا فرماتے ہیں، درجات بڑھاتے ہیں، اسکے کتنے انسان ایسے ہیں کہ قرآن پاک نہیں پڑھا ہے نہیں جانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک پڑھایا۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، ہر نعمت کو انسان دیکھتا رہے سوچتا رہے، ہر نعمت پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ" (سورۂ ابراھیم:۷)

[اگر تم نے واقعی شکر ادا کیا تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو یقین جانو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔] (آسان ترجمہ)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ" (سورۂ نساء:۱۴۸)

[اگر تم شکر گذار بنو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیکر آخر کیا کرے گا۔] (آسان ترجمہ)

اگر تم شکر ادا کرتے رہو تو اللہ تعالیٰ کیوں عذاب دیں گے، عذاب کیوں ہوتا ہے، اسلئے کہ حق تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے انسان بنایا، مسلمان بنایا، اپنا کلام پاک تعلیم فرمایا ہے مسجد میں آنے کی توفیق دی، روزہ رکھنے کی توفیق دی اعتکاف کی توفیق دی۔

....

یہ انعامات ہیں حق تعالیٰ کے، جتنا جتنا اس کا شکرادا کریں گے، اتنے ہی درجات بڑھیں گے ان چیزوں کے اندر ترقی ہوگی ان کے ثمرات مرتب ہوں گے اس لئے کسی عارف کا شعر ہے۔

آدمیت دادۂ ای بازم مسلمان کردۂ

اے خدا! قرباں احسانت شوم

کہ احساں بر احساں کردۂ ای

اے خدائے پاک تونے آدمیت دی پھر تونے مسلمان بنایا قربان جاؤں انعام پر انعام کیا تونے کتنا بڑا احسان ہے حق تعالیٰ کا۔

اعتکاف کا فائدہ

سوچیں کتنے لوگ ایسے ہیں جو رات کو چوری کرتے ہیں، شراب پیتے، زنا کرتے ہیں، قسم قسم کی بدکاریوں میں مبتلا ہیں، کوئی لڑ رہا ہے، کوئی کسی کو مار رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان ساری چیزوں سے بچالیا ہے اور اپنے گھر لاکر دارالامان میں لاکر ٹھہرادیا ہے، مسجد کیا ہے؟ دارالامان ہے ان ساری چیزوں سے بچا کر اپنی ذات عالی کیلئے انتخاب فرمالیا ہے۔

آمی یہاں اگر اپنی زبان سے کسی کو گالیاں نہیں دے رہا ہے، جھوٹ نہیں بول رہا ہے کسی کی غیبت نہیں کررہا ہے، زبان کو حق تعالیٰ کی یاد میں اسکے ذکر میں تلاوت میں مشغول رکھا ہے کتنا بڑا احسان ہے کہ ان سب خرافات سے، ساری نجس جگہوں سے بچا بچا کر لاکر اپنے گھر میں اپنے مکان میں اپنی مسجد میں لاکر ٹھہرایا، اور سب کا اعزاز و اکرام کیا اس واسطے اس کی قدر کی ضرورت ہے اور قدر اسکی یہاں بھی ہے، اپنے یہاں بھی ہے ہر جگہ پر ہے، خداوند تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر ہر جگہ پر لازم ہے، ناشکری کا وبال ہر جگہ پر بہت برا آتا ہے، جہاں ناشکری ہے اس جگہ پر ایسے ایسے وبال آئے کہ اللہ کی پناہ۔

بغداد کی تباہی

بغداد کی سلطنت جوتباہ ہوئی ناشکری کی بناپرتباہ ہوئی بہت براحال ہوا کیفیت یہ ہوگئی تھی، تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک تاتاری نے دیکھا کہ ڈیڑھ سومسلمان ہتھیارلگائے ہوئے بھاگے جارہے ہیں، جان بچانے کیلئے، وہ تاتاری کہتا ہے کہاں جارہے ہو! ٹھہرجاؤ میرے پاس چھرانہیں ہے میں اپنے خیمہ سے چھرالیکرآتا ہوں، میں تم کو ذبح کروں گا، وہ سب کے سب وہیں رک جاتے ہیں، بھاگنے سے پیررک گئے پیروں میں بھاگنے کی طاقت باقی نہیں رہتی وہ اطمینان سے جاتا ہے، اپنے خیمہ سے چھرالے کرآتا ہے، ان سے کہتا ہے لیٹ جاؤ! وہ لیٹ جاتے ہیں، اوربکروں کی طرح سے اطمینان سے ان کو ذبح کرڈالا ہے، جس وقت حق تعالیٰ کی نعمتوں کاشکرادانہیں کیاجاتااوربجائے طاعت کے معصیت میں آدمی مبتلا ہوجاتاہےتوپھرایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔

ایک مکان میں ایک تاتاری عورت آتی ہے، وہاں مسلمان چھپے ہوئے تھے گاجرمولی کی طرح سے ان کو کاٹتی ہوئی چلی جاتی ہے، یہ کیفیت ہوجاتی ہے، بیس لاکھ مسلمان اس خطہ میں آباد تھے جس میں سے چودہ لاکھ قتل ہوگئے تھے۔

اس لئے خداوی تعالیٰ کی ناشکری سے ہمیشہ پناہ مانگنی چاہیئے بچنا چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری اورناقدری ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق عطافرمائے کہنے والے کوبھی اورسننے والوں کوبھی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

حقوق العباد

اور

گناہوں کی معافی کی صورتیں

اس زمانہ میں حقوق العباد میں بہت کوتاہیاں ہو رہی ہیں۔

اس بیان میں

☆......حقوق العباد کی اہمیت وضرورت کو بیان کیا گیا ہے۔

☆......کوتاہیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆......کوتاہیوں اور گناہوں کی معافی کی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

حقوق العباد
اور
گناہوں کی معافی کی صورتیں

خطبۂ مسنونہ... امابعد!

مالِ حرام سے احتیاط

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

"کل لحم نبت من مالٍ حرامٍ فالنار اولیٰ بہ"

(اتحاف السادة: ۵/۲۲۶، القسم الثانی فی آداب ھالة الاکل)

جو گوشت حرام مال سے پرورش پائے وہ جہنم میں جلنے کے ہی زیادہ لائق ہے، اسلئے حرام مال سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، ذرا سی بے احتیاطی سے حلال چیز حرام ہو جاتی ہے، گوشت حلال ہے، حلال طریقہ سے ذبح کیا ہے اس پر شراب کے کچھ قطرے پڑ جائیں حرام ہو گیا، آج بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو حرام ہیں اور ان کو استعمال کیا جاتا ہے۔

شراب کا حکم

ان میں سے ایک شراب ہے حدیث پاک میں اسکے بنانے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے جب آدمی شراب پیتا ہے ایمان اس کے اندر سے نکل

جاتا ہے۔(مشکوۃ شریف:۱۷)

سود پر لعنت

ان میں سے ایک سود ہے آج کثرت سے لوگ اس میں مبتلا ہورہے ہیں، حدیث پاک میں ارشاد ہے:

"عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ۔ رَواهُ مَسْلِمْ۔ (مِشْكوٰة شَريف:۲۲۴)

کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے پر، دینے والے پر، اسکے لکھنے والے پر اسکی گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی اور فرمایا لعنت میں یہ سب برابر ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی شفاعت پر ہی بڑا سہارا ہے اور آنحضرت ﷺ ہی لعنت فرماویں پھر ٹھکانا کہاں ہے؟ پھر بچنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے اس لئے اس سے بچنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، اگر کسی سے سود لیا ہے، اس کا واپس کرنا ضروری ہے اور آئندہ کو نہ لینے کا عہد کریں۔

غیبت کی حرمت

ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس سے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا خلال کرو، اس نے کہا میں نے تو گوشت نہیں کھایا،، ارشاد فرمایا تم نے فلاں شخص کا گوشت کھایا ہے، اس نے خلال کیا، گوشت کے ریزے دانتوں سے نکلے۔

معلوم ہوا کہ اس کی غیبت کی تھی، اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضاً اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ" (سورۂ حجرات:۱۲)

اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے، کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھالے اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو۔ (بیان القرآن)

ایک شخص کو روزہ بہت لگا، اس کو روزہ پورا کرنا مشکل ہوگیا، اس کی حالت کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا، ارشاد فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی غیبت کی ہے۔

غیبت کس کو کہتے ہیں؟ کسی کے بارے میں ایسی بات کہنا جو اس کو اگر معلوم ہو تو اس کو ناگوار ہو۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۲)

غیبت زبان سے بھی ہوتی ہے، قلم سے بھی ہوتی ہے، اخبار میں، اشتہار میں کسی کے بارے میں ایسی بات لکھ دینا چھاپ دینا جو اس کو ناگوار ہو یہ قلم کی غیبت ہے جو زبان کی غیبت سے بھی زیادہ سخت ہے۔

بہتان کی حرمت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت فرمایا، اگر وہ بات اس میں موجود ہو کہا تب بھی غیبت ہے، ارشاد فرمایا تب ہی تو غیبت ہے، اگر اس میں وہ (عیب) نہیں اور پھر بیان کیا جائے تو وہ بہتان ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۲)

ایک حدیث شریف میں ہے، قیامت میں جہنم کے اوپر پلصراط کو قائم کیا جائے گا اس پر لوگ گزریں گے، بہتان لگانے والے شخص کو پلصراط پر روک دیا جائیگا، فرمایا جائے گا، تم نے فلاں پر بہتان لگایا تھا، اس کا گواہ لاؤ وہ وہاں کہاں سے گواہ لائے گا، اور بعض دفعہ غیبت اشارہ سے ہوتی ہے۔ کسی نے کسی کی کوئی خوبی بیان کی یہ کہتا ہے گردن سے اشارہ کر کے جی ہاں یعنی ایسا نہیں اس کی برائی میں جانتا ہوں، یہ بھی غیبت ہے۔

اسی طرح غیبت ہاتھ کے اشارہ سے بھی ہوتی ہے، کسی کا پیٹ بڑھا ہوا ہے وہ اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے، یہ بھی غیبت ہے۔

غیبت کی ایک قسم

اور ایک غیبت کی قسم تو ایسی ہے کہ اللہ کی پناہ کسی نے کسی کی غیبت کی کسی نے اس کو منع کیا، اس نے کہا اس میں غیبت کی کیا بات ہے یہ تو میں اس کے منہ پہ کہہ دوں گویا غیبت کو غیبت ہی نہیں سمجھ رہا اور اس کو جائز کہہ رہا ہے، جس چیز کو قرآن پاک نے حرام فرمایا ہے:

"وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۔ اَلْاٰيَة" (سورۂ حجرات:۱۲)

یہ اس کو حلال کہتا ہے، اس لئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو کفر لکھا ہے۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ۔

مفلس کون ہے؟

حدیث شریف میں ہے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا:

"مَنْ لَّا دِيْنَارَ لَهٗ وَلَا دِرْهَمَ لَهٗ" (مشکوۃ شریف:۴۳۵)

جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو وہ مفلس ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں بہت ساری نیکیاں لے کر آئے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہ کسی کو گالی دی ہو، کسی کو ستایا ہو، کسی کی غیبت کی ہو، کسی کی آبرو ریزی کی ہو، کسی کے چپت مارا ہو، وہ سب بھی مطالبہ کرتے ہوئے آئیں گے، ایک آکر کہے گا اے پروردگار اس نے مجھے گالیاں دی تھیں، حکم خداوندی ہوگا، اسکی اتنی نیکیاں اسکو دیدی جائیں، اتنی نیکیاں اسکو دیدی جائیں گی، اسی طرح ہر ایک آکر کہتا رہے گا، اور اسکی نیکیاں انکو دی جاتی رہیں گی، یہاں تک کہ سب نیکیاں ختم ہو جائیں گی، پھر بھی اگر حقوق والوں کے حقوق باقی رہ جائیں گے تو انکی برائیاں لیکر اسکے اوپر ڈالدی جائیں گی، اور اس کو جہنم میں ڈالدیا جائے گا۔ (مشکوۃ شریف:۴۳۵)

یہ میری امت میں سب سے زیادہ مفلس ہے۔

زبان کی حفاظت

اس لئے زبان کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

ایک شخص حضرت رسول پاک ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور نصیحت کی درخواست کی، آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو دونوں ہاتھ سے پکڑ کر ارشاد فرمایا اس کی حفاظت کرو، ایک حدیث پاک میں ہے:

''اَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ'' (مشکوۃ شریف: ۴۱۳)

[اپنی زبان کو قابو میں رکھو۔]

ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا زبان کی باتوں پر بھی پکڑ ہوگی، ارشاد فرمایا تیری ماں تجھے روئے، انسان زبان کی کھیتی کی وجہ سے ہی زیادہ تر جہنم میں ڈالے جائیں گے، اس لئے زبان کی بہت حفاظت کی ضرورت ہے، اور سب برائیوں، گناہوں سے ہی حفاظت کی ضرورت ہے، چونکہ جنت اچھی جگہ ہے اچھے اعمال، اچھے اخلاق والے ہی اس میں جائیں گے، عیدگاہ میں جاتے ہیں، غسل کر کے، نئے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر جاتے ہیں، وہاں اللہ پاک کی طرف سے انعام ملے گا، اس لئے عیدگاہ اچھی جگہ ہے، اسی طرح جنت اچھی جگہ ہے وہاں جانے کے لئے اچھا بننے کی ضرورت ہے، اچھے اعمال، اچھے اخلاق اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

انسان سے گناہ ہو جاتا ہے، گناہوں سے معافی کے لئے بہت صورتیں بنا دیں۔

وضو کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے، بندہ وضو کرتا ہے، ہاتھ دھوتا ہے، ہاتھوں کے گناہ ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں، چہرہ دھوتا ہے چہرہ کے گناہ نکل جاتے ہیں، سر کا مسح کرتے ہیں سر کے گناہ نکل جاتے ہیں، پیر دھوتے ہیں پیر کے گناہ نکل جاتے ہیں، وضو سے فارغ

ہو کر پڑھتا ہے:

"اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

جنت کے آٹھوں دروازے اس کے لئے کھول دیئے جاتے ہیں، جس سے چاہے داخل ہو جائے۔

وضو کر کے مسجد کی طرف چلتا ہے، ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے، برائی مٹائی جاتی ہے۔

نماز کا انتظار

مسجد میں نماز کے انتظار میں جب تک بیٹھا رہتا ہے نماز کا ثواب ہی اس کیلئے لکھا جاتا ہے، فرشتے اس کے لئے مغفرت ورحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف:۵۸)

نماز کی فضیلت

اعتکاف کی نیت بھی مسجد میں داخل ہوتے ہوئے کر لیتا ہے، تو جب تک مسجد میں رہتا ہے، اعتکاف کا ثواب مفت میں ملتا ہے، ایک نماز سے دوسری نماز تک کچھ گناہ ہو گئے ہیں تو نماز ان کے لئے کفارہ بن جاتی ہے، نماز کی وجہ سے وہ گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں۔

روزہ کی فضیلت

باقی بعض گناہ ایسے ہیں جو روزہ رکھنے میں معاف ہوتے ہیں:

"اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ" (الحدیث) (مشکوٰۃ شریف:۵۸)

روزہ میرے لئے ہے میری محبت کی وجہ سے رکھا میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، دوسری نیکیوں کا بدلہ فرشتوں کے ذریعہ دلوایا جائے گا، روزہ کا بدلہ خود اللہ تعالیٰ جل جلالہ عنایت فرمائیں گے، اور بعض روایت میں ہے، "اَنَا اُجْزیٰ بِهٖ" میں خود اس کا بدلہ ہوں،

اللہ پاک اس کے ہو گئے پھر کیا کمی رہ گئی، کیا مر مٹنے کی چیز ہے۔

حج کی فضیلت

بعض گناہ ایسے ہیں جو حج کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ حج کرنے سے بندہ اس طرح گناہوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے کے دن پاک وصاف تھا۔ (مشکوٰۃ شریف: ۱۷۳)

ایک حدیث پاک میں ہے حج مبرور کی جزاء جنت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ (مشکوٰۃ شریف: ۲۲۱)

گناہوں کی معافی کی صورتیں

اور بعض گناہ ایسے ہیں جو کسٹم پر جب آدمی پریشان ہوتا ہے، معاف ہوتے ہیں، بعض گناہ ایسے ہیں جو بیماریوں، پریشانیوں سے معاف ہوتے ہیں، بعض گناہ ایسے ہیں جو موت کی تکلیف سے معاف ہوتے ہیں، بعض ایسے ہیں جو دنیا میں معاف ہوتے ہی نہیں قبر میں کچھ پکڑ ہوتی ہے، عذاب ہوتا ہے، اس سے معاف ہوتے ہیں، اور بعض گناہ قبر میں بھی معاف نہیں ہوتے، میدان حشر میں معاف ہوتے ہیں، بعض گناہ وہاں بھی معاف نہیں ہوتے، وہ جہنم میں جا کر معاف ہوتے ہیں، جب گناہ معاف ہو گئے پاک وصاف ہو گیا، اب جنت میں جانے کا مستحق ہوا اب اسکو جنت میں داخل کیا جاتا ہے، اگر کوئی شخص دنیا ہی سے پاک وصاف گیا تو وہ بعد کی سختیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، اور سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے، کپڑے پر جسم کا دھبہ میل ہوتا ہے، اس کو اسی اعتبار سے دھونا پڑتا ہے، بعض دھبے معمولی پانی ڈالنے سے صاف ہو جاتے ہیں، بعض کو رگڑنا پڑتا ہے، بعض دھبے پیٹرول سے صاف ہوتے ہیں، جیسا میل جیسا دھبہ ویسا ہی اس کو صاف کرنے کا طریقہ، یہی حال گناہوں کا بھی ہے۔

پل صراط کا سفر

حدیث شریف میں ہے، پل صراط سے بعض لوگ بجلی کی طرح گذر جائیں گے، بعض گھوڑے کی طرح بعض خچر کی اور گدھے کی رفتار سے بعض پیدل تیز رفتار سے بعض آہستہ آہستہ اور بعض جہنم میں گر پڑیں گے۔ "اَللّٰھُمَّ اَحْفَظْنَا مِنْہُ" (مشکوٰۃ شریف: ۴۹۴، ۴۹۵)

مذمت کبر

حدیث شریف میں ہے جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہے، وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف: ۵۳۳)

یعنی اگر اس نے توبہ نہیں کی تو جہنم میں عذاب کے ذریعہ اسکو صاف کیا جائے گا، تب جنت میں داخل کیا جائے گا، جیسے میلے کپڑے اس لائق نہیں ہوتے کہ ان کو پہن کر کسی تقریب میں جائیں پہلے دھو کر ان کو صاف کیا جاتا ہے، پھر وہ اس لائق ہوتے ہیں کہ ان کو پہن کر کسی تقریب میں جاسکیں۔

حقوق العباد کی فکر

اسی طرح کسی کا حق اپنے ذمہ ہونا، اس کو ادا نہ کیا، نہ معافی تلافی کی تو اسکو جہنم میں سزا دی جائے گی، اسکے بعد جنت میں داخل ہونے کے لائق ہوگا کسی کے دو پیسے بھی اگر اس کے ذمہ ہیں، تو اس کے بدلہ میں سات سو مقبول نماز اس کو دلائی جائیں گی، اگر اتنی نماز نہ ہوں گی تو اس کی برائی اسی کے بقدر اسکے اوپر ڈالدی جائیں گی، اس لئے ضرورت ہے کہ اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے پاک وصاف رکھنے کی کوشش کرتا رہے، گناہ ہو جائے فوراً توبہ کرلے، حقوق العباد ذمہ میں ہوں ان کو ادا کرے یا معافی تلافی کرالے۔

صغیرہ وکبیرہ کی معافی

اور بعض گناہ ایسے ہیں جو عبادات سے معاف ہو جاتے ہیں، علماء اس سے صغیرہ گناہ مراد لیتے ہیں، بعض حضرات نے صغیرہ کبیرہ کی فہرست تیار کر دی، پاکستان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے تفصیل لکھی ہے، کون گناہِ صغیرہ ہے اور کون گناہ کبیرہ۔

کبیرہ کے بارے میں تو لکھا ہے کہ اس کے لئے توبہ کرنا ہی ضروری ہے، اور ''حقوقُ الْعِبادَ'' کو ادا کرنا یا معاف کرانا ہی ضروری ہے یہ تو ضابطہ ہے یوں اللہ پاک کسی کو خصوصی فضل و کرم سے نوازے اور مراحم خسروانہ کے طور پر بلا سزا ہی بخشدے اس کا کرم ہے ،احسان ہے، صغائر کی معافی کی مختلف صورتیں ہیں، جن کو بیان کیا۔

عشاء وفجر باجماعت کی فضیلت

ان میں یہ بھی ہے، حدیث شریف میں کہ کسی نے عشاء کی نماز باجماعت پڑھی ، فجر کی نماز بھی باجماعت پڑھی، پوری رات اس کو عبادت کا ثواب ملتا رہے گا، گویا پوری رات عبادت میں گزری ۔(مشکوٰۃ شریف:۶۱)

نماز اشراق کا ثواب

نماز فجر پڑھ کر کوئی شخص اسی جگہ بیٹھے ہوئے ذکر کرتا ہے اشراق پڑھ کر اُٹھے اسکو حج ایک عمرہ کا ثواب ملتا ہے، مگر جو حج فرض ہے وہ تو وہیں جا کر ادا کرنے سے ادا ہوگا۔

بعض سورتوں کی فضیلت

کسی نے ایک مرتبہ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" پڑھی ایک تہائی قرآن کے برابر ثواب مل گیا، تین دفعہ پڑھی ایک قرآن کا ثواب مل گیا۔(مشکوٰۃ شریف:۱۵۸)

ایک مرتبہ "اَلْحَمْدُ" شریف پڑھی دو تہائی قرآن پاک کا ثواب مل گیا،

ایک مرتبہ "قُلْ یَآاَیُّھَا الْکَافِرُوْن" پڑھی ایک چوتھائی قرآن پاک کا ثواب مل گیا۔(مشکوٰۃ شریف:۱۸۸)

ایک مرتبہ سورۂ زلزال پڑھی نصف قرآن کا ثواب اس کو مل جاتا ہے۔(ایضاً:۱۸۷)

ایک مرتبہ یٰسین شریف پڑھنے سے دس قرآن پاک پڑھنے کا ثواب مل جاتا ہے۔

تیسرا کلمہ پڑھنے کی فضیلت

ایک دفعہ "سُبْحَانَ اللہ" کہتا ہے، ایک درخت جنت میں لگ جاتا ہے، ایک دفعہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" پڑھتا ہے، ایک درخت جنت میں لگا دیا جاتا ہے، ایک دفعہ "لَااِلٰہَ اِلَّا اللہ وَاللہُ اَکْبَر" پڑھتا ہے زمین آسمان کا درمیانی حصہ ثواب سے بھر جاتا ہے۔(ایضاً:۲۰۲)

توبہ کی فضیلت

غرض کہ گناہوں سے معافی کی بھی بہت سی صورتیں اللہ پاک نے بتادیں، نیکیوں کی صورتیں بھی بہت سی رکھدیں، ضرورت ہے کہ سب گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں، جو گناہ ہوگئے ہیں ان سے توبہ کریں، حدیث شریف میں ہے: "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَاذَنْبَ لَہٗ" (مشکوٰۃ شریف:۲۰۶)

گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی گناہ اس نے کیا ہی نہیں تھا، جو گناہوں کی معافی کی صورتیں ہیں ان کو اختیار کریں، جو نیکیوں کے طریقے ہیں، ان کو اختیار کریں، اللہ پاک آپ کو بھی عمل کی توفیق دے مجھ کو بھی توفیق دے۔ فقط

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

□□□

حفاظت ایمان

یہ بیان شہر جوہانسبرگ (جنوبی افریقہ)
میں نماز جمعہ سے قبل ہوا۔
نماز جمعہ سے قبل چونکہ وقت مختصر ہوتا
ہے اسلئے بیان بھی مختصر ہے۔

حفاظت ایمان

خطبۂ مسنونہ............امابعد!

منافق کی علامتیں

حدیث شریف میں ہے:

"علَامَةُ الْمُنَافِقِ اَرْبَع، اِذَاحَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَاخَاصَمَ فَجَرَوَاِذَااُوْتُمِنَ خَانَ" (مشکوٰۃ شریف:۱۷)

منافق کی چار علامتیں ہیں، جب بات کرے جھوٹ بولے جب وعدہ کرے پورا نہ کرے، جب کسی سے جھگڑا ہو بیہودہ بکے، جب اس کو کوئی امانت سپرد کی جائے اس میں خیانت کرے۔

جس میں یہ چار علامتیں موجود ہوں، وہ پکا منافق ہے اور اگر ایک علامت ہو تو ایک درجہ کا نفاق ہے، دو علامتیں ہوں تو دو درجہ کا اس میں نفاق ہے (دو تہائی نفاق دو تہائی ایمان) اگر تین علامتیں ہوں تو تین حصے نفاق ایک حصہ ایمان ہر شخص اپنے ایمان کی جانچ کرلے، کس درجہ ایمان ہے، دوسروں کے بتانے کی ضرورت نہیں، خود انسان فیصلہ کرسکتا ہے۔

اپنے اندر غور کرنے کی ضرورت ہے

اپنی حالت سے انسان دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ واقف ہوتا ہے، قرآن شریف میں ہے:

"بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ" (سورۃ القیامۃ:۱۴)

انسان اپنے نفس سے زیادہ باخبر ہوتا ہے۔

اس لئے اپنے اندر غور کرے، اور جو نفاق کی نشانی پائی جاتی ہو اس کو دور کرے۔

یہ نہیں کہ دوسروں کے پیچھے پڑے کہ تیرے اندر یہ نفاق کی علامت ہے، یہ علامت ہے یا فلاں منافق ہے، اب کسی کو منافق کہنے کا حق نہیں البتہ اپنے اندر ضرور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

حفاظت ایمان کی ضرورت

چونکہ ایمان انسان کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے، اس کے سامنے دونوں جہاں کی سلطنت کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ایمان اگر ہے، تو سب کچھ ہے ایمان نہیں تو کچھ بھی نہیں، جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے، اتنی ہی اس کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔

آج ہم اپنے مکانوں کی صفائی کا تو خیال کرتے ہیں، ان کو طرح طرح سجاتے ہیں اس پر روپیہ پیسہ خرچ کرتے ہیں، اور دکانوں کو صاف رکھتے ہیں، اپنے کپڑوں کو صاف رکھتے ہیں، روزانہ کپڑے بدلتے ہیں، ذرا سا دھبہ لگ جائے تو برداشت نہیں ہوتا، بدن کو بھی صاف رکھتے ہیں، روزانہ غسل کرتے ہیں، صابن لگاتے ہیں، خوشبو استعمال کرتے

ہیں، غرضکہ اپنی ہر چیز کی حفاظت اور اس کی صفائی کی کوشش کرتے ہیں مگر ایمان جیسی دولت کیا اس کی صفائی کی ضرورت نہیں، آج ہم کو اس کی حفاظت اور اس کی صفائی ستھرائی کا خیال نہیں۔

غور کرنے کی ضرورت

ہم غور کریں، جب بات کرتے ہیں، جھوٹ تو نہیں بولتے وعدہ کیا کسی چیز کا اس کے خلاف تو نہیں کرتے، کسی کا قرض ہے، اس کے ادا کرنے کا وعدہ کیا فلاں وقت ادا کریں گے، اس کے خلاف تو نہیں کرتے، ایک تو یہ ہے کہ انسان نے وعدہ کیا اس کو پورا کرنے کی کوشش کی مگر موقع نہ ہوسکا اب تو وہ معذور ہے، انشاء اللہ اس کی پکڑ نہیں لیکن انتظام ہے پورا کرسکتے ہیں پھر وعدہ پورا نہیں کرتے، یا جب وعدہ کررہے ہیں، تب ہی اس کو پورا کرنے کی نیت نہیں یہ نفاق ہے اس سے بچنے کی ضرورت ہے، کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ تو نہیں بکتے، حدیث شریف میں ہے جب بندہ گالی دیتا ہے، اسکے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ اسکی وجہ سے فرشتے کئی کئی میل دور بھاگ جاتے ہیں کوئی امانت ہمارے حوالے کردے، اس میں خیانت تو نہیں کرتے کسی کا حق ہمارے ذمہ واجب ہے اس کا ادا نہ کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے اسکو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کسی کی حق تلفی تو ہم نہیں کرتے، والدین کی، بیوی بچوں کی، پڑوسیوں کی، امام کی، استاد کی، کسی کی حق تلفی تو نہیں کرتے، جس کا جو حق ہے ادا کرتے ہیں، اسی طرح جو نعمتیں اللہ پاک نے انسان کو عطا فرمارکھی ہیں، ان کو اللہ پاک کی نافرمانیوں میں استعمال کرنا یہ ان نعمتوں کی حق تلفی ہے، امانت میں خیانت ہے یہ سوچنے کی ضرورت ہے جو کوتاہی ہو اسکو دور کریں، توبہ کریں جن چیزوں سے ایمان میں قوت آتی ہے، روشنی آتی ہے، اعمال نماز،

تلاوت اللہ کا ذکر، استغفار ان کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، جو نفاق کی نشانیاں ہیں، اور ہر قسم کے گناہ ان سب سے اپنے ایمان کی حفاظت کریں، اللہ پاک آپ کو بھی توفیق دے، مجھ کو بھی توفیق دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

دنیا میں مسافر کی طرح رہو

یہ بیان جنوبی افریقہ میں ہوا۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نصیحت فرمائی ہے۔ یہ نصیحت انتہائی جامع ومانع ہے۔ اس پر عمل کرنا دنیا کے تمام فتنوں کا علاج ہے۔

اس بیان میں بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض حضرات مشائخ کا طرز زندگی بھی بیان فرمایا ہے۔ جو بعد والوں کے لئے قابل تقلید ہے۔

دنیا میں مسافر کی طرح رہو

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔ اَمَّا بَعۡدُ!

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو نصیحت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بعضے حصے کو پکڑا اور فرمایا اوعمر کے بیٹے! دنیا میں اس طرح سے رہو جیسے مسافر، بلکہ اس طرح سے رہو جیسے کوئی راستہ پار کرنے والا ہو۔ (بخاری شریف: ۲/۹۴۹)

انداز نصیحت اور اس کی حکمت

دوسری روایت میں موجود ہے کندھے کو پکڑ کر ذرا ہلایا بھی اور فرمایا او عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے! مقصود زیادہ متوجہ کرنا تھا، کوئی فکر ہو دماغ پر کسی سوچ میں ہو تو ختم ہو جائے اور پورے طور سے دماغ حاضر ہو جائے بات سننے کیلئے اولاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کی اتنی وقعت تھی کہ ساری چیزیں ایک طرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی چیزیں ایک طرف پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیکر آواز دی اگر کوئی خیال کسی قسم کا ہوگا بھی تو وہ بھی ختم ہو گیا ہوگا۔

پھر پکڑ کر کندھے کو ہلایا بھی تاکہ نفس کا کوئی اثر اندر باقی نہ رہے نہ ادھر اُدھر کا کوئی خیال باقی رہے، پورے طور سے دماغ سب چیزوں سے فارغ ہو کر سننے کو تیار ہو جائے، ان

کو فرمایا اور دنیا میں اس طرح سے رہو جس طرح سے مسافر۔

مسافر کی حالت

مسافر آدمی کسی اجنبی شہر میں پہونچ جاتا ہے، جہاں کی زبان سے بھی ناواقف وہاں کے قانون سے بھی ناواقف، وہاں کسی آدمی کو بھی نہیں جانتا بالکل اجنبی ہے، جیسے ایک شخص ہندوستان سے آئے آپ کے یہاں (افریقہ) جو حبشی لوگ ہیں ان کے یہاں پہنچ جائے، کسی کی زبان نہیں جانتا، نہ کہیں ٹھہرنے کو جگہ نہ کسی سے اپنی بات کہہ سکے۔

حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عزیز کا واقعہ

جس طرح ایک دفعہ میرے ایک عزیز کہتے تھے کہ میں قسطنطنیہ گیا ترکی کے علاقہ میں وہاں مجھے بھوک لگی کوئی میری زبان سمجھنے والا نہیں، میں اپنی بات کس سے کہوں، کہ مجھے کچھ کھانے کو چاہئے، یوں بات کرتا ہوں تو میرا منھ کھول کے دیکھنے لگیں کہ کیا بات کہہ رہا ہے یہ، میں نے پیٹ پہ ہاتھ رکھا پھر ایک شخص آیا ہنستا ہوا، اور میرا ہاتھ پکڑ کر لے گیا، اور لیجا کر ایک جگہ کھڑا کر دیا، معلوم ہوا وہ بیت الخلاء ہے، وہ سمجھا استنجاء کا تقاضہ ہے، اسلئے بیت الخلاء لے گیا، جب ناواقف ہوں گے، تو یہی حال ہوگا، یہ کچھ کہیں گے، اس لئے فرماتے ہیں:

"کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْب"

[دنیا میں مسافر کی طرح رہو۔]

جیسے مسافر آدمی ہو کسی اجنبی جگہ پر پہنچ جائے اس کو کسی پر اعتماد نہیں، کوئی شناسا کہیں کوئی سہارا ٹھکانا نہیں اسی طریقہ پر دنیا میں رہنا، جس غرض سے آدمی اس شہر میں گیا ہے، وہ غرض جلدی سے جلدی پوری کر کے واپس آجائے اسی طریقہ سے اصل گھر ہے آخرت، دنیا

ایک اجنبی جگہ ہے وطن اصلی (جنت) سے آدمی کو یہاں بھیجا ہے۔

جن مقاصد کے لئے بھیجا ہے ان ذمہ داریوں کو اسی طریقہ پر پورا کرے اور اپنے گھر واپس ہو جائے، یہاں رہتے رہتے سوچتا رہے دیکھتا رہے کہ میرے سر جو ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں، ان کو میں نے کس حد تک پورا کیا ہے، جس حد تک پورا کیا ہے، اس پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے، جتنی کوتاہی ہوئی ان کوتاہی کی معافی مانگے آگے کو توفیق طلب کرتا رہے، باقی جو ذمہ داریاں ڈالی ہیں، ان کے پورا کرنیکی تدبیریں بتادی ہیں یہ نہیں کہ بے یارومددگار چھوڑ دیا ہو بلکہ پوری کرنے کے طریقے بتادیئے ہیں ہر چیز کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بار بار مختلف قسم کی نصیحتیں فرمائیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اپنے بعد کے لئے شوریٰ کا انتخاب اور حکمت عملی

ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ دیکھو عمر کے بیٹے! کوئی عہدہ قبول نہ کرنا، عہدہ قبول نہ کرنا، چنانچہ انہوں نے کبھی قبول نہ کیا یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات سے مایوس ہو کر لوگوں کے کہنے اور درخواست کرنے پر ایک شوریٰ مقرر کردی تھی، بعضے آدمیوں نے آکر عرض کیا کہ حضرت آپ کی حالت ایسی ہے کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کسی کو اپنا ولی عہد یا خلیفہ بنادیتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہوں فلاں فلاں نے بھیجا ہوگا، انہوں نے کہا جی فلاں شخص نے فلاں کا نام بتایا ہوگا، کہ اسے بتادو فلاں شخص نے فلاں کا نام بتایا ہوگا، کہ اسے بتادو، کہا جی سب کچھ بتادو یا انداز کرلیا، خیر چھ آدمی مقرر کردیئے تھے کہ ان چھ میں سے کسی ایک کو چن لیا جائے گا۔

اور یہ چھ آپس میں خود چن لیں گے، ساتواں ان میں سے اپنے بیٹے حضرت

عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بھی تجویز کیا اور فرمادیا کہ شوریٰ میں مشورہ میں یہ شریک رہیں گے لیکن ان کو چنا نہیں جائیگا، اپنے بیٹے کو شروع سے انکار کردیا تھا، کہ یہ ولیعہد اور خلیفہ نہیں ہوں گے، ان کو نہیں چنا جائیگا، ہاں مشورہ میں شریک رہیں گے، چنانچہ ارکانِ شوریٰ سات تھے اور جن میں چنا جائیگا، وہ چھ تھے، نیز پہلے سے انتظام فرمادیا۔

اصحابِ شوریٰ کی نگرانی کے لئے ایک جماعت کو مقرر فرمانا

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا میرے انتقال کے بعد امید یہ ہے کہ یہ حضرات کہیں جمع ہوں گے مشورہ کرنے کے لئے، اب میرا خیال یہ ہے کہ فلاں مکان میں جمع ہوں گے، تم اتنی بڑی تعداد لیکر جانا انصار میں اور اس مکان کا محاصرہ کرلینا۔

دیکھو! ان سات کے علاوہ کسی اور کو یہاں داخل نہ ہونے دینا تو شوریٰ کا جو اجلاس ہوا تھا، اس پہرے کے ساتھ ہوا تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ چننے کے لئے اور یہ فرمایا تھا کہ اگر پہلے روز یہ لوگ کسی کو طے نہ کرپائیں تو اگلے روز پھر جمع ہوں گے، پھر جمع ہوں گے تو پھر اسی طرح سے جانا، اور اگر دوسرے روز بھی طے نہ کرپائیں تو تیسرے روز پھر اسی طرح سے جانا اور تیسرے روز انکو کہنا کہ اب یہاں سے نکلنے کی اجازت نہیں بغیر انتخاب کئے طے کرکے نکلئے غرض اپنے بعد کیلئے پورا انتظام فرمادیا تھا، چونکہ آئندہ چل کر حضرت عبداللہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کسی اور رنگ میں ہونے کا بھی اندیشہ تھا، اسلئے پہلے ہی فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیات میں ایک خلیفہ زادے بہت بڑے امیر المؤمنین کے بیٹے ایسا نہ ہو کہ اس ماحول سے متأثر ہوکر کسی قسم کا کچھ تغیر پیدا ہوجائے اسلئے فرماتے ہیں:

"كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْب" (الحدیث)

یعنی اس طرح سے رہو جیسا کہ غریب مسافر اجنبی شخص جس کی کسی سے جان پہچان

نہیں کسی پر اس کو اعتماد نہیں، اعتماد نہ ہونیکا یہ مطلب نہیں کہ سب کو آدمی اپنا دشمن سمجھے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نصیحت

مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص جو آخرت میں نجات کرانیکی ذمہ داری لینے والا ہو، جس پر بھروسہ کر کے آدمی اپنی زندگی گزار دے یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مجھے بخشوائیگا، یہ بات نہیں ہونی چاہئے، کسی کے ساتھ اس واسطے کہ اپنا ہی کیا ہوا، کام آئیگا، کسی کے تعلقات پر بھروسہ کرنا ٹھیک نہیں اگر ٹھیک ہوتا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سب سے زیادہ چہیتی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت نہ فرماتے ان کو فرمایا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے: کہ فاطمہ رض! اس خیال میں مت رہنا کہ نبی کی بیٹی ہوں اس دنیا میں جو کچھ تجھے روپے پیسے لینا ہے لے لے اور آخرت میں اپنا کیا ہوا کام آئیگا، اپنا عمل کام آویگا۔

اصل اس مضمون کو ذہن نشین کرانا تھا اسلئے فرماتے ہیں:

"کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ"

[دنیا میں ایک پردیسی مسافر کی طرح رہو۔]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس میں داخلہ

حضرت عمر فاروق رض جس وقت تشریف بیت المقدس لے گئے ہیں، جہاد کا موقعہ تھا وہاں کے لوگوں نے دروازہ بند کر لیا اور پھر یہ کہا کہ اپنے امیر المؤمنین کو بلاؤ یہودی لوگ خوب پہچانتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، ان کی کتابوں میں حالات لکھے ہوئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گئے ہیں، اس طرح کہ ایک غلام کو ساتھ لیا ہے، اونٹ پر سوار ہیں غلام اس کی نکیل پکڑے ہوئے ایک منزل چلتے ہیں، ایک منزل پر پہنچ کر اونٹ سے خود اتر جاتے ہیں غلام کو سوار کرا دیتے ہیں، خو نکیل پکڑ کر چلتے ہیں، یہ امیر المؤمنین کا حال ہے وہ

امیر المؤمنین جن کے دبدبہ سے دنیا کانپتی تھی، اس طریقہ پر مساوات کا معاملہ کرنیوالے تھے غلاموں کے ساتھ خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی کی وصیت فرمائی:

"مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ" (سورۂ مؤمنون: ٦)

[سوائے ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آ چکی ہوں۔]

تمہارے ماتحت جو غلام ہیں ان کا لحاظ رکھو، طاقت سے زیادہ ان پر بار نہ ڈالو، ہر چیز میں رعایت کرنیکا حکم فرمایا یہ اس شان کے ساتھ میں گئے جب وہاں اطلاع ہوئی کہ امیر المؤمنین آ رہے ہیں، تو جو امراءعسا کر تھے لشکروں کے امیر تھے، متعدد حضرات وہاں سے آئے آگے چل کر استقبال کرنے کیلئے، یہ تقدیر الٰہی دیکھئے کہ جس وقت بیت المقدس میں داخل ہونیکا وقت آتا تھا، اس وقت میں باری تھی غلام کے سوار ہونیکی اور حضرت عمرؓ کے نکیل پکڑ کر چلنے کی، ان حضرات نے آ کر ملاقات کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ آپ سوار ہو جائیے، انہوں نے فرمایا نہیں میرے سوار ہونیکی باری نہیں غلام کے سوار ہونے کی باری ہے ورنہ تو زیادتی ہو جائیگی، اگر میں سوار ہو گیا، لہذا میں تو اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلوں گا، انہوں نے کہا غلام کو دوسرے اونٹ پر سوار کر دیا جائے گا، آپ اس کی فکر نہ کریں، فرمایا کہ نہیں جس وقت میں سوار تھا، غلام پیدل چلا تھا، جب غلام سوار ہو گا تو میں پیدل چلوں گا، پھر کہا گیا ذرا کپڑے بدل لیجئے بس اس پر تیور بدل گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غصہ سے، فرمایا ایسی باتیں کرتے ہو کیا ہمارے لئے شرف ان کپڑوں اور لباس میں ہے ہمارا اشرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے لباس نہیں۔

تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے، جس کرتے میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے وہ کرتہ پہنے ہوئے تھے، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو، یہودی نے جب دیکھا بیت المقدس کا دروازہ فوراً کھولدیا۔

ان کی کتابوں میں موجود تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی ایسی حالت میں

آئیں گے غلام سوار ہوگا، اور یہ اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے ہوں گے اور کرتے میں چودہ پیوند ہوں گے۔

تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اے عمرؓ کے بیٹے! ایک وقت ایسا آئیگا، کہ تیرا باپ امیر المؤمنین ہوگا، خلیفہ ہوگا، اور کرتے میں چودہ پیوند ہوں گے، اونٹ کے نکیل پکڑ کر غلام اس پر سوار کرائے ہوئے بیت المقدس کو فتح کرنے کیلئے جائیگا۔

یہ سب حالات سامنے آجائیں ایسے کا بیٹا ہے لہٰذا دنیا میں اجنبی اور مسافر کی طرح سے رہنا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دو یہودی جارہے تھے راستہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر آپس میں کہنے لگے یہ وہ شخص ہے جو ہم سب کو جزیرۃ العرب سے نکالے گا، آپس میں مشورہ کرکے ان کے پاس آئے اور کہا ایک وقت ایسا آئیگا، کہ آپ یہاں کے بادشاہ ہوجائیں گے، آپ اس وقت کیلئے ہمیں امن دیدیں اور ایک تحریر اس کی لکھدیں ہمیں یہاں سے نہ نکالیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہنسنے لگے میں اور عرب کی بادشاہت اونٹوں کا چرانے والا میرا کیا تعلق بادشاہت سے، کہا کہ نہیں نہیں آپ لکھدیں، وہ زمانہ چارسوبیس کا تو تھا نہیں، جانتے نہیں تھے چارسوبیس کیا چیز ہوتی ہے، بہرحال ایک پرچہ لکھدیا اس کے بعد پھر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے سب کو معلوم ہی ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نبوت گذرا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور گذرا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا، اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کیا۔

"اخرجو الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب"

(کنز العمال: ۳۸۲/۴، حدیث نمبر: ۱۱۰۱۵)

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی جس وقت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم نامہ بھیجا ہے اس وقت میں وہ دونوں آئے اور بتلایا آپ نے ہمیں یہ لکھ کر دیا تھا، اتنا پہچانتے تھے وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔

بہرحال بیت المقدس تو فتح ہوگیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا نصیحت پر عمل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا بڑا اہتمام کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت پر عمل کریں، لہٰذا ہمیشہ ہر عہدہ سے الگ رہے کوئی عہدہ قبول نہیں کیا بچے ہوئے رہے تنہائی پسند تھے، یہاں تک کہ فتنوں کے دور میں بھی یہ کسی فتنہ کی جماعت میں شریک نہیں رہے، علیحدہ رہے۔

فتنہ کے زمانہ میں عمرہ کا سفر

عمرہ کرنے کیلئے چلے ہیں، مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں تو ہنگامہ برپا ہے جبل ابی قبیس پر منجنیق قائم کرکے بیت اللہ پر گولہ باری کی جارہی ہے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو گرفتار کرنے کیلئے لوگوں نے منع کیا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کہ آپ ایسی حالت میں نہ جائیے حالات اچھے نہیں ہیں، انہوں نے کہا کیوں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے، راستے میں روک لئے گئے تھے، دشمنوں نے روک لیا تھا، نہیں جانے دیا تھا، اگر میرے ساتھ اس قسم کا معاملہ پیش آیا تو جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی وہ میں بھی کرونگا اور اس کے ساتھ ساتھ حج کیلئے بھی نیت فرمالی دونوں کریں گے۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ بہت مختصر ہوتے ہیں، اور بہت جامع ہوتے ہیں:

"کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْب"
[دنیا میں پردیسی مسافر کی طرح رہو۔]
گویا کہ مسافر ہو یہ گھر اپنا گھر نہیں ہے۔

اسٹیشن پر مسافر کا حال

جیسے مسافر آدمی کسی ریل کے اسٹیشن پر پہنچتا ہے، گاڑی میں سوار ہونا ہے گاڑی میں کچھ دیر ابھی باقی ہے، اب تھوڑا سا وقت اسکو گزارنا ہے، وہاں وہ نہیں فکر کرتا ہے کہ مکان بنالے اسٹیشن پر نہیں فکر کرتا کہ کوئی ہوٹل خریدلے، کوئی دکان لگالے، نیچے بیٹھنے کو جگہ مل جائے کرسی پر مل جائے تھوڑی سی دیر ہی کی تو بات ہے، جو چیز بھی طبیعت کے خلاف ہو اس کو برداشت کرلیتا ہے، یہ کہہ کر کہ ذراسی دیر کی بات ہے زیادہ وقت تھوڑے ہی گزارنا ہے، یہاں برداشت کرلیتا ہے، اسی طریقہ سے یہ جو دنیا میں ناگوار چیزیں پیش آتی ہیں، خلاف طبیعت چیزیں پیش آتی ہیں، ان کو برداشت کرلے یہ سوچتے ہوئے کہ یہ تو مسافر خانہ ہے تھوڑی دیر ٹھہرنا ہے، یہاں سے چلنا ہے اصل گھر وہ ہے اس کی فکر کرنی چاہئے۔

آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے

ایک روایت میں موجود ہے کہ دنیا میں جتنے دنوں تک رہنا ہے یہاں کیلئے اتنا عمل کرلو، اور آخرت میں جتنے دنوں تک رہنا ہے اتنا وہاں کے لئے عمل کرلو، آدمی انداز کرلے کہ اس دنیا میں زندگی کتنی ہے، آخرت کی زندگی کتنی ہے، آخرت کی زندگی کا تو حال معلوم ہے کہ وہ ختم ہونیوالی نہیں وہاں موت آنیوالی نہیں۔

موت کو کھڑا کر کے اہل جنت کو بتلایا جائے گا، آواز دیکر کہ اس کو پہچانتے ہو؟ ہاں صاحب خوب پہچانتے ہیں، ہر ایک کو واسطہ پڑا، اہل دوزخ سے کہا جائیگا، کہ اسے پہچانتے

ہو؟ کہیں گے ہاں خوب پہچانتے ہیں، وہاں ذبح کر دیا جائیگا، موت کو اور کہا جائیگا۔

"لَا مَوْتَ فِیْهَا اَبَدًا" (ابن ماجہ: ۱ ۳۲، ابواب الزہد باب صفۃ النار)

آج کے بعد موت نہیں، وہاں موت نہیں۔

لہٰذا آخرت کی زندگی کے ختم ہونیکا کوئی سوال ہی نہیں، اور اتنی طویل زندگی ہے اس کی انتہاء نہیں، البتہ دنیا کی زندگی کا انداز ہوتا ہے عامۃً ساٹھ ستر سال کی عمر اور کچھ آگے بھی ہو جاتی ہے، بہرحال ایک وقت ہے اس وقت تک گویا زندگی گزارنی ہے، اس دنیا میں جتنی مدت رہنا ہے، اس کے مطابق وہاں کیلئے کوشش کرلے اس لئے فرمایا:

"كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ"

دنیا میں ایسے رہو جیسے کہ اجنبی مسافر رہتا ہے، چیز اگر اپنے پاس سے چلی جائے اس کی فکر نہ کرے۔

دنیا کی ہر چیز فانی ہے

اس واسطے کہ تھوڑا سا وقت ہی ہے یہاں رہنے کا پھر ابھی چلے جائیں گے، چلی گئی کیا مضائقہ جانے دو جہاں مستقلاً رہنا ہے وہاں کی فکر چاہیئے یہاں انسان کے بدن میں جو چیزیں ہیں وہ بھی آہستہ آہستہ سب چلی جاتی ہیں، آنکھیں بھی چلی جاتی ہیں، کان بھی چلے جاتے ہیں، زبان بھی چلی جاتی ہے، پیٹ کا معدہ بھی جواب دے دیتا ہے، یہ قویٰ آہستہ آہستہ اس دنیا میں رہتے رہتے ختم ہو جاتے ہیں، حتی کے انسان دنیا سے جاتا ہے، تو بدن میں سے کوئی بھی چیز اپنے ساتھ نہیں لیجاتا، اور یہ سب چیزیں یہی ہیں جو پرانی رہ جاتی ہیں اور یہ بیکار ہو کے رہ جاتے ہیں، حتی کہ یہ جسم اس قابل نہیں رہتا کہ اس کو اپنے گھر میں رکھا جائے، حتی کہ اس سے تعلق ومحبت رکھنے والے لوگوں کی طبیعتوں میں ہیبت پیدا ہو جاتی ہے اس سے اگر کسی جگہ لاش رکھی ہو تو تنہا گھر والوں کو بھی جانا مشکل ہوتا ہے، ڈر لگنے لگتا ہے،

یہ کیفیت ہے لہٰذا یہ جسم بھی اجنبی ہے یہ اعضاء یہ قویٰ بھی اجنبی ہیں، یہاں کا مکان بھی اجنبی ہے یہاں کی دکان بھی اجنبی ہے، یہاں کی زمین بھی اجنبی ہے یہاں کا لباس بھی اجنبی ہے، سب چیزیں اجنبی ہیں، غیر ہیں باقی رہنے والی نہیں ہیں، یہ عنقریب چھوٹنے والی ہیں۔

جو کچھ حدیث پاک میں موجود ہے:

"اَحْبِبْ من شئت فانك مفارقة"

(العلل المتناهية لابن الجوزی: ۲/۴۰۳)

جس چیز کو تم چاہو محبت کرلو آخر انجام یہ ہے کہ اس کو چھوڑنا ہے اس سے جدائیگی اختیار کرنی ہے یہاں کی جو بھی چیز ہے اس سے جدائیگی ہے کوئی بھی ساتھ جانیوالی نہیں ہاں اعمال صالحہ ہی ساتھ جائیں گے، وہ انسان کے خود کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

اسی حدیث میں دوسرا ٹکڑا ارشاد فرمایا ہے:

"اَوْعَابِرِیْ سَبِیْلٍ"

یا ایسا جیسے کہ راستہ پار کرنے والا، او بمعنی بل بلکہ اس طرح سے زندگی گزارو جیسے راستہ پار کرنیوالا ہو، آدمی کو ایک مسافت طے کرنی ہے، راستہ میں کوئی بات کرنیوالا مل جاتا ہے، کوئی کھیل تماشہ کی چیز مل جاتی ہے، دل کو لبھانیوالی چیز کوئی مل جاتی ہے، سمجھدار آدمی ان چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، جہاں تک ہوسکے اپنی منزل جلدی طے کرنی چاہئے، اور زیادہ اس کا منظر دیکھنے کے لئے ریل گاڑی دیکھئے لائن ہے ٹرین کی اسکا پھاٹک ہے، اِدھر پھاٹک ہے اُدھر پھاٹک ہے، گاڑی کے آنے کا جب وقت ہوتا ہے تو پھاٹک بند کردیا جاتا ہے، اِدھر موٹریں، رکشہ، تانگے، پیدل مختلف قسم کی سواریاں رکی ہوئی ہیں، اُدھر بھی رکی ہوئی ہیں، سب اس انتظار میں ہیں کہ گاڑی گزرجائے گی پھاٹک کھلے گا، تو ہم گزریں گے یہاں سے، جس وقت پھاٹک کھلتا ہے، اس وقت میں ایکدم سب چلتے ہیں، پس وہ وقت ایسا ہوتا ہے۔ بہت ہی سنبھل کر چلنے کا، ہر ایک کو اسکی فکر ہے کہ میں جلدی سے

جلدی راستہ پار کر جاؤں، اور ساتھ ساتھ یہ بھی فکر ہے، کہ اُدھر سے بھی گاڑیاں آ رہی ہیں، اِدھر سے بھی گاڑیاں جا رہی ہیں ٹکر نہ لگ جائے ٹھوکر نہ لگ جائے ایکسیڈنٹ نہ ہو جائے، کوئی گر نہ جائے، خود نہ گر جائے، بہت احتیاط سے بچ کر جلدی سے جلدی یہاں سے گزر جائیگا آدمی، اس کی کوشش کرتا ہے۔

فرماتے ہیں: "اَوْ عَابِرِیْ سَبِیْلٍ"

کہ جس طرح سے راستہ پار کرنے والا ہوتا ہے، اس طریقہ پر زندگی گزارو دنیا کا رہنا یہ عیش و راحت کیلئے نہیں، عیش و راحت تو کسی اور مقام پر ہے، آج یہاں کام کرلو تو انشاء اللہ تعالیٰ آگے کو بس راحت ملے گی لیکن انسان چونکہ کمزور واقع ہوا ہے، مسلسل کام کرتا رہے تھک جائے گا، قویٰ جواب دیدینگے اس لئے اعتدال کی ضرورت ہے کہ جتنا برداشت ہو سکے اتنا کام کرے اور یہ نہ سمجھے کہ یہ دنیا عیش و آرام کی جگہ ہے۔

اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو

آگے فرماتے ہیں: "وَعُدَّ نَفْسَكَ فِیْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ"

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲/ ۱۸ ۴، طبعۃ العراق)

اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو، آدمی جیسے قبر کے اندر ہوتا ہے، دنیا سے چلا گیا، اپنے آپ کو ایسا سمجھو، جب آدمی قبر میں چلا گیا تو دنیا کے تقاضے سارے کے سارے ختم ہو گئے، اب کوئی تقاضہ باقی نہیں رہا جو تقاضے دنیا کے ہوا کرتے تھے، وہ سارے کے سارے ختم ہو گئے اور قبر والے کا تو حال یہ ہے کہ کوئی گیا گذرا بھی گذرے اس پر تو اسے کوئی پرواہ نہیں وہ کسی سے کوئی انتقام نہیں لیتا، قبر والے کو گالی دی جائے اس کے خلاف مضامین لکھے جائیں کوئی جواب نہیں دیتا، کوئی انتقام نہیں لیتا، تو فرماتے ہیں:

"وَعُدَّ نَفْسَكَ فِیْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ"

اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو، لہٰذا کسی سے کوئی انتقام نہ لو جو تمہاری حق تلفی کرے، کسی سے کوئی بدلہ نہ لو بلکہ جس طرح سے آدمی قبر میں ہوتا ہے، اسی طریقہ پر رہو، مشائخ و بزرگان دین اس کی مشق بھی کرتے تھے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ہے ان کا ملفوظ ہے وہ فرماتے ہیں، کہ میں نے تیس برس تک مشائخ کی خدمت کی ہے، کچھ مدت ایک کی، کچھ مدت دوسرے کی، کچھ مدت تیسرے کی، تیس سال اسی میں گزرے ہیں، اور پھر اسکی وجہ سے تیس سال گزر گئے، ریاضت و مجاہدہ کرتے ہوئے اور اب فنائے تام حاصل ہوئی ہے، اپنے آپ کو مردہ تصور کرتا ہوں، کوئی شخص میرے پاس آتا ہے، تو میں سمجھتا ہوں کہ میری قبر پہ آیا ہے، کوئی شخص سلام کرتا ہے، دوسرے کا سلام پہنچاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میری قبر پر کھڑا ہو کر مجھ کو سلام کر رہا ہے، پھر سوچتا ہوں کہ کبھی شاید میں زندہ ہوں، اور جب فنائے تام حاصل ہو جائے، آدمی کو تو سارے جھگڑے دنیا کے ختم سارے تقاضے ختم سارے عیش ختم، اور انسان بہت ہی ایک اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے، اس لئے فرماتے ہیں:

"وَعُدَّ نَفْسَكَ فِيْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ" (حوالہ بالا)

اپنے آپ کو اہل قبور میں سے شمار کرو، اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتیں بڑی عجیب نصیحتیں ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکے اوپر عمل کیا پورے طور پر عمل کیا یہاں تک کہ تاریخ کی سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس وقت مدینہ طیبہ میں یزید کی حکومت ہوئی اس وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے گھر والوں کو جمع کر کے خطبہ دیا، جو بخاری شریف میں مذکور ہے، کہ یزید اچھا آدمی نہیں ہے، ہم نے جو بیعت کی ہے وہ بیعت فسخ کرنے کیلئے نہیں کی، مقابلہ کرنے کے لئے لڑنے کے لئے نہیں کی خاموشی کے ساتھ صبر کرنے کیلئے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر

صبر ایک عجیب دولت ہے، انبیاء علیہم السلام کے جو اوصاف قرآن کریم میں مذکور ہیں ان میں بہت بڑا وصف صبر ہے، صبر کرنیوالے تھے حضرت ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کے ساتھ تو صابر لگا ہوا ہے:

"اِنَّا وَجَدْنَاهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ" (سورۂ ص: ۴۴)

ہم نے اسکو پایا جھیلنے والا بہت خوب بندہ، تحقیق وہ ہے رجوع رہنے والا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

بہت اچھے بندے اللہ کی طرف متوجہ ہونیوالے، لکھا ہے کہ بیمار ہوئے اور بہت سخت بیمار ہوئے، دیر تک بیماری کا سلسلہ رہا جب صحت ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا، ایوب! پہلے خوش تھے یا اب خوش ہو، بیماری کی حالت میں خوش تھے، یا تندرستی کی حالت میں خوش ہو؟ انہوں نے جواب دیا جب میں بیمار تھا تو صبح صبح ایک آواز آتی تھی، کہ ایوبؑ کیسی طبیعت ہے؟ اس آواز سے اتنی مسرت ہوتی تھی، کہ دن بھر تکلیف کا احساس نہیں ہوتا تھا، جب شام ہوتی تھی، تو پھر ایک آواز آتی تھی، کہ ایوب کیسی طبیعت ہے؟ اس آواز کی اتنی مسرت ہوتی تھی، کہ رات بھر کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا تھا، جب سے وہ بیماری ختم ہوئی تکلیف تو ختم ہوگئی لیکن وہ آواز آنی بند ہوگئی۔

بھئی! عیادت تو بیمار کی کیجاتی ہے، تندرست کی تھوڑے ہی کیجاتی ہے، اس طرح سے انبیاء کو آزمایا گیا ہے، آرے سے چیرا گیا ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بڑی سخت سخت مشقتیں پیش آئی۔

پرسکون زندگی کا نسخہ

اس لئے آدمی اس دنیا میں اگر راحت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہے، تو

اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے حقوق کو ختم کردے، یوں سمجھے کہ میرا کوئی حق کسی پر نہیں، اگر کسی شخص نے کچھ حق ادا کیا تو اس کا احسان سمجھو، اس نے مجھ پر احسان کیا نہ یہ کہ میرا کوئی حق واجب تھا، اس کے ذمے، جب دوسرے کا احسان سمجھے گا تو انشاء اللہ ہر ایک کے ساتھ میں خوش رہے گا۔

اچھے برے خیالات کی مثال

مولانا روم فرماتے ہیں لوگوں کی طرف سے اپنے ذہن میں اچھے خیالات کا ہونا ایسا ہے جیسا کہ پھول ہے چمن ہے خوشبو دار پھول لگے ہوئے ہیں، آدمی جس کو دیکھتا ہے اس کی طرف خیالات اچھے ہیں کہ بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسا کہ چمن میں کھڑا ہوا ہے، پھول سامنے ہے، آنکھیں بھی خوش ہو رہی ہیں، دماغ بھی خوش ہو رہا ہے، ناک کو بھی راحت مل رہی ہے، اور برے خیالات دوسروں کی طرف سے قائم ہونا ایسا ہے جیسے سانپ بچھو، آدمی دوسرے کے بارے میں برے خیالات کرتا ہے، تو جب جب تصور آتا ہے، تو سانپ تو سانپ کا تصور آیا بچھو کا تصور آیا موذی چیزوں کا تصور آیا، ان سے ملاقات کرتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے سانپ اور بچھو کے درمیان کھڑا ہو، لہٰذا جس کا دل چاہے اپنے گرداگرد پھول لگالے، جس کا دل چاہے سانپ بچھو جمع کرلے، مخلوق خدا کی طرف سے اچھے خیالات قائم کرلے، تو ایسا ہے جیسا کہ چمن لگالیا، اچھے اچھے پھول پودوں کا، جس سے ملاقات کریگا، جی خوش ہوگا، اور اگر برے خیالات قائم کئے دل میں غیض وغضب ہوا غصہ ہوا انتقام کا جذبہ ہوا تو ایسا ہے جیسے بچھو سانپ جمع کرلئے۔

اتنی اچھی تدبیر بتائی ہے، کہ آدمی سب کے ساتھ میں اچھے خیالات رکھے، اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے اندر کوئی نہ کوئی خوبی تو ضرور پیدا کی ہے، آدمی دوسروں کے اندر خوبیاں دیکھے، برائیاں کیوں دیکھے، برائیاں بھی ہوتی ہیں، ہر آدمی اپنے جسم کو دیکھ لے جسم کے

اندر غلاظت بھی بھری ہوئی ہے، دوسروں کے اندر بھی بھری ہوئی ہے، لیکن غلاظت سے کیا کام خوبی کو دیکھے، اس طرح اچھے اخلاق بھی ہوتے ہیں ان اخلاق کو دیکھے۔

قابل رشک بوڑھے کا واقعہ

ایک شخص بہت بوڑھا آدمی گاؤں کا رہنے والا بالکل ان پڑھ آیا کچھ مسئلہ پوچھنے کے لئے، اسے دیکھ کر مجھے بڑا رشک آیا، بڑی حیرت ہوئی کہ اللہ تو نے کیسے کیسے پیدا کر رکھے ہیں، وہ آیا اور آ کر اس نے تو مجھ سے ایک ہی دو باتیں پوچھی مگر وہ مجھے بہت کچھ بتا گیا، ہر بات پر یوں کہتا تھا، کہ دیکھو جی اللہ ہی کا حکم ہوگا تو بات یوں ہوئی ورنہ تو نہ جانے کیسے ہوتا، اس نے کہا ایک شکاری نے ایک ہرنی پکڑی، پکڑ کر لے آیا، اللہ نے ہرنی کو زبان دی، اس ہرنی نے کہا بھئی شکاری دیکھ اللہ ہی کا حکم ہوگا تو تو نے مجھے پکڑی، کہ تو نے مجھے گرفتار کیا، ورنہ تو تیری کیا مجال تھی، کہ تو مجھے پکڑ لیتا، اللہ مجھے بچانا چاہتے تو کیسے پکڑ سکتا تھا، اللہ ہی کی طرف سے یہ بات ہوگی، کہ تو نے مجھے پکڑا، جی اللہ نے تجھے قدرت دی اور میں تیرے قبضہ میں آ گئی، اسی اللہ نے مجھے دو بچے بھی دے رکھے ہیں، جب تک وہ چھوٹے ہیں میرے ذمہ ان کا دودھ پلانا بھی تجویز کر رکھا ہے، اس لئے میں تجھے اسی اللہ کا واسطہ دیکر کہتی ہوں، کہ تو مجھے چھوڑ دے، میں جاؤں اور اپنا فریضہ ادا کر آؤں، بچوں کو دودھ پلانے کا وقت ہے اس کے بعد میں آ جاؤں گی، پھر جس روز ختم کر یگا میری ذمہ داری ختم ہو جائیگی، ہر بات میں وہ یہ کہتا تھا کتنا پختہ یقین تھا اس کا، سمجھتا تھا، کہ اس کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے، سب سے پہلے اوپر اسی کی منظوری ہوتی ہے، وہاں سے منظوری ہوئی پھر اس دنیا میں اس کا ظہور ہوتا ہے، قطرہ پانی کا اوپر سے چلے گا، تب زمین پر پہنچے گا، بغیر اوپر سے زمین پر نہیں پہنچ سکتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز کی پہلے منظوری ہوتی ہے، لہٰذا انسان کو اگر ناگوار حالات پیش آئیں تو بھی صبر کی ضرورت ہے۔

غم کی وجہ اور اس کا علاج

اب حالات ناموافق کیوں آتے ہیں، اس کے بھی اس دنیا میں اسباب ہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

غم چوں بینی زود استغفار کن

غم بامر خالق آمد کار کن

[جب تم غم دیکھو تو جلدی سے جلدی استغفار کرو، غم خالق کے امر سے آیا ہے، کام میں لگ جاؤ۔]

تم پر جو کچھ ظلمت آتی ہے، غم آتا ہے، تمہاری بے باکی و گستاخی کیوجہ سے آتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں لشکر گیا ہوا ہے، جہاد کے لئے وہاں سے لشکر کے امیر نے اطلاع دی کہ صبح سے دوپہر تک جنگ ہوئی اور دوپہر کو اللہ نے فتح دی جس وقت اطلاع ملی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے. بہت روئے فرمایا کہ میری شامت اعمال ہے میرے گناہوں کی خطاؤں کی بات ہے کہ جس کیوجہ سے دوپہر تک جنگ ہوئی ورنہ کفر میں اتنی طاقت نہیں کہ اسلام کا مقابلہ کر سکے اتنی دیر یہ اسی وجہ سے ہوئی۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اپنا خلیفہ نامزد فرمانا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اپنی حیات سے مایوس ہوئے، تو ان سے بھی کہا تھا کہ حضرت آپکی حالت ایسی ہے امید نہیں کہ جان بچ جائے، آپ اپنا کسی کو خلیفہ بنا دیں، انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے خلیفہ بنایا تم نے نہ مانا تو کیا ہوگا، حضرت یہ کیسے ہو سکے گا، کہ آپؓ خلیفہ بنائیں ہم نہ مانیں کہا کسے بنا دوں؟ کہا جسے آپکا دل چاہے عمر رضی اللہ عنہ کو بنا دیجئے، چنانچہ تنہائی میں خلافت نامہ لکھا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لکھ کر اسے لفافہ میں

بند کیا اور اس وقت کے جو اونچے اونچے لوگ تھے ان کو بلا کر کہا اس میں جس شخص کا نام لکھا ہے، اس کے ہاتھ پر بیعت قبول کرو، بیعت قبول کر لی، اس کے بعد یہ کھولا، کھولا تو نام تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس مجمع میں نہیں تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام دیکھا تو بعضے لوگوں نے کہا حضور آپ نے ایسے شخص کو ہمارے اوپر مسلط کر دیا کہ ذرا سی بات ہوتی تو کہتے تھے اور غصہ کی حالت میں کہتے تھے، حضور اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں، منافق کی ذرا ذرا سی بات پر تلوار کی باتیں کرتے ہیں، خلافت آپ نے ان کے سپرد کر دی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کی سختی میری نرمی کیوجہ سے ہے، میں چونکہ نرمی کرنیوالا موجود تھا، اس وجہ سے وہ سختی کیا کرتے تھے، اگر میں نرمی کرنے والا موجود نہیں ہونگا تو خود نرمی کریں گے، غرض مطمئن کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا، بلا کر کہا کہ میں نے تم کو اپنے بعد کیلئے ولی عہد تجویز کیا ہے، انہوں نے معذرت کی، میں اس کا لائق نہیں میں معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف کر دیجئے میں خلیفہ نہیں بنوں گا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غصہ میں بستر سے اٹھ گئے فرمایا، عمر کی گردن اڑاؤ، یہ امیر کا حکم نہیں مانتا تب انہوں نے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے) قبول کیا تھا، تلوار کے ڈر سے کہ یہ میری گردن اڑا دیں گے، عہدہ ایسی چیز ہے، آج کہتے تو یہی ہیں کہ فلانے کا طریقہ، اکابر کا طریقہ، اکابر نے تو یہ کر کے دکھلایا، اس طریقہ پر کر کے بتلایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے۔

الیکشن کا حال

آج عہدے حاصل کرنے کے لئے تو مقابلہ ہوتے ہیں، جس کا نام الیکشن ہے، اللہ کی پناہ ایسی ایسی ذلتیں برداشت کرتے ہیں، جس کی حد نہیں، روپیہ بھی برباد، خاندان بھی برباد، وجاہت بھی برباد، عزت وحیثیت بھی ساری برباد، آنکھوں کا لحاظ بھی سارا برباد، اخلاق بھی

برباد، زبان بھی تباہ، کوئی چیز باقی نہیں رہ جاتی جو شرافت کے ساتھ باقی رہے، اور بعضے تو ایسی ستم ظریفی کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ سارا اسلامی طریقہ ہے، یہ اسلامی طریقہ ہے اسلام کو اس سے کیا تعلق، طریقہ ہے غیروں کا، منسوب کرتے ہیں اسلام کی طرف۔

میں عرض کررہا تھا کہ اس حدیث شریف کو جو حضور اقدس ﷺ نے سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو فرمائی تھی:

"کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ"

دنیا میں اس طرح سے رہو، جیسے ایک اجنبی مسافر، آیا تھا کسی نے گالی دی تو جواب نہیں دیا، کسی نے برا بھلا کہا تو جواب نہیں دیا، کسی نے دس روپیہ لے لئے تو جواب نہیں دیا، خاموشی کے ساتھ نکل گیا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھیلی چوری ہونے کا واقعہ

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے بازار آئے تھیلی ساتھ میں اشرفیوں کی، کچھ خریدنا تھا، ایک بدو آیا ہے اور آ کے جھپٹا مار کے لے گیا، بس یہ فوراً بھاگے اور بھاگ کر اپنے مکان میں جا کر کواڑ بند کرلئے بجائے اسکے کہ اس کے پیچھے دوڑتے یا اس کو کچھ کہتے کچھ نہیں کہا بھاگ کر اپنے مکان میں جا کر دروازہ بند کرلیا، وہ بدو چلا گیا دور تک، آگے چل کر دیکھا راستہ نہیں راستہ بند ہے، گھبرایا لوٹا انکے مکان کے قریب آ کر دوسری جانب پر گیا، آگے چل کر دیکھا تو اُدھر سے بھی راستہ بند، اب اسکے اوپر ہیبت طاری ہوگئی، اِدھر جاتا، اُدھر جاتا، ان کے مکان کے آس پاس ہی کچھ دور پر رہتا، سب طرف سے راستہ بند، اس کو خیال پیدا ہوا اس نے چلا کر کہا کہ لوگوں اس مکان میں جو شخص رہتا ہے اس نے میرے اوپر ظلم کیا، میرا راستہ روک لیا، لوگوں نے کہا کہ ارے کیا غضب کررہا ہے، یہاں تو بڑے بڑے بزرگ رہتے ہیں، بدو نے کہا میں نے انکی تھیلی ہی تو چھینی تھی، اور تو کچھ نہیں کیا، میرا راستہ

روک لیا ہے انہوں نے لوگ آئے اور آکر انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، مولانا نے آواز دی آئے دروازہ پر کہا دروازہ کھولئے، کہا مجھے فرصت نہیں میں نہیں کھولتا دروازہ۔

حضرت مسئلہ پوچھنا ہے، اچھی بات دروازہ کھولدیا اہل اللہ کی بات یہ ہے، کہ دین کی خاطر فوراً دروازہ کھولدیتے تھے، اچھی بات آجاؤ بے چارہ بدو پریشان ہے، اس کا راستہ رک گیا ہے، یہ تھیلی آپ کی پیش کررہا ہے، یہ ہے لے لو، کہا میں تو نہیں لوں گا، میں نہیں لونگا، اس واسطے کہ جب اس نے میرے ہاتھ سے تھیلی چھینی تو مجھے فوراً خیال آیا کہ یہ چند ٹھیکروں کی وجہ سے قیامت میں اس کو عذاب ہوگا، اور یہ حضور اکرم ﷺ کا امتی ہے، ایک امتی کو عذاب ہونے سے حضور اکرم ﷺ کو اذیت ہوگی، میں نے جب ہی معاف کردیا تھا، ہبہ کردیا تھا، یہ بے جان ٹھیکرے جن کی کوئی حیثیت نہیں، انکی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے امتی کو عذاب اور حضور اکرم ﷺ کو اذیت پہونچے گی، اس لئے میں نے معاف کردیا، اور حدیث شریف میں ہے:

"اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهٖ كَالْعَائِدِ فِي قَيْئِهٖ" (کنز العمال: ۹/ ۶۳۹/ ۱۶، ح: ۴۶۱۶۴)

جو شخص ہبہ کرکے واپس لے لے وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قے کرکے چاٹ لے۔

کہا اس کا راستہ بھی بند ہوگیا ہے، فرمایا ہاں جو کچھ کام میں نے کیا، اب اس کو اس سے توبہ کرنا چاہئے، اس نے توبہ کی تب وہ راستہ کھل گیا، لہٰذا حضرت کسی سے کیا انتقام لیتے، اپنی اشرفیوں کی تھیلی ہے اس کی وجہ سے جاکر دروازہ مکان کا بند کرلیا اور لینے کو تیار نہیں، تصور تو یہ ہے، کہ نبی اکرم ﷺ کو اذیت ہوگی، تکلیف پہنچے گی، جب اس کو عذاب دیا جائیگا، لہٰذا اس کی جڑ کاٹ دی تاکہ وہ عذاب میں مبتلا نہ ہو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے صبر کا واقعہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اس زمانہ کے حاکم نے بڑی زیادتی کی

جس زور سے آدمی کوڑا مارتا تھا اسی زور سے وہ کہتے تھے، "غُفِرَ اللّٰهُ لَكَ" اللہ تم کو معاف کرے اللہ تم کو معاف کرے، ان حضرات نے زندگی گزاری ہے اس دنیا کو مسافر خانہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اپنا گھر نہیں ہے، یہاں تک جو کچھ ہو رہا ہے ہمارے اوپر زیادتی ہو رہی ہے، یہ ہمارے اعمال صالحہ میں لکھا جائیگا، اور دنیا میں جو اذیت پہنچائی جائے اس کو معاف کر دیتے ہیں، اس کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ ہو۔

ذات مقدسہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا گہرا تعلق کہ ذرا سی چیز سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا خیال۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ پاکستان تشریف لے گئے، کراچی میں وہیں ان کا انتقال ہوا، ان کی ایک تحریر میں میں نے دیکھا وہ کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو قریبی رشتہ دار ایمان نہیں لائے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی نجات فرمادے اور ہمیں ان کا بدلہ میں دوزخ میں ڈالدے تو ہم راضی ہیں، اس کے لئے اس واسطے کہ ان کی نجات سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی مسرت ہوگی، یہ قربانی دینے کے لئے تیار یہ سب تعلق ہے تعلق کی بات ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ جس سے تعلق ہوگا تو ایسا ہی کرے گا، آدمی اس دنیا کو مسافر خانہ سمجھتے ہوئے، یہاں رہے، یہاں کی تکلیف ومشقت کو برداشت کرے، اور یوں سمجھے کہ یہ میرے لئے ذخیرہ آخرت ہے، اور جنھوں نے ستایا ہے ان سے انتقام نہ لے۔

چور کو برا کہنا

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، کہ کسی کی جب چوری ہوجائے تو چور کو برا بھی

نہیں کہنا چاہئے، چور کو برا کہنے سے کیا حاصل ہوگا، کیا وہ سامان روپیہ واپس آ جاتا ہے، چور کو برا کہنے سے کیا فائدہ۔

صبر کرو تو امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دور کر کے اپنی طرف قلب کو مائل فرمادے، بات یہ ہے اس دنیا میں رہتے رہتے یہاں کی چیز سے محبت پیدا ہو جاتی ہے، حالانکہ محبت تو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہونی چاہئے، قلب اللہ کی محبت کا گھر ہے، اس کے اندر تو اللہ کی محبت آباد ہونی چاہئے، اگر کسی اور چیز کی محبت اس میں آ جاتی ہے اللہ کو غیرت معلوم ہوتی ہے، اپنے مخصوص بندوں سے اس کی محبت کو دل سے نکال دیں۔

بچے کے انتقال پر تعزیت

ایک صاحب نے خط لکھا کہ میرا چھوٹا بچہ تھا ڈھائی تین برس کا اس کا انتقال ہوگیا، بہت صدمہ ہے میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک امانت حوالہ کی تھی اس کے کچھ حقوق آپ کے ساتھ وابستہ کئے تھے، آپ کو پرورش کی تاکید کی تھی، کچھ روز تک وہ امانت آپ کے پاس رہی اللہ نے وہ امانت واپس لے لی، یہ تو مقام شکر ہے، کہ جو امانت تھی وہ لے لی، اب آپ کو اس کی ذمہ داری سے سبکدوش فرما دیا، نہیں معلوم اللہ کے حکم کے مطابق اپ اس کی پرورش کر سکتے تھے یا نہیں، اس کے حقوق کو ادا کر سکتے تھے یا نہیں کر سکتے، اللہ تبارک وتعالیٰ پوچھ لے کہ ہم نے جو امانت دی تھی، اس کی تم نے پرورش نہیں کی اس کے حقوق کے مطابق اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ امانت واپس لے لی، آپ کو سبکدوش کر دیا، یہ تو مقام شکر ہے، رہا یہ کہ وہ جدا ہوگیا یہ تو عوارض ہیں، "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" ہم بھی اللہ ہی کیلئے ہیں، اور اللہ کی طرف جانیوالے ہیں، یہ تو ایسا ہے جیسے کہ حج کو جانیوالے جاتے ہیں کوئی پہلے جہاز سے گیا کوئی دوسرے سے کوئی تیسرے سے گیا، کچھ کچھ وقفے کے بعد جاتے ہیں، وہاں جا کر سب جمع ہو جاتے ہیں، اسی طریقہ سے یہاں یہ مسافر خا

نہ ہے، مسافر خانہ سے جا رہے ہیں اپنے اصلی گھر جا رہے ہیں، اور آہستہ آہستہ اپنے وقت پر جا کر سب وہاں اکھٹے ہو جائیں گے، سب سے ملاقات ہو جائے گی، سب کی تھوڑے دنوں کی جدائی گی ہے، آدمی اس دنیا میں رہتے ہوئے سفر کرتا ہے، کسی دوسرے شہر میں چلا گیا، ایک سال دو سال کئی کئی سال گھر نہیں رہتا بچہ جدا رہا، جیسے وہ جدائی ہے، اسی طریقہ پر یہ جدائی بھی ہے، کہ انشاء اللہ جا کر ملاقات ہو جائیگی، اس لئے اس دنیا میں رہتے رہتے جو چیز بھی خلاف مزاج پیش آئے اس کو برداشت کرلے اللہ کی خاطر اور یہ سمجھنا کہ یہ اللہ کے اذن کے بغیر نہیں اللہ کی طرف سے منظوری ہوئی، اور اللہ نے بیشک میرے لئے بہتر سمجھا ہے، اور میرے لئے یہی حال بہتر ہے اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، جو چیز تجویز کرتا ہے، وہ استعمال کی جاتی ہے، کیونکہ اس پر اعتماد ہوتا ہے، کہ حکیم ہمارا خیر خواہ ہے ہمارا ہمدرد ہے، اللہ تعالیٰ کے برابر کون خیر خواہ ہوگا ہمارا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کون بہتر چیزیں بتلانے والا ہوگا، ہمیں اس واسطے ان چیزوں کو برداشت کرنا یہ صبر ہے اسکی تلقین پر اس قرآن کریم میں بہت جگہ ہے انبیاء اور اولیاء اللہ تمام کی پوری زندگیاں بھری ہوئی ہیں، کہ دین کی خاطر ان حضرات نے کیسی کیسی مشقتیں برداشت کیں کیسی کیسی زیادتیاں برداشت کیں بلکہ ان حضرات کا تو یہ حال تھا۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے مخالف کو ہدیہ بھیجنا

ایک عالم تھے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ان کو ایک صاحب گالیاں دیا کرتے تھے، برا بھلا کہتے تھے، میں نام نہیں بتلاؤں گا، عالم کون تھے، حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد تھے مولانا محمد یحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے پکے تھے، مولانا کبھی کبھی انکی خدمت میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، کبھی نہیں کہا مجھے تم برا کیوں کہتے ہو، بلکہ ہدیہ بھیجا کرتے تھے، پھر ان کو آخر خود ہی شرمندگی ہوئی، اب برا بھلا کہنا چھوڑ دیا، مولانا نے ہدیہ بھیجنا چھوڑ دیا۔

انہوں نے ملاقات کی کہ صاحب کیا بات ہے جب میں آپ کو برا کہتا تھا گالیاں دیا کرتا تھا، تو ہدیہ بھیجا کرتے تھے، اب جب گالیاں دینا چھوڑ دیا، تو اس وقت سے آپ نے ہدیہ چھوڑ دیا، اس وقت تو آپ میرے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے تھے، فرمایا بھئی میں کیا احسان کرتا تھا، احسان تو اصل میں آپ کرتے تھے، ایسی چیز مجھے دیتے تھے جو آخرت میں میرے کام آوے، اب میں اسی کے بدلہ میں ایک بہت معمولی حقیر سی چیز بھیجد یا کرتا تھا، آپ کی خدمت میں آپ نے احسان بند کرلیا، میں نے بھی بند کر دیا۔

گالیوں کے جواب میں خاموشی

ایک منشی جی تھے، حضرت مولانا محمد یحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کام کیا کرتے تھے، ایک شخص آیا اور غصہ میں آ کر مولانا محمد یحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آواز دی مولوی یحی! یہ لکھ رہے تھے، اس وقت انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا وہ کھڑا ہوا، گالیاں دے رہا تھا، یہ لکھنے میں مشغول ہو گئے، اور اپنا کام کر رہے ہیں، حدیث شریف لکھ رہے ہیں، آخر کار وہ تھک گیا، تھک کر چلا گیا، انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، اگلے روز پھر اسی وقت میں آیا، پھر کہا مولوی یحیٰ! انہوں نے اس کو دیکھا، اس نے گالیاں دینی شروع کی یہ پھر لکھنے میں مشغول ہو گئے، چلا گیا، تیسرے روز پھر آ گیا اور یہ جو منشی تھے منشی محمد حسین صاحب مرحوم وہ پاس بیٹھے ہوئے تھے، بہت گہرے تعلقات تھے مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت چاہتے تھے محبت کرتے تھے، انہوں نے کہا مولوی یحیٰ صاحبؒ! تمہارے منہ میں زبان نہیں زبان ٹوٹ گئی، تمہارے کان نہیں رہے، دیکھتے نہیں یہ کیسی کیسی گالیاں دے رہا ہے تم کو، تم سے جواب نہیں دیا جاتا، مولانا یحیٰ صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کام میں پھر مشغول ہو گئے، اب منشی جی کو بڑا غصہ آیا کہا مجھے بھی انہوں نے ایسے ہی سمجھا اسی میں شمار کرلیا، جب بہت زیادہ غصہ میں ابھرے اور بیٹھا نہیں گیا، مارے غصہ کے اچھل رہے ہیں، تو پھر مولانا یحیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

نے فرمایا منشی جی مجھے ہی تو کہہ رہا ہے، گالیاں دے رہا ہے، آپ کو تو نہیں دے رہا ہے، جو بات وہ کہہ گیا آپ جو چاہیں جواب دے لینا آپ کے منہ میں تو زبان ہے۔

صحیح طریق زندگی

یہ طریقہ زندگی کا اکابر نے سکھایا، اس طریقہ کو آدمی اختیار کریگا تو انشاء اللہ تعالیٰ بڑی راحت رہے گی، آدمی جس جگہ کے راستہ پر چلتا ہے، وہیں کو پہنچتا ہے، اگر بیت اللہ کی طرف کو چلتا ہے، تو بیت اللہ کی طرف پہنچے گا، اگر بیت اللہ کی طرف نہیں اس کے مقابل سمت پر چلتا ہے تو پھر کیسے بیت اللہ پہنچے گا کہ جو راستہ تجویز کرلیا گیا، وہ تو مخالف سمت کا ہے۔

"اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا" (سورۂ دھر: ۳)

[ہم ان سے راستہ دکھایا کہ وہ یا تو شکر گذار رہو، یا ناشکرا بن جائے۔]

ایک شکر کا راستہ، ایک کفر کا راستہ مولائے حق تعالیٰ نے بتلا دیئے انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر انہوں نے ہمیں یہ تعلیم دی اور عمل کر کے دکھا دیا، اور اپنے بعد کیلئے بڑی جماعت کو چھوڑ گئے جو عمل کرے اور کرتی رہے ان سے بعد والوں نے سیکھا عمل کیا راستہ صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

دعا

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ"

اے پاک پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے، اے اللہ! یہ مہینہ گذر

رہا ہے، اے الٰہی! اس کی قدردانی نصیب فرما، اے اللہ! تیری بیشمار رحمتیں ہم سب پر نازل ہو رہی ہیں، اے خدائے پاک! کسی کو بھی محروم مت فرما، سب کو بھرپور حصہ عطا فرما، اے اللہ! ہماری زندگیوں میں انقلاب فرما دے، ہماری زندگیاں جو غلط راستہ پر چل رہی ہیں ہم کو اس سے ہٹا کر سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے، اے پاک پروردگار! نفس وشیطان کے پھندوں میں ہم پھنسے ہوئے ہیں الٰہی ان کے پھندوں کو توڑ کر کے ہم سب کو آزاد فرما دے، اور اپنا بندہ بنا لے، نفس کا بندہ نہ بننے دے، شیطان کا بندہ نہ بننے دے، خواہشات کا بندہ نہ بننے دے، اے پاک پروردگار! تیری نصرت ومدد کے بغیر ہم کچھ نہیں کرسکتے، اے پاک پروردگار! تیری دی ہوئی نعمتیں، تیری دی ہوئی طاقتیں ساری کی ساری تیری معصیت میں نافرمانی میں صرف ہو رہی ہیں، عذاب سے ہمیں محفوظ فرما۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِيْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

....

جو خدا کے یہاں بھیج دیا وہ باقی ہے

اس بیان میں دنیا کی فنائیت اور بے ثباتی اور آخرت کا دوام و بقاء اور اس سے متعلق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض مشائخ کے طرز زندگی کا بھی بیان آ گیا ہے۔

دنیا کا دار الفناء اور آخرت کا دار البقاء ہونے کا استحضار زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔

جو خدا کے یہاں بھیج دیا وہ باقی ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّا بَعْدُ!

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: "مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ" (سورۂ نحل:۹۶)

جو تمہارے یہاں ہے ختم ہو جائے گا، جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہے کبھی ختم نہ ہوگا۔ (ترجمہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ)

یہ دو چھوٹے جملے ہیں اور بہت جامع ہیں، قرآن پاک کی ساری باتیں جامع ہیں، ان میں تمام زندگی کا خلاصہ فرمایا گیا۔

بازار میں جانا

دنیا ایک بازار ہے آدمی بازار جاتا ہے، اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے، سیر و تفریح کے لئے جانا جائز نہیں کیونکہ بازار مَقَاعِدُ الشَّيْطَانِ ہیں، شیاطین کا ہجوم ہوتا ہے، اہل ہنود کی بڑی بڑی بلڈنگیں، اونچی اونچی عمارات ہوتی ہیں، آدمی اُدھر نظر کرتا ہے، تو طبیعت للچاتی ہے، لیکن ضروریات زندگی بازار میں ملتی ہیں، جب بازار میں جاتا ہے، تو اپنے پیسے وغیرہ لے جاتا ہے اور ضروریات کی چیزیں خرید کر لاتا ہے۔

اصل دار "دارِ آخرت" ہے

یہی حال اس دنیا کا ہے، اس دنیا کو بازار بتایا اور دراصل دار دارِ آخرت ہی ہے۔

"خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَداً"

وہاں ایسی حیات ہوگی کہ جس میں ممات نہیں، وہاں ایسی صحت ہوگی جس میں بیماری نہیں ہوگی، وہاں ایسی قوت ہوگی، جس میں ضعف نہ ہوگا، خوشی ایسی کہ اس میں غم نہ ہو گا، خدائے پاک کی رضامندی ایسی کہ اس میں ناراضی نہیں بس اصل دار وہی ہے، اس دار میں اصل ضروریات ہوں گی، وہ وہاں کی شان کے لائق ہوں گی، جیسے اس دنیا میں کپڑے، کھانے کی، سونے کی چیزیں، ضروریات ہیں، ان کو خریدنے آدمی جاتا ہے، پیسہ روپیہ جیب میں رکھ کر، اشیاء تجویز کی جاتی ہے، اسی طرح آخرت کی ضروریات وہاں کی شان کے لائق ہیں، وہاں کی قیمت یہاں بھی ملتی ہے۔

مقصد زندگی

خدا نے انسان کو بھیجا کہ ایسی چیزیں کمائے کہ جو چیزیں آخرت میں کام آئیں، دنیا کی چیزوں کے لئے نہیں بھیجا بلکہ آخرت کی چیزیں کمانے کیلئے بھیجا کہ دنیا کی چیزیں بس یہیں رہ جائیں گی، آتے وقت ننگا آیا، ایک جوڑا کپڑے ساتھ نہیں لایا، ایک دن کی خوراک ساتھ نہیں تھی، مگر اس کے ساتھ خزانہ دیکر بھیجا، خزانہ عمر کا دیا، پچاس سال ساٹھ سال ستر سال اسی نوے سال سو سال دیکر بھیجا اس عمر کے خزانہ کے ذریعہ وہ خرید سکتا ہے، ایک ایک ساعت قیمتی ہے، بڑے بڑے ہیرے جواہرات اس کی زندگی کے مقابلہ میں ہیچ ہیں، ہیروں کی کوئی حیثیت نہیں، قرآن شریف پڑھ سکتا ہے، استغفار اور دین کی باتیں کرسکتا ہے، جو وقت انسان کا گزرے اس میں زبان خرچ ہوتی جائے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ"

(کنز العمال: ۱/۴۲۷، حدیث: ۱۸۴۱)

[تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہے۔]

جب زبان ہے تو ذکر سے خاموش کیوں ہے جیسے کسی کے پاس ہیرے ہیں، بھوک لگ رہی ہے اسی واسطے ہے کہ آخرت میں کام آنیوالی چیزیں اس سے خریدے، قرآن شریف پڑھا زبان کی مشغولی ہوگئی، ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔

درود شریف کی فضیلت

کوئی شخص درود شریف پڑھتا ہے، کوئی شخص درود پڑھتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوتے ہیں، درود شریف کے سوغات بھیجنا شروع کردے۔

حدیث پاک میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ان للّٰہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام"
(مسند احمد: ۱/۳۸۷، الفصل الثالث)

کہ اللہ جل شانہ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں، کہ جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں، اور میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہونچاتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میرے پاس کھڑے ہو کر سلام بھیجتا ہے تو میں سنتا ہوں، اور اگر غیبوبت میں سلام بھیجتا ہے تو پہنچایا جاتا ہے:

"من صلّی علیَّ عِندَ قبری سَمعتُہٗ وَمَنْ صَلّٰی عَلِی نَائیًا ابلغتہ"
(کنز العمال: ۱/۴۹۸، حدیث نمبر: ۲۱۹۷)

[جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے اس کو میں کو دسنتا ہوں اور جو شخص دور سے درود پڑھتا ہے وہ مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر فرشتہ مقرر ہے

ایک حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے ایک فرشتہ

میری قبر پر مقرر کر رکھا ہے، جس کو ساری مخلوق کی باتیں سننے کی قدرت عطا فرما رکھی ہے، پس جو شخص بھی مجھ پر قیامت تک درود بھیجتا رہے گا، وہ فرشتہ مجھ کو اس کا اور اس کے باپ کا نام لیکر درود پہنچاتا رہیگا، کہ فلاں شخص جو فلاں کا بیٹا ہے اس نے آپ پر درود بھیجا۔

"اِنَّ اللّٰہ وَکل بقبری ملکا اعطاہ اسماع الخلائق فلا یصلی علی احدٌ الیٰ یوم القیمۃ الا ابلغنی بأسمہ واسم ابیہ ھذا فلانُ بن فلان قد صلی علیک"

(مجمع الزوائد: ۱۰/ ۲۵۱، دار الفکر بیروت)

تو اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے ہیں، زبان کو بیکار خرچ نہیں کرنا چاہئے، تلاوت میں ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، کان سنتے ہیں، تو کان کی نیکیاں الگ ملتی ہیں، اگر دیکھ کر پڑھ رہا ہو، تو آنکھ کی نیکیاں علیحدہ ملتی ہیں، اسی طرح انگلیاں نیکیاں کماتی ہیں اگر ان سے آدمی کام نہ لے تو اسکا قصور ہے، اگر معنیٰ سمجھتا ہے تو ایک ایک حرف کا معنیٰ سمجھنے میں بھی دس نیکیاں ملتی ہیں، ہاتھ پیر زبان کان آنکھ دل خدا نے عطا فرمائے ہیں۔

۹۹ رلوگوں کے قاتل کی مغفرت

ایک شخص پچھلی امتوں میں تھا بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا تھا، ننانوے قتل کئے تھے، ایک مقتدا سے جا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ ننانوے خون تو نے کئے ہیں، تیری کیسے مغفرت ہوگی؟ تو اس نے کہا کہ ایک عدد کی کمی ہے اسکو بھی پورا کر دوں۔

چنانچہ اس مقتدا کو بھی قتل کر کے اس نے سو کا عدد پورا کر دیا۔ ایک اور سے پوچھا تو ان صاحب نے کہا کہ فلاں بستی میں جاؤ وہاں صلحاء رہتے ہیں، وہاں تمہاری دعا قبول ہو جائیگی، راستہ میں انتقال ہو گیا، جب راستہ میں گرا تو گر کر بھی تھوڑا کھسک گیا، جب تک طاقت رہی اس کو استعمال کیا تو ایک طرف عذاب کے فرشتے آ گئے تو دوسری طرف رحمت

کے فرشتے آ گئے، پھر ایک چاہتا تھا کہ میں اس کی جان نکالوں عذاب والے کہتے تھے کہ ہم اس کی جان نکالیں گے کیوں کہ اس نے بہت گناہ کئے ہیں، رحمت کے فرشتے کہتے تھے کہ اس نے توبہ کا ارادہ کر کے راستہ چلنا شروع کر دیا ہے، لہذا ہم اس کی جان نکالیں گے، محاکمہ کے لئے اوپر سے فیصلہ ہوا کہ زمین کی پیمائش کرلو، جتنی زمین زیادہ طے کی ہے، گویا، اتنا توبہ کی زمین کے قریب ہوگیا، کیونکہ قریب شیٔ کا حکم اسی کا حکم ہوتا ہے۔

"وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً ‌ؕ وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ" (سورۂ نساء: ۱۰۰)

اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے گا اسکے مقابلہ میں جگہ بہت کشایش اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، پھر آ پکڑے اسکو موت تو مقرر ہو چکا اسکا ثواب اللہ کے یہاں۔ (ترجمہ شیخ الہند ؒ)

حج کے راستہ میں موت

ایک شخص حج کو جا رہے تھے راستہ میں اونٹ سے گرے، گردن ٹوٹی ان کا انتقال ہوگیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی شخص حج کے ارادے سے نکلے اور راستہ میں انتقال ہو جائے تو قیامت میں وہ شخص لبیک لبیک کہتا ہوا اٹھے گا۔

رحمت حق کے کھینچنے کی مثال

تو دین کا ارادہ یہ بھی خدا کے یہاں قابل قدر ہے، پیروں سے مسافت طے کرنیکا لحاظ کیا گیا، پیمائش شروع کی گئی، تو خدا نے زمین کو حکم فرمایا کہ کھچ جا اور بستی کی طرف کی زمین کو حکم دیا کہ سکڑ جا، جب پیمائش کی گئی تو ایک بالشت زائد اس بستی کی طرف تھا، پر رحمت

حق کے فرشتوں نے اس کی روح قبض کی، درحقیقت رحمت حق کھینچتی ہے، ایک بچہ ہے آپ کی گود میں ہے آپ اسکو اپنی طرف سے بلاتے ہیں اور میں اسکو اپنی طرف بلاتا ہوں، مگر وہ چلنے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن میری طرف ذراسا اس نے اشارہ کیا میں لپک کر لے لیتا ہوں، بس یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ کھینچ لیتے ہیں ہر ایک آدمی اپنی طرف سے نیک کام کا ارادہ کرے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استعمال

ایک بزرگ جیل میں تھے، ان کا یہ حال تھا کہ ہر جمعہ کو غسل کر کے نماز کی تیاری کرتے تھے، دروازے تک آتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اتنا ہی میرے بس میں ہے، جب آنکھیں نہیں رہیں گی، اس وقت پتہ چلے گا کہ کتنی تلاوت کر سکتے تھے، جب طاقت نہیں رہے گی تب پتہ چلے گا، کہ حج کر لیتے جہاد کر لیتے روپیہ نہ رہے گا تب پتہ چلے گا، کہ کتنا روپیہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے، قدر دانی ان نعمتوں کی یہی ہے کہ ان نعمتوں کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اس میں برابر خرچ کیا جائے، بس بے محل خرچ کیا تو یہی اس کے لئے وبالِ جان بن جائے گا، قرآن کے اوراق کو ایک نے پوڑیا بنانا پتنگ بنانا شروع کر دیا، تو کتنا بے محل استعال کرتا ہے، اسی طرح ان آنکھ کان زبان ناک وغیرہ کا حال ہے، ایک شخص ملازم ہے اس کو دفتر کا کمرہ ملا کرسی ملی، میز، ریڈیو، بجلی کا پنکھا ملا، قلم کاغذ فون ملا اور اس کو وقت دیا گیا، کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک کام کرے مگر وہ شخص جس ڈیوٹی پر ہے اس کو پورا نہیں کرتا، کرسی مکان میں رکھ لیتا ہے، اور میز کمرے میں رکھ لیتا ہے، پنکھا اتار لاتا ہے، کیا ایسا شخص اعزاز کے قابل ہے، نہیں وہ سخت مجرم ہے، اسی طرح حق تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں، وہ اسی طرح اس کی اطاعت میں اسکو خرچ کرے، اور کوئی اپنی نعمت نفسانی خواہشات کو پورا کرنے میں استعمال کرتا ہے، تو وہ مجرم ہے۔

قیامت میں ہونے والے سوالات

حدیث میں آتا ہے، کہ ہر آدمی سے چند سوالات ہوں گے، ایک یہ کہ روپیہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ تم کو عمر دی کہاں خرچ کی سو سال کی عمر کو کہاں خرچ کیا؟ جوانی دی تھی کہاں خرچ کی؟

کتنے لوگ ایسے ہیں کہ ساٹھ ستر حج کئے، کتنے کار آمد ہوئے، ایک ہزار نفل روزانہ پڑھتے تھے، مخلوق کو نفع پہنچاتے تھے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ دن بھر کام کیا، رات کو تھک تھکا کر لیٹے تھے، ایک شخص نے آکر کچھ چاہا تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ ابھی تھک تھکا کر لیٹے ہیں، ذرا آرام کرنے دو، تو اس شخص نے کہا کہ کہدو کہ قبر میں جا کر آرام کریں۔

خدا کی رضا کی خاطر احکام کی پیروی کی خاطر بڑی قربانیاں دی ہیں، اور قانون یہ ہے کہ جو مسلمان ہوجائے اسکا ذمہ یہ ہے کہ ذمی سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا ہے، ان کے عامل نے لکھ کر بھیجا کہ لوگ اتنی کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں جزیہ ساقط ہونے کی وجہ سے، اس کی وجہ سے خزانہ خالی ہوگیا ہے۔ لہٰذا جزیہ ساقط نہ کیا جائے، تو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا: کہ خزانہ خالی ہو جائے کوئی حرج نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے جابی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ ہادی بنا کر بھیجا تھا۔

"اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ بُعِثَ هَادِيًا لَا جَابِيًا"

بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے نہ کہ جابی (ٹیکس وسول کرنے والا)۔ (ص: ۱۳)

جو محصول لیا جاتا تھا، وہ معاوضہ ہے۔

ایک جگہ یہودیوں کی بستی پر ڈاکوؤں نے ڈاکہ ڈالا تو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جزیہ واپس کر دیا کہ ہم ڈاکوؤں سے حفاظت نہیں کر سکے ہم کو جزیہ لینے کا بھی حق نہیں، اس لئے جزیہ واپس۔

یہ محض اپنے عیش و عزت کی خاطر محصول نہیں لیتے تھے، بلکہ خدمت کیلئے لیتے تھے، جو شخص جس لائن میں ہو دنیا کی لائن میں دین کی کمائی کا ہر شخص کیلئے دروازہ کھلا ہوا ہے، ایک شخص شام سے شکایت لیکر آیا ہے، بوڑھا ہے، پوچھتا آرہا ہے، کہ عمرؓ نے اس کو دور سے دیکھ کر فرمایا:

"اِرْجِعْ فَقَدْ اَتَاكَ الْغَوْثُ"

[واپس ہو جا، مدد تیرے پاس پہنچ گئی۔]

اس کی یہ مجال تھی کہ آگے آتا واپس چلا گیا، دل دل میں اعتراض کرتا رہا کہ امیر المؤمنین ہوتے ہوئے ہماری بات ہی کو نہ سنا واپس بھیج دیا، جب یہ شام پہنچا تو ایک شخص اسکو ڈھونڈتا ڈھونڈتا پہنچ گیا، اور کہا کہ کہاں تھے۔ ہم تم کو تلاش کر رہے تھے۔

چنانچہ پورا محصول جو لیا گیا تھا وہ واپس کر دیا، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے دین کمانے کا موقع نہیں ملا، ہر شخص کو خدا نے موقع فراہم فرمایا ہے، خدا کا احسان ہے کہ ایک جماعت یہاں جمع ہے سب کو چاہئے کہ آپس میں شفقت کا معاملہ کریں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے قدر دانی کی توفیق دے۔

پاسِ انفاس

اس لئے صوفیاء نے انسان کے اوقات کو مصروف کرنے کے لئے پاس انفاس جاری کیا، ایک آدمی ایک گھنٹہ ایک میں ہزار سانس لیتا ہے، تو پورے دن میں چوبیس ہزار

سانس لیتا ہے، ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کر رہا ہے، سانس اندر لے جائے تو اللہ کہے اور باہر جب نکالے تو ہُو کہے، جب سوتا ہے، تو شیطان ناک کے نتھنوں میں بیٹھ جاتا ہے، سانس کے ذریعہ اپنا اثر اندر پہنچاتا ہے، اس کا اثر یہ ہوتا ہے، کہ معاصی کی رغبت اور طاعات سے دوری ہوتی ہے، سانس کے ساتھ جب ذکر کرتا ہے، تو اس سے تحفظ رہتا ہے، خدا نے جب انسان کو پیدا فرمایا تو اسی طرح اس سے بچنے کی تدبیر بھی بتادی جب آدمی سوتا ہے۔

سوتے وقت شیطان کا تین گرہ لگانا اور اس کا علاج

تو شیطان تین گرہ لگا دیتا ہے، اٹھتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، ایک چیز کو راسخ کرتا جائے، تو دوسری چیز ختم ہوتی جائے گی، آہستہ آہستہ ایک چیز ختم ہو کر دوسری چیز آتی جائے گی، جیسے ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف چلتا ہے تو دوسری بستی قریب ہوتی جاتی ہے، اور پہلی بستی دور ہوتی جاتی ہے، خیالات انسان کے سوآتے ہیں، تو ذکر کیوجہ سے کم ہوتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ ایسا ہوتا ہے کہ ذکر کے علاوہ کوئی چیز نہیں رہتی۔

حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم نے سوال کیا کہ آپ کے خلفاء کتنے ہیں؟ تو انہوں نے دو کا نام لیا، ایک سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین، دوسرے حضرت علاء الدین صابر کلیریؒ کا نام بتایا، خادم نے دونوں حضرات سے ملاقات کی اجازت چاہی، حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی۔ جب یہ خادم دہلی پہنچے تو حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اہتمام کیا، خوب اعزاز و اکرام کیا، طرح طرح کے پر تکلف کھانے کھلائے، رخصت ہوتے وقت تحفے تحائف پیش کئے۔ اور جب کلیر پہنچے تو جا کر کسی سے پوچھا کہ حضرت کہاں ہیں؟ تو بتلایا کہ اندر ہیں، اندر دیکھا تو بیٹھے ہوئے ہیں، خادم نے یہ کہا: کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے خادم آئے ہیں، مراقبہ میں تھے، سلام کیا تو انہوں نے جواب دیا، اپنے پیر کو پوچھا: کہ

اچھے ہیں؟ تو کہا: اچھے ہیں، پھر فرمایا: کہ آج گولر میں نمک ڈال دینا، تو گویا خادم نے شیخ کا یہ احترام کیا کہ گولر میں نمک ڈلوایا، یہ خادم وہاں سے واپس خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا تو خادم نے کہا: کہ دہلی والے تو بہت اچھے آدمی ہیں، شیخ نے پوچھا: کہ حضرت علاؤ الدین کا کیا حال ہے؟ تو کہا: کہ وہ تو برابر بات بھی نہیں کرتے، مہمان نوازی بھی نہیں کی، صرف آپ کو پوچھا کہ پیر صاحب اچھے ہیں، تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ کیا مجھ کو پوچھا؟ تو کہا: جی ہاں۔ تو اس پر رو پڑے۔ پھر فرمایا: کہ آج وہ ایسے مقام پر ہیں کہ ان کے قلب میں خدا کے علاوہ کوئی نہیں ہے ان کا احسان ہے کہ اس مقام پر بھی مجھ کو یاد رکھا۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

آپ کے یہاں مہمان آئے اور ایک طرف کتا ہے، بلی ہے، کوڑا کرکٹ ہے تو آپ کیا کرتے ہیں، سب صاف کر دیتے ہیں، مہمان کی شان کی خاطر، اسی طرح اللہ رب العزت کی نسبت قلب کیلئے ایک مہمان کی سی ہے، پس ضروری ہے کہ قلب اغیار سے خالی ہو جائے، حق تعالیٰ کی نسبت ایک معزز مہمان کی ہے، اسکے آنے کی صورت یہی ہے کہ قلب کو خالی کر دیا جائے، اس لئے "لا الہ الا اللہ" میں لا کے ذریعہ سے غیر اللہ کو قلب کے اندر سے نکالا جاتا ہے، اور اللہ کے ذریعہ مضبوط جمایا جاتا ہے، حق تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہنے والے کو بھی سننے والے کو بھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن۔

❑❑❑

حب نبی ﷺ

یہ بیان جنوبی افریقہ میں ایک ایسی مسجد میں ہوا جہاں بریلوی اور رضاخانی حضرات کی اکثریت ہے۔

بیان میں حضرت نبی کریم ﷺ کی محبت کی ضرورت اور محبت کی دلیل وعلامت نیز بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات بھی آ گئے ہیں۔

حب نبی ﷺ

شہر میفکنگ کی ایک مسجد جس کے نمازی اکثر بدعتی و رضاخانی ہیں اور کسی دیوبندی عقیدے کے عالم کو وہاں بیان کی اجازت نہیں، اللہ پاک کا شکر و احسان ہے کہ حضرت اقدس مفتی صاحب قدس سرہٗ کے بیان کی ان لوگوں نے اجازت دی، حضرت اقدس قدس سرہٗ نے اس مسجد میں جو بیان فرمایا اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد۔..........امابعد!

حضرت نبی اکرم ﷺ کا پاک ارشاد ہے:

"مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ"

(مشکوۃ شریف: ۳۰/۱، باب الاعتصام، تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر بیروت: ۱۴۵/۳)

جو شخص میری سنت سے محبت رکھتا ہے، وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے، اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے، وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا، اس سے بڑھ کر کوئی سعادت کوئی نعمت نہیں کہ جنت میں حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی رفاقت نصیب ہو جائے، ہر مؤمن کی یہ تمنا ہوتی ہے، کہ آنحضرت ﷺ کی زیارت خواب ہی میں ہو جائے، اس کے لئے دعا کرتے ہیں، وظیفے پڑھتے ہیں۔

بہت سے خوش نصیبوں کو زیارت ہو جاتی ہے، بعض کی تمنا ہوتی ہے کہ روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ہی زیارت ہو جائے۔

حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اتباعِ سنت

ایک بزرگ تھے حضرت مولانا عبدالحق صاحب دہلوی قدس سرہٗ صاحب حضوری تھے، صاحب حضوری اس کو کہتے ہیں جس کو ہر روز بیداری میں (اس کی جو بھی کیفیت ہوتی ہو) آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہوتی ہے، مدینہ پاک میں قیام تھا، وہاں ہر روز روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر حاضری ہوتی، آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم فرمایا، ہندوستان جاؤ، انہوں نے عرض کیا، یہاں ہر روز حاضر ہو جاتا ہوں، یہاں سے حاضری سہل ہے، وہاں سے حاضری دشوار ہے، اور مجھ سے صبر نہیں ہو سکے گا، ارشاد ہوا جاؤ تم کو وہاں سے بھی موقع دیا جائے گا، غریبانِ ہند کے حال پر رحم کرنا، ارشادِ عالی کے مطابق ہندوستان تشریف لائے، دہلی میں قیام فرمایا، سنتوں کو زندہ کیا جو کام خلافِ سنت تھے، انکو ختم کرنے کی کوشش فرمائی، دین کو پھیلانے میں مشغول ہو گئے، کسی بزرگ کا علم ہوتا اس کے پاس جاتے، ایک بزرگ کا علم ہوا ان کے پاس گئے دیکھا اس کے پاس شراب کا پیالہ رکھا ہے، اس نے ان کو وہ پیالہ پینے کیلئے کہا، انہوں نے انکار فرمایا، کہ حدیث پاک میں شراب کی ممانعت ہے، بزرگ نے کہا پچھتاؤ گے، پی لو، فرمایا حدیث کے خلاف نہیں کر سکتا واپس آ گئے، رات کو خواب دیکھا ایک مکان ہے اس میں آنحضرت ﷺ تشریف فرما ہیں، یہ بھی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، دیکھا مکان کے دروازے پر وہی فقیر ڈنڈا لئے کھڑا ہے، یہ اندر داخل ہونا چاہتے ہیں، اس نے روک دیا، اور کہا تو نے شراب نہیں پی تھی اس لئے اندر نہیں جانے دوں گا، اندر نہیں جا سکتے واپس آ گئے، دن میں پھر اس فقیر کے پاس پہنچے، اس نے کہا دیکھا اندر نہیں جا سکے، اب تو یہ پیالہ پی لو، فرمایا یہ شعبدے کسی اور کو دکھانا، نہیں پیا، واپس آ گئے، پھر دوسری رات اسی طرح خواب دیکھا، یہ پھر حاضر ہوئے دیکھا فقیر ڈنڈا لئے کھڑا ہے، اور پھر نہیں جانے دیا، واپس آ گئے، پھر صبح کو فقیر کے

پاس آئے فقیر نے کہا دو رات سے حاضری سے محروم ہو زیارت سے تم کو روک دیا جاتا ہے، اب تو یہ شراب پی لو۔

مقصود قبول ہے وصول نہیں

فرمایا حاضری سے پڑا روک دیا جاؤں خواب کی بات ہے مگر جس چیز کی آنحضرت ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے، اس کو نہیں کرسکتا، اگر وصول حاصل نہیں قبول تو حاصل ہے، اور مقصود قبول ہے وصول نہیں، ہماری محنت کوشش وہاں تو قبول ہے، اگر چور بادشاہ کے محل میں داخل ہو جائے وصول تو اس کو حاصل ہوگیا، مگر سپاہی پکڑ کر قید میں ڈال دیں گے، اس وصول سے کیا فائدہ ہوا، اور شاہزادہ بادشاہ سے دور ہے اس کی خدمات بادشاہ کی خدمت میں پیش ہوتی ہیں۔

بادشاہ اس سے خوش ہے وہ مقبول ہے، دور رہتے ہوئے بادشاہ کی عنایات اس کو حاصل ہیں۔

بدعتی شعبدہ باز فقیر کا انجام

تیسری رات پھر خواب میں دیکھا پھر وہی نقشہ فقیر ڈنڈا لئے کھڑا ہے اندر سے آواز آئی حضرت رسول پاک ﷺ ارشاد فرما رہے ہیں عبدالحق نہیں آئے، انہوں نے باہر سے ہی آواز دی دو روز سے برابر حاضر ہو رہا ہوں، یہ فقیر اندر نہیں آنے دیتا، نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛

"اخْسَا یا کلب" [دور ہوا ے کتے!]

وہ فقیر کتا بن کر وہاں سے نکلا، یہ اندر حاضر ہوئے، صبح کو پھر فقیر کے پاس گئے، دیکھا فقیر نہیں، اس کے مریدین بیٹھے ہیں، پوچھا مکان سے کچھ نکلا تھا بتایا ایک کتا نکلا تھا، انہوں

نے فرمایا وہ وہی فقیر تھا پھر خواب سنایا، ان مریدوں نے ان کے ہاتھ بیعت کی۔

صرف زیارت کافی نہیں

غرض صرف دیکھنا کافی نہیں، ابوجہل نے کتنی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہوگا، مگر اس کو اس دیکھنے سے کیا فائدہ ہوا، ابولہب نے کتنی دفعہ دیکھا ہوگا، مگر اس کے لئے حکم نازل ہوا۔

"تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ، مَا أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ، سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَأَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، فِي جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے، نہ اس کا مال اس کے کام آیا نہ اس کی کمائی، وہ عنقریب ایک شعلہ زن آگ میں داخل ہوگا، وہ بھی اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں لاد کر لاتی ہے، اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی خوب بٹی ہوئی۔(بیان القرآن)

اس لئے صرف زیارت کافی نہیں، اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنا ہے، تاکہ قبول حاصل ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوں، اللہ پاک خوش ہوں، اور جنت میں جہاں ہمیشہ رہنا ہے، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک تعالیٰ نے نمونہ بنا کر بھیجا ہے کہ اس طرح زندگی بنا کر لاؤ۔

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (سورۂ احزاب: ۲۱)

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کیلئے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔(بیان القرآن)

حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو کام جس طرح فرماتے تھے، اس کے مطابق اس کو کریں، کس طرح کھانا کھائے کس طرح پانی پیئے، کس طرح چلتے، کس طرح بیٹھتے، کس طرح سوتے، کس طرح نماز پڑھتے، کس طرح گھر میں بچوں میں رہتے، کس طرح پڑوسیوں کے ساتھ معاملہ فرماتے، دشمنوں کے ساتھ سلوک فرماتے، غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ کیلئے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ اور ہدایت ہیں۔

چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، نے اسی نمونہ کے مطابق پورا عمل کیا، زندگی کے ہر شعبہ میں اس پر عمل کیا۔

ایک صحابی کا اتباع سنت

ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایک شخص کو پکڑ کر باغ میں لے گئے، وہاں درخت کی ٹہنی پکڑ کر ہلائی جس سے اس کے پتے جھڑ گئے، فرمایا پوچھتے کیوں نہیں، ایسا میں نے کیوں کیا، اس نے پوچھا بتائیے! کیوں کیا؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح ٹہنی پکڑ کر ہلائی تھی اور اس کے پتے جھڑ گئے تھے، اور فرمایا تھا کہ جس طرح اس کے پتے گر گئے اسی طرح مومن بندہ کی برائیاں نماز پڑھنے سے ختم ہو جاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتباعِ سنت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اونٹ پر سوار ہوئے، جب رکاب میں پیر رکھا، فرمایا بسم اللہ جب اس کی پشت پہ اچھی طرح سے بیٹھ گئے، فرمایا: "الحمد للہ" پھر پڑھا:

"سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ۔ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ"

پھر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" تین مرتبہ کہا۔

پھر "سُبْحَانَكَ إِنِّي قَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ" (کنز العمال: ۶/۳۴۷، حدیث: ۱۷۶۲۳)

پھر ہنسے، میں نے عرض کیا امیر المومنین آپ کیوں ہنسے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اسی طرح فرمایا جس طرح میں نے کیا، پھر ہنسے میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کیوں ہنسے ارشاد فرمایا بلاشبہ تیرا رب اپنے بندہ سے خوش ہوتا ہے، جب وہ کہتا ہے:

"رَبِّ اغْفِرْلِي ذُنُوبِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ غَيْرُكَ"

میرے پروردگار! میرے گناہوں کو بخشدے، بیشک تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباعِ سنت

غرضکہ ہر ایک چیز میں ان حضرات نے حضرت نبی پاک ﷺ کا اتباع کیا، عبادات میں، معاملات میں، معاشرت میں، کھانے پینے، سونے جاگنے، اٹھنے، بیٹھنے، ہر چیز میں پورا اتباع کیا تاکہ کوئی گوشہ آنحضرت ﷺ کی زندگی کا پوشیدہ نہ رہ جائے اسی طرح ان کو بیان کرنے کا بھی پورا اہتمام کیا، حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو احادیث بیان فرماتے تاکہ سب سنتیں سامنے آجائیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر ہفتہ میں ایک بار حلقہ کرتے اور سنتیں بیان کرتے، اسی طرح دوسرے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اتباع سنت

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سفر میں مکہ سے چلے، مدینہ منورہ کے لئے

راستہ میں ایک جگہ سواری کو بٹھایا، سواری سے اترے اور ایک جگہ بیٹھے جیسے پیشاب کرنے والا بیٹھتا ہے، اور بلا پیشاب کئے اٹھ کر پھر سوار ہو کر چل دیئے، ان سے پوچھا گیا، فرمایا، میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں اسی جگہ پیشاب فرمایا تھا، اور مجھ کو پیشاب کا تقاضا تو نہ تھا اس لئے میں نے سوچا کم از کم ایسی صورت ہی بنا لوں۔

یہی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سفر میں چلتے چلتے ایک درخت کے نیچے رکے، سواری سے اُترے کچھ دیر لیٹے اور پھر چل دیئے، اس کی وجہ ان سے پوچھی گئی، فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں سفر میں تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا، اسلئے میں نے ایسا کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اتباعِ سنت

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے متعلق فلاں کام کس طرح فرماتے؟ فرمایا: صبح آجاؤ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھتے رہو، جو کام جس طرح کرتے ہیں، جس طرح بیٹھتے ہیں، جس طرح نماز پڑھتے ہیں، وضو کرتے ہیں، سلام کرتے ہیں آنے والوں کو جواب دیتے ہیں، غرضیکہ جو کام جس طرح کریں سمجھ لینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو اسی طرح فرماتے تھے، اس طرح ایک ایک صحابیؓ نے اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ڈھال لیا تھا، کہ وہ خود بعد والوں کے لئے نمونہ بن گئے، جس طرح سند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو عطا فرما دی۔

"اَصْحَابِي كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ" (مشکوٰۃ شریف: ۵۵۴)

[میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ستاروں کے مثل ہیں جس کا اقتداء کرلو گے ہدایت پاجاؤ گے۔]

ان حضرات کے اتباع کا یہ حال تھا، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے منبر پر ارشاد فرمایا "اجلسو" بیٹھ جاؤ، چنانچہ جو جہاں تھا وہیں بیٹھ گیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسجد سے باہر دروازہ پر تھے وہاں پر یہ آواز پہنچی وہیں بیٹھ گئے، یہ نہیں سوچا کہ یہ حکم اندر والوں کو ارشاد فرمایا ہے یا منشاء یہی ہے کہ اندر آ کر بیٹھو، کیا معلوم موت کب آ جائے، نہیں معلوم اندر جا کر بیٹھ سکوں گا یا نہیں اگر اس ارشاد پاک پر عمل نہ ہوسکا تو قیامت میں اللہ پاک پوچھیں کہ تم نے ہمارے رسول پاک ﷺ کی آواز سنی کیوں عمل نہیں کیا، کیا جواب دوں گا، اس لئے وہیں بیٹھ گئے، سب حضرات کا یہی حال تھا، جو سنتے فوراً اس پر عمل کرتے، تاخیر کی بات تو سوچتے ہی نہ تھے۔

اللہ پاک کا ارشاد ہے:

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ" (سورۂ نساء: ۶۴)

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا کہ بحکم خداوندی ان کی اطاعت کی جاوے۔ (بیان القرآن)

ریشم کے جبہ کا جلا دینا

رسول کو بھیجا ہی اسلئے جاتا ہے کہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے ایک صحابی حاضر ہوئے ریشم کا سرخ رنگ کا جبہ پہنے ہوئے، آنحضرت ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، فوراً اٹھے گھر میں تنور کے اندر آگ میں ڈالدیا، پھر حاضر ہوئے، ارشاد فرمایا آنحضرت ﷺ نے: جبہ کیا ہوا؟ عرض کیا: حضور! آگ میں جلا دیا، حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: جلانے کی تو نہیں کہا تھا، تمہارے لئے ہی تو ناجائز تھا، گھر میں بیوی کے بچیوں کے کپڑے بنا دیتے، مگر جس کے دل میں محبت ہوتی ہے، وہ اتنی بات سوچتا ہی نہیں اس کے سامنے تو صرف یہی بات ہوتی ہے، کہ جو چیز محبوب کو ناپسند ہے وہ باقی ہی کیوں رہے۔

قبہ کا گرادینا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے، ایک قبہ دیکھا، دریافت فرمایا یہ کس کا ہے بتادیا فلاں صاحب کا ہے، وہ صحابی دوسرے وقت حاضر خدمت ہوئے سلام عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہیں دیا، بلکہ چہرۂ مبارک دوسری جانب پھرالیا، دوسری جانب آکر سلام کیا پھر بھی جواب نہیں دیا، دوسری جانب چہرۂ انور پھرالیا۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی اگر کسی سے محبت ہے اس کا بھی اظہار فرمادیتے کسی سے ناگواری ہے اس کا بھی اظہار فرمادیتے، ایسا نہیں جیسا کہ آج کہ دل میں ناراضگی وکدورت اور زبان سے دوستی کا اظہار اور اسی کو آج زمانہ سازی اور عقلمندی سمجھا جاتا ہے، یہ تو ایک درجہ کی منافقت ہے۔

صحابی کو یہ بھلا کہاں برداشت ہوسکتا تھا، کہ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں ادنیٰ درجہ بھی ناراضگی ہو، لرز گئے کسی نے کہا ہے:

بلا کا ربط ہے تارِ نظر کو جگر کے ساتھ
وہ آنکھیں پھیرتے ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھتے پھرتے ہیں، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا کیا سبب ہے؟ کسی نے کوئی شکایت تو نہیں پہونچائی، چونکہ منافقین شکایات پہونچایا کرتے تھے، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوجائیں، ساتھیوں نے بتایا اس سے زیادہ کا ہمیں علم نہیں کہ آپ کے قبہ کے پاس سے گزرے تھے پوچھا تھا یہ کس کا قبہ ہے ہم نے بتادیا تھا فلاں صاحب کا ہے سمجھ گئے کہ ناراضگی کی وجہ یہی مکان ہے، جاکر نہیں پوچھا کیا آپ مکان کی وجہ سے ناخوش ہیں؟ یہ تو ضرورت کے لئے ہے، کیا یہ ناجائز ہے، نہیں پوچھا، کدال لے کر گئے، اور جاکر اس کو ڈھادیا، وہ مکان کس کام کا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں، یہ تھی ان

حضرات کے دل کی لگن کی بات۔

دلیل محبت

محبت قلبی چیز ہے، دل کو چیر کر تو نہیں دکھایا جا سکتا، اس لئے امتحان دے تو پتہ چلے، یوں تو ہر شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے، ہم کو بھی محبت ہے، ہم بھی عاشق ہیں، مگر امتحان کے ذریعہ اس دعوی کا سچا ہونا جھوٹا ہونا جانا جاتا ہے، صرف دعویٰ تو کافی نہیں اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے، علامات کی ضرورت ہے، اس کو خود آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمادیا:

"مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ"

[جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔]

ہر شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر دیکھ لے کہ سنت سے بھی محبت ہے، کہ نہیں اگر سنت سے محبت ہے تو آنحضرت ﷺ کی محبت کا دعویٰ صحیح ہے ورنہ غلط، وہ خود محبت کا دعویدار ہوا کرے، آنحضرت ﷺ اس کی محبت کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

سنت سے محبت کی نشانی

اب یہ کیسے معلوم ہو کے سنت سے محبت ہے یا نہیں، تو سنت سے محبت کی نشانی یہ ہے کہ سنت پر عمل ہو، زندگی سنت کے مطابق ہو جو کام ہو، سنت کے مطابق ہو، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، بیاہ شادی، ختنہ، عقیقہ تجارت، زراعت، صنعت، وحرفت، گھریلو زندگی سب سنت کے مطابق ہو، اگر زندگی سنت کے مطابق ہے تو محبت ہے، اگر زندگی سنت کے مطابق نہیں تو محبت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

آدمی جس سے محبت کرتا ہے، کوشش کرتا ہے، اس کو تکلیف نہ پہونچے اسکو ناراضگی

نہ ہو، آنحضرت ﷺ سے محبت ہے تو سوچ لے کہ میرے کسی عمل سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف تو نہیں پہنچتی، کوئی ایسا کام تو نہیں کرتا، جس سے آنحضرت ﷺ کو ناراضگی ہو۔

سود پر لعنت

مثلاً سود پر لعنت فرمائی، ارشاد ہے۔

"عَنْ جَابِرٍ رضِیَ اللہ تَعَالیٰ عَنہُ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللہ صَلَّی اللہ علیہِ وَسلّمَ اٰکِلَ الرِّبٰوا وَمُؤْکِلَہٗ وَکَاتِبَہٗ وَشَاھِدَیْہِ وَقَالَ ھُمْ سَوَاءٌ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ"

(مشکوٰۃ شریف: ۲۴۴/۱، باب الرجا)

آنحضرت ﷺ نے سود لینے والے پر دینے والے پر اس کے لکھنے والے پر اور گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی ہے، اور فرمایا ہے، لعنت میں یہ سب برابر شریک ہیں۔

ہم غور کرلیں ان میں سے کسی میں داخل تو نہیں، اگر داخل ہیں تو آنحضرت ﷺ تو لعنت فرمادیں اور ہم محبت کا دعویٰ کریں یہ کیسی محبت، یہ محبت کس کام آئے گی۔

رشوت پر لعنت

رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے، ارشاد فرمایا:

"اَلرَّاشِی وَالْمُرْتَشِی کِلَاھُمَا فِی النَّار"

(اتحاف السادۃ: ۱۶۵/۶، کنز العمال: ۱۱۳/۶، حدیث نمبر: ۱۵۰۷۷)

رشوت لینے والا دینے والا دونوں کے لئے جہنم ہے، البتہ دفع ظلم کے لئے کسی کو دے وہ اس میں داخل نہیں، ہم غور کریں ہم تو اس میں داخل نہیں۔

زمین کا غصب کرنا

حدیث پاک میں ہے اگر کسی نے ایک بالشت زمین کسی کی ناحق غصب کرلی تو قیامت میں ساتوں زمینوں کا طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔

نافرمانی کے ساتھ دعویٰ محبت

جن چیزوں پر آنحضرت ﷺ نے لعنت فرمادی جن سے منع فرمادیا جس کے کرنے پر اپنی ناراضگی اور ناخوشی کا اظہار فرمادیا انہیں کاموں کو کریں، اور پھر محبت کا دعویٰ کریں تو یہ دعویٰ محبت کا تسلیم نہیں۔

کیا خوب کسی نے کہا ہے:

تَعْصِیْ الرَّسُوْلَ وَاَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهٗ
اِنَّ هٰذَا لَفِی الفعالِ بَدِیْعٌ
لَوْکَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَاطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

ترجمہ: تو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی بھی کرتا ہے، اور آپ ﷺ کی محبت کا دعویدار بھی بنتا ہے، یہ تو بڑی عجیب بات ہے، اگر تیری محبت سچی ہوتی تو مطیع وفرمانبردار ہوتا اس لئے کہ محب محبوب کا مطیع وفرمانبردار ہوا کرتا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سنتوں کو خوب پھیلایا اور ان پر عمل بھی کر کے دکھایا محدثین نے تمام سنتوں کی جمع فرمادیا کہ فلاں کام کو کرنے کا حکم فرمایا، فلاں سے منع فرمایا، فلاں کام کرنے سے لعنت فرمائی، فلاں کام کرنے پر ناراضگی کا اظہار فرمایا، سب میں غور کریں، اور اپنی زندگیوں میں بھی غور کریں۔

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا درس حدیث

ابن ابی شیبہ نے درسِ حدیث شروع فرمایا تو پہلے ہی روز پچیس ہزار حدیث سننے والے موجود تھے، ان حضرات کے شوق طلب کا یہ حال تھا۔

اتباعِ سنت کے بجائے غیروں کی نقالی

آج ہم تجارت کریں تو دیکھیں امریکہ کا کیا طریقہ ہے، روس کا کیا طریقہ ہے، وہ کس طرح تجارت کرتے ہیں، مکان بنائیں تو دیکھیں فلاں علاقہ اور فلاں ملکوں میں کیا نقشے ہیں، ان نقشوں کے مطابق بنائیں لباس بنائیں اس میں غیروں کی نقالی کریں، کھانا کھائیں غیروں کے طریقے پر، شادیاں کریں غیروں کے طریقے پر، کبھی نہ سوچیں کہ ان چیزوں میں سنت کیا ہے، آنحضرت ﷺ کا طریقہ کیا ہے، اور پھر محبت کا دعویٰ کریں۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ۔

ہم راستہ بھول گئے، غلط راستہ اختیار کرلیا جس راستہ کو اختیار کریں گے جس راستہ پر چلیں گے، وہ راستہ جہاں جاتا ہے، وہیں پہونچیں گے، جہاں کا ٹکٹ لیا ہے، جس ٹرین، جس جہاز میں سوار ہوئے ہیں، وہ جہاں جاتا ہے وہیں جائیں گے۔

اتباعِ سنت کی ضرورت

اگر آنحضرت ﷺ کی عنایت حاصل کرنی ہے، آنحضرت ﷺ کی رفاقت جنت میں مطلوب ہے تو اسکا راستہ یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی مبارک سنتوں کو اختیار کریں، ان کو مضبوطی سے پکڑیں، اپنی زندگی سنت کے مطابق بنائیں، جو کام خلاف سنت ہے، ہرگز خواہ اس میں کیسا ہی نفع نظر آتا ہو، اس نفع کو لیکر کیا کریگا، جس سے آنحضرت ﷺ

ناراض، اللہ پاک ناراض، کیا اس کو قبر میں لے جائے گا، اعمالِ صالحہ قبر میں کام آئیں گے، ان میں خیر ہے ان کے اختیار کرنے کی ضرورت ہے، جو اعمال قبیحہ ہیں، وہ سراسر بربادی اور ہلاکت کا ذریعہ ہیں، قبر میں جانے سے پہلے پہلے ان سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے، اور موت کا وقت کچھ معلوم نہیں، کب آ جائے اسلئے فوراً توبہ کرنے کی ضرورت ہے، جو زندگی برائیوں میں گزری اس سے توبہ کریں، آئندہ کو برائیوں سے بچنے کا عہد کریں پختہ ارادہ کریں، اللہ پاک آپ کو بھی توفیق دے مجھ کو بھی توفیق دے۔

"وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن" "وَصَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"

اس وعظ میں حضرت اقدس دامت برکاتہم نے گو بدعات کا رد نہیں فرمایا نہ بدعت کا ذکر فرمایا مگر درحقیقت بدعت کی جڑ کاٹ دی، اسلئے کہ جب انسان ہر چیز میں سنت کو تلاش کرے گا، حدیث کو تلاش کر کے اسکے مطابق زندگی گزارے گا، تو بدعات خود ہی ختم ہو جائیں گی، اور بدعات پیدا ہی ہوتی ہیں، سنتوں کو ترک کرنے سے اس وعظ میں ایسی جگہوں میں جہاں بدعات کا زور ہے، کام کرنے کا طریقہ بھی، گویا بتا دیا کہ ایسی جگہوں پر کس طرح کام کرنا چاہئے کہ ایجابی طور پر کام کریں رد کے پیچھے نہ پڑیں کہ اس سے اور زیادہ ضد پیدا ہو جاتی ہے، اور نفع کم نقصان زیادہ ہو جاتا ہے۔

❑❑❑

اصلاحِ باطن کے ساتھ اصلاح ظاہر بھی ضروری ہے

یہ بیان بھی جنوبی افریقہ میں ہوا، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصل دل کی اصلاح ہے ظاہر کی اصلاح ضروری نہیں۔ یا اصل دل کا پردہ ہے آنکھوں کا پردہ ضروری نہیں۔ انتہائی مؤثر اور دلنشیں مثالوں سے اس مضمون کو بیان کیا گیا ہے۔

اصلاحِ باطن کے ساتھ اصلاح ظاہر بھی ضروری ہے

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔

"وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ" (سورۂ انعام: ۱۲۱)

[اور چھوڑ دو کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا۔] (ترجمہ شیخ الہندؒ)

حق تعالیٰ جل شانہٗ نے جب مختصر لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے، کہ ظاہری گناہ اور باطنی گناہ سب کو ہی چھوڑ دو۔

انسان کا ایک ظاہر ایک باطن ہے، کچھ احکام ظاہر سے متعلق ہیں کچھ احکام باطن سے متعلق ہیں، انسان کیلئے اپنی انسانیت کو جامع و کامل بنانے کے لئے ضروری ہے کہ معنوی قسم کے احکام کو اختیار کرے ظاہر کے احکام کو بھی اختیار کرے، تب ہی انسانیت کو جامعیت اور کمال حاصل ہوگی ورنہ نہیں، جیسے ایک آدمی نے لباس پہنا ہے، یہ ظاہر ہے، لباس کے اندر بدن ہے وہ اس کا اس لباس کے اعتبار سے باطن ہے، آدمی چاہتا ہے کہ باطن بھی اس کا یعنی بدن بھی اس کا ٹھیک رہے، ظاہری لباس بھی ٹھیک رہے،، جس طرح یہ پسند نہیں کرتا کہ ظاہری لباس پر کچھ دھبہ آ جائے، کوئی غلاظت لگ جائے، اسی طریقہ سے آدمی یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ اسکے بدن پر کوئی غلاظت لگ جائے گندگی لگ جائے۔

پوری داڑھی رکھنے کی دلچسپ مثال

پچھلی دفعہ جب حاضری ہوئی تھی، تو ایک صاحب نے ایک بات پوچھی تھی مجلس میں بیٹھے ہوئے کہ یہ لوگ میری ڈاڑھی پر اعتراض کرتے ہیں، مجھے پریشان کرتے ہیں ان کو سمجھا دو کہ پریشان نہ کیا کریں، اسی مجلس میں تذکرہ آیا چودہ لاکھ روپئے کا بھی مکان خریدا کسی نے خدا جانے کیا کیا بہر حال لاکھ خرچ کیئے، میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ جس شخص کے پاس چودہ لاکھ روپئے ہوں وہ مالدار ہے، انہوں نے کہا صاحب ہے، اچھا اگر کسی شخص کے پاس چودہ ہزار ہوں وہ مالدار ہے، انہوں نے کہا وہ بھی ایک قسم کا مالدار ہے، اگر کسی کے پاس چودہ روپئے ہوں، کہا وہ بھی مالدار ہے، کہنے لگے ارے وہ بھی مالدار ہوگا، میں نے کہا چودہ روپئے ہیں تو سہی، مال تو ہے وہ بھی مگر مالدار کہتے ہیں، عرف میں اسے کہنے لگے، ہاں کچھ کچھ تو سمجھ میں آیا، میں نے کہا ابھی پورے طور پر سمجھ میں آجائیگا، آپ ٹوپی پہنے ہوئے ہیں کتنی خوبصورت ٹوپی ہے، اگر اس میں سے ایک انچ قینچی سے کاٹ لی جائے، پھر بھی پہنیں گے، یہ آپ کا کرتا ہے کتنا خوبصورت ہے، اگر ایک انچ اس میں سے قینچی سے کاٹ دیا جائے پھر بھی پہنیں گے، ہے تو کرتا، انہوں نے کہا بات بہت بابا سمجھ میں آ گیا، اب کیا کہوں گا میں۔

ظاہر کی صفائی کے ساتھ باطن کی صفائی بھی ضروری ہے

تو ظاہر کی جس طرح سے صفائی پسند ہے، اس طرح سے باطن کی بھی صفائی پسند ہے، یہ لباس یہ تو ظاہر ہے، اور بدن باطن ہے، بدن کو بھی صاف رکھنا چاہئے، اور لباس کو بھی صاف رکھنا چاہئے، اگر کسی شخص کے بدن پر نجاست لگی ہوئی ہو، اور کپڑے اس کے نہایت پاکیزہ صاف ہوں کیا اس کی نماز صحیح ہوگی، نماز کی شرائط میں سے تو کپڑے پاک بدن پاک، جگہ

پاک، سب چیز کی پاکی کی ضرورت ہے، تب جا کر نماز ہوگی، تو کوئی سمجھدار آدمی اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کے بدن پر غلاظت لگی ہوئی ہو، کپڑے اس کے صاف ستھرے ہوں، دوسرے لوگوں کو اگر معلوم ہوجائے کہ اس کے بدن پر غلاظت لگی ہوئی ہے، اور کپڑے بہت بڑھیا پہنے ہوئے ہے، تو لوگ اس سے نفرت کریں گے، اس کے ظاہری لباس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی، لوگوں کی نظروں میں اچھے آدمیوں کی مجلس میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہے وہ شخص، اس طریقہ پر سمجھنا چاہئے، کہ جس طرح انسان کا حال ایک ظاہری ہے، جو ظاہری کھال ظاہری بدن ہے، ظاہری اعضاء ہیں اسی طرح سے اس کا ایک باطن ہے، جو اندر موجود ہے، تو کچھ احکام ظاہر سے متعلق ہیں، مثلاً نماز پڑھنے کیلئے حکم ہے کہ ظاہر بدن کو آدمی استعمال کرے کھڑا ہو کر تکبیر کہے زبان بھی اس میں حرکت کرے، قیام میں قرآن شریف پڑھے رکوع کرے جھکے، سجدے میں جائے یہ سب چیزیں ظاہری بدن سے متعلق ہیں، اگر کوئی شخص صرف باطن پر اکتفاء کر کے کہنے لگے کہ صاحب میں تو باطن سے نماز پڑھ لیتا ہوں، ظاہر کی کیا ضرورت ہے، باطن پاک صاف ہونا چاہئے، ظاہر میں کیا رکھا ہے، وہ شخص خود بھی فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے، چاہے کتنا ہی کوئی شخص اپنے باطن کو پاک صاف کر کے نماز پڑھے اور قیام رکوع سجود نہ کرے، تو شریعت کہے گی کہ اس کی نماز نہیں ہوئی، وہ دھوکہ دے رہا ہے، وہ خود بھی گمراہ ہے، دوسروں کو بھی گمراہ کر رہا ہے، نماز کے واسطے تو قیام قعود، رکوع، سجود ضروری ہے، کسی کا باطن حضرت نبی کریم ﷺ کے برابر تو پاک صاف نہیں ہوسکتا، لیکن حضور اقدس ﷺ نے بھی نماز پڑھی

"وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ" (سورۂ حجر:۹۹) [اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، یہاں تک کہ تم پر وہ چیز آجائے جس کا آنا یقینی ہے۔]

اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، تو حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ عالم ہے۔

عام انسان اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجسام اور قلوب کی پیدائش

شیخ محی الدین عربی جو شیخ اکبر کے نام سے مشہور ہیں وہ فرماتے ہیں، کہ انسان کے بدن میں مختلف اعضاء ہیں، بعضے اعضاء لطیف مادے سے بنائے جاتے ہیں، بعضے کثیف مادے سے مثلاً آنکھ ہے، بہت لطیف، ذراسی گرد پڑ جائے آنکھ میں ایک تنکا پڑ جائے بس وہ برداشت نہیں ہوسکتا، ہاتھ برداشت کریگا، تو آنکھ لطیف ہے، ہاتھ کثیف، اور قلب زیادہ لطیف ہے، اس پر الہام ہوتا ہے، عالم غیب کی چیزیں منکشف ہوتی ہیں، جس مادہ سے عوام کے قلب بنائے جاتے ہیں، خود اس کے اجسام اس مادہ سے بنائے جاتے ہیں، مادے میں لطافت ہے، تو جیسا لطیف مادہ مسلمانوں کے قلوب کا ہوتا ہے، اس کے اوپر بہت کچھ آجاتا ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام ایسے مادے سے بنائے جاتے ہیں، تو اس کے قلوب زیادہ لطیف ہونگے، اور اس مادہ سے انبیاء علیہم السلام کے قلوب بنتے ہیں، اس مادہ سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر تیار کردیا گیا، لہٰذا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اطہر تو بہت لطیف ہے، اس لطافت کے باوجود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں، کہ بعض بعض مواقع پر میرے قلب پر ایک کدورت پیدا ہوتی ہے، اس کے دفعیہ کے لئے میں استغفار پڑھتا ہوں، تو جوشیٔ جتنی زیادہ لطیف ہوگی، کدورت معمولی سی بھی اس پر اثر انداز ہوگی محسوس ہوگی طبیعت بھی لطیف، لہٰذا وہ برداشت نہیں، کریگا، تو انسان کا جو باطن ہے اسکی بھی صفائی کی ضرورت ہے اور جو ظاہر ہے اسکی بھی صفائی کی ضرورت ہے، صفائی کی صورت یہی ہے کہ جو احکام باطن سے متعلق ہیں ان کو بھی اختیار کیا جائے، اور جو ظاہر سے متعلق ہیں ان کو بھی اختیار کیا جائے، اور جو نافرمانی ظاہر کی ہے اس کو بھی چھوڑا جائے،

اور جو نافرمانی باطن کی ہے اس کو بھی چھوڑا جائے، اس لئے کہتے ہیں "وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ" جس طرح بدن پر کوئی نجاست لگی ہوئی پسند نہیں کرتا چہرے پر اس کے کوئلہ کی سیاہی لگ جائے، تارکول لگ جائے، اس کو برداشت نہیں کرتا، اس کو پہلے دھوتا ہے صاف کرتا ہے، اسی طریقہ سے اسکے باطن پر قلب پر اگر کوئی سیاہی لگ جائے تو اس کو بھی برداشت نہیں کرنی چاہیئے۔

گناہ کی وجہ سے قلب پر سیاہ نقطہ

حدیث پاک میں آتا ہے، کہ جب آدمی ایک گناہ کرتا ہے، تو اس کے قلب پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، تو جس شخص کے مزاج میں لطافت ہے وہ تو اس سیاہ نقطہ کو برداشت نہیں کرے گا، چہرے پر سیاہ نقطہ لگ جائے اسکو برداشت نہیں کرتا تو قلب کے سیاہ نقطہ کو کیسے برداشت کریگا، اس کے دھونیکی ضرورت ہے توبہ کرے استغفار کرے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس نقطہ کو دور فرما دیتے ہیں، قلب کے اندر جلا پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کرتے پر ایک سیاہ دھبہ لگا، دوسرا لگا، تیسرا لگا، یہاں تک کہ بالکل سیاہ ہو گیا، ایسا سیاہ ہو گیا جیسا کہ اسٹیمر ہو، اور انجن کے سامنے بیٹھا ہوا، کوئلہ جھونک رہا ہو، سارا کپڑا سارا بدن اس کا سیاہ اس کو کوئی سیاہی محسوس نہیں ہوئی، اس کے قلب پر اس کا کوئی اثر نہیں کہ میرے بدن پر کوئی سیاہی لگ رہی ہے، اس کو احساس ہی نہیں اسکا، یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے، جو گناہ کر کے توبہ نہیں کرتا لگاتار گناہ کرتے رہتا ہے، یہاں تک کہ نقطے بڑھتے بڑھتے اس کے قلب کو گھیر لیتے ہیں، اور ایسے گھیر لیتے ہیں، کہ اس کا احساس نہیں ہوتا ہے کہ قلب کے اندر کوئی تاریکی ہے کوئی سیاہی ہے، یہی ہے وہ جس کو قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

"كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" (سورۂ تطفیف: ۱۴)

[کوئی نہیں۔ زنگ پکڑ گیا ہے انکے دلوں پر جو وہ کماتے تھے۔] (ترجمہ شیخ الہندؒ)

جو اعمال کرتے تھے، ان اعمال کیوجہ سے قلب پر اتنا زنگ لگ چکا ہے کہ احساس ختم ہوگیا، یہ تو رات دن کا تجربہ اور مشاہدہ ہے، کہ جو شخص گالی دینے کا عادی ہو یا بار بار گالیاں دیتا رہتا ہو، اس کو اگر کہا جائے بھئی گالی مت دو وہ کہتا ہے میں کیا گالی دے رہا ہوں، اس کو اس کا احساس ہی نہیں کہ میں گالی دے رہا ہوں، جو شخص جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے، رات دن جھوٹ بولتا ہے، مسجد میں جھوٹ بولتا ہے، منڈی میں جھوٹ بولتا ہے، کچہری میں جھوٹ بولتا ہے، دکان پر جھوٹ بولتا ہے، مکان پر جھوٹ بولتا ہے، باپ سے جھوٹ بولتا ہے، بیٹے سے جھوٹ بولتا ہے، اس کو اس کا احساس نہیں کہ میں جھوٹ بولتا ہوں، یہ وہی زنگ ہے جس کی وجہ سے احساس باطل ہو جاتا ہے، نہایت خطرناک چیز ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں:

"وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ"

ظاہر کے ہر گناہ کو بھی چھوڑو باطن کے گناہ کو بھی چھوڑو۔

ظاہر کے گناہ بھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیئے ہیں، باطن کے بھی بیان فرمادیئے۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہ

علمائے کرام نے فہرست لکھدی تفصیل کیساتھ کہ یہ گناہ کبیرہ ہیں یہ گناہ صغیرہ ہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی مستقل فہرست لکھدی گناہوں کی، صاحب بحر الرائق کا بھی مستقل رسالہ ہے صغائر اور کبائر کی تفصیل کا، اور علامہ ابن حجر مکیؒ نے ایک مستقل کتاب لکھی "الزواجر عن الکبائر والصغائر" جس میں تمام صغیرہ کبیرہ گناہوں کو گنوادیا کہ یہ کبیرہ گناہ ہے یہ صغیرہ گناہ ہے، مثلاً زنا کرنا کبیرہ گناہ ہے جو ظاہر بدن سے ہوتا ہے، اور اتنا کبیرہ گناہ ہے کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا اس کے پاس بھی نہ آنا:

"وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا" (سورۂ بنی اسرائیل: ۳۲)

صرف اتنا نہیں فرمایا:

"لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا" زنا مت کرو بلکہ زنا کے پاس بھی مت جاؤ اتنی خطرناک چیز ہے۔

"لَا يَزْنِي الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" (مشکوۃ شریف: ۱/۱۷)

جو زنا کرتا ہے زانی زنا کی حالت میں وہ مؤمن نہیں رہتا، اتنا سخت گناہ ہے، اسی طرح سے شراب پینا گناہ ہے، شراب پینے والوں پر بھی لعنت آئی ہے، چوری کرنے والوں پر بھی، کچھ حقوق العباد ہیں کچھ حقوق اللہ ہیں، غرض پوری تفصیل ہے قرآن پاک میں۔

بہت سارے گناہ احادیث میں مذکور ہیں جن کو فقہاء نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ان سارے گناہوں کو چھوڑنے کی ضرورت ہے

"وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهُ"

ظاہری گناہوں کو چھوڑ دو اور باطنی گناہوں کو بھی چھوڑ دو، باطنی گناہ کیا ہے؟

حسد کی مذمت

مثلاً حسد کرنا، کسی شخص کو حق تعالیٰ نے نعمت دی اس کو دیکھ کر جلنا اور یہ تمنا کرنا کہ کاش یہ نعمت اس سے چھن جائے، یہ ہے حسد نہایت خطرناک ہے۔

"وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ" (سورۂ فلق: ۵)

پناہ مانگی گئی ہے حاسد کے حسد سے، پھر ہر حاسد اندر ہی اندر جلتا ہے، آگ اسکے سینے میں بھڑکتی ہے وہ پریشان ہوتا ہے، چاہتا ہے کہ دوسرے کے پاس وہ نعمت باقی نہ رہے، غور کر کے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے حاسد درحقیقت خداوند تعالیٰ سے عداوت کر رہا ہے، یہ جو غیظ کی آگ ہے اس کے سینہ کے اندر حقیقت میں یہ شخص اللہ تعالیٰ پر اعتراض کر رہا

ہے، اور غصہ ہو رہا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت فلاں شخص کو کیوں عطا فرمائی ہے، وہ نعمت حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، ہر مؤمن کا ایمان ہے جو نعمت بھی کسی کو ملتی ہے حق تعالیٰ کے دینے سے ملتی ہے، جب حق تعالیٰ نے اپنے کسی بندہ کو اپنی کوئی نعمت دی ہے، اور اسے دیکھ کر کوئی شخص جلتا ہے، تو درحقیقت خداوند تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے، اس پر غصہ ہوتا ہے کہ اس نے یہ نعمت فلاں شخص کو کیوں دی "استغفر الله" کتنی خطرناک چیز ہے، اس کو چھوڑنا لازم ہے، قرآن پاک میں اس کی مذمت آئی ہے، حدیث شریف میں اس کی مذمت آئی ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بہت ڈرایا۔

کبر کی مذمت

اسی طریقہ پر کسی شخص کے قلب میں کبر ہے، کبر بمعنے تکبر کا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھنا، اپنے آپ کو برا سمجھے دوسرے کو حقیر وذلیل سمجھے یہ ہے کبر یہ نہایت خطرناک چیز ہے، حدیث قدسی میں موجود ہے:

"اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ" (مشکوۃ شریف: ۲/۴۳۶)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کبریاء تو میری چادر ہے، یہ بڑائی میری چادر ہے، جو شخص بڑائی کا دعویٰ کرتا ہے، وہ میری چادر چھیننا چاہتا، حق تعالیٰ نے جو صفت اپنے لئے خاص فرمائی ہے، کوئی بندہ اس صفت کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہتا ہے، یا اسکا دعویٰ کرتا ہے، تو خداوند تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے، شیطان نے بڑا گناہ کیا تھا، بڑا گناہ تو یہی تھا حق تعالیٰ نے فرمایا سجدہ کرو، آدم علیہ السلام کی طرف رخ کر کے، اس کی طبیعت میں گھمنڈ تھا کہ آدم کو میرے سامنے مٹی سے بنایا اور مجھے آگ سے بنایا آگ تو اشرف او افضل ہوتی ہے، مٹی سے لہٰذا میں کیسے سجدہ کروں آدم کو؟

"اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ" (سورۂ ص: ۷۶)

[مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اسکو بنایا تو نے مٹی سے۔] (ترجمہ شیخ الہندؒ)

نص کے مقابلہ میں قیاس

خداوند تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں اس نے اپنا قیاس لڑانا شروع کر دیا، نہایت خطرناک چیز ہے، قیاس نص کے مقابلہ پر نہیں کیا جا سکتا، قیاس تو درحقیقت نص کی تعمیم کے لئے نص کی ترویج کے لئے ہوتا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ نص کے احکام پہنچ سکیں، نہ یہ کہ نص کو رد کرنے کے لئے نص کے مقابلہ کیلئے تھوڑے ہی قیاس کرنا ہے، اس لئے کہا گیا:

"اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِیْس"

سب سے پہلے جس نے نص کے مقابلہ میں قیاس کیا ہے، نص کی تردید کیلئے قیاس کیا ہے، وہ ابلیس ہے، اسی لئے نصوص کے ہوتے ہوئے کوئی شخص اپنی عقل اپنے قیاس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو منسوخ کرنا چاہے اس کے خلاف کرنا چاہے، اس کو حق نہیں پہنچتا، نصوص کے تابع عقل کو کرنا ہے، نہ کہ عقل کے تابع نص کو کرنا ہے، اس لئے باطن کا گناہ تکبر ہے عقلا اس سے بھی بچنا ضروری ہے، تکبر اتنی خطرناک چیز ہے کہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ جب تک متکبر کو دوزخ میں جلا جلا کر سارا تکبر نکال نہ دیا جائے گا اس وقت تک جنت میں جا نہیں سکتا اس لئے باطن کے گناہوں کو بھی چھوڑنیکی ضرورت ہے، ظاہر کے گناہوں کو چھوڑنے کی ضرورت ہے، تو دو قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں انسان، ایک تو یہ کہ صرف ظاہری گناہوں کے چھوڑنے پر زور دیکر باطنی گناہوں پر توجہ نہیں دیتے کہ ان کو بس چھوڑنا چاہئے، یہ غلطی ہے کوتاہی ہے، جس طرح سے ظاہری گناہ کا چھوڑنا ضروری ہے، اسی طرح سے باطنی گناہ کو بھی چھوڑنا ضروری ہے۔

نماز کے احکام سے متعلق بحث

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ منہاج العابدین میں لکھتے ہیں، کہ قرآن پاک میں آیا:

"اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ"

[اور قائم کرو نماز کو۔]

اسکے اوپر فقہا نے مباحث قائم کر دیئے نماز کیلئے فرائض کیا کیا ہیں، واجبات کیا کیا ہیں، سنن کیا کیا ہیں، مستحبات کیا کیا ہیں، مکروہات، مفسدات کیا کیا ہیں، ایک لمبی چوڑی تفصیل کر دی، اور قرآن پاک میں منکر کا حکم ہے، صبر کا حکم ہے، اس کے اندر فرائض لکھے ہیں، نہ واجبات لکھے ہیں، نہ سنن نہ مستحبات لکھے ہیں، وہ بھی نص میں ہے یہ بھی نص میں ہے، لہٰذا دونوں کے متعلق پوری بحث کرنی چاہئے، تو جہاں تک ایمانیات کا اور عمل کا تعلق ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں چاہئے احکام ظاہر سے متعلق ہوں چاہے باطن سے متعلق ہوں، دونوں پر ایمان لانا لازم دونوں پر عمل کرنا لازم، بعضے آدمی تو اس غلطی میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ظاہری اعمال پر کفایت کر کے باطن سے مستقل غافل ہو جاتے ہیں، اور پھر یہ بھی ہوتا ہے، کہ جن گناہ میں وہ مبتلا ہیں، ملوث ہیں وہ برابر ظاہری اعمال کے کرتے ہوئے، بھی اس گناہ میں ملوث رہتے ہیں چونکہ گناہ ہی نہیں سمجھتے تکبر کو برا نہیں سمجھتے، حسد کو گناہ نہیں سمجھتے جب گناہ نہیں سمجھتے تو ظاہری اعمال کرنے سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قرآن پاک میں ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَر" (سورۂ عنکبوت:۴۵)

[بیشک نماز روکتی ہے بیحائی اور بری بات سے۔] (ترجمہ شیخ الہندؒ)

نماز روکتی ہے فسادات سے منکرات سے خداوند تعالیٰ کی مرضی کے خلاف جو چیزیں ہیں ان سے نماز روکتی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں نماز بھی جاری ہے چوری بھی کر رہا ہے، نماز بھی پڑھ رہا ہے، جھوٹ بھی بول رہا ہے، نماز بھی پڑھ رہا ہے، سود بھی لے رہا ہے، نماز بھی پڑھ رہا ہے، شراب بھی پی رہا ہے، یہ سب کیا ہے بات وہی ہے کہ نماز کا حقیقی نماز ہونا یہ تصور کرتے ہوئے کہ نماز گناہوں سے ادائیگی اور گناہ کو گناہ سمجھتے ہوئے ان سے روکنے کا ارادہ پختہ کرے،

اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرے، تب تو جا کر اسکے اوپر اس کے اثرات مرتب ہوں گے ورنہ تو یہ اٹھکر بیٹھ کر صرف ایک ہیئت ہو جاتی ہے، کچھ بھی نہیں ہوتا جیسے کہ سپاہی کو ایک ڈیوٹی مقرر کر دی گئی، فلاں وقت پر فلاں وہ کام کرنا ہے، وہ کرلیتا ہے، اسی طریقہ پر اگر نماز کی اتنی حیثیت رہ جائے تو ظاہر ہے کہ اس پر حقیقی نماز کے اثرات ثمرات کیسے مرتب ہوں گے۔

روزے کے ثمرات

وہ دوسری بات رہی کہ حق تعالیٰ اس کے ذریعہ سے بھی اس کو دیدار عطا کرادے، ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص روزہ رکھے، حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا، روزہ ڈھال ہے، نفس وشیطان کے حملہ سے بچنے کیلئے ڈھال ہے، اس سے حفاظت ہوتی ہے، جب تک یہ ڈھال کو خراب نہ کرے، اجاڑ نہ دے آدمی، صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا خراب کریں گے پھاڑ دیں گے، کیا مطلب؟ فرمایا کہ روزہ بھی رکھے اور دوسرے گناہ کے کام بھی کرتا رہے، جھوٹ بھی بولتا ہے، غیبت بھی کرتا ہے، چغلی بھی کرتا ہے بہتان بھی لگاتا ہے، گالیاں بھی دیتا ہے، اور گناہ کے کام بھی کرتا ہے، تو روزہ کے جو حقیقی ثمرات تھے، وہ کیسے مرتب ہونگے، اس لئے اس کی اصلاح دشوار ہے، ہاں آدمی روزہ رکھے، جس طرح اللہ کی حلال کی ہوئی روزی سے روزہ رکھا ہے، کھانا پینا جو مباح تھا، اس کو چھوڑا ہے، اللہ کے حکم کی خاطر اسی طریقہ سے جو چیزیں اللہ کی منع کی ہوئی ہیں اور جو پہلے ہی سے حرام ہیں ان کو تو بدرجہ اولیٰ چھوڑ دے روزے کا حق تب جاکے ادا ہوگا، ورنہ حلال چیز سے روزہ رکھتا ہے، اور حرام چیز کو استعمال کر رہا ہے، یہ روزہ کیسا ہے۔

کیا اصل پردہ دل کا ہے

بعضے آدمی یوں کہتے ہیں صرف باطن صاف ہونا چاہئے، ظاہر میں کیا رکھا ہے، دل

ہمارا ٹھیک ہے، عورتیں پردہ نہیں کرتیں بے پردہ پھرتی ہیں کہتے ہیں اصل پردہ تو دل کا ہے، ظاہر میں کیا رکھا ہے، بات تو بہت ٹھکانے کی کہی ہے کہ اصل پردہ دل کا ہے، لیکن جو دوسرا لفظ بولا ظاہر میں کیا رکھا ہے یہ غلط ہے، ظاہر میں بہت کچھ رکھا گیا ہے، اور اس کے ظاہر ضائع ہونے سے بڑے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی ابن ام مکتومؓ حاضر ہوئے یہ نابینا تھے، حاضر ہونے کے لئے انہوں نے اجازت مانگی، چونکہ دوسرے کے مکان میں جانیکے لئے یکدم گھس جانا ٹھیک نہیں ہے، پہلے اجازت لینی چاہئے۔

انہوں نے اجازت لی اس وقت حضرت نبی اکرم ﷺ کے پاس دو آپکی ازواج مطہرات میں سے تھیں، امہات المؤمنین، حضور اقدس ﷺ نے ان سے فرمایا تم پردہ میں ہو جاؤ، ابن ام مکتومؓ آرہے ہیں، کہنے لگیں حضور! وہ تو نابینا ہیں وہ ہمیں دیکھیں گے تھوڑے ہی، حضور اقدس ﷺ نے کیا جواب دیا، کیا تم بھی اندھی ہو! اول تو دیکھنا کہ ابن ام مکتومؓ صحابی، صحابی کا مقام تقریباً آپ کو معلوم ہی ہے، کتنا بلند مقام ہے، آپ بار بار سنتے ہیں کتابوں میں بھی لکھا ہے کہ ساری دنیا کے عابد و زاہد، اقطاب وابدال جمع ہو کر بھی ایک صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے، ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جن میں کسی قسم کا کوئی، احتمال نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کو انکے قلوب میں محبوب فرما دیا اور تقویٰ عطا فرما دیا، عصیان کو دلوں سے ناپسند کر دیا، انکے، پھر ادھر کون ہیں، امہات المؤمنین مسلمانوں کی مائیں ہیں، حضور اقدس ﷺ کے بعد کسی سے انکا نکاح جائز نہیں ہے، ماں سے کوئی نکاح کرتا ہے۔

"اِتَّقُوا اللّٰهَ"

بالکل نہیں، امہات المؤمنین ہیں، ادھر یہ صحابی ادھر وہ امہات المؤمنین اور پھر حضرت نبی اکرم ﷺ بنفس نفیس خود تشریف فرما ہیں، ایسی حالت میں شیطان اور نفس کا کچھ کام تھا کہ کوئی غلبہ کرتا وہاں پر بالکل نہیں، نبی اکرم ﷺ نے ان کو پردہ کیلئے فرمایا،

آج کی کون سی عورت ایسی ہے جو ام المؤمنین ؓ کے درجہ کو پہنچ سکے، اور کون سا مرد ایسا ہے، جو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے درجہ کو پہنچ سکے۔

پھر یہ کہنا چہرہ دل کا اصل ہے ظاہر پردہ ہے، کیا ہوتا ہے یہ غلط ہے، صریح یہ شیطان کی تلبیس ہے، دھوکہ ہے، ہمیشہ اس کے بچنے کی ضرورت ہے، راہِ عمل ہمارے لئے وہی ہے، جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی، اور صحابہ ؓ کو اس راہ پر ڈال دیا، وہی راہ عمل ہے، اس پر چلیں گے تو منزل مقصود تک پہنچیں گے، اس کو چھوڑیں گے تو منزل مقصود تک کیا پہنچیں گے، بھٹکتے پھریں گے، ادھر پہلے یہ تھا کہ عورتیں مسجد میں نماز کیلئے آیا کرتی تھیں، ان کو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی تعلیم فرماتے تھے، اور منافقین بھی آیا کرتے تھے، مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے ایک مرتبہ ایک شخص آیا اس نے آکر دیکھا کہ ایک عورت نماز پڑھ رہی ہے، ایک عورت نے آکر کے نماز کی نیت باندھی، اس کے قریب کوئی مرد تھے وہ مرد جلدی سے آگے بڑھ گئے، اور یہ شخص بعد میں آیا اور آکر کے اس عورت کے برابر میں کھڑا ہو گیا، یعنی ایک تو عورت کے قریب سے اتنے بچے کہ آگے بڑھ گئے وہاں نہیں ٹھہرے کہ نماز میں عورت پاس نہ کھڑی ہو، دوسرا اچھی جگہ سے چل کر عورت کے برابر میں کھڑا ہو گیا، تو قرآن کریم میں آیت نازل ہوئی:

"وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ"

(سورۂ حجر: ۲۴)

[ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔] (ترجمہ شیخ الہند ؒ)

ہم جانتے ہیں آگے بڑھنے والوں کو بھی اور پیچھے ہٹنے والوں کو بھی، کون کس نیت سے آگے بڑھتا ہے کون کس نیت سے پیچھے ہٹتا ہے۔

ایک شخص نماز پڑھ رہے تھے، اور دونوں گھٹنوں کے درمیان سے سجدہ رکوع میں

جا کر جھک کر دیکھ رہے ہیں، پیچھے کوئی عورت تھی، حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا میں پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، جیسا کہ آگے سے دیکھتا ہوں، تم لوگ کیا حرکتیں کر رہے ہو، منافقین آتے تھے اس قسم کی چیزیں کیا کرتے تھے، لہذا یہ کہنا کہ باطن صاف ہونا چاہئے دل کا پردہ چاہئے، ظاہری پردہ کی ضرورت نہیں، یہ غلط خیال ہے، اس لئے عورتوں کو پردہ کی ضرورت ہے۔

دیور سے پردہ

حضرت نبی اکرم ﷺ کے سامنے تذکرہ آیا کیا دیور سے بھی پردہ ہے؟ فرمایا:
"اَلْحَمْوُ الْمَوْت" (ترمذی شریف: ۱/۱۳۹)

دیور تو موت ہے، دیور کسے کہتے ہیں؟ شوہر کے چھوٹے بھائی کو، شوہر کے چھوٹے بھائی کو یہ سمجھتے ہوئے کہ ایک ہی مکان میں رہنا سہنا ہوتا ہے، اپنا ہی بھائی ہے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا وہ تو موت کی طرح سے ہے، جس طرح سے موت موت پر ڈر ہوتا ہے، بچاؤ کیا جاتا ہے، اسی طریقہ پر دیور سے بچنے کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ غیر آدمی کو جرأت کم ہوتی ہے، بہ نسبت گھر کے آدمی کے۔ اکبر مرحوم نے کہا ہے:

آج کل پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا
جس کو سمجھتے تھے کہ بیٹا ہے بھتیجا نکلا

یہ سب نفس کی خواہش ہیں جو شریعت کے احکام میں تبدیلی کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔

دل کے پردہ کے ساتھ ظاہر کا پردہ بھی ضروری ہے

یہ نفس جو بات سمجھتا ہے کہ اندر کا پردہ چاہئے، ظاہر کے پردے میں کیا رکھا ہے، ارے جب نصوص میں موجود ہے تم کیوں نہیں عمل کرتے، آپ بتایئے کہ اگر کسی مرد سے یہ

کہا جائے تم زنانہ لباس پہن لو، تو کیا وہ تیار ہو جائیگا پہننے کو، نہیں تیار ہوگا، اس کو سمجھاؤ بھئی اندر سے تو تم مرد ہو باہر سے عورت کا لباس ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے مگر کبھی اس کو برداشت نہیں کر سکتا چاہے وہ اندر سے کچھ ہو لیکن عورت کے لباس پہننے کو تیار نہیں ہوگا، ایک شخص کے بدن میں پھنسیاں نکلی ہوئی ہیں، پیپ بہہ رہا ہے، بڑے بڑے دنبل نکلے ہوئے ہیں وہ کہتا ہے، اندر بالکل صحیح ہے، ظاہر میں تو کھال میں ایسا ہے، کھال میں کیا رکھا ہے، اندر سے تو صاف ہے، یہ غلط کہتا ہے اندر سے پہلے خون خراب ہوا، مادہ فاسد ہوا تب تو کھال پر ظاہر ہوا، تو جتنے گناہ ہوتے ہیں، پہلے اندر خراب ہوتا ہے، آدمی کا باطن خراب ہوتا ہے تب جا کر گناہ سر زد ہوتے ہیں، اگر باطن میں صفائی موجود ہو تو ظاہر میں گناہ سرزد نہیں ہوں گے، اسلئے ضرورت ہے کہ ظاہر کے گناہوں پر بھی توجہ کی جائے اور باطن کے گناہوں پر بھی توجہ کی جائے تب ہی جا کر تکمیل ہوگی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی حال تھا، ذرا ذرا سی چیزوں پر نگرانی رکھتے تھے، ہر چیز کی دیکھ بھال رکھتے تھے، یہ نہ ہو جائے وہ نہ ہو جائے یہ نہ ہو جائے وہ نہ ہو جائے، ایک ایک جزئی کو تلاش کر کر کے اس کے اوپر عمل کیا کرتے اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کے مراتب کو بہت بلند فرمایا، جس طرح آدمی کا کرتہ یہ ظاہر ہے اور اس کے اعتبار سے بدن اس کا باطن ہے، کرتے کو بھی صاف رکھا جاتا ہے، اسی طریقہ پر انسان کا جو ظاہری بدن ہے یہ ظاہر ہے، اور اندر قلب ہے روح ہے وہ باطن ہے، تو جس طرح سے اندر سے مادہ فاسدہ پیدا ہوتا ہے، قلب تک پہنچ کر سارے بدن کو خراب کر دیتا ہے، اسی طریقے سے قلب کے اندر مادہ معصیت کا پیدا ہوتا ہے، جسکی وجہ سے اعضائے ظاہرہ سے بھی معاصی کا صدور ہوتا ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت تنبیہ فرمائی ہے ہر چیز کے اوپر۔

غیبت کی ایک صورت

ایک عورت آئی مسئلہ پوچھنے کیلئے پوچھ کر چلی گئی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے اس کا تعارف کرایا، تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ چھوٹے قد والی اس سے اشارہ چھوٹے قد کا کیا کیا؟ (اس وقت حضرت اقدس ہاتھ کچھ اوپر کو اٹھا کر اشارہ سے بتلا رہے تھے)

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تم نے اسکی غیبت کی حالانکہ تھی وہ چھوٹے قد کی اور کوئی تحقیق مقصود نہیں تھی، لیکن جو کچھ ظاہری الفاظ تھے ظاہری صورت تھی، وہ تو تھی ہی کہ تم نے اسکی تحقیر کی اسکو برداشت نہیں فرمایا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع کیا، اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر کی بھی اصلاح فرمائے باطن کی بھی اصلاح فرمائے کہنے سننے والوں کو عمل کی توفیق دے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

❑❑❑

غیر مسلموں میں تبلیغ

یہ بیان بھی جنوبی افریقہ میں ہوا۔
جس میں دعوت و تبلیغ بالخصوص غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت و ضرورت اور فضیلت کو بیان فرمایا ہے۔

غیر مسلموں میں تبلیغ

خطبۂ مسنونہ.................امابعد!

دعوت وتبلیغ کی فضیلت واہمیت

حدیث پاک میں ہے:

"مَنْ اَسْلَمَ عَلٰی یَدَیْہِ رَجُلٌ وَاحِدٌ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ"

(المعجم الکبیر للطبرانی:۱۷/۲۸٦، دار احیاء التراث العربی)

جس کے ہاتھ پر ایک شخص بھی اسلام قبول کرلے، اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، کتنی بڑی فضیلت ہے کتنا بڑا اجر ہے، جنت کا مل جانا کتنی بڑی نعمت ہے، جس کو اتنا سستا اور سہل بنادیا کہ ایک شخص بھی اگر اس کی محنت سے اسلام قبول کرلے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، لیکن آج یہ محنت چھوڑ دی گئی، خاص کر اس علاقہ میں اس کی بڑی ضرورت ہے، کہ اللہ پاک کی بڑی مخلوق دین سے ناواقف ہے اور ان کی طبیعتوں میں ضد بھی نہیں ہے، ان تک اسلام پہونچایا نہیں جاتا، اگر ان تک صحیح طور پر اسلام کی تعلیمات پہونچائی جائیں تو بہت ان سے توقع ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے تبلیغ شروع فرمائی اور لوگوں کو بتایا کہ معبود صرف ایک ہی ہے، اسکے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں، قریش کے لوگ آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے کہ اپنے بھتیجے کو منع کردو، اس نے ہمارے بتوں کی برائی شروع کردی، اگر اس کو مال کی ضرورت ہو تو ہم مال جمع کردیں کسی کے پاس اتنا مال نہ

ہوا گر بادشاہت چاہتے ہوں تو ہم اپنا بادشاہ بنالیں، اور اگر عورتوں کی خواہش ہو تو حسین ترین عورتیں لاکر جمع کر دیں، انہوں نے سمجھا کہ ان تین چیزوں کے حاصل کرنے کے لئے ہی اتنا بڑا کام کیا جا سکتا ہے، اسلئے ان تین چیزوں کے بارے میں آ کر کہا، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے تو اس دعوت و تبلیغ کیلئے بھیجا گیا ہے، خالق کائنات نے اسی کیلئے بھیجا ہے اس لئے مجھے نہ دولت کی ضرورت ہے نہ بادشاہت کی نہ عورتوں کی خواہش ہے، اگر ایک ہاتھ میں سورج ایک ہاتھ میں چاند دیدیا جائے میں تب بھی اسکو نہیں چھوڑوں گا۔

دین کی خاطر چلنے میں عموماً یہی تین چیزیں رکاوٹ ہوا کرتی ہیں، رات دن ان ہی چیزوں کے حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں، اور ایسے مشغول رہتے ہیں، کہ یہی چیزیں دین کی خاطر چلنے میں دین کی محنت کرنے میں رکاوٹ بنتی ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ رات دن اسی فکر میں رہتے لوگ اسلام قبول کرلیں، خالق کو پہچانیں، اسکی نعمتوں کا شکر ادا کریں، اور جنت کے مستحق ہو جائیں رات دن اسی فکر میں رہتے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تڑپ

مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہٗ رات کو اُٹھے پوری رات ٹہلتے رہے، اور فرماتے تھے ہائے میں کیا کروں؟ اہلیہ کی آنکھ کھل گئی، عرض کیا حضرت کیا بات، کیا درد ہے، کیا پریشانی ہے، فرمایا اللہ کی بندی تو بھی اُٹھ جا، اللہ کیسا منے رونے والی چار آنکھیں ہو جائیں گی، میں نے اُمت محمدیہ کے خون کی نہریں دیکھیں ہیں، اسی غم و فکر میں رہتے۔ آج ہم غور کریں، جس غم کو لیکر حضرت نبی اکرم ﷺ تشریف لائے تھے وہ غم ہمارے اندر کتنا ہے، یہی اصل خزانہ ہے، مال و دولت کوئی خزانہ نہیں، بڑے بڑے مکانات کا ہونا خزانہ نہیں، روپیہ پیسہ کا ہونا خزانہ نہیں، اصل خزانہ یہ ہے۔

حج میں حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا

حج میں لوگ جاتے ہیں، اپنے لئے اولاد کیلئے اپنے عزیزوں کے لئے کیا کیا دعا مانگتے ہیں، حضرت نبی اکرم ﷺ حج میں تشریف لے گئے، دعا مانگی الٰہی میری امت پر قحط مسلط نہ کرنا کہ سب ہلاک ہو جائیں۔

دوسری دعا فرمائی، خداوندا! میری امت پر باہر کا دشمن ایسا مسلط نہ کرنا جو ان کو ہلاک کر ڈالے، دونوں دعائیں قبول ہوئیں، ہم لوگ اپنے اپنے لئے دعائیں کرتے ہیں، اپنی اولاد اپنے عزیزوں کیلئے دعا کرتے ہیں، حضرت نبی اکرم ﷺ امت کیلئے دعا مانگتے ہیں۔

پل صراط پر گزرتے ہوئے سب دعا کریں گے:

"یَارَبِّ سَلِّمْ یَارَبِّ سَلِّمْ"

[اے میرے پروردگار! سلامتی۔ اے میرے پروردگار! سلامتی۔]

مگر حضرت نبی کریم ﷺ فرمائیں گے:

"یَارَبِّ اُمَّتِیْ یَارَبِّ اُمَّتِیْ" (فتح الباری: ۴۳۸/۱۱، دالفکر)

[اے میرے پروردگار! میری امت۔ اے میرے پروردگار! میری امت۔]

وہاں بھی امت کا غم ہوگا۔

امت کی طرف سے قربانی

قربانی کا موقع آتا ہے، ہر شخص اپنی طرف سے قربانی کرتا ہے، حضرت نبی اکرم ﷺ نے ایک قربانی اپنی طرف سے کی ایک قربانی پوری امت کی طرف سے کی، سب کو ثواب پہنچا دیا، امت کا کتنا غم اور فکر تھا، آج ہم کو بھی چاہئے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی طرف سے قربانی کریں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت ﷺ کی طرف سے قربانیاں کرتے تھے۔

حجۃ الوداع میں سو اونٹوں کی قربانی

خود حضرت نبی کریم ﷺ کو قربانی کا اتنا جذبہ کہ حجۃ الوداع کے موقع پر سو اونٹوں کی قربانیاں فرمایں، ۶۳/اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے، بقیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذبح کئے، حالانکہ ایک شخص کے لئے ساتواں حصہ بھی کافی ہوتا ہے، ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی طرف سے مستقل گائے کی قربانی کی۔

حضرت نبی کریم ﷺ فکروغم کو اپنا فکروغم بنائیں

اسلئے ضرورت ہے حضرت نبی اکرم ﷺ کے فکر کو اپنا فکر بنائیں آپ کے غم کو اپنا غم بنائیں، جو فکر نبی اکرم ﷺ کے اندر تھا وہ جتنا جس کے اندر ہوگا، اتنا ہی وہ مقبول ہوگا۔

جس کی وجہ سے حضرت نبی اکرم ﷺ نے تکلیفیں برداشت فرمائیں گالیاں سنیں، کفار مکہ نے تعلقات بند کر دیئے سب برداشت کیا، کفار نے صحابہ کرام ؓ کو ستایا، کوڑے مارے، ابوجہل نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی شرمگاہ پر نیزہ مارا کہ ہلاک ہوگئیں، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو کفار نے زمین گڈھا کر کے اس میں آگ بھر کر اس پر لٹا دیا کہ آگ سے چربی پگھلی جس سے آگ بجھی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارے جاتے تھے زمین پر گھسیٹا جاتا تھا، کیا قصور تھا ان حضرات کا، یہی کہ وہ ایک خدا کو مانتے تھے، اسی کی دعوت دیتے تھے، اسی وجہ سے ان کو اتنا ستایا جاتا تھا، اور اتنا ستایا کہ قتل کے منصوبے بنائے، وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، اس پر بھی بس نہیں کیا ہجرت کے بعد، وطن چھوڑنے کے بعد بھی چین سے نہیں رہنے دیا مدینہ میں جا کر چڑھائی کرتے رہے کبھی بدر میں، کبھی اُحد میں، کبھی خندق میں جا کر چڑھتے رہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین برابر مقابلہ کرتے رہے، جو غم تھا نبی کریم ﷺ کا وہ کم نہیں ہوا، برابر وہ بڑھتا ہی رہا، اسلئے جو

اللہ کا جتنا قرب چاہے نبی ﷺ کے غم کو اپنا غم بنائے۔

سب سے بڑا جہاد

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے اس وقت سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ دل دین کی طلب سے خالی ہیں، ان کے دلوں میں دین کی طلب پیدا کر دی جائے، تا کہ وہ خود بھی عمل کریں، اور دوسروں کے دلوں میں یہی طلب پیدا کریں، اور جہاد کا مقصد بھی یہی ہے، جہاد یہی نہیں، اصل مقصد تو اللہ کے دین کو بلند کرنا ہے، کہ دین کو غلبہ ہو جائے اتنی محنت اور جدو جہد کی جائے کہ یا تو دین غالب ہو جائے یا خود ختم ہو جائے، قرآن شریف میں ہے:

"وَمَنۡ يُقَاتِلۡ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيُقۡتَلۡ اَوۡيَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا" (سورۂ نساء:۷۴)

[اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ جان سے مارا جائے، یا غالب آ جائے ہم اس کو اجر عظیم دیں گے۔] (بیان القرآن)

یہ ہے مقصد انسان کا، اسی کے لئے انسان دنیا میں آیا ہے مغلوب ہو کر رہنے کے لئے دنیا میں مسلمان نہیں آیا۔

اسی لئے ارشاد فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے ہاتھ پر ایک شخص بھی اسلام قبول کر لے اس کے لئے جنت واجب ہوگئی، جنت کو بہت آسان فرما دیا۔

حاجی عبدالرحمن میواتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر قبول اسلام

دہلی نظام الدین میں حاجی عبدالرحمن صاحب تھے ان کا ایمان بہت قوی تھا، گو باقاعدہ فارغ نہیں تھے، حقہ پیتے تھے، ان کے ہاتھ پر بہت مسلمان ہوئے، انکو اللہ پاک

نے بصیرت بھی ایسی عطا فرمائی تھی، کہ کسی غیر مسلم کو جاتا ہوا دیکھتے فرمادیتے یہ مسلمان ہو جائے گا، اسکے پاس جاتے بات کرتے سمجھاتے اور تھوڑی دیر میں مسلمان ہو جاتا۔

قیامت کے دن رجسٹر کھولا جائے گا کس کے ہاتھ پر کتنے مسلمان ہوئے اس رجسٹر میں بھی تو اپنا نام آنا چاہئے، آج ہم سفر کرتے ہیں، سیر وسیاحت کیلئے، تجارت کیلئے، کاروبار کیلئے، کبھی یہ بھی تو ہو کہ اللہ کے دین کو پھیلانے کے لئے سفر ہو، کتنی راتیں کھیت پر گزارتے ہیں، کاروبار میں گزارتے ہیں، سوچیں اللہ کے دین کے لئے کتنی راتیں گذاریں۔

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پہاڑی سفر

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ میوات میں تشریف لے گئے، پہاڑی سفر تھا، پہاڑ پر چڑھ رہے ہیں، وہاں ایک مولانا تھے حضرت مولانا ان کو ماموں کہتے تھے، انکو فکر ہوا کہ اب مولانا چائے کو فرمائیں گے، کہاں سے چائے لاؤنگا، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا، ماموں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دین کو پھیلانے کے لئے کتنے پہاڑوں پر چڑھے ہیں، آج پہلی دفعہ ایک پہاڑ پر چڑھنے کا موقع ملا ہے، اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے، اس طرح ان کے ذہن کو اس طرف لگایا۔

غرض ہر چیز میں یہی سوچ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح زندگی گزاری، یہ کام کس طرح کیا اصل مقصد کیا تھا، زندگی کا اس کیلئے اللہ پاک نے تجارت کی بھی اجازت دیدی، کاشتکاری کی بھی اجازت دیدی، ملازمت کی بھی اجازت دیدی، سونے جاگنے، بیاہ شادی کی بھی اجازت دیدی مگر جو اصل ہے اس کو اصل رکھیں، ان چیزوں کو اصل مقصد بنالینا غلط ہے۔

فکر کی تبدیلی

کئی سال پہلے یہیں افریقہ میں تبلیغی اجتماع ہونے والا تھا، جن صاحب نے

اجتماع کے لئے جگہ دی تھی، انکو دوسرے لوگوں نے جو اجتماع کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک طبقہ ایسا بھی تھا، جو اجتماع کو پسند نہیں کرتا اور غلایا ان سے میری بھی گفتگو ہوئی، ان سے تذکرہ آیا صحابہ کرامؓ کے دین کے لئے اتنی محنت کی اتنا خرچ کیا، اس نے کہا وہ کامیاب تاجر نہیں تھے، جو دین کے لئے اتنا خرچ کیا، آج یہ ذہنیت بن رہی ہے، دین کے لئے خرچ کرنے کو سمجھتے ہیں کہ وہ کامیاب تاجر نہیں تھے۔

آج دوکانوں کا سلسلہ یہاں سے وہاں تک پھیلا رکھا ہے، اور برابر پھیلاتے جاتے ہیں، اور اس میں رات دن لگے رہتے ہیں، دین کا خیال تک نہیں آتا، حالانکہ تجارت تو حقوق واجبہ ادا کرنے کے لئے تھی اور دین کی اشاعت کے لئے اس نے کہا سمجھ میں آ گیا، ہم راستہ بھول گئے، دوسرا راستہ اختیار کرلیا، یہ اصل راستہ ہی نہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا راستہ تھا، یہ وہ راستہ نہیں۔

کرکٹ کا کھیل

ایک شخص نے پوچھا کرکٹ کھیلنا کیسا ہے؟ میں نے اس کو جواب دیا اللہ کے بندے ذرا سوچو، ایک جگہ گولہ باری ہونے والی ہے، ایک شخص کو جہاز لے کر بھیجا کہ وہاں لوگوں کو جلدی جا کر بچاؤ، وہ وہاں جانے کے بجائے راستہ میں کھیل میں لگ جائے اور دشمن ان لوگوں کو ہلاک کرڈالے یہ کھیل میں لگا رہا یہ کیسا ہے؟ یہی حال مسلمان کا ہے، کیا مسلمان اس کے لئے بھیجا ہے، تمہارے ذریعہ کتنوں کی جانیں بچ سکتی ہیں، کتنے لوگ جہنم میں جا رہے ہیں، کوشش کرکے کتنوں کو جہنم سے بچایا جاسکتا ہے، مگر تم لوگ کھیل میں لگ گئے، کمانے میں لگ گئے مکانوں میں لگ گئے، دوکانوں میں، کارخانوں میں لگ گئے، کیا یہ چیزیں قبر میں جائیں گی، کیا یہ چیزیں مرنے سے بچائیں گی، کیا مالدار نہیں مرتے، کیا

قارون نہیں مرا، کتنا مالدار تھا قارون، شداد نہیں مرا جس نے جنت کا نمونہ تیار کرایا، کیا بڑی بلڈنگوں والے نہیں مرتے، کیا ہامان نہیں مرا، حکومت والے نہیں مرتے، کیا فرعون نہیں مرا، کتنی بڑی تھی اس کی حکومت۔

جب مرنا ہے اور ضرور مرنا ہے، تو کیا یہ چیزیں قبر میں ساتھ جائیں گی، ہرگز نہیں جائیں گی، آج تک کسی کے ساتھ نہیں گئیں، ہاں اعمال ساتھ جاتے ہیں، اچھے اعمال ہوں برے اعمال ہوں ساتھ جاتے ہیں، اچھے اعمال ہوں، مرتے ہی انعام شروع ہو جائیں گے، برے اعمال ہیں قبر سے عذاب شروع ہو جائیگا، اور وہ عذاب حشر میں بھی ہوگا، پھر وہ اعمال جہنم میں لے جائیں گے، اور ہر منزل پہلی منزل سے سخت آتی چلی جائے گی۔

زندگی کا اصلی مقصد

اسلئے ضرورت ہے کہ اپنی زندگی کو اصل مقصد پر لگائیں، جس مقصد پر حضرت نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو لگایا وہ ہر کام سے پہلے سوچتے تھے، اس کام کو حضرت نبی کریم ﷺ نے کس طرح فرمایا، ہر کام سے پہلے سوچئے اسکے بارے میں کیا ارشاد ہے، یہ بھی نہیں سوچتے تھے کہ منع نہیں فرمایا، سکوت فرمایا بلکہ دیکھتے کیا ارشاد فرمایا، اللہ پاک ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، راستہ بہت واضح کر دیا۔

دعوت و تبلیغ کا حکم

حضرت نبی کریم ﷺ نے سارا دین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عطا فرما دیا، صاف صاف روشن دین جس میں باطل کی بالکل آمیزش نہیں تھی، صاف ستھرا دین جس طرح آسمان سے نازل ہوا اور پھر ان کو حکم فرما دیا:

"اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" (بخاری شریف: ۱۶/۱، کتاب العلم، حدیث: ۶۸)

جس نے مجھ سے دین سیکھا وہ دوسروں کو پہنچا دیں، آخری خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا، یہ ارشاد سنکر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت وہیں سے نکلی اور دور دراز ملکوں میں نکل گئے، دین کو پھیلانے کے لئے، زندگی بھر واپس نہیں آئے، سب اسی میں ختم ہو گئے، کیسی مبارک زندگی ان حضرات کی کیا مبارک ذخیرہ انہوں نے کمایا، کتنے مسلمان ہوئے انکے ہاتھوں پر، کتنوں کو گناہوں سے توبہ کرائی کتنے شہروں میں کتنے ملکوں میں پہنچے، اللہ ہی جانتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی عظیم قربانیاں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک جماعت کو دین پھیلانے، دین کی تبلیغ کیلئے بھیجا، حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر بنا دیا، ایک نصرانی بادشاہ نے جماعت کو قید کرلیا، عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کو اس نے بلایا اور کہا تم نصرانی بن جاؤ، تم کو آدھی سلطنت دیدوں گا، جواب دیا: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ" یہ کیا سلطنت ہے، کیا حیثیت ہے اس سلطنت کی، بادشاہ نے کہا اچھا مجھ کو سجدہ کرلو، آدھی سلطنت دیدوں گا، جواب دیا جو پیشانی اللہ کے سامنے جھکتی ہو وہ غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتی، اس نے ایک قیدی کو بلایا حکم دیا پانی کھولایا جائے، جب پانی خوب کھولنے لگا حکم دیا اس قیدی کو اس میں ڈالدو، قیدی کو پکڑا کھولتے ہوئے پانی میں ڈالدیا، رویا، چلایا، جل بھن کر ختم ہوگیا، بادشاہ نے ڈرایا عبداللہ بن حذافہؓ کو ڈرایا تم کو بھی اسی طرح کھولتے پانی میں ڈال کر ختم کر دیا جائے گا، جواب دیا جو چاہے کر تجھے اختیار ہے، حکم دیا اس کو بھی اس طرح لے جا کر پانی میں ڈالدو ملازم لے چلے، راستہ میں عبداللہ بن حذافہؓ رونے لگے ملازموں نے بادشاہ کو اطلاع دی، اس نے حکم دیا واپس لاؤ، واپس لائے گئے، پوچھا، کیا دماغ کا کچھ پارہ کم ہوا کچھ سمجھ میں آ گیا، سجدہ کو تیار ہو، جواب دیا نہیں، پوچھا پھر کیوں رو رہے ہو؟ کیا بچے یاد آ رہے ہیں؟ جواب دیا نہیں، کہا کیا یہ فکر ہے

جان کس طرح نکلے گی۔ جواب دیا نہیں، کہا پھر کیوں رو رہے ہو؟ جواب دیا اس لئے رو رہا ہوں، آج اللہ کیلئے جان دینے کا موقع ملا اور میرے پاس یہی ایک جان ہے اسلئے رو رہا ہوں، کاش لاکھ جانیں ہوتیں سب کو اللہ کے لئے قربان کرتا اس لئے رو رہا ہوں۔

بادشاہ نے کہا اچھا میری پیشانی کو بوسہ دیدو چھوڑ دوں گا، فرمایا مجھ کو ہی یا سب ساتھیوں کو بھی، بادشاہ نے کہا سب ساتھیوں کو بھی چھوڑ دونگا کہا بہت اچھا اور بادشاہ کی پیشانی کو بوسہ دیا، بادشاہ نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو چھوڑ دیا، حضرت عبداللہ بن حذافہؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سارا واقعہ سنایا حضرت عمرؓ نے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

اس وقت ایسی صورتیں پیش آتی تھیں، آج تو ایسا نہیں ہے، اب تو ایسی صورتیں پیش نہیں آتیں، ضرورت ہے کہ اللہ کے بندوں میں جائیں ان کو دین سمجھائیں، ان تک دین پھیلائیں، اور جو مسلمان بھائی ہیں، ان کے دلوں میں دین کی طلب نہیں، ان کے دلوں میں دین کی طلب پیدا کریں، ان اجتماعات کا منشاء ہفتہ واری اجتماع ہو یا ماہانہ یا سالانہ اجتماع ہو سب کا یہی منشاء ہے، اللہ کا دین زیادہ سے زیادہ پھیل جائے اس پر محنت کریں گے، اپنا دین بھی صحیح ہوگا، پختہ ہوگا، اور دوسروں کو بھی نفع ہوگا، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، کہنے والے کو بھی سننے والوں کو بھی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

تفسیر سورۃ النصر

زیادہ تر مفسرین کے مطابق یہ سورت فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی اور اس میں ایک طرف تو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ فتح ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد عرب کے لوگ جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ واقعہ بھی یہی ہوا۔

اور دوسری طرف چونکہ اسلام کے پھیل جانے سے حضور اقدس ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد حاصل ہو جائے گا، اس لئے آنحضرت ﷺ کو دنیا سے رخصت ہونے کی تیاری کے لئے حمد، تسبیح اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔

تفسیر سورۃ النصر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَمَّابَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ○

[جب اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح آ جائے۔ اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت معاف کرنیوالا ہے۔]

یہ سورۂ نصر ہے اسے سورۂ فتح بھی کہتے ہیں۔ سورۃ التودیع بھی اسکا نام ہے۔

(روح المعانی ۲۵۵/ ۴، معارف القرآن: ۸۳۵/ ۸)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر

جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو سب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسکو سن کر خوش ہوئے کہ

اس میں فتح مکہ کی خوشخبری ہے مگر بعضے صحابہ رضی اللہ عنہم (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کو سن کر روئے، ان سے پوچھا گیا کیوں روتے ہو؟ رونے کی کیا وجہ ہے اس سورت میں تو فتح کی خوشخبری دی گئی ہے، جواب دیا، اس سورت میں فتح کی خوشخبری ہے؟ یہ پیغام ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات قریب ہے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقصد کیلئے بھیجا گیا تھا، وہ مقصد پورا ہوگیا فتح ہوگئی، لہٰذا اب دنیا میں رہ کر کیا کریں گے، اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلالیں گے، تو اس سورت میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر مضمر ہے، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق فرمائی ایک روایت میں ہے جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو سنا تو فرمایا کہ اس سورت کے مضمون سے میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔

"اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ"

جب اللہ کی نصرت آجائے اور فتح ہوجائے اور دیکھیں آپ لوگوں کو کہ داخل ہورہے ہیں، اللہ کے دین میں فوج درفوج جماعت کی جماعت گروہ درگروہ داخل ہورہے ہیں، تو بس آپ اپنے رب کی حمد کیجئے تسبیح کیجئے (مخلوق کی طرف ادھر اُدھر متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں خالق کی طرف کلیۃ متوجہ ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کرتے رہیے، اللہ تعالیٰ بہت زیادہ متوجہ ہونے والے (توبہ قبول فرمانے والے) ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا میں بھیجنے کا مقصد کیا تھا اسکو اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں بیان فرمایا ہے:

"ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡھِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ" (سورۂ فتح:۲۸)

[اسی نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دیکر تا کہ اسکو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا مانیں مشرک۔] (بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی ہدایت اور دین دیکر بھیجا تا کہ اللہ تعالیٰ دین کو ہر دین پر غالب کر دے، کہ جس قدر دین اور جس قدر نظریات دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان میں سے ہر دین اور ہر نظریہ پر اللہ کا بھیجا ہوا دین غالب ہو جائے۔

دین حق کے تمام ادیان پر غالب آنے کا مطلب

تفسیر مظہری میں ہے کہ دین اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کرنے کی یہ خوشخبری اکثر زمانوں اور اکثر حالات کے اعتبار سے ہے جیسا کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ روئے زمین پر کوئی کچا پکا مکان باقی نہ رہے گا، جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو جائے، عزت داروں کی عزت کے ساتھ اور ذلیل لوگوں کی ذلت کے ساتھ جن کو اللہ تعالیٰ عزت دینگے وہ مسلمان ہو جائیں گے، اور جن کو ذلیل کرنا ہو گا وہ اسلام کو قبول تو نہ کریں گے، مگر اسلامی حکومت کے تابع ہو جائیں گے، چنانچہ اللہ تبارک تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا، ایک ہزار سال کے قریب اسلام کی شان وشوکت پوری دنیا پر چھائی رہی، حضرت رسول کریم ﷺ اور سلف صالحین کے عہد مبارک میں تو نور کی تکمیل واتمام کا مشاہدہ ساری دنیا کر ہی چکی ہے، اور آئندہ بھی دلائل حقائق کے اعتبار سے ہر زمانہ میں دین اسلام ایسا مکمل دین ہے، کہ کسی معقول پسند انسان کو اس پر حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا، اس کفار کی مخالفتوں کے باوجود یہ دین حق اپنی محبت ودلیل کے اعتبار سے ہمیشہ غالب ہے، اور جب مسلمان اس دین کی پوری پیروی کریں تو انکا ظاہری غلبہ اور حکومت وسلطنت بھی اسکے لوازم میں سے ہے، جیسا کہ تاریخ الاسلام کا تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے قرآن وسنت پر پوری طرح عمل کیا تو کوئی دریا ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکا اور یہ پوری دنیا پر غالب آ کر رہے اور جب بھی جہاں کہیں ان کو مغلوب یا مقہور ہونے کی

نوبت آئی ہے، قرآن وسنت کے احکام سے غفلت اور خلاف ورزی کا نتیجہ بد تھا جو ان کے سامنے آیا، دین حق پھر بھی اپنی جگہ مظفر ومنصور ہی رہا۔

(معارف القرآن: ۴/ ۳۶۶)

حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد

یہ مقصد تھا بعثت کا اور جب وہ دین غالب ہوگیا، نصرت مل گئی، فتح ہوگئی، تو اب وہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے، ہمارے پاس آجایئے جیسے کسی شہر کے چہیتے افسر کو کسی مہم کیلئے بھیجا جاتا ہے، وہ جاتا ہے اس مہم کو پورا کرتا ہے اور پھر اسکو واپس اپنی جگہ بلالیا جاتا ہے حضور اکرم ﷺ کو دنیا میں اسی لئے بھیجا تھا، حضور اکرم ﷺ نے دنیا میں تشریف لاکر اپنی عملی زندگی میں بھی اللہ کے دین کو ہر دین پر غالب رکھا اور زندگی بھر یہی محنت فرماتے رہے کہ دنیا میں اللہ کا دین ہر دین پر غالب ہوجائے اور اللہ کے بندے اپنی عملی زندگی میں اللہ کے دین کو ہر دین پر غالب کرنے والے بنجائیں۔ (یہی مقصود ہے، اسی کے لئے جدوجہد کرنا ہے، رات دن کی ہر محنت اسی کام کے لئے ہونا چاہئے، انسان کو جتنے قویٰ عطا ہوئے ہیں، جتنی صلاحیتیں عطا ہوئیں ہیں، سب کے سب دین اسلام کو غالب کرنے کیلئے عطا ہوئی ہیں)۔

فتح ونصرت

دین کا غلبہ ظاہر ہوا فتح سے اور فتح مرتب ہوئی نصرت پر اور نصرت کے معنی ہیں دشمن کے مقابلہ میں مدد کرنا رکاوٹوں کو دور کرنا، دین کے شائع ہونے اور لوگوں کے دین قبول کرنے اور دین کو دوسروں تک پہنچنے میں جو رکاوٹیں تھیں، وہ چند قسم کی تھیں، ان رکاوٹوں کو دور فرمایا یہ نصرت ہوگئی، اور اس نصرت کے بعد فتح حاصل ہوگئی، جب رکاوٹ نہیں

رہی تو پھر فتح ہی فتح ہے، وہ رکاوٹیں یہ ہیں۔

(۱)...... **پہلا دشمن:** رکاوٹ نفس کی رکاوٹ ہے، جو بڑی رکاوٹ ہے "نفس امارہ" آدمی کو چین نہیں لینے دیتا، گناہ اور اعمال بد اور خواہشات کی طرف آمادہ کرتا ہی رہتا ہے، وہ پرواہ نہیں کرتا کہ میرا مالک ان (اعمال بد وغیرہ) سے خوش ہوتا ہے، یا ناخوش ہوتا ہے، اس کو چونکہ ان چیزوں میں لذت آتی ہے، اس لئے برابر اپنی لذت کے لئے آدمی کو برائیوں کے کرنے پر ابھارتا رہتا ہے۔

(۲)...... **دوسرا دشمن:** ایک رکاوٹ شیطان ہے، شیطان ہر وقت معاصی کے اندر مبتلا کرنے کی فکر میں رہتا ہے، مرتے دم تک وہ اسی فکر میں لگا رہتا ہے، کہ انسان کو کسی طرح حق تک نہ پہونچنے دے، راستہ میں رکاوٹیں ڈالتا رہتا ہے، ان دونوں دشمنوں کا حال ایسا ہے، کہ نفس کے بارے میں حدیث پاک میں ارشاد ہے:

"اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِی بَیْنَ جَنْبَیْكَ" (الحدیث)

(اتحاف السادۃ المتقین:۷/۲۰۶)

تمہارا گہرا اور بڑا دشمن تمہارا وہ نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلو کے درمیان ہے، مگر نظر نہیں آتا البتہ اسکے تقاضے اور اس کے مطالبے سب معلوم ہیں، دوسرا دشمن شیطان ہے اس کے بارے میں قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"اِنَّ الشَّیْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ" (سورۂ یوسف:۵)

[بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔]

اور شیطان کو تسلط بھی اتنا دیا گیا ہے، کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مِنَ الْاِنْسَانِ مَجْرَی الدَّمِ" متفق علیہ۔

(مشکوۃ شریف:۱۸)

جیسے خون انسان کی رگوں میں سرایت کرتا ہے، اسی طرح شیطان بھی انسان کی

رگوں میں سرایت کرتا ہے، ایسی عجیب عجیب تلبیسات کرتا ہے، کہ حیرت ہوتی ہے، اتنے بڑے شیطان کو انسان پر مسلط کر دیا گیا لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا:

"اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا" (سورۂ نساء: ۷۶)

[(یاد رکھو کہ) شیطان کی چالیں درحقیقت کمزور ہیں۔]

شیطان کا کید بہت ضعیف ہے، انسان ذرا ہمت سے کام لیکر خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے نفس کی خواہش کو ختم کر دے، نفس کو کچل ڈالے، شیطان کا مقابلہ کرے، تو پھر شیطان میں اتنی طاقت نہیں کہ انسان کو پچھاڑ دے وہ تو نفس کی مدد کے ذریعہ پچھاڑتا ہے، نفس اندر کا بھیدی اور اندر کا راز دار ہے۔ شیطان اس کے ذریعہ سے کام لیتا ہے، اور جب انسان اس پر قابو پالیتا ہے، تو پھر شیطان بیکار ہو جاتا ہے، کچھ نہیں کر پاتا، پس ان دونوں دشمنوں کا پوری قوت اور ہمت سے مقابلہ کرنا ہے، اور ان کے مطالبہ کو پورا کرنا ہے۔

(۳)...... **تیسرا دشمن:** تیسرا دشمن ہے "کافر" جو علی الاعلان دین کی مخالفت کرتا ہے، اس کے پاس طاقت ہے شوکت ہے، ہتھیار ہیں، فوج ہے، یہ بھی بڑی رکاوٹ ہے۔

(۴)...... **چوتھا دشمن:** ہے "منافق" جو زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے، اور دل کے اندر کفر بھرا ہوا ہے، ظاہر میں دوستی ہے اور باطن میں دشمنی ہے، مار آستین کے مثل ڈستا رہتا ہے، اور یہ (منافق) کافر سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

(۵)...... **پانچواں دشمن:** ایک پانچواں دشمن ہے، وہ ہے "مبتدع" دین کے اندر نئی باتیں ایجاد کرنیوالا، وہ باتیں اعتقادی ہوں یا عملی ہوں، جو دین نہیں ہے، اس کو دین سمجھنا، یہ پانچ قسم کے دشمن ہیں۔

ان پانچوں کا مقابلہ کرنا ضروری ہے، اور ان کے مقابلہ کیلئے اس بات کی ضرورت ہے، کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی نصرت شامل حال ہو، کہ جب تک حق تعالیٰ کی نصرت شامل حال نہ

ہو، انسان ان میں سے کسی کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا، خود حضرت نبی اکرم ﷺ کو ان دشمنوں سے واسطہ پیش آیا اور ان کے مقابلہ کی تدبیریں فرمائیں اور وہ تدبیریں اختیار فرمائیں، اور وہ تدبیریں لوگوں کو بتائیں اور ان میں کامیابی دکھلادی کہ ان کو اختیار کرنے سے اس طرح کامیابی ہوگی۔

پہلی تدبیر ذکر اللہ

سب سے پہلا دشمن ہے نفس اسکے مقابلہ کیلئے ''ذکر اللہ'' تجویز کیا گیا، جب ذکر اللہ کا غلبہ ہوتا ہے، تو نفس مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس کی خواہش ختم تو نہیں ہوتیں، موجود رہتی ہیں، مگر ان کا زور ٹوٹ جاتا ہے، نفس کی طاقت نہیں رہتی، مضمحل ہو جاتی ہے، پہلے مشائخ اخلاق رذیلہ کی الگ الگ اصلاح فرمایا کرتے تھے، ہر ایک رذیلہ کی اصلاح میں ایک زمانہ گذرتا تھا، مثلاً بخل کی اصلاح میں ایک زمانۂ دراز گذرتا تھا، حسد کی اصلاح کیلئے ایک زمانۂ دراز گذر جاتا تھا، اسی طرح کبر عجب، حرص، وغیرہ ہر ایک کی اصلاح میں دراز زمانہ گزرتا تھا، مگر قویٰ اب کمزور ہوگئے، اوقات میں بھی کمی ہے، جیسے وہ حضرات اپنا وقت نفس کی اصلاح کیلئے صرف کرتے تھے، آج ہمارے پاس اتنا وقت نہیں اور بیس دھندے ساتھ لگے ہوئے ہیں، اور اس کیلئے جس مجاہدہ کی ضرورت ہے، قویٰ میں ان مجاہدات کے برداشت کی طاقت نہیں، اس واسطے مشائخ متاخرین نے ذکر کو تجویز کیا کہ جب ذکر قلب پر زبان پر غالب وحاوی ہو جاتا ہے، تو یہ اخلاق رذیلہ خود بخود مضمحل اور کمزور وضعیف ہو جاتے ہیں، ختم تو نہیں ہوتے البتہ ان کا جو شر ہے، اور اثر ہے، وہ کمزور پڑ جاتا ہے، ٹوٹ جاتا ہے، اس واسطے مشائخ اپنے مریدین و متعلقین کو بھی کثرت ذکر کی تاکید کرتے ہیں، اور خود بھی ذکر کرتے ہیں۔

اخلاق باطنہ کی دو قسمیں

اخلاق باطنہ دو قسم پر ہیں، ایک متعلق بالقلب دوسرے بالنفس۔

اخلاق باطنہ بالقلب کا نام اخلاق حمیدہ وملکات فاضلہ ہے، ان کو مقامات سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور وہ یہ ہیں، توحید، اخلاص، توبہ، محبت الٰہی، قوتِ زہد، توکل، قناعت، حلم، صبر، شکر، صدق، تفوض، تسلیم، رضا، فنا، فناء الفنا۔

دوسرے متعلق بالنفس جن کا نام اخلاق رذیلہ ہے اور وہ یہ ہیں، طمع، طول امل، غصہ دروغ، غیبت، حسد، بخل، ریا، عجب، کبر،......حب مال، حب جاہ، حب دنیا، ان سے نفس کو پاک کرنے کا نام تزکیہ نفس ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی" یعنی وہ مراد کو پہنچا جسنے اس جان کو پاک کیا، انہیں اخلاق حمیدہ رذیلہ کو ان شعروں میں جمع کیا گیا ہے۔

خواہی کہ شوی بمنزل قرب مقیم
نو چیز بنفس خویش فرما تعلیم
صبر و شکر و قناعت و علم و یقیں
تفویض و توکل و رضا و تسلیم

ترجمہ: اگر تو یہ چاہتا ہے، کہ مقام قرب خداوندی میں مقیم ہو تو نو چیزیں اپنے نفس کو تعلیم کر، صبر اور شکر، قناعت، اور علم اور یقین، تفویض، اور توکل و رضا اور تسلیم۔

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ
دہ چیز بروں کن از درون سینہ
حرص مال و غضب دروغ و غیبت
حسد و بخل و ریا کبر و کینہ

ترجمہ: اگر تو چاہتا ہے، کہ تیرا دل مثل آئینہ کے صاف شفاف ہو جائے، تو دس

چیزوں کو اپنے اندر سینہ سے نکال دے، حرص اور طول امل اور غضب جھوٹ اور غیبت، اور بخل اور ریا اور تکبر اور کبر۔ (شریعت وتصوف)

حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کا ذکر

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ میں ایک سانس میں ایکسو اسی ضربیں لگاتا ہوں، ضعف ہوگیا جس کی وجہ سے سانس نہیں رہا، طاقت ختم ہوگئی اسلئے صرف ۱۸۰ رضربیں لگاتا ہوں، یعنی اس سے زیادہ کی طاقت نہیں رہی۔

حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر

حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک ایک سانس میں نفی واثبات کی پانچ سو ضربیں لگاتے تھے، یعنی سانس کو اتنی مہلت نہیں لینے دیتے تھے کہ چین میں سانس لے سکے ہر سانس میں ذکر رہتا تھا۔

نفی واثبات سے مراد "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه" ہے۔

پاس انفاس: ذکر کا اتنا غلبہ کیا مشائخ نے کہ پاس انفاس تجویز کیا کہ جس سے ہر سانس میں ذکر ہوتا ہے، کوئی سانس بھی بلا ذکر غفلت میں نہیں گذرتا۔

شیطان کا ناک کے بانسے پر رات گذارنا

حدیث شریف میں آتا ہے، کہ انسان جب رات کو سوتا ہے، تو شیطان اس کے ناک کے نتھنوں میں رات گزارتا ہے۔

"وَعَنْهُ اَیْ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهٖ فَتَوَضَّأَ فَلْيَسْتَنْثِرْ ثَلٰثًا فَاِنَّ

الشَّیْطَانَ یَبِیْتَ عَلٰی خَیْشُوْمِہٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ" (مشکوۃ شریف:۴۵)

[حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی نیند سے بیدار ہو پس وہ وضو کرے تو چاہئے کہ تین دفعہ ناک جھڑک کر صاف کر لے، اس لئے کہ شیطان اس کی ناک کے بانسہ پر رات گزارتا ہے۔]

اور ہر سانس کے ساتھ اپنا اثر اندر پہنچاتا ہے، جب آدمی سانس لیتا ہے۔ تو شیطان کے اثر سے سانس متأثر ہو کر اندر جاتا ہے، جیسے کسی جگہ پر کولر لگا دیا جائے، وہاں کی جو ہوا آئیگی، اس سے متاثر ہو کر آئیگی، ٹھنڈک لیکر آئے گی، اور اگر کہیں گرمی ہو تپش ہو وہاں کی ہوا اس گرمی سے متأثر ہو کر آئے گی، اسی طرح انسان شیطان کے اثر سے متاثر ہوتا ہے، چونکہ شیطان نتھنوں میں بیٹھا ہوا ہے، تو اس کے پاس سے جو سانس ہو کر گزرتا ہے، وہ اسکے قلب کو متاثر کر دیتا ہے" کلورافارم" ہوتا ہے وہ ناک کے قریب کرکے، جہاں سنگھایا انسان بیہوش ہو گیا، اسی طرح شیطان بھی سانس کے ذریعہ اپنا اثر اندر پہونچاتا ہے، اور اسے بیہوش کر دیتا ہے، لیکن یہاں ایسی بیہوشی نہیں جو کلورافارم میں ہوتی ہے، دین سے غفلت اور دنیا کی رغبت یہ بیہوشی ہوتی ہے۔

شیطان کا سوتے وقت گدی پر تین گرہ لگا دینا

نیز حدیثوں میں آیا ہے کہ جب آدمی سوتا ہے، تو اس گدی پر (جو سر کے آخر حصہ میں ہوتی ہے) شیطان تین گرہ لگا دیتا ہے، اور جب آدمی سو کر اٹھتا ہے آنکھ کھلتی ہے اور فوراً کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ لیتا ہے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، جب اٹھ کر وضو کر لیتا ہے، تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اور جب نماز پڑھ لیتا ہے، تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے۔

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعْقِدُ الشَّیْطَانُ عَلٰی قَافِیَةِ رَأْسِ اَحَدِ کُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلٰثُ عَقَدٍ یَضْرِبُ عَلٰی کُلِّ عُقْدَةٍ عَلَیْكَ لَیْلٌ طَوِیْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَیْقَظَ فَذَکَرَ اللّٰهَ اِنْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّأَ اِنْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰی اِنْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِیْطًا طِیْبَ النَّفْسِ وَ اِلَّا اَصْبَحَ خَبِیْثَ النَّفْسِ کَسْلَانَ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ" (مشکوۃ شریف: ۱۰۸)

[حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شیطان تم میں سے ہر ایک کے سر کی گدی پر جب وہ سوتا ہے تین گرہ لگا دیتا ہے، اور ہر گرہ کے ذریعہ اس کے نفس میں یہ بات ڈالتا ہے مکہ ابھی تو طویل رات باقی ہے سوجا، پس اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے،، اور اگر وضو کر لیتا ہے، تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر نماز بھی پڑھ لیتا ہے، تو ایک گرہ اور کھل جاتی ہے، پس وہ صبح کو خوش وخرم اٹھتا ہے، ورنہ اس حال میں صبح کرتا ہے، کہ شیطان کی خباثت اسکے اندر ہوتی ہے اور رمست ہوتا ہے۔]

شیطان نے جو جال لگایا تھا، انسان کو غفلت میں ڈالنے کیلئے جیسے مچھلی کو پکڑنے کیلئے جال لگایا جاتا ہے، اس نے اس عمل (ذکر، وضو نماز) کے ذریعہ اس کے جال اور تار کو توڑ دیا، جال کو توڑا جائے تو مچھلیاں کیسے قابو میں آئیں گی، سب نکل جائیں گی، اسی طرح جب انسان نے شیطان کے جال کو توڑ دیا تو پھر شیطان کا اس پر قابو نہیں چلتا۔

عالم کی فضیلت عابد پر

اسی لئے حدیث پاک میں فرمایا گیا:

"فَقِیْهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ" (مشکوۃ شریف: ۳۴)

ایک فقیہ شیطان پر ایک ہزار عابدین سے زیادہ بھاری ہوتا ہے، اسلئے کہ وہ اسکے جال کو توڑنا جانتا ہے، شیطان کے پھندے میں، نہیں آتا بلکہ دوسروں کو بھی اس کے پھندے میں آنے سے روکتا ہے۔

"لان الفقیه لایقبل اغوائه ویأمر الناس بالخیر ویصونهم عن اغوائه" (حاشیہ مشکوۃ شریف: ۳۴)

شیطان چاہتا ہے کہ انسان ذکر نہ کرے، اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے، کہ شیطان انسان کے قلب کے اندر گھستا ہے، لیکن جب قلب کے اندر ذکر اللہ پاتا ہے، تو پیچھے لوٹ جاتا ہے، اسی کو قرآن پاک میں "خناس" کہا گیا ہے، اسلئے شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے، کہ آدمی ذکر نہ کرے، یہ اس واسطے کہ ذکر کی برکت سے ذکر کی قوت سے جو شیطان کا خاص وزیر و معین ہے، (نفس) وہ کمزور پڑتا ہے، اسلئے مشائخ نے تجویز کیا کہ جہاں تک ہو سکے ذکر کی کثرت کی جائے قرآن پاک میں اللہ پاک کا ارشاد ہے۔

"وَالذّٰاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰاکِرَاتِ الخ" (سورۂ احزاب: ۳۵)

[اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔]

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا" (سورۂ احزاب: ۴۱)

[اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔]

تو ذکر اتنا کثیر ہونا چاہئے جس کو حق تعالیٰ کثیر فرمادیں، اور ایک روایت میں آیا ہے، اذکروا اللہ تعالیٰ حتی یقال انہ مجنون، اللہ کا اتنا ذکر کرو کہ دیکھنے والے یہ کہیں کہ یہ باؤلا ہوگیا، یہ پاگل ہے، اس کا دماغ خراب ہے، یہ تو مجنون ہے، اور ذکر محدود نہیں کہ "لا الہ الا اللہ، اللہ اللہ، الا اللہ" ہی تک ہو بلکہ جو بھی طریقہ ذکر کا ہو۔

صبح وشام کی دعاؤں کا اہتمام

صبح شام مختلف اوقات کی جو دعائیں احادیث میں بتائی گئیں ہیں، انکا اہتمام کرنے والے کو بھی "وَالذَّاكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَالذَّاكِرَات" میں لکھا ہے۔ الحزب الاعظم، الکلم الطیب، کتاب الاذکار، کتاب الدعوات، حصن حصین، میں حضور اکرم ﷺ سے جو اذکار مختلف اوقات میں منقول ہیں، ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اور دنیا وآخرت کی کوئی خیر ایسی نہیں جس کی دعا حضرت نبی اکرم ﷺ نے نہ مانگی ہو، اور دنیا وآخرت کی کوئی برائی ایسی نہیں جس سے پناہ نہ چاہی ہو، اور جو الفاظ وکلمات حضرت نبی اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہیں انکا "اسرع الی الاجابۃ اور اقرب الی الاجابۃ" ہونا ظاہر ہے۔

اس لئے ان (الحزب الاعظم وغیرہ) کا معمول بنا کر پڑھنا بے حد مفید اور مجرب ہے۔ مشائخ نے ہمیشہ اس کا اہتمام فرمایا ہے، اور اپنے متعلقین کو تاکید فرمائی ہے، اس لئے کہ جب آدمی اپنے مختلف اوقات میں مختلف دعائیں پڑھتا ہے تو پھر وہ کسی وقت بھی غافل نہیں ہوتا اور نفس مغلوب رہتا ہے، ذکر کی ضرب سے بھی مغلوب ہوتا ہے، اور بغیر ضرب کے بھی اوقات مخصوصہ متعینہ میں جو ادعیہ احادیث میں آئی ہیں ان کو پڑھنے سے بھی نفس مغلوب ہوتا ہے، اس لئے اس دشمن (نفس) کے مقابلہ کے واسطے جو تجویز کیا گیا ہے، وہ ذکر ہے، جتنا بھی آدمی زیادہ ذکر کریگا، اسی قدر نفس کی خواہش کمزور پڑتی رہیں گے، نفس دبتا رہے گا، اس دشمن کا علاج (نفس) کا علاج یہ ذکر ہے، اور اس (نفس) کے مقابلہ میں جو نصرت کی گئی ہے، وہ بذریعہ ذکر کی گئی ہے، اور ذکر نفسی ولسانی کے علاوہ ذکر قلبی، ذکر سری، ذکر، روحی وغیرہ بھی تجویز کیا گیا ہے۔

تقویٰ کا اہتمام

دوسرا دشمن شیطان ہے، شیطان کے مقابلہ کے لئے جس نصرت کی ضرورت ہے وہ تقویٰ ہے، شیطان کوشش کرتا ہے، کہ جہاں تک ہوسکے انسان کو نافرمانی میں مبتلا کردے، کوشش کرتا ہے کہ اس کی نماز، نماز نہ رہے۔ عبادت، عبادت نہ رہے۔ شیطان اختلاس کرتا ہے شیطان نمازی کے سامنے سے گزرتا ہے، اس کی نماز کو خراب کرنے کیلئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، کہ آدمی جب نماز کی نیت باندھتا ہے تو شیطان آکر کہتا ہے:

"اُذْكُرْ كَذَا، اُذْكُرْ كَذَا" (مجمع الزوائد: ۲/۲۶۲، القدس)

فلاں چیز یاد کر، فلاں چیز یاد کر۔ اور وہ اتنا یاد کرتا ہے، کہ وہ بھول جاتا ہے، کہ کونسی رکعت تھی۔

صحابی کے اپنے باغ کو صدقہ کرنے کا واقعہ

حدیث شریف میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، کہ ایک صحابی اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، ان کے باغ میں ایک درخت میں ایک پرندہ تھا، باغ گنجان تھا، وہ پرندہ وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا، مگر پتے اور شاخوں کی کثرت کیوجہ سے پھڑ پھڑا رہا تھا، اسکو راستہ نہیں ملا نماز پڑھتے ہوئے ان کی نظر اس طرف پہونچ گئی، اب یاد نہیں رہا کہ کونسی رکعت تھی، اب انکو افسوس ہوتا ہے، کہ اس باغ میں اس پرندہ کو دیکھ کر خالق کی طرف سے بے توجہی ہوگئی، نماز میں غفلت ہوگئی، کہ رکعت یاد نہیں رہی، کہ کونسی رکعت ہے، لہٰذا یہ باغ اس قابل نہیں رہا کہ اس کو اپنی ملکیت میں رکھا جائے، چونکہ اصل مقصود ذکر اللہ ہے، اللہ کا دھیان ہے اسکی عبادت ہے، جو چیز اس کے ذکر میں مانع ہو اس کو اپنے سے دور کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس باغ کو دور کردیا، اپنی ملکیت سے نکال دیا اسکو صدقہ کردیا۔

اس واسطے شیطان کے مقابلہ کے لئے تقویٰ تجویز کیا گیا، تقویٰ کھانے پینے کی چیزوں میں بھی ہے، کہ انسان حلال و پاک غیر مشتبہ چیز کھائے، حرام ناپاک مشتبہ چیز نہ کھائے، حرام چیز کھاتا ہے، تو اس کے اثرات برے پڑتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

ہاتھی کا گوشت نہ کھانے کی نذر

ایک واقعہ لکھا ہے کہ کوئی جہاز جارہا تھا، اس زمانہ میں جیسے جہاز ہوتے تھے، کشتیوں کے وہ خراب ہوگیا، ٹوٹ گیا، کسی کنارے پر پہونچا، وہاں وہ لوگ اترے وہاں جنگل ہے، کھانے پینے کو کچھ نہیں، بہت پریشانی ہے، بھوک پیاس کی شدت سے بیچین ہیں، آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ کے سامنے منت مان لو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو کیا کام کریں گے، ہر ایک نے اپنے اپنے منشاء کے مطابق منت مان لی، کہ اگر اللہ نے مجھے اس مصیبت سے نجات دیدی تو میں فلاں کام کروں گا۔

ایک صاحب نے منت مانی کہ اگر مجھے نجات مل گئی تو میں کبھی ہاتھی کا گوشت نہیں کھاؤنگا، سب نے اس سے کہا کہ یہ کیا منت ہے، اس نے کہا کہ بھئی میرے دل میں تو یہی آرہی ہے اور کچھ نہیں، تقدیر الٰہی کہ ایک ہاتھی کا بچہ آیا ان لوگوں نے مل کر پکڑ لیا اس کو ذبح کیا، سبھوں نے اس کا گوشت کھایا، چونکہ سخت بھوکے پیاسے تھے، جن صاحب نے منت مانی تھی انہوں نے نہیں کھایا، رات کو یہ لوگ کھانا کھا کر لیٹ گئے، سو گئے، اس بچہ کی ماں (ہتھنی) آئی اس نے ان سوئے ہوؤں کو سونگھنا شروع کیا، ہر ایک کو سونگھتی تھی، اور ٹانگ پکڑ کر چیر ڈالتی تھی، اس طرح سب کو ختم کر دیا نہ کوئی بھاگ سکا نہ کوئی اس کا مقابلہ کر سکا، اس کے پاس جس نے گوشت نہیں کھایا تھا آئی، ان کا خیال تھا کہ مجھ کو بھی ختم کر ڈالے گی، مگر وہ ان کے پاس پہونچی، ان کو سونگھا اور گوشت کی بو نہ پا کر ان کو کچھ نہیں کہا بلکہ ان کے پاس

بیٹھ گئی، اور اپنی سونڈ کے ذریعہ ان کو اپنے اوپر سوار کرلیا، اور وہاں سے بہت تیزی سے انکولیکر چلی اور کسی شہر کے قریب لیجا کر اپنی سونڈ کے ذریعہ انکو اپنی کمر سے اتار کر نیچے بٹھادیا یہ سلوک ان کے ساتھ اس لئے کیا کہ ان کے منھ سے بچہ کے گوشت کی بو نہیں آئی، بچہ کی ماں سمجھ گئی کہ اس نے میرے بچہ کا گوشت نہیں کھایا، اس کے منہ سے بچہ کے گوشت کی بو نہیں آتی۔

معلوم ہوا کہ کھانے کے اثرات ہوتے ہیں، سب لوگوں کو اسی ہتھنی نے گوشت کھانے کی وجہ سے ختم کر دیا، اور وہی ہتھنی ایک کیلئے حرام گوشت نہ کھانیکی وجہ سے نجات کا ذریعہ بن گئی، حدیث شریف میں ہے:

"کل لحم نبت من حرام فالنار اولیٰ بہ"

(اتحاف السادۃ المتقین: ۵/۲۲۶)

[جو گوشت انسان کے بدن میں حرام مال سے تیار ہو تو جہنم کی آگ میں جلنے کیلئے وہی زیبا ہے۔]

وہ جہنم میں جلنے کے قابل ہے،، جس طرح جن لوگوں نے ہتھنی کے بچہ کا گوشت کھایا تھا وہ بچہ کی ماں کے نزدیک اسی لائق تھے کہ انکی ٹانگ پکڑ کر چیر دی جائے، اور جس نے نہیں کھایا وہ نجات کے قابل تھا۔

حرام وحلال غذا کا اعمال پر اثر

اسی طرح جو شخص حرام مال سے بچے گا، انشاء اللہ نفع پائیگا، نجات پائیگا، اور جو شخص حرام چیزیں کھائیگا تو وہ چیزیں اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتیں۔

ان کا اثر ضرور ہوتا ہے، اس کا اثر ایک یہ بھی ہوتا ہے، کہ طاعات سے غفلت اور معاصی کی رغبت ہوجاتی ہے، بھلائیوں سے بیزاری اور برائیوں کی طرف توجہ بھی اسکا اثر

ہوتا ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"یٰاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ" (سورۂ مومنون: ۵۱)

اے پیغمبر! تم (اور تمہاری امتیں) نفیس چیزیں کھائیں (کہ خدا کی نعمت ہیں) اور (کھا کر شکر ادا کرو کہ) نیک کام کرو، (یعنی عبادت اور) میں تم سب کے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتا ہوں۔ (تو عبادت اور نیک کاموں پر ان کی جزا اور ثمرات عطا کروں گا۔)

اس آیت میں طیبات سے مراد صرف حلال چیزیں ہیں، جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ و نفیس ہیں، اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے، کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو اپنے اپنے وقت میں دو ہدایات دی گئی ہیں، ایک یہ کہ کھانا حلال اور پاکیزہ کھاؤ، دوسرے یہ کہ نیک عمل کرو، اور جب انبیاء علیہم السلام کو یہ خطاب کیا گیا، جن کو اللہ تعالیٰ نے معصوم بنایا ہے، تو ان کی امت کے لوگوں کیلئے یہ حکم زیادہ قابل اہتمام ہے، اور اصل مقصود بھی امتوں ہی کو اس حکم پر چلانا ہے، علماء نے فرمایا ہے کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اسطرف اشارہ ہے کہ حلال غذاء کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے، تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے، اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں، حدیث شریف میں ہے، کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں، اور غبار آلود رہتے ہیں، پھر اللہ کے سامنے دعا کیلئے ہاتھ پھیلاتے ہیں، اور "یارب، یارب" پکارتے ہیں مگر ان کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے، پینا بھی حرام ہوتا ہے، لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے، اور حرام ہی کی ان کو غذا ملتی ہے، ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل

ہے، جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔

(معارف القرآن: ۶/۳۰۴)

اسی وجہ سے گوشت کھانے کے شریعت نے جو جانور مقرر کئے ہیں، کہ کون سے جانور کا گوشت کھا سکتے ہیں، وہ وہی ہیں، جو انتہائی پاکیزہ اور صاف ستھرے ہیں۔

جانوروں کے حلال وحرام ہونے کی حکمت

اس پر ایک واقعہ یاد آیا، کانپور کے قیام کے زمانہ میں محلہ کے پوسٹ مین نے کہا کہ ہمارے افسر آپ سے ملنا چاہتے ہیں، میں نے کہا، اچھی بات ہے، افسر غیر مسلم تھا، اگلے روز آیا، اور آکر اپنی بات شروع کی گوشت کے بارے میں کہ مسلمان گوشت کیوں کھاتے ہیں، میں نے کہا کہ بھئی دیکھو! پیداوار کے طبقات پر غور کرو تو معلوم ہوتا ہے، کہ گوشت کھانا عین تقاضہ کے مطابق ہے، خلاف نہیں، اسلئے کہ دنیا میں جتنی چیزیں موجود ہیں اور نظر آتی ہیں، وہ سب اجسام کہلاتی ہیں، ان کے مقابلہ میں ارواح ہیں، ارواح یہاں نظر نہیں آتیں، اجسام نظر آتے ہیں، اور اجسام سے ہی گفتگو کر رہا ہوں، اجسام کہاں ہیں؟

عناصر اربعہ

اجسام میں چار چیزیں ہیں، آگ، باد، خاک، آتش، انکو عناصر اربعہ کہتے ہیں، ان چاروں میں الگ الگ میں خود بخود بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہے، جب مرکب ہو جاتے ہیں تو مرکب کی دو صورتیں ہیں۔

(۱)......مرکب تام۔

(۲)......مرکب ناقص۔

مرکب ناقص جس میں بعض عناصر ہوں جیسے دھواں، غبار، بھاپ ان میں سب

عناصر نہیں بعضے ہیں۔

مرکب تام جن میں چاروں عناصر موجود ہوں، پھر مرکب تام کی دو قسمیں ہیں۔

(۱)...... **جمادات:** جن میں بڑھنے کی صلاحیت نہیں، ان کو جمادات کہا جاتا ہے، وہ جس حال میں ہیں اسی حال میں رہتے ہیں، ان کے اندر ترقی نہیں۔

(۲)...... **نباتات:** جن کے اندر بڑھنے کی صلاحیت ہے ان کو نباتات کہا جاتا ہے، انکے اندر رگیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ پانی کو کھینچتی ہیں، ہوا کو کھینچتی ہیں، ان میں صلاحیت ہے کہ عناصر اربعہ کو اپنی غذا بنائیں، تو یہ عناصر اربعہ ماتحت ہیں، ان سے مافوق ہیں، جمادات اور جمادات سے مافوق ہیں، نباتات۔

تو قدرت نے انہیں نباتات کی غذا بنادیا جمادات کو بھی اور عناصر اربعہ کو بھی بلکہ نباتات میں سے بعض کو بعض کی غذا بنادیا چنانچہ بعض درخت دوسرے درخت کو کھا جاتا ہے۔

پیپل ہے چڑھتا ہے تو اینٹوں کو دیواروں کو کھا جاتا ہے، دوسرے درخت پر چڑھتا ہے، مغلوب کر کے اسکو بھی کھا جاتا ہے، اور بھی بعض درخت دوسرے درخت کو کھا جاتا ہے، اور اس کو مغلوب کر دیتا ہے، تو ایک درخت کی غذا دوسرے درخت کو بنایا اور اس درخت کی غذا پانی کو بنایا، مٹی کو بنایا، ہوا کو بنایا، حرارت آگ کو بنایا، غرضیکہ ماتحت چیزوں کو اس کی غذا بنایا تو ماتحت کو مافوق کیلئے قدرت نے غذا بنایا ہے، کوئی اپنے اختیار سے نہیں بنا۔

اس کے بعد نباتات سے اوپر چل کر درجہ ہے حیوانات کا چونکہ نباتات میں اتنی قوت نہیں ہے، کہ غذا بعیدہ کو حاصل کرسکیں، پانی قریب ہوگا، تو پانی کو حاصل کرسکتے ہیں، جو مٹی قریب ہے اس کو حاصل کرسکتے ہیں، اور اگر یہ چیزیں دور ہوں، تو دور سے ان کو حاصل نہیں کرسکتے، تو ان سے اوپر اللہ تعالیٰ نے حیوانات کو بنایا، حیوانات کی غذا جمادات بھی

ہیں، نباتات بھی ہیں، ان سب کو حیوان کی غذا بنایا، عناصر اربعہ بھی حیوانات کی غذا ہیں، اور نباتات بھی حیوانات کی غذا ہیں، لیکن ہر نباتات ہر حیوان کی غذا نہیں ہے، قدرت نے حیوانات میں اتنی صلاحیت رکھی ہے، کہ جو نباتات ان کیلئے مضر ہیں، جس میں سمیت ہے اسکو یہ نہیں کھاتے، انہوں نے کہیں ڈاکٹری پڑھی نہیں لیکن اس کے باوجود جو قدرت نے ان کے اندر شعور رکھا ہے، کہ اس چیز کو اپنی غذا نہیں بناتے جو ان کے لئے قاتل اور مضر ہے۔ نقصان دہ ہے، اور جس طرح عناصر اربعہ اور نباتات حیوانات کی غذا ہیں، اسی طرح حیوانات میں سے بھی بعض کو بعض کی غذا بنایا ہے، چونکہ حیوانات کی دو قسمیں ہیں: (۱) سباع (۲) بہائم۔

سباع: وہ جن کے اندر قوت غضبانیہ غالب ہے، بہائم وہ جن کے اندر قوت شہوانیہ غالب ہے، بلی کے لئے چوہے کو غذا بنادیا، شیر کے لئے ہرنی کو غذا بنادیا، مکڑی کے لئے مکھی کو غذا بنادیا، کہ جال میں مکھی کو بند کر کے، اتنا پھانس دیتی ہے، کہ مکھی کچھ نہیں کر پاتی، بے بس ہو جاتی ہے، اور مکڑی اس کو کھا لیتی ہے، تو حیوانات کی غذا بنایا نباتات کو بھی جمادات کو بھی، اور بعض حیوان کو بھی بعض حیوان کی غذا بنایا۔

اس کے بعد حیوانات کے اوپر درجہ ہے، انسان کا اس تفصیل سے اب آپ کی خود بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا، کہ انسان کے لئے غذا بنائی گئی ہے، نباتات بھی جمادات بھی، حیوانات بھی، یہ سب چیزیں انسان کی غذا بنائی گئیں، چونکہ انسان ان سب سے مافوق ہے، اور یہ سب چیزیں انسان کے ماتحت ہیں، تو جس طرح گاجر اور مولی کو انسان کیلئے غذا بنایا، اسی طرح بکری اور گائے کو بھی انسان کی غذا بنایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنا کر ان سب پر فوقیت عطا فرمائی اور ان سب پر حاوی و غالب بنایا۔

حیوان: دشمن سے بھاگتا بھی ہے، اپنی حفاظت بھی کرتا ہے، موقع ملنے پر دشمن پر

حملہ آور بھی ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود انسان کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت عطا فرمائی کہ بڑے سے بڑے حیوانات کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے، ہاتھی کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے، شیر کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے، چیتے بھیڑئے کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے، سانپ بچھو کو اپنے قابو میں کرلیتا ہے، چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے، طاقت عطا فرمائی ہے، اعلیٰ درجہ کی تدبیر عطا فرمائی ہے، غرضکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ان سب سے مافوق بنایا ہے، اور حیوانات وغیرہ کو انسان کے ماتحت اور تابع بنایا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی غذا جس طرح نباتات کو بنایا اسی طرح حیوانات کو بھی انسان کی غذا بنایا، اور جس طرح جانوروں میں ایک جانور کو دوسرے جانور کی غذا بنایا اور ہر جانور کو ہر جانور کی غذا نہیں بنایا، جس طرح ہر گھاس ہر جانور کی غذا نہیں کوئی گھاس کوئی جانور کھاتا ہے، کوئی گھاس کوئی جانور کھاتا ہے، کوئی گھاس اس کو کوئی جانور بھی نہیں کھاتا، اسی طریقہ پر یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر حیوان کو انسان کی غذا نہیں بنایا، بلکہ اسکو شعور عطا فرمایا ہے، کہ ان میں کون مفید ہے، کون مضر ہیں، جانورں کے خواص کو بتایا ہے، کہ کس جانور کے کھانے سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، جو جانور ایسے ہیں کہ انکے کھانے سے اچھے اور مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان کی اجازت دی ہے، اور جن کے کھانے سے برے اور مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان کی ممانعت فرمادی، پس جانور کو کھانا، ان کو ذبح کرنا تقاضۂ فطرت کے عین مطابق ہے، ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی اس طرح پر فرمایا ہے کہ انسان کی غذا بنیں، اس میں تو سوال کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اس نے کہا اچھا یہ بتائے کہ بعضے جانوروں کو کھاتے ہیں، اور بعضے نہیں کھاتے، اسکی کیا وجہ؟ کھایا جاتا تو سب کو کھایا جاتا، نہ کھایا جاتا تو کسی کو بھی نہ کھایا جاتا، اسکی کیا وجہ ہے کہ بعض کو کھاتے ہیں، اور بعض کو نہیں کھاتے ہیں، میں نے کہا ابتک آپ سمجھے ہی نہیں، جو جانور مفید ہیں ان کو کھاتے ہیں جو نقصان دہ ہیں انکو نہیں کھاتے، سُور نقصان دہ ہے، اسکو نہیں کھاتے، بکری نقصان دہ نہیں ہے، اسکو کھاتے ہیں، سور کے

گوشت کی تاثیر بے شرمی اور بے حیائی ہے، جو قومیں سور کھاتیں ہیں انکے اندر بے حیائی پائی جاتی ہے، ان کے اندر کسی قسم کی شرم وحیاء باقی نہیں رہتی اسکے گوشت میں غلاظت کا اثر بھی ہوتا ہے، جو کھانے والے کو متاثر کرتا ہے، اسلئے اسکے کھانے کی ممانعت ہے، اس نے کہا ہم نے دیکھا ہے کہ گائے بھی غلاظت کھاتی ہے، میں نے کہا: ہاں! کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی گائے نے اتفاقیہ غلاظت کھالی تو جو اس نے بقیہ گھاس چارہ کھایا ہے، اس کیوجہ سے غلاظت کا اثر بھی ختم ہوگیا، لیکن اگر کسی گائے کی غذا ہی غلاظت بن جائے تو پھر اسکا کھانا بھی درست نہیں بلکہ ناجائز ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی گائے کی قربانی

ہمارے یہاں قربانی کیجاتی ہے، قربانی کا اہتمام ہوتا ہے، ہمارے ایک بزرگ تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ قربانی کے لئے گائے خریدتے سال بھر تک گائے کی خدمت کرتے، خود اپنے ہاتھ سے اس کو نہلاتے، گھاس چارہ ڈالتے سانی کرتے، اور گائے کو بھی اتنی محبت ہو جاتی تھی، کہ جب سبق پڑھانے کیلئے مدرسہ کیلئے چلتے تو گائے بھی پیچھے پیچھے آتی حضرت درسگاہ میں تشریف لیجاتے اور گائے صدر دروازے کے سامنے بیٹھ جاتی، اور برابر وہیں بیٹھی رہتی جب سبق سے فارغ ہو کر بارہ بجے واپس تشریف لاتے تو گائے بھی ساتھ ہو جاتی، گائے کو بھی اتنا تعلق ہو جاتا تھا، اور پھر جب بقرہ عید کا وقت قریب آتا تو بجائے گھاس کے دودھ جلیبیاں کھلاتے تھے، پھر اس کے مہندی لگاتے تھے، اس پر پھول بناتے تھے، قسم قسم سے اس کو آراستہ کرتے تھے، اس کے بعد بقرعید میں عید کی نماز پڑھ کر آتے اور اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے اور ذبح کرتے وقت دو چار آنسو بھی ٹپکا دیتے اس کے بعد اگلے سال کے لئے پھر دوسری گائے خرید لیتے تھے، پھر سال بھر تک اس کی خدمت کرتے تھے، اور پہر اسی طرح آئندہ سال اس کو ذبح کرتے

،اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

"لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (سورۂ آل عمران: ۹۲)

[تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہر گز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کے لئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں ۔]

محبوب چیز کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنیکا حکم ہے اسکے بغیر کامل بھلائی نہیں ہوتی اسلئے قربانی کے جانور سے اتنی محبت کرتے ۔

وہ صاحب کہنے لگے ہاں! یہ تو سمجھ میں آ گیا کہ واقعی وہ اللہ ہی کے واسطے ایسا کرتے تھے، مگر یہ جو لوگ رات دن کھاتے ہیں، میں نے کہا کہ کھانے کا مسئلہ میں پہلے ہی حل کر چکا ہوں، رہا یہ کہ جو گائے کبھی غلاظت کھالے تو اس کو ذبح کر کے کھانے کی کیوں اجازت ہے، تو تعجب ہے؟ جو لوگ گائے کے پیشاب کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں، وہ گائے کی ذراسی غلاظت کھالینے کے بعد جبکہ وہ تحلیل ہو کر ختم بھی ہو جائے اس کے ذبح کر کے کھانے سے بے قرار ہوتے ہیں ۔

اس نے کہا اچھا میں بات کو ختم کرتا ہوں! اسلئے کہ ہوسکتا ہے، کہ آپ کو کچھ ناگواری ہو، میں نے کہا مجھے ناگواری نہیں ہوگی، مگر آپ کو ناگواری پیدا ہونا شروع ہو ہی گئی ہے، اس لئے آپ کو اختیار ہے،! چاہے بات جاری رکھیں چاہے ختم کر دیں ۔

شیر کی کھال پر بیٹھنا

بہر حال جانوروں کے کھانے کے بھی اثرات ہوتے ہیں، یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے، کہ شیر کی کھال پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے کسی نے شیر کا شکار کیا اس کی کھال اتار دی د باغت دیکر اس کا مصلی بنایا، اس پر بیٹھنا بھی مکروہ ہے، اس لئے کہ اس پر بیٹھنے سے سبوعیت (درندگی) کے اثرات اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں، پس جب کھال پر بیٹھنے تک کے

اثرات ہوتے ہیں، تو انکے گوشت کھانے کے اثرات کیا کچھ نہ ہونگے، لامحالہ ضرور ہونگے اس لئے حرام چیزوں سے بچنے کی زیادہ ضرورت ہے، شیطان دین کے ہر راستہ میں رکاوٹ ڈالتا ہے، لیکن اگر کسی کے پاس تقویٰ ہو تو شیطان کچھ نہیں کر سکتا۔

شیطان کے چیلے اور شاگرد

شیطان انسان کو بھی اپنے کام میں (لوگوں کو گمراہ کرنے میں) استعمال کرتا ہے، اس لئے اس کی تدبیروں کو حیلوں کو بہت زیادہ سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے، کسی نے دیکھا کہ کوئی پڑا سو رہا ہے کسی آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی، اس سے معلوم کیا کہ تو کون ہے؟ اس نے بتایا کہ میں شیطان ہوں، اس نے پوچھا کہ کیا تجھے بھی سونے کی فرصت ملجاتی ہے؟ اس نے کہا ہاں! اب کام زیادہ نہیں رہا، انسانوں میں بہت سے میرے شاگرد چیلے ہیں، جو میرا کام انجام دیتے ہیں، وہ میری ذمہ داری پوری کرتے ہیں، اس لئے مجھے سونے کی فرصت ملجاتی ہے، اس لئے بہت سے انسانوں کے مکائد سے بھی بچنے کی ضرورت ہے (کہ وہ آلہ شیطان ہوتے ہیں) مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

[بہت سے ابلیس انسان کی شکل میں ہوتے ہیں، اس لئے ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیدینا چاہئے۔]

انسانوں کے ذریعہ سے ہونیوالے مکائد شیطان سے حفاظت بھی تقوی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اولیائے کاملین پر بھی یہ شیطان پھندے ڈالتا ہے، اور انکو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، شیطان بہت حیلوں تدبیروں سے واقف ہے ہر کسی کو گمراہ کرنیکی تدابیر اسی کے مناسب کرتا ہے، بزرگوں اور اولیاء کو بزرگی اور ولایت کے مناسب حیلہ اور تدبیر سے

گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر شیطان کا حملہ

سید الطائفہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو محسوس ہوا کہ خاص مقام قرب حاصل ہے۔انوار و برکات کی بارش ہو رہی ہے،اسی حال میں پیاس محسوس ہوئی تو فوراً ایک صورت نمودار ہوئی جس کے ہاتھ میں سونے کا پیالہ اسمیں چھلکتا ہوا پانی غیب سے انکے پاس چیزیں آیا ہی کرتی تھیں،اسی نوع کا یہ پانی سمجھتے ہوئے پینے کا ارادہ فرمایا، پھر خیال آیا سونے کے برتن کا استعمال کرنا تو نا جائز ہے، رک گئے، پھر جی میں بات آئی جسکو سمجھے کہ اوپر سے ہے وہ یہ کہ حرام کرنے والا کون ہے ہم نے ہی حرام کیا ہم ہی دے رہے ہیں،نہیں لوگے تو کفران نعمت ہوگا، پکڑے جاؤ گے تب پھر یہ خیال آتا ہے،کہ یہ تو تلبیس ابلیس ہے شریعت محمدیہ میں نسخ نہیں نہ استثناء ہے،اتنے بڑے بزرگ کو پھانسنے کیلئے یہ عجیب جال تیار کیا تھا،مگر بیکار گیا، فوراً "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" پڑھا۔کی ایسی گولی لگی کہ بھاگا اور کہتا ہوا گیا کہ اتنے اولیاء اللہ کو اس مقام پر لا کر میں نے جہنم میں ڈالا ہے تو اپنے علم کے زور سے نکل گیا۔انہوں نے فرمایا! غلط کہتا ہے علم کے زور سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل سے بچا،اسمیں بھی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر حملہ تھا،بفضل الٰہی حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ اس پر متنبہ ہوئے،اور فرمایا لعین! اب بھی حملہ کرنے سے باز نہیں آیا،علم سے کیا بچتا اپنے مولیٰ کے فضل سے بچ گیا،تو دیکھو شیطان نے کیسا پرفریب جال ان کے بہکانے اور گمراہ کرنیکا بچھایا،اسلئے شیطان کی خفیہ تدابیر پرفریب مکائد سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے،جسکے لئے ڈھال تقویٰ ہے۔

....

خارجی دشمن کے مقابلے کے لئے جہاد

ایک دشمن کافر! جو خارج میں قوت وشوکت والا تلوار اور بندوق والا ہے اس کے مقابلہ کیلئے جہاد تجویز ہوا، حضرت نبی اکرم ﷺ نے اس دشمن کا مقابلہ جہاد کے ذریعہ سے کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہت جانبازی سے جہاد کیا اور دشمن کا مقابلہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسا جذبہ سرفروشی کا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قلوب میں عطا فرمایا تھا، کہ اس کی مثال ملنی دشوار ہے۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ ہمارے پاس تلواریں نہیں ہیں، ہم خالی ہاتھ ہیں، دشمن کے پاس تلواریں ہیں، انہوں نے خالی ہاتھ رہ کر مقابلہ کیا، انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ دشمن کے پاس فوج زیادہ ہے، ہمارے پاس فوج کم ہے آلاتِ جنگ موجود نہونے کے باوجود انہوں نے مقابلہ کیا چونکہ ان کی نظر اللہ پاک کی ذات عالی پر ہوتی تھی، وہ سمجھتے تھے نصرت وفتح شکست وہزیمت سب اسی کی طرف سے ہے، گوحسب امکان اسباب بھی اختیار کئے مگر ان کو اسباب ہی سمجھا، اسباب ہی کے درجے میں رکھا، اسلئے انہوں نے کبھی اسباب کی پرواہ نہیں کی۔

مومن کی بہادری اور کافر کی بزدلی کی وجہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے کلکتہ میں دریافت کیا کہ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی، جب مسلمانوں کی فوج اور جہاد کا نقشہ ہم دیکھتے ہیں، تو مسلمانوں کے پاس آدمی کم ہتھیار کم،

حفاظت کا انتظام کم، سواریاں کم اس کے بالمقابل دشمن کے پاس آدمی زیادہ، ہتھیار زیادہ سواریاں زیادہ ہر قسم کے سامان زیادہ لیکن جب مقابلہ ہوتا ہے، تو دشمن جو مقابل ہے، تو فوج کی کثرت اور بڑی طاقت کے باوجود اس کا رخ تو پیچھے کی طرف ہوتا ہے، وہ بھاگتا چلا جاتا ہے، اور مسلمان آدمیوں کی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود آگے ہی کو بڑھتا چلا جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا اس کی وجہ آپ سمجھے نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا مقصد الگ الگ ہے، مسلمان کا مقصد ہے اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرکے شہید ہو جانا۔

مسلمان اس مقصد کو ڈھونڈھنے کیلئے نکلتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ دشمن کے جتھے میں گھس جانے سے اسکی صفوں میں پہونچ جانے سے مقصد حاصل ہو جائیگا، شہادت حاصل ہو جائیگی، لہٰذا وہ اپنے اس مقصد کی طلب و جستجو میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے، اور دشمن کا مقصد ہے اپنی جان کو بچانا کہ کسی طرح میں بچ جاؤں چاہے سب مر جاویں، وہ اپنا مقصد و مطلب پاتا ہے۔ پیچھے بھاگنے میں، اس لئے اپنی جان بچانے کی خاطر برابر پیچھے بھاگنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، چونکہ ہر ایک اپنے مقصد کی طرف دوڑا کرتا ہے، اس کے کچھ نمونے دیکھنے ہوں تو شاہان اسلام اور خلفاء عراق کی زمانہ کے حالات پڑھئے۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ایرانیوں سے جنگ کا نقشہ

جس وقت ایران میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا واقعات تو بہت طویل ہیں جنکا نہ سنانا مقصود ہے اور نہ سنانے کا وقت ہے، مختصر سی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت تیس ہزار تھی،......تیس ہزار فوج بھیجی اور تیس ہزار خونخوار ہاتھی بھیجے، ماہان ارمنی کی طرف سے جو کمک پہونچی وہ بتیس لاکھ فوج کی تھی، اور یہاں مسلمانوں کی تعداد کل تیس ہزار تھی، دونوں فریق کی جنگ شروع ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ جنگ کا پورا نقشہ میرے پاس بھیجو، کہ کون کس دستہ پر ہے اور کون دستہ کس جانب ہے، اس طریقہ پر بھیجو کہ گویا میں یہاں سے دیکھ رہا ہوں، چنانچہ اسی طریقہ پر نقشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا آدمیوں کی کثرت کا ہر گز خیال مت کرو، ان کو بالکل نگاہ میں مت لاؤ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا خود یہ حال تھا کہ کمر میں دنبل نکلے ہوئے ہیں، فوج کی کمان کرتے تھے، ایک ایک شخص پر نظر رکھتے تھے، فلانے تم اوپر کو بڑھو! فلانے تم میری طرف کو آؤ! اس طرح مکمل کمان فرما رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ تیس ہزار ہاتھی میدان میں آ گئے ہیں، جو پیچھے سے دم بھی اُٹھائے ہوئے ہیں، اور سونڈ بھی اٹھائے ہوئے ہیں، لمبے لمبے دانت ان کے باہر نکلے ہوئے ہیں، اور ان کے مالک عجیب عجیب قسم کے تاج پہنے ہوئے ہیں، ہتھیار لگائے ہوئے ان کے اوپر ہودج میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

عرب کے گھوڑے کا ہاتھی سے گھبرانا

عرب کا گھوڑا ہاتھی سے گھبراتا ہے، اس لئے مجاہدین کے سب گھوڑے بہت گھبرا رہے ہیں، وہیں سے فرمایا گھوڑوں کو پیچھے رکھو! گھوڑے سوار گھوڑوں سے اتر جائیں، پیدل چل کر حملہ کریں، سب سے پہلے دستہ کے سپہ سالار آگے بڑھے، ان کے ہاتھیوں میں ایک سفید ہاتھی بھی تھا، جو بہت پرانا اور متبرک سمجھا جاتا تھا، کہ جس فوج اور جنگ میں وہ جاتا ہے، اس میں کامیابی ہوتی ہے، انہوں نے سب سے پہلے بڑھ کر اسی ہاتھی پر حملہ کیا اسکی سونڈ کاٹ ڈالی، اسکی سونڈ کٹ کر نیچے گری ہے اور وہ جوش میں آ کر انکے اوپر آگے بڑھا یہ پچھلے پیروں پیچھے ہٹے ہیں پچھلے پیروں، ان کا پیر پھسلا، نیچے گرے بس ہاتھی نے ان کے اوپر پیر رکھ کر ان کو ختم کر دیا۔

انکی اس حالت کو دیکھ کر دوسرے دستوں کے سپہ سالاروں کی طبیعتوں میں جوش آیا کہ شہادت تو بہت سستی ہو رہی ہے، اور سب شوق وشہادت میں آگے بڑھے،

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا ہودجوں کی رسی کاٹ ڈالو، جو لوگ ہودجوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان کو کھینچ کر نیچے گرادو اس پر ان مجاہدین نے ہودجوں کی رسیاں کاٹ کر ان لوگوں کو نیچے گرانا شروع کر دیا، اس کے بعد حکم فرمایا، برچھوں نیزوں سے ہاتھیوں کی آنکھیں پھوڑ دو، انہوں نے آنکھیں پھوڑنا شروع کر دیا، ہاتھیوں نے چیخنا شروع کیا، سونڈیں کٹ گئیں، آنکھیں پھوڑ دی گئیں، ہاتھی چلا اٹھے، برا حال ہوگیا، جو ہودج پر سوار تھے وہ پیچھے گرے، ساری فضا ہاتھیوں کی چیخ سے گونج اٹھی، باقی ہاتھی بے تحاشہ وہاں سے بھاگے، چھ سپہ سالار اس جنگ میں شہید ہوئے اور مجاہدین میں چھ ہزار مسلمان شیہد ہوئے، اور ایک لاکھ سے زیادہ ایرانی لوگ، مارے گئے، جو آتش پرست تھے۔

تو کہنا یہ ہے کہ مسلمان جہاد کیلئے جاتا ہے، وہ اس خوشی میں نہیں جاتا، کہ میری کامیابی دوسروں کے قتل کرنے میں ہے، میں کامیاب ہوں گا دوسروں کو قتل کر دونگا، بہادر کہلاؤنگا۔

حضرت مغیرہ ابن ابی شعبہ رضی اللہ عنہ کی شاہ فارس سے گفتگو

اسی وجہ سے اس جنگ کے شروع ہونے سے پہلے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا، شاہِ فارس سے گفتگو کرنے کیلئے، شاہِ فارس ان کی گفتگو سے بہت متاثر ہوا، شاہِ فارس نے انکو دھمکی دی کہ کل جنگ ہوگی، تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے انہوں نے جواب دیا، ہم میں جو قتل ہوگا، وہ شہید ہوگا، وہ جنت میں جائیگا، اور ہم میں سے جو زندہ رہے گا وہ تمہارے اوپر حکومت کریگا، تم کو اپنا غلام بنائیگا، اور تم میں جو قتل ہوگا، وہ جہنم میں جائیگا، جو زندہ رہے گا، وہ ہمارا غلام بن کر رہیگا، ہم کسی طرح خسارہ میں نہیں مسلمان کسی طرح خسارہ میں ہوتا ہی نہیں۔

غرض جو دشمن تلوار والے ہتھیار والے تھے، ان سے مقابلہ اس طرح ہوا اللہ پاک

نے فتح عطا فرمائی اور ایسی فتح عطا فرمائی کہ آج تک اس کے اثرات ظاہر ہیں، چنانچہ شاہنامہ فردوسی میں لکھا ہے:

ز شیر شتر خوران و سوسمار
عرب را بجائے رسید است کار
کو تخت کیاں را کنند آرزو
تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

اونٹ کا دودھ پینے اور نیولا کھانے سے عرب کا حال یہاں تک پہونچ گیا کہ آج شاہان فارس کے تخت پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں، افسوس! تجھ پر! اے گردش کرنے والے آسمان (وہاں، افسوس کرتا رہ، روتا رہ ماتم کرتا رہ، یا حسین پکارتا رہ)

غرض اس دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان سب دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اسی کو فرمایا ہے:

"اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ"

اللہ پاک کی نصرت آ گئی، جو دشمن تلوار اور ہتھیار کے ذریعہ سے لڑنے والے تھے، وہ سب پسپا ہو گئے، سارا عرب مسلمان ہو گیا، سارے عرب میں کوئی غیر مسلم نہیں رہا، سب ختم ہو گئے یہ خدائے پاک کی نصرت ہے۔

ایک دشمن منافقین ہیں

وہ زبان سے کہتے تھے "نشهد انک لرسول الله" [ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔]

لیکن قرآن شریف نے کہا:

"يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ" (سورۂ آل عمران:۱۶۷)

[وہ زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں۔]

"یُرْضُوْنَکُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَابٰی قُلُوْبُهُمْ وَاَکْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ"

(سورۂ توبہ:۸)

[یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے دل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔]

یہ فرقہ مستقل دین حق قبول کرنے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا، ان منافقین کی ایک ایک چیز ایک ایک خصلت بد اور دین حق کے خلاف ان کی سازشوں کو قرآن کریم نے کھول کھول کر بیان کر دیا، ایک مستقل سورت میں اس فرقہ کا ذکر ہے اس سورت کا نام ہی سورۃ منافقون ہے، سورۃ بقرۃ، سجدۃ، توبہ، سورۃ انفال میں منافقین کا پوری کیفیت کے ساتھ تذکرہ ہے، ان میں سے بعض تو فتح ونصرت کو دیکھ کر سچے پکے مسلمان ہو گئے، بڑی تعداد ایسی ہے حتی کہ عبداللہ بن ابی سلول کے انتقال پر جو حضور اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ معاملہ فرمایا کہ اس کو اپنا کرتا مبارکہ عطا فرمایا کفن کیلئے، اپنا لعاب دہن شریف اس کے منہ میں ڈالا اس کے جنازے کی نماز پڑھی حضرت نبی اکرم ﷺ کا یہ معاملہ دیکھ کر ایک ہزار منافقین مسلمان ہوئے، یہ وہ لوگ تھے، عامۃً جن کے قلوب میں نفاق بھرا ہوا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے سچے اسلام کی توفیق عطا فرمائی، اور ان کے مقابلہ میں اس طرح فتح عطا فرمائی۔

ایک دشمن ہے مبتدع

دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کرنے والا، اس فرقہ کا یہ حال تھا کہ جس چیز کو نیک نیتی سے دین سمجھا اسی کو اختیار کر لیا، حالانکہ اس کے دین ہونے پر ان کے پاس کوئی نص قطعی دلیل نہیں، محض باپ دادا کے طرز کو دیکھ کر یا اپنی پسند سے دین میں بہت سی چیزوں

کو داخل کر دیا، اس فرقہ میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مدعی تھے، ان کے بھی مختلف قسم کے طبقات تھے، جنہوں نے مختلف انداز سے نئی چیزیں ایجاد کر کے اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کی شریعت نے اس فرقہ کا رد فرمایا:

"مَنْ اَحْدَثَ فِیْ دِیْنِنَا هٰذَا مَالَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ"

(شرح السنة: ۱/۱۴۴، بیتروت)

[جو شخص ہمارے اس دین میں ایسی چیز ایجاد کرے جو دین میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔]

ان کی ایک ایک جڑ کو کاٹ کر رکھدیا۔ ان کے مقابلہ میں فتح و نصرت اس طرح ہوئی اس لئے ارشاد فرمایا:

"اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ"

جب اللہ کی مدد آجائے، اور فتح آجائے اور تم دیکھو کہ لوگ دین کے اندر فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں، پہلے جو اسلام میں داخل ہوتے تھے، اِکا دکا، داخل ہوتے تھے، مکہ مکرمہ کے قیام میں ایسا ہی ہوا، کوئی شخص اسلام لایا تو مصائب میں مبتلا کیا گیا، طرح طرح سے ان کو پریشان کیا گیا، ان کو بہت سخت عذاب دیا گیا، اور جب فتح ہوئی، تو جتنے قبائل تھے جس قدر اطراف کی بستیاں تھیں، سب کی سب جماعت کی جماعت سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آئے اور آکر اسلام قبول کرلیا۔

"یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا"

[فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔]

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجنے کا جو مقصد تھا، وہ پورا ہو گیا، لہٰذا

"فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ"

[تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔]

اب آپ یکسوئی کیساتھ تنہائی میں اپنے رب کو یاد کیجئے، اس کی تسبیح کیجئے،
اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف دو طرح پر ہوتی ہے ایک تسبیح وتقدیس۔ ایک تحمید۔
"تسبیح" کا حاصل تو یہ ہے کہ جو چیزیں حق تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں، ان چیزوں سے حق تعالیٰ شانہٗ کی پاکی و برأت بیان کی جائے، مثلاً حق تعالیٰ شانہٗ پاک اور بری ہیں، کھانے سے پینے سے، اونگھنے سے موت سے، احتیاج سے، ان سب چیزوں سے بری و پاک ہیں۔ یہ پاکی بیان کرنا "تسبیح" کہلاتا ہے۔
"تحمید" تحمید کا حاصل یہ ہے کہ جو چیزیں حق تعالیٰ شانہٗ کی شان عالی کے موافق ہیں، انکا اثبات کیا جائے، مثلاً وہ رزاق ہے، وہ علیم ہے، وہ قدیر ہے، وہ غفور ہے، وہ کریم ہے، وہ دانا ہے۔ جو صفات حق تعالیٰ شانہ کی شان عالی کے موافق ہیں ان کو حق تعالیٰ شانہ کے لئے ثابت کرنے کا نام "تحمید" ہے۔

سلوک کی دو صورتیں

اسی طرح صوفیاء کے یہاں سلوک کی دو ہی صورتیں ہیں:
(۱)……تحمیدی۔ (۲)……تنزیہی۔
"تحمیدی"……تحمید میں جو چیزیں باری تعالیٰ شانہٗ کی شان عالی کے لائق ہیں، ان کو بار بار ذہن کے اندر قائم کیا جاتا ہے۔
"تنزیہی"……تنزیہی میں جو چیز حق تعالیٰ شانہٗ کے شان عالی کے خلاف میں انکی نفی کی جاتی ہے، اور انکو دلوں کے اندر سے نکالا جاتا ہے۔

ذکر نفی واثبات

اسی لئے ذکر نفی واثبات تجویز کیا گیا، لَآ اِلٰہَ کے ذریعہ جو چیزیں نامناسب اور

شان عالی کے خلاف ہیں ان کو دل سے نکالا جاتا ہے، اور الا اللہ کے ذریعہ جو چیزیں حق تعالیٰ شانہ کی شان عالی کے موافق ومناسب اور لائق شان ہیں، انکو دل کے اندر جمایا جاسکتا ہے۔

استغفار

"وَاسْتَغْفِرْهُ" [اور اس سے مغفرت مانگو۔] اس میں حضرت نبی اکرم ﷺ کو استغفار کا حکم فرمایا کہ آپ کے متبع اور پیروکاروں سے جو کوتاہیاں ہوجاتی ہیں، چونکہ کوتاہیاں تو ہر ایک سے کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہیں، آپ ان سب کے لئے استغفار کرتے رہیئے۔

یہاں دنیا میں بھی استغفار فرمایئے اور آخرت میں بھی، دنیا میں تو استغفار ظاہر ہے، لیکن آخرت میں استغفار سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آخرت میں استغفار سے مراد شفاعت ہے، قیامت میں جو شفاعت ہوگی، اسکا حاصل یہی ہے، کہ حق تعالیٰ شانہ اپنی شانِ کریمی سے معاف فرمادیں۔

آنحضرت ﷺ کے استغفار کے بارے میں چند اقوال

"واستغفار ہ صلی اللہ علیہ وسلم قیل لانہ کان دائماً فی الترقی فاذا ترقی الی مرتبۃ استغفر لماقبلھا وقیل مماھوفی نظرہ الشریف خلاف الاولیٰ بمنصبہ المنیف وقیل عما کان من سھو ولوقبل النبوۃ وقیل لتعلیم امتہ صلی اللہ علیہ وسلم وقیل استغفارہ لامتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ای واستغفر لامتك الخ" (روح المعانی: ۲۵۸/۳)

حضرت نبی اکرم ﷺ کے استغفار کے بارے میں چند اقوال ہیں۔

(۱)......آنحضرت ﷺ کو ہمیشہ ترقی ہوتی رہتی تھی، جب کسی بلند مرتبہ کی طرف ترقی فرماتے تو ماقبل کے لئے استغفار فرماتے۔

(۲)......جو چیز آنحضرت ﷺ کی نظر شریف میں آنحضرت ﷺ کے منصب بلند کے اعتبار سے خلاف اولیٰ معلوم ہوتی تھی، اس کے لئے استغفار فرماتے تھے۔

(۳)......جو آنحضرت ﷺ کو سہو ہوا، اگر چہ قبل نبوت ہی ہوا، اس سے بھی استغفار فرماتے تھے۔

(۴)......امت کی تعلیم کے لئے استغفار فرماتے تھے۔

(۵)......اس سے خود امت کے لئے استغفار کرنا مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی امت کیلئے استغفار فرماتے۔

شفاعت کی قسمیں

حضرت نبی اکرم ﷺ کی شفاعت قیامت میں چند قسم پر ہوگی۔

(۱)......شفاعت عظمیٰ یہ تمام اہل موقف کیلئے ہوگی، آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے ہی تمام اہل محشر کا حساب وکتاب شروع ہوگا۔

(۲)......دوسری ان لوگوں کیلئے جنکو بے حساب جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۳)......تیسری شفاعت ان لوگوں کے لئے جو (اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے) مستحق دوزخ ہو چکے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ رفعه شفَاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ رواہ الترمذی" (جمع الفوائد: ۲/۲۰۳)

کہ میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہوگی کہ ان کے گناہوں کو

معاف فرما کر ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۴)......چوتھی شفاعت ان لوگوں کے لئے ہوگی، جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں۔ آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے ان کو جہنم سے نکالا جنت میں داخل کیا جائے گا۔

(۵)......پانچویں آپکی شفاعت سے جنتیوں کے مراتب بلند کئے جائیں گے۔

(۶)......بعض کافروں سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے گی، مثلاً ابو طالب۔

(۷)......ساتویں ان کے لئے جن کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ مدینہ طیبہ میں وفات پانے والوں کے آنحضرت ﷺ کی شفاعت سے درجات بلند کئے جائیں گے۔

(ترجمہ روضۃ الاحباب: ۲۹۳، گلدستہ سلام: ۲۰-۲۱۰)

اللہ پاک ہم سب کو اپنے حبیب پاک ﷺ کی شفاعت خاصہ نصیب فرمائے۔ آمین!

"اِنَّهٗ كَانَ تَوَّاباً" [یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔]

اللہ تعالیٰ بہت متوجہ ہونے والے اور توبہ قبول کرنے والے ہیں، آپ اپنے لئے استغفار کریں گے، اسمیں بھی متوجہ ہوں گے، قوم کیلئے استغفار کرینگے اس میں بھی متوجہ ہونگے، توبہ قبول فرمائیں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والے ہیں، اللہ پاک ہم سب کو اسکی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین! وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق۔

❑❑❑

مسلک علمائے دیوبند

اور

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس بیان میں

☆...... دیوبند والوں کا مسلک کیا ہے؟ کیا اکابر دیوبند میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی پایا جاتا ہے؟

☆......کیا اکابر دیوبند اولیاء کو نہیں مانتے؟

☆...... وہابی کون ہوتے ہیں؟ کیا دیوبندی بھی وہابی ہیں؟

☆......بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیوبند والے اہلسنّت والجماعت نہیں ہیں۔

☆......اور یہ بریلوی اور رضاخانی کون ہیں؟

سوالات کے جوابات ہیں۔

عرض مرتب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

ایک طبقہ ایک طویل عرصہ سے علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور عوام کو حضرات علمائے دیوبند سے بدگمان کر کے ان سے کاٹنے اور ان سے دور رکھنے کی سازش میں مشغول ہے، کبھی کہا جاتا ہے: علمائے دیوبند حضرت نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلك۔

کبھی کہا جاتا ہے: علمائے دیوبند حضرت نبی کریم ﷺ سے محبت نہیں کرتے۔ ان میں عشق رسول نہیں پایا جاتا۔ کبھی کہتے ہیں: علمائے دیوبند حضرات اولیاء کرام کو نہیں مانتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کی بے بنیاد اور خلاف واقعہ باتیں بیان کر کے عوام کو علمائے دیوبند سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور انہیں یقین ہے کہ اگر عوام علمائے دیوبند کے قریب آئیں گے، ان کی باتیں سنیں گے ان کی زندگی دیکھیں گے تو ہماری قلعی کھل جائے گی اور عوم ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے، اس لئے کوشش کرتے ہیں کہ علمائے دیوبند کی باتیں تک نہ سنیں، ان کی مجالس میں شرکت تک نہ کریں۔ ان سے مصافحہ تک نہ کریں۔ اس کو وہ حضرات دین کی بڑی خدمت سمجھے ہوئے ہیں۔

حالانکہ دیوبندیت تو نام ہی ہے عشق الٰہی اور عشق نبوی ﷺ کے جان و دل اور تن بدن میں رچ بس جانے اور کمالِ اطاعت خداوندی اور کمالِ اتباع نبوی ﷺ کے ساتھ دین اور اشاعت سنت کو مقصد زندگی بنانے اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے جذبہ کا۔ جس کی دلیل خود حضرات اکابر علمائے دیوبند کی زندگیاں ہیں، جو سورج کی طرح روشن ہیں۔

فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے سفر کشمیر کے موقع پر وہاں کے حضرات نے علمائے دیوبند کے بارے میں اسی نوع کے سوالات مختلف مجالس

میں کئے۔ حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے شرح وبسط کے ساتھ انکے جوابات عنایت فرمائے جن کو کیسیٹ کے ذریعہ محفوظ کرلیا گیا۔ محب مکرم حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب زید مجدہم دارالعلوم رحیمیہ باندی پورہ کشمیر نے انکو اپنی زیرنگرانی نقل کرایا اور پھر ترتیب دیکر ''مسلک علمائے دیوبند اور حب رسول ﷺ'' کے نام سے اپنے اہتمام سے شائع فرمایا، جو بیحد مفید ومقبول ہوا اور بار بار شائع ہوتا رہا اور عوام وخواص کی طرف سے اس کی اشاعت کے برابر تقاضاے ہوتے رہے۔

ادھر مواعظ فقیہ الامت اولاً قسط وار شائع ہوئے، پھر مجموعی طور پر تین جلدوں میں خطبات محمود کے نام سے ان کی اشاعت ہوتی رہی۔ اب جب کہ مواعظ فقیہ الامت کو نظر ثانی اور جدید کتابت کے ساتھ نیز بعض مواعظ کے اضافے کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

بعض احباب بالخصوص محب مکرم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب زید مجدہم خادم خاص حضرت فقیہ الامت نوراللہ مرقدہٗ کا تقاضہ ہوا کہ ''مسلک علمائے دیوبند اور حب رسول ﷺ'' کو بھی مواعظ فقیہ الامت میں شامل کرلیا جائے۔

اس لئے جدید کتابت سے پہلے نظر ثانی کی گئی اور بعض مفید اضافے بھی کئے گئے اور پھر جدید کتابت کے بعد مواعظ فقیہ الامت جلد خامس میں شامل کردیا گیا اور اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر الگ سے مستقلاً بھی شائع کیا جارہا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ فرمائے اور بیحد قبول فرمائے۔ آمین!

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

بِحُرْمَةِ حَبِيْبِكَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ

سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَحَبِيْبِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ آمین

محمد فاروق غفرلہٗ

خادم جامعہ محمودیہ علی پور، ہاپوڑ روڈ، میرٹھ (یوپی) الہند ۲۹ر صفر المظفر ۱۴۳۶ھ دوشنبہ

مسلک علمائے دیوبند

اور

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔ اَمَّا بَعْدُ!

اس رمضان سے پہلے رمضان میں ایک صاحب کا خط آیا میرے پاس۔ لکھا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمارہے ہیں تم دارالعلوم دیوبند میں ملازمت کرلو۔ اس کی تعبیر کیا ہے؟ میں نے ان کو جواب لکھا کہ دارالعلوم دیوبند کے جو ارباب حل وعقد ہوں آپ ان سے بیان کیجئے۔ اگر انکو بھی کوئی بشارت اور خوشخبری ہوئی ہو تو معاملہ آسان ہے۔ آپ کی ملازمت ہوجائیگی۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلک دارالعلوم کو لازم پکڑلو۔ اب وہ مسلک دارالعلوم کیا ہے؟ وہ پانچ چیزیں ہیں۔

(۱)......عشق الٰہی کی سوزش سینے میں ہو (اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دینے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔)

(۲)......تمام رسومِ شرکیہ سے بچتے ہوئے توحید خالص پر اعتقاد ہو۔

(۳)......حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مخلوق کی محبت پر غالب ہو۔

(۴)......زندگی کا ہر ہر گوشہ اتباعِ سنت سے منور ہو۔

(۵)......اشاعت دین کی لگن ہو۔

یہ پانچ چیزیں ہیں ان پانچ چیزوں کو اپنے اوپر لازم کرلیجئے، یہی دارالعلوم کی ملازمت ہے۔ ان کے خط میں اتنا ہی لکھا تھا۔ لیکن سب چیزوں کی تشریح بھی چاہئے۔

عشق الٰہی کی سوزش
اور
اکابر دیوبند کے واقعات

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

ان کی دعا ہے کہ یا اللہ! مجھے قبر سے نابینا نہ اٹھائیے اور نہ دنیا سے نابینا اٹھائیے۔ بلکہ اپنے دیدار کا جلوہ دکھاتے ہوئے اٹھائیے۔ یہ عشق الٰہی کی ہی بات ہے۔

نیز "مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ" جو شخص جس چیز سے زیادہ محبت کرتا ہے اس کا تذکرہ زیادہ کیا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ذکر (الٰہی) زیادہ کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے: کہ بڑھاپا آ گیا۔ سانس نہیں رہا۔ کمزوری کی وجہ سے سانس تھوڑا رہ گیا۔ صرف ایک سو اسّی ضربیں ایک سانس میں لگاتا ہوں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے قصائد تو پڑھے ہوں گے۔ ایک مناجات کے چند اشعار ملاحظہ ہوں؛

مناجات

الٰہی یہ عالم ہے گلزار تیرا　　عجب نقش قدرت نمودار تیرا

جہاں لطف گل ہے وہیں خار غم ہے　　ہے گل خوار میں گل میں ہے خار تیرا

عجب رنگ برنگ ہر رنگ میں ہے　　یہ ہے رنگ صنعت کا اظہار تیرا

خوشی غم میں رکھی ہے اور غم خوشی میں
عجب تیری قدرت عجب کار تیرا

یہ نقشہ دو عالم کا جو جلوہ گر ہے
ہے پردے میں روشن سب انوار تیرا

یہ کوتاہی اپنی نظر کی ہے یا رب
ترے نور کو سمجھیں اغیار تیرا

الٰہی بتا چھوڑ سرکار تیری
کہاں جاوے اب بندہ ناچار تیرا

دوا یا رضا کیا کروں میں الٰہی
کہ وارد بھی تیری اور آزار تیرا

مرض لا دوا کی دوا کس سے چاہوں
تو شافی ہے میرا میں بیمار تیرا

میں ہوں چیز تیری تو چاہے سو کر تو
تو مختار میرا میں ناچار تیرا

الٰہی رہے وقت مرنے کے جاری
بتصدیق دل لب پہ اقرار تیرا

نہ کوئی میرا ہے نہ ہوں میں کسی کا
تو میرا میں عاجز دل افگار تیرا

تو میرا میں تیرا میں تیرا تو میرا
ترا فضل میرا مرا کار تیرا

نہیں میں تو ہی ہے تو ہی ہے نہیں میں
تو ہے نور میرا میں آثار تیرا

میں ہوں عبد تیرا تو معبود میرا
تو مسجود میں ساجد زار تیرا

تو کر بے خبر ساری خبروں سے مجھ کو
الٰہی رہوں اک خبردار تیرا

الٰہی وہ جلوہ محبت عطا کر
جو کر دے مجھے عاشق زار تیرا

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ چاہتا ہے
میں تجھ سے ہوں یا رب طلب گار تیرا

نہیں اس سے زیادہ مجھے کوئی خواہش
ہر اک شی سے ہے وصل درکار تیرا

نہیں دونوں عالم سے کچھ مجھ کو مطلب
تو مطلوب میں ہوں طلب گار تیرا

ہے جنت کی نعمت تو سب میرے اوپر
میسر ہوا اے کاش دیدار تیرا

مرے دل میں ٹک جلوہ فرما الٰہی
کہ تجھ بن ہے ویران اب دار تیرا

حجاب خودی میرا یا رب اٹھا دے
کہ تا دیکھوں بے پردہ دیدار تیرا

....

رسالہ دردِ غمناک کے چند اشعار ملاحظہ ہوں؛

دردِ غمناک

سنو یارو عجب قصہ ہمارا
بیان کرتا ہوں میں جو غم کا مارا

سناتا ہوں تمہیں اس کو سراسر
گذرتا ہے جو کچھ اب میری جاں پر

پڑا سوتا تھا میں خواب عدم میں
نہ تھا کچھ مبتلا ہستی کے غم میں

سو آکر عشق نے مجھ کو جگایا
جگا کر سو مصیبت میں پھنسایا

کچھ ایسا اس نے پھر نقشہ دکھایا
کہ جس نے مجھ کو سودائی بنایا

گیا اس دن سے سونا اور کھانا
ہوا میں غم کے تیروں کا نشانا

اجی جس کے ہو دل میں دردِ فرقت
اسے کب ہووے خواب وخور کی فرصت

وہ کیا جانے ہے اس درد والم کو
نہ دیکھا جس نے ہو فرقت کے غم کو

اٹھا چھاتی میں دردِ عشق جس کی
اسے پھر نیند کس کی بھوک کس کی

پڑا جو غم کا لشکر دل پہ آ ٹوٹ
متاعِ صبر وتسکیں لے گیا لوٹ

تڑپ کر غم میں شب کو صبح کرنا
صبح سے شام تک رو رو کے مرنا

وہ جن آنکھوں میں خار ہجر ہووے
بھلا وہ عمر بھر کیوں کر نہ رووے

گیا سب بھول کھانا اور پینا
پڑا مشکل مجھے اب اپنا جینا

لگی کہنے مجھے خلقت دیوانہ
کسی نے درد کو میرے نہ جانا

یونہی کہتے ہیں اپنی سارے
نہیں واقف کوئی غم سے ہمارے

اگر ظاہر کروں حال درونی
بناؤں اک عالم کو جنونی

جو میں ظاہر کروں سوز جگر کو
کروں شرمندہ دوزخ کے شرر کو

دکھاؤں بے کلی اپنی کو میں اگر
تو اک ہلچل پڑے عالم کے اندر

یہ سب عشق الٰہی کے اثرات وثمرات ہیں۔

عشق نبوی ﷺ کے لئے بھی ان کی نعتوں کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں؛

نعتیہ غزل

کر کے نثار آپ پر گھر بار یا رسول
اب آ پڑا ہوں آپ کے دربار یا رسول

عالم نہ متقی ہوں نہ زاہد نہ پارسا
ہوں امتی تمہارا گنہگار یا رسول

اچھا ہوں یا برا ہوں غرض جو کچھ ہوں سو ہوں
پر ہوں تمہارا تم میرے مختار یا رسول

کس طرح آہ میں کروں خدمت میں حال عرض
ہوں خجلت گناہ سے سرشار یا رسول

نعتیہ غزل

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار ٹک اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

کرو روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی
مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ

اٹھا کر زلفِ اقدس کو ذرا چہرہ مبارک سے
مجھے دیوانہ اور وحشی بناؤ یا رسول اللہ

شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بیکساں ہو تم
تمہیں چھوڑ کر اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ

پیاسا ہے تمہارے شربت دیدار کا عالم
کرم کا اپنے اک پیالہ پلاؤ یا رسول اللہ
خدا عاشق تمہارا اور ہو محبوب تم اس کے
ہے ایسا مرتبہ کس کا سناؤ یا رسول اللہ

نعتیہ غزل

مکے میں ہوں پر ہے ہوس کوئے مدینہ
دے ہے رخِ کعبہ خبر روئے مدینہ

لانے لگی اب باد صبا بوئے مدینہ
دل اُڑنے لگا ہو کے ہوا سوئے مدینہ

پہنچا دے مجھے منزلِ مقصود کو جلدی
یارب ہے لگی دل کی تگ و بوئے مدینہ

نعتیہ غزل

کہے ہے شوقِ نبی یہ آ کر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
صبا بھی لانے لگی ہے اب تو نسیم طیبہ نسیم طیبہ
کہے ہے شوق اب ہوا میں اُڑ کر چلو مدینے چلو مدینے
خدا کے گھر میں تو رہ چکے بس عمر بھی آخر ہوئی ہے آخر
مریں گے اب تو نبی کے در پر چلو مدینے چلو مدینے

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت (ذکر وغیرہ) کتنا پڑھ لیتے ہیں؟

فرمایا: پڑھنے کا زمانہ تو گیا، اعضاء مضمحل ہو چکے ہیں۔ طاقت ختم ہو چکی ہے، پڑھنے کی، تاہم سوا لاکھ ذکر کا روزانہ کا معمول ہے۔ (جبکہ وہ حدیث شریف بھی پڑھاتے تھے، درس بھی دیتے تھے، صحاح ستہ کی تمام کتابیں تنہا خود پڑھاتے تھے۔ طالبین کی تربیت بھی کرتے تھے)۔

اسی کے تو آثار ہیں کہ نیند بھی قربان فرما دیتے تھے۔ رات کا تھوڑا سا حصہ لیٹتے پھر اٹھ جاتے نماز پڑھنے کے لئے۔

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی نور اللہ مرقدہ جب رات کو ذکر فرماتے تو محسوس ہوتا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے اور اس طرح گریہ طاری ہوتا کہ گویا پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

> **"جس وقت حضرت مخدوم بالجہر ذکر شروع فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے، خود پر جو حالت گذرتی ہوگی اس کی تو کسی کو کیا خبر؟"**
>
> **"تھانہ میں امدادیہ آستانہ سے جو بات حاصل ہوئی تھی اس نے کھانے کا رکھا نہ پینے کا، ہر وقت تفکر اور استغراق سے کام تھا۔ اور رونا سبب راحت و آرام، اکثر تمام شب روتے گذر جاتی اور سارا سارا دن کسی گہرے فکر میں غرق ہوئے تمام ہو جاتا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے ایک رضائی نیلے رنگ کی آپ کے لئے تیار کی تھی کہ شب کو مسجد آتے جاتے خنکی سے محفوظ رکھے اور ہلکی سردی میں راحت پہنچائے گی۔ آپ کے رونے اور آنسوؤں کے اسی رضائی سے پونچھنے**

کی وجہ سے اس کا رنگ بھی کچھ کا کچھ ہو گیا تھا اور ہیئت ہی دوسری بدل گئی تھی۔“ (تذکرۃ الرشید: ۵۲)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

”الغرض امام ربانی کی وہ عالی اور بلند ہمت جو خدائی خزانہ عامرہ سے فطرۃً آپ کو عطا ہوئی تھی، سرتاپا تمام وکمال تحصیل قرب الٰہی میں صرف ہونے لگی اور آپ کی عمر عزیز کا لحظہ لحظہ جو حق تعالیٰ نے تجارت آخرت کے جواہرات بنا کر راس المال قرار دیا ہے۔ پائدار منفعت کے کسب میں گذرنے لگا۔ رات کی سنسان گھڑیوں میں آپ اپنے نجات دہندہ خدا کو پکارا کرتے۔ اندھیری شب کی سیاہ چادر اوڑھ کر اپنے پرورش کنندہ خالق کو سجدے کرتے، اس کے دربار میں حاضر ہو کر ناک رگڑتے، گڑگڑاتے اور روتے روتے بیتاب ہو جایا کرتے تھے۔“ (تذکرۃ الرشید: ۶۰)

گریہ کے غلبہ کا عجیب واقعہ

حضرت مولانا میرٹھی قدس سرہ نے اپنا چشم دید واقعہ اس طرح بیان فرمایا ہے:

”نااہل مؤلف جو حضرت قطب العالم قدس سرہ کا خود ناقدر شناس بنا رہا۔ ان وجدانی کوائف کو کسی طرح سمجھے یا زبان قلم پر لائے۔ جن کا سمجھنا وجدان سلیم اور اسی قلب کا کام ہے جس میں کچھ چسک بیدار ہوئی ہو یا اس راستہ کی ہوا لگ کر قدرے ذائقہ منہ کو لگ گیا ہو۔ نابالغ بچہ کتنا ہی کوئی سچا اور فہیم وصاحب زبان شخص بیان کرے مگر لذت جماع قبل بلوغ ہرگز سمجھ نہیں سکتا۔ پھر بھلا عشق ومحبت کی وہ آگ جو کسی عاشق کے قلب میں بھڑک رہی ہو صورت دیکھنے والا اور عشق کے معنی سے ناواقف شخص کیوں کر سمجھ سکتا ہے؟

نظر کو کیا خبر پردہ کے اندر دل لگی کیا ہے؟
کوئی آزاد کیا جانے کسی دل کی لگی کیا ہے؟

ایک مرتبہ ظہر کے بعد حجرہ شریف میں آپ تلاوت قرآن کے اندر مشغول تھے۔ بندہ نادان ونادار مولوی محمد یحییٰ صاحب کے پاس اس طرح دبے پاؤں خاموش جا بیٹھا کہ حضرت نے آہٹ بھی نہ سنی، تھوڑی دیر میں مولوی محمد یحییٰ صاحب کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئے اور میں تنہا بیٹھا رہ گیا۔ چند منٹ گذرے تھے کہ حضرت قدس سرہ کے لہجہ تلاوت میں تغیر شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچی کہ آپ کا سارا جسم کانپنے لگا۔ بے اختیار آپ آٹھ آٹھ آنسو رونے لگے، آواز رک گئی، ہر چند آپ پڑھنا چاہتے مگر گریہ کا غلبہ حلق کو پکڑ لیتا تھا۔ خدا شاہد ہے و کفی بہ شہیداً جو حالت اس وقت حضرت پر طاری تھی، شاید تند مزاج خوں خوار شیر کے سامنے پڑ کر کسی کمزور ناتواں، ضعیف القلب شخص کی بھی یہ حالت نہ ہوگی۔ اور خشیت جو اس وقت آپ پر ہویدا تھا، غالباً کسی جبار وباقدرت شہنشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر کسی خطاوار سے خطاوار مجرم غلام پر بھی ظاہر نہ ہوا ہوگا۔ آپ کی یہ حالت اتفاقیہ اور عمر بھر میں پہلی بار میری نظر پڑی تھی، میں اب تک بھی نہیں جانتا کہ کس بات سے آپ ڈرتے تھے اور کیوں کانپ رہے تھے۔ یہی قرآن مجید ہے جس کو اوّل سے آخر تک مسلمان پڑھا کرتے ہیں، خدا جانے وہ مضمون کون سا اور کہاں ہے جس پر خوف یا خشیت طاری ہوتا ہے۔ اس لئے دفعتاً یہ تغیر حال دیکھ کر میں تھرا اٹھا۔ اور اس درجہ پریشان ہوا کہ اب تصور آتا ہے تب بھی گھبرا جاتا ہوں۔ دل میں خوف زدہ ہو کر کہنے لگا: کہ یا اللہ آج کس مصیبت میں آ پھنسا نہ جائے رفتن ہے نہ پائے ماندن، اگر بیٹھا رہوں تو ممکن ہے کہ حضرت کو میرے بیٹھنے کا کشف یا اور کسی طرح اطلاع ہو جائے تب معتوب ہوا

اور اٹھوں تو پاؤں کی آہٹ سے اطلاع ہونی ضرور اور اس موہوم سے یہ غالب خیال زیادہ خطرناک اس لئے خدا ہی جانتا ہے کہ اس وقت میرے دل کی کیا حالت تھی۔ نہ میں آسمان پر تھا نہ زمین پر، ساکت وصامت بنا بیٹھا رہا اور وحشت زدہ دل بجائے اس کے کہ اس حالت سے مستفید ہوتا کمال الحاح اور اخلاص کے ساتھ یوں دعا مانگتا رہا کہ؛ یا اللہ کسی طرح مولوی محمد یحییٰ جلد آویں۔ دعاء حقیقت میں دل سے نکلی اور عین اضطرار وتوحش میں واقع ہوئی تھی۔ اس لئے شاید چند لحظے نہ گذرے ہوں کہ مولوی محمد یحییٰ صاحب جو حجرہ کی آمدورفت کے ہر وقت کے مجاز تھے آ گئے، ان کا حجرہ کی چوکھٹ پر قدم رکھنا تھا اور حضرت کا اس حالت کو ضبط فرما کر سیدھا ہو بیٹھنا۔ خدا جانے یہ حالت عجیبہ دفعتاً پیدا کیونکر ہوئی۔ اور اسی طرح یک لخت ضبط کس طرح ہوگئی۔ بجز اس کے کہ بالاجمال اتنا سمجھا کہ یہ بھی کوئی حالت محمودہ ہے، جو اتباع سنت نبویہ میں اولیاء اللہ پر طاری ہوتی ہے، جو جوان کو بوڑھا اور قوی کو کمزور بنا دیتی ہے اور کچھ نہ اس وقت سمجھا نہ اب سمجھ سکتا ہوں۔'' (تذکرۃ الرشید: ۱۹۲، ۱۹۳)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نور اللہ مرقدہ
بانی دار العلوم دیوبند

حضرت نانوتوی قدس سرہ کے عشق الٰہی اور عشق نبوی ﷺ کو دیکھنا ہو تو قصائد قاسمی دیکھیں۔قصائد قاسمی کے نعتیہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں
امیر لشکر پیغمبراں، شہِ ابرار

خدا ترا، تو خدا کا حبیب اور محبوب
خدا ہے آپ کا عاشق تم اس کے عاشق زار

تو بوئے گل ہے اگر مثل گل ہیں اور نبی
تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمسِ نہار

حیات جان ہے تو ہیں اگر وہ جان جہاں
تو نور دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار

طفیل آپ کے ہے کائنات کی ہستی
بجا ہے کہئے اگر تم کو مبدء الآثار

جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بہ وجود
قیامت آپ کی تھی دیکھئے تو اک رفتار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
ترے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

پہنچ سکا تیرے رتبہ تلک نہ کوئی نبی
ہوئے ہیں معجزہ والے بھی اس جگہ ناچار

جو انبیاء ہیں وہ آگے تری نبوت کے
کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبی اقرار

لگا تا ہاتھ نہ پتلے کو بوالبشر کے خدا
اگر ظہور نہ ہوتا تمہارا آخر کار

خدا کے طالبِ دیدار حضرت موسیٰ
تمہارا لیجئے خدا آپ طالب دیدار

کہاں بلندی طور اور کہاں تری معراج
کہیں ہوئے ہیں زمیں آسمان بھی ہموار

جمال کو ترے کب پہنچے حسن یوسف کا
وہ دلربائے زلیخا، تو شاہد ستار

اگر قمر میں کچھ آ جائے تیرے چہرے کا نور
تو رات دن ہو اور آ گے ہو اسکے دن شب تار

عجب نہیں تیری خاطر سے تیری امت کے
گناہ ہو ویں قیامت کو طاعتوں میں شمار

بکیں گے آپ کی امت کے جرم ایسے گراں
کہ لاکھوں مغفرتیں کم سے کم پہ ہوں گی نثار

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگانِ مدینہ میں مرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

جو یہ نصیب نہ ہو، اور کہاں نصیب مرے
کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیرے قطار

....

اُڑا کے باد مری مشت خاک کو پس مرگ
کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

یہ سب عشق کے ہی آثار ہیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نوراللہ مرقدہ نے بیان فرمایا: کہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں دہلی نظام الدین گیا۔ وہاں سے ان کے ساتھ ہی میوات جانا ہوا۔ وہاں اجتماع تھا، عصر کا وقت تھا۔ شدید گرمی۔ مکانات پتھر کے، مسجد بھی پتھر کی، گرم ہی گرم، اور ایک مجمع کا مجمع مصافحہ کے لئے موجود۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے مصافحہ کیا۔ مغرب کا وقت آیا، نماز پڑھی، میں نماز پڑھ کر نکلا کہ کسی دوسری مسجد میں چلا جاؤں، گرمی شدید ہے، بڑا مجمع ہے، ان کے سانس کی گرمی بھی مستقل، ڈھونڈتا بچتا بچاتا میں ایک دوسری مسجد میں پہنچ گیا، گرمی تو وہاں بھی تھی، لیکن بھیڑ (لوگوں کی کثرت) وہاں نہیں تھی، مسجد کے صحن میں بیٹھ گیا۔

مسجد کے اندر سے قرآن پاک کی تلاوت کی آواز آئی کہ کوئی اس گرمی میں بھی تلاوت کر رہا تھا۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے وہ بھی اس اجتماع سے نکلے تھے، میں بھی نکلا تھا، اس اجتماع سے، میں اس واسطے نکلا تھا کہ کچھ سکون کی جگہ مل جائے، وہ اس واسطے نکلے تھے کہ نماز پڑھنے کی سکون کی جگہ مل جائے۔

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا تو تکان نماز سے رفع ہو جاتا ہے۔ میوات میں لمبے لمبے سفر کئے، کہیں آرام کا موقع نہیں ملا، اور جہاں جا کر ٹھہرنا تھا وہاں اخیر شب میں جا کر ٹھہرے، باقی لوگ تو پڑ کر سو گئے، مولانا نے چپکے سے اٹھ کر نماز کی نیت باندھ لی، بس نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ عشق الٰہی کے اثرات بتلا رہا ہوں۔

مولانا احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک شخص حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، شاگرد اور محب بھی۔ بہت محبت کرنے والے عاشق۔ پتلے دبلے، چھوٹا سا قد، داڑھی سفید، بال سفید، ان کا نام مولانا احمد شاہ تھا۔ حسن پور مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ مولانا احتشام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے فرمایا: بھائی فلاں جگہ جا رہا ہوں تم میرے ساتھ چلو۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے، ایک مکان تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ لوگ، اس کی بنیاد رکھنے کے لئے مجھے بلایا ہے، تم میرے ساتھ چلو، تم نیک آدمی ہو تمہارے ہاتھ سے بنیاد رکھواؤں گا۔ مولانا نے کہا: بہت اچھا، سفر شروع کرنے سے پہلے ہی میں طے کر رہا ہوں کہ تم امیر سفر ہو۔ انہوں نے کہا: اچھی بات۔ چلتے چلتے وہاں پہنچ گئے۔ مگر وہاں مولانا کی طبیعت خراب ہوگئی۔ دست آنے شروع ہو گئے، اور ہر وقت باوضو رہنے کے عادی تھے۔ کئی مرتبہ رات میں اٹھے، قضائے حاجت کی۔ پھر وضو کیا، مولانا احتشام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن صاحب کو امیر سفر بنا کر لائے تھے ان سے انہوں نے کہا: کہ حضرت آپ نے مجھے امیر سفر بنایا ہے۔ آپ کا امیر سفر آپ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ آج آپ تہجد کے لئے نہیں اٹھیں گے، طبیعت زیادہ خراب ہوگئی ہے، سن کر بالکل چپ ہو گئے، نہ اقرار کیا نہ انکار، جب صبح صادق میں ایک گھنٹہ سوا گھنٹہ رہ گیا تو ان کے پیر کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا (امیر صاحب کا) انہوں نے دیکھا کہ وہ زار و قطار رو رہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہے۔ کہا: حضرت کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا: دیکھو

۵۷ برس ہو گئے جب میں نے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اس وقت سے آج تک میرا تہجد کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ تم امیر سفر ہو تم نے منع کر دیا۔ میں تم کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ مجھ کو اجازت دے دو۔ کہ میں نماز تہجد ادا کرلوں۔ کہا: اجازت ہے، جس طرح آپ چاہیں کر لیجئے۔

پھر جب بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو جا کر خود بنیاد رکھ آئے، مولانا کو پوچھا بھی نہیں۔ مولانا احتشام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا؛ آپ تو مجھ کو بنیاد رکھنے کے لئے لائے تھے اور بنیاد آپ خود رکھ آئے؟ فرمایا؛ ہاں، آپ کو لایا تو اسی لئے تھا، مگر میں نے دیکھا کہ بنیاد بہت گہری ہے، میں نے سوچا کہیں تم کو کچھ تکلیف نہ پہونچ جائے۔ تمہاری جان بڑی قیمتی ہے۔ مجھے تکلیف پہونچ جائے کچھ حرج نہیں، میں تو بیکار آدمی ہوں، اس لئے بنیاد میں خود رکھ آیا۔

ایک اپاہج کا بیت اللہ کے لئے سفر

ایک شخص بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا: کہ ایک آدمی گھسٹ کر چل رہا ہے، اپاہج ہے، اس سے پوچھا: تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ کہاں جارہے ہو؟ اس نے بتایا میں سمرقند سے آرہا ہوں، مکہ شریف بیت اللہ شریف کی زیارت کرنے جارہا ہوں، اس سے پوچھا: کب چلے تھے آپ؟ اس نے جواب دیا: دس سال ہو گئے، دس برس سے گھسٹ کے چل رہے ہیں۔

یہ حیرت میں رہ گئے اور اس کو دیکھنے لگے، اس نے پوچھا: کیا دیکھتے ہو؟ اس نے کہا: کہ میں حیرت میں پڑ گیا کہ راستہ کتنا طویل ہے اور تم کتنے معذور ہو؟ اس نے جواب دیا کیا دیکھتے ہو ایسے شخص کو جس کو اس کا محبوب اٹھائے لئے جارہا ہے۔ اپنے قدموں سے تھوڑا ہی چل رہا ہوں، یہ ہیں عشق الٰہی کے آثار۔

....

ان کا حال یہ ہے کہ بار بار حج کیلئے جاتے ہیں، پیسے پاس نہیں مگر جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انتظام فرما رہے ہیں، بیت اللہ کو دیکھ رہے ہیں، زیارت کر رہے ہیں، عجیب حالت ہے۔

مولانا محب الدین اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہما

وہاں (مکہ مکرمہ میں) حضرت مولانا محب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے ہیں، اپنے خلوت خانہ میں رہتے تھے، بڑے صاحب کشف تھے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا تھا: کہ آپ میرے لئے دعا فرما دیں کہ مجھے مدینہ طیبہ کی مٹی قبول کر لے۔ میرا انتقال یہاں ہو۔

ایک مرتبہ انہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ آپ جلدی آ جائیں، مولانا نے سمجھا کہ شاید ان کو کشف ہوا ہو، میرے انتقال کا وقت قریب ہو، جلدی سے پہنچ گئے، ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ملاقات کی، تو آپ نے فرمایا: کہ کوئی کام ہے جو رکا ہوا ہے، وہ آپ سے لینا ہے جب تک وہ کام پورا نہیں ہو جائے گا آپ کا وقت نہیں آئے گا، آپ جائیے واپس، ہندوستان واپس آئے، بذل المجہود (کتاب کا نام ہے جو حدیث شریف کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف کی عربی شرح ہے) کی تصنیف شروع کی، کئی سال اس میں لگے۔ پھر اس کے بعد مدینہ طیبہ میں وفات ہوئی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

مولانا احتشام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے تھے کہ صبح کی نماز پڑھ کر میری ملاقات مولانا محب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، انہوں نے پوچھا: کیا مولانا خلیل احمد صاحب آ گئے ہیں، میں نے کہا: جی ہاں آ گئے ہیں، کہا: ہاں آج بیت اللہ میں انوار عجیب عجیب ہیں، مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو فرمایا: کہ مولانا! جب آپ آتے ہیں تو مجھے

پہلے سے خبر ہو جایا کرتی تھی، کیا بات ہے کہ اس مرتبہ خبر نہیں ہوئی، انہوں (مولانا خلیل احمدؒ) نے جواب دیا: میرا اچانک آنا ہوا، پہلے سے انتظام نہیں تھا۔

حرم شریف میں بھی ان کا خلوت خانہ تھا، ''دلائل الخیرات'' پڑھ رہے تھے کہ اچانک مولانا ظفر احمد صاحب سے کہا: (جو کہ پہلے سے وہاں بیٹھے ہوئے تھے) مولوی ظفر احمد! حرم میں کون آیا ہے؟ سارا حرم نور سے بھر گیا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ طواف سے فارغ ہو کر سعی کے لئے جاتے ہوئے حضرت مولانا محب الدین صاحب کے پاس سے گذرے اور حضرت مولانا سے ملاقات فرمائی، حضرت مولانا نے فرمایا؛ میں بھی تو کہوں کہ آج حرم میں کون آ گیا کہ پورا حرم انوار سے بھر گیا۔

مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ تو ملاقات کر کے صفا و مروہ کی سعی کرنے کے لئے چلے گئے، تو مولوی محب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مولوی ظفر جانتے ہو ان کو یہ کون ہیں؟ مولانا ظفر احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں کیوں نہیں جانتا۔ میرے استاذ ہیں، شیخ ہیں۔ فرمایا: (مولوی محب الدین نے) تم نہیں جانتے، یہ ایسے شخص ہیں کہ جب یہ حرم شریف میں بیت اللہ کی طرف نظر جما کر بیٹھتے ہیں تو ان پر اتنے انوارات برستے ہیں کہ میں آفتاب کو دیکھ سکتا ہوں مگر ان کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور مولوی خلیل احمد تو نور ہی نور ہیں۔ میں نے مولانا رشید احمد گنگوہی کو دیکھا نہیں، سنا ہے کہ وہ قطب الارشاد تھے، مگر مولانا خلیل احمد کو دیکھ کر یقین ہو گیا کہ واقعی وہ قطب الارشاد تھے، تب ہی تو ایسے ایسے کامل بنا گئے۔

یہ بار بار وہاں جانا وہاں کے حقوق کی رعایت رکھنا اسی عشق الٰہی کی سوزش کا اثر ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا: کہ آپ مستقل یہاں مکہ مکرمہ میں قیام کرنے کی نیت کر لیجئے۔ فرمایا: ہمارا حوصلہ نہیں یہاں قیام کا، یہ مولانا محمد حسن صاحبؒ جیسوں کا حوصلہ ہے۔

....

مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، مکہ مکرمہ میں کئی برس رہے مدرسہ صولتیہ میں، اس حال میں کہ ان کو خبر نہیں تھی کہ یہ دیوار کس کے مکان کی ہے اور یہ دیوار کس کے مکان کی۔ حرم شریف میں چہرے پر نقاب ڈال کر آتے تھے۔

ایک مرتبہ مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے جبکہ مولانا کھانا کھا رہے تھے، مولانا نے ان کی بھی تواضع کی کہ کھانے میں شرکت فرماویں، گردن جھکا کر تھوڑی دیر انہوں نے سوچا، اس کے بعد آ کے بیٹھ گئے، اور کھانے میں شریک ہو گئے، مولانا نے پوچھا: کیا سوچا تھا؟ اور اس میں مراقبہ کی کیا ضرورت تھی؟ مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے دیر سے (بہت دنوں سے) کھانا نہیں کھایا تھا، اب سوچا یہ تھا کہ یہاں آنے میں اشرافِ نفس تو نہیں ہے، مولانا نے پوچھا: کب سے نہیں کھایا؟ فرمایا: انیس وقت سے یا اکیس وقت سے نہیں کھایا۔ پوچھا: کیوں؟ فرمایا: تھا ہی نہیں کچھ کیا کھاتے۔

تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایسے لوگوں کا حوصلہ ہے یہاں رہنے کا، انیس یا اکیس وقت بغیر کھانا کھائے گذر جاتے ہیں، اور اپنے بے تکلف دوستوں کے یہاں جاتے ہیں، وہ دوست کسی ظاہر داری کے لئے کھانا کھانے کی تواضع نہیں کرتے بلکہ واقعی دل سے کھانا کھانے کے لئے کہتے ہیں، پھر بھی سوچتے ہیں اشراف تو نہیں تھا یعنی یہ خیال تو نہیں تھا کہ وہاں چلنے پر کھانا ملے گا بلکہ قلب اس سے فارغ تھا، ایسے حضرات کا حوصلہ ہے یہاں رہنے کا، تو عشق الٰہی سینے میں ہو اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جان دینے کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

....

اکابر دیوبند کی جہادِ شاملی میں شرکت

۱۸۵۷ء میں جہاد ہوا شاملی کا، اس میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے، حضرت حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو امیر المؤمنین، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سپہ سالار اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو قاضی تجویز کیا گیا تھا۔

حافظ ضامن رحمۃ اللہ علیہ نے دیر سے ایک جوڑا نئے کپڑوں کا بنوا کر تیار کر کے رکھوایا تھا اور جہاد کی تیاری کر رہے تھے، عین جہاد کے وقت غسل کیا، اور نئے کپڑے پہنے، عمامہ باندھا، آنکھوں میں سرمہ لگایا، جوتا بھی نیا پہنا اور پھر تلوار لے کر انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ میدان میں چلے وہیں شہید ہو گئے، چاہ ہی رہے تھے شہید ہونے کو۔

اسی جہاد شاملی میں شرکت کی وجہ سے انگریز کے غلبہ کے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وارنٹ جاری ہوئے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل حال رہی۔ ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ پہنونچ گئے اور وہاں جا کر خانقاہی نظام قائم فرمایا اور پوری زندگی وہیں خدمات انجام دیتے رہے، وہیں انتقال ہوا اور جنت المعلّٰی میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وارنٹ جاری ہوئے اور تین روز روپوش رہے۔ تین روز کے بعد باہر نکل آئے، اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل حال رہی کہ پولیس گرفتاری کے لئے تلاش میں رہی، مگر گرفتار نہ کر سکی، یہاں تک کہ گورنمنٹ برطانیہ کی طرف سے عام معافی کا اعلان ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب وہ تین روز کے بعد باہر نکل

آئے، روپوش رہنے کے لئے کہا گیا کہ پولیس آپ کی تلاش میں ہے، روپوش ہی رہئے۔ فرمایا؛ کہ حضرت نبی اکرم ﷺ سے غارِ ثور میں تین روز کی روپوشی ہی ثابت ہے، اس سے زائد نہیں، یہ تھا عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف وارنٹ جاری ہوا، جس کی وجہ سے گرفتار ہوئے اور چھ ماہ مظفر نگر جیل میں رہے، پھر جرم ثابت نہ ہونے پر جیل سے رہا کئے گئے۔

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (جن کے نام کی طرف نسبت کرتے ہوئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا نام مظاہر علوم رکھا گیا، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے حالانکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں بڑے تھے) بھی جہادِ شاملی میں شریک تھے۔ ان کی عادت تھی کہ اپنے نیچے کے ہونٹ کو چاٹتے رہتے تھے، کسی بے تکلف کے دریافت کرنے پر فرمایا؛ کہ جہادِ شاملی میں گولی لگنے کی وجہ سے بیہوشی کی حالت میں مردہ سمجھ کر شہید ہونے والوں میں مجھ کو ڈالدیا، نیم بیہوشی کی حالت میں میں نے دیکھا؛ کہ حوریں پیالوں میں شربت لئے ہوئے حاضر ہوئیں، اور شہیدوں کو پلانے لگیں، ان میں سے ایک نے میرے منہ سے بھی پیالہ لگایا ہی تھا کہ اتنے میں دوسری نے ہاتھ مار کر ہٹادیا کہ یہ ان میں سے نہیں ہے۔ اس نے جو پیالا منہ سے لگایا تھا، نچلے ہونٹ کو ذرا سا لگا تھا، اس کا ذائقہ آج تک نہیں گیا، اس کو چاٹتا رہتا ہوں۔

رسومِ شرکیہ سے بچتے ہوئے توحید خالص پر اعتماد ہو

اس طرح کہ کسی بت کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں، کسی درخت کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں۔ کسی مکان کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں، یہ صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں، جو کچھ مانگتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، تلاش کرتے ہیں تو اللہ کی مدد طلب

کرتے ہیں، بالکل توحید خالص، معالج سمجھا تو اس کو معالج سمجھا، قادر سمجھا تو اسی کو، محی سمجھا تو اسی کو، ممیت سمجھا تو اس کو، نافع سمجھا تو اس کو، ضار سمجھا تو اس کو، غیر کے نفع اور ضرر کا خیال دل سے نکل گیا، آپ نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خط میں پڑھا ہوگا کہ "نافع" اور "ضار" اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں سمجھتا۔ قلب سے یہ خیال نکل گیا کہ کوئی نفع بھی پہنچا سکتا ہے یا کوئی ضرر بھی پہنچا سکتا ہے۔ رسومِ شرکیہ تو دوسری بات ہے بدعات سے بھی مکمل احتراز کیا حتیٰ کہ بدعات کے قریب بھی نہیں گئے۔

حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہما کا واقعہ

گنگوہ میں عرس ہوتا تھا، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا اسی خانقاہ میں جس میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ رہتے تھے، لیکن عرس کے تین دن خانقاہ خالی کر دیتے تھے، طالب علموں کو اور ذاکرین کو سب کو رخصت کر دیتے تھے، تین روز کے لئے جاؤ بھئی! اور خود بھی گنگوہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ عرس ختم ہو جاتا تھا واپس آ جاتے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا معمول جمعرات کو چھٹا گھنٹہ پڑھانے کے بعد دیوبند سے گنگوہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جانے کا تھا، ایک مرتبہ ان کے دوست نے جو زمانۂ طالب علمی سے دوست تھے اور بعد میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی پوچھا: کہ او محمود بتا تو دے گنگوہ میں کیا رکھا ہے؟ جو تو ہر جمعرات کو دوڑا دوڑا جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا: کہ ظالم تو نے پی ہی نہیں اب کے تو بھی چل۔ وہ ساتھ جانے پر تیار ہو گیا۔ چنانچہ ساتھ لے گئے، اتفاق سے ان دنوں میں شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر عرس ہو رہا تھا، حضرت امام ربانی کا معمول عرس کے ایام میں ابتداءً تو یہ تھا کہ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے تھے، خانقاہ خالی کر دیا کرتے تھے، اور جب معذور ہو گئے تو سفر تو ترک فرما دیا، ہاں خانقاہ میں نہیں آتے تھے۔ البتہ نماز کے لئے پانچوں وقت تشریف لاتے تھے، بلکہ نماز

خود ہی پڑھایا کرتے تھے، اتنا لحاظ عرس والے بھی کرتے کہ اذان کے وقت سے جماعت ختم ہوجانے اور سنتیں وغیرہ پڑھنے تک قوالی بند کردیا کرتے تھے۔ اور ان ایام میں حضرت کے یہاں مہمانوں کی آمدورفت بالکل بند رہتی تھی۔ کسی سے مصافحہ تک نہیں کرتے تھے۔ غرض شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں گنگوہ پہنچے اور حضرت کے مکان پر حاضر ہوئے، حضرت نے دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کردیا اور فرمایا: کہ ابھی واپس جاؤ۔ آپ (شیخ الہندؒ) کے ایک اور دوست تھے شاہ مظہر حسین صاحب گنگوہی (مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی محشی ابوداؤد کے بھائی) انہون نے عرض کیا: کہ حضرت یہ عرس میں شرکت کرنے کے لئے نہیں آئے، آپ کے پاس آئے ہیں، حضرت نے ارشاد فرمایا؛ کہ یہ میں بھی جانتا ہوں عرس میں شرکت کرنے کے لئے نہیں آئے، اتنا بھولا میں بھی نہیں ہوں، میرے پاس آئے ہیں، مگر آئے تو ہیں اس مجمع میں کو ہوکر، جہاں عرس ہورہا ہے، ان کے ذریعہ اس مجمع کی رونق تو بڑھی، حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے؛

"مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ"

[جس نے کسی قوم کے افراد میں اضافہ کیا وہ انہیں میں سے ہے]

وارد ہوا ہے۔ قیامت کو اپنی برأت کرتے رہیں، اس کے بعد شاہ مظہر حسین صاحب ان کو اپنے مکان پر لے گئے اور کہا: روٹی تو کھالو، اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا: کہ حضرت تو فرمادیں ابھی چلا جا، میں کس منہ سے کھاؤں؟ چنانچہ اسی وقت گنگوہ سے واپس ہوگئے۔ پھر دوسرے وقت عرس ختم ہونے کے بعد حاضر ہوئے۔

اکابر دیوبند کے حسن خاتمہ کے چند واقعات

اس عشق الٰہی کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کس انداز سے اپنے یہاں بلاتے ہیں:

(۱)......حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مولانا سعید گنگوہی تھے، دارالعلوم

دیوبند میں مدرس تھے، کئی روز سے بیمار تھے، ایک روز پوچھا: کیا عصر کی اذان ہوگئی؟ عرض کیا گیا: کہ اذان ہوگئی۔ فرمایا: مجھے وضو کراؤ۔ عرض کیا گیا: کہ آپ وضو کرنے کے قابل نہیں۔ نہیں کر سکتے۔ فرمایا: اچھا تو تیمم کراؤ، چنانچہ تیمم کرادیا گیا۔ فرمایا: لنگی بدلو۔ لنگی بدل دی گئی، فرمایا: مجھے بٹھاؤ۔ اٹھا کر بٹھا دیا گیا تو انہوں نے نماز کی نیت باندھ لی اسی حال میں انتقال ہوگیا۔

(۲)......دہلی میں حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ جماعت تبلیغ کے امیر، ان کے والد سہارنپور میں رہتے تھے، ایک دن دوپہر کو سو کر اٹھے، ظہر کے وقت وضو کیا، ان کا معمول تھا کہ ہمیشہ امام کے پیچھے بالکل سیدھ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے، صف میں آئے اور آکر سنت کی نیت باندھ لی، رکوع کیا، سجدے میں گئے، سجدے سے سر اٹھایا اور دوسرے سجدے کے لئے ارادہ کر رہے تھے کہ بے اختیار سر رکھا گیا زمین پر وہیں انتقال ہوگیا۔ گویا دو سجدوں کے درمیان روح قبض ہوگئی۔

(۳)......شیخ رشید احمد صاحب دار العلوم کی شوریٰ کے رکن تھے، ایک مخصوص ڈاکٹر کو کہا: کہ میرا علاج بس آپ کریں گے، امید ہے کہ آپ مجھے مشکوک شبہ والی دوا نہیں دیں گے، اخیر شب میں ان کو دورہ پڑا، ڈاکٹر کو بلایا گیا، ڈاکٹر نے معائنہ کرنا چاہا، انہوں نے کہا: کہ ذرا ٹھہر جائیے میں تہجد کی نفلیں پڑھ لوں، اس کے بعد معائنہ کرنا۔ لیٹے ہوئے تھے، اٹھ نہیں سکتے تھے، وضو نہیں کر سکتے تھے، لیٹے لیٹے انہوں نے تیمم کیا، نماز شروع کردی اور نماز ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

(۴)......حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد مولوی حکیم رحیم اللہ صاحب تھے، جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے، نماز پڑھی، سلام دائیں طرف پھیرا، بائیں طرف سلام پھیرا وہیں انتقال ہوگیا۔

....

(۵)......حکیم جمیل الدین صاحب بھی دارالعلوم دیوبند کے شوریٰ کے رکن تھے اور حکیم اجمل خاں کے استاذ تھے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، تہجد کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کر رہے تھے، اسی حال میں ان کا انتقال ہوگیا۔

(۶)......دیوبند میں قاری محمود صاحب تھے، قرأت کے استاذ، ان کا معمول تھا کہ تہجد پڑھتے تھے اور جب صبح صادق ہو جاتی اس وقت اپنی بیوی کو جگاتے تھے، ایک روز بیوی کو نہیں جگایا، صبح صادق ہوگئی، خوب روشنی پھیل گئی، بیوی کی آنکھ کھلی، گھبرا کر اٹھی کہ کیا معاملہ ہے؟ آج جگایا نہیں، کہیں مدرسہ چلے گئے کیا؟ چل کر دیکھا ان کے کمرے میں مصلے پر سجدے میں ہیں، جب بہت دیر ہوگئی اور انہوں نے سجدے سے سر نہیں اٹھایا تو پاس آ کر قریب آ کر پوچھا: کہ کیا آنکھ لگ گئی، وہاں سے کوئی جواب نہیں ملا، ان کا تو اسی سجدے کی حالت میں انتقال ہو چکا تھا اور اسی ہیئت پر رہے تب ان کو اٹھایا گیا۔

(۷)......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کی صاحبزادی صاحبہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب امیر تبلیغ قدس سرہ کی اہلیہ محترمہ نماز تہجد ادا کرتے ہوئے ایک سجدہ سے سر اٹھایا دوسرے سجدہ میں سر خود بخود رکھا گیا، یعنی دو سجدوں کے درمیان انتقال فرمایا۔

ان حضرات کا حال تو یہ ہے کہ عبادات پر ان کا خاتمہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ عبادت کی حالت میں سجدے کی حالت میں ان کو اپنے پاس بلا رہا ہے۔

حضورِ اکرم ﷺ کی محبت ہر مخلوق کی محبت پر غالب ہو

حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا: کہ اللہ تعالیٰ آپ سے دریافت کریں اور کہیں کہ مانگو کیا مانگتے ہو تو آپ کیا مانگیں گے؟

....

حضرت نے فرمایا: کچھ نہیں صرف یہ درخواست کروں گا کہ تیرے نبی ﷺ کی محبت جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھی اس کا کوئی حصہ مجھے مل جائے، بس یہ طلب کروں گا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے چند واقعات

ایک صاحب حضرت نبی کریم ﷺ کی بکثرت زیارت کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کیسے آدمی ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: وہ ایسے آدمی ہیں کہ ایک طرف ان کے مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ ہونگے، ایک طرف مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ ہونگے۔ ایک جماعت علماء کے ان کی پیچھے ہوگی، ایک جم غفیر مسلمانوں کا ان کے ساتھ ہوگا۔ ان سب کو لے کر جنت میں داخل ہوں گے۔

ایک صاحب گنگوہ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بہت روتے تھے ویسے بھی کثرت سے روتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے دریافت فرمایا: کہ اتنا کیوں روتے ہو؟ پریشان کیوں ہو؟ اس نے عرض کیا: کہ حضرت! دوزخ سے ڈر لگتا ہے، وہ آگ کیسے برداشت ہوگی؟ فرمایا: نہیں نہیں! گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ تیرے آدمیوں کو دوزخ میں نہیں بھیجا جائے گا۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور درجۂ احسان

ارواحِ ثلاثہ کے راوی امیر شاہ خاں صاحب نے ایک مرتبہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا: کہ وہاں حجاز میں ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھا تھا، وہاں ایک بزرگ تھے، ان کے پاس کچھ لوگ تھے، ایک شخص آیا، انہوں نے اس کو فرمایا: میاں تمہارے سینے میں ایک صورت ہے، انہوں نے شرم کے مارے آنکھیں نیچی کرلیں، بزرگ نے سارا حلیہ بتادیا کہ

ایسی ناک ہے ایسی آنکھ ہے، ایسی پیشانی ہے، سارا حلیہ بتا دیا، اس نے کہا: کہ جی مجھے جوانی میں ایک عورت سے عشق ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے بہت پریشان تھا، اب بھی آنکھیں بند کر کے تصور کر لیتا ہوں تو کچھ سکون مل جاتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر کچھ نہیں فرمایا، پھر حاضر ہوئے، امیر شاہ خان صاحب نے کچھ روز کے بعد اس قصے کو پھر سنایا، حضرت نے کچھ نہیں فرمایا، پھر حاضر ہوئے کچھ روز بعد امیر شاہ خاں صاحب اور یہی قصہ سنایا، تو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میاں امیر شاہ خاں صاحب تمہارا حافظہ کچھ کمزور ہو گیا ہے کیا؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں حضرت؟ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا: اس قصے کو تم کئی مرتبہ سنا چکے ہو۔ امیر شاہ خاں صاحب نے عرض کیا: حضرت بالکل ایسی بات نہیں۔ میرا حافظہ کمزور نہیں ہوا، پہلی مرتبہ سنایا تھا تو فلاں دن فلاں تاریخ تھی اور مجلس میں فلاں فلاں شخص موجود تھے، وہ وہاں بیٹھا تھا اور یہ یہاں بیٹھا تھا، دوسری مرتبہ فلاں تاریخ تھی، فلاں دن تھا، فلاں فلاں آدمی مجلس میں تھے، بار بار عرض کرنے سے میرا مقصود یہ ہے کہ اس سلسلہ میں آپ سے کچھ سننا چاہتا ہوں۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ کچھ بڑی بات نہیں، اس بیچارے کو تصور کرنے کے لئے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی، اور میرا اتنے سال تک حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ یہ تعلق رہا کہ معمولی نشست و برخاست بھی بغیر ان کی اجازت کے نہیں ہوئی، درانحالیکہ وہ مکہ مکرمہ میں تھے۔ اور میں یہاں گنگوہ میں تھا، اور پھر اس کے بعد اتنے سال تک حضرت نبی کریم ﷺ کے ساتھ یہی تعلق رہا کہ معمولی نقل و حرکت، نشست و برخاست بھی بغیر ان کے مشورہ کے نہیں ہوئی۔ پھر خاموش ہو گئے، پھر فرمایا: کہ آگے بھی کہدوں، پھر خاموش ہو گئے، بتایا نہیں کہ آگے کیا؟ پھر دوسرے وقت کسی نے پوچھا: اس کے آگے کیا؟ تو حضرت نے فرمایا: کہ ”پھر درجۂ احسان رہا۔“

....

ہمارے مہربانوں نے جہاں اعتراضات کی بوچھاڑ کی ان میں اس قصے کو بھی نقل کیا اور کہا: ''یہ جو کہتے ہیں کہ آگے بھی کہدوں، آگے یہ کہدیں گے کہ اللہ میاں کا چہرہ بھی نظر آیا مجھے، یہ حال ہے ان دیوبندیوں کا، تعجب ہے کہیں اپنی زبان سے اور اعتراض کریں دیوبندیوں پر۔

نماز میں غیر کا تصور

سائل: اس تصور میں جو صورت قلب میں آتی ہے تو؟ اور اگر بالارادہ جمالیا تو نماز کا کیا ہوگا؟

حضرت مفتی صاحب: اگر صورت کو قلب میں اس طرح جمالیا کہ کسی دوسری چیز کی گنجائش نہ رہی، حتی کہ توحید سے بھی قطع نظر ہوا، جب نماز پڑھے گا کہے گا ''ایاک نعبد وایاک نستعین'' تو کس کو پکارے گا؟ پس اس کو شرک کہا گیا ورنہ محض خیال آنے سے تصور آنے سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی، بلکہ جب درود پڑھے گا تو تصور تو ضرور آئے گا ٹھیک ہے۔

سائل: اس استفسار کی (جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کرتے تھے) کیا کیفیت ہوتی تھی؟

حضرت: یہ تو بھائی وہ آدمی بتلائے گا جو اس لائن کا ہوگا۔

حضرت حافظ محمد احمد صاحب اور حضرت حاجی صاحب کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت

سائل: جن مسائل میں اختلاف تھا کیا ان کو بھی پوچھا؟

حضرت: جی ہاں جن مسائل میں اختلاف تھا میلاد، قیام، نیاز، فاتحہ وغیرہ ان کو بھی۔

دیوبند کے مہتمم مولانا حافظ محمد احمد صاحب (مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد) نے خواب میں دیکھا: کہ مکہ معظمہ میں حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہیں، حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ بھئی جب فقہاء کی

کتابوں میں گنجائش معلوم ہوتی ہے تو تم لوگ اتنا تشدد کیوں کرتے ہو میلاد، قیام، نیاز کے بارے میں۔ انہوں نے کہا: حضرت گنجائش نہیں ہے۔ اگر گنجائش ہوتی تو ہم تشدد نہ کرتے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بھئی ہے گنجائش۔ انہوں نے عرض کیا: کہ حضرت گنجائش نہیں ہے۔

حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ اچھا اگر ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوادیا تو؟ مولانا حافظ محمد احمد صاحب نے عرض کیا: پھر ہمیں کیا ضرورت ہے انکار کرنے کی۔ ہم تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے ہی کہہ رہے ہیں جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بھئی یہ لڑکا (حافظ محمد احمد) ٹھیک کہتا ہے۔ یہ حاجی صاحب سے کہا۔ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بجاو درست۔ سیدھے کھڑے ہوئے اور جھکتے جھکتے زمین تک پہنچ گئے، پھر سر اٹھایا، سات مرتبہ اسی طرح سے کیا: بجا و درست بجاو درست۔ جیسے کسی زمانہ میں بادشاہوں کے سامنے مجریٰ بجالانے کا دستور تھا۔ اسی طریقہ پر کیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی یہ مولانا احمد صاحب ایک گوشے میں کھڑے ہوگئے، ہاتھ باندھ کر ادب کی وجہ سے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فارغ ہوگئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اجازت ہے۔ اب ہم جائیں۔ حاجی صاحب نے کہا: جیسی رائے ہو حضرت کی۔ تو واپس ہوئے، مولانا حافظ محمد احمد صاحب کے قریب ہی کو واپسی ہوئی۔ انہوں نے ذرا ہمت کی، کہا: حضرت ہم نے جو حدیثوں میں پڑھا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ وہ تو دوسرا ہے۔ یہ جو اس وقت حلیہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تو مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یہ کیا بات ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ہمارا اصل حلیہ تو وہی ہے جو تم نے حدیثوں میں پڑھا ہے۔ اور چونکہ تم کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

سے زیادہ محبت وعقیدت ہے اس لئے ہم ان کی صورت میں آئے ہیں۔ پھر ہندوستان سے اس خواب کو لکھ کر حافظ صاحب نے حضرت حاجی صاحب کے پاس مکہ مکرمہ (ان کا وہیں پر قیام تھا) بھیجا۔ حضرت حاجی صاحب بہت مسرور ہوئے اور فرمایا: کہ اس خواب کو لکھ کر میری قبر میں ایک طاق بنا کر رکھدینا۔

آنحضرت ﷺ کی زیارت کی کیفیت

ضمنی سوال: حضرت زیارت کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟

جواب: ایک طالب علم نے ایک مرتبہ جو دورہ شروع کیا تھا، آ کر مجھ سے کہا: کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کروں، میں نے کہا: ٹھہر جاؤ ذرا، جلدی مت کرو۔ کہا: نہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی زیارت کروں۔ اس کو کچھ پڑھنے کے لئے بتادیا اور وہ چلا گیا، پھر وہ ایک دو روز کے بعد آیا، نہایت پریشان حال، آنکھوں سے آنسو جاری اور بدن کانپ رہا تھا فجر کی نماز میں میرے قریب کھڑا ہوا، اس کے بعد میرے پاس آیا، بتلایا کہ میں نے زیارت کی، بس زیارت کیا کی ایک پرچہ دیکھا جس پر لکھا ہے حضور اقدس ﷺ کا نام مبارک۔ کہا: کہ وہاں جو حضور اقدس ﷺ کا نام آیا بالکل مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ابھی میری روح نکل جائے گی، زیارت نہیں کی، نامِ مبارک کی زیارت کی، بس میں نے کہا: کہ بیوقوف پہلے بتادیا تھا ٹھہر جاؤ، ذرا نہیں مانا، خیر کچھ روز کے بعد آہستہ آہستہ پھر اس کو زیارت ہونا شروع ہوگئی تھی۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت

حضرت شیخ الحدیث ﷺ نے آنکھ کا آپریشن کرایا علی گڑھ میں۔ میں گیا

عیادت کیلئے، میں نے پوچھا: کیا حال ہے؟ کہا: کہ نیند نہیں آتی، ایک شعر پڑھا:

نیند بھی فرقت میں کھا بیٹھی ہے آنے کی قسم
خواب میں بھی دیکھنے کا آسرا جاتا رہا

غرض جو لوگ اس لائن کے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر اپنا کرم فرماتے ہیں ان کو بکثرت زیارت ہوتی ہے، روزانہ زیارت ہوتی ہے، صاحب حضوری ہیں آج کل بھی موجود ہیں وہ ہمیں بھی بتا دیتے ہیں، کوئی وجہ نہیں کہ ہم ان کی بات کو غلط کہہ دیں۔

سائل: اب یہ بھی بتا دیں کہ وہ استفسار کی کیفیت منامی ہوتی تھی یا بیداری میں؟

حضرت مفتی صاحب: مجھے کیا معلوم، میں کیا جانوں اس کو۔

سائل: گفتمش تند مرو سوئے غریباں بنگر......☆......تند گردید بمن کردنگاہے عجبے

حضرت مفتی صاحب: ؎

تو بنازے عجبے من بہ نیازے عجبے......☆......بہر قتلم چوں کشد تیغ نہم سر بسجود
چشم بد دور کہ ہستم بہ نیازے عجبے

سائل: حضرت! یہ جو آپ اپنا دامن بچا لیتے ہیں یہ ٹھیک نہیں یہ تو ایسا ہی ہے کہ:

تو با تاراجِ دلم مائل من مائل باو
تو بہ فکرے عجبے من بہ خیالے عجبے

حضرت: خیالے عجبے ٹھیک ہے، آپ خیالات کی دنیا میں آباد ہیں، میں وہاں سے نکلنا چاہتا ہوں، واقعات کی دنیا میں آنا چاہتا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارادہ تھا مدینہ طیبہ جانے کا ہندوستان سے، ایک صاحب نے ان کے جانے سے پہلے خواب دیکھا، وہاں مسجد نبوی

یں حضور اقدس ﷺ انتظار فرمارہے ہیں شیخ کا، اور ایک مجمع ہے، اس مجمع میں سے کوئی ایسا نہیں جو پہلے سے دیکھا ہوا ہو، کون لوگ ہیں یہ معلوم نہیں، سامان جانا شروع ہوا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا، تو حضور اقدس ﷺ فرمارہے ہیں اس کو ادھر رکھو اس کو ادھر رکھو، پھر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ گئے معانقہ فرمایا اور فرمایا: اوہو مولوی زکریا بہت ضعیف ہوگئے، فرمایا: اچھا فلاں دوا لاؤ، وہ دوا اپنے دست مبارک سے کھلادی، دوا کا نام یاد نہیں، اب وہاں سے خط آتا ہے ہندوستان تعبیر کے واسطے، قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند کہ دوا کا نام یاد نہیں اب کیا کریں۔

میں نے کہا: کوئی ضرورت نہیں دوا کا نام یاد رکھنے کی، یہ نہیں ارشاد فرمایا: کہ فلاں دوا ان کو کھلاؤ یا یہ کہ فلاں دوا کھاؤ، بلکہ منگا کر خود کھلادی، نام یاد نہیں نہ سہی، کیا حرج ہے، یہ تاکید تو نہیں فرمائی کہ فلاں دوا کھلاؤ، اگر ذمہ داری سر ڈالی جاتی کہ فلاں دوا کھاؤ تب تو نام یاد رکھنے کی ضرورت تھی وہ تو کھلادی ضعف کی دعا، وہاں کی حاضری، سینے سے لگانا بس، ادھر شیخ کا یہ حال، تقاضا بہت کہ روضۂ اقدس پر حاضری دیں، مگر حج کا زمانہ قریب ہر جگہ جماعتیں ہورہی تھیں، جس جگہ پر قیام تھا، مدرسہ شرعیہ وہاں تک جماعتیں ہوتی تھیں، ادھر طبیعت پر تقاضا حاضری کا (روضۂ اقدس پر) فرمایا: اچھا مجھے چھت پر لے چلو، تو اوپر کی منزل پر لے جاکر وہاں سے روضۂ اقدس کا گنبد خضریٰ نظر آرہا تھا، وہاں سے صلوۃ وسلام پڑھا۔ جس سے اطمینان ہوا۔

ایک صاحب نے خواب میں دیکھا: کہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں اور پاس میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ذرا ہٹ کر شیخ (مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) بیٹھے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ عرض کر رہے ہیں حضور اکرم ﷺ سے کہ حضور (ﷺ)! ان میاں زکریا کو آپ کی خدمت میں حاضری کا بڑا شوق ہے، لیکن میں چاہتا تھا کہ کچھ اور کام لیا جاتا ان سے۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ہاں شوق تو ان کو بہت ہے، میں بھی چاہتا تھا کہ کچھ اور کام لے لیا جاتا، ان کی طبیعت میں جو تقاضا تھا کہ کسی طرح سے جلدی موت آجائے، جلدی موت آجائے، پہنچ جاؤں جلدی حضرت کی خدمت میں، اب وہ تقاضا ختم ہوگیا، یہی سوچتے تھے کہ میں کس کام کا دنیا میں کیا کام کرسکتا ہوں، بے کار پڑا ہوں، تو بس اس وقت سے اطمینان ہوگیا کہ کام لینے والے تو وہ ہیں، مجھے تھوڑا ہی کہا تم کام کرو، کام لیں گے وہ لیں گے میرے ذمہ تھوڑا ہی ہے۔

ایک صاحب نے دیکھا: کہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں، پاس ایک صندوق رکھا ہے، اس میں عمدہ کپڑے رکھے ہوئے ہیں، اس میں جبہ بھی ہے، عمامہ بھی ہے حضور اقدس ﷺ فرمارہے ہیں میں نے یہ زکریا کے لئے رکھ رکھا ہے۔

ایک صاحب نے دیکھا: کہ روضۂ اقدس کی جالی سے ایک تھالی نکلی پانوں کی اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مولوی زکریا کے مہمانوں کے لئے پان ہیں، اس نے آکر بیان کیا: وہاں جتنے پان رکھے تھے حضرت شیخ کے پاس، سب منگوا کر مہمانوں کو تقسیم کر دیئے، کھلوادیئے کہ بھئی وہاں کے ہیں یہ جبھی ایک صاحب ہندوستان سے پہنچے پان لے کر بہت سارے پہنچادیئے انہوں نے۔

آفتاب نبوت کے سامنے چراغ کا اضمحلال

جب میں رخصت ہونے لگا مدینہ طیبہ سے، شیخ سے ملاقات کی، شیخ نے فرمایا: کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں وداعی سلام کے لئے روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور میرا انتقال ہوگیا۔ روح نکل گئی، میں نے اپنے ان دوستوں سے لڑکوں سے نہیں کہا ہے یہ خواب کہ ابھی سے رونا شروع کر دیں گے۔

میں نے عرض کیا: کہ حضرت یہ وہ انتقال تھوڑا ہی ہے، یہ تو آفتابِ نبوت کے

....

سامنے چراغ کا اضمحلال ہے اور بس۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا فنافی الرسول ہونا

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے لندن۔لندن سے واپسی پر فرمانے لگے مجھ سے مفتی جی کیا فائدہ ہوا وہاں جا کر، تم بتاؤ، میں نے کہا بتاؤں، میں نے ذرا قوت سے کہا بجائے ادب کے دوبارہ میں نے کہا: کہ بتاؤں، کہا: کہ ہاں پوچھ تو رہا ہوں، میں نے کہا: مجھ سے کیوں پوچھتے ہو، پوچھئے ان سے جنہوں نے آپ کو بھیجا ہے کیا فائدہ ہوا، بس حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا: ہاں بھئی بات تو یہی ہے، کئی مرتبہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ بھی فرمایا کہ جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں، خیر پھر شیخ نے یہ کہا: کہ بھائی کلکتہ والے بہت عرصہ سے بلا رہے ہیں، میں اپنی بیماری اور کمزوری کا عذر کر دیتا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ مکہ مدینہ بھی تو جاتے ہیں، میں نے کہا: کہ بھئی تم مکہ مدینہ پر کیا قیاس کرتے ہو اپنے کلکتہ کو، لیکن اب تو لندن بھی ہو آئے، اب کیا جواب دوں گا، تو پھر میں نے عرض کیا: کہ اس کا جواب میں نے دیا ہے، فرمایا: کیا؟ میں نے کہا:

ضعف پیری کثرتِ امراض کردش مضمحل — لیک بہر محنت دیں ہمتے دارد جواں
مکہ طیبہ پاک افریقہ رسیدہ فیض او — ساخت مرکز زامبیا رنگوں لندن انڈماں
کرد اوقاتِ عزیزش بر اشارت منقسم — گاہ او در طیبہ آید گاہ در ہندوستاں
بے اجازت نقل وحرکت وصل وہجرت ہیچ نیست — شد فنا قصدش بقصد سید پیغمبراں

خانقاہ ومدرسہ قائم نمودہ جابجا
تربیت کردہ فرسد کارواں در کارواں

ترجمہ اشعار: ضعف پیری، کثرتِ امراض نے ان کو مضمحل بنا دیا، لیکن دین

کی محنت کے لئے ہمت جوان رکھتے ہیں، مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ (زادھما اللہ شرفا و کرامۃ) پاکستان، افریقہ ان کا فیض پہنچ چکا ہے، زامبیا، رنگون، لندن، انڈمان میں مرکز قائم فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے اشارہ کے مطابق اپنے اوقات عزیز کو تقسیم فرمایا ہے۔ کبھی مدینہ طیبہ تشریف لے جاتے ہیں کبھی ہندوستان، بے اجازت نقل و حرکت وصل و ہجرت کچھ نہیں، ان کا مقصد سید پیغمبراں ؐ کے مقصد میں فنا ہو چکا ہے، جا بجا خانقاہ و مدرسے قائم فرماتے ہیں (علماء و مشائخ کی) تربیت فرما کر قافلے کے قافلے (ان مدارس و خانقاہوں میں) بھیجتے ہیں۔

اس پر شیخ نے فرمایا: بات تو یہی ہے، کبھی میں نہ بغیر اجازت آیا اور نہ بغیر اجازت گیا، مدینہ طیبہ پہنچا تو اجازت سے، وہاں سے یہاں آیا تو اجازت سے۔

لندن میں تین قبریں دیکھیں اور ان کی تعبیر

ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ تین قبریں ہیں، وہیں لندن میں، ایک حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اور ایک حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اور ایک حضرت مولانا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی۔ اور تینوں قبروں میں سے مکھیاں نکل رہی ہیں شہد کی نکل کر وہ اڑ کر جا رہی ہیں۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے یہ فیض ہے جو نکل کر جا رہا ہے، تینوں بزرگوں کا۔

چار انبیاء علیہم السلام کے خیمے اور اس کی تعبیر

ایک صاحب نے خواب میں دیکھا: کہ چار خیمے ہیں، ایک خیمے میں حضور اکرم ﷺ ہیں، ایک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں ایک میں حضرت داوٗد علیہ السلام ہیں اور ایک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یہ چاروں کے چاروں اپنے اپنے خیموں میں سے آئے، اور

ایک جگہ بیٹھے، بیٹھ کر کچھ گفتگو فرمائی مگر ہمیں کوئی لفظ سننے میں نہیں آیا، اس کے بعد پھر اپنے خیموں میں چلے گئے، میں نے کہا: ہاں۔ اہل کتاب میں سے سب انہیں حضرات کے نام لینے والے ہیں، اور بات یہی ہے کہ وہ تینوں حضور اقدس ﷺ کے معاون اور مددگار ہیں، ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ ہماری امت بھی حضور اقدس ﷺ کے ساتھ ہو کر کام کرے اسی زمانہ میں امریکہ سے انگریز پادری کا ایک مضمون شائع ہوا تھا کہ یورپ کو اسلام سے زبردست خطرہ ہے۔ یورپ کے دروازہ پر آ پہنچا اسلام۔ اور وہ کسی تلوار کے زور سے نہیں آیا، اس راستے سے آیا۔

آتش عشق الٰہی

آتش عشق الٰہی در دل او شعلہ زن
چشم گریاں میچکاند روز و شب سیل رواں

ترجمہ؛ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے دل میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہے۔ (عشق خداوندی میں حضرت قدس سرہ کی رونے والی آنکھیں رات دن سیلاب بہاتی رہتی ہیں۔)

تشریح؛ ایک خط کے جواب میں (جس میں حضرت قدس سرہ کے کچھ باطنی حالات کا ذکر تھا) حضرت قدس سرہ نے یہ شعر بھی تحریر فرمایا ہے۔ جس سے حضرت کی اندرونی کیفیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
دگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد (آپ بیتی نمبر؛ ۴، ص؛ ۲۰۲)

(میرے دل میں ایسا درد (عشق) ہے۔ اگر بیان کروں تو زبان جل جائے۔ اور اگر خاموش رہوں تو ہڈی کے مغز (تک) کے جل جانے کا اندیشہ ہے)

اشکہائے نیم شب چوں قطرہائے سلسبیل

می شود شاداب زیں ازہار واشجار جناں

ترجمہ: حضرت قدس سرہ کے اشکہائے نیم شب قطرہائے سلسبیل کی طرح ہیں۔ان سے جنت کے ازہار (پھول وکلی) واشجار (درخت) پرورش پاتے ہیں۔

تشریح؛ حضرت قدس سرہ نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یاد دلبر میں

ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

حضرت شیخ قدس سرہ کے اسی سوز وگداز اور عشق ومحبت کا ذکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ نے سوانح حضرت مولانا محمد یوسف قدس سرہ میں ان الفاظ سے فرمایا ہے:

"شیخ کے علم، تصنیفی انہماک، وقار وسکینت اور ضبط وتحمل کے فانوس میں عشق ومحبت کا ایک ایسا شعلہ ہے جو جاننے والوں کی نگاہوں سے مستور نہیں۔ ان کا خمیر عشق ومحبت کے اس جوہر کے ساتھ گوندھا گیا ہے اور وہ شاید ان کے خمیر کے تمام اجزاء وعناصر سے زیادہ مقدار میں ہے، ان کا حال وہ ہے جو سودا نے اپنے شعر میں بیان کیا ہے۔"

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا

کچھ آگ بچ رہی تھی سو عاشق کا دل بنا

"عشق ومحبت کے اس جوہر کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے اور اس کے شرارے اسی وقت نظر آتے ہیں جب عشق الٰہی، ذاتِ رسالت پناہی اور واصلانِ بارگاہِ الٰہی کا تذکرہ ہو۔

راقم سطور (مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے پہلے سفر حجاز کے

موقع پر مدینہ طیبہ سے ایک خط لکھا، جس میں مدینہ طیبہ کے راستہ کی کیفیات اور بعض نعتیہ اشعار تھے، جب یہ خط پہنچا تو شیخ کی عجیب کیفیت تھی، جو لوگ پاس موجود تھے ان کا بیان ہے کہ ایک عزیز خادم سے جو خوش الحان بھی ہیں۔ ان اشعار کو ترنم کے ساتھ پڑھنے کی فرمائش ہوئی، گرمی کا زمانہ تھا، رمضان کے ایام تھے، اعتکاف کا موقع تھا۔ اس وقت کچھ لوگ شیخ کا بدن دبا رہے تھے، دیکھنے والے کا بیان ہے کہ جس وقت ان صاحب نے یہ اشعار پڑھے، اس وقت شیخ فرط شوق اور شدت جوش میں بالشت بالشت بھر اچھل جاتے، جو لوگ بدن دبا رہے تھے، ان کو محسوس ہو رہا تھا کہ شیخ کے جسم میں ایک بجلی سی پیدا ہو گئی ہے۔ اور وہ اپنی کیفیت کو کسی طرح چھپا نہیں سکتے۔

راقم سطور (مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) نے خود بارہا دیکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اپنے ایک مسودہ سے حضرت رائے پوری کو سنا رہا ہے، شیخ پاس کی چارپائی پر بیٹھے ہوئے ہیں، ان پر گریہ کا اتنا غلبہ ہوا کہ چارپائی ہلنے لگی۔ مولانا محمد یوسف صاحب کی معیت میں جو حج ہوا تو اس سے واپسی کے موقع پر اس طرح سے بلک بلک کر رونے لگے، جیسے بچہ اپنی ماں کی گود سے علیحدہ کیا جائے تو وہ بے قرار ہو کر روتا اور بلکتا ہے۔"

(سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ: ۱۲۱، ۱۲۲)

فراقِ دیارِ حبیب ﷺ پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حالت

ایک سفر کا حال حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صاحب نور اللہ مرقدہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"اس سرزمین مقدس اور دیارِ حبیب ﷺ سے ان کی روح اور قلب کو

جو تعلق اور وابستگی ہے اور اس کے چھوٹنے پر ان کے دل پر جو کچھ گذر رہی تھی، اس کا کچھ اندازہ ان سطور سے ہوگا جو ان کے ایک مخلص خادم نے ان سطور کے راقم (مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کو اپنے ایک مکتوب میں لکھی ہیں۔

"طائف سے واپسی پر عمرہ کر کے یعنی جعرّانہ سے احرام باندھا تھا۔ دوسرے روز جدہ روانگی ہوگئی، حدود حرم کے ختم پر جو کنواں ہے، وہاں مغرب کا وقت ہوا، نماز کے بعد سوار ہونے کے وقت حضرت پر گریہ طاری ہوا۔ پھر جدہ پہنچ کر محمد علی خاں صاحب کے مکان پر رات قیام تھا۔ ساری رات عجیب بے چینی میں گذری، حضرت کی خدمت صرف محترمی ابوالحسن صاحب اور بندہ موجود تھے، باقی خدام حضرات حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دوسرے کمروں میں تھے۔ حضرت بار بار اُٹھ کر بیٹھتے اور ہم لوگ بھی آہٹ پا کر اٹھ جاتے اور کسی وقت سوئے بنے رہتے اور دیکھتے رہتے، بندہ کو بائیس سال سے کئی دفعہ کافی کافی عرصہ کے لئے حضرت کی خدمت میں رہنا ہوا۔ سفر، حضر، عزیزوں، بزرگوں کی اموات، رمضان مبارک کی راتیں، حج کا سفر، عرفات وغیرہ مختلف اوقات وحالات میں حاضری نصیب ہوئی، مگر ایسی حالت کبھی نہ دیکھی تھی، کبھی کھڑکی سے منہ نکال کر گلی میں، راستوں کو دیکھ رہے ہیں۔ اور فرمارہے ہیں: ابوالحسن آج اور عرب کی زمین دیکھ لے، صبح کو جانا ہی ہے۔ دوسرے روز ہوائی اڈہ پر انتظار میں ویٹنگ روم میں بیٹھنا ہوا، موسم حج اور اپنے ساتھ پاکستان جانے والوں کا کثیر مجمع اور جدہ میں رخصت کرنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے کافی وقت بیٹھنا ہوا۔

بندہ نے حضرت کو روتے ہوئے پہلے بھی بہت کثرت سے دیکھا ہے، اکثر اوقات تو ایسا کہ اجنبی کو تو ظاہر نہ ہوتا تھا، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت رو رہے ہیں اور بعض وقت دیکھنے والوں کو محسوس ہو جاتا تھا کہ نماز

تلاوت وغیرہ میں حضرت رو رہے ہیں، لیکن آنسوؤں کی کثرت کا دستور نہ تھا اور یہ قانون تھا کہ ایسی حالت میں جب کوئی ملنے والا آگیا یا کوئی دوسرا موضوع سامنے آیا، جس میں کسی سے ہنسی مذاق اور خندہ پیشانی کی ضرورت ہوتی یا کسی کو ڈانٹ ڈپٹ کی ضرورت ہوتی تو ظاہر طور پر حضرت کی وہ حالت فوراً ختم ہوجاتی اور آنے والے کو کچھ محسوس نہ ہوتا، وقت کے حق کے مطابق حالت ہوجاتی۔

اس رخصتی والے دن کی حالت بالکل نرالی تھی، حضرت تشریف فرما تھے، ارد گرد کافی مجمع تھا، لیکن حضرت ایسے بیٹھے ہوئے تھے جیسے کہ بالکل اکیلے ہوں، کوئی بات، کلام، توجہ نہ تھی، بے تحاشہ رو رہے تھے، آنسو آنکھوں سے مسلسل بہہ رہے تھے، کرتہ تر بتر ہو رہا تھا، چہرہ مبارک سرخ اور آنسوؤں کے پانی سے ایسا دھل رہا تھا جیسا کہ کوئی نل کے نیچے بیٹھا ہو، بس آواز تو نہیں تھی، حضرت ہاتھ ڈھیلے کئے بیٹھے تھے۔ لوگ چپ چاپ مصافحہ کرتے جاتے تھے، ایک دہشت سی تھی، اس حالت میں رخصتی ہوئی، چونکہ اس قسم کی حالت ہمیشہ مخفی رکھنے کی عادت تھی، اس لئے اگر خود نہ دیکھا ہوتا تو مجھے بھی یقین نہ آتا۔ بیان کو مبالغہ سمجھتا، اور اب بیان کو ناکافی سمجھ رہا ہوں۔"

درس وتدریس، تصنیف وتالیف میں تاثیر عشق

اسی محبت واخلاص نے ان کے درس ان کی تصنیفات ان کے ساتھ بیعت وارادت کے تعلق میں وہ تاثیر اور کیفیت پیدا کر دی جو اہل عشق کے ساتھ مخصوص ہے۔ (سوانح مولانا محمد یوسفؒ: ۱۲۲، ۱۲۴)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے

درس حدیث کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس درس کی کیفیت بھی دیدنی ہے نہ کہ شنیدنی۔ حدیث شریف کا احترام، سنت سے شغف اور ذاتِ نبوی ﷺ سے عشق کی کیفیت کا اثر تمام حاضرین پر پڑتا ہے۔ اور بعض مرتبہ تو ساری مجلس پر ایک بجلی سی کوندجاتی ہے، خصوصاً ختم کتاب اور دعا کے موقع پر تو یہ پیمانہ ہزار وسعت وعالی ظرفی کے باوجود چھلک پڑتا ہے، اسی طرح وفات نبوی ﷺ کی احادیث پر دامن ضبط ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے، آنکھیں بے اختیار اور آواز گلوگیر ہوجاتی ہے۔''

(حوالہ بالا: ۱۰۹، ۱۱۰)

کمالِ عشق ومحبت کا اندازہ

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب قدس سرہ کو ان کے حجاز کے دوران قیام میں تحریر فرمایا تھا، اس میں یہ شعر بھی تحریر تھا:

ہمارا نام لے کر آہ بھی اک کھینچیو قاصد
جو وہ پوچھیں تو کہہ دینا یہ پیغام زبانی ہے

پانچویں حج کا واقعہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

''پانچویں بار آپ کا سفرِ حج (۱۳۸۹ھ) غایت درجہ اشتیاق وشوق حضوری کے ساتھ ہوا، اس نعمت عظیم کے شکرانہ کے طور پر آپ نے دوماہ کے روزے اور ہمہ وقت بحالت وضو رہنے کی نذر مانی تھی، اللہ تعالیٰ نے راقم کو اس سفرِ حج میں ہمرکابی کی توفیق نصیب فرمائی، اور آپ کے علو ہمت، قوت ارادی،

بارگاہ نبوی ﷺ میں آپ کے آداب ذات نبوی ﷺ سے آپ کے عشق وشیفتگی، علو استعداد نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس قیام میں جن مراتب عالیہ اور دولت قرب واختصاص سے نوازا اور سر بلند وسرفراز فرمایا، اس کے عجیب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اسلاف کرام اور اولیاء متقدمین کی یاد تازہ ہوئی، آپ سید الانبیاء ﷺ کے اقدام عالیہ کے پاس مسلسل گھنٹوں ایک حالت میں مراقب رہتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ اب بھی آپ کی سیری نہیں ہوئی، یہ تمنا فرماتے کہ اسی پاک سرزمین میں آپ کو مستقل قیام کا موقع مل جائے، واپسی کا ذکر تک آپ کو بہت شاق ہوتا۔" (حیات خلیل بحوالہ مقدمہ اوجز: ۶۱۱)

یہ سب عشق الٰہی اور عشق نبوی ﷺ کے ثمرات ہیں۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ کا سوز وگداز

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ نے حضرت قطب عالم شیخ الحدیث سہارنپوری قدس سرہ کے والد محترم مولانا محمد یحییٰ صاحب قدس سرہ کے متعلق تحریر فرمایا ہے:

"مولانا محمد یحییٰ صاحب عجب باغ و بہار طبیعت لے کر آئے تھے۔ "بکّاء باللیل بسّام بالنہار" (رات کو بہت رونے والے دن کو بہت مسکرانے والے) آپ کی صفت تھی، ادھر گریہ طاری ہے، ادھر دوستوں کو اپنے نکتوں اور بذلہ سنجیوں سے ہنسا رہے ہیں، دیدہ گریاں، روئے خنداں اور زبان گل فشاں کا پورا مجموعہ دل کے سوز وگداز اور راتوں کے راز ونیاز کی خبر بہت کم لوگوں کو تھی۔ الخ"

(حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت: ۵۶)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بغرض علاج سہارنپور تشریف لائے، حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ) نے تلبینہ (ایک قسم کا حریرہ جو آٹے، شہد، گھی وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے، دودھ کے مثل سفید اور پتلا ہوتا ہے) تیار کر کے حضرت کی خدمت میں بھیجا، ساتھ میں ایک پرچہ بھی رکھا، جس میں لکھا: حضرت کے معالج (طبیب) کو اس کھانے کے اجزاء ترکیبیہ وغیرہ بتا کر تحقیق کر لیا ہے کہ یہ کھانا نہ حضرت کے مزاج کے خلاف ہے نہ طبع کے نہ مرض کے نہ دوا کے مقوی اور مفرحِ قلب ہے اور فلاں حدیث میں اس کی ترغیب بھی ہے، لہٰذا حضرت کی خدمت میں پیش ہے نوش فرمالیں۔ مادی نفع اور عدم مضرت دونوں چیزیں بتلا دیں اور جتنی دین کی بات تھی کہ حدیث شریف میں ترغیب آئی ہے وہ بھی ظاہر کر دی، اس واسطے نہیں بتائی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا، وہ تو علم کے بحر ذخار تھے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو لے لیا پرچہ پڑھا اور جواب لکھا:

محبی ومحبوبی! آپ نے جوشِ محبت میں اصول کی رعایت نہیں کی، پہلے ہی حدیث سنادی، اب مجھے اندیشہ ہے کہ اگر کھانے میں یہ مجھ کو مزیدار معلوم نہ ہوا پسند نہ آیا تو جس چیز کی ترغیب حدیث شریف میں آئی ہے اس سے بدمزگی اور ناپسندیدگی لازم آئے گی، اگر پہلے مجھے پیش کرتے پھر میرے پسند کرنے پر حدیث سناتے تو زیادہ راحت ملتی، لہٰذا آپ کا تحفہ جواب کے انتظار میں رکھا ہے، جیسا جواب آئے۔ (احادیث اور روایات کی یہ حضرات اس قدر رعایت رکھنے والے تھے کہ لذیذ وغیر لذیذ ہونا حالانکہ شرعی چیز نہیں، مگر پھر بھی جس چیز کی حدیث شریف میں ترغیب وارد ہوئی ہے اور طبعی طور پر وہ لذیذ معلوم نہ ہو یہ ان کو برداشت نہ تھا، ان سے بڑھ کر حدیث وسنت کی قدر کرنے والا کون ہوگا، پھر یہ بھی نہیں کیا کہ اس کو واپس کر دیتے کہ دل شکنی کا باعث ہوگا۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بھی رعایت کی۔)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے جواب لکھا: کہ حضرت اوّل تو لذیذ و غیر لذیذ ہونا زیادہ تر پکانے والے کی مہارت پر موقوف ہے، جو ماہر ہوتا ہے وہ معمولی چیز کو بھی لذیذ پکا دیتا ہے، اور جو اناڑی ہوتا ہے وہ عمدہ چیز کو بھی خراب کر دیتا ہے، پس اگر یہ لذیذ معلوم نہ ہوا تو توجیہ ہوگی کہ جس چیز کی ترغیب حدیث شریف میں آئی ہے وہ ان پکانے والوں کے قابو میں نہیں آئی، یہ اچھی طرح نہیں پکا سکے، دوسرے یہ کہ حدیث شریف میں اسکو نافع و مفید کہا گیا، دوائے تلخ مفید ہوتی ہے مگر لذیذ نہیں ہوتی، پس لذیذ نہ ہونا حدیث کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ بعض روایات میں ہے "ویکرہ المریض" مریض کو اچھی نہیں لگتی ناگوار گذرتی ہے۔ اگر لذیذ معلوم نہ ہوئی تو اس سے حدیث کی مزید تقویت ہوگی تائید ہوگی نہ کہ مخالفت اس لئے اس کو نوش فرمالیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نوش فرمایا اور کچھ نہ فرمایا کہ لذیذ معلوم ہوئی یا نہیں؟

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیعت کا واقعہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہٗ نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار عالی لگا ہوا ہے، مگر مجھے وہاں جانے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے، میرے ماموں بھی وہاں پر موجود تھے، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک بوڑھے نحیف شخص کے ہاتھ میں دیدیا، پھر آنکھ کھل گئی۔

ان بزرگ کی تلاش میں متعدد مقامات کے سفر کئے، مگر کامیابی نہ ہوئی، سخت حیرانی ہوئی، کچھ روز بعد انہوں نے اپنے استاذ مولانا قلندر علی صاحب محدث جلال آبادی سے یہ خواب بیان کیا، مولانا قلندر محدث جلال آباد رحمۃ اللہ علیہ صاحب حضوری تھے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بیداری میں ہوا کرتی تھی اور شاگرد اور خلیفہ تھے حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو شاگرد خاص تھے۔

حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور خلیفہ ہیں، جو شاگرد رشید ہیں

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے۔ انہوں نے ارشاد فرمایا: کہ ذرا لوہاری (تھانہ بھون کے قریب ایک گاؤں کا نام) بھی تو ہو آؤ، یہاں میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے، دیکھا تو وہی بوڑھے نحیف شخص ہیں جو خواب میں دیکھے تھے، فوراً قدموں پر گر پڑے، میاں جی صاحب نے سینہ سے چمٹا لیا اور ارشاد فرمایا: کہ تمہیں اپنے خواب پر بہت اعتماد ہے، حضرت حاجی صاحب اسی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ میرے شیخ کی سب سے پہلی کرامت تھی جو میرے دیکھنے میں آئی کہ بغیر ذکر کئے خواب کا علم ہو گیا۔

اسکے بعد حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے باقاعدہ بیعت ہوئے اور سلوک کی تکمیل کی اور میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عشق الٰہی کا یہ عالم تھا کہ تیس برس یا چالیس برس تک ان کی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ اور پھر یہی اثر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں آیا، اور پھر یہی اثر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں آیا۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڑھی نور اللہ مرقدہ کے اشعار کا مجموعہ ''عرفان محبت'' کے نام سے چھپا ہوا ہے، اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حمد تیری اے خدائے لم یزل
ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا
ذکر تیرا روح کی میرے شفا

جب زباں پر محمد ﷺ کا نام آ گیا — دوستو زندگی کا پیام آ گیا
آپ ﷺ کی مدح انساں کیا کر سکے — عرش سے جب درود و سلام آ گیا

خدا کا فضل ہے ورنہ تو میں اس قابل نہ تھا احمدؔ
کہ میں نے آگ جو بھر دی ہے اشعارِ محبت میں

لطف جنت کا تڑپنے میں جسے ملتا نہ ہو
وہ کسی کا ہو تو ہو، لیکن ترا بسمل نہیں

نثار جاں حزیں کر دے شوق سے احمدؔ
کھڑا ہے کون؟ ذرا دیکھ تیرے سرہانے

کوئی اہل محبت سے تو پوچھے عجب شے ہے صدائے لن ترانی
کسی نے اپنے بے پایاں کرم سے مجھے خود کر دیا روح المعانی

عشق نے احمدؔ مجلّی کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے نام کے

کمالِ عشق تو مر مر کے جینا ہے نہ مر جانا
ابھی اس راز سے واقف نہیں ہیں ہائے پروانے

عمر غفلت میں ہوگئی برباد میرے مالک تری دہائی ہے
میں وہ عاصی ہوں دیکھ کر جس کو رحمت حق بھی مسکرائی ہے

آتش عشق نے جلا ڈالا
زندگی ہم نے مر کے پائی ہے

جب کوئی ہم کلام ہوتا ہے دل کا برہم نظام ہوتا ہے
حسن کا انتظام ہوتا ہے عشق کا یوں ہی نام ہوتا ہے
عشق کی اک نگاہ سے احمدؔ
ذرہ ماہِ تمام ہوتا ہے

قیامت ہے ترے عاشق کا مجبور بیاں رہنا زباں رکھتے ہوئے بھی اللہ اللہ بے زباں رہنا

یہ فیضانِ محبت ہے یہ احسانِ محبت ہے سراپا داستاں ہوتے ہوئے بے داستاں رہنا
یہ معراجِ محبت ہے یہ اعجازِ محبت ہے کہ سلطانِ جہاں ہو کر بھی بے نام ونشاں رہنا
یہی شانِ محبت ہے یہی آنِ محبت ہے انہی کا ہو کے رہنا چاہئے کچھ بھی ہو جہاں رہنا

نہ کوئی رہ پا جائے نہ کوئی غیر آ جائے
حریم دل کا احمدؔ اپنے ہر دم پاسباں رہنا

ہوا محسوس جیسے مل گئی کونین کی دولت
مقدر سے ترے پہلو میں جب میں نے جگہ پائی
میں اس پر جان و دل سب کچھ کروں قرباں نہ کیوں آخر
کرم سے جس کے دردِ لا دوا کی بھی دوا پائی
سنیں یہ بات میری گوش دل سے جو میں کہتا ہوں
میں ان پر مر مٹا تب گلشن دل میں بہار آئی
عجب عالم ہوا اللہ اکبر اہل محفل کا
حدیث عشق کی احمدؔ نے جب بھی شرح فرمائی

ملتی ہے اہل محبت کو زبانِ زندگی اور کوئی کر نہیں سکتا بیانِ زندگی
ہو گئے پیدا جہاں میں طالبانِ زندگی تم نے جب دنیا میں دی آ کر اذانِ زندگی
میں تو اس قابل نہ تھا لیکن جنوں کے فیض سے کھول دی ہے میں نے بھی احمد دکانِ زندگی

یاد کا ان کی چھایا جب عالم
فرش آیا نظر عرشِ اعظم

سناؤں داستانِ عشق میں کس کو یہاں ساقی
نظر آتا نہیں جب ہائے کوئی راز داں ساقی

حدیث شریف کی تشریح

سائل: حدیث ”من رأنی فی المنام فسیرانی فی الیقظة“ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کو خواب میں حضور اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی وہ بیداری میں ضرور دیکھے گا۔ کیا ایسا ہے؟ کیا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے؟ ملفوظات فقیہ الامت میں آپ کی اور حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو بھی اس سلسلے میں ہے۔

ارشاد: یہ حضور اقدس ﷺ کی زندگی کے بارے میں ہے کہ اگر کسی شخص نے مجھ کو دور سے خواب میں دیکھ لیا تو وہ ان شاء اللہ میرے پاس پہنچ کر رہے گا، میری زیارت ضرور کرے گا، پھر ایک تو ہے یقظہ (بیداری) میں زیارت کرنا ایک ہے خواب میں زیارت کرنا، دونوں میں فرق ہے، جو شیخ نے فرمایا اور میں نے عرض کیا وہ تو یہ ہے کہ ایک شخص خواب میں زیارت کرتا ہے ایک شخص بیداری میں زیارت کرتا ہے کون اس میں قوی ہے؟ میں نے کہا: خواب والا قوی ہے، کیونکہ خواب کی تو ضمانت لی گئی ہے۔

”من رأنی فی المنام فقد رانی فان الشیطان لا یتمثل بی“

[جو شخص مجھے خواب میں دیکھے تحقیق اس نے مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میری تمثیل نہیں بنا سکتا۔]

بیداری کی حالت میں ضمانت نہیں لی گئی۔

حضرت شیخ نے دریافت فرمایا: کہ کیا شیطان کو بیداری میں قدرت ہے صورت بنانے کی؟ میں نے کہا: نہیں اس کو تو قدرت نہیں نہ خواب میں نہ بیداری میں البتہ قوتِ متخیلہ صورت گھڑ سکتی ہے۔

سائل: کیا یہ قضیہ شرطیہ ہے کہ ”من رانی“ یہ شرط ہے ”فسیرانی“ مشروط ہے۔

مفتی صاحب: اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ مستقل چیز ہے، میں اس کو کہہ

رہا ہوں "من رانی فی المنام فسیرانی فی الیقظة" کہ یہ اس وقت کے لئے ہے جبکہ حضور اقدس ﷺ حیاتِ ظاہری میں تھے کہ جس شخص نے خواب میں مجھے دیکھا وہ ان شاء اللہ مجھ تک پہنچ کر رہے گا۔

سائل: حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دن میں رویت ہوئی تھی افطاری میرے ساتھ کرلینا۔

حضرت مفتی صاحب: وہ تو خواب کی بات ہے اس کی تصریح ہے۔

سائل: فتح الباری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خواب کا تذکرہ ہے اور یہ کہ انہوں نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس خواب بیان کیا اور آئینہ انہوں نے دیکھا تو اس میں اپنی صورت کے بدلے حضور اقدس ﷺ کی صورت نظر آئی۔

حضرت مفتی صاحب: ٹھیک ہے خواب میں صورت نظر آ سکتی ہے اور صورت بدل کر بھی نظر آ سکتی ہے، اور ہوسکتا ہے آئینہ میں دیکھا ہو کوئی بعید نہیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مسجد نبوی میں درسِ حدیث دے رہے تھے، مسئلہ آ گیا حیات النبی ﷺ کا۔ حضرت نے اس کو ثابت کیا، طلبہ نے اس پر اشکال کیا، حضرت نے جواب دیا، پھر اشکال کیا، پھر جواب دیا، پھر اشکال کیا۔ حضرت نے یکدم گردن موڑ کر اس طرح سے دیکھا (روضہ اقدس کی طرف) طلباء نے دیکھا کیا بات ہوئی، اس طرح سے اچانک مڑ کر دیکھا، دیکھا تو روضۂ اقدس وہاں موجود نہیں، عمارت غائب ہے، کھلی جگہ ہے صاف اور اس میں حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں، اس کے بعد پھر کتاب کی طرف متوجہ ہوگئے، وہ بھی اور طلبہ بھی، پھر روضۂ اقدس کی طرف دیکھا تو وہ اسی

طرح موجود تھا۔ اس قسم کی چیزیں ہوئی ہیں۔ اب بھی ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر کرم فرماوے۔ لیکن "من رانی فی المنام فیسرانی فی الیقظۃ" کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ان طلبہ نے خواب میں زیارت کی ہو، اس کی وجہ سے ان کو بیداری میں زیارت ہوئی ہو، بہت لوگ ایسے ہیں جو خواب میں زیارت کرتے ہیں، بعضے روزانہ زیارت کرتے ہیں خواب میں، لیکن کبھی یقظۃً زیارت کی نوبت نہیں آئی انہیں۔

سائل: ابن عربی نے "وقد اشکل ھذا الحدیث علی العلماء" لکھا ہے۔

مفتی صاحب: اشکال کیا؟ کس چیز پر ہے ان کو؟

سائل: کیفیت پر۔

مفتی صاحب: میں تو کہتا ہوں کہ اس کی کیفیت یہ ہے کہ بیداری کی حالت میں ایمان لانے سے پہلے جس شخص نے حضور اقدس ﷺ کی خواب میں زیارت کی، اسے حق تعالیٰ نے توفیق دی کہ وہ بیدار ہو کر ایمان لایا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اس میں کیا اشکال ہے؟

سائل: گویا اس میں تخصیص نہیں تعمیم ہے آج بھی ہو سکتا ہے؟

مفتی صاحب: آج بھی ہو سکتا ہے۔ مگر "سکتا ہے" ضروری نہیں۔ بخلاف شرط و جزا کے کہ وہاں پر شرط پر جزا کا ترتب یقینی ہے۔ وہ حیات طیبہ کی بات تھی، اور بعضے حضرات کہتے ہیں کہ بیداری کی حالت میں دیکھنا زیادہ قوی ہے، کیونکہ اس کو مناسبت اتنی ہو گئی ہے کہ حجابات اس سے اٹھا دیئے گئے ہیں۔

سائل: ارواحِ ثلٰثہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تردد ذریت کے بارے میں اور حضور اقدس ﷺ کا عیاناً جلوہ گر ہونا اور فرمانا کہ جیسے میری اولاد اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ کوئی آدمی سوال لے کر آیا۔

....

مفتی صاحب: شاہ صاحب کے وعظ میں تشریف لانا استفادہ کی غرض سے نہیں تھا، جیسے کہ میں اور آپ استفادہ کے لئے بیٹھے ہیں بلکہ اعانت کے لئے تھا، تصویب کے لئے ہے ان کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو جائے اس کے لئے، تو کیا اشکال ہے اس میں؟

قرآن پاک سننے کیلئے حضرت نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری

خود شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں غالباً اپنے والد کی طرف سے یا اپنی طرف سے کہ دلی کے فلانے جنگل میں قاری عبداللہ صاحب رہتے تھے، ان کے پاس قرآن شریف پڑھنے کے لئے ہم گئے تھے، قاری صاحب کا طریقہ یہ تھا کہ جب قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو آنکھیں بند کر کے خوب جھوم جھوم کر مست ہو کر پڑھتے تھے، وہ تلاوت کر رہے تھے، کچھ لوگ عربی لباس میں آئے آگے آگے ان کے سردار معلوم ہوتے تھے، ذرا دیر ٹھہرے اور پھر کہا: "بارك الله اديت حق القرآن" [اللہ پاک تم کو برکت دے، تم نے (تلاوت) قرآن کا حق ادا کر دیا۔] یہ کہہ کر چلے گئے۔ قاری صاحب نے اپنی تلاوت سے فارغ ہو کر آنکھ کھولی۔

پوچھا: میاں کوئی آیا تھا؟ میرے قلب پر ایک رعب طاری ہوا۔

بتایا گیا: کہ اس طرح سے ہوا اور تو کچھ معلوم نہیں۔

پھر ایک اور بزرگ آئے، انہوں نے فرمایا: کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تھے یہاں، پوچھا گیا کیسے؟

فرمایا: کہ میں نے پرسوں خواب میں زیارت کی تھی اور حضور اقدس ﷺ نے یوں فرمایا تھا کہ میں پرسوں قاری عبداللہ کا قرآن سننے جا رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ میں سو نہیں رہا تھا۔ بلکہ جاگ رہا تھا، میری آنکھیں بند نہیں تھیں، میں کھلی

آنکھوں دیکھ رہا تھا۔

خواب کے واقعات تو بے شمار ہیں لیکن یہ بیداری کی بات ہے۔

بہر حال میں اکابر دیو بند کے تعلق اور عشق رسول ﷺ کی بات بتا رہا تھا۔

حضرت سہارنپوری اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہما کے واقعات

ایک خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تھے، انہوں نے دین کی خدمت کی، اہل بدعت سے مناظرے کئے، ان کو شکستیں دیں، حال یہ کہ روضۂ اقدس پر مدینہ پاک میں کھڑے ہو کر وہاں تراویح میں پورا قرآن پاک حضور اقدس ﷺ کو سنایا۔

روضۂ اقدس پر حاضر ہوتے صلوۃ وسلام پڑھنے کے لئے تمام بدن کانپ جاتا تھا، سر سے پیر تک، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے۔

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا حال ابھی بتا ہی چکا ہوں، جو صاحب ان کے ساتھ تھے مدینہ منورہ میں انہوں نے بتلایا: کہ مولانا روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہوتے تھے، گردن جھکی ہوئی بالکل خاموش، آواز نہیں نکالتے تھے ادب کی وجہ سے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے، ایک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بالکل اسی طرح کھڑے رہتے تھے، صلوۃ وسلام پڑھتے تھے، کیا یہ سب کچھ بغیر عشق کے ہوتا تھا؟ محبت وعشق اصل تو قلب میں پیدا ہوتا ہے، اس کا اثر سارے جسم پر ہوتا ہے، آنکھوں پر بھی اثر ہوتا ہے کہ وہ اتباعِ سنت کرتی ہیں، کانوں پر بھی اثر ہوتا ہے کہ وہ بھی اتباعِ سنت کرتے ہیں، زبان پر بھی اثر ہوتا ہے کہ اتباعِ سنت اس کے اندر آجاتی ہے، ہر چیز کا یہی حال ہے، صرف نام اہل سنت رکھنے سے اتباعِ سنت نہیں ہوتا، اور آدمی اہل سنت نہیں بن جاتا۔

....

عشق ومحبت کی علامت

اور علامت کیا ہے عشق کی؟ ہر شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ مجھے عشق ہے، عشق کا حال تو یہ ہے کہ جس قدر کسی شخص کو حضور اقدس ﷺ سے عشق ہوگا اسی قدر سنت رسول ﷺ کا اتباع کرے گا، اپنی زندگی کو حضور اکرم ﷺ کی سنت کے مطبق بنائے گا، یہ اس کی علامت ہے: ”قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ“ [آپ کہد یجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔] محبت کی شرط اتباع کو بتایا ہے۔ ”لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ“ [تم میں سے کوئی شخص تب تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے لائے ہوئے طریقہ (شریعت) کے تابع نہ ہو۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی معارف بیان کرے مکاشفات بیان کرے دوسرے عالم کی، اونچی اونچی چیزیں بیان کرے، ان کی وہ حیثیت نہیں ہے جو ایک معمولی چیز کی ہے جو سنت کے مطابق ہو، مثلاً استنجا کرے سنت کے مطابق، اس کی جو حیثیت ہے وہ اونچے سے اونچے معارف کی بھی نہیں۔

محبان رسول ﷺ تھے یہ لوگ محبت اور عشق کی علامت یہ ہے کہ زندگی کا ہر گوشہ اتباعِ سنت سے منور ہو، جو کام کرے یہ سوچتے ہوئے یہ سمجھتے ہوئے کرے کہ یہ سنت کے خلاف تو نہیں ہے۔

محبت تو قلبی چیز ہے، دعویٰ کوئی بھی کر سکتا ہے، نعرہ کوئی بھی لگا سکتا ہے کہ ہم ہیں محبین رسول ﷺ لیکن محبت کی علامت یہ ہے کہ اتباعِ سنت ہو۔ پوری زندگی سنت کے مطابق ہو۔

....

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا اتباعِ سنت

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ ہیں مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ، دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس رہے، ساری عمر حدیث شریف پڑھائی، سیاست میں اٹھے، ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے گرفتار ہو گئے، کئی برس مالٹا میں جیل میں رہے۔ سخت سے سخت سزائیں دی گئیں، مگر وہ اپنی بات کے بڑے پکے اور مضبوط تھے، سینہ پر ان کے نشانات تھے، پسلیوں پر نشانات تھے، مالٹا سے جب واپس تشریف لائے، معلوم ہوا کہ تہجد کے وقت جب حضرت وہاں اٹھتے تھے، سردی زیادہ تھی، لوٹے میں پانی لے کر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیٹ سے لگا لیتے تھے، اور اسی طرح رات گذارتے تا کہ پیٹ کی گرمی سے اس کی ٹھنڈک کچھ کم ہو جائے، وہ پانی نمازِ تہجد کے لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو پیش فرماتے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس سے وضو کرتے تھے، اور نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، جو گورے (انگریز سپاہی) پہرے پر تھے، وہ سنگین (لاٹھی جس کے آگے چھری سی ہوتی ہے) کے چوکے نماز پڑھتے پڑھتے سینے پر پسلیوں پر مارتے تھے، ان کا جو افسر تھا وہ بھی انگریز تھا، اس نے کہا:

"ارے کیا غضب کرتے ہو، یہ ایسا شخص ہے کہ اگر تم نے قتل کر کے جلا بھی دیا تو اس کے خون سے، اور اس کی خاک سے، حق حق کی آواز آئے گی۔"

ان کا حال یہ تھا کہ جمعہ کا دن آتا، کپڑے دھوتے، غسل کرتے، جمعہ کی نماز کے لئے جیل کے دروازے تک آتے، مگر جیل کا دروازہ بند ہوتا تھا، واپس ہو جاتے تھے، جہاں تک اپنے بس میں تھا کہ جمعہ کی تیاری کی، غسل کیا، اس میں کمی نہیں کی، آتے ہیں نماز کے لئے جمعہ کی تیاری کر کے، مگر آگے دروازہ بند ہے، دو آنسو ٹپکا کر واپس ہو جاتے، اپنے ہاں ظہر کی نماز پڑھ لیتے۔ جتنا اپنے اختیار میں تھا اس میں کمی نہیں

فرماتے۔ یہ ہے عشق الٰہی۔

قربانی کے لئے گائے پالتے سال بھر تک، اس کو خود نہلاتے، گھاس دانہ خود کھلاتے، خود پانی پلاتے، گائے کو بھی اتنا تعلق ہو جاتا کہ جب وہ سبق پڑھانے کے لئے گھر سے چلتے تو گائے پیچھے پیچھے آتی اور دارالعلوم کے دروازے پر بیٹھ جاتی، بارہ بجے سبق پڑھا کر فارغ ہو کر چلتے تو گائے ساتھ ساتھ چلتی، اور جب قربانی کا زمانہ قریب آجاتا، تو گائے کا گھاس کم کرتے، بجائے گھاس کے دودھ جلیبی کھلاتے بالٹی میں بھر بھر کر، اور اس کے مہندی لگاتے، پھول بناتے اس کی کمر پر۔ اس کو خوشنما بناتے، اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خدا کے راستہ میں اپنا محبوب مال خرچ کرو، اس سے محبت بہت ہو جاتی، بقرہ عید کی نماز پڑھ کر کے اپنے ہاتھ سے اس کو ذبح کرتے اور کچھ آنسو بھی ٹپکایا کرتے اور اگلے سال کے لئے قربانی کے واسطے اسی وقت سے دوسری گائے خرید لیتے۔

رمضان شریف میں رات رات بھر نہیں سوتے تھے، خود حافظ نہیں تھے لیکن دوسرے لوگوں کو تجویز کرتے تھے۔ ایک کو بلایا ایک پارہ اس نے پڑھا، دوسرا آیا ایک پارہ اس نے پڑھا، تیسرا آیا ایک پارہ اس نے پڑھا، رات بھر نفلوں میں اسی طرح مشغول رہتے تھے۔

نفلیں پڑھتے پڑھتے ایک مرتبہ پیروں پر ورم آ گیا، اس روز بہت خوش ہوئے بہت خوش کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بھی پیروں پر ورم آتا تھا، نماز پڑھتے ہوئے، آج حضور اقدس ﷺ کی سنت کا اتباع نصیب ہوا۔ یہ ہیں عشق الٰہی اور عشق نبوی کے ثمرات۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اتباعِ سنت

ہمارے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اتنے بیمار ہوئے کہ کھڑے نہیں

ہوسکتے تھے، دو کھڑاؤں بنوائے تھے ان کو زمین پر ٹیک کر بیٹھ بیٹھ کر مسجد میں نماز کے لئے جاتے تھے۔اس قدر اتباعِ سنت کا اہتمام تھا۔

حضور اقدس ﷺ کا عمل مرض الوفات میں

حضور اقدس ﷺ کا مرض الوفات ہے غشی طاری ہے، جب طبیعت کو کچھ سکون ہوا اور مرض کی شدت میں کچھ افاقہ ہوا تو ارشاد فرمایا: کہ سات مشکیں پانی کی میرے سر پر ڈالو شاید کچھ سکون ہو اور میں لوگوں کو کچھ وصیت کرسکوں، چنانچہ حسب الحکم آپ ﷺ پر سات مشکیں ڈالی گئیں۔اس طرح غسل سے آپ ﷺ کو ایک گونہ سکون ہوا۔اور آنحضرت ﷺ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔

(سیرت المصطفیٰ: ۳۳۲ بحوالہ البدایہ والنہایہ)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت مدنی ﷺ کے یہاں سالن دو برتنوں میں آ گیا۔عامۃً ایک سالن بڑے برتن میں آیا کرتا تھا۔اسی کے چاروں طرف سب بیٹھ کر کھایا کرتے تھے۔اس دفعہ کوئی صاحب بیمار تھے انکے واسطے سالن علیحدہ آ گیا۔تو حافظ محمد حسین صاحب اجراڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کہ حضرت اب سالن دو دو طرح کا کھایا جایا کرے گا۔کہیں حدیث میں دو سالن کھانا حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔اس پر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد شریف کی روایت بیان نہیں فرمائی (جس میں دو سالن کا تذکرہ ہے) بلکہ یہ فرمایا؛ حافظ صاحب! ہم تو پیٹ کے گدھے ہیں، ہم سے اتباع سنت کہاں ہوتا ہے، آپ ہم سے اتباع سنت کا مطالبہ کرتے ہیں۔یہ ان حضرات کا حال تھا۔

....

اشاعت دین اور خدمت حدیث نبوی ﷺ

جس قدر کسی شخص کو حضور اقدس ﷺ سے عشق ہوگا اسی قدر سنت کا اتباع کرے گا۔ اپنی زندگی کو حضور اقدس ﷺ کی سنت کے مطابق بنائے گا، اسی قدر دین کی اشاعت کرے گا، یہ اس کی علامت ہے۔ اب دیکھ لو اٹھا کر۔

حضور اقدس ﷺ کے ساتھ علماء دیوبند کو عشق ہے، محبت ہے، ساڑھے چھ سو طلبہ آج بھی دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف پڑھنے والے موجود ہیں، جو رات دن حدیث شریف پڑھتے ہیں۔

بخاری شریف کی اشاعت

اب تو دورہ حدیث شریف پڑھنے والوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہوتی ہے، بخاری شریف کو چھاپنے والے دیوبندی۔ مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

بخاری شریف پہلے چھپی ہوئی نہیں تھی، انہوں نے چھپوایا، اس پر حاشیہ لکھا۔ جس میں فتح الباری، قسطلانی، عینی اور دیگر شروح بخاری کا خلاصہ حاشیہ پر درج ہے۔ اور اخیر کے پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا ہے۔

فیض الباری

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بخاری شریف کی تقریر عربی میں پانچ جلدوں میں "فیض الباری" کے نام سے چھپ کر آچکی ہے۔ جس کو ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی نور اللہ مرقدہ نے لکھا، موصوف مرحوم نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ سے دس مرتبہ بخاری شریف پڑھی، اس کے بعد

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر بخاری کو جمع اور مرتب فرمایا، اور "فیض الباری"
کے نام سے پانچ جلدوں میں شائع فرمایا۔

ترجمان السنۃ

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی نور اللہ مرقدہ کی اور بھی تصانیف ہیں، جن میں زیادہ مشہور "ترجمان السنۃ" ہے جو چار جلدوں میں ہے۔ چوتھی جلد معجزات کے بیان میں ہے۔ چوتھی جلد کو تصنیف کے بعد لے کر روضۂ اقدس علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر حاضر ہوئے اور مندرجہ ذیل اشعار پڑھے؛

اک جلد معجزات کی لایا ہوں نذر کو
اس کے سوا تو حوصلہ کیا ہے غلام کا

کر لیں اگر قبول تو کیسا شرف ملے
پشتوں کو اس حقیر کی اور اس غلام کو

ہو جائے یہ نصیب تو رہ جائے یادگار
بخشش کی اک کریم کی اپنے غلام کو

ہاں جنت بقیع میں میری بھی ہو جگہ
اس کی بہت تڑپ ہے مجھ ایسے غلام کو

کتنی بڑی ہوس ہے جو دل میں عمر کے تھی
ہو جائے گر نصیب غلامِ غلام کو

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ مدینہ طیبہ میں وفات ہوئی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

....

بذل المجهود

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود پانچ جلدوں میں ابوداؤد شریف کی شرح کی۔ جو حضرت مولانا مفتی تقی الدین مظاہری وندوی زیدمجدہم کی تعلیق وتحقیق کے ساتھ چودہ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ ردشیعیت میں مطرقۃ الکرامہ اور براہین قاطعہ جیسی کتابیں لکھیں۔ اور ایک زمانہ تک دورۂ حدیث شریف تک کی پوری کتابیں حضرت نے خود پڑھائیں۔

اوجز المسالك

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موٹی موتی چھ جلدوں میں مؤطا امام مالک کی شرح "اوجز المسالك" فرمائی، جو آج ساری دنیا مین پھیلی ہوئی ہے، مصر میں چھپ رہی ہے اور کہاں کہاں چھپ رہی ہے۔ اور اب شیخ الحدیث حضرت مولانا تقی الدین مظاہری وندوی کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ ضخیم اٹھارہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

""حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی "الكوكب الدرى" اور تقریر ترمذی اور بخاری شریف کی تقریر "لامع الدراری" کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ کتنی خدمت کی حدیث کی۔

الكوكب الدرى

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نور اللہ مرقدہ نے دورانِ درس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی ترمذی شریف کی تقریر قلمبند فرمائی، جس کو ان کے صاحبزادۂ محترم

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنے حاشیہ کے ساتھ ''الکوکب الدرّی'' کے نام سے دو جلدوں میں شائع فرمایا۔

الکنز المتواری

اسی طرح بخاری شریف کے درس کی تقریر نقل فرمائی جس کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ نے ''لامع الدراری'' کے نام سے تین جلدوں میں شائع فرمایا۔ اور اب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کے تلمیذ رشید اور خلیفۂ خاص حضرت مولانا ملک عبد الحفیظ مکی زید مجدہم کی زیر نگرانی ''لامع الدراری'' پر تعلیق وتحقیق کا کام کیا گیا، اور تعلیق وتحقیق کے بعد ''الکنز المتواری فی لامع الدراری وصحیح البخاری'' کے نام سے چوبیس ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

کفایت المفتی

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ ''کفایت المفتی'' تقریباً نو جلدوں میں چھپے ہیں۔

فتاویٰ دار العلوم

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ ''فتاویٰ دار العلوم'' کے نام سے تقریباً پندرہ جلدوں میں چھپ چکے ہیں۔

فتاویٰ امدادیہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ پانچ

جلدوں میں ''فتاویٰ امدادیہ'' کے نام سے چھپے ہوئے ہیں۔

خدماتِ دارالعلوم دیوبند

حضور اقدس ﷺ کی سنتوں کی تعلیم دینے والے، فقہ، حدیث، تفسیر پڑھانے والے علماء دیوبند ہیں۔ تمام دنیا میں علمائے دیوبند کا فیض پھیلا ہوا ہے، دارالعلوم کے فضلاء اور فیض یافتہ یا فضلاء کے فضلاء تمام عالم میں پھیلے ہوئے ہیں، جو مدارس، مساجد، خانقاہوں کے ذریعہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو غصے میں بھرے ہوئے آئے کہ علماء دیوبند کا مقابلہ کریں گے، ان کی مخالفت کریں گے۔ لیکن جیسے ہی دارالعلوم میں داخل ہوئے دارالحدیث میں دیکھا ''قال اللہ قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کی آوازیں سنیں ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ فوراً تائب ہو گئے اپنی بدعات سے۔

حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہوئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ان میں سے ہر ایک نے دین کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں۔ جہاد کے اندر خوب بہادری سے کام کیا۔ تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے بھی دین کی اشاعت کی۔ مدارس قائم کئے، خانقاہوں کا سلسلہ پھیلایا، افراد سازی کا کام بڑے پیمانہ پر کیا کہ ان حضرات کے تربیت یافتہ حضرات نے دنیا بھر میں اشاعت دین، احیائے سنت، دعوت وتبلیغ کا وسیع پیمانہ پر کام کیا کہ دنیا بھر میں اس کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ جس سے عقلیں حیران ہیں۔

بیان القرآن

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن پاک کی

تفسیر ”بیان القرآن“ لکھی۔ جو انتہائی جامع تفسیر ہے۔

اعلاء السنن

علم حدیث میں ”اعلاء السنن“ لکھوائی۔ جو اٹھارہ جلدوں میں ہے۔ جس میں فقہ احناف کے دلائل و مستدلات کا بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ فقہ حنفی کے فروغ کے لئے مختلف کتابیں لکھیں۔ علم تصوف کا خوب کام کیا۔ اس کے اندر کتابیں تصنیف کیں۔ مثلاً ”التکشف عن مھمات التصوف“ ”بوادر النوادر“ وغیرہ ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ دین کا کوئی موضوع ایسا نہیں جس سے متعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف نہیں فرمائی۔

غرض جہاں بھی جائے دین کی اشاعت کرے۔ یہ تڑپ ہونی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ مخلوقِ خدا کے پاس دین پہنچ جائے۔ اسی مقصد کو لے کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے، اسی مقصد کی تکمیل کے واسطے کہ دین کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ پوری زندگی گذاری اور بے مثال قربانیاں دیں۔

جیل میں حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا قرآن پاک پڑھانا

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے جیل میں رکھا گیا۔ وہاں کسی شخص کو کسی مجرم کو حضرت نے قرآن پاک شروع کرا دیا۔ حضرت مولانا کی جیل کی مدت پوری ہوگئی، رہائی کا پروانہ مل گیا کہ آپ جا سکتے ہیں۔ اس شخص نے (جس کو قرآن پاک شروع کرایا تھا) کہا: کہ حضرت آپ جا رہے ہیں میرا تو قرآن شریف رہ گیا، مکمل نہیں ہوا، حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں، میں نہیں جا رہا ہوں میں ٹھہروں گا، چنانچہ اس کا قرآن پاک پورا کرنے کیلئے جیل میں خود ٹھہرے رہے۔ اس کا قرآن شریف

پورا کرا کے جیل سے باہر آئے۔

حکومت کہتی ہے کہ آپ کی مدت پوری ہوگئی ہے مگر یہ کیوں جائیں؟ وہاں قرآن شریف پورا کرانا ہے۔ دین کی اشاعت جیل کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی بیعت تھے، حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اور تقریباً دس برس حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رہے۔ انہوں نے یہ تبلیغ کا سلسلہ قائم کیا جو ساری دنیا میں جاری ہے۔ مکہ مکرمہ میں، مدینہ طیبہ میں، منیٰ میں اور مزدلفہ میں، عرفات میں، جہازوں پر، ریلوں پر ہر جگہ جاری ہے۔ اور دنیا کے ہر ہر ملک اور ہر ہر شہر اور ہر ہر بستی میں تبلیغی کام ہو رہا ہے اور تبلیغی کام کی برکت سے پوری دنیا میں ایک عظیم اسلامی انقلاب پیدا ہوگیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر بیت اللہ کا پردہ پکڑ پکڑ کر دعائیں کیں کہ یا اللہ جو لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں ان پر بھی مہربانی اور کرم فرما۔ اور جو لوگ میری مخالفت کرتے ہیں ان پر بھی مہربانی اور کرم فرما۔ وہ اپنے مخالفین کے لئے بھی دعائیں کرتے ہیں۔

امت کے لئے بیقراری

اور ایسا مجاہدہ کیا ہے شروع شروع میں تبلیغ کے سلسلہ میں کہ حیرت ہوتی ہے اللہ الصمد! دبلے پتلے چھوٹے سے آدمی مگر جوش تھا جوش۔ رات کو رو رہے ہیں۔ سارے گھر میں اٹھ کر رات کو گشت کر رہے ہیں۔ گھوم رہے ہیں۔ ہائے اللہ! میں کیا کروں۔ ہائے اللہ! میں کیا کروں۔ بیوی کی آنکھ کھل گئی، بیوی نے کہا: کیا بات ہے؟ کچھ پیٹ میں

درد ہے؟ کیا تکلیف ہے؟ کہا: اللہ کی بندی تو پڑی سورہی ہے، تو بھی اٹھ جا، چار آنکھیں رونے والی ہو جائیں گی، خدا کے سامنے میں نے امت محمدیہ ﷺ کے خون کی نہریں دیکھی ہیں۔ چنانچہ اسی سال ۱۹۴۷ء کے ہنگامے پیش آئے اتنے مسلمان قتل ہوئے خدا کی پناہ۔

امرِ غیبی

۱۳۴۴ھ میں دوسرے حج کے لئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمرکابی میں تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا فرماتے تھے؛

"کہ مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران میں مجھے اس کام (تبلیغ) کے لئے امر ہوا اور ارشاد ہوا، ہم تم سے کام لیں گے۔ کچھ دن میرے اس بے چینی میں گذرے کہ میں ناتواں کیا کرسکوں گا؟ کسی عارف سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: کہ پریشانی کی کیا بات ہے۔ یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کروگے، یہ کہا گیا ہے کہ ہم تم سے کام لیں گے، بس کام لینے والے کام لے لیں گے۔"

اسے بڑی تسکین ہوئی اور حرمین شریفین میں پانچ مہینہ قیام کے بعد ۱۳/ربیع الثانی ۴۵ھ کو واپسی ہوئی۔

تبلیغی گشت کی ابتداء

حج سے واپسی پر حضرت مولانا نے تبلیغی گشت اور تبلیغی دورے شروع فرمائے کہ عوام میں نکل کر دین کے اوّلیں اصول وارکان (کلمۂ توحید اور نماز) کی تبلیغ کریں۔

خود بھی بڑے بڑے دَورے فرمائے اور دوسروں کو بھی جماعت بنا کر مختلف علاقوں میں بھیجنا شروع فرمایا اور حضرت مولانا کی انتھک مساعی کی وجہ سے ملک بھر میں سلسلۂ تبلیغ شروع ہو گیا اور بہت سے رسوم ورواج ختم ہوئے، باہمی نزاعات کے فیصلے ہوئے

اور ہزاروں لاکھوں بندگانِ خدا جو معاصی میں مبتلا تھے اور دین سے ناآشنا تھے توبہ کر کے دیندار بن گئے۔ کتنے چور اور ڈاکوؤں اور جرائم پیشہ لوگوں نے توبہ کی اور کتنے خدا سے ناآشنا لوگ نوافل تک کے پابند اور اخیر شب میں سر بسجود ہونے والے اور امت کے لئے گڑگڑا کر اپنے خدا سے مانگنے والے بن گئے۔

دعوت کا انہماک

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"اس موضوع (احیاءِ دین) کے سوا کوئی بات کہنا تو درکنار سننا تک گوارا نہ تھا، اگر کوئی شخص دوسری بات سامنے شروع کر دیتا تو اکثر اوقات برداشت نہ فرما سکتے اور فوراً روک دیتے۔ خدام میں سے کوئی خیریت مزاج پوچھتا تو فرماتے:

بھئی! تندرستی بیماری تو انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، اس میں کیا خیریت اور بے خیریت۔ خیرت تو جب ہے کہ جس کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں وہ کام ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مبارک کو چین ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حال میں چھوڑا تھا اس میں ادنیٰ تغیر آنے کو بھی وہ خلافِ خیریت سمجھتے تھے۔" (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت: ۱۶۶، بحوالہ رسالہ الفرقان ماہ رجب وشعبان ۱۳۶۳ھ)

"کاندھلہ سے کچھ اعزہ عیادت کے لئے آئے، مولانا نے پوچھا: کس لئے آئے؟ کہنے لگے: آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لئے۔ فرمایا: جو مٹنے کے لئے بنا ہے اس کی خیریت پوچھنے کے لئے کاندھلہ سے یہاں تک آئے، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عزیز جو مٹنے والا نہیں وہ مٹا جا رہا ہے اور تم

اس کی خبر نہیں لیتے۔"(ایضاً:۱۶۷)

درد و بے قراری

حضرت مولانا علی میاں نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا کا سا درد اور بے قراری دیکھنے میں نہیں آئی، جس شخص نے نہیں دیکھا وہ تصور نہیں کر سکتا، بعض اوقات ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے:"میرے اللہ! میں کیا کروں؟ کچھ ہوتا نہیں۔" کبھی کبھی دین کے اس درد اور اس فکر میں بستر پر کروٹیں بدلتے اور بے چینی بڑھتی تو اٹھ کر ٹہلنے لگتے، ایک رات والدۂ مولانا یوسف صاحبؒ نے پوچھا: کہ آخر کیا بات ہے کہ نیند نہیں آتی؟ فرمایا: کیا بتلاؤں اگر تم کو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہو جائیں۔

بعض اوقات دیکھنے والوں کو ترس آتا اور تسکین دیتے، بعض مرتبہ اس جوش کے ساتھ گفتگو کرتے کہ معلوم ہوتا کہ سینہ میں تنور گرم ہے، حمیتِ اسلامی اور جذبات کا ایک طوفان برپا ہے، زبان ساتھ نہیں دیتی، اور الفاظ مساعدت نہیں کرتے، بعض مرتبہ پورا درد دل کہنے کے بعد غالب کے مشہور شعر کو بڑی لطیف ترمیم کے ساتھ پڑھتے:

بک رہا ہوں جوش جنوں میں کیا کیا
کچھ تو سمجھے خدا کرے کوئی

کبھی سامعین کے اضطراب اور وحشت کا خیال کر کے خاموش ہو جاتے، لیکن یہ شعر (جو حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خطوط کے آخر میں بار بار لکھا ہے) حسبِ حال ہوتا:

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

اس کیفیت کو دیکھ کر اندازہ ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کو ان کے زمانہ کے لوگ مجنوں کیوں کہتے تھے؟ اور ”لعلك باخع نفسك الا یکونوا مومنین“ کی تنبیہ کی بار بار ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔ اس درد و بے قراری سے عہد سلف کے اولوالعزم اور دردمند انسانوں کے سوز و اضطراب کا اندازہ ہوتا تھا کہ دین کے انحطاط و تنزل اور اپنے زمانہ کی دینی ویرانی کا ان کو کیسا احساس تھا اور دین کی وہ کیا غیرت و حمیت تھی جس نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے بار بار یہ شعر لکھوایا:

آنچہ من گم کردہ ام گر از سلیماں گم شدے
ہم سلیماں ہم پری ہم اہرمن بگریستے

اور یہ الفاظ ان کے قلم سے نکلے، واویلاہ، واحزناہ، وامصیبتاہ،
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است اتباعِ او ذلیل وخوارند و دشمنانِ او باعزت واعتبار“

(حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت: ۲۱۳)

دل کی اس تپش اور حرارت کے ساتھ اور طبیعت کی اس بے چینی اور بیقراری کے ساتھ یہ انہیں کا ظرف وضبط تھا کہ ہنستے بولتے بھی تھے، لوگوں کا اکرام بھی کرتے تھے اور دنیا کے سب کام کرتے تھے، ورنہ یہ شعلۂ جانسوز جس کو برسوں سے سینہ میں لئے ہوئے تھے کسی اور کام کا نہ رکھتا تو تعجب نہ تھا، اور بالآخر اس کے سوز سے شمع کی طرح پگھلتے پگھلتے شب عمر نے سحر کر دی۔

ہمچو شبنم دیدۂ گریاں شدم تا این آتش پنہاں شدم

شمع را سوز عیاں آموختم خود نہاں از چشمِ عالم سوختم

شعلہ ہا آخر زہر مویم دمید
از رگِ اندیشہ ام آتش چکید

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کی اس بے چینی اور بے کلی کا اندازہ حضرت کے اس خط سے کچھ ہوگا۔ تحریر فرماتے ہیں؛

"میں جناب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحِ پاک کو اپنی اس اسکیم کے زندہ ہوئے بغیر بے چین پا رہا ہوں۔ اور اس وقت دنیا میں مذہب کی تازگی اور تمام دنیا کی اسلامی مخلوق کی بلاؤں اور آفات کا دفعیہ مجھے کھلی آنکھوں اپنی اس تحریک کی تازگی میں منحصر نظر آرہا ہے۔"

(حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت: ۲۹۳)

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں؛

"اس بات کا ضرور یقین کرنا چاہئے کہ جو شخص اسلام کے مٹنے کا درد لئے ہوئے بغیر مریگا اس کی موت بدترین موت ہے، مذہب کے فروغ سے غفلت والا اور اپنی ہی لذت اور دنیوی زندگی میں مست رہنے والا قیامت کے دن روسیاہ اٹھے گا۔

میرے دوستو! دین کی کوشش میں لگا ہوا شخص مرنے کے وقت تر و تازہ اور حضرت محمد ﷺ کے ساتھ سرخ روئی سے منہ کر سکے گا۔ اور محمدی دین سے غفلت میں مرنے والا روسیاہ اور محمد ﷺ کے سامنے منہ نہ کرنے کے قابل اور بری موت مرے گا، دین کے اندر کوشش حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے درد کا مرہم ہے۔ اتنی بڑی ہستی کے مرہم کا فکر نہ کرنا بڑی جہالت اور سخت بڑی بات ہے۔" (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت: ۲۹۴)

۱۱؍رجب ۱۳۶۳ھ کو حضرت مولانا قدس سرہ کا وصال ہوا۔

”انا للہ وانا الیہ راجعون“

حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

”اس عاجز نے اور غالباً ہر دیکھنے والے نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں تین باتیں بہت ہی غیر معمولی درجہ میں دیکھیں؛ (۱) دین کا درد اور فکر۔ (۲) اللہ تعالیٰ پر اعتماد و یقین۔ (۳) معارف وحقائق کا فیضان۔ دین کے درد و فکر کے لحاظ سے ان کا حال بلا مبالغہ اس باپ کا سا تھا جس کا اکلوتا با کمال بیٹا جس سے اس کی بڑی امیدیں اور آرزوئیں وابستہ ہوں، سخت بیمار اور موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو اور اس کی زندگی اور صحت کی فکر نے تمام دوسری فکروں اور ذاتی مسئلوں کو بالکل دبا دیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اور اس کی مدد پر ان کو ایسا اعتماد و یقین تھا گویا قضا و قدر کے فیصلوں کو انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں، آخرت کے بارے میں، دین کے بارے میں جب باتیں فرماتے تو اہل علم اور اصحابِ درس بھی محسوس کرتے تھے کہ ان کے قلب پر حکمت کا فیضان ہو رہا ہے اور ”ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا“ کی تفسیر سامنے آجاتی۔

پھر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد ہر دیکھنے والے نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ یہ تینوں باتیں دفعتاً حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں آگئیں۔ اور ان تینوں میدانوں میں وہ بہت تیز رفتاری بلکہ برق رفتاری سے بڑھتے رہے۔“

(سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ: ۲۰۰)

وہابی کیا ہے؟

سائل: کہا جاتا ہے کہ دیوبندی وہابی ہیں۔کیا ایسا ہی ہے؟ اور یہ رضا خانی اور بریلوی کون ہیں؟

حضرت مفتی صاحب: سنئے وہابی کیا چیز ہے۔

ایک شخص گذرا ہے عرب میں، نام اس کا محمد بن عبدالوہاب اس نے ایک تحریک اٹھائی جس میں ظاہر یہ کیا کہ ہم سنت کا اتباع کریں گے، بدعت کو مٹائیں گے، نافرمانیوں کو ختم کریں گے، چنانچہ ان کے ساتھ بہت سارے آدمی ہو گئے، اور جو شخص بھی یہ بات کہے اس کے ساتھ حسن ظن قائم ہو ہی جاتا ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کو بھی یہ کہے گا کہ میں بدعتوں کو مٹاؤں گا اور نافرمانیوں کو ختم کروں گا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کروں گا، تو آپ کو بھی حسن ظن قائم ہوگا کہ بہت اچھا کام ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اتباع انہوں نے کیا، مگر ان کے پاس علم کم تھا، انہوں نے پڑھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طواف اونٹنی پر سوار ہو کر کیا۔ انہوں نے کہا: کہ میں بھی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کروں گا۔ یہی سنت ہے۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو یہ تھی کہ اتنی دیر تک اونٹنی مسجد میں رہی نہ پیشاب کیا، نہ پاخانہ، نہ اپنا لعاب ڈالا، اور انہوں نے جو طواف کیا اپنی اونٹنی پر چڑھ کر۔ اونٹنی نے پیشاب بھی کر دیا، پاخانہ بھی کر دیا، مسجد کو خراب کر دیا، تو ان کے پاس علم کم تھا، اتباعِ سنت کا شوق زیادہ تھا، بعد میں یہ بھی پتہ چلا کہ وہ تو حکومت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اس زمانہ کی حکومت نے ان کو شکست دیدی۔ اور اسی زمانے کی بات ہے کہ ادھر ہندوستان میں دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جہاد کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت سید احمد شہید، مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

وغیرہ نے جہاد کیا۔ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ قافلہ کو لے کر چلے جہاد کیلئے اور جہاد کیا۔ کئی لاکھ آدمی ان کے ساتھ تھے۔ انگریز کا تازہ تازہ ہندوستان پر تسلط تھا وہ بہت فکر مند تھا کہ کل کو یہ ہمارے ساتھ لڑیں گے، مقابلہ کریں گے، لہٰذا اس نے ان حضرات کو بہت سخت ایذائیں دیں۔ تکلیفیں دیں۔

ڈبلو ڈبلو ہنٹر جو صوبہ بنگال کا گورنر تھا، اس نے ایک کتاب لکھی ہے: ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' اس کتاب کا نام ہے۔ اصل کتاب تو انگریزی میں ہے، اس کا اردو ترجمہ یہ ہے: اس نے لکھا ہے کہ: ''ہم نے ان کی (مسلمانوں کی) بستیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ لیکن یہ تو برابر بڑھتے جارہے ہیں، جہاد کے نام پر ایسا جوش ہے ان کی طبیعتوں میں کہ ہر شخص سر کٹانے کو تیار ہے جہاد کے نام پر۔ اور چونکہ کسی قسم کی دنیاوی غرض ان کے سامنے نہیں۔ اس لئے لوگوں پر اثر ان کا بہت ہے۔ یہ لوگ رات کو تہجد پڑھتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، دن کو مخلوقِ خدا کی خدمت کرتے ہیں، یہ کیفیت ان کی ہے، ہم عوام کو، پبلک کو ان سے ہٹانا چاہتے ہیں تو ہٹا نہیں پاتے۔

تو ہم نے مجبور ہو کر عوام کو ان سے ہٹانے کے لئے یہ تدبیر کی کہ محمد ابن عبدالوہاب جو عرب میں تھا اس کو شکست ہوئی تھی، اس کی فوج بھی ختم ہوگئی تھی اور وہ بہت بدنام بھی ہوا تھا کہ قبروں کو توڑتے ہیں، زیارتِ قبور کو منع کرتے ہیں اور حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کو منع کرتے ہیں۔ ان کے متعلق یہ پروپیگنڈہ جب ہندوستان میں پھیلا تو ہم نے مجبوراً ان (مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مسلمانوں) کا رشتہ ان (محمد بن عبدالوہاب وغیرہ) سے جوڑ دیا اور مشہور کیا کہ یہ وہی پٹے ہوئے مہرے ہیں جو عرب میں تھے اب ہندوستان میں آئے ہیں۔ اور یہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے متعلق پھیلایا۔

پس یہ وہابی کا لقب دینے والا ہمارے علماء کو انگریز ہے حالانکہ محمد بن عبدالوہاب

سے نہ ہمارا کوئی تعلق استاذی شاگردی کا ہے کہ ہم نے ان سے پڑھا ہو وہ ہمارے استاذ ہوں، نہ وہ ہمارے پیر نہ مقتدا، ہم یہاں کے رہنے والے وہ وہاں کے، وہ یہاں ہمارے پاس نہیں آئے، اور ہم وہاں ان کے پاس نہیں گئے، ہمارا ان کا کوئی رابطہ نہیں۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ''الشہاب الثاقب'' اس میں بہت سے مسائل لکھے کہ ہمارا ان سے (وہابیوں سے) اختلاف ہے ان مسائل میں۔ لہٰذا ہم کو ان کی طرف منسوب کرنا ٹھیک نہیں غلط ہے۔

اب یہ کیفیت ہے کہ دنیا بھر کی گالیاں ایک طرف اور وہابی کا لفظ ایک طرف۔ وہابی کہدیا اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کرتا ہے۔ اولیاء اللہ کو نہیں مانتا۔ قبروں کی زیارت کو منع کرتا ہے۔ ساری باتیں اس ایک لفظ کے اندر، فاسق کہا جائے فاجر کہا جائے وہ اتنا سخت نہیں جتنا وہابی کا لفظ سخت ہے۔ ہم بار بار براءت کر رہے ہیں ڈیڑھ سو دو سو سال ہو گئے براءت کرتے ہوئے کہ ہمارا کوئی تعلق محمد بن عبد الوہاب سے نہیں ہے۔

رضاخانی یا بریلوی......حسام الحرمین اور براہین قاطعہ

مگر اسی زمانے میں مولانا احمد رضا خاں صاحب ۱۳۲۳ھ میں گئے ہیں بریلی سے حجازِ مقدس۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب یوپی کے شہر بریلی کے رہنے والے ہیں اس لئے ان کو بریلوی کہتے ہیں اور ان کا ساتھ دینے والوں کو بریلوی اور رضا خانی بھی لوگ کہتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب ایک کتاب لکھ کر لے گئے۔ اس کتاب کا نام ''حسام الحرمین'' ہے۔ اس میں بتلایا گیا کہ ہندوستان کا حال بہت تباہ ہو رہا ہے۔ وہاں ایک مرزا قادیانی ہے جو لوگوں کو قادیانی بنا رہا ہے۔ ایک سر سید ہے جو لوگوں کو دہریہ بنا رہا ہے۔ اور ایک رشید احمد گنگوہی ہے جو لوگوں کو بددین بنا رہا ہے۔ یہ سب ایک ہی لائن کے آدمی ہیں۔ آج

مسلمانوں کے دین کے سنبھالنے کا دارومدار آپ لوگوں کی تحریر پر ہے۔ لہٰذا اس پر دستخط کر دو۔ ہمارے بزرگوں کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ کر کے پیش کیا، ان کے سامنے اور وہاں کے بہت سے علماء دھوکہ میں آ گئے اور انہوں نے دستخط کر دیئے۔

اسی زمانے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں تھے حجاز مقدس میں۔ انہوں نے اٹھائیس سوالات لکھ کر بھیجے سہارنپور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس، ان ہی مسائل سے متعلق جو حسام الحرمین میں لکھے تھے۔ مولانا نے خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عربی میں ان کے جوابات لکھے اور بہت سارے علماء کے اس پر دستخط کرائے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ اس کو لے کر گئے حجازِ مقدس۔ وہاں سے شام گئے۔ وہاں کے علماء سے بھی اس پر دستخط کروائے۔ تو جن علماء نے اس سے پہلے حسام الحرمین (مولانا احمد رضا خاں کی کتاب) پر دستخط کئے تھے ان کے سامنے پیش کیا، تو انہیں بڑا افسوس ہوا کہ ہمیں دھوکہ دے کر یہ کیا گیا کہ دستخط کرائے گئے تھے۔ حالانکہ یہ لوگ (علماءِ دیوبند) تو بڑے اللہ کے ولی ہیں، بڑے متبع سنت لوگ ہیں وہ جن کو وہابی کہہ کر آج یہ بدنام کر رہے ہیں۔

حضرت فقیہ الامت قدس سرہ کی
حضرت مولانا عبد القادر طرابلسی قدس سرہ سے ملاقات

میری خود ملاقات ہوئی ایک صاحب سے نام ان کا مولانا عبد القادر طرابلسی۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: کہ ہندوستان میں ایک مولوی احمد رضا اور ایک جماعت علماء دیوبند تھی۔ ان میں آپس میں اختلاف تھا۔ اب کیا حال ہے ان کا؟ میں نے کہا: آپ طرابلس کے رہنے والے، آپ کو کیا خبر ہے اس کی؟ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ انہوں نے کہا: کہ مولوی احمد رضا خاں یہاں آئے تھے اور انہوں نے مجھ سے خود کہا تھا، کتاب لکھ کر لائے تھے، کہا تھا کہ اس پر دستخط کر دو، میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ بھئی یہ کتابیں تو اردو میں ہیں۔ میں اردو تو

جانتا نہیں میں کیسے دستخط کردوں بغیر سمجھے۔ تو انہوں نے یوں کہا: کہ میں اس کا ترجمہ عربی میں کئے دیتا ہوں۔ میں نے کہا: کہ آپ تو مدعی ہیں خود۔ آپ کا ترجمہ معتبر کیسے ہوگا؟ مگر انہوں نے میرے ایک شاگرد کو پکا کرلیا۔ شاگرد کو انہوں نے سمجھایا۔ شاگرد نے مجھے سمجھایا تو میں نے یہ عبارت لکھی کہ اگر یہ عبارات واقعی ان حضرات کی ہیں جن کا نام لیا ہے اور ان کا یہی مطلب ہے جو یہ بیان کررہے ہیں۔ آگے پیچھے سے ملا کر مطلب نہیں بدل جاتا تو یہ عبارات کفریہ ہیں ان کا لکھنے والا کافر ہے۔ اور انہوں نے سب کو ایک لائن میں شمار کیا۔ مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اور مرزا غلام احمد قادیانی کو اور سرسید احمد خاں کو، سب کی عبارتیں نقل کیں، قادیانی کی سرسید کی اور یہ کہا: کہ یہ سب ایک ہی لائن کے آدمی ہیں۔ اور پھر ان کو اتنا بدنام کیا اتنا بدنام کیا مولوی احمد رضا خاں صاحب نے کہ دنیا بھر میں پھیلا دیا۔ رسالے لکھ لکھ کر چھاپ چھاپ کر۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے پاس فتویٰ قلمی لکھا ہوا ہے۔ مولانا رشید احمد صاحب کا کہ خدا جھوٹ بولتا ہے۔ اور یہ کہا: کہ آج تک اس کی تردید شائع نہیں کی حالانکہ فتاویٰ رشیدیہ میں دیکھ لیجئے، مولانا رشید احمد صاحب نے جو لکھا وہ یہ ہے کہ جو شخص کہے یا اعتقاد رکھے کہ خدا جھوٹ بولتا ہے وہ قطعاً کافر ہے، ہرگز مسلمان نہیں، وہ یہ فرماتے ہیں انہوں نے یہ لکھا نقل کیا ان کی طرف سے۔

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مغالطہ

مناظرے میں بیان کرتے ہیں کہ دیکھو وہابی لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مرکرمٹی میں مل گئے، یہ ان کا عقیدہ ہے، حالانکہ فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے:

”سوال: زید یہ کہتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مرکرمٹی میں مل گئے، یہ اس کا عقیدہ صحیح ہے یا نہیں؟“

جو سوال تھا سوال کرنے والے کا اس کو مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف

منسوب کیا کہ انہوں نے فتاویٰ میں یہ لکھا ہے۔ حالانکہ وہ عبارت سوال کی ہے مولانا کی نہیں۔ مولانا نے جو جواب دیا وہ یہ ہے کہ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ

”وفات کے بعد حضور اقدس ﷺ کو قبر میں مٹی میں دفن کیا گیا تو یہ بات صحیح ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ وہ مٹی بن گئے تو یہ بات غلط ہے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کا جسم ہمیشہ محفوظ رہتا ہے اس کو مٹی نہیں کھا سکتی۔“

براہین قاطعہ میں یہ لکھا ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم الغیب ہیں کہ دیکھو انبیاء کو وہاں عالم الغیب مان رہے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے براہین قاطعہ میں یہ نہیں بلکہ براہین قاطعہ میں یوں لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور عالم غیب میں اللہ تعالیٰ کی اجازت سے آتے جاتے ہیں۔ انہوں نے ”عالَمِ غیب میں“ کو ”عالِمِ غیب ہیں“ بنا دیا۔ عالم میں لام کے زبر کو زیر سے بدل دیا اور میں کو ہیں بنا کر بات ختم کر دی۔ چنانچہ مناظرہ میں اس کی نوبت آئی تھی۔

ہم نے کہا: شرم نہیں آتی، ڈوب کے نہیں مرا جاتا کہیں، پانی نہیں ملتا ڈوب کر مرنے کے لئے کیا براہین قاطعہ میں یہی لکھا ہے، جو پڑھ رہے ہو ان کو دکھلایا۔

عقائد علمائے دیوبند

سائل: علماء دیوبند کے عقائد کیا ہیں؟

مفتی صاحب: وہی دیکھئے اٹھائیس سوالات جو بھیجے تھے، اس کے جوابات عربی میں لکھے تفصیل اس میں ہے۔ اس کتاب کا نام ہے ”التصدیقات لدفع التلبیسات“ اور پھر اس کا اردو میں ترجمہ کر کے بھی شائع کیا گیا۔ اس کا نام ہے ”عقائد علمائے دیوبند“ جو عقیدہ جس کے متعلق پوچھنا ہے پوچھئے میں بتاؤں گا۔

………………………………………………

عجیب واقعات

سائل: یہاں بدعات تو جہالت کی وجہ سے تھیں، لیکن اب کچھ رضا خانی آرہے ہیں۔
حضرت: جی! اس واسطے کہ وہاں سے ان کا پتہ کٹ رہا ہے۔ ان کو کوئی جگہ تو چاہئے جینے کے لئے۔

کتابیں منگائیے جن کتابوں پر وہ اعتراضات کرتے ہیں۔ علماء دیوبند کی وہ کتابیں منگائیے۔

تحذیر الناس کی ایک عبارت پر اعتراض اور اس کا جواب

مثلاً ایک اعتراض کیا مناظرہ میں کہ ''تحذیر الناس'' میں مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا لکھا ہے۔ میں نے کہا: کس گنبد میں آپ آرام فرمارہے ہیں۔ ایک صدی سے زائد کا زمانہ گذر چکا ہے اس کا جواب چھپے، شائع ہوئے وہ آپ نے نہیں دیکھا۔

کہنے لگے: یہ تو ایسا ہو گیا جیسے کہ کوئی کسی لڑکے کو جوتا مار دے اور وہ کہے کہ میں ابا سے شکایت کر دوں گا۔ ایسا ہی ہو گیا ہے۔

میں نے کہا: بالکل صحیح سمجھا آپ نے۔ اول تو وہ کمینہ نہایت بزدل نالائق ہے جو اپنے سے کمزور لڑکے کو جوتا مار دے۔ کمینہ ایسی حرکت کیا کرتا ہے۔ کچھ بہادری ہے تو اپنے برابر والے کا مقابلہ کر کے دیکھے تو چھٹی کا دودھ یاد آجائیگا۔ اور جس بچے کے سر پر باپ موجود ہے وہ تو یہی کہدیگا کہ ابا سے شکایت کر دوں گا اور جو بغیر باپ کا ہو وہ کس سے کہے گا، اماں سے کہے گا باپ تو ہے نہیں کس سے شکایت کروں۔ باپ تو حق تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اب بس یہ الزام دیتے پھرتے ہیں کہ علماء دیوبند کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق نہیں ہے۔ خود کو اہل سنت کہتے ہیں۔ غلط فہمیاں پھیلاتے پھرتے ہیں۔

....

ایک رضاخانی کی تقریر

ایک جگہ سات آٹھ نو آدمی تبلیغی جماعت والے، وہاں مولانا احمد رضا خاں صاحب کے ایک شاگرد آئے۔ انہوں نے تقریر کی، ایسی آگ برسائی تقریر میں کہ اللہ کی پناہ۔ سب لوگ دشمن ہو گئے ان تبلیغ والوں کے، ان کا گھر سے نکلنا دشوار ہو گیا۔ اور بات یہی کہی کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ توہین کرتے ہیں۔

مولانا منظور صاحب اور مولانا حشمت علی صاحب کا مناظرہ

حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی سے مناظرہ تھا مولانا حشمت علی کا۔ مولانا حشمت علی نے کہا: کہ تم نے گستاخی کی، تم نے توہین کی رسول اللہ ﷺ کی، تم توہین کرتے ہو، ایک دفعہ کہا، دو دفعہ کہا، تو حضرت مولانا منظور صاحب نے کہا: کہ بے غیرت تجھے شرم نہیں آتی، تیرے سامنے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی جارہی ہے تو سلامت بیٹھا ہے تجھ سے مرا کیوں نہیں جاتا، تو میرے سامنے توہین کر کے دیکھ ابھی تیرے پیٹ میں چاقو ماردوں گا۔ کیا یہی محبت اور عشق ہے کہ تیرے سامنے توہین کی جارہی ہو اور تو بیٹھا مزے سے پان کھا رہا ہے۔

حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کی عشاء کے بعد سے فجر تک تقریر

یہ دعویٰ تو بہت آسان ہے دوسروں کو کہہ دینا بہت آسان ہے کہ تو نے توہین کی۔ تو وہاں تبلیغی جماعت والوں کا نکلنا بند ہو گیا گھروں سے مجھے، اطلاع کی گئی میں نے کہا: اچھی بات ہے تم اعلان کراؤ دیہات میں سب جگہ آس پاس کہ ایک وہابی کی تقریر ہو گی، اور دیکھو وہابیوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں اور اگر ان سے

کہا جاتا ہے کہ تم گستاخی کرتے ہو تو منکر ہو جاتے ہیں۔

دو ہفتے تک اعلان ہوا اس کے بعد میں گیا۔ گرمیوں کا زمانہ، کھلے ہوئے میدان میں جلسہ تھا کوئی پنڈال وغیرہ نہیں تھا، عشاء کی نماز کے بعد تقریر شروع ہوئی، اسمیں بتایا: کہ حضور اقدس ﷺ کے حقوق کیا ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیسے وہ حقوق ادا کئے، تابعین نے کیسے ادا کئے۔ ائمہ مجتہدین نے کیسے وہ حقوق ادا کئے، ہمارے اکابر نے کیسے ادا کئے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کا ذکر مبارک تو اتنا ہے کہ ساری زندگی ختم ہو جائے تو ختم نہ ہو۔ یہ بیان کیا اور اپنے اکابر کا نام لے کر بیان کیا کہ فلاں نے یہ خدمت کی فلاں نے یہ خدمت کی، فجر کی اذان تک تقریر کی، اور اڑتالیس میل تک کے علاقے کے لوگ لاٹھیاں لے کر آئے تھے کہ آج اس وہابی کی ہڈیاں توڑ دینی ہیں جو حضرت رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے گا۔ اذان تک تقریر کی۔ اذان پر وہ لوگ یہ کہہ کر اٹھے کہ بھئی اگر یہ وہابی ہے تو آج سے ہم بھی وہابی ہیں۔

پھر ان پیر صاحب کو اطلاع کی کسی نے کہ ایک وہابی آیا تھا اس نے ساری فضا خراب کر دی یہاں کی۔ وہ پیر صاحب آئے اور جوان کا سب سے بڑا مرید تھا جس کے یہاں ٹھہرتے تھے جس کے ذریعہ سے انتظام ہوتا تھا جلسے کا، ان کے مکان پر آئے، اس نے کھڑے ہو کر تعظیم و تکریم کی کہ آئیے تشریف لائیے اور آتے ہی یہ کہا: کہ آپ میرے پیر صاحب ہیں میں آپ کا مرید ہوں میں نے آپ کی بیعت فسخ نہیں کی، آپ تشریف لائیں گے، آپ کے لئے ٹھہرنے کا انتظام کروں گا، بستر ے کا انتظام کر دوں گا، اور جب آپ رخصت ہوں آپ کے لئے سواری کا انتظام کروں گا، لیکن ایک درخواست ہے، آپ اگر چاہیں کہ آپ کی تقریر ہو تو تقریر آپ کی نہیں ہو سکتی۔ اسی کے انتظام سے تقریر ہوا کرتی تھی، تو وہ قصہ ختم ہوا۔

....

حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ کی مشغولی

اس واسطے ہم لوگ تو اپنے کام میں اتنے لگے ہوئے ہیں کہ ہمیں فرصت نہیں ملتی، ڈاک کا گڈا کا گڈا سامنے رکھا ہوتا ہے ان کے جوابات لکھوانے، سبق پڑھانا، مسائل بتانے اتنی مشغولیت کہ اس کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی۔

میرا معمول ہمیشہ سے یہ تھا کہ عید کی نماز پڑھ کر ہمیشہ اپنے گھر جایا کرتا تھا، بچیوں سے ملنے کے لئے، اب کے موقع نہیں ملا، ۲۷؍شوال تک موقع نہیں ملا گھر جانے کا۔ پھر میں ستائیس کو گیا اس طریقہ پر کہ ۲۷؍کو فجر کی نماز دیوبند سے پڑھ کر گیا اور ۲۷؍کو ظہر کی نماز دیوبند آ کر پڑھی، گیا تھوڑی دیر ٹھہرا۔

تبلیغی جماعت کے بارے میں غلط فہمی

ہوڑہ میں ان حضرات نے کانفرنس کی، ستاون ہزار روپیہ اس کے لئے چندہ کیا، ان بریلوی حضرات نے تقریریں کیں، جو بڑے بڑے مقرر تھے ان کو بلایا، ایک صاحب نے کہا: تبلیغی جماعت کو کوئی نہیں جانتا دنیا میں، یہ بیس پچیس آدمی محلہ کولوٹولہ کے رہنے والے، اس مسجد سے اس مسجد میں چلے گئے، اس محلے سے اس محلے میں آ گئے، کسی کو نیچا نیچا کرتا پہنا دیا کہ یہ عرب کا ہے بھائی، یہ بیس پچیس آدمی ہیں ان سے بے فکر رہنا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے بندے کہاں تک جھوٹ بولیں گے، کوئی حد ہے جھوٹ کی، کیا ساری روئے زمین پر جو تبلیغی آدمی ہیں وہی بیس پچیس آدمی ہیں جو کلکتہ میں ہیں اور کہیں کوئی نہیں جانتا، اتنے بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں۔ اللہ الصمد کا پلٹ ہوگئی۔ لوگوں کے حالات بدل گئے، زندگیاں بدل گئیں۔ کتنے لوگ ایسے تھے جو حج کے لئے جاتے تھے ان کو گھڑی کا نرخ معلوم ہوتا تھا، مگر یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ حج کیسے کرتے ہیں۔

ہر جگہ ان (تبلیغی) حضرات نے جا کر حج کا طریقہ بتلایا، سکھلایا، صحیح طریقے پر حج کرنے کی ترکیبیں بتلائیں۔

وہاں (ہوڑہ میں) ایک بڑے پیر صاحب تھے، ان پیر صاحب کے مریدین سب کے سب تبلیغ میں آ گئے۔ پیر صاحب کو پتہ چلا، آئے، ان کو (مریدین کو) بلوایا، بلا کر ڈانٹا: خبیثو! مردودو! ملعونو! تم بھی مرتد ہو گئے، کافر ہو گئے، الیاسی ہو گئے، تبلیغی ہو گئے، جب وہ سب کچھ کہہ چکے تب ایک صاحب نے عرض کیا: کہ

حضرت! ہم کچھ نہیں جانتے، ان (تبلیغی لوگوں) کے عقائد کیسے ہیں؟ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے گھر کا راستہ بتایا، مسجد میں جانے کا کہ نماز پڑھا کرو۔ اور حضرت! آپ کی خدمت میں ہم حاضر ہو کر نذرانہ بھی پیش کرتے ہیں، گالی تو ضرور سنی، لیکن کبھی نہیں سنا آپ کی زبانِ مبارک سے کہ نماز بھی پڑھا کرو۔ ہم کچھ نہیں جانتے تبلیغ والوں کہ وہ کیسے ہیں؟ بس اتنا جانتے ہیں کہ انہوں نے نماز پڑھنے کے لئے کہا۔ خدا کے گھر کا راستہ بتادیا۔

یہ حالات ہیں، بڑی بڑی ان کی خانقاہیں ہیں۔ جہاں اگر کوئی دیوبندی داخل ہو جائے تو بس برا حال ہوتا ہے۔

بریلوی صاحب کا دیوبندی کے مسجد میں آنے سے مسجد دھلوانا

کانپور میں ایک صاحب اپنی مسجد کی دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے (وہاں کے بڑے مفتی اعظم) ایک طالب علم سڑک سے گذر رہا تھا، سڑک کے کنارے یہ مسجد تھی، اس طالب علم نے دیکھا: کہ کوئی صاحب (بزرگ) بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ مسجد میں چلا گیا، چل کے مصافحہ کیا، اس (مفتی اعظم صاحب) نے پوچھا: کون ہو تم؟ کہا: (طالب علم نے) سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم کا طالب علم ہوں، ہاتھ جھٹک دیا فوراً (مفتی اعظم صاحب نے) مؤذن کو آواز دی کہ

دیکھو کون کتا گھس آیا مسجد میں، نکالو اس کو یہاں سے۔

مسجد میں کوئی دیوبندی چلا گیا تو اس مسجد کو پاک کراتے تھے کہ مسجد ہی ناپاک ہوگئی۔ خود سب کچھ کرتے رہیں، ہمیں کیا؟ وہ جانیں ان کے اعمال جانیں، مگر یہ حال ہے۔

اگالدان کا نام دیوبند

مولانا حشمت علی صاحب (مولانا احمد رضا خاں کے خلیفہ) کی ایک جگہ پر تقریر ہو رہی تھی لاؤڈ اسپیکر پر۔ آواز مجھ تک بھی آ رہی تھی، تقریر کرتے کرتے ان کو کھانسی آئی، کہا: لاؤ نا دیوبند۔ اگالدان (وہ برتن جس میں تھوکتے ہیں) لایا گیا۔ اس کے بعد اس میں تُھوکر کے زور سے تھوکا۔ اس اگالدان کا نام دیوبند رکھا۔

بریلویوں کے یہاں دیوبند و تھانہ بھون

ایک جگہ پر جانا ہوا وہاں ایک مکتب تھا، مدرسہ تھا ان (بریلوی) لوگوں کا۔ دیکھا: کہ ایک جگہ پر لکھا ہوا ہے جلی قلم (موٹے) سے، دیوبند، اور ایک جگہ پر لکھا ہوا تھا تھانہ بھون۔ یہ کیا؟ معلوم ہوا کہ ایک پاخانہ ہے اور ایک پیشاب خانہ ہے۔ بچہ جب استاذ سے پوچھتا ہے کہ میں پاخانہ کیلئے جاؤں، پیشاب کیلئے جاؤں تو اس طرح (پاخانہ پیشاب کہہ کر) نہیں پوچھتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میں دیوبند جاتا ہوں، میں تھانہ بھون جاتا ہوں۔

(دیوبند کا لفظ تو ظاہر ہے۔ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ قیام فرماتھے۔)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق فریب دہی

کانپور میں ایک صاحب نے کہا: کہ میں پہلے مولانا حشمت علی صاحب

(خلیفہ مولانا احمد رضا خاں) سے بیعت تھا۔ اور مجھے انہوں نے بتا رکھا تھا، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کہ (العیاذ باللہ) ان کا چہرہ خنزیر جیسا ہوگیا ہے۔ اس لئے ہر وقت وہ (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) چہرے پر پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔کسی کو دکھلاتے نہیں۔(ایسا اس لئے ہوگیا ہے) کیونکہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔

تو مولانا (اشرف علی تھانوی ؒ) کانپور تشریف لائے، اس شخص نے کہا: کہ میں قصداً دیکھنے کیلئے آیا کہ ان کے چہرے پر پردہ پڑا ہوا ہے یا نہیں۔آ کے دیکھا مجلس میں (حضرت تھانوی ؒ) بیٹھے ہیں کوئی پردہ نہیں ہے۔نورانی چہرہ، بڑا خوبصورت، انکی (حضرت تھانوی ؒ کی) صورت دیکھتے ہی میری زبان سے اپنے پیر کے متعلق لعنت نکلی کہ خدا تم پر لعنت کرے، تم نے مجھے اب تک دھوکے میں رکھا، پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوا۔

ایک عورت کا خواب

ایک عورت پہلے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے بیعت تھی۔اس کے بعد حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئی۔اس نے اپنا خواب لکھا (حضرت تھانوی ؒ کو): کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب یوں کہہ رہے ہیں کہ اشرف علی یوں کہتا ہوگا کہ احمد رضا خاں بڑا بدمعاش تھا۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ الحمد للہ میں نے کبھی یہ لفظ نہیں کہا۔میں اپنی زبان کیوں خراب کروں۔

ہمارے بزرگوں کا تو یہ طریقہ کہ کیوں اپنی زبان کو خراب کیا، کیوں کسی کو برا کہا؟ اتنی دیر کسی کو گالی دینے یا برا کہنے کے بجائے اپنا کام کرنا چاہئے۔

....

بیان القرآن اور حضور اقدس ﷺ کی بشارت

خواب میں دیکھا ایک صاحب نے: کہ حضور اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں، کسی آیت کا مطلب اس (خواب دیکھنے والے) نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ”بیان القرآن) میں دیکھو۔ بیان القرآن تفسیر ہے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی۔

انہوں نے یہ خواب مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا، تو مولانا تھانویؒ نے فرمایا: ع

بریں مژدہ گر جاں برفشانم رواست

کہ اس خوشخبری پر اگر میری جان بھی قربان ہو تو ٹھیک ہے۔ پھر ساری رات نہیں لیٹے بلکہ اس خوشخبری کے شکریہ میں پوری رات برابر درود شریف پڑھتے رہے۔

بزرگوں کا حوصلہ

اور دیکھئے حوصلہ کتنی بلند بات ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھئی! مولانا احمد رضا خاں صاحب ہم لوگوں کو برا کہتے ہیں۔ غصہ ہے ان کو شاید وہ یہی سمجھتے ہوں کہ ہم گستاخی کرتے ہیں حضور اقدس ﷺ کی شان میں۔ اس وجہ سے وہ غصہ کرتے ہیں، یہ جذبہ اللہ کے یہاں بڑا قابل قدر ہے۔ کیا بعید ہے کہ یہی جذبہ ان کے لئے ذریعہ نجات بن جائے۔

اگر چہ یہ بات (کہ ہم حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں) بالکل غلط ہے۔ ہم حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی نہیں کرتے۔ لیکن جس شخص کو وہ یہ سمجھیں کہ وہ گستاخی کرتا ہے۔ اس شخص کے متعلق غصہ ہونا ہی چاہئے۔

وہ اس چیز کو ان کے لئے ذریعہ نجات تجویز کرتے ہیں اور یہ (اعلیٰ حضرت بریلوی صاحب) بڑی سے بڑی عبادتوں کو بھی ذریعہ نجات تجویز کرنے کے لئے تیار نہیں۔

....

چند مزید واقعات

بعض بریلویوں کی حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ سے سفر حج میں ملاقات

بمبئی کے قریب ایک جگہ بھیونڈی ہے۔ وہاں بھی ایک سال مناظرہ کی ٹھن گئی تھی، مولانا ارشاد صاحب مرحوم (مبلغ دارالعلوم دیوبند) کے ساتھ۔ مجھے اسی سال حجازِ مقدس جانا تھا۔ وہاں کے چند لوگ بھی حجاز جانے والے تھے۔ ایک ہی جہاز میں ہم اور وہ لوگ بیٹھ گئے۔ کھاتے پیتے ساتھ تھے، کسی قسم کی کوئی اختلافی بات نہیں ہوتی تھی، مکہ مکرمہ گئے، پندرہ رمضان تک وہاں رہے۔ اس طرح سے کہ ہر روز تراویح کے بعد ہم لوگ حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ) کی ہمرکابی میں تنعیم جاتے تھے وہاں سے احرام باندھ کر آتے تھے، عمرہ کرتے تھے، پھر حلال ہو جاتے تھے، اس واسطے چودہ عمرے اس رمضان میں ہو گئے، اس کے بعد مدینہ شریف گئے، آدھا رمضان وہاں گذارا، مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی میں صف اوّل میں بڑی جماعت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتی تھی، زیادہ وقت ان کا تلاوت میں گذرتا تھا۔ میں نے اس شخص کو دکھلایا کہ دیکھو یہ سب دیوبندی بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا یہ سب گستاخانِ رسول ﷺ ہیں؟ ان میں سے کسی کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ محبت نہیں۔ وہ شخص رو پڑا کہ ہمیں اندھیرے میں رکھا ہمارے بڑوں نے، اتنی برائیاں کیں دیوبندیوں کی ہمارے سامنے کہ ان کے نام سے نفرت ہو گئی۔

بس اس کے بعد اس کے سب حالات درست ہو گئے، داڑھی بھی اس نے رکھ لی، دیر تک خط و کتابت بھی رہی۔

مسلمان دین کے اعتبار سے کتنا ہی کمزور ہو بے عقل ہو لیکن حضرت نبی اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ پھر جب دیوبندیوں کا تعارف اس طرح سے کرایا جائے کہ یہ لوگ حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں تو کس مسلمان کے دل میں غضب اور غصہ پیدا نہیں ہوگا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے قافلہ کا بمبئی میں قیام

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حجازِ مقدس جانے کا ارادہ کیا، بڑا قافلہ ساتھ تھا، بمبئی میں ان کو ٹھہرنے کے لئے جگہ نہیں ملی، آبادی سے باہر ایک جگہ کو کرایہ پر لے لیا، آسانی سے وہاں شامیانہ تان کر ٹھہرے، کئی روز ٹھہرنا تھا جہاز کے انتظار میں، ہر طرف شور ہوا کہ وہاں وہابی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ بریلوی لوگ بھی آتے تھے دیکھنے کے لئے، کچھ لوگ دور سے دیکھتے تھے کچھ لوگ پاس آ کر دیکھتے جاتے تھے، کہتے تھے بھئی دیکھتے ہو کہا جاتا ہے کہ یہ وہابی ہیں، یہ تو بڑے اچھے ہیں، کوئی تلاوت میں مشغول ہے کوئی تسبیح پڑھ رہا ہے کوئی دعا کر رہا ہے کوئی رو رہا ہے۔

بنیا وہابی

پشاور کا واقعہ ہے کہ ایک امام صاحب مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے آئے، مسجد کے قریب ایک ہندو بنئے کی دوکان تھی۔ امام صاحب اس سے سودا خریدتے تھے، زیادہ تر ادھار لیتے تھے، سامان لیتے تھے، سامان لیتے رہے، قرضہ بہت ہوگیا امام صاحب پر۔ تو اس بنئے نے امام صاحب کو کچھ سخت بات کہدی کہ میرے پیسے نہیں دیتے کھاتے رہتے ہیں۔ امام صاحب نے مسجد میں اعلان کردیا کہ (ہندو) بنیا وہابی ہوگیا۔ بس کیا تھا سب نے اس کا بائیکاٹ کردیا۔ سامان خریدنا چھوڑ دیا۔ ان لوگوں کے ساتھ پہلے اس کے تعلقات بہت اچھے

تھے، ہنستے کھیلتے تھے اس کے ساتھ، اب اس کے ساتھ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں کرتا تھا، وہ سوچنے لگا کہ کیا بات ہوئی؟ اس نے کسی سے پوچھا: تو اس نے کہا: کہ تو تو وہابی ہوگیا۔ بنئے نے پوچھا: وہ کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا: ارے تو کیا سمجھے گا کہ وہابی کیا ہوتا ہے؟ ترکیب میں بتاؤں، امام صاحب سے کہنا آپ تو آتے نہیں کیا بات ہے؟ پیسے نہیں ہیں دینے کے لئے نہ سہی، پھر سہی سودا تو لیجئے، پیسے کی ضرورت ہے تو وہ بھی لیجئے، بنئے نے ایسا ہی کیا، اب امام صاحب نے اعلان کیا کہ اس نے (بنئے نے) وہابیت سے توبہ کی۔ اب یہ وہابی نہیں رہا۔ پھر لوگوں نے حسب سابق سامان خریدنا شروع کر دیا۔

چائے کی تواضع سے بدعتی میں تبدیلی

کانپور میں ایک شخص بہت بڑا بدعتی تھا۔ حوض کے اس کنارے پر میں اور دوسرے کنارے پر وہ وضو کر رہا تھا۔ کسی شخص نے اس سے کہا: کہ یہاں اس مسجد میں حدیث کی کتاب سنائی جاتی ہے۔ آپ تشریف نہیں لاتے، کہنے لگے میں تو نہیں سن سکتا، میں کیسے آؤں، میرے نزدیک تو یہ مسلمان ہی نہیں ہیں۔ میں نے بھی یہ الفاظ سنے اور مجھے سنانے کے لئے ہی اس نے کہے تھے۔

میں ایک روز ہوٹل میں چائے پینے کے لئے گیا۔ وہاں وہ بھی تھے، میں نے ہوٹل والے سے کہا: بھئی! حلوا لاؤ چائے لاؤ۔ اور ان کی تواضع کی، انہوں نے ہلکا سا انکار کیا، اس کے بعد شریک ہوگئے، بس میری ساری دیوبندیت، وہابیت، کفریت ختم ہوگئی۔

ایک روز مسجد میں امام صاحب موجود نہیں تھے، تو مجھ سے کہا: کہ آپ نماز پڑھائیے، میرے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہوگئے۔ (اس سے پہلے مسلمان بھی نہیں سمجھتے تھے) میں نے کہا: بس۔

اسی مسجد میں دستار بندی کا جلسہ تھا، میں نے تقریر کی، انہوں نے سب سے پہلے اٹھ

کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ ہاتھ چومے اور کہا: کہ آپ نے تو دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ غرض دو چمچہ حلوا اور ایک کپ چائے سارے کفر کا کفارہ بن گئی۔

ایک مناظرہ

مولانا صدیق احمد صاحب (باندوی رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک دفعہ اطلاع کی کہ یہاں قریب کے گاؤں میں فلاں پیر صاحب آ رہے ہیں، ایک شادی ہے، لوگوں نے مجھے بھی بلایا ہے، میں بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں، جاتا ہوں تو وہ پیر صاحب ہمارے اکابر کو گالیاں دیتے ہیں، گالیاں دیں گے سننی پڑیں گی، اگر میں بولتا ہوں تو فساد ہو جائے گا، غرض بولوں تو مصیبت نہ بولوں تو مصیبت۔ کیا کروں۔

چنانچہ شادی ہوئی، پیر صاحب نے مناظرہ کے لئے کہا: مولانا صدیق صاحب نے کہا: کہ مناظرہ سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ بے کار ہے۔

اس نے کہا: اگر مناظرہ نہیں کرتے تو دیوبندیت کی لعنت سے توبہ کرو۔ انہوں نے مولانا کو مجبور کیا، تو مولانا نے کہا: اچھی بات ہے، چلو مناظرہ سہی۔

وہ پیر صاحب مولانا سے بولے کہ اپنے پیر صاحب کو بلا لو، تاریخ مقرر کر لو، مولانا نے کہا: یہی آج ہی کی تاریخ ہے (جمع ہو ہی گئے ہیں) کسی کو بلانے کی ضرورت ہی نہیں، میں تنہا کافی ہوں، اس پر پیر صاحب نے کہا: کہ اس وقت مناظرہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہمیں حج کو جانا ہے۔ حج سے واپسی پر مناظرہ ہوگا۔

مجھے اطلاع کی کہ یہ ہو گیا۔ میں نے کہا: یہی غنیمت جان لو، اب جو حضرات اہل قلب ہیں اللہ نے جن کے دل میں اپنا خوف اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دی ہے، ان کی تقریر کرائیے، جلسے کرائیے، اور صرف حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق بیان کیجئے اور یہ کہ ان کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے ذہنوں مین جو مغالطہ ہے وہ

ختم ہو جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جب پیر صاحب واپس پہنچے تو مولانا نے مجھے اطلاع کی، میں دیوبند سے وہاں پہنچا اور دوست واحباب کو بھی بلالیا۔ مولانا ارشاد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند سے، مولانا قاری صدیق صاحب باندہ سے، لکھنؤ سے مولانا عبدالسلام، مولانا عبدالوحید فتحپور سے، کانپور سے مولانا منظور صاحب، مولانا مبین صاحب، مولانا ریاست صاحب، غرض بڑا مجمع کا مجمع پہنچا، لیکن ادھر حکومت نے کلکٹر نے دفعہ ایک سو چوالیس (۱۴۴) قائم کردی کہ کسی جلسے کی اجازت نہیں۔ اور ہم بھی پولیس کے پہرے کے باوجود ٹرک میں بہت احتیاط سے پہنچ ہی گئے۔

ان لوگوں نے ہمارے پاس اطلاع بھیجی کہ کلکٹر کی طرف سے ممانعت ہوگئی ہے۔ لہٰذا ہم لوگ دوبارہ اپنے آدمیوں کو بھیج رہے ہیں تاکہ اجازت ہو جائے، آپ بھی اپنا نمائندہ بھیج دیجئے تاکہ دونوں فریق کی موجودگی میں اجازت ہو جائے، ہم نے کہا: بہت اچھا۔ بھیج دیا نمائندہ۔

مناظرہ میں مباحثہ

کلکٹر ہندو تھا۔ اس نے کہا: کیا بات ہے، مناظرہ کیا ہوتا ہے؟

انہیں بتلایا گیا کہ جس طرح سے عدالت میں دو وکیل کھڑے ہو کر گفتگو کرتے ہیں۔ ایک کہتا ہے اس طرح سے ہے۔ دوسرا کہتا ہے اس طرح سے نہیں بلکہ اس طرح ہے، اسی طرح مناظرہ ہوتا ہے۔ کلکٹر نے کہا: یہ تو مباحثہ ہے۔ اس میں کیا حرج ہے؟ کس بات پر ہے مباحثہ؟

کسی مسلمان کو کافر کہنے کا حق نہیں

ان سے کہا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے عالم جو گذرے ہیں یا کچھ موجود ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ مثلاً مولانا حسین احمد مدنی، مولانا حفظ الرحمن، مولانا محمد میاں،

مولانا احمد سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ علماءِ دیوبند کا نام لیا جو سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے (کہ ان لوگوں کو ان ہی کا تعارف زیادہ ہوتا ہے)۔

کلکٹر نے کہا: یہ ان کو کہتے ہیں مسلمان نہیں ہیں۔ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ یہ تو غلط طریقہ ہے۔ ایک پنڈت کو یہ تو کہنے کا حق ہے کہ میں پنڈت ہوں، لیکن یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں پنڈت پنڈت نہیں۔ اپنے متعلق تو دعویٰ کرسکتا ہے لیکن دوسرے کے متعلق نفی نہیں کرسکتا۔ اس پر تو فساد ہو جائے گا، جب مسلمانوں کے بڑوں کو یہ کہا جائے گا کہ وہ مسلمان نہیں۔ پھر اس کو کون برداشت کرے گا۔ اس پر ان لوگوں (بریلویوں) نے کہا: کہ جی ہاں وہ مسلمان نہیں تھے، اس پر کلکٹر نے کہا: کہ یہ نیکی پھیلانے کے لئے کیا میرا ہی ضلع رہ گیا، سب کو پکڑ کے بند کردوں گا خوب ڈانٹ دیا۔ غرض مناظرہ ہی ختم ہوگیا۔

دیوبند مناظرہ کے لئے آنے کی دعوت

جب وہاں سے واپس ہونے لگے، اس شخص نے کہا: کہ صاحب ہم تو مناظرہ سننے کیلئے آئے تھے، آپ جارہے ہیں۔ ہم نے کہا: ہم بھی مناظرہ کرنے آئے تھے، آپ اجازت لو کلکٹر صاحب سے، یہ آپ کا ضلع ہے، ہم تیار ہیں مناظرہ کیلئے اگر اجازت مل جائے، اگر تم لوگ اجازت نہیں لے سکتے، ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں، چلو دیوبند، یہاں ہم آپ کی دعوت پر آئے تھے، وہاں آپ ہماری دعوت پر آئیں، وہاں کلکٹر سے اجازت لینا ہمارے ذمہ ہوگا۔ بلکہ جتنے مہمان آپ کے ساتھ ہوں گے ان سب کا کھانا بھی ہمارے ذمہ۔

انہوں نے کہا: ہم دیوبند تو نہیں آسکتے، ہم نے کہا: ہم نے تو یہ جواب نہیں دیا تھا کہ ہم آپ کے یہاں نہیں آسکتے۔

بریلوی سنی نہیں ہوسکتے

ایک اور شخص نے کہا: ہم تو مناظرہ کے لئے آئے تھے، میں نے کہا: تم کون ہو؟

اس نے کہا: سنی ہوں۔ مولانا احمد رضا خاں کا معتقد ہوں۔ میں نے کہا: وہ تو سنی نہیں تھے، اس واسطے کہ انہوں نے کہا ہے کہ مجھے سنتیں معاف ہیں۔ جس کی سنتیں معاف ہوں وہ سنی کیسے ہو سکتے ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں کی کتابوں میں یہ موجود ہے کہ:

”بحمد اللہ میں اپنی حالت وہ پاتا ہوں کہ سنتیں مجھے معاف ہیں۔ میں نے سنتیں تو نہیں چھوڑیں۔ البتہ نفلیں اسی روز سے چھوڑ دیں۔“

حالانکہ نفلیں پڑھنا بھی حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے تو نہیں چھوڑیں، جب سنتیں معاف ہیں تو سنی کیسے؟

مناظرہ سے انکار مت کرنا

مولانا ریاست علی صاحب نے کہا: کہ اچھا کوٹ (مقام کا نام) چلو وہاں مناظرہ کریں گے، لیکن وہ کہاں آتے۔

بہر حال مناظرہ نہیں ہوا۔ خوب روپیہ اور چالیس من غلہ ان لوگوں نے مناظرہ کے لئے جمع کیا تھا یہ کہہ کر کہ وہابیوں کے یہاں سنت کا جھنڈا گاڑنا ہے، اب ان کی جماعت نے مطالبہ کیا کہ ہمارا غلہ اور روپیہ واپس کیجئے۔ جب مناظرہ نہیں ہوا تو غلہ اور روپیہ کیوں رکھتے ہو؟ لائیے واپس۔ ان کا تو گذارہ ان ہی چیزوں پر ہے۔ پھر انہوں نے یہ تجویز کی کہ کانپور میں مناظرہ ہوگا۔ کانپور سے مجھے اطلاع کی گئی، میں نے کہا: کہ انکار ہرگز مت کرنا مناظرہ سے، جو شرائط وہ رکھیں رکھنے دیں۔

اصل میں وہ چاہتے تھے کہ چاہے ایک ہی جھڑپ ہو جائے تاکہ یہ غلہ اور روپیہ ہضم ہو جائے، مناظرہ سے چورن کا کام لینا چاہتے تھے۔ وہاں بھی مناظرہ نہیں ہوا۔ البتہ اپنا جلسہ کر کے تقریریں کیں۔ جو کہنا تھا کہہ دیا۔

اور حال ان کا یہ کہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے چھیڑتے رہتے ہیں، گالیاں دیتے رہتے ہیں، پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ کرتے رہیں جو کچھ کرتے ہیں۔ ہمیں ان کا کیا

جواب دینا ہمارے اکابر کا کام دنیا کے سامنے ہے۔ ہمیں اپنے کام سے فرصت نہیں۔

حضور اقدس ﷺ نے تسلی دی

لکھنؤ میں ایک صاحب رہتے ہیں، مولانا وارث حسن کے صاحبزادے۔ مولانا وارث حسن صاحب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ ان کے پاس ایک شخص آیا۔ اس نے کہا: میں مرید ہونا چاہتا ہوں، لیکن میں فلاں فلاں کو مسلمان نہیں سمجھتا، کافر سمجھتا ہوں، اکابر دیوبند کا نام لے لے کر کہا: کہ ان کو کافر سمجھتا ہوں۔ اس کے باوجود آپ مجھے مرید کر سکتے ہیں تو کر لیں۔ انہوں نے مرید کر لیا۔

پھر ایک روز وہ شخص آیا، بدن کانپتا ہوا، روتا ہوا، بہت بے قرار، اس نے عرض کیا: میں نے خواب میں زیارت کی حضرت نبی کریم ﷺ کی، کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضور اقدس ﷺ کے قدموں پر اس طرح سے ہاتھ رکھے ہوئے دوزانو بیٹھے ہوئے ہیں، جس طرح سے التحیات میں بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں حضور! میرا قصور تو بتا دیجئے کیا ہے؟ یہ لوگ کیوں مجھے برا کہتے ہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھ ان کے پکڑے اور پکڑ کر سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا: ’’میں تو برا نہیں کہتا، میں تو برا نہیں کہتا۔‘‘

پھر اس شخص نے کہا کہ: اب میں اس واسطے آیا ہوں کہ آپ کے سامنے توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ ان حضرات کو کبھی برا نہیں کہوں گا۔

اس لئے ہمیں اپنی براءت کے لئے اور اپنے اکابر کی براءت کے لئے کچھ نہیں کہنا، ان کی خدمات لوگوں کے سامنے ہیں اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

البتہ بھئی! جو حضرات مخالف ہیں، دعا کریں ان کے لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قلب میں صلاحیت پیدا فرمائے، غلط راستے سے حفاظت فرمائے، حضرت نبی کریم ﷺ کا حقیقی متبع بنائے۔ آمین!

ختم شد

سلام بدرگاہِ خیر الانام

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

پیش فرمودہ: فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ

بڑھاپا ہے چلا ہوں سوئے طیبہ
لرزتا لڑکھڑاتا سر جھکائے

گناہوں کا ہے سر پر بوجھ بھاری
پریشاں ہوں اسے اب کون اٹھائے

کبھی آیا جو آنکھوں میں اندھیرا
تو چکرا کر قدم بھی ڈگمگائے

کبھی لاٹھی کبھی دیوار پکڑی
کبھی پھر بھی قدم جمنے نہ پائے

نہ بیٹا ہے نہ پوتا ہے نہ بھائی
کوئی گھر کا نہیں جو ساتھ جائے

نہیں کچھ آرزو اب واپسی کی
وہیں رکھے خدا واپس نہ لائے

مگر چلتا رہوں گا دھیرے دھیرے
دیا والا میری نیّا ترائے

وہاں جا کر کہوں گا گڑ گڑا کر
سلام اس پر جو گرتوں کو اٹھائے

سلام اس پر جو سوتوں کو جگائے
سلام اس پر جو روتوں کو ہنسائے

سلام اس پر جو اجڑوں کو بسائے
سلام اس پر جو بھوکوں کو کھلائے

سلام اس پر جو پیاسوں کو پلائے
سلام اس پر جو گرتوں کو بچائے

□□□

اِلتجا

پیش فرمودہ: فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ

با ادب درود و سلام من، بہ در نبی بہ رساں صبا
پس از اں ببیں، کہ چساں شود بہ جواب وا، لبِ جاں فزا

چوں شود قبول بہ درگہش، بہ فرشتہ حسنات گو
بسرم نہند، بہ شکل تاج، جوابِ شاہِ مدینہ را

بہ ذخیرہ ام نہ عبادتے نہ ریاضتے، بہ خدا قسم
چہ شرف بلند بود مرا، زغلامی شہِ دوسرا

نہ عمل بہ من، نہ خلق بہ من، نہ صفاءِ سرو علن بہ من
زحیا سرم نہ شود فراز، ہمیں بس است مرا سزا

چو شود حسابِ گناہِ من بصد التجا بہ نبی رسم
نہ شود غلام شما، ذلیل، پر از گناہ پر از خطا!

بہ شفاعتِ شہ انبیاء، کرمِ کریم نظر کند
ہمہ جرمہائے سیاہِ من بہ شود مرا سبب عطا

چہ مدیح ذرہ نعل پاک نبی شود ز قلم بیاں!
مہ وخور فلک بکنند نثار، وملک بہشت ثمر فدا

قدم نبی ﷺ بہ سرش فتد زہے یاوریٔ نصیبِ او
بہ قمر چگونہ بہم رسد زرہِ قدم شدہ ایں عطا

چو شود زقبر بروں سرم بہ ہزار شوق ندا کنم
بتنم بجائے کفن نہند غبارِ راہِ مدینہ را

زگناہ زندگیم تباہ کنوں خجل شدہ آمدم
بہ غلامِ عاصی سرنگوں نظر کرم نظر کرم

□□□

مکتبہ محمودیہ کی اہم مطبوعات

۱	فتاویٰ محمودیہ ترتیب جدید (۳۱/جلدیں)	۲۱	مواعظ فقیہ الامت ۵/جلدیں
۲	الرفیق الفصیح لمشکوۃ المصابیح (۱۵/جلدیں)	۲۲	تربیت الطالبین
۳	گلدستۂ سلام بدرگاہ خیر الانام ﷺ	۲۳	ترجمہ عمل الیوم واللیلۃ اردو
۴	تذکیر الاحباب، بعد وفات قطب الاقطاب	۲۴	محمود الاعمال
۵	رفع یدین اور قرأۃ فاتحہ خلف الامام	۲۵	تحفۂ اسکوٹ لینڈ
۶	نعت محمود، وصف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم	۲۶	آسان فرائض
۷	حیات محمود (سوانح) مکمل ۲/جلدیں	۲۷	ارمغان اہل دل (کلام محمود)
۸	ملفوظات فقیہ الامت ۳/جلدیں	۲۸	وصف شیخ
۹	معاشرت پر ایک نظر (جدید مع حذف واضافہ)	۲۹	لطائف محمود
۱۰	صلوۃ وسلام اور معمولات یومیہ مع شجرۂ مبارکہ	۳۰	غیر مقلدیت
۱۱	مکتوبات فقیہ الامت ۳/جلدیں	۳۱	رد شیعیت
۱۲	مناقب النعمان (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ)	۳۲	آئینہ مرزائیت
۱۳	گلدستۂ سلام بدرگاہ خیر الانام ﷺ	۳۳	رضاخانیت
۱۴	مسلک علمائے دیوبند اور حب نبی ﷺ	۳۴	اسباب لعنت
۱۵	ذکر محمود (یعنی مختصر سوانح حضرت فقیہ الامت)	۳۵	اسباب غضب
۱۶	اصول حدیث منظوم نافع (ترجمہ تشریح)	۳۶	حقیقت حج
۱۷	اصول حدیث منظوم نافع	۳۷	حدود اختلاف (ترتیب جدید)
۱۸	جناب گرونانک جیؒ اور اسلام (ہندی)	۳۸	سرکاری سودی قرضے
۱۹	جناب گرونانک جیؒ اور اسلام (اردو)	۳۹	مشائخ احمد آباد
۲۰	جناب گرونانک جیؒ اور اسلام (پنجابی)	۴۰	شاہد قدرت